طلسم

ایم اے راحت

حصہ 1

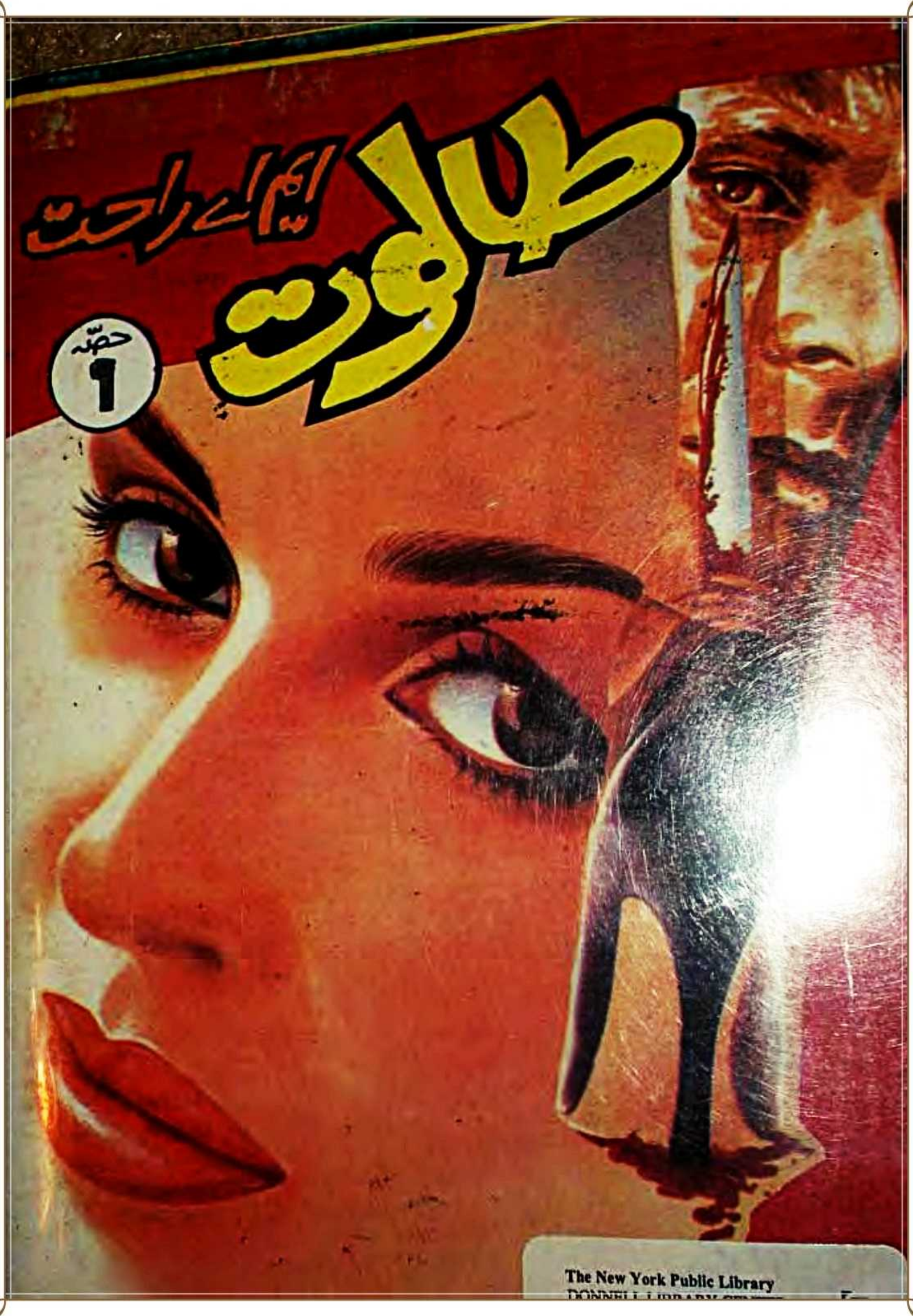

The New York Public Library

Talut Part I
By: M.A Rahat
Price P.B. Rs.40/=
Price H.B. Rs.60/=
Edition : 2000
KITAB WALA
2794, Gali Jhot Wali,
Pahari Bhojla, Delhi-110006
Ph.: (O)328 1499, (R)2293249

www.urdukorner.com

نام ناول : طالوت (حصہ اول)
مصنف : ایم۔اے۔راحت
سن اشاعت : ۲۰۰۰ء
قیمت رف : =/۴۰ روپے
قیمت مجلد : =/۶۰ روپے
مطبوعہ : فائن آفسیٹ پریس شاہدرہ، دہلی۔32
ناشر : کتاب والا 2794، گلی جھوت والی،
پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔110006

دیوار پر لگے ہوئے کلاک نے ٹن ٹن کر کے آٹھ گھنٹے لیکن اس کی سوئیاں ساڑھے نو کے ہندسے بتا رہی تھیں۔ یہ سلسلہ کو سلسلہ ٹوٹ گیا اور میں نے گھبرا جانے والی نگاہوں سے کلاک کی طرف دیکھا۔ اس کمبخت کو بھی اسی وقت مذاق سوجھا تھا۔ علی الصبح ٹھیک آٹھ بجے میں اپنے فلیٹ میں داخل ہوا تھا اور ساڑھے نو بجے اللہ بخش اسسٹنٹ کا بیرہ میرے لئے کھانا لے کر آیا تھا۔ ٹھیک گیارہ بجے میں نے اپنے ایک بینک ریڈیو سے رات کی خبریں سنی تھیں۔ تقریباً بارہ بجے میں بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اور ایک گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد بھی نیند نہ آنے پر اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پھر نہ جانے کتنی دیر تک میں نے زرینہ کو ایک نفیس بھرا خط لکھنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن پیڈ کا آخری کاغذ ہم پھاڑنے کے باوجود خط نہ لکھ سکا تھا۔ تب خط لکھنے کا ارادہ ملتوی کر کے میں کچھ اور سوچنے لگا تھا۔

اور اس وقت سے اب تک مسلسل سوچ رہا تھا۔ ہانی لائٹ کے نئے پیکٹ میں آخری سگریٹ رہ گئی تھی اور میں نے سوچ بچار میں پوری تیس منٹیں پھونک ڈالی تھیں اور اتنی سگریٹیں پینے میں کم از کم دو گھنٹے ضرور لگے ہوں گے۔ لیکن کمبخت کلاک آٹھ بجا رہا تھا اور اس کی سوئیاں ساڑھے نو کے ہندسے پر تھیں۔!

لیکن کلاک بھی کیا کرتا۔ وہ اپنی ماں کی آخری نشانی میں تھا۔ میں نے سنا تھا کہ اس کی بھابی میں بھی وہ سب توفیق اپنا فرض ادا کر دیتا تھا۔ اس کی گھڑی ساز کی تھی لیکن افیونی پیر مار کی سی تھی۔ جو ان کے بارے میں بچپن کی چمک کر جاگتے رہنے کا خمار تمام تر غلطی اسی کی تھی۔ میں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ کبھی اس کی خوشنما اور چمکدار تھا۔ گھنٹے کے وہ پرانی ٹیبل پر جس پر نقش و نگار بنے ہوئے تھے لیکن اب سرے سے ٹیبل ہی غائب تھا۔ گرد اور میل کچیل سے قیمتی چمکدار گھنٹے کا رنگ جل گیا تھا۔ اندرونی حصہ (جو کہ گھڑی کا دل ہوتا ہے) خراب ہو گیا تھا اور مکڑی کے جالوں نے اس کے کونوں کھدروں کو اپنی آماجگاہ بنا رکھا تھا۔ البتہ جب کبھی اس کا گھنٹہ بجتا تھا تو بچے اپنے کھیل کود چھوڑ کر باہر نکل آتے اور دور پار بھاگ دوڑ رہے ہوتے تھے کہ اچانک انہیں سنائی دیتا کہ گھر واپس لے جاتے اور بہادر بننے کی تلقین کرتے۔ سیاہ اور چمکدار سوئیاں ڈھیلی ہو کر بے جان ہو گئی تھیں وہ اس شریر گھنٹے کا ساتھ نہ دے پاتی تھیں اور جب وہ دن کے بارہ بجا رہا ہوتا تو سوئیاں بلندی سے پستی میں آ پڑتیں اور سارے بچے جان جاتے کہ کلاک کو بے تحاشہ قہقہے کرتے ہیں پھر خود خوش میں مصروف ہو گیا۔

کیا کرنا چاہیئے۔ مرزا فرحت بیگ نے مجھے شکست فاش دی تھی۔ ادب بے اثر نہ تھا۔ مجھے میں سال بھر تک اثر بنایا تھا۔ اس سے بہتر تو انجیلا تھی۔ اگر اس کی دونوں آنکھیں ایک وقت مختلف سمتوں میں نہ دیکھتی ہوتیں اور ٹھوڑی پر پیدائشی ہوتا تو وہ زیادہ نہیں خوبصورت تھی۔ اس کا تذکرہ نہ کہیں اچھا تھا

[illegible] ہوئی تھی۔ وہ سنار جہاں سے سب نے مل کر نذرینہ کو تحائف پیش کئے وہیں سے اختر بیگ نے بھی اپنا تحفہ نذرینہ کو دیا۔!

یہ سنہری محل کا ایک کمرہ تھا۔ "میرے خدا یہ سب کیا ہے؟" نذرینہ نے حیرت سے اختر بیگ سے پوچھا۔ "یہ تمہارا ہے۔" اختر بیگ نے جواب دیا۔ "میرا؟" نذرینہ نے حیرت سے کہا۔ "ہاں تمہارا۔" اختر بیگ نے کہا۔ "لیکن یہ اتنا سارا سامان؟" نذرینہ نے کہا۔ "یہ سب تمہارا ہے۔" اختر بیگ نے کہا۔ "لیکن میں اتنا سامان کیا کروں گی؟" نذرینہ نے کہا۔ "تم جو چاہو کرو

[illegible] بننے بنانے دولت کے حصول کی ترکیب سوچتا رہا۔ اغوا کی واردات کیا جاسکتا ہے۔ بآسانی۔ اسے تاوان کی رقم بھی لی جاسکتا ہے خواہ کوئی بھی خطرات کیوں نہ مول لینے پڑیں۔ لیکن اس طرح نذیرہ کی قیمت تو نہیں حاصل کی جاسکتی۔ پوری زندگی کا مناسب سرمایہ یہی کوئی دو لاکھ جو پورا نہیں ہوسکتے۔ دولت کے حصول۔ کیا دولت کا حصول ناجائز طریقے سے حاصل ہو، یا ناجائز طریقے سے۔!

اور ناجائز طریقے سے دولت کے حصول کے لیے اس سے بہتر اور کوئی ترکیب نہیں ہوسکتی تھی جو سگریٹ کے آدھے ہونے تک میرے ذہن میں آئی تھی اور اس ترکیب پر میں عمل بھی کر چکا تھا۔ ایک تیر سے دو شکار! اختر بیگ کی شادی ہوجاتی گی، اور نذیرہ کے حواس دوست ہوجائیں گے! ہاں خود میرا اپنا سوال۔ تو۔ فوریک۔ لوگیم۔ خطرہ مول لیے بغیر زندگی گزارنا مشکل ہے۔ یوں بھی اس عمر اور بے عزتی کی زندگی میں اب اس دفتر میں کام نہیں کرسکوں گا! نذیرہ جب مسز اختر بیگ بن کر دفتر میں آئے گی تو میرا مذاق اڑایا کرے گی۔ اس طرح اگر میں کوئی جذباتی قدم اٹھا گیا تو یہ بھی مصیبت مول لینا پڑے گی۔ اس سے دوسری مصیبت کیوں نہ مول لی جائے۔ سگریٹ ختم ہونے تک میں اپنے فیصلے کو یقین کی شکل دے چکا تھا۔ میں بزور طاقت دولت حاصل کرنے کا پروگرام بنا چکا تھا۔ سگریٹ ختم ہوگئی۔ لیکن اب مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ میرا ذہن ایک راہ سوجھا رہا تھا۔ میں نے دفتر سے پیڈ کے کاغذ اٹھانے بھی بند میں لفافہ کو ایک خاص طریقے سے کھولنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ آدھے گھنٹے سے چند کاغذوں کو سیدھا کرکے ان کی شکنیں نکالیں اور پھر جوڑ کر اپنے پروگرام کا خاکہ ترتیب دینے لگا۔ میں اپنے پروگرام کے ایک ایک نکتے پر غور کرتا رہا اور پہرست سے کاغذوں پر مشتمل پروگرام کو ذہن نشین کرنے کے بعد میں نے اپنی نظریں کاغذوں پر جما دیں۔

اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے میں میری شخصیت سے کسی قسم کی کمزوری تو ظاہر نہیں ہونے پائے گی، میں نے اندازہ لگایا کہ نہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں اور پوری دلچسپی سے اپنا کام انجام دے سکتا ہوں اور پھر میں نے تمام کاغذوں کو ایک جگہ جمع کرکے ان کو پھاڑ دیا۔ ایک ایک ٹکڑے کو دھکے کے ڈھیر میں تبدیل کرنے کے بعد میں نے اطمینان کا وہ لمبا سانس خارج کردیا۔ کاغذوں کے باقی ٹکڑوں کو میں نے ٹھکانے ٹھکانے ٹھکان

شروع کا دیر ہی سے ہو رہا تھا۔ اس لئے ہم نے سوچا کہ ہم بھی کھانا کھا لیں۔ ہوٹل کے ویٹر نے ہمیں ایک میز پر بٹھا دیا۔ ہم نے کھانا کھایا۔ اس دوران میں ہم نے ویٹر سے کچھ باتیں بھی کیں۔ اس نے بتایا کہ وہ ہوٹل کا مالک ہے۔ وہ اکثر گاہکوں کی جیب پر نظر رکھتا ہے۔ اس کے ہوٹل میں بہت سے ویٹر ہیں۔ ہر ویٹر کا کام ہوٹل کے گاہکوں کی جیب پر نظر رکھنا ہے۔ جب کوئی گاہک ہوٹل سے باہر جانے لگتا ہے تو ویٹر اس کی جیب کاٹ لیتا ہے۔ اس طرح ہوٹل کے مالک کو بہت سا روپیہ مل جاتا ہے۔ ہم نے ویٹر سے کہا کہ ہم بھی جیب کترے ہیں۔ ہم نے اس کی جیب کاٹ لی ہے۔ ویٹر نے ہمیں بتایا کہ ہوٹل کے باہر ایک ٹیکسی کھڑی ہے۔ اس ٹیکسی کا ڈرائیور بھی جیب کترا ہے۔ ہم اس کی ٹیکسی میں بیٹھ کر چلے جائیں۔ ہم نے ویٹر کا شکریہ ادا کیا اور ہوٹل سے باہر آ گئے۔ ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنا پروگرام بتایا۔ وہ ہمیں ایک ایسی جگہ لے گیا جہاں بہت سے لوگ جمع تھے۔ ہم نے ان لوگوں کی جیبیں کاٹ لیں۔ ہم نے ان لوگوں کی جیبوں سے بہت سا روپیہ نکالا۔ ہم نے ٹیکسی ڈرائیور کو بھی کچھ روپیہ دیا۔ ٹیکسی ڈرائیور نے ہمیں ایک ایسی جگہ پہنچا دیا جہاں سے ہم پیدل چل کر اپنے گھر پہنچ گئے۔

ہم نے گھر پہنچ کر روپیہ گنا۔ ہمارے پاس بہت سا روپیہ تھا۔ ہم نے سوچا کہ اب ہمیں کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس روپیہ سے عیش کریں گے۔ ہم نے اپنے لئے بہت سے کپڑے خریدے۔ ہم نے بہت سا کھانا کھایا۔ ہم نے بہت سی شراب پی۔ ہم نے بہت سا وقت سو کر گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت سیر و تفریح میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ناچ گھر میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت سینما گھر میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ہوٹل میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ٹیکسی میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ریل گاڑی میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ہوائی جہاز میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت موٹر میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ہوائی اڈے پر گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ریل گاڑی کے اسٹیشن پر گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت بس اسٹینڈ پر گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ٹرام میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت بس میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ٹیکسی اسٹینڈ پر گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ٹیکسی میں گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ گزارا۔ ہم نے بہت سا وقت ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ گزارا۔

ہم نے بہت سا وقت ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ گزارا۔

وہیل چیئر پر بیٹھ پانے کی کوشش کی جو اپنی تمام تر خوبصورتی کے باوجود بوجھل نظر آتی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں اس قدر بیمار ہوں۔ یا پھر شاید یہ کہ پہلا بچہ ہونے کے بعد ہر عورت کی ایسی ہی حالت ہوتی ہو۔ وہ بوجھل کو سنبھال ہی جائے۔ شکر تھا کہ اس کیا رنٹ میں میرے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔! بلکہ میری یہ خوش نصیبی ہی تھی کہ ایک موٹے بھدے سے صاحب کیا رنٹ کا دروازہ کھولے ہوئے تھے۔ پھر انہوں نے ایک ایک کر کے تینوں چارپائیوں کو اندر پہنچایا۔ اس کے بعد عورتوں کی باری آئی۔ چشمہ لگائے شال اوڑھے ایک بڑی بی اندر داخل ہوئیں۔ پھر ایک نسبتاً کم عمر عورت اور پھر دو تین کم عمر لڑکیاں اور جوان لڑکیاں ان کے پیچھے سے شرارت بھری ہنسی اور پھر وہی موٹے صاحب۔! اندر داخل ہو کر ان سب نے عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھا۔ جیسے کسی عجوبے کو دیکھ رہے ہوں۔ اور پھر موٹے صاحب نے نفرت بھری نظروں سے مجھے دیکھ کر سامنے کی سیٹیں سنبھال لیں، قلیوں نے ان کا سفری سامان اندر پہنچا دیا تھا۔! میں نے کھڑکی سے سر لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ میرا سر پھٹ رہا تھا۔ میں کراہ رہی تھی اور میں گر پڑی۔ ٹرین سٹیشن سے روانہ ہو رہی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ میں بے حد علالت محسوس کر رہی ہوں۔ پھر جب گاڑی کھسکنے کا احساس ہوا تو میری جان میں جان آئی۔ دل اس طرح صاف نکل آنے کی خوشی بھی برداشت نہ کر پایا تھا اور میرا جسم بے ہوش ہو گیا تھا۔!

ٹرین نے رفتار پکڑ لی۔ اور میرا ذہن تاریک جزیروں میں بھٹکنے لگا۔ میرا جسم بے حد علالت محسوس کر رہا تھا۔ میں کسی طرح اس نامعلوم دل پر قابو پانے میں کوشاں تھا کہ میرے کانوں میں بیٹھی ہوئی بڑی بی کی آواز گونجی۔

"تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے بیٹے۔؟ شاید مجھے ہی مخاطب کیا گیا تھا۔ میں اس مخاطب پر چونک پڑا۔ لیکن میں نے آنکھیں نہیں کھولیں اور بڑی بی میرے جواب کا انتظار کرتی رہیں۔ پھر کسی سے بولیں۔

"ذرا فضل میاں دیکھو تو اس بچارے کو۔ مجھے تو یہ بیمار معلوم ہوتا ہے"

"اونہہ۔ ہونگا خدا جانے۔ آپ تو خواہ مخواہ ہر ایک سے ہمدردی جتانے بیٹھ جاتی ہیں۔" یہ موٹے صاحب کی آواز تھی۔

"تو کیا ہوا۔" میرے دل نے کہا۔ لیکن میں نہیں کھولیں۔ بہرحال ان لوگوں کی گفتگو سے مجھے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ میرے خیالات بٹ گئے تھے۔!

"بھئی انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے۔ شاید۔ تم دیکھو ذرا"

"جی اچھا۔!" ایک نوجوان لڑکے نے کہا اور میرے قریب پہنچا۔ ایک نوجوان لڑکی مجھے دیکھنے آ رہی تھی۔ کیسے دیکھے گی۔

ہو گیا تھا۔ بہرحال میں نے اپنی حالت بہتر محسوس کی۔ خیالات بٹ گئے تھے۔ لڑکی میرے پاس پہنچ گئی اور میں نے آنکھیں بند کئے کئے فیصلہ کر لیا کہ ان سے کیا گفتگو کروں گا! تب اس کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

"کیا آپ سو رہے ہیں جناب۔؟"

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میری آنکھوں میں نقاہت کے جذبات تھے۔ میں نے کمزور آواز میں کہا۔ "پانی۔ اگر ایک گلاس پانی مل جائے تو۔۔۔؟"

"ابھی۔ ایک منٹ۔!" لڑکی نے جلدی سے کہا اور پلٹ کر پلیٹ فارم کے ایک تھرماس سے پانی گلاس میں انڈیلا اور لے کر میرے پاس آ گئی۔ درحقیقت پانی کی شدید ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ چند لمحات ایسے گزرے تھے کہ بس۔ میں خود بھی خود کو بیمار کا مریض سمجھنے لگا تھا۔ میں نے پانی پیا اور جان میں جان آئی۔ گاڑی کی تیز رفتار مجھے سکون بخش رہی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں۔

لڑکی گلاس لے کر اپنی سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔ سب ہی میری طرف متوجہ تھے۔ بڑی بی کی آواز پھر ابھری۔ "کیا تم بیمار ہو بیٹے۔؟"

"جی۔!" میں نے سنبھل کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "میں دل کا مریض ہوں۔ ابھی میں بیٹھتے وقت طبیعت ٹھیک تھی۔ لیکن پھر حالت بگڑنے لگی اب ٹھیک ہوں۔" میں نے پروگرام کے تحت کہا۔ تاکہ یہ لوگ میری طرف سے کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

"آہ۔ اس مرض نے نوجوانوں کو بھی نہیں بخشا ہے۔ یہ بھی دل کی مریضہ ہوں بیٹے۔!"

"یہ مرض تو بے ہی نوجوانوں کا ہوتا ہے۔" ایک لڑکی نے آہستہ سے کہا۔ اور بڑی بی آہ سے گھونٹ گئیں۔ درمیانی عمر کی عورت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ البتہ اس سانولے نما انسان یا انسان نما سانولے کا چہرہ پہلے جیسے روکھا پھیکا ہو۔

"کس کا علاج کیا ہے بیٹے۔!" بڑی بی نے پھر مجھ سے پوچھا۔

"کوئی خاص نہیں۔" میں نے کہا۔

"اچھا ہے۔ جلد ٹھیک ہو جاؤ بیٹے۔ ابھی جوان ہو۔ تم شفاف ہی سے جوانی کو روگ لگ جائے گا۔"

"جوانی تو ایک آگ ہے۔" اسی لڑکے نے پھر کہا۔ اور میں نے چونک کر نئے لڑکے کو دیکھا۔ یہ وہی تھا جس نے مجھے پانی دیا تھا۔ اس کی آنکھیں [illegible]

[illegible]

ایک کتاب اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کر لی۔ میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔ ویسے میں سوائے اس موٹے کے اس پورے خاندان کا "شکار" تھا۔ میں نے میرا ذہن بانٹ دیا تھا اور وہ خوفزدہ موٹے صاحب پھر سے بڑبڑانے لگے تھے۔ وقتی طور پر بیمار ہو گیا تھا!

"تم خیال نہ کرنا بیٹے۔ ان کمبختوں کی زبان ہے قابو ہے۔ ہر وقت بکواس کرتی رہتی ہیں۔ وقت دیکھتی ہیں نہ موقع۔" بڑی بی نے کہا پھر پوچھا۔ "تمہارا نام کیا ہے۔؟"

"راشد۔" میں نے شرارتاً اور مصلحتاً کہا۔ شرارتاً اس لئے کہ ان میں سے ایک کا نام راشد تھا۔ اور مصلحتاً اس لئے کہ اپنا نام بتانا درست نہیں تھا۔!

"اوہو۔ میری ایک بچی کا نام بھی راشدہ ہے۔ کہاں جا رہے ہو راشد میاں۔؟"

اور میں نے فوراً کہہ دیا۔ "ریوڑ سٹیشن کا نام لے دیا۔

"وہاں تمہارے عزیز ہیں۔؟"

"جی نہیں۔ میں تنہا ہوں۔ ایک کاروباری سلسلے میں جا رہا ہوں۔"

"ماں باپ، بیوی بچے کوئی نہیں ہے۔؟" بڑی بی بڑے زیادہ باتونی معلوم ہوتی تھیں۔

"جی کوئی نہیں ہے۔!"

"ہیں۔ ہائے ہائے۔ کاروبار کرتے ہو۔؟"

"جی ہاں۔"

"اللہ تمہاری عمر دراز کرے۔ ہم لوگ بھی ریوڑ ہی رہتے ہیں۔ یہ میری بڑی بیٹی ہے۔ یہیں رہتی ہے اور یہ اس کے بچے ہیں۔" بڑی بی نے چھوٹے بچوں کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ میری تینوں چھوٹی لڑکیاں ہیں اور یہ میرا داماد ہے۔" انہوں نے موٹے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "ہمارا کاروبار بھی یہیں ہے۔ مگر ہم رسالپور رہتے ہیں۔ میں اپنے دیور کے ساتھ اپنی لڑکی کو لینے آئی تھی، یہ تینوں پہلے سے اس کے ہاں تھیں۔" بڑی بی نے مجھے بھی اپنی ہم عمر عورت سمجھ لیا تھا۔ اس لئے وہ مکمل تعارف کرانے لگیں۔ اپنے داماد کے کاروبار کے بارے میں بتایا، خاندان کے افراد گنائے۔ دیور کے نکمے پن کی داستانیں سنائیں اور تینوں لڑکیاں میری حالت دیکھ دیکھ کر ہنستی رہیں۔ خود میں بھی بوکھلا گیا تھا۔ اب میں ان بڑی بی کو ان کی باتوں کے جواب میں کونسی داستان سناتا۔ یوں بھی ان کی بکواس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن بڑی بی تھیں کہ اپنے پورے خاندان کا شجرہ۔ ان لوگوں کی ملوکتوں اور گھریلو قصوں کی پوری داستان مجھے سنا دینا چاہتی تھیں۔

بہرحال ایک فائدہ مجھے ضرور ہوا تھا۔ وہ یہ کہ میرے بیمار ہونے کا شبہ بالکل طور سے ہٹ گیا تھا۔ اور میری دہشت ختم ہو گئی تھی۔ اس خاندان کے ساتھ میں خود کو بھی کوئی خاندانی فرد ہی سمجھنے لگا تھا۔ بڑی بی سادہ دل اور نیک خاتون تھیں۔ ان کے ساتھ بہت وقت کٹ رہا تھا اور پھر درمیان میں لڑکیاں بھی کوئی شرارت کر بیٹھتی تھیں۔ جس پر بڑی بی بھڑک جاتیں۔

پانچ بجے چائے پی گئی جس میں میں بھی شریک تھا اور رات کے کھانے پر بھی بڑی بی نے مجھے زبردستی شریک کیا۔ پھر شاید تھکن زیادہ تھکن انہوں نے ہوا نال کھلا کر ایک کمبل نکال کر مجھے دیا۔ اور اس بات کی تلقین بھی کی کہ سردیوں میں سفر کرتے ہوئے کوئی گرم چیز ضرور رکھا کرو۔ میں نے وعدہ کیا کہ آئندہ خیال رکھوں گا!

اس دوران سب لوگ اپنے طور پر بڑی بی کی طرف میری گفتگو سے محظوظ ہوتے رہے تھے سوائے موٹے بھائی کے۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ مجھے اٹھا کر دروازے سے باہر پھینک دیں۔ لڑکیاں نہیں کبھی کبھی چھیڑتی بھی تھیں۔ ساڑھے دس بجے بڑی بی نے آنکھیں بند کر لیں اور خراٹے لینے لگیں۔ ان کا اسٹیشن بارہ بجے آتا تھا۔ اس لئے وہ تھوڑی دیر تک آنکھیں بند کئے پڑی رہیں۔! جب بڑی بی کے خراٹے عروج پر پہنچ گئے تو اس شریر لڑکی نے جس کا نام نفیس تھا مجھ سے کہا۔ "کہئے راشد صاحب۔ آپ کے ساتھ کے تمام مسافر اپنی اپنی جگہ دعوت دیتے ہیں۔"

"جی۔" میں چونک کر بولا۔ "میں نہیں سمجھا!"

"ماشاء اللہ ہماری امی کے ساتھ کھانے کی بڑی شوقین ہیں۔ لیکن آپ بھی خوب ہیں۔ امی کو اتنا اس ہی نہ سمجھا کہ آپ ان کی باتوں میں دلچسپی نہیں لے رہے ہیں۔"

"ان خاتون کا خلوص تو آنکھ لیف پر بھاری ہے۔ اور پھر میں نے تو ایسی باتیں کبھی نہیں سنیں۔ کیونکہ میں اس دنیا میں تنہا ہوں۔"

"مجھے دکھ ہے۔ آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے۔؟" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ بچا کھچا جو کچھ ہے وہ تو بچا لو۔!" درمیانی عمر کی عورت نے جو ان کی بڑی بہن تھی کہا۔ اور تینوں لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"جاگتے رہنا بھی ضروری ہے باجی۔ اسٹیشن آنے والا ہے۔" نفیس نے کہا۔

"تو اس بیچارے کو کیوں بھگا رہی ہو؟"

"مجھے کسی خدمت گار کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تو آپ تک خدمت بھجوائی گئی ہے۔ پتا نہیں کب تک آپ کی خدمت کرنی ہے۔ میں تو آپ کو ایک گھنٹہ سے زیادہ نہ دیکھ سکی۔" میں نے کہا۔

"مجھے حیرت ہے تو جذبات میں آ کر ایسے فیصلے کر لیتی ہو۔ بعد میں پچھتاؤ گی۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں نے کوئی جذبات میں آ کر فیصلہ نہیں کیا۔ میں ایک ذمہ دار عورت ہوں۔ میں نے اپنی ذمہ داری محسوس کی ہے۔ آپ کو اس حالت میں چھوڑ کر جانا میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تم نے اپنی ذمہ داری محسوس کی ہے۔ میں نے تمہاری ذمہ داری محسوس نہیں کی۔ میں نے تمہیں ملازمت سے فارغ کر دیا ہے۔ تم جا سکتی ہو۔" وہ بولا۔

"میں نے بھی آپ کو ملازمت سے فارغ کر دیا ہے۔ اب آپ کی ذمہ داری میں ہوں۔" میں نے کہا۔

"تم کیا کرو گی؟" وہ بولا۔

"میں آپ کی خدمت کروں گی۔" میں نے کہا۔

"تم میری خدمت کرو گی؟" وہ بولا۔

"ہاں۔ کیا آپ کو اعتراض ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اعتراض تو نہیں ہے۔ لیکن تم ایسا کیوں کرنا چاہتی ہو؟" وہ بولا۔

"آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ اپنا کچھ میں خرچ کروں گی۔ میرے اپنے اخراجات بھی کچھ نہیں ہیں۔ میں اپنے اخراجات بھی آپ کے ذمہ نہیں ڈالوں گی۔ میں اپنا خرچہ خود برداشت کروں گی۔" میں نے کہا۔

"تم کیا کرو گی؟" وہ بولا۔

"میں کچھ نہ کچھ کر لوں گی۔ آپ کو اس سے کیا۔" میں نے کہا۔

"تم کچھ نہ کچھ کیا کرو گی؟" وہ بولا۔

"ہاں۔ کچھ نہ کچھ کیا کروں گی۔" میں نے کہا۔

"تم کچھ نہ کچھ کیا کرو گی۔ کیا مطلب؟" وہ بولا۔

"مطلب صاف ہے

"ہپ ہپ ہورا۔ ہاؤ ہاؤ ہورا۔" سبھی بچے ایک لہجے سے چلا رہے تھے۔ وہ بھاگ کر ان سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور اسی کوشش میں بری طرح ٹھوکر کھا گیا۔ اس کی آواز شاید دوسرے بچوں نے بھی سنی تھی۔ وہ بھی اس کی طرف لپکے۔ پولیس والوں کی گرفت سے بازو آزما پر سخت تھی۔ میرا دل اٹھ گیا۔ یہ کیا تھا۔ خواب یا حقیقت۔ ایسے سے لوگ جیسے اسے کچھ تھے۔ کپڑوں کی پھیلی روشنی میں ان کے چہرے صاف نظر آ رہے تھے:

وہی بوڑھا آدمی تھا۔ جس کی ناک بہہ رہی تھی۔ میرا دل گھبرا گیا۔ وہ سب مجھے ہی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ لیکن چند ثانیے کے بعد مجھے احساس ہوا۔ ان کے چہروں پر پولیس کی وردی تو نہیں ہے۔ پولیس والے ایسے لمبے لمبے چغے تو نہیں پہنتے ہوتے۔ ان کی ایسی داڑھیاں تو نہیں ہوتیں۔ یہ لوگ دوسرے۔ اور پولیس والوں سے کافی مختلف معلوم ہوتے تھے:

"ڈاکو۔" میرے ذہن نے نعرہ لگایا۔ اگر وہ ڈاکو تھے اور پھر میں گھس آئے تھے۔ تب بھی میں برباد ہو گیا تھا۔ میری آنکھوں میں تاریکی چھا گئی اور میں نے ان کی گرفت میں خود کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔

"ہم مجبور ہیں شہزادہ عالمیان۔ عالم پناہ کا یہی حکم ہے کہ تم جہاں بھی ہو۔ جس حال میں ہو۔ تمہیں گرفتار کر کے لایا جائے۔" ہم اس گستاخی کے لئے سزا کے طلب گار ہیں۔ لیکن آپ ہماری مجبوریاں سمجھتے ہیں۔" ایک جانی پہچانی آواز سنائی دی۔ میرے حلق میں آنسو اٹک گئے۔ اور میری کھوپڑی پر چیتیں سی لگتی محسوس ہوئیں۔

"کیا مطلب۔" میں لاچارگی سے آنکھیں کھول کر چیخا۔

"میں تمہارا آتش بجھ ہوں شہزادے۔ مجھے آتش دوزخ کے نہیں کچھ نصیحتیں کرنی ہیں۔ جوانی مزید گھوڑے کی طرح ہوتی ہے جو ہموار راستوں پر بھی سرپٹ دوڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ آخر ٹھوکر کھا کر گرا دیتا ہے۔ جوانی میں شیطان زیادہ قریب ہوتا ہے۔ انسان کی رگوں میں خون بن کر دوڑنے لگتا ہے یا اس کے چنگل سے نکل کر نیکیوں کی راہ پر چلنے لگتا ہے۔ اور جوانی کی نیکیاں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ آپ نے بھی دنیا کو دیکھنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہاں رنگینیاں آپ کی منتظر ہوں گی۔ لیکن ہم ضرور آتے ہیں لیکن ہم ضرور آتے ہیں کہ ہمیں ان کے مقدر میں خوشیاں لکھی ہوتی ہیں۔ آپ کو ہم نہیں کہ عالم پناہ آپ کے غم سے نڈھال ہیں۔ والدین بچھڑ کر دوبارہ نہیں ملتے۔ ان کی دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم آپ کو واپس لے جانے آئے ہیں۔"

میں نے اس بوڑھے آتش کو دیکھا۔ کیا یہ لوگ مجھے بیوقوف بنا رہے ہیں۔ اگر یہ ڈاکو تھے تو مسخرے معلوم ہوتے تھے۔ اور پولیس والوں کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔!

"سنو۔" میں نے ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ اور وہ بڑھے آتش میرے سامنے جھک گیا۔ "آدھے آدھے کرو۔" میں نے مجھ دل سے کہا۔ اور وہ میری بات نہ سمجھ کر کھوپڑی ہلانے لگا۔ پھر اس نے حیرانگی کے انداز میں دوسروں کی طرف دیکھا۔ اور بوڑھا آتش میرے قریب جھک آیا۔

"کیا فرما رہے ہیں شہزادہ عالم۔"

"مذاق مت کرو۔ یار۔ کام کی بات کرو۔" میں خوشی سے آدھے دینے کو تیار ہوں۔ جان جائے دولت۔ میری زندگی کا سوال ہے پوری زندگی عسرت میں گزاری ہے۔ اب کچھ خوشیاں نصیب ہونے والی ہیں لیکن۔ قسمت ہی کھوٹی ہے۔ بہرحال تیتالیس ہزار بھی کم نہیں ہوتے۔ کیا میرا لنگ تمہارے قبضے میں ہے۔" میں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور بوڑھا پاگلوں کی طرح میری شکل دیکھنے لگا۔ پھر ہنس پڑا۔

"شہزادہ عالم کی شوخیاں تو مشہور ہیں لیکن یہ بوڑھا آتش بھی ان کا شکار بنے گا۔ سوچا بھی نہ تھا۔"

"بس کرو بڈھے میاں۔ کیا نوٹ گن لئے ہیں۔" میں نے جزبز ہو کر کہا۔

"نوٹ!" بوڑھے نے پھر جیسے سے کہا اور اب مجھے غصہ آنے لگا۔ میں ہونٹ بھینچے انہیں گھورتا رہا۔ پھر عاجزی سے بولا۔

"سیدھی طرح بتاؤ۔ کیا چاہتے ہو۔"

"شہزادہ عالم کو واپس لانا چاہتے ہیں۔"

"کہاں۔ اس موئے جنت کے پاس۔" میں نے غصیلے انداز میں کہا۔

"ہیں یہ جنت۔" اس بار بوڑھے نے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اے جانی پھر تم کون ہو۔"

"شہزادہ عالم میں نہیں جانتے۔"

"کیا ابتدا الحق میری مسخرہ اڑا رہے ہو۔" میں نے جھلا کر پوچھا۔

ہونے لیے میں کہا۔ اور وہ ہنس سے کچھ نہ سمجھ سکے۔ لیکن ان کے چہرے فق ہو گئے تھے۔ پھر اس نے التجا بھری سے کہا۔

"میں غلام ہوں آقا۔ حضور چاہیں تو گالیاں بھی دے سکتے ہیں لیکن مجھے بات کی گئی ہے کہ آپ کو ہر حال میں واپس لے آؤں۔ پلیز اس وجہ سے کہ ہمارا کچھ بھروسہ نہیں۔ ہم ہوئے کی سزا تو دے واپس چلیں۔"

"کہاں چلوں۔" میں نے پوچھا۔

"محل۔" اس نے جواب دیا۔ تب یکبارگی میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں چونک کر ان لوگوں کی شکلیں دیکھنے لگا۔ ان کے لباس عجیب تھے۔ کم از کم میں نے اس دور میں ایسے لباس نہیں دیکھے تھے۔ کیا درحقیقت ان کا تعلق کسی ریاست سے ہے اور سب کچھ کسی غلط فہمی کی بنا پر تو نہیں ہو رہا ہے۔ اچانک سے ایسا ہی ہے۔ غلط لوگ ہوں۔!

"سنو۔" میں نے التجا سے کہا۔ "تم کسی غلط فہمی کا شکار تو نہیں ہو۔"

"کیسی غلط فہمی شہزادہ عالم۔"

"میرا نام کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"یوسف برمن۔"

"خوب۔ اچھا دوستو اگر تم مذاق کر رہے ہو تو بہتر ہے کہ اسے ختم کر دو۔ اور اگر کسی غلط فہمی کے شکار ہو تو تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میرا نام یوسف برمن نہیں۔ بلکہ عارف ہے عارف۔"

"ہم غلام ہیں۔ اس لئے اس مذاق سے محظوظ بھی نہیں ہو سکتے آپ چلنے کے لئے تیار ہو جائیے۔"

"خدا کی مذاق نہیں کر رہا۔ میرے مشت کی رپورٹ ایکسپرٹ کی قسم مشت بلند میں کام کرتا تھا۔ اب وہاں سے بھاگ آیا ہوں۔ تم اگر واقعی مذاق نہیں کر رہے ہو تو اسے تلاش کرو جس کی تمہیں ضرورت ہے۔ مجھے لے جا کر تمہیں شرمندگی ہی ہوگی۔"

"بہت وقت ضائع ہو چکا ہے حضرت۔ زنجیر کھینچو۔" بوڑھے نے اس بار قدرے درشت لہجے میں کہا اور والوں میں سے ایک نے ٹرین کی زنجیر کھینچ دی۔!

"ارے۔ ارے۔ کیا کر رہے ہو۔ سنو تو۔ سنو تو۔ میاں اس ویرانے میں ٹرین کیوں روکوائی۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ لیکن ان میں سے کسی نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ ٹرین کے پہیوں سے برآمد ہونے والی آواز کی شدت میں کمی آ رہی تھی اور ٹرین کی رفتار سست ہوتی جا رہی تھی اور لوگ مضطرب سے مجھے پکڑے ہوئے تھے۔ اچانک وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔!

"اے بڑھئی میاں۔ تو رک جا۔" ان میں سے ایک نے چیخ کر کہا۔ ٹرین کی رفتار بہت سست ہو چکی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور نیچے کود گیا۔ پھر اس نے مجھے بھی نیچے اتار لیا۔ میں نے دروازے کے ہینڈل کو پکڑ کر اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ ورنہ میں بھی گر پڑتا۔ ٹرین کے گرد کھڑے ہوئے لوگ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"اے بڑھئی میاں۔ تو رک جا۔" ان میں سے ایک نے کہا۔ "ہم تجھے لینے آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ چل۔" بڑھئی نے کہا۔ "ہم تجھے لینے آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ چل۔" بڑھئی نے کہا۔ "ہم تجھے لینے آئے ہیں۔ ہمارے ساتھ چل۔" بڑھئی نے کہا۔

"کیا ہوا ہے۔" بڑھئی نے پوچھا۔

"

تھے قریب پہنچے پر سارا خیال وہم ثابت ہوا۔ سامنے کوئی نہ تھا۔ البتہ
ایک جگہ پر بہت سے پتھر پڑے ہوئے تھے جن پر سرخ رنگ کا سیال مادہ
گاڑھے کی صورت میں جما ہوا تھا۔ ایک پتھر کو ہاتھ لگا کر
چھوٹے شہزادہ عالم نے کہا۔

"یہ تو خون ہے۔ کیا کسی نے یہاں کسی کو قتل کیا ہے؟"

ہمت پیشہ نے ایک پتھر کو غور سے دیکھا اور پھر
اپنے ہاتھ کی انگلی پر لگے ہوئے خون کو دیکھا۔ پھر اس نے
اپنے ہونٹوں کو زبان سے تر کیا۔ اور بولا۔

"ہاں یہ خون ہی ہے۔ اور تازہ ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے
یہاں کسی کو قتل کیا گیا ہے۔ قاتل اور مقتول دونوں
یہاں موجود تھے۔ مقتول کا خون بہت زیادہ بہا ہے۔ اس
لئے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ قاتل کا خون بہت کم بہا ہے۔
اس لئے وہ زندہ ہے۔ اور یہاں سے کہیں دور نہیں گیا ہوگا۔"

"ہمت پیشہ! تم نے یہ کیسے جانا کہ قاتل اور مقتول
یہاں موجود تھے؟" شہزادہ عالم نے پوچھا۔

"یہ دیکھئے۔ یہاں پر کسی کے پاؤں کے نشان ہیں۔ ایک
جوڑی کے نشان بڑے ہیں۔ اور دوسرے کے چھوٹے۔ بڑے
پاؤں والے کے پاؤں کے نشان گہرے ہیں۔ اور چھوٹے
پاؤں والے کے پاؤں کے نشان ہلکے ہیں۔ اس سے
اندازہ ہوتا ہے کہ بڑے پاؤں والا چھوٹے پاؤں والے
کو اٹھائے ہوئے تھا۔ اور اس کا بوجھ اس کے پاؤں
پر زیادہ پڑ رہا تھا۔ اس لئے اس کے پاؤں کے
نشان گہرے ہیں۔ اور چھوٹے پاؤں والے کے پاؤں
کے نشان ہلکے ہیں۔ اور یہ دیکھئے۔ یہاں پر
چھوٹے پاؤں والے کے پاؤں کے نشان ختم ہو
گئے ہیں۔ اور بڑے پاؤں والے کے پاؤں کے
نشان آگے جا رہے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا
ہے کہ بڑے پاؤں والے نے چھوٹے پاؤں
والے کو یہاں پر قتل کیا ہے۔ اور پھر
اس کی لاش کو اٹھا کر لے گیا ہے۔"

ہمت پیشہ نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا جو اس نے اپنے جسم پر محسوس کیے تھے۔ وہ سرخ رنگ
کا خون تھا۔ جو اس کے ہاتھوں پر لگ گیا تھا۔

"تم نے شہزادہ عالم۔! بڑے پاؤں کے نشان کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا ہے۔ لیکن
یہ کیسے جانا کہ بڑے پاؤں والا انسان ہی تھا۔ کوئی جانور بھی تو ہو سکتا ہے۔"
شہزادہ عالم نے پوچھا۔

"اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں پر کسی جانور کے پاؤں کے نشان نہیں ہیں۔ صرف
انسان کے پاؤں کے نشان ہیں۔ اور پھر یہ دیکھئے۔ یہاں پر کسی جانور کے
بالوں کے گچھے نہیں ہیں۔ صرف انسانی بالوں کے گچھے ہیں۔ اس سے
اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں پر کسی جانور نے نہیں بلکہ انسان نے ہی
انسان کو قتل کیا ہے۔"

"ہمت پیشہ! تم نے بہت اچھا اندازہ لگایا ہے۔ ہم تمہاری ذہانت سے بہت
متاثر ہوئے ہیں۔ اب ہمیں یہ بتاؤ کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے۔ کیا ہمیں
قاتل کا پیچھا کرنا چاہیے۔ یا واپس چلے جانا چاہیے۔" شہزادہ عالم نے پوچھا۔

"میرے خیال میں ہمیں قاتل کا پیچھا کرنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے کہ قاتل
مقتول کو لوٹ کر لے گیا ہو۔ اور مقتول کے پاس سے کوئی ایسی
چیز ملی ہو جو ہمارے کام کی ہو۔ اور

یہ کیا تصور ہوگا۔!

"خلوص کے تصور سے بھی زیادہ۔" وہ اس طرح بولی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔ "میں نے آپ کو بچایا تھا۔ اس کے بدلے میں آپ مجھے کچھ بھی دے سکتے ہیں۔ میں نے کچھ بھی نہیں مانگا۔"

"لیکن میں آپ کو کچھ دینا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔ "اور میرا ہاتھ گردن تک بستر پر رینگتے ہوئے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ پوٹ خشک ہو گئے۔ نیرنہ اور انیلا کا خیال آیا۔ تصور تھا لیکن بہت عرصہ بعد ان انگلیوں تک پہنچا تھا۔ لیکن اس وقت اس مہ جبیں کے تیور کچھ اور ہی نظر آ رہے تھے اور میں کچھ نا سمجھ نہ تھا۔ لیکن اس کا انجام!

وہ پھر اپنا کانپتا ہوا ہاتھ میرے ہاتھ سے جھٹک کر میرے بستر پر پہنچ گیا۔ "میری مسیحا کے لیے زندگی سے بڑھ کر تو میں کسی کا انتظار کر سکتی ہوں اور پھر ملنے کے لیے کہا۔

"گنیز کو بہت عرصہ پہلے میں نے اپنے ہمراہ عالم سندر جل گئی ہے۔ سچ بتائیے اس کے بچے کو دیکھ کر کیا کہیں گے؟"

۔۔۔ پھر اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"وہی جو یہاں ہوا تھی۔ لیکن شہزادہ عمر۔ آپ ہمیں اجنبیت کا احساس کیوں دلا رہے ہیں؟"

"میں نہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں۔ میں شہزادہ نہیں ہوں۔ تم نے خود۔" میں نے کہا۔ اور وہ مسکرانے لگی۔

"کیا آپ کی یہ اتنی حسین ہے کہ آپ اب کچھ کرنے پر تیار ہیں؟"

"ابھی نہیں پھر اس نے کہا۔ "اگر مجھے یہاں رہنے کی اجازت مل جائے تو اور کچھ نہیں چاہیئے۔" میں نے جواب دیا۔

اور رات میری زندگی کی سب سے زیادہ طویل رات تھی۔ اس رات زندگی نے مجھے ایک نئے روپ سے آشنا کیا۔ اس رات میں نے اپنے ہمراہ عالم سندر کی بیوی کے ساتھ جو کچھ کیا اس کے بعد میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس رات میں نے اپنے آپ کو بہت سے ایسے روپ میں دیکھا جو میرے لیے بالکل نئے تھے۔ ان کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچ سکتا تھا۔

اختر بیگ کے نصف کے ساتھ دشت میں کہاں آیا عشرت بیگ کے نصف کے ساتھ نوٹوں کا بیگ بھی آیا اور نوٹوں کے بیگ کے ساتھ جگمگاتی ہوئی جنت میں گھر بنے گا اور اس کا تصور میرے جذبات میں حدت اگا کر گزرے۔ لیکن حقیقت کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ مجھے اپنی اصلیت یاد آ گئی۔ یہ لوگ کسی یوسف بیران کے دھوکے میں مجھے پکڑ لائے ہیں اور جب انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوگا تو مجھے اس جنت سے نکال دیا جائے گا اور پھر اس سے جانے کے تصور سے ہی میرا دل ڈوبنے لگا۔ شہنا بھی مجھ سے چھن جائے گی ——— یہ یوسف بیران کون گدھا ہے جو اس جنت کو چھوڑ بیٹھا ہے۔ کوئی بھی ہو۔ خدا کرے کبھی واپس نہ آئے۔ اور پھر کیوں نہ میں خود کو یوسف بیران تسلیم کر لوں۔ اس طرح یہ جنت ہاتھ سے نہ جائے گی لیکن پھر عقل نے شبہ کا دیا۔ نہ جانے یہ لوگ کون ہیں۔ خالصے پُراسرار معلوم ہوتے ہیں۔ اگر حقیقت کھل گئی تو بوٹیوں کا بھی پتہ نہیں چلے گا! اس خیال سے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ حقیقت سے نہ تو ظاہر اور نہ باطن کے باوجود میری بات تسلیم نہیں کریں گے تو چپ سادھ لوں گا۔ جب تک بھی چل جائے۔!

انہیں خیالات میں محو ہو گیا۔ سوچ کی چند کروٹیں لے کر میں اس دائرے میں داخل ہو کر میدان کی فیرشنائی اور اسی وقت دروازہ کھول کر چند پریزادیاں اندر داخل ہو گئیں۔ میں چونکا۔ شہنا کے جانے کے بعد میں نے لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ میں نے بلنکٹ سے ریشمی رضائی جسم پر لے لی اور منہ پھاڑے انہیں دیکھنے لگا۔ لڑکیاں مسکراتی ہوئی میری مسہری کے دائیں بائیں کھڑی ہو گئیں

☆ لاکر سونگ اور لاکر روزن کے تجربات کا نچوڑ!

☆ اپنے خیالات کو دوسرے کے ذہنوں تک پہنچانے کا سائنسی طریقہ

"ٹیلی پیتھی کا بیڈ ——— 30/ روپے مقابلے وقت طلبیہ لکھئے: میں ٹیلی پیتھی سیکھ کر اس کا غلط استعمال نہیں کروں گا/ کروں گی۔"

"ہم سے قبل یہاں کوئی اور تھا۔" فیضا کی آواز سنائی دی۔ "کسی نے ہمارا کام آسان کر دیا ہے۔ حسن فراموش۔"

"اوہ۔ تم۔ تم۔؟" میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہم شہنا کی طرح خوش نصیب تو نہیں ہیں۔ لیکن اتنے بدنصیب بھی نہیں ہیں۔ جہاں اس قدرت سے محروم زندگیں۔" ایک شوخ سی لڑکی نے جس کے گال کشمیری سیبوں کی یاد دلاتے تھے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر سب کے سب کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"اوہ۔ اوہ۔ یہ کیا وحشت ہے۔" میں نے گھبراتے ہوئے انداز میں سب کی طرف دیکھا۔ لیکن شوخ لڑکیوں نے مجھے چاروں طرف سے گرفت میں لے لیا۔ مجھے آتی لڑکیوں کے لیے میدان سخت شرم آ رہی تھی۔ لیکن میں ان سے چھٹکارا بھی نہیں پا سکتا تھا۔ وہ سب مجھے نکالتے ہوئے حمام میں داخل ہو گئیں۔ اسکیسر کے ناگ جڑے ہوئے حمام میں نیم گرم خوشگوار پانی سے انہوں نے میرے بدن کو نرم اسفنج سے رگڑ رگڑ کر دھویا۔ اس دوران بھی وہ طرح طرح کی شرارتیں کرتی رہیں۔ میں نے مجبوراً خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا۔ غسل کے بعد انہوں نے مجھے ایک خوبصورت لباس پہنایا۔ میرے بالوں کو خشک کیا؟ اور پھر ان میں انگ نکالی۔ میں خاموشی سے اپنی اور گت بنتے دیکھتا رہا۔ بنا سنوار کر وہ مجھے حمام سے نکال لائیں۔ اور پھر ایک مختصر خاتون میرے کمرے میں داخل ہوئیں۔ انہیں دیکھ کر میرے قریب موجود تمام لڑکیاں مؤدب ہو گئی تھیں۔

"شہزادہ عمران۔؟" مترخاتون نے پُرجلال آواز میں کہا۔

"شاہ محترم نے حکم دیا ہے کہ آپ ناشتہ ان کے ساتھ کریں گے۔ چنانچہ اب سے کچھ دیر کے بعد آپ ناشتے کے کمرے میں پہنچ جائیں۔ مستر خاتون نے یہ الفاظ کہے اور واپس مڑ کر دروازے سے نکل گئیں۔"

"سنو۔" میں نے ایک لڑکی کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "کون تھیں یہ؟"

"اوہ۔ آپ انہیں بھول گئے۔ یہ آپ کی ماں ہیں۔ انہوں نے تو بچپن سے آپ کو پالا ہے۔!"

"اوہ۔" میں نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔ "تو کیا ماں جی مصور زندہ نہیں ہیں۔؟"

"توبہ توبہ۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو شہزادے مصور۔" وہ دونوں گھبرا کر بولیں۔ اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔! گھر والی مصور بھی موجود ہیں۔ خیر خیر۔" میں نے گردن ہلائی۔

"آؤ۔ آپ کے ناشتے کا انتظار کیا جا رہا ہے۔" ایک لڑکی نے کہا۔

"مجھے۔" میں نے کہا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں سوچ کر آیا تھا کہ ناشتہ کروں گا۔ لیکن اب مجھے اشتہا ہی نہیں رہی تھی۔ "میں کہہ رہا ہوں مجھے بھوک نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ "میں ناشتہ نہیں کروں گا۔ کیا کہہ دیا ہے۔

کہا تھا۔ مجھے خوف اتفاق تھا۔ لیکن پختگی سے میں تو اسی دنیا کا ایک فرد تھا۔ بہرحال اب میں جواب دینے کے لئے تیار تھا۔!

"محترم بزرگ۔ میں آپ کے ایک ایک لفظ سے متفق ہوں۔ یہ دنیا جیسی ہے ویسی آپ نے بیان فرمائی۔ لیکن میں آپ سے حضرت کی ایک غلط فہمی دور کرنا چاہتا ہوں۔!"

"تمہاری آواز کو کیا ہو گیا بیٹے۔!" خاتون نے بے چین ہو کر پوچھا

"یہ میری اصل آواز ہے معزز خاتون۔ میں وہ نہیں ہوں جو آپ سمجھ رہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"میرے سامنے یہ تیزی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ میری خاتون کو آواز دو۔ سات کو تمہارے آنے کی بھی بتایا تھا کہ تم خود کو میرا نہیں تسلیم کرتے۔ لیکن مجھے گمان بھی نہ تھا کہ تم اپنے والدین کو بھی جھوٹا بنانے کی کوشش کرو گے۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تمہاری آواز بدلنے سے تمہاری شکل و صورت بھی بدل جائے گی!" بزرگ نے کہا۔

"محترم بزرگ۔ صرف اتنا عرض کروں گا۔ آپ کی یہ دنیا بہت دلکش ہے۔ اس پُرخار دنیا میں جانے کے بجائے میں اسی دنیا کے کسی گوشے میں تمام زندگی گزارنے کو ترجیح دوں۔ لیکن آپ کی کسی غلط فہمی پر میں سزا کا مستحق نہیں ہوں گا۔ آپ مجھے یوسف عمران کہیں یا کچھ اور۔ میں یہ عرض کر دوں کہ میں یوسف عمران نہیں ہوں۔ میرا نام عارف ہے۔ اس کے باوجود آپ مجھے یوسف عمران تسلیم کرنے پر بضد ہیں تو میں اب خاموشی اختیار کروں گا۔!"

بزرگ حیرت سے میری شکل دیکھنے لگے۔ معزز خاتون بھی تعجب سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔ اچانک ان دونوں کی آنکھوں میں تشکک نظر آنے لگا۔!

"تب پھر۔ تم کون ہو۔!"

"میرا نام عارف ہے۔ زمانے کا ستایا ہوا ایک انسان ہوں۔ ایک جرم کے فرار ہوا تھا کہ راستے میں آپ کے آدمیوں نے پکڑ لیا۔ اور زبردستی مجھے یوسف عمران بنا دیا۔ انہوں نے میرے بیگ پر بھی قبضہ کر لیا جس میں پورے چھیاسی ہزار روپے تھے۔!"

"واقعی۔ یہ یقین نہیں آتا۔ اگر تم یوسف عمران نہیں ہو تو تمہاری اس سے مشابہت حیرت انگیز ہے۔ لیکن اگر یہ تمہاری شرارت ہے تو تم اس عتاب سے بچ سکو گے!" معزز بزرگ کہتے ہوئے اٹھ گئے۔ انہوں نے تالی بجائی اور ایک خادم اندر داخل ہو گیا۔

"سفینہ کو بلاؤ۔!" معزز بزرگ نے کہا اور خادم واپس چلا گیا

چند لمحات کے بعد ہی دوسرا معزز خاتون اندر داخل ہو گئی۔ کمرے میں آتے ہی اس نے بزرگ سے پوچھا۔

"خیریت سے تو ہے۔ کچھ کیا تم نے یوسف عمران میں کوئی تبدیلی پائی کیا۔؟" معزز بزرگ نے کہا اور پھر وہ میرے قریب آ کر دیکھنے لگی۔ پھر وہ چونک پڑی۔ وہ بالکل قریب سے میری آنکھوں میں جھانک رہی تھی اور اس کے چہرے پر حیرت کے تاثر نمایاں ہو رہے تھے۔ پھر اس نے جلدی سے میرا گریبان کھول دیا اور سینے پر دیکھنے لگی۔ اس کے بعد وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔

معزز خاتون اور بزرگ اسے تعجب سے دیکھ رہے تھے۔ معزز خاتون سے بولیں۔

"حضور۔!" دایہ بولی۔ "یہ یوسف عمران نہیں ہیں۔ یہ شہزادہ حضور نہیں ہیں میں قسم کھاتی ہوں یہ شہزادہ حضور نہیں ہیں۔!"

اور معزز خاتون اور بزرگ چونک پڑے۔ "تم نے یہ یقین کس طرح کیا دایہ۔ جبکہ تم نے ان کی آواز بھی نہیں سنی!" بزرگ نے حیرت سے پوچھا۔

"میرے بچپن سے شہزادہ حضور کو پالا ہے۔ ان کی آنکھوں کی بائیں پتلی میں ایک نیلا تل ہے اور سینے پر ایک سوختہ کی شکل کا نشان۔ بالکل یہ نوجوان ہو بہو شہزادے کا شکل ہے لیکن شہزادہ نہیں ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس کے پاس موجود نہیں ہیں۔!" دایہ نے کہا اور معزز خاتون نے جلدی سے میرے چہرے پر نقاب کھینچ لی۔

معزز بزرگ شعلیں نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ لیکن پھر ان کے خدوخال نرم پڑ گئے۔ اور ان سے آواز نکلنے لگی!" اس میں اس بے چارے کا کوئی قصور نہیں ہے۔ اسے مہمان خانے پہنچا دو۔" بزرگ نے کہا

"شاہ محترم۔" میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر کہا۔ "میں نے اپنی اصلیت نہیں چھپائی ہے۔ براہ کرم مجھے کوئی کوٹھری عنایت فرما دی جائے۔ میں یہاں سے نہیں جانا چاہتا۔!" میں نے لجاجت سے کہا۔

"اور۔ دانیال کو ہمارے پاس بھیج دو۔!" بزرگ نے میری بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔ "اس بے وقوف نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔!" انہوں نے کہا اور معزز خاتون کا ہاتھ پکڑے ہوئے باہر نکل گئے۔ اب کمرے میں دایہ اور میں رہ گئے تھے۔

"آؤ۔!" دایہ نے خشک لہجے میں کہا۔

"آپ ہی میرے اوپر رحم کھائیں محترمہ خاتون۔ آپ جانتی ہیں میں بے قصور ہوں۔!" میں نے دایہ سے کہا۔

"خاموش رہو۔ تو نے بڑے گھر کا نمک کھایا ہے تم نمک حرامی کی سزا تمہیں ملنی چاہیے۔" دایہ نے کہا اور پھر وہ میرے آگے آگے چلنے لگی۔ میں اس کے پیچھے چل پڑا۔ لیکن اس بار جانے کیوں میرے ذہن میں بار بار یہ خیال آ رہا تھا کہ دایہ کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔ اور میں ڈبڈبائی آنکھوں سے اس کا تعاقب کرنے لگا۔ تب ہی ایک کمرے کے سامنے پہنچ کر دایہ نے دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کا اشارہ کیا۔ میں اندر داخل ہو گیا۔ یہاں تین افراد موجود تھے۔!

میں ایک سرسری نظر کمرے پر ڈال کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اور دایہ خاموشی سے باہر نکل گئی۔ اب کیا ہو گا۔ سب مجھے یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ پھر میں کہاں جاؤں گا۔ کاش میں یہاں نہ آتا۔ کاش۔! میرے گالوں پر آنسو بہہ نکلے۔!

کتنی گھنٹے گزر گئے۔ کوئی میرے پاس نہ آیا۔ پھر شاید کھانے کا وقت ہو گیا۔ میں نے کمرے کے وسط میں چادر میں کی چاپ سنی اور چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔ ایک وہ وہ سیاہ فام غلام تھے جنہوں نے اصل میں کہا تھا کہ مجھے اغوا کیا گیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں اشتعال تھا لیکن خاموشی سے کھانا رکھ کر وہ دونوں غلام کمرے سے باہر چلے گئے اور میں بے دلی سے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔!

بڑا لذیذ کھانا تھا۔ میں نے تھوڑی دیر کے لئے اپنے غم بھلا دیئے۔ اور کھانے سے فارغ ہو کر ہاتھ دھونے لگا۔ اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ کھانے میں زہر ملا ہوا تھا۔ کھانے کے فوراً بعد ہی مجھے چکر آنے لگے۔ گرم گرم قہوہ پی کر میں نے گہری گہری سانسیں لیں اور پھر کمرے میں چہل قدمی کرنے لگا۔ دل چاہ رہا تھا کہ دروازہ کھول کر باہر بھاگ جاؤں۔ شہناز کے پاس پہنچ جاؤں۔ اس سے کہوں کہ میں اسے چاہتا ہوں۔ وہ شاہ سے مجھے مانگ لے۔ لیکن یہ شہناز کون تھی۔ حقیقت میں بھی تھی یا میرے ذہن کی اختراع تھی۔ کچھ پتہ نہ چل سکا۔

تھک کر میں صوفے پر بیٹھ گیا۔ اور پھر نجانے کیوں میرے دماغ میں ہلکا سا چکر آ گیا۔! رات بھیگ رہی تھی۔ اور نیند آنے کا وقت ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ آرام کروں۔ میں صوفے پر لیٹ گیا اور پھر نجانے کب میری آنکھ لگ گئی۔ جانے کہاں

سو گیا۔ پھر نہ جانے کب آنکھ لگی اور میں گہری نیند سو گیا۔ نیند بھی بڑی عجیب چیز ہے۔ کبھی کبھی تو یہ اتنی گہری ہو جاتی ہے کہ آدمی کو اپنا ہوش بھی نہیں رہتا۔ نہ جانے کتنی دیر تک میں اس طرح بے سدھ پڑا رہا۔ پھر نہ جانے کیسے میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں کہاں ہوں۔ میں نے آنکھیں کھولیں۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر آہستہ آہستہ یاد آیا کہ میں ریل گاڑی میں سفر کر رہا ہوں۔ میں نے کلائی پر بندھی گھڑی پر نظر ڈالی۔ ساڑھے چار بجے تھے۔ میں نے سوچا کہ اب تو صبح ہونے والی ہے۔ اب سو کر کیا کروں گا۔ اٹھ کر بیٹھ جاتا ہوں۔ میں نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کر دیا۔ باہر اندھیرا تھا۔ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہوتے ہے۔ وہ بھی کی نگاہوں کے سامنے ہمکے لیے گیا۔ اور تشکر کی
وہ بے بسا گیا۔

انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بھی خاموش رہا۔ پھر
اس نے سر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا۔ اس کے گلے نے حرکت کی
تھی۔ پھر وہ بھی کے سر پر ناچ گیا۔ اس نے گلا صاف کیا۔ اور بھی کانپنے لگا۔
اس کے ہونٹوں سے ایک نسوانی آواز سنائی دی تھی!

"میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"میں آپ کی بات ہی سن رہا ہوں۔ آپ کہیں صاحب!"

"میں نہیں چاہتا کہ ہماری گفتگو سے ہمارے ساتھی جاگ جائیں۔ میں
چاہتا ہوں تم اپنے کمرے میں چلو۔" میں نے کہا۔

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔" اس نے کہا۔ اور پھر وہ اٹھ کر
چل پڑا۔

وہ بھی اس کے پیچھے ہو گیا۔ "میں نے سوچا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ میں نے اس کے پیچھے کمرے میں
داخل ہو گیا۔

"کہیے صاحب! کیا حکم ہے آپ کا؟" اس نے پوچھا۔

"حکم نہیں۔ میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"بہت بہتر۔ آپ تشریف رکھیں۔" اس نے کہا۔ اور خود بھی
بیٹھ گیا۔

"تم کون ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میرا نام ہے۔"

"آپ نام تو بتا چکے ہیں۔ میں نے کہا۔ "اصل نام کیا ہے؟"

"اصل نام بھی یہی ہے۔"

"میں تمہارا اصل نام جاننا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"اصل نام بتانے سے کیا فائدہ ہو گا صاحب؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا۔ "میں تمہارے بارے میں سب
کچھ جاننا چاہتا ہوں۔"

"میرے بارے میں جاننے کی کوئی خاص وجہ؟" اس نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتا۔ میں نے کہا۔ "بس جاننا چاہتا ہوں۔"

"میرا نام ہے۔ میرے والد کا نام تھا۔ میں
پیدا ہوا تھا۔ میرا تعلق ہے۔ میں نے تعلیم
حاصل کی ہے۔ میرا پیشہ ہے۔ میں
ہوں۔ میرا مشغلہ ہے۔ میں
ہوں۔ میرا مقصد حیات ہے۔ میں
ہوں۔ میرا نام ہے۔ میں
ہوں۔ میرا نام ہے۔ میں
ہوں۔ میرا نام

[illegible]

[illegible]

[illegible]

• ...کی کیا بات تھی؟ وہ تو بچی ہی نہیں تھی۔ ...

...چاہے کہ

• آپ کو نہیں ہوئی ہوگی لیکن مجھے ہوئی تھی۔ میں نے سوچا تھا آپ سے پوچھوں گا کہ بالی ہے یا نہیں۔ اس لئے میں آپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن میرا دھیان آپ کی بات نہ ہونے کی وجہ سے ...

• ہاں۔ ساری عورتیں ہی ایسی ہوتی ہیں۔

• کیا کہا تھا اس نے؟

• کچھ نہیں۔ بس میری ہی بات ماری گئی تھی۔ دراصل اس وقت ... تھا۔ میں ڈر گیا تھا۔" بڑی بی نے کہا۔ اور میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا۔ درحقیقت وہ بیچاری کیا بتا سکتی تھیں۔ میں نے کوئی ایسی ویسی تو نہیں کی تھی جو اغلاط ہو جاتی۔ آصف پھر ہنس پڑا تھا۔ بڑی بی ہو بہو بڑی بی کے دل صاف ہو گئے تھے۔ میری خوب خاطر مدارات ہوئی۔ آصف درحقیقت گریٹ تھا۔ ایسے بات کرنے والے بھائی پہ میں نے کم ہی دیکھے تھے۔ لیکن آصف کا بار بار مجھے گھورنا میرے دل میں چبھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات تھی جو میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال میں نے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ میں تو ناکہ کی دلربا ادا پر مسرت مسکراہٹ لیے کھڑا ہوا تھا۔ ناکہ کے چہرے پر حیا کی سرخی لہرا رہی تھی۔ اور میری آنکھوں میں انجانے خواب۔!

آصف اس کی حالت اور لہجے سے گفتگو کرتے رہے اور میں کمرہ سے باہر جا کر کھڑکی کے جواب دیتا رہا۔ اس روز میں نے پہلی بار جھوٹ بولا۔ بہترین حالات کی ادھیڑ بن کے بعد یہ نتیجہ پر کہ جب ملت کے کھانے کے بعد میں ان سے رخصت ہوا تو ان پر اچھے تاثرات چھوڑ کر آیا تھا۔ مجھے رخصت کرتے وقت آصف نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

• کل دن میں گیارہ بجے تک میں آپ سے ملاقات کروں گا۔ صاحب۔ میرا انتظار کریں۔"

• ضرور کھوں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دل میں میرے پھکیاں لیتے ناکہ کی ادا کی مسکراہٹ لیے میں واپس چل پڑا۔ ٹیکسی نے مجھے ہوٹل پہنچا دیا۔ میری خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا۔

رات بھر میں مستقبل کے سہانے خواب میں کھویا رہا۔ میں نے فیصلہ کیا کہ میں اس ہفتہ ایک غیر معمولی سا مکان خرید لوں گا۔ دس ہزار کی ایک رقم اپنے بچے کی کل۔ باقی رقم سے کوئی چھوٹا موٹا بزنس کر لوں گا اور اس طرح ناکہ کے ساتھ زندگی بسر کروں گا۔ رات بھر میں سہانے خوابوں میں

...پہنچ گیا۔ ناکہ کی امی اور ابو پشتو بولتے تھے۔ میں نے ...

...ہوئے کہا۔

• آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں ...

• ناکہ نے بتایا تھا۔

• اچھا۔ تو آپ سے ملوا دیں۔

• کیا وہ گئی ہے؟

• نہیں۔

• کب تک جائے گی؟

• شام کو بھیجیے۔

• آپ نہیں آئیں گے؟

• نہیں۔ پانچ بجے میں ہوٹل گلستان پہنچ کر آؤں گا۔"

• شکریہ۔ میں انتظار کروں گا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

میں نے کہا۔

• خدا حافظ۔" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اور میں بستر ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ یہ سرت انگیز لمحات میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سرور میں گم رہا۔ ناشتہ شاید آدھا گھنٹہ بعد آیا تھا۔ ناشتہ کے بعد مجھے ناکہ کی یاد آئی! اور میں بستر پر لیٹے لیٹے کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر میں نے بوٹ اتار دیئے اور بستر پر لیٹ گیا۔ اور پھر کب آنکھ لگ گئی، مجھے پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد میں آرام کرتا رہا۔ لیٹا رہا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور میں چونک پڑا۔ کون ہے؟ آصف ہو گا۔ یہ خیال کر کے میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ گیارہ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ آصف ہی تھا۔ لیکن میں اسے دیکھ کر سہم گیا۔ آصف کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑانے لگا۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں زور سے چلایا۔

• آصف!" آصف نے مسکراتے ہوئے کہا اور جانے کیسے میں نے خود کو سنبھالا۔ میں ہاتھ صاف کر کے بیٹھ گیا۔ اس آصف اور اس آصف میں کتنا فرق تھا۔ وہ پولیس انسپکٹر کی وردی میں بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔

• آپ کو دیکھ کر اس لباس پر حیرت ہوتی ہے شاید۔"

• ہاں۔" میں نے جبراً ہی سہی مسکراتے ہوئے کہا۔

• ناکہ نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ یہاں ...

...طالوت ...

...ہوئے کہا۔

• ...ہو گا۔ آپ کو ...

...ہوئے کہا۔

• ...ہو گا۔ آپ کو ...

• نہیں۔" میں نے ...

• کب تک ...

• شام کو بھیجیے۔"

• آپ نہیں آئیں گے؟

• نہیں۔ پانچ بجے میں ہوٹل گلستان پہنچ کر آؤں گا۔"

• شکریہ۔ میں انتظار کروں گا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

میں نے کہا۔

• خدا حافظ۔" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اور میں بستر ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ یہ سرت انگیز لمحات میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سرور میں گم رہا۔ ناشتہ شاید آدھا گھنٹہ بعد آیا تھا۔ ناشتہ کے بعد مجھے ناکہ کی یاد آئی! اور میں بستر پر لیٹے لیٹے کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر میں نے بوٹ اتار دیئے اور بستر پر لیٹ گیا۔ اور پھر کب آنکھ لگ گئی، مجھے پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد میں آرام کرتا رہا۔ لیٹا رہا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور میں چونک پڑا۔ کون ہے؟ آصف ہو گا۔ یہ خیال کر کے میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ گیارہ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ آصف ہی تھا۔ لیکن میں اسے دیکھ کر سہم گیا۔ آصف کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑانے لگا۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں زور سے چلایا۔

• آصف!" آصف نے مسکراتے ہوئے کہا اور جانے کیسے میں نے خود کو سنبھالا۔ میں ہاتھ صاف کر کے بیٹھ گیا۔ اس آصف اور اس آصف میں کتنا فرق تھا۔ وہ پولیس انسپکٹر کی وردی میں بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔

• آپ کو دیکھ کر اس لباس پر حیرت ہوتی ہے شاید۔"

• ہاں۔" میں نے جبراً ہی سہی مسکراتے ہوئے کہا۔

• ناکہ نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ یہاں ...

...طالوت ...

...ہوئے کہا۔

• ...ہو گا۔ آپ کو ...

• نہیں۔" میں نے ...

• کب تک ...

• شام کو بھیجیے۔"

• آپ نہیں آئیں گے؟

• نہیں۔ پانچ بجے میں ہوٹل گلستان پہنچ کر آؤں گا۔"

• شکریہ۔ میں انتظار کروں گا۔" میں نے خوش ہو کر کہا۔

میں نے کہا۔

• خدا حافظ۔" اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اور میں بستر ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ یہ سرت انگیز لمحات میں بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور سرور میں گم رہا۔ ناشتہ شاید آدھا گھنٹہ بعد آیا تھا۔ ناشتہ کے بعد مجھے ناکہ کی یاد آئی! اور میں بستر پر لیٹے لیٹے کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر میں نے بوٹ اتار دیئے اور بستر پر لیٹ گیا۔ اور پھر کب آنکھ لگ گئی، مجھے پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد میں آرام کرتا رہا۔ لیٹا رہا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

ساڑھے پانچ بجے کے قریب کمرے کے دروازے پر کسی نے دستک دی اور میں چونک پڑا۔ کون ہے؟ آصف ہو گا۔ یہ خیال کر کے میں نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ گیارہ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ آصف ہی تھا۔ لیکن میں اسے دیکھ کر سہم گیا۔ آصف کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ وہ لڑکھڑانے لگا۔ دل اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں زور سے چلایا۔

• آصف!" آصف نے مسکراتے ہوئے کہا اور جانے کیسے میں نے خود کو سنبھالا۔ میں ہاتھ صاف کر کے بیٹھ گیا۔ اس آصف اور اس آصف میں کتنا فرق تھا۔ وہ پولیس انسپکٹر کی وردی میں بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔

• آپ کو دیکھ کر اس لباس پر حیرت ہوتی ہے شاید۔"

• ہاں۔" میں نے جبراً ہی سہی مسکراتے ہوئے کہا۔

• ناکہ نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ یہاں ...

...طالوت ...

www.urdukorner.com

ہاں۔ میں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا۔ آپ کو
کہیں دیکھا ہے۔" اس نے کہا۔
"میرا نام ہے۔" میں نے جواب دیتے ہوئے کہا اور
میرا نام سنتے ہی اس کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔
"اوہ۔ تو آپ ہیں۔" اس نے کہا اور میں نے محسوس
کیا کہ اس کا لہجہ بدل گیا ہے۔ "آپ کے بارے میں
بہت کچھ سنا ہے۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔"
"شکریہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا میں آپ کے ساتھ بیٹھ سکتا ہوں۔" میں نے
اس کے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
"ضرور۔ ضرور۔" اس نے کہا۔ "میں تو خود آپ سے
ملنا چاہتا تھا۔ مگر مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ آپ اتنی
جلدی مل جائیں گے۔" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے
کہا۔ "میں نے سوچا کہ آپ سے ملاقات کر لوں۔ ویسے
بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔"
"بہت اچھا کیا۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ہاں۔ صدیقی صاحب نے بھی آپ کی بہت تعریف
کی تھی۔ وہ آپ کے بہت مداح ہیں۔" میں نے جواب
دیا۔ "ہاں۔ وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔" اس نے
کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "ویسے آپ کا کام
کیسا چل رہا ہے۔" میں نے اس سے پوچھا۔
"بس ٹھیک ہی ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ آپ
سنائیے۔ آپ کیسے آئے۔" اس نے جواب دیتے ہوئے
کہا۔ "میں نے سوچا کہ آپ سے ملاقات کر لوں۔
ویسے بھی آپ کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔"
میں نے کہا۔
"اچھا کیا۔ آپ نے مجھ سے ملاقات کر لی۔ اب
بتائیے کہ آپ کیا لیں گے۔ چائے یا کافی۔" اس نے
پوچھا۔
"کچھ بھی لے لوں گا۔ آپ کی مرضی ہے۔" میں نے
جواب دیا۔
"ویٹر۔" اس نے ویٹر کو آواز دی۔ "دو کافی لے آؤ۔"
ویٹر سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔
"ہاں۔ اب بتائیے کہ آپ کیا لیں گے۔" اس نے
مجھ سے

تو میں کچھ دیر بیٹھی رہی۔ پھر میں نے اپنے کپڑے جھاڑے اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں نے سوچا کہ اب مجھے گھر چلنا چاہیے۔ امی میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں نے ابھی قدم اٹھایا ہی تھا کہ میرے پیچھے سے کسی نے پکارا۔ "ٹھہرو!"

میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہ ایک بوڑھا شخص تھا۔ اس نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ اس کی داڑھی بھی سفید تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی تھی۔ وہ لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا میرے قریب آ گیا۔ اس کی آنکھیں بھی سفید تھیں۔ میں سمجھ گئی کہ وہ نابینا ہے۔

"کیا تم نے مجھے پکارا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم کون ہو؟" اس نے سوال کیا۔

"میرا نام ثمینہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم کہاں رہتی ہو؟" اس نے پوچھا۔

"میں یہاں سے تھوڑی دور ایک گاؤں میں رہتی ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"تمہارے والد کیا کرتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"وہ ایک کسان ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تم نے کہاں تک تعلیم حاصل کی ہے؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے میٹرک کیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں یہاں بیٹھی ہوئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تمہارا کوئی عزیز بیمار ہے؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر تم یہاں کیوں بیٹھی ہوئی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں یہاں بیٹھی ہوئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم کسی کا انتظار کر رہی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر تم یہاں کیوں بیٹھی ہوئی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"میں یہاں بیٹھی ہوئی تھی۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں بیٹھے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں آتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں جاتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں کھڑے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں چلتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں دوڑتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں رینگتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں اڑتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں تیرتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں رقص کرتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں گاتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں ہنستے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں روتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں سوتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں مرتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں پیدا ہوتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں بچہ جنتے ہوئے دیکھا؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا تم نے کسی کو یہاں بچہ پیدا کر

حالت ہو گئی ہے۔ میں نہیں جانتا۔ [illegible]
ہو تی۔ میں نے اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا۔ "میں
حالت میں ہوں تو مجھے بتا دینا۔ شاید میں تمہاری
کچھ مدد کر سکوں۔"

میرا کارڈ دیکھ کر عورت کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اوہ
تو آپ ہیں وہ مصنف جن کی کتابیں میں نے پڑھی ہیں۔ آپ
ہمارے ہاں آئے تھے۔ میں آپ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں
نے آپ کی کتابیں پڑھی ہیں۔ آپ کی تحریروں سے
اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے دنیا کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔"

میں نے کہا۔ "میں نے دنیا کو دیکھا ہے اور برتا بھی ہے۔"

"اس لیے آپ سے ایک مشورہ چاہتی ہوں۔ میرا
تعلق ایک ایسے خاندان سے ہے جو ریاست کے نظام میں
بہت اثر و رسوخ رکھتا ہے۔ میرے والد ریاست کے وزیر
خارجہ ہیں۔ میرے بھائی بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہیں۔
میں ایک ایسے گھرانے کی فرد ہوں جس کے پاس دولت
ہے، طاقت ہے، عزت ہے۔ ہر وہ چیز ہے جو دنیا کے
بیشتر لوگ حاصل کرنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن
میں ایک عجیب سی بے چینی کا شکار ہوں۔ میں
اپنی زندگی سے مطمئن نہیں ہوں۔ میں کچھ اور
چاہتی ہوں۔ کچھ ایسا جو میرے پاس نہیں ہے۔ میں
اپنی دنیا سے باہر نکلنا چاہتی ہوں۔ میں ایک
ایسی زندگی گزارنا چاہتی ہوں جو میری اپنی ہو۔
جس میں میرے فیصلے میرے اپنے ہوں۔ میں
اپنے خاندان کی روایات کی قیدی بن کر نہیں
رہنا چاہتی۔ میں آزاد ہونا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر کیا مسئلہ ہے؟"

"مسئلہ یہ ہے کہ میرے خاندان کے لوگ میری
اس خواہش کو سمجھ نہیں پاتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ
میں پاگل ہو گئی ہوں۔ وہ میرا علاج کروانے کی
کوشش کر رہے ہیں۔ میرے والد نے تو یہاں تک
کہا ہے کہ اگر میں نے ان کی بات نہ مانی تو وہ
مجھے عاق کر دیں گے۔ میری ماں روتی ہے۔ میرے
بھائی ناراض ہیں۔ میں اپنے ہی گھر میں اجنبی بن
گئی ہوں۔ میں نہیں جانتی کہ میں کیا کروں۔
میں الجھن کا شکار ہوں۔ میں ایک ایسے راستے
پر کھڑی ہوں جہاں ہر قدم پر خوف ہے۔ ہر
موڑ پر اندیشے ہیں۔ میں نہیں جانتی کہ میں
صحیح ہوں یا غلط۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ
میں خوش نہیں ہوں۔ میں مطمئن نہیں ہوں۔
میں ایک ایسی زندگی گزار رہی ہوں جو میری
اپنی نہیں ہے۔ میں ایک ایسا کردار ادا کر رہی
ہوں جو میں نہیں ہوں۔ میں ایک ایسا چہرہ
پہنے ہوئے ہوں جو میرا اپنا نہیں ہے۔"

"میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

"میں نہیں جانتی۔ میں بس اتنا جانتی ہوں کہ
آپ نے دنیا دیکھی ہے۔ آپ نے لوگوں کو پڑھا ہے۔
آپ نے انسانی نفسیات کا مطالعہ کیا ہے۔ آپ
شاید میری کوئی رہنمائی کر سکیں۔ شاید آپ
مجھے بتا سکیں کہ میں کیا کروں۔ شاید آپ
مجھے کوئی راستہ دکھا سکیں۔ میں بہت الجھن
کا شکار ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں
بہت اکیلی ہوں۔ میں بہت تنہا ہوں۔ میرے
پاس کوئی ایسا نہیں ہے جس سے میں اپنے دل
کی بات کہہ سکوں۔ جو میری بات سمجھ سکے۔
جو میرا ساتھ دے سکے۔ میں بہت مشکل میں
ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ میں بہت
اداس ہوں۔ میں بہت دکھی ہوں۔ میں بہت
تنہا ہوں۔ میں بہت اکیلی ہوں۔ میں بہت
بے بس ہوں۔ میں بہت بے چین ہوں۔ میں
بہت بے قرار ہوں۔ میں بہت بے سکون ہوں۔
میں بہت بے آرام ہوں۔ میں بہت بے
اطمینان ہوں۔ میں بہت بے سکون ہوں۔
میں بہت بے آرام ہوں۔ میں بہت بے
اطمینان ہوں۔"

"بس۔" میں نے نرمی سے کہا۔ "بس کرو۔
میں سمجھ گیا ہوں۔ ہم تم سے بعد میں بات کریں گے۔
ابھی تمہیں آرام کرنے کی ضرورت ہے۔"

"جی۔" اس نے فرمانبرداری سے کہا۔

"ان کا خیال رکھو۔ کسی کو اس کے قریب نہ آنے
دینا۔ ہم تم سے بعد میں بات کریں گے۔ اور ہاں۔"
میں نے نرس سے کہا۔ "ان کے بھائی کو بتا دینا
کہ میں نے ان سے ملاقات کر لی ہے۔ ان کی
بہن بالکل ٹھیک ہے۔ وہ ان کی فکر نہ کریں۔"

"جی۔" نرس نے فرمانبرداری سے کہا۔

میں نے عورت کا ہاتھ تھپتھپایا۔ "میں تمہارے
لیے دعا کروں گا۔ اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

"شکریہ۔" اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور
پھر وہ عجیب خیرہ کن نظروں سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "میں نے
آپ کا نام سنا تھا۔ آپ کی کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ لیکن
آپ کا چہرہ نہیں پہچانا تھا۔ آپ کا چہرہ بہت
جانا پہچانا ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے میں آپ کو
بہت پہلے سے جانتی ہوں۔ جیسے آپ میرے
بہت پرانے دوست ہوں۔ جیسے میں آپ کو
بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ جیسے آپ کو
بہت اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ جیسے آپ کو
بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ جیسے آپ کو
بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ جیسے آپ کو
بہت اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ جیسے آپ کو
بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

"بس۔" میں نے مسکرا کر کہا۔ "بس کرو۔
میں سمجھ گیا ہوں۔ ہم تم سے بعد میں بات کریں گے۔
ابھی تمہیں آرام کرنے کی ضرورت ہے۔"

"جی۔" ا

"کیوں نہیں۔ ابھی لو۔ مگر یہاں سے کہاں لے جاؤ گے اسے؟"

"کہیں بھی۔ کوئی بھی جگہ۔ جہاں یہ بستر سے لگ جائے۔"

"ہاں یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ جگہ بھی تو ایسی نہیں ہے۔ یہاں بھی کچھ نہیں ہے۔"

"کچھ تو ہوگا ہی۔ کچھ نہ سہی۔ کوئی ڈاکٹر ہی۔"

خوش بخت کو یاد آیا۔ "یہ بات تو ہے۔ اس نے کہا۔ اور پھر اس نے بستر پر لیٹے ہوئے آدمی کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ اس کے منہ سے کچھ الفاظ نکل رہے تھے۔ خوش بخت نے اس کے الفاظ سننے کی کوشش کی۔ وہ کہہ رہا تھا۔ "میں نے کہا نا۔ میں نے کہا نا۔ میں نے کہا نا۔"

خوش بخت نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہلایا۔ "کیا کہا نا؟ کیا کہا نا؟"

"میں نے کہا نا۔ میں نے کہا نا۔ میں نے کہا نا۔"

"

میرا نام کیا ہے؟

"بچہ سا لڑکا ہے۔"

"ہاں لڑکا۔" اس نے کہا اور اس نے ایک لمحہ کے لئے سوچا۔ "آؤ دوست۔" اس نے طاوت کا ہاتھ پکڑ کر کہا اور وہ اسے ساتھ لے چلا۔ طاوت نے کہا "میرا نام کیا ہے؟" اس نے کہا "میرا نام کیا ہے؟" اس نے کہا "میرا نام کیا ہے؟" اس

نقصان پہنچا ہے۔ وہ پہلے کی طرح زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ ایک
محدود آدمی ہے۔ اس کی ذات محدود ہے۔ اس کی سوچ محدود ہے۔ وہ ایک
محدود آدمی ہے۔ اس کی ذات محدود ہے۔ اس کی سوچ محدود ہے۔ وہ ایک
بچے کی طرح ہے۔ اس کی ذات محدود ہے۔ اس کی سوچ محدود ہے۔ وہ ایک
بچے کی طرح ہے۔ اس کی ذات محدود ہے۔ اس کی سوچ محدود ہے۔ وہ ایک

محمد شاہد اسلام نے کہا تھا۔ وہ ان کے لئے کافی تھا۔ وہ ان کے لئے کافی تھا۔
آدمیوں کا انتخاب کیا تھا۔ بہرحال میں نے محمد شاہد اسلام کے لئے کافی تھا۔
اس کی سفارش کی تھی۔ پتہ نہیں اس نے میری کوئی بات نہیں مانی تھی
کی تھی۔ جنرل ایلن اس کے ساتھ بڑی تحقیر آمیز طرح پیش آیا تھا۔ میں نے
دیکھا تھا۔ جنرل ایلن ایک خبیث آدمی تھا۔ اس کے ساتھ کام کرنے والے
کسی کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ایک بدتمیز آدمی تھا۔ اس کے ساتھ
کام کرنے والے کسی کو بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ایک بدتمیز آدمی تھا۔

میں نے اس کی کوشش کی تھی۔ پولیس میری ذمہ داری تھی اور میں نے
کام کی تھی کہ کیس جلد نمٹا دیا جائے۔ میں نے یہ ذمہ داری کے
نمٹانے اور طالوت مقامات سے سکرا دیا۔ پھر وہ ہنسنے لگے۔ پھر ہنسنے لگے۔

"لیکن اب پولیس نہیں کیوں گرفتار کرنا چاہتی ہے۔"

"تم تو بچ نکلی تھی!"

"یہ ملک کا قانون ہے یہ عدالت۔ جب تک وہ
سزا نہ دے لیں گے سکون سے نہیں بیٹھیں گے!"

"میری یہ خواہش کبھی پوری نہ ہوگی۔" طالوت نے کہا۔
تھوڑی دیر بعد ناشتہ سے فارغ ہو گئے۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے
سگریٹ سلگائی۔ طالوت نے بھی مجھ سے ایک سگریٹ مانگی۔
میں نے مسکراتے ہوئے اسے ایک سگریٹ دیدی اور اسے سلگا
سلگا کر پینے لگا۔

"اس سے کیا ہوتا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"یہ کم از کم چھ ماہ تک مسلسل پینے کے بعد معلوم ہوگا۔"
میں نے کہا۔

"بہرحال۔ اچھا لگتا ہے۔" اس نے کہا اور سگریٹ کے کش
میں سگریٹ پینے لگا۔ پھر میں نے پوچھا۔ "اس لڑکی کے یہاں کس
وقت چلیں گے۔"

"وہ ایک کالج میں پڑھتی ہے۔ میرا خیال ہے ہم اسے کالج
سے آتے ہوئے پکڑ لیں۔"

"جیسا مناسب سمجھو۔" میں نے کہا۔

"چھٹی کے بعد ہی مناسب رہے گا۔" میں نے کہا۔ "اس
دوران ہم شہر میں آوارہ گردی کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے کہا۔

"طالوت۔" میں نے کسی خیال کے تحت کہا۔ "پولیس میرے
تعاقب میں ہے۔ میرا یہاں زیادہ دیر ٹھہرنا خطرناک ہوگا۔"

"ہاں۔" وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "تم کو
جانے کے لئے کہاں بھیجوں؟" کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔
"تم اپنے کسی دوست کے پاس جا سکتے ہو؟"

"نہیں۔" میں نے کہا۔ "میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ میرا
خاندان بھی نہیں ہے۔ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ میرا کوئی
خاندان بھی نہیں ہے۔ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ میرا کوئی
خاندان بھی نہیں ہے۔ میرا کوئی دوست نہیں ہے۔ میرا کوئی

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔" طالوت نے کہا۔ "تم کو
ملک سے باہر بھیجنے کا انتظام کرنا ہوگا۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ لیکن
اس کے لئے کافی رقم کی ضرورت ہوگی۔ میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے۔"

"رقم کا انتظام میں کر دوں گا۔" طالوت نے کہا۔ "میرے
پاس کافی رقم ہے۔ میں تمہیں دے سکتا ہوں۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا۔ "میں یہ رقم تمہیں واپس کر دوں گا۔"

"کوئی بات نہیں۔" طالوت نے کہا۔ "میں نے تمہیں
دینے کا وعدہ کیا ہے۔ میں اپنا وعدہ پورا کروں گا۔"

"شکریہ۔" میں نے کہا۔ "میں تمہارا یہ احسان کبھی نہیں
بھولوں گا۔" طالوت نے کہا۔ "یہ اتفاق ہی تھا کہ کوئی ٹیکسی ہمارے
ہوٹل کے سامنے سے خالی ہو کر نہیں گزری تھی۔ میں نے ٹیکسی لی
اور اسے ٹاؤن کے مکان کا پتہ بتا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہی ٹیکسی ٹاؤن

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ میں
نے اپنے کسی دوست کے پاس جانے کا سوچا تھا۔ میں نے اپنے کسی
دوست کے پاس جانے کا سوچا تھا۔ میں نے اپنے کسی دوست کے پاس
جانے کا سوچا تھا۔ میں نے اپنے کسی دوست کے پاس جانے کا سوچا تھا۔
لیکن ایسا کوئی دوست نہیں تھا جس کے پاس میں جا سکتا۔ میں نے
کچھ دیر سوچا تھا۔ لیکن ایسا کوئی دوست نہیں تھا جس کے پاس میں
جا سکتا۔ میں نے کچھ دیر سوچا تھا۔ لیکن ایسا کوئی دوست نہیں تھا
جس کے پاس میں جا سکتا۔ میں نے کچھ دیر سوچا تھا۔ لیکن ایسا کوئی
دوست نہیں تھا جس کے پاس میں جا سکتا۔ میں نے کچھ دیر سوچا تھا۔

"کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔" طالوت نے کہا۔ "تم کو
ملک سے باہر بھیجنے کا انتظام کرنا ہوگا۔"

"ہاں۔" میں نے کہا۔ "میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ میں
نے اپنے کسی دوست کے پاس جانے کا سوچا تھا۔ میں نے اپنے کسی
دوست کے پاس جانے کا سوچا تھا۔ میں نے اپنے کسی دوست کے پاس
جانے کا سوچا تھا۔ میں نے اپنے کسی دوست کے پاس جانے کا سوچا تھا۔
لیکن ایسا کوئی دوست نہیں تھا جس کے پاس میں جا سکتا۔ میں نے
کچھ دیر سوچا تھا۔ لیکن ایسا کوئی دوست نہیں تھا جس کے پاس میں
جا سکتا۔ میں نے کچھ دیر سوچا تھا۔ لیکن ایسا کوئی دوست نہیں تھا

نہیں ہوں۔ لیکن تم زندگی کی آخری سانس تک کرتے رہو۔"

محمد سانے کی طرف مڑا۔ وہ خاموش کھڑا ہوا تھا۔ وہ چونک کر سنبھلا۔ پھر اس نے جھکے جھکے سر اٹھایا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو کہو بھائی۔" طالوت نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

"کیا مطلب۔؟" محمد نے پوچھا۔

"میں نے سوچا تھا کہ میں دشمن کے دشمن کا ساتھ دوں گا۔ کا اظہار ہوگا۔ اور — ہو جائے گا۔" طالوت نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"بات بند کرو یار۔ وہ خطرناک کاشتکار ہو گئی ہے۔ جانے دو۔ جانے دو۔ دنیا بڑی ہے۔ ہاں اگر کوئی بات ہے تو کہو۔"

"کون سی۔؟"

"تم نے کہا تھا کہ تمہارے بھائی کو ایک اور کام کرنا ہے۔ اس کے متعلق بتاؤ۔"

"کیا مطلب۔؟ میں سمجھا نہیں۔"

"تمہارے خنجر۔ بلکہ کل اس کے خنجر میں سے ہم تمہاری تلاش کریں گے اور پھر یہاں سے نکل چلیں گے۔"

"مر گئے تو اندازہ نہ ہوگا؟" میں نے کہا۔

"میری تو یہی خواہش کرو۔ بس تماشا دیکھو۔ کا کام تمام کریں گے اور کل اس کے دفن چلیں گے۔!"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ لیکن میرے دل کا خوف ابھی محو نہ تھا۔ نہ جانے طالوت کے اس تماشے میں کیا کیا حال بنے۔ پھر دونوں ہوٹل واپس آ گئے۔ رات کافی گہری ہو چکی تھی۔ بستروں پر پہنچ گئے۔ طالوت کچھ سوچ سوچ کر سو گیا۔ میں اسے خراٹے لیتے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا بات ہے۔" میں اسے خراٹے لیتے دیکھ کر اٹھ بیٹھا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ اس کی باتوں میں شکایت کا انداز تھا۔ وہ تم سے بظاہر خوش ہو گئی تھی لیکن اس کے باوجود اس کے دل میں محبت کی جھلک تھی۔"

"لیکن اب کیسی اس کا دل میری طرف سے صاف نہیں ہو گیا؟"

"ہو سکتا ہے۔ کیا ہوا ہے۔ کیا ہمارے لئے صاف دل والوں کی کمی ہے۔ تم دیکھتے ہو دوست میں کچھ نہیں جانتا ہوں۔ دنیا بھر کی

دلچسپیاں تمہارے ہی ہوں گی۔ میں تمہیں کس بات سے انوزی نہیں کروں گا۔ جو کہو اسے کرتے رہو۔"

"فی الحال۔ اس کے سوا اب جاں بھی کیا ہے۔" میں نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر کروٹ بدل کر لیٹ گیا لیکن نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ محمد کے سخت الفاظ "سخت چوٹ" اور "اب تک رہا" پھر میرے سینے میں ٹیس اٹھنے لگی ہے۔ میں دشمن کی باتوں پر یقین نہیں کرتا۔ یہ تو شریف آدمی کا کام ہے۔ نہ بھی کرے تو کم از کم اسے متاثر نہیں ہونا چاہیئے لیکن میں جانتا ہوں۔ میں دشمن کی تعریف بھی سچ سچ کر جاتا ہے۔ اس کی ملامت میری زندگی کا سب سے بڑا زخم ہے۔ کاش میں اگر طالوت کے کہنے پر عمل نہ کرتا۔ اب بھی ڈھلا نہیں ہے۔ پکڑا جاؤں گا اور زندگی جیل میں گزر جائے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ اس کی ہدایات پر عمل کرتا رہوں اور اگر قسمت خراب ہو تو پھر جانوں تو اسے اپنا مقدر سمجھوں۔ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔

آخری بار میں نے دل کو مضبوط کیا اور سختی سے اپنے متعلق یہ فیصلہ کر لیا۔ اب کسی کی بھی مجھے کوئی پروا نہیں تھی۔ میری اپنی دنیا تھی۔ اور اب ہر وہ شخص میری دشمن ہوگا جو میری راتوں کی نیند خراب کرے۔ باقی سب کچھ اس قوت موذی کے سامنے ہیچ ہے۔ باقی سب حماقت کی باتیں ہیں۔ کسی سے لگاؤ نہ رکھو۔ کسی سے محبت نہ کرو۔ پھر کوئی بھی تمہارا دشمن نہیں ہوگا۔ طالوت نے محبت کی تھی اور اس کا انجام بھی دیکھ لیا۔ اب میں ایک مقصد کے لئے زندہ ہوں اور اس فیصلے کے بعد میں اطمینان سے سو گیا۔!

دوسری صبح درحقیقت میں بڑا ہشاش بشاش تھا۔ میرا دل ہلکا ہو گیا تھا۔ اور مجھے کوئی خوف نہیں تھا۔ طالوت نے مجھے دیکھ کر میری اس بدلی ہوئی کیفیت کو محسوس کیا اور مسکرانے لگا۔ بہرحال اس نے اس سلسلے میں کچھ نہیں کہا اور پھر ناشتے سے فارغ ہو کر ہم لوگ ناشتہ کرنے لگے۔ طالوت نے اپنی ضروریات کی چند چیزیں منگوائیں۔ ناشتے سے فارغ ہو کر طالوت نے میری طرف دیکھا۔ "کیا پروگرام ہے۔؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آصف کے پاس چلیں گے۔"

"تب پھر تیاری کرو۔" اور ہم تیار ہونے لگے۔ میں نے سوچا میرے پاس تو کچھ نہیں ہے لیکن طالوت نے بھی ایک خوبصورت شکار

...ہوں کا پتہ چلانا ہوں۔ میرا کام جرم کی روک تھام ہے۔" طالوت نے کہا۔ اصف نے کہا۔

"کیا آپ کو یقین ہے کہ وہ آدمی ہی ہے۔" اصف نے طالوت سے پوچھا۔

"اب تک تو یہی ثابت ہوا ہے۔ آگے کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ آدمی نہ ہو۔ لیکن اس کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" طالوت نے کہا۔

"اگر آپ کا خیال صحیح ہوا ہے تو پھر تو ہمیں بہت محتاط ہونا چاہئے۔ اگر اس نے ہمارے بارے میں کچھ پتہ چلا لیا ہے تو پھر وہ ہمارے لئے بہت خطرناک ثابت ہوگا۔" اصف نے کہا۔ طالوت کچھ نہ بولا۔

"اگر مجھے غلط فہمی ہوئی ہے تو اب بھی ہمیں احتیاط کرنی چاہئے۔ اگر اس نے ہمارے بارے میں کچھ پتہ چلا لیا ہے تو پھر وہ ہمارے لئے بہت خطرناک ثابت ہوگا۔" اصف نے کہا۔ طالوت کچھ نہ بولا۔

"چلو۔" اصف نے طالوت سے کہا۔ طالوت کھڑا ہوا۔ ایس پی صاحب کا دفتر سے ایک دروازہ تھا جو گودام کے سامنے کھلتا تھا۔ پھر وہ اصف کے ساتھ گودام سے باہر نکل آیا۔ اصف نے باہر کے دروازے کو بند کر دیا۔

"ہیلو۔ ہیلو۔" انسپکٹر جمشید نے ایس پی صاحب کے دفتر کے دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر آواز دی۔ ایس پی صاحب کا دفتر گودام کے ساتھ تھا۔ اس کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ گودام کی طرف کھلتا تھا۔ دوسرا دروازہ باہر کی طرف کھلتا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے باہر کے دروازے پر دستک دی تھی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ تو انہوں نے دوسرے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ تو انہوں نے دروازے کو دھکیلا۔ دروازہ کھلتا چلا گیا۔ انسپکٹر جمشید نے اندر جھانکا۔ ایس پی صاحب کا دفتر خالی تھا۔ وہ دفتر میں داخل ہو گئے۔ ایس پی صاحب کا دفتر بھی خالی تھا۔ انسپکٹر جمشید نے دفتر کے دوسرے دروازے کو کھولا۔ وہ گودام میں کھلتا تھا۔ گودام میں بھی کوئی نہ تھا۔ انسپکٹر جمشید نے گودام کے دوسرے دروازے کو کھولا۔ وہ گودام سے باہر نکل آئے۔ باہر کوئی نہ تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اصف کی طرف دیکھا۔

"ایس پی صاحب کہاں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ۔" اصف نے کہا۔

"آپ نے ان کے دفتر کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"جی ہاں۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا۔" اصف نے کہا۔

"پھر وہ کہاں گئے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ۔" اصف نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ وہ باتھ روم گئے ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" اصف نے کہا۔

"ہم ان کا انتظار کرتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" اصف نے کہا۔

"آپ کے پاس کوئی اطلاع ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"جی ہاں۔ ایک اطلاع ہے۔" اصف نے کہا۔

"کیا اطلاع ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"یہ تو ایس پی صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔" اصف نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو اطلاع ہو اور ایس پی صاحب کو نہ ہو۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" اصف نے کہا۔

"کیا آپ کو اختر سلطان کا پتہ معلوم ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہے۔" اصف نے کہا۔

"کیا آپ ہمیں اس کا پتہ بتا سکتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہے۔ بدمعاش کا پتہ کیا ہے۔" اصف نے کہا۔

"بدمعاش۔" انسپکٹر جمشید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔ ہے۔ بدمعاش کا پتہ کیا ہے۔" اصف نے کہا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"مطلب۔ مطلب۔ ایس پی صاحب کا دفتر سے ایک دروازہ تھا جو گودام کے سامنے کھلتا تھا۔ گودام کے سامنے کھڑے ہو کر ایس پی صاحب کے دفتر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھل گیا۔ دفتر خالی تھا۔ گودام کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ دروازہ کھل گیا۔ گودام خالی تھا۔ ایس پی صاحب کہاں ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"مجھے کیا پتہ۔" اصف نے کہا۔

"اگر آپ کو پتہ نہیں ہے تو پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ بدمعاش ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"میں نے اس کا نام اختر سلطان بتایا تھا۔ اور اپنی کار چوری ہونے کی اطلاع دی تھی۔" اصف نے کہا۔

"پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ بدمعاش ہے۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"میں نے اپنا نام اختر سلطان بتایا تھا۔ اور اپنی کار چوری ہونے کی اطلاع دی تھی۔" اصف نے کہا۔

"خدا سے خائف کرے۔" میں نے کہا۔

"میں سخت الجھن میں ہوں سر۔ اصل میں وہ ایک سفارشی قیدی ہے۔ اور آپ اس کے بشکل۔" اصف نے کہا۔

"آپ خدا خدا کیجئے میں انسپکٹر۔ اگر وہ پکا ہوا تو بھاگ جائے گا۔ اور میں کہیں نظر نہیں آؤں گا۔" میں نے کہا۔

"میں کیسے اندازہ کر لوں کہ آپ میں بھی ہے۔ اصل اختر سلطان کون ہے۔" اصف نے کہا۔

"دونوں ہیں۔ تو کیا آپ دونوں کو پکڑ لیں۔" میں نے اپیل کر کے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ بدمعاش کیسی کہانی سنا کر آیا ہے۔ اور جب میں اسے ایس پی کے سامنے لے گیا تو وہ بھاگ نکلا۔" اصف نے کہا۔

"اوہ۔ میرے خدا۔" اس نے کیا کہا تھا۔"

"اس نے اپنا نام اختر سلطان بتایا تھا۔ اور اپنی کار چوری ہونے کی اطلاع دی تھی۔" اصف نے کہا۔

"خدا سے خائف کرے۔" میں نے کہا۔

"میں سخت الجھن میں ہوں سر۔ اصل میں وہ ایک سفارشی قیدی ہے۔ اور آپ اس کے بشکل۔" اصف نے کہا۔

"آپ خدا خدا کیجئے میں انسپکٹر۔ اگر وہ پکا ہوا تو بھاگ کیوں جاتا۔ بڑا کرتا اس بدمعاش سے میری کار برآمد کریں۔" اصف نے کہا۔

"وہ گرفتار ہو جائیگا۔ آپ فکر نہ کریں۔" اصف کو میری اس دلیل پر کسی قدر تسلی ہو گیا تھا۔ ویسے وہ اب بھی تیار نظر آتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب انسپکٹر اور سپاہی پریشان واپس آ گئے۔

"ہم نے اسے خود گارڈ روم میں داخل ہوتے دیکھا تھا جناب۔ لیکن نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گیا۔ آپ یقین کریں۔ پورے ہوٹل و حوالی سے۔"

"کیا بکواس ہے۔" وہ پولیس ہیڈ آفس سے فرار ہو گیا۔"

"نہیں۔ خدا کی قسم جناب۔ گارڈ روم میں آپ کو معلوم ہے کہ کوئی خفیہ راستہ بھی نہیں ہے۔ اور وہ اسی میں داخل ہو گیا تھا۔"

"تب وہ یقیناً نکل گیا ہوگا۔ اسے تلاش کرو۔ سب انسپکٹر۔ فوراً۔" اصف نے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا اور سب انسپکٹر پریشان سا باہر نکل گیا۔

"بہت بڑا بدمعاش ہے۔" اصف نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اسی وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور انسپکٹر اصف نے ریسیور اٹھا لیا۔ پروگرام کا دوسرا حصہ شروع ہو چکا تھا۔ اصف غائب ہو چکا تھا۔

"جناب۔ جناب۔ ایس پی صاحب کہاں ہیں۔" اصف نے کہا۔

"ایس پی صاحب کے کمرے میں ہیں۔ آپ تشریف رکھئے۔ میں ابھی ایس پی کے پاس جاتا ہوں۔ ابھی آتا ہوں۔" سپاہی نے کہا۔

"بیٹھئے۔ بیٹھئے۔ اور جونہی انسپکٹر اصف کمرے سے نکلے گا۔ میں نے اس کے سامنے کھڑا ہو جانا ہے۔ اس کا حکم ہے۔" اصف نے کہا۔

"میں بیٹھ نہیں سکتا۔ اصف صاحب۔ ناراض ہو جائیں گے۔ میں ایک معمولی سپاہی ہوں۔ انسپکٹر اصف صاحب آپ کے دوست ہیں۔ لیکن آپ ہیں۔ بہرحال۔ میں اب کوئی وارننگ نہیں سنوں گا۔ آپ نے باز نہ آنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میری طرف سے ایک چھوٹی سی سزا ہے۔ قبول کریں۔"

"طالوت جاں"

اس پیغام کو پڑھ کر میں نے پیپر ویٹ کے نیچے دبایا اور تیزی سے انسپکٹر کے دفتر سے نکل آیا۔ دوسری طرف طالوت اپنا لائحہ عمل طے کر رہا تھا۔ یہ ہم لوگوں کا مشترکہ پروگرام تھا۔ بعد کو اس کارنامے کی تفصیل بھی طالوت نے بتائی۔ کہ انسپکٹر اور کانسٹیبلوں کو ڈاج دے کر وہ گارڈ روم میں گھس گیا اور وہاں سے اس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو کر واپس نکل آیا۔ پھر وہ ٹہلتے ہوئے سڑک پر آیا۔ ایس پی کے کمرے میں پہنچا اور اس سے انسپکٹر اصف کی شکایت کی جس نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی تھی۔ طالوت نے ایس پی سے کہا کہ وہ فوری طور پر کال کر کے اختر سلطان کے بارے میں معلوم کریں۔ لیکن ایس پی نے اس پر اعتبار کر لیا تھا۔ چنانچہ ایس پی نے اصف کو ٹیلی فون کر کے بلوایا۔ اصف نے ایس پی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی، پستول نکال لیا تھا۔

"ہوٹل میں آیئے مسٹر اصف۔ کیا آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" ایس پی نے کہا تھا۔

"جناب۔ جناب۔ یہ بہت بڑا جعلساز ہے۔ فوراً آپ سے فرار ہے۔ غالباً آپ نے اس نے اختر سلطان کی حیثیت سے تعارف کرایا ہوگا۔" اصف نے کہا تھا۔

"براہ کرم اپنے حواس درست کریں۔ میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ بغیر کسی ثبوت کے آپ نے ان کے ساتھ بدسلوکی کیوں کی۔"

"ان کی جیب سے ثبوت موجود ہے جناب۔"

"وہ کیا۔" ایس پی نے طنزیہ انداز میں پوچھا تھا۔

"اصلی اختر سلطان صاحب تشریف لے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب ہے۔"

"جی ہاں۔ وہ ہوٹل میں تشریف لے آئے ہیں۔ کہاں ہیں۔ اختر سلطان صاحب۔"

"بلائیے۔" ایس پی نے کہا۔ اصف نے ایک سپاہی کو اختر سلطان کی طرف بھیجا۔ اس نے جا کر سب انسپکٹر کو بتایا تھا لیکن سب انسپکٹر کو یہ اطلاع دینے سے پہلے ہی اختر سلطان نے اصف کی اطلاع دی اور پورے آصف کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اصف نے پڑھا اور اس کا منہ اتر گیا۔

"کیا ہے۔" ایس پی نے پوچھا۔ اصف بول نہ سکا۔ ایس پی پر پاگل سا جنون طاری ہو گیا۔ اور پھر طالوت کے کہنے پر اس نے اصف کو واپس بھیج دیا تھا۔

طالوت کی کہانی سن کر میں ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گیا تھا۔ بڈھا شیخ جمیل بہت بڑا تعزیر کی تھی اور یہ سزا اس کا حاصل تھی۔ اصف نے مجھے گرفتار کرنے کے سلسلے میں بھیجا تھا۔ لیکن یہاں اصف نہ آیا تھا اور ایک شریف آدمی تھا۔ اس لئے میں اصف کے ساتھ نہیں گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے طالوت سے اس کا ایڈریس پوچھا۔

"جو تمہاری مرضی ہو۔ اگر تم یہ کام کے بجائے کسی اور کو بھیج دو تو ٹھیک ہے۔ ورنہ۔ اسے اور پریشان کیا جا سکتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کافی ہے۔ اب یہاں سے چلیں۔"

"کہاں چلیں گے۔"

"جہاں تم کہو۔ اس شہر سے نکل چلتے ہیں۔"

"تب پھر ہم تمہارے ساتھی محمود کے پاس چلیں گے۔ انہیں بھی دیکھ لوں۔ یہ میرا محلہ اسٹیل ہے۔"

"زندہ رہے تو پھر ملاقات ہوگی۔ اگر میں جیل میں کسی وجہ سے انتظام کا اس سے اچھا موقع اور نہیں مل سکتا تھا چنانچہ میں نے تیار ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے ہم ہوائی جہاز سے سفر کریں۔ سیاہ رنگ کی لمبی ریل گاڑی کا سفر مجھے بہت پسند ہے۔ صرف ایک اور میں تمہارے لئے اس میں بیٹھا ہوں۔ تمہارے ساتھ لطف آئے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ اور پھر ہم نے ٹیلی فون اور پھر

www.urdukorner.com

کو اس کی ذہنی پختگی کا ثبوت سمجھتے ہوئے اس کے فیصلے کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح وہ اپنی بیٹی کو ہمیشہ کے لیے کھو دے گا مگر ایک حد تک وہ اس کی خوشی کی خاطر اس کی جدائی برداشت کر سکتا ہے۔ ہم خیال سے ملتے ہیں تو آپس میں کہتے۔

"کوئی تو فیصلہ کرے گی۔" وہ طالوت نے کہا اپنے چہرے کے گرد ہاتھ لہرا دیا۔ پھر اب اس کے ہاتھ نے اس کی شکل بدل دی تھی۔ بھوری آنکھ، ذہین اور لمبی ناک، روشن پیشانی والا ساحل نظر آتا۔ جسے اس نے ہمیشہ خواب میں دیکھا۔

"کیا ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"خاص۔" اس نے جواب دیا اور پھر دونوں ہنسنے لگے۔ ہنستے ہنستے کچھ دیر بعد وہ خاموش ہو گئے۔ ہنسنے کے بعد ہمیشہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ ساحل کے کہنے پر وہ خاموش ہو گئی تھی۔ ساحل کو کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی۔ جسے وہ کہنا چاہتا تھا۔ وہ بات کہنے کے بعد وہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ ہنسنے کے بعد وہ خاموش ہو جاتا تھا۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہوتا تھا۔ وہ اس کے چہرے کو دیکھتا رہتا۔ اس کی آنکھوں میں جو چمک ہوتی تھی۔ وہ کسی اور کی آنکھوں میں نہیں تھی۔ ہنسنے کے بعد

بات چیت کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے بتایا کہ وہ ایک
کتاب بیچنے والی کمپنی میں ملازم ہے اور کتابیں فروخت کرنے کی
غرض سے یہاں آیا ہے۔

"میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" طالوت نے کہا۔

"میں ابھی ابھی شہر آیا ہوں۔ آج ہی میرا تقرر ہوا ہے۔"
اس نے جواب دیا۔

"آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"ابھی کہیں نہیں۔ سوچا تھا کہ کسی ہوٹل میں جگہ لے لوں گا۔"

"ہوٹل میں کیوں ٹھہریں گے۔ میرا گھر خالی پڑا ہے۔ آپ
میرے ہاں قیام کریں۔" طالوت نے کہا۔

"میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ بہت مہربان ہیں۔"
اس نے کہا۔

"شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ آپ میرے مہمان ہوں گے۔"
طالوت نے کہا۔

"میرا نام ہارون ہے۔" اس نے کہا۔

"ہارون۔ بہت اچھا نام ہے۔ آپ کا کام کیسا چل رہا ہے؟"
طالوت نے پوچھا۔

"کام تو اچھا چل رہا ہے۔ لیکن میں اس شہر میں اجنبی ہوں۔
اس لیے کچھ مشکل پیش آ رہی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ میرے مہمان ہیں۔ آپ کو کوئی
دقت نہیں ہوگی۔" طالوت نے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ہارون نے کہا۔

طالوت نے ملازم کو آواز دی اور اس کو ہارون کا سامان
اندر لے جانے کا حکم دیا۔ پھر وہ ہارون کو لے کر اندر آیا۔ اس نے
ہارون کو ایک کمرہ دکھایا جو مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ ہارون
نے اپنا سوٹ کیس ایک طرف رکھا اور وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔
تھوڑی دیر بعد ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔
طالوت ہارون کو لے کر کھانے کے کمرے میں آ گیا۔ کھانے کی میز
پر طالوت کی بیوی اور بچے موجود تھے۔ طالوت نے ہارون کا
تعارف کرایا۔ سب نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد طالوت نے
ہارون سے کہا:

"آپ کا سامان کہاں ہے؟"

"میرا سامان ریلوے اسٹیشن پر ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ
کسی ہوٹل میں جگہ لے کر سامان وہیں پہنچا دوں گا۔"

"سامان کی فکر نہ کریں۔ میں ابھی ملازم بھیج کر منگوا
لیتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ہارون نے کہا۔

طالوت نے ملازم کو بلا کر ہارون کا سامان لانے کے لیے
بھیج دیا۔ پھر وہ ہارون سے باتیں کرنے لگا۔ ہارون نے بتایا کہ
وہ ایک کتاب بیچنے والی کمپنی میں ملازم ہے اور کتابیں فروخت
کرنے کی غرض سے یہاں آیا ہے۔

"میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" طالوت نے کہا۔

"میں ابھی ابھی شہر آیا ہوں۔ آج ہی میرا تقرر ہوا ہے۔"
ہارون نے جواب دیا۔

"آپ کہاں ٹھہرے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"ابھی کہیں نہیں۔ سوچا تھا کہ کسی ہوٹل میں جگہ لے لوں گا۔"

"ہوٹل میں کیوں ٹھہریں گے۔ میرا گھر خالی پڑا ہے۔ آپ
میرے ہاں قیام کریں۔" طالوت نے کہا۔

"میں کس طرح آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ بہت مہربان ہیں۔"
ہارون نے کہا۔

"شکریہ کی کوئی بات نہیں۔ آپ میرے مہمان ہوں گے۔"
طالوت نے کہا۔

"میرا سامان ریلوے اسٹیشن پر ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ
کسی ہوٹل میں جگہ لے کر سامان وہیں پہنچا دوں گا۔"

"سامان کی فکر نہ کریں۔ میں ابھی ملازم بھیج کر منگوا
لیتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔" ہارون نے کہا۔

طالوت نے ملازم کو آواز دی اور اس کو ہارون کا سامان
اندر لے جانے کا حکم دیا۔ پھر وہ ہارون کو لے کر اندر آیا۔ اس نے
ہارون کو ایک کمرہ دکھایا جو مہمانوں کے لیے مخصوص تھا۔ ہارون
نے اپنا سوٹ کیس ایک طرف رکھا اور وہ دونوں باتیں کرنے لگے۔
تھوڑی دیر بعد ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔
طالوت ہارون کو لے کر کھانے کے کمرے میں آ گیا۔ کھانے کی میز
پر طالوت کی بیوی اور بچے موجود تھے۔ طالوت نے ہارون کا
تعارف کرایا۔ سب نے کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد طالوت نے
ہارون سے کہا:

"آپ کا سامان کہاں ہے؟"

میرے

تھا ایک طویل عرصے کے بعد شہنا پھر میرے حواس پر چھا گئی اور مجھے وہ دلکش رات یاد آگئی۔ کسی بھولے ہوئے خواب کی مانند۔

زرینہ کے ہمراہ گاہے بگاہے یہی میں تھا کہ میری حقیقت کچھ اور ہے۔ میں نے اُسے جو کہانی سنائی تھی، اس پر وہ مکمل طور سے یقین کر بیٹھی تھی۔ بیسیوں گزرے ہوئے تیس نیلگات میری کہانی کا ثبوت تھے اور شاید وہ دل ہی دل میں اپنی فطرت پر بہت نادم تھی، کہاں ایک نواب زادہ اور کہاں ایک اکاؤنٹنٹ۔ بخشگی نما اور مجھ میں چاند بہت بڑا فرق پیدا ہو گیا تھا۔ زرینہ کو اپنا محبوب ذہنی طور پر اس سے کہیں بلند نظر آ رہا تھا۔ وہ جیسے دل سے اپنی بے وفائی کا ایک ایک نقش دھو ڈالنا چاہتی تھی اور وہ جانتی تھی کہ عورت کی لاطائیں کہ وہ تب ہی دھوتی ہیں اگر میرا کی شدت کھتی ہیں۔ بلاشبہ وہ میرے لئے شہنا

میرے ہونے والے بچوں کی بھی نگہ داشت کرے۔

"تمہیں یقین ہے کہ وہ ایسا کرے گی؟" میں نے اس سے پوچھا۔

"کیسی فضول کی باتیں کرتے ہو عارف۔ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔ تمہارے بچوں کو میں اپنے بچوں کی طرح پالوں گی۔ اس سلسلے میں تم بالکل بے فکر ہو جاؤ۔"

"لیکن زرینہ، میں تمہارے لئے کچھ بھی نہیں کر سکوں گا۔ میں ایک بے حد معمولی سا انسان ہوں۔ میرے پاس تمہیں دینے کو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"میں تم سے کچھ لینا بھی نہیں چاہتی۔ میں تو صرف تمہیں دینا چاہتی ہوں۔ تمہارا ساتھ، تمہاری محبت، تمہارے بچے۔ کیا یہ سب کچھ کم ہے؟"

"نہیں زرینہ، یہ سب کچھ بہت زیادہ ہے۔ میں تو اس قابل بھی نہیں کہ تمہارے پاؤں کی خاک بن سکوں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ تم ہو۔ میرے پاؤں نہ چھونے کی قسم کھاؤ۔ میں تمہارے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔ اور یہ کام میں تمہارے بغیر بھی کر سکتی ہوں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے کہا اور پھر ہم دونوں ہی کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ زرینہ نے مجھے اپنی بانہوں میں بھر لیا۔

اسی لمحے میں نے شہنا کو دیکھا۔ وہ دروازے کی چوکھٹ پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اس کے ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔ اس کا سینہ تیز تیز سانس لے رہا تھا۔ میں نے زرینہ کو اپنے سینے سے الگ کیا اور شہنا کی طرف دیکھا۔ وہ ہمیں ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشت تھی۔ میں نے اسے مخاطب کیا۔

"شہنا!"

"میں نے تمہیں بہت آوازیں دیں۔ تم نے جواب نہیں دیا۔ میں سمجھی کہ شاید تم سو گئے ہو۔ اس لئے میں اندر چلی آئی۔ مجھے معاف کر دینا۔" شہنا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ میں تمہارے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔ اور یہ کام میں تمہارے بغیر بھی کر سکتی ہوں۔"

"ہاں، تم نے یہ بات کہی تھی۔ لیکن اس کا مطلب کیا ہے؟"

"مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔"

"کیا؟" میں اور زرینہ ایک ساتھ چیخ پڑے۔

"ہاں، میں تمہارے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے بچوں کو جنم دینا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے بچوں کی ماں کہلانا چاہتی ہوں۔ اور یہ کام میں تمہارے بغیر بھی کر سکتی ہوں۔"

"شہنا، تم ہوش میں تو ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، میں ہوش میں ہوں۔ میں تمہارے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔"

"لیکن کیسے؟" زرینہ نے پوچھا۔

"جیسے تم عارف کے بچوں کی ماں بنو گی۔"

"میں سمجھی نہیں۔" زرینہ نے کہا۔

"میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔" شہنا نے کہا۔ اور پھر وہ ہمیں تفصیل بتانے لگی۔ میں اور زرینہ حیرت سے گنگ بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے۔ شہنا کا منصوبہ بہت سیدھا سادا تھا۔ وہ میرے بچوں کی ماں بننا چاہتی تھی۔ اس کے لئے اسے میرے بچے کی ضرورت تھی۔ اور اس کے لئے اسے میرے ساتھ ہم بستر ہونا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایسا صرف ایک بار کرے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے قریب نہیں آئے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ ہم بستر نہیں ہوگی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ اکیلے میں نہیں ملے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ تنہائی میں بات نہیں کرے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ کسی قسم کا رشتہ نہیں رکھے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ کسی قسم کا واسطہ نہیں رکھے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ کسی قسم کا ناطہ نہیں رکھے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ کسی قسم کا تعلق نہیں رکھے گی۔

"کیا یہ ممکن ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، یہ ممکن ہے۔" شہنا نے کہا۔

"کیسے؟"

"اس کا طریقہ بہت آسان ہے۔ تم مجھے ایک بچہ دے دو۔ اس کے بعد میں تمہاری زندگی سے ہمیشہ کے لئے نکل جاؤں گی۔"

"کیا تم واقعی ایسا کر سکو گی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، میں ایسا کر سکوں گی۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں۔ میں ایسا کر سکوں گی۔ میں تمہارے بچوں کی ماں بننا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے بچوں کو جنم دینا چاہتی ہوں۔ میں تمہارے بچوں کی ماں کہلانا چاہتی ہوں۔ اور یہ کام میں تمہارے بغیر بھی کر سکتی ہوں۔"

"لیکن کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"جیسے تم عارف کے بچوں کی ماں بنو گی۔" زرینہ نے کہا۔

"میں سمجھی نہیں۔" زرینہ نے کہا۔

"میں تمہیں سمجھاتی ہوں۔" شہنا نے کہا۔ اور پھر وہ ہمیں تفصیل بتانے لگی۔ میں اور زرینہ حیرت سے گنگ بیٹھے اس کی باتیں سنتے رہے۔ شہنا کا منصوبہ بہت سیدھا سادا تھا۔ وہ میرے بچوں کی ماں بننا چاہتی تھی۔ اس کے لئے اسے میرے بچے کی ضرورت تھی۔ اور اس کے لئے اسے میرے ساتھ ہم بستر ہونا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایسا صرف ایک بار کرے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے قریب نہیں آئے گی۔ اس کے بعد وہ کبھی میرے ساتھ ہم بستر نہیں ہوگ

یہ سن کر فضل بگڑ گیا۔ "میں نے کہا نا کہ مجھے کچھ نہیں معلوم۔ ہم اس کا حساب نہیں رکھتے۔"

میں نے کہا۔ "کمون بے، تو تو بڑا بے بار۔ مگر لطف آگیا۔ اچھا یہ بتا۔"

"تم نے ان کی مدد کیا کی۔؟" میں نے پوچھا۔

"میلہ میں چیزوں کی جو قیمت بتایا جاتا تھا، میری وجہ سے ان کی قیمت چوتھائی سے بھی کم بتائی۔ تم نے دیکھا لوگوں نے کتنی خریداری کی۔"

"اچھا۔ تم نے فریب میلہ میں کو مزا دیا۔ میں نے کہا۔ "پھر کیا طریقہ اپنایا گیا۔"

"کیسے لادا گیا۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟"

"اب بھی جب اس کی ساری تنخواہ کٹ جائے گی تو پتہ چلے گا۔ اس کا چولہا ٹھنڈا نہیں کیسے کرے گا۔"

"اے میں ناانصاف نہیں ہوں۔۔۔ اس کی جیب میں نوٹوں کی ایک گڈی ڈال آیا ہوں۔" طالوت نے کہا اور مجھے پھر ہنسی آگئی۔ عجیب شخص تھا یہ بھی۔ طالوت ڈریسنگ روم کے اندر کے حالات یاد کر کے چٹخارے لیتا رہا لیکن میں سنبھل گیا کیونکہ سامنے سے وہ پولیس سارجنٹ آرہے تھے۔ پولیس سارجنٹ آگے نکل گئے تو میں نے ایک گہری سانس لی اور آگے بڑھ گیا۔ طالوت ہر چیز سے دلچسپی لے رہا تھا۔ ہم بہت سی گاڑیوں میں داخل ہوئے لیکن میں نے طالوت کو مزید کوئی حرکت کرنے کی اجازت نہیں دی اور پھر شام تک آوارہ گردی کرنے کے بعد ہم واپس زرینہ کے گھر چل پڑے۔ مجھے بے چینی سے ہمارا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر خوش ہو گئی۔ اس نے نہایت لذیذ کھانا تیار کر رکھا تھا۔ اور میرے قتل کا مکمل سامان کیے تھی۔ اسے دیکھ کر مجھے پھر بات یاد آگئی۔ اس کی صفائی یاد آگئی۔ بے ساختہ

مغفرت کا ہے عجیب ساماں قرآن عظیم

قرآن شریف ہر مسلمان گھرانے میں پڑھا جاتا ہے لیکن سمجھنے بہت کم لوگ ہیں کیوں کہ عربی زبان سے ہر مسلمان واقف نہیں اس لئے قرآن پاک کا اردو میں سلیس اور بامحاورہ ترجمہ شائع کیا گیا ہے۔ روشن چراغ تاکہ عربی نہ سمجھنے والے مسلمان بھی کلام پاک کو بآسانی سمجھ سکیں اور جان سکیں کہ خالق کائنات نے ہمیں کن باتوں سے روکا ہے اور کن باتوں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ کلام پاک کو سمجھ کر پڑھے۔ ہدیہ صرف پچاس روپے علاوہ محصول ڈاک۔ آرڈر کے ہمراہ دس روپے کا منی آرڈر آنا ضروری ہے۔

کتاب والا، ۴۰۲ گلی مچھوت والی مہاراجی بھوجلہ، دہلی۔110006

وہ ایک اچھی لڑکی تھی لیکن بدقسمتی۔ دولت کی ہوس نے اس سے اس کی محبت چھین لی تھی۔!

زرینہ نہ جانے کہاں کہاں کی باتیں کرتی رہی لیکن میں اس کی باتیں سنتا رہا تھا۔ اس کی پہلی محبت ناکام ہو گئی تھی۔ اس نے دوسری محبت قبول کر لی تھی۔ پھر قبول ہی نہ کی ہوگی۔ تو نہ حالات دوست ہوتے۔ لیکن اس نے خود مجھے اپنی داستان سنائی تھی۔ اور پھر اختر بیگ کے گیارہ سو چرا گئی۔ بات شاید اس جگہ روشنی کرائی "اور پھر اختر بیگ کے گیارہ سو چرا گئی۔ بات شاید اس جگہ پہنچی گئی تھی لیکن

ہوتی یہاں اب پہنچی گئی تھی لیکن

وہ ایک شریف عورت نہیں تھی۔ اس نے زیورات دیکھ کر خود کو دوسرے پر گرا دیا اور میں جانتا تھا کہ طالوت کسی گھناؤنے بوڑھے کی شکل اختیار کر کے اگر اس کے قدموں میں دولت کے انبار لگا دیتا تو وہ سب کچھ بھول کر طالوت کی آغوش میں پہنچ جاتی۔ ایسی عورت کے ساتھ اچھا سلوک کیوں کیا جائے۔ میں سوچتا رہا۔ پھر زرینہ کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔ "کیا کہہ رہے ہو عارف۔؟"

"تمہارے بارے میں۔" میں نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

"کیا۔؟" اس نے میری آنکھوں میں دیکھا اس کے چہرے پر دھبا رنگ آگیا تھا۔

"یہی۔ کہ تم مجھ سے دور کیوں چلی گئی تھیں؟" میں نے اس کی بات سے اثر ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ صرف تمہارا خیال تھا عارف۔ مجھے تم سے بے انتہا محبت ہے۔ پھر تم سے دور کیسے رہ سکتی۔" اس نے بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"پھر اختر بیگ سے اتنی یگانگت اور مجھ سے بیگانگی۔ اس بارے میں تم کیا کہتی ہو۔؟"

"وہ صرف تمہارا امتحان تھا میں تمہاری محبت آزمانا چاہتی تھی لیکن میری اس تدبیر کا برعکس نتیجہ نکلا۔ اس نے مجھے لڑنا دیا عارف۔ کاش تم اس قدر جلد بازی سے کام نہ لیتے۔" اس نے مضمحل انداز میں کہا۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری آزمائش تمہیں مجھ سے اس قدر متنفر کر دے گی۔"

"تم تو میری محبت کو آزما رہی تھیں۔" یعنی اختر بیگ سے اتنی یگانگت مصنوعی تھی۔؟"

"ہاں۔ مگر افسوس کہ تمہیں اس مصنوعیت کا احساس نہ ہو سکا۔ اختر بیگ تمہارے پاؤں کی خاک بھی نہیں ہے۔ میں اس مردود سے کیا دل لگاتی۔ میں تو تمہاری ہو چکی تھی اور جب تم میری نگاہوں سے دور ہو گئے تھے تم نہیں جانتے کہ میں کس اذیت سے دوچار ہوئی تھی۔ میں نے تمہیں کتنا یاد کیا۔ کتنا روئی۔ کتنا تڑپی۔ اگر تم مجھے نہ ملتے تو میں خودکشی کر لیتی۔" زرینہ نے گفتگو کے دوران میں کئی بار اس کی آواز جذبات کی شدت سے لرز گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ اس کی کیفیت واقعی قابل رحم تھی۔

"اور تمہیں یہ احساس کیسے ہوا کہ میں تمہارے پاس آگیا ہوں۔؟"

"تم یہاں سے چلے کیوں گئے تھے عارف۔؟" زرینہ نے مجھ سے قریب ہوتے ہوئے پوچھا۔

"بس میں نے سوچا کہ تمہارے لئے دولت ہی تمہاری محبت مجھ سے چھین لی ہے۔ حالانکہ دولت کی میری نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ میں تمہیں اپنی حقیقت بتا چکا تھا۔ لیکن بہرحال یہ احساس بھی تھا کہ میں نے وحشت سیٹھ کی دولت ہی کے لئے حاصل کی تھی کہ اس کی بیٹی کے ساتھ میں کسی طرح زیادتی کر سکوں گا! لیکن تمہارے بغیر میرا دل نہ لگا۔ پھر اس وحشت سیٹھ کو اس کی گم شدہ بیٹی مل گئی۔ لیکن اس دولت نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔ اس نے میرے لئے ایک اور جال تیار کر لیا۔ اس کی بیٹی کی محبت کا جال۔ میں نے وحشت سیٹھ کی دولت کو حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس کی بیٹی کو نہیں۔ میں اس کی بیٹی کو کسی طرح بھی دھوکہ نہیں دینا چاہتا تھا

زندگی میں کچھ نہ کچھ ایسے لمحات آتے ہیں جب ہم اپنے
ایام ماضی کا محاسبہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک ایسا ہی لمحہ
تھا جب میں نے اپنی زندگی کا جائزہ لیا تھا۔ میں نے
محسوس کیا تھا کہ میں نے اپنی زندگی کے ساتھ کتنا بڑا
مذاق کیا ہے۔ میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال
ایک ایسے شخص کے ساتھ گزار دیئے تھے جو میرے
قابل ہرگز نہیں تھا۔ میں نے اپنی زندگی کے
بہترین سال ایک ایسے شخص کے ساتھ گزار دیئے تھے
جو میرے قابل

"ہاں نہیں ہوگا۔ تم سمجھتے کیا ہو یہ ایک
گھنٹہ ہے۔ نذیرہ نے شان سے کہا اور ہنسنے لگی۔ تب کہا۔
میں ہنسنے کا مزہ تو تب ہے۔ نذیرہ تمہیں بھی تو
بتانا ہوگا تم نے اس گھڑی کا کیا کیا۔ پھر تمہارا
اس وقت سے اب تک کہاں کہاں پیچھا کیا۔ تم نے کب کب کیا
کیا کیا ہوا۔ تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی چیز کا
قصہ نہیں ہوتا۔ سلمان کا اختر بیگ بڑی دلچسپیوں کی تھی ہوئی چیز
ہوئے سمجھاتے ہوئے کہا۔ اختر بیگ کی بات بھی کرنے کا تھا۔

"تو۔ تو اس نوکری نے مجھے بہت مجبور کر دیا ہے
جس کے بعد میں سمجھتا ہوں گا۔ اختر بیگ نے کہا اور پھر
بولنے لگا۔ "اس نوکری نے مجھے بہت مجبور کر دیا ہے
جس کی وجہ سے میں کبھی بھی تمہاری محبت کو قبول نہیں کر سکتا
جس کی وجہ سے میں تمہارا ہو کر بھی تمہارا نہیں ہو سکتا
ہوں گا۔ اختر بیگ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
جھکے ہوئے سر کو اٹھایا اور نذیرہ کی طرف دیکھنے لگا۔
اختر بیگ کو بہت دکھ ہوا اور پھر تمہارا بھی وہ دکھ ہے۔ مجھے اب ملامت
کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ اس نے سر کو نیچے کی طرف جھکتے ہوئے کہا
"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ مگر اب اس کا بندوبست تو کرنا ہی
ہوگا کہ یہ سامان نکالا جا رہا ہے:
"جو ہونا تھا وہ ہو چکا ہے۔ نذیرہ نے ایک انگڑائی لیتے ہوئے کہا
"میں قتل کر سکتی ہوں۔
"کر دو۔ میں دستخط کیے دیتا ہوں۔ میں نے کہا اور
پھر جب وہ باتھ روم میں چلی گئی تو میں جلدی سے باہر نکل آیا۔
"طاقت۔ میں نے دانستہ چیخ کر آواز دی۔
"جی طاقت۔ بیرے کان کے نزدیک ہی آواز سنائی دی
اور طاقت حاضر ہو گیا۔ اس کا چہرہ تمتما رہا تھا اور ہونٹوں پر معنی خیز
مسکراہٹ تھی۔
"تو میرا خیال درست تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"کونسا خیال۔ وہ بے نیازی سے بولا۔ "میں تمہارا مطلب
نہیں سمجھا؟
"کمال ہے بچنے پر دروازہ تم نے ہی کھولا تھا۔!
"ہاں۔ جہاں کو اندر آنے سے روکنا بداخلاقی ہوتی ہے اور پھر جب
میں نے دیکھا کہ وہ اختر بیگ ہے تو میرے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں نہ میں تم
دونوں کے ٹکراؤ کا دلچسپ تماشہ دیکھوں۔
"اس کا نتیجہ جانتے ہو۔؟
"دیکھ تو لیا۔!

"ہاں دیکھ تو لیا۔ اب تو کہو گے کہ وہ بہت پولیس ریکارڈ
والا ہوگا۔ طاقت نے اپنا کالر جھاڑتے ہوئے کہا۔
"وہ۔ تم نہیں سمجھ سکتے طاقت میں ان جھگڑوں میں پڑنے کی
خواہش ہی کیا ہے۔ میں نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔
"لیکن میں تمہارا اختر بیگ سے ملنا ضروری سمجھتا ہوں تم
اس کو ہمارے معاملات سے بے خبر رکھو۔ طاقت نے کہا اور میں نے تھکے
سے انداز میں سر ہلا دیا۔
"چھوڑو ان باتوں کو۔ کیا ہی۔ آؤ کہ میں تمہیں ناشتہ
دے لوں اور میرا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف بڑھ گیا۔ میں نے ایک کرسی پر گر کر آنکھیں
بند کر لیں اور طاقت گھاسوں کی طرف بڑھ گیا۔
"یہ کیا ہے۔ وہ اس نے ریکارڈ کو شاکر دیکھتے ہوئے کہا۔
"فضولیات۔ میں نے آنکھیں بند کئے کئے کہا اور طاقت
گھاسوں میں تلاش کرنا رہا۔ کسی بھی طرح اس نے اسے آسان کر لیا اور
ریکارڈ سے ایک نظر ہٹا لیا۔ میں نے طاقت کو اچھل کر ایک طرف پھینکا
اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی
اور میری طرف دیکھنے لگا جیسے اس کا ہونق چہرہ دیکھ کر ہنسی آگئی تھی۔
"اچھی چیز ہے۔ اس نے پلیٹ کے بعد مسکراتے ہوئے کہا
پھر وہ ایک کے بعد دوسرا پراٹھا بجاتا رہا اور میں کرسی پر آنکھیں بند کئے
پڑا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد نذیرہ کی آواز سنائی دی۔
"طاقت۔ ناشتہ تیار ہے۔
"بس ہو گیا۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ناشتہ تیار ہو گیا ہے۔
"تم جاؤ۔ ناشتہ میں لے کر آتا ہوں۔ طاقت
نے کہا۔
"بس ہم آج ہی یہاں سے چلیں گے۔ میں اب زیادہ فضولیات
برداشت نہیں کر سکتا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ میں تمہارے ساتھ ناشتہ بھی
نہیں کر سکتا۔
"جاؤ۔ جاؤ۔ بلا رہی ہے۔ طاقت نے میری گود پر کپڑوں کی طرف دھکیل دیا اور پھر خود گھاسوں میں بند کرنے لگا۔ نذیرہ اسی طرف آ رہی تھی
غسل کرنے کے بعد وہ نکھری نکھری نظر آ رہی تھی۔ تھوڑی دیر قبل کے واقعات کا
کوئی اثر اس کے چہرے پر نہیں تھا۔ میں نے اس بدذات عورت کی شکل دیکھی۔
اپنی قسمت کے دھارے تبدیل کر دینا اس عورت کے لئے کس قدر آسان ہے خوب
اختر بیگ کٹ گیا اس کی دنیا برباد ہو گئی لیکن اس کے اوپر کوئی اثر نہیں ہے
کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔ وہ بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ سے
سلمان بیمار ہو گیا تھا۔ اس کی وجہ سے اختر بیگ کی زندگی تباہ ہو گئی تھی۔ کچھ
کے بعد میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
میں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے کمرے سے باہر آ گیا۔ نذیرہ
نگاہ اٹھا کر ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔ ہم دونوں نے اس کی طرف دیکھا
آئی۔ لیکن وہ بولی کچھ نہیں۔ میں نے طاقت کے کان میں سرگوشی
کی کوشش کی تھی۔
نہیں ہوئے تھے کہ نذیرہ نے ہمیں مخاطب کر لیا۔
جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہے۔
"کیا بات ہے۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔
بیزار لگ رہا تھا۔ جیسے اب ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ میں نے
"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔
چند لمحے ایک پراسرار خاموشی طاری رہی۔ نذیرہ کے
کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے وہ کانسٹیبل نذیرہ کے باتھ روم کے
تھے نذیرہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ پولیس کا کیس کمزور ہو گیا
کانپ گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے میں طاقت کی تمنا میں بھول گیا۔ میرے
کمرے سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن میرا جسم جیسے گھنٹوں
"ہمیں کچھ نہیں پوچھنا۔ نذیرہ نے کہا۔
"کیوں۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ وہ بولی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ میرا
ہاتھ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھا۔ جسے اچانک ہی کپکپی سی محسوس ہوئی
"میں سمجھ گئی ہوں۔ نذیرہ نے کہا۔
"کیا سمجھ گئی ہو۔ میں نے پوچھا۔
"یہی کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ نذیرہ نے جواب دیا۔
"ہاں۔ میں نے کہا۔
"تو پھر کہو۔ نذیرہ نے کہا۔
"نہیں۔ میں نے کہا۔
"

...ہوئے اس نوجوان کی طرف دیکھا جس نے ابھی ابھی اپنا تعارف کرایا تھا۔ اس کی آنکھیں ذہانت سے چمک رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر ایک پراسرار سی مسکراہٹ تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی۔ وہ کتاب کو بار بار اپنے ہاتھ پر مار رہا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ بہت ذہین ہے۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن کہہ نہیں رہا تھا۔

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے فرخ بیگ۔ میں اس تیز کی کو سمجھ سکتا ہوں جو میں نے تمہارے خیال پر کی تھی۔ اصل میں یہ تمہیں اس عورت کے بارے میں کہنا چاہتا تھا جو تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے فرخ بیگ سے کہا۔

"تم نے اس عورت کا کہا۔" ...بیگ نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گئے۔ ...ہوئے ان کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا۔ ایک جا رہا تھا۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے فرخ بیگ۔ میں اس تیز کی کو سمجھ سکتا ہوں جو میں نے تمہارے خیال پر کی تھی۔ اصل میں یہ تمہیں اس عورت کے بارے میں کہنا چاہتا تھا جو تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے فرخ بیگ سے کہا۔

"تم نے اس عورت کا کہا۔" ...بیگ نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گئے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے فرخ بیگ۔ میں اس تیز کی کو سمجھ سکتا ہوں جو میں نے تمہارے خیال پر کی تھی۔ اصل میں یہ تمہیں اس عورت کے بارے میں کہنا چاہتا تھا جو تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے فرخ بیگ سے کہا۔

"تم نے اس عورت کا کہا۔" ...بیگ نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گئے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔

...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔

"مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے فرخ بیگ۔ میں اس تیز کی کو سمجھ سکتا ہوں جو میں نے تمہارے خیال پر کی تھی۔ اصل میں یہ تمہیں اس عورت کے بارے میں کہنا چاہتا تھا جو تمہارے ساتھ رہتی ہے۔ میں نے فرخ بیگ سے کہا۔

"تم نے اس عورت کا کہا۔" ...بیگ نے کہا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گئے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ ...ہوئے ان کے پاؤں لڑکھڑا رہے تھے۔

"ہاں۔ کیا یہ بات نہیں ہے؟"

"تمہاری اپنی خواہش تو یہی ہوگی؟"

"شاید ہے۔"

"تب ٹھیک ہے۔ اسی وقت یہ کام کرو۔"

"پھر تب ہوگا۔"

"ہاں۔"

"تب دیکھو۔ یہ ٹھیک ہے۔" طالوت نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ تمہارا ناک بہت لمبا ہے۔" میں نے کہا۔

"تب یہ ناک بدل لیتا ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے ناک کھجائی۔

"کیا اس کے دوسری ناک نکل آئے گی؟"

"نہیں۔ بات نہیں بنی۔" میں نے کسی قسم کی چیز کے نکل آنے کی بات کہی۔ "خوفناک طالوت کی باتوں پر حیرت کا اظہار کرتا ہوں نے مجھے دیکھا۔

"ہیں۔ تب یہ چہرہ کیسا ہے؟" اس نے دوبارہ چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔

"یہ بھی ٹھیک نہیں۔" میں نے کہا۔

"تب پھر تم اپنی پسند بتاؤ۔"

"تمہارے بال گھنگھریالے۔" میں نے کہا۔ اور اس نے اپنی کھوپڑی پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بال سنہرے اور لمبے ہو گئے تھے دودھ کی طرح سفید رنگ۔ میں نے پھر اسے ہدایت دی اور اس نے ہاتھ چہرے پر پھیر کر بنا لیے تھے۔ اب بغیر خدوخال کا ایک سپاٹ چہرہ سنہرے گھنگھریالے بالوں اور سنہرے گھنگھریالے بال لہرا رہے تھے۔

"آگے بولو۔" طالوت کی آواز سنائی دی۔

"روشن آنکھیں۔ بڑی بڑی بادامی ڈیزائن کی ہوں کہ پتلیاں میں نیلاہٹ ہو۔" اور سپاٹ چہرے پر دو حسین آنکھیں جگمگا اٹھیں۔

"ستواں ناک۔ خوبصورت ہونٹ۔ بنفشی ٹھوڑی۔ بھرے بھرے گال۔" میں بولتا گیا اور چند لمحات کے بعد ایک وجیہہ نوجوان میرے سامنے کھڑا تھا۔ ایک خوبصورت آئیڈیل۔ میں اسے مکمل ہو جانے کے بعد دیکھتا رہ گیا۔ اور پھر میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک۔ اب تم ٹھیک ہے ہو۔"

"اب کیا کروں۔"

"کسی دوسرے ملک جانے کے لئے کچھ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"مثلاً؟" اس نے پوچھا۔

"پاسپورٹ۔ اور کچھ سامان۔"

"تم کو کیا ہوا۔ وہ اس سامان کی بات کر رہے ہیں جو ہمارے پاس نہیں ہے۔" طالوت نے کہا۔ "ہم کون سے ملک کے شہری ہیں؟"

"میرا دوست ہر کچھ کہہ رہا ہے۔" اس نے کہا۔ "میں اس پاسپورٹ کو تمام چیزوں کے بارے میں بتانے لگا۔ جو کچھ سننے کے بعد بولا۔

"میں بہت اہم چیزیں بنیا کرتا ہوں۔ لیکن میں اس طرح کی چیزیں نہیں بناتا۔ ان کو تو کوئی بھی تخلیق کرتے ہیں۔ کیا مجھے تمہارے ملک کی سیر مل سکے گی۔"

"ہاں ہاں۔ کوئی دقت نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"کل میں یہ تمام چیزیں بنا کر دوں گا۔" اس نے کہا اور پھر سلام کر کے رخصت ہو گیا۔ طالوت میرے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خفیہ باتوں سے واقفیت ہونے کی خوشی میں اسے اپنے بنائے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ہم کوئی بہت بڑا کام کرنے جا رہے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ مجھے بھی کچھ ایسا ہی محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا ہم کامیاب ہو سکیں گے؟"

"اگر تمہیں اپنے اوپر بھروسہ ہے تو ہم ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ ہمیں اپنے مقصد کو ہر وقت سامنے رکھنا ہوگا۔ اور ہم چھوٹی چھوٹی کامیابیوں کے بعد ہی بڑی کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ تاکید ہے طالوت تم اپنی توانائی سے محاذ پر جاؤ۔"

"ٹھیک ہے طالوت۔ آج کے بعد سے یہ تذکرہ ختم ہو گیا۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اب آئندہ پروگرام پر غور کرو۔"

"اس ویگن کی خصوصیات مجھے اس نہیں آئیں گی طالوت سے میرے کامیابت کی بنیادیں وابستہ ہیں۔ اس لئے میرا ہی جانا ٹھیک ہے۔ کیوں نہ۔"

"یہاں سے کہیں اور چلا جائے۔" طالوت نے میرا فقرہ کاٹ کر کہا۔

"ہاں۔ یہ بھی کہنا تھا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر اس میں سوچنے کی کیا بات ہے؟"

"ایک بات بتاؤ۔" میں نے کسی خیال کے تحت کہا۔

"خدا پر بھروسہ ہے یا نہیں۔" اس نے سنجیدگی سے جھوٹے ہوئے کہا کسی خیال کے وقت اس کی آنکھیں سنجیدگی سے چمک اٹھتی تھیں۔

"جس طرح تم چشم زدن میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہو۔ اسی طرح تم مجھے ٹھکانے سے یہاں نکال لائے۔ اسی طرح کیا ہم دوسرے ملک میں بھی پہنچ سکتے ہیں۔"

"یقیناً۔ ہمارے لیے یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ لیکن اس میں دو نہیں ہے۔ میں اس سفر کی تفصیلات نہیں جان سکوں گا جو تم دوسرے ملک کے لئے کیا کرتے ہو۔"

"تب پھر میرا یہ کام تو رہے۔"

"بتاؤ۔ بتاؤ۔ جلدی بتاؤ۔"

"کیوں۔ تم بھی کوئی انسانی شکل اختیار کر لو۔ اور ایک انسان کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو۔"

"ہوائی جہاز۔ تم نے فضا میں اڑتے دیکھے ہوں گے۔ سمندری جہاز بھی ہوتے ہیں۔ جو سمندر کے سینے پر سفر کرتے ہیں۔ اس سفر

قریب ہی ایک خاصی بڑی کشتی بیڑے جہاز کی طرف روانہ ہوئی۔ اس میں ایک گورا ملاحوں کے ساتھ چپو چلا رہا تھا۔ اس کشتی کے پہنچتے ہی ایک سیڑھی جہاز کے پہلو سے لٹکا دی گئی۔ گورا اس کے ذریعے جہاز پر چڑھ گیا۔ اس کے بعد ایک اور شخص اسی طرح اوپر گیا۔ پھر کشتی کو واپس لے جایا گیا۔

طاقت کو لے کر اس ملاح کی طرف چلا جو اب تک جہاز کا لنگر اٹھا رہا تھا۔ طاقت بڑی دلچسپی سے وہ سب کچھ دیکھ رہا تھا!

"تمہاری دنیا میں زندگی گزارنا سخت مشکل ہے۔ یہاں زندگی گزارنے کے لئے سخت محنت کرنا پڑتی ہے اور میرے خیال میں زندگی کو گزارنا ہی سخت ہے اور تم لوگ واقعی بہت لائق ہو" ——— جیسا کہ انسان کو معروف رکھتی ہے۔

کے لوگ آسانی سے گزر جاتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے سارے معاملات ہیں۔ جہاں سب کچھ آسانی سے مہیا ہو جاتا ہے اس لئے ہمارے ہاں کی زندگی پر جمود طاری ہے۔" طاقت نے کہا۔ "ہماری زندگی یکسانیت سے بالکل برعکس اور بے حد گزارنے والی ہے۔ لیکن انسان کسی طور خوش نہیں ہے۔"

"خوش ہونا چاہئے۔ اسے بہت کچھ کرنے کا موقع ملتا ہے۔" کہ کے سمندر پر چلنے والے یہ جہاز! اگر انسان کو سمندر پر چلنے کی قوت حاصل ہوتی تو وہ یہ جہاز کیوں بناتا۔ لیکن یہ کچھ کیسے خوبصورت جہاز بنا گئے ہیں۔ آؤ۔ ان میں سے کسی جہاز کو قریب سے دیکھیں۔"

"اس طرح اجازت نہیں لے گی۔"

"اجازت کی ضرورت ہی کیا ہے۔" طاقت نے کہا اور میری آستین پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور پھر جب اس کا ہاتھ ہٹا تو ہم ایک خوبصورت جہاز کے برابر کھڑے تھے!

میں نے ایک گہری سانس لی۔ اور پھر طاقت کے ساتھ جہاز کی سیر کرنے لگا۔ اس وقت ہم لوگوں کی دنگا ہوں کے سامنے تھے اور میں سوچ رہا تھا کہ کسی نے باز پرس کر لی تو کیا جواب دیا جائے گا۔ لیکن خوش قسمتی ہی تھی کہ کسی نے خاص طور سے ہماری طرف توجہ نہیں دی۔ جہاز کے مسافر اپنے گھروں میں مصروف تھے۔ انہوں نے سوچا کہ ہم کوئی مہمان ہی رکھتے ہوں گے جو جہاز پر پہنچ گئے ہیں۔ ہم نے جہاز کے آرام دہ کیبن دیکھے۔ طاقت نے ان پر بے حد پسند کیا۔

"ہم اسی جہاز سے سفر کریں گے۔" اس نے کہا۔

"تب آؤ۔ شیڈول میں دیکھتے ہیں کہ یہ جہاز کب روانہ ہوگا۔"

"کہاں۔ واپس خشکی پر چلیں۔" طاقت نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔"

میں نے کیبن بک کرنے والے کلرک سے پوچھا۔ "یہ جہاز کب روانہ ہوگا؟"

کلرک نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ اس کی حیرت کی وجہ میں نہیں سمجھ سکا۔ اس نے کہا۔ "یہ جہاز تو کئی ہفتے پہلے روانہ ہو چکا ہے۔"

"کیا؟" میں بھی حیران رہ گیا۔ "لیکن ہم تو ابھی ابھی اس پر سوار ہوئے ہیں۔"

"آپ کا مذاق سمجھ میں نہیں آیا۔" کلرک نے کہا۔ "یہ جہاز ہفتے پہلے روانہ ہو چکا ہے۔"

"لیکن ہم ابھی ابھی اس پر سوار ہوئے ہیں۔" میں نے کہا۔ "ہم نے اس کا لنگر اٹھتے دیکھا ہے

ہر طرف پر سکوت چھایا تھا۔

"بس بس بابا۔" میں نے کہا۔ "میں نے تمہارا ہاتھ دیکھ لیا۔"

کسی آئینے میں اپنی شکل دیکھ لو۔" اس نے کہا اور میں نے کہا۔ "ایک پان کی دوکان تھی۔ میں اس کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ سامنے قد آدم شیشہ لگا تھا۔ میں ایک لمحے کی شکل میں رہا اور خود اپنی صورت نہیں پہچان سکا تھا۔

"اب تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں۔" میں ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "دیکھ لیا۔" اس کے ساتھ چل پڑا۔ لیکن اخبار کی خواب بھی میرے دماغ میں چکر لگا رہی تھی۔ جھوٹے نبوت تیاری کی اور پھر ہوٹل کی طرف چل پڑے۔

"میری نئی شکل دیکھ کر ہوٹل والے حیران رہ جائیں گے۔"

"اگر کسی نے پوچھا تو میں سیدھا کہہ دوں گا۔" طاقت نے جواب دیا۔

"بہرحال جب تک میں یہاں رہوں گا مجھے خطرہ ہے۔ پتہ نہیں دنیا جہان کی روشنی میں آخر وقت کیوں ہے۔" میں نے کہا اور طاقت ہونٹ سکوڑ کر کچھ بڑبڑانے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل واپس پہنچ گئے۔ ہوٹل والے سامان اوپر لے جانے میں میری مدد کی۔ طاقت کے کہنے کے باوجود میں نے ڈاڑھی بال کا رخ نہیں کیا۔ طاقت بھی نہیں گیا تھا۔!

دوسری صبح میں نے تمام اخبارات منگائے۔ ہر اخبار میں میری تصویر نمایاں تھی۔ پولیس نے خبر دی تھی کہ میں بہت خطرناک ہوں۔ اس کے علاوہ ٹھوس کارروائی کی گئی تھی۔ جسے خطرناک انتظامات کہتے ہیں۔ طاقت نے بدستور مجھے تمام خبریں سنائیں اور مسکراتا رہا۔

"مسکراؤ۔ میری طرح مصیبت میں گرفتار ہوتے تو پتہ چلتا۔" میں نے بلبلا کر کہا۔

"تمہاری پریشانی میری ہے دوست۔ بہرحال فکر نہ کرو اب تو ہم ان دو پپ لوگوں کو خیرباد کہہ رہے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

اس روز میں۔ پھر ہوٹل ہی میں گھسا رہا۔ طاقت بھی کسی وجہ سے کہیں نہیں گیا تھا۔ لیکن صبح ہی وہ مجھ سے تقاضا کرنے لگا کہ کوئی تفریح کی جائے۔

"مناسب نہیں ہوگا طاقت۔" میں نے کہا۔

"آخر کیوں مناسب نہیں ہوگا۔ اب تو تمہاری شکل بھی بدل چکی ہے۔ کوئی

پہچان نہیں سکتا۔"

"طاقت۔ یہ تو فضول۔ تم نے پھر وہی بات شروع کر دی۔" طاقت نے آنکھیں نکالیں۔

"انہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس بار وہ پولیس کو جل دے کر نہیں نکل سکے گا۔ تمہیں پتہ ہے وہ میری ہڈیاں بھی توڑ ڈالیں۔"

"تب پھر ہم یہاں سے سیدھے پولیس ہیڈ کوارٹر چلیں گے۔ دیکھتا ہوں وہ ہڈیاں کیسے توڑیں گے۔"

"اوہ نہیں میرے بھائی۔ تمہارے لئے کوئی اچھا خاصہ خدمت گار بلا دی سے نکل چلو۔ اب تو ہوٹل میں بھی خطرہ ہے۔ سارے اخبارات نے تمہاری تصویریں شائع کی ہیں۔ میرے لئے ہر طرف خطرہ ہی خطرہ ہے۔" میں نے کہا۔

"خیر داری کریں گے۔ بازار کی ایک ایک دوکان گھومیں گے۔" طاقت نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ "دیکھتا ہوں پولیس کیسے روکتی ہے۔"

"طاقت میرے دوست۔" میں نے کہنا چاہا۔ لیکن طاقت نے میری بات پر دھیان نہیں دیا۔ میں بے بسی سے اسے دیکھنے لگا۔ طاقت کے

چہرے پر اس وقت ضد کے آثار ہوتے ہیں جانتا تھا۔

"طاقت میری بات سنو۔ میں کہہ رہا ہوں کہ۔"

"تم نے ایسا کوئی بیان نہیں دیا ہے۔ اگر تم نے ایسا کوئی بیان دیا ہے تو میں کوئی اور کام کروں گا۔ آؤ کوئی اور کام تلاش کریں گے۔ سوال ہو جائیں گے۔ ہوٹل تک کی دوڑ ہو جائے گی۔" پھر اس نے مجھے چڑانے کیلئے اچانک میرے ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔ اگر کسی صورت بھاگ ہی جاتا تو پولیس کو دیکھ کر میری ٹانگیں ساتھ نہ دیتیں۔ میں نے بھاگنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ لیکن کسی نے بھی ہم پر توجہ نہیں دی۔ ہم ایک دوکان میں گھس گئے۔ وہاں ایک آدمی کسی سے پرزور انداز میں بات کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں دیکھا اور پھر ہماری طرف پیٹھ کر لی۔ ہم دوکان میں داخل ہو گئے۔ طاقت نے ایک پرزہ اٹھا کر دیکھا۔ اس پر کسی کے حلب میں ہار ہونے کا ذکر تھا۔ میں نے زندگی میں کبھی اس بازار کا رخ نہیں کیا تھا۔

ہم دوکان میں کھڑے ہوئے تھے کہ وہ شخص فارغ ہو گیا۔ وہ ایک آدمی کی طرف بڑھا۔ "جی جناب۔" طاقت نے کہا۔ "حلب سے ہار آئے ہیں۔" اس نے طاقت کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا۔" طاقت چونک کر رک گیا۔

"مگر کپڑا پکا ہوتا ہے۔" وہ ہنسا۔ "ہوا نے سکڑتے ہوئے کہا۔

"اسے بھی سنو۔ یہ کیا کہہ رہا ہے؟" طاقت نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔" میں نے اسے شانے سے دھکیلتے ہوئے کہا۔ وہ ہوا میں ہاتھ ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

"کیا معاملہ تھا۔ مجھے بتاؤ۔"

"ارے چھوڑو۔ تمہارے مطلب کی بات نہیں تھی۔" میں نے کہا۔

مگر وہ گھر کی پکی ہوئی کس چیز کی بات کر رہا تھا۔" طاقت غصہ کرنے لگا۔ "مجبوراً مجھے اسے طوائفوں کے کاروبار کے بارے میں بتانا پڑا۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ طوائفیں صرف گانے بجانے کا کاروبار کرتی ہیں اور یہ بھی بتایا کہ یہ بڑی عصمت فروش ہوتی ہیں!"

"تب پھر تم مجھے اس سے لاعلم کیوں رکھ رہے تھے۔" طاقت نے شکایت کی۔

"اسی لئے کہ تم ضد نہ کرنے لگو۔"

"ضد تو میں اب بھی کروں گا۔ سنو ہم عصمت فروش عورتوں کے پاس نہیں جائیں گے۔ لیکن گانا سننے میں کیا حرج ہے۔"

"محفل کہاں سجائی جائے گی؟"

"ہمارے کمرے میں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟" طاقت نے برا سا منہ بنایا۔ "اگر کسی نے ہمیں ساتھ دیکھ لیا تو۔" میں نے کہا۔ "تو کیا ہوا۔ ہم دو دوست ہیں۔ ہم ساتھ نہیں رہیں گے تو کیا کریں گے۔" طاقت نے کہا۔ "ہم ہوٹل پہنچ گئے۔ بہت بڑے ہال کمرے میں بڑی چہل پہل ہو رہی تھی۔ ہمارے پہنچتے ہی ہال میں موجود تمام لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے۔ طاقت نے ہاتھ ہلا ہلا کر سب کو سلام کیا۔ ان کے جواب میں ایک شور بلند ہوا۔ وہ سب ہمارے ہی منتظر تھے۔ ہم بھی ایک طرف بیٹھ گئے۔ ہال میں بڑی گہما گہمی تھی۔ ہر طرف ہنسی مذاق ہو رہا تھا۔ ایک طرف تماشبین بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف ہارمونیم، طبلہ اور سارنگی والے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ایک خوبصورت سا اسٹیج بنا ہوا تھا۔ اسٹیج کے پیچھے ایک بڑا سا پردہ لٹک رہا تھا۔ ہال میں کافی روشن

طالوت کے ذہن میں کوئی جواب نہ پا کر سوال گونجنے لگے۔ پھر اس نے ایک جھٹکے سے اپنا سر اٹھایا اور اس کی نظریں ایک بار پھر اس لڑکی کے چہرے پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ تھی۔ طالوت کو ایسا محسوس ہوا جیسے وہ اس کی مسکراہٹ کا مطلب سمجھ گیا ہو۔ اس کے ہونٹ ہلے۔ اس نے کچھ کہنا چاہا۔ لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ لڑکی نے اس کی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور طالوت کے ہاتھ سے نوٹ لے لیا۔ طالوت کے ہاتھ میں اب بھی وہ نوٹ موجود تھا۔ لڑکی نے اس نوٹ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔ طالوت کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نمایاں ہو گئے۔ لڑکی نے ان ٹکڑوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر ہوا میں اچھال دیا۔ وہ ٹکڑے ہوا میں اڑتے ہوئے دور تک چلے گئے۔ طالوت کی نظریں ان ٹکڑوں کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ ٹکڑے ہوا میں اڑتے ہوئے دور تک چلے گئے۔ طالوت کی نظریں ان ٹکڑوں کا تعاقب کرتی رہیں۔ وہ ٹکڑے ہوا میں اڑتے ہوئے دور تک چلے گئے۔

طالوت نے لڑکی کی طرف دیکھا۔ لڑکی نے اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلا دیا۔ طالوت نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی ہتھیلی پر ایک نوٹ رکھ دیا۔ طالوت نے نوٹ کو دیکھا۔ وہ ایک ہزار روپے کا نوٹ تھا۔ طالوت نے نوٹ کو اپنی جیب میں رکھ لیا۔ لڑکی نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ طالوت نے اپنا ہاتھ پیچھے ہٹا لی

[illegible] ہوئے۔ طاقت نے کہا۔ "بابا آج اس کے ایک ساتھی
نے [illegible] پھینکا تھا۔ اس نے غلیہ ہم پر کیا اور اس کا نشانہ تب سے
خطا ہوا جب سے ہم نے اپنے خاص بندے ہیں۔ تو اب وہ اپنے خاص بندے
[illegible] ہم پر حملہ کرنے آ پہنچے ہیں۔ ہم نے آنکھ کے اشارے سے
ایک دوسرے کو خبردار کیا۔ اور جاگنے کی تیاری کرنے لگے۔
اب وہ [illegible] کی آواز سنائی دی۔ وہ ہمارے قافلے کا
[illegible] تھا۔ وہ ہمیں جگانے آیا تھا۔ ایک ہی جگہ ٹھہرا رہنا
[illegible] ہوتا ہے۔ اس لئے ہر جگہ کچھ نہ کچھ وقت گزارنا پڑتا ہے۔
[illegible] کے اندھیرے میں [illegible] تھا اور اس کے ہاتھ سے غلیب کی کمانیں لٹک
رہی تھیں۔ اس کے تمام ساتھی اس کی طرف لپکے۔ پھر کچھ ہوتا نظر
آیا اور [illegible] کے ساتھی مر پڑیں گے۔ وہ گر جائیں گے
جو تھے وہ بھی بھاگ جائیں گے اور [illegible] ہوتی ہوئی رات امن کی
چادر اوڑھ لیتی۔

آہ۔" طاقت نے کہا اور ہم دونوں لمحوں کے جن سے
[illegible] ہو گئے۔ آہ کی وہ آواز بہت نیچی تھی اور اس میں [illegible]
[illegible] ہونے کی [illegible] تھی۔ طاقت بھی خاموش تھا۔ اس کے چہرے پر
[illegible] سے تاثرات تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم [illegible] ہو گئے۔ بل کھا کر [illegible]
[illegible] کی لہریں [illegible]۔ کرب میں [illegible] طاقت نے [illegible]
[illegible] اگر وہ [illegible] ہو گیا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے میری طرف
دیکھا۔ "کیا بات ہے میرے بھائی۔" اس نے آنکھ مار کر کہا۔

"مقبول کی اس بات کو [illegible] لیوں میں مست تھے اور
چلنے کے [illegible] [illegible] کر رہے تھے۔" میں نے [illegible] ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں یار۔ [illegible] خواہ مخواہ [illegible]۔ اس وقت میں واقعی [illegible]
[illegible] نہیں آ سکتا تھا۔ یہ [illegible] کیسی [illegible]۔"

"طاقت ہے تمہاری [illegible] ڈوبے گی۔"

"نہیں بھائی میں [illegible] جو [illegible] تو اپنی [illegible] دنیا چھوڑ دی ہے
[illegible]۔ پہلے دیکھ تو لوں [illegible] کرتا ہوں۔" اس نے
[illegible] انداز میں کہا کہ میرا غصہ کافور ہو گیا۔

"تم نے [illegible] [illegible] کہ [illegible] [illegible] کیسے
[illegible] کوئی [illegible] [illegible] [illegible] پھر [illegible] [illegible] اپنے [illegible]
[illegible] [illegible]۔

"[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

...ہوئے کہا۔

"...ہوں، ہم ضرور ہوں گے۔"

...ہوئے کہا۔ "...ہم اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر ہم سب مل کر..."

[illegible] صاحب؟"

"میں نہیں جانتا۔ ہو سکتا ہے۔ پتہ نہیں۔ پوچھ کر کیا کرو گے۔ گھر جاؤ۔ گھر جاؤ۔ گھر جاؤ گے تو کچھ کھانے کو ملے گا۔"

"میں گھر نہیں جاؤں گا۔" طاقت نے ضد سے کہا۔ "میں یہیں رہوں گا۔ یہیں رہ کر کام کروں گا۔ پھر میں بھی ان کی طرح ہو جاؤں گا۔ کچھ نہ کچھ کر کے کھاؤں گا۔ کچھ نہ کچھ کر کے کھاؤں گا۔ کچھ نہ کچھ کر کے کھاؤں گا۔"

"پاگل ہو گئے ہو۔ بات کرنے کی تمیز نہیں ہے۔ لڑکے ہو اس لیے معاف کر دیتا ہوں۔ ورنہ ہاتھ توڑ دیتا۔ جاؤ گھر جاؤ۔ ماں باپ کا ایک ہی بیٹا ہے۔ جا کر کہو گے کہ ہم نے کام کیا ہے۔ تو وہ کہیں گے کہ ہاں بیٹا ہے۔ ہم نے کام کیا ہے۔ تو کام کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ جاؤ گھر جاؤ۔"

"میں گھر نہیں جاؤں گا۔" طاقت نے ضد سے کہا۔ "میں یہیں رہوں گا۔ یہیں رہ کر کام کروں گا۔ پھر میں بھی ان کی طرح ہو ج

ہوئے ہیں۔ ذہنی کشمکش سے دوچار نوجوان ہے۔
ماں نے نہیں پہنچانا؟
ہاں۔ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کی
ہے۔ ہم اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ تم ہمیں کچھ بتا سکتے ہو؟
ہم اس کے متعلق کچھ جاننا چاہتے ہیں۔
کیا پوچھنا ہے تم نے اس سے؟
اس نے ہمیں کہا تھا کہ وہ ہمارے لیے ایک
ہے۔ پہلے تو اس نے ہمیں کہا تھا کہ وہ ایک
کوئی خط۔ پھر اس نے کہا کہ وہ ایک
ہم اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔
میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے اسے صرف ایک
سے کے متعلق بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ اس
بتا رہا تھا کہ وہ کس طرح ایک
فرنٹ کے پار چلا جاتا ہے۔ یا پھر جس طرح کوئی کسی کے ساتھ کا
تھی ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے اور نتائج اخذ کرتا ہے
ذہن کام کرتا ہے۔ وہ بچوں کی طرح بات کرتا ہے۔ میں نہیں
وہ تمہیں بات بتاتا ہے: وہ سوچتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ یہ
ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک
ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر تم اسے سمجھنا چاہتے ہو
ضروری ہے کہ تم اس کے ساتھ
ہے۔ یہ ایک بہت اہم بات ہے۔ ہم اسے
ہے۔ اس نے ہمیں کہا تھا کہ وہ ایک
ہے۔ ہم اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔
میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں نے اسے صرف ایک
سے کے متعلق بات کرتے ہوئے سنا تھا۔ وہ اس
بتا رہا تھا کہ وہ کس طرح ایک
فرنٹ کے پار چلا جاتا ہے۔ یا پھر جس طرح کوئی کسی کے ساتھ کا
تھی ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے اور نتائج اخذ کرتا ہے
ذہن کام کرتا ہے۔ وہ بچوں کی طرح بات کرتا ہے۔ میں نہیں
وہ تمہیں بات بتاتا ہے: وہ سوچتا ہے۔ دیکھتا ہے۔ یہ
ہے۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ ایک
ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ اگر تم اسے سمجھنا چاہتے ہو
ضروری ہے کہ تم اس کے ساتھ
ہے۔ یہ ایک بہت اہم بات ہے۔ ہم اسے

"شاید تم نے ہی تھا۔" طالت نے کہا۔ "صحیح کہا تھا تم نے
تنگ آ چکا تھا۔ نہ جانے کس خیال سے میں نے اخبار جیب سے نکالا
دروازہ باہر نکل گئے۔ یہ تھا وہ سوال کا الفاظ کی صورت میں
سکے پاؤں سے نکل گئے۔"

"وہ تو اپنے قتل گاہ پر ہی پہنچ گئے۔" طالت نے کہا
"لیکن۔"
"لیکن۔ طالت نے جملہ ادا کرنے سے قبل کہا
"خاموش ہو گئے۔ طالت کی آواز بھر کی پچھلی نشست سے
سنائی دی۔
"بتاؤ بھائی کہو۔"
"ہم ٹھیک جا رہے ہیں۔ میں نے وہ کوڈ نمبر جو طالت کے
نام سے حاصل کر لی ہے۔"
"بہت اچھا۔ اس نوجوان والے نے مجھ
کے نام سے ہی مخاطب کیا تھا۔ لیکن وہ کون تھا۔ وہ میرے جیب میں
لفافہ تھا۔ لفافہ موجود تھا۔ بہرحال میں نے کچھ نہ کہا۔ اور کار کو
کنارے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک خوبصورت کوٹھی میں داخل ہو گئے
کوٹھی کا جائزہ لیں گے۔ مجھے سخت حیرانی ہو رہی ہے۔
طالت نے کہا اور پھر اس کی طرف مڑ کر بولا۔ "خوب گاہ کس قسم کی
سامنے ہی موجود ہے تھا۔" اس نے جواب دیا اور طالت
اپنی خوب گاہ کی چھان گیا۔ ہونٹ کی بات اور تھی لیکن یہاں ہمارے لیے
الگ الگ کمرے بھی موجود تھے۔ اس وقت طالت نیند کے نشے میں چور
تھا۔ اس لیے اس سے کوئی بات کرنا فضول تھا۔ میں اپنی خوب گاہ میں آ گیا
یہاں تمام آسائش کی ہر چیز موجود تھی۔ میں جانتا تھا کہ اس کے لیے جب
شکل نہیں تھا۔ اس نے پلک جھپکنے میں سب کچھ کر لیا تھا۔ ظاہر ہے
وہ اس کے لیے انسان نہیں تھا۔
میں نے ایک الماری سے ایک خوبصورت نائٹ سوٹ نکالا
جو بالکل میرے ہی ناپ کا تھا ——— اسے پہن کر میں بستر پر دراز ہو گیا۔
بہت عجیب دن گزرا تھا۔ بے شمار واقعات سے پُر۔ اتنے واقعات
کسی ایک دن میں کسی کو پیش نہ آئے ہوں گے۔ میں صبح سے اب تک کے
واقعات پر غور کرنے لگا اور پھر میری نگاہ اس میز پر پڑی جس پر میں نے
ماڈرن میں ایک سفید چیز دیکھی تھی۔ کرنل ——— کا سر تھا۔ انسانی
نوچ کر نکال لیا ——— میری پہلی زندگی میں تو اس قسم کی چیزوں کا تصور بھی ایک خوفناک

دلچسپی سے کرنل کو دیکھ رہا تھا۔ شاید انہوں نے اس کا کوئی
ہو گا۔ لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا تھا۔ اس کا باپ، جیل کا عملہ
جیل میں اگر کوئی اس کا ساتھی تھا تو وہ بھی اس کے
کئی اشیاء بھیج سکتا تھا۔ اسی وجہ سے میں نے کرنل کی
سے پہلے ہی کر لی تھی۔ لیکن میں صرف ایک طالت تھی کرنل
تھا۔ اس لیے اس کے گھر جانے کی نہیں کر سکتا تھا۔ طالت میرا دوست
ساتھ دیتا تھا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے میری زندگی بچی تھی۔ اس کے علاوہ
ایک سایہ ہمیشہ میرے پیچھے رہتا تھا۔ جسے بہرحال طالت کا
وہ خفا ہو گی۔ نہیں کرنل کے ساتھ گھر جانے کی نکلی نہیں ہو گی۔ تو
طالت کی اجازت سے میں اس کے بچے ہر آسانی پیدا کر سکتا
کر سکتا تھا۔ طالت اس کے لیے بچے ہر آسانی پیدا کر سکتا۔!
میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ مجھے اپنا ذہن بدلنا پڑا۔
اب ان لوگوں کی اس لڑکی کو ڈھونڈنے میں مدد کرنا میرے لیے ناممکن ہے۔ بہرحال
جس سے جب تک وہ رابطہ قائم نہ کر لیں، مجھے طالت کے بغیر کام کرنا چاہیے۔ اس
کرنل کی بیٹی کو ڈھونڈنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ اس کا بندوبست ہو گیا
فوری ہے۔ یہ بندوبست مجھے ہی کرنا ہے۔
"اچھا بھئی طالت ——— تم بھی کیا یاد کرو گے۔ میں نے ایک فیصلہ
سنانے کر سوچا۔ ایک معاہدہ کیے دیتا ہوں میں آگ تھی۔ کرنل کی بیٹی
بری نہیں تھی۔ یہ ہی مستقبل میں میرا ایسا کوئی پروگرام تھا۔ اس لیے وہ ہم
کی مشکور ہو گی۔ فرق صرف اتنا ہو گا کہ طالت ہی جب اس سے ملے گا تو
میری حیثیت سے ملے گا۔ میں اسے اس کے لیے مجبور کروں گا۔ میں نے
فیصلہ کر لیا اور اس فیصلے کے بعد میں مطمئن ہو گیا۔ تب میں نے سونے
کے لیے کوٹ بدلا۔
اور کوٹ بدلتے ہی یکدم ذہن میں وہ لفافہ گھس آیا جسے
میں تھوڑی دیر کے لیے بھول گیا تھا۔ میں جلدی سے اٹھ گیا۔ اپنے
کوٹ کی جیب سے میں نے لفافہ نکال لیا اور اسے چاک کرنے پر ایک پرچہ
برآمد ہوا۔ پرچے پر صرف چند الفاظ لکھے تھے!
"مشرعیات ——— کل رات کو آٹھ بجے ہمارے فون
کا انتظار کریں۔ ہمیں آپ سے ضروری بات کرنی ہے!
ایکس۔ وائی۔ زیڈ"
کیا بات ہوئی ——— میں نے سوچا۔ کون ہے۔ کیا چاہتا ہے

ہمت نہیں ہوئی کہ اسے کچھ کہہ سکوں۔

مغرب کی نماز پڑھ کر جب میں واپس آیا تو دیکھا کہ طاقت نے اپنے کمرے کی صفائی کر لی ہے۔ بستر کی چادر بدل دی ہے۔ کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھ دیے ہیں۔ کتابیں قرینے سے رکھی ہیں۔ اور فرش پر جھاڑو دے کر کچرا باہر پھینک آئی ہے۔ میں نے کہا۔

"یہ کیا کیا تم نے؟"

"کچھ نہیں۔ ہم عورتوں کو کرنے کے لیے یہی کام ہوتے ہیں۔" طاقت نے مسکرا کر جواب دیا۔

"لیکن یہ کام تم کیوں کرو؟ یہ تو میرا کام ہے۔" میں نے احتجاج کیا۔

"کیوں؟ کیا تم عورت ہو؟" طاقت نے مذاق کیا۔

"نہیں، لیکن یہ کام عورتوں کے ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"تو پھر تم کیا ہو؟" طاقت نے پوچھا۔

"میں؟ میں مرد ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"مرد ہو تو کیا ہوا؟ کیا مرد کو کام کرنے کی اجازت نہیں ہے؟" طاقت نے پوچھا۔

"ہے کیوں نہیں۔ لیکن مرد کے کام اور ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"مثلاً کیا؟" طاقت نے پوچھا۔

"مثلاً کمانا، باہر کے کام کرنا، گھر کی حفاظت کرنا۔" میں نے جواب دیا۔

"اچھا، تو تم کماتے ہو؟" طاقت نے پوچھا۔

"ہاں، میں کماتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کتنا کماتے ہو؟" طاقت نے پوچھا۔

"یہ تو مہینے کے آخر میں پتا چلتا ہے۔" میں نے کہا۔

"اور تم کیا کرتے ہو؟" طاقت نے میری طرف دیکھ کر پوچھا۔

"میں؟ میں کچھ نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔

"کچھ نہیں کرتے؟" طاقت نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں، کچھ نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر دن بھر کیا کرتے ہو؟" طاقت نے پوچھا۔

"دن بھر؟ دن بھر میں کیا کرتا ہوں؟" میں نے سوچا۔ "کچھ نہیں۔ دن بھر میں کچھ نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔

"کچھ نہیں کرتے؟" طاقت نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں، کچھ نہیں کرتا۔" میں نے کہا۔

"تو پھر تمہارا دن کیسے گزرتا ہے؟" طاقت نے پوچھا۔

"دن گزرتا نہیں، کٹتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسے کٹتا ہے؟" طاقت نے پوچھا۔

"کیسے کٹتا ہے؟" میں نے سوچا۔ "کیسے کٹتا ہے؟

کے چھوٹنے کے بعد میں نے ایک گہری سانس لی کہ چلو اب کل کی پریشانی ختم ہوئی۔ اب صرف ایک رات کی بات ہے۔ پھر میں اس ملک سے ہمیشہ کے لیے دور چلا جاؤں گا۔ اور اس ملک کے ساتھ ساتھ فلیسیا کو بھی بھول جاؤں گا۔

فلیسیا

میں نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا۔ اور بستر پر لیٹ گیا۔ وقت گزرنے کے لیے کوئی نہ کوئی کام تو ہونا چاہیے تھا۔ اس لیے میں نے سوچا کہ کیوں نہ اپنی ڈائری لکھ لوں۔ میں نے ڈائری لکھنے کے لیے قلم اٹھایا۔ اور لکھنا شروع کیا۔

"آج میں نے فلیسیا کو دیکھا۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی ہے۔ اس کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔ اس کے بال بہت لمبے ہیں۔ اس کا چہرہ بہت معصوم ہے۔ اس کی ہنسی بہت پیاری ہے۔ اس کی آواز بہت میٹھی ہے۔ اس کا انداز بہت دلکش ہے۔ اس کی ہر ادا بہت دلفریب ہے۔ اس کی ہر بات بہت دلچسپ ہے۔ اس کا ہر لفظ بہت پرکشش ہے۔ اس کا ہر جملہ بہت پرتاثیر ہے۔ اس کا ہر فقرہ بہت پراثر ہے۔ اس کا ہر حرف بہت پرمعنی ہے۔ اس کا ہر نقطہ بہت پرمعنی ہے۔ اس کا ہر شوشہ بہت پرمعنی ہے۔ اس کا ہر دائرہ بہت پرمعنی ہے۔ اس کا ہر خط

[illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] ہے۔ [

ملاقات ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نرگس کو پہچان گیا ہے۔ نرگس نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔ اس کا نام ارشد تھا۔ وہ نرگس کے ساتھ ہی پڑھتا تھا۔ دونوں کی دوستی تھی۔ ارشد نرگس کو پسند کرتا تھا۔ اس نے کئی بار نرگس سے اظہار بھی کیا تھا۔ لیکن نرگس نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ ارشد کے والد کا ٹرانسفر ہو گیا تھا۔ اس لیے وہ اپنے والدین کے ساتھ چلا گیا تھا۔ نرگس کو اس کے جانے کا افسوس تھا۔ وہ اچھا لڑکا تھا۔ نرگس کو اس سے کوئی شکایت نہیں تھی۔ ارشد کے جانے کے بعد نرگس کو اس کی یاد آتی رہی تھی۔ اب اتنے عرصے بعد اچانک ارشد کو دیکھ کر نرگس کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ ارشد کی آنکھوں سے بھی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نرگس سے مل کر بہت خوش ہوا ہے۔

"ارشد تم یہاں کیسے؟" نرگس نے پوچھا۔

"میں یہاں ایک کام سے آیا تھا۔ کام ہو گیا ہے۔ اب واپس جا رہا ہوں۔" ارشد نے جواب دیا۔

"تم یہاں کیا کام کرتے ہو؟"

"میں ایک بینک میں جاب کرتا ہوں۔"

"اچھا ہے۔ تم نے اپنی پسند کا کام کیا ہے۔ تم ہمیشہ بینک میں جاب کرنا چاہتے تھے۔"

"ہاں۔ تم سناؤ۔ کیا کر رہی ہو؟"

"میں ایک کالج میں پڑھاتی ہوں۔"

"اچھا ہے۔ تم نے اپنا کیریئر بنا لیا ہے۔"

"تم نے شادی کر لی؟"

"نہیں۔ ابھی نہیں کی۔"

"کیوں؟"

"بس ایسے ہی۔ کوئی ایسا ملا نہیں جس کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ کر سکوں۔"

"اچھا ہے۔ تم نے ٹھیک کیا۔ شادی کے بعد لڑکیوں کی زندگی بدل جاتی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتیں۔ ان کی زندگی کی ڈور شوہر کے ہاتھ میں آ جاتی ہے۔ وہ جیسے چاہتا ہے، ویسے نچاتا ہے۔ تم نے ٹھیک کیا۔ اپنی مرضی سے زندگی گزارو۔"

"تم سناؤ۔ تم نے شادی کر لی؟" نرگس نے پوچھا۔

"ہاں۔ کر لی ہے۔ ایک سال ہو گیا ہے۔"

"بچے کتنے ہیں؟"

"ایک بیٹا ہے۔ ڈیڑھ سال کا۔"

"بیوی کیسی ہے؟"

"اچھی ہے۔ ٹھیک ہے۔"

"تم خوش ہو؟"

"ہاں۔ خوش ہوں۔ اللہ کا شکر ہے۔ اس نے اچھی بیوی دی ہے۔ اچھا بیٹا دیا ہے۔ اور کیا چاہیے۔"

نرگس کو ارشد کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن ہے۔ اس کی باتوں سے ایسا کچھ ظاہر نہیں ہو رہا تھا کہ وہ اپنی زندگی سے ناخوش ہے۔ نرگس کو اس کی خوشی سے خوشی ہوئی تھی۔

"تم کہاں جا رہے ہو؟" نرگس نے پوچھا۔

"میں کراچی جا رہا ہوں۔ میری فلائٹ ہے۔ ایئرپورٹ جا رہا ہوں۔"

"تم کراچی میں رہتے ہو؟"

"نہیں۔ میں اسلام آباد میں رہتا ہوں۔"

"اچھا ہے۔ اسلام آباد بہت اچھا شہر ہے۔ میں بھی اسلام آباد میں رہتی ہوں۔"

"اچھا ہے۔ ہم دونوں ایک ہی شہر میں رہتے ہیں۔ کبھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"ہاں۔ ضرور۔ کبھی ملاقات ہو جائے گی۔"

"اچھا نرگس۔ میں چلتا ہوں۔ میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اللہ حافظ۔ اپنی فیملی کا خیال رکھنا۔"

"ضرور۔ اللہ حافظ۔"

ارشد چلا گیا۔ نرگس اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ ارشد کو دیکھ کر اسے بہت اچھا لگا تھا۔ اس کی وجہ سے نرگس کا موڈ بہت اچھا ہو گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس کے بعد نرگس کا دھیان ارشد کی طرف سے ہٹ گیا۔ وہ اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

نرگس کو اسلام آباد میں رہتے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا۔ اس کا تبادلہ اسلام آباد ہو گیا تھا۔ اسلام آباد میں نرگس کے کوئی رشتہ دار نہیں تھے۔ کوئی جان پہچان والا بھی نہیں تھا۔ اپنی کالج سے ہی نرگس نے اسلام آباد جانے کی درخواست دی تھی۔ نرگس کے والد کا انتقال ہو چکا تھا۔ والدہ بھی کافی عرصہ پہلے فوت ہو گئی تھیں۔ نرگس کے کوئی بہن بھائی بھی نہیں تھے۔ وہ اکیلی تھی۔ اس لیے اس نے اسلام آباد جانے کی درخواست دی تھی۔ اسلام آباد میں اس کا کوئی نہیں تھا۔ اس لیے اس کا دل بھی نہیں لگتا تھا۔ اس کا زیادہ وقت اکیلے ہی گزرتا تھا۔ اسلام آباد میں نرگس کی کوئی دوست بھی نہیں تھی۔ اس لیے اس کا وقت گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسلام آباد میں نرگس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے وہ اپنا تبادلہ واپس لاہور کروانا چاہتی تھی۔ اس کے لیے اس نے کوشش بھی شروع کر دی تھی۔ اس کی کوشش کامیاب ہو گئی تھی۔ اس کا تبادلہ لاہور ہو گیا تھا۔ نرگس بہت خوش تھی۔ اسے لاہور بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ لاہور میں ہی پلی بڑھی تھی۔ اس کا بچپن لاہور میں گزرا تھا۔ اس کے بہت سے دوست لاہور میں تھے۔ اس کا خاندان لاہور میں تھا۔ اس لیے نرگس کو لاہور بہت اچھا لگتا تھا۔ اسلام آباد میں نرگس کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ اس لیے اس نے اپنا تبادلہ لاہور کروا لیا تھا۔ نرگس کو لاہور آئے ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ اس ایک ماہ میں نرگس کی کسی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ اس کی کسی سے دوستی نہیں ہوئی تھی۔ نرگس کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ نرگس کو اکیلے رہنا اچھا لگتا تھا۔ اسے کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی مداخلت پسند نہیں تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔

نرگس کو لاہور آئے ہوئے ایک ماہ ہو گیا تھا۔ اس ایک ماہ میں نرگس کی کسی سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔ نرگس کو اپنی زندگی میں کسی کی ضرورت نہیں تھی۔

کو اپنی گفتگو میں لے گئے۔ میں نے سکوت توڑنے کی بجائے صرف سر ہلا دیا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس وقت میری زبان کھلوانے کی کوشش بے سود ہوگی۔

نرگس خاموش رہی۔ تھوڑی دیر بعد ہم گنگا کے کنارے پہنچ گئے۔ کشتی کی تلاش میں ہمیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ایک ملاح اپنی کشتی لیے ہمارے قریب آ گیا۔ کشتی بڑی تھی۔ اس میں بہت سے مسافر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم بھی کشتی میں سوار ہو گئے۔ ملاح نے لنگر اٹھایا اور چپو چلانے لگا۔ کشتی آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی۔

میں نے نرگس کی طرف دیکھا۔ وہ بڑی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے ہونٹ ہل رہے تھے۔ جیسے وہ کچھ پڑھ رہی ہو۔ میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ چونک پڑی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟ نرگس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ پھر اس نے جیسے دل کی حالت بیان کرنے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے دل پر رکھ لیے۔ کہنے لگی۔

"بھائی جان! میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی بہت بڑا حادثہ رونما ہونے والا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دوں۔"

میں نے اس کے ہاتھ تھپتھپائے۔ "نرگس! تم بہت حساس ہو۔ اس لیے ایسا محسوس کر رہی ہو۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ ہمارے ساتھ بہت سے مسافر ہیں۔ ملاح ہے۔ پھر ہمارے پاس پستول بھی ہے۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ تم بالکل پریشان نہ ہو۔"

"کیا آپ کو بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا؟" نرگس نے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "میں تو بالکل مطمئن ہوں۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ ہم بہت جلد پار پہنچ جائیں گے۔"

"بھائی جان! آپ کو یاد ہے نا، ہم نے ایک بار ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک بہت بڑا سیلاب ہے۔ ہم ایک کشتی میں سوار ہیں۔ ہماری کشتی کو سیلاب کے تھپیڑے ادھر ادھر لیے پھر رہے ہیں۔ ہم بالکل بے بس ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں سوجھ رہا کہ ہم کیا کریں۔ ہماری کشتی کو کنارے کیسے لگائیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم اس خواب کی تعبیر کے قریب پہنچ رہے ہیں۔ ہماری کشتی کو بھی سیلاب کے تھپیڑے ادھر ادھر لیے پھر رہے ہیں۔ ہم بالکل بے بس ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں سوجھ رہا کہ ہم کیا کریں۔ ہماری کشتی کو کنارے کیسے لگائیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم اس خواب کی تعبیر کے قریب پہنچ رہے ہیں۔"

"نرگس! تم بہت حساس ہو۔ اس لیے ایسا محسوس کر رہی ہو۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ تم بالکل پریشان نہ ہو۔"

"کیا آپ کو بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا؟" نرگس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ "سچ سچ بتائیے گا۔ کیا آپ کو بھی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "سچ مچ نرگس! میں بالکل مطمئن ہوں۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ ہم بہت جلد پار پہنچ جائیں گے۔"

"بھائی جان! آپ کو یاد ہے نا، ہم نے ایک بار ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک بہت بڑا سیلاب ہے۔ ہم ایک کشتی میں سوار ہیں۔ ہماری کشتی کو سیلاب کے تھپیڑے ادھر ادھر لیے پھر رہے ہیں۔ ہم بالکل بے بس ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں سوجھ رہا کہ ہم کیا کریں۔ ہماری کشتی کو کنارے کیسے لگائیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم اس خواب کی تعبیر کے قریب پہنچ رہے ہیں۔"

"نرگس! تم بہت حساس ہو۔ اس لیے ایسا محسوس کر رہی ہو۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ تم بالکل پریشان نہ ہو۔"

"کیا آپ کو بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا؟" نرگس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ "سچ سچ بتائیے گا۔ کیا آپ کو بھی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "سچ مچ نرگس! میں بالکل مطمئن ہوں۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ ہم بہت جلد پار پہنچ جائیں گے۔"

"بھائی جان! آپ کو یاد ہے نا، ہم نے ایک بار ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک بہت بڑا سیلاب ہے۔ ہم ایک کشتی میں سوار ہیں۔ ہماری کشتی کو سیلاب کے تھپیڑے ادھر ادھر لیے پھر رہے ہیں۔ ہم بالکل بے بس ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں سوجھ رہا کہ ہم کیا کریں۔ ہماری کشتی کو کنارے کیسے لگائیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم اس خواب کی تعبیر کے قریب پہنچ رہے ہیں۔"

"نرگس! تم بہت حساس ہو۔ اس لیے ایسا محسوس کر رہی ہو۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ تم بالکل پریشان نہ ہو۔"

"کیا آپ کو بھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا؟" نرگس نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ "سچ سچ بتائیے گا۔ کیا آپ کو بھی خطرہ محسوس نہیں ہو رہا؟"

"بالکل نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ "سچ مچ نرگس! میں بالکل مطمئن ہوں۔ ہم بالکل محفوظ ہیں۔ ہم بہت جلد پار پہنچ جائیں گے۔"

"بھائی جان! آپ کو یاد ہے نا، ہم نے ایک بار ایک خواب دیکھا تھا۔ ایک بہت بڑا سیلاب ہے۔ ہم ایک کشتی میں سوار ہیں۔ ہماری کشتی کو سیلاب کے تھپیڑے ادھر ادھر لیے پھر رہے ہیں۔ ہم بالکل بے بس ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں سوجھ رہا کہ ہم کیا کریں۔ ہماری کشتی کو کنارے کیسے لگائیں۔ ہمیں ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم اس خواب کی تعبیر کے قریب پہنچ رہے ہیں۔"

"ہاں۔ ایک ہی نشان ہے۔" میں پھر سنجیدہ ہو گیا۔ "ہاں ایک ہی نشان ہے۔ میں نے کہا تھا نا کہ ایک بار ہم نے ایک ہی نشان دیکھا تھا۔ اور وہ نشان تھا ایک ہی شخص کی انگلیوں کے نشان۔ اور وہ شخص تھا ایک ہی شخص۔ اور وہ شخص ہے ہمارا دوست۔ ہمارا ساتھی۔ ہمارا ہمدرد۔ ہمارا غمگسار۔ ہمارا مونس۔ ہمارا ہمراز۔ ہمارا رفیق۔ ہمارا یار۔ ہمارا دلدار۔ ہمارا دلبر۔ ہمارا دلربا۔ ہمارا دلنواز۔ ہمارا دلجو۔ ہمارا دلجانی۔ ہمارا دلبند۔ ہمارا دلارام۔ ہمارا دلآرام۔ ہمارا دلفگار۔ ہمارا دلفریب۔ ہمارا دلکش۔ ہمارا دلکشا۔ ہمارا دلکشا۔ ہمارا دلکشا

لڑنے والی کوئی بات نہیں کہتا تھا۔ جیسے ہم مقابلہ کر رہے ہوں۔ میں نے کہا تھا کہ ہم اس کی بات سنیں گے۔ تو مجھے اس سے بات کرنے دو۔ اگر وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچانا چاہتا تو اب تک پہنچا چکا ہوتا۔ وہ ہمارے ساتھ ہے۔ ہمارے ساتھ کھاتا ہے۔ ہمارے ساتھ سوتا ہے۔ ہمارے ساتھ چلتا ہے۔ اگر وہ ہمیں کوئی نقصان پہنچانا چاہتا تو اب تک پہنچا چکا ہوتا۔ اس کے پاس ہتھیار ہیں۔ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ وہ ہمیں مار سکتا ہے۔ ہم اسے نہیں مار سکتے۔ اگر وہ ہمیں مارنا چاہتا تو اب تک مار چکا ہوتا۔ اس کے پاس ہتھیار ہیں۔ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ وہ ہمیں مار سکتا ہے۔ ہم اسے نہیں مار سکتے۔ اگر وہ ہمیں مارنا چاہتا تو اب تک مار چکا ہوتا۔

"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ میں نے کہا۔ میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ اگر وہ ایسا چاہتا تو اب تک پہنچا چکا ہوتا۔ اس کے پاس ہتھیار ہیں۔ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ وہ ہمیں مار سکتا ہے۔ ہم اسے نہیں مار سکتے۔ اگر وہ ہمیں مارنا چاہتا تو اب تک مار چکا ہوتا۔ اس کے پاس ہتھیار ہیں۔ ہمارے پاس نہیں ہیں۔ وہ ہمیں مار سکتا ہے۔ ہم اسے نہیں مار سکتے۔ اگر وہ ہمیں مارنا چاہتا تو اب تک مار چکا ہوتا۔

"تو پھر اب کیا کرنا ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"ہمیں اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔ وہ کہتا ہے کہ وہ ہمیں کچھ سکھائے گا۔ ہمیں اس سے سیکھنا ہوگا۔ اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔ اس کے ساتھ کھانا ہوگا۔ اس کے ساتھ سونا ہوگا۔ اس کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔ اس کے ساتھ کھانا ہوگا۔ اس کے ساتھ سونا ہوگا۔ اس کے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"ہاں۔ ہمیں اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔ اس کے ساتھ کھانا ہوگا۔ اس کے ساتھ سونا ہوگا۔ اس کے ساتھ چلنا ہوگا۔ اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔ اس کے ساتھ کھانا ہوگا۔ اس کے ساتھ سونا ہوگا۔ اس کے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

"ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس کے ساتھ رہیں گے۔ ہم اس کے ساتھ کھائیں گے۔ ہم اس کے ساتھ سوئیں گے۔ ہم اس کے ساتھ چلیں گے۔"

...ہوں سے تو وہ نہیں معلوم ہوتی۔ آخر۔ کون ہو گی
...کی۔ اس نے اس کو دیکھا۔ اور سوچنے لگا کہ وہ یہاں کیسے
...گئی۔ کیا وہ بھی اس کی طرح ہی کسی حادثے کا شکار ہوئی تھی
...ہے۔ کیا وہ بھی اس کی طرح ہی کسی حادثے کا شکار ہوئی تھی
...ہوش آ گیا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن
...ہو گیا۔ اس نے ہمت کی اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس

اس کے دل میں پیدا ہونے والے جذبات کیا تھے اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔ ا

لیکن آخر میں اس کے لیے اس کا ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ان جذبات کے حوالے کر دے۔ اور کچھ کی طرح وہ بھی اس کے لیے تیار ہو گئی۔ نرگس کو اس کے لیے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ ایک دن وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ اپنے آپ کو دیکھے۔ اس نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لیا۔ اور پھر اپنے کپڑے اتار کر ایک طرف رکھ دیے۔ اس کے بعد وہ اپنے جسم کو دیکھنے لگی۔ اس کا جسم بہت خوبصورت تھا۔ اس کے اعضا میں ایک عجیب سا توازن تھا۔ اس کی جلد بہت ملائم تھی۔ اس کے بدن کے ابھار بہت دلکش تھے۔ اس کے بعد اس نے اپنے بالوں کو کھول دیا۔ اس کے بال بہت لمبے تھے۔ وہ اس کے شانوں پر بکھر گئے۔ اس نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔ اور پھر اپنے جسم کو دیکھنے لگی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔ اور پھر اپنے جسم کو دیکھنے لگی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے سنوارا۔ اور پھر اپنے جسم کو دیکھنے لگی۔

ہوں۔ ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔

...ہم پیغام کی ...ں ہوا۔ لیکن ...ہ ...گر ...ں ...ہیں ...ہے۔

...ہے ...ہے ...ہے

[illegible]

[illegible] نرگس کی ہمشیرہ کی ہوں۔ [illegible]

[illegible] تب [illegible] کی آہٹ سنائی دی۔ [illegible] کی طرف لیکن [illegible] اور [illegible] کا وقت [illegible] نرگس کے بال [illegible] تھے۔ [illegible] دیکھتے ہی [illegible] کا جملہ لیا اور [illegible] کی طرح میری شکل [illegible]

آواز نکلی۔ "کیا۔ کیا تم کوئی معجزہ ہو۔ کیا تم کوئی غیب [illegible]

نرگس نے صاف صاف بتا دیا۔ ایک حقیقت [illegible]

جواب کیا۔

"حقیقت۔ اوہ۔ حقیقت۔ صاف۔ صاف تم [illegible] وہ دیوانہ وار آگے بڑھی اور مجھ سے لپٹ گئی۔ "صاف تم زندہ ہو۔ تم زندہ ہو۔ صاف۔ صاف۔" وہ پاگلوں کی طرح مجھے چومنے لگی۔ میں اس کا بازو پکڑ کر اسے اندر لے گیا۔ میں نے باہر کا دروازہ بھی بند کر لیا اور پھر میں نے کرایہ صوفے پر بیٹھ گیا۔

اب نرگس جذبات کے بھنور سے نکل آئی تھی۔ وہ تھکے تھکے لہجے میں بولی گئی تھی۔ "آپ۔ آپ۔ صاف صاحب۔ میں نے [illegible] تھا۔ اگر آپ کو کچھ ہو جاتا۔ تو میں خودکشی کر لیتی صاف صاحب۔ مجھے [illegible] تک یہ خیال رہتا کہ ڈیڈی آپ کے [illegible] کا ہو اب [illegible] نے کہا۔

"تفصیل آپ کو معلوم ہو گئی ہو گی نرگس۔" میں نے [illegible]

"ہاں۔ اور تفصیل معلوم ہونے کے بعد ہی میں نے ڈیڈی کو معاف کر دیا تھا۔"

"لیس نرگس صاحبہ۔ آپ کے ڈیڈی قصوروار نہیں ہیں۔ [illegible] نے ایک بڑے سائنسدان اور ایک محب وطن شہری کے فرائض انجام دیئے تھے بہرحال نادانستگی میں ہی سہی، مجرم تو ہیں۔"

"یہ دنیا اتنی ظالم کیوں ہے۔ یہ قانون میں کیوں نہیں [illegible] قانون اتنا بھلا کیوں ہے۔ جرم کو کیوں نہیں معلوم کیا جاتا اس کا [illegible] کیوں نہیں کیا جاتا۔ کیا یہ لوگ صرف [illegible] دینے والے ہیں۔ پھر [illegible] کرنے والے کہاں گئے۔" نرگس نے روہانسے لہجے میں کہا اور میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"او۔ کاش دنیا سے [illegible] ختم ہو گیا ہوتا۔ نرگس۔ میرے دل کی [illegible] بڑی خواہش رہی تھی کہ آپ کی زبان سے یہ الفاظ سنوں۔ میں نے آپ کے لئے کبھی برا نہیں سوچا تھا نرگس۔ درحقیقت آپ ہی کے لئے میں نے [illegible] تکالیف اٹھائی ہیں۔ آپ میرے دل کو سمجھتی تھیں۔ [illegible] کی طرف اتنی

[illegible] پریشان ہو گئی تھی۔ [illegible] کرلیا۔ اس کی [illegible] چاہتے ہیں کہ [illegible] صاحب۔ کہاں ہیں [illegible] کی [illegible] سکتی ہوں۔"

[illegible] بات کا کوئی [illegible] دے سکتا تھا۔ [illegible] صاحب۔ کہاں ہیں [illegible] سب [illegible] مجھے کوئی [illegible] چاہیئے۔" [illegible] نے کہا۔ پھر [illegible] نرگس چونک پڑی۔

[illegible] نے کہا۔ "اب [illegible] کی تلاش ہو گی صاف صاحب۔ [illegible] پولیس کی [illegible] سب [illegible] ہو گیا ہے۔" [illegible] نے کہا۔

"کیا اخبارات کی [illegible] دوست تھیں صاف صاحب کیا [illegible] کیا اخبارات نے لکھا ہے۔؟"

[illegible] نے [illegible] سب کچھ [illegible] اخبارات نے لکھا ہے۔"

"وہ [illegible] نے [illegible] اخبارات میں [illegible] تھیں۔" [illegible] نے کہا۔

"وہ [illegible] جو تم پہلی ملاقات میں [illegible] تھیں۔" [illegible] نے کہا۔

جواب میں [illegible] نرگس [illegible] سے میری شکل دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔ "او [illegible] یاد آیا۔ لیکن اس وقت باہر قدموں کی [illegible] سنائی دی اور وہ خاموش ہو گئی۔ [illegible] ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کچھ [illegible] کا اشارہ کیا تھا۔ [illegible] [illegible] پر [illegible] کی [illegible] سنائی دی۔ [illegible] دروازے پر [illegible] کون ہے۔ کیا بات ہے؟"

[illegible] پوچھا۔

"میں شبراتو ہوں بی بی! کوئی آپ سے ملنے تو نہیں آیا۔؟"

"بکواس مت کرو۔ بھاگ جاؤ۔" نرگس نے کہا۔ اور پھر خود وہ [illegible] سے میری شکل دیکھنے لگی۔ قدموں کی آہٹیں دروازے سے دور ہوتی گئیں۔

"کیا پولیس اب بھی یہاں موجود ہے۔؟" میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ لیکن کل میری موجودگی میں ڈیڈی کو آپ کے [illegible] دی گئی تھی۔"

"اوہ۔ سینہ صاحب پر کیا ردعمل ہوا۔؟"

"یقین کریں گے۔؟" نرگس نے مجھے دیکھا۔

"کیوں نہیں۔ تمہاری ہر بات پر مجھے یقین ہے۔"

"ڈیڈی شاید آپ کو گرفتار کرنے کے بعد سکون کا ایک لمبا سانس لے سکتے۔ وہ سخت پریشان تھے۔ سخت ذہنی کوفت میں مبتلا تھے۔ آپ کے جانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئے۔ پھر انہوں نے مجھے فون کیا اور عجیب سے انداز میں بولے۔ کیا میں نے غلط کیا ہے نرگس۔ کیا میں ایک [illegible] شہری نہیں ہوں۔ کیا بیگناہ انسانوں کی جان کی کوئی قیمت نہیں۔ انہوں نے کئی بار مجھے فون کیا اور عجیب [illegible] سی باتیں کرتے رہے۔"

"ہوں۔ مجھے صاف صاحب سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ [illegible] نے ٹھیک ہی کیا ہے۔ بہرحال اب [illegible] کو جانے دو۔ میں سینہ صاحب سے بھی مل لوں گا۔ تمہارے صاف سے مجھے اطمینان ہو گیا ہے۔"

"لیکن اب آپ کیا کریں گے۔؟ کیا پولیس آپ کی تلاش [illegible]

[illegible] ہو گی۔ [illegible] ہو گی۔ [illegible] ہو گی۔ [

...ہے کہ کوئی نہیں ہے۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر
...ہے کہ تم مجھے مل گئے۔"

...ں نے کہا۔ "شکریہ۔ آپ کی
...گر آپ چاہیں۔ تو میں ٹھہری ہوئی
...ت دے دوں۔ میں صرف آپ سے آخری ملاقات کے لیے حاضر
...ملاقات۔"

...ہاں۔ میں نے دھیرے سے کہا۔ "مجھے بھی اس کا
...تب سے ایک اللہ سے ملاقات بہت مقدر ہوا۔ یہ میرا بڑا قیمتی
...ہے کہ میں ایک ایسے انسان کی شبیہ سے آپ کے سامنے آیا۔ کاش
...تم مجھے لوگوں کی طرح قبول کر لیتے۔ بہرحال آپ سے مل کر
...کی ہے۔ مجھے اس بات کا یقین ہے۔"

...طاقت نے مجھے بڑے غور سے دیکھا۔ اس کی
...ایسے تاثرات تھے۔ پھر اچانک اس نے کہا۔ "اس
...تم نے کیا کہا تھا۔ میرا ایک بوسہ
...ہے۔"

...ہاں۔ طاقت نے میرے چہرے کے قریب اپنا چہرہ لے جا کر
...میرے ہونٹوں کے قریب آ کر رک گیا۔ پھر اس نے اپنی شکل بھی تبدیل کر لی اور میرے
...سکون کی سانس لی۔ "میرا تو ہی طاقت میں آ گیا تھا۔ وہ تو میں نے
...وقت طاقت میرے ساتھ نہ ہوتا تو جانے تم کس سے بدلا لیتے اور کتنی
...دیر تک پریشان کرتا۔ لیکن اب میں طاقت کی اس حرکت کے بارے میں
...سوچ رہا تھا جو وہ کرنے والا تھا۔ ہم کتنے سے کافی دور نکل آئے تھے
...لیکن خالی گزرگئیں لیکن طاقت نے مجھے لیکن نہیں روکنے دیا۔ اور
...پیدل ہی چلتا رہا۔ پھر ہم سڑک کے کنارے کنارے چلتے ہوئے ایک
...آدمی کے قریب سے گزرے۔ جو تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جا رہا تھا۔ طاقت
...طاقت نے اپنا ہاتھ اس کے چہرے کے سامنے کر دیا اور وہ ساکت
...گیا۔ اس نے حرکت کرنا گوارا نہ کیا۔ میں نے طاقت کو دیکھا۔

"کیا بات ہے۔" اس نے مختصر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ کوئی بات نہیں تو مجھے۔ مجھے غصہ نہیں دلانا
...تھی۔" طاقت نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔ لیکن طاقت کی اس حرکت پر
...کچھ ششدر رہ گیا۔ وہ تو مجھے میرا مشکل ہو گیا تھا۔ ہو ہو یہ طاقت
...اس بے چارے کو اس کا احساس بھی نہیں تھا' وہ طاقت کو دیکھ کر
...ہوا آگے بڑھ گیا۔

"طاقت۔" میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"کیا بات ہے۔" طاقت نے تیکھی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"وہ بے موت مارا جائے گا۔ سنو۔ جانے کو کہا ہے
...تمہیں اس بے چارے سے کیا دشمنی ہے؟"

"چلتے رہو۔ تم دیکھ کر کچھ ہو کہ میرے معاملات میں دخل نہ
...دو گے۔" طاقت نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا اور تیز تیز قدم
...بڑھ گیا۔ میں بھی اس کے پیچھے لپکا۔ لیکن اس وقت طاقت ایک
...کے سامنے رکا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس شخص کے چہرے کے سامنے کر دیا۔ اور
...اس شخص نے گھبرائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹا لیا۔ طاقت مسکرا کر
...گردن خم کی اور اسی انداز میں آگے بڑھ گیا۔ اس دفعہ شخص کی شکل
...بھی تبدیل ہو گئی تھی۔

...چہرے پر بے پناہ طاقت کی فراوانی تھی۔ میں سمجھ گیا۔ طاقت
...میرے ساتھ ہونے کی اس فضیلت پر جل گئی۔ خیر میں مگر ایک بات
...کہہ دوں کہ اگر ہم دونوں گم ہو گئے تو پولیس کس کو شناخت کرے گی
...اور کس کو گرفتار کرے گی۔ اس کے بعد تو اگر میں بھی چاہوں تو
...خود کو پولیس کے حوالے نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے۔ اگر کبھی پکڑا بھی جاؤں تو آپ شرافت
...سے نکل آؤں۔"

...میں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ اور ہوا سے تقریباً گرتا
...ہوا شخص چونک گیا۔

"اسے کوئی بات نہیں ہے بھائی صاحب۔ میرا دوست تو
...ایسے ہی مذاق کرتا رہتا ہے۔" میں نے اس شخص کو یہ کہتے ہوئے کہا
...اور پھر طاقت کی طرف گھوما۔ "آؤ بھئی۔ اس بات سے بالکل کچھ
...نہیں ہوتا۔ پولیس اسے پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔"

...طاقت نے میری طرف دیکھا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک
...مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "تمہاری حرکت بے حد بے ہودہ تھی لیکن بہت سے
...لوگوں سے تمہاری کیا مدد ہے؟" طاقت نے مذاق
...کے لہجے میں پوچھا۔

"پولیس والے بے چاروں کو گرفتار کرے گی اور
...پھر وہ کہیں گے کہ ان کے بارے میں چھان بین کرے گی۔ اس کے
...لیے پریشان ہوں گے اور پھر وہ انہیں پہچاننے سے انکار کر دیں گے۔"

...ڈالو۔"

"دیکھئے جناب۔ اب کچھ بے چاروں کے مستقبل کا
...سوال ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ فاضل نہیں ہے۔ میں صرف اس لوگوں
...کو بچانا چاہتا ہوں جنہوں نے میرے دوست کو پریشان کیا ہے۔ اور میرے
...دوست کو پریشان کرنے کا یہ سب سے شریفانہ طریقہ ہے۔" طاقت نے
...ایک انگریز آدمی کے چہرے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" اس شخص نے طاقت کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔؟" طاقت تڑک کر اس سے لڑنے لگا۔

"میں کہتا ہوں تم نے میرے چہرے پر ہاتھ کیوں رکھا۔؟"

"اب ایسے گھٹیا کام بھی نہیں ہو کہ میرے ہاتھ رکھنے سے تمہارا چہرہ
...ہو گیا ہو گا۔" طاقت نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"گھٹیا کے بچے۔ میں تیرا دماغ درست کر دوں گا۔؟" طاقت نے آستینیں
...چڑھاتے ہوئے کہا۔

"ہائیں۔ ہائیں۔ یہ کیا بدتمیزی ہے۔" میں نے ان دونوں کے
...درمیان بیچ بچاؤ کرانا چاہا۔ لیکن طاقت نے اس شخص کے ایک تھپڑ رسید
...کر دیا۔ پھر کیا تھا۔ وہ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ اور تھوڑے فاصلے
...پر کھڑے ہوئے دو اور نشئی اس کی مدد کے لیے دوڑ پڑے۔

"اسے کیا ہو گیا ہے۔ یہ تو ایک دم ہی بگڑ گیا۔"

"دیکھئے تو سہی۔ غصہ کس کو کہتے ہیں۔" میں نے
...طاقت سے کہا۔ "اب اس بے چارے کی خیر نہیں۔ طاقت کا غصہ
...بہت خطرناک ہے۔ اب اس نشئی کو کون بچا سکے گا۔" طاقت نے
...جلدی سے کہا۔ پولیس کا نشئی سے کیا تعلق ہو گا؟" میں نے
...طاقت کے مزید کہنے سے پہلے ہی اس شخص کو گھونسہ مار دیا۔ وہ
...دونوں ہی اس شخص پر ٹوٹ پڑے۔ اس شخص نے ایک کو اٹھا کر نیچے گرا دیا اور اس کے
...اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ پھر وہ دوسرے نشئی سے نبٹنے لگا۔ وہ شخص
...تگڑا تھا۔ پہلے نشئی کو تو اس نے بری طرح مار لیا تھا۔ دوسرے نشئی کو بھی
...بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بھاگا۔ ایک فقرہ بھی تو نہیں بول سکا۔ وہ پولیس والے
...کو ہم پولیس والے سمجھ رہے تھے۔ اس کے ساتھی بھی اس کی مدد کو نہیں
...آئے تھے۔ وہ بھی بھاگ گئے۔

"اوہ۔" طاقت نے ایک گہری سانس لی۔ وہ بھی
...بھاگ گیا۔

"دیکھیے جناب پولیس کی مدد کو کوئی نہیں آئے گا۔ ایک پولیس والے کو
...ہم نے اغوا کر لیا ہے۔" میں نے طاقت کو یاد دلایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے طاقت۔ لیکن ان لوگوں کے ساتھ ہو سکتا
...ہے کہ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔"

"وہ ہوا کا جھونکا کیا ہو جائے گا۔ تم کس کس کے ساتھ برا کرو گے۔
...نہیں ہو گا؟" طاقت نے اپنا چہرہ میرے قریب کر دیا اور ایک شخص کے چہرے کے سامنے ہاتھ
...پھیلا دیا۔

...وند تعالیٰ کی کرشمہ سازی سے ہونٹوں کا فاصلہ طاقت نے پورا کر
...لیا اور اس کا ہاتھ ہٹتے ہی وہ شخص حرکت کرنے لگا۔ تقریباً بیس
...نوجوان میرے مشکل بن گئے تھے۔ پھر ہم ہونٹوں واپس ہو گئے۔ میرا چہرہ
...طاقت نے اپنا اور میرا مشکل بھی درست کر لیا تھا۔

...اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک گہری سانس لی۔ "اب کل
...کے اخبارات دیکھنے کے قابل ہوں گے۔"

اور واقعی دوسرے دن کے اخبارات دیکھنے کے قابل ہی
...تھے۔ خوفناک قاتل معروف اللہ جاوید کے کارناموں سے اخبارات
...بھرے پڑے تھے۔ ہر اخبار کا سرخی عنوان مارننگ حال تھا۔ وہ اخبار جو
...میں نے اپنے دوستوں مشکل بنا دیئے تھے۔ اخبارات میں بڑی دلچسپ
...تفصیل تھی۔ پولیس کا پورا محکمہ مصروف تھا۔ یہ معلوم ہونے کے
...باوجود کہ اس کے مشکل فرضی ہیں پولیس اب بھی ان مشکلوں کو اس
...امید پر گرفتار کر رہی تھی کہ ممکن ہے ان میں سے کوئی اصلی ہو۔ پکڑے
...جانے والوں کے بارے میں دلچسپ خبریں تھیں۔ ان کے اعزہ نے انہیں
...پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔

طاقت ایک ایک خبر سن کر ہنس رہا تھا۔ بے شمار تصویریں
...چھپی تھیں جو میرے مشکلوں کی تھیں ان میں امتیاز کے فرق کے ساتھ

مرہون منت ہے۔ طالوت نے کہا۔

"اب ہم لوگ کہاں جائیں گے۔ اس بستی پر تو ان کا قبضہ ہو گیا ہے۔ ہم لوگ کہاں قیام کریں گے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ مل جائیں۔"

"نہیں۔" اس نے ایک جملے میں اس کے سوال کا جواب دیا۔

"میں اپنی قوم کی شکست کو برداشت کر سکتا ہوں لیکن اپنی قوم سے غداری نہیں کر سکتا۔"

"کیا تم لوگ سے تعاون کی توقع کیا جا سکتا ہے۔"

"میں بہت جلد طالوت ..... میں تمہارے کان کھول دینا چاہتا ہوں۔ یہ لوگ تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کریں گے۔ یہ تمہارا مذاق اڑاتے رہے ہیں۔"

"کیوں؟"

"تم لوگوں کی تعریف کرتے تھے کہ وہاں کا طاقت بہت زبردست ہے۔"

"وہ ..... ہاں پھر۔"

"میرا خیال ہے تمہیں چل دینا چاہیے۔"

"یا ..... وہاں تو فتنہ نہیں ہوا۔ یہاں بھی کچھ اور تعریف کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تم اگر جانا چاہتے ہو تو ہی ..... تو پھر یہ کیا ہے۔"

"ہاں طالوت ..... کس بات سے نکالنے کو دل چاہ رہا ہے۔"

"یہ بات بہت ہی تلخ ہو جائے گی۔ یہاں یہ باتوں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ لیکن اگر تم اس کے لئے اصرار کرو گے تو پھر ..... میں اپنا فیصلہ سنا دوں گا۔ لیکن اگر تم ..... اس کے بعد تم لوگ ..... ہمارے ساتھ ..... ہو گے۔ اب نہیں چل سکے گا۔ زندگی کو بہتر طریقے پر گزارنے کے لئے ..... ہمیں تمہارا ساتھ ..... ہو گا۔ اگر تم لوگ ..... ہو گے تو پھر ..... ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب ....."

"تم لوگ کی تعریف کر رہ

گرا پھر سنبھل گیا۔

"ٹھیک ہے بڑھیا۔ تجھے تو میں دیکھ لوں گا۔" خوبصورت لڑکی نے کہا۔ "ہم تجھے دیکھ لیں گے۔" بڑی بی نے جواب دیا۔ "ہم نے بڑی بڑی طوائف کو گھونٹ کے رکھ دیا۔"

طوائف کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ "اے بڑھیا تو مجھے کیا سمجھتی ہے۔" طوائف نے کہا۔ "ہم تجھے دیکھ لیں گے۔" بڑی بی نے جواب دیا۔ "ہم نے بڑی بڑی طوائف کو گھونٹ کے رکھ دیا۔"

"

...پھر بھی ایسا ہو جاتا ہے... وہ کہنے لگے۔

"...سے کیا ضرورت پڑی ہے فیروز کو ہم پر..."
کی تھی... بڑا نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

"...پتے کو اس پر جانتی تو جانے دیتے... ویسے عاطف
...محبت ہے... کیا واقعی انہوں نے شادی نہیں کی...؟"

"...کہتی ہوں تو میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہے آخر... یہ
...یہ باتیں نکالا کر بیٹھ گئیں... وہ کوئی اور لڑکا ہوں سے طالوت کے گھر رہ بھی
تھیں... لیکن طالوت نے ہمارا کی طرف متوجہ ہونے سے گریز کیا
...محبت کی شادی نہیں ہوئی... کیسی تو پھر یہ کیا تکلیف
...دہ بات ہے"

"...کیسی تکلیف؟ میں نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔ ہوئے
...میں کہتے ہوئے شرم آتی ہے..." طالوت نے
گردن جھکاتے ہوئے کہا، اور لڑکیاں قہقہے لگانے لگیں۔

"...ہر جائی... خدا کرے... ہر جائی ہو... ہوا بھی
...ہے برے پر پڑ گئیں۔

"...بس یہ بڑا معاف کر دیجئے... بہت بڑا ہو گئی ہے... چاچی
...میں نے جلدی کی۔

"...اچھے بڑا کے مطلب ہیں... کیا وہ ش کر دی..."
...تھا عاطف دل کو اگ لگے کہنے پڑ جائیں گے ہیں!"

"...لڑکیوں نے قہقہے لگائے تھے... مجھے کی ہنسی آ گئی تھی۔ طالوت
...تب بھی کے ہونٹوں پر تھی۔

"...اب لڑکے بھی ملتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"...میں نہیں جانتا... ہو سکتا ہے... ویسے عاطف
...خوبصورت ہے... اور اس کی ہمدردیاں بھی طالوت کے ساتھ ہیں..."
...ہے... ہو سکتا ہے... وہ لڑکا بھی اس سے محبت کرتا ہو..."

"...ہو سکتا ہے..." طالوت نے کہا۔ "...اور پھر
...ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے..." میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"...ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے..." طالوت
...نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔ "...اور کیا ہو سکتا ہے..."

"...ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے..." میں نے
...ہنستے ہوئے کہا۔ "...ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے..."

"...ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے... ہو سکتا ہے..." طالوت
...نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔ "...ہو سکتا ہے...

کے پاس ہاتھی موجود تھا۔ اور پھر اس ہاتھی کو دیکھ کر لوگ اور بھی بے چین ہو گئے۔ بلکہ موٹر سائیکل سوار گھوڑے تھے۔

کارواں قلعے پر پہنچ گیا اور قلعے کے سامنے رک گیا۔ اور وہی پولیس کے سپاہیوں نے لیڈیاں بجا کر سلامی دی تھی۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ طاقت کا رتھ اور سپہ سالار بھی قلعہ میں داخل ہو گیا۔

"بڑا زبردست انتظام ہوا ہے طاقت" محمد قاسم نے کہا۔

"ہاں مراد۔ اس نواب کے بچے کو مجھ پر حملے کے لئے کوئی وجہ نہیں ملی تھی"

"لیکن ہم اب کیا کریں گے؟"

"ہم مراد بات بنا سکتے ہیں۔ وہ صرف اتفاق سے ہاتھ آ گیا تھا۔ ہم پہلے ہی ہاتھی کے بغیر بہت کچھ کر چکے ہیں۔ اگر ہم اس کے بغیر بھی کچھ کر لیں گے تو ہمارے لئے بہتر ہو گا۔ لیکن ایسے حل کو دیکھ کر لوگ ہنسیں گے۔ اس لئے اس نے احتیاطاً کہنے کی بات ہے۔"

"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ طاقت ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ پھر طاقت نے میرے ساتھ چل کر گھوڑے دیکھے۔ گھوڑے دیکھ کر وہ بہت خوش ہو جاتی تھی۔ بلند بالا قد، پتلوں کی بجائے صاف شفاف مگر۔ اس میں حیرت کی کیا بات تھی؟

حیرت تو اس وقت بھی نہیں ہوئی جب نواب جلال الدین کے ایک ملازم نے آ کر جلال الدین کا پیغام دیا۔ پیغام کیا ہاتھوں میں لگتا ہوا تھا۔ طاقت سمجھ گیا تھا۔ طاقت مجھے کہ نہ دی تھی میں بیٹھا ہوا تھا۔ سفید رنگ کا لفافہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس نے کھول کر پڑھنا شروع کیا تھا۔

"محترم۔ آپ سے تعارف کا متمنی ہوں کیا آپ بات کا کھانا نواب جلال الدین کے ساتھ کھا پسند کریں گے۔ راقم کریم خان"

"جواب دے دیں۔"

طاقت نے چپڑی کاغذ پر لکھا۔ میرے ہاتھ سے پڑھ کر کہا۔ "محمد قاسم کیا خیال ہے۔" طاقت نے پوچھا۔

"حال ہی نہیں پہلا حملہ۔ تم کہو کہ تم نہ آ سکو گے۔ سفر کی تھکان ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ یہ ہے کہنا کیا ہے اپنے آپ کو۔ پولو جا کر گھوڑے خرید لوں گا۔" طاقت نے کہا اور پھر اپنے آدمی سے بھی کہہ دیا کہ نواب صاحب سے معذرت کر لیا جائے۔ آج ملاقات نہیں ہو سکتی۔" اور سنو۔" طاقت نے اپنے آدمی سے کہا۔ "اگر نواب صاحب خود بھی آئے تو انہیں واپس کر دیا جائے اور کہہ دیا جائے کہ ہم تھکن آج آرام کریں گے۔"

"جو حکم آقا۔" غلام نے جواب دیا۔ اور طاقت کی گرفت پر پیار کرنے لگا۔

"پڑھ جانے۔" میں نے کہا۔

"جھگڑنے گا۔ میں کہا ہے کہ ہاتھی کی سواری سے تھکن چلتا ہوں۔" طاقت نے جواب دیا۔

لت ہو گئی۔ لیکن نواب جلال الدین نہیں آیا۔ وہ بہت ہی کم کا نواب تھا۔ بہ جائے طاقت کے انکار سے اس کی کیا کیفیت ہوئی ہو گی۔ بہرحال طاقت نے جو چکر چلایا تھا وہ اتنا ہی زبردست تھا کہ نواب جلال الدین کو کشش کے باوجود اس سے اجتناب نہیں کرنا تھا۔ بہرحال دوسرے دن شام کے غارتگر ہونے کے بعد میں کوچ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کوچ کی رسیں سے ملحق پہاڑی پر نواب صاحب کا خیمہ نظر آ رہا تھا۔ کسی پہاڑی پر تو جگہ نہیں تھی لیکن نیچے اس کا خیمہ بہت شاندار تھا۔ دوست لوگوں نے بھی خیمے لگا لئے تھے لیکن وہ معمولی قسم کے تھے۔ پہاڑی پر نواب جلال الدین کے گھوڑے نظر آ رہے تھے جنہیں سبز لباس والے ملازم نہلا رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اور طاقت بھی اپنے خیمے میں پہنچ گئے ہماری کار خیمے کے سامنے رک گئی اور پھر تیراکی ہوئے گھوڑے لے کر آ گئے۔ بلکہ تیراکی بھی طاقت کے آدمی تھے۔ میں اور طاقت گھوڑوں کی قسمت کے بارے میں ہو چکے تھے جو آج کی کوچ میں شریک تھے۔ بعد ازاں بتائی گھوڑوں سے کیا حیثیت رکھتا تھا۔ اگر باقی خود تیراکی پر دوڑنا شروع کریں تو شاید ہی موجود کوئی گھوڑا انہیں نہ پکڑ سکے۔

ویسے بات تھی بڑے شاندار گھوڑے۔ نواب جلال الدین کا گھوڑا بھی شاندار تھا۔ تندرست توانا اور خوبصورت۔ ایک تھوڑی کا مددگار کے پلا گیا جو رسیں کے قانون کے مطابق تھی۔ عجیب گھبراہٹ تھی۔ اور یہ سب اس شخص کی وجہ سے تھا جس کا نام طاقت تھا کتنے اختیارات کا مالک ہے یہ۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی کہ پھر وہی جھٹک دیا۔ میری نگاہیں بار بار طاقت پر جھک رہی تھیں۔ نہ جانے کہاں کہاں سے لوگ آئے تھے۔ شائقین گھوڑوں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ گرنیوں کے تاوے ہو رہے تھے۔ نہ جانے یہاں رسیں کھیلنے کا طریقہ کیا تھا۔ یہ رسیں ایسی تھی جیسی شہروں میں ہوتی ہے۔ نہ جوا کھیلنے کا انداز۔ وہ تھا میں انوکھا سا طریقہ تھا جو میری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ طاقت کے آدمی نے بقیہ انتظام کر لیا۔ اس کے گھوڑوں کے نام بھی رسیں میں درج ہو گئے تھے اور اب ہمارے باقی گھوڑوں کو نیچے سے نکال کر نزدیک لے جایا جا رہا تھا تینوں گھوڑوں کو نمبر لگ رسیوں میں لکھا گیا تھا۔ پہلا گھوڑا پہلی رسیں میں شامل تھا۔ اس رسیں میں کل پندرہ گھوڑوں کو دوڑنا تھا۔ اور ان پندرہ گھوڑوں میں تین شاندار گھوڑے نواب جلال الدین کے تھے طاقت کا سفید گھوڑا اس رسیں میں حصہ لے رہا تھا۔ اس کا جاگ گھوڑے کو

دیکھ کر نواب صاحب کا خیمہ بھی اکھڑ گیا۔ اور وہ اس گھوڑے پر نظریں گاڑے ہوئے تھے۔ نواب جلال الدین کو تو پتا تھا۔ اس کے ساتھ اس بار کیا ہونے والا ہے۔ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے تھے۔ اس کے ساتھ اس بار کیا ہونے والا ہے۔ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے تھے۔ وہ اتنے ہی بار کیا ہونے والا ہے۔ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے تھے۔ وہ اتنے ہی

کا نواب تھا۔ بہ جائے طاقت کے انکار سے اس کی کیا کیفیت ہوئی ہو گی۔ بہرحال طاقت نے جو چکر چلایا تھا وہ اتنا ہی زبردست تھا کہ نواب جلال الدین کو کشش کے باوجود اس سے اجتناب نہیں کرنا تھا۔ بہرحال دوسرے دن شام کے غارتگر ہونے کے بعد میں کوچ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کوچ کی رسیں سے ملحق پہاڑی پر نواب صاحب کا خیمہ نظر آ رہا تھا۔ کسی پہاڑی پر تو جگہ نہیں تھی لیکن نیچے اس کا خیمہ بہت شاندار تھا۔ دوست لوگوں نے بھی خیمے لگا لئے تھے لیکن وہ معمولی قسم کے تھے۔ پہاڑی پر نواب جلال الدین کے گھوڑے نظر آ رہے تھے جنہیں سبز لباس والے ملازم نہلا رہے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد میں اور طاقت بھی اپنے خیمے میں پہنچ گئے ہماری کار خیمے کے سامنے رک گئی اور پھر تیراکی ہوئے گھوڑے لے کر آ گئے۔ بلکہ تیراکی بھی طاقت کے آدمی تھے۔ میں اور طاقت گھوڑوں کی قسمت کے بارے میں ہو چکے تھے جو آج کی کوچ میں شریک تھے۔ بعد ازاں بتائی گھوڑوں سے کیا حیثیت رکھتا تھا۔ اگر باقی خود تیراکی پر دوڑنا شروع کریں تو شاید ہی موجود کوئی گھوڑا انہیں نہ پکڑ سکے۔

ویسے بات تھی بڑے شاندار گھوڑے۔ نواب جلال الدین کا گھوڑا بھی شاندار تھا۔ تندرست توانا اور خوبصورت۔ ایک تھوڑی کا مددگار کے پلا گیا جو رسیں کے قانون کے مطابق تھی۔ عجیب گھبراہٹ تھی۔ اور یہ سب اس شخص کی وجہ سے تھا جس کا نام طاقت تھا کتنے اختیارات کا مالک ہے یہ۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی کہ پھر وہی جھٹک دیا۔ میری نگاہیں بار بار طاقت پر جھک رہی تھیں۔ نہ جانے کہاں کہاں سے لوگ آئے تھے۔ شائقین گھوڑوں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ گرنیوں کے تاوے ہو رہے تھے۔ نہ جانے یہاں رسیں کھیلنے کا طریقہ کیا تھا۔ یہ رسیں ایسی تھی جیسی شہروں میں ہوتی ہے۔ نہ جوا کھیلنے کا انداز۔ وہ تھا میں انوکھا سا طریقہ تھا جو میری سمجھ میں تو نہیں آیا۔ طاقت کے آدمی نے بقیہ انتظام کر لیا۔ اس کے گھوڑوں کے نام بھی رسیں میں درج ہو گئے تھے اور اب ہمارے باقی گھوڑوں کو نیچے سے نکال کر نزدیک لے جایا جا رہا تھا تینوں گھوڑوں کو نمبر لگ رسیوں میں لکھا گیا تھا۔ پہلا گھوڑا پہلی رسیں میں شامل تھا۔ اس رسیں میں کل پندرہ گھوڑوں کو دوڑنا تھا۔ اور ان پندرہ گھوڑوں میں تین شاندار گھوڑے نواب جلال الدین کے تھے طاقت کا سفید گھوڑا اس رسیں میں حصہ لے رہا تھا۔ اس کا جاگ گھوڑے کو

دیکھ کر نواب صاحب کا خیمہ بھی اکھڑ گیا۔ اور وہ اس گھوڑے پر نظریں گاڑے ہوئے تھے۔ نواب جلال الدین کو تو پتا تھا۔ اس کے ساتھ اس بار کیا ہونے والا ہے۔ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے تھے۔ اس کے ساتھ اس بار کیا ہونے والا ہے۔ لوگ بھی اس کے قریب آ گئے تھے۔ وہ اتنے ہی

"جواب دے کیا کھا ہے۔" میں نے پوچھا۔ طاقت نے کہا۔

"اور وہ تیرا گھوڑا۔" میں نے پوچھا۔

"دوڑے گا اور جیت جائے گا۔ لیکن اب اس جگہ سے میں ہٹنے سے کیا فائدہ۔ چل کر اس نواب کے بچے سے ملا جائے۔ ہو سکتا ہے طاقت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ ہم لوگ کھانا کھا رہے تھے۔ اس کے بعد نواب صاحب سے ملنے کے بارے میں مشورہ کیا گیا۔ فیصلہ کیا گیا کہ آج کا دن ٹال دیا جائے اگر نواب کے خیمہ سے کوئی آدمی آئے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ وہ خود اس سے ملنے کی کوشش کریں گے۔ آج طاقت کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ اگر نواب کا ملازم آئے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ وہ خود اس سے ملنے کی کوشش کریں گے۔ آج طاقت کو ہدایت کر دی گئی تھی کہ اگر نواب کا ملازم آئے تو اسے واپس کر دیا جائے۔ وہ خود اس سے ملنے کی کوشش کریں گے۔

شام کو کھانا کھا رہے تھے جب طاقت کے ملازم دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے اطلاع دی کہ نواب جلال الدین آ رہے ہیں۔

"اوہ۔" طاقت جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ "اب کیا کیا جائے۔"

"بلاؤ۔" میں نے کہا۔ ہم ہی ان کا استقبال کریں گے۔ میں نے کہا اور طاقت نے ملازم سے کہا کہ وہ نواب صاحب کو لے کر آئیں۔ ملازم باہر چلا گیا۔ میں اور طاقت تیار ہو گئے اور پھر ہم نے نواب صاحب کو لانے کے لئے ہدایت دی اور بھی خیمے سے باہر نکل آئے۔ نواب جلال الدین ایک اونٹ کے سوار تھے۔ ان کے ساتھ دو ملازم تھے۔ ان کے ساتھ دو ملازم تھے۔ ان کے ساتھ دو ملازم

کشادہ ہوگیا اور لیے بھائی کی کوہ نوردی کے قصے سنانے لگے۔ مجھے یاد ہے اس وقت میں نے اس کی لاف زنی کی وجہ سے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا۔ ہاں اس وقت میں نے اس لاف زنی پر کچھ نہ کہا تھا کیونکہ طالوت کے چہرے پر ایک پُراسرار مسکراہٹ دیکھی تھی۔

میں نے نواب بلال الدین کے چہرے پر خاموش تیز نظر ڈالی۔ طالوت کی مسکراہٹ پر کچھ تعجب کا اظہار کیا۔ اس نے نواب صاحب کو مخاطب کر کے کہا۔

"آپ جیسے صاحب فکر بزرگ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ہم بھی بلال آباد کی فضا اور وہاں کے لوگوں سے مل کر بہت متاثر ہوئے ہیں۔ طالوت نے کہا۔

"کیا ہم بلال آباد کی سیر کو شاید نہ جا سکیں گے۔ کیا واقعی کسی کام سے آئے ہیں؟"

"ہاں ہم ایک کام سے آئے ہیں۔" طالوت نے کہا اور اسی وقت ایک ملازم نے آ کر کہا۔

"کھانا تیار ہے۔"

"آیئے نواب صاحب۔ کھانا کھا لیا جائے۔"

"بلال آباد میں آپ کو کیسا لگا۔" نواب صاحب نے کھانے کی میز پر پوچھا۔

"بہت اچھا۔ ہم نے یہاں کے لوگوں کی بہت تعریف سنی تھی۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم مبالغہ آرائی سمجھ کر نظر انداز کر دیں گے۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہاں کے لوگ واقعی بہت اچھے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔ یہاں کے لوگ بہت محبت کرنے والے ہیں۔ ہم نے بھی یہاں آ کر بہت سکون محسوس کیا ہے۔ ہم یہاں کے پہاڑی علاقے کی سیر کو ضرور جائیں گے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ ہم نے بھی بلال آباد کے پہاڑی علاقے کی بہت تعریف سنی ہے۔ ہم بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ ضرور چلیں گے۔ ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ہم بھی ساتھ چلیں گے۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔ ضرور۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ہم بھی ساتھ چلیں گے۔" نواب صاحب کے بیٹے

وہ سب کے لیے اجنبی تھے۔ نواب صاحب کے اہل خانہ ان لوگوں کو دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ

آخر نہیں دی۔

نواب صاحب نے ہمارا مکمل تعارف کرایا۔ طالوت نے ان کا مختصر تعارف کرایا۔ ملاقاتیں استعمال کرائی گئی تھیں۔ ان کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔ یوں بھی یہ بات طے تھی کہ وہ جلد از جلد اپنے گھر لوٹ جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے ان کی کوئی تفصیل پیش کی تھیں۔ لیکن طالوت موقع کی تلاش میں تھا۔ وہ موقع اسے چائے کے وقت مل گیا۔

"ہم ریاست سے ایک طویل سفر کا پروگرام بنا کر نکلے تھے۔ بہت سے شہر گھومے۔ لیکن جلال آباد میں آ کر ہمیں احساس ہوا ہے کہ ہم نے کوئی جگہ نہیں دیکھی۔ کیا بھی ہم نے جلال آباد میں کچھ نہیں دیکھا ایک کاپ جیسے کھانے والے رنگ کو دیکھ کر اور کچھ دیکھنے کی طبیعت ہی نہیں رہی۔ کل صبح ہی ہم سے بڑی آسانی پوری ہو جائے گی۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ہمارا اول خود یہاں سے جانے کو نہیں چاہ رہا۔ لیکن ہمارا رفیقہ کو بھی واپس بھیجنا پڑے گا۔ ہم اس بچے کو ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ لیکن وقت یہ ہے کہ اس کے لئے ہمیں بوٹوں کا سہارا لینا پڑے گا۔ کیا یہاں کوئی اچھی ہوٹل موجود ہے۔؟"

"ہوٹل۔" نواب صاحب شرمندہ سے لہجے میں بولے۔ "کوٹھی شاید حضور شہزادہ کے شایان شان نہیں ہے۔"

"اوہ نہیں۔ یہ کیا فرما رہے ہیں آپ نواب صاحب۔" طالوت جلدی سے بول پڑا۔

"مجھے تکلیف ہوتی اگر آپ یہاں کچھ روز قیام فرماتے۔ میں صرف آپ کی تکلیف کا احساس ہے۔ ورنہ آپ کی معیت سے بڑھ کر سعادت اور کیا ہو سکتی تھی۔"

"آپ کے قیام سے میری عزت بڑھ جائے گی۔ سعادت تو مجھے ملے گی۔ کیا شہزادہ عادل میری یہ دعوت بھی قبول کریں گے۔؟"

"بسر و چشم۔ جب تک آپ حکم دیں گے۔ بلاشبہ ہمیں جلال آباد بہت پسند آیا ہے۔" طالوت نے کہا اور نواب صاحب خوش ہو گئے۔ طالوت یہاں آیا تھا۔ واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہ بات تو پروگرام میں شامل تھی۔ چنانچہ ہم نواب صاحب کے یہاں قیام پذیر ہونے کو تیار ہو گئے۔

چلنے کے بعد نواب صاحب نے اہل خانہ میں سے کچھ حضرات کو ہمارے اوپر متعین کیا اور خود انتظامات کرنے چلے گئے۔ وہ اپنی نگرانی میں ہمارے قیام کا انتظام کرنا چاہتے تھے تاکہ کوئی کمی نہ رہ جائے۔ نواب صاحب قدامت پسند تھے۔ لیکن ہر شخص ضرورت کے مطابق لچک رکھتا ہے۔ نواب صاحب نے بھی تھوڑی دیر کے لئے اپنی قدامت کو نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہمیں تو یوں بھی بے پروا تھی۔ لیکن ان کے خاندان کی دوسری خواتین بھی طالوت کے اور میرے سامنے آ گئی تھیں۔!

"شہزادہ سالم۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ اب تک سالم۔ اس کے بعد کا نہیں کہہ سکتا۔ طالوت بے پروائی سے بولا۔"

"یا اللہ۔ کیا ہو گیا ہے۔ آخر ہوا کیا ہے۔"

"بعد کی بات چھوڑو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ یہ کیا بات ہے تمہاری۔"

مگر۔ اس نوجوان کے چہرے پر جو تاثر پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کسی طرح بھی ختم نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

"تم بتاتے کیوں نہیں۔" میں نے کہا۔

"تم بھی کمال کرتے ہو۔ ہم جلال آباد کی اجنبیوں کے سے انداز میں۔ یہ اجنبیت ختم ہونا چاہئے۔"

"کیا ہو گیا ہے۔ ہم جلال آباد میں کسی سے ملاقات کے لئے نہیں آئے تھے۔ ہاں ہو گئی ہے۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ویسے شاید تمہیں کچھ کام کرنا پڑے گا۔"

"کیا۔"

"تم بھی کسی کو پسند کر لو۔ وقتی طور پر ہی سہی۔ مگر تمہارے لئے بہتر ہے۔ ورنہ مجھے کوفت ہو گی۔"

"تم بکواس کرنا بند کرو۔ میری بات سنو۔"

"یہ بکواس ہے۔ اگر تم نے کسی کو پسند نہیں کیا تو میں کسی کو پسند کر لیتا ہوں۔ میں جا کر ان سے کہہ دیتا ہوں۔"

"واہ۔ یہ خوب رہی۔"

"میری خاطر۔ میری جان پر بن جائے گی۔ طالوت کے ایسے انداز پر کیا کہہ کر میں ہنسی نہ روک سکی۔"

"بس تو تم ہی انتخاب کر دو۔" میں نے کہا۔

"ہاں۔ یہ میری ذمہ داری ہے۔ پھر ہفتے بھر کے لیے ایسی چہل پہل کے بعد میں ایک کام ضرور کروں گا۔"

"وہ کیا۔؟"

"واپس جاؤں گا۔ اور یہ پتہ لگاؤں گا کہ اس کی رہائش گاہ کہاں ہے۔ یعنی وہ ہم سے کتنی دور ہے۔"

"ضرور لگاؤ۔ لیکن احتیاط سے کوئی گڑبڑ نہ کرنا۔"

"اے فکر مت کرو میری جان۔ اللہ۔ خدا مجھے دوچار

حشمت کمالے خود بھی کبھی کسی سے اپنا مدعا نہیں کہا تھا
نہ خود ہی کبھی کسی سے کچھ مانگا تھا۔ اس لیے ہی وہ کسی سے کچھ مانگنے سے
پہلے کترایا کرتا تھا۔

"خوب صورت۔" حشمت نے مسکراتے ہوئے کہا اور طاقت اپنی
جگہ سے اٹھ گیا۔ اب کون کہہ سکتا ہے کہ آج سے پہلے ان دونوں کی ملاقات نہیں تھی۔ حشمت
کے چلے جانے کے بعد بھی طاقت کو کوئی خاص تعلق نہیں ہوا تھا۔ یہ تو اس وقت
پر ہوا جب وہ نماز عشاء پڑھ کر مسجد سے باہر نکلا۔ اور اس نے ایک
نقاب پوش لڑکی کو دیکھا جو اسے دیکھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس
لیکن طاقت کے سامنے کر وہ زیادہ دیر نہ ٹھہر سکی۔ وہ اپنے جلو میں لیکن
جھکائے ہوئے تھا۔ کسی غریب غربا سے کا ایک بے وقوفی
سے اس کی ہر کوشش پر مسکرا دیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم طاقت کو کیا
واپس آیا۔ بہر حال صبح کو جب میری آنکھ کھلی تو وہ اپنی سب پر خبر
سو چکا تھا۔ میں کسلمندی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ اسے دیکھتا رہا۔ پھر
اٹھا اور باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ باتھ روم سے فارغ ہو کر میں باہر
نکل آیا۔ غسل کرنے سے طبیعت شگفتہ ہو گئی تھی۔ لباس تبدیل کیا
اور ایک آدم کر کسی سے ملاقات کا بہانہ لینے لگا۔ پھر نہ جانے
کون خیال کے تحت اٹھا۔ اور نواب گاہ کی بغلی عمارت کی کھڑکی کھول
دی۔ باغ کا سبزہ نظر آتا تھا۔ اس پر شبنم کے موتی چمک رہے تھے اور
بہت خوبصورت موسم تھا۔

حشمت کی کھڑکی کے عین سامنے طاقت کی نگاہ پڑی۔ اس نے
باغ لگا ہوا تھا۔ پھولوں کے تختے بکھرے ہوئے تھے جو رنگ برنگے
پھول لگے تھے۔ ہوا میں ان پھولوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔ لیکن
اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا۔

رنگین تتلیوں کی ایک ٹولی۔ چار پانچ لڑکیاں خوشگپ
تھیں۔ ان میں سیمیں نصرت اور روحی بھی تھیں۔ سیمیں ایک دبلی
پتلی لڑکی تھی۔ اس کے بال الجھے تھے۔ جیب خون تھا۔ ٹھیک
وہ بہت پیاری تھی لیکن میں نے لکھ دی بند کر دی۔ طاقت گھبرا گیا اور
اس نے مجھے اس طرح کھڑے دیکھا تو نہ جانے وہ کیا غلط سوچ لے۔ وہ
سیمیں کو پسند کرتا تھا اس لئے اس پر نظر کرنا حق نہیں تھا۔

چند منٹ کے بعد طاقت باغ میں گیا۔ اس نے لڑکیاں
دیکھیں۔ اور پھر پلنگ پر پڑے ہوئے کاغذ کو دیکھ لیا۔ مجھے دیکھ کر اس کے ہونٹوں
پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جب میں واپس آیا تھا تو تم سو چکے تھے۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ میں رات کی تھکن کے لئے بے چین ہوں۔"

"بڑی دلچسپ رپورٹ ہے۔"

"علیہ دوست کر آؤ۔ اس کے بعد ہی بات چیت کریں گے۔"
میں نے کہا۔ اور طاقت گردن ہلا کر اٹھ گیا۔ پھر وہ غسل خانے میں گھس گیا۔

پہلے تو کچھ کہا۔ اس نے کہا۔ حشمت کی بھلائی ہے۔
اس نے ایک گہری سانس لی کر کہا۔ مجھے کہا۔

"پہلی تو کچھ کہا۔ اس نے کہا۔ حشمت کی بھلائی ہے۔
حالت یہ تھی کہ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ میرا ایک معمولی
تم ہی کھڑکی کھول کر دیکھ سکتے ہو۔"

"خوب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اس کے گھر میں داخل ہوا تھا۔ اس لیے شاید
جیل تھی۔"

"ہیں۔"

"اس دن لڑکیاں آئیں۔ اس حالت میں لڑکیوں کی تعداد بہت
کافی ہے۔ ان کے کام ہی ستانا آتے۔ ہوائیں بھی جیسے مرضی سے تنگ کرتے۔ اس لیے
لڑکیوں کے قریب جانے کی بات نہیں ہے۔ اور پھر یہ بھی کوئی ضروری
تو نہیں کہ اس کی نگرانی کی جائے۔"

"خوب۔ بڑے نکات ہیں۔"

"خاطر جمع رکھو۔" طاقت بڑبڑایا۔ "ایسی ویسی تو کوئی
مشکل نظر نہیں آتی۔ آگے اللہ مالک ہے۔"

"اس کے علاوہ۔" میں نے پوچھا۔

"پولیس کو بھی کی میر کی ہے۔ ہر طرف ہوا کا رخ پہچانا ہوں
لوگ ان تحائف کا۔ اس کے بعد میں نے نواب جلال الدین کی آمد
کی میر کی۔"

"خوب۔"

"بیگم صاحبہ بھی خاصی سمجھدار ہیں۔ لیکن انتہائی پردہ نشین
استقبال میں بھی وہ شریک نہیں تھیں۔ بہر حال نواب صاحب بڑی اہم شخصیت
ہو گی تھی۔"

"کیا۔ کیا۔" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"بڑی لمبی لمبی پڑ گئے ہیں بے چارے۔ ابھی کل ہی ہو گی
نواب شمشیر الدولہ آنے والے ہیں۔"

"یہ کون بزرگ ہیں؟"

"سیمیں کے طلب گار۔ پہلے سے معاملہ طے ہے۔ اب
چونکہ سیمیں تعلیم ختم کر چکی ہے اس لئے شمشیر الدولہ چند روز کے لئے
یہاں آ رہے ہیں۔ اس دوران نواب صاحب ان کی تمام باتوں کا جائزہ
لے کر آخری فیصلہ کریں گے۔ کسی اور ریاست کے نواب کے صاحبزادے ہیں
دلچسپی کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہم دونوں۔ نواب صاحب نے دبی زبان سے تبصرہ کیا تھا
کہ جائیں۔ میرا مطلب ہے میری اور تمہاری بات ہی کیا ہے۔ نواب
اور شہزادوں میں بہر حال فرق ہوتا ہے۔ اگر ہم میں سے کوئی سیمیں سے
منسوب ہو سکتا تو نواب صاحب کی قسمت کھل جاتی۔ (ان پر کیا؟

اندھیرے میں کسی سایہ کو حرکت کرتے دیکھا۔ طاقت نے فوراً ہی
پہچان لیا کہ یہ سیمیں ہے۔ اور اگر شمشیر الدولہ کو
پسند آ جائے تو کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ شہزادوں کے لئے ایک
ڈھونڈا جاتا ہے۔ کیا ضروری ہے کہ لڑکی سے کوئی بھی کر پسند کرے
جیسے ہی ہوا۔ کیا ضروری ہے کہ لڑکی سے کوئی بھی کر پسند کرے

"اوہ۔" میں نے سر ہلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بہت خوب رائے۔" طاقت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب تو۔ لیکن اب میرا میں پڑ گیا ہوں طاقت۔"

"کیوں۔"

"ایک بات بتاؤ طاقت۔ کیا ہم برے لوگ ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ ہمارے جیسے نیک لوگ تو بہت کم پیدا
ہوتے۔ اور نہ آسمان سے فرشتے اترتے ہیں۔"

"صرف ان بات کرو۔ ہمارے تمہارے درمیان ایک معاہدہ
ہوا ہے۔"

"وہ کیا۔"

"کسی شریف لڑکی کو کسی قیمت پر پریشان نہیں کیا جائیگا۔"

"میں اس پر کاربند ہوں۔" طاقت نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"میرے سلسلے میں بھی تم دیکھ چکے ہو۔ داؤد رحمانی کی لڑکی
کے لئے خاصی ہلچلیں اٹھائیں۔ لیکن اس کی عفت پر حرف نہ آنے دیا۔"

"قدر کرتا ہوں یار اس بات کی۔" طاقت نے کہا۔

"اگر سیمیں شمشیر سے منسوب ہے اور اگر دونوں خوش ہیں
تو بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کیا ضرورت ہے۔ ظاہر ہے اسے شمشیر سے بچا
کر ہم آسے کوئی سہارا تو نہیں دے سکتے۔ پھر اس کا معاملہ خراب کیوں
کیا جائے۔"

"ہوں۔" طاقت کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر
گردن ہلاتے ہوئے بولا۔ "کہتے تو ٹھیک ہو۔ لیکن اس کے لئے ایک
شرط ہے۔"

"کیا۔"

"اگر شمشیر الدولہ یہاں کا جائزہ لیا جائیگا۔ سیمیں کو بھی
تولا جائے گا۔ اگر شمشیر الدولہ سیمیں جیسی حسین لڑکی کے لائق ہوتے
اور سیمیں نے بھی انہیں پسند کیا۔ تو ہم خاموشی سے یہاں سے سر کر چل
کر جائیں گے۔ اور اگر ایسی بات نہ ہوئی۔ تو پھر چلہ حقوق محفوظ ہیں۔"

"چلو منظور۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور یہ بات
طے ہو گئی۔ کہ فوری طور پر طاقت سیمیں سے متعلق نہیں کچھ کرے گا۔

تقریباً ساڑھے آٹھ بجے دروازے پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔
دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسے دھکا دیا گیا۔ اور کسی نے اندر جھانکا۔ کوئی
ملازم معلوم ہوتی تھی۔ ہم لوگوں کے سامنے آ گئی تھی اس لئے اس نے سہمے ہوئے

"اندر میں کوئی سلام کہنے والے۔"

"کیسے کیسی خاتون۔" میں نے شرافت سے پوچھا۔

"نواب میاں نے بھیجا تھا کہ دیکھ آؤ آپ لوگ کھانے پر آئیں گے
ملازمہ نے خشک ہونٹ تر کرتے ہوئے بتایا۔

"اندر آ جاؤ۔" طاقت نے کہا اور وہ اندر آ گئی۔ پھر بولی۔
سے کہا۔ "آپ لوگ کب تک آئیں گے۔"

"یہاں سب کس وقت جاگ جاتے ہیں خاتون۔"

"میاں سات بجے تک۔ آٹھ بجے تک۔"

"ٹھیک ہے ناشتہ کس وقت ہوتا ہے۔"

"نو بجے۔"

"بس تو ہمارے جاگ جانے کی اطلاع دے دو۔" طاقت نے کہا
اور ملازمہ واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب خود آئے۔ ہم نے
سلام کیا۔

"صبح بخیر۔ رات کو ایک بڑی غلطی ہو گئی۔"

"کیا نواب صاحب۔" طاقت نے کہا۔ ہم لوگوں نے نہیں
سلام کر کے معافی کیا تھا۔"

"بھئی پر پتا نہیں کیا کہ تم لوگ بیٹی رضو لیتے ہو یا نہیں۔"

"نہیں نواب صاحب۔ خدا کے فضل سے ہم بھی مسلمان ہیں۔"

"بڑی مسرت کی بات ہے۔ تیار ہو تو آؤ۔ ٹھنڈی ہوا میں
کی سیر کریں۔" نواب صاحب نے کہا۔ چمن کی سیر کرتے ہوئے نواب صاحب ہم
سے گفتگو کرتے رہے۔ بہت سی باتیں کیں انہوں نے۔ تب طاقت نے
ایک بات کہی۔

"میرے ذہن میں ایک مثال آ گئی ہے نواب صاحب۔"

"وہ کیا شہزادے عادل۔"

"ہم لوگ سیر و تفریح کرنے نکلے ہیں اور تمام تکلفات سے
بے نیاز ہو جانا چاہتے ہیں۔ اس کا صحیح سا اندازہ آپ نہ اس بات سے لگا سکتے
ہوں گے کہ ہم دونوں تنہا ٹرین سے سفر کر رہے تھے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ مجھے اس بات پر حیرت ہوئی تھی۔"

"یہاں۔ اس عمل میں آپ نے جس اپنائیت سے ہمیں سمجھا
ہے اور یہاں کے کمین ہر جہت سے ہم سے پیش آئے ہیں۔ وہ اس بات کی
ہے کہ ہم اپنے ہی گھر میں ہیں۔"

"بے شک۔ یہ میری خوش بختی ہے کہ آپ لوگ اسے اپنا گھر
تصور کرتے ہیں۔"

"تب پھر نواب صاحب۔ آپ بھی ہمیں اپنے روز مرہ کے
معمولات میں مصروف رہنے۔ مصروف رہیں۔ ہمیں گھر کے دوسرے لوگوں کے
سپرد کر دیں۔ اور صرف ناشتے کے وقت میں ہماری ملاقات ہو۔ ہم یہاں
تھوڑا سا وقت گزارنا چاہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ تکلفات جاری رہے تو خواہ
مخواہ ہمیں دیکھیں گے۔"

"تم اگر واقعی نفرت سے بھرے ہوتے تو ہمیں اس طرح نہ بچاتے۔ تم ہمیں مار سکتے تھے۔ اگر تمہارا ارادہ برا ہوتا تو ہم اس وقت تمہارے قبضے میں ہوتے۔ سب لوگ تمہارا احترام کرتے ہیں۔ یہاں دل چاہے رہو۔ جب چاہے چلے جانا۔ ہم تمہارے لئے کچھ کھانے کا انتظام کرتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"شکریہ۔ یہ آپ نے اچھی بات کہی۔" طالوت کی شرافت سے گفتگو سے نفرت کی شدت میں کمی آگئی تھی۔ بہرحال وہ ان کے لئے اجنبی تھے۔ ناشتے کی میز پر بیٹھے ہوئے انہوں نے ان کے خاص خاص لوگ۔ بیگمات بھی تھیں۔ بچیاں خاص طور سے ان کے سامنے لائی گئی تھیں۔ وہ خوبصورت لوگوں کی طرح شوخی بھی تھیں۔

سیمیں اور دوسری لڑکیوں کا معصوم حسن خوش گوار تھا۔ وہ مسکرا کر بیگمات سے کہہ رہی تھیں۔ نواب صاحب بھی ناشتے کے دوران لطیفے سنا رہے تھے۔ بہرحال اگر وہ مغرور بھی تھے تو ایسے نہیں آتا تھا۔ کیونکہ اس وقت وہ بہت خوش مزاج معلوم ہو رہے تھے۔ پھر انہوں نے طالوت کی قربانی بتائی۔ اور خاص طور سے سیمیں سے مخاطب ہو کر بولے۔

"سیمیں بیٹے۔ تم جید طبع پر تعلیم یافتہ ہو۔ اس لئے تمہیں جانوں کی علامات کی قدر دانی تم پر خاص طور سے واجب ہوتی ہے۔ اس لئے تمہیں جلال آباد کے نواح کی سیر ضرور کرانا۔"

"جی۔!" سیمیں نے سادگی سے کہا۔ میں نے اس وقت اس کے لہجے میں کوئی خاص جذبات نہیں محسوس کی تھی۔ اللہ نہ جانے کیوں مجھے احساس ہوا کہ شاید شمشیر بہادر کا پتہ بھاری ہے۔!

ناشتہ ختم ہو گیا۔ نواب صاحب نے ملازم کو بلا کر ہدایت کی کہ اکبر پور کا قافلہ جو متوقع کر دیا گیا تھا آ ہی ہو گا۔ کیونکہ جانوں نے اجازت دے دی ہے۔ پھر انہوں نے بتایا کہ انہیں ایک ضروری کام سے اچانک اکبر پور جانا تھا جس کے لئے منع کر دیا گیا تھا۔ لیکن اب ان لوگوں کی اجازت سے وہ وہاں جا رہے ہیں۔

"آپ بڑے اطمینان سے جائیے۔ اور تمام کام کر کے یہیں آئیے۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔

"تو آخر تم نے اپنا کام کر ہی لیا۔؟" میں نے کہا۔

"ہاں یار۔ مگر یہ لڑکی کچھ مخلص معلوم ہوتی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اس کی وجہ شمشیر تو نہیں ہے؟"

"ہو سکتا ہے۔ دیکھ لیں گے کیا فرق پڑتا ہے۔" طالوت نے خشک لہجے میں کہا اور میں مسکرانے لگا۔

"ہنس کیوں رہے ہو۔ میں اپنے دعوے پر قائم ہوں۔" طالوت گرم ہوتے ہوئے بولا۔ اور میں اس سے ہنس پڑا۔

"اگر یہ لڑکیاں ہمارے ساتھ کچھ کریں گی۔"

"کیا۔؟"

"زہر وغیرہ تو نہیں۔؟"

"کیا۔؟" طالوت نے آنکھیں۔ ایک لمحے کے لئے تو ہم دونوں کا ہاتھوں سے طوطے اڑ گئے۔ اور پھر طالوت برہم ہو گیا۔ "میرا جی چاہتا ہے بھیا۔ تمہارا گلا گھونٹ دوں۔"

"تو کیا تم شادی کرو گی برا۔؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مجبور ہے بیٹا۔ اے۔ اس بڑھاپے میں اب ہم کیا کریں گے۔ ذکر اللہ تو شہزادے میاں کرنا ہی پڑے گا۔"

"عادل۔" میں نے طالوت کو غصے ہوتے دیکھ کر کہا۔ "کیوں بیچاری بوا کو پریشان کر رہے ہو۔ خبردار اب تمہاری زبان سے بدتمیزی کا ایک لفظ بھی نہ نکلے۔"

"بجا ہے بیٹے۔ بے ماں باپ کا بچہ ہے۔ معصوم۔ میں خود آپ سے بدتمیزی کی معافی چاہتا ہوں بچا۔" طالوت نے کہا۔

"ایں۔!" بوا کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ "مجھے دیوانی مت کرو میاں۔ اتنے بڑے آدمی ہو کر معافی مانگتے ہو۔ اللہ تمہاری عمریں دراز کرے۔"

"اور وہ شادی کی بات کیا ہوئی بوا۔ ہمیں تو آپ کے تیار ہو جانے سے بڑی خوشی ہوئی تھی۔" نصرت نے کہا۔

"تو خاموش رہ بے شرم۔ اس بڑھاپے میں میرا مذاق اڑاتی ہے۔ میں جاتی ہوں۔ کوسلے سے کہہ کر شربت بھیجتی ہوں۔" بوا اٹھ کھڑیں۔

"مگر تم نے ابھی اقرار کیا ہے بوا۔" روحی بولی۔

"ارے جا اری چھپے تجھے سنہرے سپنے کہتے تیری زبان جلے۔ بوا کچھ اور کہنا چاہتی تھیں۔ لیکن پھر ان کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی۔ اور وہ جلدی سے خاموش ہو گئیں۔ "تم یہیں بیٹھو یہاں۔؟" اللہ تمہاری عمریں دراز کرے۔ خوش رکھے تمہیں۔" بوا دعا دینے کے انداز میں کہنے لگیں اور پھر وہ باہر نکل کر جو بھاگیں تو پھر مڑ کر نہیں دیکھا۔ سیمیں، نصرت اور روحی بے تحاشا ہنس رہی تھیں۔ طالوت چونکا ہوں سے سیمیں کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ تو کچھ نہ ہوا۔" طالوت نے شانے ہلا کر ایک گہری سانس لی تھی۔

"آپ کیا چاہتے تھے؟"

"بس بوا سے دو ٹوک جھونک ہوتی۔ کچھ گالیاں سننے کو ملتیں۔ تم میں تو جوتی تک لے کر دوڑی تھیں۔"

"جب سے آپ کے بارے میں معلوم ہوا ہے اور ان کی عزت اور جناب کی کیا کیفیت ہے۔؟" طالوت نے براہ راست سیمیں سے کہا۔

"شہزادے بھی تو انسان ہوتے ہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" سیمیں نے کہا۔

"اللہ کا شکر ہے۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔

"ویسے آپ نے اس گھر کی کایا پلٹ دی ہے۔" ابھی جملہ نے مجھے

"ابھی آپ کے بارے میں کچھ نہیں کہا گیا ہے۔ شہزادہ صاحب۔ ہاں ہم نے کہا ہے کہ آپ کی قسمت میں کسی کے لئے ہمدردی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اب آپ کیا کہتے ہیں۔" میں نے کہا۔ "میرا دل اللہ کے لئے شکر سے بھرا ہوا ہے۔ اور آپ کی شرافت کی معافی مانگ رہی ہیں۔؟"

"ہاں۔ فنا کو بقا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ فنا کو بقا ہے۔" سیمیں نے ہنستے ہوئے کہا۔ "سنیے ترین سیمیں نام ہے میرا۔ ان نے کبھی بار یہ طرف نہیں دیکھا تھا۔!"

"بیشک ہمارے والد صاحب کو ہم لوگ ترین میں آپ کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ ورنہ ہم گمان بھی نہیں کر سکتے تھے۔ ہمیں وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ وہ ہمارے لئے اس طرح کا انتظام کر رہے ہیں۔"

"آپ لوگ ہمیں اپنے گھر آنے کے لئے مدعو کیا تھا۔ سیمیں صاحبہ نے۔"

"آپ کی نگاہ میں ہم انسان انسان نہیں ہیں۔؟" میں نے کہا۔

"میں نے اپنی نگاہ کی بات نہیں کی تھی۔ صرف والد اور والدہ کی بات کی تھی۔ آپ نے یہاں کا ماحول دیکھ لیا۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کے جو م تردد ہیں تو میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔"

"بس تو پھر آپ ہمیں شہزادہ نہ سمجھیں۔ صرف عادل اور شہزادگی کا دعویٰ چھوڑ دیں۔ صرف آپ کے والد صاحب اور والدہ صاحبہ کے لئے ہے۔" طالوت نے کہا۔

اتنی دیر میں بوا اپنی کانپتی اور آئیں۔ ان کا چہرہ زرد تھا۔ بدن کانپ رہا تھا۔ اندر گھستے ہی وہ چیختی ہوئی طالوت کے پاؤں پر گر پڑیں۔

"معاف کر دیں حضور۔ بس ایک بار معاف کر دیں۔ اللہ قسم۔ آئندہ ایسی حرکت نہیں ہو گی۔ بس ایک بار اس کے واسطے بس ایک بار۔؟"

"ارے۔ ارے۔ کیا بات ہے بوا۔ روحی کیا کہہ دیا تم نے۔؟" طالوت جلدی سے بولا۔

"میں نے تو کچھ نہیں کہا شہزادہ حضور۔" روحی بولی۔

"پھر بوا کو کیا ہو گیا۔؟"

"کل جب آپ کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔ اپنے کمرے میں بند ہو گئی ہیں۔ اس وقت بھی بڑی مشکل سے نکلی ہیں۔ بار بار یہ دعا پڑھتی ہوئی آئی ہیں۔" روحی نے کہا۔ اور طالوت اور میں ہنس پڑے۔

"اڑ جائو بوا۔ کیوں کانپ رہی ہو۔؟"

"معاف کرو پہلے معاف کر دو۔ بڑی غلطی ہو گئی ہے بچے سے۔"

"ارے۔ بوا اٹھو۔ میں تمہاری شادی کی بات کرنے آیا ہوں

ہدایت دی ہے کہ آپ کو بھلا بادشاہ کے دربار کی بیرکاری۔ سیدھے راجپوتی سے کیا۔

"لیکن میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔ اگر آپ پسند نہ کریں تو بھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔"

"نہیں نہیں۔ پسند ناپسند کی کیا بات ہے۔ آپ ہمارے مہمان ہیں۔ یوں بھی آپ صرف شہزادے ہی نہیں ایک اچھے انسان بھی ہیں۔ اگر غلط فہمیاں سے کر نہ بھاگتے تو پھر شاید ہم کبھی نہ ملتے۔ ہمیں آپ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دینی چاہیے۔"

"شکریہ مس سیمی۔ اگر یہ بات ہے تو میرے کہ عزور چلیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"سالم بھائی! آپ کے دوست ہیں عادل صاحب۔ بہت کم آتے اور ملتے ہیں۔"

"پھر تم ہی۔ فاصلوں سے کام کر جاتے ہیں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں مانتی۔" سیمی ہنستے ہوئے بولی۔ پھر کہنے لگی۔ "بہرحال آپ تیار ہو جائیے۔ ہم لوگ ابھی آتے ہیں۔"

"بہتر۔" طالوت نے کہا اور وہ تینوں مسکراتی ہوئی باہر چلی گئیں۔ طالوت قدرت کی نیرنگیوں پر کھلکھلا کر ہنسنا چاہتا تھا۔

"کیوں۔ بہت خوش ہو۔"

"سالم بھائی۔ عادل صاحب۔ کیا کہنے۔"

"وہ تو میں بھی سن چکا۔ اور پھر ہم تیاریاں کرنے لگے۔ تینوں لڑکیاں بھی آگئیں۔ ان کے ساتھ دو لڑکے بھی تھے بہت ہی سے اخلاق معلوم ہوتے تھے۔

"یہ کون ہیں۔" طالوت نے پوچھا۔

"عالم صاحب۔ سیمی کے چچا زاد بھائی۔" سیمی نے ایک لڑکے کا تعارف کرایا اور وہ گوت کا گاؤں درست کرنے لگا۔

"اور یہ شہزاد صاحب ہیں۔ سیمی کے ماموں زاد بھائی۔ چھٹیاں گزارنے آئے ہیں۔"

"ہمارے ساتھ چل رہے ہیں؟"

"جی ہاں۔ انھوں نے ابا جان سے اجازت لے لی ہے آنی جان سے!" سیمی کا لہجہ خوشگوار نہیں تھا۔

"یہ تو اچھا نہ کریں۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور عالم نے بھرپور نظر سے ان دونوں پر ایک نظر ڈالی۔ شامت آگئی تھی بیچاروں کی۔ بڑے خوش نظر آ رہے تھے۔ طالوت کی شامت کا ری کی سطر کی ٹھہری۔ میں نے اسٹیرنگ سنبھال لیا اور طالوت سیٹ پر برابر بیٹھ گیا۔ اس کے نزدیک عالم صاحب بیٹھ گئے تھے۔ پچھلی سیٹ پر تینوں لڑکیاں اور شہزاد صاحب تھے جو خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے

مسز خان کے چہرے پر اطمینان پھیل گیا۔ ان کی بیٹی کی قسمت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ بلکہ وہ یہ سمجھ رہی تھیں کہ ان کی بیٹی کا فیصلہ ہو چکا تھا۔

"عالم بھائی۔ آپ کے کیا خیالات ہیں۔" انھوں نے عالم صاحب سے پوچھا۔

پھر تم سوچتے رہو۔ ہم تو چلے۔ عالم بھائی نے کہا۔ "ہم آگے چلتے ہیں۔ تم آ جانا۔ آپ کا راستہ کون سا ہے عادل صاحب۔" طالوت آنکھیں بند کر کے سکندر اعظم کے کھنڈرات کا تصور کر رہا تھا۔ جب عالم صاحب آواز کانوں میں پڑی تو چونک پڑا۔ "میرا راستہ تو بہت لمبا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ کچھ دیر کے لیے باہر چلا جاؤں۔ لیکن سیمی نے ہمارے ساتھ چلنے کی دعوت دی تھی اس لیے انکار نہیں کر سکتے تھے۔"

طالوت سیمی کے باہر نکلتے ہی گیا۔ سیدھی سڑک پر آ گئی۔ عالم صاحب کھڑکی کے نزدیک بیٹھ گئے۔ "ہم نے کار پیچھے کر لی تھی۔" عالم صاحب کا منہ بن گیا تھا۔ شہزادہ میاں بھی خوش نہیں تھے۔ سیمی نے بتایا تھا۔ اور پھر انہوں نے ناک بھوں چڑھا لی۔

"اللہ۔ شرک کرنے والے عالم بھائی۔ آپ کے جسم سے کی بو آ رہی ہے۔ آپ سال میں کتنی مرتبہ نہاتے ہیں۔"

"جی۔" عالم صاحب بوکھلا گئے۔

"میں کہتی ہوں سرک کر بیٹھیے۔ گھسے چلے آ رہے ہیں۔" نے ڈانٹ کر کہا اور عالم صاحب سہم گئے۔ باقی سب لوگ خاموش سفر بہت طویل نہیں تھا۔ زوال کا وقت تھا جب ہم ان کے ہوٹل پہنچے آیا تھا۔ بہرحال خوبصورت علاقہ تھا۔ موسم بھی بہت مست ایک جگہ گاڑی کھڑی کر دی گئی اور سب نیچے اتر گئے۔

"جلال آباد کی سرحد شروع ہو گئی ہے۔ لیکن یہاں پہاڑ ایسی تفریحی گاہیں نہیں ہیں۔ جہاں خاص طور سے وقت گزارا جائے۔ تم یہ خوبصورت جگہ ہے۔ آپ کی اسٹیٹ کیسی ہے عادل صاحب۔" میں نے طالوت کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"آسمان کو چھوتے ہوئے پہاڑ۔ برف سے ڈھکے ہوئے اور سفید برف کے پگھلنے کے بعد سبزے پر نظر آنے والی ہریالی کے طویل اور جوار میدان۔ برف کی سفیدی سبز سبزے پر چمکتی ہوئی اور ان کے درمیان آباد ایک چھوٹی سی دنیا۔ خوشحال و مطمئن۔ محنت کش لوگ ہرے اور سفید۔ آسودگی کی سانسیں لیتے ہوئے۔ ہماری دنیا الگ ہے۔ ہم اپنے آپ میں خوش ہیں۔" طالوت نے منظر کشی کرتے ہوئے کہا۔ اور میں کی آنکھیں خوابوں میں کھو گئیں۔

"آپ کو دیکھ کر اس دنیا کا احساس ہوتا ہے۔ اسی لیے کہا۔ لیکن میں نے اپنی دنیا میں ہمیشہ ایک کمی محسوس کی ہے۔"

"کیا۔" طالوت نے کہا۔

"کیسی کی۔"

"جی۔ الفاظ نہیں ادا کر سکتا اس احساس کو۔ ایسی دلوں

سے چل پڑا۔ قدرت کے بے پناہ حسن کے کیا کہنے۔ دونوں طرف پتھروں سے جا بجا چشمے پھوٹ رہے تھے۔ لیکن ان کا نیلگوں پانی سیدھا نہیں بہہ رہا تھا۔

بل در بل بہتا ہوا یہ پانی نہ جانے کہاں سے آ رہا تھا۔ اور کہاں کے دوسری طرف جا رہا تھا۔

"عادل صاحب کے متعلق میں آپ سے کچھ نہیں کہوں گا۔" عالم صاحب کیا بات ہے۔" حضرت نے کہا۔

"میں خود کو اس کا بزرگ سمجھتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"مگر ایسی ویسی بات کیا ہے۔"

"یہی کہ میں۔ میں نے سگریٹ پی لی تھی۔ جناب! لیکن کیا یہ حیثیت نواب خان فوجی کی ایک سخت ہیں ہے۔"

"ایک اور کہیں۔"

"بڑی لمبی بات ہے۔"

"ہمارا جان تجھ کی دو سو گیارہ بوریاں تھیں۔ جاؤ خان میرا کہا روای ہے۔"

"تو یہ خلاصاں کتنی عمر سے شروع ہو جاتی ہیں عالم صاحب؟"

"پہلی شادی تقریباً بائیس سے چھبیس سال کی عمر کے اس کے بعد انسان خود مختار ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات چار چار شادیاں ایک ہی وقت میں ہوتی ہیں یعنی ایک نکاح سے فارغ ہو کر دوسرا نکاح کر لیتے ہیں اور پھر چار نہیں دقت پڑ کر آتی ہے۔" میں نے اپنی معلومات میں اضافہ کیا اور لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"آتنی ساری بیویوں کی موجودگی میں خود نواب صاحب کیا کرتے ہوتا ہے عالم صاحب۔"

"کیوں۔ بھوش دیکھتے ہیں۔"

"آپ بھی اتنی ہی شادیاں کریں گے۔"

"میں۔ ایکیں۔" میں نے حیرت سے پوچھا اور لڑکیاں میرے اس دوہرے جملے پر کھلکھلا گئیں۔

"عالم صاحب ہے آپ بھی تو۔"

"وہ۔ دراصل آپ ہمارے ہاں کی روایات سے واقف نہیں ہیں۔ اتنی شادیاں صرف وہ کرتا ہے جو مستقبل کا حکمران ہوتا ہے میں اور عادل حکمران نہیں ہیں۔ ریاست کی حکومت ہمارے بڑے بھائی کریں گے۔"

"اوہ۔" روحی نے کہا۔ کافی دیر تک وہ دونوں لڑکیاں ہم سے محو گفتگو رہیں اور میں ان کی معلومات میں اضافہ کرتا رہا۔ پھر وہ آتے دیکھ کر میں اداکاروں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ طالوت میرے قریب آ گیا۔ اس کے چہرے پر کوئی خاص بات نہیں تھی۔ لیکن اس کا چہرہ

"کیا مطلب؟"

"ملک بہت الجھا ہوا ہے۔ اس لئے کہ ہر شخص کو اپنی ذات کی فکر ہے۔ ہر شخص صرف اپنے متعلق سوچتا ہے۔ ہر شخص کو اپنی ہی جان کی پڑی ہے۔ اس نے کسی کی جان کی کوئی پروا نہیں کی۔ لیکن وہ بدنصیب جو اس کے پاس سے نکل کر تخت دہلی پر بیٹھ جاتا ہے، کیا کرے؟"

"اوہ۔ پھر تم نے کیا اخذ کیا؟"

"صرف ایک۔ اکبر شاہ کا بیٹا ہونا۔ اگر اس کا باپ مجھے اس کے والد کے گرفتار ہونے کے بعد اپنے ساتھ نہ لے گیا ہوتا تو میں بھی اس کی طرح ہوتا۔ اس کی طرح بدنصیب۔"

"تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ پھر اب کیا ہوا؟" چلبلے نے کہا۔

"میں نے کہا۔"

"چلنا تو ہے۔ لیکن فلاں شہزادہ کو کہیں دیکھ لیا تو آفت میں گرفتار ہو جاؤ گے۔" طاقت نے کہا۔

"تمہارا مشغلہ؟"

"تم شغل۔" طاقت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ تھیں۔ کسی سے بھی انہیں مشغل نہ کر سکا۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"خیر۔ وقت برباد کیا ہے تو اب اس پر بھی دیکھتے چلیں۔" نواب شمشیر الدولہ سے ملاقات کرنے کے بعد یہاں سے واپس چلیں گے۔" طاقت نے کہا اور ہم نے گھوڑے بڑھا دیئے۔

شام کو پانچ بجے نواب جلال الدین واپس آ گئے۔ کچھ دیر ہم دونوں سے بے حد محبت کی۔ دن کے بارے میں پوچھا گیا۔ میں نے اور طاقت نے تسلی بخش جواب دیا تھا۔ نواب صاحب ہم سے تھوڑی دیر کی اجازت لے کر مصروف ہو گئے۔ اس کے بعد رات کے کھانے تک وہ ہمارے ساتھ رہے۔ پھر سب ہم سونے کے لئے تیار ہوئے تب وہ ہم سے رخصت ہو گئے۔ طاقت کچھ بیزار سا نظر آ رہا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ اب یہاں مزید نہیں ٹھہرے گا۔ مجھے بھی کوئی خاص لطف نہیں آ رہا تھا۔ بناوٹ تکلف ماحول تھا۔

"اگر شمشیر الدولہ مناسب ہوا تو؟" میں نے بستر پر لیٹتے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔ یہیں سے شروع کر کے میں کہہ دوں گا۔" طاقت نے جواب دیا۔

"اور اگر مناسب نہ ہوا۔ تب۔؟"

"تب ہم اس خوبصورت لڑکی کو اس کے بدصورت ذوق کی

سزا دیں گے۔ کچھ بتائے بغیر ہی ہم نے سب مستقل کر لئے۔ سب حقیقت صاف صاف میں کہہ کر میں نے پیچھا چھڑا لیا۔ لیکن وہ بدنصیب لڑکی جو کہ میرے ہی ہاتھ سے بچ گئی تھی، کیا کرے گی؟ اس کے پاس سے نکل کر تخت دہلی پر بیٹھ جانے والے کا کیا بھروسہ تھا۔ وہ بھی تو اپنے باپ کا بیٹا تھا۔ اس کے ہاتھ بھی تو اپنے باپ کے خون سے رنگے ہوئے تھے۔ اس کے بعد ہم دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ میں نے کروٹ بدلی۔ طاقت نے پوچھا۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ بس یونہی۔ ایک خیال آیا تھا۔ اس کے بارے میں۔"

"کس کے بارے میں؟"

"اسی لڑکی کے بارے میں۔ جو کہ تخت دہلی پر بیٹھ جائے گی۔"

"اوہ۔ اس سب کو بھلا دو۔ اس کی طرف سے بے فکر ہو جاؤ۔ وہ تخت دہلی پر بیٹھ جائے گی۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔ اس کی فکر نہ کرو۔ کیونکہ اس کے بعد کیا ہو گا۔ اس کی فکر کرنے والے بہت سے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔ اس کی فکر کرنے والے بہت سے ہیں۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔ اس کی فکر کرنے والے بہت سے ہیں۔"

"اوہ۔ اس کے بعد کیا ہو گا۔ اس کی فکر کرنے والے بہت سے ہیں۔" میں نے بیزاری سے کہا اور پھر واپسی کا سفر ہونے لگا۔ بہانے کیوں واپس میں سب خاموش خاموش سے تھے۔ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ ہم سب نے ہاتھ دھونے اور کھانے کے لئے بیٹھ گئے۔ ہماری خاطر مدارات میں آج بھی کوئی کمی نہیں چھوڑی گئی تھی۔ لیکن جب تک طاقت نے گفتگو کرنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

پھر حال کھانے کے بعد ہم اپنے کمرے میں آ گئے اور میں نے پھر اس سے دوبارہ بات کرنے کا موقع تلاش کر لیا۔ "ہاں تو۔ اب بتاؤ۔ کیا بات ہے؟"

"یار عارف۔ کچھ بھی نہیں ہوا۔ یونہی کہہ دیا۔" وہ الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"اس سے ملو۔ جیسی ایک بہت ہی قیمتی سے ملاؤں؟" نواب صاحب نے طاقت کے سامنے لا کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

"بڑی شخصیت۔ یہ کون ہے؟" شمشیر نے کہا۔

"شہزادہ جلال الدین۔ سالم۔ ایک بہت بڑی ریاست کے شہزادے۔" نواب صاحب نے تعارف کرایا۔

"ہماری ریاست سے کیوں؟" شمشیر نے کہا۔

"ہاں اس لئے کہ شاید تمہارے ہی ریاست کی قیمت کچھ کم کروا سکو۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"ہیلو۔" طاقت نے آگے بڑھ کر کہا اور شمشیر نے سر ہلا کر ہاتھ ملا کر دیکھا۔ پھر ہاتھ کھول کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہیلو۔" اور اس نے طاقت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں بالکل گیند کی طرح تھام لیا۔ لیکن اچانک اس کے چہرے پر کوفت کے آثار نظر آنے لگے اور پھر وہ ایک جھٹکے سے طاقت نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ہیلو۔" اس نے بڑی طاقت دکھائی تھی۔ اس لئے کہ طاقت نے اس کی توقع نہیں کی تھی۔

"ہاں، آپ صاحب کو جان بچانے" لیکن وہ سب تو خدا کی
بخشی ہوئی صلاحیتیں ہیں۔"

"اوہ: مگر کسی نے ہم لوگوں پر ایک دوسرے کے نام
بلا دینے والے پرندوں سے پہلے پہل جان بچانے کے اصل بہانے
کی بات کی ہے۔ کسی نے کیا نام رکھا تھا؟"

"مگاڈیس۔" شیخ نے یاد دلایا۔

"لیکن اب تو تم دلی واپس آ چکے ہو۔" نواب صاحب
نے کہا۔

"اوہ ڈیئر انکل۔ یہاں کی فضا میں کچھ ایسی کشش محسوس ہوتی ہے
میں آ گیا ہوں انکل لیکن یہاں زیادہ نہ رکوں گا۔ ابھی جا رہا ہے کوئی
ہفتہ دو میں سب کو گرہن کو۔ نہ جانے یہاں کس طرح زندگی گزار رہے ہیں
کیسے ذہنی پیمانے ہیں۔"

"آف کورس۔ بٹ کوئیس۔" آپیڈو نے گوشت کے اوپر
پڑی ہڈیوں کو سرخ سے چوستے ہوئے کہا۔ نواب صاحب کچھ نہ بولے
لیکن ان کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ انھیں غصہ آ رہی تھی اور طاقت بھی
— وہ چپ نگاہوں سے سامنے بیٹھے ہوئے اس نوجوان کو دیکھ رہا تھا۔ بہرحال سب
اندر ہی اندر کچھ کھا کر شیر ہو جانے کے لئے چلا گیا تھا۔ انہیں ایک
عجیب سا احساس ہوا۔ نواب صاحب کی پرسکون نگاہیں نوجوان کی طرف
چلی گئی تھیں۔ ہم دونوں اجنبی شیر ہیں اور ایک دوسرے کی سالمیت کا تحفظ
کر رہے تھے۔

نواب صاحب کے چہرے پر سخت بے چینی نظر آ رہی تھی۔ لیکن
وہ برداشت کئے ہوئے تھے۔ "آپ کی خوش بیت خوبصورت ہے انکل۔
لیکن اس کے کچھ حصوں سے قدامت پسندی کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ لوگ اپنا
مطمح نظر کیوں نہیں بدلتے انکل۔ اگر آپ نے یہ کوٹھی مجھے دے دی۔ میرا
مطمح نظر شیخی کو دے دی تو میں اس کا ڈیزائن بدل دوں گا۔ اس کو یکسر تم
تبدیل کر دوں گا۔ کیوں ایڈگر۔؟"

"آف کورس ہاں۔ میں اس کا ڈیزائن چیسٹ کے مکینک
سے بنوا دوں گا۔ بڑی نائس فرینڈ۔"

"اچھا۔ اب تم آرام کرو۔ دوپہر کے کھانے پر ملاقات ہو گی
نئے حاصل یہاں۔ آؤ سامنے میاں۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ۔ آپ لوگوں سے پھر ملاقات نہ ہو گی۔ ویسے آپ لوگ کس
سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔؟"

"تفصیلی ملاقات پر بتاؤں گا۔" طاقت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
گرداں بھی ہوا اور پھر پڑا۔ نواب صاحب نے میز پر ہاتھ مار کر

ہم اس سے کہا۔

"کچھ غلط فہمی ہو گئی ہے یہاں۔ آپ لوگوں کو یہاں آنا نہیں
ہونی ہو گی۔ ہاتھ ہی نواب صاحب نے بیزاری ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ۔ نہیں نواب صاحب۔ پرسوں، آپ کی طبیعت
جس طرح آپ کے لئے ناسازگار ہو گئی تھی اور طاقت بھی
آپ کو کوئی تکلیف ہو تو تکلف نہ کریں۔ ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"
طاقت نے کہا۔

"کچھ شوشہ نہ چھوڑ بیٹھے۔" نواب صاحب نے کہا اور تیز
آگے بڑھ گئے۔ طاقت انھیں جاتا دیکھتا رہا اور پھر مسکراتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ پھر اس نے میز پر شکر کو دیکھا اور ہنس پڑا۔

"بیلو۔ مسٹر ایف۔ اوہ ڈیئر۔ اس لمحہ تم کیسے
کہا اور پھر بھی ہنس پڑا۔

"ایک بات بتاؤ۔" میں نے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔
طاقت سوفیہ نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگا۔ "تم نے اس سے مصافحہ کیا تھا
"ہاں۔" طاقت ہنس پڑا۔
"اس کے بعد اس نے مجھ سے مصافحہ نہیں کیا۔"
"سمجھدار آدمی ہے۔ ویسے دوپہر کے کھانے پر دیکھنا۔
مصافحے کا اثر تو اب ظاہر ہو گا۔ ویسے اس نے اپنے ہاتھ کی مضبوطی کا
اظہار کیا تھا۔ لیکن زندگی بھر پچھتائے گا۔"
"میں نے محسوس کیا تھا۔" میں ہنستے ہوئے کمرے میں داخل ہو گیا۔ اور پھر ہنستے ہنستے رہ گئے۔
"کیا خیال ہے طاقت۔ کیا ہنی مون دوست نہیں ہو گئی ہے؟"
"میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔
"بیچ والی تو یہی کچھ کھٹ پٹ سی محسوس کرنے لگی تھی لیکن
اس لاابالی بندے کے جانے سے ہیجان و پیچیدگی پیدا ہو گئی ہیں۔"
"عجیب آدمی ہے۔ ویسے تم نے ایک بات محسوس کی۔؟"
"کیا۔؟" طاقت نے دلچسپی سے پوچھا۔
"خود نواب صاحب کے بھی ہوش گم ہو گئے ہیں۔"
"ظاہر ہے۔ اوہ ڈیئر۔ بس انتظار کرو۔ یہ خشک سی جگہ تو
ایک خاصا دلچسپ ہو گئی ہے۔ ابھی تو یہاں دلچسپ کہانیاں جنم لیں گی۔ خدا
شیخی صاحب کا بھی بھلا کرے جو ایک ایسی جگہ سے شیخی بن گئی ہے۔" طاقت
نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔

وہ بھی ہنسنے لگے۔ طاقت کا طبیعت
کو ہلکا کر دیتا تھا۔ ان کے ہونٹوں کے گوشے کپکپا رہے تھے
کہ میں داخل ہوتے ہی وہ ہنس پڑا۔
"کیوں۔؟" میں نے ان کی شکل دیکھی۔
"کیوں۔؟ میں نے کیسے کہہ دیا ہو گا یہاں۔"
"یہ تو بتا سکتے ہو۔؟"
"کل یہ بھی بتا دوں گا۔ لیکن ابھی نہیں۔ ہو سکتا ہے
کہ یہ بھی نہ بتا سکوں۔ یہ لوگ جس مقاصد سے نکل کر جاتے
ہیں پھر وہ کہاں رہتے ہیں۔ وہاں جا کر یہ وہ بھول جاتے ہیں۔ اس گھر
کو اپنانے کی کوشش میں یہ اپنا آپ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔
اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور
طاقت نے آہ بھری۔

"تب تو۔ ایجاد ان ملکوں ... کی سیر نہ کر سکیں گے۔"
"فضول۔ تو نے خود فراموش جانے کا پروگرام شروع کر دیا تھا
تب بھی ہو گا۔؟"
"ہاں۔ اور اس وقت تمہارا نام اور قصہ اور میرا تو ذکر ہی
نہ ہو گا۔" اس نے فلسفیانہ کہا اور مجھے بھی ہنسی آ گئی۔ طاقت کسی خیال کے
تحت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کیا سوچنے لگے۔؟" میں نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا
"یہیں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کیا وہ شیخی بنا پھر
یہیں کی باتوں سے تو یہ لگتی کی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ خود اپنا بھی
کوئی نہ کوئی چکر چلتا ہو گا۔"
"مثلاً دلچسپی جب ہوتی ہے طاقت، اگر اس کے والدین نے
شیخی بنانا پسند کیا تو وہ انکار نہ کر سکے گی۔"
"یعنی اتنے بڑے نواب کی بیٹی اتنی تعلیم یافتہ ہونے پر بھی۔"
"ہاں۔ یہاں ایسا ہی کچھ ہوتا ہے۔ والدین نے اندھے کنوئیں میں
بچی کی زندگی ڈال دیتے ہیں۔ خاص طور سے لڑکیوں کے لئے
اہمیت رکھتے ہیں۔ والدین انھیں پیدا کرنے اور پرورش کرنے کے
احسان کا بدلہ وصول کرتے ہیں اور اگر ان سے بغاوت کی کوشش
کی جائے تو پھر ان کی نسل کو گالیاں پڑتی ہیں۔ آئے بے غیرت وغیرہ جیسا
کہا ہے تو پھر ان کی نسل کو گالیاں پڑتی ہیں۔ آئے بے غیرت وغیرہ جیسا
کہا ہے اور بڑی طرح سے آئے تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی
جاتی ہے۔"
"تو یہ بڑی بات ہے۔" طاقت نے کہا اور پھر وہ
ڈائیلاگ بولنے لگا۔ "نہیں۔ نہیں۔ میں اس بے زبان جیسز پر ایسا
ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ میں پورے زمانے سے ٹکرا جاؤں گا۔ میں
اس کا حق دلواؤں گا۔ جنسل اسے ولایت پلٹ بند کر تو نے ہاں
بیٹی کو لکھا ہے۔ ہم تجھے ولایت کے سمندر میں غرق کئے بغیر چھوڑیں

وہ بھی ہنسنے لگے۔ طاقت کا طبیعت
کو ہلکا کر دیتا تھا۔ ان کے ہونٹوں کے گوشے کپکپا رہے تھے
کہ میں داخل ہوتے ہی وہ ہنس پڑا۔
"کیوں۔؟" میں نے ان کی شکل دیکھی۔
"کیوں۔؟ میں نے کیسے کہہ دیا ہو گا یہاں۔"
"یہ تو بتا سکتے ہو۔؟"
"کل یہ بھی بتا دوں گا۔ لیکن ابھی نہیں۔ ہو سکتا ہے
کہ یہ بھی نہ بتا سکوں۔ یہ لوگ جس مقاصد سے نکل کر جاتے
ہیں پھر وہ کہاں رہتے ہیں۔ وہاں جا کر یہ وہ بھول جاتے ہیں۔ اس گھر
کو اپنانے کی کوشش میں یہ اپنا آپ بھی کھو بیٹھتے ہیں۔
اس کی یہی حالت ہوتی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ اور
طاقت نے آہ بھری۔

"تب تو۔ ایجاد ان ملکوں ... کی سیر نہ کر سکیں گے۔"
"فضول۔ تو نے خود فراموش جانے کا پروگرام شروع کر دیا تھا
تب بھی ہو گا۔؟"
"ہاں۔ اور اس وقت تمہارا نام اور قصہ اور میرا تو ذکر ہی
نہ ہو گا۔" اس نے فلسفیانہ کہا اور مجھے بھی ہنسی آ گئی۔ طاقت کسی خیال کے
تحت سنجیدہ ہو گیا تھا۔

"کیا سوچنے لگے۔؟" میں نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا
"یہیں کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ کیا وہ شیخی بنا پھر
یہیں کی باتوں سے تو یہ لگتی کی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔ خود اپنا بھی
کوئی نہ کوئی چکر چلتا ہو گا۔"
"مثلاً دلچسپی جب ہوتی ہے طاقت، اگر اس کے والدین نے
شیخی بنانا پسند کیا تو وہ انکار نہ کر سکے گی۔"
"یعنی اتنے بڑے نواب کی بیٹی اتنی تعلیم یافتہ ہونے پر بھی۔"
"ہاں۔ یہاں ایسا ہی کچھ ہوتا ہے۔ والدین نے اندھے کنوئیں میں
بچی کی زندگی ڈال دیتے ہیں۔ خاص طور سے لڑکیوں کے لئے
اہمیت رکھتے ہیں۔ والدین انھیں پیدا کرنے اور پرورش کرنے کے
احسان کا بدلہ وصول کرتے ہیں اور اگر ان سے بغاوت کی کوشش
کی جائے تو پھر ان کی نسل کو گالیاں پڑتی ہیں۔ آئے بے غیرت وغیرہ جیسا
کہا ہے تو پھر ان کی نسل کو گالیاں پڑتی ہیں۔ آئے بے غیرت وغیرہ جیسا
کہا ہے اور بڑی طرح سے آئے تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی
جاتی ہے۔"
"تو یہ بڑی بات ہے۔" طاقت نے کہا اور پھر وہ
ڈائیلاگ بولنے لگا۔ "نہیں۔ نہیں۔ میں اس بے زبان جیسز پر ایسا
ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ میں پورے زمانے سے ٹکرا جاؤں گا۔ میں
اس کا حق دلواؤں گا۔ جنسل اسے ولایت پلٹ بند کر تو نے ہاں
بیٹی کو لکھا ہے۔ ہم تجھے ولایت کے سمندر میں غرق کئے بغیر چھوڑیں

"اس نمبر نواب صاحب کا ہے۔ ہاں ہیلو"

"میں نے کہا۔

"میں نے شہزاد کو آواز دی لیکن وہ تو اتنی دیر سے باہر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ نہیں آ سکتا۔"

"میں نے شہزاد صاحب سے کہہ دیا ہے کہ آپ کو بہت ضروری کام ہے۔ اس لئے وہ آپ سے ملنے آ رہے ہیں۔"

نے کہا۔

"ہاں ہاں وہ صاحب اہمیت کہاں ہے نواب صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن یہ تعارف کہاں ہو رہا ہے۔ میرا خیال ہے آپ لوگ کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ میرا نام شہزاد نہیں ہے۔ میرا نام ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔ آپ کا نام ہے۔ شہزاد صاحب نے بات کاٹ کر کہا۔ آپ کا نام شہزاد ہے۔ آپ کے والد کا نام ہے۔ آپ کی والدہ کا نام ہے۔ آپ کی بہن کا نام ہے۔ آپ کی بیوی کا نام ہے۔ آپ کے بچوں کے نام ہیں۔ آپ کا پتہ ہے۔ آپ کا ٹیلیفون نمبر ہے۔ آپ کا بینک اکاؤنٹ ہے۔ آپ کی تنخواہ ہے۔ آپ کی عمر ہے۔ آپ کا قد ہے۔ آپ کا وزن ہے۔ آپ کا بلڈ گروپ ہے۔ آپ کا بلڈ پریشر ہے۔ آپ کا شوگر لیول ہے۔ آپ کا کولیسٹرول ہے۔ آپ کا ہیموگلوبن ہے۔ آپ کا ہیپاٹائٹس ٹیسٹ نیگیٹو ہے۔ آپ کا ایچ آئی وی ٹیسٹ نیگیٹو ہے۔ آپ کا ای سی جی نارمل ہے۔ آپ کا ایکو کارڈیو گرام نارمل ہے۔ آپ کا ایکسرے نارمل ہے۔ آپ کا سی ٹی سکین نارمل ہے۔ آپ کا ایم آر آئی نارمل ہے۔ آپ کا پی ایس اے نارمل ہے۔ آپ کا ایف بی سی نارمل ہے۔ آپ کا ای ایس آر نارمل ہے۔ آپ کا یورک ایسڈ نارمل ہے۔ آپ کا ایس جی او ٹی نارمل ہے۔ آپ کا ایس جی پی ٹی نارمل ہے۔ آپ کا ایل ڈی ایچ نارمل ہے۔ آپ کا ایس جی پی ایل نارمل ہے۔ آپ کا ایس جی او ایل

"...کیا وہ گھر کی بات ہے..."

"...فرق کی بات کہاں..."

"...مجھے ہوا..."

"...مہربان جہاں..."

"...مزید..."

...سال کے بعد ہی ہوگیا تھا جب نواب صاحب نے گاؤں کے ...کے لئے ...کے بعد ...کے ...کے ...کے

ساتھ ہی ہے۔

"آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟" طالوت نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"آپ نے کوئی فیصلہ کیا ہے؟" ہم آپ کا کہا کریں گے۔ ہمیشہ نے جواب دیا۔

"تو پھر ہم یہیں رہیں گے۔ تھکن دور ہو جائے گی۔" نصرت نے کہا۔ طالوت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سب کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔ ہمیشہ کی آنکھ کھلی رہی تھی۔ وہ اپنے ساتھیوں کے چہروں کو دیکھ رہا تھا۔ ان کے چہروں پر تھکن کے آثار نمایاں تھے۔ وہ بھی اونگھنے لگا۔ پھر اس نے سر کو جھٹکا دیا۔ اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ بھی کچھ دیر آرام کر لے۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

"تم سو جاؤ۔ میں پہرہ دیتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ آپ بھی سو جائیے۔ تھکن دور ہو جائے گی۔" نصرت نے کہا۔ طالوت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سب کی آنکھ لگ گئی تھی۔ ہمیشہ کی آنکھ کھلی رہی تھی۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے اس کا برا حال تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ بھی سو جائے۔ اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اور آنکھیں بند کر لیں۔

"ہمیشہ!" کسی نے اس کا نام پکارا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے سامنے ایک بوڑھا کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ اس کا لباس بہت صاف ستھرا تھا۔ اس کی داڑھی سینے تک آ رہی تھی۔ اس کے سر پر سفید رنگ کا عمامہ تھا۔ اس کے ماتھے پر سجدے کا نشان تھا۔ اس کی آنکھیں بہت روشن تھیں۔ ہمیشہ نے اس بوڑھے کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ کون ہے۔ اس نے اس کا نام کیسے جانا۔

"کیا سوچ رہے ہو۔ میرے بچے۔" بوڑھے نے کہا۔

"کچھ نہیں۔" ہمیشہ نے جواب دیا۔

"تم نے کوئی فیصلہ کیا ہے۔ ہم آرام کریں گے۔" ہمیشہ نے جواب دیا۔

"تم یہیں رہو۔ تھکن دور ہو جائے گی۔ آگے سفر طالوت کے لیے دشوار ہو گا۔ یہیں کی آب و ہوا طالوت کے لیے بہتر ہے۔" بوڑھا کہہ کر چلا گیا۔ ہمیشہ نے اس کو آواز دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا۔ ہمیشہ نے اس سے کچھ پوچھنا چاہا۔ لیکن اس کی زبان گنگ ہو گئی تھی۔ بوڑھا مسکرا دیا۔ اور پھر چلا گیا۔ ہمیشہ نے اپنے ساتھیوں کو دیکھا۔ وہ سو رہے تھے۔ ہمیشہ نے ان کو جگانا مناسب نہیں سمجھا۔ وہ بوڑھا کون تھا۔ اس نے سوچا۔ اس

"میں بول چکا ہوں۔ اب تم بولو۔"

"میں کیا بولوں؟"

"جو کچھ تمہارے دل میں ہے۔ کہہ ڈالو۔ ہم سن رہے ہیں۔"

"کیا بات کروں۔ میں تو سمجھتا تھا کہ میرا دل ہلکا ہو جائے گا۔ لیکن اس وقت میرا دل گھٹن سے پھٹا جا رہا ہے۔ میرے دل کی حالت اس وقت اس مسافر کی سی ہے جو ریگستان میں راستہ بھول گیا ہو۔ اس کے چاروں طرف ریت کے بگولے اٹھ رہے ہوں۔ اور وہ بے بسی کے عالم میں آسمان کی طرف دیکھ رہا ہو۔ میرے دل کی حالت بھی اس وقت ایسی ہی ہے۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔ میں کچھ نہیں سوچ سکتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میں چیخ چیخ کر رونا شروع کر دوں۔ اور اتنا روؤں اتنا روؤں کہ میرا دل ہلکا ہو جائے۔"

"بیٹا۔ تم نے ہمیں بلایا ہے۔ اپنا دکھ سنانے کے لیے۔ اپنا دل ہلکا کرنے کے لیے۔ اپنا بوجھ ہمارے کندھوں پر ڈالنے کے لیے۔ اب تم بولو۔ ہم سن رہے ہیں۔"

"کیا بولوں۔ کیا کہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ سوجھ نہیں پڑتا۔ میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ میرا دل ڈوبا جا رہا ہے۔ میرا دل پھٹا جا رہا ہے۔ میرا دل ٹوٹا جا رہا ہے۔ میرا دل ریزہ ریزہ ہوا جا رہا ہے۔ میرا دل کرچی کرچی ہوا جا رہا ہے۔ میرا دل ریت کی طرح بکھرا جا رہا ہے۔ میرا دل ہوا میں تحلیل ہوا جا رہا ہے۔ میرا دل ہوا میں تحلیل ہو گیا ہے۔ میرا دل ہوا میں تحلیل ہو گیا ہے۔ میرا دل ہوا میں تحلیل ہو گیا ہے۔"

"بیٹا۔ ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔"

"ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔

آواز میں ہے کہیں بھی نہ اپنا سکو گے۔"

"بچہ۔ اگر تم کو گھر نہ ملے تو پھر اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم کو اپنا گھر بنانا ہوگا۔"

"لیکن مشکلیں بہت آئیں گی۔"

"مشکلیں کیا نہیں آتیں۔"

"اور اگر میں ہار گیا تو۔"

"ہار۔ اس کے بھی کئی معنی ہیں۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"تم اپنی بات کو اچھی طرح سمجھا دو۔ تاکہ میں بھی سمجھ سکوں۔"

"پھر نواب صاحب کی آواز سنائی دی۔ لیکن اس کے بعد آپ سے کچھ نہ کہا جائے گا۔"

"جب تک کوئی بھول۔"

"جب تک کوئی بھول۔"

"جب تک کہ تم ہار نہیں مانتے۔"

"کامیابی کا ایک گر۔"

"آخری سلام کر دیا ہے۔"

"کوئی وقت تو نہیں ہوگا۔"

"نہ پریشان۔ بلکہ تم کو اور بھی گویا ہدایت کر دوں۔"

"نہیں۔ ہمیں یہ بات شیر دل سے پرخاش ہے۔ اور اب یہاں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ تم شیر دل کی موت ہوگی۔ اور ہاں۔ اپنے اس یار کا سلام تو لیتے جاؤ۔ اس کی شادی کی بات پکی ہوگئی ہے۔ مجھے امید ہے نواب صاحب ہمیں کی شادی میں ضرور شامل ہونے پر رضامند ہو گئے ہیں۔"

احسان کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔ اس کی آنکھ سے صرف آنسو بہنے لگے۔ طاقت نے زہریلی ہنسی ہنسی۔ ایک پیالہ نکالا اور اس کو کھولنے لگا۔ پھر اس نے پیالہ میں تھوڑی سی بھوری اور احسان کا منہ کھول کر اس کو ڈال دی۔

"اب تم جاؤ۔ اور اپنے دوست کو سلام کرو۔ اور اس سے کہو کہ وہ اپنے گھر جائے۔ اور اپنی شادی کی تیاریاں کرے۔ اور ہاں۔ اس سے کہنا کہ وہ اپنی شادی میں ہمیں نہ بھولے۔ ہم ضرور آئیں گے۔ اور ہاں۔ اس سے کہنا کہ وہ اپنی شادی میں ہمیں نہ بھولے۔ ہم ضرور آئیں گے۔"

طاقت نے احسان کو دھکا دیا۔ احسان لڑکھڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔ اس کی آنکھ سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ اس کا دماغ سوچنے سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ زور زور سے چیخے۔ چلائے۔ روئے۔ اور اپنے دوست کو آواز دے۔ لیکن اس کی آواز اس کے حلق میں ہی گھٹ کر رہ گئی۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا چلتا رہا۔ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں بیٹھ جائے۔ اور پھر کبھی نہ اٹھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں بیٹھ جائے۔ اور پھر کبھی نہ اٹھے۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا چلتا رہا۔ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں بیٹھ جائے۔ اور پھر کبھی نہ اٹھے۔

شمشیر

وہ لڑکھڑاتا ہوا چلتا رہا۔ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں بیٹھ جائے۔ اور پھر کبھی نہ اٹھے۔

وہ لڑکھڑاتا ہوا چلتا رہا۔ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو رہے تھے۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ کہیں بیٹھ جائے۔ اور پھر کبھی نہ اٹھے۔

کی تفصیل بتا چکا تو اس نے طاقت کو مخاطب کر کے کہا۔

"شمشیر۔ اطمینان سے جاؤ۔ آج رات ہمیں بہت سے کام کرنے ہیں۔ تم ابھی سے پہلوان کی طرح تھک گئے تو کام کیسے چلے گا۔ جاؤ۔ غسل خانے میں جا کر ٹھنڈے پانی سے نہا لو۔ تمہاری ساری تھکن اتر جائے گی۔"

"بہت اچھا ہے شمشیر۔ تم اپنی محبوبہ سے ملنے کو دس منٹ کے اندر اندر بلال آباد چھوڑ دو۔ ہم قلعہ فتح کر چکے ہیں۔ اب ہمیں قبضہ کرنا ہے۔ ہاں ہاں۔ ہماری وہ دیوی کشش ہر قربان ہے۔ جلال آباد کو سلام کرانے کے لئے اب، کسی پاگل خانے میں جا کر ضرور پیش کرنا۔ ہاں اندر کی کا خوبصورت عورتوں میں بھی شامل ہوتے شمشیر اور میں نہیں گھوڑوں کی کو تیار رہنا۔ اور ہاں تم بھی ان میں شامل ہو جانا۔ بلاشک تمہاری حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے عاشق کی تو ہر سلام رکھ لیتا ہے۔ اب ہمارے ساتھ وقت کی قیمتی "وقع کو دیکھ رہے ہو۔ ہم اس سے کتنا کام لے چکے ہیں۔ ٹھیک دس منٹ۔ جاؤ۔" پھر طاقت دبا کر اور شمشیر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ پھر ایک دم پلٹ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ طاقت نے وہاں کھڑے ہوئے ملازموں کی طرف دیکھا اور بولا۔ "کھانے کے کمرے میں ہمیں اس کے پہنچنے کی اطلاع دو۔ آئے نواب صاحب۔" اس نے آپ کو اس کے ساتھ اندر آنے میں کوئی تعرض نہیں کیا۔ وہ اندر داخل ہو کر اور نواب صاحب اس کے ساتھ اندر آنے میں کوئی تعرض نہیں کیا۔ کھانا شروع کریں۔ اور اسے ذہن سے نکال دیں۔ طویل زندگی ہے ہمیں ہر قسم کے چھوٹے بڑے لوگوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ میرا خیال ہے اس کی حیثیت کا اندازہ لگا لیا گیا ہے۔"

نواب صاحب نے خاموشی سے کھانا شروع کر دیا۔ ان کی کیفیت کے بعد بھی ہو گئی تھی۔ بہرحال کھانے کے دوران کوئی کچھ نہ بولا۔ اور خاموشی سے کھانا ختم ہو گیا۔ کھانے کے بعد سب لوگ اٹھ گئے۔ اور کھانے کے کمرے سے نکل گئے۔ نواب صاحب نے ان لوگوں سے اجازت مانگی تھی لہٰذا انہوں نے کہا۔ "اگر آپ کو آرام کرنا چاہتا ہو تو میں ایک گھنٹے کے بعد آپ کے پاس حاضر ہو سکتا ہوں نواب صاحب۔؟" طاقت نے پوچھا۔

"ہاں۔ وہ۔" نواب صاحب نے بے بسی سی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "انتہائی ضروری گفتگو کرنی ہے۔"

"میں۔ انتظار کروں گا۔" نواب صاحب نے بجھتی ہوئی آواز میں کہا۔ اور ایک طرف چل پڑے۔ میں احسان اور طاقت اپنے کمروں کی طرف چل پڑے۔ راستے میں میں نے ایک ملازم سے پوچھا۔ "شمشیر الدولہ چلا گیا۔؟"

"جی شہزادہ صاحب۔"

"اس کے ساتھی تو نہیں آئے۔؟"

"جی نہیں۔" ملازموں نے جواب دیا اور ہم گردن ہلا کر آگے بڑھ گئے۔

اسلام ہو چکے شمشیر الدولہ کے تینوں جانباز ساتھی اور اس کی چوڑیاں قابو کے ساتھ ہی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہ طالب زیادہ وقت ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ نواب صاحب ذہنی طور پر بہت پریشان ہیں

"ہاں۔ ان کی کیفیت عجیب سی تھی۔" احسان نے کہا۔

"پرواہ مت کرو۔ ایک گھنٹے کے بعد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ایسا کریں گے عامل بھائی۔" احسان نے پوچھا۔

"دیکھا جائے گا۔ کیسا لگے جا بھائی ہے۔ سوال اس کا ہے کہ کسی سے ذرا بھی نہیں شرماتا چلو اپنے کمرے میں چلتے ہیں۔ وہیں پر بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" طاقت نے کہا اور احسان ہنستا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ہم دونوں اپنے کمرے میں واپس آ گئے تھے۔ طاقت نے دروازہ بند کر لیا تھا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"کیا خیال ہے۔؟" اس نے مشکلانہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

"کیا مطلب۔؟"

"اب کی حالت ٹھیک نہیں ہے شمشیر کے معاملہ ختم ہو گیا ہے۔ اب نواب کو اپنی عزت کی پڑ گئی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ذہنی انتشار میں وہ کوئی غلط قدم اٹھا بیٹھے۔ ہم نے بھی صرف وعدہ ہی کیا ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو ہے۔"

"بہرحال میں نے اس سے ایک گھنٹے کی مہلت تو لے ہی لی ہے خیال ہے اب وقت برباد کرنا بیوقوفی ہے۔ اس کا کام ختم کر لیا جائے۔" طاقت نے کہا اور پھر باتیں ختم کر کے ہم نوری طور پر اسم۔" اور پھر اسرار فوراً حاضر ہو گیا۔

"کاغذات لے آئے۔"

"حاضر ہیں شہزادہ حضور۔" اسم نے ایک صندل بکس طاقت کے سامنے رکھ دیا۔ "ہمیں یقین ہے کہ یہ کاغذات مکمل ہیں۔ ان کے علاوہ تو کچھ اور نہیں رہ گیا ہے۔ کوئی بھی ایسا نشان جس سے اندازہ ہو کہ نواب جلال الدولہ کسی بھی طرح اوری کے مفروض ہیں۔؟"

"بالکل نہیں آقا۔ اب اور کسی میں کچھ نہیں رہ گیا ہے۔" اسم نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے اسم۔ اب ہمیں اس رقم کی ضرورت ہے جو نواب جلال الدین پر نکلتی ہے ۔۔۔ اسے کرنسی کی شکل میں یہاں ڈھیر کر دو۔"

"بموجب حکم شہزادہ حضور۔" اسم نے گردن جھکائی اور پھر وہ پیچھے ہٹتے ہوئے غائب ہو گیا۔ طاقت مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ رہا تھا اور میں دیکھ رہا تھا۔ مجھے طاقت پر رشک آ رہا تھا۔ کیسا صاحب اختیار ہے یہ شخص۔ دنیا کی ہر شے اس کے لئے کس قدر آسان ہے۔ کاش میری دنیا کے لوگ بھی اسی طرح معلومات حاصل کر لیتے۔ کاش میرا خاندان کے لئے اس قدر کٹھن نہ ہوتی۔ تب یہ دنیا ایک خوبصورت پھول کی مانند ہوتی۔ ایک مہکتا ہوا پھول۔ ہر چہرے پر دمک ہوتی۔ فرحت ذہن پر اثر کرتی ہے۔ حادثات ہوتے ہیں۔ جرائم ہوتے ہیں۔ نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے۔

جس تعلق نواب صاحب۔ کہ آپ کے جانبین ہیں۔ نواب صاحب اپنی جان حضور کی ہماری بیٹی کے ساتھ رہیں۔"

"اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم برابر کی شرکت میں ہیں۔ نواب صاحب ہمارا بھی ہو گا اور ہمارا کردار بھی۔"

"تو نواب صاحب۔ یہ رہا صندوقچہ جس میں آپ کے کاغذات ہیں۔ اور آپ کو ان میں آپ پر قرض کی تفصیل ہے۔"

"ہاں۔" نواب صاحب اچھل پڑے۔ "یہ تمہیں کہاں سے ملا۔؟" انہوں نے جھپٹ کر صندوقچہ لے لیا۔

"مگر ایک بات ہے۔ براہ کرم اس کی تفصیل سے مطلع کریں۔ کیا آپ نے پہچانتے ہیں۔؟"

"بگڑ کر۔ اصغر الدولہ نے اس کا بھی کاغذات کے تھے۔"

"تب براہ کرم آپ اسے کھول کر دیکھ لیں۔" طاقت نے کہا اور پھر اس نے صندوقچہ کا تالا کھول دیا۔ نواب جلال الدین نے بے چینی سے صندوقچہ کھولا اور اس میں سے ایک ایک دستاویز نکال کر دیکھنے لگے۔ ان کی حالت پاگلوں کی مانند تھی۔ ہونٹ خشک تھے اور وہ آنکھیں پھاڑ کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔ بے چینی سے پکڑ کر تبدیل کر رہے تھے کہ انہی کے کاغذات ہیں۔ خود بیگم نواب بھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کاغذات کو دیکھ رہی تھیں۔

نواب صاحب کی حالت اعتدال پر آتی جا رہی تھی۔ اس وقت وہ اپنی حیثیت بھول گئے تھے اور بچوں کی طرح خوش نظر آ رہے تھے۔ ہم دونوں خاموشی سے انہیں دیکھتے رہے اور پھر نواب صاحب نے آخری کاغذ بھی دیکھ لیا۔ اس کے بعد وہ ہماری طرف متوجہ ہو کر بولے۔ "یہ کہاں سے آ گیا؟ خدا کے لئے مجھے بتاؤ تو سہی یہ کاغذات کہاں سے آ گئے۔؟"

"ان کے علاوہ اور کچھ ہے اصغر الدولہ کے پاس۔" بہ طاقت نے ان کی بات کا جواب دیئے بغیر پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ اب تو کچھ بھی نہیں ہے میری حیثیت ہاتھ کاغذات میں پوشیدہ تھی۔"

"اگر اصغر الدولہ کبھی آپ پر حرف لے کر آتا تو انہی کاغذات کے ذریعہ۔"

"ہاں۔ لیکن اس کے پاس میرے خلاف کچھ بھی نہیں ہے۔"

"تب۔ براہ کرم انہیں مجھے دیدیجئے۔" طاقت نے کہا اور نواب صاحب نے صندوقچہ طاقت کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ طاقت اسے لے کر آتشدان کے نزدیک پہنچ گیا۔ اور پھر اس نے پورا صندوقچہ آتشدان میں ڈال دیا۔ نواب صاحب کے چہرے پر سرخی آ گئی۔ ان کی آنکھیں پتلے موتیوں کی مانند پھیلتی گئیں۔ وہ خود مبہوت سے ہاتھ مل رہے تھے۔ جب صندوقچہ اور کاغذات جل کر راکھ ہو گیا تو انہوں نے مسرت سے بھرپور لہجہ میں کہا۔

"اللہ۔ اب تم بتا دو۔ یہ کہاں سے آیا؟"

[illegible] نواب صاحب [illegible]

[illegible] نواب صاحب [illegible]

[illegible] نواب صاحب [illegible]

"...ے لیے ل...! ہنس کر کہا۔
"آپ کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ میں نے کہا ہے نا۔"
"جی نہیں۔ وہ تو میں آؤں گا۔ ہنس کر بولا۔
"میں آپ کو شکر کرنے کا موقع نہیں دوں گا۔"
فرمانے لگے۔
"نہیں ہے سلام کہنے۔ آپ نے کہا۔
"وہ بھی ناشکرے کی نشانی ہے۔ کہا۔ "میں تو
"بھول جاؤں گا۔ ہنس کر بولا۔
"یہ نہیں جانتے کہ آج مجھے کیا مل گیا ہے۔
"آپ کی اس عنایت پر میں سو بار سر نہ کے لیے تیار ہوں۔ مجھے اس
کی یہ معلوم ہو جائے تو وہ شکر گزار ہوں گا۔ میں نے لجاجت سے کہا۔
"تو سنیے صاحب۔ کہ یہ آپ بیٹے کے بے شعور کے
چلال سے امید ہو گئی ہے۔ نواب صاحب کی جسمانی نہیں ہوگئی ہے
اور بے بھروسہ ہیں آپ کی تندی اعصاب کے ساتھ ہونے کا اطمینان کر لیا
جلال اور آپ کی سسرال کے لئے نعلبالخال کا انتخاب کر رہے ہیں جو آپ
آپ کے لئے بیٹے کی ناشکری کے شروع ہو جائے گا۔ کہ
"ف۔ ...لال جانے میں ہنس پڑی۔ لیکن وہ اٹھ گئی
تھیں تھی۔ گونہ کے سر آنے گرنا نظر۔
"الہ۔ ال۔ اب تم شکریہ کے انتظار کر مجھے سرخرو نہ خط۔
میں کہتا ہوں آپ شادی کی خبر شکر تو پھر گے جاؤ۔ وہ بھی میں دیا جائے
۔ گر تم۔ "ملال جانی۔ ہنس نے آنکھ جھکاتے ہوئے کہا۔
"...ے میرا تمہارا سسرال کا شتہ ہی تو ہے۔ خیر۔ اصل
گھڑا ہوا۔ طالت نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں بدلے سے اٹھ کر ہنستی ہوئی
باہر چلی گئی۔ طالت نے چیک لکھنا بند کر دیا تھا۔ پھوا سے
سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔ اس کی دلکاری ہنسی آ رہی تھی۔
اصل کا سب وقت تھی۔ سب خوش و خرم تھے۔ ہنس بہو کو
گھر بھیجنے کے لئے ہوا کے ہوا کے ساتھ ہو جاتی، نواب صاحب بھی نواب کی ہنسی
کیفیت میں تھے۔ شتے پر طالت نے نواب صاحب سے جانا کہ
میں ہنس کی رخصتی آنے کے سلسلے میں ضروری انتظامات
کر لیا جائے تو نواب صاحب۔ اس نے آپ کے بعد کام کرنے کا ہے
"...ے بلکہ انتخاب کرنا ہے۔ نواب صاحب نے پوچھا۔
"بھئی انتخاب تو کر لیا۔ نعلبالخال کا "آپ نے نہ حقارت سے
دیہات ہے گا۔ میں شادی کے تذکرہ کو ملتا ہوا ہو نہ ہو ہی ناراض ہی
سے آئے گا۔ اور ضروری ہے کہ شادی کی تیاریوں کے لئے ہی شکر آپ
میرے ہاں جائیں گے۔ ہمارے تین دن سے ہفتوں کے لئے تیار کر لیتے ہیں ہوں
ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے یہاں کا وقت نہیں لگے گا۔"

"...ہ ہے کہ ہنس کے ہاتھ تم لوگ ہی یہاں سے ہنسا لیا کر
تمام لوگ دیے ہی آ جائیں گے۔"
"آپ کا یہاں آنا ضروری ہے۔"
"بہت سے خبر ہوں گے۔ میں ہی ہوں گا۔ میں کیا کام ہوں
اس ہدایت کا اور شیں اکٹھا ہو گئی ہیں۔" نواب صاحب نے کہا۔ اور پھر ٹھٹھ
کے ہدم نواب صاحب بے بلست ہو گئے۔
"تم جیں جاؤ گے۔ کہ تم کام کا تو مجھے ہے۔ میں نے کہا
کچھ کام نہ ہوں۔"
"یہ آپ کے حالے۔" طالت نے لمسا کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔
نواب صاحب ہنس دیے
"شکریہ۔ شکریہ۔" وہ بولے۔ اور پھر ہم تیار ہو کر وہاں سے نکل
آئے۔ طالت نے کار نعلبالخال اور ہنس فال کی طرف چلا دی۔ نعلبالخال
کے نزدیک پہنچ کر طالت نے گاڑی روک دی اور پیدل مجھے۔ مکان کا فاصلہ بہت
لگا۔ یونہی اس نے پیش کیا اس کے بارے میں غور کر کے اندازہ ہو جاتا
کہ وہ کیسا خوبصورت مکان ہوگا۔ پھر اس نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اور ہم
جھکا کر کھڑا ہو گیا۔ "تم سمجھتے ہو اس۔ میں کیا چاہتا ہوں؟"
"غلام سمجھ گیا ہے آقا۔" دام نے جواب دیا۔
"میں تو سب سے پہلے اس طالت کے گرد دیواریں کھڑی کا اسے مکمل
کسی کو اندر کا حال نہ معلوم ہو سکے۔ اس کے بعد کام شروع کر دو۔"
"جو حکم آقا۔" دام نے بدستور گردن جھکائے ہوئے کہا۔
"اور کوئی خاص بات۔؟"
"کوئی خاص بات نہیں آقا۔ آپ کی طرف سے مستعد جاسوس لگے
اتنی خدمت کا خیال ہے کہ اب آپ کو آزاد چھوڑ دیا جائے۔ آپ اپنا کام
لیں اور آپ کا دل بھر جائے تو خود ہی واپس آ جائیں گے۔"
"ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے یہ فیصلہ ہے بہرحال
دیکھا جائے گا۔" طالت نے کہا۔ اور پھر اس کے اشارے پر دام مکانوں
سے داخل ہو گیا۔
دام نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ ہم واپس ہو گئے۔ ہمارا قیام
شاہی گھنٹہ گھر کے قریب ان سے جو زر بلخال کے ایک عظیم شاندار علاقے میں
بلند و بالا دیواریں نظر آنے لگی تھیں جن کے دوسری طرف کا حال کسی کو معلوم نہیں
تھا۔ خود نواب صاحب کو بھی ان کے بارے میں معلوم ہو چکا تھا۔ انہوں نے مشاورت کے
مزاج کی، اور اس کے طریقہ تعیش کو دیکھنا چاہا تھا۔ لیکن طالت نے اجازت
کر لی تھی اور کہا تھا کہ یہ ان کا قومی فریضہ ہے جسے انجام کرنے کی سرکار پر اجازت
نہیں ہے۔ بہرحال نواب صاحب طالت کو کیا مجبور کر سکتے تھے۔
چند روز کی دلچسپیاں جاری رہیں۔ لیکن پانچویں دن ایک اور دلچسپ
واقعہ ہوا۔ نواب اصغرالدولہ اپنا لاؤ لشکر لے کر بلال آباد پہنچ گئے تھے۔ ان

کے متعلق ہمیں اس وقت معلوم ہوا جب ہمارے پاس ان کا پیغام پہنچا کہ وہ ہم سے
ملنا چاہتے ہیں۔ اس طرح اچانک ان کا پہنچ جانا کوئی بات ہو نہ ہو۔ محل کے
ہر فرد کو پریشان کر دینے کے لئے کافی تھا۔ یہاں تک کہ آنے والے
طالت سے اس سلسلہ میں کچھ گفتگو بھی کر چکا تھا۔ اور کہا تھا۔
"گو میں ریاست شادیا سے واقف نہیں ہوں۔ لیکن بہرحال کسی
ریاست کے نمائندے اس کے شاہی مہمان ہوا کرتے ہیں۔ آپ کے پیش سے
آپ کی پوزیشن کا اندازہ ہوتا ہے۔"
ہم نے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ بات کو ادھر ادھر ٹالنے کی کوشش کی تھی
صاحب، اور اصغرالدولہ میں خیر سگالی گفتگو ہوئی اور پھر اس گفتگو میں ہم
دونوں شریک کیوں نہ ہوتے۔ طالت کو اس سے بھری ہوئی دلچسپی تھی
ملاقات اس گفتگو میں بیگم نواب تک کو شرکت کی اجازت دے دی گئی تھی لیکن
طالت نظر نہ آنے والی حالت میں تھا اور میں بھی شاہ داد کے روشنے میں
چھپا ہوا تھا۔ ہم دونوں ہالا کی سے اس کمرے میں گھس آئے تھے اور ایک
گوشے میں خاموش بیٹھے تھے۔
گفتگو کا دائرہ اتنا وسیع نہ تھا۔ اور اصغرالدولہ کے کام
کرنے میں دراز نواب جلال الدین کو دیکھ رہا تھا۔
"جلال۔" اصغرالدولہ نے نواب جلال الدین کو مخاطب کیا۔ مجھے
علم ہو چکا ہے کہ شعیر نے یہاں آ کر تم لوگوں کے سامنے بھی بدتمیزی کا مظاہرہ
کیا ہے۔ دراصل۔ جب وہ ولایت سے واپس آیا اور میں نے اس کی
حالت دیکھی تو اپنے دوست میں خود پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے ہماری
روایات کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ میں اسے یہاں بھیجنے کے حق میں نہیں تھا
لیکن محبت۔ انسان کی سب سے بڑی کمزوری۔ اس کی ماں کو اس میں
کوئی خامی نہیں نظر آئی۔ اور اس نے اسے یہاں روانہ کر دیا۔ میں کو
پیسے دوست میں خود یہ تھا۔ اور وہی ہوا۔ وہ واپس پہنچ گیا۔ اور
جس حال میں پہنچا ہے، اس سے بہرحال ایک باپ کو تکلیف ہونا فطری امر ہے۔"
"میں شرمندہ ہوں اصغرالدولہ۔ لیکن اس کی اس حالت میں میرا
کوئی ہاتھ نہیں ہے۔" نواب جلال الدین نے کہا۔
"مجھے یقین ہے۔ مجھے اعتماد ہے لیکن جلال الدین۔ پہلے میں
تم سے ایک سوال کروں گا کیا اس کی بدتمیزی کی وجہ سے تم نے اپنے پوتے کے لئے
اصغر کو بھی دل سے نکال دیا ہے۔؟"
"ایسی کوئی بات نہیں ہے اصغرالدولہ۔" جلال الدین بولے۔
"مجھے یقین تھا میرے دوست۔ اور اسی لئے میں یہ سیدھا تمہارے
پاس آیا۔ جلال الدین تم جانتے ہو میری ایک ہی اولاد ہے۔ شہزاد سے میری
بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔ وہ ولایت کے ماحول میں بگڑ گیا ہے لیکن
تصور اس کا بھی نہیں ہے۔ ہم ہی خدا سے وہ ماحول لایا تھا اور وہاں اس کی
تربیت کا کوئی بندوبست بھی نہیں کیا تھا۔ میں یہ بھی جانتا تھا کہ وہ بچہ
لوگوں کو اس کے ساتھ لگتے ہوئے جھجکے گا۔ اس لئے اس کا سامان کے سکے
اسے ہدایت کر دی تھی۔ لیکن تم اس بات کو بھی انکار نہیں کر سکتے جلال الدین
کہ شعیر شہزاد کا باپ نہیں ہے۔ اس کے اس حق اور فرض سے بچنا بھی
ہے۔ اب اسے اس کی پرورش کرنی ہے۔ ہم اسے سنبھال سکتے ہیں لیکن
سدھار نہیں سکتے۔ ہم اس کے باپ نہیں ہو سکتے۔ تم کیا اس کے باپ ہو؟"
جلال الدین کچھ نہیں بول سکے۔ اصغرالدولہ کو بولتے گئے۔ لیکن
اصغرالدولہ کے چہرے کی سنجیدگی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔
"میرے دوست تمہارے اور اس کے مستقبل میں اس سے بہت کچھ ہو گیا
ہے۔ تو۔ بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔" اصغرالدولہ
کا جواب نہ تھا۔ پکا۔
"میرے دوست آپ کی کیا مراد ہے اصغرالدولہ۔" نواب صاحب
کے لہجے میں الجھن تھی۔
"تم نہیں سمجھے جلال الدین۔ مجھ سے کہو کہ کیا کہنا چاہتے ہو۔"
"بات تمہارے اور میرے ایک سمجھوتے کی تھی۔ جب تم نے اپنا دامن طالت کے ہاتھ
پر گیا تھا۔ میں نے تمہاری مدد کی۔ لیکن یہ مدد مشروط تھی۔ یعنی تم جلال آباد
کی تمام تر حیثیت اپنی بیٹی ہنس کو دے دو گے۔ بظاہر یہ ہنسنا ہوگا۔
لیکن حاصل..... بہرحال ہماری دوستی بھی ہے، اس لئے میں یہ کہنا فضول
نہیں کہنا چاہتا جو اس دوستی میں رخنہ انداز ہو۔"
"تم کہو اس کے بعد اصغرالدولہ۔ میں نے بھی کوئی شرط پیش کرنی
تھی۔ لیکن جانے دو۔"
"اغماز دوست تھے۔ لیکن فہمیدہ۔ کیا تم اس سے انکار کرو گے؟"
اصغرالدولہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"لیکن اصغرالدولہ شہزاد اب سمجھ رہے تباہی کے گڑھے میں گرا ہے
جو زمین اپنی بیٹی کے شوہر کے لئے تعین کر چکا ہوں۔ اور میرا خیال ہے کہ تم
قبول نہیں کر سکتے۔؟"
"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا جلال الدین۔ لیکن شعیر کے لئے
شہزاد اب محمود اس کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن۔؟"
"میں سمجھتا ہوں اصغرالدولہ۔ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ میں تمہارے تحفظ
کی ادائیگی کے لئے تیار ہوں۔ جلال الدین نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ اور اصغرالدولہ
اچھل پڑا۔
"کیا مطلب۔ یعنی کہ کیا مطلب۔؟"
"میں نے جو کہا ہے اس کا وہی مطلب ہے اصغرالدولہ۔ کیا
تمہیں کسی اعتراض ہے اس سے۔؟"
"مجھ۔ کائنات۔ مگر ان کی کیا مرضی تھی۔ اصغرالدولہ کی

کی بات زبان پر نہیں لائے گا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بال اور کپڑے درست کئے اور بولا۔ "اچھا اب میں چلتا ہوں۔ آپ کو تکلیف دی۔ معاف کیجئے گا۔"

"ٹھہرو۔" میں نے کہا۔ "تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔"

"میرا نام اسد ہے۔" اس نے کہا۔ "اسد بن عمر۔"

"اسد۔" میں نے دہرایا۔ "اچھا اسد۔ تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ کہاں رہتے ہو۔ کیا کرتے ہو۔ کچھ اور بتاؤ۔"

"میرا ٹھکانہ کوئی نہیں ہے۔" اسد نے کہا۔ "میں ایک مسافر ہوں۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ گھومتا رہتا ہوں۔ کبھی کبھی کچھ کام مل جاتا ہے۔ کبھی نہیں ملتا۔ اس وقت میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ کچھ دن سے فاقے کر رہا ہوں۔ اس لئے آپ سے کچھ مانگنے کی ہمت نہیں ہوئی۔"

"اسد۔" میں نے کہا۔ "تم نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے اس پر مجھے یقین نہیں آتا۔ تم کچھ اور بھی بتاؤ۔ ورنہ میں سمجھوں گا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے۔"

"میں نے جھوٹ نہیں بولا۔" اسد نے کہا۔ "میں نے سچ بات بتائی ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں آتا تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ میں نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا ہے وہ سچ ہے۔ اس کے علاوہ میرے بارے میں اور کچھ نہیں ہے

یہیں ایک پہاڑی پر ہے۔ اس کی بہت کے ساتھ سب کچھ ختم ہو گیا۔ ہماری
روزی اور گھوڑوں کو تو اب بھول ہی جاؤ۔ کسی قابل نہیں رہے تم۔
بیگم صاحب ہاں کی عیادت بھی نہیں کسی تسلی دے سکیں گی۔
آپ کے خادم ۔ سالم الدین۔

طالوت نے خط بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ وہ بہت کچھ سمجھ
گیا تھا۔ اس نے خط بند کر کے ایک طرف رکھ دیا۔ "تو یہ ہم سمجھ گئے
ہوں گے کہ نواب صاحب کی تجارت ختم ہو گئی۔ اب وہ گھوڑوں کی
خرید و فروخت نہیں کریں گے۔ ہمیں اپنی روزی کا انتظام کرنا ہو گا۔"
طالوت نے کہا۔ "ہاں۔ ہمیں اپنی روزی کا انتظام کرنا ہو گا۔"
"ہاں۔ ہاں۔ ہمیں اپنی روزی کا انتظام کرنا ہو گا۔" وہ کہتے کہتے
رک گیا۔ "لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہم تو صرف گھوڑوں کی
خرید و فروخت کرتے ہیں۔ ہم نے تو کبھی کوئی اور کام نہیں کیا۔"
"ہم کچھ اور بھی کر سکتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔ "ہم نے
گھوڑوں کی خرید و فروخت کے علاوہ بھی بہت کچھ کیا ہے۔"
"ہاں۔ ہم نے بہت کچھ کیا ہے۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔
"لیکن وہ سب کچھ ہم نے نواب صاحب کے لیے کیا تھا۔ اب
نواب صاحب ہی نہیں رہے تو ہم کیا کریں گے۔"
"ہم کچھ نہ کچھ کر لیں گے

[illegible] ہوئے تھے۔ ایک [illegible] کے ساتھ [illegible] ہوئے تھے۔ ایک [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible] ہوئے تھے۔ [illegible] ہوئے تھے۔

[illegible] ہوئے تھے۔

مجاہد

۸ حصوں میں مکمل

وہ کہانی جسے آپ کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ علی یار خاں کی تہلکہ خیز داستان، آزمائش کی کڑی دھوپ میں ایک جانباز مجاہد کی سرگزشت، ایک راندۂ درگاہ قوم کی عیاریوں کا طلسم خانہ، ایک ٹھکرائے ہوئے قبیلے کی وحشتوں کا خوں رنگ فسانہ۔ منظرِ عام پر آنے کیلئے بے قرار ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/45 قیمت فی حصہ مجلد: -/60

خالی گھر

۲ حصوں میں مکمل

خوف، پراسرار اور ماورائی واقعات پر مبنی ایک دلچسپ داستان، ایک ایسے جن کی کہانی جو ایک حسین و جمیل لڑکی کی زلف کا اسیر ہو گیا تھا۔

انوار خلیلی کی قلم کا جادو۔ بہت جلد جلوہ گر ہو رہا ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50

پراسرار داستان

خوف، پراسرار اور ماورائی واقعات پر مبنی ایک اور دلچسپ داستان، ہوشربا اور خالی گھر کے خالق، انوار خلیلی کی قلم سے ایک ایسی ناقابل فراموش سرگزشت بہت جلد جلوہ گر ہونے کیلئے تیار ہے۔

ایک ہی حصہ میں مکمل

قیمت رف: -/45 قیمت مجلد: -/60

تین شیطان

تین حصوں میں مکمل

ایم اے راحت کا ایک اور تہلکہ خیز ناول پراسرار، طنز و مزاح اور جاسوسی کہانیوں کے پرستاروں کیلئے تحفہ۔ یہ تین شیطان کون تھے ایک ایسی دلچسپ داستان جسے آپ نے آخر تک نہ پڑھا ہو گا۔ بہت جلد جلوہ گر ہو رہا ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50

کتاب والا 2794، گلی جھوت والی، پہاڑی بھوجلہ، دہلی-110006

ہو گئی ہے۔ ہم تو پہلا حصہ دیکھ کر ہی
نہ سینما گھر سے آ گئے تھے۔
بھئی۔ کیا ہو گیا۔ ؟ مجھے بھی بتاؤ نا۔
وہ۔ کچھ نہیں ہوا۔ بس ہمارا صاحب کیا کہا جائے
کہتے ہیں۔"

ماسٹر جی کی موت کیسے ہوئی۔ اس کے بارے میں
کہتے ہیں۔ کسی معمول کی تلاش میں وہ وہاں گئے تھے۔ اس کے بعد کوئی
اپنے نہیں سکا۔"

"ہوں۔" جمیل بھائی کے منہ سے نکلا۔ پھر بولی بھائی بھی گئی۔ اور
پھر لڑکے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اے تو بتا۔ اپنا سینما میرا صاحب ہے
صاحب کو پہلا شو بلا لے۔ شاید کم از کم آدھا ہال تو آسانی سے بھر جائے گا۔ ہاں
تو ہے۔ ہاں۔ آج رات ہی ہے۔ فلم کا نام ہے "ہپناٹزم کی موت"۔ ہاں
ہے۔ ہم نے ہی ڈسٹری بیوٹر سے یہ فلم لی ہے۔ بڑی خوفناک فلم

اقابلا

دو حصوں میں مکمل

تاریک براعظم کے پراسرار ماحول میں جنم لینے والی ایک حیرت انگیز داستان جہاں کالے جادو اور نیکی کے مقابلے برملا ہوتے تھے۔ ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی جہاں نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کی جاتی تھی۔ ایک سیاح کی زندگی کے لرزہ خیز واقعات جسے سمندر کی سرکش موجوں نے اٹھا کر اقابلا کے دیس میں اس کے قدموں میں ڈال دیا تھا۔ ایک بار پھر جلوہ گر ہونے کو بے قرار ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/45 قیمت فی حصہ مجلد: -/60

غلام روحیں

میاں شاہد علی کی داستانِ حیات۔ ایک مجبور اور بے بس شخص کی الم انگیز کہانی زندگی کے نشیب و فراز۔ گناہ و ثواب، اندھیروں اور اجالوں، وقت اور حالات کے بھنور میں جنم لینے والی ایک بصیرت افروز کہانی۔ تہلکہ مچانے ایک بار پھر آ رہی ہے۔

قیمت رف: -/35 قیمت مجلد: -/50

طالوت

۳ حصوں میں مکمل

ایم اے راحت کا ایک تہلکہ خیز ناول جسے قارئین آج تک نہیں بھولے، پراسرار، طنز و مزاح اور جاسوسی کہانیوں کے پرستاروں کیلئے ایسی دلچسپ داستان آپ نے آج تک نہ پڑھی ہو گی۔ ایک بار پھر آپ کے ہاتھوں میں آنے کیلئے بے قرار ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50

انکا

۲ حصوں میں مکمل

ایک زہرہ جمال فتنہ خصال کے ماورائی کمالات کا قصہ۔ اپنے وقت کی مقبول ترین کہانی "جمیل احمد خان" کی سرگزشت۔ ۶۵ انچ کی گڑیا جو بڑے شہ زوروں سے زیادہ طاقت کی مالک تھی۔ ایک ایسی ناقابلِ فراموش داستان جس میں حسن کی رعنائیاں بھی ہیں۔ ازل سے جاری خیر و شر کی کشمکش میں ایک حیرت انگیز معرکہ آرائی۔ ایک بار پھر بہت جلد جلوہ گر ہو رہی ہے۔

قیمت فی حصہ رف: -/40 قیمت فی حصہ مجلد: -/50

: کتاب والا 2794، گلی جھوت والی، پہاڑی بھوجلہ، دہلی۔006

www.urdukorner.com

سسپنس و ایکشن کا مقبول ترین سلسلہ

دوسرا حصہ

طاغوت

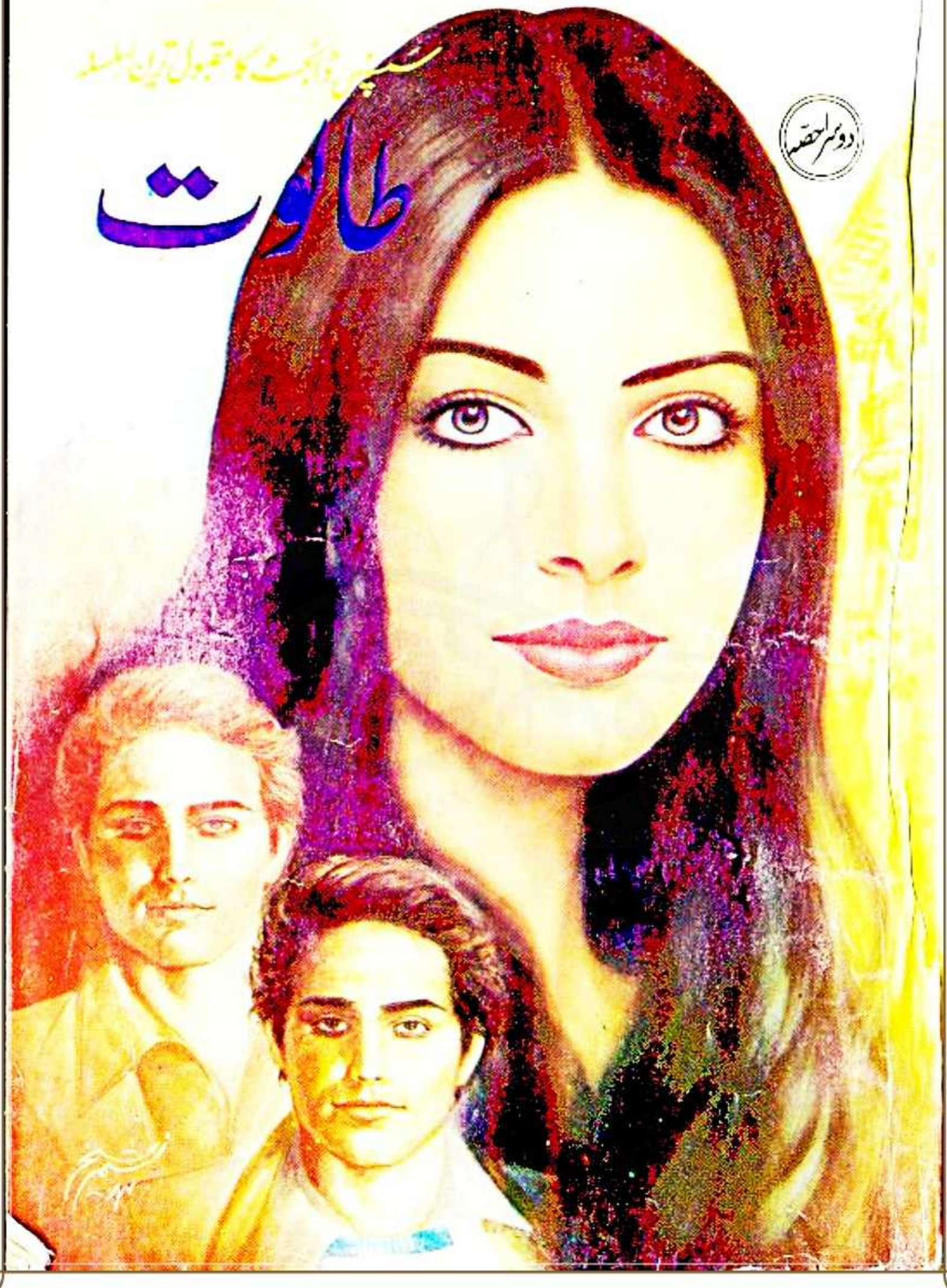

www.urdukorner.com

طالوت

"اگر آپ اجازت دیں رانا صاحب تو میں باہر کے علاقے کی سیر کرلوں۔"

"چائے نہیں پیو گے سیکریٹری؟" طالوت نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ان کی چائے باہر چلی جائے گی۔ ویسے بھی آقا اور نوکر ایک ساتھ چائے پیتے بھلے نہیں معلوم ہوتے۔ ٹھیک ہے تم باہر کی سیر کرو۔" روشیلا نے کہا اور میں سعادت مندی سے اٹھ کر باہر چلا آیا۔

نواب جلال الدین کے جلال آباد میں بڑے ستھرے اور پاکیزہ ماحول میں زندگی بسر کی تھی' خاصا وقت وہاں گزارا تھا۔ اس کے بعد یہ تبدیلی کافی دلکش تھی اور پھر طالوت ایک اور انوکھے ماحول سے روشناس ہونے جارہا تھا۔ اس لیے میں نے اسے پورا پورا موقع دیا اور اسے اور روشیلا کو خیمے میں تنہا چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے طالوت کو فی الحال کوئی خطرہ نہیں تھا اور پھر اسے خطرہ ہو بھی کیا سکتا تھا۔

باہر فلم ڈائریکٹر میری تاک میں تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً میری طرف چھلانگ لگائی "ہو ہو۔ آؤ جی سیکریٹری صاحب۔ خدا کسم ہمارے ساتھ چائے پیو تو ہمارے کو بہت خوشی ہوئیگا۔"

"سیٹھ روئی والا واپس آگیا؟" میں نے اس کے ساتھ اس کے خیمے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ارے آگیا سالا۔ کھالی پیلی بوم مارتا۔ ارے جب مس روسیلا ہی سوٹنگ کو تیار نہیں ہوئیگا تو پھر وہ کیا کرلیس گا۔ ایں' تم بولو بھائی۔ کیا ہمارے کو دوپٹہ اوڑھا کر اغوا کرا لینگا۔ ہی ہی ہی۔" ڈائریکٹر ہنستے ہوئے بولا۔

"بالکل بالکل۔" میں نے گردن ہلائی اور سامنے دیکھنے لگا' جہاں سیٹھ روئی والا کچھ لوگوں پر بگڑ رہا تھا۔ اس کا موڈ بہت خراب معلوم ہورہا تھا۔

"آؤ یار۔ میں چائے بولتا ہوں۔ آؤ۔" ڈائریکٹر مجھے اپنے خیمے میں لے گیا' اور پھر مجھے ایک کرسی پر بٹھا کر باہر نکل گیا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ اب مجھے اپنا ماضی یاد نہیں آتا تھا۔ حالانکہ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ لیکن طالوت کی ہنگامہ خیزیوں میں' میں سب کچھ بھول گیا۔ اور کوئی بات یاد رکھنا حماقت تھی۔ خاصی دلچسپ زندگی گزر رہی تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس نئے ماحول میں کون کون سی دلچسپیاں پوشیدہ ہیں۔

ڈائریکٹر اندر واپس آگیا۔ اور میرے سامنے فولڈنگ اسٹول کھول کر بیٹھتے ہوئے بولا "اپن کو عبدل بھائی بولتا سیکریٹری صاب۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"گولر بھائی۔" میں نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ایں۔ کیا بولا؟" ڈائریکٹر نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ لیکن میرے چہرے پر سنجیدگی کے سوا کچھ نہ تھا۔ وہ پہلے مسکرایا پھر سنجیدہ ہوگیا۔ اس نے میرا نام تسلیم کرلیا تھا۔ چند ساعت خاموش رہنے کے بعد وہ پھر بولا "اے گولر بھائی' تمہارا سیٹھ' میں بولا رانا صاحب بہت گریٹ آدمی معلوم ہوتا ہے۔ شکل صورت سے تو تم دونوں خدا کسم ہیرو لگتا ہے۔ ایک دم فس کلاس والا ہیرو۔ پن تم بھوت شان دار لوگ ہے۔ ہمارے کو تم سے مل کر بھوت کھوسی ہوا۔"

"شکریہ عبدل بھائی۔"

"ارے شکریہ وکریہ کا کیا بات ہے۔ ہم تو تمہارا مہمان ہے۔ میں تمہارا سینھ کو ترجمہ کرنا پڑا ہے۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟" میں نے چونک کر کہا۔

"ایں۔ کچھ نہیں ہوا۔ کچھ نہیں ہوا۔ میں بولتا رانا صاحب کا لیا کاروبار کرتا ہے؟"

"اسے کاروبار کی ضرورت کیا ہے عبدل بھائی۔ اس کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ کسی معمولی سی تفریح پر وہ میں ہاتھ خرچ کر دینا اس کے لیے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔"

"ہو ہو ہو۔" عبدل بھائی کے منہ سے لپکپاتی ہوئی ہنسی نکل گئی اور پھر وہ لرزتے ہوئے لہجے میں بولا "ارے تم بیکار اپنا سینھ کو تکلیف دیتا ہے۔ میرا مطلب ہے رانا صاحب کو بولو پھلم بنائے۔ خود کسم بولتا آدمی ہوتا ہے اور سیرت انگیز۔ ہمارے ساتھ چلو۔ اور رانا آرٹس پلیس کے نام سے پھلم کمپنی کھول دو۔ ہمارا کچھ مت خاجر ہے۔ ہم نے پورا ڈیزن پھلم ڈائریکٹ کیا۔ سب ماسب ہٹ کیا۔ خدا کسم تمہارا دعا سے ہمارا بھوت نام ہے۔"

"میں رانا صاحب سے بات کروں گا۔ بشرطیکہ انہیں تمہارا ماڈل پسند آجائے۔ روشیلا سے کہو رانا صاحب کو مائل کرے۔ بس کام بن جائے گا۔"

"سب کام بنے گا یار۔ بس تم دیکھتا رہو۔ پن تمہارے کو ہمارا ساتھ دینا پڑے گا۔"

"میں تیار ہوں۔ مگر تمہارا میٹھ گڑبڑ نہ کرے۔ وہ رانا صاحب سے خار کھا رہا ہے' اگر اس نے رانا صاحب کو ناراض کردیا تو بات بگڑ جائے گی۔"

"ارے صرف کل کا بات اور ہے۔ اپن سینھ کا دھیل نہیں ہے۔ کل سارا سونگ کرلے گا اور پھر ادھر ہٹ جائے گا۔ ویسے ہم سینھ کو سمجھاوے گا۔ تم پھکر مت کرو۔"

عبدل بھائی نے کہا اور اسی وقت اہل ڈہل چائے آگئی' ایک تو مس روشیلا نے بھجوائی تھی' دوسری عبدل بھائی نے منگوائی تھی۔ چنانچہ ہم نے ڈہل ڈہل چائے پی اور چائے کے ساتھ عبدل بھائی میرا بھیجہ ہوا تناول فرماتے رہے۔ انہوں نے مجھے فلم بنانے کے لیے تیار کر کے ہی چھوڑا تھا۔

کافی دیر کے بعد میں عبدل بھائی سے جان چھڑا سکا اور مس روشیلا کے خیمے کی طرف چل پڑا۔ روشیلا اور طالوت اندر موجود تھے۔

"میں آسکتا ہوں؟" میں نے دروازے سے ہی اجازت طلب کی۔

"آہو مسٹر سیکریٹری' اندر آجاؤ۔" طالوت سے پہلی نے کہا اور میں اندر داخل ہوگیا۔ طالوت کے چہرے پر مختلف تاثرات تھے۔ اس کی وجہ مجھے فوراً معلوم ہوگئی۔

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ گویا روشیلا طالوت کو فلم بنانے پر راضی کر چکی ہے "کیا پروگرام ہے باس؟" میں نے طالوت کو مخاطب ہوتے کہا۔

"مس روشیلا بہت اچھی دوست ہیں سیکریٹری۔ ہم کچھ وقت ان کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ کیا تمہیں کوئی اعتراض ہے؟"

"غلام کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے' بہتر شاید سینھ روئی والا اسے پسند نہ کرے۔"

"وہ کون ہوتا ہے پسند یا ناپسند کرنے والا۔ اس کی کیا مجال ہے' رانا صاحب میرے مہمان ہیں۔" روشیلا نے دخل دیا۔

"تب ٹھیک ہے۔ ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"سیکریٹری میرے بچپن کے دوست بھی ہیں مس روشیلا۔ اس لیے میں ان کی مرضی کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔"

"اوہ یہ تو بہت اچھی بات ہے سیکریٹری صاحب۔" روشیلا کا لہجہ بدل گیا "ویسے آپ کے رانا صاحب بہت عمدہ انسان ہیں۔ میں انہیں دل سے پسند کرنے لگی ہوں۔"

"دل سے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"ہاں۔ دل سے۔" روشیلا نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ میں گزرا آدمی ہوں اور مجھے سنبھالنا ضروری ہے' میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بہرحال اس مسئلے پر رانا صاحب سے گفتگو کرنا بھی ضروری تھا۔ ویسے یہ بات تو ہمارے پروگرام میں شامل تھی کہ اس ماحول کو بھی اندر سے دیکھا جائے۔

رانا عزیز الدین روشیلا کے منظور نظر تھے اور روشیلا کی نظر سب کو منظور تھی' اس لیے سینھ روئی والا بھی نرم ہوگئے اور فوری طور پر ہمارے لیے ایک خیمہ خالی کرا دیا گیا۔ خیمے کے مکینوں کو دوسروں کے ساتھ کردیا گیا تھا۔ بہرحال ہم اس چھوٹے یونٹ کی نگاہ میں تھے اور ہمارے بارے میں طرح طرح کی افواہیں پھیل رہی تھیں۔ ابھی تک مس روشیلا نے طالوت کو نہیں چھوڑا تھا' اس لیے مجھے اس سے تنہائی میں گفتگو کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن مغرب سے کچھ پہلے مجھے یہ موقع مل ہی گیا۔ اس وقت مس روشیلا اپنی ذاتی سے کسی مسئلے

پر گفتگو کرنے چلی گئی تھیں۔ میں اور طالوت اپنے خیمے میں آگئے۔

اندر آتے ہی طالوت ہنس پڑا تھا "یار عارف۔ بڑی عمدہ جگہ ہے۔ مزہ آگیا۔"

"ہاں بھائی۔ تیری قسمت میں مزے ہیں۔ مزے کر۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"مزے تو تم بھی کرسکتے ہو۔ دوسری لڑکیاں بھی موجود ہیں۔"

"وہ لڑکیاں ہیں؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"خیر لڑکی تو یہ روشیلا بھی نہیں ہے۔ لیکن اس ویرانے میں غنیمت ہے۔ یار کیوں نہ ہم باقاعدگی سے اس ماحول کا پوری طرح جائزہ لیں۔ مجھے تو یہاں کی زندگی بہت دلچسپ معلوم ہوئی ہے۔"

"طالوت۔" میں نے سرزنش کے انداز میں کہا "میری ہدایت یاد ہے؟"

"یاد ہے۔ ایمان سے یاد ہے۔ تم فکر مت کرو۔ اب میں کسی کے پھندے میں نہیں پھنسوں گا۔ وقتی تفریح میں کیا حرج ہے؟"

"ہاں۔ وقتی تفریح میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"وہ مارا۔ گویا تمہاری طرف سے تھوڑے عرصے کے لیے اس ماحول میں رہنے کی اجازت ہے؟" طالوت نے خوش ہوتے کہا۔

"ہاں ہاں۔ یہ تو ہمارے پروگرام میں شامل تھا۔"

"زندہ باد۔" طالوت خوشی سے اچھلتے ہوئے بولا۔

"اس نے کیا کشتو کی؟"

"یار۔ پھر میں لانے کا فن بخوبی جانتی ہے۔ ایسے ایسے جال ڈالے ہیں کہ اگر تمہاری ہدایات اور اپنا تجربہ شامل نہ ہوتا تو میں تو خود کو زندگی بھر کے لیے اس کی غلامی میں پیش کردیتا۔"

"کیا کہہ رہی تھی؟"

"یہی وہ تین چار ہزار بار سے میرے اوپر عاشق ہوگئی ہے۔ اس سے کبھی اپنی زندگی میں اتنا محسوس کرتی رہی تھی۔ جس میں اچانک کمی بھر گئی ہے۔ اور اب وہ میرے بغیر زندگی گزارنے کو موت پر ترجیح دے گی۔ اس نے مجھے دعوت دی کہ میں اسے چند گھنٹوں کے پھر اپنی حسین صورت اس کی نگاہوں سے اوجھل نہ کروں۔"

"خوب خوب یہ باتیں تو اسے زبانی یاد ہوتی ہیں کیونکہ ہر فلم میں دہرائی جاتی ہیں اور بتاؤ۔"

"اور کچھ سے کیا مراد ہے؟"

"کوئی عملی ثبوت بھی پیش کیا۔"

"عملی۔ میرا مطلب ہے عملی۔" طالوت گھبرا کر بولا۔

"خیر۔ خیر۔ پریشان مت ہو۔ میں خود بتا دوں۔ اس سے کہو کس پروف لپ اسٹک استعمال کیا کرے۔ ورنہ تبدیل کے رخساروں اور ہونٹوں کے نشان اس کا راز طشت از بام کردیتے ہیں۔"

"ارے توبہ توبہ۔" طالوت نے منہ پیٹتے ہوئے کہا۔

"نہیں طالوت۔ یہ مقام توبہ نہیں ہے۔ ان لوگوں کی زندگی یہی ہے۔" میں نے کہا۔ اسی وقت باہر سے عبدل بھائی کی آواز سنائی دی۔

"اے گولر بھائی۔ کیا تم اندر ہوتا پڑا ہے۔ اے میں اندر آسکتا ہوں؟"

"گولر بھائی؟" طالوت نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔ عبدل بھائی کو گولر بھائی سے مل کر بہت کھوئی ہوا تھا' اس لیے میں گولر بھائی بنا گیا ہوں۔ خیال رکھنا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور طالوت بھی ہنس پڑا۔

"دیکھیں اس پر کیا بیتی ہے۔" میں نے کہا اور باہر نکل آیا۔

"آؤ گولر بھائی۔ ہم سالا تمہارے کو سارے میں تلاش کرتا پڑا۔" عبدل بھائی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے عبدل بھائی۔"

"وہ مس روشیلا تمہارے کو بلاتا۔ کھانے کے پہلے کھانے کو ہیں' اس نے روئی والا کو تیار کرلیا ہے۔"

"کہاں ہیں؟"

"روئی والا کے ہیٹ کے پاس اسکرین لگایا ہے اور پروجیکٹر بھی سیٹ ہوگیا ہے۔"

"ٹھیک ہے عبدل بھائی۔ تم چلو' میں رانا صاحب کو لے کر آتا ہوں۔" میں نے کہا اور عبدل بھائی چلا گیا۔

"کیا کہہ رہا تھا؟" طالوت نے پوچھا۔

"آؤ فلم دیکھیں۔" میں نے کہا اور طالوت دلچسپی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خلاف توقع اس وقت روئی والا نے بھی ہمارا بہترین استقبال کیا تھا۔ روشیلا نے شاید کہہ کر طالوت کو دعا اور پھر اس کے بازوؤں میں بازو ڈال کر کرسیوں کی طرف بڑھ گئی۔ میں بھی طالوت کے برابر دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔ میرے برابر عبدل بھائی' روئی والا اور دوسرے لوگ بیٹھ گئے۔ باقی لوگ پیچھے صف میں تھے۔

پروجیکٹر آن ہو گیا اور فلم چلنے لگی۔ یہ ریلیں مکمل تھیں۔ پہلے منظر میں ہیرو جاوید کو نوکری کی تلاش میں مارے مارے پھرتے دکھایا گیا تھا۔ پھر اس کی ملاقات سیٹھ صاحب کی لڑکی سے ہوئی۔ یہ روشیلا تھی جس نے جاوید کو پیار بھری نظروں سے دیکھا اور اس کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔

پھر دوسری ریل لگائی گئی' اس میں ہیرو اور ہیروئن کا رومانس تھا۔ ایک خوب صورت باغ کا منظر تھا جہاں دونوں چھلانگیں لگاتے پھر رہے تھے۔ ہیرو حلق پھاڑ پھاڑ کر ایک گانا گا رہا تھا۔ انتہائی درجے کی اچھل کود کے باوجود اس کا سانس نہیں پھولا تھا اور آواز میں لرزش نہیں تھی۔ روشیلا رقص کے دوران اپنے پورے جسم کا ناپ بتا رہی تھی۔ وہ کبھی گھاس پر قلابازیاں کھاتی' کبھی پانی میں اچھل کود مچاتی۔ یہاں تک کہ دونوں ایک چٹان کی آڑ میں پہنچ گئے۔ تب جاوید صاحب کی آواز ابھری۔

"نیلم۔ نیلم۔ تم نے مجھے نئی زندگی بخش دی ہے۔ نیلم۔ کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ مجھے بتاؤ نیلم۔ مجھے اس خواب سے بیدار تو نہ ہونا پڑے گا۔"

اس نے روشیلا کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ خواب تو ہماری زندگی ہیں جاوید۔ دعا کرو کہ ہمیں انہی خوابوں میں موت آجائے۔ ہماری آنکھ کبھی نہ کھلے۔ تم میری روح ہو جاوید۔ روح بنا زندگی ناممکن ہے۔ مجھے چھوڑ تو نہ دو گے جاوید۔"

"عارف۔" طالوت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ہوں۔" میں چونک پڑا۔

"یہ سسری بھی فراڈ ہے۔ سو فی صدی فراڈ!"

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"بالکل اسی انداز میں مجھ سے بکواس کر رہی تھی۔ ذرا بھی فرق نہیں ہے۔"

"میں نے پہلے ہی بتا یا تھا لیکن فکر مت کرو' جس طرح جاوید نے اس کی بات پر یقین نہیں کیا تھا' اسی طرح تم بھی مت کرو۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی یہ فلم ہے اور جاوید جانتا تھا کہ یہ بکواس کر رہی ہے۔ اس لیے وہ صاف بچ گیا۔ ورنہ آج یہ اس کی بیوی ہوتی۔"

"تجربہ کار آدمی ہوگا۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔ رومانی منظر اب بھی چل رہا تھا اور روشیلا کا سر جاوید کے سینے پر ٹکا ہوا تھا۔ اچانک روشیلا نے طالوت کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"میری اداکاری کیسی ہے ڈارلنگ؟"

"بہت عمدہ۔ بے مثال۔" طالوت نے زہریلے لہجے میں کہا لیکن روشیلا اس کے لہجے کے طنز کو نہ سمجھی اور اس نے پیار سے طالوت کی کلائی پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کا شکریہ ادا کیا۔

فلم کی چند بے ربط ریلیں تھیں جو ختم ہو گئیں۔ زیادہ تر رومانی مناظر تھے۔ ریلیں ختم ہونے کے بعد چائے کا دور چلا جو روشی والا کی طرف سے تھا اور میں روشی والا کی خاطر مدارات کا مطلب بھی تھوڑی دیر کے بعد سمجھ گیا۔ بات روشی والا کے سیکریٹری نے شروع کی تھی۔

"کیا آپ کو ہماری فلم کے مناظر پسند آئے رانا صاحب؟"

"ہاں۔ بہت عمدہ تھے۔ میں نے زندگی میں پہلی بار فلم دیکھی ہے۔ مجھے حیرت ہوئی ایک ہی شخصیت' میرے پاس بھی موجود تھی اور میرے سامنے بھی۔"

"اس دور میں یہ حیرت انگیز بات ہے کہ کسی نے فلم نہ دیکھی ہو۔ بہرحال آپ کی پسندیدگی کا شکریہ۔ لیکن رانا صاحب' ہماری ایک درخواست ہے۔"

"کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"سیٹھ روشی والا نے دس کے قریب فلمیں بنائی ہیں۔ ہماری ساری فلمیں باکس آفس پر ہٹ ہوئی ہیں یعنی بہت پسند کی گئی ہیں۔ اس فلم کا نام چنڈال چوکڑی ہے۔ کافی پبلسٹی ہو چکی ہے۔ بہت سے ڈسٹری بیوٹر اسے خریدنے کے لیے تیار ہیں۔ آپ جانتے ہیں بزنس مین کے پاس پیسہ رولنگ میں رہتا ہے' اگر ہم فلم ابھی سے بیچ دیں تو ہمیں منہ مانگی قیمت نہ مل سکے گی' اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ اسے مکمل کرنے کے بعد ہی مارکیٹ میں لائیں۔"

"ٹھیک ہے' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" طالوت نے کہا اور میں نے بمشکل ہنسی روکی۔

"دراصل۔" سیکریٹری نے کہا "روشی والا مالی طور پر کمزور ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ رانا صاحب' آپ ان کے پارٹنر بن جائیں۔"

"بن جائیں گے۔" طالوت نے موج میں آکر کہا۔

"واللہ لطف آجائے گا اگر ایسا ہو جائے۔ آپ دیکھیں گے کہ کھڑکی توڑ فلم ہوگی۔" سیکریٹری نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ مجھے کیا کرنا ہوگا؟"

"فوری طور پر آپ کو صرف پانچ لاکھ روپے خرچ کرنا ہوں گے اور اس کے بعد آپ ذرا لطف دیکھیں۔"

"ارے ماں کسم۔ مجا آجائے گا۔ ہو ہو ہو۔" روشی والا نے بھی خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے روشی والا۔ میں اپنے سیکریٹری سے مشورہ کر کے صبح کو جواب دوں گا۔"

"جرور رتی جرور۔ ہو ہو ہو۔" روشی والا نے کہا اور پھر یہ محفل برخاست ہو گئی۔ روشیلا نے طالوت کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"کیا آپ بھی آرام کریں گے رانا صاحب۔"

"کیوں۔ آپ حکم دیں روشیلا۔"

"میں تو صرف التجا کر سکتی ہوں۔ ابھی تھوڑی دیر کے بعد چاند نکل آئے گا اور چاندنی میں قرب و جوار کی پہاڑیاں بے حد حسین ہوتی ہیں۔ کیا آپ میرے ساتھ اس حسن کا نظارہ نہیں کریں گے؟"

"ضرور کریں گے۔" طالوت نے ترنگ میں کہا اور میں نے غور سے اس کی شکل دیکھی "ہم۔ میرا مطلب ہے۔ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت تو ضرور دیں گی مس روشیلا۔ اتنی دیر میں چاند بھی نکل آئے گا۔"

"میں آپ کا انتظار کروں گی رانا صاحب۔"

"میں ضرور آؤں گا ڈارلنگ۔" رانا صاحب نے جاوید کی نقل کرتے ہوئے کہا اور پھر وہ میرے ساتھ فیمے میں آگئے۔

"بلاوجہ تکلیف کی رانا صاحب۔ ابھی تھوڑی دیر میں چاند نکل آئے گا اور نہ بھی نکلے تو کیا حرج ہے۔ تاریکی میں بھی یہ پہاڑیاں بڑی رومان انگیز ہوتی ہیں۔" میں نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"یار تھپلا مت کرو عارف بھائی۔ اس مولوانہ ماحول سے نکل کر آئے ہیں۔ تھوڑی سی تفریح کی اجازت دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔ میں کب انکار کر رہا ہوں۔"

"خوشی سے اجازت دے دو پیارے بھائی۔" طالوت نے خوشامد کی۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔"

"یہاں اور بھی لڑکیاں ہیں۔ تم بھی نرائی کرو نا۔"

"ابھی تک کوئی سامنے ہی نہیں آئی ہے۔"

"ایک مشورہ دوں۔"

"ضرور دو۔"

"شاہ دانہ کا دوشالہ اوڑھ کر ان فیموں کی سیر کرو۔ کہیں نہ کہیں دال گل جائے گی۔ میرا خیال ہے ایسا کرو۔"

"دیکھا جائے گا۔" میں نے بظاہر لاپروائی سے کہا۔ درحقیقت یہ عمدہ تجویز مجھے پسند آئی تھی۔

"تو میں جاؤں؟" طالوت نے پوچھا۔

"خدا حافظ۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔" طالوت جھکتے ہوئے بولا اور پھر باہر نکل گیا ویسے مجھے یقین تھا کہ اب وہ آسانی سے کسی جال میں نہیں پھنسے گا۔ اسے اس دنیا کا بھی کافی تجربہ ہو چکا ہے اور یہ طالوت سے مختلف ہے جو پہلے ہر چیز پر لٹو ہو جاتا تھا۔ ویسے میں نے طالوت کے مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی کر لیا تھا۔ شاہ دانہ کا دوشالہ اوڑھ کر میں بھی طالوت کی طرح پوشیدہ انداز میں گھوم پھر سکتا تھا۔

بہرحال طالوت کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک تو میں اپنے فیمے میں بیٹھا ہوا اس دلچسپ ماحول کے بارے میں سوچتا رہا پھر میں نے شاہ دانہ کا دوشالہ نکالا اور اسے اوڑھ کر باہر نکل آیا۔ سب سے پہلے ڈائریکٹر عبدل بھائی کا فیمہ نظر آیا۔ میں نے اس کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور عبدل بھائی کو خراٹے لیتے دیکھ کر آگے بڑھ گیا۔ میں نے سوچا کیوں نہ بدمعاش طالوت ہی کو دیکھوں۔ دیکھوں تو سہی کیا کر رہا ہے؟

اور میں طالوت کی تلاش میں چل پڑا۔ چاندنی نکل آئی تھی' قرب و جوار کی چٹانوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے میں آگے بڑھتا رہا اور پھر ایک جگہ وہ دونوں مجھے نظر آگئے۔ دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے بیٹھے تھے۔ میں دبے قدموں ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ روشیلا طالوت پر جھکی ہوئی تھی۔

"آپ۔ رانا صاحب میں سوچتی ہوں کہ کیا ان پہاڑوں میں کبھی تتلی آئی تھی؟" روشیلا نے کہا۔

"کیا مطلب؟ کیا کوئی چیز گم ہو گئی ہے؟"

"ہاں۔ عقل و خرد۔ دین دنیا۔ ہوش و حواس' سب کچھ تو گم ہو گیا اب میرے پاس بچا کیا ہے۔"

"بہت افسوس ہوا۔" طالوت نے ہمدردی سے کہا۔

"لیکن میں بہت خوش ہوں۔"

"اوہ۔!"

"مجھے آپ مل گئے رانا صاحب۔ ہاں مجھے اپنی محرومی کا احساس اس وقت ہوگا جب آپ مجھ سے دور چلے جائیں گے۔" اس بات کا طالوت نے کوئی جواب نہیں دیا "آپ مجھ سے دور تو نہیں جائیں گے رانا صاحب۔"

"ہرگز نہیں۔"

"تب آپ یہاں سے ہمارے ساتھ ہی چلیں۔"

"میں چلوں گا۔"

"ہماری روحی والا کے ساتھ پرفس میں شرکت کرلیں۔ اس طرح آپ کو کچھ بھی ہوجائے گا اور ہم دونوں مل کر ایک پیسہ کمال لیں گے اور اپنی فلمیں بنایا کریں گے۔"

"کرلوں گا۔"

"اپنی فلموں میں میں صرف آپ کے ساتھ کام کروں گی۔ میرے مقابل اور کوئی ہیرو نہیں آئے گا۔"

"نہیں آئے گا۔" طالوت انتہائی انداز میں بولا۔

"تب پھر صبح ہی آپ اپنے سیکریٹری کو روانہ کردیں اور روپیہ منگوالیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔ دس بیس لاکھ تو ہمیشہ پڑے رہتے ہیں۔ میں صبح کو نقد روپیہ دے دوں گا۔"

"دس بیس لاکھ!" روشیلا اچھل پڑی۔

"ہاں۔" طالوت نے لاپروائی سے جواب دیا۔

"اور آپ اتنی دولت لے کر ان جنگلوں میں بھٹکتے پھرتے ہیں؟"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"جنگل میں ڈاکو بھی مل سکتے ہیں۔"

"وہ تو میں ان سے نپٹنا جانتا ہوں۔ دوسرے اگر اتنی رقم چلی بھی جائے تو کیا فرق پڑتا ہے' ان کے کام آجائے گی' میرے پاس کیا کمی ہے؟" روشیلا نے اس عظیم انسان پر مزید چند جانوں سے فدا ہوگئی جو دس بیس لاکھ کو کچھ گردانتا ہی نہیں تھا۔ اس کے ارادے بہت بھیانک ہوگئے اور جب طالوت نے بھی اس کی پذیرائی کی تو پھر میں نے وہاں رکنا مناسب نہ سمجھا۔ چاندنی رات کا کھیل میرا دماغ بھی خراب کرسکتا تھا۔ میں وہاں سے چل پڑا اور اب میں نے دوسرے خیموں میں جھانکنے کا پروگرام بنایا۔

واپسی میں جو سب سے پہلے خیمہ نظر آیا' میں اسی کی طرف چل پڑا۔ اس خیمے کے مکین سو نہیں رہے تھے۔ اندر سے گفتگو کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ میں نے آہستگی سے خیمے کے پردے کو ہٹایا۔ لیکن یہاں کا نقشہ کچھ اور ہی تھا۔ ایک سہمی ہوئی لڑکی ایک طرف کھڑی تھی اور ایک آدمی ایک بستر پر بیٹھا تھا۔

"تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے نوری۔ تم جانتی ہو کہ تمہیں یہاں تک لانے والا بھی میں ہی ہوں۔" میرے بھاری آواز میں کہا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بابو خاں۔ مگر تم سوچو' غور کرو تمہاری ملازمت میں نہیں ہے یہ ہر رات ایکسٹرا سپلائز اور ان کے دوستوں کو خوش کرتی ہیں تب میں جا کر انہیں کسی فلم میں کام ملتا ہے۔"

"میں جانتی ہوں بابو خاں۔ تیری وجہ سے میری عزت محفوظ ہے۔ جب تو نے دوسروں سے مجھے محفوظ رکھا ہے تو خود کیوں مجھے برباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔"

"افوہ۔ بس تو واقعی ہی چاند نوری۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' میں نے سوچا تھا کہ تجھ سے دل بہلاؤں گا مگر تو نے اتنا میرا دماغ خراب کردیا۔" بابو خاں جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"بابو خاں۔ میں تیرے اوپر سب سے زیادہ بھروسا کرتی ہوں۔ تو نے ہمارے پریشان حال خاندان کو برے وقت میں سہارا دیا ہے۔ بابو خاں۔ میرا کوئی بھائی نہیں ہے۔ تیری ہمدردی پر میں نے تجھے اپنا بھائی مان لیا تھا۔ بہن کی روزی مت چھین بابا میرے بھیا۔ ہم سب بے موت مر جائیں گے۔"

"اب جانتی ہے کہ نہیں ماں کی چھو۔ تیری بہن بن کر پھنال نہیں کی۔ ستر قسم کرنے کے بعد تجھے بھائی بنایا ہے نہیں ہے جانتی ہے کہ ہمارا ایک اصول ہے۔"

"ہماری روزی مت چھینا بابو خاں۔ ہماری روزی مت چھینا۔" نوری گڑگڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ دردناک اور بے بسی کا ایک اور مظاہرہ۔ میرے معبود۔ کیا پوری دنیا انہی ناسوروں سے بھری ہوئی ہے۔ دنیا کو ایک ہی رنگ کیوں نہیں دیا گیا۔ کسی کو ظالم' کسی کو مظلوم کیوں بنایا گیا۔ کسی کو مفلس' کسی کو غنی کیوں بنایا گیا۔ سب تیری مخلوق میں ہیں۔ سب کو تو نے زندگی عطا کی ہے پھر ان کی باگ ڈور انسانوں کے ہاتھ میں کیوں دے دی؟ اپنے بندوں کو تو نے بھیڑیوں کے سپرد کیوں کردیا؟ تو یہ بتا تھا کہ تیری مخلوق میں درندے بھرے پڑے ہیں۔ پھر تو نے نظام کائنات صرف اپنے ہاتھ میں کیوں رکھا۔ یہ کیا کھیل ہے میرے مالک۔ کیا کھیل کا مقصد ہے؟

میرا ذہن جھنجھنا اٹھا تھا۔ نوری کسی خیمے میں روپوش ہوگئی تھی۔ شاید وہ پوری رات جاگتی رہے۔ شاید وہ پوری رات خوف زدہ رہے کہ کہیں بابو خاں اسے نوکری سے نہ نکلوا دے۔ نظر نہ آ میری بہن۔ نوری۔ تو میری بہن ہے۔ میری بہن نظر نہ ہو۔ تیرا بھائی تجھے تکلیف نہ ہونے دے گا۔ میرے دل سے آواز نکلی۔ لیکن اس وقت یہ آواز نوری کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ تاہم صبح بھی ہوگی۔

ایبو کے ایک اشارے پر بے شمار لڑکیاں تمہاری آغوش میں آگریں گی پھر ایک غریب کی عزت لے کر تمہیں کیا مل جائے گا۔" لڑکی نے دل گداز آواز میں کہا۔

"ہونہہ۔ عزت' عزت' عزت۔ نہ جانے ہر لڑکی نے داؤں کے کھیل کو عزت کیوں بنا لیا ہے۔ تو میری پسند ہے نوری۔ میں تجھ سے صاف صاف بتا دوں' کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلے گا۔ کوئی اس کا رازدار نہیں ہوگا اور تیری زندگی بن جائے گی۔ ضد نہ کر۔ باہر کا موسم بہت خوب صورت ہے۔ آ میرے نزدیک آجا۔"

"نہیں بابو خاں۔ خدا کے لیے نہیں۔ میں نے گھر سے باہر قدم رکھتے وقت اپنے ابا سے کہا تھا کہ ابا' حالات مجھے سڑکوں پر لے جا رہے ہیں' میں ان سے لڑوں گی اور بھی حالات مجھے شکست دینے کے درپے ہوگئے تو میں ان سے لڑتے ہوئے جان دے دوں گی۔ آپ کا خون خراب نہیں کروں گی۔"

"یہ بات تو نے اس مزدور بوڑھے سے کی تھی جو خود اپنی کرپائی بھی نہیں پی سکتا۔ تو نے اس سے یہ سوال بھی کیا تھا کہ ابا جی' اگر میری زندگی کو کوئی سہارا نہیں دے سکتے تو مجھے پیدا کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی۔" بابو خاں نے "نہیں نہیں بابو خاں۔ خدا کے لیے ایسا مت کہو۔ ہم بڑے لوگ نہیں تھے میرے ابا نے زندگی بھر محنت مزدوری کرکے پیٹ پالا ہے۔ اگر وینڈنگ کی چنگاریوں ان کی آنکھوں میں نہ ڈگر تھیں تو ہم آج بھی وہی ہوتے' جو پہلے تھے۔"

"اور جو تھے' وہ بہت اچھے تھے؟" بابو خاں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں بابو خاں۔ جو تھے' وہ بہت اچھے تھے۔ اس میں عزت کی روٹی ملتی تھی۔"

"پھر وہی عزت' عزت کی رٹ۔ میں کہتا ہوں' اب کونسی تیری بے عزتی ہورہی ہے۔ یہ جتنی ایکسٹرا لڑکیاں ہیں' کیا ان کی عزت نہیں ہے؟ کیا تو ان سب سے الگ ہے؟"

"کون جانے بابو خاں۔ ان میں کون کون دردکی ماری ہو' نہ جانے یہ کن حالات میں عزت کو نظرانداز کرنے پر مجبور ہوئی ہوں۔" لڑکی نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"ہوں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ تیرے لیے بھی وہی حالات پیدا کرنے ہوں گے۔ تب تیرا دماغ درست ہوگا۔ کان کھول کر سن لے نوری صرف میری وجہ سے تجھے یہ دو سو روپے ماہوار ملتے ہیں۔ ورنہ کوئی ایکسٹرا لڑکی باقاعدہ

میں نے خونی نگاہوں سے بابو خاں کو دیکھا۔ حقیقی زندگی میں بھی وہ ولن تھا۔ ہاں یہ وہی ولن تھا جسے طالوت نے جھوڑے سے کرایا تھا۔ تو نے اپنی شامت کو آواز دے لی ہے بابو خان۔ تو شمشیر بن گیا ہے۔ لیکن فکر مت کر۔ تیرا حشر بھی شمشیر سے مختلف نہیں ہوگا۔ اس کے بعد کہیں جانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ اپنے خیمے میں جا کر لیٹ گیا۔ دل میں عجیب سا درد ہو رہا تھا۔ خدایا! پوری دنیا کا درد کیسے بانٹ لوں۔ یہاں نہ جانے کون کون مظلوم ہے۔ میرا بس چلے تو پوری دنیا کے دکھ دور کر دوں۔

نہ جانے کتنا وقت انہیں خیالات میں گزر گیا۔ نیند کا دور دور پتہ نہیں تھا۔ یہاں تک کہ خیمے کے دروازے پر طالوت کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اور پھر وہ دروازہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے چند ساعت میری طرف دیکھا' اور پھر شاید مجھے سوتا ہوا سمجھ کر اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا۔ میں خاموشی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ لیکن پھر اسی سے برداشت نہ ہو سکا۔ اور وہ اٹھ کر میرے قریب آ گیا۔

'عارف ...' اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھ کر آواز دی۔

"میں جاگ رہا ہوں طالوت۔"

"ارے۔ تو پھر بات کیوں نہیں کی تھی۔؟ کیا سو رہے تھے؟ کیا ناراض ہو گئے ہو؟"

"نہیں طالوت۔ اپنی اس گندی دنیا کے بارے میں سوچ رہا ہوں یہاں انسانوں کی قدر اور بہت کم ہے۔ انسانی پیکر میں درندے قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔ آخر اس دنیا پر درندوں کا تسلط کیوں ہو گیا ہے؟"

"کسی خاص بات نے تمہیں متاثر کیا ہے عارف؟" طالوت نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہاں تو ہر قدم پر کوئی نہ کوئی خاص بات موجود ہے۔ کہیں بھی ذرا گہری نگاہ سے دیکھو۔ کوئی نہ کوئی ایسی نظر آ جائے گا۔

"مجھے بتاؤ میرے دوست۔ کیا ہوا؟ کیا دیکھا۔ میں اس المیے کو جڑ سے مٹا دوں گا۔ تمہیں فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ٹھیک ہے۔ ہم پوری دنیا کو درست نہیں کر سکتے۔ لیکن جو ہمارے سامنے آ جائے۔ اس کی امداد ہمارا فرض ہے۔ دنیا کو بھول جاؤ' کیونکہ تم تنہا ہو۔ اور جو کوئی تمہارے سامنے آئے اسے دنیا پر تقسیم کر دو۔

"ٹھیک ہی کہتے ہو!" میں نے مضمحل انداز میں کہا۔

"عارف میرے دوست۔ میں یہ انداز برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھ خوشیاں پسند ہیں۔ ہنستے رہو۔ ہر حال میں ہنستے رہو۔ یہی زندگی ہے۔ مجھے بتاؤ تو۔ ہوا کیا ہے؟"

کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہاں ایک لڑکی نوری ہے۔ زمانے کی ستائی ہوئی۔ تمہارے کہنے سے شاہوانہ کا دوشالہ اوڑھ کر نکلا تھا۔ پہلے ہی مرحلے پر حوصلے پست ہو گئے۔ نوری کی کہانی یہ ہے کہ اس کا باپ شاید الیکٹرک انجینئر تھا۔ بدقسمتی سے کسی حادثے میں اس کی آنکھیں چلی گئیں۔ تب نوری لڑکی کفالت کے لئے گھر کا باورچی خانہ چھوڑ کر نکل آئی۔ اس نے ملازمت تلاش کی۔ شاید کوشش کے باوجود ملازمت نہ ملی ہوگی۔ تب وہ فلم انڈسٹری کی طرف آئی اور نہ جانے کیسے بابو خاں سے مل گئی۔ جس نے اسے اسٹرالرلیوں میں ملازم کرا دیا۔ نوری کے جذبات مر چکے ہیں' لیکن ضمیر زندہ ہے۔ وہ ملازمت برقرار رکھنے کے لئے منت سماجت کر سکتی ہے۔ پاگلوں کے سے انداز میں روزی کی بھیک مانگ سکتی ہے۔ لیکن روپیوں کے عوض اپنی عصمت نہیں دے سکتی۔

"او۔ وہ کہاں ہے عارف؟"

"یہیں۔ اسی کیمپ میں!" میں نے کہا اور پھر نوری اور بابو خاں کی کہانی سنا دی۔ طالوت خاموشی سے سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ اور پھر میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

"تو اس میں فکر مند ہونے کی کیا بات ہے۔ ہمیں تو یہ مسرت ہے کہ یہ کہانی ہمارے علم میں آئی۔ چنانچہ اب نوری کو کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔ البتہ بابو خاں کو سزا ضرور ملے گی۔ اور کس کی مجال ہے کہ اب نوری کو کوئی تکلیف دے سکے۔ خوش ہو جاؤ۔ مجھے آنسوؤں سے بہت خوف آتا ہے۔"

"ہاں طالوت۔ ہم اس کی بھرپور مدد کریں گے۔ اس کا ضمیر زندہ ہے انسان مر جائے تو برداشت ہو جاتا ہے۔ لیکن ضمیر کی موت برداشت نہیں ہو سکتی۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب اس موضوع کو ختم کرو۔

"ہاں۔ اب تم اپنا موضوع شروع کرو۔ سناؤ' کیا گفتگو ہوئی ہے اس سے؟"

"وہ۔ ہر لمحہ اپنی چاہت کی بارشیں برساتی ہے۔ چاہت کے شدید بخار میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔ اسے یقین دلایا ہے کہ میں اب زندگی بھر اس سے جدا نہ ہوں گا۔ اس نے اپنی اور میری زندگی کے مشترکہ پروگرام ترتیب دیئے ہیں۔ آئندہ وہ صرف میرے متعلق سوچتی رہے گی' اور اس نے پرزور سفارش کی ہے کہ میں روشی والا کی مدد کروں اور اسے

پانچ لاکھ روپیہ ادا کر دوں تاکہ اس کی فلم مکمل ہو جائے۔"

"خوب۔ خوب۔ خود تمہاری کیا پوزیشن ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں دل سے استاد مان لیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان لوگوں کے جال اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ بس۔ ایسی ٹوٹ کر محبت کرتی ہیں کہ انسان گدھے کی بولی بولنے لگے۔ کسی طور ان کی ریاکاری پر یقین کرنے کو دل نہ چاہے۔ لیکن یار استاد۔ تیرا نام لے کر اب میں ہر عورت کا تیار کیا ہوا جال توڑ سکتا ہوں۔"

"ویری گڈ۔ یار تمام اداسی ڈھل گئی۔ بہرحال اس کے بعد کچھ اور نہیں پوچھوں گا کیونکہ۔" میں خاموش ہو کر مسکرانے لگا۔

"کیونکہ کیا؟" طالوت نے چیخ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ذرا شاہوانہ کا دوشالہ اوڑھ کر پہاڑیوں کی طرف نکل گیا تھا۔"

"بدمعاشی ہے یہ۔ کوئی شرافت کی بات نہیں ہے۔" طالوت نے بھناتے ہوئے کہا۔

"پوری بات تو سن لو۔ تم دونوں کو دیکھ کر میں فوراً واپس چل دیا تھا۔"

"قسم کھاتے ہو؟"

"ہاں یار۔ تم خود غور کرو۔ اس بھیانک ماحول میں' میں کیسے زندہ رہ سکتا تھا۔ چنانچہ سرپٹ دوڑ لگا دی۔"

طالوت جھینپ رہا تھا "یار بہت استاد عورت تھی۔"

"نقصان میں ہی رہی۔ تمہارا کیا لے لیا۔"

"اگر اجازت دو۔ تو تھوڑے دن تفریح جاری رکھوں لیکن استاد کی اجازت سے۔ اگر استاد انکار کر دیں تو ابھی واپسی کے لئے تیار ہوں۔

"عیش کرو بچو۔ رام بھلی کرے گا۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور طالوت میرے بستر میں ہی گھسا۔

"کیا خیال ہے۔ ہمیں اسی ماحول کے بارے میں جاننا ہے۔ اس کے بجائے کہ ہم فلم انڈسٹری میں اجنبی ہوں۔" کیوں نہ ان لوگوں کے ساتھ ہی فلم لائن تک چلا جائے۔ ہماری حیثیت بھی ہوگی۔ باقی رہا دولت کا سوال۔ تو یہ سوال ہی کیا ہے۔ کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ دس بیس لاکھ تو ہر وقت تمہارے پاس پڑے رہتے ہیں۔ صبح کو پانچ لاکھ روپے ادا کر دو۔"

"استاد اعظم زندہ باد۔" طالوت نے نعرہ لگا کر مجھے بھینچ لیا۔ وہ بہت خوش معلوم ہوتا تھا۔

دوسری صبح شوٹنگ کی تیاریوں کے بجائے ہمارے لئے ناشتے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ ہم دونوں نے لباس وغیرہ تبدیل کئے اور پھر باہر نکل آئے طالوت نے راسم سے رقم طلب کر لی تھی اور اس وقت ہم دونوں کی جیبیں نوٹوں کی گڈیوں سے پُر تھیں۔ سیٹھ روئی والا عبدل بھائی' روشیلا اور دوسرے لوگوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔ روشیلا کی نانی اس کے خیمے میں ہی تھی اور یوں بھی روشیلا تو عشق کرنے کی ماہر تھی۔ اس لئے وہ سب کے سامنے بھی طالوت سے اظہارِ عشق کرنے سے باز نہیں آ رہی تھی۔ لیکن طالوت سنجیدہ تھا۔

ناشتہ بہت پُرتکلف تھا۔ اس دوران عبدل بھائی اور روئی والا لطیفے سناتے رہے تھے۔ وہ خود کو بہت زیادہ شائستہ اور با اخلاق ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر عبدل بھائی نے گفتگو کی ابتدا کر دی۔

"خدا کسم۔ آپ لوگوں کی آمد سے ہمارے کو بہوت کھوشی ہوا ہے اور اگر آپ لوگ سیٹھ روئی والا کا پارٹنر بن گیا تو بس مجا ہی مجا جائے گا۔"

"او ماں کسم۔ ایسا پھلم بنائے گا۔ ایسا پھلم بنائے گا کہ بس پبلک پاگل ہو جائے۔ روئی والا نے قہقہہ لگایا۔

"کیا فیصلہ کیا تم نے وہیر۔" روشیلا نے طالوت کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کس بارے میں؟"

"کیا تم روئی والا کے پارٹنر بننے کو تیار ہو؟"

"ارے پانچ لاکھ کی بات ہی کیا ہے۔ اس کے بارے میں صرف سیکریٹری سے معلومات کرنا تھی۔ سیکریٹری نے منظوری دے دی۔ بس ٹھیک ہے!" طالوت نے لاپرواہی سے کہا۔

"سیکریٹری رقم دے دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے جیب سے گڈیاں نکالنا شروع کر دیں۔ نوٹ دیکھ کر سب کے چہرے زرد ہو گئے تھے۔ عبدل بھائی کی سانس کی آمد و رفت ہی بند ہو گئی تھی۔ روشیلا کے چہرے پر ایسے آثار نظر آ رہے تھے جیسے وہ پرانے قبض میں مبتلا ہو۔ سیٹھ روئی والا کی گردن ٹیڑھی ہو گئی تھی۔ نوٹوں کی ہر گڈی کے ساتھ ساتھ اس کی گردن ہل رہی تھی۔ بڑا سکوت چھایا ہوا تھا۔

"کن لو روئی والا۔ پورے پانچ لاکھ ہیں۔"

"پھول!" روئی والا نے رکی ہوئی سانس ایک دم چھوڑ دی۔ اور اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکل گئی۔ غٹ۔ گٹنے کی کیا ضرورت ہے مائی باپ ٹھیک ہوں گے۔ ابھی سیکریٹری کو بولتا ہوں رسید بنائے' اگریمنٹ تیار کرے۔

اب [illegible] لے گا ایک پیس کا اس وقت آپ دیکھ رہا
صاحب [illegible]
وا [illegible] ٹ وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے روشیا
طالوت نے کہا۔ "ہوم کرو۔ اور جتنی ضرورت ہو لے لینا"
"ا [illegible] ٹ۔ تھینک یو ویری مچ" روشیا کو جانے کیا ہوا تھا۔ وہ
طالوت سے چپٹ گئی۔
"واہ اس قوم رکھے مس روشیا۔ آپ کو کیا ہو گیا"
طالوت نے پروقار انداز میں کہا اور روشیا اس کے شفیق
انداز پر جھینپ گئی۔ مجھے طالوت کی یہ بات بہت پسند آئی
تھی۔ اور دوسرے لوگوں پر بھی اس کا اثر پڑا تھا۔ روشیا
جھینپ گئی تھی۔
"آپ شوٹنگ ہو رہی ہے سینھ۔" طالوت نے پوچھا۔
"ہوئی۔ جیسے آپ کا حکم!"
"آپ بے تکلفی سے اپنا کام کریں۔ ہمیں کوئی
اعتراض نہیں ہے اور ہاں۔ یہاں آپ کا اسٹاف کتنا ہے۔
میرا مطلب ہے کل کتنے افراد یہاں آئے ہوئے ہیں؟"
"جی۔ تقریباً پچاس آدمی ہیں۔ سینھ نے کہا۔ باقی مرد!"
"لڑکیوں کا کیا کام ہے؟"
"ہم نے ایک آؤٹ ڈور کورس شوٹ کیا ہے۔ اب
لڑکیوں کا کوئی کام نہیں ہے۔ سینھ صاحب نے جواب دیا۔
"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ آپ شوٹنگ کا انتظام کریں۔ ہم
بھی چلیں گے۔" طالوت نے کہا اور سینھ صاحب نے عبدل
بھولی کو حکم دیا۔ عبدل بھائی دو سپاہیوں کو حکم دینے لگے اور
ذرا ہی دیر میں شوٹنگ کی تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ کل ہی کا سین
فلمایا جانے والا تھا۔
میں نے بابو خاں کو دیکھا۔ چہرے سے ہی دلیر معلوم
ہوتا تھا۔ بابو خاں نے لباس چن لیا تھا۔ البتہ مس روشیا
ابھی تیار نہیں ہوئی تھیں۔ تب بابو خاں نے سینھ صاحب
کے قریب آ کر پوچھا۔ وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔
میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ گیا تاکہ ان کی گفتگو سن سکوں۔
"رے بابا۔ اس فلم کیا نقصان ہے۔ واپس چل کر بات
ہو نہیں سکتا!"
"نہیں سینھ بات ابھی ہوگا۔ میں صنف اول کا آرٹسٹ
ہوں۔ ایک ایکسٹرا لڑکی کی یہ مجال کہ وہ میرے منہ آئے۔"
"رے بابو کھاں۔ کیا بولتا ہے یار۔ تم نے ہی تو اسے
رکھایا تھا!"

"تو میں ہی بولتا ہوں سینھ کہ اس کی چھٹی کر دو۔ آج
ہی وقت میں اس کے بدلی شوٹنگ پر جانا ہے۔"
"رے یار۔ تم تو بہت پریشان کرتا ہے۔ بابو بابو۔
تم کھڑا اس کو بول دو۔ میرے کو اس کو چھٹی بنانے کا نہیں
مانگتا ہے۔ بابو بول دیا بابا۔"
"تو بات تم ہی اس کو بولو سے سینھ۔ ابھی وارننگ
وقت۔ ورنہ شوٹنگ ٹھیک نہیں ہوگا۔"
"اے وہیہ۔ اوہر تو بابا!" سینھ نے جھنجلا کے کہا
اور زمین پر
"جی سینھ!" ایک آدمی اس کے قریب پہنچ گیا۔
"بولاؤ۔ نوری کو بولاؤ۔ بولو سینھ بلاتا ہے۔" روشیا
والے منہ اور ملازم دوڑ گیا۔ تب میں نے دل ہی دل میں
نوری کو دیکھا۔ جسے مظلوم، سادگی کا پیکر، زرد چہرے والے
کانپتا ہوا آیا تھا۔ پتلے پتلے ہاتھ، دبلا بدن، معصوم سی شکل،
جسے اپنے جسم کے خلاف تھرکتی ہوئی پڑ رہا ہو۔ رقص کرتے
ہوئے اس کی ادائیں بھی دلکشا ہوتی ہوں گی۔ دبلا پتلا جسم، سادہ
سے کپڑوں میں رشید کے ساتھ آ رہی تھی۔
"رے تیرے کو بولا نوری۔ اپنا بابو کھاں تیرے کو
مارتا ہے۔ اس کو کھاں نہیں رکھے گا تو لگائے گا یہ۔ اپنا
تیرے کو واں مس کرتا ہے بابا۔ ابھی اور اسی وقت واں مس
کرتا ہے۔ واپس چل کر اپنا صاحب سے بولو۔ کیوں بابو کھاں۔
اب ٹھیک!"
"تھینک یو سینھ۔ بابو خاں بنا بھی سکتا ہے۔ بابو بھی
سکتا ہے۔" بابو خاں نے مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔
نوری سے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔ وہ بس کانپ
تھرتھر کانپ رہی تھی۔ تب میں بے دم سے ہو کر ان
لوگوں کے قریب پہنچ گیا۔
"یہ لڑکی کون ہے سینھ۔ میں نے پوچھا۔
"نوری ہے سیکنڈری صاحب۔ ایکسٹرا لڑکی۔"
"یہ تو ہماری ملازم ہے۔"
"جی۔ ابھی میں نے بابو خاں کی شکایت پر اسے نکال
دیا ہے۔ یہ لوگ آؤٹ ڈور میں کام کرتے ہیں۔ کیمرہ کے پیچھے
کریں گے۔ یہ نہیں سوچا بابا۔"
"نوری۔ ادھر تو آ۔" میں نے پیار سے اور میں نے
لرزتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں
آنسوؤں سے بھری تھیں۔ "ادھر تو۔" میں خود اس کے
قریب پہنچ گیا اور پھر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس وقت میں
روشیا تیار ہو کر آئی تھی۔ اور چلنے کو تیار تھی۔ میں اور

دوسرے لوگ گاڑیوں پر چڑھ گئے۔ سینھ نے ایک گاڑی
ہمارے لئے مخصوص کر دی تھی تاکہ روشنائی کی فراہمی پر
طالوت کو اس کے ساتھ ایپ میں سوار ہونا پڑا تھا۔ میں تو
ہوں رانا صاحب۔ ذرا نوری سے بات کر لوں۔"
"میں انتظار کر رہا ہوں۔" طالوت نے کہا اور میں
نوری کا ہاتھ پکڑ کر ایپ کی طرف بڑھ گیا۔
"چلو نوری۔ ہم شوٹنگ دیکھنے چلیں گے۔"
"آپ۔ آپ۔" اس کی کپکپاتی آواز نکلی تھی۔
"ہاں تم سے بات کروں گا نوری۔ چلو تم سمجھی۔" میں
نے کہا اور وہ ایپ میں بیٹھ گئی۔ میں بھی اسٹیئرنگ پر بیٹھ گیا۔
اور میں نے ایپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ میں سست
روی سے چل رہا تھا۔ کیا تمہیں اس کا احساس نہیں ہے
نوری کہ اگر ایک درندہ ہوتا ہے تو ہزار فرشتے بھی ہوتے ہیں!"
نوری کی ڈبڈبائی آنکھوں میں حیرت کے تغوّل ابھر
آئے۔
"میں ذرا جذباتی سا آدمی ہوں نوری۔ میں تجھ سے
فریب کی گفتگو نہیں کروں گا۔ کل رات میں نے بابو خاں کے
منہ سے گزرتے ہوئے تیری اور بابو خاں کی گفتگو سن لی تھی۔
میں تیری عظمت کا احترام کرتا ہوں۔ میں دل سے تیری عزت
کرتا ہوں۔ سن نوری۔ قدرت نے تجھے دولت سے نہیں
نوازا۔ لیکن خدا اپنے خاص بندوں کو کچھ خاص صفتیں دیتا
ہے۔ اس نے تجھے تیری دولت سے مالا مال کیا ہے۔ تو نے
شدید ترین مصیبت میں بھی اپنے ضمیر کو فنا نہیں ہونے
دیا۔ ٹھیک ہے دنیا کی نگاہ جسم کے اندر نہیں ہوتی لیکن دل کی
دولت چہرے سے جھلکتی ہے۔ تیرا شمار دنیا کی عظیم عورتوں
میں ہے۔ میں تیری عظمت کو سلام کرتا ہوں۔"
"سینھ صاحب۔ سینھ صاحب۔ میں ایک غریب اور
بے سہارا لڑکی ہوں۔ میں ایک مظلوم لڑکی ہوں سینھ
صاحب۔ میں۔ میں۔" وہ زار و قطار رو پڑی۔ اور میں نے
ایپ کی رفتار اور سست کر دی۔
"سینھ میں نہیں ہوں نوری۔ مجھے گالی مت دے۔ میں
نے تجھے گالی نہیں دی ہے۔ سینھ وہ ہے جو ہونٹوں کے ہاتھوں
میں کھیل رہا ہے۔ جس نے ایک بد فطرت انسان کے کہنے
سے تیری نوکری چھین لی۔ صرف اس لئے کہ وہ اس فلم کا
ایک اہم کردار ہے لیکن تو قدرت نے نوری نواز بابو خاں کو
سزا دی اور تو ابھی دیکھ لے گی۔ تو نے کہا کہ غریب ہے بے
سہارا ہے۔ گیا بھائیوں کی موجودگی میں بھی بے سہارا ہوتی
ہے۔ یہ تو اپنے بھائی کو مردہ سمجھ چکی ہے۔"
"بھائی۔" نوری دہرے لہجے میں بولی "میرا کوئی بھائی
نہیں ہے سینھ صاحب۔ کاش میرا ایک ہی بھائی ہوتا۔ اگر
ایسا ہوتا تو وہ اپنی بہن کو ایپ فیکٹری سے نہ نکلنے دیتا۔ پھر نوری
اس قدر بے سہارا نہ ہوتی۔ میرا بھائی بابو خاں تھے۔ کیسے
انسان کا منہ نوچ لوں۔ اس کی آنکھیں پھوڑ دوں۔ میرا کوئی
بھائی نہیں ہے سینھ صاحب۔"
"کاش۔ میں تیرا بھائی بننے کے قابل ہوتا۔ کاش میں
تیری زبان سے بھیا کا لفظ سن سکتا نوری!" میں نے نہ جانے
انداز سے کہا۔ میری آنکھوں سے "سوز جھلک رہے تھے۔
آپ جانتے ہیں میں خود بھی ایک مظلوم انسان ہوں۔ میں خود
بھی دنیا کی نعمتوں سے نا آشنا رہا ہوں۔ طالوت کی مہربانیوں نے
میری شخصیت بدل دی تھی لیکن میری فطرت نہیں بدل سکتا
تھا۔
لیکن میرے الفاظ سے نوری گو سکتہ ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی
پھٹی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے پاگلوں کے
سے انداز سے کہا "نہیں۔ نہیں۔ اتنا بڑا دھوکہ نہ کرو سینھ۔
بابو خاں نے میرے ابا سے کہا تھا۔ بابو خاں بیٹے میرا کوئی بیٹا
نہیں ہے۔ بھائی بہنوں کے محافظ ہوتے ہیں میرے بچے۔
مجبوری میری نوری کو بازار میں بیچ رہی ہے۔ خدا کے بعد تو
ہی اس کا محافظ ہے اور بابو خاں نے کہا تھا۔ فکر مت کرو
ابا۔ تمہاری نوری کو کوئی بری آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔"
اور ایسا ہی ہوا۔ بابو خاں نے میری حفاظت کی۔ اس نے اپنا
قول نبھایا۔ کوئی میری طرف بری آنکھ سے نہ دیکھ سکا۔ لیکن
خود بابو خاں نے اپنے کئے وعدہ نہیں کیا تھا۔"
میں خاموش رہا۔ ستم رسیدہ لڑکی کو کسی بات کا نوری
یقین دلانا مشکل تھا۔ اب صرف عمل کی بات تھی اور میں
نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب اس سے خود پر یقین کرنے کی
درخواست نہیں کروں گا۔ وہ خود مجھے بھیا نہ کہے۔
چنانچہ میں نے ایپ کی رفتار تیز کر دی۔ اور تھوڑی دیر کے
بعد ہم اس مقام پر پہنچ گئے جہاں بابو خاں کل کے سین کو
دوہرانے کے لئے تیار تھا۔ اسے روشیا کو اغوا کرنا تھا۔
روشیا نے بھی طالوت کا پیچھا چھوڑ دیا تھا۔ طالوت اس ایپ
سے اتر کر میری ایپ میں آ گیا۔
"یہ نوری ہے۔" اس نے پوچھا۔
"ہاں۔ یہ نوری ہے۔ میں نے سرد لہجے میں کہا۔
"کیا سینھ نے اسے نوری سے تو اب دے دیا ہے۔"
"ہاں۔"
"خوب۔ پھر اب تم نے اس سے اس کا ارادہ معلوم

کیا؟"

"اس کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اب ہم سیٹھ سے اسے رکھ لینے کی سفارش نہیں کریں گے۔

اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ ہمیں خود بھی تو اپنا دفتر قائم کرنا ہے۔ نوری تمہاری تعلیم کیا ہے؟"

نویں کلاس پاس ہوں سیٹھ صاحب۔" نوری نے جواب دیا۔

"سیٹھ صاحب؟" طالوت نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔

"ہاں رانا صاحب۔ نوری ہمیں سیٹھ کے علاوہ کوئی درجہ دینے کو تیار نہیں ہے۔ بہرحال یہی سہی۔ ہم اسے اس کی مرضی کے خلاف مجبور نہیں کریں گے۔"

"اوہ۔ بہرحال نوری۔ کیا تم ہمارے پاس کام کرنا منظور کروگی۔ سنو ہمیں اپنا دفتر قائم کرنا ہے۔ تم اس کی دیکھ بھال کروگی۔ میرا خیال ہے تم اس کام کے لئے موزوں ہو۔"

"دعائیں دوں گی سیٹھ صاحب۔ پوری محنت سے کام کروں گی؟" نوری نے شکر گزار نگاہوں سے ہمیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ٹھیک ہے۔ آج سے تم ہماری ساتھی بن گئیں۔ فکر مت کرو تمہیں مناسب تنخواہ ملے گی۔ دفتر کا کام جب سے شروع ہو تمہاری تنخواہ وغیرہ آج سے ہی شروع ہو گئی ہے۔" نوری کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ مجھے اس مظلوم لڑکی پر بہت ترس آرہا تھا۔"

"بابو خاں کے بارے میں کیا خیال ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اس کی سزا لازمی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوکے۔" طالوت نے گردن ہلائی۔ پھر نوری کی طرف دیکھ کر بولا۔ "اس نے تمہاری بے عزتی کی تھی نوری۔ کس کی مجال ہے جو ہمارے کسی ساتھی کی بے عزتی کر جائے۔ بس تماشا دیکھو۔ لیکن ہماری پہلی ہدایت ہے کہ ہماری تمام باتیں راز میں رہیں گی۔"

"میں اس ہدایت کو یاد رکھوں گی سیٹھ صاحب۔"

"دوسری ہدایت یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے کسی کو سیٹھ نہ کہو۔ یہ گولر بھائی ہیں اور میں رانا عزیز الدین۔" تم مجھے رانا اور انہیں گولر کہو گی۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گولر بھائی!" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ صورتِ حال چونکہ سنگین ہے اس لئے گولر بھائی ہی سہی۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔ میں نے خود ہی اپنی منی پلیٹ کی تھی اس لئے خاموش رہنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا۔ ویسے طالوت کا خیال تھا کہ شاید لڑکی مجھے پسند آئی ہے۔ لیکن اب اسے صورتحال کا صحیح اندازہ ہو گیا تھا۔"

دوسری طرف بابو خاں گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ کیمرہ تیار تھا۔ کلیپر بوائے کلیپ دے رہا تھا۔ اور پھر کیمرہ اسٹارٹ ہو گیا۔ بابو خاں نے گھوڑے کو دوڑایا۔ لیکن نہ جانے کس طرح گھوڑا نہ دوڑ سکا۔ اس کی دم کھڑی ہو گئی تھی' ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے مضبوطی سے اس کی دم پکڑ رکھی ہو بابو خاں نے اسے دو تین ہاتھ مارے۔ گھوڑا بدحواس ہو گیا تھا۔

"کٹ۔ کٹ!" عبدل بھائی چیخا۔ "اے بابو خاں۔ کیا کرتا ہے۔ گھوڑا دوڑاؤ۔"

"نہیں دوڑ رہا عبدل بھائی۔ سالا اڑی کر رہا ہے۔"

"ارے تمہارے باپ نے بھی کبھی گھوڑا دوڑایا ہے۔ سالا پھلم کھراب کرتا پڑا ہے۔ دری ہوسیاری سے کام کرو یار۔ گاہے کو ہزار کیڑا کرتا پڑا ہے۔" روئی والا نے عصیلے انداز میں کہا۔

"اس بار ٹھیک ہو گا سیٹھ!" بابو خاں نے کہا اور گھوڑے کو دو تین چکر دیئے۔ گھوڑا فارم میں آگیا تھا۔ اور پھر اسے مناسب اور منتخب جگہ کھڑا کر دیا گیا۔ کلیپ دیا گیا اور کیمرہ اسٹارٹ ہو گیا۔ بابو خاں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی' اور اس بار گھوڑا بری طرح اچھل کر بھاگا۔ بابو خاں کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ گھوڑا اس طرح بدک جائے گا۔ وہ گھوڑے کو قابو کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ گھوڑا سیدھا روشیلا کی طرف لپکا تھا۔ لیکن روشیلا سمجھ گئی تھی کہ وہ بابو خاں کے کنٹرول سے باہر ہے' اس لئے وہ چیخ کر ایک طرف بھاگ اٹھی۔ اور گھوڑا اچھلتا کودتا آگے بڑھ گیا۔ وہ دونوں باؤس پر کھڑا ہو گیا۔ اور بابو خاں اس کی پشت سے پھسل پڑا۔ لیکن وہ ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔ اور سیٹھ روئی والا بری طرح دانت پیس رہا تھا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے سیٹھ۔ گھوڑا اڑی کر رہا ہے۔" بابو خاں نے بیچارگی سے کہا۔

"ارے بابو خاں۔ کیا کرتا ہے یار۔ تو تو بالکل اناڑی ہو گیا۔ عبدل بھائی نے کہا۔ غرض چاروں طرف سے بابو خاں پر ملامت ہونے لگی۔ پھر بابو خاں کی درخواست پر گھوڑا بدل دیا گیا۔ ہمارے تنومند گھوڑوں کے بارے میں چھ کہنے کی وہ ہمت بھی نہیں کر سکتے تھے خود بابو خاں ان گھوڑوں پر سوار

ہونے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

دوسرے گھوڑے کو کافی دور تک دوڑا کر چیک کیا گیا۔ یہ بالکل فارم میں تھا۔ ایک بار پھر بابو خاں نے ہمت کی اور گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ آخری ٹیکنگ کے بعد گھوڑے کو پھر دوڑایا گیا۔ لیکن جونہی بابو خاں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی' گھوڑا الف ہو گیا۔ بابو خاں اس بار بری طرح گرا تھا۔

"او بابو کھاں۔ او بابو کھاں۔ او گدھے کی اولاد۔ تو یہ شارٹ نہیں کرا سکتا۔ تیرے بس کا بات نہیں ہے۔ عبدل بھائی۔ یار کیا مسخری ہوتا پڑا ہے۔"

"بابو کھاں کو تم نے کاسٹ کیا تھا سیٹھ۔ میرا مرتی نہیں تھا۔"

"ارے تمہارے کو کیا معلوم تھا یار۔ کہ یہ سالا بھجڑے کی اولاد ہے۔"

"اپن اب کیا کرے گا سیٹھ۔" عبدل بھائی نے پریشانی سے کہا۔

"سین چینج کرنا پڑے گا۔"

"ارے مگر کہانی خراب ہو جائے گی!" عبدل بھائی نے کہا۔ وہ لوگ بکواس کر رہے تھے' تب طالوت نے نوری کے کان میں کہا۔

"اگر یہ تم سے معافی مانگ لے تو سین ہو سکتا ہے۔"

نوری نے حیرت سے اسے دیکھا' لیکن کچھ بولی نہیں۔ تب طالوت نے کہا "اجازت دو عارف تو میں یہ سین فلما دوں۔"

"ہاں۔ اس بابو خاں کو اس فلم سے نکلنا چاہئے۔"

"ابھی لو!" طالوت نے کہا اور آگے بڑھ گیا "کیسے گھٹیا آدمی سے کام لے رہے ہو سیٹھ۔ یہ کیسے چل سکے گا۔ اس طرح تو فلم خراب ہو جائے گی۔"

"میں بھی ایسا ہی بولتا رانا صاحب۔ اے عبدل بھائی۔ اس سالے بابو کھاں کا ایگریمنٹ کینسل کرو یار۔ یہ اپنے پاس نہیں چلے گا۔ نکالو یار اسے۔ ابھی اس کا تھوڑا کام ہوا ہے' اگر جیادہ ہوتا تو ہم پھنس جاتا۔"

"ایسی بات نہیں ہے سیٹھ صاحب۔ تمہارے گھوڑے ہی خراب ہیں۔" بابو خاں نے کہا۔

"میرا گھوڑا لے لو بابو خاں۔" طالوت بولا۔

"وہ بہت اونچا ہے۔" بابو خاں نے گھبرا کر کہا۔

"آئے ہائے۔ ایک اونچا ہے ایک نیچا ہے۔ اب میں بولتا تم سالا گھوڑا اونچا نیچا ہے۔ نہیں چلے گا بابو کھاں' تم اس پھلم میں نہیں چلے گا۔ تمہارے لئے ہم اپنا پھلم کو ڈبے میں نہیں بند کرے گا۔ عبدل بھائی! میں بولا تم اس کا ایگریمنٹ کینسل کرو۔"

"ٹھیک ہے سیٹھ۔ مگر اس سین کا کیا ہوگا۔ بہت بڑا نقصان ہو جائے گا!"

"اسے برداشت کرے گا بھائی۔ پھر کیا بولے۔" سیٹھ نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"میں یہ شارٹ دے سکتا ہوں سیٹھ۔" طالوت نے کہا۔

"آپ۔ آپ دیں گا رانا صاب۔" سیٹھ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"بائی گوڈ۔ بائی گوڈ۔ ایسا ہو جائے تو کھدا آسمان پھلم ایک دم آسمان پر اڑ جائیں گا۔" عبدل بھائی جوش سے بولے۔

"ٹھیک ہے تیار کرو۔ میرا چہرہ کیمرے کے سامنے مت رکھنا۔" طالوت نے کہا اور اس بار نئے جوش و خروش سے کیمرہ تیار ہونے لگا۔ پھر طالوت نے بابو خاں کا اترا ہوا لباس پہنا جو اس کے جسم پر کافی حد تک ٹھیک تھا۔ روشیلا بھی خوش ہو گئی تھی۔ طالوت کو بلند و بالا گھوڑا دیا گیا۔ اور طالوت بڑی شان سے اس پر سوار ہو گیا۔ کلیپ دیا گیا۔ عبدل بھائی نے طالوت کو ہدایات دیں اور پھر کیمرہ چل پڑا۔ طالوت نے گھوڑا دوڑایا۔ بلاشبہ وہ بے حد شاندار لگ رہا تھا۔ کیمرہ صرف گھوڑے اور اس کے جسم کو ایکسپوز کر رہا تھا۔ دوسرے لمحے وہ جھکا اور اس نے روشیلا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اٹھا لیا۔ کئی گز دور جانے کے بعد اس نے روشیلا کو گھوڑے پر بٹھایا تھا۔

چاروں طرف سے تالیاں بج اٹھیں۔ ایک تو سین بہت عمدہ ہوا تھا اوپر سے رانا صاحب کی حیثیت۔ چاروں طرف سے واہ واہ ہو رہی تھی۔ صرف بابو خاں تھا جو خوب ذلیل ہوا تھا۔

سین ہو گیا تھا۔ اس لئے وہاں سے واپسی ہو گئی اور پھر فوری طور پر روانگی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ نوری بدستور ہمارے ساتھ تھی۔ بابو خاں یا سیٹھ نے اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ بابو خاں کی پوزیشن تو خراب ہو ہی چکی تھی' اب وہ کیا بولتا۔ خود اس کی حیثیت خطرے میں تھی۔

دوسری بات یہ کہ سیٹھ اور دوسرے لوگوں نے محسوس کر لیا تھا کہ نوری کو ہم نے خاص طور پر لفٹ دی ہے' اس لئے اب وہ نوری کی طرف آنکھ بھی نہیں اٹھا سکتے تھے البتہ نوری بالکل خاموش تھی۔ وہ ہم لوگوں میں اپنی صحیح حیثیت جاننا چاہتی تھی۔ اس علاقے کی شوٹنگ مکمل ہو چکی تھی' اس

لئے سیٹھ نے ہم سے واپسی کے بارے میں مشورہ کیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم تو تیر کو نکلے ہیں۔ تمہارے ساتھ چلیں گے سیٹھ۔"

"ناں کم۔ میرے کو بھوت کھوسی ہوگا رانا صاب! سیٹھ نے کہا۔

"رانا صاحب کا خیال ہے سیٹھ۔ کہ خود اپنی قلم کٹنی تو ختم کی جائے۔ سب کچھ تمہاری مرضی سے ہوگا۔"

"بھوت اچھی بات ہے۔ ہم پیپ کردیں گا۔" روڈی والا نے کہا۔ اور پھر واپسی کی تیاریاں عمل ہونے لگیں اور ہم قلم مرکز کی طرف چل پڑے۔

طویل سفر تھا۔ لیکن دلچسپ رہا۔ بادخاں کو ابھی تک کسی نے منہ نہیں لگایا تھا۔ وہ دل ہی دل میں کھس رہا تھا۔ لیکن مجبور تھا۔ بالآخر دن اور رات کا طویل سفر کرکے ہم لوگ قلم مرکز پہنچ گئے۔ اس سے قبل بھی ایک بار اس شہر میں آنے کا اتفاق ہوا تھا۔ لیکن اس وقت حیثیت کچھ اور تھی۔ اور آج اس شہر میں داخلہ بڑے کروفر سے ہوا تھا۔ سیٹھ روڈی والا نے ہمیں اپنی شاندار کوٹھی میں ٹھہرایا اور پوری طرح داری خاطر مدارات میں مصروف ہوگیا۔ نوری ابھی تک ہمارے ساتھ تھی۔

"ہمارے لئے کسی علیحدہ کوٹھی کا بندوبست کردو سیٹھ۔ ابھی ہم کچھ دن یہاں قیام کریں گے۔"

"میری کئی کوٹھیاں ہیں رانا صاب۔ وری جو آپ پسند کریں گا۔ ہم اس میں بھیج دیں گا۔"

"لیکن ہم کوٹھی خریدنا چاہتے ہیں۔ آپ ان میں سے کوئی فروخت کرنا چاہیں تو ہمیں دے دیں۔"

"جیسا آپ کا حکم رانا صاب۔" سیٹھ نے کہا "آج آپ ہمارا مہمان ہیں۔ کل ہم آپ کو کوٹھی دکھادیں گے۔"

اور ہم نے منظور کرلیا۔ نوری خاموش بیٹھی رہی تھی۔ پھر سیٹھ ہم سے اجازت لے کر چلا گیا۔ تب طالوت نوری کی طرف متوجہ ہوا۔ "ہاں تو نوری خانم! اب آپ بتایئے آپ کا کیا حکم ہے؟"

"میں کیا حکم دے سکتی ہوں رانا صاحب۔"

"حکم ہے۔ تم نے سیٹھ سے رانا تو کہا۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔ "پوچھ لیا تم نے اتنی لفٹ دی ہے تو ہماری ہمت بھی اور بڑھ گئی ہے۔ کیا ہم ایک فرمائش کرسکتے ہیں؟"

"حکم دیں رانا صاحب۔"

"تب پھر آج رات کا کھانا تمہارے ہاں، تمہارے ہاتھ کا پکا ہوا کھائیں گے۔" طالوت نے کہا اور نوری چونک پڑی۔ وہ ہماری طرف دیکھتی رہی۔ پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر پھیل گئی۔

"میں حاضر ہوں رانا صاحب۔ آپ نوری کی حقیقت کے بارے میں کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ آپ چونکہ قلم لائن سے واقف نہیں ہیں۔ ایکسٹرا لارج قلم انڈسٹری کی سب سے گھٹیا صنف ہوتی ہے۔ بہرحال میں حاضر ہوں۔ آپ کو میری حقیقت بھی معلوم ہوجائے گی۔ تب آپ اپنے فیصلے، اپنی ہمدردی پر نظرثانی کریں۔"

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا۔

"تب مجھے اجازت دیں۔ تاکہ میں جاکر کچھ تیاریاں کرلوں۔"

"جاؤ نوری۔" طالوت نے کہا اور نوری نے اٹھ کر میری طرف دیکھا۔

"آپ مجھ سے ناراض ہیں کیپٹن صاحب؟"

"ہاں! میں نے منہ پھلا کر جواب دیا۔

"کاش۔ میں آپ کو خوش کرسکتی۔" اس نے دھیمی آواز میں کہا اور سر جھکائے باہر نکل گئی۔ میں اور طالوت ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے لیکن اسی وقت ہمیں باہر سے سیٹھ کی آواز سنائی دی۔

"ارے نوری۔ تم کدر جاتا پڑا؟"

"گھر جارہی ہوں سیٹھ صاحب۔" نوری کی آواز ابھری۔

"سیٹھ لوگ سے چھوڑ دیا؟"

"ہاں۔"

"اے میں تو سمجھا کہ وہ لوگ نے تم کو پسند کرلیا۔ کوشش کرو نوری کہ ان لوگ کو پھانس لو۔ تمہارا مدر کھل جائے گا۔"

"کوشش کروں گی سیٹھ صاحب۔ ایک درخواست ہے۔"

"درکھاس درکھاس اس وکت نئیں چلیں گا بابا۔ کل تم دفتر سے اپنا حساب لے لینا۔ ہم تو تھوس ہے ہمارا جان چھوٹا۔ ورنہ ایکسٹرا لوگ کو کون ملا جھر رکھتا پڑا۔ کام کرو جیسا لوگ کہا تمہارا سفارش ہوا۔ اب وہ منع کرتا ٹھیک ہے۔"

"مجھے دس روپے دے دیں سیٹھ صاحب۔ کل حساب میں کاٹ لیں۔"

"ارے مزی نئیں ہے بابا۔ تم لوگ کا تو بھوت کھراب ہوتا ہے۔ لو یہ دو روپے رکھ لو۔ باقی کل حساب کرلینا۔"

"شکریہ سیٹھ صاحب!" نوری کی آواز سنائی دی اور پھر قدموں کی چاپ۔ وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ سیٹھ ہمارے کمرے میں داخل ہوگیا۔

"چائے مائے تیار تے رانا صاب۔ وری ہمیں کھدمت کا موقع دو آؤ!" اور ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ چائے کے دوران طالوت نے سیٹھ صاحب سے روشیلا کے بارے میں پوچھا۔

"اوہ۔ مس روسیلا تو چلا گیا۔ جاتے وکت وہ ہم سے بولا تھا۔ سیٹھ صاب۔ رانا صاب کا کھیال کرنا۔ ہم نکلی پھون کریں گا۔ پن ابھی اس کا پھون نہیں ملا!"

"اور یہ نوری کہاں رہتی ہے سیٹھ صاحب؟"

"ارے وہ ایکسٹرا سے بابا۔ یہ ایکسٹرا لوگ ایک دم پھٹے باج ہوتا پڑا۔ ان لوگ کو زیادہ منہ مت لگاؤ۔ ہم تمہارا کو مسورہ دیتا آں!"

"وہ کہاں رہتی ہے روڈی والا؟" طالوت نے کہا۔

"ارے مارے کو نئیں معلوم۔ عبدل بھائی جانتا پڑا۔"

"عبدل بھائی کہاں ہے؟"

"وہ بھی چلا گیا۔ پن آپ بولے گا تو ہم اسے پھون کرکے بلالیں گا آپ ہمارا مسورہ مانو۔"

"میں نے آپ کے بہت سے مشورے مان لئے ہیں سیٹھ صاحب۔ روپے پیسے کی پرواہ نہ کریں۔ دو چار کروڑ بھی لگانے پڑے تو ہم لگادیں گے۔ آپ اپنا قلم تیار کریں اور ہمیں مشورے دیتے رہیں۔"

"غلام ہوں جی۔ ہو ہو ہو!" سیٹھ صاحب خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔

"عبدل بھائی کو ٹیلی فون کرکے بلادوں۔"

"اچھا جی۔ چائے کے بعد بلادیں گا!" اور چائے کے بعد عبدل بھائی کو فون کرکے بلایا گیا۔ ہم اسے لے کر ایک کمرے میں آگئے جسے کمرے کا دروازہ بند کردیا گیا۔ عبدل بھائی بڑی امید بھری نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

"عبدل بھائی۔ آپ تو قلم لائن سے پوری طرح واقف ہیں۔"

"پوری تو نہیں جی۔ بس تھوڑا بہت ہی ہے۔ بھی میں جانتا ہوں۔"

"یہ سیٹھ کس قسم کا آدمی ہے؟" طالوت نے پوچھا اور عبدل بھائی سر کھجانے لگا پھر ہمیں سے ہمیں دیکھتے ہوئے بولا۔

"ادی برا نئیں ہے جی۔ بس تھوڑا لالچی ہے۔ پیسے پر جان دیتا ہے۔ آپ اس سے محنت پڑھت ہزور کراؤ۔ یہ دوستانہ مشورہ ہے۔ ورنہ خرچہ بھی ہوسکتا ہے۔ میری مانو رانا صاب۔ تو اپنا پھوکٹ کا کام کراؤ۔ عبدل بھائی کا جان حاجر ہے۔ نام پیدا کراؤں گا خدا کسم۔"

"تم واقعی اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو عبدل بھائی۔ ہم تمہارا مشورہ مانیں گے۔ سب سے پہلے ہمیں کوٹھی کا بندوبست کرنا ہے، پھر ایک عدد سا آفس بنانا ہے۔ کیا تم یہ کام کرسکتے ہو؟"

"کیا نئیں کرسکتا تمہارا عبدل بھائی رانا صاب۔ خدا کسم ایسا آفس، ایسا کوٹھی بنادیں گا کہ طبیعت خوش ہوجائیں گا۔ ہمارا لگی جاننے والا بہوت ہے۔ ہم کل ہی ان سے بات کرکے آپ کے واسطے دونوں چیزیں تلاش کرلیں گا۔"

"ٹھیک ہے عبدل بھائی۔ تم یہ دس ہزار روپے رکھ لو اور ہمارے لئے کام کرو۔ ایسا کرتے ہیں کہ اپنی طرف سے ہم تمہیں منیجر مقرر کردیں گے۔ تم ہی ہمارے لئے کام کرو۔" طالوت نے جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر عبدل بھائی کو دیتے ہوئے کہا اور عبدل بھائی کے ہاتھ کانپ گئے..... سنبھال انہوں نے گڈی جیب میں رکھ لی۔

"یہ نوری کہاں رہتی ہے عبدل بھائی۔" ماآخر طالوت مطلب کی بات پر آگیا۔

"نوری جی۔ نوری۔ وہ ایکسٹرا؟"

"ہاں۔ وہ ایکسٹرا۔"

"سہاپور کالونی کے ایک مکان میں رہتی ہے۔"

"تم وہ مکان جانتے ہو؟"

"ہاں جی۔ ہم اکثر اور جاتا پڑا۔ اسے بابو کھان لاتا تھا۔ دلن بٹنے سے پہلے وہ ایکسٹرا سپلائر تھا۔"

"ٹھیک ہے عبدل بھائی۔ اب چونکہ تم ہمارے منیجر بھی بن گئے ہو۔ اس لئے ہم تم سے کام بھی لے سکتے ہیں۔ شام کو ہمیں سہاپور کالونی میں نوری کے مکان پر پہنچا دینا۔"

"جیسا آپ بولیں گا سیٹھ۔ عبدل بھائی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر آنکھ دبا کر بولا۔ "پن اگر آپ جیسے بولیں گا سیٹھ تو ایک سے ایک فٹن کلاس چھوکری اور ہمارا تاک رہیں گا دو دن کا کیا بات ہے۔"

"ہمیں نوری ہی پسند ہے۔ میں اب تم جاسکتے ہو۔"

"شام کو پھر پیٹے ہم پھن جا ہیں گا۔" عبدل بھائی نے کہا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد طالوت نے ایک گہری سانس لی۔ اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے

بولا۔

"بلاشبہ یہ ایک عمدہ مقام ہے۔ جہاں بڑی بڑی نادر روزگار چیزیں موجود ہیں' سیٹھ روئی والا' جس کی کئی کوٹھیاں ہیں لیکن وہ اپنی قسم نہیں حاصل کر سکتا۔ عبدل بھائی قسم ڈائریکٹر لیکن وہ لڑکیاں تک سپلائی کر سکتا ہے بابو خاں' ولن' مس روشیلا اور ران کی نانی!"

"یہ تو نمونہ ہے طالوت۔ یہاں تمہیں بڑے بڑے عجوبے ملیں گے۔ ابھی ذرا آفس قائم ہو جانے دو۔ پھر دیکھو۔"

"دلچسپ ماحول ہے۔ مجھے یقین ہے یہاں بہت عمدہ وقت گزرے گا۔"

"یقیناً۔ فی الحال مس روشیلا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ حیرت انگیز طور پر غائب ہو گئی ہے' لیکن اب مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ وقتی طور پر متاثر ہو گیا تھا۔"

"خوب۔ تمہاری یہ بات پسند آئی۔ ویسے اس لائن میں نوری جیسی لڑکیاں بھی موجود ہیں۔ میں اس لڑکی کے بارے میں بہت سنجیدگی سے سوچ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔

"نوری جیسی لڑکی کے لئے جان بھی حاضر ہے میرے دوست۔ ہماری دلچسپ تفریحات میں اگر کچھ لوگوں کی پریشانیاں دور ہو جائیں تو کیا حرج ہے۔ بلاشبہ یہ دور میری زندگی کا یادگار دور رہے۔ میں تمہاری اس دنیا سے بہت متاثر ہوں عارف۔ یہاں دکھ اور خوشیاں ملی جلی نظر آتی ہیں لیکن زندگی کے لئے بے شمار ہنگامے مہیا ہیں۔ کم از کم یہاں سے انسان اکتا نہیں سکتا۔ میں یہاں سے جانے کے بارے میں سوچ کر ہی خوفزدہ ہو جاتا ہوں۔"

"ہاں طالوت۔ اگر غور کرو تو قدرت نے اس دنیا کو یکسانیت نہ بخش کر اس میں زندگی رواں دواں کر دی ہے۔ ورنہ سکوت ہوتا۔ لوگ مردہ دل ہوتے۔ اور پھر یہاں زندگی گزارنا بے حد مشکل ہو جاتا۔"

"یقیناً۔ میں متفق ہوں۔ ہر صورت اس اجنبی دنیا میں بہت سے کام ہماری' خاص طور سے میری سمجھ سے باہر ہیں۔ میری سمجھ میں اوّل تو یہ بات ہی نہیں آئی کہ یہاں انسانی تصویریں متحرک کیسے ہو جاتی ہیں۔ لیکن بہرحال ایسی بہت سی چیزیں ہیں جو میری سمجھ سے باہر ہیں۔ تم نے اسے سائنس کا نام دیا۔ میں نے تسلیم کر لیا۔ ویسے معاملہ مشترک ہی ہے۔ قدرت نے ہم لوگوں کو جو قوتیں دی ہیں' وہ صرف ہماری مرضی کے تابع ہیں۔ تم انہیں سائنس کہتے ہو۔"

میں نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ سیٹھ روئی والا کا ایک ملازم اندر داخل ہوا۔

"صاحب جی۔ مس روشیلا کا چون آیا ہے۔"

"کیا بولتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"رانا صاحب سے بات کریں گا۔" ملازم نے جواب دیا اور میں نے مسکراتے ہوئے طالوت کو اشارہ کیا۔

"آؤ یار۔ تم بھی آؤ۔" طالوت نے شانے جھٹکتے ہوئے کہا اور میں بھی ہنستا ہوا اس کے ساتھ اٹھ گیا۔ راستے میں میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک ہی رات میں بور ہو گئے؟"

"وہ اسی ٹائپ کی عورت ہے۔ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ حالانکہ اس نے خدا کو حاضر و ناظر جان کر میرے عشق اور اپنی معصومیت کی قسمیں کھائی ہیں۔"

"بہرحال اس نے اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا ہے' کچھ تو قدر کرو۔"

"یار سیدھی سادی بات کرو تو ٹھیک ہے۔ رہی سب کچھ کی بات۔ تو میرا دعویٰ ہے کہ وہ اپنا سب کچھ بہتوں کے حوالے کر چکی ہو گی۔" طالوت نے اور مجھے ہنسی آ گئی۔ میں اس کے ساتھ اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں فون کا ریسیور میز پر رکھا ہوا تھا۔ طالوت نے ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" اس نے کہا۔ اب وہ اس دنیا کے حالات بخوبی سمجھ گیا تھا۔

"او۔ حالانکہ پندرہ گھنٹوں کے بعد تمہاری آواز سنی ہے' لیکن ایسا لگ رہا ہے جیسے برسوں سے کان اس آواز کو ترس رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے ڈارلنگ؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"او۔ کتنے بھولے ہو تم۔ تم نے کبھی کسی سے محبت نہیں کی۔ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں۔ خیر تو ڈارلنگ تم نے بھی میری غیر موجودگی میں کیا محسوس کیا؟"

"میں نے جو کچھ محسوس کیا ہے وہ اپنے سیکریٹری کو بتا دیا ہے۔ آپ ان سے بات کر لیں۔" طالوت نے کہا اور ریسیور میری طرف بڑھا دیا۔ میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ریسیور پکڑ لیا۔ طالوت نے اچانک یہ بدمعاشی کی تھی۔ بھلا میں کیا کہہ سکتا تھا۔ لیکن اچانک میری رگ شرارت پھڑکی تھی۔

"ہیلو۔" میں نے ریسیور میں کہا۔

"خیریت ہے؟"

اللہ کا شکر ہے جی۔" میں نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

"گولر بھائی۔ یہ آپ کے رانا صاحب کس قسم کے آدمی ہیں؟"

"قسم اللہ کی۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم۔ آپ کو کیا بتاؤں۔"

"بہت شرمیلے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ میری بدائی میں آپ پر کیا گزری تو کہنے لگے کہ میرے سیکریٹری سے معلوم کر لیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے گولر بھائی؟"

"ہاں جی بہت بری گزری ہے۔ کمر میں درد ہے۔ کراہ کر اٹھ بیٹھ رہے ہیں۔ آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریوں کی شکایت کر رہے تھے۔ کچھ ڈرے ڈرے سے ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ کسی عورت کا فون آئے تو فوراً منع کر دوں۔"

اللہ بڑے شریر ہیں آپ گولر بھائی۔" روشیلا نے شرماتے ہوئے کہا۔

"اجی میں تو ان کی باتیں دوہرا رہا ہوں۔"

"خیر۔ آپ ان سے کہہ دیں کہ وہ دامن نہ چھڑا سکیں گے میں نے یہ چند لمحات کی جدائی صرف اس لئے برداشت کی تھی کہ گھر واپس آ کر ان کے شایان شان انتظام کر لوں۔"

"اوہ۔ تو کیا آپ نے انتظام کر لیا؟"

"ہاں۔ میں تھوڑی دیر کے بعد پہنچ رہی ہوں آپ لوگوں کو لینے۔ آپ میرے یہاں قیام کریں گے اور ہاں آپ سے کچھ ضروری باتیں بھی کرنی تھیں۔"

"گویا اب تک کی باتیں غیر ضروری تھیں؟"

"نہیں۔ وہ بھی ضروری تھیں' لیکن خاص بات یہ ہے کہ آپ سیٹھ روئی والا کے جھانسے میں نہ آئیں۔ وہ بڑا فراڈی آدمی ہے۔ مجھے تو ان پانچ لاکھ کا ہی افسوس ہے جو رانا صاحب نے ادا کئے اور ران کی رسید بھی نہیں لی۔"

"اوہ۔ لیکن رانا صاحب کا تو خیال ہے کہ آپ نے بھی روئی والا کی سفارش کی تھی۔"

"لیکن اس وقت یہ خیال تھوڑا ہی تھا کہ رانا صاحب اتنی رقم ساتھ لئے پھرتے ہوں گے اور فوراً ادا کر دیں گے۔ لیکن رانا صاحب تو در حقیقت بہت بڑے انسان نکلے۔ اتنی بڑی رقم انہوں نے چٹکیاں بجاتے ادا کر دی۔"

"بہرحال یہ باتیں آپ رانا صاحب سے ہی کریں' آپ کے آنے کی خبر سن کر ان کا رنگ زرد ہو گیا ہے۔ برسوں کے مریض معلوم ہونے لگے ہیں۔ اب آپ بس ٹرر انہیں سنجالیں۔"

"میں ایک گھنٹے کے اندر پہنچ رہی ہوں۔"

"بہت بہتر۔" میں نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ طالوت جھینپتے ہوئے انداز میں ہنس رہا تھا۔ "آ رہی ہے۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"فوراً نکل چلو۔" طالوت اٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے ارے وہ زبردستی تھوڑی کرے گی۔ آ جانے دو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بکواس مت کرو یار۔ نوری کے ہاں نہ جائیں گے اگر وہ آ گئی تو۔ میں ہو آتا ہوں' تم رک جاؤ۔"

"عارف خدا کے لئے چلو۔ میں واقعی اس عورت سے خوفزدہ ہوں۔"

"اتنی آسانی سے جان نہ بچا سکو گے طالوت۔ ویسے فکر مت کرو۔ میں کسی فٹ پاتھی حکیم سے تمہارے لئے نقرئی گولیاں خرید لاؤں گا۔" اور پھر طالوت کو جھلائے ہوئے انداز میں کھڑے ہوتے دیکھ کر میں بھی جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"چلو چل تو رہا ہوں۔ مگر عبدل بھائی۔"

"ہم خود نوری کا پتہ لگائیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"وقت ہو گی۔ میرے ذہن میں ایک اور ترکیب ہے۔"

"کیا جلدی بتاؤ۔"

"اسے آنے دو۔ ہم اس کی نگاہوں سے غائب ہو جائیں گے۔ جب عبدل بھائی آئیں گے تب تک وہ چلی جائے گی۔"

"او۔" طالوت میری آنکھوں میں دیکھنے لگا اور پھر اس نے گردن ہلا کر مسکراتے ہوئے کہا "چلو ٹھیک ہے۔ یہ ٹھیک ہے۔ وہ اطمینان سے بیٹھ گیا۔ مجھے بے تحاشا ہنسی آ رہی تھی۔ میں کوشش کروں گا کہ یہ عشق تمہاری طرف منتقل کر دوں۔" طالوت نے جھلائے ہوئے انداز میں دانت پیستے ہوئے کہا۔

"بات کیا ہے میری جان۔ اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہو؟" "یار یہ بڑی بھیانک عورت ہے۔ میرے تو فرشتوں کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔ بھلا میں اس حد تک جا سکتا ہوں۔ اس نے خود ہی گڑبڑ کر ڈالی تھی اور پھر موقع بھی نہیں دیکھتی۔ میرا خیال ہے وہ تمہارے عبدل بھائی اور روئی والا کے سامنے بھی اظہار عشق کے بھونڈے طریقے اختیار کرے گی۔"

"ہاں۔ یہ تو خطرناک بات ہے۔"

"ابھی تو بہت سی ایسی طیں ہیں میری جان۔ ذرا کسی قلم فنانسر کی حیثیت سے خود کو متعارف تو ہو جانے دو۔" میں نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"تب تو جلدی بھاگ جانا پڑے گا۔" طالوت نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔ کافی دیر تک ہم اسی قسم کی گفتگو کرتے

رہے۔ پھر میں نے طالوت کو اشارہ کیا۔ میں نے شاہ دان کا دروازہ کھولا اور طالوت خود ہاتھوں سے روپوش ہوگیا۔ اسی انداز میں ہم دونوں باہر نکل آئے۔ ہم نے کوٹھی سے باہر قدم رکھا تھا۔ اور بارش ٹھیک وقت پر باہر پہنچے۔ ایک خوبصورت سی کار سے روشیا اتر رہی تھی۔ ڈرائیں باوردی ڈرائیور موجود تھا۔ اور روشیا نے بھی قیامت ڈھائی تھی۔ ایک انتہائی قیمتی ساڑھی میں ملبوس تھی اور چہرے پر اتنا حسین میک اپ سجا رکھا تھا۔ بس دیکھتے رہو۔

"آؤ۔ بیٹھو۔" طالوت کا شانہ دباتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ نہیں عورت کے معیار سے گری ہوئی ہے۔"

"یہ تو برداشت کرنا پڑے گا پیارے۔ معیاری عورت اس طرح نہیں آئے گی۔"

"یہ بھی ٹھیک کہتے ہو۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر ایک دم بولا۔ "اوہ۔ وہ دیکھو۔ سیٹھ صاحب اس کی پذیرائی کو کس طرح لپک رہے ہیں۔"

"آؤ۔ قریب سے دیکھیں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں آگے بڑھ گئے۔ مس روشیا بڑے ناز سے قدم اٹھاتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی اور سیٹھ صاحب اپنی مخروطی نظر کے ان کی طرف دوڑ رہے تھے۔ لیکن مس روشیا کی نگاہیں شاید ہم دونوں کو تلاش کر رہی تھیں۔ وہ کسی خاص تلاش میں لگتی تھیں۔

"ہے ہے۔ ہیے نصیب۔ ہیے نصیب۔ ماں کسم کیا قیامت کا سماں ہے۔ قسم سے قسم سے۔ آؤ۔ آؤ۔"

"وہ دونوں کہاں ہیں سیٹھ صاحب؟"

"ہو ہو۔ رانا صاحب کو پوچھتا ہے۔ اندر ہیں۔ اندر آؤ۔ ماں کسم رانا صاحب تو سیٹھ ہوگیا۔ ایک دم کھلاڑی ہوگیا۔"

"میں انہیں اپنے ساتھ لے جانے آئی ہوں سیٹھ صاحب۔"

"نہیں۔ کیا بولتا پڑا۔ روشیا بائی۔ وہ تو تمارا مہمان ہے۔ ابھی تو اس سے رات کے کھانے پر جرا کاروبار بات کرنے کو مانگتا ہے۔ تم دیکھتی رہو۔ روشیا بائی۔ رانا صاحب کا دولت اور ہمارا محبت۔ ماں کسم تھوڑے عرصے میں ہم کروڑپتی ہو جائیں گا۔"

"دو چار لاکھ میں سے میرے ایک لاکھ میرے ڈرائیور کو ادا کر دیں۔"

"ایں۔ ایک لاکھ؟ کیا بولتا روشیا بائی۔ ماں کسم ایک لاکھ کا بات کب ہوا۔ ہم تو تین پرسنٹ بولا۔"

"تو میں پرسنٹ روئی والا۔ اس سے کم پر بات نہیں ہو سکتی۔ میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔"

"ارے کیا کرتا ہے مس روشیا۔ ابھی ہمارے کو حساب بھی تو دینا پڑے گا۔"

"سیٹھ صاحب۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ آپ یہ حساب وہیں کے پہلے ہی عمرت پر گزرنا کریں۔ ابھی تو بات ست آگے بڑھنی ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آؤ۔" سیٹھ صاحب نے گھبراتے ہوئے انداز میں کہا اور وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔ پھر وہی ہوا۔ میں پوری کوٹھی میں تلاش لیا گیا۔ ایک ایک ملازم سے پوچھا گیا۔ دونوں کافی دیر تک پریشان ہوتے رہے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ہم کہاں گئے۔

"اف۔" طالوت نے میرا شانہ دباتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔"

"گویا ان پانچ لاکھ میں تیس فیصدی روشیا کا ہے۔"

"یقیناً۔۔۔ اب یہ فیصلہ تو ہونا ہی چاہئے۔ بقول اس کے اس نے اپنا سب کچھ تمہارے حوالے کر دیا ہے۔"

"گویا ہم اتنے ہی بے وقوف ہیں۔"

"بظاہر تو ایسا ہی لگتا ہے۔"

"لیکن ایسا نہیں ہے۔"

"پھر۔۔۔؟"

"ارے تو کیا ہم ایک معمولی سی تجوری بھی نہیں توڑ سکتے۔ کیا سیٹھ نے اتنی بھدی روپیہ بینک میں رکھا ہوگا؟"

"اوہ۔ اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا طالوت۔"

"فکر نہ کرو ہارٹ نہیں ہوتے وہ۔ یہ روپیہ فوری کے کام آئے گا۔" طالوت نے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ طالوت اپنا ارادہ میں پختہ نظر آرہا تھا۔

"آؤ۔ جب تک وہ ہمیں تلاش کر رہے ہیں۔ ہم اس کی تجوری تلاش کریں۔" طالوت نے کہا۔ اور ہم تجوری کی تلاش میں چل پڑے۔

سیٹھ روئی والا کی تجوری ایسی جگہ نہیں ہو سکتی تھی جہاں عام نگاہیں پہنچتی ہیں۔ لیکن اس کی بدقسمتی کہ کھوجی بھی معمولی نہیں تھے۔ طالوت جب تجوری کی تلاش میں ناکام رہا تو اس نے راسم کو آواز دی۔ اور ہم کو خلام حاضر ہوگیا۔

"ہمیں سیٹھ روئی والا کی تجوری کی تلاش ہے۔" طالوت نے کہا۔

"تشریف لائیے۔" راسم نے گردن جھکا کر کہا اور ہم

اس کے ساتھ چل پڑے۔ راسم ہمیں ایک اندرونی کمرے میں لے گیا۔ اور پھر اس نے ایک خوبصورت مجسمے کی بائیں آنکھ دبائی۔ ہلکی سی کٹ کٹ کی آواز کے ساتھ ہی ایک چوکور ڈبا نمودار ہوا۔

"دائیں آنکھ دبائیں تو تجوری بند ہو جائے گی۔" راسم نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے گردن ہلائی اور راسم نگاہوں سے اوجھل ہوگیا۔ طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر تجوری کے قریب پہنچ گیا۔ تجوری میں بہت سے کاغذات' کچھ زیورات جن کے ساتھ کاغذ کی چٹیں بندھی ہوئی تھیں' اس کے علاوہ پانچ لاکھ کے نوٹوں کی گڈیاں اور بہت سی چیک بکیں اور پاس بکیں رکھی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے کہ سیٹھ صاحب کی اصل دولت تو بینکوں میں ہوگی' یہ پانچ لاکھ ابھی بینک تک پہنچانے کی مہلت نہیں ملی ہوگی ورنہ یہ بھی بینک میں ہوتے۔" میں نے کہا۔

"ذرا دیکھو تو سہی عارف' اس سیٹھ کے بچے نے کیا دھندے شروع کر رکھے ہیں؟" طالوت نے کہا اور پھر زیورات کی ایک تھیلی نکال کر میرے سامنے رکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی کاغذات بھی تھے۔ میں نے کاغذات دیکھ کر ایک گہری سانس لی۔ "کیوں؟" طالوت نے پوچھا۔

"روئی والا اصل سیٹھ ہے۔ کمبخت سود پر رقم بھی دیتا ہے اور مجبوروں کی عزت گروی رکھ لیتا ہے۔ چٹھیوں میں ضرورت مندوں کے زیورات ہیں جن کے عوض سیٹھ نے انہیں رقم دی ہے۔ اب یہ زیورات ان کے پاس واپس کہاں جائیں گے طالوت' سیٹھ انہیں سود میں ہی ہضم کر لے گا اور اصل باقی کا باقی رہ جائے گا۔"

"کیسے ہضم کر لے گا۔ ہم انہیں واپس کر دیں گے۔" طالوت نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا اور میرے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کس کس کی عزت بچاؤ گے طالوت۔ کس کس پر احسان کرو گے۔ یہ دنیا تو ایسے لعنتوں سے بھری پڑی ہے۔"

"تم نے پھر فضول گفتگو شروع کر دی عارف۔ ہم طے کر چکے ہیں کہ جو بھی ناموں کے سامنے آئے گا اور ہم اس کے لئے کچھ کر سکیں گے۔ یہ سوچ کر کہ ہم پوری دنیا کی مدد نہیں کر سکتے انہیں کیوں نظر انداز کر دیں جو ہماری نگاہوں کے سامنے آتے ہیں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن اس سلسلے میں کیا کرو گے؟"

"یا ہمیں روزی کمانے کی ضرورت ہے عارف۔"

"ایں۔ نہیں۔ یہ تو نہیں ہے۔"

"تو پھر بس۔ تفریح کریں گے' جس انداز میں بھی کر سکے۔ اور ہر اس شخص کی مدد کریں گے جو مدد کا مستحق ہوگا۔ تجوری صاف' یہ زیورات اور کاغذات ان تک پہنچ جائیں گے جن کے ہیں' چنانچہ سیٹھ روئی والا مرد بادہ۔" طالوت نے دونوں ہاتھ تجوری پر پھیلائے اور دوسرے لمحے تجوری میں پڑے ہوئے طالوت نے اطمینان سے گھنٹی کی دوسری آنکھ دبائی اور تجوری کا خانہ بند ہوگیا۔

"آؤ۔ دیکھیں' وہ دونوں کس مرحلے میں ہیں۔" اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور ہم دونوں تجوری والے کمرے سے باہر نکل آئے۔ بہت سے کمروں میں جھانکتے ہوئے ہم دونوں سیٹھ روئی والا کی خواب گاہ پر پہنچ گئے۔ کمرے سے مس روشیا کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دروازہ بند نہیں تھا اس لئے ہم اندر داخل ہوگئے۔ روشیا اور سیٹھ صاحب ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے' روشیا کے چہرے پر فکرمندی کے آثار تھے' لیکن سیٹھ صاحب قربان ہو جانے والے انداز میں اسے دیکھ رہے تھے۔

"سمجھ میں نہیں آتا۔ آخر وہ دونوں کہاں چلے گئے۔ کسی ملازم نے بھی باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا' اور پھر بغیر اطلاع دیئے وہ کہاں جا سکتے ہیں۔" روشیا پر خیال انداز میں گہری سوچ میں گم تھی۔

"ارے مارے کو کھود حیرت ہے۔ پن ہاں کیں بھی ہو کیں گا' واپس آجائے گا تم کائے کو پریشان ہوتا رو یا بائی۔" سیٹھ صاحب کسی قدر جھنجلائے ہوئے انداز میں بولے اور روشیا چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"تم پریشان نہیں ہو روئی والا؟"

"ارے ہم کائے کو پریشان ہوئیں گا۔ ہمارے کو کیا گھاٹا ہے۔ ہو ہو پورے پانچ لاکھ وصول کیا۔ ماری طرف سے دونوں کھڈے میں جائیں۔"

"بس تمہاری اوقات یہی ہے سیٹھ صاحب۔ لیکن یاد رکھو اگر وہ ہمارے ہاتھ میں رہتے تو ہمارے پیارے ہو جاتے۔ نواب رانا عزیز الدین خان کے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔ جو شخص دس بیس لاکھ جیب میں ڈال کر گھومے اور چار پانچ لاکھ معمولی سے انداز میں دے دے۔ وہ معمولی نہیں ہو سکتا۔"

"ٹھیک ہے بابا۔ پن اب اسے کہہ۔ سے پیا کرے۔ سارا مجا کرکری ہو ناپڑا۔" سیٹھ صاحب نے بیزاری سے کہا۔

"مزہ؟" روشیا نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"ارے اور کیا۔ فس کلاس والا موسم ہے۔ ہم ہے، تم ہے۔ یہ یہ کیا بولتا سالا۔ تنہائی ہے۔ ہو ہو ہو۔ ہیرو کا مالک اور پیار محبت کا باتیں کرنے کو مانگتا ہے۔ پن تم ان دونوں کی پھکر میں پڑا ہے۔"

"اوہ۔ سیٹھ صاحب۔ آپ کا پیار محبت کا موڈ ہے؟"

"تو اور کیا بابا۔ ہم سالا انسان نئیں ہے کیا؟"

"آپ کو پیار کرنا آتا ہے سیٹھ صاحب؟" روشیلا نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہو ہو۔ کائے کو نئیں آتا۔ ایسا سالا فس کلاس والا کرتا۔ جرا اور آؤ۔" سیٹھ صاحب چونچ بنا کر روشیلا کی طرف کھسکے لیکن روشیلا نے جلدی سے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر انہیں روک دیا۔

"ہاں۔ ہاں۔ سیٹھ صاحب۔ سیٹھ صاحب۔ آپ کاروباری آدمی ہیں۔ پہلے کاروبار کی باتیں تو کرلیں؟"

"ارے کاروبار گیسا۔ ہم سالا پیار کرنے کو مانگتا ہے!" سیٹھ صاحب پھر مرغ کی مانند پر پھڑپھڑانے لگے۔

"وہ سیٹھ صاحب۔ پہلے تو میرے کمیشن کے ایک لاکھ!" روشیلا صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ارے تو بولا نا بابا۔ دیں گا۔ اور تم پیچھا کب چھوڑیں گا۔ میں وعدہ کیا نا تم بیٹھو تو۔"

"اگر آپ ان میں سے دو لاکھ نکال دیں سیٹھ صاحب تو کیا فرق پڑے گا آپ پھر بھی تین لاکھ کے فائدے میں رہیں گے۔" روشیلا معنی خیز انداز میں بولی۔

"دو۔ دو لاکھ!" سیٹھ جلدی سے بیٹھ گئے "دو لاکھ کائے کو بابا؟"

"ایک لاکھ میرا کمیشن اور ایک لاکھ پیار محبت کے۔ پھر آپ بالکل ہیرو بن جائیں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ارے۔ اوہ۔ وہ ہو ہو۔ ہم سالا اس بڑھاپے میں کائے کو ہیرو بنیں گا۔ ہم تو ایسے ہی مسکری کرتا پڑا۔ تم بیٹھو روشیلا بائی۔ کچھ چائے پانی منگواتا۔"

"نہیں۔ اب میں چلوں گی۔ رانا صاحب واپس آجائیں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں ان سے سخت ناراض ہوں۔ وہ مجھے منانے میرے گھر آسکتے ہیں۔" روشیلا بولی۔

"بول دیں گا بابا۔ مگر ہم بڑا بدنصیب ہے۔" سیٹھ نے افسردگی سے کہا۔

"کیوں؟ کیوں؟" روشیلا مسکرائی۔

"اے دیکھو نا روشیلا بائی۔ ہم تمہارے کو کتنا محبت کرتا پڑا۔ اپنی پھلم میں تمہارے کو کاسٹ کیا۔ تمہارے پر اتنا محنت کرتا پڑا۔ پن تم پیار کا ایک بات بھی نئیں کرتا۔"

"آپ پیار کرکے کیا کریں گے سیٹھ صاحب؟" روشیلا نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"اے بس۔ ایک کھوا بس تھا۔ پن تم پورا نئیں کرتا پڑا۔ تو کیا بنے گا؟" سیٹھ صاحب مایوسی سے بولے۔

"تو اپنی خواہش پوری کرلیں سیٹھ صاحب۔ میں تو بازار میں بکی ہوئی ہوں۔ آپ لوگوں سے بنا کر نہ رکھوں تو کیسے کام چلے گا۔"

"اے ٹھیک بولتا پڑا۔ بالکل ٹھیک بولتا پڑا۔" سیٹھ صاحب روشیلا پر جھک گئے۔ طالوت سے برداشت نہ ہو سکا تھا۔

اس سے قبل کہ میں اسے روکوں، اس نے سیٹھ صاحب کے سر سے پگڑی اٹھائی اور وہ زوردار ہاتھ رسید کیا کہ سیٹھ صاحب کی آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ وہ اوندھے ہوگئے۔ روشیلا ان کے وزن سے بچنے کے لئے جلدی سے ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

"کیا ہوا سیٹھ صاحب؟" وہ حیرت سے بولی۔

"ایں!" سیٹھ صاحب نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا اور پھر غصیلے انداز میں روشیلا کی طرف دیکھتے ہوئے بولے بابا "تم کھودو لا۔ پھر مارتا کائے کو ہے؟"

"کیا مطلب؟" روشیلا نے تعجب سے کہا۔

"پن تمہارے دونوں ہاتھ تو ہمارے سامنے تھے۔" سیٹھ صاحب کو خود بھی حیرت تھی۔

"ہوا کیا؟" روشیلا نے تنک کر پوچھا۔

"ارے ہم کھود نئیں جانتا کیا ہوا" سیٹھ صاحب نے پہلے اوپر اور پھر نیچے اس خیال سے دیکھتے ہوئے کہا کہ اوپر سے کوئی چیز تو ان کے سر پر نہیں گری تھی۔ لیکن ایسی کوئی چیز انہیں نظر نہیں آئی تھی۔

"بس۔ اب میں چلوں گی سیٹھ صاحب۔ وہ پیسے مجھے دے دیں۔" روشیلا نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا سیٹھ صاحب میں اب اتنی ہمت نہیں تھی کہ دوبارہ کوشش کرتے۔ ان کا سر اب بھی چکرا رہا تھا۔ کان سنسنا رہے تھے۔

"دیتا ہے بابا۔ دیتا ہے۔" وہ بے چارگی سے بولے اور پھر لرزتے قدموں سے اٹھ کر باہر نکل گئے۔

"آؤ دیکھیں!" طالوت نے سرگوشی کی۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر سیٹھ صاحب کے پیچھے چل پڑا۔ پھر ہم دونوں سیٹھ صاحب کے ساتھ ہی اندر داخل ہوئے تھے۔ سیٹھ صاحب

نے جھنجھے کی آنکھ دبائی اور تجوری کھل گئی۔ پھر انہوں نے اندر جھانکا۔ اور ایک دم ایسا لگا، جیسے سانپ نے کاٹ لیا ہو۔

"ہائیں۔ ارے۔ ارے۔ یہ کیا!" ان کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ اور وہ دل پر ہاتھ رکھ کھڑے ہوگئے "ارے۔ ارے۔ ڈاکہ پڑ گیسو' ہائے باپ۔ ارے چلو۔ جلدی۔ پولیس پولیس۔" وہ بوکھلاہٹ میں ناچتے ہوئے پنجے اور پھر سرپٹ باہر کی طرف دوڑے۔ انہوں نے وہ شور مچایا کہ خدا کی پناہ!

ذرا سی دیر میں گھر کے سارے ملازم روشیلا سمیت ان کے گرد جمع تھے اور سیٹھ صاحب بوڑھی عورتوں کی طرح بین کررہے تھے۔ وہ بتا رہے تھے کہ وہ لٹ گئے۔ پانچ لاکھ نقد۔ لاکھوں کے زیورات اور نہ جانے کیا کیا چلا گیا "سب چھو چوپٹ ہوگیو۔ ماں کسم۔ ہمارا بابا ہو گیئو۔" اور پھر اچانک وہ ایک دم خاموش ہوگئے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے اور پھر انہوں نے روشیلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مس روسیلا۔"

"کیا بات ہے سیٹھ صاحب؟" روشیلا نے طنزیہ انداز میں کہا۔ لیکن سیٹھ صاحب کو اس وقت اس کے لہجے پر توجہ دینے کی فرصت کہاں تھی۔

"مس روسیلا۔ گھپلا ہوگیا۔ ماں کسم بہت بڑا گھپلا ہوگیا۔"

"گھپلا تو ہو رہا ہے سیٹھ صاحب۔ میں خود دیکھ رہی ہوں۔"

"وہ رانا کا بچہ اور اس کا ساتھی ڈاکو تھے۔ بہت بڑے ڈاکو۔ وہ پانچ لاکھ دے کر سب کچھ لے گئے۔ ہائے مارو گیو۔ سب لے گئے۔ پانچ لاکھ بھی لے گئے۔ جیور بھی لے گئے۔ سب کچھ لے گئے۔ ہائے۔" روئی والا بار بار سینہ پیٹ رہا تھا۔

"سیٹھ صاحب۔ سوچ سمجھ کر بات کریں۔ آپ بغیر ثبوت کے الزام لگا رہے ہیں۔" روشیلا نے تیز لہجے میں کہا۔

"ارے اب ثبوت کا کیا جرورت ہے۔ بھاگ گئے۔ ہائے بابا۔" سیٹھ نے رونے والے انداز میں کہا اور روشیلا ان کے قریب پہنچ کر چیخ پڑی۔

"سیٹھ صاحب۔ آپ کتنی ہی اداکاری کریں۔ میں آپ سے ایک لاکھ روپیہ ضرور وصول کروں گی۔ اگر آپ شرافت سے نہیں دیں گے تو میں بھی انگلیاں ٹیڑھی کرنا جانتی ہوں۔" وہ دانت پیستے ہوئے بولی۔

"ہیں۔ ارے ایک لاکھ۔ ارے ایک لاکھ۔ اب ایک لاکھ اور دیں گا۔ ارے کیا کرتا پڑا مس روسیلا۔ اب ایک لاکھ کہہ رہے دیں گا۔ ارے ہم تو ایسے ہی مری گیو۔"

"دیکھا اوں کی سیٹھ صاحب" روشیلا کو سیٹھ کی بجائی پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل گئی۔

"ابھی تو آپ بھی باقی ہیں مس روشیلا!" طالوت نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے پچاس کرا ایک لاکھ کی حقدار وہ بھی تھیں اور پھر روئی والا گویا اس کی نگاہوں میں میری اور روئی والا کی ایک ہی حیثیت ہے۔"

"ایک لاکھ کی بات دوسری ہے طالوت۔ باقی معاملات کے لئے اسے معاف کردو۔ اس کی نائن ہی ایسی ہے۔"

"بہرحال ایک لاکھ سہی۔ اس گدھے کے لئے یہی سزا کافی ہے یا چھو اور اس نے ہمارے اوپر ڈاکہ زنی کا بھی شبہ کیا ہے۔ کیا اس کے لئے اسے علیحدہ سے سبق دیا جائے؟"

"بس بس۔ اتنا ہی کافی ہے۔ ہارٹ فیل ہو جائے گا بیچارے کا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن حیرت ہے عارف۔ یہ اتنا معمولی آدمی تو نہیں ہے کہ اتنی سی رقم کے لئے اس کی بری حالت ہو جائے۔ اس کی تو جائیداد ہی کافی ہے۔"

"اس دنیا کے کارخانے کو سمجھنے کے لئے ابھی وقت درکار ہے طالوت۔" "بس دیکھتے رہو۔ اور لطف اندوز ہوتے رہو۔ آؤ اپنے کمرے میں چلیں۔ یہ تو اسی طرح بین کرتا رہے گا!" اور میں اور طالوت واپس چل پڑے۔ ٹھیک چھ بجے عبدل بھائی آگیا۔ اس نے ہمارے بارے میں پوچھا ہوگا تو ظاہر ہے اسے عجیب سی باتیں سننے کو ملی ہوں گی۔ تاہم وہ ہمارے کمرے کی طرف اکیلا ہی آیا اور ہم نے اس کا استقبال کیا۔

"ارے کیا بولتا ہے گولر بھائی۔ کیا باہر سب لوگ کا مج چل گیا ہوتا۔" عبدل بھائی ہمیں دیکھ کر اچھل پڑا۔

"کیا ہوا عبدل بھائی؟" میں نے پوچھا۔

"ارے بابا اور تو پاگل کھانا معلوم ہوتا پڑا۔ جرا آؤ۔ وری دیکھو۔ اور سب لوگ کھاس ہوگیا" عبدل بھائی کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔

"کیا ہو گیا آخر؟" میں نے کہا اور پھر طالوت کی طرف مڑ کر بولا "آیئے دیکھیں رانا صاحب۔"

"چلو۔" طالوت نے کہا اور ہم تینوں سیٹھ کے کمرے کی طرف چل پڑے' جہاں تعزیتی میٹنگ ہو رہی تھی۔ کچھ دوسرے لوگ بھی باہر سے آئے ہوئے تھے۔ سیٹھ ان کے درمیان بیٹھا اپنے لٹ جانے کی داستان سنا رہا تھا۔ سب سے پہلے عبدل بھائی۔ اس کے پیچھے میں اور پھر طالوت اندر داخل ہوئے۔

سیٹھ نے یونہی سرسری نگاہ ہمارے اوپر ڈالی اور اچانک وہ کسی فٹ بال کی طرح اچھل پڑا اور پھر اس نے اپنے ہتھے سے اکھڑے لہجے میں ہمارے اوپر چھلانگ لگائی۔ دوسرے لوگ گھبرا کر کرسیوں سے کھڑے ہو گئے تھے۔ سیٹھ نے جھک کر میری کمر میں دونوں ہاتھ ڈال کر مجھے پکڑ لیا اور پھر اس کے منہ سے طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگیں۔

"ماں کسم۔ ہاہاہا۔ مار دیو۔ ہو ہو۔ پکڑ لیو۔" اس کا بدن بری طرح کانپ رہا تھا۔ اور بھی روکنے کی کوشش میں میری اور طالوت کی بری حالت ہو گئی۔

"کیا ہو گیا سیٹھ صاحب کو؟" میں نے حیرت سے عبدل بھائی سے کہا سیٹھ بدستور میری کمر سے لپٹا ہوا کانپ رہا تھا۔

"اے روئی والا۔ اے روئی والا۔ کیا کرتا ہے کھدا کسم اے تیرا کچ پھر گیا ہے کیا۔ اے سنبھل کے بولو سیٹھ۔" عبدل بھائی سیٹھ سے میری کمر چھڑانے کی کوشش کرنے لگے! دوسرے لوگ پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑے تھے۔

"نہیں چھوڑیں گا۔ ماں کسم نہیں چھوڑیں گا۔ اے پولیس بلاؤ۔ جلدی کرو۔ مری گیو۔ پکڑ لیو۔"

"پولیس۔" طالوت آگے بڑھ کر کہا یہ کیا بدتمیزی ہے روئی والا۔" اس نے روئی والا کی گردن پکڑ کر اسے زور سے دھکیل دیا۔ اور روئی والا چاروں شانے چت گرا۔ لیکن اس نے اٹھنے میں بہت پھرتی دکھائی۔ وہ پھر کسی بے سینگ کے مینڈھے کی طرح گردن جھکائے آگے بڑھا اور اس بار اس نے طالوت کو پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن طالوت کے تھپڑ کی آواز کافی دیر تک گونجتی رہی تھی اور اس تھپڑ نے روئی والا کے بھی حواس درست کر دیئے تھے۔

"اب اس بدتمیزی کی وجہ بتاؤ۔ روئی والا۔" طالوت آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ اس کی پروقار شخصیت سے سب ہی مرعوب ہو گئے تھے۔ کسی نے اس معاملے میں مداخلت کی کوشش ابھی تک نہیں کی تھی۔ طالوت نے روئی والا کا گریبان پکڑ لیا۔

"ارے مارتا کائے کو سیٹھ بھائی۔ ارے مارتا بھی ہے۔ نوٹ لیا!!" ارے" روئی والا گریبان چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔

"عبدل بھائی۔ اس سے معلوم کرو' اسے کیا ہو گیا؟" طالوت نے پھر اسے دھکا دے دیا اور وہ اطمینان سے پیچھے گر گیا۔ لیکن اس بار اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ اسی طرح پڑا ایک ایک کو گھورنے لگا' چپ سادھے ہوا تھا۔

"وہ رانا صاحب۔ اپن کے سالے سیٹھ کا کچ پھر گیا۔ وہ بولتا ہے آپ لوگ ڈاکو ہیں۔ آپ نے اس کی تجوری صاف کر کے پانچ لاکھ روپے اور بہت سے زیورات نکال لئے ہیں۔" عبدل بھائی نے کہا۔

"اوہ!" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر روئی والا کو گھورا "تو گھبرا کر' مہمان بنا کر تم مہمان کی یہ عزت کرتے ہو روئی والا۔ ہم ڈاکو ہیں۔ کیوں؟" طالوت آگے بڑھا۔

"ارے۔ مار یو مت بھائی۔ ماں کسم بڑے زور کا ہاتھ پڑتا ہے۔ پن ہم کیا بولے۔ ارے اور کس نے ہمارا تجوری صاف کر دیا!"

"روئی والا تمہاری جتنی بھی دکانداری ہے۔ کھڑے کھڑے خرید لوں گا۔ بتاؤ اس کی قیمت کیا ہے اسی وقت ادائیگی ہو سمجھے۔" طالوت نے کو بجھار آواز میں کہا۔

"اے تو پھر بھائی۔ ہم کیا بولے۔ ہائے ہم تو لٹ گیا۔"

"بکواس مت کرو۔ میرے دیئے ہوئے پانچ لاکھ واپس کر دو۔ ورنہ تمہارے اوپر دھوکہ دہی کا مقدمہ کروں گا اور تمہیں قید میں ڈلوا دوں گا۔"

"ارے پانچ لاکھ اور۔۔۔ اور ایک لاکھ روپیا کا۔ ہمارے چچا لاکھ۔ اور پھر ان کا نقصان۔ ہائے۔ ہم تو لٹ گیا۔" سیٹھ گانے کے انداز میں رونے لگا۔

"آؤ عبدل بھائی۔ سیٹھ کو رات میں دیکھیں گے۔" طالوت نے کہا عبدل بھائی اب ہمارا پیچھا تھا' اس لئے وہ گردن ہلاتے ہمارے ساتھ نکل آیا۔ کس کی مجال تھی کہ ہمیں روکتا۔ ہم لوگ باہر نکل آئے۔

"سیٹھ بہت کمینہ ہے عبدل بھائی۔ مہمانوں پر چوری کا الزام لگایا ہے۔" طالوت نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

"اے کھدا کسم۔ لوگوں کا کیسہ جیسا ہے ویسا ہے۔ پن آپ نے خوب خوب دھنا دھن پہنچایا رانا صاحب۔ مزہ آیا۔ اب دو پانچ لاکھ کا نقصان کر لیا ہے۔"

"ہم اس سے پورے پانچ لاکھ نکال لیں گے۔ تم فکر مت کرو۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم تینوں

سیٹھ کی کوٹھی سے نکل آئے تھے۔

"کیا ہوتا ہے رانا صاحب۔ تجوری کے گھر چلیں گا؟"

"ہاں۔ ہاں۔ بالکل۔ تم ٹیکسی روکو۔" طالوت نے کہا اور عبدل بھائی ایک ٹیکسی کو آواز دینے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ٹیکسی میں بیٹھے شاہ پور کالونی جا رہے تھے۔ راستے میں طالوت نے کہا۔

"اب ہم واپس سیٹھ کی کوٹھی پر نہیں جائیں گے۔ ہمیں کسی ہوٹل میں قیام کرنا ہو گا۔ عبدل بھائی۔ تم نے کوٹھی کے لئے کسی سے بات کی؟"

"ارے آپ کے پاس سے جانے کے بعد ہم چاروں طرف گھومتا پڑا۔ ایک بہت مالی سان کوٹھی کے لئے بروکر سے بات کیا۔ کل کوٹھی دکھائیں گا۔ سیٹھ' بولا فس کلاس کوٹھی ہے۔ ایک دم فٹ فاٹ۔"

"خوب۔ کل ایک کار بھی خریدنی ہے۔ ضرورت تو ہو گی۔"

"ٹھیک بولا رانا صاحب۔ ٹھیک بولا۔" عبدل بھائی خوشی سے دانت نکال کر بولے۔ بڑی موٹی آسامی ہاتھ لگی تھی۔ وارے نیارے ہو گئے تھے اور کیا چاہئے تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ٹیکسی شاہ پور کالونی پہنچ گئی اور پھر عبدل بھائی نے رکوا لیا۔ عبدل بھائی نے کرایہ بھی اپنی جیب سے ہی ادا کیا تھا۔ آخر کو اس کمپنی کا منیجر تھا جو ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔

پندرہ منٹ کے بعد ہم ایک افتاس زدہ مکان کے سامنے رکے تھے' جس کے دروازے پر ٹاٹ کا پردہ جھول رہا تھا۔ پردے کی موجودگی کم از کم مکین کی ذہنیت کی عکاسی کرتی تھی۔ خواہ وہ ٹاٹ ہی کا تھا۔ عبدل بھائی نے دروازے پر دستک دی اور چند لمحات کے بعد ایک گول مٹول سا بچہ باہر نکل آیا۔ دھلے ہوئے معمولی لیکن صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا اور اس کے چہرے پر نوری کی جھلک دکھائی دیتی تھی۔

"ارے نوری کو بلنے کا مانتا بابا۔ نوری کو بولو رانا صاب آیا ہے۔"

"جی۔ تشریف لائیے۔ ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔" بچے نے کہا اور بڑے سلیقے سے پردہ ہٹا دیا۔ پہلے عبدل بھائی اوٹ کی طرح منہ اٹھائے اندر داخل ہوئے۔ وہ اس گھر میں آتا جاتا تھا۔ ان کے پیچھے ہم دونوں بھی جھکتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ چھوٹے سے مکان کا ایک مرد تھا۔ سامنے چھوٹا سا دالان تھا اور دالان ہی کو مشترکہ روم بنایا گیا تھا۔ مرکزوں کے دو مونڈھے۔ ایک گول میز' اور ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ چارپائی پر سفید چادر تھی۔ دالان کے سرے پر ایک سادہ سے لباس میں ملبوس بوڑھا' جو آنکھوں سے اندھا تھا کھڑا تھا' اس کے ہونٹوں پر استقبالیہ مسکراہٹ تھی۔ وہ ٹٹول کر احتیاط سے آگے بڑھا۔

"آیئے۔ آیئے۔ نور انصاری۔ نور انصاری۔ مہمان آئے ہیں۔"

"آئی ابا میاں۔" نوری کی آواز سنائی دی۔ اور وہ مسکراتی ہوئی دالان میں آئی۔ بالکل سادہ سی تراش سے ناآشنا آنکھیں شاید باورچی خانے کے دھوئیں سے سرخ ہو گئی تھیں۔ چہرے پر ایک آدھ جگہ کالک بھی لگ گئی تھی۔ اس نے ہم سب کو سلام کیا تھا۔ اور پھر وہ ہمارے قریب آئی اور سب سے پہلے میرا ہاتھ پکڑ کر بوڑھے کے ہاتھ میں دیتے ہوئے بولی۔

"بابا میاں۔ یہ۔ یہ گولر بھائی ہیں۔ شاید گولر۔" پھر وہ جھجکی تھی' طالوت مسکراہٹ نہ روک سکا! اور اس وقت میری شرارت مجھ پر ہی الٹ گئی۔ بوڑھے نے میرا ہاتھ ٹٹولا۔ شاید وہ اس ہاتھ سے کوئی اندازہ لگانا چاہتا تھا۔ پھر اس نے گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر میاں۔"

"اور یہ نواب عزیز الدین ہیں۔" اس بار نوری نے طالوت کا ہاتھ پکڑ کر بوڑھے کے ہاتھ میں دے دیا۔

"اللہ تعالیٰ مرتبہ بلند کرے۔" بوڑھے نے کہا۔

"اپنے عبدل بھائی بھی ساتھ ہیں۔" نوری بولی۔

"اوہ۔ عبدل بھائی۔ بڑا کرم کیا میاں۔ بیٹھئے' بیٹھئے۔ آپ سب لوگ بیٹھئے۔"

"اے اوہ۔ کرم سرم کائے کا سالا!" رانا صاحب بولا۔ "ہم انہیں اور لے آیا۔" عبدل بھائی نے بھی اپنے طور پر انکساری برتی۔ ہم دونوں مونڈھوں پر بیٹھ گئے۔ نوری کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔ نہ جانے وہ ہمارے چہروں سے کیا اندازہ لگا رہی تھی۔ شاید جاننا چاہتی ہو کہ ہمیں یہاں آ کر مایوسی ہوئی ہے۔ بوڑھا بھی عبدل بھائی سے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور پھر بولا۔

"میاں میرے وہ بچے ہیں' نور انصاری۔ صفدر۔ صفدر کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔ میری آنکھیں بھی ایک حادثے میں چلی گئیں اور جب میں کسی قابل نہ رہا تو نور انصاری نے مزدوری کر کر کے ہم سب کی ذمہ داری سنبھالی۔ اللہ خوش رکھے!"

میں نے محسوس کیا کہ کہ بوڑھا اپنی بیٹی کا نام بڑے احترام سے لیتا ہے۔ ہم دونوں اس ماحول سے بہت متاثر

ہوئے تھے۔

"ہاں جی۔ ایکسٹرا لوگ کو کام کہاں ملتا۔ صاب لوگ کا مرضی ہوتا ہے۔ اور اپنا روٹی والا۔ یہ تو سالا ایک دم حرامی ہے۔ ابھی نوری کو نوکری سے نکال دیا۔ پن یہ سالا بابو خان کا حرامی پن ہے۔ وہ سینہ کو بولا۔ نئیں تو سیٹھ نوری کو نئیں نکالتا!" عبدل بھائی نے کہا۔

"ایں۔ تت۔ تو۔ نور النسا ہیے۔ مم۔ میرا مطلب ہے۔" بوڑھا خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر خاموش ہوگیا۔ نوری کا چہرہ بھی زرد ہوگیا تھا۔ شاید اس نے بھی یہ خبر گھر میں نہیں سنائی تھی۔ "ارے دیکھو۔ چائے وغیرہ تیار ہوئی ہوگی۔" بوڑھے نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا اور نوری کی مشکل کسی حد تک حل ہوگئی۔ وہ چائے لینے چلی گئی تھی۔

"بابو خاں کو بھی تو نکال دیا گیا۔" میں نے اس موضوع کو آگے بڑھایا۔

"ارے ہاں۔ وہ بھی کھلاس ہوگیا۔" عبدل بھائی ہنس پڑا۔

"بابو خاں کا نور النساء سے جھگڑا ہوگیا تھا؟" بوڑھے کے چہرے پر تجسس ابھر آیا۔

"پتہ نہیں۔" عبدل بھائی کے بجائے میں جلدی سے بول پڑا۔

"خیر۔ اللہ رازق ہے۔" بوڑھے نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ اور پھر ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگا! اس نے رانا عزیز الدین سے ان کے بارے میں پوچھا تھا۔ پھر نوری چائے لے آئی۔ اس کے ساتھ ہی پھل اور بسکٹ بھی تھے' اس نے گھریلو لڑکیوں کی مانند چائے بنا کر ہمیں دی اور پھلوں وغیرہ کی پلیٹیں پیش کیں' بوڑھا بھی شریک تھا۔ صفدر کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ شریف لوگ' حالات کا شکار۔ میں نے دل میں سوچا۔ نوری نے سیٹھ سے دس روپے ادھار مانگے تھے' سیٹھ نے اسے دو روپے دیئے۔ نہ جانے بے چاری نے یہ سب کچھ کہاں سے کیا ہوگا؟ ویسے اس وقت عبدل بھائی کی بات بات میں مداخلت کھل رہی تھی اس لئے میں نے اسے بھگانے کا فیصلہ کرلیا۔

چائے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے عبدل بھائی سے کہا۔ "عبدل بھائی۔ آپ کے سپرد ایک کام کیا گیا ہے؟"

"ہو ہو۔ بولو گولر بھائی۔ حکم کرو۔" عبدل بھائی مستعدی سے بولے۔

"کمرہ بک کرائیں۔ پہلے سے انتظام ضروری ہے۔ اور ہاں۔ رات کو آٹھ ساڑھے آٹھ بجے آپ ہمیں لینے آجائیں۔ بس اب آپ چلے جائیں۔"

"اچھا جی۔ اپن چلے۔" عبدل بھائی فوراً کھڑے ہوگئے اور پھر وہ سلام کرکے نکل گئے۔ عبدل بھائی کے نکل جانے کے بعد بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میاں' اگر برا نہ مانو تو ایک بات پوچھوں۔"

"ضرور محترم۔" میں نے کہا۔

"یہ سیکریٹری صاحب کا نام سمجھ میں نہیں آیا۔ گولر بھائی۔ کیا آپ؟"

"بڑا اچھا سوال کرکے آپ نے میری ایک مشکل حل کردی ہے محترم بزرگ۔ رانا عزیز الدین دراصل میرے دوست ہیں۔ میں ان کا سیکریٹری قطعی نہیں ہوں۔ ہم دونوں یونہی سیر کو نکلے تھے کہ یہ عجیب و غریب لوگ ٹکرا گئے اور میں سکریٹری گولر بھائی بن گیا۔ میرا نام سلیم احمد ہے۔ رانا صاحب کو یہ انوکھے لوگ دلچسپ معلوم ہوئے۔ کیونکہ انہوں نے زندگی پہاڑوں میں گزاری ہے اس لئے ہم ان میں شامل ہوگئے۔"

"اوہ۔" بڑے میاں ہنس پڑے۔ نوری بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی! چند منٹ سب مسکراتے رہے۔ پھر بڑے میاں بولے "مجھے بھی ان لوگوں سے الجھن ہوتی ہے۔ لیکن بس۔ جب نور النساء نوری بن گئی تو ان لوگوں کو بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔" آخر میں بوڑھے کی آواز لرز گئی۔

"نور النسا نے اس لائن کا انتخاب کیوں کیا ہے محترم۔" طالوت نے پوچھا۔

"بیٹے۔ انسان سے کچھ غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جنہیں ان کے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ میرا خیال ہے مجھ سے بھی کوئی گناہ ہی ہوا تھا لیکن مجھے اپنے معبود سے یہ شکوہ ہے کہ اس نے میرے گناہ کی سزا صرف مجھے کیوں نہ دی' میرے بچے کیوں میرے گناہ کا شکار ہوگئے۔ میرا کوئی وسیلہ نہیں تھا میاں۔ صرف آنکھوں سے معذور ہونا تو کوئی بات نہیں تھی' مزید بیماریاں بھی حملہ آور ہوگئیں۔ نور النسا نے گھر کے ماحول میں پرورش پائی تھی۔ باہر کی دنیا کے بارے میں وہ کچھ نہیں جانتی۔ میں نے کوئی گناہ کیا اس کی سزا مجھے یہ ملی کہ نور النسا کو میری مرضی کے خلاف راستے اختیار کرنے پڑے۔ لیکن مجھے یقین ہے میرے بیٹے کہ میں نے کوئی اتنا بڑا گناہ نہیں کیا جس کی پاداش میں نور النسا کے ذریعے میری پیشانی داغدار ہو جائے۔ اس لئے میں نے پورے اعتماد کے ساتھ اسے آزادی دے دی۔"

نوری کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ جن کا اسے جو نہی احساس ہوا اس نے انہیں خشک کرلیا۔

"جس لائن میں نوری نے قدم رکھا ہے محترم اس میں غلط لوگوں کی بہتات ہے۔ نوری ایک شریف لڑکی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ماحول نوری کے لئے مناسب نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"ایک درخواست کروں گا میاں۔ اگر مان لو تو بڑا احسان ہوگا۔"

"فرمایئے۔ فرمایئے؟" طالوت جلدی سے بولا۔

"نور النسا کو نوری صرف وہ لوگ کہتے ہیں جن کا انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ جو جذبات سے لاتعلق ہوتے ہیں۔ جب لوگ نور النسا کو حقارت سے نوری کہتے ہیں تو میرے دل پر گھونسہ لگتا ہے۔ آپ لوگ شکلوں سے نیک اور شریف معلوم ہوتے ہیں۔ میری درخواست ہے کہ آپ اسے نوری نہ کہیں۔"

"ہم آپ کی خواہش کا احترام کریں گے محترم۔ کیا ہم انہیں نور کہہ سکتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اس نام میں اپنائیت ہے۔"

"شکریہ۔ لیکن آپ کو یہ احساس کیونکر ہوا کہ ہم شریف لوگ ہیں؟"

"اس کے جواب کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ہاں' میں خدا سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ میری نور النسا کو برے لوگ نہ ٹکرائیں اور نہ جانے کیوں بعض اوقات۔۔۔ مجھے اپنی دعاؤں پر اعتماد سا محسوس ہوتا ہے۔"

"مجھے چند لمحات کی اجازت دیں۔" نور النسا نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ باورچی خانے میں چلی گئی۔ بڑے میاں کے چہرے پر چند سوال ابھر آئے۔ لیکن وہ انہیں آخر تک زبان پر نہ لاسکے۔ نوری کبھی باورچی خانے میں جاتی اور کبھی ہمارے پاس آبیٹھتی۔ صفدر بھی آگیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ چھٹی کلاس میں پڑھتا ہے اور ہمیشہ اپنی کلاس میں اول آتا ہے اور جب نور النسا باجی گھر پر ہوتی ہیں تو خوب محنت سے اسے پڑھاتی ہیں۔ اس نے کہا کہ اسے کھلونے بالکل پسند نہیں۔ ہاں کہانیوں کی کتابیں وہ شوق سے پڑھتا ہے جو کبھی کبھی نور النسا باجی لادیتی ہیں۔

یہ کسی طور ایک ایکسٹرا گرل کا گھرانہ نہیں تھا۔ نہایت شریفانہ ماحول اور اوپر سے بابو خاں کی ذلالت۔ نوری کی لجاجت۔ کیسی متضاد باتیں تھیں۔ پھر ہم نے کھانا کھایا۔ خاصے لوازمات تھے۔ نہ جانے نوری نے یہ سب کچھ کہاں سے کیا تھا؟ تاہم اس کا گھر تھا' اس لئے اس سے کچھ نہ پوچھ سکے۔ پھر عبدل بھائی آگیا۔ نوری نے اسے بھی کھانے کی پیشکش کی' اور عبدل بھائی بے تکلفی سے بیٹھ گیا۔ اس نے بتایا کہ "وشاد" میں ان کے لئے کمروں کا بندوبست ہوگیا ہے۔ اس نے کمروں کے نمبر وغیرہ بھی بتائے تھے۔

چلتے ہوئے میں نے سو روپے کا ایک نوٹ صفدر کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا "صفدر میاں۔ یہ تمہاری صفائی کے لئے اور کہانیوں کی کتابیں ادھار!"

"سلیم بھائی۔" نوری نے آہستہ سے کہا "اس بچے نے اتنا بڑا نوٹ کبھی نہیں دیکھا۔ دینا چاہتے ہیں تو اس کی حیثیت کے مطابق دیں۔"

"نور!" میں نے سلگتے ہوئے لہجے میں کہا "تم جانتی ہو کہ میرا اس قلمی دنیا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابھی میری شخصیت پر گندگی کی اتنی تہہ نہیں چڑھی ہے کہ میں مخلص اور نیک لوگوں کو ان کی قیمت ادا کرسکوں۔ ہاں دل کی کوئی خواہش پوری کرنے کو جی ضرور چاہتا ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو صفدر کو یہ پیسے رکھ لینے دو۔ ہاں اگر مجھے کوئی حتمی نہیں دینا چاہیں تو میں مجبور بھی نہیں کروں گا۔"

نوری مجھے دیکھتی رہی۔ پھر نظریں جھکالیں۔

"اب اجازت دیں محترم۔ جب تک اس شہر میں ہیں حاضر ہوتے رہیں گے۔ اگر آپ کی اجازت ہو؟"

"میرے لئے اس سے خوشی کی بات اور کونسی ہوسکتی ہے بیٹے۔ میں تو یوں بھی اندھا آدمی ہوں' کہیں جا نہیں سکتا' بس گھر میں پڑا رہتا ہوں' اگر کوئی آجائے تو میرا دل بھی خوش ہوجاتا ہے۔"

"تب تو ہم روز حاضر ہوں گے۔" طالوت نے کہا۔

"بڑی خوشی سے۔ یہ جھونپڑا تمہیں خلوص سے مالا مال ملے گا۔" بڑے میاں نے کہا۔

"نور۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"جی" وہ میرے بالکل قریب کھڑی تھی اس لئے سرگوشی میں بولی۔

"اگر اس قابل سمجھو تو۔ کل دن کو دس بجے وشاد میں آجاؤ۔ تمہارے شہر میں اجنبی ہیں' اس لئے بعض معاملات میں تم سے کچھ مشورے کرنے ہیں۔"

"میں حاضر ہوجاؤں گی۔"

"وعدہ؟"

"جی۔" اس نے جواب دیا اور پھر ہم بزرگ سے مصافحہ کرکے اور صفدر کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر نکل آئے۔

عبدل بھائی ایک لمحے کی چڑاہٹ اور ہم جیسی میں بیٹھ کر دانشو چل پڑے۔ راستے بھر ہم خاموش رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں ایک خوبصورت ہوٹل کے سامنے رکنا پڑا۔ عبدل بھائی نے گاڑی پارک کی اور پھر ہم اندر داخل ہو گئے۔

ہوٹل درحقیقت عالی شان تھا۔ کشادہ ایئر کنڈیشنڈ کمرے رہائش کے لئے بہت عمدہ تھے۔ ہم نے ایک کمرہ پسند کیا اور پھر طالوت نے مزید پانچ ہزار روپے نکال کر عبدل بھائی کو دیئے۔

"آپ اپنی جیب سے ہمارے اخراجات نہ کریں عبدل بھائی۔ یہ رکھ لیں اور جب ختم ہو جائیں تو بے تکلفی سے مانگ لیں۔"

"ہونہہ۔ آپ نے کس اخبار دیئے تھے؟ عبدل بھائی ناراض ہو کر بولے۔

"وہ تو آپ کے تھے عبدل بھائی۔ ہمارے دوسرے اخراجات ہمارے ذمے۔ آپ کا ان سے کیا تعلق؟"

"خادم ہوں سرکار۔ خدا کی قسم بیشہ وفادار پائیں گے۔" عبدل بھائی لرزتے ہوئے بولے۔

"وہ عبدل بھائی۔" اچانک طالوت بولا۔

"جی سرکار؟"

"روشیلا کا فون نمبر کیا ہے۔" طالوت نے اچانک پوچھا اور میں چونک کر طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔ طالوت کو اسی کا خطرہ تھا اس لئے اس نے میری طرف نہیں دیکھا بلکہ عبدل بھائی کا بتایا ہوا نمبر ٹوٹ کرنے لگا "ٹھیک ہے عبدل بھائی۔ اب آپ آرام کریں۔ کل کا کیا پروگرام ہے؟"

"جیسا حکم کریں رانا صاحب!" عبدل بھائی سراپا نیاز تھے۔

"کل آپ سارے کام کر کے آئیں۔ کوئی عمدہ گاڑی۔ کوٹھی اور دفتر۔ دفتر کا فوری طور پر بندوبست نہ بھی ہو سکے تو ایک آدھ دن ہو جا سکتا ہے لیکن یہ دونوں چیزیں۔ ہم ہوٹل سے اس وقت تک کہیں نہیں جائیں گے جب تک آپ کا فون نہ آئے۔ سودا ہو جائے تو موٹر مینی کے ملازم کو ساتھ لیتے آنا۔ ادائیگی کر دی جائے گی۔ کسی ڈرائیور کا بھی انتظام کر لیں۔"

"میں خود بھی کار چلا سکتا ہوں جی۔ خدا کی قسم ایک دم فرسٹ کلاس ڈرائیونگ۔"

"خیر۔ پھر بھی ڈرائیور کی ضرورت تو ہوگی۔"

"میں کر لوں گا سرکار۔" عبدل بھائی نے کہا اور پھر وہ سلام کر کے چلا گیا۔ تب طالوت مسکراتی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ اب شاید کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"کہنے کو تو بہت کچھ ہے۔ لیکن پہلے مصروفیت سے فارغ تو ہو لوں گا۔"

"اس کا جواب نہیں ملے گا۔" طالوت نے کہا۔

"کیوں؟"

"ہاں۔ انسان ہوں۔ بس۔ بہرحال وہ اس معاملے کے لئے کیا بری ہے اور پھر اس نے چاری کو روٹی دلانے کچھ نہیں بلایا۔"

"اوہو۔ ابھی تھوڑی دیر قبل تو اس کے بارے میں تم دوسرے انداز سے سوچ رہے تھے۔ اس بات پر تاؤ کھا رہے تھے کہ اس نے سیدھے کے ساتھ مل کر تمہیں پھانسنے کی کوشش کی۔"

"دراصل۔ عارف۔ میں نے اس کے ایک جملے پر غور کیا۔ جس نے میرے اندر تجسس پیدا کر دی۔"

"کیسا؟"

"اس نے کہا تھا کہ۔ میں تو بازار میں بکی ہوں۔ آپ لوگوں سے بنا کے نہ رکھوں تو کیسے گزارا ہوگا۔"

"ہاں۔ مجھے یاد ہے۔"

"تو اری کو تھرکتے دیکھ کر ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس کا دوسرا رخ ایسا عجیب ہوگا! میرا خیال ہے وہاں دوسری ایکسٹرا لڑکیاں بھی تھیں۔ ہم نے کس طرف توجہ دی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"اسی طرح ممکن ہے روشیلا کی بھی کوئی کہانی ہو۔ نہیں بھی ہے تو یار اس ہوٹل میں اسے مدعو کرنے میں کیا حرج ہے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے طالوت۔ ہاں روشیلا اور نوری نٹا فرق میں تمہاری سامنے واضح کر دوں۔ روشیلا کے ساتھ اگر حادثات بھی ہوئے تو اس نے ان حادثات کو قبول کر کے خود کو فروخت کر دیا۔ نوری ابھی حالات سے لڑ رہی ہے۔ ممکن ہے اس کی زندگی میں بھی کوئی ایسا سنیچ آجاتا جب وہ روشیلا بن جاتی۔"

"ہاں۔ یہ نمایاں فرق ہے۔ لیکن ہم اسے روشیلا نہیں بننے دیں گے۔"

"پوری کوشش کریں گے۔ مگر یار۔ کیسی افسوسناک بات ہے جنہیں ایسے ہی لوگ ٹھراتے ہیں۔ خود ان کو معصوم قسم کے لوگوں کی بھی بڑی محنت کرنی پڑتی ہے ان کے ساتھ۔"

لطف بھی اسی میں آتا ہے۔ اب ان نور افشاں عرف نوری عرف نور فشاں کو سیٹ پر لانے کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟" طالوت نے کہا۔

"کل دن بھر بلایا ہے۔ اس کے بعد اس کے سامنے ڈرامہ بونا پڑے گا امید ہے کامیابی ہو جائے گی۔ بہرحال اب یہاں پانچ عورتیں قیام فرما لیا ہے تو پھر کیا حرج ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے لرزن ہاتھ ہوئے کہا اور پھر مجھے گھورتے ہوئے بولا "ویسے تمہارے اندر ایک بڑی خرابی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم محبوباؤں کے بجائے محسنوں کو وفات کرنے کے عادی ہو۔ یار میں چاہتا ہوں تم بھی ایک محبوبہ پال لو۔ تاکہ میرے ہر گراموں میں رخنہ اندازی نہ ہو۔" طالوت نے کہا۔

"خیر۔ اس لائن میں رہے تو میرا دھیان بھی نہیں نہ کہیں بن جائے گا۔ لیکن فی الحال میں تمہارے کسی پروگرام میں رخنہ اندازی تو نہیں کر رہا؟"

"کر تو رہے ہو۔ اب اگر تم میرا پیچھا چھوڑ دو۔ تو میں ذرا ٹیلی فون پر روشیلا سے پیار محبت کی دو چار باتیں کر لوں۔"

"چلا جاؤں گا دوست۔ لیکن ایک شرط پر۔ وہ یہ کہ تم فون پر تم اس سے گفتگو میرے سامنے ہی کرو۔"

طالوت مجھے گھورتا رہا۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "ٹھیک ہے لیکن تم شاہدانہ کا روشانہ میرے پاس رکھ کر جاؤ گے۔"

"کیوں؟"

"تم خود سمجھ سکتے ہو۔ پہاڑیوں پر تم نے بدمعاشی کا ثبوت دیا تھا۔"

"نہیں میرے دوست۔ ہمارے اور تمہارے درمیان ایک شریفانہ معاہدہ بھی ہے۔ کبھی کسی کی قابلِ اعتراض خلوت میں داخل نہ ہوں گے۔"

"وعدہ؟" طالوت نے میرے لفظ "قابلِ اعتراض" پر غور نہیں کیا تھا۔

"پکا وعدہ۔" میں نے جلدی سے کہا۔ میں اس اخلاقی پنگر سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھا۔ ظاہر ہے بات صرف "قابلِ اعتراض" مناظر کی تھی اس سے پہلے کا تو میں نے کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔

"تو پھر کروں فون؟"

"بسم اللہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور طالوت نے ریسیور اٹھا لیا۔ پھر اس نے روشیلا کے نمبر ڈائل کئے اور دوسری طرف سے ایک زنانی آواز سنائی دی۔

"یس؟"

"مس روشیلا موجود ہیں؟"

"کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"رانا عزیز الدین۔"

"میں معلوم کرتی ہوں۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور چند ہی لمحات کے بعد روشیلا کی ہانپتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"رانا صاحب؟"

"رانا عزیز الدین ہی بول رہا ہوں۔"

"میں آپ سے ناراض ہوں رانا صاحب۔" روشیلا نے روٹھی ہوئی آواز میں کہا۔

"اس بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"بدقسمت تو میں ہوں جو آپ کے لئے تڑپ رہی ہوں۔ لیکن آپ میرا پیغام ملنے کے بعد مجھ سے نہ ملے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ یہاں سب لوگوں کو کیا ہوا ہے۔ کیا سوتے میں انسانی جسم بھی ٹکاؤں سے لاوارث ہو جاتے ہیں؟"

"کیا مطلب؟" روشیلا تعجب سے بولی۔

"دوسرے لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ ہم روبی والا کی کوٹھی میں اپنی خوابگاہ میں موجود نہیں تھے۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہے کہ نادقت نیند آگئی تھی اور بس۔"

"اوہ۔ نہیں میں نے خود آپ کی خوابگاہ میں جھانکا تھا اور پھر پوری کوٹھی میں آپ کو تلاش کرتی پھری تھی۔"

"میں اس سلسلے میں اور کچھ نہیں کہوں گا سوائے اس کے کہ ہمارے ساتھ مناسب سلوک نہیں ہوا۔" طالوت نے کس قدر سنجیدگی سے کہا۔

"اوہ۔ تو کیا روبی والا نے آپ سے بھی کوئی بدتمیزی کی ہے؟"

"نہیں مس روشیلا۔ مجھے اس سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ ممکن ہے میں بہت جلد آپ کا شہر چھوڑ دوں۔"

"رانا صاحب۔ رانا صاحب۔ سنئے تو سہی رانا صاحب۔ میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتی ہوں۔ ابھی اور اسی وقت۔ براہ کرم آپ اب روبی والا کی کوٹھی سے نکل آئیے۔"

"میں روبی والا کی کوٹھی سے نکل آیا ہوں۔"

"اوہ۔ کیا مطلب۔ کہاں سے فون کر رہے ہیں؟"

"دلشاد۔ روم نمبر ایک سو آٹھ!"

"مائی گڈنس۔ میں ابھی آرہی ہوں۔ میرا انتظار

کریں۔" روشیلا نے کہا اور فون بند کردیا۔ طالوت نے بھی ایک گہری سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

"آ ری ہے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"مبارک۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار۔ تم ناراض تو نہیں ہو گے۔ میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔" طالوت کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں۔ اور دھیان ہو رہا ہوں۔" میں نے کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔ میں کمرے سے باہر نکل گیا' لیکن میں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ طالوت اور روشیلا کی ابتدائی گفتگو ضرور سنوں گا۔ چنانچہ میں اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔ میں بظاہر لباس وغیرہ تبدیل کرکے لیٹ گیا تھا۔ لیکن میرے کان باہر ہونے والی آہٹ پر لگے ہوئے تھے۔

اچانک میں نے محسوس کیا کہ میرے کمرے کے چابی کے سوراخ سے کوئی اندر جھانک رہا ہے۔ نائٹ بلب روشن تھا۔ طالوت کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔ بدمعاش اطمینان کرنا چاہتا ہے کہ میں سو گیا یا جاگ رہا ہوں۔ بہرحال میں سوتا بنا رہا۔ اور پھر ہلکی سی قدموں کی چاپ دور ہو گئی۔ تب میں خاموشی سے اٹھا شاہ دانہ کا دوشالہ اوڑھا اور آہستگی سے باہر نکل آیا۔ راہداری سنسان پڑی تھی۔ لیکن میرا اندازہ درست تھا۔ میں ٹھیک وقت پر باہر نکلا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد لفٹ سے روشیلا باہر نکل آئی۔ ایک پورٹر نے کمرہ نمبر ایک سو آٹھ کی طرف اس کی رہنمائی کردی تھی۔

دستک پر طالوت نے دروازہ کھولا۔ تب مجھے شاہ دانہ کے دوشالے کی ایک اور خاصیت معلوم ہوئی۔ اس میں محفوظ ہونے کے بعد ضروری نہیں تھا کہ میں اتنی ہی جگہ سے اندر داخل ہو سکوں جتنی میری جسامت ہے۔ میں طالوت کی ٹانگوں کے درمیان سے بھی آسانی سے نکل گیا تھا۔ گویا دوشالہ اوڑھنے کے بعد جسامت کی قید نہیں رہتی تھی۔

روشیلا اندر داخل ہو گئی۔ اور طالوت نے دروازہ بند کردیا۔ روشیلا کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ وہ ایک جگہ ٹھہری طالوت کو گھور رہی تھی' "کیا بات ہے مس روشیلا۔ آیئے۔ اندر آیئے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پہلے مجھے یہ بتایئے رانا صاحب کہ آپ نے مجھے اس قابل کیوں نہیں سمجھا کہ روئی والا کے مکان سے نکلنے سے قبل مجھے فون کرلیتے۔"

"دراصل مس روشیلا۔ روئی والا کی کمینگی کے بعد میری خواہش نہ ہوئی کہ کسی اور سے رابطہ قائم کروں۔"

"کیا کمینگی کی اس نے؟" روشیلا چونک کر بولی۔

"کچھ نہیں صرف ہمارے اوپر ڈاکہ زنی کا الزام لگایا ہے۔ پانچ لاکھ روپے نقد اور کچھ زیورات وغیرہ۔"

"اوہ۔ وہ کمینہ۔" روشیلا دانت پیس کر بولی۔

"جانے دو روشی۔ اسے اس کی کمینگی کی سزا ضرور ملے گی۔ میں ان لوگوں کو معاف نہیں کروں گا جنہوں نے میرے خلاف سازش میں حصہ لیا ہے۔" طالوت نے کہا۔

"روئی والا بے حد کمینہ ہے۔ لیکن تم سب کو ایک ہی خانے میں نہ تولو ڈارلنگ۔ میں تو تمہاری دیوانی ہوں۔ میں نے تمہیں تھوڑی دیر کے لئے اس کے پاس اس لئے بھیجا تھا کہ میں تمہارے لئے مناسب انتظام کرلوں۔ بس اتنی سی دیر میں سب کچھ ہو گیا۔"

"اوہ۔ تم نے میرے لئے کیا انتظام کیا ہے؟"

"وہ نائی۔ کمبخت نہ جانے کیوں زندہ ہے ابھی تک۔ بس وہ سب کی طرف سے مشکوک ہے۔ پیسے کی لالچی ہے۔ میں نے اسے ایک موٹی رقم دی۔ تب جا کر تیار ہوئی۔"

"میں تمہیں اس کے بدلے میں دس گنا رقم دوں گا روشی۔ دولت کی فکر مت کرو۔"

"مجھے تو بس تمہاری فکر ہے۔ اور کس بات کی فکر ہو سکتی ہے مجھے۔ روشیلا نے طالوت کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے نیچے گرا دیا۔ اسی وقت میرے کان میں آواز سنائی دی۔

"یہ مناسب نہیں ہے محترم عارف صاحب!"

اور میں چونک پڑا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا۔ راسم میرے نزدیک کھڑا تھا۔ "اوہ تم؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"تشریف لایئے۔" راسم نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر ایک جھٹکا دیا۔ دوسرے لمحے میں اپنے کمرے میں تھا۔ یقیناً یہ طالوت کی بدمعاشی تھی۔ اس نے راسم کو ہدایات دے دی ہوں گی اور راسم میری چوکیداری کر رہا تھا۔ بہرحال اس کے بعد میں خود بھی وہاں نہیں رکنا چاہتا تھا۔ اس لئے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔ لیکن دوسری صبح روشیلا ناشتے میں ہمارے ساتھ تھی۔

"اوہ۔ مس روشیلا آپ کب تشریف لائیں؟" میں نے پوچھا۔

"بس صبح ہی صبح۔ پتہ معلوم کرکے آئی۔" طالوت نے مجھے آنکھ مار کر ایک مخصوص اشارہ کیا اور بولا۔

"مس روشیلا بضد ہیں سیکریٹری بن کر ہمیں اپنے ساتھ لے جائیں اور ہم ان کے ساتھ ہی قیام کریں۔" میں طالوت کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا اور طالوت نے ایک

بار پھر ہونٹ سکوڑ لئے گویا روشیلا سے بیزاری کا اظہار کر رہا تھا۔ اور میں اس کی بات بخوبی سمجھ گیا۔ اور میرے ذہن نے تیزی سے کام کرنا شروع کردیا۔

"سیٹھ روئی والا کے روپئے کے بعد بھی آپ اس بات پر غور کریں گے رانا صاحب؟" میں نے شک کے انداز میں کہا۔

"سیٹھ روئی والا میں اور مجھ میں فرق ہے گولر بھائی۔" روشیلا نے کسی قدر تیز لہجے میں کہا۔

"جی ہاں۔ وہ فرق مجھے معلوم ہے۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" روشیلا تنک کر بولی۔

"بس۔ میری زبان نہ کھلوایئے مس روشیلا۔ میں آپ دونوں کے فرق کو بخوبی جانتا ہوں۔ آپ میں اور روئی والا میں ایک لاکھ اور چار لاکھ کا فرق ہے۔ آپ کی حیثیت صرف نو لاکھی پرسنٹ ہے۔"

"ایک لمحے کے لئے روشیلا کا چہرہ فق ہو گیا۔ لیکن اس نے سنبھلنے میں دیر نہیں لگائی۔ اچانک اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور پھر وہ طالوت کے کندھے پر سر رکھ کر روتی ہوئی بولی۔

"ڈارلنگ۔ تم میری توہین برداشت کر رہے ہو۔ تمہارا سیکریٹری کیا کہہ رہا ہے؟"

"سیکریٹری۔ کیا کہہ رہے ہو آخر۔ کھل کر کیوں نہیں کہتے؟" طالوت نے کڑک کر کہا۔

"حضور رانا صاحب۔ جو کچھ عرض کر رہا ہوں درست ہی ہے۔ خود سیٹھ روئی والا نے مجھے بتایا تھا۔ اس نے دس پرسنٹ کی آفر مجھے بھی دی ہے' اس نے کہا کہ اس نے مس روشیلا کے ذریعے آپ کو پھانسا ہے۔ پانچ لاکھ میں سے ایک لاکھ روشیلا کا ہے اور حضور رانا صاحب میں نے ان دونوں کی گفتگو بھی سنی ہے۔ کہئے تو لفظ بہ لفظ دہراؤں۔ کیوں مس روشیلا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟ سیٹھ روئی والا نے اس وقت ڈاکہ زنی کی اداکاری نہیں کی۔ جب آپ نے چلتے وقت ان سے ایک لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔ آپ کو معلوم نہیں میں رانا صاحب کا دوست بھی ہوں۔ میں ان کے سارے مفادات کی نگرانی کرتا ہوں' چنانچہ میں نے آپ کی اس دوران کی گفتگو ٹیپ بھی کرلی ہے۔"

"یہ۔ یہ جھوٹ ہے رانا صاحب۔ آپ کا سیکریٹری جھوٹ بول رہا ہے۔" روشیلا نے گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"سیکریٹری میں یہی ایک خوبی ہے مس روشیلا۔ وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتا۔" میں تو آپ پر کروڑوں خرچ کرنے کو آمادہ تھا۔ لیکن آپنے اپنی قیمت بہت کم لگائی۔ میرا خیال ہے آپ ناشتہ کرکے فوراً یہاں سے نکل جایئے۔ ورنہ میں آپ کی آواز... کا ٹیپ پولیس کے حوالے کردوں گا۔"

روشیلا جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ اس نے ناشتہ چھوڑ دیا تھا اور پھر تیزی سے باہر نکل گئی۔ اب اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ کہتی بھی تو کیا۔ ساری پول کھل گئی تھی۔ طالوت نے ایک قہقہہ لگایا اور میری پشت تھپکتے ہوئے بولا

"یار بڑی خوبیوں کے مالک ہو۔"

"بندہ پروری ہے حضور نواب صاحب۔ لیکن خادم سے کیا خطاوندی سرزد ہوئی ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"موقعہ شناسی۔ فوراً میرا مقصد سمجھ گئے۔ درحقیقت مجھے اس عورت سے کوفت ہونے لگی تھی اور میں اسے بلا کر اپنی حماقت پر خود ہی شرمندہ ہو رہا تھا۔"

"کیوں؟ کیوں؟ خیریت؟" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یار عورت پن نام کو نہیں ہے۔ انتہائی لچر انداز ہے۔ اس کی موجودگی میں خود مجھے اپنی مردانگی پر شک ہونے لگتا ہے۔ مجھے ایسی عورتوں سے نفرت ہے۔ میں نے فوری طور پر فیصلہ کیا تھا کہ کوئی ایسی کوشش کی جائے کہ اب وہ ادھر کا رخ نہیں کرے گی۔ میرا خیال ہے ہم کامیاب ہو چکے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

میں ہنستا رہا۔ "بہرحال معلوم ہوتا ہے رات خفت گزری ہے۔"

"بس یار۔ یاد نہ دلاؤ۔ نہ جانے کس طرح برداشت کیا ہے۔ یوں سمجھو اپنی حماقت کی سزا بھگتتا رہا ہوں۔"

"خیر۔ خیر۔ فی الحال وہ نہیں آئے گی۔ لیکن اب لگے ہو۔ پیچھا بھی نہیں چھوڑے گی آسانی سے۔"

"نہیں' اب میں خود پیچھا چھڑالوں گا۔ کم از کم ایک بات تو سامنے آئی ہے۔ اب وہ کس منہ سے اظہار الفت کرے گی۔"

"اسی منہ سے' جس سے وہ سب کے سامنے قلابازیاں سے کرتی ہے۔"

"اونہہ۔ میں ہیرو نہیں ولن ہوں۔ چلو ناشتہ کرو۔ اس کی موجودگی میں' میں نے ٹھیک سے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ اور اب پوچھو عارف تو یہ بھی میں نے اس سے انتقام لیا ہے۔ بچی نے ایک لاکھ کی حیثیت مجھ سے زیادہ سمجھی تھی۔"

دانست میں مجھ کو بے وقوف بنایا تھا۔"

"بہرحال مجھے خوشی ہے کہ تم زمانہ ساز ہوتے جا رہے ہو۔" میں نے کہا اور ناشتہ کرنے لگا۔

ٹھیک دس بجے کسی نے طالوت کے دروازے پر دستک دی اور میں اٹھ کھڑا ہوا۔ ہمارا اندازہ درست ہی تھا۔ وہ نوری ہی تھی۔

"ہیلو نوری۔" میں نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ نوری نے ہم دونوں کو سلام کیا اور جھجکتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

"ہم بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہے تھے۔" طالوت نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کرتے ہوئے کہا۔

"تعجب ہے۔" نوری بڑبڑائی۔

"کیوں؟ اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟" میں نے کہا نوری نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر گردن جھکا لی۔ ہم دونوں اس کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"تم نے جواب نہیں دیا نوری؟" طالوت نے کہا۔

"میں۔ میں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ صاف صاف گفتگو کر لوں؟"

"اجازت ہے۔ لیکن اس سے پہلے یہ بتاؤ کہ ناشتہ کر چکی ہو یا نہیں۔"

"کر چکی ہوں؟"

"چائے پیو گی یا کوئی ٹھنڈی چیز؟"

"کسی شے کی حاجت نہیں ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"ظاہر ہے۔ حاجت مند تو ہم تھے، جو تمہیں تلاش کرتے ہوئے تمہارے گھر کھانے پہنچ گئے۔" طالوت نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ نوری نے اس کی شکل دیکھی۔ نہ جانے کیا سوچ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

"میں اپنی اس خوش قسمتی کو یاد کر کے تھوڑی دیر کے لئے خوشی حاصل کر سکتی ہوں۔ اسے برقرار رہتے دیجئے۔"

"خیر جی۔۔۔۔ اب وہ صاف صاف گفتگو شروع کر دو۔"

"بات یہ ہے راجا صاحب کہ خدا نے ذہین انسان کی پیدائش ہی بہ ضرورت سمجھی۔ وہ کلی طور پر ہماری یا کم از کم میری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ اس لئے میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ہاں انسان ہونے کی حیثیت سے اس بات پر یقین رکھتی ہوں کہ اس ضرورت میں مصلحت ضرور پنہاں ہوتی ہے۔ اس نے انسانوں کو ایک انداز میں ایک جیسا پیدا کرنے کے بعد ان کی حیثیت میں تخلیف کی۔ اس پر بھی ذہن تردد کا شکار رہتا ہے۔ لیکن انسانی ذہن کو اتنا ہی چھوا لیا ہے جتنی ضرورت تھی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اس نے کرامات بخشیں تو مجھے اس کی وجہ بتا دیں جو آپ مجھ پر دیتے رہے ہیں اور دے رہے ہیں۔ سیکریٹری صاحب نے بھرے منہ سے مجھے بہن کہا ہے۔ ان کی حیثیت پر تو ابھی تک مجھے شبہ نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سی زبانوں سے میرے لئے یہ لفظ نکلا ہے۔ خود بابو خاں نے بھی ایک بار ہاسپٹل کے سامنے مجھے بہن کہا تھا لیکن۔۔۔ بہرحال، ہر لفظ ایک علامت ہوتا ہے۔ راجا صاحب۔ اگر میں آپ کو پسند آئی ہوں۔ اگر آپ مجھے کھلونا بنانے کے خواہشمند ہیں تو۔ کیا مجھے ایک درخواست کرنے کا حق دیں گے؟" اس نے خاموش ہو کر ڈبڈبائی آنکھوں سے ہمیں دیکھا۔ اور جب ہم کچھ نہ بولے تو بولی۔

"ابھی میں زندگی سے جدوجہد کر رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں کہ میں عورت ہوں۔ عورت مرد کے لئے ہے۔ اسے ایک نہ ایک دن مرد کے زیر دست زینت بننا ہے۔ خواہ اپنی مجبوری یا ضرورت کے تحت۔ یا پھر اگر خوش بخت ہو تو۔ عزت و احترام اور مذہب کی اجازت کے ساتھ۔ راجا صاحب۔ ضمیر میں ابھی کچھ زندگی باقی ہے۔ ابھی کچھ آرزوئیں سسک رہی ہیں۔ انہوں نے دم نہیں توڑا۔ جب یہ آرزوئیں آخری سانس لے کر دم توڑ دیں گی تو خود کو دنیا کے حوالے کر دوں گی۔ اوہ۔۔۔ اس وقت کسی کو اپنے قریب آنے سے نہیں روکوں گی۔ میں وعدہ کرتی ہوں راجا صاحب کہ جب مجھے آرزوؤں کی لاش نظر آئے گی تو سب سے پہلے اپنے آپ کو۔ اپنے آپ کو آپ کے ہی حوالے کروں گی۔ میرا وعدہ ہے راجا صاحب۔"

اس دوران میں نے طالوت کے چہرے کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ اگر دیکھ لیتا تو یقیناً مجھے صورت حال کی نزاکت کا احساس ہو جاتا۔ میں تو اس وقت چونکا جب طالوت نے غراتے ہوئے اچانک جھپٹ کر نوری کے بال پکڑ لئے۔

"تجھے کس نے یہ حق دیا ذلیل! کہ تو انسانوں کو اس قدر نیچ سمجھے۔ بول، ہم نے تیرے ساتھ کونسا برا سلوک کیا ہے۔ تیری سوچ اس قدر ذلیل ہے، گمان بھی نہیں تھا۔" طالوت نے اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دیا۔ اور نوری قالین پر جا پڑی۔

"طالوت۔" میرے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ اور میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"میں اسے ہلاک کر دوں گا۔ اس نے انسانیت کی اس قدر گھناؤنی تصویر دکھائی ہے کہ۔۔۔" طالوت پھر اس کی طرف بڑھا۔ لیکن میں اس کے راستے میں آ گیا۔ میں نے اسے ایک زوردار جھٹکا دیا۔

یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گا۔ یہ ہماری دنیا کی باتیں ہیں۔" میں نے تلخ لہجے میں کہا اور جو باتیں تمہاری سمجھ نہ آئیں ان کے بارے میں تمہیں کوئی اقدام نہیں کرنا چاہئے۔"

اس نے ہمیں تلخی گوارا بھی دی ہیں۔ تمہیں ان کا احساس نہیں ہے۔" طالوت نے مجھے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔

"اس کے خیالات درست ہیں۔ کاش تم اس کا وہ لہجہ سنتے جس بابو خاں اس کی عصمت کے درپے تھا اور یہ اس سے اپنی ملازمت کی بھیک مانگ رہی تھی۔ اس کا بھی حاصل ہے۔ طالوت۔ ہمارے ہاں عورت ایسی ہی مظلوم ہے۔"

"مگر ہم نے تو اس سے کچھ بھی نہیں کہا۔ ہم نے تو اس سے کچھ بھی نہیں چاہا۔ ہم نے تو اس کی نسائیت کی کوئی توہین نہیں کی۔" طالوت گرایا۔

"دوسرے جتنے دوسرے انسانوں نے اس کے ساتھ یہی سلوک کیا ہے، یہ ہماری اندرونی کیفیت سے واقف ہے۔" میں نے کہا اور طالوت اعتدال پر آیا۔ تو ایا منہ سے غصہ ہوتی ہے؟" وہ نرمی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں۔ یہ بے چاری اگر اس کی عادی ابھی نہ ہوئی ہوگی۔ تو آپ ہو جائے گی۔" میں نے کہا اور طالوت کی آنکھوں سے شعلے نکل پڑے۔ وہ مٹھیوں کے بل قالین پر بیٹھ گیا۔ اور اس نے آہستہ آہستہ ہاتھ بڑھا کر نوری کے پاؤں پکڑ لئے۔

"مجھے معاف کر دے میری بہن! میری نوری مجھے معاف کر دے۔ میں نے تیرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ مجھے معاف کر دے۔"

نوری نے جلدی سے پاؤں سکوڑ لئے۔ اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار تھے۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔ پھر اچانک اس کے چہرے پر بے پناہ خوشی ابھر آئی۔ اس کا چہرہ ایک انوکھے رنگ میں چمکنے لگا اور پھر اس نے طالوت کے دونوں ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "میرے منہ پر اتنے تھپڑ مارو جیسا کہ میری شکل بگڑ جائے۔ مجھے مار مار کر۔۔۔ ملیامیٹ کر دو۔ لیکن اللہ کے واسطے مجھے یہ بات سچ سچ بتا دو کہ کیا نوری تمہاری بہن بننے کے لائق ہے؟ کہیں میں اس قابل ہوں کہ کوئی میری طرف توجہ دے۔ مجھے بتاؤ، میں کیوں اس قابل ہوں۔ میں نے خود کو زندگی بھر سڑک پر پڑا ہوا ایک پتھر سمجھا ہے۔ اچانک میری حیثیت کیوں بدل گئی؟ میرے اندر کونسی تبدیلی ہوئی ہے؟" نوری طالوت کو جھنجھوڑتے ہوئے بولی۔

"نوری۔ نور۔ او نوری۔ ہم دونوں۔ ہم

تینوں ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتائیں۔ ہم لوگ اپنی تسلی کرنے کی کوشش کریں لیکن نوری۔ مجھے یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ یہ سلوک کروں۔ مجھے اس کے لئے معاف کردو نوری۔"

"تمہارے اس تھپڑ نے ہی تو مجھے تمہارے خلوص کا یقین دلایا ہے بھیا' تمہارے تھپڑ نے ہی تو میری دھاریں بند ھائی ہے۔ اب میں تمہارے سامنے بے شرمی کی باتیں بھی نہ کروں گی۔ اب میں ایک بے سہارا' آوارہ قسم کی لڑکی نہیں ہوں۔ اب میں ایکسٹرا گرل نہیں ہوں جو فلم اسٹوڈیو کے چپراسی سے لے کر مالک تک لوٹ کا مال سمجھتے ہیں۔ اب میں ایک باعزت عورت ہوں۔ بھیا تم مجھے چاہے جتنے تھپڑ مارلو۔ لیکن میرے اس تصور کو نہ توڑنا کہ اچانک میں بڑی بن گئی ہوں۔" نوری نے لجاجت سے کہا اور طالوت نے اس کا ہاتھ پکڑلیا۔ وہ بھی بے حد جذباتی ہو رہا تھا۔ ہم انسان جذبات سے کسی طور خالی نہیں ہوتے۔ ہم نے اپنی کیفیات بنائی ہیں۔ ہم سخت بے حس ہوگئے ہیں۔ ہم نے بدیدہ بننے کی کوشش میں خود پر نہ جانے کتنے لبادے ڈال لئے ہیں۔ لیکن ایک وقت ہوتا ہے جب ہماری اصلیت ابھر آتی ہے۔ اور اس وقت ہم معمولی انسان ہوتے ہیں' حقیقی انسان ہوتے ہیں۔

"میں پھر بھی تم سے معذرت خواہ ہوں نوری۔ لیکن ہمارے خلوص ہماری محبت پر بھروسہ کرو۔ ہم تم سے کوئی ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کے بارے میں کبھی نہیں سوچتے رہے۔ بس۔ انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا۔ انہوں نے اس وقت تمہاری اور بابو خاں کی گفتگو سنی تھی۔ جب بدمعاش بابو خاں شراب کے نشے میں انسانیت کے رشتے بھول گیا تھا اور تم اس سے اپنی عزت کی بھیک مانگ رہی تھیں۔ اپنی نوکری کا تحفظ مانگ رہی تھیں۔ نوری' انہوں نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا اور ہم نے تمہیں بہن بنانے کا فیصلہ کرلیا۔ ہماری آج تک کی توجہ صرف اسی لئے تھی۔ یقین کرو اس میں کوئی کھوٹ نہیں تھی۔"

"میں بھی بے قصور ہوں بھیا۔ میں نے دنیا کا صرف ایک پہلو دیکھا ہے۔ حرص و ہوس سے لبریز۔ کوئی بے مقصد کسی سے بات نہیں کرتا۔ کہیں جنس کی طلب ہے کہیں دولت کی۔ تم کہاں سے آئے ہو بھیا' مجھے نہیں معلوم' میں تو اس نیکی کو یاد کرنے کی کوشش کررہی ہوں جس کے عوض تم مجھ سے ہو۔"

"میں خاموش تھا۔ جب وہ دونوں جذبات میں ڈوب کر خاموش ہوگئے تو میں نے نوری سے کہا "نوری۔ وعدہ کرو کہ اب ہمیں جدا نہیں سمجھو گی؟"

"نہیں سلیم بھیا۔ کبھی نہیں۔ خدا کی قسم کبھی نہیں۔" نوری نے خلوص سے کہا۔

"اور خود بھی کسی معاملے میں جلدبازی نہیں کرو گی۔"

"وعدہ بھیا۔ آپ نوری کو جدا نہیں پائیں گے۔"

"ناشتہ کرکے آئی ہو؟" میں نے اچانک سوال کیا۔

"نہیں۔" اس نے شرمائے انداز میں گردن ہلادی۔

"ہوں۔" طالوت کھڑا ہوگیا۔ اس نے گھنٹی بجا کر ویٹر کو بلایا اور اسے ناشتے کا آرڈر دے دیا۔ نوری کی گردن شرم سے جھکی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر نمایاں تبدیلی نظر آرہی تھی۔ صرف پندرہ منٹ قبل اس کے چہرے پر عجیب سی خستگی اور یاس نوری تھی۔ لیکن اب ایک عجیب سی بشاشیت اور طمانیت پیدا ہوگئی تھی' جیسے اسے اچانک سکون مل گیا ہو۔ جیسے منزل سے مایوس مسافر کو غیر متوقع طور پر نشان منزل مل گیا ہو۔ یہ اس لڑکی کی سادگی تھی' اس نے ان اجنبیوں پر پورا بھروسہ کرلیا۔

اس کے بعد اس وقت تک خاموشی رہی جب تک ویٹر ناشتہ لے کر نہ آگیا۔ شروع کرو نوری۔" میں نے کہا اور ہم دونوں بھی اس کے سامنے کھنچ آئے۔

"آپ بھی لیں بھیا۔" نوری نے شرمائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہم دونوں ناشتہ کرچکے ہیں۔ تم ہمارے لئے چائے بنادو۔" میں نے کہا اور نوری نے بڑی نفاست سے ہمارے سامنے چائے بنا کر پیش کردی۔ نوری خاموشی سے ناشتہ کرتی رہی اور پھر وہ ناشتے سے فارغ ہوگئی اور پھر برتن ایک طرف سرکادیئے گئے۔

"تو۔" طالوت نے چند منٹ کے بعد اسے مخاطب کیا۔

"جی بھیا۔"

"میرا خیال ہے اب تمہارے ذہن میں تمہاری توبہ نہیں کھٹک رہی ہوگی۔ اس لئے ہم اس سے آگے کی گفتگو شروع کردیں۔"

"جی بھیا۔" نوری نے اسی معصومیت سے کہا۔

"یہ طے ہوچکا کہ اب تم صرف مجھ سے صفدر کی بہن نہیں ہو' بلکہ ایک چھوٹے اور دو بڑے بھائیوں کی بہن ہو اور جب بڑے بھائی موجود ہوتے ہیں تو بہنوں پر کوئی ذمے داری نہیں رہ جاتی۔ اس لئے آج سے تم ہر ذمے داری سے آزاد ہو؟"

"بھیا۔" نوری نے بڑے جذباتی انداز میں کہا اور اس کی گردن جھکی اور جھک گئی۔

"ہم جو کچھ کریں گے ہمارا فرض ہوگا۔ اس میں تمہیں مداخلت کی اجازت نہیں ہوگی۔ بس آج تم سے یہی گفتگو کرنی تھی۔ گھر کیا کہہ کر آئی ہو؟"

"ابا میاں کو بتا کر آئی ہوں کہ آپ لوگوں کے پاس جارہی ہوں۔"

"پوچھا ہوگا۔ کیوں؟"

"ہاں۔ آپ لوگوں کے چلے آنے کے بعد صفدر بھائی' عبدل بھائی نے بتادیا تھا کہ روفی والا نے مجھے بابو خاں کی وجہ سے نوکری سے نکال دیا ہے۔ ابا میاں نے اس کی وجہ پوچھی۔ تو میں نے بتادی۔ ابا میاں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہوگئے۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن وہ رات بھر نہیں سوسکے شاید روئے بھی تھے۔ لیکن صبح کو انہوں نے مجھے دلاسے دیئے۔ ہاں جب میں نے ان سے آپ کے پاس آنے کے لئے کہا تو انہوں نے سختی سے منع کیا۔ میں نے ان سے بحث کی اور کہا کہ بہرحال مجھے ملازمت کی ضرورت ہے۔ ممکن ہے ان بڑے آدمیوں نے مجھے کسی ملازمت کے لئے منتخب کیا ہو۔ ابا میاں مخالفت کرتے رہے۔ پھر خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا۔ انہوں نے کہا کہ اگر میری عزت کو خطرہ درپیش ہو۔ تو جان دے دوں لیکن عزت نہ جانے دوں۔ یہ دنیا بے مطلب کسی کو کچھ نہیں دیتی۔ تین بھیا۔ صفدر بھی اسکول نہیں گیا ہے۔ وہ معصوم کہہ رہا تھا کہ اب وہ نہیں پڑھے گا اور کوئی چیز فروخت کرکے گھر کا خرچ چلائے گا۔ اس نے بھی معصومیت سے کہا تھا کہ ابی اب ابا رو رہے ہیں تو تم نوکری کی تلاش میں کیوں جارہی ہو۔" نوری کی آواز بھرائی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"ہاں نوری۔ وہ ایک غیرت مند باپ ہیں۔ حالات انسان کو مجبور کردیتے ہیں۔ لیکن ان کا اضطراب بجا ہے۔"

"ابا میاں کہہ رہے تھے کہ جب بابو خاں' جس کو انہوں نے اپنی عزت کا محافظ سمجھا تھا' نے انہوں نے بڑے بڑے واسطے دیئے تھے' اتنا گندہ نکل سکتا ہے تو اب تو صفدر پر بھی بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔" نوری نے روتے ہوئے بتایا۔

"بے شک نوری۔ ان کے احساسات درست تھے۔"

"انہوں نے کہا تھا کہ غریب کو عزت کا زیادہ احساس ہوتا ہے۔ وہ بن بیٹیوں کی زندگی کی نزاکت جانتا ہے۔ غریب کسی حد تک بھوسے کے قابل ہوتا ہے' جب اس پر بنا ہو بھوسہ اٹھ جائے۔ تو پھر دولت مندوں کا کیا' نہ ہو تو کچھ بھی کرلیں۔ ان کی عزت محفوظ رہتی ہے۔"

"بس کرو نوری۔ بس کرو۔ اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں ہے۔ جاؤ نوری بہن۔ اپنے محترم باپ کو سمجھاؤ۔ ان سے کہو دولت انسانیت کی کسوٹی نہیں ہے۔ انسان ہر حال میں انسان ہے' بشرطیکہ وہ انسانیت کا احساس رکھتا ہو۔ بس اب تم جاؤ نوری بہن۔ شام کو ہم گھر آئیں گے۔ اور ہاں۔ رات کا کھانا ساتھ ہی کھائیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ تمہارے لئے کیا پکاتی ہو۔"

"میں انتظار کروں گی بھیا۔" نوری اٹھتے ہوئے بولی۔

"گھر کے خرچ کے لئے کچھ پیسے رکھ لو۔ اس کے بعد تمہیں یہ زحمت نہیں اٹھانی پڑے گی۔ ہم خود گھر کا نظام سنبھالیں گے۔ لو یہ رکھ لو۔" میں نے سو سو کے دو نوٹ نوری کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔

"پیسے تو میرے پاس تھے بھیا۔" نوری نے کہا۔

"رکھ لو۔ کسی بھی معاملے میں مداخلت مت کرو۔"

"بہت اچھا بھیا۔" نوری نے کہا اور پھر وہ ہم دونوں کو سلام کرکے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد طالوت کافی دیر تک گم صم بیٹھا رہا۔

"کیا سوچ رہے ہو طالوت؟" میں نے پوچھا۔

"یار بعض اوقات تو تمہاری دنیا سے بھاگ جانے کو دل چاہتا ہے' بڑی بھیانک جگہ ہے۔ انسان کو یہاں کیسے کیسے روپ دے دیئے گئے ہیں' کیسی کیسی مجبوریاں اس کے کندھوں پر ڈال دی گئی ہیں۔ میں نے اس معصوم لڑکی کے ساتھ زیادتی کی۔ اس کا مجھے زندگی بھر افسوس رہے گا۔ میں نے تمہارے جذبات کو بھی نہیں پہچانا ہے عارف۔ میں اس کے لئے بھی شرمندہ ہوں۔"

"نہیں طالوت۔ ابھی تم میری دنیا کے بہت سے پہلوؤں سے ابنارمل ہو۔ میں نے بھی تمہارے ساتھ گستاخی کی ہے۔ جس کے لئے میں تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"ارے نہیں میرے دوست۔ میری طرف سے کھلی اجازت ہے۔ میری کسی غلطی پر تم مجھے سرزنش کرسکتے ہو۔" طالوت نے محبت سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری فطرت سے بخوبی واقف ہوگیا ہوں' طالوت' جو کچھ تم کہہ چکے ہو اس کے بعد بار بار تمہیں کہلوانا حماقت ہی ہے۔ بہرحال ابھی بہت سے ایسے دور آئیں گے جب ہمیں عجیب و غریب حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"میں جانتا ہوں اور میری درخواست ہے کہ میری کسی غلطی پر مجھ سے بد دل مت ہو جانا۔ بلکہ میری اصلاح کر دینا۔"

"میری تو اب پوری زندگی تمہاری امانت ہے طالوت۔ میں تم سے کس طرح بد دل ہو سکتا ہوں۔ بہرحال کسی ضرورت مند کی مدد کے لئے کچھ خطیر رقم بھی آپ کہیں تو ہم خوش اسلوبی سے انہیں ٹال دیں گے۔"

"یقیناً۔ اس سے جو روحانی خوشی نصیب ہوتی ہے اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔"

"روشیا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ تمام مدارج سے گزری ہوئی عورت ہے۔ نام صرف ان لوگوں سے متاثر ہوتے ہیں جن کے ضمیر میں تھوڑی بہت بھی زندگی باقی ہے۔ جس نے پہلو میں ضمیر نام کی کوئی شے ہی نہ رکھی ہو' اس کی اصلاح ناممکن ہے۔ روشیا کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ اب وہ کسی حیثیت میں ہمیں قبول نہیں ہے۔ کنکھ اس سے کوئی روپا نہیں رکھا جائے گا۔"

"سیٹھ روئی والا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"اس گدھے کے لئے بھی یہی سزا کافی ہے۔ ویسے اس سے بھی چھٹکارا ہو تا رہے گا۔ میرے خیال میں اس کے حواس درست کرنے کے لئے پانچ لاکھ کی دھمکی کافی ہوا کرے گی۔ ہاں مارف۔ ایک دم اور کرتا ہے؟"

"جی؟"

"جن لوگوں کے زیورات اور کاغذات ہمارے پاس ہیں۔ انہیں وہ واپس پہنچانے ہیں۔ ان کے لئے کیا کیا جائے۔ کیا ایک ایک کے منہ پھوٹے؟"

"یہ تو مناسب نہ ہوگا۔ ایسا کرتے ہیں کہ ایک مناسب مضمون کے خطوط ٹائپ کراتے ہیں جن میں انہیں اطلاع دیں گے کہ ان کی جان کنکھ روئی والا سے چھڑا دی گئی ہے' اور وہ اس کے جبڑے سے نکل چکے ہیں' چنانچہ ان کے زیورات کاغذات اور زیورات وغیرہ حاضر ہیں۔ اب وہ خود کو روئی والا سے آزاد سمجھیں اگر وہ کسی قسم کی دھمکی دے تو اسے خاطر میں نہ لائیں' اس کے ساتھ ہی جس کا جو سامان ہے اس سے پیشگی اطلاع لے کر ان لوگوں کو پارسل کر دیں۔"

"بہترین۔ بہت عمدہ خیال ہے۔" طالوت نے میری رائے پسند کی اور اس بات چیت کا یہی فیصلہ ہوا۔

وہ دونوں کے کھانے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ عبدل بھائی تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ چند اور لوگ بھی تھے۔ عبدل بھائی نے سلام کیا۔ اور پھر ایک خوش لباس نوجوان سے تعارف کراتے ہوئے بولے "یہ وائی فس موٹرز کے بیس پچیسر جو رکھوں ہیں۔ رانا صاحب۔ میں نے انہیں ایک مجبور یہاں لے دیا ہے۔ موٹر اور اس کے کاغذات لے کر آئے ہیں۔ باقی مال میں نے بارکیس میں چلا جائے گا۔"

"ٹھیک ہے کتنی رقم ادا کرنی ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"ایک لاکھ دس ہزار رہا ہے۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کو ابھی کیش ادائیگی کر دی جائے گی۔"

"میرا نام تی۔ نی چوپڑہ ہے سیٹھ۔ عبدل بھائی میرے کو ٹھی گھر دینے کو بولا۔ میں نے عبدل بھائی کو کوٹھی دکھادی۔ یہ پسند کیا تو آپ بھی بندوبست کرلو تی' تاکہ سودا ہو جائے۔"

"عبدل بھائی۔" طالوت نے عبدل بھائی کو پکارا۔

"جی رانا صاحب۔"

"آپ نے کوٹھی دیکھ لی؟"

"جی۔۔۔۔"

"پسند آئی آپ کو؟"

"اے کاس کوٹھی ہے جی۔۔۔ سمندر کے پاس۔ ایک دم فس کلاس ویو ہے۔ میرے کو بہوت پسند آیا صاحب۔۔۔ آپ کو بھی ضرور پسند آئے گا۔"

"کیا قیمت مانگتے ہیں چوپڑہ صاحب۔۔۔؟"

"اٹھارہ لاکھ جی۔۔۔ ابھی نئی بنائی ہے۔ ویل فرنشڈ ہے جی۔ کسی چیز کا ضرورت نہیں پڑیں گا آپ کو۔۔۔!"

"آپ کو بھی کیش ادائیگی کرنی ہوگی۔۔۔"

"جی نا ظلم کرو سیٹھ۔" چوپڑہ صاحب نیاز مندی سے بولے۔

"اور آپ؟" طالوت نے تیسرے آدمی کی طرف دیکھا۔

"میرے پاس دکھیں روڈ پر ایک خوبصورت دفتر ہے جناب۔ عبدل بھائی نے اس کے بارے میں بات چیت کی ہے۔ میں نے اس کے اڑھائی لاکھ طلب کئے ہیں۔ آپ دیکھیں آپ کے شایانِ شان جگہ ہے۔ چاروں طرف فلم اسٹوڈیو بکھرے پڑے ہیں۔"

"فرنیچر؟" طالوت نے پوچھا۔

"موجود ہے جناب۔ چند مہینے آپ کو ڈیکوریٹ کرنے ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ عبدل بھائی کو دفتر پسند ہے تو ٹھیک ہی ہوگا۔ تھریئے' میں آپ لوگوں کو ادائیگی کے دیتا ہوں۔"

طالوت نے کہا اور وہ سب حیرت سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ اتنی بڑی بڑی رقموں کی اس طرح ادائیگی ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن طالوت باہر نکل گیا' اور پھر پندرہ منٹ کے بعد وہ ایک وزنی سوٹ کیس لٹکائے اندر آیا' جس میں اوپر تک نوٹوں کی گڈیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے پہلے دونوں چھوٹی ادائیگیاں کیں' اس کے بعد چوپڑہ صاحب کو بھی رقم ادا کردی۔ وصول کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ بہرحال انہوں نے کسی کو فون کرکے اپنی مدد کے لئے بلایا۔ یہ ان کا اکاؤنٹنٹ تھا۔

"کوٹھی کی ڈیوری ابھی لے لی جائے عبدل بھائی۔ باقی کاغذات وغیرہ آپ کل مکمل کرالیں۔ کل ہی دفتر بھی دیکھ لیا جائے۔"

"جو حکم رانا صاحب۔" عبدل بھائی کانپتے ہوئے بولے۔ ان کی شکل حیرت سے بگڑی ہوئی تھی۔ طالوت نے کسی چیز کو دیکھے بغیر اس کی قیمت ادا کردی تھی' لیکن کسی کو کیا معلوم کہ وہ کون تھا اور اس کاغذی دولت کی اس کی نگاہوں میں کیا وقعت ہے۔

باقی لوگ چلے گئے۔ اب صرف عبدل بھائی رہ گئے تھے' جنہیں کوٹھی کی ڈیوری لینے جانا تھا۔

"شکریہ عبدل بھائی۔ اب آپ بھی جائیں اور شام تک ہمیں کوٹھی میں منتقل کرنے کا بندوبست کردیں۔ ہاں' آپ کو رقم کی ضرورت ہوگی۔ کوٹھی مکمل ہونی چاہئے۔"

عبدل بھائی کچھ نہ بولے۔ اور طالوت نے انہیں بھی کاغذ کی کچھ گڈیاں سرکادیں۔ وہ سلام کرکے چلے گئے۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے طالوت سے کہا "جناب نواب عزیز الدین صاحب۔ ذرا احتیاط سے خرچ کریں۔ ورنہ انسان چیل کوؤں کی طرح ٹوٹ پڑیں گے۔"

"یار ضرورت مندوں کا کام اگر ان بے کار کاغذات سے چل جاتا ہے تو میرا کیا نقصان ہے؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ بیکار کاغذات حکومت کے خزانے پر بار ڈالتے ہیں۔ ان کی قیمت سونا ہونا ضروری ہے۔"

"وہ بھی پورا کرلیں گے۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا اب بتاؤ کیا پروگرام ہے؟"

"بس کام مکمل ہو چکا ہے۔ اب علم کمپنی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کھلے گی اور ضرور کھلے گی۔ میں نے اس کا نام بھی تجویز کرلیا ہے۔"

"جی؟"

"نور آرٹس پروڈکشن۔" طالوت نے جواب دیا۔

"خدا کی پناہ۔ تم تو اچھے خاصے بزنس مین ہوتے جا رہے ہو۔"

"بس محترم عارف صاحب کی کرم فرمائی ہے۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔ اور پھر اٹھتے ہوئے کہنے لگا "تو ذرا کار تو دیکھ لیں۔ عبدل بھائی کی پسند کیسی ہے؟"

ہوٹل کے پارکنگ میں ہماری خوبصورت کار کھڑی ہوئی تھی' جس پر ابھی کوئی نمبر پلیٹ نہیں تھی۔ بلاشبہ یہ ایک حسین کار تھی۔ میں نے کار میں بیٹھ کر رات اسٹارٹ کیا اور پھر ہم نے کافی دور تک اس کی ٹرائی لی' اور کار ہمیں کافی پسند آئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل واپس آگئے۔

شام کو حسب پروگرام ہم اپنی نئی کار میں شاہپور کالونی پہنچ گئے۔ صفدر میاں دروازے پر ہمارے منتظر تھے۔ ہمیں کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر وہ بڑے حیران ہوئے۔ بہرحال انہوں نے آگے بڑھ کر سلام کیا تھا۔

"تشریف لائیے۔ ہم سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" انہوں نے بڑے بالغانہ انداز میں کہا اور طالوت کو ہنسی آگئی۔ صفدر میاں نے اندر داخل ہو کر اطلاع دی۔ "باجی۔ مہمان آگئے ہیں۔ اور بڑی خوبصورت کار میں آئے ہیں۔" نوری کے والد اٹھے اور غسلتے ہوئے ہم دونوں کی طرف بڑھے۔

"آیئے۔ آیئے نواب صاحب۔ تشریف لائیے۔ نور القسا۔ بیٹی نور القسا۔" انہوں نے آواز دی اور نوری سفید کپڑوں میں ملبوس باورچی خانے سے نکل آئی۔ اس کے چہرے پر ایک انوکھی دمک تھی۔ چند ہی گھنٹوں میں وہ کچھ سے کچھ ہو گئی تھی۔

"نور۔ ابا میاں مجھے نواب صاحب کے نام سے پکار رہے ہیں۔ کیا آپ نے انہیں میری حیثیت نہیں بتائی؟"

"بتادی ہے بھائی جان۔ لیکن ابا میاں ہر بات پر دیر سے یقین کرنے کے عادی ہیں۔"

بوڑھے کا چہرہ سنجیدہ ہو گیا۔ پھر وہ گمبھیر آواز میں بولا "آنکھوں سے اندازہ لگایا کرتا تھا۔ لیکن آنکھوں نے وہ تجربہ بھی چھین لیا۔ اب خوفزدہ رہتا ہوں کہ کسی کی حیثیت کے خلاف کوئی بات منہ سے نہ نکل جائے نہ جانے کیسی شکل ہو گئی ہوگی۔ اس نحیف منہ سے کسی کو اس کے مرتبے کے لحاظ سے مخاطب نہ کرکے نقصان بھی اٹھا سکتا ہوں۔ نہ جانے ایسی حالت سے بھی یا نہیں۔"

"آپ ہماری نوری بہن کے والد ہیں۔ اس لئے ہمارے بھی ہوئے اگر وہ چاہے تو یہ اختیار دے دیں۔ ورنہ مجبور نہ کریں گے۔" طالوت نے سنجیدگی سے کہا۔

"اندازہ تو تم نے اس کمبخت کی بیٹی کے ہوتے گھر سے کو دیا ہوگا۔ یہ نہ سوچا ہوگا کہ شاید خدا نے میری کوئی دعا قبول کرلی ہے۔ ورنہ تم لوگ ہم بیمار لوگوں پر اس قدر مہربان نہ ہوتے۔"

"جس خدا پر آپ کو اتنا بھروسہ ہے محترم بزرگ۔ ہم اسی کی ذات کو درمیان میں رکھ کر کہتے ہیں کہ نور بہن ہمیں اپنی سگی بہن کی طرح عزیز ہے۔ اور نے خلوص اور محبت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ آپ اپنے خدا سے سوال کریں کہ آپ کا دل ہمیں کیا تسلیم کرے۔ اگر سچائی ملتا ہے تو ٹھیک ہے۔ ہمارا سچ ثابت ہوجائے گا۔ اور اگر تردد باقی رہے تو ہمیں آئندہ نہ آنے کے لئے صاف صاف کہہ دیں۔ ہم آپ کو کبھی تکلیف نہیں دیں گے۔" طالوت نے کہا۔

اور بوڑھا ایک دم خاموش ہوگیا۔ اس کی بے نور آنکھیں آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں اور پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "اے خدا! اے خدا۔ میں نے تیری ذات پر بھروسہ کیا ہے۔ اے خدا۔ اے خدا۔"

"نوری" میں 'صفدر اور طالوت خاموش کھڑے تھے۔ اچانک بوڑھے کے چہرے پر شگفتگی ابھر آئی "اس کی ذات کو درمیان میں رکھ کر ہی کہہ رہا ہوں بیٹے۔ کہ اس اندھے نے تم دونوں پر اعتبار کرلیا اور اب میرے دل میں تمہاری طرف سے کوئی شک و شبہات نہیں ہیں گے۔ اگر میں شک و شبہات میں بھی مبتلا رہتا تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا بیٹے۔ لیکن وہ تمہارے خلوص کا جواب نہ ہوتا۔ مجھ ناچیز کے پاس اعتماد کے تحفے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اسے قبول کرو۔"

طالوت نے گرمجوشی سے بوڑھے کا ہاتھ دبایا اور پھر دونوں پر ہم دونوں بیٹھ گئے اور بڑے میاں چارپائی پر۔

"آپ نے ہمیں اپنا بیٹا سمجھ لیا ہے ابا میاں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اب اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ میرے سینے پر سے ذمے داری کی سل ہٹ گئی ہے۔ کاش میں تمہیں یہ سکون دکھا سکتا۔ میرے بچو! جو تمہاری وجہ سے مجھے ملا ہے۔" بوڑھے نے خوشی سے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "خدا تمہیں خوش رکھے۔ میری نور اتنا اب بے سہارا لڑکی نہیں ہے جس کی عزت ہر وقت خطرے میں ہو۔"

[illegible] آپ سے پہلے آپ کے [illegible] سے مدد تو نہیں کریں گے؟"

"ارے میرے پاس کیا ہے میرے بچو! جو ان سے لوٹ کر جاؤں تو وہاب علی نام نہیں۔"

"شکریہ ابا میاں۔ اے نوری یتیم۔ آپ کوئی غلط کام تو نہیں کر رہی ہیں۔ ذرا گرما گرم چائے ہوجائے۔" طالوت نے کہا اور نوری خود بخود کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ابی بھائی جان۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

"بھائی جان آپ کو کریم والے بسکٹ پسند ہیں؟" صفدر میاں بولے۔ تو طالوت نے اسے گود میں بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہے جی۔"

"تب اگر اجازت دیں تو میں باجی سے ان کے لئے جی کہہ آؤں۔ ممکن ہے انہیں یاد نہ رہیں۔"

"اوہ ہاں۔ ضرور صفدر میاں ذرا جلدی۔ کہیں وہ چائے لے کر نہ چل پڑیں۔" طالوت اسے اتارتے ہوئے بولا۔ اور وہاب صاحب مسکرانے لگے۔

چائے آئی۔ اس کے ساتھ ہی کریم بسکٹوں کی پلیٹ بھی تھی اور پانچ کپ تھے۔ نوری خود بھی ہمارے ساتھ چائے میں شریک ہوئی۔ صفدر میاں موقع سے خوب فائدہ اٹھا رہے تھے اور کریم بسکٹ ان کے معدے میں اترتے جا رہے تھے۔

"بڑا شریر ہے۔" نوری مسکرا کر بولی۔

رات کے کھانے کے بعد ہم نے اجازت چاہی اور نور طالوت نے مجھے اشارہ کیا۔ تو میں نے بڑے میاں کو مخاطب کرکے کہا "ابا میاں۔ کل ہمیں اپنے نئے مکان میں شفٹ ہونا ہے۔ آپ نور بہن کو حکم دیں کہ یہ سامان وغیرہ باندھ لیں۔"

"نیا مکان؟" بوڑھے نے لرزتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ کیا آپ پسند کریں گے کہ ہم ہوٹل میں پڑے رہیں اور پھر نوری بہن کے ہاتھ کے کھانا کھانے کے بعد ہوٹل کے کھانے سے چڑ ہوگئی ہے۔ یہ مکان بہت چھوٹا ہے۔ ورنہ ہم لوگ بھی یہیں ٹھس رہتے۔"

بوڑھا کئی منٹ تک خاموش رہا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا "ہمارے اوپر اتنا کرم کرو بیٹے۔ جو ہماری حیثیت کے مطابق ہو۔"

"آپ اپنی حیثیت خود مقرر نہ کریں تو بہتر ہے ابا میاں۔ کیونکہ اس سے خود ہماری حیثیت متاثر ہوتی ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر نوری کی طرف رخ کرکے بولا "یہ مکان کل چھوڑ دینا ہے نوری۔ ضروری تیاریاں تم خود کرلینا۔" [illegible]

نے نوری کو اشارہ کیا اور نوری نے مسکراتے ہوئے گردن ہلادی۔ پھر وہ ہمیں باہر تک چھوڑنے آئی اور ہم کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔

دوسرے دن ہم اپنی خوبصورت کوٹھی میں منتقل ہوگئے۔ نوری اس کوٹھی کو دیکھ کر سحرزدہ تھی۔ درحقیقت عبدل بھائی نے بہترین انتخاب کیا تھا کوٹھی کا جائے وقوع بہترین تھا۔ اس کی پشت پر سمندر تھا اور چاروں طرف خوبصورت سبزہ اور ان کے درمیان حسین سڑکیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کوٹھی کی دوسری تینوں طرف بھی آبادی ہوگئی تھی۔ ویسے عبدل بھائی نوری اور اس کے ہمراہ کو دیکھ کر حیران تھے۔ لیکن ابھی تک انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔

تاہم دوپہر کے کھانے پر وہ پوچھ ہی بیٹھے "اے گولر بھائی۔ یہ نوری اور اس کا باپ اور کیوں کر آ پڑا۔"

"ارے۔ تمہیں معلوم نہیں عبدل بھائی۔"

"اے کیا مالوم گولر بھائی۔ پن یہ نوری لوگ تو کوٹھی کو ایسا دیکھتا پڑا' جیسے سالا اس کے باپ کا گھر ہو۔"

"باپ کا گھر نہیں۔ لیکن بھائی کا گھر ضرور ہے عبدل بھائی۔ اس بات کو نوٹ کرلیں اور کوئی ایسی ویسی بات نہ کہہ دیں جس سے رانا صاحب ناراض ہوجائیں۔"

"بھائی کا گھر۔ یہ بھائی سالا کدر سے نکل پڑا۔"

"اوہ۔ عبدل بھائی۔ رانا صاحب کو پتہ چل گیا ہے کہ نوری ان کی خالہ زاد بہن ہے۔ رانا صاحب کی خالہ ناراض ہوکر اسٹیٹ سے چلی آئی تھیں' اس کے بعد سے ان کا پتہ نہیں چل سکا' جب کہ اسٹیٹ کے لوگ انہیں چاروں طرف تلاش کرتے رہے تھے۔ اب رانا صاحب کو پتہ لگا کہ نوری کے والد وہاب علی صاحب تو رانا صاحب کے خالو ہیں اور نوری ان کی خالہ زاد بہن۔ بے چاروں کے حالات خراب تھے اس لئے ایسی زندگی گزار رہے تھے۔"

"کھالہ جاو بھین۔" عبدل بھائی کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا' اور اس کے بعد تو وہ بالکل سکتے میں رہ گئے تھے۔

طالوت قلمی دنیا کے ہنگاموں سے پوری پوری دلچسپی لے رہا تھا' اسے اس دنیا کے ہنگامے بہت پسند آئے تھے اور اس نے ارادہ ظاہر کیا تھا کہ یہاں کافی وقت گزارے گا..... بہرحال ہماری زندگی تو ہمیشہ نت نئے ہنگاموں سے دوچار رہتی تھی۔ خود میری زندگی کا بھی یہی راستہ تھا' چنانچہ مجھے کیا اعتراض ہوسکتا تھا۔

فلم کمپنی کا دفتر قائم کیا گیا جو اپنی مثال آپ تھا۔ بلاشبہ پورے شہر میں کسی فلم کمپنی کا اتنا خوبصورت دفتر نہیں تھا۔ دفتر کی عمارت کے باہر انتہائی حسین نیون سائن میں نور آرٹس پروڈکشن کا بورڈ جگمگا رہا تھا۔ خود نوری کو ابھی تک اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔ ہاں صرف اتنا معلوم تھا کہ فلم کمپنی کھولی جا رہی ہے۔

نوری اب خاص کر بیاہ عورتوں کی طرح رہتی تھی۔ اس پر بے جا ذمے داریاں یا پابندیاں نہیں لگائی گئی تھیں' کوٹھی کے کام ہی ایسے تھے جن سے اسے فرصت نہیں ملتی تھی۔ صفدر میاں کو شہر کے اعلیٰ درجے کے اسکول میں داخل کردیا گیا تھا اور طالوت نے وہاب صاحب کی آنکھوں کا آپریشن کرانے کا بھی فیصلہ کرلیا تھا۔

بہرحال۔ دفتر کے افتتاح کا پروگرام بنایا گیا اور پوری فلم انڈسٹری کو دعوت نامے بھجوادیئے گئے۔ ان میں روشیلا اور سیٹھ روئی والا بھی شامل تھے۔ طالوت کا خیال تھا کہ یہ دونوں اس افتتاح میں شرکت نہیں کریں گے۔ لیکن افتتاح کے موقع پر روشیلا اور روئی والا کو ایک ہی کار سے اترتے دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"عارف۔ مہمان خصوصی۔" اس نے سرگوشی کی۔

"یہ فلم انڈسٹری ہے میری جان۔ یہاں کی رنجشیں دیرپا نہیں ہوتیں۔ روئی والا تمہارے تھپڑ کو بھول گئے ہوں گے۔ روشیلا بھی نئے جال لے کر آئے گی' ہوشیار رہنا۔"

"ارے اس کی ایسی تیسی۔" طالوت اکڑ کر بولا "ابھی تک نوری نہیں آئی۔ پتہ نہیں عبدل بھائی پہنچایا نہیں؟"

"اوہ۔ آری ہے۔ وہ دیکھو۔" میں نے دور سے اپنی کار آتے دیکھ کر کہا۔ اتنی دیر میں روئی والا اور روشیلا ان کے نزدیک پہنچ گئے۔ روئی والا مسکراتے ہوئے کار سے اترے تھے۔

"ارے رانا صاب۔ کھدا کسم تم تو کمال کیا بابا۔ ایک دم آفس بنا ڈالا۔ مارے کو مالوم بھی نہیں ہوا۔ ہماری طرف سے مبارک باد کبول کرو۔" روئی والا نے کہا۔

"شکریہ سیٹھ روئی والا۔ آخر آپ کے پانچ لاکھ روپے اور لاکھوں کے زیورات تو کہیں نہ کہیں خرچ کرنا تھے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اس کے بجائے کہ روئی والا شرمندہ ہوتا۔ اس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا "اے کائے کو مجاک کرتا پڑا رانا صاب۔ مارے کو بھوت شرمندگی ہوا۔ مارے کو ماپھ کردیا رے۔"

"معاف کردیا سیٹھ روئی والا۔ لیکن مس روشیلا نے بھی آپ کو معاف کردیا یا رقم دینی پڑی؟"

"اے وہ کدر چھوڑنا پڑا یار۔ مارے کو کھلاس کردیا۔

پورا ایک لاکھ لے کر جان چھوڑا۔"

"اب تو گزری داستانیں نہ دہرایئے رانا صاحب۔ ہم آپ کے مہمان ہیں۔" روشیلا نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا پھر بولی "میری طرف سے دلی مبارکباد قبول فرمایئے۔ مگر یہ نور آرٹ پروڈکشن۔ یہ نور صاحب کون ہیں؟"

دلی کی اور قریب آئی۔ ایک خوبصورت سادہ سی ساڑھی میں ہوس' وہ حد حسین نظر آرہی تھی۔ دولت اور سکون انسان کی شکل بدل دیتا ہے۔ اس کی مثال معمول کی ہے۔ امراء کے بچے عموماً خوبصورت ہوتے ہیں اور غریبوں کے بچے بدشکل۔ نوری کے قریبی جاننے والے بھی اس کی شکل نہیں پہچان سکتے تھے۔ اس کے ساتھ صفدر' وہاب صاحب اور سہیل بھائی تھے۔ صفدر بھی ایک گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں بے حد خوبصورت اور اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ وہاب علی اعلیٰ پٹھے کی شیروانی میں ہوس تھے اور آنکھیں نہ ہونے کے باوجود بہت خوش نظر آرہے تھے۔

"آپ نے بتایا نہیں رانا صاحب۔ یہ نور صاحب کون ہیں؟" روشیلا نے پھر اصرار کیا۔

"سوری مس روشیلا۔ نور آرٹس پروڈکشن کے مالکان تشریف لے آئے ہیں۔ آؤ ہم ان کا استقبال کریں۔ تمہیں ان سے مل کر یقیناً خوشی ہوگی۔" طالوت کے بجائے میں نے کہا اور روشیلا کو دن گھما کر دیکھنے لگی۔ میں اور طالوت آگے بڑھ گئے تھے۔

"ہیلو نور۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے قریب کھڑے ہوئے ایک ملازم کے ہاتھوں سے پھولوں کا خوبصورت ہار لے کر نوری کی گردن میں ڈال دیا۔ دوسرے ہار اس نے اور میں نے وہاب علی صاحب اور صفدر کے گلے میں ڈالے تھے۔ نوری دفتر کے دروازے پر تھوڑا سا خم سا ہو کر ہی سراسیمہ ہو گئی تھی۔

"آیئے خاتون نور النساء۔ ہماری طرف سے اس عالیشان پروڈکشن کا نام کرنے کی مبارکباد قبول فرمایئے۔" طالوت نے قدرے جھک کر کہا اور نوری ٹھوک کھا کر رہ گئی۔

بہت سے لوگوں کے چہرے حیرت کا آئینہ بن کر رہ گئے تھے۔ روشیلا کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ سیٹھ روئی والا کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ نوری کو دوسری فلم کمپنیوں والے بھی ایک ایکسٹرا گرل کی حیثیت سے جانتے تھے۔ بابو خاں ٹائپ کے لوگ بن بلائے ہی پہنچ گئے تھے۔ غرض نوری کی آمد اور اس کی موجودہ حیثیت نے بڑا دلچسپ ماحول پیدا کر دیا تھا۔

"مہمانان گرامی۔" طالوت نے لوگوں کو مخاطب کرتے کہا "خاتون نور النساء نور آرٹس پروڈکشن کی مالک' مجتبیٰ وہاب علی نور النساء کے والد' اور میرے صفدر ہی۔ ہم سب خاتون نور النساء کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔" طالوت نے تالیاں بجائیں اور تمام احمق تالیاں بجانے لگے۔ لیکن ان کے چہرے ہاتھوں سے ہم آہنگ نہیں تھے۔

"اس دفتر کا افتتاح۔ محترم وہاب علی اپنے مبارک ہاتھوں سے کریں گے۔" طالوت نے دوسرا اعلان کیا اور تالیاں پھر گونج گئیں۔ وہاب علی سراسیمہ انداز میں اپنی چھڑی کو ادھر ادھر ٹھکانے لگے تھے۔ تب طالوت ان کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے وہاب علی کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنے کندھے پر رکھ لیا اور وہاب علی نے اس کا شانہ دبوچ لیا۔

"ابا میاں۔ آپ کا بیٹا۔ عزیز الدین ہے۔ میرا بیٹا نہیں۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا اور وہاب علی کے دانت بھنچ گئے۔ انہوں نے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔ البتہ صفدر نے نوری کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ونڈر فل لیڈی۔ آپ تو بہت بڑی "عورت" بن گئیں۔ کیا خیال ہے۔" لیکن نوری ابھی تک سحر زدہ تھی۔ میں نے نوری کی آنکھوں میں دیکھا' اور دیکھتا رہا۔ تب نوری سنبھل گئی۔

"آیئے۔" میں نے کہا اور طالوت وہاب علی کو لے کر آگے بڑھا۔ ایک باوردی ملازم نے پلیٹ میں رکھی ہوئی قینچی وہاب صاحب کے ہاتھ میں تھمائی اور وہاب صاحب نے افتتاحی فیتہ تلاش کر کے کاٹ دیا۔ اخباری رپورٹروں نے تصویریں کیں' اور ایک رپورٹر نے مائیک ان کے منہ کے قریب کر کے کہا۔

"محترم وہاب صاحب۔ آپ کے تاثرات؟"

"وہاب صاحب سنبھلے۔ اور پھر انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا "صاحبو! میں آنکھوں سے معذور انسان ہوں لیکن دل کی روشنی میں' میں ان چمکتے ہوئے چہروں کو دیکھ رہا ہوں' جن کے دم سے انسانیت کا وجود باقی ہے۔ کون کہتا ہے کہ انسان مفلس ہے۔ وہ آج بھی انسانیت کی دولت سے مالا مال ہے' ہاں غلط سوچ' خیالات' نظریات نے انسانیت کو بری طرح زخمی کر دیا ہے۔ لیکن بھی بھی یہ زخم اس طرح مندمل ہوتے ہیں کہ ان کے نشان تک باقی نہیں رہتے۔ میری دعا ہے کہ خدا انسانیت کو زندہ رکھنے والوں کو زندہ رکھے تاکہ ان کے دم سے بجھے چراغ جلتے رہیں اور انسانیت پر عمل تاریکی نہ چھا سکے۔ میری ساری دعائیں اس پروڈکشن کے ساتھ

ہیں۔" لوگوں نے پھر تالیاں بجائی تھیں' اس کے بعد مہمان دفتر کی عظیم الشان عمارت دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور دیکھنے والوں نے اس کی حیثیت کو خوب سمجھا تھا۔

مہمانوں کے بیٹھنے کا انتظام ہال میں کیا گیا تھا۔ جہاں ان کی تواضع کی جانے لگی۔ لیکن ابھی تک ذہن صاف نہیں ہوئے تھے۔ نوری کے جاننے والے ابھی تک حیثیت پہچان نہ سکے تھے۔ وہ اس بات پر کیسے یقین کر لیتے کہ ایک ایکسٹرا گرل اچانک ایک بہت بڑی فلم کمپنی کی مالک بن گئی۔

نوری بھی اب سنبھل گئی تھی۔ وہ اب ان دونوں سے پوری طرح واقف ہو گئی تھی جو اس کے لئے آسمان سے اترے تھے۔ لوگوں نے کھانے کے دوران نوری سے کچھ بولنے کی فرمائش کی۔

"ہاں ہاں نور۔ اپنے مقاصد کے بارے میں مہمانوں کو بتاؤ۔" میں نے کہا اور نوری تیار ہو گئی۔

"میری کمپنی۔" اس نے جھجکتی ہوئی آواز میں کہا "معاشرے کی سچی تصویریں پیش کرے گی۔ ہم ایسی فلمیں بنائیں گے جو فلاحی مقاصد رکھیں گی۔ ہم جانتے ہیں کہ فلم دیکھتے ہوئے ذہنوں کو الجھنوں سے نکالنے کا ایک ذریعہ ہے۔ لوگ محنت و مشقت کرنے کے بعد ذہنی شگفتگی چاہتے ہیں۔ اس لئے سینما ہال میں آتے ہیں۔ ہم ان کے ذہنوں پر بھی اور رومان کا بوجھ نہیں لادیں گے۔ کہ رومان اور جنس کا زندگی سے گہرا تعلق ہے' لیکن سڑکوں اور گلیوں کے رومان ہمارے معاشرے سے بہتر دور کی چیزیں ہیں۔ ہمارا کیمرہ ماحول' ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم ان امثال کو فلم کا موضوع کیوں نہ بنائیں۔ میں نہیں کہتی کہ فلم میں رومان نہ ہو۔ لیکن وہ رومان جو زندگی سے قریب ہو۔ ہماری لڑکیاں سڑکوں پر پرس چلاتی ہوئی عاشقوں کی تلاش میں نہیں نکلتیں۔ ہاں کچھ ذہن ان فلموں کو دیکھ کر اس انداز میں بھی سوچ سکتے ہیں اور ہماری کوئی غلطی اگر ایک بھی ذہن کو بھٹکانے کا ذریعہ بن جائے تو ہم معاشرے کے بہت بڑے مجرم ہیں۔ رومان پیش کیا جائے۔ لیکن اسی انداز میں جو ہمارے ماحول کا خاصا ہے۔ اس کے علاوہ زندگی کے بے پناہ مسائل ہیں' اگر ہم صاف ستھرے انداز میں' وہ مسائل اور ان کا حل پیش کریں تو لوگوں کو سوچنے اور عمل کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اس طرح اپنی تفریح کے اوقات میں' وہ ذہنی شگفتگی اور اپنے کسی مسئلے کا حل پالیں تو میرا خیال ہے فلم انڈسٹری بھی معاشرے کے خدمتگار کی حیثیت سے ابھر سکتی ہے۔ مزاح انسانی فطرت کے لئے اکسیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ صاف ستھرا مزاح پیش کر کے ہوٹلوں پر مشروبات بیچی جا سکتی ہیں۔ یہ ہماری فلموں کی اہم ضرورت ہے۔ ذاتی طور پر میں' صاف ستھرا مزاح پیش کرنے والوں کی پرستش کرتی ہوں کیونکہ وہ انسانوں کو الجھنوں کی دنیا سے تھوڑی دیر کے لئے آزاد کر دیتے ہیں۔ میں کوشش کروں گی کہ جو کچھ کمائے وہی لگاؤں۔ سستی قسم کی رومانی فلمیں بنا کر معاشرے کا مجرم نہ بنوں۔ خواہ اس کے لئے کتنی ہی بے وجہ کیوں نہ کرنی پڑے۔"

اس صاف ستھری تقریر پر درحقیقت خلوص دل سے تالیاں بجانے کو دل چاہا۔ اور تالیوں کی آوازیں بہت زور دار تھیں۔ نوری نے سرجھکا کر لوگوں کا شکریہ ادا کیا۔

اس کے بعد مہمانوں کو آزادی مل گئی۔ سب ایک دوسرے سے خوش گپیوں میں مصروف ہو گئے۔ اخباری رپورٹروں نے نوری سے سوالات شروع کر دیئے۔

"کیا آپ نے فلم کے لئے کوئی کہانی حاصل کر لی ہے مس نوری۔"

"میرا نام نور النساء ہے۔" نوری نے تصحیح کی۔

"سوری۔"

"جی نہیں۔ ابھی نہیں۔ لیکن ظاہر ہے اب ہمیں کہانی کی تلاش ہوگی۔" "کیا کوئی کہانی آپ کے ذہن میں ہے؟" کسی نے پوچھا۔

"کہانیوں کی کمی نہیں ہے۔ کسی بھی اپنے گھر میں جھانک لیں جہاں چراغ میں تیل نہ ہو۔ ایک کہانی مل جائے گی۔" نوری نے جواب دیا۔

"کیا آپ میوزیم کا پروجیکٹ کریں گی؟"

"میں صرف انسان آئزم کی قائل ہوں۔ آپ اسے کوئی نام دے لیں۔"

"تھوڑا سا وقت ہمیں بھی دے دو نوری۔" روشیلا نے اس کا بازو پکڑ کر ایک طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ اور نوری اس کے ساتھ آگے بڑھ گئی۔ میں اور طالوت ان دونوں سے زیادہ دور نہ تھے۔

"میں بھی ایک سوال کروں؟" روشیلا نے کہا۔

"ضرور۔" نوری مسکراتے ہوئے بولی۔

"میں ایک کہانی پلاٹ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔" نوری کا چہرہ خشک ہو گیا۔

"یار رانا صاحب نے تمہیں پسند کر لیا ہے؟"

"ہاں۔" نوری نے سخت لہجے میں کہا۔

"سیکریٹری بھی تم سے بہت بے تکلف ہے۔"

"ہاں۔" نوری پھر اسی انداز میں بولا۔
"وہ دونوں کی منظور نظر ہو۔"
"تمہارا خیال درست ہے۔" نوری کا سانس پھولنے لگا تھا۔
"مگر ابھی نہیں تھا نوری کہ تم اتنی تیز نکلو گے۔ کون سا طریقہ... استعمال کیا تھا میری جان کہ دونوں ایک وقت تو ہو گئے؟"
"تم طریقے کے بارے میں جاننا چاہتی ہو؟"
"ہاں۔ ہمیں بھی تو بتاؤ۔ عورت تو ہم بھی ہیں۔ اور تم سے کسی طرح کم بھی نہیں ہیں۔" روشیلا فحش انداز میں بولی۔
"یہ طریقہ تھا۔" نوری نے ایک زوردار تھپڑ روشیلا کے گال پر رسید کر دیا۔ کافی زوردار آواز تھی۔ سب اس طرف گھوم گئے۔ روشیلا کا گال سرخ ہو گیا تھا۔
اور اسی وقت طالوت نے زور سے تالیاں بجائیں۔
لوگ بے اختیار تالیاں بجانے لگے تھے اور میں اپنا قہقہہ نہ روک سکا۔ لیکن لوگوں کو جلد ہی اپنی حماقت کا احساس ہو گیا۔ اور تالیاں رک گئیں۔ روشیلا خونخوار نظروں سے نوری کو دیکھ رہی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ وہ نوری پر جھپٹنے والی ہے۔ تو میں فوراً ان دونوں کے درمیان آ گیا۔
"صاحبان۔ میرا خیال ہے مس نوری اپنی پہلی فلم کا نام "تھپڑ" رکھنا چاہتی ہیں۔" طالوت نے ہانک لگائی "تالیاں انہوں نے اس کا اعلان کیا ہے۔"
"میں نے کہا۔ ایکسٹرا۔ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔" روشیلا نوری پر جھپٹی۔ لیکن طالوت نے اس کے دونوں شانے پکڑ لئے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ بولا۔
"لیکن مس روشیلا بضد ہیں۔ کہ اس کا نام "ایک تھپڑ" رکھا جائے۔ کیا میں لوگوں کو فلم ایک لاکھ کی کہانی سناؤں مس روشیلا؟"
"اے تم کیسا لوگ ہے۔ مہمان کو بلا کر سب مجتی کرتا پڑتا ہے۔ دیکھ لو بھائیو۔ یہ ہم لوگ کا عجیب ہوتا پڑتا ہے۔"
سیٹھ رونی والا نے بھی ایک بم پیش کیا تھا۔ "پانچ لاکھ۔ اب یہ فیصلہ بھی مشکل ہے کہ فلم کا نام مس روشیلا کے کہنے سے ایک لاکھ رکھا جائے یا رونی والا کے حکم پر پانچ لاکھ۔ ویسے ان دونوں کی کہانیاں دلچسپ ہیں۔ کیوں رونی والا۔ کیا میں معزز مہمانوں کو سناؤں؟"
رونی والا اور روشیلا دونوں ڈھیلے پڑ گئے تھے۔ روشیلا نے خونی نگاہوں سے ہم لوگوں کو دیکھا اور پھر تیزی سے ایک طرف مڑ گئی۔

"اے۔ میرے کو دے کو چھوڑنا پڑا ہے۔ میں تیرے ساتھ بچنے کو مانگتا مس روشیلا۔" سیٹھ روشیلا کے پیچھے لپکے اور طالوت نے پھر تالیاں بجائیں۔ عبدل بھائی میں اور عصفر اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ دوسرے لوگ حیران تھے۔ بہر حال تقریب اختتام پذیر تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد مہمان رخصت ہونے لگے۔
"یہ میں نے... میں نے غلط کیا۔" نوری نے لرزتی آواز میں کہا۔
"بالکل غلط۔ میں تم سے ناراض ہوں۔" طالوت نے کہا۔
"اوہ۔" نوری کی گردن جھک گئی۔
"ایسے لوگوں کی سزا صرف ایک تھپڑ نہیں ہونی چاہئے۔ اب روشیلا کے ایک سائڈ تھوڑا ٹکور آئے گا اور اس کی ساری اسکرین ہوا تھپڑ ہو جانے کی تمنا چھپے تھا کہ دوسری طرف بھی فوراً ہی تھپڑ مار دیتیں۔ تاکہ اس کے چپکے ہوئے گال ابھر آتے۔ کسی کی روزی کا خیال رکھنا بہت بڑی نیکی ہے۔" طالوت نے کہا اور نوری چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر وہ بے ساختہ ہنس پڑی تھی۔
"تم نے روشیلا کے گال پر تھپڑ مار کر ہماری ساری محنت وصول کر دی ہے نوری۔ لطف آیا۔" طالوت نے کہا اور نوری مسکراتی رہی۔

○○○

فورآرٹس پروڈکشن نے کام شروع کر دیا۔ کہانیوں کے لئے اخبارات میں اشتہار دیئے گئے تھے۔ پانچ اور لوگوں کو بھی ملازم رکھا گیا تھا جو دفتری کاموں کے لئے تھے اور ہم لوگ حسب معمول تفریحات میں مشغول ہو گئے تھے۔ عبدل بھائی ہمارے منیجر تھے۔ مجموعی حیثیت سے وہ برا آدمی نہیں تھا۔ معقول تنخواہ ملی تو وہ پوری طرح وفادار بن گیا تھا۔
وہاب صاحب ایک عدد اسپتال میں آنکھوں کے آپریشن کے لئے داخل کر دیئے گئے تھے۔ عصفر کو ایک اعلیٰ درجے کے اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ نوری کے لئے فلم کے کاموں کے علاوہ اور کوئی مشغلہ نہیں تھا لیکن گھر کے کاموں کے لئے بہت سے ملازم موجود تھے اس لئے وہ عموماً بیکار رہتی۔ اس سلسلے میں ایک دن طالوت نے اس سے بات کی۔
"محترمہ نور صاحبہ۔ خادموں کے عہدے کا تعین نہیں کیا گیا۔"
"میں نہیں سمجھی بھیا۔"
"کیا ہم بھی خود کو ملازم سمجھیں؟"
"کوئی خاص ضرورت تو نہیں ہے۔" نوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"منہ دھو رکھیں۔ ہم کوئی ملازمت قبول بھی نہیں کریں گے۔ چنانچہ اب اپنی اپنی آپ خود مختیار ہیں۔ روزانہ دفتر جایا کریں۔ کہانیوں کے بارے میں بات چیت کیا کریں۔ کل سے ان کی دیکھ بھال کرنی ہے۔"
"اوہ۔ لیکن بھیا۔ آپ کی موجودگی میں یہ مناسب ہوگا۔"
"ہم ہمیشہ موجود نہیں رہیں گے۔ اگر تمہیں یہ کاروبار پسند ہے تو سنبھالو۔ ورنہ کوئی اور کاروبار کرو۔"
"آپ شرمندہ کر رہے ہیں بھیا۔ مجھے حکم دیں میں کیا کروں؟"
"کل سے باقاعدہ دفتر جائیں۔" آپ کی کرسی پر آج تک ہم لوگوں نے بیٹھنے کی جرات نہیں کی۔ فلم شروع کریں۔ جلدی سے کہانی کا انتخاب کریں۔ عبدل بھائی اپنی ڈائریکشن کے جوہر دکھانے کے لئے بے چین ہیں۔"
"ٹھیک ہے بھیا۔ دو تین کل سے میں دفتر جاؤں گی۔"
"ہاں۔ پروپرائٹر صاحب نے لئے کار بھی خرید لی گئی ہے اور عبدل بھائی سے کہہ دیا گیا ہے کہ ایک ڈرائیور کے لئے اشتہار دے دیں۔"
"جی۔" نوری نے آہستہ سے کہا۔
بہر حال دوسرے دن سے نوری نے دفتر جانا شروع کر دیا۔ ہماری تفریح کے لئے دفتر ہی کافی تھا۔ دن بھر بھانت بھانت کے لوگ چکر لگاتے رہتے تھے۔ اور طالوت ان سے خوب لطف اندوز ہوتا تھا۔ اسے اس لائن میں بہت مزہ آ رہا تھا اور اکثر وہ کہتا تھا۔
"یار۔ باقی تو سب ٹھیک ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی قاعدے کی لڑکی نہیں ملی؟"
"مل جائے گی۔ مل جائے گی۔ تھوڑا صبر کرو۔"
"اور پھر ایک دن ہم نے کہانی کے سلیکشن کا پروگرام بنا لیا۔ چند لوگوں کو جواب بھی دیئے گئے تھے۔ باہر بورڈ لگا دیا گیا تھا کہ جن لوگوں کو بلایا جائے وہی آئیں۔ باقی حضرات تکلیف نہ کریں۔ چنانچہ آج مصنفین کا دن تھا اور آنے والے فلم انڈسٹری کے جانے پہچانے مصنف ہی تھے۔ ہم چاروں یعنی میں طالوت، نوری اور عبدل بھائی۔ انٹرویو لینے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ باہر کے کمرے میں مصنفین حضرات تشریف رکھتے تھے اور ان کے ناموں کی فہرست ہمارے

اقابلا
[illegible]
[illegible] ہے پاکستان کے ہر گھر میں جنم لینے والی ایک محبت بھری داستان جہاں وہ لڑے جدید اور قدیم کے مقابلے پر اتر آتے تھے۔ دلچسپ قبائل اور ان کے دلچسپ رسم و رواج کی ایک ناقابل یقین سرگزشت [illegible] ان تاریک اور گمنام جزیروں کی کہانی جہاں تہذیب کا کوئی دخل نہیں تھا [illegible] خون کی خاطر معصوم اور شیر خوار بچوں کو نیزوں پر اچھالا جاتا تھا عجیب افسانہ اور خوفناک ریواجوں کے جسموں کو تازہ خون سے غسل دیا جاتا تھا [illegible] نوخیز حسیناؤں کی بھینٹ پیش کی جاتی تھی
قیمت فی حصہ 60 روپے ●●●● ڈاک خرچ 23 روپے
کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 25 کراچی 74200
فون 5802551 فیکس 5802551-5895313
kitabiat970@yahoo.com
[illegible] 75500

اداکاری کررہے ہیں۔ ان میں سے ایک بھی ہمارے معیار کا نہیں ہے۔ یہی فلمیں وہ لوگ بنارہے ہیں جنہیں ان سے نفرت ہے اور پھر ان لوگوں نے اس صنعت پر قبضہ کررکھا ہے۔ نئے ذہن اٹھنے پھرنے صرف اس لئے پیچھے جارہے ہیں کہ آپ جیسے لوگ انہیں سامنے نہیں آنے دیتے۔ آپ جانتے ہیں عبدل بھائی' فلم بنانا ہم صرف دولت نہیں کمانا چاہتے۔ ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ چنانچہ آپ آئندہ خیال رکھیں۔ یہاں آنے والوں کے ساتھ عام فلم کمپنیوں کا سا سلوک نہیں ہونا چاہئے۔ جو بھی آئے اسے ہمارے پاس ضرور بھیجا جائے۔ اگر زیادہ لوگ آگئے اور وقت کا معاملہ ہوا تو ہم انہیں پھر آنے کا وقت دیں گے۔"

"سمجھ گیا بھی۔" عبدل بھائی سر جھکا کر بولے۔

"نہیں عبدل بھائی۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم نے اپنا مقصد آپ کو بتادیا ہے۔ بس آپ آئندہ اس پر عمل کریں۔ ویسے آپ چاہیں تو ان لوگوں کو بھی طلب کرسکتے ہیں۔"

"شکریہ گولر بھائی۔ بہت بہت شکریہ۔ نہیں تو ہم سدا شرمندہ ہوتا۔" عبدل بھائی نے فہرست کی ایک کاپی جو ان کے سامنے رکھی ہوئی تھی' میں نے نام دیکھ کر تھنی بجائی! باہر کھڑا ہوا اردلی اندر آیا تھا۔ "کھونچان کھونچی کو بلاؤ۔" اور اردلی سر جھکا کر چلا گیا۔

"یہ کونسی زبان کا لہجہ ہے عبدل بھائی؟" طالوت نے حیرت سے پوچھا۔

"اونی ہماری جبان کا ہے۔ اس کا کوئی مطلب نہیں ہوا ہے۔ آپ نے کھسم... کھنا نہیں دیکھی تھی' ورنہ آپ یہ بات نہ پوچھتے۔" عبدل بھائی نے کہا۔

"کھسم کھنا۔" طالوت میری طرف دیکھ کر گردن ہلانے لگا "یہ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔"

"بہت بڑا ادیب معلوم ہوتا ہے رانا صاحب۔ کھونچان کھونچی کھسم کھنا نہیں لکھے گا تو اور کیا لکھے گا۔ اگر اس کا نام اس کا کام جو ہم کی سمجھ میں آجائے تو پھر اس میں کیا خوبی رہ جائے گی۔ بڑا ہی ادیب معلوم ہوتا ہے۔"

چند لمحات کے بعد کھونچان کھونچی اندر آیا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسے کھونچان کہا جائے یا کھونچی۔ ساڑھے چار فٹ کا قد۔ گھٹنوں تک لمبی شرٹ پہنی' جس پر رنگ برنگ مچھلیوں اور سیندر اوی کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کالے رنگ کی پتلون پتلے پیروں میں اسٹنگی کی چپل۔ جسامت کے لحاظ سے چہرہ زیادہ بھرے خدوخال۔ پیشانی نہ ہونے کے برابر۔ سر پر ایک چوڑا بیابان نظر آرہا تھا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس' دوسرے ہاتھ میں روبن اسکارف کی چھوٹی پوٹلی پکڑے اندر تشریف لائے تھے۔ آتے ہی نوری کے سامنے کی کرسی کھینچی اور بیٹھ گئے۔ پہلے بریف کیس میز پر رکھا' پھر پوٹلی اور پھر میز کی سطح سے سینہ ٹکا کر نوری کی طرف جھکے' اس کی آنکھوں میں دیکھتے رہے' دیکھتے رہے۔ دیکھتے رہے۔ اور پھر ایک دم پیچھے ہٹے اور اسکاچ کی بوتل کھول کر دو عدد صحت مند انڈیل لئے' پھر بوتل کا کارک لگا کر کافی سے بہت صاف کئے۔

مجھے اور طالوت کو انہوں نے بالکل نظرانداز کردیا تھا۔ عبدل بھائی کو وہ کسی قابل نہیں سمجھ رہے تھے جو ان کی طرف متوجہ ہوتے۔ لے دے کے ایک نوری رہ گئی تھی۔ جسے وہ گھورے جارہے تھے۔ نوری گھبرا کر ہم دونوں کو دیکھنے لگی۔

"پیشانی کی چمک۔" کھونچان کھونچی کی آواز ابھری "ابرو کا خم' ہونٹوں کی مسکان۔ انداز نشست' تیرے وقار' تیرے عزوجلال کی خبر دے رہا ہے اے حسینہ۔ ہم اہل خرد۔ مستقبل کے دریچوں میں جھانک لیتے ہیں اور کھونچان پیش گوئی کرتا ہے کہ نور آرس فلستان کی پیشانی کا نور بن جائے گا۔ لیکن اسے کھونچان کا پیمانہ درکار ہے۔ تو حاضر ہے تیرے لئے اور سمجھ لے کہ کھونچان ایک ایسی کہانی تخلیق کرے گا' جو فوق ہوگی۔ لوگوں پر بخرطاری کردے گی۔ میں اس سے بڑا خراج تیرے حسن کو نہیں پیش کرسکتا۔"

انہوں نے اسکاچ کی بوتل اٹھائی اور اس کا کارک کھولا۔ لیکن اچانک بوتل اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ کھونچان اسے لپکنے کے لئے بری طرح اٹھا تھا' لیکن بوتل اس کے سر پر معلق ہو کر اوندھی ہوگئی اور شراب کھونچان کے گھونسلے کو تر کرنے لگی۔ کھونچان اچھل اچھل کر اسے پکڑ رہا تھا' لیکن بوتل باقاعدہ اس سے مذاق کررہی تھی اور پھر وہ اس وقت تک اس کے ہاتھ نہ آئی جب تک خالی نہ ہوگئی۔

نوری اور عبدل بھائی پتلی پتلی نگاہوں سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔ لیکن میں سمجھ گیا تھا کہ طالوت برداشت نہیں کرسکا ہے۔ اس نے گفتگو کرنے کے بجائے ڈائریکٹ ایکشن لے لیا ہے۔

"یہ... یہ کیا... یہ... کیا... کیا۔" کھونچان کھونچی ساری طراری بھول گئے تھے۔ اچانک ان کا بریف کیس میز سے اچھل کر دروازے کی سمت بھاگا "یہ... یہ بھی کیا۔" کھونچان اس کی طرف لپکے۔ لیکن خودکار دروازہ خود بخود کھلا

اور بریف کیس منہ زور گھوڑے کی طرح دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ کھونچان کھونچی بھی اس کے ساتھ ہی نکل گئے تھے۔

"عبدل بھائی۔" طالوت نے آواز دی "دوسرے کو بلاؤ۔"

لیکن عبدل بھائی منہ کھولے بیٹھے تھے۔ وہ بھی دروازے کی طرف دیکھتے' کبھی ہم لوگوں کی طرف۔ ان کی شکل دیکھ کر ہنسی آرہی تھی۔

"یہ... یہ سب کیا تماشا تھا؟" بالآخر نوری نے کہا۔

"کہانی نگار سے زیادہ وہ کوئی شعبدے باز معلوم ہوتا تھا۔ ہمیں مرعوب کرنے کی کوشش کرکے چلا گیا ہے۔"

"لیکن... حلیہ تو اس کا ہی خراب ہوگیا تھا۔ عجیب شعبدہ تھا۔" نوری آہستہ سے بولی۔

"پھر آئے گا داد وصول کرنے۔ شکل ہی سے کمبخت جادوگر معلوم ہوتا تھا۔ عبدل بھائی۔ کوئی اور ہے؟"

"کھدا کسم۔ کھدا کسم۔ ہمارے کو معلوم نہیں تھا۔ ہمارے کو معلوم نہیں تھا کہ اپنا کھونچان بھائی اتنا بڑا چاہوا بجرگ ہے۔ ہمارے کو آج تک نہیں معلوم تھا۔"

"آپ تم اس کے مرید بن جانا۔ یہ بتاؤ باہر اور کون ہے؟" طالوت نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا اور عبدل بھائی نے پھر گھنٹی بجادی۔ اردلی آیا تو وہ فہرست کا دوسرا نام پڑھ کر بولے۔

"اے منسی پھرشتہ کو بھیج دو۔"

"منشی فرشتہ۔" طالوت گردن ہلاتے ہوئے بڑبڑایا اور منشی فرشتہ اندر آگئے۔ نام فرشتہ تھا' شکل سے شیطان نظر آرہے تھے۔ پورا منہ آگلہ ان بنا ہوا تھا۔ دانتوں کو چھانیہ سمجھ کر نکال چکے تھے۔ صرف ان کے نشانات باقی رہ گئے تھے' جو تھے کی کھڑی ہوئی ڈالیاں معلوم ہوتے تھے۔ قدیم دور کی شیروانی اور علیگڑھ کٹ پائجامے میں ملبوس تھے۔ بغل میں فائل دبی ہوئی تھی اور چال میں بڑی نزاکت اور لچک تھی۔ شرماتے ہوئے اندر آئے اور جھک کر کئی سلام کرڈالے۔

"اللہ اکبر۔" طالوت نے خاصی زوردار آواز میں کہا۔

"وعلیکم السلام۔ وعلیکم السلام۔ حضور رانا صاحب۔ وعلیکم السلام" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر مصافحے کے لئے بڑھے اور فائل بغل سے نکل کر نیچے گر پڑی۔ مصافحہ بھول کر فائل اٹھانے جھپٹے' اور اسے کھینچنے لگے' لیکن شیروانی کی جیب سے فاؤنٹین پین نکل کر نیچے گر پڑا تھا۔ سماعت بھی کمزور تھی اس لئے اللہ اکبر کو السلام علیکم سمجھے تھے اسی لئے جواب دے کر مصافحے کے لئے دوڑ پڑے تھے۔ بھلا ایسے لوگ کہاں ملتے ہیں جو سلام میں پہل کریں اور پھر نہ جانے کس طرح وہ رانا صاحب سے واقف بھی ہوگئے تھے۔

بہرحال بمشکل تمام وہ اپنا سامان سمیٹنے میں کامیاب ہوئے' اس دوران مصافحہ بھول چکے تھے۔ فائل سمیت کردہ میز کے قریب کھڑے ہوگئے۔

"الحمدللہ۔ دعائیں ہیں آپ کی۔" منشی جی نیازمندی سے بولے۔

"سبحان اللہ۔ میں نے کہا تشریف رکھیے۔" اس بار طالوت نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ نوری بے ساختہ مسکرا پڑی تھی۔

"اوہ۔ نوازش۔ نوازش۔" منشی فرشتہ کرسی پر بیٹھ گئے۔

"منشی فرشتہ جرا اونچا سنتے ہیں رانا جی۔ ہو ہو۔" عبدل بھائی بولے۔

"فرمائیے منشی جی۔ کیا لائے ہیں؟" اس بار میں نے اونچی آواز میں کہا۔

"بندہ پروری ہے حضور کی۔ ورنہ خادم کس لائق ہے؟"

"کیا معیت ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے عبدل بھائی کی طرف دیکھا۔ اور عبدل بھائی اپنی کرسی کے پیچھے سے نکل کر منشی جی کے قریب جھک کر بولے۔

"اے منسی جی۔ یہ کیچ پھر گیا ہے تمہارا۔ اے وہ تمہارا سننے والا آلہ کہہ رہے اور کیسے بات کرے گا تم؟" منشی جی حیرانی سے عبدل بھائی کو دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ طالوت کی طرف جھک کر رازدارانہ انداز میں بولے۔

"کیا کہہ رہے ہیں عبدل بھائی؟"

اور نوری قہقہہ ضبط نہ کرسکی۔ وہ بری طرح ہنس پڑی۔ میں اور طالوت بھی ہنسی نہ روک سکے تھے۔

"آلہ سماعت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟" میں نے چیخ کر کہا۔

"محبت۔" منشی جی مسکرا کر بولے "حضور۔ محبت کے بغیر کوئی کہانی مکمل نہیں ہوتی۔ میری کہانی میں محبت کا سمندر موجزن ہے' ایک پاکیزہ رومان۔" وہ پڑے دھوتی تھی۔ اس نے دنیا کو بہت نیچے رہ کر دیکھا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ گاؤں کا سب سے بڑا زمیندار۔ لاکھوں روپے کی جائیداد کا مالک۔ سب کچھ اس کے قدموں پر قربان کردے گا۔ لیکن معاشرہ اس دھونس کو کیسے قبول کرسکتا تھا۔ درجات کی پابندیوں نے دلوں کے اصول کو کب تسلیم کیا ہے۔

اندھے کو کیا معلوم کہ دھرکنیں کیوں ہم آہنگ ہوتی ہیں۔ اس کی نگاہیں دلوں کے اندر کب جھانکتی ہیں۔"

"ارے۔" منشی جی نے کہے کو مسکری کرتا ہے۔" عبدل بھائی دانت پیس کر چیخے۔

"جس واقعات پر مشتمل ایک پاکیزہ کہانی ہے۔ محبت کے جذبات سے مزین۔"

"وری گڈ آنکھوں اور سے۔ چلو" عبدل بھائی منشی جی کا بازو پکڑ کر اٹھاتے ہوئے بولے" اور منشی جی نے تعجب سے انہیں دیکھا۔

"چند لمحوں کی اور ہیں۔ نہیں سنا دوں۔"

"نو تھینک یو ہابا۔ خدا کسم اگر تم اور یہاں کیا تو ہم تمہارے ٹکڑے کر دیں گے۔" عبدل بھائی منشی جی کو کھینچ کر اٹھاتے ہوئے بولے اور منشی جی کھڑے ہو گئے۔

"تو حضور خیال رکھئے۔ خدا حافظ۔" منشی جی پھر معافی کرنے لگے لیکن عبدل بھائی نے ان کی کمر پکڑ لی تھی۔ اب منشی جی معافی کرنے کے لئے زور لگا رہے تھے اور عبدل بھائی انہیں باہر نکالنے کے لئے پیچھے سے کھینچ رہے تھے۔ جب دونوں میں سے کوئی بھی کامیاب نہ ہوا تو منشی جی نے مسکراتے ہوئے عبدل بھائی کی طرف دیکھا۔

"بڑے ظریف الطبع ہیں آپ عبدل بھائی۔" وہ شرمائے ہوئے انداز میں بولے۔

"اے جریف کا بچہ۔ کائے کو ہماری عزت کے پیچھے پڑا ہے' باہر جاؤ۔ کھدا کے واسطے باہر جاؤ۔" بالآخر عبدل بھائی منشی فرشتہ کو باہر کھینچ کر لے جانے میں کامیاب ہو گئے۔ وہ انہیں دروازے کے باہر تک چھوڑ کر آئے تھے۔ نوری ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔ میں اور طالوت بھی بے تحاشا ہنس رہے تھے۔

لیکن عبدل بھائی باقاعدہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ باہر کھڑے لوگ ان کی آوازیں سن رہے تھے۔ شاید منشی جی کو اپنی توہین کا احساس ہو گیا تھا چند لمحے زور سے دروازہ کھلا۔ اور ایک نئی شکل نظر آئی۔ لیکن دوسرے لمحے اسے کسی نے باہر کھینچ لیا۔ اس کے بعد عبدل بھائی نے اندر گھسنے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں بھی باہر کھینچ لیا گیا تھا اور اس کے بعد پھر وہی شکل اندر جھانکنے لگی۔ اس کے پیچھے عبدل بھائی اور چپراسی اندر دوڑے آئے تھے۔ انہوں نے دونوں طرف سے اس نئے آدمی کو پکڑ لیا۔

"میں تجھے کو ہوا' ابی اور نہیں آنے دیں گا۔ جبراستی کائے کو کرتا پڑا۔" عبدل بھائی ہانپتے ہوئے بولے۔

"یہ بات ہے عبدل بھائی؟" طالوت نے پوچھا۔

"حضور۔ میں ایک انقلابی ادیب ہوں۔ انقلابی کہانیاں لکھتا ہوں اور خود بھی انقلابات کا شکار ہوں۔ یہ سماج کے ٹھیکے دار یہ ظالم سرمایہ دار کسی غریب کو ابھرنے نہیں دیتے۔ میرا داخلہ بند کروا رہا ہے۔ جب کہ میں بھی اپنی کہانی آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"اے تو تیرے کو منع کر دیا۔ پن اپنا باری آنے دے بھائی۔" عبدل بھائی بولے۔

"حق چھیننے سے ملتا ہے۔ مانگنے سے نہیں۔ میں انتظار نہیں کر سکتا انسان صدیوں سے انتظار کرتا رہا ہے۔ اور صدیوں تک انتظار کرتا رہے گا۔ لیکن انتظار کبھی ختم نہیں ہو گا۔ میری ہی کہانی کا نام انتظار ہی ہے۔"

"چھوڑ دو عبدل بھائی۔ اسے چھوڑ دو۔" طالوت نے کہا۔

"شکریہ جناب۔ غور فرمایئے۔ کیا آپ کو کچھ خیال ہے۔ انقلابی حقیقت کے حامل لوگ محلوں اور کوٹھیوں کی باتیں کرتے ہیں' ناموں میں کھیلتے ہیں' ملوں اور فرموں کی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے ایک نانبائی کے مسائل پیش کئے ہیں' جی ہاں' جی ہاں وہ چھبیس سال کا ایک ہٹا کٹا جوان تھا۔ تندور پر روٹیاں پکاتا تھا۔ گرمی میں' سردی میں' برسات میں۔ بھری دنیا میں تنہا تھا۔ تب اس کی زندگی میں ہمیسا آئی۔ چھتیسواں میں ہیں۔ ایک شرمیلی بھکارن۔ اس نے ہاتھ پھیلایا۔ اور نوجوان نے اپنا دل نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ وہ بے سدھ ہو گیا۔ اسے دنیا کی خبر نہ رہی اور وہ بھکارن کی نیلی نیلی آنکھوں میں ڈوب کر یگانہ ہو گیا۔"

"یہ کیڈیا مارا ہے کھدا کسم۔ ارے بابا۔ تندور میں جو روٹیوں کا ہوگا اس کا پیسہ کون دے گا۔" عبدل بھائی طنزیہ انداز میں بولے۔

"عشق دیوانہ کسی نقصان کی پرواہ کب کرتا ہے عبدل بھائی۔ آگے سنو۔"

"ایک منٹ۔ ایک منٹ۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا "آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا محترم؟"

"خادم کو مجنوں پہلوان فرزند کہتے ہیں۔ ہاں تو۔ نوجوان نانبائی۔"

"اے بھائی۔ نانبائی نہیں چلے گا۔" عبدل بھائی نے دخل دیا۔

"جیسے نہیں چلے گا۔ تو لوگ پیشے کے اعتبار سے انسان کی فطرت پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔ عشق ایک انقلابی حقیقت

ہے اور انقلاب دبائے نہیں جا سکتے۔ ہمیسا اس کی زندگی بن گئی تھی۔ بھکارن۔ بھوکی تھی۔ وہ پیٹ بھرنا چاہتی تھی' اور عشق سے پیٹ نہیں بھرتا۔"

"بجگسن۔ کھدا کسم۔ بجگسن۔ یہ بات گت ہے۔ ہم جب کریم بھائی کی اماں سے سالا عشک کیا تو ہمارے کو کھانے پینے کا کوئی پرواہ نہیں تھا۔" عبدل بھائی نے دخل دیا۔

"بکواس۔ پیٹ ایک انقلابی حقیقت ہے۔ بھوک ہر جذبے کو فنا کر دیتی ہے۔" مجنوں پہلوان غمزدہ زوردار لہجے میں بولے "اور جب بھکارن نے اسے اپنا پیٹ کھول کر دکھایا۔ تو نانبائی کا دل لرز کر رہ گیا۔ وہ اس کی محبوبہ بھوکی تھی۔"

"کٹ۔ کٹ۔ یہ سین سنسر اڑا دے گا۔ سیٹی مارتا پڑا ہے یار۔ پھلم ڈبے میں بند کرائیں گا۔" عبدل بھائی چیخے۔

"نہیں کاٹ سکے گا۔ تم کب تک بھوک چھپاتے رہو گے۔ ایک دن یہ اس زور سے ابھرے گی کہ انسان۔ انسان کو کھانا شروع کر دے گا۔ بھوک کی ملک گوشوں سے بچھ نہ پائے گی۔ جیل بھیجو گے' جیل کو جلائے گی۔" مجنوں پہلوان مکہ ہلاتے ہوئے بولے۔

"معاف کیجئے گا مجنوں پہلوان۔ کیا آپ ناشتہ کر چکے ہیں؟"

"جی؟" مجنوں پہلوان ایک دم چپ ہو گئے۔ پھر شرمائے ہوئے لہجے میں بولے "کر لوں گا جی۔"

"عبدل بھائی۔" طالوت نے عبدل بھائی کو مخاطب کیا۔

"جی سرکار۔" عبدل بھائی جلدی سے بولے۔

"آپ ایسا کریں۔ سامنے والے ریستوراں میں لے جا کر مجنوں صاحب کو ناشتہ کرا دیں۔ اور باقی لوگوں سے معذرت کر لیں۔ ہم ذرا آپس میں تبادلہ خیال کریں گے۔" طالوت نے کہا۔

"بہت اچھا بجور۔" عبدل بھائی نے کہا اور مجنوں پہلوان نیازمندی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

"خدا کی پناہ۔" نوری نے ہنستے ہوئے سر پکڑ لیا۔ میں اور طالوت ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"تم تو اس ماحول سے واقف ہو گی نوری؟" طالوت نے کہا۔

"اس حد تک نہیں تھی۔ میں نے ان لوگوں کو قریب سے نہیں دیکھا۔"

"پتہ نہیں' باقی جانے پر تیار ہیں یا نہیں۔"

"نہ گئے تو بہت بری طرح پیش آئیں گا۔" طالوت آنکھیں نکال کر بولا۔

"دیکھ تو لو۔" میں نے کہا اور طالوت کرسی سے اٹھ کر باہر نکل گیا۔ باہر کا ہال خالی پڑا تھا۔ شاید مصنفین نے عبدل بھائی کی اپیل مان لی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" طالوت ایک گہری سانس لے کر واپس آ گیا۔ اور پھر جب وہ کرسی پر بیٹھ گیا تو میں نے کہا۔

"مگر اب کہانی کا کیا ہو گا؟"

"میں آپ کی اس بات سے متفق ہوں سلیم بھائی۔" نوری نے کہا۔

"کونسی بات؟"

"ہم کسی غیر معروف ادیب سے کہانی لیں گے' جو کم از کم ہو شمند تو ہو۔"

"قصور ان لوگوں کا بھی نہیں ہے نوری۔ بہرحال یہ اس قسم کے لوگ ہیں لیکن۔ دولت خرچ کرنے والے دنیا کے سب سے بڑے عقلمند ہوتے ہیں۔ وہی مناسب اور موزوں ہوتا ہے جو وہ سوچتے ہیں۔ ان کے قلم پر انہیں کی سوچ مسلط ہوتی ہے یہاں تک کہ ایک دن وہ خود سوچنے لگتے ہیں کہ ان کا ہر ان کا ادب بیکار شے ہے۔ کار آمد وہی ہے جو سونے کی دنی والا ہوتا ہے۔"

"بہرحال کہانی مل جائے گی۔ اصل مقصد تو اس لائن کے لوگوں سے ملاقات تھی۔ درحقیقت بڑے بڑے تماشے ہوتے ہیں۔ ابھی تو اور بھی شعبے باقی ہیں۔ ان میں بھی نایاب انسانوں سے ملاقات ہو گی۔" طالوت نے کہا۔

اور اس کا یہ خیال درست تھا۔ کہانی کی تلاش جاری رہی' اور اخبارات میں اشتہار بھی نکلتے رہے۔

اور تھوڑے دن کے بعد ہمیں تسلیم کرنا پڑا کہ ان لوگوں سے نمٹنا' بڑے جان جوکھوں کا کام ہے۔ ہر شخص اپنے فن میں یکتا۔ ہیرو' ہیروئنیں' ولن اور نہ جانے کون کون حضرات آ رہے تھے۔ دفتر میں اداکاری کے مظاہرے ہوتے اور روز نیا تماشا دیکھنے میں آتا۔ ایک خاتون تو طالوت پر مری جا رہی تھیں۔ ان کا نام نہیں تھا۔ اچھا راستہ اختیار کیا تھا۔ فلم میں کام کرنے آئی تھیں لیکن طالوت پر جال پھینکنا شروع کر دیا تھا۔

"سنبھلو طالوت' میرا خیال ہے اس لائن کے کسی فرد کے چکر میں آئے تو خاصی الجھنیں پیش آئیں گی۔" ایک دن میں نے کہا۔

"بہرحال۔ ہمیں ہیروئن کی ضرورت تو ہے۔"

"تو یا نہیں!"

"یہ ٹھیک ہے۔ خوبصورت لڑکی ہے۔"

"اللہ کو پیارے ہو جاؤ گے۔"

"میں نے حدود مقرر کر دی ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے تمہاری مرضی۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

پھر ایک اور دلچسپ دن آیا۔ آج ہیرو کا انتخاب کرنا تھا۔ پانچ بجے سب تیار بیٹھے تھے۔ ہیرو حضرات باہر باں میں انٹرویو کے لئے بیٹھے تھے۔ فلم انڈسٹری کے نامور ہیرو تو نہیں اس طرح انٹرویو میں آڈیشن نہیں کرتے تھے' ان کی دال روٹی الحمد اللہ خوب چل رہی تھی۔ ہاں وہ لوگ جو ہیرو بننے کے آرزو مند تھے' آئے تھے عبدل بھائی اب ہم سے پورا پورا تعاون کر رہے تھے۔ وہ ہم سے متفق ہو گئے تھے کہ باقی نئے لوگوں کی ٹیم بنا کر کام شروع کیا جائے۔ چنانچہ اس وقت وہ بھی تیار بیٹھے تھے۔ چپراسی ہماری آواز کا منتظر تھا۔ عبدل بھائی نے گھنٹی بجائی۔ اور دروازے سے ایک بانکے چھبیلے اپنا اندر آ گئے۔ بالوں میں خوب تیل چپڑا ہوا تھا۔ سینہ چھبیس انچ' کمر اٹھارہ انچ' قد ساڑھے پانچ فٹ گول مٹول ہوئے دانت پیلے' سرخ رنگ کی بشرٹ اور نیلی پتلون' چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں جوانی کا خمار لیے لچکتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔

"خادم کو فرہاد رائی کہتے ہیں۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔

"اس سے قبل کسی فلم میں کام کیا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کونسا رول ادا کرتے ہو؟"

"جی۔ وہ۔ بس پہلی فلم میں ہیرو لیا ہوں اور اس کے بعد۔"

"اس کے بعد کیا؟" طالوت نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"پھر چانس نہیں ملا۔ لیکن یہ میرے پاس تصویریں ہیں۔ دیکھئے۔ میں نے ان میں اداکاری کے جوہر دکھائے ہیں۔" انہوں نے جیب سے ایک پیکٹ نکال کر ہمارے سامنے رکھ دیا اور تصویریں بکھر گئیں۔ کسی تصویر میں موصوف بوتل ہاتھ میں لئے ناچتے نظر آتے تھے' کسی میں عشقیہ پوز بنائے ہوئے تھے۔ کسی میں اپنے تئیں وہ چارلس سے کم نہ تھے۔

"ٹھیک ہے۔ طالوت نرم پڑ گیا۔

"اچھی وہ۔ ایک دفعہ چانس دیجئے' اور پھر دیکھئے۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولے "تصویریں اٹھاؤ۔" طالوت کرجا اور انہوں نے جلدی جلدی تصویریں سمیٹنا شروع کر دیں۔ پھر انہیں پیکٹ میں بھرنے کے بعد بولے۔

"تو پھر کیا فیصلہ کیا حضور نے؟"

"فیصلہ یہ کیا ہے کہ اگر تم دو منٹ کے اندر اندر عمارت سے نہ نکل گئے تو تمہارا ہر پٹھا توڑ دیا جائے گا۔" طالوت کرجا کھسکاتے ہوئے بولا۔

"اوہ' آپ بہت زندہ دل ہیں۔ مذاق فرما رہے ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن طالوت کرجا سے لڑا ہو کر ان کی طرف بڑھا تھا۔

"اے جاؤ نا بابا۔ چلے اپنا کیریئر خراب کرنے۔ تمہیں نیز ہا ہونا پڑا اور ہیرو بننے آیا ہے۔ جاؤ نا یار۔" عبدل بھائی گھڑے ہوتے ہوئے بولے لیکن فرہاد رائی موقعے کی نزاکت سے واقف ہو گئے تھے اس لئے تیزی سے دروازے کی طرف لپکے "دیکھئے اگر کوئی چانس ہو تو۔۔۔"

"اب جا تا ہے کہ نہیں۔" طالوت اس کی طرف جھپٹا اور فرہاد جلدی سے باہر نکل گیا۔ کیا سب ایسے ہی ہیں عبدل بھائی؟" طالوت نے مایوسی سے پوچھا۔

"نہیں رانا صاحب۔ بہت سے فس کلاس چھوکرے ہیں۔"

"تو پھر بلاؤ کرم آپ باہر جا کر پسند لوگوں کا انتخاب کریں اور صرف انہیں میرے پاس بھیجیں۔"

"جو حکم حجور۔" عبدل بھائی نے کہا اور باہر نکل گئے۔ ان کے ساتھ آنے والا ایک معقول شکل و صورت کا نوجوان تھا۔ لیکن لباس اس کا بھی نامعقول تھا۔

"جاوید سعید روفی۔" اس نے اپنا تعارف کرایا۔

"ہائے۔ اس جان ناتواں پر تین تین ناموں کا بوجھ۔ کیا آپ ایک نام سے کام نہیں چلا سکتے بھائی صاحب؟" طالوت نے تمسخرانہ انداز میں کہا۔

"جاوید میرا نام ہے جناب' سعید والد صاحب کا نام اور روفی میرا تخلص۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اداکاری کونسے نام سے کریں گے؟"

"میرے دوست مجھے مستانہ کہتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں گے تو یہ نام اختیار کر سکتا ہوں۔"

"خوب۔ اداکاری آتی ہے آپ کو؟" اور اس سوال کے ساتھ ہی مستانہ صاحب کی مشینری خراب ہو گئی۔ ایک لمحے سے انہوں نے گھٹنا زمین پر ٹکایا' ایک ہاتھ سینے پر رکھا' اور نوری کی طرف دیکھ کر بولے۔

"چپا۔ آ چپا۔ مجھے ان آنکھوں سے نہ دیکھ۔ ہاں میں نے جرم محبت کیا ہے۔ ہاں' میں نے پیار کیا ہے۔ اگر تو میرے پیار کو پیار سمجھ لے تو مجھے پیار کی ہر سزا قبول ہے۔ چپا۔ چپا۔ تجھے کیا معلوم دیوانی' میری راتوں کا سکون برباد ہو گیا۔ ہر وقت تو نگاہوں کے سامنے رہتی ہی ہے' چپا۔ میں مر جاؤں گا۔ میں مر جاؤں گا چپا۔ میں مر جاؤں گا چپا۔" انہوں نے چیخ مار کر کہا۔ اور نوری کے بالکل قریب پہنچ گئے اور پھر انہوں نے اس کا ہاتھ بھی پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے لمحے نوری نے سامنے رکھا قلمدان ان کے سر پر دے مارا تھا۔ جاوید سعید روفی' عرف مستانہ صاحب سنبھل گئے۔ قلمدان کی سیاہی نے ان کے رخ پُر نور کو داغدار کر دیا تھا۔

"آئی۔ آئی ایم سوری۔ مم۔ میڈم۔ یہ۔ یہ اداکاری تھی۔" وہ ہکلاتے ہوئے بولے۔

"شٹ اپ۔۔۔!" طالوت چیخا۔

"مم۔ میرا خیال ہے۔" مستانہ صاحب بکلائے۔

"شٹ اپ!" طالوت صلق پھاڑ کر چیخا۔

"او۔ آپ۔ آپ لوگ آرٹسٹ کی قدر نہیں کر سکتے بہت بڑے خسارے میں رہیں گے آپ۔ ایک دن میں آسمان فلم پر ستارہ بن کر چمکاؤں گا۔ اور وہ وقت۔ وہ وقت دور نہیں ہے۔" وہ شرافت سے باہر نکل گیا۔

"عبدل بھائی۔" طالوت نے تھکے تھکے انداز میں پکارا۔

"حجور۔ سرکار!"

"اس سے بھی معقول آدمی کوئی اور ہے؟"

"دو آدمی اور بیٹھے ہیں حجور۔"

"دونوں کو ایک ساتھ بلاؤ۔" طالوت نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور عبدل بھائی پھر باہر نکل گئے اور پھر وہ باہر بیٹھے ہوئے دونوں آدمیوں کو ساتھ لے کر اندر آ گئے۔

ان میں ایک زنانی شکل' لیکن اچھے تن و توش کا آدمی تھا۔ دوسرا دراز قد۔ چھریرے بدن کا ایک خوبصورت سا نوجوان تھا اور اسے دیکھ کر طالوت چونک پڑا۔ پہلی بار ایک معقول شکل نظر آئی تھی۔ اس کا لباس بھی سادہ تھا۔ سفید معمولی پتلون۔ سفید قمیص۔ چہرے پر بھی سادگی۔ عمر انہائیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔

"تشریف رکھئے۔" طالوت نے دونوں کو اشارہ کیا اور پھر زنانی شکل والے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ "آپ کا نام؟"

"داور۔" اس نے بھاری آواز میں جواب دیا۔

"اس سے پہلے کسی فلم میں کام کیا ہے؟"

"او نہیں جی۔ پر اپنن فلموں میں کام کرنے کا بہت شوق رکھتے ہیں۔ اداکاری بھی جانتے ہیں۔ مار کٹائی کی فلموں کے لئے بہت فٹ ہیں۔ جوڈو بھی جانتے ہیں۔"

"خوب۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا "لیکن ہماری فلم مار کٹائی والی نہیں ہے۔ وہ سوشل فلم ہے۔"

"اپن رومانٹک پارٹ میں بھی ایکسپرٹ ہے۔ اگر آپ بولو تو اداکاری کے جوہر دکھا میں؟" اس نے کہا۔

"دکھایئے!" طالوت نے کہا اور وہ ایک دم کرسی سے اٹھ گیا۔ اس کے چہرے کے زاویے بدلنے لگے۔ منہ ٹیڑھا ہو گیا اور وہ نیچروں کے سے انداز میں بولا۔

"اگر۔ اگر یونہی ٹھکراتا تھا۔ تو میری زندگی میں کیوں آئی تھیں؟ بولو جواب دو۔ میں زندگی کا بوجھ لئے کہاں کہاں پھروں۔ خدا کے لئے۔ اپنے ہاتھوں سے مجھے زہر دے دو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔" اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

نوری پھر ہنس پڑی تھی۔

"دوسرا ایکشن۔" اس نے آنکھ مار کر کہا "چونی کے پرنکل گئے ہیں' جا چپا جا جوان۔ داور کے سامنے آ تو پتے چلتا ہے۔ تھیں ہوئے گا' تو یہ لے ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہے۔ لے۔" اس نے جوڈو کے داؤ دکھانے شروع کر دیئے "ای۔ ہا۔ آ۔ آ۔" اس نے لپک کر کرسی پر بیٹھے ہوئے دوسرے نوجوان کی گردن پکڑ لی اور وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ جوڈو ماسٹر نے اس کے بازو پکڑ کر پھینکنے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے نوجوان نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر ایک زوردار دھکا دیا۔ اور جوڈو ماسٹر چاروں شانے چت جا گرا۔ دوسرے لمحے وہ کھڑا ہو گیا "سوری ماسٹر۔ اپن بزنس بھی کر سکتا ہے۔ صاحب۔ یہ آ۔" وہ منمنایا۔ پھر چیخ کر چیخا۔

"خوب' خوب۔ ٹھیک ہے۔ کافی ہے بس اب باہر جاؤ۔ اگر تمہارا سلیکشن ہو گیا تو اطلاع دے دی جائے گی۔" طالوت نے دروازے کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"اوکے۔ ٹھیک ہے۔ بس ذرا خیال رکھیں۔" اس نے نہایت شرافت سے کہا اور کپڑے جھاڑتا ہوا باہر چلا گیا۔ تب انہوں نے آخری ہیرو کی جانب دیکھا۔ "آپ کا نام؟" طالوت نے پوچھا۔

"جی۔ مجھے نعمان کہتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"اداکاری کا شوق کب سے ہے آپ کو؟" طالوت نے پوچھا۔

"پیدائش کے فوراً بعد سے۔ بھوکا تھا۔ ماں سے دودھ مانگنے کے لئے رونے کی اداکاری کی اور کامیاب رہا۔ اس کے بعد جوں جوں زندگی کی منازل طے کرتا رہا۔ حقیقت پر لبادے چڑھتے گئے اور اداکاری آتی گئی۔ کیونکہ اس کے بغیر زندگی نامکمل رہتی ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تعلیم یافتہ معلوم ہوتے ہو؟"

"جی ہاں۔ بی اے تک پڑھا ہے۔"

"خوب۔ کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک کامیاب اداکار بن سکیں گے؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"کامیاب اداکار ہوتا تو اب تک ملازمت مل گئی ہوتی۔ میں لوگوں کو اپنی پریشانی، اپنی ضرورت، اپنی قابلیت کا یقین دلانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوا۔"

"خوب۔ پھر فلمی دنیا میں آپ کو کامیابی کا یقین کیوں ہے؟" طالوت نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یقین نہیں ہے لیکن کوشش کرنے میں حرج نہیں سمجھتا۔ پولیس نے مجھے باقاعدہ ڈرائیونگ لائسنس دیا ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے میں نے ایک پیسہ بھی رشوت نہیں دی۔ اس کے علاوہ ہر قسم کے ثبوت دے سکتا ہوں۔ ایمانداری سے کام کروں گا۔ پیشاب چرانے کی عادت قطعی نہیں ہے۔ جو بھی تنخواہ دے گی اس پر اعتراض نہیں کروں گا۔ اگر اس معیار پر پورا نہ اتروں تو آپ مجھے الگ کرسکتے ہیں۔" محمود نے کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا مطلب ہوا اس بات کا؟" طالوت نے حیرت سے بولا۔

"حالات سے آپ کی غلط فہمی کا اندازہ ہوگیا ہے۔ لیکن میں یاد دلادوں کہ آپ نے ڈرائیور کے لئے بھی اشتہار دیا ہے۔ اگر کوئی خوش نصیب منتخب ہوچکا ہے تو وقت خراب کرنے کی معافی چاہتا ہوں۔"

"ارے۔" ہم سب کی زبان سے بیک وقت نکلا۔ درحقیقت ہم نے ڈرائیور کی ضرورت کا بھی اشتہار دیا تھا اور ابھی تک کوئی ڈرائیور بھی نہیں رکھا تھا۔

"تو۔ تو آپ ہیرو بننے نہیں آئے؟" طالوت بولا۔

"قدم قدم پر زندگی سے ہارنے والے ہیرو نہیں ہوتے۔ میں تو ڈرائیور ہوں۔"

"سوری محمود صاحب۔ آپ نے دیکھا کہ یہاں بے شمار ہیرو آئے تھے۔"

"جی ہاں۔ اور خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہ کہیں وہ ہوزو ماسٹر میری فیس نہ پھاڑ دے۔" محمود ہنستے ہوئے بولا۔ اور نوری بھی بے ساختہ ہنس پڑی۔

"ٹھیک ہے محمود صاحب۔ آپ اپنا لائسنس دکھائیں گے؟" طالوت نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" محمود نے اپنے کاغذات طالوت کے سامنے پیش کردیئے۔

"کیا تنخواہ قبول کریں گے آپ؟"

"ہم بھی ہوگی تو لے لوں گا۔ آپ کی پسند مقدم ہوگی کیونکہ سخت ضرورت مند ہوں۔" اس نے کہا۔

"آپ کے والدین حیات ہیں؟"

"خدا کے فضل سے۔ والدین موجود ہیں اور ایک چھوٹی بہن بھی۔"

"کہاں قیام ہے؟"

"ایک معمولی سی بستی میں۔ لیکن وقت کی پابندی کا خیال رکھوں گا۔" محمود نے جواب دیا۔

"بہ تنخواہ ہم دیں گے اس پر اعتراض تو نہیں کریں گے؟"

"قطعی نہیں۔"

"وعدہ؟"

"جی ہاں۔ وعدہ۔" محمود نے جواب دیا۔

"تب آپ کی ملازمت کل سے شروع۔ نورالنساخاتون کی اجازت سے آپ کی تنخواہ فی الحال ایک ہزار روپے ماہوار مقرر کی گئی ہے۔ آپ کے گھر کے دوسرے اخراجات بذمہ کمپنی۔ وعدے کی پابندی شرط ہے۔ کمپنی آپ کے لباس اور دوسرے اخراجات کی ذمے دار ہوگی۔ ہاں ایک رعایت آپ سے طلب کی جاسکتی ہے۔"

"حکم۔" محمود حیرت سے بولا۔ ایک ہزار اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھے۔

"اگر ضرورت پڑی تو آپ سے وقتاً فوقتاً کچھ کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ اس صلے میں ایک ہزار الگ سے اور ہم اپنے اصول کے مطابق ملازموں کو دو ماہ کی تنخواہ بطور ایڈوانس ادا کردیا کرتے ہیں تاکہ ملازمت پکی سمجھی جائے۔"

محمود کی زبان بند ہوگئی تھی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے

پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ اس انداز میں ہم لوگوں کو دیکھنے لگا تھا جیسے سمجھ رہا ہو کہ ہم اس کا مذاق اڑا رہے ہیں اور اس نے بمشکل تمام یہ سوال کرہی دیا "کیا۔ کیا آپ مذاق کررہے ہیں جناب؟"

"کیوں۔ آپ کو اس میں مذاق کی کونسی بات نظر آئی؟" میں نے سوال کیا۔

"ڈرائیور کی تنخواہ۔ ایک ہزار۔ اور۔ اور۔"

"منیجر صاحب۔" طالوت ... زور سے چیخا "ان صاحب کو ایگری منٹ تیار کراکر دے دو۔ ہم ان سے پانچ سال کا ایگری منٹ کرنے کو تیار ہیں۔"

"جو حکم رانا صاحب۔" عبدل بھائی سیٹ سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"لیکن جناب۔ ہم۔ میرا مطلب۔۔۔"

"اگر آپ کو ایک ہزار روپے زیادہ لگ رہے ہیں تو معاف کیجئے مسٹر محمود اس سے کم تنخواہ پر ہم آپ کو رکھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ آپ کو پورے دو ہزار روپ ماہوار لینے ہوں گے۔ باقی اخراجات بھی ہماری مرضی کے مطابق ہوں گے۔ دراصل یہ رانا صاحب کی پرسٹیج کا سوال ہے۔ ہمارے ہاں کام کرنے والوں کو بھی معمولی نہیں ہونا چاہئے۔"

"بہتر جناب۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" باآخر محمود نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"تب پھر ہماری طرف سے مبارکباد قبول فرمایئے محمود صاحب۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور کھڑے ہوکر محمود سے مصافحہ کیا۔ پھر اس کے لئے کافی وغیرہ منگوائی گئی۔ اس کے ساتھ کچھ دوسرے لوازمات بھی تھے۔ نوری کافی بنانے کے لئے اٹھی تھی۔ لیکن محمود جلدی سے کھڑا ہوگیا۔

"مجھے اجازت دیجئے جناب۔ کافی میں بناؤں۔"

"بری عادت ہے مسٹر محمود۔ یہ لڑکیوں کا شوق تھا تو دیجئے۔" طالوت نے کہا اور محمود بھینپ گیا۔

"ہم۔ میرا مطلب ہے۔ باس کہاں تکلیف کریں گی۔"

"ان کا نام باس نہیں نور ہے۔ آپ ادا احترام سے نور کہہ سکتے ہیں۔ ویسے کافی بنانا لڑکیوں کا کام ہے اور یہاں ان کے علاوہ اور کوئی لڑکی نہیں ہے۔ اس لئے یہ کام یہی کریں گی۔ کیوں نور؟"

"یقیناً۔" نوری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس نے کافی بنا کر سب سے پہلے بڑے احترام سے محمود کو پیش کی۔ پھر دوسرے لوگوں کو اور پھر ایک کپ وہ خود لے کر بیٹھ گئی۔ محمود کسی حد تک سنبھل گیا تھا۔ وہ کافی کے سپ لیتے ہوئے بار بار ان لوگوں کی شکلیں دیکھنے لگتا تھا۔ اس کے ہونٹ اس انداز میں کھلتے جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو۔ پھر بند ہوجاتے تھے۔

"کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں مسٹر محمود؟" طالوت نے پوچھا۔

"جی۔" اس نے گہری سانس لی۔

"تو کہئے۔"

"کیا مجھے۔ آپ کے بارے میں کچھ کہنے کی اجازت ہے؟"

"تو صیغۂ کلمات ہیں؟"

"جی ہاں۔" محمود مسکراتے ہوئے بولا۔

"تب پھر ان کی تنخواہ آپ کو الگ سے قبول کرنی پڑے گی۔" طالوت دھیمی دینے والے انداز میں بولا اور محمود ہنس پڑا۔ اس کے انداز میں بے بسی خوشی اور حیرت شامل تھی۔

"مسٹر محمود۔ آپ کو ڈرائیوروں جیسی کوئی حرکت کرنے کی اجازت نہیں۔ مثلاً آپ نور کے لئے کار کا دروازہ بھی نہیں کھولیں گے کیونکہ ان کے بھی ہاتھ موجود ہیں۔ نہ ہم لوگوں کے لئے کوئی کام کرنے دوڑیں گے۔ ہم سب صرف اپنا اپنا کام انجام دینے کے قائل ہیں۔"

"جی۔" محمود کی آنکھوں میں ہلکی سی نمی تھی۔ جسے دوسرے لوگوں نے محسوس کرلیا تھا۔

"اتنی دیر میں عبدل بھائی آگئے۔ انہوں نے ایگری منٹ اور دو ہزار روپے محمود کے ہاتھ میں پکڑا دیئے تھے۔ تب طالوت نے کوٹھی کا پتہ دیتے ہوئے کہا۔

"کل صبح نو بجے اس پتے پر پہنچ جائیں۔ آپ صرف نور کو لے کر آفس آئیں گے اور اس کی بعد آفس میں بیٹھیں گے۔"

"بہت بہتر۔" محمود نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ اگر جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور محمود کھڑا ہوگیا۔ اس نے سلام کیا اور واپسی کے لئے مڑ گیا۔

"مسٹر محمود۔" طالوت اچانک بولا۔

"جناب۔"

"بداخلاقی کی اجازت نہیں ہے۔ آپ کو ہم سے مصافحہ کرکے رخصت ہونا چاہئے۔" اس نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور محمود نے جھینپے ہوئے انداز میں پہلے طالوت سے اور عبدل بھائی سے مصافحہ کیا۔ نوری کو سلام کیا اور باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد کئی منٹ تک خاموشی رہی۔ پھر طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"کیا خیال ہے سلیم؟"

"ہوٹل فٹ۔" میں نے مستعدی سے کہا۔ نوری اور سہیل بھائی ہمارے ان کوڈ ورڈز کو نہیں سمجھ سکتے تھے۔

○ ○ ○

فلمی دنیا کے ہنگاموں میں خوب گزر رہی تھی۔ طرح طرح کے جال میری اور طالوت کی طرف آتے تھے۔ سب جانتے تھے کہ ہم ہی اس کمپنی کے روح رواں ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگوں نے ہمیں سنہرے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی۔ یہ جال حسین لڑکیوں پر مشتمل تھے۔ لیکن اب نہ تو طالوت ہی بچے ذہن کا مالک تھا اور میری تو بات ہی دوسری تھی۔ میں کب کسی کے فریب میں آنے والا تھا۔ چنانچہ بعض اوقات ہم نے لوگوں کی خواہشوں سے فائدہ بھی اٹھایا تھا۔ لیکن نوری کا خیال ہم دونوں رکھتے تھے۔ ان کی نگاہ میں اپنا کردار خراب نہیں کرنا چاہتے تھے۔

اپنے محمود صاحب بھی خوب تھے۔ نہایت خوش مزاج اور بذلہ سنج آدمی تھے۔ ابتدا میں حیرت کا شکار رہا' بھلا ہم کروڑ پتی لوگوں سے کیسے بے تکلف ہو سکتا تھا۔ لیکن کہاں تک۔ یہاں تو کسی میں دولت کی خو ہی نہیں تھی۔ نوری تھی تو نہایت سادہ مزاج' روگئے میں اور طالوت۔ تو ہمارے بارے میں آپ بخوبی جانتے ہیں۔ چنانچہ محمود صاحب کو کھلنا ہی پڑا۔ اب وہ دبے الفاظ اور مہذب انداز میں مذاق بھی کر لیا کرتے تھے۔

ویسے درحقیقت شریف اور مستعد آدمی تھے۔ اپنی ڈیوٹی سے اس نے آج تک ذرا بھی غفلت نہیں برتی تھی۔ صبح نو بجے گھر پہنچ جاتا تھا۔ ہم لوگ اس وقت تیاریوں کر رہے ہوتے تھے۔ وہ انتظار کرتا رہتا اور پھر ہمیں لے کر دفتر جاتا۔ اس نے اپنے لئے ایک دفتر بنا لیا تھا' جس وہ کمپنی کے دوسرے کام کرتا رہتا اور جب کہیں جانے کی ضرورت ہوتی تو ڈرائیور کے فرائض انجام دیتا۔ یہ کیفیت ایک ہفتے رہی۔ ہم اسے ناشتے میں شریک کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ ہمیشہ ناشتہ کر کے آتا تھا۔ چنانچہ ایک دن جب وہ پہنچا تو ہم سب بستروں پر پڑے تھے۔

"ہم نے بھوک ہڑتال کر دی ہے۔ اگر کل سے تم نے ہمارے ساتھ ناشتے کا وعدہ نہ کیا تو ہڑتال جاری رہے گی۔"

"ایمان سے محمود صاحب۔ میں نے رات کو بھی کھانا نہیں کھایا تھا' طبیعت پر کچھ گرانی تھی۔ بھوک سے میری جان نکل رہی ہے۔ اگر آپ نے جلد وعدہ نہ کیا تو میں جان بحق ہو جاؤں گی۔" نوری نے کہا۔

"آپ مجھے حکم دیں مس نوری۔ میں بھلا انکار کر سکتا ہوں۔ لیکن خدارا مجھے اپنی حیثیت یاد رہنے دیں۔ اگر میں خود کو بھول گیا تو میرے والدین کا سہارا چھن جائے گا۔" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"اب ان اغلاط کا ترجمہ کر دو۔" طالوت اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"بھائی جان۔ اس وقت' جب میں دنیا میں تنہا کیا سب سہارا بھٹک رہا تھا۔ میں نے اپنی شخصیت ختم کر دی تھی۔ آپ نے میرا ہاتھ تھام لیا' آپ نے مجھے وہ کچھ دے دیا جس کا میں اس دنیا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔ میں بہت خوش ہوں۔ آپ مجھے ہدایات دیتے رہیں۔ ایسے راستے پر نہ ڈالیں کہ میں ایک بار پھر اپنی شخصیت بھول جاؤں۔"

"تمہیں احساس ہے کہ تم نے مجھے کس نام سے مخاطب کیا ہے؟" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"ہم۔ معافی چاہتا ہوں۔ شدت جذبات میں کہہ دیا تھا۔"

"گویا میں اس قابل نہیں ہوں کہ تم ہوش و حواس میں مجھے بھائی جان کہہ سکو۔ کیوں؟" طالوت اسی انداز میں بولا۔ محمود بری سے منے لگا۔

"محمود علی۔ تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ آئندہ تم مجھے بھائی جان کہہ کر مخاطب کرو گے۔ اور اے نورالنساء خاتون' اب آپ کسی دوسرے ڈرائیور کا انتظام کر لیں۔ غضب خدا کا۔ نواب راحت عزیز امین کا بھائی۔ اور آپ کا ڈرائیور۔" طالوت بولا۔

"بہتر ہے بھیا۔"

"سن لیا آپ نے محمود صاحب۔ کل سے ناشتہ آپ ہمارے ساتھ ہی کریں گے۔"

"جو حکم۔ لیکن میرا خیال ہے میرے معمولات میں تبدیلی نہ کی جائے۔" محمود دبی زبان سے بولا۔ اور طالوت چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اور پھر وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"بہت بہتر۔ بہت بہتر۔ بڑی خوشی کی بات ہے' آپ اپنے معمولات جاری رکھیے۔" بہرحال طالوت کی باتوں سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا اور محمود نے اپنا کام جاری رکھا۔ ہاں اب وہ ہم سے کسی قدر بے تکلف ہو گیا تھا۔ چونکہ ملازمت دیتے وقت اس سے کہہ دیا تھا کہ اس کے لباس وغیرہ کی ذمے داری اپنی پر ہوگی' اس لئے طالوت کی ایما پر اس کے لئے بہترین لباس تیار کرائے گئے تھے' ورنہ میں ڈرائیور کا لباس ایک بھی نہیں تھا۔

محمود نے اس پر بھی دبا دبا احتجاج کیا تھا۔

پھر پہلی تاریخ کو محمود کو تنخواہ ملی تو طالوت نے نادر شاہی انداز میں کہا "چونکہ آپ کو پہلی تنخواہ ملی ہے مسٹر محمود' اس لئے آپ پر ایک ڈنر ڈیو ہو گیا۔ اب یہ آپ پر منحصر ہے کہ آپ کب ہماری دعوت کرتے ہیں۔"

"آج ہی بھائی جان۔"

"اتنی جلدی تیاریاں کر لو گے؟"

"ہم۔ میرا مطلب ہے۔ میرا مکان تو اس قابل نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ہوٹل۔"

"اوہ۔ ہوٹل میں بھلا ڈنر کا کیا مزہ آئے گا۔ ویسے اگر دعوت کا وعدہ پکا ہو تو پھر آپ کے لئے مکان کا بندوبست بھی کر سکتی ہے مسٹر محمود۔"

"اوہ۔ نہیں۔ اگر آپ کا حکم ہے تو پھر گھر ہی پر پروگرام بنا لیتا ہوں' لیکن کل کا۔"

"منظور۔" طالوت نے کہا' اور دوسرے دن رات کو ہم سب محمود کے مکان پر پہنچ گئے۔ معمولی سی بستی میں ایک معمولی سا مکان۔ سادہ سادہ سے لوگ۔ محمود کی بہن بھی محمود کی مانند نیک اور سادہ تھی۔ مخلص اور محبت کرنے والے لوگ۔ کھانے میں بھی سادگی تھی۔ اس سے محمود کی فطرت کا اندازہ ہوتا تھا۔ وہ نمائش پسند نہیں تھا۔ محمود کے ہاں سے ڈنر لے کر ہم واپس آ گئے۔ نوری نے بھی محمود کے گھر والوں کی بہت تعریف کی تھی۔

فلم کی کہانی پر بھرپور کام ہو رہا تھا۔ اب صورت حال یہ تھی کہ ہم نے ایک کانی نویس کو رکھ لیا تھا اور ہم سب مل کر کہانی لکھ رہے تھے۔ ہماری خواہش تھی کہ کہانی نویس بھی کوئی مناسب شخص مل جائے۔ لیکن مناسب لوگ فلم انڈسٹری سے اتنے بددل تھے کہ وہ اس انداز میں سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ گھٹیا قسم کی رومان انگیز داستانیں لکھنا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ بہرحال ہماری تلاش جاری تھی اور کہانی بھی لکھی جا رہی تھی۔ دوسرے بہت سے معاملات باقی تھے اور ہم ان کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ خیال یہ تھا کہ جب کہانی مکمل ہو جائے گی تب اس میں شامل ہونے والوں کی فہرست بنائیں گے۔

اسی دوران ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ سیٹھ دولہا بھائی نوشہ بھائی کے سنگ سنگ آرٹس پروڈکشن کی نئی فلم "آسمانی سوار" کی صورت تھی۔ سیٹھ نوشہ بھائی دولہا بھائی ہمیشہ جادوئی فلمیں بناتے تھے اور آسمانی سوار بھی ایسی ہی فلم تھی جادو کے مناظر اور مارکٹائی سے بھرپور۔ انہوں نے صورت بھی انوکھے انداز میں کی تھی یعنی شہرت باہر ایک پرفضا مقام پر انہوں نے صورت کا اختتام کیا تھا اور سب کو وہاں کی دعوت دی تھی۔

"کیا خیال ہے نوری؟"

"لطف آئے گا۔" نوری مسکراتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے چلیں گے۔" میں نے کہا۔

"ضرور چلیں گے۔ ضرور چلیں گے۔ میرا خیال ہے دعوت کھانے میں کوئی قید تو نہیں ہے۔ ہم پانچوں چلیں۔"

"پانچوں کون؟" میں نے پوچھا۔

"ارے بھئی ہم تینوں' عبدل بھائی اور محمود۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا کر تائید کر دی اور ہم بے چینی سے دعوت کی تاریخ کا انتظار کرنے لگے۔ آخر وہ دن آیا اور ہماری کاریں "ترنا" چل پڑیں۔ ترنا شہر سے باہر ایک پرفضا مقام تھا۔ سرسبز پہاڑیوں کے درمیان گھرا ہوا۔ وہیں ایک خوبصورت جھرنا بھی تھا۔ اس جھرنے کا نام ترنا رکھ دیا گیا تھا۔ اکثر فلموں کی شوٹنگ یہاں ہوتی تھی۔

سیٹھ نوشہ بھائی' دولہا بھائی سے ہماری پہلی ملاقات تھی۔ نایاب چیزیں تھیں۔ چار چار فٹ کے قد اور چار فٹ ہی چوڑا۔ بس ایسا لگتا تھا جیسے دو بہت موٹی گیندیں ہوں۔ جو ساتھ ساتھ رکھی ہوں۔ دونوں بھائی تھے اور ہم شکل بھی تھے۔ تھری پیس سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ وہ استقبال کر رہے تھے۔

عبدل بھائی نے ہمارا تعارف کرایا اور دونوں نے خوش اخلاقی سے دانت نکال دیئے "بڑی خوشی ہوئی جی۔ بڑے نام ہیں آپ کے بھی ہو ہو۔ فلم کب اسٹارٹ کر رہے ہیں؟" نوشہ بھائی نے گڑبڑاتی آواز میں کہا جو بمشکل حلق کو چیرتی پھاڑتی باہر نکل رہی تھی۔

"بس نوشہ بھائی۔ بہت جلد آپ لوگوں کو تکلیف دیں گے۔"

"کیوں جی۔ ہمیں کیوں تکلیف دیں گے؟" دولہا بھائی طالوت کو گھورتے ہوئے بولے۔

"مطلب یہ ہے دولہا بھائی۔ کہ آپ کو صورت میں آنے کی تکلیف دیں گے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ہاں۔ ہاہاہا۔" دونوں نے بھیانک قہقہے لگائے اور تمام مہمان چونک کر ادھر دیکھنے لگے۔ ہم لوگ آگے بڑھ گئے چونکہ دوسرے مہمان بھی آ رہے تھے۔

"انتظام عمدہ ہے۔" طالوت نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خوبصورت شامیانے چاروں طرف لگے ہوئے

تھے۔ ایک بڑے شامیانے میں مہمانوں کے لئے انتظام کیا گیا تھا۔ یونٹ کیمپ الگ تھلگ۔ رنگین لباس حسین چہرے چاروں طرف نظر آرہے تھے۔

"جناب عرض کرتا ہوں نورا نسا خاتون۔" ایک طرف سے آواز آئی اور ہم چونک پڑے۔ غور کر دیکھا تو بابو خان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر ملتجیہ مسکراہٹ تھی۔ نوری کے چہرے پر گھبراہٹ ابھر آئی۔ بابو خان سے اس کا خوف ظاہری تھا۔

"کیا حال ہیں بابو خان؟" میں نے طنزیہ انداز میں کہا "کہیں کام وغیرہ ملا... یا یونہی عوام رہے ہو؟"

بابو خان کے طنزیہ انداز کے جواب میں میری طرف سے یہ بھرپور حملہ تھا۔ بابو خان تھما کر رہ گیا اور طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نظر آئی۔ تاہم وہ سنبھل کر بولا۔

"سینہ روئی والا جیسے پیچھورے انسانوں کے ساتھ تو میں خود بھی کام کرنا پسند نہیں کرتا میگریٹری صاحب۔ ورنہ میرے لئے کام کی کیا کمی ہے اور ابھی آپ کو جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں اس لائن میں آئے ہوئے۔ ابھی کوئی فلم بنائیے۔ لوگوں کی قیمت تو آپ کو اس وقت معلوم ہوگی۔"

"مگر یار۔ تم جیسے کسی فرد کو تو ہم اپنی فلم میں لیں گے نہیں۔ جسے گھوڑے کی سواری بھی نہ آتی ہو۔" طالوت نے مضحکہ اڑاتے ہوئے کہا۔

"فلم شروع تو کریں رانا صاحب۔ حقیقت معلوم ہوجائے گی۔" بابو خان نے کہا اور ایک طرف بڑھ گیا۔ طالوت نے مسکرا کر نوری کی طرف دیکھا۔ نوری کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے۔ بابو خان کے جانے کے بعد اس نے سکون کا سانس لیا تھا۔ پھر ہم مہمانوں کے پنڈال میں پہنچ گئے۔

یہاں عبدل بھائی نے بہت سے لوگوں سے ہماری ملاقات کرائی۔ کچھ لوگ ہمارے واقف بھی تھے۔ جنہوں نے بڑے اخلاق سے ہمارا استقبال کیا اور بڑی دلچسپ گفتگو ہونے لگی۔ کئی بیویوں نے ہمارے لئے ہار بھی لیکن صرف ہماری توجہ ہی ملی۔ وہ پھول ساری رات کھلے رہے۔

دفعتاً طالوت نے کہنی سے اشارہ کیا اور میں نے اس طرف دیکھا۔ روشیلا تھی۔ جو حسب معمول بنی ٹھنی تھی۔ اس نے ہمیں دیکھا اور ہماری طرف بڑھ آئی۔

"ہائے مگر کی عورت ہے۔ ارے مر رہے۔" طالوت نے چپکی آواز میں کہا۔ روشیلا ہمارے قریب پہنچ گئی۔

"ہیلو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو روشیلا۔" طالوت بولا۔

"کیسے ہیں رانا صاحب۔"

"بس جی رہے ہیں مس روشیلا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیوں۔ خدا نے آپ کو زندگی کی ساری آسائشیں مہیا کردی ہیں پھر یہ مایوسانہ انداز کیوں؟"

"آپ کے بغیر سب کچھ پھیکا پھیکا ہے۔" طالوت شرارت سے بولا۔

"میں۔ میں آپ کو کھو چکی ہوں رانا صاحب۔ ایک چھوٹی سی غلطی۔ مجھے اتنے لوگوں سے دور کردینے کا موجب بن گئی ہے۔ انسان ایک غلطی کرتا ہے۔ لیکن اس کی سزا کتنی طویل۔ کتنی بھیانک ہوتی ہے۔" روشیلا نے اداسی سے کہا اور گردن جھکالی۔ طالوت چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور میں نے آنکھ ماردی۔

کچھ اور لوگ ہمارے قریب آگئے۔ اور ان میں سے ایک نے روشیلا کو اپنی طرف مخاطب کرلیا۔

"ارے۔ یہ کیا کہہ رہی ہے؟" طالوت الجھے ہوئے انداز میں بولا۔

"پرانے شکاری۔ نیا جال لائے ہیں۔ ہوشیار رہو رانا عزیز الدین کیوں نوری؟ کیا خیال ہے؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔" نوری نے جواب دیا۔

"اور یہ آپ احترام الدین کیوں اپنے ہوئے ہیں محمود صاحب۔ آپ بھی کچھ بولئے۔ لوگوں سے گھلئے ملئے۔ آپ کو اس لائن میں کام کرنا ہے۔" طالوت محمود کی طرف دیکھ کر بولا اور محمود مسکرایا۔

"عبدل بھائی کو دیکھئے۔ یہ شاید ان کی محبوبہ ہیں۔" طالوت نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور ہم سب نے عبدل بھائی کو دیکھا جو ایک ادھیڑ عمر کی خاتون پر نثار ہو رہے تھے۔ انہیں اپنے کہے کا بھی احساس نہیں تھا۔ خاصی اونچی آواز میں بول رہے تھے اور ان کی آواز ہمارے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھی۔

"حضرت مکرم عبدل بھائی۔ اپنی دو دو بیویوں کے ہوتے ہوئے آپ نے ہمارے ساتھ دھوکا کیا تھا۔ ہائے کیا بتاؤں کیا کیا منظر تھا۔ جب آپ بھائی بہت کٹکٹائے تھے۔"

"چپ بھی رہیں بھابی۔ کیوں پرانی باتیں یاد دلا کر دل دکھاتی ہیں۔" عبدل بھائی چیخ کر بولے تھے لیکن عبدل بھائی کا منہ پکڑ لیا تھا۔

"ارے۔ پھر عبدل بھائی ہو۔ میں تمہارے کتنی بار ہوا

بلبل بائی' ابا کچھ خیال کرو۔ کھائی عبدل بولا کرو۔ آں۔" عبدل بھائی نے اسے سمجھایا۔

"ملاحظہ کیا آپ نے؟" طالوت نے محمود کو اشارہ کیا۔ اور محمود جھینپے ہوئے انداز میں ہنس پڑا۔ نوری بھی منہ چھپا کر مسکرا رہی تھی۔

تقریباً سارے مہمان جمع ہوگئے تھے۔ چنانچہ نوشہ بھائی اور دولہا بھائی بھی پنڈال میں آگئے۔ انہوں نے اپنی نئی فلم کے بارے میں بتایا۔ اس کے یونٹ سے متعارف کرایا۔ ہیروئن مس شمشاد بہت خوبصورت تھیں' ہیرو دیوانند ابھی خوبصورت آدمی تھا۔ دوسرے لوگوں میں بابو خان بھی تھا جو ولن کا کردار ادا کررہا تھا۔ اس وقت بابو خان پرانے دور کی نقلی داڑھی لگائے ہوئے تھا۔ اس کے جسم پر زرق برق لباس تھا اور کمر سے تلوار لٹکی ہوئی تھی۔ شاید وہ ابھی میک اپ کرکے آیا تھا۔

"فلم کا پہلا شاٹ آؤٹ ڈور رکھا گیا ہے۔ ولن بابو خان جادوگر شمشم ہے۔ وہ ایک اونچی پہاڑی میں رہتا ہے اور اپنے اڑنے والے گھوڑے پر آتا ہے۔" نوشہ بھائی نے جو اس فلم کے ڈائریکٹر بھی تھے' بتایا "اور اب آپ لوگوں سے درخواست ہے کہ مہورت میں شریک ہوں۔"

"کیمرے وغیرہ اپنی جگہ سیٹ ہوچکے تھے۔ پورا یونٹ تیار تھا۔ بابو خان کے اڑتے ہوئے گھوڑے کا شاٹ لینا تھا۔ چنانچہ مہمان ایک قطار میں کھڑے ہوگئے۔

"عارف۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔" میں نے اس کے لہجے پر چونک کر اسے دیکھا۔

"بابو خان۔" طالوت بولا۔

"کیا مطلب؟"

"پھر گھوڑا۔" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔" میں طالوت کو دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا "جانے دو طالوت ہماری نوشہ بھائی' دولہا بھائی سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"بابو خان سے تو ہے۔"

"نوشہ بھائی' دولہا بھائی کی وجہ سے اسے معاف کردو۔"

"مشکل ہے عارف۔ ابھی بابو خان نے پھر بکواس کی تھی۔"

"تو پھر؟"

"ہم نوشہ بھائی' دولہا بھائی کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے۔" لیکن بابو خان۔ اسے معاف کرنا میرے بس کی بات نہیں۔"

"مگر یہ کیسے ممکن ہے؟"

"دیکھتے رہو۔" طالوت بولا۔ اور میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ بابو خان سفید رنگ کے ایک گھوڑے پر بڑی شان سے سوار ہوگیا' آج اسے خود پر پورا پورا اقتدار تھا۔ خاص طور سے وہ روئی والا کو ذلیل کرنا چاہتا تھا جس نے اسے اپنی فلم سے نکال دیا تھا۔ سینہ روئی والا بھی شریک تھا۔ لیکن وہ آج دور دور ہی رہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی ہمارے قریب آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مصنوعی بادل پیدا کرنے کے لئے مشینوں سے سفید دھواں چھوڑا جانے لگا۔ بابو خان کو اس دھوئیں سے اپنا گھوڑا گزارنا تھا' تاکہ وہ پرواز کرتا ہوا معلوم ہو۔ "کیمرہ اسٹارٹ" ڈائریکٹر کی آواز ابھری اور کیمرے اسٹارٹ ہوگئے "کلیپ" دوسری آواز سنائی دی۔ اور کلیپر بوائے نے کلیپ دیا اور بابو خان نے گھوڑے کو آگے بڑھایا۔ اس کے ساتھ ہی طالوت کی آواز ابھری۔

"راسم۔"

"آقا۔" راسم کی سرگوشی میں نے بھی سنی تھی لیکن وہ نظر نہیں آیا۔

"گھوڑے کو اڑنا چاہئے۔ خاصی بلندی تک لیکن بابو خان گرنے نہ پائے۔"

"ایسا ہی ہوگا آقا۔" راسم نے کہا اور میرے ہوش اڑ گئے۔ فلم کی تاریخ کا حیرت ناک واقعہ ظہور پذیر ہونے والا تھا' بابو خان گھوڑا دوڑاتا ہوا دھوئیں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک گھوڑا زور سے ہنہنایا اور پھر جوں ہی اس نے دھوئیں میں قدم رکھا' اس کے پاؤں زمین سے اٹھ گئے۔ اب وہ فضا میں بلند ہو رہا تھا۔ کیمرے چل رہے تھے۔ خود کیمرہ مینوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا' اس لئے وہ غیر اختیاری طور پر کیمروں کے رخ بدل رہے تھے۔ خود بابو خان کو بھی ابھی احساس نہیں ہوسکا تھا کہ گھوڑا بلند کس طرح ہو رہا تھا۔ لیکن پھر سارے مہمانوں کے منہ سے حیرت زدہ چیخیں نکل گئیں۔ گھوڑا دھوئیں سے کافی اوپر بلند ہوگیا تھا اور وہ آسمان کی سمت پرواز کر رہا تھا۔ خود گھوڑے کو قدموں کے نیچے خلا ہونے کا احساس نہیں تھا۔ ورنہ وہ بھی گڑبڑ کرتا۔ البتہ بابو خان کے حواس خراب ہوتے جارہے تھے۔ اور اب اس کی چیخیں صاف سنی جاسکتی تھیں۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ارے۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ آ۔ آ۔" بابو خان خوف سے تھکیا رہا تھا۔ حیرت انگیز لطف کی بات تھی کہ کیمرے چل رہے تھے اور یہ حقیقی منظر سلولائیڈ پر منتقل ہو رہا تھا۔ بابو خان

دہشت سے چیختا چلاتا رہا..... اس کی بری حالت تھی۔ لیکن گھوڑا اطمینان سے فضا کا سفر کر رہا تھا۔ اب وہ کافی بلندی پر پہنچ چکا تھا اور بابو خان کی چیخیں بھی اب سنائی نہیں دے رہی تھیں لوگ حیرت سے منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ خود دولہا بھائی اور فوشہ بھائی پتھر کے بت کی مانند کھڑے تھے۔ یوں سمجھ لیا جائے کہ میرے اور طالوت کے علاوہ سب پاگلوں کی مانند اڑتے ہوئے گھوڑے کو دیکھ رہے تھے۔ جن میں نوری اور محمود بھی تھے۔

تب گھوڑے نے نیچے کا رخ کیا۔ اور بتدریج نیچے اترنے لگا۔ کیمرہ مین بھی بس نہ جانے کس طرح اپنا کام کر رہے تھے۔ گھوڑا آہستہ آہستہ نیچے پہنچ گیا اور پھر وہ زمین پر اتر گیا۔

اور پھر بابو خان کسی مردہ چمگادڑ کی مانند پٹ سے نیچے گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ لوگ بابو خان اور گھوڑے کی طرف دوڑ پڑے تھے۔ قریب پہنچنے والے بھی بابو خان کو دیکھ رہے تھے اور کبھی گھوڑے کو۔ پھر بابو خان کو اٹھا کر ایک خیمے میں لایا گیا۔

دونوں سیٹھ اب بھی اپنی جگہ کھڑے تھے۔ ہاں لوگوں نے جب انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ تو وہ چونکے۔

"وندر فل فوشہ بھائی۔ کیا سین ہوا ہے۔ لیکن یہ جادوئی گھوڑا آپ کو کہاں سے ملا؟"

"کیا یہ اصل کا گھوڑا ہے؟"

"یہ سب کیا ہے دولہا بھائی؟"

"یہ گھوڑا آپ ہی کا ہے؟"

"آپ نے اسے کہاں سے حاصل کیا؟"

"میرا خیال ہے جادو کی قسموں میں یہ سب سے انوکھی فلم ہوگی۔"

"یہ فلم مارکیٹ کا ریکارڈ توڑ دے گی۔ ایسی ویسی لاکھوں خرچ کرکے نہیں بنے گی۔"

بے شمار آوازیں۔ بے شمار سوالات۔ چند فوٹو گرافر بھی تھے جنہوں نے گھوڑے کی سب سے شاندار تصویریں لی تھیں۔ وہ گھوڑے کو غور غور سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کوئی تکنیکی معاملہ تو نہیں ہے۔ لیکن گھوڑا اصل تھا۔

تب فوشہ بھائی دولہا بھائی کے کان میں کچھ کہنے لگے۔ انہوں نے ایک دو مرتبہ میری طرف دیکھا۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کیا۔ اشارے کئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"شاٹ اوکے تو ہیں" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"جی ہاں۔ میرا خیال ہے یہ اس صدی کا سب سے انوکھا

انگیز گھوڑا ہے۔"

"لاکھوں روپے میں خریدا ہے جی۔ یہ بہت قیمتی فلم ہے۔ ابھی تو آپ ٹکٹ دیجئے۔"

"لیکن یہ آپ نے کہاں سے خریدا؟"

"بڑی لمبی بات ہے بتائی نہیں جا سکتی۔" دولہا بھائی نے جواب دیا۔ بہرحال دھوم مچ گئی تھی اور لوگ ان دونوں سیٹھ صاحبان کا پیچھا چھوڑتے نہیں نظر آ رہے تھے۔ جنہیں خود بھی نہیں معلوم تھا کہ گھوڑے نے پرواز کیسے کی۔ لیکن بہر صورت وہ اپنا کارنامہ تیار رہے تھے۔

"مگر یہ بابو خان کیوں چیخ رہا تھا؟" کسی نے سوال کیا۔

"اسے حقیقت نہیں معلوم تھی۔" فوشہ بھائی نے بتایا "ورنہ وہ اتنا اوریجنل سین نہیں دے سکتا تھا۔"

"خوب۔ لیکن اس کے چہرے کے تاثرات۔"

"دور سے پتہ نہیں چلیں گے۔" دولہا بھائی نے بتایا۔

صورت ختم ہو گئی۔ بے ہوش بابو خان کو فوراً اسپتال پہنچا دیا گیا۔ پھر ہم بھی واپس آ گئے۔ لیکن راستے میں نوری کان کھاتی رہی تھی۔ میں اور طالوت خاموش تھے۔ گھر پہنچنے کے بعد محمود اور عدیل بھائی بھی اس تبصرے میں شامل ہو گئے اور ہم نے بمشکل ان سے جان چھڑائی۔"

○

کہانی تیار ہو چکی تھی۔ اور اب اس پر کام شروع کرنا تھا۔ عدیل بھائی کے مشورے سے کچھ فلم انڈسٹری کے اور کچھ باہر کے لوگوں کا انتخاب کیا گیا اور اس کے بعد افتتاح کا اعلان کر دیا گیا۔

طالوت نے اپنی عالی شان کوٹھی میں ہی فلم کا افتتاح کیا تھا۔ اس نے پورا ساز و سامان خریدا تھا۔ ڈیکوریشن ملازم رکھے تھے۔ ایک خوبصورت سے منظر کی فلمبندی سے فلم کا آغاز ہوا۔ اور نہایت کامیاب منظر فلمبند کیا گیا۔ اس کے بعد ایک عمدہ سی پارٹی دی گئی۔ لوگوں نے اور اخباری نمائندوں نے فلم کے بارے میں نوری سے بہت سے سوالات کئے۔ جن کا جواب اس نے نہایت مناسب دیا۔

"آپ نے اس فلم کے ہیرو اور ہیروئن کا نام اناؤنس نہیں کیا۔" ایک رپورٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں یہ دراصل ہم نے بھی تب اس کا انتخاب نہیں کیا۔"

"اس کی وجہ۔۔۔"

"ہم اس میں نئے چہرے لانا چاہتے ہیں۔ ان کا تعارف ہاری ہے۔" نوری نے جواب دیا۔

افتتاح نہایت کامیاب رہا۔ ہم سب بہت خوش تھے۔ مہمانوں کے جانے کے بعد طالوت مجھے علیحدہ لے گیا اور اس نے بڑی رازداری سے کہا۔

"عارف۔ محمود کو دیکھ رہے ہو؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"کرے کلر سوٹ میں ظالم کیا جچ رہا ہے۔"

"وہ خوبصورت اور جامہ زیب ہے۔" میں نے کہا۔

"اور اپنی نوری؟" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟" میں چونک پڑا۔

"کسی سے کم ہے کیا۔ ہماری فلم کے لئے یہ جوڑی کیسی رہے گی۔"

"اوہ طالوت۔ تم نے میرے منہ کی بات چھین لی۔ میرا خیال ہے ان دونوں کو یکجا کرنے کا یہی ذریعہ ہے۔ ورنہ یہ شریف لوگ عشق و عاشقی سے واقف نہیں معلوم ہوتے۔ تم نے نوری یا محمود کے کرداروں میں کوئی لچک دیکھی ہے۔"

"قطعی نہیں۔ ہم ان دونوں کا رومان لڑوانے میں ناکام ہو چکے ہیں۔"

"تب پھر بسم اللہ۔"

"بسم اللہ۔" اور پھر ہم نے نوری اور محمود کو اپنی میٹنگ میں شریک کر لیا۔ "ایک خاص مسئلے پر گفتگو کرنا ہے محمود۔"

"جی فرمائیے۔" محمود ہمہ تن گوش ہو گیا۔

"فلم کی باقاعدہ پبلسٹی کے لئے ضروری ہے کہ ہیرو اور ہیروئن کا نام بھی اس میں شامل کیا جائے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا جناب۔"

"پھر کوئی فیصلہ کرو۔ یہ فیصلہ جلد ہونا چاہئے۔" طالوت نے کہا اور محمود سوچ میں گم ہو گیا۔

"کہانی تمہارے معیار کی ہے نور؟" وہ نوری سے مخاطب ہوا۔

"یقیناً۔"

"اس میں ہیرو یا ہیروئن کا کردار کیسا ہے؟"

"نہایت پاکیزہ اور مناسب۔ میرے خیال سے مشرقی رومان کا یہی انداز ہے۔"

"جو لوگ ان دونوں کا کردار ادا کریں گے۔ کیا وہ اس میں جھجک سکتے ہیں؟"

"قطعی نہیں۔" نوری نے وثوق سے کہا۔

"کیوں محمود۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال ہے یہ ایک پاکیزہ ترین فلم ہوگی۔" محمود نے جواب دیا۔

"تو پھر دوستو۔ کسی چکر کے بغیر عرض ہے کہ میں نے اور سلیم نے ان کرداروں کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے۔" طالوت نے کہا اور یہ خبر ان دونوں کے لئے دھماکے سے کم نہ تھی۔ وہ ہماری شکل دیکھتے رہ گئے اور پھر جھینپے جھینپے نظر آنے لگے۔

"کسے اعتراض ہے؟" طالوت نے دونوں کی طرف دیکھا' لیکن کوئی جواب نہ دے سکا "مجھے جواب کی ضرورت ہے۔"

"مجھے اس نام کا کوئی تجربہ نہیں۔" محمود نے دبی زبان سے جواب دیا۔

"ہو جائے گا۔" طالوت سکون سے بولا "کرداروں کی پاکیزگی کا تم دونوں اعتراف کر چکے ہو۔" نوری بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ اس کی نظریں جھکی ہوئی تھیں "اگر تم دونوں نے ایک منٹ کے اندر اندر ہاں یا نہیں کا اعلان نہ کر دیا۔ تو پھر یہ بات فائنل ہو جائے گی۔" طالوت نے وارننگ دی لیکن دونوں خاموش رہے تھے۔ طالوت گھڑی دیکھ رہا تھا۔ اور جونہی سیکنڈ کی سوئی نے منٹ پورا کیا۔ طالوت نے کھڑے ہو کر مجھے مبارکباد دی اور نوری اور محمود بے بسی سے ہنس پڑے۔

○

"بزرگوار۔" طالوت نے محمود کے والد کو مخاطب کر کے کہا "نور الصبا ایک شریف لڑکی ہے' صاحب حیثیت ہے اور محمود ہمارا دوست۔ میری زمینوں کو میری ضرورت ہے۔ چنانچہ چھ عرصے کے بعد میں واپس چلا جاؤں گا۔ میری خواہش ہے کہ ان دونوں کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا جائے۔"

محمود کے والد حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ پھر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "یہ میرا بیٹا اس قابل ہے؟"

"وہ جس قابل ہے ہمیں معلوم ہے۔ آپ اپنا جواب مرحمت فرمائیں۔"

"میرے لئے تو یہ موت کی بات ہے۔" بڑے میاں بولے۔

"تب پھر ہماری خواہش ہے کہ آپ باقاعدہ ہمارے گھر آئیں۔ لیکن ابھی محمود کو ہوا بھی نہیں لگنی چاہئے۔"

"یقیناً۔ ورنہ ہم آپ سے درخواست نہ کرتے۔" طالوت نے جواب دیا اور بڑے میاں نے خوشی سے اقرار کر لیا اور پھر محمود اور نوری کے والد کی ایک خفیہ ملاقات ہوئی جس میں دونوں نے ضروری امور طے کر لئے۔

پھر ایک شام فلم کے دوسرے منظر کی فلمبندی کا پروگرام بنایا گیا۔ یہ منظر باقاعدہ کہانی میں شامل تھا۔ البتہ سیٹ پر مہمانوں کی ترتیب حقیقی رکھی گئی تھی۔ وہاب حاجی، صفیہ، محمود کے والد اس کی بہن اور دوسرے لوگ سیٹ پر موجود تھے۔

عبدل بھائی کی ہدایت میں سین شروع ہوا۔ محمود نوری کو منگنی کی انگوٹھی پہنانے والا تھا۔ دونوں شرمائے ہوئے تھے اور اس حقیقی شرم نے منظر میں زندگی ڈال دی تھی۔ محمود نے ہیرے کی چمکتی ہوئی انگوٹھی نوری کی انگلی میں پہنا دی اور تمام مہمانوں نے تالیوں بجائیں۔

سین اوکے ہو گیا تھا۔

تب طالوت نے اخباری رپورٹروں کو مخاطب کر کے کہا "صاحبو۔ اس منظر کی ایک حقیقت میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہماری فلم کا ایک منظر ہے۔ لیکن ایسی انوکھی بات ہے کہ اس منظر میں کوئی مصنوعیت نہیں ہے۔ خاتون نور النساء اور مسٹر محمود کے بزرگوں نے یہ منگنی حقیقی طور پر طے کی ہے اور آج سے باقاعدہ طور پر خاتون نور النساء محمود کی منگیتر ہیں۔ یہ منظر زندہ جاوید رہے گا۔"

"میرے الفاظ کی تصدیق دونوں بزرگ کریں گے۔" طالوت نے اشارہ کیا۔ اور دونوں بزرگوں نے کھڑے ہو کر منگنی کی تصدیق کر دی۔ نوری اور محمود شدت حیرت سے گنگ کھڑے ایک ایک کی شکل دیکھ رہے تھے۔

○○○

مہمانوں نے ایک بار پھر تالیاں بجائیں۔ لوگ بھی اس دلچسپ پروگرام سے مسرور نظر آ رہے تھے۔ پھر لوگوں نے اٹھ اٹھ کر نوری اور محمود کو مبارکباد دی۔

"اس فلم کے سپرہٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے جس کے مناظر اس قدر حقیقی اور جاندار ہوں۔"

"بلاشبہ آپ کی فلم کا سب سے بہترین سین ہوگی۔" لوگ نوری اور محمود سے کہہ رہے تھے۔ لیکن ان دونوں کی حالت خراب تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، جیسے متوقع ہو کہ اب ہم یہ مذاق ختم کر دیں گے۔

لیکن ظاہر ہے یہ مذاق نہیں تھا۔ منگنی کا باقاعدہ اعلان ہوا تھا، انگوٹھی پہنائی گئی تھی۔ پھر شک و شبہ کی کیا بات تھی۔ اور پھر مہمانوں میں انتہائی نفیس قسم کی مٹھائی تقسیم کی گئی جو منگنی کی خوشی میں تھی اور اس کے بعد مہمان رخصت ہونے لگے پھر جب وہ دونوں سنبھلے تو محمود نے طالوت کا بازو پکڑا "میری بات سنیں گے بھائی جان؟"

"سلیم۔ سلیم دیکھو۔ ذرا۔ اس محمود کے انداز میں جارحیت ہے، ذرا میری مدد تو کرو۔" لیکن یہ جملے مارتا نہ شروع کرو۔" طالوت نے مسخرے پن سے کہا اور میں ہنستا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ذرا دوسرے کمرے میں آیئے۔" محمود نے کہا۔

"اوہ۔" طالوت مروت سے لہجے میں بولا اور ہم تینوں دوسرے کمرے کی طرف چل پڑے۔ محمود کے چہرے پر سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔

"یہ سب کیا ہے بھائی جان؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ارے تو کیا فلم کی کہانی میں یہ منظر میں نے رکھا تھا۔" طالوت کاکا کر بولا۔

"بکواس نہ کریں۔ مجھے سنجیدگی سے بتائیں، یہ سب کیا ہے۔"

"منگنی ہے اور کیا ہے؟" طالوت ہی بولا۔ مجھے ہنسی آ رہی تھی۔

"فلمی یا حقیقی؟"

"فلمی بھی۔ حقیقی بھی۔"

"بھائی جان۔" محمود نے دوسری طرف رخ کر لیا "بھائی جان یہ اچھا نہیں ہوا۔"

"کیوں محمود۔ کیا نوری میں کوئی خرابی ہے؟"

"یہ اچھا نہیں ہوا بھائی جان۔" محمود نے کہا۔

"اوہ۔ شاید تمہیں اس کے ماضی سے اختلاف ہے۔ لیکن محمود یقین کرو۔ نوری ایکسٹرا گرل ضرور ہے۔ لیکن اس نے اپنی خودی اپنی شرافت کی حفاظت کی ہے۔"

"محترمہ نور النساء کی پاکبازی پر شک کا مجرم بنا کر مجھے ذلیل نہ کریں بھائی جان۔ خدا شاہد ہے کہ میرے ذہن میں ایسا کوئی تصور نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"بھائی جان۔ میں ایک کم مایہ انسان ہوں۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد میں نے بہت سے خواب دیکھے تھے، جو پورے نہیں ہو سکے۔ میں نے اپنی کوششوں میں کوتاہی نہیں کی تھی۔ بس مقدر نے ساتھ نہیں دیا۔ پھر میں نے ڈرائیوری کرنے کی ٹھان لی۔ آپ کے اشتہار کو دیکھ کر آپ کے یہاں آیا اور ملازمت مل گئی۔ آپ نے میری تنخواہ گانی، پہلے اسے مذاق سمجھا۔ پھر بڑے آدمیوں کا کھیل، بہرحال یہ کھیل میرے لئے منافع بخش تھا۔ میں نے کبھی اپنے فرض سے بددیانتی نہیں کی۔ میں ہمیشہ آپ کا مخلص اور وفادار رہا۔ محترمہ نوری ایک نیک اور پرکشش خاتون ہیں میری نگاہوں

نے اگر کبھی بہکنے کی کوشش کی، تو میرے ضمیر نے مجھے جھنجھوڑ دیا۔ میں نے ہمیشہ اپنی حیثیت یاد رکھی۔ بھائی جان! مس نور ایک بلند پایہ خاتون ہیں۔ اس تصور کے ساتھ وہ بھی خوش نہ رہ سکیں گی کہ۔ کہ ان کا شوہر ان کا ملازم۔ ان کا ڈرائیور رہ چکا ہے۔" محمود نے گردن جھکا دی۔

"اور کچھ؟" طالوت نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ کچھ اور بھائی جان۔" محمود نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

"وہ بھی کہہ دو۔"

"حالات نے مجھے بعض معاملات میں شکست دی ہے بھائی جان۔ لیکن وہ میری خودی کو شکست نہیں دے سکے۔ میں ابھی تک خوددار ہوں، میں زندگی بھر اس اذیت سے تڑپتا رہوں گا کہ میں اپنی بیوی کی وجہ سے دولت مند بنا ہوں۔"

"اور کچھ؟" طالوت اسی انداز سے بولا۔

"بس، اور کچھ نہیں۔"

"گویا۔ گویا تم نور النساء سے شادی پر تیار نہیں ہو؟"

"جی۔ جی ہاں۔ میں یہ شادی نہیں کر سکتا۔" محمود نے صاف گوئی سے کہا۔

"ہمیں افسوس ہے محمود۔ ہم تمہارے دل تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارا خلوص، ہماری محبت ہمارے کام نہیں آ سکی۔ ہم نے تمہیں اپنوں میں سے سمجھ لیا تھا۔ ہم نے سوچا تھا کہ تم ہمارے دوست، ہمارے بھائی ہو اور ہم اسی انداز میں اپنے لئے کچھ حقوق متعین کر بیٹھے تھے۔ لیکن تم نے اجنبیت، غیریت کی دیوار کرانا پسند نہیں کی۔ خیر تمہاری مرضی۔ ہم ان دونوں بزرگوں سے بات کریں گے۔ ہم ان سے کہیں گے کہ ہم غلطی کر بیٹھے ہیں جس کی وجہ ان کے وقار کو ٹھیس لگے گی۔ ہم ان سے معافی مانگنے کے علاوہ اور کیا کر سکتے ہیں۔ بہت بہتر محمود صاحب۔ آپ بے فکر رہیں۔ آپ کی خودی پر آنچ نہیں آنے دی گی۔"

"بھائی جان۔" محمود گھبرا کر بولا۔

"میرا نام رانا عزیز الدین ہے۔ رانا صاحب کہو ڈرائیور۔ کسی ایسے نام سے مخاطب مت کرو جو مجھے میری حماقت کا احساس دلائے۔" طالوت نے کہا اور پلٹ کر کمرے سے نکل گیا۔

"سنیں۔ سلیم بھائی۔ بھائی جان ناراض ہو گئے۔"

"اپنی بے وقوفی پر نادم ہوئے ہیں محمود۔ اسے ناراضگی نہ کہو۔" میں نے بھی تلخ لہجے میں کہا اور میں بھی طالوت کے انداز میں باہر نکل گیا۔

محمود کمرے میں کھڑا رہ گیا تھا۔ میں تیزی سے طالوت کے پاس پہنچ گیا "طالوت۔" میں نے اسے آواز دی۔

"چھوڑو یار۔ موڈ خراب ہو گیا۔" طالوت نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"سب کے سب گیس، جیسے ہمارے اوپر احسان کر رہے ہوں۔"

"اوہ طالوت۔ یہ بات نہیں۔ کاغذ کے چند ٹکڑے لے کر کسی قابل کھڑے ہو جاؤ۔ لوگ انہیں حاصل کرنے کے لئے ہر امکانی کوشش کریں گے روشیلا اور روئی والا کی مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے لوگ تمہارے علم میں آ چکے ہیں۔ دراصل ہم نے ہمیشہ کیچڑ میں پڑے ہوئے ہیرے تلاش کئے ہیں۔ ہم نے انسانیت کے پیکر تلاش کئے ہیں جن کی نگاہوں میں انسانیت کا تقدس ہوتا ہے دولت نہیں۔ ہیرے کیسی بھی ہوں، ان کی چمک کیسے ختم کی جا سکتی ہے۔ انہیں کیچڑ سے اٹھا کر، صاف ستھرا کر کے شو کیس میں رکھنے کے لئے بہرحال جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ نہ دیکھو انہیں۔ نہ تلاش کرو۔ تمہیں تمہاری مرضی کے لوگ بھی ملتے رہیں گے۔ تم جو کچھ انہیں دو گے قبول کر لیں گے۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن۔ اب اس کیچڑ کے ہیرے کا کیا جائے؟"

"کچھ سوچتے ہیں۔ اس کی ایسی تیسی۔"

"اوہ۔ یہ مس نور النساء اس کمرے میں کیوں جا رہی ہیں؟" طالوت نے کہا۔

"ونڈر فل۔ رومانس۔ سسپنس۔ ارے میرا دوشالہ۔" میں اپنے کمرے کی طرف لپکا۔ طالوت ہنسنے لگا تھا۔ شاہوانہ کا دوشالہ اوڑھ کر میں جلدی سے نکل آیا اور پھر ہم دونوں تیزی سے کمرے کی طرف لپکے۔ نوری کمرے میں داخل ہو گئی تھی اور اس کے پیچھے ہی ہم دونوں اندر جا گھسے۔ لیکن نوری کو اندر آتے بھی نہیں ہوئی تھی۔ سامنے ہی ایک کرسی پر محمود سر پکڑے بیٹھا تھا۔

"محمود صاحب۔" نوری کی لرزتی آواز ابھری اور محمود اچھل پڑا۔ پھر وہ جلدی سے کھڑا ہو گیا۔

"مس نور۔"

"جی۔"

"مس نور۔ آپ۔ آپ جانتی ہیں کہ۔ آپ جانتی ہیں مس نور کہ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔" محمود نے بوکھلائے

ہوئے انداز میں کہا۔

"تو کیا آپ کے خیال میں قصور میں نے کیا ہے۔" نوری مسکراتے ہوئے بولی۔

"پلیز مس نور۔ آپ یقین کرلیں۔ میں نے۔ میں نے۔"

"نہ جانے آپ پر اتنی بوکھلاہٹ کیوں طاری ہے مسٹر محمود۔ آپ نے ان فرشتوں کو ناراض کردیا۔ مجھے آپ سے بڑی شکایت ہے۔"

"مس نور۔ وہ۔ مس نور۔ وہ۔"

"ایک بات کے لئے معذرت خواہ ہوں۔ وہ یہ کہ میں تھپی کھڑکی سے آپ حضرات کی گفتگو سن رہی تھی اور میں نے آپ کے اور ان کے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہے۔"

"مس نور۔ مجھے بتایئے۔ مجھے بتایئے میں کیا کروں۔ میں نے تو اپنے کردار میں کبھی جھول نہیں پیدا ہونے دیا۔ میری تو کوئی خطا نہیں ہے۔"

"مسٹر محمود۔ خدا کا شکر ہے کہ میں نے بھی انتہائی نامساعد حالات میں اپنے کردار کو داغدار نہیں ہونے دیا۔ میں آپ کی ذہنی کیفیت سمجھتی ہوں۔ کیونکہ یہی کیفیت مجھ پر بیت چکی ہے۔ اگر میں اس سے واقف نہ ہوتی۔ تو اس وقت آپ کے پاس کبھی نہ آتی۔ لیکن چونکہ مجھے احساس ہے۔ اس لئے مجھے آپ سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ اور میں یہاں چلی آئی۔"

"میں نہیں سمجھا مس نور۔" محمود نے کہا۔

"میں آپ کو سمجھاتی ہوں۔ تشریف رکھیے۔" نوری نے کہا اور پھر خود بھی ایک کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ محمود اس کے دوبارہ کہنے سے کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"مسٹر محمود۔ اگر میں آپ کی اور ان دونوں کی گفتگو نہ سنتی۔ تو میری نسائیت مجھے کبھی اجازت نہ دیتی کہ میں آپ سے اس قسم کی گفتگو کروں۔ یوں سمجھ لیں کہ میں یہ گفتگو اپنے بھائیوں کی وجہ سے کررہی ہوں۔"

"او!" محمود نے پھسپھسی آواز میں کہا۔

"میں آپ سے چند سوالات کروں گی۔ سنئے مسٹر محمود۔ آپ ایک خوددار انسان ہیں اور خوددار انسان اپنی عزت، اپنی ملازمت برقرار رکھنے کے لئے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ میں آپ کی خودداری کا امتحان لینا چاہتی ہوں۔ دیکھنا چاہتی ہوں کہ آپ کہاں تک صاف گو اور سچ بولنے والے ہیں۔"

محمود متحیرانہ انداز میں نوری کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ جوابات دینا پسند کریں گے؟"

"ضرور۔"

"اس میں بہت سے سوالات ایسے ہیں جو ایک لڑکی زبان سے معیوب ہیں۔ لیکن اسے میں سمجھتی ہوں کہ ان سوالات سے میری نسائیت کس حد تک مجروح ہوتی ہے آپ بھی سمجھیں۔"

"جی۔" محمود سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"اگر میں ایک معمولی لڑکی ہوتی اور حالات ہمیں ایک دوسرے کے سامنے لے آتے۔ تو کیا آپ مجھے اپنا پسند کرتے؟"

"آپ نے مجھے صاف گوئی کی اجازت دی ہے مس نور؟"

"ہاں۔ آپ کھل کر اظہار حقیقت کرسکتے ہیں۔ آپ کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"تو مس نور۔ میں آپ سے اظہار محبت کی جرأت کرتا ہوں۔ ہاں مس نور۔ میں آپ کو بے حد پسند کرتا ہوں۔ یہ دل ہی دل میں آپ کی پرستش کرتا ہوں۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں مس نور۔ میں آپ کو اس وقت سے چاہتا ہوں جب میں نے پہلی بار آپ کو دیکھا تھا۔ میری زندگی میں لمحات جاوداں ہوتے ہیں جب آپ میرے نزدیک ہوتی ہیں۔" محمود نے کہا اور نوری کا چہرہ گلنار ہوگیا۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولی۔

"شکریہ مسٹر محمود۔ گویا یہ بات طے ہوگئی کہ میں بدنصیب عورت آپ کے لئے قابل قبول ہوں۔"

"جی" محمود نے سر جھکا کر کہا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

"تو مسٹر محمود۔ اب میری حیثیت کے بارے میں جو لیجئے۔ دراصل آپ اس قدر نیک اور شریف انسان ہیں کہ ان لوگوں سے آپ کی ملاقات بھی نہیں ہوئی جو میری حیثیت سے واقف ہیں۔ ورنہ یہ الجھن ہی پیش نہ آتی۔ غور فرمائیے مسٹر محمود۔ میں ایک غریب باپ کی بیٹی ہوں۔ جو آنکھوں سے اندھا ہوگیا تھا۔ میں نے اپنے باپ اور بھائی کی پرورش کے لئے ملازمت تلاش کی۔ لیکن کوئی ملازمت نہ مل سکی۔ تو میں نے ایک ایکسٹرا کی حیثیت سے متعدد فلموں میں کام کیا میں سرسری انداز میں کہوں گی کہ خدا نے میری عزت محفوظ رکھی اور جب بات عزت پر بنی تو اس نے دو فرشتے زمین پر اتار دیئے۔ ابتدا میں میں انہیں نہ سمجھ سکی۔ میں نے انہیں بھی اپنے حسن کا گاہک جانا۔ لیکن بہت جلد مجھے احساس ہو

کہ میں کسی دوسری دنیا کے لوگوں کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے مجھے بہن کہا۔ اور میرے حالات بدل دیئے۔ خدا کی قسم اگر وہ اس قدر مخلص نہ ہوتے تو میں کبھی ان کی دی ہوئی عزت قبول نہ کرتی۔ لیکن ان کی نیت پر شک کرنا گناہ عظیم ہے اور محمود صاحب! آپ کا انتخاب بھی انہوں نے سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ خدا ہماری تقدیریں بدلنے پر آمادہ ہے محمود صاحب تو آپ کیوں اعتراض کررہے ہیں۔ وہ انسان ہی کو ذریعہ بناتا ہے۔ آپ جان گئے ہیں کہ میری کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اگر ہم دونوں اس جاہ و حشمت کو خدا کا عطیہ سمجھ کر قبول کرلیں تو کیا حرج ہے۔"

اور اچانک محمود کے چہرے پر مسرت کے آثار نمودار ہوگئے۔ اس کی سانس تیز چلنے لگی۔ تب اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"تو۔ تو۔ مس نور۔ مس نور۔ آپ کو۔ اس بات پر کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" نوری نے بڑے اعتماد بڑے وقار سے کہا۔

"صرف ان دونوں۔ ان دونوں کی وجہ سے؟"

"ہاں۔ ان دونوں کی وجہ سے بھی۔ کیونکہ ان کے فیصلے میرا ایمان ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ میری نگاہ میں تم بھی ایک نیک سیرت اور شریف انسان ہو۔"

"مجھے کہنا یہ سمجھ کر مجھے خود سے کہتا تو نہ سمجھو گی نور۔"

"اس وقت تم مجھے ایک ایکسٹرا گرل کہہ دیا کرنا۔ جو چند روپوں کے عوض ناچتی تھی۔"

"نوری میں تمہیں اپنا کر فخر محسوس کروں گا۔ نور۔ میں تمہیں بے پناہ چاہتا ہوں۔ خدا کی قسم نور میں تمہاری پرستش کرتا ہوں۔" محمود تیزی سے اٹھا۔ اس نے نوری کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا۔

"آؤ!" میں نے طالوت کے کان میں کہا۔

"ایک منٹ یار۔ ایک منٹ!"

"آؤ۔" میں نے اس کا لباس پکڑ کر کھینچا۔

"صرف ایک منٹ۔ صرف ایک منٹ۔"

"اسے بہن کہا ہے۔" میں نے دانت کچکچا کر کہا۔

"لاحول ولا قوۃ" طالوت برا سا منہ بنا کر واپس پلٹ پڑا اور پھر دروازے سے باہر نکل کر بولا "کان کھول کر سن لو عارف۔ آئندہ میں کسی کو بہن وہن نہیں کہوں گا۔ ہاں۔"

ہم دونوں اپنے کمرے میں آگئے۔ میں نے دوشالہ اتار دیا۔ طالوت بھی ایک کرسی پر دراز ہوگیا تھا۔ اس کا موڈ بدستور بگڑا ہوا تھا۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" اس نے پوچھا۔

"جیسی مرضی سرکار۔"

"بس چھیں گے یہاں سے۔"

"ضرور۔ لیکن کب؟"

"جلد از جلد۔"

"اور کہاں چلیں گے؟"

"جہنم منہ اٹھ جائے۔"

"ان پہاڑوں کے بارے میں کیا خیال ہے۔ جن کا آپ نے ذکر کیا تھا؟"

"اسی طرف چلیں گے۔"

"کب؟"

"یہ تم بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے جلد از جلد بچوں کی شادی کرکے اس فرض سے بھی سبکدوش ہوجائیں تاکہ سکون سے آوارہ گردی ہوسکے۔" میں نے فکرمند بوڑھوں کے سے انداز میں کہا اور طالوت کو ہنسی آگئی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی اور ہم دونوں خاموش ہوگئے۔

"میں اندر آسکتا ہوں بھائی جان؟" دروازے سے محمود کی آواز سنائی دی تھی۔

"آجاؤ۔" میں نے بھاری آواز میں کہا اور محمود شرمندہ سا اندر آیا۔ طالوت نے پھر چہرہ بگاڑ لیا تھا۔

"میں۔ آپ سے معافی مانگنے آیا ہوں بھائی جان۔ بھائی جان۔" محمود نے شرمندہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔؟ یہ رشتہ تو تمہیں قبول نہیں تھا۔"

"غلطی ہوگئی تھی۔ سخت شرمندہ ہوں۔ ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔" محمود نے کہا۔

"غور کرلو محمود۔ اپنے دل کو ٹٹول لو۔"

"ٹٹول لیا بھائی جان۔"

"لیکن میں تمہیں سزا دیئے بغیر نہ رہوں گا۔"

"مجھے ہر سزا قبول ہے۔" محمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ تو پہلی سزا تو یہ ہے کہ اس ہفتے کے آخر میں تمہاری شادی نورافشاں کے ساتھ کردی جائے گی۔ دوسری سزا کل سنائی جائے گی۔"

محمود نے گردن جھکادی۔

چنانچہ دوسرے دن کوٹھی پر ہی ایک چھوٹی سی نشست ہوئی۔ جس میں بزرگ بھی شامل تھے۔ تب طالوت نے کہا۔

"معزز بزرگوں کی اجازت سے میں کچھ عرض کرنا چاہتا

ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" ابا صاحب محبت سے بولے۔

"محترم، آپ سے ہم میں سے کہ میں صرف چند روز کے لئے اپنی جاگیر سے نکلا تھا۔ لیکن حالات کچھ اس انداز سے پیش آئے کہ مجھے کافی وقت آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع مل گیا۔ آپ جیسے پُرمحبت لوگوں کے درمیان سے جانے کو تو دل نہیں چاہتا لیکن میری مجبوریوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے اجازت دیں۔ مجھے اب جانا ہی ہوگا۔"

"اوہ۔" سب کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"لیکن بھیا۔"

"لیکن بھائی جان۔" نوری اور محمود کے منہ سے بیک وقت نکلا۔

"ہاں نوری، ہاں محمود۔ تم خود غور کرو۔ میرے سارے معاملات بکھرے پڑے ہیں۔ ہمیں انہیں دیکھنا ہے۔ تمہاری روانگی ضروری ہے، تو بیزو کو! میری خواہش ہے کہ روانگی سے قبل نوری اور محمود کی شادی کردی جائے۔ کیا آپ اس ہفتے کا آخری دن اس کام کے لئے قبول کریں گے؟"

"خوشی کے ساتھ تم بھی دے دیتے عزیز امین۔ کاش۔ کاش تم ہمیشہ ہم میں رہتے۔ لیکن نہیں، روکنا خود غرضی ہے۔"

"ہم بھی آپ کے ساتھ جائیں گے بھیا۔" نوری روتے ہوئے بولی۔

"تو بھائی جان۔ یہ تصور بھی نہیں تھا کہ آپ سے جدا ہونا پڑے گا۔" محمود آزردگی سے بولا۔

"پھر ملیں گے محمود۔ میں تم لوگوں کو اپنی جاگیر پر بلاؤں گا۔ اگر مجبوری نہ ہوتی تو میں چند اور روز آپ کی صحبت میں گزارتا۔"

"جس طرح تم پسند کرو بیٹے۔" ابا صاحب بولے۔

"دوسری ایک بات اور۔ محمود میرا بہت دوست ہے۔ فیصلہ قبول کرچکے ہو۔" طالوت نے کہا "نوری انتما میری بہن ہے ابا صاحب۔ محمود میرے بھائی۔ میں بھی نہیں چاہوں گا کہ میرا بھائی کسی حیثیت میں میری بہن سے کمتر رہے۔ چنانچہ میرا بھائی محمود یہاں لاکھ روپے نقد کا مالک ہے۔ میں نے یہ رقم یہاں آنے کے لئے بینک سے نکلوائی تھی۔ بینک کا شیئر بھی آپ کے نام ہے۔ کاغذات تیار ہو رہے ہیں۔"

"بھائی جان۔" محمود اٹھ کر طالوت کے قدموں پر گر گیا۔

"اوہ۔ آرس پروڈکشن۔ نور انسانی ملکیت ہے اور اس کے نام سے بھی پچاس لاکھ کا انشورنس موجود ہے۔ میری خواہش ہے کہ یہ دونوں مل کر اس کمپنی کو چلائیں۔ اور بامقصد اور معیاری فلمیں تیار کریں۔ اور آج کی نشست ان الفاظ پر ختم۔"

اس کے بعد پورے ہفتے ہنگامہ رہے۔ نوری نے روتے روتے آنکھیں سرخ کرلی تھیں۔ اس نے کہا تھا "یہ کیسی خوشی دی ہے آپ نے بھیا، جو آپ کی جدائی کے غم میں ڈوبی ہوئی ہے۔"

"بہنیں تو یوں بھی پرائی ہوتی ہیں پگلی۔"

"مگر آپ ہمیں کب بلائیں گے؟"

"یہ سوچنے کے بجائے اپنے شوہر کے ساتھ دلچسپیوں میں گم ہو جانا، میرے حالات جب اجازت دیں گے تمہیں بلا لوں گا۔" طالوت نے کہا۔ ایک ہفتے کے بعد نوری اور محمود کی شادی ہوگئی۔ اور اسی رات طالوت نے اپنے کمرے میں آکر کہا۔

"کیا خیال ہے عارف بھائی؟"

"بس۔ چلیں گے۔"

"آج ہی رات کو۔ باقاعدگی سے رخصت ہونا مجھے پسند نہیں ہے۔"

"ہاں یہی ٹھیک ہے۔ ورنہ یہ لوگ بہت بور کریں گے۔"

"پھر۔؟"

"بس رات گہری ہوتے ہی نکل چلیں گے۔"

"پروگرام کس طرح رہے گا؟"

"تم ایسا کرو۔ فون پر کسی ہوٹل میں ایک کمرہ بک کرالو۔ رات وہاں گزاریں گے اور پھر وہاں سے مناسب پروگرام بنائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے طالوت کی اس تجویز کو پسند کیا۔ یہاں رہ کر پروگرام بنانے میں وقت ہوتا۔ ہوٹل کا کمرہ ہی مناسب تھا۔ میں نیچے گیا۔ فون کرکے پیلس ہوٹل میں ایک ڈبل روم بک کرالیا۔

"ایک اور خیال ہے۔" طالوت نے کہا۔

"وہ کیا؟"

"ہمیں اپنی کار یہاں چھوڑنا ہوگی۔ کیونکہ لوگ ہمیں پہچان گئے ہیں۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" میں نے طالوت سے اتفاق کیا۔ پھر ہم دیر تک یونہی گفتگو کرتے رہے۔ اور رات گہری ہوئی تو ہم نے جانے کے لئے تیار کی۔

"کیا ان لوگوں کو اطلاع دی جائے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اخلاقی طور پر ضروری ہے۔"

"تب ایک پرچہ لکھ دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے لکھنے کی میز پر پڑا کاغذ کا ایک تحریر تھیسٹ کر نمایاں جگہ رکھ دی۔ اس میں میں نے لکھ دیا تھا کہ چونکہ باقاعدہ روانگی رقت آمیز ہوتی، اس لئے ہم جارہے ہیں۔ حالات نے ساتھ دیا تو پھر ملیں گے اور یہ پرچہ رکھنے کے بعد ہم باہر نکل آئے۔

گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ کوٹھی سے باہر نکل کر میں نے چاروں طرف دیکھا اور پھر طالوت نے کہا "کیا پیدل چلنا پڑے گا؟ کار نہیں لے چلو گے؟ اس وقت تو ٹیکسی بھی نہیں ملے گی۔"

"اوہ۔ کار نہیں لے چلیں گے اور پھر ہمیں تو پیلس ہوٹل تک چلنا ہے۔"

"تو پیلس ہوٹل کونسا قریب ہے اور میرے اس سوٹ کیس کا وزن پندرہ بیس سیر سے کم نہیں ہے۔"

"چھوڑو یار۔ کیوں مذاق کرتے ہو۔" طالوت نے مجھے زور سے دھکا دیا۔ اور میں گرتے گرتے بچا۔ میں سوٹ کیس کا سارا لے کر سنبھلا تو چاروں طرف روشنی پھیل گئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" میں نے طالوت کو گھورا۔ لیکن دوسرے لمحے خاموش ہوجانا پڑا۔ بہرحال یہ بدتمیزی بری نہیں تھی، کیونکہ ہم ہوٹل پیلس کے لان میں کھڑے تھے۔ فوراً ہی دو پورٹر ہمارے پاس آگئے۔ اور ان میں سے ایک نے میرے ہاتھ سے سوٹ کیس لے لیا۔ ہم نے انہیں روم نمبر بتائے۔ جن کی اطلاع ہمیں فون پر مل گئی تھی اور پھر ہم ہوٹل کے ہال کی طرف بڑھ گئے۔ پورٹر نے چابی لے لی اور ہمارے ساتھ چل پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم ہوٹل کے آرام دہ کمرے میں مسہریوں پر دراز تھے۔

"یہ دور بھی اچھا خاصا رہا۔ لیکن یار عارف۔ یہاں بھی پاس بانی رہی۔ جلال آباد کے ماحول میں تو پاکیزگی آگھسی تھی۔ یہاں بھی وہی کیفیت رہی۔"

"کیوں۔" روشیلا نے تمہارے لئے بہت کچھ کیا ہے۔"

"بور مت کرو۔ وہ عورت کی قسم سوئم تھی۔ حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ پاکباز عورتیں اس طرح سامنے نہیں آتیں۔ کام ایسے ہی لوگوں سے چلانا پڑتا ہے۔ لیکن وہ تو ضرورت سے زیادہ ہی گزر گئی تھی۔"

"پھر بھی۔ اس کے بارے میں تو تم نے بہت بعد میں

زندگی زندگان کے لئے
ایک انوکھی دلچسپ داستان کی گرفت
ان کے لئے جن کے سینے ارمان دیتے ہیں
آنسوؤں آہوں امنگوں اور حوصلوں کی داستان
عبرت اثر، حیرت انگیز، ناقابل فراموش
بابر زمان خان کی آپ بیتی، جگ بیتی
اس جوان رعنا سے زندگی کا رویہ مختلف تھا
دل نگاروں کے لئے سب رنگ کا مقبول سلسلہ
بازی گر
وہ تحریر جو دلوں کی دھڑکن ہے
قیمت فی حصہ -/60 روپے ● ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے
7
عنایت حاصل کرنے کے لئے رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ فرمایئے
7
کتابیات پبلی کیشنز، کراچی
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون 021-5804300
kitabiat1970@yahoo.com
021-7766751 سرکلیشن منیجر، رحمان سے اسٹریٹ، کراچی فون

سوچا۔
"نہیں کو تو تم نے ہاتھ نہیں لگنے دیا۔"
"میں نے کب منع کیا تھا۔" میں نے آنکھیں نکالیں۔
"بہرحال چھوڑو ان باتوں کو چھ بور سی ہونے لگی ہے۔ کوئی بات بھی چاہئے۔"
"چلیں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"کہاں؟"
"بازارِ حسن۔" میں نے جواب دیا۔
"اوہ۔ وہاں جہاں رقص ہوتا ہے؟"
"ہاں۔"
"بازارِ حسن کہہ کر حسن کی توہین کیوں کر رہے ہو۔ وہ تو بازارِ ہوس ہے لاحول ولا قوۃ۔"
"پھر؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"بس اب ایسا بھی نہیں۔ ویسے ان لوگوں کو چھوڑ کر بھی دکھ ہو رہا ہے۔ لیکن کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے ہم پوری زندگی تو ان کے درمیان نہیں گزار سکتے۔"
"کسی کے ساتھ نہیں گزار سکتے۔ بہرحال ان باتوں کو چھوڑو۔ آئندہ کے لئے پروگرام بتاؤ۔"
"یہی وہیں چلیں گے۔"
"ہاں۔ کل ہی چلیں گے۔ مگر عارف۔ کیوں نہ اس بار تمہارے ارینج کھٹولے سے سفر کیا جائے۔"
"ارینج کھٹولا؟"
"ہاں۔ تم نے ہوائی جہاز کا نام دے دیا ہے۔"
"اوہ۔ ٹھیک ہے۔ اگر تم فرمائو۔ قبائل کی طرف جانے کا ارادہ رکھتے ہو تو اس کے لئے ہمیں بذریعہ جہاز ڈھوک آباد تک جانا پڑے گا۔ وہاں سے اونٹوں کا سفر ہے۔"
"کتنا وقت ہوگا؟"
"بالکل نہیں۔ اور پھر تمہارے لئے کیا وقت ہے؟"
"اونہہ۔ میری بات چھوڑو۔ میں تو تمہاری دنیا دیکھنے آیا ہوں میرے لئے جو آسانیاں ہیں۔ وہ تو بس ایسے مواقع کے لئے رہنے دو جہاں ان کی خاص ضرورت ہے۔"
"ٹھیک ہے۔ کل میں روشن پور کے دو ٹکٹ مہیا کرلوں گا۔"
"ٹھیک۔ اور ہم دونوں صبح تک میں سفر کریں گے۔"
"کیا مطلب؟"
"یہ مطلب ہے۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔
"لیکن میرا تو خیال تھا۔" میں نے کہنا چاہا۔
"اونہہ۔ پھر وہی سماعت کی باتیں۔ اب تو تمہارے ان کانوں کا بھی علاج ہو چکا ہے۔ بس یار تکلف نہ کرو۔ ہم تمہارے ہی مہمان ہیں

کرتی تھی۔ اب مجھے بھی لطف آرہا تھا۔ طیارہ
سیدھا ہو گیا تب مسافروں میں پھر ہمارے بارے میں چہ
میگوئیاں ہونے لگیں۔ دوسرے لوگوں کو تو خیر تفصیل معلوم
ہی نہیں تھی کہ ہائی جیکنگ ایک جگہ جمع ہو کر ہمارے بارے
میں گفتگو کر رہی تھیں۔ پھر وہ ہوسٹس ہماری طرف بڑھی جس
نے ہیڈ فونز پر ہمیں ریسیو کیا تھا۔

"ہوشیار۔" طالوت نے کہا اور میں سنبھل گیا۔
وہ ہوسٹس ہمارے قریب پہنچ گئی۔

"کسی چیز کی ضرورت جناب؟" اس نے مسکراتے
ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔" ہم دونوں نے بیک وقت گردن ہلا کر کہا۔

"آپ لوگ روشن آباد کے باشندے ہیں؟"

"آپ میرا مذاق اڑانے پر کیوں تلی ہوئی ہیں خاتون۔"
طالوت نے کہا۔ میں نے طالوت کے ہونٹوں کا ساتھ دیا تھا۔

"کیوں۔ مذاق کیوں؟"

"لوگوں سے آپ کی کیا مراد ہے؟" طالوت بولا۔

"گویا آپ ایک ہیں؟"

"اور آپ کو دو نظر آرہے ہیں۔ کیوں؟" ہم نے منہ
ٹیڑھا کر کے کہا۔

"حیرت انگیز ہیں خدا کی قسم آپ۔ بے حد حیرت انگیز۔
اور بے حد پرکشش۔" ہوسٹس بولی۔

"براہ کرم دو کہہ کر میرا مذاق نہ اڑائیں۔"

"اچھا تو یہ بتا دیں۔ کہ آپ دو سیٹوں پر کیوں بیٹھے
ہیں؟"

"دو سیٹیں؟" طالوت نے حیرت سے کہا اور پھر ہم
دونوں نے گردن گھما کر ایک دوسرے کی سیٹیں دیکھیں۔

"خیر۔ خیر۔ آپ سے جیتنا بہت مشکل ہے۔ ہاں آپ
نے یہ نہیں بتایا کہ آپ روشن آباد کے باشندے ہیں؟"

"نہیں۔"

"میرے خوش سے جا رہے ہیں؟"

"ہاں۔"

"وہاں ہو گل ... ہیں گے؟"

"پہلی بار جا رہا ہوں۔"

"تب آپ گل رخ ہوٹل قیام کریں۔ بہت خوبصورت
ہوٹل ہے۔ آپ کو پسند آئے گا۔ میں بھی دو روز گل رخ میں
رکوں گی۔ آپ سے ملاقات رہے گی۔"

"بہت بہتر۔" طالوت نے گردن ہلائی۔ میں بدستور اس
کا ساتھ دے رہا تھا۔ ہوسٹس آگے بڑھ گئی۔ غالباً وہ اپنی

اتفاقیہ طور پر بہت عمدہ تفریح ہاتھ آگئی تھی۔ میں ہم
اس سے پوری طرح محظوظ ہو رہا تھا۔ راستے بھر ہم دونوں ہی
تفریح کا ذریعہ بنے رہے۔ خاص طور سے ہوسٹس جو ہم
زیادہ سے زیادہ قریب رہنے کی کوشش میں مصروف تھی۔
روشن آباد ایئرپورٹ پر اترے تو وہی ہوسٹس ہمارے پاس
آگئی۔

"کیا میں آپ کا نام پوچھ سکتی ہوں؟"

"طاؤس۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اوہ۔ اور آپ کا؟" وہ بے ساختہ میری طرف مڑی۔

"طاؤس۔ میں بتا چکا ہوں۔" میں نے متحیرانہ انداز میں
کہا۔

"اچھا اچھا۔ خیر۔" وہ جھینپ گئی "میرا نام فریدہ ہے۔
گل رخ میں آپ کو تلاش کروں گی۔"

"بہتر۔" میں نے سنجیدگی سے کہا اور پھر ہم کسٹم وغیرہ
سے فراغت حاصل کر کے باہر نکل آئے۔ ہم دونوں ابھی
تک سنجیدہ تھے۔ ٹیکسی میں بھی سنجیدہ رہے۔ طالوت نے
ٹیکسی ڈرائیور سے گل رخ چلنے کے لئے کہا تھا۔

گل رخ جیسے ہوٹل نے روشن آباد جیسی ارمیانی قسم کی
جگہ پر ہونے کی امید نہیں تھی۔ انتہائی جدید ہوٹل تھا۔ ایئر
بھرکی سہولتوں سے آراستہ۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں روم
کے ایک آراستہ کمرے میں پہنچ گئے۔ جس کی عقبی کھڑکی سے
بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیاں اور حسین میدان نظر آتے تھے۔
پورٹر کے واپس جانے کے بعد طالوت نے ایک بلند آہنگ
قہقہہ لگایا۔ اور دیر تک ہنستا رہا۔

"خیریت۔ خیریت؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہت سے قہقہے میرے پیٹ میں جمع ہو گئے تھے۔ مجھے
حیرت ہے کہ یہ تفریح پہلے ہمارے ذہن میں کیوں نہیں
آئی؟"

"اب سہی۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ایمان داری سے بتاؤ شاہی رہی۔ اچھے اچھوں کو متوجہ
کرنے کا بہترین ذریعہ۔"

"لیکن قباحت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"ہمارے چہروں کے تاثرات مختلف ہوتے ہیں۔ اور پھر
الفاظ۔ بعض جگہوں پر اندازہ نہیں ہوتا کہ کون کیا کہہ رہا
ہے؟"

"ہاں۔ میں نے محسوس کیا ہے۔ اس لئے ہمیں تھوڑی

ترمیم کرنا پڑے۔"

"مثلاً۔"

"نفی نفی۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"طاؤس۔ ایک بتا دوں۔ یعنی آدھا میں۔ آدھا تم۔ یہ
بات اس لئے ذہن میں آئی کہ اگر ہم نے محبوبائیں پالیں تو
یکجا نہیں رہ سکتے۔"

"ہوں۔" میں نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔

"اس کے علاوہ ایک اور کام ہو سکتا ہے۔ وہ یہ کہ اگر
ہم دونوں دو مختلف جگہوں پر ہوں تو ایک دوسرے کے الفاظ کا
اندازہ کیسے لگا سکیں گے۔"

"ہاں۔ متضاد گفتگو ہماری شخصیتیں الگ کر دے گی۔"

"میرے پاس اس کی ترکیب موجود ہے۔"

"کیا ہے بتاؤ۔" میں نے کہا۔ اور طالوت نے اپنی ایک
انگلی سے انگوٹھی اتار کر مجھے دے دی۔

"اسے پہن لو۔ دونوں کے خیالات' الفاظ ایک
دوسرے کو ملتے رہیں گے تم کمرے سے باہر۔ یا باتھ روم میں
جا کر اس کا تجربہ کر لو۔"

"کمال ہے۔ اچھا میں جاتا ہوں۔" اور میں باتھ روم
میں چلا گیا۔ انگوٹھی میں نے انگلی میں پہن لی اور میرے ذہن
میں طالوت کی آواز گونجی۔

"کیا خیال ہے۔ میری آواز تمہاری کانوں میں آرہی
ہے۔"

"ارے ہاں۔ مگر۔ مگر کیا یہ آواز۔ کوئی دوسرا نہیں سن
سکتا؟"

"نہیں۔ یہ صرف ذہن میں رہے گی۔"

"حیرت انگیز۔ خدا کی قسم حیرت انگیز۔ بالکل ایسا لگ
رہا ہے۔ جیسے ٹیلی فون پر گفتگو ہو رہی ہے۔"

"ہاں۔ ٹیلی فون تمہاری ایجاد ہے۔ اور سنگونا ہماری۔"

"سنگونا؟"

"ہاں۔ اس انگوٹھی کا نام سنگونا ہے۔ اب باہر نکل
آؤ۔" طالوت نے کہا اور میں باہر نکل آیا۔

"کمال کی چیز ہے۔ لیکن اس سے کتنے فاصلے پر سنا جا سکتا
ہے۔"

"دنیا کے کسی بھی حصے سے کسی بھی حصے تک۔ بہرحال
یہ کام ہو گیا۔ اب آؤ لڑکیوں کی باتیں کریں۔ مگر رکو۔ اس
سے پہلے کافی منگوا لو کافی کے دوران گفتگو کریں گے۔"

میں نے بیرے کو بلا کر کافی آرڈر دے دیا اور تھوڑی دیر
کے بعد آرڈر سرو ہو گیا۔ بہت عمدہ سروس تھی۔ طالوت نے
وہی بات کی اور پھر دلچسپ انداز میں بولا "اون گھنگھریالے والی
کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ہاں کافی تھیں۔ مگر متوجہ ایک ہی ہو رہی تھی۔"

"کیا نام بتایا تھا اس نے؟"

"فریدہ۔"

"اوہ۔ یار۔ یہاں آئے گی ضرور۔ اندازہ یہی ہوتا
تھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"پھر۔۔۔؟"

"پھر کیا؟"

"میری یا تمہاری؟ یار اس انداز میں یہ معاملہ بہت
نیرنگا ہو گیا ہے۔ ویسے ہم اسے گھستے ہی رہیں گے کیا خیال
ہے؟"

"جیسے حالات ہوں۔"

"فیصلہ نہیں ہو سکا۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔ عمدہ ہے۔ مجھے دے دو۔ پسند آئی ہے۔ تمہیں
اشارہ دے گا۔" طالوت نے گھگھیائے ہوئے انداز میں
کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔

"جلدی بتاؤ۔" طالوت میرا بازو پکڑ کر بولا۔

"ٹھیک ہے۔ تم لے لو۔ لیکن میں اپنے لئے ہونہار شی
کروں گا وہ صرف میری ہوگی۔ یہ نہیں کہ اس کے بعد تم
ادھر پھسل پڑو۔"

"حرام ہوگی میرے اوپر۔ وعدہ۔" طالوت نے جلدی
سے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی اور طالوت
خوش ہو گیا ہم دونوں کافی پیتے رہے۔ طالوت بڑی بے چینی
سے فریدہ کا منتظر تھا ویسے ہم اپنی اس اداکاری کو جاری رکھنا
چاہتے تھے اور اس کے لئے ہم مست سے پروگرام بناتے
رہے۔ رات ہو گئی تھی۔ لیکن ابھی تک فریدہ کا پتہ نہیں
تھا۔ طالوت کو کچھ مایوسی ہونے لگی۔ اس نے میری طرف
دیکھا اور بولا "کیا خیال ہے وہ آئے گی یا نہیں؟"

"ظاہر ہے میں بھی اس سے اتنا ہی واقف ہوں جتنا
تم۔"

"یار آئے گی ضرور۔ میرا یہی اندازہ ہے۔ لیکن" وہ باہر
کی فضا بھی دیکھیں۔"

"چلو۔" میں نے آمادگی ظاہر کر دی۔ اور ہم دونوں تیار

ہو۔۔۔ لگے۔ لوگ پیک سے درست ہو کر ہم نے
بیا۔ اس وقت بھی ہم دونوں کے لباس اور انداز میں سرمو
ترا نہیں تھا۔ ہم ایک ہی انداز میں لفٹ کے ذریعہ اترے
اور پھر ڈائننگ ہال میں داخل ہو گئے۔ ڈائننگ ہال پوری
طرح آباد تھا۔ چاروں طرف قہقہے ابل رہے تھے۔ ماحول بھی
بے حد رنگین تھا۔ شاید روشن آباد کے سارے امراء اور
معزز لوگ کل رخ کو ہی واحد تفریح گاہ سمجھتے تھے اور یہاں
آنا فرض خیال کرتے تھے۔ ہال میں بے شمار حسین چہرے
موجود تھے۔ بعض میزوں پر قوی ہیکل قومیں بھی نظر آئے
تھے۔ لیکن وہ بہرحال مہذب اور ہوٹلوں کے آداب کو سمجھنے
والے معلوم ہوتے تھے۔ لباس کی دوسری بات ہے۔ ظاہر
ہے یہ طبقہ ہی قابلی ہاتھ سے ملا تھا۔

ہم لوگوں کے داخلے سے ماحول پر ایک اثر پڑا۔ جن
لوگوں نے ہمیں دیکھا۔ نظر انداز نہ کر سکے۔ اور بہت سی
میزوں پر ہمارے بارے میں گفتگو ہونے لگی۔

ایک بیرا ریزرو لیک کر ہمارے پاس پہنچا تھا۔

"روم نمبر اپنی ون کی ٹیبل اس طرف ہے جناب۔
تشریف لائیے۔" اور ہم دونوں اس طرف چل پڑے۔ بہت
سی نگاہوں نے ہمارا تعاقب کیا تھا۔ میز پر بیٹھ کر طالوت نے
ہال پر نگاہ دوڑائی۔ میری گردن بھی اس کی گردن کے ساتھ
ساتھ گھوم رہی تھی۔ حتی الامکان یہی کوشش تھی کہ ہمارا
انداز ایک ہی رہے۔

اور بہت جلد ہم پورے ہال کی نگاہوں کا مرکز بن گئے۔
ویٹر نے ادب سے مینو ہمارے سامنے رکھ دیئے تھے۔ ہم نے
ایک ہی انداز میں مینو کی ورق گردانی کی۔ اور پھر ایک ہی قسم
کا آرڈر نوٹ کرایا۔ آرڈر لینے والے نے بھی یہ یکسانیت
نوٹ کی تھی۔ بہرحال جب وہ چلا گیا۔ تو نزدیک ہی کی میز سے
ایک درمیانی عمر کا آدمی اٹھ کر ہمارے پاس آیا۔ شکل و
صورت سے مہذب معلوم ہوتا تھا۔

"چند لمحات کے لئے سمع خراشی کر سکتا ہوں۔" اس نے
مہذب انداز میں کہا۔

"تشریف رکھئے۔" ہم نے بیک وقت کہا۔

"آپ دونوں کی حیرت انگیز مشابہت مجھے کھینچ لائی
ہے۔ میرا نام رانا نفیس ہے۔ روشن آباد کے نواح میں میری
جاگیر ہے۔ میں نے مشابہت تو دیکھی ہے۔ لیکن ایسی حیرت
انگیز نہیں۔ آپ کے انداز بھی یکساں ہیں۔" اس نے کرسی
پر بیٹھتے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے ایک گہری سانس لی۔

"یقیناً آپ دونوں آپس میں بھائی ہیں؟"

میر صاحب کی عرب سے ہم: طالوت نے اور
اس وقت میں نے صرف ہونٹ ہلائے تھے۔ ویسے یہ حیرت
انگیز بات تھی کہ طالوت جو بولنے والا تھا وہی میرے دہن
میں گونجے تھے۔ بہرحال سنگوما کا حیرت انگیز کمال ظاہر ہو
تھا اور اب میں اعتماد سے کام کر سکتا تھا۔

"میں نہیں سمجھا۔" آنے والے نے حیرت سے کہا۔

"دنیا والے مجھے جن کیوں سمجھتے ہیں۔ میں تنہا ہوں۔
اکیلا ہوں۔ لیکن۔ لیکن؟" اس بار میں نے پورے اطمینان
کے ساتھ طالوت سے آواز ملائی تھی۔ اور اس کا منہ حیرت
سے کھل گیا۔

"اوہ یہ صاحب۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔ ہم
دونوں نے گہری سانس لی تھی۔

"یہ معمہ کبھی حل نہ ہو سکے گا۔" ہم نے کہا۔

"آپ لوگ مذاق کر رہے ہیں۔"

"براہ کرم کوئی نئی بات کریں۔ جو بھی مطلب مجھ سے اسی
قسم کی گفتگو کرتا ہے۔ آخر میں دنیا والوں کو دوہرا کیوں نظر
آتا ہوں۔ ایک آدھ شخص کی بات ہو تو اسے مخبوط الحواس
بھی سمجھا جائے۔"

"تو کیا۔ تو کیا۔ کہ میرا مطلب ہے۔ آپ دونوں اپنے
وجود کو الگ الگ نہیں سمجھتے۔"

"اگر آپ کو ایک کے دو نظر آتے ہیں تو میں کیا کر سکتا
ہوں۔" ہم دونوں نے خشک لہجے میں کہا۔

"لیکن۔ لیکن۔"

"براہ کرم۔ مجھے افسوس ہے کہ میں بد اخلاقی کا ثبوت
دے رہا ہوں۔ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ یہ بات
اب میرے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔" ہم نے فیصلے
لہجے میں کہا۔

"کمال ہے۔ خدا کی قسم کمال ہے۔ آپ کی آوازیں بھی
یکساں ہیں۔ ایک ہی لفظ بیک وقت آپ کے منہ سے نکلتا
ہے۔ آپ کے تاثرات بھی یکساں ہوتے ہیں۔"

"ویٹر۔" ہم نے ویٹر کو آواز دی اور وہ جلدی سے اٹھ
گیا۔ ویٹر ہمارے پاس آیا تھا "پانی لاؤ۔" ہم نے کہا اور ویٹر
چلا گیا۔ لیکن دوسری لمحے طالوت ہونٹوں ہی ہونٹوں میں
بڑبڑایا "ارے ستیاناس۔"

"کیوں۔؟" میں نے گردن جھکائے جھکائے کہا۔

"ذرا دیکھو تو۔ وہ کہاں گیا ہے؟"

"کون؟"

"وہی جو ہمارے پاس بیٹھا تھا۔" طالوت نے کہا اور ہم

نے ایک ساتھ جھکی ہوئی گردنیں اٹھائیں۔ وہ آدمی جس میز پر
گیا تھا۔ وہاں تین خوبصورت لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

"چوک ہو گئی پیارے طالوت۔" میں نے آہستہ سے
کہا۔

"ہاں۔ چوک ہو گئی۔ لیکن ہم اسے اٹھتے ہوئے بھی تو
نہیں دیکھ سکے تھے۔ بہرحال کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے
اپنی بد اخلاقی کی معذرت کر لیں گے۔"

"کرنا ہی پڑے گی۔ لڑکیاں بہت خوبصورت ہیں۔" ویٹر
نے دو گلاس پانی لا کر رکھ دیا اور ہم نے بیک وقت گلاس
اٹھا لئے اور پھر پانی پی کر ایک ساتھ گلاس رکھے۔

"طالوت۔" میں آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔"

"ایک وقت اور پیش آ سکتی ہے۔"

"کیا؟"

"اگر کسی نے ہمارا امتحان لینے کے لئے ہمارے سامنے
ایک چیز سرکی جیسے یہ پانی کا گلاس۔ تب کیا ہو گا۔؟"

"ہوں۔ سوال عمدہ ہے۔ اچھا ہوا جو پہلے سے سوچ لیا۔
اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔"

"کیا بندوبست ہو گا؟"

"راسم زندہ باد۔ اس سے آگے جب کوئی واقعہ پیش
آئے تو دیکھ لینا۔" طالوت نے کہا اور میں طالوت کی بات پر
غور کرنے لگا۔ مجھے اندازہ تھا کہ طالوت کے لئے کوئی الجھن
الجھن نہیں ہے۔ ہماری نگاہ پھر ان لڑکیوں پر جا پڑی جو اس
شخص کے ساتھ تھیں جسے ہم نے بے وقوف بنا کر روانہ کر دیا
تھا۔

ابھی ہم اس کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ
اچانک طالوت چونک پڑا۔ "عارف" اس نے آہستہ سے
کہا۔

"ہوں۔" میں نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"فریدہ؟"

"اوہ۔" میں نے گردن اٹھائی۔ ہال کے دروازے سے
فریدہ اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس نے چاروں طرف نگاہ
دوڑائی اور ہم پر نگاہ پڑتے ہی تیزی سے ہماری طرف آئی۔
اس وقت وہ یونیفارم میں نہیں تھی۔ بلکہ ایک جگمگاتی
ساڑھی میں خاصی خوبصورت نظر آ رہی تھی۔

"ہیلو۔" وہ قریب آ کر بے تکلفی سے بولی۔

"ہیلو۔" ہم دونوں نے بیک وقت کہا اور وہ ہنستی ہوئی
کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے گردن گھما کر چاروں طرف
دیکھا اور پھر اسی انداز میں ہنستے ہوئے بولی۔

"تو میرا اندازہ درست تھا۔ آپ لوگوں نے پورے
ہوٹل کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔ میرا خیال ہے اس وقت ہر
نگاہ آپ پر ہے؟"

"محترمہ فریدہ۔ کیا آپ اس وقت بھی میری دل آزاری
سے باز نہیں آئیں گی؟" ہم نے بیک وقت کہا اور فریدہ
سنجیدہ ہو کر غور سے ہمیں دیکھنے لگی۔

"ایک بات عرض کروں؟" اس نے پوری سنجیدگی سے
کہا۔

"فرمائیے۔ فرمائیے۔" ہم نے کہا۔

"ملازمت پیشہ ہوں۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ ڈیوٹی
ہی کے حساب سے صرف دو دن یہاں قیام کرتا ہے۔ اس کے
بعد چلی جاؤں گی اور پھر کون جانے زندگی کے کس حصے میں
ملاقات ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ چنانچہ اگر ممکن ہو تو تھوڑی دیر
کے لئے خود میں۔ اپنی دوستی میں شریک کر لیں۔ کیا حرج ہے
وقت اچھا گزر جائے گا۔"

"میں نہیں سمجھا۔" ہم نے اسی انداز میں کہا۔

"تو سنئے۔ میرا قیام بھی کل رخ میں ہے۔ روم نمبر ایک
سو آٹھ۔ اگر اپنا فیصلہ بدل لیں اور مجھے دوستوں میں شامل
کر سکیں تو مجھے پکار لیں۔" وہ کرسی کھسکا کر کھڑی ہو گئی۔

"ارے۔ ارے۔ تشریف تو رکھیے مس فریدہ بیٹھئے
بیٹھئے۔ آخر اس ناراضگی کی وجہ؟" اس بار بھی میں نے
طالوت کا ٹہل ساتھ دیا تھا۔

وہ رک گئی۔ اور پھر اس نے میز پر ہاتھ رکھ کر آگے جھکتے
ہوئے کہا "سنئے حضرات۔ نہ یہ دیو مالائی دور ہے نہ میں
پاگل۔ ہاں اس فن کی داد ضرور دوں گی۔ آپ لوگوں کے
چہرے، قد و قامت، انداز یہاں تک کہ آواز اور چہرے کے
تاثرات اس قدر یکساں ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے اور
پھر آپ لوگوں نے الفاظ کے سلسلے میں جو تعاون کیا ہے، جس
طرح آپ ایک دوسرے کا مافی الضمیر سمجھ لیتے ہیں۔ یہ دنیا کا
سب سے حیرت انگیز فن ہے۔ لیکن اس کے باوجود میں
آپ کو ایک نہیں سمجھ سکتی، کیونکہ میری دونوں آنکھوں کی
بینائی درست ہے۔"

"آپ تشریف تو رکھئے۔" طالوت نے اور میں نے بیک
وقت کہا۔

"اس وقت تک نہیں۔ جب تک آپ میں سے ایک
مجھے بیٹھنے کے لئے نہ کہے۔"

"ہاتھ سے جا رہی ہے بینا؟" طالوت نے خیالات میرے

ذہن میں گونجے۔

"پھر؟" میں نے بھی خیالات کی زبان میں کہا۔

"مجھے پسند ہے۔ ممکن ہے ممکن بن جائے۔"

"رو کو پھر۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ یہ صحیح ہے۔" طالوت نے کہا اور اس بار صرف اس نے ہی فریدہ کو مخاطب کیا "تشریف رکھئے محترمہ۔" میں خاموش رہا تھا۔

فریدہ نے میری طرف دیکھا۔ پھر مسکراتی ہوئی بیٹھ گئی "اپنی کامیابی پر نہیں۔ خوش بختی پر مسرور ہوں۔ آپ لوگوں کی دوستی میرے لئے بہت قیمتی ہے۔" اس نے کہا۔

"طاؤس بنا دو۔" طالوت نے مجھے پکارا۔

"کیا بات ہے طاؤس بنا ایک۔" میں نے مردہ سی آواز میں کہا۔

"خاتون فریدہ کے لئے کچھ منگواؤ۔"

"یہاں نہیں۔ اپنے کمرے میں۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" فریدہ نے کہا اور ہم تینوں اٹھ گئے۔ میں نے حسرت بھری نگاہوں سے بوڑھے کی سیاہی لڑکیوں کو دیکھا تھا' جو اب بھی ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔ کافی خوبصورت لڑکیاں تھیں' لیکن کام بگڑ گیا۔ طالوت کی خود غرضی پر مجھے غصہ بھی آ رہا تھا۔ کمبخت ایک دم پھیل گیا۔ ہمارے سارے پروگرام رکھے رہ گئے۔

بہرحال ہم اپنے کمرے میں آ گئے اور یہاں ہم نے ویٹر کو بلا کر کھانے پینے کی چند چیزوں کا آرڈر دیا۔ فریدہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ کمرے کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ویسے یہ حقیقت ہے کہ اس کا دلچسپ اور متحیر کن انداز لوگوں کو پاگل پن کی حد تک حیران کر دیتا ہے۔ میری ساتھی ہوسٹسیں سخت حیران تھیں۔ بلکہ کل تو مرعوب بھی تھیں آپ پر۔ کہہ رہی تھیں' کاش اس کا اسٹے بھی روشن آباد میں ہوتا۔ کیوں؟"

"ہاں۔ یہ سونی گل۔ وہ جس نے سیٹوں کی جانب آپ کی رہنمائی کی تھی۔" "اوہ۔"

"آپ واقعی بے حد پرکشش اور بڑی پراسرار شخصیت کے مالک ہیں اور پھر۔ لیکن اب عمل تعارف ہونا چاہئے۔ کیا آپ دونوں بھائی ہیں؟"

"نہیں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "صرف دوست!"

"قطعی نہیں۔ ہماری دوستی ہم شکل ہونے کی بنا پر ہوئی ہے۔"

"آپ لوگوں کے نام کیا ہیں؟"

"طاؤس بنا ایک۔ طاؤس بنا دو۔"

"پھر شرارت؟" وہ پیار بھری نگاہوں سے طالوت کو دیکھتے ہوئے بولی اور طالوت کے خیالات سنگوٹا کے زہریلے میرے ذہن میں گونجے۔

"معاف کرو عارف۔ بس ایک بار معاف کر دو۔ اب نہیں کروں گا۔ تم لے لے اب نہیں کروں گا۔" اور مجھے ہنسی آ گئی۔ مجھے ہنستا دیکھ کر طالوت نے اطمینان کی سانس لی تھی۔

"یقین نہیں کرتیں تو پھر آپ جس نام سے چاہیں پکاریں۔"

"چلئے میرا کیا ہے' جو آپ پسند کریں۔" فریدہ ہنستے ہوئے بولی۔

"ہم تو آپ کو پسند کرتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"اس کے لئے شکر گزار ہوں۔ لیکن نمبر ایک یا نمبر دو؟" اس نے کہا۔

"میں نمبر ایک ہوں۔"

"تو پھر میں گئے نا۔" اس بار فریدہ نے میری طرف دیکھا اور میں نے چہرہ سپاٹ کر لیا۔ ویٹر ہمارے آرڈر کا سامان لے آیا تھا۔ چنانچہ کھانے پینے کا دور شروع ہو گیا۔ فریدہ خاصی باذوق اور بذلہ سنج تھی۔ اس نے پتہ بھی بتایا اور کہا کہ اگر کبھی اس کے یہاں آئیں تو اسے مسرت ہو گی۔

ہم گفتگو کرتے رہے اور فریدہ بے تکلف ہوتی گئی' ہم اسے خول رہے تھے اور اندازہ ہوا کہ وہ زندگی میں ہر تفریح کی قائل ہے۔

"میں تو آوارہ ہوں۔ آج یہاں۔ کل وہاں۔ پرخطر زندگی گزارتی ہوں۔ اس لئے زندگی کو تمام قیود سے آزاد کر دیا۔ بس جہاں خوشی ملی اپنا لی۔" اس نے دوران گفتگو کہا۔ اور طالوت نے گہری نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔

"طاؤس بنا دو کو اجازت دے دیں مس فریدہ۔" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ کہاں؟"

"بس رات کو بارہ بجے کے بعد میں آوارہ گردی کرتا ہوں۔"

"میں اپنے کمرے میں ہی سوؤں گی۔ وہ بھی فل روم

ہے۔ اگر آپ پسند کریں تو آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔" اس نے طالوت کو دعوت دی "اس طرح میری مشکل آسان ہو جائے گی۔" میں نے جلدی سے کہا اور طالوت نے شکر گزار نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"تب اجازت۔ وقت بھی کافی ہو گیا ہے۔" وہ کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کو دیکھ کر بولی۔

وہ دونوں کمرے سے نکل گئے اور میں تنہا رہ گیا۔ ٹھیک ہے۔ لڑکی نے خود دعوت دی ہے تو میں ان کی راہ میں روڑا کیوں بنوں۔ لیکن یہ رات۔ میری یہ رات تنہا کیوں رہے۔ پھر۔ پھر۔ کیا کرنا چاہئے۔ ان لوگوں کے جانے کے بعد کافی دیر تک میں یہی سوچتا رہا۔ لیکن کوئی بات ذہن میں نہیں آئی۔

پھر یہی فیصلہ کیا سونے کی کوشش کروں۔ اور میں لباس تبدیل کر کے سونے لیٹ گیا۔ آج پھر پرانے خیالات ذہن کے پردے پر ابھر آئے تھے۔ بہت کچھ یاد آیا۔ انجیلا' روزینہ' شمنا' نرگس رحمانی' سیمیں' نوری اور پھر وہ لڑکیاں جو شیکھر نے مجھے پیش کی تھیں۔ کیسے متضاد کردار تھے۔ کیسی کیسی انوکھی فطرت کے مالک تھے یہ سب۔

زندگی کا ہر پہلو دیکھ چکا تھا' کیسے پسند کروں' کیسے ناپسند۔ کبھی کبھی پاکیزگی پورے قوت سے ابھر آتی تھی اور میں خود کو غلاظت کے ڈھیر میں ملوث سمجھتا۔ زندگی کیا ہے؟ خواہشات کے کتنے مدفن میرے سامنے آئے؟ ہو پائے وہ اپنا ہے۔ جو کھو دے وہ خیال ہے۔ نیکیاں' پاکیزگی' سب حالات کے تحت ہیں۔ انسان نیک بننا چاہتا ہے۔ نہیں بن سکتا۔ پاکیزگی اپنانا چاہتا ہے۔ نہیں اپنا سکتا۔ حالات اس کے لئے کچھ اور راستے متعین کرتے ہیں۔ اپنانے پڑتے ہیں وہ راستے۔ ورنہ راہیں ناہموار ہو جاتی ہیں۔ کبھی بلندیاں' کبھی پستیاں۔ اعتماد کھو جاتا ہے۔ ہر قدم خوف کا قدم ہوتا ہے۔ ہاں وقت جو کہے۔ وہی ہوتا ہے۔

طالوت۔ میری قسمت کا راہبر۔ اس نے میرے لئے منزلیں متعین کیں۔ ورنہ۔ ورنہ۔ میری قسمت میں کوٹھری کے علاوہ اور کچھ نہ تھی۔ اگر حقیقت پر نگاہ دوڑائی جائے۔ تو میں کیا تھا۔ کچھ نہیں۔ صرف طالوت کا دست نگر۔ اسی نے قدم قدم پر میری زندگی بچائی تھی۔

ذہن انہی اوٹ پٹانگ خیالات میں غنودہ ہو گیا اور پھر نیند آ گئی۔ گہری نیند۔ لیکن۔ نہ جانے کتنی دیر سویا ہوں گا کہ کسی نے جھنجھوڑ دیا۔

"عارف۔ عارف۔" طالوت کی آواز ابھری اور ذہن بیدار ہو گیا۔

"خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"سب خیریت ہے۔ اٹھو یار۔" طالوت نے کہا اور میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی کافی رات باقی تھی۔ نہ جانے رات کا کونسا پہر تھا۔

"کیا بات ہے۔ تم واپس کیوں چلے آئے؟"

"معاہدے کے تحت۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"بہت عرصے کی بات ہے۔ لیکن ہمارے درمیان ایک معاہدہ ہوا تھا؟"

"مجھے یاد نہیں آ رہا۔"

"ہم نے طے کیا تھا کہ اگر کوئی لڑکی پاکباز نہ ہو۔ میرا مطلب ہے ایک مرد کی لڑکی ہو۔ تب شخصیتیں بدل جانے پر کوئی اعتراض نہ ہو گا۔ ہم دونوں کے لئے جائز ہے۔ اور ہم نے زرینہ کے سلسلے میں۔ اس وعدے کا ایفا بھی کیا تھا۔"

"اوہ۔ ہاں۔ پھر؟"

"فریدہ بھی زرینہ ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس نے شراب طلب کی تھی۔"

"اوہ۔"

"اور اب نشے سے نڈھال پڑی ہے۔"

"اوہ۔" میں نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"اس کے بعد میں اس کی عزت کیسے کروں؟"

"میں نہیں سمجھا طالوت؟" میں نے پریشانی سے کہا۔

"طاؤس بنا دو۔ بقیہ رات تم اس کے ساتھ گزارو گے۔"

"اوہ۔" میں اچھل پڑا۔

"اب وہ نشے میں بھی نہیں ہے کہ طاؤس بنا ایک اور طاؤس بنا دو میں تمیز کر سکے۔ صبح تم طاؤس بنا ایک کہلاؤ گے۔" طالوت نے مختصر خیز انداز میں کہا۔

"خوب۔ طاؤس بنا ایک کو اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے؟"

"قطعی نہیں۔ ہم تو کردار کے پرستار ہیں۔ اگر وہ فطری طور پر ٹھیک ہوتی تو۔ تم جانتے ہو۔"

"او کے ڈیئر۔ میں تمہاری اس پیشکش سے انکار نہیں کروں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔ طالوت نے مجھے فریدہ کے کمرے کا پتہ بتایا اور تھوڑی دیر کے بعد میں فریدہ کے کمرے کے دروازے پر تھا۔ طالوت دروازہ بھڑا ہوا چھوڑ آیا تھا۔ فریدہ بے سدھ مسہری پر پڑی تھی۔ نزدیک کی میز پر شراب کی بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔

لیکن صرف ایک گلاس کے چند ہی سپ میں شراب کا شان تھا۔ میرے ذہن میں ذہنیاں رینگنے لگیں۔ درحقیقت زندگی پر اتنے واقعات چھا گئے تھے کہ فطرت بھول بھلیوں میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ عورت کی اتنی شکلیں سامنے آئی تھیں کہ اس کی اصلیت ذہن سے محو ہو گئی تھی۔

نوری اور سیمیں یاد آئیں۔ دوسری لڑکیاں بھی یاد آئیں۔ کون نوری نے اور کون زرینہ۔ تمیز مشکل ہو جاتی تھی۔ لیکن یہ تو زرینہ بھی نہیں ہے۔ زرینہ دولت کی خواہش مند تھی۔ اور۔ یہ۔ یہ صرف تفریح پسند۔ یہ ان دونوں سے مختلف ہے۔ یہ تیسری شخصیت کی حامل ہے۔ لیکن جوان ہے۔ خوبصورت ہے۔ اور۔ اور۔ میں اس کے نزدیک بیٹھ گیا۔

عورت کے حسین نقوش تیز آندھی کی طرح ذہن پر چھا گئے۔ سب کچھ بھول گیا۔

اور میں صرف ایک عام انسان رہ گیا۔ ایک معمولی آدمی۔ جو صرف ہوس کا غلام ہوتا ہے۔

دوسری صبح طبیعت پر عجیب سا بار تھا۔ ذہن اس ماحول کو قبول نہیں کر رہا تھا۔ یہ سب کچھ۔ یہ سب انفرادیت تو نہیں رکھتا۔ آدمی کی ضرورت تو بہت کچھ ہے۔ بعض ضرورتوں کے لئے اسے معیار سے گرنا پڑتا ہے اور وہ ضرورت ٹالی بھی جا سکتی ہے۔ اس بار طالوت کی وجہ سے گڑبڑ ہو گئی تھی۔ وہ فریدہ پر اس طرح مرمٹا تھا کہ اس نے پورا پروگرام چوپٹ کر دیا تھا۔ ورنہ طاؤس بنا ایک اور طاؤس بنا دیتا۔ انتقامی دلچسپ حیثیت رکھتے تھے۔

"ہوں۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"تم بھی غسل کر لو۔ پکیسو انتظار کر رہا ہو گا۔"

فریدہ کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو گا کہ راتوں رات کیا ہو چکا ہے۔ بہرحال میں خاموشی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ نہانے کے بعد بھی خوشی نہ ہوئی۔

اور یہ کیفیت طالوت کے سامنے بھی برقرار رہی۔ فریدہ میرے ساتھ ہی طالوت کے کمرے میں داخل ہوئی تھی "ہیلو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو۔" فریدہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔ لیکن طالوت میرا چہرہ دیکھ کر چونک پڑا تھا۔ تاہم اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔

"ناشتہ منگوایا جائے؟"

"ہاں۔ میں سخت بھوکی ہوں۔" فریدہ نے جلدی سے جواب دیا اور طالوت نے بیرے کو بلانے کے لئے گھنٹی بجا دی۔ بیرے کو ناشتے کا آرڈر دے کر ہم سب آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ فریدہ کی پیشانی پر ایک شکن بھی نہیں تھی۔ وہ اسی طرح بشاش بشاش تھی۔

"آج کیا پروگرام رہے گا۔؟" ناشتہ کرتے ہوئے فریدہ نے پوچھا۔

"جو تم پسند کرو۔" میں نے جواب دیا۔

"مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے۔ اس کے بعد ایک گھنٹے کے لئے معذرت چاہوں گی، کچھ کام ہے۔ ہاں شام ساتھ گزاریں گی۔"

"ٹھیک ہے۔"

"کیا تم میرے ساتھ شاپنگ کرنے نہیں چلو گے ڈارلنگ۔" فریدہ نے بے تابی سے کہا۔

"ہم دونوں ہی چلیں گے۔" طالوت جلدی سے بول پڑا اور فریدہ ہنسنے لگی۔

"کیوں؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم دونوں پر۔ ہنس رہی ہوں۔ آج رات اور یہاں رہ گئی تو آپ لوگوں کے نام بھی پوچھ لوں گی۔"

"اوہ۔" طالوت مسکرانے لگا۔ لیکن اس کی مسکراہٹ میں پھیکا پن تھا۔ غالباً فریدہ کے جملوں نے اسے بھی اپنے ہلکے پن کا احساس دلا دیا تھا۔ ناشتے کے بعد ہم لوگ تھوڑی دیر تک گفتگو کرتے رہے اور پھر باہر جانے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ فریدہ تیار ہو کر آئی تھی۔ ہم چل پڑے ایک ٹیکسی کر کے ہم بازار پہنچے اور پھر طالوت نے فریدہ کی پسند کی ہر چیز خرید دی۔ خاصی لمبی شاپنگ ہوئی تھی، جو فریدہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ وہ بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔

شاپنگ کرنے کے بعد طالوت نے فریدہ سے کہا "اب کیا پروگرام ہے مس فریدہ؟"

"بس یہاں سے ہوٹل چلیں گے۔ پھر میں ذرا کام سے جاؤں گی۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ ہمیں یہاں اجازت دے دیں اور اس کے بعد ہم لوگ اس وقت ملاقات کریں جب آپ واپس آ چکی ہوں۔ دراصل ہمیں بھی کچھ کام ہے۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کیا حرج ہے۔ میں ٹیکسی کر کے چلی جاتی ہوں۔" اس نے کہا اور پھر وہ ایک ٹیکسی روک کر اس میں بیٹھتے ہوئے بولی "میں چار بجے تک واپس پہنچ جاؤں گی ڈارلنگ۔"

اور ہم دونوں نے بادل نخواستہ گردن ہلا دی۔ جب اس کی ٹیکسی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ تو طالوت نے چاروں طرف دیکھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک ریستوران کا بورڈ نظر

آ رہا تھا۔

"ہم ریستوران میں بیٹھیں گے عارف۔" طالوت نے کہا اور میں خاموشی کے ساتھ ریستوران کی طرف بڑھ گیا۔ ریستوران کے ایک الگ تھلگ کیبن میں بیٹھ کر طالوت نے ایک مشروب کا آرڈر دیا اور پھر دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر میری طرف غور سے دیکھنے لگا۔

"سنگونا اتار دو عارف۔ اس وقت ہم اس کے بغیر گفتگو کریں گے۔" طالوت نے کہا اور میں نے خاموشی سے انگوٹھی اتار دی۔ انگوٹھی میز پر رکھ کر میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔

"تم غیر معمولی طور پر خاموش ہو۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہاں طالوت۔ اس وقت صاف گفتگو پسند کروں گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں۔"

"تو پہلے معاف کر دو۔ اس کے بعد بات کریں گے۔" طالوت نے بڑے خلوص سے کہا۔

"میں تمہاری پُرخلوص دوستی پر ناز کرتا ہوں طالوت۔ اس لئے اس وقت اپنی حیثیت نظر انداز کر کے ایک دوست کی حیثیت سے تم سے گفتگو کروں گا۔" میں نے کہا۔

"تمہیں یہی کرنا چاہئے عارف۔"

"کیا اچانک ہمارے ضمیر پر کوئی زخم نہیں لگا ہے طالوت۔"

"کہتے رہو۔ میں سن رہا ہوں۔"

"میری پوری زندگی تمہارے سامنے ہے طالوت۔ میں پارسا نہیں ہوں۔ بلکہ ایک عورت کی وجہ سے میں اپنی پوری زندگی تباہ کر بیٹھا تھا۔ اس کے بعد بھی اس عورت سے دور نہ رہا؟ تمہیں تفصیل بتانے سے کیا فائدہ۔ کونسا پہلو تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ ہے۔"

"یقیناً۔ لیکن جو کچھ کہنا چاہتے ہو جلدی کہہ ڈالو۔" طالوت نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"جب ہم اس کے سامنے ایک انوکھی حیثیت میں آئے تھے تو خود کس قدر مسرور تھے اور وہ سب کتنی حیرت زدہ تھیں۔ لیکن اس کی وجہ سے۔ ایک عورت کی وجہ سے ہماری کوئی انفرادیت نہیں رہی۔ نہ اپنی نگاہ میں۔ نہ اس کی نگاہ میں۔"

"ہاں۔ مجھے اس کا احساس ہے۔"

"اس کے ساتھ ہی ہمارے، میرے ضمیر پر ایک بوجھ سا ہے۔ کیا ہم وہی ہیں۔ جس نے سیمیں اور نوری کو بہن بنایا تھا۔ دراصل میں نے روشیلا کے بارے میں تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ ایک انتقامی کیفیت بھی تھی۔ لیکن فریدہ کے ساتھ گزری ہوئی رات مجھے پسند نہیں آئی۔ اور پھر فریدہ کا انداز۔ اس کے الفاظ۔"

"ہاں یار۔ پسند تو مجھے بھی نہیں آئے۔" طالوت نے سر جھکا کر کہا "ہم دوسری رات اس کے ساتھ نہیں گزاریں گے طالوت۔"

"بس نہیں گزاریں گے۔"

"اور ہم ایسی رات کہیں بھی نہیں گزاریں گے جہاں ضمیر پر ایسا بوجھ آ گرے۔ یوں ہم انسان ہیں۔ اور ہر انسان ہر ضرورت کا غلام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بس اس کے بعد اور کچھ نہ کہو۔ بتاؤ۔ کیا پروگرام ہے۔" "شکریہ میرے دوست۔"

"فضول۔ بکواس۔ میں نے حماقت کی ہے۔ مجھے احساس ہے بس اب جانے دو۔ میری رائے ہے کہ ہم روشن آباد چھوڑ دیں۔"

"میری بھی یہی رائے ہے۔"

"تب پھر میرے کو دیکھ کر بل ادا کرو۔"

"لیکن اس طرح کیسے ممکن ہے۔ کچھ انتظامات بھی تو کرنے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"پہاڑوں کے سفر پر روانہ ہونا ہے۔ پیدل تو نہیں چلیں گے۔"

"راسم انتظامات کرے گا۔ روشن آباد کا گناہ مجھے شدید محسوس ہو رہا ہے۔"

"تمہاری مرضی اور ہوٹل کا سامان وغیرہ۔"

"ایسے تو سامان کی کوئی کمی نہیں ہے۔" طالوت نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا اور میں ہنسنے لگا۔ پھر میں نے بیرے کو بلا کر بل ادا کیا اور ہم یہاں سے نکل آئے۔

"آگے کے لئے نقشوں کی ضرورت ہو گی۔ کیا تم ان علاقوں کو پہچان لو گے۔ جہاں تم پہلے بھی ہو آئے ہو؟"

"اس کی ضرورت نہیں۔ کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ بس تم روشن آباد چھوڑ دو۔" طالوت کے سر پر دھن سوار ہو گئی تھی۔

"تب پھر آؤ اور آواز دو راسم کو۔"

"کیا تم ہماری ضرورتیں سمجھ سکتے ہو راسم؟" طالوت نے دائیں طرف رخ کر کے کہا۔

"آقا۔" راسم کی آواز سنائی دی۔ اور میں نے حیرت

سے چاروں طرف دیکھا۔ اس وقت راسم نظر نہیں آرہا تھا۔
"ہمیں تمام چیزیں کسی مناسب جگہ دفن کر دینی چاہئیں۔" راسم نے جواب دیا۔
"ٹھیک ہے۔ ہم پہنچ رہے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا اور راسم خاموش ہو گیا۔ میں حیرت سے یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "آؤ ٹیکسی تلاش کریں۔"
"تمہارا ہر قدم عجیب اور معقول ہوتا ہے۔"
"بس روشن آباد ابھی چھوڑ دیں گے۔ واقعی یہاں بڑی بے وقوفی ہوئی ہے۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میں دل سے اس شخص کا قدر دان تھا۔ ورنہ وہ صاحب اختیار تھا۔ خشک انداز میں مجھ سے کہہ سکتا تھا کہ اپنے کام سے کام رکھوں۔ اس کے معاملات میں دخل نہ دوں۔ لیکن طالوت۔ وہ ایک قابل قدر ہستی تھا۔
"ہم نے تھوڑی دور آکر ایک ٹیکسی پکڑی اور اس میں بیٹھ گئے۔ "ڈریسا۔" طالوت نے ڈرائیور سے کہا۔ اور ڈرائیور نے گردن موڑ کر ہم دونوں کو دیکھا۔ بہرحال اس نے ٹیکسی آگے بڑھا دی تھی۔
خوبصورت وادیوں اور حسین مناظر کا شہر روشن آباد ہمیں راس نہیں آیا تھا اور اسے چھوڑنے کا فیصلہ بروقت تھا۔ ٹیکسی دوڑتی رہی۔ ڈریسا بہت دور تھا۔ ڈرائیور بھی وہاں جانے سے خوش نہیں تھا۔ لیکن بہرحال اس نے کچھ کہا نہیں تھا اور درحقیقت وہ آبادی کا آخری سرا ثابت ہوا۔ یہاں کچی جھونپڑیوں پر مشتمل ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ سامنے ہی ایک قہوہ خانہ نظر آرہا تھا جو شجر کے سائبان کے نیچے تھا۔
طالوت نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ڈرائیور کو کچھ رقم دی اور ڈرائیور کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ "تم یہاں سے خالی جاؤ گے دوست رکھ لو۔" طالوت نے کہا اور اس نے نیچے اتر کر ہم دونوں سے مصافحہ کیا۔
"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم قہوہ خانے کی طرف بڑھ گئے۔ قہوہ خانے میں بہت سے قبائلی بیٹھکوں اور چارپائیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم بھی ان ہی کے سے انداز میں بیٹھ گئے۔ لیکن ہمارے لباس دوسروں سے مختلف تھے۔ اس لئے سب کے سب حیرت سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔
ہم نے قہوہ طلب کیا اور قہوہ خانے کا بوڑھا لیکن تندرست و توانا مالک صاف ستھرے برتنوں میں قہوہ لے کر خود ہمارے پاس آیا۔

"سب خیریت ہے صاحب!" اس نے پوچھا۔
"ہاں خان بابا۔"
"ہمارا مہمان ہے۔ یہ۔ اچھا دا قہوہ بنایا تم نے۔ اس واسطے شکریہ وسفید بوڑھے نے کہا۔
"شکریہ۔ آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں تو لطف آئے گا۔"
"چہ۔ نہیں خان۔" بوڑھے خان نے لڑکے کو آواز دی۔ "ایک پیالی اور لاؤ۔" اور قہوہ خانے کا بوڑھا مالک ہمارے ساتھ شریک ہو گیا۔ "ادھر سیر کرنے آیا صاب؟" اس نے قہوے کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں۔ خان۔ ہم ان پہاڑوں کے دوسری طرف جائیں گے۔"
"پہاڑوں کے دوسری طرف۔" اچانک بوڑھا قہوے کی پیالی منہ تک لے جاتے لے جاتے رک گیا۔
"ہاں۔ کیوں؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔
"ادھر مت جاؤ صاب۔ وہ ٹھیر کا جگہ نہیں ہے۔" بوڑھے خان نے مشورہ دیا۔
"کیوں خان بابا۔ ادھر کیا بات ہے۔"
"وہ خیر۔ اقہ ہے۔ ادھر کا لوگ ادھر کے لوگ کو پسند نہیں کرتا۔"
"ہم ان کے مہمان بن جائیں گے۔" میں نے کہا۔
"وہ لوگ اجنبی لوگوں کو مہمان بنانا پسند نہیں کرتا۔ ادھر انسان کا زندگی کچھ نہیں۔" بوڑھے خان نے کہا۔
"کیا ادھر کے لوگ بہت خونخوار ہیں خان بابا۔" طالوت نے پوچھا۔
"غیرت مند لوگ ہے اپنے پار۔ میں کسی کو ٹھیک جانے دیتا۔"
"اگر وہ غیرت مند ہیں خان بابا۔ تو ہمیں ان سے ڈر کا خطرہ نہیں ہے۔ غیرت مند اپنے مہمان کو نہیں مارتے۔"
"او بابا۔ خدا کا قسم باز آجاؤ۔ ہمارا جوان بیٹا اوس کا شکار ہو گیا اور ہم بوڑھا آدمی اکیلا رہ گیا۔ ہمارے بازو کا قوت ختم ہو گیا۔ ورنہ ہم بھی ایک بار ادھر ضرور جاتا اور اپنے بیٹوں کا انتقام لیتا۔"
"ارے۔" طالوت کے منہ سے نکلا۔ اس نے بوڑھے کے سرخ و سفید چہرے کو دیکھا جس پر غم کی پرچھائیاں رقصاں کر رہی تھیں۔ پھر اس نے میری طرف دیکھا اور پھر بوڑھے سے بولا۔
"تمہارا اور کوئی بیٹا نہیں ہے خان بابا؟"

"اوئے خدائی خوار۔ اور بیٹا ہوتا تو ہم ادھر آتا۔ بیٹا۔ چہ خدا کا قسم بندوق لے کر ادھر جاتا اور اپنے بیٹوں کے قاتل کا خانہ خراب کرتا۔ خان نے پرجوش انداز میں کہا۔ میں نے گھبرا کر طالوت کی شکل دیکھی۔ طالوت کے چہرے کے تاثرات کچھ اور ہی کہہ رہے تھے۔
"خان صاحب۔ اگر خدا آپ کو دو بیٹے دے دے تو کیا آپ اپنے بیٹوں کا انتقام لیں گے۔"
"چہ خانہ خراب۔ کیا بات کرتا۔ ابھی ہم بوڑھا ہو گیا۔ ہمارا بی بی بھی بوڑھا ہو گیا۔ اب بیٹا کدھر سے آئیں گا۔"
"ہمیں اپنا بیٹا بنا لیں خان صاحب۔ ہم آپ کے بیٹے ہیں۔" طالوت نے کہا بوڑھا خان چونک کر ہمیں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں نمی آگئی۔
"چہ خدا تم لوگ کو خوش رکھے۔ تم بابو لوگ ہے۔ ہم غریب آدمی تمہارا کیا خدمت کرے گا۔"
"آپ ہماری نہیں۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے خان بابا۔"
"بس تم ہمارا بات مان لو صاب۔ ادھر مت جاؤ۔ ادھر کا زمین اچھا نہیں ہے۔" بوڑھے خان نے قہوے کا آخری گھونٹ حلق سے اتارتے ہوئے کہا۔
"تو آپ ہمیں بیٹا نہیں بنائیں گے؟"
"خدا آپ کو خوش رکھے۔ غریب خان آپ کا کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ آپ ہمارے کو عزت دو۔ خدا آپ کو عزت دے گا۔" خان نے متاثر لہجے میں کہا۔
"تو پھر سن لو خان بابا۔ اگر تم نے ہمیں بیٹا نہ بھی بنایا تو بھی ہم پہاڑوں کے اس طرف جائیں گے اور اپنے بھائیوں کا انتقام لیں گے۔" طالوت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور مجھے چکر آگیا۔ کیونکہ طالوت کے انداز سے پتہ چل رہا تھا کہ اس نے کیا چکر شروع کر دیا ہے۔

○☆○

بوڑھا خان ہنسنے لگا۔ اس نے غور سے ہم دونوں کی شکل دیکھی پھر بولا "آپ دونوں بھائی ہے؟"
"ہاں۔" میرے بولنے سے قبل طالوت بول پڑا۔
"چہ آپ کے بدن میں شریف خون ہے۔ آپ دوسرے کے غم کو سمجھتا ہے۔ رب العالمین سے ہمارا دعا ہے کہ وہ آپ لوگوں کو سلامت رکھے۔ بوڑھے خان نے دنیا سے جھگڑا ختم کر لیا ہے۔ اس نے اپنا حساب کتاب خدا کو دے دیا ہے۔ اب ہمارا بدلہ وہ لے گا۔"
"لیکن خان۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم تمہارے بیٹے ہے تو بیٹوں سے بدلہ ضرور لیں گے۔ ہمیں اس سے کوئی نہیں روک سکتا۔" طالوت نے ہاتھ پر مکہ مارتے ہوئے کہا۔
"خوکو اس مت کرو۔ تم کون ہوتا ہے ہمارے بیٹے کا بدلہ لینے والا۔ تم اور نہیں جائے گا۔ اگر تم نے غیر ارادہ میں قدم رکھا تو ہم تمہیں گولی مار دے گا۔" اچانک خان بگڑ گیا۔ اس کا سرخ چہرہ غصے سے اور سرخ ہو گیا لیکن طالوت کسی سے کب کم تھا۔ وہ چائے کی پیالی پھینک کر کھڑا ہو گیا اس کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔ پھر اس نے جیب سے چند رقم نکال کر رکھ دی۔
"یہ تمہاری چائے کی قیمت ہے خان۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔
"نہیں لے گا۔ ہم نے تمہیں مہمان بولا تھا۔" خان نے کہا۔
"یہ پرانی بات ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔ اور پھر میرا بازو پکڑ کر قہوہ خانے کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
"او خدائی خوار۔ اپنا پیسہ اٹھاؤ۔ ورنہ۔ ورنہ۔" خان چیخا اور پھر ہماری طرف لپکا بھی لیکن ہم دونوں تیز تیز قدموں سے باہر نکل آئے تھے۔ ہم نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔ کافی دور آنے کے بعد میں نے طالوت سے کہا۔
"یہ کیا حماقت تھی؟"
"کیا مطلب۔؟" طالوت نے تیکھے انداز میں مجھے دیکھا۔
"تمہیں اس سرپھرے کے چکر میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔"
"کیا ہم آج تک سرپھروں کے چکر میں نہیں رہے عارف؟" طالوت نے سوال کیا۔
"رہے۔"
"کیا سکندر سرپھرا نہیں تھا، جس نے شمشیر الدولہ جیسے امیر کبیر شخص کو چھوڑ کر احسان سے شادی کر لی۔ کیا فوری سرپھری نہیں تھی اس نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اپنی عزت محفوظ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے بھوکا مرنا گوارا کر لیا تھا۔ بہت مشکل ہے عارف زندگی کو داؤ لگا کر اپنی انا، اپنی غیرت برقرار رکھنا بہت مشکل ہے۔ انہی سرپھروں کے دم سے وجود انسانیت باقی ہے ورنہ انسانیت کا نام و نشان مٹ جاتا۔ اور پھر ساری دنیا حیوانوں سے بھری ہوتی۔"
"لیکن طالوت۔ بوڑھے خان کا معاملہ مختلف ہے۔" میں نے طالوت کو سمجھانے کی کوشش کی۔
"صرف تمہاری نگاہ کی خرابی ہے۔ صرف تمہاری سوچ

کی حماقت ہے حالانکہ بے بی یہاں بھی موجود ہے۔ ہاں م اس وقت بوڑھے خان کے لہجے پر غور کرتے جب اس نے کہا تھا کہ اب وہ بوڑھا ہو چکا ہے۔ ورنہ اپنے بیٹے کا انتقام لینے ضرور جاتا۔ اس کا بڑھاپا اس کی بے بسی بن گیا۔ اور عارف۔ ہمیں روکنے میں بھی اس کا خلوص شامل ہے۔ اس کی نگاہوں میں محبت تھی۔ اس کی دعاؤں میں شفقت تھی۔ اس نے برہمی کا اظہار صرف ہمیں روکنے کے لئے کیا تھا۔"

"ہوں۔ اور تم نے؟" میں نے پوچھا۔

"میں نے صرف اس لئے کیا کہ وہ ہمیں روکنے سے باز رہے اور سوچے کہ دونوں جہنم میں جائیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"تمہارا بھی جواب نہیں ہے طالوت۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"یار یوں کیوں نہیں سوچتے۔ ہمیں بہرحال اس علاقے میں جانا ہے اب اس کے لئے کوئی جواز بھی ہو جائے گا۔"

"لیکن کیا سچ مچ بوڑھے کے بیٹے کے قاتلوں کو تلاش کرو گے؟"

"ہاں۔ کیا حرج ہے؟"

"حالانکہ یہ بھی نہیں معلوم کہ اسے کیوں قتل کیا گیا۔ کس نے قتل کیا' بوڑھے کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم۔ اس کا نام تک تو معلوم نہیں کیا تم نے؟"

"یہ کونسا مشکل کام ہے۔ معلوم کریں گے۔"

"کس طرح؟ کیا اس سے ملو گے؟"

"راسم معلوم کرے گا۔"

"اوہ۔ تو پھر تم اس کے ذریعے بوڑھے کے بیٹے کے قاتلوں کو بھی تلاش کر سکتے ہو۔"

"اور ہم کیا مکھیاں ماریں گے وہاں۔ نہیں۔ ہم اس سلسلے میں راسم سے مدد نہیں لیں گے۔" طالوت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"وہ بستی کی سیر کریں۔ رات کو یہاں سے نکل چلیں گے۔"

"رات کیوں۔ انجانے راستے میں ہم دن کی روشنی میں چلیں گے۔" میں نے کہا۔

"کل علی الصبح سہی۔ لیکن بستی سے ہم خرید و فروخت بھی کریں گے۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور پھر ہم دونوں بستی کی طرف چل پڑے۔ راستے میں ہمیں بستی کے تندرست و توانا لوگ نظر آئے جو اپنے لباس میں بہت خوبصورت نظر آ رہے تھے۔ طالوت تعریفی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

"یہاں کے لوگ بے حد وجیہہ اور تر و تازہ ہیں۔"

"ہاں۔ یہ سرحدوں کی جان ہیں۔ بڑے جنگجو اور بہادر لوگ ہوتے ہیں اور پھر اس علاقے کی آب و ہوا بھی عمدہ ہے۔"

"کیوں نہ ہم بھی ان ہی کی سی وضع قطع اختیار کریں۔ مجھے ان کا لباس بھی پسند آیا ہے۔"

"ضرور' ضرور۔" میں نے طنزیہ انداز میں کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔

"تم بڑے کام چور اور نکمے انسان ہو عارف۔ ہر معاملے کی مخالفت ضرور کرتے ہو۔ غور کرو۔ ان پہاڑوں میں ان کے اسرار وادیوں میں چند خطرناک لوگوں کی تلاش کس قدر دلچسپ کام ہوگا۔ اور پھر ان سے مڈھ بھیڑ ہو گئی تو مزہ ہی آ جائے گا۔"

"جی ہاں۔ ابھی آپ کو ان وادیوں کی تفصیل نہیں معلوم۔ کسی طرف سے ایک گولی آئے گی اور کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا۔"

"میں اس سوراخ کو بآسانی بند کر دوں گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" طالوت نے کہا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ضدی آدمی کسی طور نہیں مانے گا پنا پنچ میں خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم بستی کے بازار میں پہنچ گئے۔ ضرورت کا ہر سامان موجود تھا۔ تازہ اور خوبصورت پھل' خشک میوے' چمڑے کی بنی ہوئی پوستینیں اور دوسرے مقامی لباس۔ پستول' بندوقیں' غرض ہر چیز موجود تھی۔

"آؤ۔ خریداری کریں۔" طالوت نے کہا۔

"جی بہتر۔" میں نے جواب دیا۔ اور ہم بازار پر ٹوٹ پڑے۔ بہت سے عمدہ لباس خریدے گئے' پوستینیں خریدی گئیں۔ چمڑے کے بڑے تھیلے خریدے گئے۔ خشک میووں کی زبردست خریداری کی گئی اور پھر دو شاندار رائفلیں' آٹھ شکار کارتوس' دو پستولیں خریدی گئیں جن کی پیٹی کمر سے باندھ کر طالوت بہت خوش ہوا تھا۔

"اب یہ دو گدھوں کا بوجھ کون لادے لادے پھرے گا؟" میں نے اس حاتم طائی کو روکتے ہوئے کہا۔

"دو گدھے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے ایک تھیلا میرے کندھے پر لاد دیا اور دوسرا اپنے کندھے پر۔ میں دانت پیس کر رہ گیا تھا۔ تھیلا بے حد وزنی تھا۔ مجھے تو خاصی مشکل پیش آ رہی تھی اور ذہن پر جھنجلاہٹ بھی سوار ہوتی جا رہی

تھی۔ بالآخر ایک جگہ میں نے تھیلا پٹخ دیا۔ اور طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا پھر وہ مسکرا کر ایک آدمی کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس سے کچھ گفتگو کرتا رہا اور پھر میری طرف پلٹ آیا۔

"تھوڑی دور اور چلیں شہزادہ نازک اندام۔ آگے مویشیوں کی منڈی ہے۔ ہم وہاں سے دو خچر خرید لیں گے۔"

"کیوں پریشان کر رہے ہو یار۔ واقعی بہت وزنی ہے۔ کیا منڈی تھوڑی سی قریب نہیں آ سکتی؟" میں نے ہانپتے ہوئے کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔

"واہ رے ہم شکل۔ کاش تو لڑکی ہی ہوتا۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اس صورت میں بھی لوگ ہمیں بہن بھائی ہی سمجھتے۔" میں نے کہا اور طالوت گردن ہلانے لگا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد ہم نے پھر تھیلے اٹھائے اور اس طرف چلنے لگے جہاں مویشیوں کی منڈی تھی۔ منڈی دیکھ کر تبسم کھل گئیں۔ انتہائی شاندار قدر آور گھوڑے' مضبوط خچر اور دوسرے جانور موجود تھے۔ کمزور جانور بھی موجود تھے اور زیادہ تر انہیں کی خریداری ہو رہی تھی۔ تندرست جانور منڈی میں لانے والے شوقین قبائلی تھے' جو صرف اپنے جانوروں کی نمائش کر رہے تھے اور اگر کوئی ان سے ان کی قیمت پوچھ لیتا تو وہ اتنے دام بتاتے کہ لوگ کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔

میں اور طالوت ایک جگہ کھڑے ہو کر چاروں طرف نظریں دوڑانے لگے۔ ایک جگہ کچھ زیادہ لوگ نظر آ رہے تھے اور ان کے سروں سے اونچے دو سیاہ گھوڑے نظر آ رہے تھے' ایک ہی رنگ' ایک ہی قد و قامت کے یہ بلند و بالا گھوڑے بے حد خوبصورت اور شاندار تھے۔ طالوت نے مجھے ان کی طرف متوجہ کیا اور بے ساختہ میرے منہ سے تعریف نکل گئی۔

"واہ۔ کیا شاندار گھوڑے ہیں۔"

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم تھیلے ایک جگہ رکھ کر ان گھوڑوں کی طرف بڑھ گئے۔ قبائلی گھوڑوں کے ساتھ ہمیں بھی دیکھنے لگے تھے۔ ان قد آور اور تندرست و توانا لوگوں میں ہم شہری بھینگے عجیب لگ رہے تھے۔ بہرحال انہوں نے ہمیں آگے آنے کا راستہ دے دیا تھا۔

"کیا یہ گھوڑے برائے فروخت ہیں؟" طالوت نے پوچھا اور ایک بڑی بڑی مونچھوں والے بلند وزن نے گردن گھما کر ہماری طرف دیکھا' وہ ہمیں دیکھتا رہا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ظاہر ہے منڈی میں آئے ہیں' فروخت کے لئے ہی ہوں گے۔ خریدو گے کیا؟" اس نے کہا۔

"ظاہر ہے منڈی میں آئے ہیں' خریدنے کے لئے ہی آئے ہوں گے۔ کیا قیمت ہے ان کی۔" طالوت نے اسی کے انداز میں کہا۔

"مگر تم ان کا کیا کرو گے بابو۔ تم لوگ تو مشینوں پر سواری کرو۔" قبائلی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"تمہیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ گھوڑے بیچو۔" طالوت نے بھی حقارت سے جواب دیا۔

"یہ گھوڑے اعلیٰ نسل کے ہیں۔ کم نسل کے لوگوں کو اپنی پیٹھ پر نہیں بیٹھنے دیتے بابو۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے آج تک ان کی پشت پر سواری نہیں کی۔"

"میرے علاوہ کون ہے جو ان کی پیٹھ پر بیٹھ سکے۔ سنو بابو۔ ان کی قیمت بیس بیس ہزار روپے ہے۔ مگر تم ان میں سے کسی پر سواری کر سکے تو میں تمہیں یہ گھوڑے مفت دے دوں گا۔"

"مارے جاؤ گے خان۔" تمہارے قبیلے میں ہمارے جیسا سوار ایک بھی نہ نکلے گا۔"

"تو آ جاؤ۔ خان کی زبان ہے۔ زورک خان اعلیٰ نسل ہے ہے' اگر تم نے ان کی سواری کر لی تو یہ دونوں گھوڑے تمہیں مفت دے دوں گا۔ یہ بچن کا وعدہ ہے۔" زورک خان نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے خان۔" طالوت نے کوٹ اتار کر میری طرف بڑھا دیا اور پھر آستینیں چڑھانے لگا لیکن اسی وقت زورک خان سینہ تانے ہوئے اس کے سامنے آ گیا۔

"لیکن سنو۔ اگر تم گھوڑے کی سواری نہ کر سکے اور گر پڑے' تو تم دونوں کو سارے کپڑے اتار کر بستی سے نکلنا پڑے گا۔ تاکہ اس کے بعد تم کسی پٹھان سے گھوڑے خریدنے کی بات نہ کرو۔ تمہاری ہر چیز زورک خان کی ملکیت ہوگی۔"

"منظور ہے۔" طالوت نے کہا۔

"سن لیا تم لوگوں نے۔ زورک خان پھر کسی کی بات نہیں مانے گا' شرط ہو چکی ہے' آؤ۔" زورک خان نے ایک گھوڑے کی لگام پکڑی اور پھر اس کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس کے بعد اس نے لگام طالوت کے ہاتھ میں دے دی۔ یوں اس قسم کے تماشے شاید عام ہوتے تھے' اس لئے لوگ

گئی کی طرح چھٹ گئے اور انہوں نے میدان چھوڑ دیا۔
گھوڑے کے تیور بہت خراب تھے۔ اس کی آنکھیں وحشت سے سرخ ہو گئی تھیں۔ شاید زورک خان نے ابھی تک ان کی پشت استعمال ہی نہیں کی تھی اور صورت حال یہ تھی کہ اگر ان کی پشت پر ہاتھ بھی رکھا جاتا تو وہ بھڑک اٹھتے تھے۔ لیکن میں پُرسکون نگاہوں سے طالوت کو دیکھ رہا تھا۔ میں جانتا تھا کہ یہ اس کے لئے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔
طالوت نے گھوڑے کی نگاہیں پکڑ لی تھیں۔ گھوڑا چیخ رہا تھا اور پینترے بدل رہا تھا۔ اگر اس کی پشت پر کبھی بھی بیٹھ جاتی تو وہ کھڑا ہو جاتا تھا وہ لمحہ کہ اگلے پاؤں فضا میں چلا کر طالوت کو مارنا چاہتا تھا لیکن طالوت نے ابھی تک اس کی پشت کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ زورک خان فاتحانہ انداز میں گھوڑے کو دیکھ رہا تھا۔
اور یہ بات صرف میں نے ہی محسوس کی تھی کہ گھوڑے کے سر کے بل طالوت کے ہاتھ پر پڑتے جا رہے تھے۔ اس طرح وہ اپنا ہاتھ گھوڑے کے چہرے تک پہنچانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگ دلچسپی سے بقول ان کے اس شہری بھینگے کی اچھل کود دیکھ رہے تھے۔ جس کے بارے میں انہیں یقین تھا کہ وہ چند لمحے اترا اترا ہی جائے گا۔
لیکن۔ اچانک بجلی سی چمک گئی۔ طالوت کا ہاتھ جو اب گھوڑے کے چہرے تک پہنچ چکا تھا اچانک مڑا اور گھوڑے کی گردن ٹیڑھی ہو گئی۔ گھوڑے نے گردن سیدھی کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس لاہوتی قوت کے سامنے اس کی ایک نہ چل سکی۔ اس کی گردن اس حد تک مڑ گئی کہ اچانک وہ ایک سمت لڑھک گیا اور کافی زوردار آواز کے ساتھ زمین پر گرا۔ اس کے ساتھ ہی طالوت نے اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ دی اور گھوڑے نے سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن اب وہ گرے ہوئے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا۔ اور جب گھوڑے نے پھرتی سے کروٹ لی اور پاؤں نکرا کر اٹھ تو طالوت اس کی پشت پر تھا۔
تماشائیوں کے منہ سے صرف ایک آواز نکلی اور وہ خاموش ہو گئے۔ گھوڑا بلا کی اچھل کود مچا رہا تھا۔ لیکن طالوت اس کی پشت پر اس طرح سوار تھا جیسے اس کی پشت ہی کا ایک حصہ ہو۔ اور پھر بالآخر گھوڑے نے ہار مان لی۔ اس کی اچھل کود سست پڑ گئی۔ طالوت اس کے کس بل کا جائزہ لے رہا تھا اور پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ دی اور وہ میدان کے چکر لگانے لگا۔
"دوسرے لمحے چاروں طرف تالیاں گونج اٹھیں۔

لوگ حیرت سے چیخ رہے تھے اور زورک خان دم بخود کھڑا تھا۔ طالوت اس کے سامنے گھوڑا لے آیا اور پھر اس کی پشت سے نیچے اتر آیا۔
لیکن زورک خان ہماری توقع کے برخلاف بہت اچھی طرف نکلا۔ اس نے طالوت کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "خوش رہو جوان۔ خان کی طرف سے شہ زور کی مبارکباد قبول کرو۔" اور ہم حیران رہ گئے۔ ہمارا خیال تھا کہ غصہ ور انسان گڑبڑ ضرور کرے گا۔ ممکن ہے حالات بگڑ جائیں اور جھگڑا مول لینا پڑے۔ لیکن وہ باظرف انسان تھا۔ اس نے فن کی داد دی تھی۔ طالوت گھوڑے سے اتر کر آیا۔ وہ غور سے خان زورک کو دیکھ رہا تھا۔
خان زورک نے دوسرے گھوڑے کی لگام بھی طالوت کے ہاتھ میں تھما دی "شکریہ خان زورک۔ یہ تو مذاق کی بات تھی ویسے میں تمہارے گھوڑے خریدنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہ بہت پسند ہیں۔ ان کی قیمت لے لو۔"
"چہ خوب اکاسم کیا ہوتا ہے یار۔ ہم شرط ہار گیا۔ گھوڑا اب تمہارا ہے۔ بیچنے کا کیا سوال۔" خان نے کہا۔
"نہیں خان۔ ہم گھوڑوں کی قیمت ادا کریں گے۔"
"خان اس قیمت پر پیشاب کر دے گا جو اس نازبان خراب کرے گا گھوڑا اب تمہارا ہے۔" خان "تکمیں نکال کر بولا۔ بہرحال طالوت نے بہت کوشش کی' لیکن خان نے گھوڑوں کی قیمت ایک پیسہ بھی وصول نہیں کی۔ مجبور ہو کر ہم گھوڑے لے کر چل پڑے۔
"عجیب ہے تیری دنیا یار۔ یہاں کس شکل میں کون ہے' پتہ نہیں چلتا۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ گھوڑوں کے دماغ درست ہو گئے تھے۔ ہم نے ان پر سامان کے تھیلے مضبوطی سے کسے اور اب ہم سفر کے لئے تیار تھے۔ لیکن طے یہ کیا گیا تھا کہ ہم علی الصبح سفر کریں گے' اس لئے رات کے قیام کا بندوبست کرنا تھا۔
اس کے لئے ہم نے ایک کھلی جگہ منتخب کی' اور وہیں بستر لگا دیا' بستر کے لئے ہم نے نرم گھاس خرید لی تھیں۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم اپنے بستروں پر لیٹ گئے اور طالوت کافی دیر تک زورک خان اور قہوہ خانے کے مالک کے بارے میں گفتگو کرتا رہا۔ وہ اس دلکش ملاقات کے بارے میں بھی باتیں کر رہا تھا۔
اور پھر ہمیں نیند آ گئی۔ صبح کو پہلے طالوت ہی جاگا تھا۔ ابھی اجالا پوری طرح نہیں پھوٹا تھا۔ بہت خوبصورت منظر تھا۔ میں بھی جاگ گیا۔

"اٹھو' تیاریاں کریں۔ روشنی ہونے سے پہلے ہمیں یہ سرحد پار کر لینی ہے۔" طالوت نے کہا اور میں اٹھ گیا۔ ہم ضروریات سے فارغ ہو گئے۔ ناشتے کے بارے میں طے کیا گیا کہ راستے میں کریں گے۔ چنانچہ ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔ قد آور گھوڑے اب بالکل رام ہو گئے تھے' اور ذرا بھی شرارت نہیں کر رہے تھے' چنانچہ ہم نے بہت روانی سے وہ علاقہ چھوڑ دیا۔ اور پہاڑوں کے درمیان سفر کرنے لگے۔
ناہموار پتھروں پر گھوڑے زیادہ تیز نہیں چل سکتے تھے۔ ہمیں بھی کسی مخصوص جگہ پہنچنے کی جلدی نہیں تھی' اس لئے ہم اطمینان سے آگے بڑھتے رہے۔ ناہموار پتھروں سے ڈھکا ہوا علاقہ زیادہ طویل نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہموار لیکن چٹیل راستہ آ گیا۔ ہمارے دونوں سمت بلند و بالا پہاڑ تھے اور ہم ان کے درمیان چل رہے تھے۔ یہ راستہ آگے چل کر تنگ ہوتا گیا تھا۔ یہاں تک کہ آگے چل کر دونوں پہاڑ مل گئے تھے اور راستے نے ان کے نیچے ایک سرنگ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ لیکن یہ سرنگ زیادہ طویل نہیں تھی۔ دوسری طرف روشنی نظر آ رہی تھی۔
لیکن ہم نے ابھی سرنگ سے سر نکالا' اچانک ایک فائر کی آواز پہاڑوں میں گونج اٹھی۔
"ہم اللہ۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا' اور ہم دونوں نے پھرتی سے اپنے اپنے پستول نکال لئے۔ ہم نے گھوڑے آڑ میں کر لئے تھے اور تیز نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔
اور پھر سامنے کی پہاڑی سے ہم نے ایک سفید رنگ کے گھوڑے کو نیچے اترتے ہوئے دیکھا۔ اس کی پشت پر کوئی سوار تھا۔ لیکن جب وہ ہمارے سامنے آیا تو ہم چونک پڑے اور حیرانی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ یہ قہوہ خانے کا بوڑھا مالک تھا۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ چند ساعت کے بعد وہ ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کی راکفل ہاتھوں میں ولی ہوئی تھی۔
"تو تم نے میری بات نہیں مانی۔" اس نے سرد لہجے میں کہا۔
"ہم نے اس وقت کہہ دیا خان۔" طالوت نے لاپروائی سے کہا۔
"مگر۔ مگر۔ اس طرف موت ہے۔" بوڑھے نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ہم موت کا انکار کرتے ہیں۔ ہم موت کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔"
"جوانی منہ زور ہوتی ہے لیکن میرے بوڑھے تجربے سے فائدہ اٹھاؤ گے۔ اس طرف نہ جاؤ۔ میں تمہاری منت کرتا ہوں۔"
"ہم عہد کر چکے ہیں خان۔ کہ تمہارے بیٹے کے قاتلوں سے بدلہ ضرور لیں گے اور عہد توڑنے کے لئے نہیں ہوتے۔"
"لیکن تمہارا اس سے کوئی رشتہ نہیں تھا۔ تم میرے لئے اجنبی ہو۔"
"انسانیت کا رشتہ سب سے بڑا ہوتا ہے خان۔ تم نے سب بیٹے سے کہا تھا کہ تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ اور اپنے بیٹے کا انتقام نہیں لے سکتے۔ ہم نے تم سے کہا تھا کہ ہم تمہارے بیٹوں کی جگہ ہیں اور ہم اپنے بھائی کا بدلہ لیں گے۔ بس۔ اس کے بعد تم کچھ بھی کہتے۔ ہم اپنا عہد ضرور پورا کریں گے۔"
"تم ایسے بیٹے ہو۔ بوڑھے بابا کی بات نہیں مانتے۔" خان نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ وہ بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔
"اس کے علاوہ ہم تمہاری ہر بات مان لیں گے خان۔ ہمیں ہمارا عہد پورا کرنے دو۔"
"دشمن بہت خونخوار ہیں۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔"
"دشمن اگر خونخوار نہ ہو تو اس سے مقابلہ کرنے میں کیا لطف آئے گا خان۔ طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ بوڑھا خان بے بسی سے ہمیں گھورنے لگا۔ کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔ اور پھر اچانک بوڑھے کے چہرے سے خون اڑنے لگا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔ اور پھر اس نے رائفل بندوق کی طرح لہرا ڈالی۔
"میں آ رہا ہوں۔ سرتاج خان۔ میں آ رہا ہوں۔ بوڑھے شہباز کی رگوں کا خون پھر سے جوان ہو گیا ہے۔ ہوشیار سرتاج خان' ہوشیار' مظلوم رحمان کا خون آج پھر جاگ اٹھا ہے۔ میں اپنی ہمت کو لے کر آؤں گا۔ ورنہ یہ میری عزت ہے۔ میری عزت میرے گھر میں ہی محفوظ رہے گی۔"
اور بلاشبہ ہم نے بوڑھے خان کے چہرے پر پہلے سے زیادہ توانائی دیکھی۔ اس کے اندر ایک عجیب سا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ پھر وہ گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ اور اس نے دونوں ہاتھ پھیلاتے ہوئے کہا۔
"آؤ میرے بچو۔ آؤ۔ میرے سینے سے لگ جاؤ۔ تم نے شہباز کو پھر سے جوان کر دیا ہے۔ آؤ۔ میرا چوڑا سینہ بیٹے کے سر کا لمس بھول چکا ہے' آؤ۔ میرے سینے پر سر رکھ دو' تاکہ رحمان کی یاد کے زخم پھر سے ہرے ہو جائیں۔ اور میں اپنے دشمنوں کے لئے زیادہ خطرناک ہو جاؤں۔ آؤ میرے بچو۔"

اور ہم دونوں گھوڑوں سے اتر آئے۔ بوڑھے خان نے ہم دونوں کو سینے سے بھینچ لیا اور پھر کوشش کے باوجود وہ اپنی سسکیاں نہ روک سکا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ بمشکل تمام ہم نے اسے سہارا دیا اور ایک چٹان کے پاس لے آئے۔ ہم نے اپنے گھوڑے یونہی چھوڑ دیئے تھے۔ چٹان کے پاس بیٹھ کر بھی بوڑھا روتا رہا۔

"پورے آٹھ سال گزر گئے صاب۔ ہمارے بیٹے کی موت کو۔ رحمان خان ہمارا اکیلا بیٹا تھا۔ اس کے بعد ہم اولاد کو ترس گیا۔ ہم آج آخری بار رویا ہے۔ خدا قسم۔ اس کے بعد ہماری آنکھوں سے آنسو نہیں آئے گا۔ اور اس آگ میں سرتاج خان کی پوری بستی جل جائے گی تم دیکھنا۔ یہ شہباز خان کا عہد ہے۔" وہ سسکیاں لیتے ہوئے بولا۔

"ہم تمہارے ساتھ ہیں شہباز خان۔"

"خدا تم لوگوں کو زندگی دے۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

"تم ادھر کیسے نکل آئے تھے خان بابا؟" طالوت نے پوچھا۔

"چہ تم لوگوں کو بھول جاتا۔ تم نے ایسا بات بولا تھا کہ ہمارے دل پر زخم لگ گیا تھا۔ ہم نے اسی وقت دوکان چھوڑ دیا۔ اور پھر تمہارا پیچھا کرتا رہا۔ ہم اس وقت بھی تمہیں دیکھ رہا تھا جب تم نے زورک خان کے گھوڑے کو قابو میں کیا۔ خدا کا قسم۔ ہم تم سے دور تھا۔ مگر ہم نے خوب زور زور سے تالیاں بجایا تھا۔ تم لوگ جو تیاریاں کر رہا تھا' اس سے ہمیں یقین ہو گیا کہ تم..... فیر حملے میں ضرور جائے گا۔ مگر ہم سوچتا تھا کہ تم شہر کا لوگ کمزور ہوتا ہے۔ تم ادھر آزاد نہیں رہ سکے گا۔ پھر جب تم نے گھوڑے کو گرایا تو خدا کا قسم ہم منہ کھول کر رہ گیا۔ اور پھر ہم نے سوچا تم معمولی لوگ نہیں ہے۔ پھر ہم اپنا بی بی کے پاس آیا اور اس کو سب بات بولا تو اس نیک بخت نے ہم کو غیرت دلایا۔ وہ بولا۔ تم لوگ رحمان خان کا بدلہ لینے جارہے ہو اور ہم گھر میں بیٹھ ہے۔ تب ہم نے طے کیا کہ اگر تم ادھر جائے گا تو ہم بھی تمہارے ساتھ ہوگا۔ ہم نے جلدی جلدی سے سارا انتظام کیا اور پھر ہم ادھر پہنچ کر تمہارا انتظار کرنے لگا۔"

"ہوں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور بولا۔ "خان شہباز کا ساتھ ہمارے لئے اور دلچسپ ہوگا۔ کیا خیال ہے؟"

"یقیناً۔" میں نے بادل نخواستہ کہا۔

"تم نے ناشتہ کر لیا خان؟"

"ابھی نہیں۔" شہباز نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو ناشتہ کریں۔" طالوت بولا۔ خان بہادر سے اپنے گھوڑے کی طرف بڑھ گیا۔ اور اس وقت کا ناشتہ ہم نے خان کے ساتھ لائے سامان میں سے کیا۔ وہ پنیر اور روٹی لایا تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے سفر کی تیاریاں لیں اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ گھوڑے دوڑانے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی تھی۔ ہم اطمینان سے چل رہے تھے۔

"آپ لوگ نے اپنے نام نہیں بتائے۔"

"آپ جو نام لیں خان شہباز۔" طالوت نے کہا۔

"چہ اگر تم خان کے لباس میں ہوتا تو ہم تمہیں ولیر خان اور اس کو ولاور خان بولتا۔" شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ہے خان تو ابھی لو۔" طالوت نے کہا اور گھوڑے سے اتر پڑا۔ خان شہباز نے بھی گھوڑا روک لیا تھا۔ طالوت نے تھیلے سے مقامی لباس نکالا اور مجھے بھی اشارہ کیا۔ بدمعاش طالوت سرحدی لباس پہننے کے بعد بالکل پٹھان نظر آرہا تھا۔ خود میں نے بھی یہی لباس پہن لیا۔

اور خان ہمیں اپنے لباس میں دیکھ کر کھل اٹھا "چہ خدایا۔ تم لوگ بالکل پٹھان لگ رہا ہے۔" اس نے مسرور انداز میں کہا۔

"اب میرا نام ولیر خان۔ اور ان کا ولاور خان ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم یہی نام لے گا۔" خان شہباز نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ پورا دن ہم نے گھوڑوں کی پیٹھ پر گزارا۔ راستے میں مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی تھی۔ راستے کے مناظر بدلتے رہے تھے۔ کبھی خشک اور بے آب و گیاہ پہاڑیاں نظر آتیں' کبھی سبزے سے لدے ہوئے میدان اور کبھی برف پوش علاقے۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ اس وقت ہم ایک بلند و بالا برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑی کے دامن میں تھے۔ وہیں ایک مناسب جگہ تلاش کر کے رات کے قیام کا بندوبست کیا گیا اور پھر رات کے کھانے کا بندوبست کیا جانے لگا۔ کھانے کے بعد ایک تھرماس سے شہباز خان نے قہوہ نکالا۔ اور قہوہ پیتے ہوئے طالوت نے شہباز خان سے پوچھا۔

"کیا تم ہمیں رحمان خان کی موت کی تفصیل نہیں بتاؤ گے شہباز خان؟"

"ہاں ضرور بتاؤں گا! اور سمجھ لو میرے بچو۔ بوڑھا خان جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ جو کچھ کہے گا سچ کہے گا۔"

"رحمان خان کا عمر بائیس سال تھا۔ پہلے ہم لوگ بھی تاسیہ کے علاقے میں رہتے تھے۔ یہ خوبصورت بستی اسی راستے پر ہے جدھر ہم جارہے ہیں۔ تاسیہ سے آگے چھ بستیاں اور پڑتی ہیں جو آزاد علاقے میں ہیں۔ آخری بستی کے دوسری طرف زورات ہے' خان زورات ایک نیک دل انسان ہے۔ گو یہ علاقہ اس کی ملکیت نہیں ہے۔ نہ ہی کبھی اس نے اس پر بری نگاہ ڈالی۔ اس کے باوجود وہ اس علاقے کے مفادات کا خیال رکھتا ہے۔ جب یہ بستیاں قحط سالی کا شکار ہو جاتی ہیں یا زلزلے سے تباہ کاری ہوتی ہے تو خان زورات ہماری پوری پوری مدد کرتا ہے۔

اب کی بات نہیں معلوم۔ پہلے یہی ہوتا تھا۔ تاسیہ میں میری تھوڑی سی زمین تھی جس پر کاشت کر کے میں اپنی بیوی اور بچے کا پیٹ پالتا تھا۔ میرے دو بھائی بھی تھے۔ وہ بھی اسی بستی میں رہتے تھے۔ لیکن پھر تباہی نے ہمارے گھر میں جھانکا۔ تاسیہ ہی کے علاقے کا ایک بڑا آدمی دولت خان تھا۔ بڑا کینہ پرور اور خطرناک آدمی۔ اس کے پاس بہت بڑی زمین تھی اور اس کے مویشی پورے علاقے میں سب سے زیادہ تھے۔ اس کی چارگاہ بھی سب سے بڑی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ چور بھی تھا۔ رات کی تاریکی میں اس کے آدمی غلہ چرانے آجاتے تھے۔

اور ایک رات اس کے دو آدمی میرے بھائی گلدار خان کے گھر چوری کرنے آئے۔ گلدار کو معلوم نہیں تھا کہ ان چوروں میں دولت خان کا سگا بھائی بھی ہے۔ گلدار کی رائفل نے دونوں چوروں کو موت کی نیند سلا دیا۔ اور چوروں کی روشنی میں پتہ چلا کہ دولت خان کا بھائی بھی چوروں میں شامل تھا۔

دولت خان اپنے آدمیوں کو لے کر گلدار خان پر چڑھ آیا۔ لیکن جرگے نے فیصلہ دیا کہ چونکہ گلدار خان نے انہیں چوری کرتے ہوئے ہلاک کیا تھا' اس لئے گلدار خان بے قصور ہے۔ دولت خان چلا گیا۔ لیکن اس کے دل میں بدلے کا خیال تھا' چنانچہ ایک شام جب گلدار خان اپنے مویشیوں کو لا رہا تھا' دولت خان کے آدمیوں نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ جرگے نے اسے طلب کیا' لیکن وہ صاف مکر گیا کہ اس کے آدمیوں نے قتل نہیں کیا۔

جرگہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا' لیکن میرا چھوٹا بھائی زمرد خان جانتا تھا کہ گلدار کو دولت خان کے آدمیوں نے مارا ہے اور وہ دولت خان کی تاک میں رہا۔ آخر ایک دن

نے دولت کو اس کی چراگاہ میں للکارا۔ لیکن بدقسمت انسان دولت خان کو ہلاک کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اور اس کے آدمیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔ دولت خان نے اس کی لاش بھجوا دی تھی اور کہلایا تھا کہ وہ کس طرح مارا گیا۔

میں شروع سے امن پسند آدمی تھا' لیکن دوسرے بھائی کی موت پر میرا خون کھول اٹھا۔ میں نے دولت خان سے کہا کہ میں اس سے اپنے بھائیوں کا انتقام لوں گا' لیکن دولت خان نے مقدمہ جرگے کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے کہا کہ اسے مجھ سے خطرہ ہے' اس لئے اس کی حفاظت کا بندوبست کیا جائے۔ اور جرگے کے بوڑھے ارکان نے فیصلہ کیا مجھے بستی سے نکال دیا جائے۔ انہوں نے میری منت کی کہ امن کی خاطر میں بستی چھوڑ دوں اور مجھے بستی چھوڑنی پڑی اور میں یہاں چلا آیا۔ رحمان خان اس وقت آٹھ سال کا تھا' اور سمجھدار تھا۔ پورے دس سال تک ہم نے تاسیہ کا رخ نہیں کیا۔ لیکن رحمان خان اپنی چچی اور اس کے بچوں کو نہیں بھولا تھا۔ جب وہ اٹھارہ سال کا تھا تو اس نے تاسیہ جانے کی اجازت مانگی۔ میں نے اسے بہت منع کیا۔ لیکن ضدی لڑکا ایک دن چھپ کر ادھر نکل گیا۔ وہ تاسیہ پہنچا اور وہاں اپنے رشتے داروں سے ملا۔

دشمنی ختم ہو چکی تھی' کیونکہ میرے بھائیوں کے بچوں میں کوئی لڑکا نہیں تھا جو انتقام لیتا۔ وہ آرام سے رہ رہے تھے۔ لیکن بدقسمت رحمان خان تاسیہ کی ایک لڑکی سے دل لگا بیٹھا۔ اور پھر وہ چھپ چھپ کر تاسیہ جانے لگا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ لڑکی دولت خان کی تھی۔ اور وہ بھی رحمان خان سے محبت کرتی تھی۔ لیکن دولت خان کے بیٹے کو یہ بات معلوم ہو گئی۔ اس کا نام سرتاج خان تھا اور ایک دن اس نے رحمان خان کو گولی مار دی۔

دولت خان نے میری آخری پونجی بھی چھین لی۔ میرے رشتے داروں نے رحمان خان کے خون آلود کپڑے میرے پاس بھجوا دیئے اور میں پاگل ہو گیا۔ مجھ بوڑھے کے بدن میں اب اتنی قوت نہیں رہ گئی تھی کہ اپنے بچے کا بدلہ لیتا اور اس کے بعد میں نے صبر کر لیا۔" بوڑھے شہباز خان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ طالوت اور میں بہت متاثر تھے۔ پھر کافی دیر کے بعد طالوت نے پوچھا۔

"کیا تم اپنے بیٹے کی قبر پر بھی نہیں گئے؟"

"میری بی بی نے نہیں جانے دیا۔ وہ بہت ڈرتی تھی۔"

"تمہارے پاس رحمان کی لاش کیوں نہیں آئی؟"

"میرے رشتے داروں نے بتایا تھا کہ رحمان کی لاش

بالکل خراب ہو چکی تھی۔ وہ ایک ویرانے میں پڑا تھا اور اس قابل نہیں تھا کہ اس کی لاش میرے پاس لائی جاتی۔ چنانچہ انہوں نے اسے دفن کر دیا۔ اور میرے پاس صرف کپڑے بھیج دیئے۔"

"تم نہ کرو خان بابا۔ ہم ان سب سے انتقام لیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"میں نے کبھی کسی پر ظلم نہیں کیا میرے بچے۔ تم سچ میں اٹھ کھڑا ہوا ہوں۔ میں بزدل نہیں ہوں۔ میں امن پسند تھا۔ لیکن آج اب 'اب میں ایک ایک سے انتقام لوں گا۔"

"ہم تمہارے ساتھ ہیں بابا۔"

"تم میرے محسن ہو۔ میں تمہارے اس احسان کو کبھی نہ بھلاؤں گا۔ اگر تم مجھے نہ جگاتے۔ تو شاید میں اپنے بیٹے کے بدلے کی حسرت لے کر قبر میں جاتا۔ لیکن۔ لیکن اب اگر میں بھی دولت خان کے ہاتھوں مارا گیا تو مجھے افسوس نہیں ہوگا۔ میں اپنی کوشش میں جان دوں گا۔"

"دولت خان تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا شہباز خان۔ تم اکیلے نہیں ہو۔" میں عموماً خاموش ہی رہتا تھا۔ بہر حال میں اس پروگرام سے بھی ناخوش نہیں تھا۔ زندگی کو ہنگاموں کی ضرورت ہوتی ہے' اور طالوت کی معیت ہنگاموں سے پُر بھی۔

"دولت خان کا علاقہ یہاں سے کتنی دور ہے؟"

"ابھی لمبا سفر ہے۔ لیکن پرواہ نہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر ہم سونے کے لیے لیٹ گئے۔ اس ویران علاقے میں مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ سردی بھی خاصی تھی' لیکن سردی سے بچاؤ کے انتظامات بھی پورے تھے اس لئے محسوس نہیں ہو رہی تھی' میں نے دیکھا' طالوت مزے سے سو رہا ہے' البتہ شہباز خان جاگ رہا تھا۔

"شہباز بابا۔" میں نے اسے آواز دی۔

"جاگ رہے ہو دانیال؟"

"ہاں بابا۔ نیند نہیں آ رہی۔"

"تو باتیں کریں۔" بوڑھے نے کہا اور میں کھسک کر اس کے قریب آ بیٹھا۔ "وہ تمہارا بھائی ہے؟"

"کا بھائی نہیں۔ لیکن بھائیوں سے زیادہ ہے۔"

"چچا زاد ہے؟"

"نہیں۔"

"شکل اس کی بالکل تمہارے جیسا ہے۔"

"یہی چچا زاد دوستی کی وجہ بھی ہے۔"

"اوہ۔" بوڑھے نے گردن ہلائی۔ پھر بولا۔ "بہر حال تمہارے بدن میں میرے ماں باپ کا خون ہے۔ طالوت نے بندوق دکھرت خریدا ہے؟"

"ہاں۔"

"اس سے پہلے تمہارے پاس ہتھیار نہیں تھے؟"

"نہیں۔"

"یا تم لوگوں کا نشانہ اچھا ہے؟"

"بس ٹھیک ہے۔"

"نہیں میرے بچے۔ پہاڑوں میں زندگی گزارنے والے بندوق کے عادی ہوتے ہیں۔ تمہارے علاقے کا بچہ بچہ نشانے کا ماہر ہے۔ اگر تمہارا نشانہ اچھا نہیں ہے تو تمہیں اس کی مشق کرنی چاہئے۔"

"مشق کریں گے بابا۔"

"کل صبح' پہلا کام یہی ہوگا۔"

"آپ کا نشانہ تو بہت اچھا ہوگا بابا؟"

"ہاں۔ میں بھی اسی علاقے میں پیدا ہوا تھا۔" بوڑھا ہنسنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم آپ سے کچھ سیکھ سکیں گے۔" میں نے کہا اور بوڑھا پُرتفکر انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"یہاں سے دس بارہ میل دور ایک درہ ہے۔ یہ شیکو خان کی بستی ہے۔ شیکو خان' دولت خان کا قریبی ہے۔ ہمیں اس بستی سے ہٹ کر گزرنا ہوگا۔ ہم پہاڑوں کے پیچھے کا راستہ اختیار کریں گے' تاکہ دولت خان یا اچانک ہاتھ نہ آ جائیں۔"

"ٹھیک ہے بابا۔" اور پھر کافی دیر تک ہم لوگ گفتگو کرتے رہے۔ پھر مجھے نیند آنے لگی اور میں اٹھ کر اپنی جگہ لیٹا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح آنکھ کھل گئی۔ شہباز خان جاگ اٹھا تھا۔ طالوت ابھی تک سو رہا تھا۔ میں نے دیکھا' شہباز خان محبت بھری نظروں سے طالوت کو دیکھ رہا ہے مجھے دیکھ کر مسکرایا۔ پھر میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے بولا۔

"تمہارا دوست بے حد نڈر ہے۔ ان اجنبی پہاڑوں میں اتنے آرام کی نیند سونا عام لوگوں کے بس کی بات نہیں ہے۔"

"ہاں۔ وہ بے حد نڈر ہے۔" میں نے جواب دیا۔ ہم لوگ ضروریات سے فارغ ہو چکے تھے۔ پھر طالوت بھی اٹھ گیا' اور پھر ہم تینوں نے ناشتہ کیا' پھر ایک فکرمند بزرگ کی طرح شہباز خان نے کہا۔

"میں نے تمہارے دوست سے رات کو تمہارے نشانے کی بات کی تھی۔ کیا تم لوگ مجھے اپنا نشانہ دکھاؤ گے؟"

"ضرور خان بابا۔" طالوت نے کہا۔ اور ہم اپنے

رائفلیں لے کر ایک مناسب جگہ چل پڑے۔

"پہلے ہم آپ کا نشانہ دیکھیں گے خان بابا۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔ مگر اب ہم بوڑھا ہو چکا ہے۔ پھر بہت دور ایک اونچی جگہ پر نشان بنائے گئے اور بوڑھے خان نے ان پر کامیاب نشانے لگائے۔ بلاشبہ اس عمر میں بھی اس کا نشانہ قابل داد تھا۔ میں نے اور طالوت نے دل کھول کر تعریف کی۔ تب طالوت کے اشارے پر میں نے رائفل سنبھال لی۔

بلاشبہ نشانے بازی کے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا اور اس نے آنکھ ماردی۔ پھر اس نے بوڑھے سے کہا کہ وہ کچھ دور سے چھوٹے چھوٹے پتھر فضا میں اچھالے اور مختلف سمتوں میں اچھالے اور بوڑھا ہنسنے لگا' "میرے خواص کم ہو رہے تھے۔ لیکن صاحب طالوت' طالوت ہے۔ بوڑھے خان نے مختلف سمتوں میں پتھر اچھالے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ حشمت براوز کے فلرک کے خاندان میں کسی نے بندوق نہیں چلائی تھیں۔ بخدا ان نشانوں سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن اس کو میں کیا کرتا میری تک بازی نے تینوں پتھروں کے پرخچے اڑا دیئے تھے اور بوڑھا خان منہ پھاڑے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میری بھی ہمت بڑھ گئی تھی۔ میں جانتا تھا کہ کسی طرف گولی چلا دوں' لگے گی نشانے پر ہی' اور وہی ہوا۔ بوڑھا حیرت سے گنگ ہو گیا تھا۔ اور پھر جب میں نے رائفل رکھی تو اس نے مجھے سینے سے لگا لیا۔

"خدا کی قسم۔ ایسا نشانہ اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ ہمارا تو مغز خراب ہو گیا۔ سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ یہ نشانہ بازی کیسا ہے۔"

بہر حال اس کے بعد طالوت نے اپنی نشانہ بازی دکھائی اور اس کے بارے میں صرف اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ طالوت کی نشانہ بازی تھی۔ بوڑھے خان کا دماغ خراب ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ پاگلوں کی طرح ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ گردن ہلاتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ۔ تم لوگ۔ اس دنیا کے انسان نہیں معلوم ہوتے اور تمہارے ساتھ آنے کے بعد۔ اب ہمیں بھی یقین ہونے لگا ہے کہ ہم اپنا پرانا آرزو پورا کر سکے گا۔"

ہم دونوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"آؤ چلیں' ہماری دوسری منزل پتی سرائے ہوگی' جہاں سے ہمارے دشمنوں کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ پتی سرائے اگر گل باغ خان ہی کی ملکیت ہے تو پھر۔ دولت خان کو ہمارے آنے کی خبر مل جائے گی۔" خان شہباز نے گھوڑے پر سوار ہوتے ہوئے کہا اور ہم دونوں نے بھی اپنے گھوڑے سنبھال لئے۔

اور پھر ایک سمت کا تعین کر کے ہم چل پڑے۔ بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان تین آدمیوں کا یہ سفر بہت دلچسپ لگ رہا تھا۔ اور پھر آنے والے لمحات کا تصور۔ نہ جانے کون کونسے ہنگاموں سے نپٹنا پڑے۔ "تم نے کہا تھا خان بابا کہ آزاد علاقے میں زبردست خطرہ ہے۔ ابھی تک تو ایک بھی فرد سے ملاقات نہیں ہوئی۔" راستے میں طالوت نے کہا۔

"اس دھوکے میں مت رہو برادر۔ جس علاقے سے ہم گزر رہے ہیں' اس علاقے کے جرگے کے سردار کو ہمارے بارے میں اطلاع ضرور مل گئی ہوگی۔" خان نے کہا۔

"ارے۔ وہ کیسے؟"

"پہاڑوں میں چھپی ہوئی بہت سی آنکھوں نے ہمیں دیکھا ہوگا اور جرگے کو اطلاع ہوگی۔"

"لیکن ہمیں تو کوئی نہیں نظر آیا۔"

"خاموشی سے گزرنے کی اجازت دے دی گئی ہوگی۔ ورنہ اتنی آسانی نہیں ہوتی۔" بوڑھے خان نے بتایا اور ہم خاموش ہو گئے۔ ممکن ہے بوڑھے خان کا بیان درست ہو۔ ممکن ہے ان پہاڑی راستوں کی ایسی ہی نگرانی ہوتی ہو۔

بہر حال طویل سفر طے ہوتا رہا۔ موسم بھی خوشگوار تھا۔ گرمی کا نام و نشان نہیں تھا۔ تیز رفتار گھوڑے بھی خوش و خرم تھے اور آسانی سے سفر کر رہے تھے۔ بعض جگہ دشوار راستے آ جاتے' لیکن گھوڑے بھی مقامی تھے اور ان راستوں کے عادی۔ اس لئے انہیں کوئی دقت نہیں ہو رہی تھی۔ پھر اچانک سورج ہمارے سروں سے غائب ہو گیا اور بادلوں کی دھند چھا گئی۔ موسم اور رنگین ہو گیا تھا' لیکن بوڑھے خان نے کئی بار گردن اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا تھا۔ بادل گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

"کیا ان پہاڑوں کی بارش خطرناک ہوتی ہے خان بابا؟" میں نے پوچھا۔

"بارش نہیں برف باری کہو۔" شہباز خان نے کہا۔

"وہ تو کہا برف باری کے آثار ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ ان علاقوں میں اچانک اور غیر متوقع طور پر برف باری شروع ہو جاتی ہے اور پھر کئی کئی دن تک جاری رہتی ہے۔ نقشہ ہی بدل جاتا ہے تم جن راستوں سے گزر کر دوسری

جگہوں پر جاتے ہو۔ واپسی پر ان کا نام و نشان نہیں ہوتا۔"

"خوب۔" طالوت نے پسندیدگی کے انداز میں گردن ہلائی۔ "بہت خوبصورت علاقہ ہے۔" درحقیقت ہم ایک حسین خطے میں سفر کر رہے تھے۔ پہاڑوں کا حسن نکھرا ہوا تھا۔ بادلوں کی کجاوٹ میں ماحول بہت خوبصورت ہو گیا تھا۔ بادل گہرے ہوتے گئے۔ شہباز خان کے اشارے پر گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی گئی تھی۔

پھر ایک ایسی پہاڑی آئی جس کے اوپری حصے پر ایک گول دائرے نما چٹان نظر آ رہی تھی' اس کے درمیان صاف کٹا ہوا سوراخ تھا۔ شاید یہ کسی قسم کا نشان تھا گو کناؤ قدرتی ہی معلوم ہوتا تھا۔

تب بوڑھے شہباز خان نے کہا "اس پہاڑی کے دوسری طرف کچی سرائے ہے۔"

"کوئی بستی ہے؟"

"ہاں۔ چھوٹی سی بستی۔ جسے زغن خان نے آباد کیا تھا اور پھر زغن خان کے بعد اس کا بیٹا اس کا مالک بن گیا۔ پھر اس کا پوتا گلباغ خان جو مکار بھی ہے اور بے غیرت بھی۔ اس نے اپنی پھوپھی دولت خان کو دے دی تھی اور دولت خان نے اس پر عنایات کی بارش کر دی اور گلباغ خان خود بھی اس علاقے کا بڑا کملانے لگا۔ کیونکہ اسے دولت خان کی مدد حاصل تھی۔"

"یہ تو وقت بتائے گا۔" شہباز نے کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔ دائرے والی پہاڑی کی ڈھلان کافی تھی۔ ہم عبور کر کے اس کے دوسری طرف پہنچ گئے۔

دوسری طرف کا منظر ادھر سے بھی زیادہ خوشگوار تھا۔ یہاں لہلہاتے کھیت نظر آ رہے تھے اور کھیتوں کے دوسری طرف کچے پکے مکان خوبصورت کھلونوں کی مانند بکھرے ہوئے تھے' ان کی تعداد دو سو کے قریب ہو گی۔ بعض مکانات کی چمنیوں سے لرزتا ہوا سا دھواں اٹھ رہا تھا' ہم نے گھوڑے روک لئے۔ شہباز خان عجیب سی نگاہوں سے بستی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور ہماری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا سوچ رہے ہو خان بابا؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "تیس برس کے بعد ایک بار پھر قسمت یہاں لے آئی ہے۔ لیکن سوچ رہا ہوں کہ اب میں کس قدر اجنبی ہوں۔ میرے پاس کچھ بھی تو نہیں رہا ہے۔ انسان کا سب سے بڑا سرمایہ اس کی اولاد ہوتی ہے' جس کے پاس یہ دولت بھی نہ رہے' اسے زندہ رہنے کا کیا حق ہے؟ خدا نے مجھے ایک بیٹا دیا تھا۔ میں نے خود کو مطمئن کرنے کے لئے کہا تھا کہ شیر کا بیٹا شیر ہوتا ہے۔ لیکن لوگوں نے میرا شیر مجھ سے چھین لیا۔ اب میرے پاس انتقام کے سوا اور کیا رہ گیا ہے۔" بوڑھے کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ تب طالوت نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور شہباز خان کے قریب پہنچ کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"تمہاری دنیا میں بھی ایک خوبی ہے شہباز خان۔ کہ ہر ایک کا مسئلہ نیا ہوتا ہے۔ تم لوگ اسی لئے زندہ ہو کہ تمہارے درمیان یکسانیت نہیں ہے۔ ہر دل ایک نئے درد سے آشنا ہے۔ ہر آنکھ میں نئے آنسو ہیں۔ عجیب ہے تمہاری دنیا۔ عجیب ہے۔"

اور میں چونک پڑا۔ یہ یوسف عمران بول رہا تھا۔ طالوت اپنی شخصیت کے لبادے سے جھانک رہا تھا۔ شاید وہ جذباتی ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔

اور وہ مجھے دیکھ کر سنبھل گیا۔ تب اس نے بوڑھے کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "انتقام کی پیاسی آنکھوں میں آنسو نہیں اچھے ہوتی ہے خان بابا۔ تم بھی ہمیں اپنی اولاد نہیں سمجھ سکتے۔ لیکن ہم نے تمہیں بابا کہا ہے۔ ہم قول نبھائیں گے۔"

"یہ میری آنکھوں کے آخری آنسو تھے میرے بچو۔ میں نے انہیں بھی گرا دیا۔ اب تم صرف ان آنکھوں کو شعلے برساتے ہوئے دیکھو گے' صرف شعلے' آؤ۔" بوڑھے نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ اور ہم نے بھی اپنے گھوڑے اس کے پیچھے دوڑا دیئے۔ شہباز خان نے گھوڑوں کی پرواہ بھی نہیں کی تھی۔ اس نے اپنا گھوڑا کھیتوں میں ڈال دیا اور ہم نے بھی مجبوراً اس کی تقلید کی۔ حالانکہ ملتے ہوئے کھیت روندنے سے گوفت ہو رہی تھی۔

اور پھر اسی وقت برف باری شروع ہو گئی۔ برف کے ذرات تیزی سے گرنے لگے۔ اس موسم نے طالوت کو بے حد متاثر کیا تھا۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کی رفتار سست کر دی۔ بوڑھا خان ہم سے بہت آگے نکل گیا تھا۔

"طالوت۔" میں نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ کر اسے روکا اور وہ میرے قریب پہنچ گیا۔ "وہ۔ شہباز خان آگے نکل چکا ہے۔"

"یہ موسم بہت خوبصورت ہے۔" طالوت نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ لیکن حالات خوبصورت نہیں ہیں۔ ہم موسم سے لطف اندوز نہیں ہو سکتے۔"

"خیر۔ پھر سہی۔" طالوت نے گھوڑے کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور ہم نے رفتار تیز کر دی۔ پندرہ ساعت کے بعد ہم نے بوڑھے شہباز کو جا لیا۔ وہ پیچھے دیکھے بغیر آگے بڑھ رہا تھا۔ برف باری شروع ہونے کی وجہ سے بستی کے لوگ گھروں میں جا چھپے تھے۔ صرف اکا دکا آدمی جلدی جلدی گھروں کی طرف جاتے نظر آ جاتے تھے۔

شہباز کا رخ اس بڑی عمارت کی طرف تھا۔ جس پر "قہوہ خانہ کی سرائے" کا بورڈ لگا ہوا تھا۔ سرائے کے باہر ایک چوڑا سائبان موجود تھا' جس میں گھوڑے باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔ ہم لوگ اپنے گھوڑے اس سائبان کے نیچے لے گئے۔ اور پھر شہباز خان گھوڑے سے نیچے اتر گیا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو باندھا۔ ہم لوگ اس کی تقلید کر رہے تھے۔ بوڑھے خان نے اپنے کلاہ کے صافے کو داڑھی سے لپیٹ لیا۔ اس سے اس کا چہرہ کافی حد تک ڈھک گیا تھا۔

پھر اس نے زین کے ہولسٹر سے رائفل کھینچی۔ پستول کی پیٹی اس کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔ ہم نے اپنی رائفلیں بھی ساتھ لے لیں اور اس کے بعد ہم سرائے کے دروازے سے اندر داخل ہو گئے۔

ایک بہت بڑا ہال تھا' جس میں لکڑی کی بے ہنگم کرسیاں اور میزیں پڑی ہوئی تھیں۔ ان کے گرد بے شمار خوش فکرے بیٹھے ہوئے قہوے سے شغل کر رہے تھے۔ تندرست و توانا۔ خوبصورت اور خطرناک چہرے والے۔ قہقہے ابل رہے تھے۔ سب ایک دوسرے سے بے نیاز تھے۔ کھڑکیاں چاروں طرف سے کھول دی گئی تھیں اور ان سے باہر کی فضا صاف نظر آ رہی تھی۔ کبھی کبھی ہوا کے کسی شریر جھونکے کے ساتھ برف کی پھوار اندر بھی آ جاتی اور چہرے پر ننھی ننھی کنکریوں کی بارش ہو جاتی' اندر کا موسم بھی کافی خنک تھا اور اس کی خنکی میں قہوے کی خوشبو شامل ہو کر عجیب لطف دے رہی تھی۔

ہمارے اندر داخل ہوتے ہی ایک دم خاموشی چھا گئی۔ لوگ ہمیں غور سے دیکھ رہے تھے۔ لیکن شہباز خان سے بے نیاز کوئی خالی میز تلاش کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک میز منتخب کی اور اس کی طرف چل پڑا۔ ہم بھی اس کے ساتھ تھے اور پھر ایک کھڑکی کے نزدیک کی خالی میز پر ہم جم گئے۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد ہم نے چاروں سمت نگاہیں دوڑائیں۔ خاموشی ابھی تک طاری تھی۔

ہال میں بیٹھے ہوئے سارے لوگ ہی تنومند تھے۔ تقریباً سب ہی کی کمر سے پستول کی پیٹی لٹک رہی تھی' اور ان میں مختلف سائز کے پستول تھے۔ بہت سے لوگوں کے پاس رائفلیں بھی تھیں۔ گویا ہتھیار یہاں عام تھے۔ ہم نے اپنی رائفلیں اپنے قریب رکھ لیں۔ اسی وقت میں نے طالوت کی ہلکی سی آواز سنی "راسم!" اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ لیکن طالوت نے اتنے دھیمے لہجے میں کوئی بات کی کہ میں سن نہ سکا۔ بوڑھا شہباز خان ہال میں نگاہیں دوڑا رہا تھا اور ہماری طرف متوجہ نہیں تھا' اور پھر طالوت خاموش ہو گیا۔

میں نے اس سے اشارے سے پوچھا کہ وہ راسم کو کیا ہدایات دے رہا تھا۔ اور اس نے لاپرواہی سے گردن ہلا دی۔ بہرحال میں مشکوک ہو گیا تھا۔ نہ جانے طالوت نے راسم کو کیا ہدایات دی تھیں۔

"کیا بات ہے خان بابا۔ خاموش کیوں ہو؟" چند منٹ کے بعد طالوت نے پوچھا اور بوڑھا چونک کر ہماری طرف متوجہ ہو گیا۔

"میں دولت خان کے آدمیوں کو تلاش کر رہا ہوں۔"

"اوہ۔ ان میں کوئی ہے؟"

"نہ جانے کتنے ہوں گے۔ لیکن اس خنزیر تو میں کو میں پہچان رہا ہوں' جو بوڑھا ہو چکا ہے۔ لیکن آج بھی جوانوں کے سے انداز میں بیٹھا ہے۔" شہباز خان نے کینہ توز نگاہوں سے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کونسا ہے؟"

"وہ جس نے اپنی کلاہ کا طرہ ایک فن اونچا کر رکھا ہے۔" اور ہم نے ایک تندرست و توانا بوڑھے کو دیکھا جس کے چوڑے چہرے پر زخم کا گہرا نشان تھا۔ بوڑھا شکل اور آنکھوں سے کافی خونخوار معلوم ہوتا تھا۔

"خوب۔ تو پہلے تم اسے مارو خان بابا۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ میں اس چھچھورے پر اس وقت تک ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا جب تک وہ میرے مقابل نہ آئے۔ میں تو گلباغ خان سے معلوم کروں گا کہ میرے بیٹے کو کس طرح قتل کیا گیا۔"

"تو یہ وہ اس کے بارے میں جانتا ہو گا۔"

"اس کے علاوہ اور کون جانے گا۔" شہباز خان نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"یا وہ بھی ان لوگوں میں موجود ہے؟"

"نہیں۔ وہ اندر ہو گا۔"

"ہوں۔" طالوت نے گردن ہلائی اور اسی وقت ایک بوڑھا بیرہ ان کے پاس آیا۔

"قہوہ پیئو گے خان؟"

"اوہ۔" شہباز خان نے بھاری آواز میں کہا۔

"کونسی بستی سے آئے ہو۔ تمہاری شکلیں ہمارے لئے اجنبی ہیں۔" بیرے نے کہا اور شہباز خان بھنویں اٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا قہوے کے پیسوں کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے؟" اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"اجنبی لوگوں کے بارے میں ہم ضرور معلوم کرتے ہیں۔" بیرے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"کیوں۔ وہ چور دولت خان کسی سے خوفزدہ ہے کیا؟" شہباز خان نے کہا اور بیرہ چونک کر اسے گھورنے لگا "ہاں۔ ہاں میں جانتا ہوں تم دولت خان کے کتے ہو۔ اسی کے اشارے پر دم ہلاتے ہو۔" شہباز خان نے حقارت سے کہا۔

"یہ گلباغ خان کا حکم ہے۔"

"وہ بے غیرت بھی اب حکم دینے کے قابل ہو گیا۔ کیوں نہ ہو اس نے دولت خان کو نوکری پیش کی ہے۔"

بیرہ آگ کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ پھر وہ خاموشی سے مڑا اور واپس چلا گیا۔ شہباز خان تیکھی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی "اب وہ چوہا بل سے نکل آئے گا۔" اس نے مسکراتے ہوئے ہم دونوں کی طرف دیکھا اور اپنے پستول کے دستے پر ہاتھ رکھ دیا۔

میں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ باہر برف اور زور سے پڑنے لگی تھی اور میں سوچ رہا تھا کہ اب یہ سفید برف خون سے رنگین ہو جائے گی۔ ہنگامہ ضرور ہو گا۔

اور میرا خیال غلط نہ تھا۔ ہال کے ایک دروازے سے بس میں بیرہ داخل ہوا تھا۔ ایک میلے رنگ کا خوفناک شکل والا آدمی باہر آیا۔ اس کے پیچھے دو مسلح جوان تھے اور بیرہ اس کے ساتھ تھا۔

باہر نکل کر اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور بیرے نے انگلی سے ہماری طرف اشارہ کر دیا۔

"عارف۔" طالوت نے مجھے پکارا۔

"ہوں۔"

"سنبھل جاؤ۔ کسی قسم کا خوف مت محسوس کرو۔" میں نے اسے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے آنے والوں کو دیکھنے لگا۔ شہباز خان اسی طرح گردن اکڑائے بیٹھا تھا۔ پھر اس کی منہ سے غراہٹ نکلی۔

"کوبرو۔ کوب غیرت۔"

گلباغ خان اپنے آدمیوں کے ساتھ ہمارے سامنے رکا گیا۔ وہ خونخوار نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے پھنکارتی آواز میں کہا "کھڑے ہو جاؤ۔"

"او بے غیرت۔ تیری گردن آج بھی نہیں جھکی۔ تجھے احساس نہیں ہوا کہ تو نے اپنی چوہی دولت خان کی بیٹی کو پیش کر کے اپنے باپ دادا کی غیرت مٹا دی ہے۔" شہباز خان نے زور سے کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" گلباغ خان گرجا۔ اس وقت ہال کے سارے لوگ ہماری طرف متوجہ تھے۔

"میں ایک بے غیرت کی بات نہیں مانتا۔" شہباز خان نے کہا اور دوسرے لمحے گلباغ خان نے پستول نکال لیا۔ پھر اپنے آدمیوں کی طرف رخ کر کے بولا۔

"اسے کھڑا کرو۔"

"رک جاؤ۔ رک جاؤ۔" طالوت نے ایک ہاتھ اٹھا کر دونوں آدمیوں کو روکا جو جارحانہ انداز میں آگے بڑھے تھے اور وہ دونوں ٹھٹک گئے۔ ان کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے اور یہ بات صرف میں نے محسوس کی تھی کہ وہ اپنی مرضی سے نہیں رکے تھے کوئی غیر مرئی قوت ان پر مسلط ہو گئی تھی۔

"اسے کھڑا کرو۔" گلباغ خان ان دونوں کی طرف دیکھ کر دہاڑا۔ انہوں نے جواب دے دیا تھا اور اب بھی چہروں کی طرح یک گونے میں کھڑے تھے۔ دوسرے اس کا پستول خالی تھا۔

"ہم ایسا نہیں کر سکتے خان" وہ دونوں بیک وقت بولے۔ جانے کس طرح؟

اور ان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ یہ سب ان کی مرضی سے ان کے منہ سے نہیں نکلے۔

"رحمان خان کے خون کا انتقام لینے کا وقت آگیا ہے گلباغ خان۔ میں اس کے قاتلوں سے انتقام لینے آیا ہوں۔"

"کیوں؟" گلباغ خان گرجا۔

"آٹھ سال بعد۔" گلباغ مسکرا کر بولا۔

"کیونکہ۔ کیونکہ۔ تم سچ مچ بے غیرت ہو۔" وہ پھر اسی انداز میں بولے۔

"ہاں۔ یہ آٹھ سال میں نے تیاریوں میں گزارے ہیں اور وقت آگیا ہے کہ میں دولت خان اور اس کے خاندان کو قبر میں پہنچا دوں؟"

"او۔ خنزیر کے بچو اور نمک حرامو! تمہاری یہ جرات۔ تم سے بعد میں نپٹوں گا۔ دیکھ لوں گا تمہیں بھی۔" گل باغ خان نے ان میں سے ایک کے لات ماری وہ لڑھک گیا۔ دوسرے کے منہ پر اس نے پستول والا ہاتھ مارا تھا اور اس کی پیشانی کی کھال پھٹ گئی اور خون بہنے لگا۔ وہ بھی گر پڑا تھا اور ان دونوں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔

"کیا پوری فوج ساتھ لائے ہو شہباز خان؟"

تب شہباز خان کھڑا ہو گیا۔ اس نے مجمع کی طرف منہ کر کے کہا۔ "سنی سرائے کے لوگو۔ کیا تمہیں یہ بات معلوم ہے کہ گل باغ خان نے دولت خان کی محبت میں اپنا ضمیر بیچ دیا۔ اس نے اپنے باپ کی بہن دولت خان کو پیش کی تھی۔ کم عمر بچی بغیر نکاح کے دولت خان کی حرم میں داخل ہوئی تھی اور گلباغ خان اسی کی بدولت عزت دار بنا۔"

"او کتے۔ کتے۔ میں تجھے فنا کر دوں۔" گلباغ خان نے پستول کا رخ شہباز کی طرف کر کے ٹریگر دبا دیا۔ شہباز خان بھی تجھے احساس نہیں ہوا کہ تو نے اپنی چوہی دولت خان کی بیٹی سے ایک طرف ہٹ گیا۔ لیکن گلباغ کے پستول سے گولی کہاں نکلی تھی۔ نہ کوئی دھماکہ ہوا تھا۔ شاید پستول خالی تھا۔

"تیرا پستول خالی ہو چکا ہے گلباغ۔ ایسے کھلونے غیرت اوروں کے ہاتھوں میں اچھے لگتے ہیں اب میں تجھے بتاؤں گا کہ میں کون ہوں۔" شہباز خان نے اپنا چہرہ کھول دیا۔

ہم دونوں بھی کھڑے ہو گئے تھے اور ہم نے اپنے پستول نکال لئے تھے۔ ہماری نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ خاص طور سے ہم بوڑھے تو ریز پر نگاہ رکھ رہے تھے۔

گلباغ خان تعجب سے شہباز کو دیکھنے لگا اور پھر وہ اسے پہچان گیا اور اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی "شہباز خان۔ یہ تم ہو شہباز خان۔"

"ہاں۔ یہ میں ہوں۔ تو نے مجھے پہچان لیا۔"

"یہاں کیوں آئے ہو شہباز خان؟" گلباغ سنبھل کر بولا۔ ویسے وہ کسی حد تک نروس نظر آرہا تھا۔ اول تو اس کے

"سن لو بھئی۔ یہ شیروں کے شیر دولت خان۔ شیر ہیر سرتاج خان سے بدلہ لینے آیا ہے۔ پورے آٹھ سال کے بعد شہباز خان کی رگوں میں خون نے جوش مارا ہے۔" گلباغ خان نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"میں اس بے وقوف سے پوچھوں کہ یہ دولت خان کے پاس پہنچے گا کس طرح؟" اس بار ایک دوسری آواز سنائی دی۔ اور یہ تو ریز کی آواز تھی۔ اس نے اپنی رائفل اٹھائی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس کی میز پر بیٹھے ہوئے دوسرے لوگ بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں تجھے بھی پہچان گیا ہوں تو ریز کتے۔ فکر مت کر۔ میں تیرا بھی دماغ ٹھیک کروں گا۔ دولت خان کا ایک ایک آدمی میرے قہر کا نشانہ بنے گا۔"

"میں دولت خان کا غلام ہوں۔ پہلے تو اس کے غلاموں سے نپٹ لے بوڑھے شہباز خان۔ اس کے بعد دولت خان کی بات کرنا۔" تو ریز آگے بڑھتے ہوئے بولا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو بھی اشارہ کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ پانچوں بھی آگے بڑھ آئے اور پھر وہ ہمارے نزدیک پہنچ گئے۔

"پستول نیچے پھینک دے تو ریز۔ ورنہ میں تیری پیشانی میں سوراخ کر دوں گا۔" شہباز خان نے کہا اور تو ریز نے دانت نکوس کر فائر کر دیا لیکن اس کے پستول سے بھی ٹریگر کی آواز نکل کر رہ گئی۔

اور میری سمجھ میں راسم کو آواز دینے کی وجہ آگئی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ اس وقت قہوہ خانے میں موجود کسی بھی شخص کے پستول یا رائفل میں کارتوس نہ ہوں گے میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ تب تو ریز نے پستول پھینک دی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹا اور اس نے رائفل تان لی۔

"اس کے ہاتھ سے پستول چھین لو۔" اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور اس کے بعد ایک دلچسپ منظر نظر آیا۔ تو ریز کے آدمیوں کے قدم اٹھے لیکن پھر وہ ایک دائرے میں گھوم گئے اور اس کے بعد انہوں نے کمر پر ہاتھ رکھ کر تھرکنا شروع کر دیا۔ وہ رقص کرنے لگے تھے۔ تو ریز منہ پھاڑے انہیں دیکھنے لگا۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔

"اس کا پستول چھین لو۔ خنزیر کے بچو۔" وہ دہاڑا اور اس کے آدمیوں کے رقص کرنے کی رفتار تیز ہو گئی۔

"سنی سرائے کے جیالے اب پستول نہیں چلاتے، رقص کرتے ہیں۔" شہباز خان نے کہا "تو بھی رائفل پھینک دے تو ریز اور ان میں شامل ہو جا۔ اب ان کا مصرف یہی ہے۔" شہباز خان نے کہا۔

اور دوسرے لمحے تو ریز رائفل لے کر شہباز خان پر ٹوٹ پڑا۔ رائفل کا پہلا وار میز پر پڑا۔ اور رائفل ٹوٹ گئی۔ دوسرے لمحے شہباز خان کے پستول سے گولی نکلی اور تو ریز کی پیشانی میں داخل ہو گئی۔ گلباغ نے دوسری طرف چھلانگ

جواب دیا۔

میں خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے طالوت سے میں بھی متفق تھا۔ لیکن یہ سب کچھ میرے لئے اجنبی تھا۔ میں خود بھی چیزوں کی طرح مارا مارا پھر رہا تھا۔ میرے ہاتھوں سے بھی قتل ہوا تھا۔ لیکن عجیب و غریب حالات میں۔ میں بہر حال قتل کا عادی نہیں ہوا تھا۔

گلباغ کے جسم سے بہت خون بہہ گیا تھا۔ لیکن وہ کافی جاندار تھا۔ پھر اس نے دم توڑتے ہوئے کہا "میں مر رہا ہوں شہباز۔ لیکن سن لے۔ دولت خان کو، سرتاج خان کو پتہ ضرور چل جائے گا کہ میرا قاتل تو ہے اور پھر وہ ہو گا۔ جو تیرے لئے بہت اذیت ناک ہو گا۔ سن میں تجھے ایک۔ خوشخبری سنا سکتا۔ آ۔ آ۔"

گلباغ کا دم اکھڑنے لگا تھا۔ لیکن حواس اب بھی قائم تھے "میں۔ تجھے ایک۔ خوشخبری سنا سکتا۔ لیکن۔ اب۔ نہیں اب نہیں۔" اسے خون کی ایک بڑی قے ہوئی اور پھر اس کی آنکھیں پتھرا گئیں۔

"میرے لئے اس سے بڑی خوشخبری اور کیا ہو سکتی ہے کہ میرے بیٹے کے قاتلوں کے نشان مل جائیں۔ میں ان میں سے ایک ایک کو تلاش کر لوں گا تو۔ میرے بچو۔ ہم آگے بڑھیں گے۔ تو۔" شہباز خان نے گلباغ کے مردہ جسم کو اٹھایا اور اسے برف پر ڈال دیا۔ پھر وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھ گیا۔

ہم دونوں اس کے ساتھ تھے۔ شہباز خان بے حد مسرور نظر آ رہا تھا۔ برف اب بھی اسی رفتار سے پڑ رہی تھی۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر شہباز نے گھوڑا روک دیا۔

"اب آگے بڑھنا مشکل ہے۔ ہم یہیں قیام کریں گے۔"

"لیکن۔ میں بھی تجھ۔" میں نے کہا۔

"نہیں دلاور خان۔ میں ان حالتوں کا عادی ہوں۔ تم میرے ساتھ۔ یہاں اتنے کشادہ مکانات ہیں کہ ان میں فوج سما جائے۔ آؤ۔" شہباز گھوڑے سے اتر گیا۔ برف اور تاریکی کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ لیکن شہباز کی آنکھیں جیسے رات میں بھی سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ چند ساعت کے بعد برف باری میں سے عمارت نمودار ہوئی۔ گھوڑوں نے بھی برف اپنے نتھنوں سے ہٹانے کے لئے پھریری لی تھی۔ گویا ہم کسی عالیشان مکان میں داخل ہو رہے تھے۔

شہباز خان گھوڑے کو آگے بڑھاتا رہا۔ اور پھر اس نے کہا "میرے گھوڑے کی لگام پکڑو۔ میں روشنی کرتا ہوں۔"

"روشنی۔" میں نے چونک کر کہا۔

"ہاں۔" شہباز ہنسا "تم نے سفر کے لئے بہت سامان خریدا تھا۔ لیکن ابھی تم ان پہاڑوں کے لئے اجنبی ہو۔ تمہارے پاس روشنی ہے؟"

"نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"میرے پاس ہے۔" بوڑھا اپنے گھوڑے پر لدے ہوئے تھیلے میں کچھ تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے کسی جانور کی چربی کی بنی ہوئی موٹی شمع نکالی اور کشادہ جگہ میں زرد روشنی پھیل گئی۔

روشنی ہونے کے بعد ہم نے گھوڑوں کی پشت سے زین اور تھیلے اتارے اپنے تھیلے قرینے سے رکھے اور پھر ایک صاف جگہ دیکھ کر بستر بچھا دیئے۔ پھر کھانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس دوران ہم نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی۔ لیکن کھانے کے دوران شہباز خان نے اچانک ہاتھ روک کر کہا "کیا بات ہے؟ تم لوگ خاموش کیوں ہو؟"

"کوئی بات نہیں خان بابا۔"

"کیا میں نے خدا کیا؟"

"نہیں۔ تم نے جو کچھ کیا ہو گا، صحیح سمجھ کر ہی کیا ہو گا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اطمینان رکھو۔ میرے ہاتھ سے کوئی بے گناہ نہیں مارا جائے گا۔ گلباغ خنزیر تھا۔ اس نے اپنی غیرت دولت کے حوالے کر دی تھی اور پھر دولت خان کی مدد حاصل ہو جانے کے بعد اس نے کمزوروں پر ظلم کرنے شروع کر دیئے۔ نہ جانے اس بے غیرت نے کتنوں کی عزت دولت خان کے حوالے کی ہو گی۔ تم نے دیکھا بستی کے لوگوں نے اس کی کوئی مدد نہیں کی۔ کوئی بھی گلباغ سے خوش نہیں تھا۔ ورنہ بستی کے ہر آدمی کے لئے دو لوگ خون بہا دیتے۔"

"ٹھیک ہے خان بابا۔ مگر اس کی موت سے کچھ بیتہ نہ چل سکا۔"

"نہ چلے۔ پتہ بھی چل جائے گا۔ موذی کو مارنا ثواب ہے۔ مگر آج قسمت عجیب مہربانی ساتھ دے رہی ہے۔"

"کیوں؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"تم نے کچھ عجیب باتیں نہیں دیکھیں؟"

"کیا؟"

"خالی پستول ہونے کے بعد بھی تم نے کوئی بے گناہ نہیں مارا۔ چاہتے تو تم بھی پستول خالی نہیں رکھتے۔ لیکن تو ریز کا پستول بھی خالی تھا اور گلباغ کا بھی۔ اور پھر تو ریز کے آدمی ہونے اور میرے

کرنے کے بجائے ناچنے لگے تھے اور گلباغ کے دونوں تو میں نے بھی اس کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کیا تھا۔"

"ہاں۔ قسمت نے ہمارا ساتھ دیا ہے خان بابا۔" میں نے مسکراتے ہوئے طالوت کی طرف دیکھا۔

"اگر قسمت اسی طرح ساتھ دیتی رہی تو مجھے یقین ہے کہ میں رحمان خان کے قاتلوں کو فنا کر کے ہی واپس جاؤں گا۔"

"تم فکر مت کرو شہباز خان۔ قسمت اسی طرح ساتھ دیتی رہے گی۔"

"انشاء اللہ۔" شہباز نے بڑے خلوص سے کہا اور پھر کھانے میں مصروف ہو گیا۔

"اب ہم کہاں چلیں گے خان بابا۔"

"تاسیہ۔" شہباز نے جواب دیا۔

"ہوں۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم آرام کرنے لیٹ گئے اور آج مجھے بھی نیند آ گئی۔ طالوت کے خراٹے تو میں نے پہلے ہی سن لئے تھے۔

رات گزر گئی۔ دوسری صبح بڑی صاف و شفاف تھی، آسمان بالکل صاف تھا۔ برف نہ جانے کب تک گرتی رہی تھی۔ بہر حال ہوا چلنے کی وجہ سے کافی سردی ہو گئی تھی۔ چنانچہ ہم نے پوستین اور بڑے بالوں والی ٹوپیاں پہن لیں بوڑھے خان نے بھی چمڑے کا لباس پہن لیا تھا۔ ناشتہ وغیرہ کیا گیا۔ گھوڑوں کو بھی شہباز خان نے اپنے ہاتھ سے کھلایا پلایا۔ اور پھر پوری طرح چاق و چوبند ہونے کے بعد ہم نے ہتھیار چیک کئے اور پھر گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے۔

تاحد نگاہ سفید سفید برف نظر آتی تھی۔ اگرچہ سورج نکلا ہوا تھا۔ لیکن دھوپ میں ذرا بھی حدت نہیں تھی۔ سردی شدید تھی۔ کبھی کبھی بادلوں کے ٹکڑے سورج پر آ جاتے تو سردی کا احساس شدید ہو جاتا۔

طالوت کا گھوڑا میرے گھوڑے کے برابر دوڑ رہا تھا۔ طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا "عارف؟"

"ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیا بات ہے؟ تم کچھ الجھے الجھے ہو؟"

"نہیں۔ تمہارا خیال ہے؟"

"کیا یہ تبدیلی تمہیں پسند نہیں آئی؟"

"آئی ہے۔" میں نے مختصر جواب دیا۔

"نہیں۔ تم سنجیدہ ہو۔ مجھے تو یہ مناظر بے حد پسند ہیں۔ برف پوش پہاڑ۔ خوبصورت اور خطرناک راستے۔ شہروں کی بہ نسبت کتنے پرسکون ہیں۔"

"ہاں۔ لیکن ہم جس مسئلے میں الجھ گئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے طویل نہ ہو گا۔ بڑے میاں کا کام ہو جائے تو انہیں چھٹی دے دیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ان کا کام آسان نہیں ہو گا۔"

"ہم لوگ آسان کاموں کے عادی بھی نہیں ہیں۔ بڑے میاں بھی کیا یاد کریں گے۔" طالوت نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ ایک درے سے گزر کر ہم بلندی کی طرف چل پڑے۔ بوڑھے شہباز خان کی نگاہیں دور دور تک جائزہ لے رہی تھیں۔ چاروں طرف سنسان پہاڑیاں خاموش کھڑی تھیں ہم بلندی طے کرتے رہے۔

لیکن جونہی ہم درے پر پہنچے، اچانک تینوں اچھل پڑے۔ تقریباً پچیس تیس کے قریب گھڑ..... سوار بالکل سامنے سے آ رہے تھے۔ سب کے سب مسلح تھے اور ان کی قیادت ایک دیو پیکر انسان کر رہا تھا۔ اس نے بڑے بالوں والے ریچھ کی کھال کا پست کوٹ پہن رکھا تھا اور اس کے کندھے سے رائفل لٹکی ہوئی تھی۔ ہم لوگوں کا اس طرح آمنا سامنا ہوا تھا کہ ہم ٹھٹھک کر رہ گئے۔

شہباز خان نے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں اور پھر اس کے منہ سے غرابت نکلی۔

"دولت خان۔"

"کون ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"مگر نہیں۔ دولت خان ابھی تک اتنا جوان نہیں ہو سکتا۔ وہ یقیناً سرتاج خان ہے۔ باپ کا ہم شکل۔" دوسری طرف بھی گھوڑے رک گئے تھے۔

دیو پیکر انسان کا ہاتھ پٹی کے ریوالور پر پہنچ گیا اور پھر اس کی بھاری آواز ابھری "کیا یہ تم ہو شہباز خان؟"

"ہاں۔ میں شہباز خان ہوں۔ کیا تو دولت خان کا لڑکا ہے۔"

"ہاں۔ میرا نام سرتاج خان ہے۔"

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔ بہت جلد تو میرے سامنے آ گیا سرتاج خان۔" شہباز خان نے بھی پستول پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ لیکن میری نگاہیں سرتاج خان کے پیچھے موجود لوگوں پر بھی ہوئی تھیں۔ سب نے رائفلیں اتار لی تھیں اور پوری طرح تیار تھے۔

"تو ریز خان کو تو نے قتل کیا ہے شہباز خان؟" سرتاج خان نے پوچھا۔

"ہاں۔ اور گلباغ بھی میرے ہی ہاتھوں کتے کی موت مارا گیا۔" شہباز خان نے فخریہ انداز میں کہا۔

"اوہ۔ تو نے گلباغ کو بھی قتل کردیا۔ اس کا مطلب ہے کہ میرے آدمی کی اطلاع درست تھی۔" سرتاج خان بھیڑیئے کی طرح غرایا۔

"بالکل درست۔" شہباز خان نے کہا۔

"تو نے ان دونوں کو کیوں قتل کیا شہباز خان۔" سرتاج نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"اس لئے کہ یہ تیرے ساتھی تھے۔ دولت خان سے میری پرانی دشمنی ہے اور اب میں بدلہ لینے آیا ہوں۔"

"اتنے طویل عرصے تک تیرا خون کیوں سرد رہا۔ شہباز خان؟ سرتاج نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"وقت کا انتظار تھا۔"

"اب وقت آگیا؟"

"اس کا ثبوت دونوں لاشیں ہیں جو دولت خان کے پاس پہنچ جائیں گی۔ لیکن تیری لاش دیکھ کر دولت خان کو سب سے زیادہ خوشی ہوگی کیونکہ وہ لاش اس کے بیٹے سرتاج خان کی ہوگی۔ اتنی ہی خوشی، جتنی مجھے رحمان خان کے خون آلود کپڑے دیکھ کر ہوئی تھی۔"

"خوب۔ خوب۔" سرتاج خان وحشیانہ انداز میں ہنسا پھر وہ ہم دونوں کی طرف دیکھ کر بولا "یہ کون ہیں شہباز خان۔ ان غریبوں کو تو کہاں سے پکڑ لایا ہے۔"

"میرے ساتھی۔ میرے مددگار۔"

"کرائے کے ہیں" سرتاج خان مذاق اڑاتے ہوئے بولا۔

"پیسے بھی ہیں۔ تیرے اور تیرے ساتھیوں کے لئے کافی ہیں۔"

"کیا پیسے کی موت نے تیرا دماغ بھی خراب کردیا ہے بوڑھے شہباز؟ میں تیرے ساتھ کچھ رعایت کرنا چاہتا ہوں۔ سرتاج خان بزدل نہیں ہے میں جانتا ہوں تم صرف تین ہو اور میرے ساتھ بہت لوگ ہیں۔ خود کو میرے حوالے کردے۔ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل نہیں کروں گا بلکہ تجھے اپنے باپ کے حوالے کردوں گا۔ مجھے تیرے بڑھاپے پر رحم آتا ہے۔ ہاں میرا باپ تیرے ساتھ جو سلوک کرے۔ اس میں میں دخل نہیں دوں گا۔"

"واقعی یہ بہت شریف آدمی ہے شہباز خان۔ تم سے جنگ نہیں لڑنا چاہتا۔ کہیں کیا یہ مجھ سے جنگ کرنا پسند کرے گا؟" چونکہ طالوت نے کہا۔

سرتاج خان نے چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس سے قبل کہ شہباز خان کچھ بولے۔ سرتاج خان گھوڑے سے اترتے ہوئے بولا "اگر تو مکاری سے کام نہ لے شہباز خان۔ تو میں تجھے پٹھانوں کی ایک رسم دوانا چاہتا ہوں۔"

"کیسی رسم؟" شہباز خان نے بے ساختہ پوچھا۔

"اگر کوئی کسی ایک فرد کو للکارے اور دوسرا اسے قبول کرلے تو صرف دو آدمیوں میں جنگ ہوتی ہے۔ اس بچے نے مجھے للکارا ہے۔ کیا تو مجھے اس سے جنگ کرنے کی اجازت دے گا؟"

"شہباز خان ضرور اجازت دے گا۔" طالوت نے کہا گھوڑے سے اترتے ہوئے کہا "لیکن تو اپنے آدمیوں سے بھی کہہ دے کہ وہ بد عہدی نہ کریں۔"

"پٹھان بد عہد نہیں ہوتے۔" سرتاج خان نے کہا اور پھر وہ اپنے آدمیوں کی طرف مڑ کر بولا "اگر شہباز خان کی طرف سے مکاری نہ کی جائے تو تم لوگ خاموش رہو گے۔"

میں نے شہباز خان کے چہرے پر کسی قدر بوکھلاہٹ دیکھی۔ اسے احساس تھا کہ سرتاج خان اور طالوت کا کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ سرتاج خان فل پیکر تھا اور طالوت اس کے سامنے مچھر۔

"تیرا جھگڑا مجھ سے ہے اس سے نہیں۔ میں تجھ سے مقابلہ کروں گا۔" شہباز خان نے کہا۔

"تو بوڑھا آدمی ہے شہباز اور پھر میں تجھے قتل کرنے کے بجائے زندہ گرفتار کرکے اپنے باپ کی خدمت میں تحفتاً پیش کروں گا۔ میں تجھ سے جنگ نہیں کروں گا۔"

"اسے لڑنے دو شہباز خان۔" میں نے شہباز خان کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور شہباز خان خاموش ہوگیا۔ لیکن اس کے چہرے سے سخت ہیجان اور اضطراب عیاں تھا۔

"او۔ جوان۔ کیا تو اپنی بات پر قائم ہے؟" سرتاج خان نے مسکراتے ہوئے طالوت کو دیکھا۔

"بالکل۔ لیکن اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا؟"

"ہم دونوں میں سے ایک کی موت۔"

"اس کے بعد؟" طالوت نے پوچھا۔

"اس کے بعد میں ان دونوں کو گرفتار کرکے اپنے باپ کے پاس لے جاؤں گا۔"

"اور اگر تم مارے جاؤ سرتاج خان۔"

"تب۔" سرتاج خان نے مسکراتے ہوئے کہا "تب میرے آدمی یہاں سے پچاس کوس دور ہٹ جائیں گے۔ اس

کے بعد تم لوگ مقابلہ کرنا اور اس کا جو بھی نتیجہ ظاہر ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے منظور ہے۔" طالوت نے کہا اور سرتاج خان نے گھوڑے کی لگام ایک آدمی کے حوالے کردی۔ پھر اس نے ان سے پیچھے ہٹ جانے کو کہا اور بولا۔

"کیسے جنگ کرے گا۔ پستول سے؟"

"حمزہ نہیں آئے گا سرتاج خان۔" طالوت نے جواب دیا۔

"مگر تیرے پاس تلوار نہیں ہے؟"

"میرے پاس ہے؟"

"ہاں۔" سرتاج خان نے گھوڑے کی زین سے تلوار کھینچ لی۔

"بس کافی ہے۔ میں تیری تلوار چھین کر تجھے موقع دوں گا کہ تو دوسری تلوار حاصل کرلے۔" طالوت نے کہا۔

"میں تجھے تلوار مہیا کرسکتا ہوں۔"

"شکریہ۔ شکریہ۔ میں دشمن سے تلوار مانگ کر جنگ نہیں کروں گا۔ بلکہ چھین لوں گا۔"

"کیا تو صحیح الدماغ ہے۔" سرتاج خان نے کہا۔

"ابھی پتہ چل جائے گا۔" طالوت نے کہا۔ ان دونوں کی گفتگو سے شہباز خان بہت مضطرب تھا۔ ہم لوگ بھی پیچھے ہٹ آئے تھے۔ تب۔ شہباز خان نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"وہ۔ وہ غلطی کررہا ہے۔ وہ حماقت کررہا ہے۔"

"وہ اس کا عادی ہے۔ تم فکر مت کرو۔" میں نے سکون سے کہا میرے دل میں اضطراب کا تصور بھی نہیں تھا۔ طالوت کے لئے بھلا سرتاج خان کیا حیثیت رکھتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ طالوت تفریح کررہا ہے۔ ورنہ وہ بہت کچھ کرسکتا ہے۔ دونوں آمنے سامنے آگئے۔ سرتاج خان نے تلوار سیدھی کی تھی۔ اس کے فولادی بازو کی پھٹیاں تڑپ رہی تھیں۔ وہ شاید اس فکر میں تھا کہ صرف ایک وار کرکے دشمن کی گردن اڑادے۔ یہی اس کی شایان شان تھا۔ ورنہ ایک نہتا اور اس کے سامنے بے حیثیت انسان اگر اس کا وار بچا گیا تو خاصی سبکی ہوتی۔ چنانچہ تلوار تولتے ہوئے پینترے بدلتا رہا۔ اور پھر ایک بار اس نے کاوا دے کر ایک بھرپور وار کیا۔ لیکن اچانک سر سے پرواز کرجانے والی ٹوپی نے اس کا ذہن بانٹ دیا۔ اور طالوت کو بچنے کی ضرورت بھی نہ پیش آئی۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹوپی دیکھی اور سر ٹٹولنے لگا۔ ٹوپی کافی بلند ہوکر دوبارہ اس کے سر پر آگری تھی۔

میری ہنسی نکل گئی۔ جب کہ دوسرے لوگ دم بخود تھے۔ بہرحال سرتاج خان نے اسے اتفاق ہی سمجھا تھا۔ البتہ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا۔ اگر مقابل کے ہاتھ میں تلوار ہوتی تو وہ باآسانی اس وقت اس کے سینے میں بھونک سکتا تھا۔ جب اس نے ٹوپی کے لئے اوپر دیکھا تھا اس بات کو وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا۔

اور اس بار پوری طرح چوکنا تھا۔ اس نے گھوم کر تلوار کا دوسرا وار کیا۔ اور اچانک اس کے زیر جامے کا بند ٹوٹ گیا۔ زیر جامہ ڈھیلا ہوکر نیچے کھسک گیا اور سرتاج خان نے جلدی سے اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ طالوت حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مسخرے انداز سے پوچھا۔

"کیا ہوا سرتاج خان۔ کیا پیٹ میں درد ہورہا ہے۔"

پوزیشن ہی ایسی تھی۔ سرتاج خان کیا کہتا۔ ظاہر ہے یہ اس کے دشمن کا کارنامہ تو نہیں تھا۔ نہ جانے کس طرح۔ نہ جانے کیسے۔ یہ ہوگیا۔ دوسرے لمحے وہ پیچھے پلٹا۔ اور پھر اپنے آدمیوں کے پیچھے چلا گیا۔

شہباز خان نے قہقہہ لگایا تھا "کیا بات ہے سرتاج خان۔ کیا تم نے میدان چھوڑ دیا؟"

"ابھی۔ ابھی واپس آتا ہوں۔"

"ضرورت سے فارغ ہونے گئے ہو؟ ابھی تو اس نے ایک بھی وار نہیں کیا۔" شہباز خان نے ہنستے ہوئے بولا۔ خود میرے پیٹ میں قہقہے ابل رہے تھے۔ طالوت معصوم سی شکل بنائے کھڑا تھا۔

پندرہ منٹ کے بعد سرتاج خان پھر واپس آگیا۔ اب اس کے چہرے پر بھاہٹ اور دیوانگی طاری تھی۔ آتے ہی اس نے تلوار کے تابڑ توڑ حملے شروع کردیئے۔ طالوت اچھل اچھل کر اس کے وار خالی دے رہا تھا۔ اور پھر اچانک سرتاج خان نے اپنی جگہ کھڑے کھڑے اچھلنا شروع کردیا۔ اس کے منہ سے بدحواسی میں "ارے۔ ارے۔" نکل رہا تھا۔ اس کے بعد اس نے تلوار پھینک دی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا لباس نوچنے لگا۔ اس نے اوپر کا کوٹ اتار کر پھینک دیا اور پھر چمڑے کی واسکٹ بھی اتار دی۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اچھلتا بھی جارہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے لباس میں چھپکلیاں گھس گئی ہوں۔ لیکن اوپری لباس پر ہی بس نہیں ہوئی تھی۔ زیریں لباس میں بھی تڑپ تھی۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں دوسری طرف بھاگ گیا۔ اس بار اس نے ایک چٹان کے پیچھے پناہ لی تھی۔

"یہ یہ مقامی طریقہ جنگ ہے شہباز خان۔" طالوت نے

تحیرانہ انداز میں پوچھا "یہ بار بار بھاگ کیوں جاتے ہیں؟" اور شہباز خان نے زوردار قہقہہ لگایا۔ خود سرتاج خان کے آدمی بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے تھے۔

"اب میں کس سے لڑوں خان بابا؟" طالوت نے زیادتی کے لہجے میں کہا اور شہباز خان نے دوسرا قہقہہ لگایا۔ وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا لیکن طالوت نے اسی پر بس نہیں کی۔ وہ سرتاج خان کے آدمیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور اچانک ان لوگوں کے گھوڑوں نے اچھلنا شروع کردیا۔ ان کے منہ آگے تھے لیکن وہ پیچھے کی سمت دوڑ رہے تھے۔ بہت سے سوار بوکھلا کر ان پر سے کود پڑے اور بہت سے انہیں پیٹ پیٹ کر روکنے کی کوشش کررہے تھے۔ لیکن ایک بھی گھوڑا نہ رکا۔ کودنے والوں نے دوڑ کر اپنے اپنے گھوڑے پکڑ لئے تھے۔ لیکن گھوڑے تھے کہ کسی طور نہیں رک رہے تھے۔ وہ خود بھی رکنے کی کوشش کررہے تھے۔ اس کوشش میں اچھل رہے تھے۔ گر رہے تھے۔ کھڑے ہورہے تھے۔ ایک عجیب سی افراتفری پھیل گئی۔ گھڑ..... سوار بری طرح بدحواس تھے۔

اور طالوت منہ پھاڑے کھڑا تھا۔

"یہ سب کیا ہے خان بابا۔ کیا یہ لوگ کوئی مزاحیہ پروگرام پیش کررہے ہیں؟" لیکن خان کی ہنسی تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں بھی ہنس رہا تھا۔ تب اچانک پٹھان کے پیچھے سے سرتاج خان نے اپنے گھوڑے کی لگام پکڑی اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا۔ لیکن اسے دیکھ کر اور بھی بم پھٹ پڑا۔ سرتاج خان برہنہ تھا۔ اس نے صرف ایک چھوٹی سی لنگوٹ بدن پر باندھ رکھی تھی۔ خود برابر رہنے کے لئے وہ بار بار گھوڑے کی لگام چھوڑ کر اسے سنبھالنے لگتا تھا۔

"لیجئے۔ سرتاج خان نکل گیا۔" شہباز خان چیخا۔

"رک جاؤ خان بابا۔ وہ کپڑے چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور میں ننگے آدمیوں سے بالکل نہیں لڑ سکتا۔ انہیں دیکھ کر مجھے شرم آتی ہے۔" طالوت نے کہا۔

اور اچانک شہباز خان کی ہنسی میں بریک لگ گیا۔ اس نے حیرت سے ہم دونوں کی طرف دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا "مگر یہ سب ہوا کیا؟"

"یہ تو آپ ہی بتائیں گے خان بابا۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"میں۔ میں کیا بتاؤں؟"

"پہلے اس نے پیٹ پکڑ لیا' اور بھاگ گیا۔ دوبارہ کپڑے اتار پھینکے۔ اور پھر کپڑے چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اور آخر کیوں؟"

"مم۔ مجھے کیا معلوم؟"

"کیوں؟ آپ بھی تو اسی علاقے کے رہنے والے ہیں۔" طالوت نے کہا اور میری پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

"ان باتوں کا کھانے سے کیا تعلق۔ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔" شہباز خان نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

"خیر جانے دیں۔ پھر اب ہم کیا کریں؟"

"سرتاج خان بچ کر نکل گیا۔ مگر۔ مگر اوہ۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ آؤ۔ آگے بڑھیں۔"

"سرتاج خان کے کپڑے اٹھالیں؟" طالوت نے معصومیت سے پوچھا "اوہ ہاں۔ یہ کپڑے دولت خان۔ اور تامیہ والوں کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ دولت خان کا نام اونچا ہوگا اور پھر۔ درحقیقت پٹھان کے عقب سے سرتاج خان کے کپڑے مل گئے جنہیں شہباز خان نے احتیاط سے لپیٹ لیا تھا۔ اس کے بعد ہم نے گھوڑے آگے بڑھادیئے سرتاج خان اور اس کے ساتھیوں کا اب دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

رہ گیا شہباز خان۔ تو وہ بھی ہمیں گھورنے لگا تھا۔ پھر ایک ٹھنڈی سانس لے کر سامنے متوجہ ہوجاتا تھا۔ یوں ہم سفر کرتے رہے۔ لیکن بہرحال اب دوری آدھی خیر سے طے ہوگئی ہوگی' لیکن کون کہے کیا بتائے گا ایک بار شہباز خان ہوش کے نکل گیا تو میں نے طالوت سے کہا۔

"درحقیقت تم پورے شیطان ہو؟"

"غلط۔ ہم دونوں مل کر پورے ہوتے ہیں۔"

"مگر۔ اس کے لباس میں کیا تھا؟"

"کچھ بھی نہیں تھا۔ صرف اسے وہم تھا۔ راہم اپنے کمالات دکھا رہا تھا۔"

"سب موت مارے گئے یہ بیچارے۔ انہیں کیا معلوم کہ ایک شیطان ان کے علاقے میں گھس آیا ہے۔"

"دراصل میں اسے ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔"

"کیوں؟"

"بس۔ تم تو اپنا دماغ نہ جانے کہاں چھوڑ دیتے ہو۔ تمہارے ساتھ رہ کر میں نے دماغ سے کام لینا تو سیکھ لیا ہے۔"

"کیوں؟"

"کوئی بات دماغ میں آئے تو اس کے بارے میں سوچوں۔ نہ جانے تم کیا کیا چکر چلاتے رہتے ہو۔"

"گلباغ کی ایک بات یاد کرو۔ مرتے وقت اس نے کیا کہا تھا؟"

"گلباغ نے۔" میں ذہن پر زور دینے لگا "اس نے بہت سی باتیں کہی تھیں۔"

"اس نے کہا تھا کہ وہ بوڑھے شہباز کو ایک خوشخبری سنا سکتا ہے لیکن وہ اسے خوش نہیں ہونے دے گا۔"

"ایں۔ ہاں کہا تھا۔ مگر تم نے اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا؟"

"کچھ بھی نہیں۔" طالوت نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور پھر میں انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ خاموش ہی رہا۔ ہم برابر منزلیں طے کررہے تھے۔ سرتاج اور اس کے آدمیوں کا دور دور تک نشان نہیں ملا تھا۔ وہ بری طرح بھاگے تھے اور اب بھی طالوت کی شرارت پر بے ساختہ ہنسی آجاتی تھی' طالوت معصومیت سے سفر کررہا تھا۔

کافی دیر گزر گئی۔ بوڑھا خان اب ہمارے برابر چل رہا تھا۔ وہ بھی گردن جھکائے سوچ میں غرق تھا۔ پھر اچانک اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا "میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ کچھ بھی نہیں آتا۔"

"کیا بات ہے خان بابا؟"

"کیا تم لوگ فرشتے ہو۔ جو آسمان سے میری مدد کو آئے ہو۔"

"نہیں بابا۔ ہم گنہ گار انسان ہیں۔"

"پھر یہ سب کیا تھا؟"

"غیبی مدد کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ تم غور کرو بابا۔ میرے اور اس کا کیا مقابلہ تھا۔ ڈر کے مارے میری بری حالت تھی۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔ میں نے تمہارا چہرہ دیکھا تھا۔ میرے مجذوب کو چھیڑ مت کرو۔ میں نے تمہارے چہرے پر اتنا ہی سکون دیکھا تھا جیسے تمہیں یقین ہو کہ تم اسے آسانی سے مارلوگے۔"

"وہ موت کا سکون تھا خان بابا۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا۔"

"نہیں۔ تم اتنے بزدل نہیں ہو۔ تم نے خود اسے للکارا تھا۔"

"تو مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ تیار ہی ہوجائے گا۔" طالوت نے رو دینے والے انداز میں کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" شہباز خان نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا اور پھر سامنے دیکھتے ہوئے بولا "اس درے میں داخل ہونے کے بعد ہم تامیہ میں داخل ہوجائیں گے۔"

"یہ اس درے کا اختتام تامیہ پر ہوگا؟"

"نہیں۔ اس کے بعد کوہ تامند آئے گا۔ کوہ تامند کے اندر سے ایک سرنگ تامیہ میں جاکر کھلتی ہے۔ بہت خوبصورت جگہ ہے۔ تمہیں بہت پسند آئے گی۔ تامیہ کے کاریگروں نے ایک بڑا کارنامہ دکھایا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کوہ تامند سے گرنے والے آبشار کو کاٹ کر سرنگ کے ذریعے اندر لے گئے ہیں اور پھر وہ پانی تامیہ کے کھیتوں کو سیراب کرتا ہے۔"

"خوب۔ واقعی عمدہ جگہ ہوگی۔" میں نے شہباز خان کی باتوں پر غور کرتے ہوئے کہا۔ لیکن طالوت کے کان کھڑے تھے۔ وہ کچھ اور ہی سن رہا تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور چونک پڑا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے کہا۔ لیکن میرا جملہ بھی پورا نہیں ہوا تھا کہ بہت سے دھماکوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اور گولیوں نے ہمارے ارد گرد پتھر اڑانے شروع کردیئے۔ ہم درے کے اندر داخل ہوچکے تھے اور یہ گولیاں یقیناً درے کے دونوں طرف سے آرہی تھیں۔

"بھاگو۔ خطرناک جگہ ہے۔" بوڑھا شہباز چیخا اور اس نے اپنا گھوڑا دوڑانا شروع کردیا۔ ہم دونوں نے بھی اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کردی۔ طالوت نہ جانے پہلے سے باخبر ہوا تھا یا نہیں لیکن اس خطرناک پوزیشن سے میں بوکھلا گیا تھا۔ بلاشبہ دونوں طرف سے آنے والی گولیاں باآسانی ہمیں چاٹ سکتی تھیں۔

لیکن آگے دوڑنے یا پیچھے ہٹنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ دونوں طرف کی کیفیت یکساں تھی۔ چنانچہ آگے دوڑنا ہی بہتر تھا۔ گولیاں چلانے والے اناڑی نہیں تھے۔ لیکن اسے کیا کہا جائے کہ بہت سی گولیاں ہمارے لباس کو چھوتی ہوئی نکلی تھیں۔ لیکن ہم صرف پندرہ سو گز کے فاصلے سے محفوظ رہے تھے۔

شہباز کا گھوڑا سب سے آگے تھا اور وہ بار بار پیچھے مڑ کر ہمیں دیکھتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم درے سے نکل گئے۔ گولیاں چلانے والے بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ درے سے نکل کر ہم کھلی فضا میں آگئے۔ سامنے ہی کوہ تامند تھا۔ شہباز نے راحت کا سانس لی تھی اور اب وہ گھوڑے پر بیٹھے ہوئے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"میں جانتا تھا بزدل سرتاج خان کوئی چال چلے گا۔ اس

نے یہ چالاکی اس لئے کی تھی۔" شہباز خان د... بولا۔

"پلو چھٹی ہوئی۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔

"یہ مطلب؟"

"بڑے میاں کا شبہ رفع ہو گیا۔ ورنہ وہ الٹی سیدھی سوچنے لگے تھے۔" یہ تو شبہ رفع ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔ ہم صرف تین تھے اور وہ ہمیں پکڑیں۔ اگر ہم دس بارہ کو مار لیتے تب بھی بقیہ لوگ ہمیں بھون ڈالتے۔ اگر بڑے میاں یہ سوچ رہے ہیں تو۔"

"اب تو سب تیری طرح خوش نہیں ہیں۔ خاموش بھی رہ۔" طالوت نے کہا۔ ہم دونوں نے بھی شہباز خان کو دیکھا دیکھی رائفلیں اتار لی تھیں۔ لیکن درحقیقت اب سرتاج خان کے آدمی ہمارے سامنے آنے سے کترا رہے تھے۔ ہمیں درے کی بلندیوں پر کوئی نقل و حرکت نظر نہیں آ رہی تھی۔

"وہ چور سامنے نہیں آئے گا۔ آؤ۔ اب تاسیہ میں ہی اس سے ملاقات ہوگی۔ آؤ۔" شہباز خان نے ایک چوڑی سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ کوہ تامند سے نکلنے والا آبشار صاف نظر آ رہا تھا۔ ویسے درحقیقت یہ علاقہ بے حد خوبصورت اور سرسبز تھا۔ آبشار کے چاروں طرف اور پہاڑی کے دامن میں سبزہ پھیلا ہوا تھا اور شاید چٹان کے رخ کو اندر موڑ دیا گیا تھا۔ کیونکہ آبشار کا پانی چٹان سے نیچے نہیں گر رہا تھا اور پہاڑی میں غائب ہو جاتا تھا۔

○○○

نہایت عمدہ ترکیب تھی۔ آبشار کو سرنگ کے ذریعے موڑنا آسان بات نہیں تھی۔ لیکن ان جفاکش لوگوں کو دیکھنے کے بعد حیرت ہی کی ہو جاتی تھی۔ مجھے اور طالوت کو یہ جگہ بہت پسند آئی تھی۔ لیکن افسوس۔ ہم یہاں سیر و تفریح کرنے نہیں، کشت و خون کرنے آئے تھے، جس کی ابتدا شہباز خان نے کر دی تھی۔ گو سرتاج خان سے طالوت کا طریقہ جنگ مجھے بے حد پسند آیا تھا۔ یہ جنگ بھی تھی، اور تفریح بھی۔ لیکن میں جانتا تھا کہ تفریح عارضی ہے۔ اس علاقے میں تو قدم قدم پر گولیاں چلتی ہیں۔ کہاں تک تفریحات کا سہارا لیا جائے گا۔ اور پھر شہباز خان کے تیور تو بہت خراب تھے، ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہر اس شخص کو موت کے گھاٹ اتار دے گا، جس کے بارے میں شبہ ہوگا کہ اس کا سرتاج خان اور دولت خان سے کوئی تعلق ہے۔ وہ تو آیا ہی اس لئے تھا اور طالوت پورے طور سے اس کا مددگار تھا۔ بہرحال ان باتوں میں میری کیا چلتی۔ میں کر بھی کیا سکتا تھا۔

سرنگ کے دہانے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ ہم چوروں کی طرح نہیں داخل ہوں گے۔" شہباز خان نے سینہ تان کر بولا۔

"لیکن سرتاج خان ہمارے پیچھے ہے۔"

"وہ جس قدر بزدل ہے تم دیکھ چکے ہو۔ اب وہ پیچھے ہی پڑنے چلا آ رہے گا۔ ویسے یہ بات اسے بدحواس کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہم اس کے شہر میں داخل ہو رہے ہیں اور اس کی بزدلی کا راز ہمارے سینے میں ہے۔"

"اس کے آدمیوں کو بھی معلوم ہے۔" میں نے کہا۔

"اگر ایک بھی آدمی پر اسے شبہ ہوا کہ وہ یہ راز کسی کو بتا دے گا تو وہ اسے زندہ نہ چھوڑے گا۔ دولت خان کی ہم شکل نے طبیعت بھی دولت خان کی سی پائی ہوگی۔" شہباز خان نے کہا۔

میں خاموش ہو گیا۔ طالوت ہماری باتوں سے لاتعلق آ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا، جیسے اسے اس گفتگو سے کوئی سروکار نہ ہو۔ میں نے اس کی شکل دیکھی اور مجھے غصہ آنے لگا اسے کسی بھی قسم کے حالات کی کیا پروا ہو سکتی ہے۔ وہ تم ہے۔ ہاں اگر کسی وقت وہ ہماری طرف سے غافل ہو جائے شامت تو ہم دونوں کی ہی آئے گی۔

لیکن میں یہ بات طالوت سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ بوڑھا شہباز تو آیا ہی موت سے کھیلنے تھا۔ تھوڑی کے بعد ہم عظیم الشان سرنگ کے دہانے کے پاس کھڑے تھے، جو تاسیہ میں داخل ہونے کا دروازہ تھی۔ آبشار کا پانی اس کے اوپر سے گزر کر اندر کسی سمت جا رہا تھا۔ اس کی آواز بھی ضرور محسوس ہو رہی تھی۔ لیکن وہ کہیں سے نظر نہیں آ رہا تھا۔

"بے حد شاندار جگہ ہے۔ بالکل جادو کی کارخانہ معلوم ہوتا ہے۔" طالوت نے تعریفی انداز میں کہا۔

"ان پہاڑوں میں بڑے بڑے جفاکش موجود ہیں، بہت بڑے دماغ رکھتے ہیں۔ افسوس ان لوگوں کو اچھے راستے نہیں ملتے۔ اس لئے وہ اپنی صلاحیتیں لئے ہوئے قبر میں جا سوتے ہیں۔" شہباز خان نے کہا۔

"یا پھر آپس کی دشمنیوں میں زندگیاں برباد کر دیتے ہیں۔" طالوت بولا۔

"یہ بھی درست ہے میرے بچے۔" شہباز خان نے ٹھنڈی سانس بھری اور خاموش ہو گیا۔ سرتاج خان کے آدمیوں کی نقل و حرکت اب دور دور تک نظر نہیں

سی۔ ہم ... ہو سکتا ہے خان بابا۔" سرتاج خان سرنگ کے دوسرے دہانے پر اپنے آدمیوں کے ساتھ ہمارا انتظار کر رہا ہو۔ اور جوں ہی ہم سرے پر پہنچیں، وہ ہمیں گولیوں پر رکھ لے۔" میں نے کہا اور شہباز خان چونک پڑا۔ وہ چلتے چلتے رک گیا اور میری طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ وہ لومڑی کی اولاد یہ حرکت کر سکتا ہے۔"

"ہم اسے اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ ... لئے فکر مت کرو۔" طالوت کی آواز سنائی دی، اور میں دانت پیس کر رہ گیا۔

"ہاں۔ دبیر خان ٹھیک کہتا ہے۔ ہم تاسیہ ضرور چلیں گے۔ آؤ۔" شہباز خان نے کہا۔ اور ہم نے سرنگ میں گھوڑے آگے بڑھا دیئے۔ سرنگ بے روشنی تھی، لیکن ہم جوں جوں آگے بڑھ رہے تھے، سرنگ تاریک ہوتی جا رہی تھی۔ گھوڑے بھی پھونک پھونک کر قدم رکھ رہے تھے۔ وہ کسی قدر خوفزدہ تھے۔ غالباً اس سے قبل وہ اس علاقے میں نہیں آئے تھے۔

تاہم ہم پانی سے آگے بڑھ رہے تھے۔ ہمارے سروں پر ایک عجیب سی سرسراہٹ گونج رہی تھی۔ بڑا سنسنی خیز سفر تھا۔ عقب سے بھی خطرہ تھا اور سامنے سے بھی۔ بے بھی ایسی تھی کہ ہم کسی طرف سے فرار نہیں ہو سکتے تھے۔ بہرحال آگے بڑھتے رہے۔

"یہ سرسراہٹ۔" میں نے کہا۔

"پانی ہمارے سروں سے گزر رہا ہے۔" شہباز خان نے جواب دیا۔

"اوہ۔ پتھروں کی موٹائی کتنی ہوگی۔ کیا پانی انہیں کاٹ نہیں سکتا؟" طالوت نے پوچھا۔

"اس کا انتظام کر لیا گیا ہے۔"

"کیا۔؟"

"وہ چٹان، جس پر گرنے کے بعد آبشار کا رخ مڑتا ہے۔ قدرتی طور پر وہاں نہیں بنی ہوئی۔ اسے ضرورت کے تحت موڑا بھی جا سکتا ہے۔ اس طرح آبشار نیچے گرنے لگتا ہے اور اس سرنگ کی صفائی اور مرمت کی جاتی ہے، جس سے پانی گزرتا ہے۔"

"بہت عمدہ۔" طالوت نے تعریفی انداز میں کہا۔

"لیکن کیا کسی ذریعے سے اوپر کی سرنگ کا پانی اس سرنگ میں نہیں آ سکتا؟" میں نے سوال کیا اور چونک شہباز خان رک گیا۔ تاریکی میں اس کی شکل تو نظر نہیں آ رہی تھی لیکن انداز ہو رہا تھا کہ وہ کسی خاص مقصد سے رکا ہے۔

"کیا بات ہے خان بابا۔" طالوت نے سوال کیا اور شہباز خان کھیل سا پڑا۔

"جلدی کرو۔ آؤ۔ جلدی سے سرنگ سے نکل جاؤ۔ کہیں یہ خیال اس مردود کے دماغ میں نہ آ جائے۔" شہباز خان گھوڑے کو تیزی سے آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"کیا۔ اس کا خطرہ ہے؟"

"سوفیصد ہے۔ جلدی آؤ۔ ہم آ رہے ہیں۔"

"لیکن الفاظ شہباز خان کے حلق ہی میں اٹک گئے۔ جس لمحہ ہم تھے وہاں سے صرف چند گز کے فاصلے پر اچانک روشنی ہوئی اور پھر ایک خوفناک آواز کے ساتھ آبشار کا پانی اندر گھس آیا۔

"بھاگو۔ واپس بھاگو۔" شہباز خان چیخا۔ لیکن ہمارے عقب میں بھی دروازہ کھل گیا۔ پانی کے طوفانی شور میں اس بار شہباز خان کی آواز بھی سنائی نہ دی۔ جس طرف سے ہم آ رہے تھے وہ بلندی پر تھی اور ہم بتدریج ڈھلان میں جا رہے تھے۔ اس لئے عقب سے آنے والے پانی کے ریلے نے گھوڑوں کے قدم اکھاڑ دیئے۔ گھوڑے بھیانک آوازوں میں چیخنے، انسان نے کوشش کی ..... ہونے کی کوشش کی، لیکن پانی کا طوفان کا ریلہ بے پناہ طاقتور تھا۔ اس نے گھوڑوں کو اچھال کر بہت سے گرایا۔ صرف ایک لمحے میں میرے جسم کے نیچے سے گھوڑا نکل گیا۔ اور میں سرنگ کی دیوار سے ٹکرایا۔ میرے حواس ظاہر میں بحال تھے۔ کسی موہوم سے سہارے کی مدد فضول تھی۔ پانی کا ریلہ مجھے اڑا کر آگے لے چلا۔

برف سے زیادہ ٹھنڈے پانی نے ایک لمحے میں ذہن سن کر دیا۔ ہاتھ پاؤں مفلوج کر دیئے۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اندازہ ہی نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ عجیب سی کیفیت تھی۔ میرا پورا جسم اینٹھ گیا۔ سرنگ پانی سے بھر گئی تھی۔ پانی بہت تیز تھا کیونکہ اس کی مقدار بھی زبردست تھی۔

اندازہ نہیں ہو سکا کہ ہوش نے کتنے لمحات گزرنے تھے۔ پہلے دماغ میں جھٹکے ہوئے۔ پھر دم گھٹنے کا جان لیوا عالم کا بھی احساس تھا۔ لیکن اس کے بعد سارے احساسات سے عاری ہو گیا۔ کچھ ہوش نہ رہا۔

لیکن عالم بے ہوشی کا بھی وقت متعین نہیں کر سکا۔ ہوش آیا۔ ہاں۔ کیسی حیرت انگیز بات ہے۔ ہوش آیا تھا۔ لیکن دماغ بدستور ماؤف تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں سوئی ہوئی تھیں۔ بہرحال کافی دیر تک یہی کیفیت رہی۔ پھر حواس واپس

آنے لگے۔ احساسات جاگے تو محسوس کیا کہ
پتھریلی دیواریں ہیں" اوپر چھت ہے۔
یہ نا ہموار دیواریں۔ کوئی غار ہی ہو سکتا ہے۔ لیکن۔
لیکن یہ غار۔ ذہن میں حرکت ہوئی اور موت کی سرنگ یاد
آئی۔ ایک بار پھر حواس جواب دینے لگے۔ وہ تصور ہی اس
قدر بھیانک تھا۔ خوفناک چاروں طرف سے بند سرنگ اور
طاقتور سفید پانی۔ اف۔ کتنا بھیانک۔ کیسا خوفناک۔ لیکن اس کے
بعد زندگی۔
زندگی کا کیا سوال ہے۔ تو کیا یہ قبر ہے؟ لیکن ایسی
کشادہ قبر؟ میں نے قبریں تو دیکھیں تھیں۔ اتنی کشادہ تو نہیں
ہوتیں۔ پھر بزرگوں کی بات یاد آئی۔ نیک اعمال والے کی قبر
کشادہ ہو جاتی ہے۔
نیک اعمال۔ اس تصور پر ہی ہنسی آتی تھی۔ میرے اور
نیک اعمال۔ ایک بھی بات ایسی یاد نہ آسکی جسے نیک اعمال
میں شامل کیا جا سکے لیکن نہیں۔ قدرت کے کھیل نرالے
ہوتے ہیں۔ میں نے نرگس رحمانی کی زندگی بچانے کے لئے
بری طرح مار کھائی تھی۔ طالوت کا ساتھ مل جانے پر میں نے
بے بس انسانوں پر ترس کھایا تھا۔ بخشے جانے کے لئے تو ایک
ہی نکتہ کافی ہے۔
لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا میں واقعی مر گیا ہوں۔
کیا موت کے بعد بھی روح خود سے اسی طرح لاعلم رہتا ہے۔
روح کی قوت تو برتر ہوتی ہے۔ میں اپنی زندگی اور موت کا
تعین بھی نہیں کر سکتا۔ اب پتہ کرنا چاہئے۔ احتیاط اندازے
قائم کرنے سے کیا فائدہ؟ میں نے زمین کا سہارا لے کر اٹھنے
کی کوشش کی۔ جسم میں بڑی نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔
بمشکل اٹھ کر بیٹھ گیا۔ نیچے کھردری تھی۔ گویا پتھریلی زمین پر میرا
بستر تھا۔ دیواروں میں چھوٹے چھوٹے سوراخ تھے۔ جن سے
ہوا اندر آرہی تھی۔ نیم تاریک سی جگہ تھی۔
پھر اور ہمت کی اور کھڑا ہو گیا۔ دیواروں کو ٹٹولا۔ تو
ایک چٹانی دروازہ نظر آیا۔ حواس واپس آچکے تھے۔ یہ سمجھنے
میں دقت نہ ہوئی کہ بقید حیات ہوں۔ اور کسی غار میں بند
ہوں۔ پچھلے حالات سب یاد آچکے تھے۔ لیکن یہ بات سمجھ
میں نہیں آتی تھی کہ اس خونی سرنگ سے بچ کر میں غار میں
کیسے پہنچ گیا۔ ویسے غار میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔
چٹانی دروازے کو ٹٹولا۔ یوں تو میں اسے ہلا بھی نہیں
سکتا تھا۔ لیکن دروازہ کسی میکنزم کے تحت ہوتا تھا۔ ایک
طرف سے دبانے پر وہ ہموار ہو گیا۔ اور غار روشن ہو گیا۔
باہر روشنی تھی۔ میں نے باہر جھانکا اور پھر دروازے

سامنے ہی ہوئی تھیں اور ان سامنوں سے باہر جانا ممکن
نہیں تھا۔
"دلاور خان۔ اچانک بائیں طرف سے مجھے شہباز خان
کی آواز سنائی دی اور میں اچھل پڑا۔ میں نے بائیں سمت
دیکھا۔ ادھر بھی ایسا ہی برآمدہ تھا اور سلاخوں کے پیچھے شہباز
خان کھڑا نظر آرہا تھا۔ میں حیرت زدہ سا شہباز خان کی طرف
بڑھ گیا۔
"کیسی طبیعت ہے؟" اس نے پوچھا۔
"ٹھیک ہوں خان بابا۔ مگر۔"
"اوئے خدائی خوار۔ ہم اس وقت دولت خان کے قید
میں ہیں۔ شہباز خان نے بتایا۔ لیکن اس کے لہجے سے کسی
قسم کے خوف یا تردد کا اظہار نہیں ہو رہا تھا۔
"اوہ۔" میں نے ہونٹ کاٹے اور زبان سے طالوت کا
نام نکلتے نکلتے رہ گیا۔ "میں نے سنبھل کر کہا" اور ولیر خان
کہاں ہے؟"
"اس شیر کے بچے کا پتہ نہیں چل سکا۔"
"مگر ہم زندہ کیسے بچ گئے خان بابا۔"
"چھوڑو۔ زندگی ہوتا ہے تو مارنے والا کوئی نہیں ہوتا۔
یخ پانی نے تمہیں بے ہوش کر دیا تھا۔ لیکن شہباز خان نے
پانی کا سفر ہوش و حواس میں کیا تھا۔ مگر یہ پانی۔ بہت طاقتور
ہوتا ہے۔ اس نے ہمیں کچھ نہیں کرنے دیا۔"
"تو کیا تم پانی کے ساتھ ہی سرنگ سے باہر نکلے تھے؟"
"ہاں۔ بدرل سرتاج خان نے وہ سوراخ کھول دیئے
تھے جو سرنگ کی صفائی کے کام آتے ہیں۔ سال میں ایک
دفعہ سرنگ کو پانی سے صاف کیا جاتا ہے۔ یہ سوراخ اسی کے
لئے بنے تھے۔ پانی نے ہمیں باہر پھینک دیا اور اس طرف
سے دولت خان کے آدمیوں نے ہمیں پکڑ لیا۔"
"آپ ہوش میں تھے خان بابا؟"
"چپ ہوتا تو ہے یار۔ مگر ہمارے ہاتھ پاؤں بیکار ہو گئے
تھے۔ فکر کی بات ہے کہ اس سے لڑائی نہیں کر سکا۔"
میں خاموش ہو گیا۔ طالوت کے بارے میں سوچ رہا
تھا۔ کہاں گیا کیا گل کھلا رہا ہے۔ ویسے میرا خیال تھا کہ پانی کا
خطرہ اسے درپیش نہ ہوگا۔ پھر وہ ہمارے قریب کیوں موجود
نہیں ہے۔
"طالوت۔" میں نے اسے آہستہ سے آواز دی۔
"کیا بات ہے دلاور خان؟" شہباز خان نے پوچھا۔
"کچھ نہیں خان بابا۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

کیا کہتا طالوت کے بارے میں۔
"ہمارے کو یقین ہے دلاور خان۔ کہ ویر خان زندہ
ہے۔ وہ لوگ سرنگ میں اس کی لاش تلاش کر رہے تھے۔ یہ
انہیں لاش نہیں ملا۔ ایک آدمی مجھ سے اس کے بارے میں
پوچھتا تھا۔"
"وہ اس طرح نہیں مرسکتا خان بابا۔ اس کی طرف سے
بے فکر رہو۔"
"اوہ۔ ہم فکر نہیں کرتا۔ مردوں کی طرح موت کو گلے
لگانے کو تیار ہے۔ بس ہمیں ایک افسوس رہے گا۔ مرنے
سے پہلے ہم نے سرتاج خان اور دولت خان کا لاش نہیں
دیکھا۔"
میں خاموش رہا۔ ویسے ہی ذہن پر جھلاہٹ سوار تھی۔
میں اتنا بہادر نہیں تھا کہ مرنے سے پہلے کسی کی لاش دیکھنا
پسند کرتا اور پھر خاموشی سے مر جاتا۔ میں جانتا تھا طالوت ہر
قسم کے حالات بدلنے کی قوت رکھتا ہے۔ لیکن وہ چلا کہاں
گیا۔ کیا پھر کسی الجھن میں پڑ گیا۔ اگر اس بار بھی وہ کسی
الجھن میں پڑ گیا ہے تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔ اس بار شیطر جیسے
کسی بدمعاش سے واسطہ نہیں بلکہ خونخوار قبائلی مقابل ہیں۔
جن کے لئے گولی چلا کر کسی کو مارنا ہنسی کھیل ہوتا ہے۔
"پھر اب کیا پروگرام ہے خان بابا؟" میں نے پوچھا اور
شہباز خان ہنس پڑا۔
"کھانے اور سونے کے علاوہ اور کیا کام ہو سکتا ہے
دلاور خان۔ آرام کرو یار۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔"
"مجھے اپنے دوست کی فکر ہے۔"
"زندگی ہے تو آئے گا۔ ورنہ مرنے کے بعد اسے تلاش
کرلیں گے فکر مت کرو" اور میں ٹھنڈی سانس لے کر خاموش
ہو گیا۔ ٹھیک کہتا ہے شہباز خان۔ بوڑھا مجھے واقعی دلاور
خان سمجھتا ہے۔ لیکن میں اسے کیسے بتاؤں کہ بھائی میں ہر
طرح ایک معمولی انسان ہوں۔ میری دیری کا راز ایک جن
کی مٹھی میں ہے۔ ورنہ حشمت برادرز کے ایک کلرک کا
صمات سے کیا تعلق۔
دفعتاً ہم دونوں چونک پڑے۔
چھ سات دراز قد قبائلی ہماری طرف آرہے تھے۔ وہ
سب مسلح تھے اور ان کی چہرے خشمگیں نظر آرہے
تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر میرے کمرے کا تالا
کھولا اور پھر دوسرے کو اشارہ کیا۔ دو آدمی اندر گھس
آئے۔ انہوں نے میرے دونوں ہاتھ سامنے کر کے ان میں
زنجیریں ڈال دیں اور پھر مجھے باہر نکال لیا گیا۔ یہی سلوک
شہباز خان کے ساتھ کیا گیا تھا۔ پھر انہوں نے ہم دونوں کو
آگے دھکیلتے ہوئے چلنے کا اشارہ کیا اور ہم چل پڑے۔
"کہاں لے چل رہے ہو خاناں؟" شہباز خان نے
پوچھا۔
"دولت خان کے پاس۔"
"تم دولت خان کے آدمی ہو؟"
"ہاں۔"
"مجھے ایک بات بتا دو۔"
"یا بات۔"
"میرے بیٹے رحمان خان کو کس نے قتل کیا تھا؟"
"یہ بات تمہیں دولت خان ہی بتائے گا۔"
"یہ قید خانہ دولت خان ہی کا ہے؟"
"ہاں۔"
"تو اس چور نے بہت پاؤں نکال لئے ہیں۔ کیا اس
علاقے کا جرگہ ختم ہو گیا؟"
"دولت خان جرگے کا سردار ہے۔"
"اوہ۔ پھر یہاں انصاف کون کرتا ہے؟" شہباز خان نے
مایوسی سے کہا۔
"دولت خان۔"
"میں جانتا ہوں دولت خان کیسا انصاف کرتا ہوگا اس
کا مطلب ہے تاسیہ کے لوگ سخت مصیبت میں گرفتار ہوں
گے۔ افسوس۔ افسوس۔ کیا خان زورات کو تاسیہ کے بارے
میں کچھ نہیں معلوم؟"
"وڈے سے زیادہ تاسیہ دولت خان کی ملکیت ہے۔
خان زورات اس کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"
"ہاں۔ نظام کی رسی دراز ہوتی ہے۔" شہباز خان نے
ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ قید خانے سے نکل کر ہم
ایک پتھریلے راستے پر چل پڑے۔ میں سخت پریشان تھا۔
طالوت کی اتنی دیر تک گمشدگی کا مطلب تھا کہ وہ کسی مصیبت
میں گرفتار ہو گیا۔ اور اب ہمیں جو کچھ کرنا ہے خود ہی کرنا
ہے۔"
لیکن میں خود کیا کر سکتا تھا۔ یہ مجھے اچھی طرح معلوم
تھا۔ رہ گیا شہباز خان۔ تو ہم نے اس پر اپنی دیری کا اس قدر
سکہ بٹھا دیا تھا کہ وہ میرے خوفزدہ ہونے کے بارے میں سوچ
بھی نہیں سکتا تھا۔
چھوٹے چھوٹے مکانات چاروں طرف بکھرے ہوئے
تھے۔ ہاں ہم کسی بلند جگہ پہنچتے تو ہمیں دور تک بکھری ہوئی
بستی نظر آتی۔ لیکن یہ جگہ بستی سے کافی دور معلوم ہوتی

تھی۔ دولت خان کی اپنی حکیت۔ عام بستی والوں کو یہ بھی تک اس کے بارے میں نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ پھر پتھروں سے بنے ہوئے ایک بہت بڑے مکان کے دروازے پر ہم رک گئے۔

ہمارے ساتھ آنے والوں نے دروازہ کھولا۔ اور ہمیں اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ دروازے کی دوسری طرف ایک بہت بڑا صحن تھا جس کے ایک سرے پر کرسیاں پڑی تھیں۔ ان کرسیوں پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کھڑا سرتاج خاں مجھے نظر آیا تھا۔ اس کے سامنے والی کرسی پر ایک خونخوار شکل کا بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔

اور یقیناً یہی بوڑھا دولت خان ہو سکتا تھا۔ سرتاج خاں سے اس کی شکل بہت ملتی جلتی تھی۔ وہ مضطرب خیز نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہمیں لانے والوں نے ہمیں ان کے سامنے کھڑا کر دیا۔ بوڑھے دولت خان کی صحت قابل رشک تھی۔ اس عمر میں وہ دیو معلوم ہوتا تھا۔ سرخ چہرا انگارے کی طرح دہک رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر حقارت آمیز مسکراہٹ تھی۔

"او۔ شہباز خان۔ میرے دیرینہ شناسا۔ تم خیریت سے تو ہو۔" اس نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ہاں دولت خان۔ میں اسی لئے خیریت سے ہوں کہ ایک دن تمہاری گردن مروڑوں۔" شہباز خان نے غراتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ ارے۔ شاید تم پاگل ہو چکے ہو۔ کیوں نوجوان۔ کیا اس بوڑھے کا دماغ خراب ہو چکا ہے؟" اس بار اس نے مجھے مخاطب کر کے کہا۔

"ہاں۔ اور آج کل یہ اپنے دشمنوں کا حساب چکا رہا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"خوب، خوب۔" دولت خان نے قہقہہ لگایا۔ "یہ بھی خوب ہوا ہے۔" اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا اور سب ہنسنے لگے۔

"یہ سب تیرے بے غیرت مصاحب معلوم ہوتے ہیں دولت خان۔" شہباز خان نے کہا اور ہنستے ہوئے لوگوں کی ہنسی رک گئی۔ ان کے چہروں پر برہمی کے آثار نظر آنے لگے۔

"جانے دو بھئی۔ موت کو دیکھ کر آدمی بدحواس ہو جاتا ہے۔ یہ میرا دیرینہ شناسا ہے اس لئے اسے معاف کر دو۔"

"دیرینہ دشمن کیوں نہیں کہتے دولت خان۔ کیا میری [illegible] دشمن ہوتے ہیں شہباز خان۔ جن کی کوئی حقیقت ہوتی ہے۔ میں نے تمہیں کبھی اس قابل ہی نہیں سمجھا۔ میں جب چاہتا تمہیں مسل سکتا تھا۔"

"اسی لئے جرگے کے سامنے فرد اٹھا کر گئے تھے دولت خان۔ اسی لئے مجھے بستی سے نکلوایا تھا؟"

"میں نے جرگے سے کوئی فرد نہیں لی تھی۔ بستی نے تمہارا نکلنا تمہارے ہی حق میں بہتر تھا شہباز خان۔ میں نے سوچا۔ تمہارے دو بھائی میرے ہاتھوں مارے جا چکے ہیں۔ اگر تم یہاں رہتے تو تم بھی مارے جاؤ گے۔ اس لئے میں نے تمہارے اوپر رحم کیا۔ اور دیکھ لو۔ تمہارے جانے کے بعد تمہارا خاندان چین کی زندگی بسر کر رہا ہے۔ میں نے کسی کو پریشان نہیں کیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ تمہاری عورتوں نے میرے خوف سے مر جانا ہی پسند کیا۔"

"اور میرے نرسنگھ فرد ہو کر تم نے اپنے کتوں سے اسے مروا دیا۔ کیوں؟"

"رحمان خان کی بات کر رہے ہو۔ وہ ایک قاتل تھا۔ اس نے ہماری عزت کی طرف بڑھنے کی کوشش کی تھی۔ کیا میں اسے گھر پر بلاتے گیا تھا۔ میں نے تو تمہارے خاندان کو نظر کر دیا تھا۔ دشمنی ان سے کی جاتی ہے جن کی کوئی حیثیت ہوتی ہے۔ تمہاری دشمنی میرے لئے کیا حقیقت رکھتی ہے۔"

"میں گرفتار ہو چکا ہوں دولت خان۔ میرے ہاتھوں میں زنجیریں ہیں ورنہ میں تمہیں بتاتا میری دشمنی... کیا حقیقت رکھتی ہے۔ یقین نہ آئے تو اپنے جانباز سے پوچھ لو۔" شہباز خان نے سرتاج خان کی طرف اشارہ کیا اور سرتاج خان کے چہرے پر بوکھلاہٹ کے آثار پھیل گئے۔

"کیا مطلب؟" دولت خان نے سرتاج خان کی طرف دیکھا۔

"میرا سامان میرے حوالے کر دو تو بتاؤں۔" شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے سامان میں کیا ہے؟"

"تمہارے دلیر بیٹے کے کپڑے۔ جنہیں چھوڑ کر یہ بھاگ آیا تھا۔"

"کیا بک رہا ہے یہ سرتاج خان۔" دولت خان نے سرتاج خان سے پوچھا۔

"میرے خیال میں یہ۔ یہ بالکل پاگل ہو گیا ہے بابا۔" سرتاج خان نے سنبھل کر حقارت سے کہا۔

"او۔ تو اس کا مطلب ہے سرتاج خان کہ تمہارے کپڑے تمہارے ہاتھ لگ گئے ہیں۔ مگر مجھے بتاؤ تو سہی میرے جانباز۔ تم نے وہ حرکت کیوں کی تھی؟ شہباز خان نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"مجھے اجازت دو بابا۔ کہ میں اس کی زبان کاٹ دوں۔"" سرتاج خان غصے سے چیخا۔

"مگر یہ بکواس کیا کر رہا ہے؟" دولت خاں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"مجھ سے سنو دولت خان۔ تمہارے دلیر بیٹے کی بہادری کی کہانی میں تمہیں سناؤں گا۔ اس کی تصدیق ان لوگوں سے کرو۔ جو اس کے ساتھ گئے تھے۔ جس وقت یہ ہمارے سامنے پہنچا تو اس نے ہم سے جنگ کی اجازت طلب کی تھی دلیر خان نے قبول کر لیا۔ ہاں وہ جیالا نکلا تھا اور تمہارے بیٹے کے ہاتھ میں شمشیر برہنہ تھی۔ لیکن تمہارا دلیر جانباز کبھی اپنے ساتھیوں کے پیچھے جا چھپتا۔ کبھی کسی چٹان کے عقب میں۔ یہاں تک کہ تمہارے سارے جوان اسے چھوڑ کر بھاگ نکلے اور وہ لباس چھوڑ کر چلا آیا۔ کیا میں غلط کہہ رہا ہوں سرتاج خان۔"

"کیا بکتا ہے ذلیل بوڑھے۔ کیا تیرا دماغ خراب ہو گیا۔"

"جس باپ کی تو اولاد ہے۔ اسے دیکھ کر تجھے جھوٹ بولتے دیکھ کر مجھے حیرت نہیں ہوتی۔" شہباز خان نے حقارت سے کہا۔

"سچ مچ تو پاگل ہی ہو گیا ہے شہباز خان۔ میری سمجھ میں نہیں آتا میں تجھے کیا سزا دوں۔"

"اس دیوانے نے گلباغ خان اور توریز کو قتل کر دیا ہے بابا۔" سرتاج خان نے بتایا۔

"کیا۔؟" بوڑھا اچھل پڑا۔

"ہاں۔ توریز کے ایک آدمی نے یہ اطلاع مجھے دی تھی۔ اسی لئے میں اس کی سرکوبی کو گیا تھا۔"

"یہ قتل رہا ہے دولت خان۔" شہباز خان مسکرایا۔

"کیا۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ۔۔۔ کہ تو نے ان دونوں کو قتل کر دیا ہے؟"

"ہاں۔ میں نے تیرے دونوں کتے ہلاک کر دیئے ہیں۔"

"او۔ او۔ یہ بات مجھ تک کیوں نہیں پہنچی۔" دولت خان غرایا۔

"اس میں کچھ دوسری باتیں بھی تھیں دولت خان۔ سرتاج خان نے تجھے یہ کیوں بتاتا۔"

"شہباز خان کی گفتگو کی کیا حقیقت ہے سرتاج خان۔ جواب دو۔ میں تحقیقات کراؤں گا اور میں یہ پسند نہیں کروں گا۔ میرا بیٹا۔ مجھ سے بھی جھوٹ بولے۔"

"مجھے اسے قتل کرنے کی اجازت دی جائے بابا۔ اس نے ہمارے دو آدمی مار دیئے ہیں۔"

"پہلے میں اس کی حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔" دولت خان غرایا۔

"میں نہیں جانتا کیا ہوا تھا۔ لیکن میں نے بزدلی کا مظاہرہ نہیں کیا؟ سرتاج خان سرد لہجے میں بولا۔

"کیا تو نے اس کے ساتھی سے جنگ کی تھی؟"

"ہاں۔ اس نے مجھے جنگ کے لئے للکارا تھا۔"

"پھر۔ اس جنگ کا نتیجہ کیا ہوا؟"

"میں نہیں بتا سکتا بابا۔ ممکن ہے تو میری بات کو جھوٹ سمجھے۔"

"تو میرے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات کر سکتا ہے؟" دولت خان غرایا۔

"نہیں۔ ہرگز نہیں۔ لیکن نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ میں نہیں جانتا۔ نہ جانے کیا ہو گیا تھا۔ پہلے میری ٹوپی ہوا میں بلند ہوئی۔ پھر میرا زیر جامہ حمل کیا اور اس کے بعد مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے میرے بدن پر چھپکلیاں رینگ رہی ہوں۔ ایسی حالت میں کیا جنگ کر سکتا تھا۔ میں نے ایک چٹان کے عقب میں جا کر لباس اتار کر دیکھا۔ لیکن اس وقت میرے ساتھی مجھے چھوڑ کر بھاگ پڑے اور میں لباس بھی نہیں پہن سکا۔"

"تو بھی وہاں سے فرار ہو گیا؟"

"ہاں بابا۔" سرتاج خان نے گردن جھکا کر کہا۔

"اس کے بعد کی باتیں بھی معلوم کر دولت خان۔" شہباز خان ہنسنے لگا۔

"بابا۔ بابا۔ کیا میں اسے قتل کر دوں۔ مجھے اجازت دے دو۔ ورنہ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"اس کے بعد کیا ہوا سرتاج خان۔" دولت خان سرد لہجے میں بولا۔

"ہم نے دور سے اس پر گولیاں چلائیں۔ لیکن یہ تینوں وہاں سے بھی بچ نکلے۔ تب ہم نے انہیں تاریک راستے والی سرنگ میں داخل ہوتے دیکھا اور ہم نے ان کا پیچھا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"کیوں انہیں گرفتار کرنے کے لئے تیرے پاس اور کوئی طریقہ نہیں تھا۔" دولت خان غرایا۔

"میں تمہیں حقیقت بتا چکا ہوں۔"

"اس میں سمجھ میں نہ آنے والی کونسی بات ہے۔ کیا تو اس حقیر مخلوق سے فوق استثمر منہ چاہتا ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں۔ اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔" سرتاج خان نے کہا اور پھر وہ تیز قدم اٹھاتا ہوا وہاں سے نکل گیا۔ دولت خان خونخوار نگاہوں سے مجھے اور شہباز خان کو دیکھنے لگا۔

"تمہارا تیسرا ساتھی کہاں ہے؟" اس نے سانپ کی مانند پھنکارتے ہوئے پوچھا۔

"تالیہ آنے والی سرنگ میں ہمارے ساتھ چلو۔ پانی نکل دو۔ اور اس کے بعد تم اپنا نام بتا سکو تو ہم تمہیں اپنے تیسرے ساتھی کے بارے میں ضرور بتا دیں گے دولت خان۔" شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سرتاج خان نے بزدلی کا مظاہرہ کیا ہے شہباز خان لیکن وہ ابھی بچہ ہے۔ میں تجھے تیرے ساتھی کو تلاش کرانے کا موقع دوں گا۔ اور سرتاج خان کو اس سے میرے سامنے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس سے قبل تم لوگوں کو قتل نہیں کروں گا۔ اگر تمہارے تیسرے ساتھی نے سرتاج خان کو قتل کر دیا تو یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ تم تینوں کو آزاد کر دوں گا۔ میں کسی بزدل بیٹے کا باپ بن کر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"اگر وہ تمہارا تیسرا ساتھی نہ مل سکا تو؟"

"تو پھر اس دوسرے آدمی کو سرتاج خان سے مقابلہ کرنا پڑے۔" اس نے میری طرف اشارہ کیا۔

"ٹھیک ہے مجھے منظور ہے۔" بوڑھے شہباز نے کہا اور میری جان میں جان آئی۔ تیرا ستیاناس جائے بوڑھے۔ مجھے کیوں مصیبت میں پھنسوا دیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا۔ میں سخت پریشان ہو گیا تھا۔ تب بوڑھے خان نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا۔

"لے جاؤ۔ ان دونوں کو بند کر دو۔ اور ان کے تیسرے ساتھی کو تلاش کرو۔ اس کے بعد ہی ان کا فیصلہ کیا جائے گا۔" اور دولت خان کے آدمی ہمیں لے کر واپس چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں اسی قید خانے میں بند کر دیا گیا۔

"تم فکر مت کرو دادا۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ تمہیں جنگ کرنے کا موقع دے گا۔ میں صرف دولت خان کے بیٹے پر وہ سا ہی داغ لگانا چاہتا ہوں۔ جیسا میرے بیٹے پر موجود ہے۔ جنگ کے میدان میں میں تمہاری مدد کروں گا۔"

یہ دولت خان کا ساتھی ہے دوست ہے۔ میں نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ تمہیں اس کا موقع دے دے گا؟"

"اس کی ضرورت ہی نہیں پیش آئے گی۔ دیبہ خان بہت کھلنڈرا تھا۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر وہ چاہتا تو بہ آسانی سرتاج خان کو قتل کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے تو تلوار بھی نہیں اٹھائی تھی۔ تم اس کی بہ نسبت سنجیدہ ہو۔ تم تلوار قبول کرتا۔ مجھے تمہارے بازو کی قوت پر بھروسہ ہے۔"

مرا دیو بڑے میاں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ ارے میرے بازو بہت ناتواں ہیں۔ میں اس پہاڑ سے کیا مقابلہ کروں گا۔ طالوت کی دوسری بات تھی۔ واہ طالوت خیر۔ تمہارے ساتھ رہ کر ایک نہ ایک دن تو ایسی حشر سامانی تھی لیکن آخر وہ گیا کہاں ... کس چکر میں پھنس گیا۔

یہ بات تو سوچنا بیکار ہی تھی کہ وہ پانی کی سرنگ کا شکار ہو گیا۔ طالوت اس طرح شکار ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔ بہرحال۔ دیکھنا یہ ہے کہ قسمت میں کیا لکھا ہے۔

قزاکیوں کی روایتی مہمان نوازی کا مجھے ان غاروں میں بھی قائل ہونا پڑا۔ گو ہم قیدی تھے۔ دولت خان ایک بہ فطرت انسان تھا۔ لیکن کھانے پینے کی ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ وقت پر کھانا ملتا اور نہایت عمدہ۔ پورے تین روز اس قید میں گزر گئے۔ اور اب میں اکتا گیا تھا۔ اچھا ہے جلدی سے یہاں سے نکلا جائے۔ جنگ ہو اور فیصلہ ہو جائے اس پاریا میں پارسیوں بھی زندگی میں کیا رکھا ہے۔ طالوت نہ جانے کہاں گم ہو گیا۔ آ بھی جائے تو بیکار ہے۔ ایک نہ ایک دن تو اسی طرح مارے جانا ہے۔

نہ جانے کیا کیا الٹے سیدھے خیالات ذہن میں آتے رہتے تھے۔ طبیعت پر سخت بیزاری طاری تھی۔ گزرے ہوئے واقعات ذہن کے پردے پر چلاتے رہتے۔ دل چاہتا کسی بارے میں نہ سوچوں۔ لیکن ان خیالات سے پیچھا چھڑانا مشکل ہی ہوتا۔

آج چوتھا دن تھا۔ صبح کے ناشتے سے فارغ ہوئے ذرا دیر نہیں گزری تھی کہ موت کا پروانہ آ گیا۔ بہت سے مسلح آدمی قید خانے میں گھس آئے تھے۔

"دولت خان نے تمہیں طلب کیا ہے شہباز خان۔"

"کیا بات ہے؟"

"اس نے کہا ہے کہ تمہارا تیسرا ساتھی نہیں مل سکا۔ اس لئے تمہارے دوسرے ساتھی کو سرتاج خان سے مقابلہ

کرنا پڑے گا۔"

"اوہ۔ ٹھیک ہے۔ ہم تیار ہیں۔" شہباز خان نے سینہ تان کر کہا اور میرا دل چاہا کہ بوڑھے کے سینے میں خنجر بھونک دوں۔ کس دلیری سے میرے قتل کا سامان کر رہا ہے۔ لیکن غلطی اس کی نہیں تھی۔ طالوت نے اسے غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا۔

بہرحال ہم چل پڑے اور اسی صحن میں پہنچ گئے۔ جسے میدان جنگ بنایا گیا تھا۔ آج یہاں کافی لوگ موجود تھے۔ دولت خان بھی تھا۔ سرتاج خان بھی۔ اور دوسرے بے شمار لوگ۔

دولت خان ہمیں دیکھ کر مسکرایا۔ "تمہارے ساتھی کا حال پتا تو نہیں ہے شہباز خان۔"

"شیروں کی دوستی شیروں سے ہوتی ہے گیدڑوں سے نہیں۔" شہباز خان نے سینہ تانتے ہوئے کہا۔

"خود تمہارے خون میں بھی گرمی پائی جاتی ہے شہباز خان۔ یا اب صرف دوسروں کے مل پر اکڑتے ہو؟" دولت خان نے غصہ دلانے والے انداز میں کہا۔ آجاؤ۔ ہمارے تمہارے درمیان بھی فیصلہ ہو جائے۔"

"میں لڑنا بھڑنا چھوڑ چکا ہوں شہباز خان۔ ہاں تمہاری خواہش پوری کی جا سکتی ہے۔ کیا تم جنگ کرو گے؟"

"مقابلے کے بارے میں پتہ چل جائے تو۔" شہباز خان نے کہا۔

"اوہ۔ جس نے تمہارے بیٹے رمضان کو قتل کیا ہے۔"

"آہ۔ آہ۔ کہاں ہے وہ۔ دولت خان۔ اسے میرے سامنے لے آ... میں تیرے سارے گناہ معاف کر دوں گا۔ میں تجھے زندگی بخش دوں گا۔" شہباز خان نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"لیکن تم اس کی شکل نہ دیکھ سکو گے؟"

"کیا مطلب؟ کیوں؟"

"بس۔ یہ میری شرط۔ تمہاری اور اس کی دونوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جائے۔ تم دونوں کے منہ میں ربر کے ٹکڑے دے دیئے جائیں گے تم ایک دوسرے سے بات بھی نہ کر سکو گے۔"

"یہ انوکھی شرط ہے۔" شہباز خان حیرت سے بولا۔

"میں نے جنگ کے دلچسپ طریقے ایجاد کئے ہیں۔ بولو۔ اپنے بیٹے کے قاتل سے مقابلہ کرو گے؟"

"میں تیار ہوں۔ میں تیار ہوں۔" شہباز خان نے غراتے ہوئے کہا۔ لیکن یہ انوکھی شرط میری سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔ آخر دولت خان اس سے کیا فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور پھر کیا یہ جنگ خطرناک نہ ہو گی؟ اگر شہباز خان بھی مارا گیا تو۔ پھر میں تمہارا کیا کروں گا۔ لیکن شہباز خان ان داؤ پیچ سے واقف ہو لیا تھا۔ کیا ضروری تھا کہ اس کے بیٹے کا قاتل وہی ہو جس سے دولت خان اسے لڑا رہا ہے۔

لیکن اب شہباز خان کو روکنا بھی مشکل تھا۔ وہ بیٹے کے قاتل سے جنگ کرنے کے نشے سے سرشار تھا۔

"ٹھیک ہے۔ پہلے مقابلے کی تیاریاں کی جائیں۔" دولت خان نے کہا "تم دونوں خنجروں سے مقابلہ کرو گے۔ تاکہ ایک دوسرے کے قریب آ سکو۔"

اور پھر شہباز خان کو اس کی پسند کا خنجر دے دیا گیا۔ ایک سیاہ رنگ کی پٹی اس کی آنکھوں سے باندھ دی گئی اور پھر اس کے چہرے پر ایک ایسا تھیلا چڑھا دیا گیا جس سے وہ سانس وغیرہ لے سکے۔ خنجر اس کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

میں تھوک نگلتے ہوئے اس دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا جس سے قاتل کی آمد کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ آہ۔ طالوت کہاں مر گیا۔ ساری پوزیشن دولت خان کے ہاتھ میں ہے۔ ہم بے بس ہیں اور ذلیل ہو رہے ہیں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ لیکن میرے کانوں میں کوئی آواز نہ گونجی۔ اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

اور پھر ایک دروازے سے ایک نوجوان قیدی کو اندر لایا گیا۔ اس کے چہرے پر بھی تھیلا بندھا ہوا تھا۔ لیکن وہ تندرست و توانا اور پھرتیلا معلوم ہوتا تھا۔

گئے بڑے میاں۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا۔ دونوں کے منہ میں ربر کے ٹکڑے دبا دیئے گئے۔ بظاہر یہ اس لئے تھے کہ دونوں ایک دوسرے کی آواز پر حملہ نہ کر سکیں۔ اور پھر ایک آدمی ان سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ یہ ان دونوں کو لڑانے والا تھا۔

"تم دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہو۔ تمہارے درمیان صرف چار فٹ کا فاصلہ ہے۔ مقابلے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" تیسرے آدمی نے کہا اور دونوں خنجر تولنے لگے۔ لڑانے والے کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل رہی تھی۔ اس نے دولت خان کی طرف دیکھا۔ دولت خان ایک سرخ رومال اٹھائے ہوئے تھا۔ پھر اس کا ہاتھ ہلا۔ اور اس کے ساتھ ہی لڑانے والے نے کہا۔

"شاباش۔ حملہ کرو۔"

شہباز خان نے اپنی عمر سے کہیں زیادہ پھرتی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس کا خنجر صرف پندرہ انچ کے فاصلے سے گزر گیا تھا۔ ورنہ

قیدی کا دم تمام ہو گیا تھا۔ قیدی نے بھی اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس کا وار بھی بے حد خطرناک تھا۔ شہباز خان کے بازو کی آستین چر گئی تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی شہباز خان نے دوسرا حملہ کر دیا تھا۔ قیدی صرف اندازے سے پیچھے ہٹ گیا۔ وہ بھی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

میں سانس روکے اس سنسنی خیز مقابلے کو دیکھ رہا تھا۔ لڑنے والے کی آواز بھری تو اب تم لوگ پھر ایک دوسرے سے فاصلے پر چلے گئے ہو۔ نوجوان قیدی تمہارا دشمن تمہارے بائیں طرف ہے اور بوڑھے تمہیں دائیں طرف حملہ کرتا ہے۔"

دونوں پھر تیار ہو گئے اور اس بار مجھے خطرہ ہوا کہ دونوں میں سے ایک یا دو وحشیانہ انداز میں ایک دوسرے پر حملہ کرتے تھے۔ اچھی اچھی کراٹیں پوزیشن بتا رہا تھا۔

لوگ قہقہے لگا رہے تھے۔ خود دولت خان بھی ہنس رہا تھا۔ البتہ سرتاج خان خاموش تھا۔ وہ شاید مجھ سے بھی خائف تھا۔ کیونکہ اس کا پہلا تجربہ اچھا نہیں تھا۔

اس بار شہباز خان نے خوفناک حملہ کیا اور اچانک میں اچھل پڑا۔ لڑنے والا شخص اس طرح اچھل کر شہباز خان کی طرف آیا تھا جیسے کسی نے اس کی کمر پر لات رسید کر دی ہو۔ شہباز خان کو آہٹ مل گئی تھی۔ چنانچہ دوسرے لمحے اس کا خنجر لڑنے والے کے پہلو میں پیوست ہو گیا۔ لوگوں کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ خود لڑنے والے کی چیخ بڑی دراز تھی۔ شہباز خان نے سمجھا کہ اس نے اپنے دشمن کا کام کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ دشمن کو موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس سے قبل کہ لوگ شہباز خان کو روکیں، اس نے پے در پے لڑنے والے پر کئی وار کر ڈالے اور وہ زمین پر گر پڑا۔

دولت خان اس عجیب و غریب سانحے پر پریشانی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے دانت پیس کر اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا "قیدی کو لے جاؤ۔"

اور دو تین آدمیوں نے قیدی کے ہاتھ سے خنجر لے لیا۔ اور اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔

"اوہ۔ شہباز خان۔ اوہ شہباز خان۔ یہ تو نے کیا یا۔" دولت خان غرایا۔ اور شہباز خان کے منہ سے ریح نکال کر پھینک دیا۔ اس نے خون آلود خنجر لہراتے ہوئے کہا۔

"میں نے دشمن کا کام تمام کر دیا ہے۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو۔"

"اوہ بے وقوف۔ گدھے۔ تو نے دوسرے آدمی کو قتل کیا ہے۔"

یہ سب شہباز خان حیرت سے سن رہا تھا۔

"اوہ۔ اس کی آنکھیں کھول دو۔" دولت خان نے کہا اور لوگوں نے شہباز خان کی آنکھیں کھول دیں۔ حقیقت معلوم ہونے پر شہباز خان بھی ششدر رہ گیا تھا۔

لیکن میری ذہنی کیفیت کچھ اور تھی۔ میں کچھ اور سوچ رہا تھا۔ یہ لڑنے والا اتفاق سے اچھل کر شہباز خان کے خنجر کی زد پر آیا تھا۔ یا۔ یا پھر طالوت۔ "میں نے کسی موہوم سی امید پر آواز دی۔

"معاف کرو یار عارف۔ صرف ایک بار اور معاف کر دو۔" مجھے اپنے کان کے قریب ہی طالوت کی سرگوشی سنائی دی۔ اور میرا دل چاہا کہ خوشی سے پاگلوں کی طرح چیخنے لگوں۔ میری زبان گنگ ہو گئی۔ "خدا کی قسم۔ زندگی بھر سامنے نہیں آؤں گا۔ اگر تو نے صدق دل سے مجھے معاف نہ کر دیا۔" طالوت کی سرگوشی میرے کانوں میں گونجی۔

"تم خیریت سے تو ہو نا؟"

"بالکل۔ بالکل۔ اور یقین کرو کہ راسم تمہاری خیر خیریت کر رہا تھا۔ اگر تم ایک بار بھی اسے آواز دیتے تو وہ تمہیں کسی نہ دیتا۔"

"خیر۔ تم سے گفتگو پھر کروں گا۔ موہوم پوزیشن سے واقف ہو۔"

"اچھی طرح۔ ورنہ ان دونوں کو لڑانے والا خود مارے کھا جاتا۔"

"ہوں۔ مجھے شبہ تھا۔ اب کیا کرنا ہے۔ سرتاج خان سے مجھے جنگ کرنی ہے۔"

"تو کرو۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟"

"میرا تو ہارٹ فیل ہو رہا تھا۔ اور تم کہہ رہے ہو گھبرانے کی بات ہے۔"

"جنگ نہیں کرنا چاہتے؟" طالوت نے پوچھا۔

"لعنت ہے۔" میں دانت پیستے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ وہ تم سے نہیں لڑے گا اور اگر میں اس وقت یہاں نہ بھی آتا تب بھی راسم تمہاری مدد کو موجود تھا۔ بہرحال غائب تو رہا ہوں۔ لیکن ایسی دور کی لایا ہوں کہ سارے گناہ معاف کر دو گے۔"

"فی الحال تو اپنی پڑی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہوتا ہے۔" میں نے ان لوگوں کی طرف دیکھا۔ شہباز خان احمق کی طرح اس لاش کو دیکھ رہا تھا۔ جو اس کے ہاتھ سے شکار ہوا تھا۔

"اس میں میرا کیا قصور ہے دولت خان۔ یہ خود سامنے

آیا ہو گا۔" شہباز خان نے کہا۔

"اب تیرا کیا خیال ہے شہباز خان؟"

"میں نہیں جانتا۔ تو نے اپنے لڑکے کو بھڑکایا کیوں تھا۔ میں اب بھی اس سے جنگ کرنے کو تیار ہوں۔ لیکن تیرا تماشا زیادہ دلچسپ نہیں رہا۔ ہم دونوں کو کھلی آنکھوں سے لڑنے دے۔ اصل تماشا اس وقت ہو گا۔"

"تیرا ساتھی کیا کہتا ہے۔ کیا تو اپنے دھندے کو پورا کرے گا؟"

"دلاور خان شیر ہے لیکن ڈرپوک نہیں۔ وہ تیار ہے۔" شہباز خان نے کہا اور میں نے کلکاریوں کو گالیوں دینا شروع کر دیں۔ کمینے میری جان کے پیچھے پڑ گئے ہے۔ اگر طالوت اس وقت بھی نہ آتا تو اس بوڑھے نے مروا دیا تھا۔

"تو ٹھیک ہے۔ میرا شیر بھی میدان میں آنے کو تیار ہے۔ سرتاج خان۔

"بابا۔" سرتاج خان نے خطرناک تیور سے کہا۔ شاید اس کی رگوں میں بھی خون نے جوش مارا تھا۔

"سامنے آؤ۔ اور اپنا شکار حاصل کرو۔"

"میں تیار ہوں بابا۔" سرتاج خان نے چوڑی اور روسی تلوار سونتتے ہوئے کہا۔

"طالوت۔" میں نے گھبرائے ہوئے انداز میں طالوت کو پکارا اور طالوت کی ہنسی میرے کانوں میں گونج اٹھی۔ پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تلوار طلب کرو۔"

"دل بھر گیا ہے مجھ سے؟"

"نہیں میری جان۔ تم سے تو ایسا دل لگا ہے کہ کبھی بھر ہی نہیں سکتا جو میں کہہ رہا ہوں کرتے رہو۔"

"اچھا۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور پھر میں بھی آگے بڑھ گیا "یا مجھے تلوار نہیں ملے گی؟" میں نے زوردار آواز میں کہا۔

"اسے اس کی پسند کی تلوار دو۔" دولت خان نے گرج کر کہا۔ اور بہت سی تلواریں میرے سامنے لائی گئیں۔ میں نے ان میں سے ایک تلوار اٹھا لی۔ مجھے اس دھار دار ہتھیار سے کیا دلچسپی تھی۔ صحیح معنوں میں مجھے یہ ہتھیار سنبھالنا بھی نہیں آتا تھا۔ لیکن بہرحال مجھے تلوار لے کر سرتاج خان کے مقابل آنا پڑا۔ سرتاج خان کے چہرے پر بظاہر جوش کے آثار تھے لیکن آنکھوں میں دبے دبے خوف کی پرچھائیاں بھی جھلک اٹھتی تھیں۔ پھر مجھے اسے یاد تھا۔

میں نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ میرا ہی دل جانتا ہے کہ

میں کیسے مسکرایا تھا۔ ابھی تک طالوت کی طرف سے کوئی تحریک نہیں ہوئی تھی اور میں دل ہی دل میں خود پر فاتحہ پڑھ رہا تھا۔

دولت خان نے پھر سرخ رومال اٹھا لیا تھا اور اس کا ہاتھ آہستہ آہستہ بلند ہو رہا تھا۔ دیکھنے والوں کے چہروں سے بھی جوش کا اظہار ہو رہا تھا اور پھر دولت خان نے جھٹکے سے رومال نیچے کر لیا۔

سرتاج خان نے پینترا بدلا اور میں پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن۔۔۔ اچانک سرتاج خان نے ایک پاؤں اٹھا کر گھٹنے پر رکھ لیا۔ تلوار کی نوک کو دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے پر رکھ لیا اور رقص کے ایک دلفریب پوز میں آ گیا۔

"یا طالوت۔" میں نے دل ہی دل میں بانگ لگائی۔

سرتاج خان یہ پوز بنائے مسکراتا رہا۔ اس نے بڑی ادا سے نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا تھا اور گردن ناز سے مٹکا رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کسی فاحشہ عورت کے انداز میں دولت خان کو آنکھ ماری اور دولت خان کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ دوسرے لوگ بھی احمقوں کے انداز میں دیوقامت سرتاج خان کو دیکھ رہے تھے۔ جو جنگ کرنے کے بجائے رقص کرنے کے موڈ میں نظر آتا تھا۔

میں آگے بڑھا اور میں نے تلوار کی نوک سرتاج خان کی کمر میں چبھو دی۔ وہ شرمائے ہوئے انداز میں لچک کر رہ گیا اور پھر زنانی آواز بنا کر بولا "اوئی اللہ۔ مان جاؤ۔"

"سرتاج خان۔" دولت خان کی دہاڑ زبردست تھی۔"

"تو اپنے باپ کے سامنے ہے۔"

"بابا۔ میں مر جاؤں۔" سرتاج خان نے تلوار پھینک کر دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا لیا۔

"قتل کر دو دلاور خان۔ اسے قتل کر دو۔ تمہارا دشمن تمہاری تلوار کی زد پر ہے۔" دولت خان حلق پھاڑ کر دہاڑا۔

"یا اللہ۔ رحم کر۔ مجھے خانم باپ سے بچا۔" سرتاج خان نے دونوں ہاتھ پیٹ پر رکھ لئے۔ وہ کسی وحشت زدہ حسینہ کی طرح آنکھوں پر ہاتھ رکھے چیخنے لگا۔

"مبارک ہو دولت خان۔ تیرے بیٹے کی اصلیت سامنے آ گئی۔"

"قتل کر دو۔ اسے قتل کر دو۔" دولت خان پاگلوں کی طرح چیخا۔

"اے اللہ۔ اے اللہ۔ سرتاج خان کانپتی آواز میں بولا بچائے میرے مولا۔ میری عزت بچا لے۔" اور دولت خان اس پر جھپٹ پڑا۔ اس نے میرے ہاتھ سے تلوار چھیننے کی

کوشش کی۔ لیکن اس دوران سرتاج خان ہمیں دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ٹانگیں چوڑی کرکے عجیب بے ڈھنگے انداز میں بھاگ رہا تھا۔

اور اب لوگوں کا ضبط ٹوٹ گیا تھا۔ وہ صلق پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے اور دولت خان کی گردن ندامت سے جھکی ہوئی تھی۔ پھر وہ مجھ پر لپک پڑا۔

"تم نے اسے قتل کیوں نہیں کردیا۔ جواب دو۔ کیا اس جرم کے بدلے میں تمہیں قتل نہ کردوں؟"

"ہم ہمیشہ مرد میدان پر ہاتھ اٹھاتے ہیں دولت خان۔ بزدلوں کو قتل کرنا ہمارا شیوہ نہیں ہے۔" شہباز خان نے کہا۔

"لے جاؤ۔ بند کردو انہیں۔ لے جاؤ۔" دولت خان پاگلوں کے انداز میں دہاڑا۔ اور بہت سے لوگوں نے ہمیں پھر جکڑ لیا۔ ایک بار پھر ہمیں قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ بوڑھا شہباز خان راستے بھر ہنستا رہا تھا۔ وہ پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنستے تھے۔

"واہ رے دولت خان۔ کیا شاندار جوان پیدا کیا ہے۔" وہ کہتا اور ہنسنے لگتا۔ لیکن جب ہم غار میں داخل ہونے تو چونک پڑے۔ خاص طور سے بوڑھے شہباز خان کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی فرش پر طالوت گھٹنوں میں منہ دیئے سو رہا تھا۔ شہباز خان پہلے تو حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا رہا۔ ہمیں لانے والوں نے ہمیں باہر ہی چھوڑ دیا تھا اور پھر اچانک شہباز خان مسرت سے بھرپور آواز میں چیخا۔

"او رے دیر خان۔ او رے دیر خان۔"

اور پھر وہ سوئے ہوئے طالوت سے لپٹ گیا۔ "تو آگیا دیر خان۔ تو زندہ ہے میرے بیٹے۔ تو زندہ ہے۔" وہ انتہائی محبت سے طالوت کو بھینچ بھینچ کر کہہ رہا تھا اور طالوت احمقوں کی طرح خاموش تھا۔

"تو کہاں سے پکڑا گیا ہے میرے بچے۔ بول تو کہاں سے پکڑا گیا ہے؟"

"افریقہ کے جنگلات سے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"میرا دل تیرے لئے روتا تھا دیر خان۔ میں نے یہی سمجھا تھا کہ تو سرنگ میں کہیں پھنس کر مر گیا۔ آج مجھے ایسا ہی لگ رہا ہے جیسے میرا رحمان مجھے واپس مل گیا ہے۔ میں بہت خوش ہوں دیر خان۔ آخر تو چلا کہاں گیا تھا۔"

"بس ایسے ہی۔ ان لوگوں کی نگاہوں سے چھپتا پھر رہا تھا۔"

"اوئے تو نے آج کا تماشا نہیں دیکھا۔ خدا کا قسم۔ دوست خان کا اس سے بڑا بے عزتی اور کیا ہو سکتا ہے کہ بیٹا نہ مرے نہ عورت۔" شہباز خان نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ "ٹھہر پانی کی سرنگ میں تیرے ساتھ کیا ہوا۔"

"کچھ نہیں بابا۔ بس جو تم لوگوں کے ساتھ پیش آیا وہی میرے ساتھ۔"

"مگر تجھے زندہ دیکھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی ہے۔ دولت خان اپنے غاروں پر لوٹ رہا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔"

"لیکن ہم یہاں قید ہونے تو نہیں آئے شہباز خان۔"

"لیکن۔ سرنگ میں پھنس کر ہم بند ہو گئے۔ میں تم کی وجہ سے اداس تھا دلیر خان۔ اب ہم یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔"

"کل تم یہاں سے نکل چلیں گے بابا۔ تم بے فکر رہو۔"

"اب مجھے فکر نہیں ہے۔ میں نے دولت خان کو ذلیل کرلیا ہے۔ مگر اس کا بے عزت بیٹا۔ مجھے تعجب ہے سرحد کے دیر ایسی اولاد نہیں پیدا کرتے۔ یہ سرتاج خان کو کیا ہو گیا ہے؟"

اور یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ بے چارے سرتاج خان کو کیا ہوا ہے۔ میرے علاوہ اور کون جان سکتا تھا۔ سرحد کے ان دیروں و بڑے بڑے سورماؤں سے واسطہ پڑا ہو گا۔ تجھ ایسے سورما کہیں نہ ملے ہوں گے۔"

رات کو جب بوڑھا شہباز خان سو گیا تو میں نے طالوت کی گردن ناپی۔ "ہاں اب بتاؤ۔ تم کہاں غائب ہو گئے تھے۔"

"باہر چلے گئے؟" طالوت نے میرے سوال کا جواب دیئے بغیر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"ہوں۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت میں اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا تو اس نے مجھے دھکا دیا۔ یہ اس کی مخصوص حرکت تھی۔ اس کے باوجود میں لڑ پڑا جاتا تھا۔ میں نے گرتے گرتے بچنے کے لئے سہارا لیا تو ایک چٹان میرے ہاتھ آگئی۔ اس کے ساتھ ہی مجھے ایک فرحت بخش ہوا کے جھونکے نے میرے بدن سے ٹکرائے تھے۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ ہم ایک سنسان میدان میں کھڑے ہوئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر قبیلے کے چند الاؤ روشن نظر آرہے تھے۔ پوری آبادی خاموش تھی۔ میں نے گہری سانس لے کر طالوت کی جانب دیکھا۔

"میں بالکل مجبور ہو گیا تھا عارف۔" طالوت نے کہا۔

"میں تمہاری مجبوری کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"بس ایک خاندانی روایت۔ ایک توہم پرستی۔"

"کیا مطلب؟"

"ایک بار میں چاہ زمان میں گر پڑا تھا۔ تب والد صاحب قبلہ نے پانی کے قیدی ازعود کو آزاد کیا اور اس نے تاریک کنویں سے مجھے نکالا۔ اس کنویں میں اس کے سوا کوئی نہیں اتر سکتا تھا۔ والد صاحب نے اس کی خطائیں معاف کردیں اور اسے مکمل طور سے آزاد کردیا۔ ہاں۔ اس کے بدلے ایک کام کرنا گیا۔ وہ یہ کہ پانی کے ذخیرے والوں کو وہ بچائے گا۔ تو سرنگ میں اچانک پانی آیا تھا۔ میں بھی ایک لمحے کے لئے گھبرا گیا اور اسی وقت ازعود نے مجھے بازوؤں میں اٹھا لیا۔

ازعود کو نہیں معلوم تھا کہ میں کون ہوں۔ جب خشکی میں لاکر اس نے میری شکل دیکھی تو اچھل پڑا۔ کیونکہ اسے بھی میرے فرار کے بارے میں معلوم تھا۔ اس نے میری منت سماجت شروع کردی کہ میں واپس چلوں۔ میں سخت پریشان ہو گیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ اس علاقے کی طرف متوجہ ہو۔ چنانچہ مجبوراً مجھے اسے چکر دینے پڑے۔ میں اسے صحرائے آلام میں لے گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہاں میرے چند دوست میرے منتظر ہیں۔ ان سے اجازت لے لوں تو اس کے ساتھ چلوں گا۔ اس دوران میں نے راسم کو ہدایت کردی تھی کہ وہ تمہارا خیال رکھے۔ صحرائے آلام کے ایک خوفناک کنویں کے نزدیک میں نے چالاکی سے پتھر لبس رکھ دیئے اور پریشانی سے ازعود سے کہا کہ شاید میرے خاص دوست اس کنویں میں پھنس گئے ہیں۔ میں نے ازعود سے عہد لیا کہ جب تک وہ انہیں تلاش نہ کرلے گا باہر نہیں نکلے گا۔ اور اس نے عہد کرلیا۔ چنانچہ وہ کنویں میں داخل ہو گیا اور میں وہاں سے فرار ہو کر یہاں پہنچ گیا۔ آہ۔ بے چارہ ازعود۔ اپنے عہد سے مجبور ہو کر اب اس کنویں میں میرے خیالی ساتھیوں کو تلاش کرتا رہے گا۔" طالوت نے غم آلود لہجے میں کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔

"اگر وہ نہ ملے تب بھی وہ باہر نہیں آئے گا؟"

"نہیں۔ ایک نے عہد کیا ہے۔"

"تم کسی کو نہیں چھوڑتے طالوت۔"

"تمہارے سوا سب کو چھوڑنے کو تیار ہوں۔ بس۔"

"کسی بات کی جس کی بنا پر تم کہہ رہے تھے کہ میں تمہاری زیادتی معاف کردوں گا؟"

"نہیں۔"

"پھر؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تو میرے ساتھ۔" طالوت نے کہا اور پھر ہم آگے بڑھ گئے۔ طویل فاصلہ طے کرکے طالوت ایک دور دراز پہاڑی کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس پہاڑی کے ایک غار کے سامنے مشعل روشن تھی۔ دیواروں میں مشعلیں لگی ہوئی تھیں اور بہت سے مسلح قبائلی نظر آرہے تھے۔ تب طالوت نے راسم کو آواز دی اور راسم سامنے آگیا "ہمارا سامان۔" طالوت نے اس سے کہا اور راسم نے پلک جھپکتے ہمارا ضروری سامان ہمارے سامنے رکھ دیا۔

"گھوڑوں کا کیا ہوا طالوت؟"

افسوس گھوڑے نہ بچ سکے۔ تم نے شاید ان کی لاشیں نہیں دیکھیں۔ پہاڑوں کے دوسری طرف اس جگہ پڑی ہیں جہاں یہ لوگ مردہ جانور ڈال دیتے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"افسوس۔ عمدہ گھوڑے تھے۔"

"اپنا دوشالہ نکال لو۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔" میں نے اس کی شکل دیکھی اور پھر اپنے سامان سے شاہ دانہ کا دوشالہ نکال لیا۔ راسم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ میں نے دوشالہ اوڑھ لیا۔ پھر طالوت نے بھی نگاہوں سے اوجھل ہونے کا عمل کیا اور اس کے بعد میرا ہاتھ پکڑ کر اس غار کی طرف چل پڑا جہاں مسلح پہرہ دار کھڑے تھے۔ یہ پہرے دار غار کے دہانے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی رائفلیں ان کے نزدیک رکھی ہوئی تھیں۔

طالوت نے ہونٹ سکوڑے اور رائفلوں کی طرف پھونکنے لگا۔ رائفلیں اپنی جگہ سے ہلیں اور پھر دور جا پڑیں۔ پہرے دار چونک پڑے تھے۔ وہ بدحواسی میں رائفلیں اٹھانے دوڑے اور طالوت نے دوبارہ پھونک ماری۔ رائفلیں اور دور جا پڑی تھیں۔ اور غار کا دروازہ خالی ہو گیا۔ تب طالوت میرا ہاتھ پکڑ کر اطمینان سے غار کے دروازے میں داخل ہو گیا۔ ایک چھوٹی سی سرنگ دور تک گئی تھی۔ اور اس کے اختتام پر ایک اور چھوٹا سا غار تھا۔ لیکن اس غار کے دہانے پر لوہے کی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ سلاخوں کے پیچھے پتھر کی سل پر کوئی گھٹنوں میں سر دیئے سو رہا تھا۔

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم سلاخوں کے نزدیک پہنچ گئے "اندر آجاؤ۔" طالوت نے کہا اور سلاخوں کی درمیانی جگہ سے اندر داخل ہو گیا۔ سلاخوں کی درمیانی جگہ چھ انچ سے زیادہ نہیں تھی۔ طالوت کا داخلہ ہی حیرت انگیز تھا۔ میں

نے بھی اسی کے انداز میں اس چھوٹی سی جگہ سے مرنے کی کوشش کی اور بلاشبہ یہ تجربہ میرے لئے کافی دلچسپ اور سنسنی خیز تھا۔ وہ دو شاور لینے کے بعد میرا کوئی وجود نہیں رہا تھا۔ میں اطمینان سے اندر داخل ہو گیا۔

سونے والا ایک قوی ہیکل جوان تھا۔ لیکن اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی' سر کے بال منتشر تھے۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ طالوت اس کے سرہانے پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔

"یہ کون ہے؟" بالآخر میں نے طالوت سے پوچھا۔

"وہ۔ لیکن اس سے ہمیں کیا سروکار ہے؟"

"زبردست۔" طالوت پسپائیاں بجھا رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"غور سے اس کی شکل دیکھو۔" طالوت نے کہا اور میں جھک کر قیدی کو غور سے دیکھنے لگا لیکن اس کے باوجود میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ میں سیدھا ہو کر سوالیہ انداز میں طالوت کو دیکھنے لگا۔

"کوئی اندازہ؟"

"نہیں۔" میں نے اعتراف کیا۔

"یہ رحمان خان ہے۔" طالوت نے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ "کون رحمان خان۔" میں نے کہا۔

"شاید تمہارا ذہن سو رہا ہے۔ کیا تمہیں اس کے چہرے میں شہباز خان کی جھلکیاں نہیں نظر آتیں۔ کیا شہباز خان کے بیٹے کا نام رحمان خان نہیں تھا؟" طالوت اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ میں شدید حیرت سے اچھل پڑا۔

"یہ۔ یہ۔ نہیں یہ۔"

"ہاں۔ یہ یہ۔ لیکن یہ۔ زندہ ہے۔ یہ شہباز خان کا بیٹا رحمان خان ہی ہے اور زندہ ہے۔ اس کی موت کا افسانہ جھوٹ ہے۔ اور کمین صفت دولت خان نے آج ان دونوں باپ بیٹوں کو لڑایا تھا۔ غور کرو طالوت۔ کسی کے ہاتھوں کوئی مارا جاتا۔ کیسا دلدوز المیہ ہوتا۔ بوڑھا باپ جوان بیٹے کے غم میں ہلاک رہا تھا۔ اگر وہ قیدی کو ہلاک کر دیتا تو دولت خان باپ کو بیٹے کی شکل دکھاتا اور کہتا کہ اس کا کوئی قصور نہیں ہے۔ خود شہباز خان نے اپنے بیٹے کو قتل کیا ہے اور اگر رحمان خان شہباز خان کو قتل کر دیتا تو زندہ صفت دولت خان بیٹے کا مذاق اڑاتا کہ اس نے بوڑھے باپ کو قتل کر دیا۔" طالوت کی آواز ابھری۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں ان دونوں کے ہاتھوں سے دولت خان یا اس کے بیٹے سرتاج خان کو بھی قتل کرا سکتا تھا۔ لیکن ابھی انہیں کچھ اور سزائیں ہی چاہئیں۔ اس لئے انہیں زندہ چھوڑ دیا ہے۔"

"اوہ۔ طالوت۔ طالوت۔ درحقیقت تم نے زبردست کارنامہ انجام دیا ہے۔ بڑے بروقت پہنچے طالوت۔ اگر وہ دونوں کو لڑانے والا ان کے ہاتھوں نہ مارا جاتا تو دولت خان یہ تماشا جاری رکھتا اور اس کے بعد۔ لیکن۔ میرے خدا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ تم اس بات تک کیسے پہنچے؟"

"میں جس وقت وہاں پہنچا تو دونوں لڑکے مقابل تھے مجھے ان کے اٹھے ہوئے چہروں پر حیرت ہوئی۔ تب میں نے ان قیدیوں کے اندر جھانکا اور مجھے اس قیدی میں شہباز خان کی شباہت محسوس ہوئی۔ میں حیران تو ہوا۔ لیکن فوری طور پر کچھ کرنا ضروری تھا۔ میں نے راسم کو ہدایات دیں اور راسم نے حالات بدل دیئے۔ بعد میں میں نے راسم کے ذریعے تحقیقات کرائی اور راسم نے مجھے رپورٹ دے دی۔"

"ہاں۔ تمہارے لئے یہ کیا مشکل تھا۔ لیکن راسم کی رپورٹ کیا ہے؟"

"بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ آؤ۔ باہر چل کر سنائوں گا۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں اسی انداز سے قید خانے سے باہر نکل آئے۔

باہر رائفلوں کا ہنگامہ جاری تھا۔ سارے مسلح پہرے دار ایک جگہ جمع ہو کر رائفلیں اوپر جانے کے حیرت انگیز واقعے پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ہم ان سے دور ایک پتھر پر بیٹھے اور طالوت نے کہا۔

"راسم کی رپورٹ کے مطابق جس وقت دولت خان اور سرتاج خان نے رحمان خان کو پکڑا۔ اس وقت عشق زور پکڑ چکا تھا۔ دولت خان کی بیٹی گلفشاں رحمان خان پر بری طرح مرتی تھی۔ رحمان خان نے سرتاج خان سے مقابلہ کرنے کی کوشش کی' لیکن گلفشاں درمیان میں آگئی۔ اس نے کہا مجرم وہ ہے سزا اسے دی جائے۔ دولت خان کی ہمت چھوٹ گئی۔ دولت خان نے اسے دھمکیاں دیں اور غیرت دلائی کہ وہ اس کے دشمن کے بیٹے سے محبت کرتی ہے۔

تب گلفشاں نے کہا کہ اسے یہ بات معلوم نہیں تھی۔ اس نے باپ کی منت سماجت کی کہ اس دشمنی کو ختم کر دیا جائے۔ دولت خان نیم راضی تھا لیکن سرتاج خان راضی نہ ہوا۔ وہ ہر قیمت پر رحمان خان کو قتل کروانا چاہتا تھا۔ تب گلفشاں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ وہ رحمان خان کو قتل

کر دے۔ لیکن گلفشاں پورے ہوش میں تھی اور ایک ایک سے کہے گی کہ وہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں رحمان خان کا بچہ ہے۔ شہباز خان کے بیٹے رحمان خان کا بچہ۔ یہ دوہری صورتیں بنیں یا تو رحمان خان کے ساتھ اسے بھی قتل کر دیا جائے یا ان دونوں کو بیک وقت رہا کر دیا جائے۔ سرتاج خان غصے سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ لیکن دولت خان کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ دولت خان نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ رحمان خان کی موت کی خبر مشہور کر دی جائے اور اسے خاموشی سے قید کر لیا جائے۔ رحمان خان کی زندگی بچ جانے سے گلفشاں بھی راضی ہو گئی۔ دولت خان نے سرتاج خان کو سمجھایا کہ کسی مناسب موقع پر رحمان خان کو قتل کر دیا جائے گا اور اس وقت تک گلفشاں بھی راہ راست پر آجائے گی۔ بمشکل سرتاج خان راضی ہو گیا۔ لیکن گلفشاں بھی بہت سخت نکلی۔ وہ ہر ماہ رحمان خان کی خیریت کی خبر لیتی ہے اور یہ لوگ رحمان خان کو زندہ رکھنے پر مجبور ہیں۔ گلفشاں نے شادی کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ ویسے حاملہ ہونے والی بات غلط تھی۔ وہ دونوں پاک ہیں۔"

"لیکن وہ لڑکی۔"

"دولت خان کے ایک اور دشمن کی بیٹی مسیح کر کے رحمان کا لباس پہنا دیا گیا تھا اور پھر چونکہ لاش شہباز خان کے پاس نہیں گئی۔ اس لئے یہ راز راز رہا۔"

"خدا کی پناہ۔ لیکن یہی مسرت افزا خبر ہے۔"

"ویسے آج کل تمہاری کھوپڑی ناکارہ ہوتی جا رہی ہے' عارف۔"

"کیوں۔"

"مجھے رحمان خان کی موت پر پہلے ہی شبہ تھا۔"

"وہ کس طرح؟"

"اس وقت سے۔ جب شہباز خان نے گلاب کو قتل کیا تھا اور..... گلاب نے مرتے مرتے کہا تھا کہ وہ شہباز خان کو ایک خوشخبری سنا سکتا ہے۔ لیکن نہیں سنائے گا۔ بھلا غور کرو۔ خبر وہ باپ کو بیٹے کی موت کے بعد کیا خوشخبری سنائی جا سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ اسے اس کے بیٹے کی زندگی کی اطلاع دی جاتی۔"

"اوہ۔ ہاں۔ تم نے اس بارے میں کچھ کہا بھی تھا۔"

"ہاں۔ اور تم نے توجہ نہیں دی تھی۔"

"مجھے اعتراف ہے طالوت۔ تم میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ چلو ہم بوڑھے شہباز خان کو یہ خوشخبری سنا دیں۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کیا کہہ رہے ہو۔ سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"کیا مطلب۔"

"ابھی صبر کرو۔ ابھی اسے کچھ نہیں بتائیں گے۔ ورنہ بوڑھے کی نہ جانے کیا کیفیت ہو۔ ابھی تو دولت خان اور سرتاج خان سے نپٹنا ہے۔"

"اوہ۔ پھر۔ کیا پروگرام ہے؟"

"بس دیکھتے رہو۔ اس بار تم خاموش رہو۔ کیونکہ کام میری پسند کا ہے۔ مجھے کرنے دو۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔ آؤ اب ہم قید خانے چلیں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں قید خانے کی طرف چل پڑے۔ بوڑھا شہباز اسی طرح دنیا و مافیہا سے بے خبر سو رہا تھا۔

ہم دونوں بھی لیٹ گئے۔ تب میں نے طالوت سے کہا "ایک بات بتاؤ طالوت۔"

"تم تو خاموشی سے ہی قید خانے میں آئے ہو؟"

"ہاں۔"

"پہرے دار تمہیں دیکھ کر حیران نہ ہوں گے۔"

"ہونے دو۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ ظاہر ہے اس شخص کو کیا فکر ہو سکتی ہے۔ میں نے سونے کی کوشش کرنے لگا۔

مجھے کافی دیر تک نیند نہیں آئی۔ بوڑھا شہباز خان اور طالوت گہری نیند سو رہے تھے۔ درحقیقت رحمان خان کی زندگی کی مجھے بہت خوشی تھی۔ بوڑھا شہباز خان سنے گا تو کس قدر خوش ہو گا۔

باقی رہے یہ لوگ یعنی دولت خان اور سرتاج خان وغیرہ۔ تو اب طالوت آگیا تھا اور بقول اس کے اپنے طور پر کام کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ بہرحال میں صرف اتنا جانتا تھا کہ دولت خان کی شامت آئی تھی۔ طالوت نہ جانے اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ دولت خان کی یوں بھی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔

دوسری صبح سب سے پہلے میں جاگا تھا۔ ناشتہ لانے والے ناشتہ دے کر جا چکے تھے۔ طالوت چونکہ میرا ہم شکل تھا اس لئے انہوں نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد طالوت نے شہباز خان سے کہا۔

"کیا خیال ہے خان بابا۔ کیا ہم دولت خان کے قیدی بننے آئے ہیں۔"

"ایں۔ نہیں۔ مگر۔" بوڑھے شہباز نے بے بسی سے

ہاتھ ہلتے ہوئے کہا۔

"تو چلو پھر باہر کی فضا میں سانس لیں گے۔ دولت خان کی کیا مجال جو ہمیں بند کر سکے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ میرے شیر۔ گھر باہر محافظ موجود ہیں۔"

"سب اپنے غلام ہیں خان بابا۔ آؤ۔ اٹھو۔" طالوت نے کہا اور پھر وہ قید خانے کے دروازے کے پاس پہنچ گیا "اے۔ دروازہ کھولو۔" اس نے چھڑکے ایک ٹھوکر سے دستک دی اور ایک محافظ نے دروازہ کھولا۔

"صبح ہو گئی ہے بھائی صاحب۔" طالوت بڑی محبت سے بولا۔

"تو پھر۔" محافظ نے خفیف سے لہجے میں کہا۔

طالوت اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے لجاجت سے کہا "تو دروازہ کھول دو۔" اور محافظ نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔

"آیئے خان بابا۔" طالوت نے گردن جھکا کر کہا اور ہم تینوں قید خانے سے باہر نکل آئے۔

پھر ہم دوسرے ہال سے بھی باہر نکلے جہاں بہت سے محافظ موجود تھے۔ وہ سب ہمیں دیکھ کر اچھل پڑے۔ ان میں سے بہت سوں نے پستول نکال لئے تھے "ارے۔ ارے۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ کیا ہم تمہارے لئے غیر ہیں؟" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں نے ان سب کے چہرے ڈھیلے پڑتے دیکھے "نہیں۔ ہرگز نہیں۔" سب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"تو پستول رکھ لو۔" طالوت انہیں چمکارتے ہوئے بولا اور انہوں نے پستول ہولسٹروں میں واپس رکھ لئے "اب اجازت دو۔" طالوت نے کہا "خدا حافظ۔" وہ سب اسی انداز میں بولے اور شہباز خان کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ طالوت اطمینان سے انہیں الوداع کہتا ہوا باہر نکل آیا۔

"ارے داور خان۔ ارے داور خان۔ رک جا۔ پہلے مجھے اس کے بارے میں بتا۔" شہباز خان میرا شانہ جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

"میں کیا بتاؤں خان۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"کیا یہ جادوگر ہے؟"

"نہیں۔ صرف ہمارا دوست ہے۔"

"مگر۔ وہ لوگ اس کی بات کیوں مان گئے؟"

"میں نے انہیں بھاری رشوت دی ہے خان بابا۔ نہ صرف وہ بلکہ قید کے دوسرے لوگ بھی اب میری بات

"ارے۔ مگر یہ تو نے کب ان کو رشوت دی؟"

"رات کو۔ آپ فکر نہ کریں بابا۔ آئیے۔ اب ہم قیام گاہ معاش کر لیں۔ اس کے بعد دولت خان کو دیکھتے ہیں یہاں اس کے آدمی زیادہ ہیں یا تمہارے بوڑھے خان نے پریشانی سے گردن ہلا دی۔ اس کی میں نہیں آ رہا تھا کہ دشمنوں کے اس علاقے میں یہ آدمی کہاں سے آ گئے۔ لیکن شعبدہ گر طالوت کی ہاتھوں سے کون انکار کر سکتا تھا۔ دولت خان کی خیر مصیبت آئی تھی۔ ہم بہت دور نکل آئے۔ پہاڑیوں کے سلسلے کے پاس پہنچ کر طالوت رکا اور پھر بولا۔

"یہاں بے شمار غار ہیں۔ کوئی بھی غار ہماری قیام گاہ بن سکتا ہے۔ کیوں؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گردن ہلا دی۔

اور ہم کوئی مناسب غار تلاش کرنے لگے۔ جب طالوت کا یہ چاہا پسند نہیں آیا تھا۔ بوڑھے شہباز خان نے اس کے بیٹے کی زندگی کی خیر مجھے رکھنا مجھے کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا۔"

لیکن مجبوری تھی۔ طالوت نے ایک عمدہ سا غار تلاش کر لیا اور ہم اس میں فروکش ہو گئے۔ تب طالوت نے بوڑھے شہباز خان سے کہا "ہم یہاں رحمان خان کی موت کا انتقام لینے آئے ہیں خان بابا۔ کسی خیر سگالی کے مشن پر نہیں آئے۔ میرے خیال میں ہمیں تھوڑے سے انتظامات کرنے کے بعد اپنا کام شروع کر دینا چاہئے۔"

"لیکن ہم کیا انتظامات کر سکتے ہیں۔ ہمارا سامان بھی ان کے قبضے میں چلا گیا۔"

"میں وہ سامان ان کے قبضے سے نکالے لاتا ہوں۔ ان کے گھوڑے بھی تو انہیں گے اور پھر ان پر حملہ کریں گے۔"

"اوہ۔ تب چلو۔ ہم تینوں چلتے ہیں۔"

"نہیں خان بابا۔ تم یہ کام میرے اوپر چھوڑ دو۔" کیا خیال ہے داور خان؟" ٹھیک ہے۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"تو مجھے اجازت دو خان بابا۔ داور خان۔ تم ہمارے ساتھ آؤ۔" طالوت غار سے باہر نکل آیا۔ بوڑھا خان منہ کھول کر رہ گیا تھا۔

"کیا بات ہے عارف۔ تم بیزار سے نظر آ رہے ہو۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔" لیکن کیوں؟"

"مجھے ان ہنگاموں میں کچھ لطف نہیں آ رہا طالوت۔"

رحمان خان زندہ ہے۔ اگر وہ ہی اس کی موت کا انتقام لیتا ہوتا تو پھر ٹھیک تھا۔ اب فضول باتوں سے کیا فائدہ۔ یوں بھی یہ خرد دولپ جگہ نہیں ہے۔"

"اوہ۔ طالوت نے ہونٹ سکوڑ لئے۔" پھر تم بتاؤ۔ کیا کرنا چاہئے؟" رحمان خان کو ان کے قبضے سے نکال لاؤ۔ بوڑھے کے حوالے کر دو۔ اور پھر یہ جگہ چھوڑ دو۔"

"میرا خیال تھا اس چور سرتاج خان کو کچھ اور سزا دوں؟"

"کافی سزا مل گئی ہے اور ٹھوک پیٹ لو اور پھر یہاں سے چلو۔"

"ہوں" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔ پھر شانے ہلا کر بولا "چلو ٹھیک ہے۔ تمہاری وجہ سے ان بدمعاش باپ بیٹوں کو معاف کئے دیتا ہوں۔ تب پھر آؤ۔ ذرا ان سے ملاقات تو کریں۔"

"ہاں چلو۔ میں ذرا بوڑھے خان سے کہہ آؤں۔" میں نے کہا اور میں غار میں واپس جا کر بوڑھے سے کہہ آیا کہ میں بھی ولیر خان کے ساتھ جا رہا ہوں۔ "جیسا تمہاری مرضی بابا۔ ہم کیا بولے" بوڑھے نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"آپ یہاں پوشیدہ رہیں گے بابا۔ باہر نکلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔" ٹھیک ہے۔ جیسا تم بولو گے ویسا ہی کریں گے۔" بوڑھے نے گہری سانس لی۔ میں چاہتا تھا کہ اس بوڑھے کے جسم میں نیا خون دوڑا دوں لیکن بہرحال کچھ دیر اور انتظار سہی۔ بہرحال میں طالوت کے پاس پہنچ گیا۔

"دوشالہ۔" طالوت نے کہا اور میں نے شاہ دانہ کا دوشالہ اوڑھ لیا "آنکھیں بند کرو۔ ہم وقت کیوں ضائع کریں۔" طالوت پھر بولا اور میں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔

تب اس نے آہستہ سے میرا بازو دبایا اور میرے کانوں میں دولت خان کی آواز گونجی۔ "میرے سامنے اس خنزیر کا نام مت لو۔ میں اس کی شکل سے نفرت کرتا ہوں۔"

"لیکن۔ لیکن اس سے مل تو لو۔ سن تو لو وہ کیا کہنا چاہتا ہے۔" ایک نسوانی آواز تھی۔

"پھر میرے پاس آ کر کوئی جھوٹ بولے گا۔ سرتاج خان کی ماں۔ دولت خان نے گردن اٹھا کر زندگی گزاری ہے۔ میں نے کچھ لوگوں کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میرے گناہوں کی اس سے بڑی سزا اس دنیا میں کچھ اور نہیں ہو سکتی تھی کہ میرا بیٹا بزدل نکل جائے۔ میرا دل چاہتا ہے سرتاج خان کو گالی ماردوں۔" دولت خان دانت پیس کر بولا۔

"میرے کہنے سے۔ میرے کہنے سے ایک بار اس کی سن لو۔" دولت خان کی بیوی نے اصرار کیا اور دولت خان اسے گھورنے لگا۔ پھر اس نے گرجدار آواز میں کہا "بلاؤ۔ اسے بلاؤ۔" اور دولت خان کی بیوی اس کمرے سے باہر نکل گئی۔ جہاں ہم موجود تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا طالوت مجھے سیدھا دولت خان کے مکان میں لے آیا تھا۔

"کیا خیال ہے عارف۔ یہ دولت خان تو کچھ سیدھا ہوتا جا رہا ہے۔"

"ہاں۔" میں نے مختصراً جواب دیا۔ اور ہم انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے میں سرتاج خان نظر آیا۔ اس کے پیچھے اس کی ماں بھی تھی۔ سرتاج خان کا حلیہ خراب ہو رہا تھا۔ وہ سخت پریشان نظر آ رہا تھا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں خوف کی پرچھائیاں رقصاں تھیں۔

دولت خان نے اسے نفرت سے دیکھا "اب کیا کہنے آیا ہے؟" "وہ دہاڑا" تمہارا غصہ بجا ہے بابا۔ لیکن میری سن لو۔"

"سنا۔ ضرور سنا۔"

"وہ سب کچھ میرے بس میں نہیں تھا بابا۔ میں کسی پراسرار طاقت کے شکنجے سے یہ سب کر رہا تھا۔ میرا جسم میرے بس میں نہیں رہا تھا۔" سرتاج خان نے کہا "خوب۔ خوب۔ تو کہنا چاہتا ہے کہ وہ لوگ انسان نہیں ہیں۔"

"میں کچھ نہیں کہنا چاہتا سوائے ایک بات کے۔"

"بول بول وہ کونسی بات ہے۔"

"بوڑھے شہباز خان کو رہنے دو۔ اس داور خان کو ایک بار اور میرے حوالے کر دو۔ میں اس کا سر کاٹ لوں۔ اس کے بعد تم جو کہو گے۔ وہ کروں گا۔"

"اوہ۔ مرد۔ تو اپنے دشمنوں کے ساتھ مل کر اس ایک آدمی کی زندگی لے گا اور آخرت کے خیال میں وہ جن ہے تو پھر تو اس کا کیا بگاڑ سکے گا۔ نہیں سرتاج خان۔ یہ بھی تیرے بس کی بات نہیں ہے۔ تو نے میری زندگی بھر کے کارناموں پر پانی پھیر دیا ہے۔ میں نے ایک اور فیصلہ کیا ہے۔ میں اس پر عمل کروں گا۔"

"یہ فیصلہ ہے بابا۔"

"سرتاج خان۔ میں نے پوری زندگی جو کچھ کیا ہے اس پر نادم ہوں۔ اب سے کچھ وقت پہلے میرے اندر کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ لیکن پشاور کی ان ہی اس کا سب کچھ ہوتی ہے۔ میری آن ٹوٹ گئی۔ میرا دل ٹوٹ گیا۔ میں نے سوچا کہ

یہ میرے کون سے گناہوں کی سزا ہے۔" وہ بھی
یاد نہیں آتا۔ تب میں نے سوچا۔ یہ میری زندگی میں ثواب کا
ایک ہی کام کروں اور وہ کام یہ ہو کہ شہباز خان کو اس قید خانہ
سے رہا کروادوں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا دولت۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔" سرتاج
خان غرایا۔

"تیری خواہش اصلی ہوتی۔ تو اب تک یہ نہیں ہوتا۔
لیکن تو میدان میں لڑنے مرنے والوں میں سے ہے۔"
دولت خان نے حقارت سے کہا۔

"یہ نہیں ہو سکتا خان۔ یہ ناممکن نہیں ہو سکتا۔ تیری
ماں ایک بار اور نوٹ چکی ہے۔ اس وقت تو نے کچھ نہیں
کیا۔" سرتاج خان نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"تیرا اشارہ کس طرف ہے؟" دولت خان غرایا۔

"جب تیری بیٹی۔ تیرے دشمن کے بیٹے سے عشق
کر رہی تھی۔ تیرا دشمن تیری عزت سے کھیل رہا تھا اور تو بیٹی
کے ہاتھوں اتنا بے بس ہوا کہ تو نے اپنے دشمن کو قتل بھی نہ
کرایا۔ تیری بیٹی آج بھی اس سے محبت کرتی ہے۔"

"سرتاج خان۔" بوڑھا وحشیانہ انداز میں چیخا۔

"تو اپنی زندگی کے دن گزار چکا ہے خان۔ اب میرا
وقت ہے۔ شہباز خان کا بیٹا بھی وہ نہیں ہو سکتا۔ میں تو اس
کی زندگی کے ہی خلاف ہوں' اور خان آج سے تیرے
معاملات میں نے اپنے ہاتھ میں لے لئے ہیں۔ میں نے کافی
سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ اگر تو میرا ہم
آواز ہو گا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ تجھے گرفتار کروں گا۔" سرتاج
خان۔ "بوڑھے دولت خان نے کھنکار نکال لیا۔

"آجاؤ۔ اندر آجاؤ۔" سرتاج خان نے کہا اور بہت
سے مسلح آدمی دھڑدھڑاتے اندر آگئے "گرفتار کرلو دولت
خان کو۔"

"تم۔ تم لوگ۔" دولت خان گرجا۔ لیکن آنے والوں
نے دولت خان کو چاروں طرف سے جکڑ لیا۔

طالوت نے مسکراتی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔

"لے بھائی عارف۔ ذرا چین ہو گیا۔" وہ آہستہ سے
بولا۔ بدلتے ہوئے یہ رنگ میرے لئے بھی دلچسپ تھے۔

"لے جاؤ۔ اسے قید خانے میں بند کردو۔ مجھے بہت سے
اہم فیصلے کرنے ہیں۔" سرتاج خان نے کہا۔ اور مسلح لوگ
دولت خان کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے چلے "کل چمن' کل چمن تو
بھی بیٹے کے ساتھ شریک ہے۔" دولت خان اپنی بیوی کی
طرف دیکھتا ہوا دہاڑا۔

کیا اور دولت خان خاموش ہو گیا۔ سرتاج خان مسکراتی
نگاہوں سے دولت خان کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے دو ساتھی
اور اس کی ماں اب بھی اس کے قریب کھڑے تھے جو اس
کے آدمی دولت خان کو باہر لے گئے۔ سرتاج خان سے دونوں
ہاتھ ملا چکے تھے۔ پھر وہ اپنے دونوں ساتھیوں سے مخاطب
ہو کر بولا۔

"تم لوگ جاؤ اور شہباز خان اور اس کے ساتھی کو
آج ان کا قصہ بھی آج ہی پاک ہو جانا چاہئے۔"

"جو حکم سرتاج خان۔" دونوں نے گردن ہلائی اور باہر
نکل گئے۔

"اب تو بیا کرے گا سرتاج خان۔" سرتاج خان کی ماں
نے اس سے پوچھا۔

"پہلے شہباز خان اس کے بیٹے اور اس کے ساتھی کو
ختم کرنا ہو گا اماں' اس کے بعد ہمیں گلفشاں کی شادی کرنا
ہے۔ ان کاموں سے فارغ ہونے کے بعد ہی میں باہر نکل
سکتا ہوں۔"

"نہیں قید خانے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہو گی۔"

"بالکل نہیں۔ تم فکر مت کرو۔" سرتاج خان نے
مسکراتے ہوئے کہا اور بوڑھی عورت کے چہرے پر تشویش
نظر آنے لگی۔

"تو۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلتے ہوئے کہا
اور میں باہر نکل آیا۔ "اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک اور کردار رہ گیا ہے۔ اس سے بھی نمٹ
لیں۔"

"کون؟" گلفشاں۔

"لیکن وہ سیدھی سادی لڑکی۔ کیا بھائیوں کو دیکھ کر
پریشان نہیں ہو گی؟"

"دیکھے لیتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور ہم گلفشاں کی
تلاش میں نکل گئے۔ تھوڑی ہی تگ و دو کے بعد ہم اس کے
کمرے میں پہنچ گئے۔ دروازے سے گلفشاں کو دیکھا تھا۔
خاصی حسین اور معصوم سی لڑکی تھی۔

"میرا خیال ہے میں اس سے گفتگو کروں۔" طالوت
بولا۔

"ٹھیک ہے۔"

"تب تم یہاں رکو میں باقاعدہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہوں ورنہ
بات نہ بن سکے گی۔" میں نے گردن ہلادی اور طالوت باہر
نکل گیا۔ پھر اس نے باہر سے دستک دی اور گلفشاں نے
سادہ سی آواز میں کہا "آجاؤ۔"

اور طالوت اندر داخل ہو گیا۔ گلفشاں نے اسے دیکھا
اور اچھل پڑی۔ اس نے دوپٹہ سر پر برابر کرلیا "کون ہو۔ تم
کون ہو؟"

"میرا نام دلیر خان ہے۔ شاید تم نے اپنے گھر میں میرا
ذکر سنا ہو۔ میں شہباز خان کے ساتھ آیا ہوں۔"

"اوہ۔ اوہ۔ یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تم سے گفتگو کرنے۔"

"مجھ سے۔ مجھ سے کیا گفتگو کرو گے۔"

"حالات ایک دم بدل گئے ہیں گلفشاں۔ تمہارے علم
میں یہ بات نہیں ہے کہ تمہارے بھائی نے تمہارے باپ کو
قید کرلیا ہے۔"

"بابا۔ بابا کو۔۔۔؟ نہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"جو کچھ میں کہہ رہا ہوں۔ اس کے بارے میں باہر نکل
کر معلوم کرلینا۔ مجھے تمہارے کچھ اور باتیں کرنی ہیں۔"

"ٹھہرو۔ پہلے میں تمہیں ایک بات بتادوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔ تم مجھے رحمان خان کی زندگی کی
اطلاع دو گی۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا "اوہ۔ اوہ۔ تو
کیا؟"

"ہاں۔ ہمیں سارے حالات معلوم ہیں گلفشاں۔
سرتاج خان نے تمہارے بابا کو اس لئے قید کردیا ہے کہ اب
انہیں عقل آگئی ہے۔ انہیں احساس ہو گیا تھا کہ انہوں نے
شہباز خان اور اس کے بیٹے پر ظلم کیا ہے۔ لیکن سرتاج خان
اس بات پر تیار نہیں ہے کہ رحمان خان کو آزاد کردیا جائے۔
اس نے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا ہے کہ وہ شہباز خان' اس
کے ساتھی اور رحمان خان کو لے آئیں۔ تاکہ وہ انہیں قتل
کردے۔"

"نہیں۔ نہیں۔ سرتاج خان ایسا نہیں کر سکتا۔ اسے
اسے مجھے بھی قتل کرنا ہو گا۔" گلفشاں چیخ پڑی۔

"تمہاری ماں بھی اس سازش میں شریک ہے
گلفشاں۔ میں تمہارے پاس صرف اس لئے آیا ہوں کہ تم
سے تمہارے خیالات معلوم کروں۔" گلفشاں سسکیاں لے
رہی تھی۔

"میں۔ میں بے بس ہوں۔ لیکن میں سرتاج خان کو ایسا
نہیں کرنے دوں گی۔ بابا نے مجھے زبان دی تھی۔ انہوں نے
کہا تھا کہ رحمان خان قید ہی رہے گا۔ اسے قتل نہیں کیا
جائے گا۔ میں خاموش ہو گئی تھی۔ لیکن۔ لیکن اب!"

"تم ہمارا ساتھ دو گی گلفشاں؟"

"مجھے بتاؤ۔ میں کیا کروں؟ مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"ہم نے حالات سے تمہیں آگاہ کردیا ہے۔ فی الحال تم
صرف خاموش رہو۔ جو کچھ ہو رہا ہے ہونے دو۔ ہم سب
ٹھیک کرلیں گے۔ کوئی جذباتی قدم اٹھانے کی ضرورت نہیں
ہے۔"

"ان دونوں کی طرف سے بے فکر رہو۔" طالوت نے
اسے تسلی دی اور پھر وہ مجھے ایک مخصوص اشارہ کرکے باہر
نکل آیا۔ میں بھی باہر آیا تھا۔

"کیا رہی؟" "بہت عمدہ۔" میں نے مسکراتے ہوئے
جواب دیا۔

"تو۔ اب سرتاج خان کو دیکھیں۔" طالوت بولا اور ہم
واپس سرتاج خان کے کمرے میں پہنچ گئے۔ سرتاج خان
پورے کمرے میں ناچ رہا تھا قید خانے کے محافظ اور اس کے
ساتھی پریشان کھڑے تھے۔

"بکواس کرتے ہو۔ میں تم لوگوں کو ایسی سزا دوں گا کہ
یاد رکھو گے۔ تم وہ کیسے نکل گئے؟"

"ہماری آنکھوں کے سامنے سرتاج خان۔ تم مانو۔ یا نہ
مانو۔ وہ جادو کرتے۔ ہم پاگل ہو گئے تھے۔"

"ان جادوگروں کی ایسی کی تیسی۔ گلدار خان۔ جاؤ۔
جتنے آدمی چاہو ساتھ لے لو۔ انہیں پیچھے پیچھے تلاش کرو۔
جہاں نظر آئیں گولی مار دو جاؤ۔" سرتاج خان دہاڑا۔ اور اس
کے ساتھی باہر نکل گئے۔

سرتاج خان ہاتھ مل رہا تھا۔ پھر اس نے بوڑھی گل
چمن کی طرف مخاطب ہو کر کہا "یہ بہت برا ہوا اماں۔ یہ بہت
برا ہوا۔"

"سب کچھ ہی برا ہو رہا ہے سرتاج خان۔ افسوس
تجھے کہنے سے میں بھی بھی نہ چوکی۔ میں نے بڑھاپے میں
دولت خان سے غداری کی ہے۔ نہ جانے کیا ہونے والا ہے
سرتاج۔"

"بیکار باتیں مت سوچو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا میں۔۔۔
میں!" سرتاج خان جملہ پورا نہ کرسکا۔ اس کے پاس آگے کچھ
کہنے کے لئے الفاظ ہی نہ تھے۔

"تو۔ اب یہ بے چارا کیا کرے گا۔" طالوت بولا اور میں
احمقوں کی طرح اس کے ساتھ باہر نکل آیا "تو۔ اب رحمان
خان کو نکال لیں۔ اس کی رہائی کا وقت آگیا ہے۔ لیکن سنو۔
کیوں نہ بوڑھے دولت خان کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔ اس
بے چارے کا بھی معاملہ کردینا چاہئے کیونکہ وہ راستے پر
آگیا ہے۔"

"یہ ہمارا مسئلہ تمہیں نہیں ملے کرنا ہے۔ میں دخل نہ دوں تو۔" میں نے کہا اور طالوت مسکرانے لگا۔

"ٹھیک ہے میری جان تو آؤ تو سہی لو یہ سنبھالو۔" طالوت نے لکڑی کا ایک موٹا ڈنڈا میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ ویسا ہی ایک ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھا۔ "ہمیں اس کا کیا کریں گے؟"

"ہمارے ہتھیار ہیں۔ تلوار وغیرہ سے کوئی مارا جائے گا۔ مزاحمت کرنے والوں کے لئے یہ ڈنڈے ہی کافی ہیں۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلادی۔ "راسم" طالوت نے راسم کو آواز دی۔

"آقا۔" راسم ظاہر ہو گیا۔

"قید خانے کی طرف راہنمائی کرو۔ جہاں دولت خان قید ہے۔" اور راسم نے گردن جھکادی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اس قید خانے کے سامنے کھڑے تھے جہاں دولت خان سپاہیوں کے پیچھے موجود تھا۔

"دوشالہ اتار دو عارف۔" طالوت نے کہا اور خود بھی ظاہر ہو گیا۔ میرے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔ اب ہم محافظوں کے سامنے تھے۔ اور دوسرے لمحے ہمیں دیکھ لیا گیا۔

محافظ اچھل پڑے۔ اور پھر وہ خنجر اور تلواریں سنبھال کر ہماری طرف دوڑے۔ دولت خان پاگلوں کی طرح ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں نے محافظوں کے وار اپنے ڈنڈوں پر روکے۔ ڈنڈے تو ایک بہانہ تھے۔ جس کے پڑے وہ دوبارہ نہ اٹھ سکے۔ حالانکہ محافظ کی تعداد دس بارہ کے قریب تھی لیکن انہیں لمبا کرنے میں دو منٹ سے زیادہ نہ لگے۔

دولت خان سلاخیں پکڑے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ جب سارے محافظ لمبے ہو گئے تو طالوت قید خانے کی طرف بڑھا۔ اس نے قید خانے کے موٹے تالے کو ڈنڈے کی ایک ہی ضرب سے توڑ دیا اور پھر سلاخوں والے دروازے کو کھولتے ہوئے بولا۔

"دولت خان۔ باہر آجاؤ۔" لیکن دولت خان کے چہرے پر تعجب سے تاثرات تھے۔ پھر اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس نے روتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھی ہلاک کر دو۔ خدا کے لئے مجھے بھی ہلاک کر دو۔ آقا میری سزا دنیا میں ہی پوری ہو جائے۔ تم اس سے بڑھ کر اور کیا سزا دو گے۔ مجھ پر رحم فرمائیں۔ رحم کھائیں۔"

"تمہاری دشمنی شہباز خان سے تھی دولت خان۔ وہ مظلوم تھا اس لئے ہم اس کی مدد پر آمادہ ہوئے تھے۔ لیکن اب تم بھی مظلوم ہو۔ خدا سے اپنے گناہوں کی توبہ کرو دولت خان۔ آؤ۔ کچھ کرنے کا موقع ملا ہے۔ پیچھے نہ ہٹو۔ باہر آؤ۔"

"لیکن۔ اب زندگی میں کیا رکھا ہے۔ جی کر کیا کروں گا۔ اب تو آپ کو کوئی بھی اپنا نہیں رہ گیا۔"

"تمہاری بیٹی۔ تمہاری بیوی۔ سرتاج خان اس کے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کرے گا۔"

"ایں۔" دولت خان اچھل پڑا "ہاں۔ آہ۔ میری گلفشاں میری گلفشاں۔" وہ درد سے کراہا۔

"اس کے علاوہ شہباز خان تمہارا دشمن ضرور ہے لیکن تم اگر چاہو تو اس سے معافی مانگ سکتے ہو۔ وہ فراخدل ہے۔ ضرور معاف کرے گا۔ ہم تمہیں اس کے سامنے سرخرو ہونے کا موقع دے سکتے ہیں۔"

"وہ۔ وہ کس طرح؟"

"اس کے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے اس کی خدمت پیش کرو۔ میرا خیال ہے بیٹے کو پانے کے بعد وہ سب رنجشیں بھول جائے گا۔" طالوت نے کہا اور دولت خان کی آنکھوں میں روشنی پیدا ہو گئی۔

"کیا۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟"

"آؤ۔ باہر چلو۔" طالوت نے کہا اور دولت خان باہر نکل آیا۔ اس کی آنکھوں سے بدستور آنسو بہہ رہے تھے اور وہ بار بار خدا سے توبہ کر رہا تھا "میرے معبود۔ میرے معبود میں اس قابل نہیں ہوں کہ تیرے حضور بخشش کے لئے ہاتھ پھیلا سکوں۔ لیکن۔ لیکن میں شرمسار تیرے حضور نادم ہوں۔ میرے معبود۔ میرے معبود۔" ہولے ہولے اس کی آواز بھرا رہی تھی اور ہم اسے سن رہے تھے۔

طالوت بے حد متاثر ہو گیا اور پھر اس نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔ "ٹھیک ہی ہوا۔ جو کچھ ہوا ٹھیک ہوا۔ بے گناہوں کو ہم کیا سزا دیتے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس قید خانے پر پہنچ گئے۔ جہاں رحمان خان قید تھا۔ چار گارڈ اسے باہر لا رہے تھے۔ یہ سرتاج خان کے ساتھی تھے۔ ہم لوگ ان کے سامنے پہنچ گئے۔ دولت خان ہمارے ساتھ تھا۔

سرتاج خان کے گارڈ ہمیں دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئے تھے۔

"کہاں لے جا رہے ہو اسے۔" دولت خان نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

"سرتاج خان نے طلب کیا ہے۔"

"چھوڑ دو۔ میں حکم دیتا ہوں اسے چھوڑ دو۔"

"ہم سرتاج خان کی حکم عدولی نہیں کر سکتے خان۔"

"تب میں تمہارے سر قلم کر دوں گا۔" دولت خان دہاڑا اور ان کی طرف بڑھا۔ لیکن ہم دونوں نے آگے بڑھ کر اسے روک لیا۔

"ہم موجود ہیں خان بابا۔ رک جاؤ۔" اور پھر ہمارے ڈنڈے چل پڑے۔ خوب چلے اور چند منٹ کے بعد محافظ زخمی پڑے تھے رحمان خان ششدر رہ گیا تھا۔

"آؤ رحمان خان۔" دولت خان نے ٹوٹی ہوئی آواز میں کہا "آؤ۔ دولت خان کا غرور خاک میں مل گیا ہے۔ آؤ میرے بچے میں تم سے اپنے مظالم کی معافی بھی مانگنے کے قابل نہیں ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کون کون سے گناہ کا ازالہ کر سکوں گا۔ مجھ سے کوئی سوال مت کرنا۔ میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ میں کوئی جواب دینے کے قابل نہیں ہوں۔ آؤ۔"

"کہاں چل رہے ہو دولت خان۔" رحمان خان کی آواز میں گرج اب بھی باقی تھی۔

"تم مجھ سے سوال مت کرو میرے بیٹے۔ تمہیں خدا کا واسطہ مجھ سے کوئی سوال مت کرو۔ میرے پاس جواب نہیں ہے۔" رحمان خان کچھ پریشان ہو گیا تھا۔ پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"چلو۔ دولت خان۔ میں نہیں سمجھتا اب تم کونسی چال چل رہے ہو اور یہ ضرورت تمہیں کیوں پیش آئی۔" رحمان خان بہرحال کشادہ دل شہباز خان کا بیٹا تھا۔ اور پھر وہ ہمارے ساتھ چل پڑا۔

اب اس سلسلے کا سب سے اہم سین باقی تھا۔ راستے میں دولت خان نے مجھ سے درخواست کی "میری ایک بات مان لو گے میرے بچے۔"

"کیا خان بابا۔"

"مجھے تمہا شہباز خان کے سامنے جانے دینا۔ جو کچھ بھی ہو۔ میرے حال پر چھوڑ دینا۔"

"یہ خطرناک ہو گا دولت خان۔ شہباز خان بیٹے کا زخم خوردہ ہے۔ وہ تمہارے ساتھ کوئی خوفناک سلوک نہ کر بیٹھے۔"

"مجھے میری قسمت پر چھوڑ دینا میرے بچو! یہ میری درخواست ہے۔"

"یہ سب کیا ہے۔ کیا تم لوگ مجھے نہ بتاؤ گے۔ کونسے شہباز خان کی بات ہو رہی ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے بھی تو کچھ بتاؤ۔ مجھے بتاؤ تو سہی دولت خان تمہارے رویے میں یہ اچانک کیسی تبدیلی آگئی۔" رحمان خان نے پریشانی سے پوچھا۔

"میں شکست کھا چکا ہوں رحمان خان۔ تمہارا باپ خدائی قوتوں کے ساتھ میرے اوپر حملہ آور ہوا اس نے مجھے بدترین شکست دے دی اور اب شکست خوردہ دولت خان شہباز خان کو اس کی امانت واپس لوٹا کر جان کی امان حاصل کرنے جا رہا ہے۔" دولت خان نے کہا اور رحمان خان گنگ رہ گیا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ غار کے سامنے آگئے تھے۔ جہاں ہمارا قیام تھا۔ تب طالوت نے آہستہ سے مجھ سے کہا۔

"میں رحمان خان کے ساتھ رہوں گا۔ تم دوشالہ اوڑھ کر اندر چلے جانا۔ اگر شہباز خان کسی خطرناک حرکت پر آمادہ ہو جائے تو اسے روکنا۔" اور میں نے گردن ہلادی بالآخر دولت خان شہباز خان کے سامنے پہنچ گیا۔ شہباز خان قدموں کی آہٹ سن کر چونک پڑا تھا۔ دولت خان کو دیکھ کر وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

"تو۔ تم یہاں تک پہنچ گئے دولت خان۔" اس نے ایک خوفناک غراہٹ سے کہا۔

"ہاں۔" دولت خان سکون سے بولا۔

"کتنے آدمی لائے ہو۔ تم کیوں داخل ہوئے ہو یہاں۔" شہباز خان نے کہا اور پھر اچانک وہ دولت خان پر جھپٹا۔ "اگر میں صرف تمہیں ختم کر سکا دولت خان۔ تو۔ میں سمجھوں گا میں نے اپنی زندگی کا مقصد پالیا اس نے دولت خان کی گردن دبوچ لی۔ لیکن دولت خان نے مدافعت نہیں کی تھی۔ شہباز خان نے اسے بری طرح رگڑ دیا۔ یوں بھی شہباز خان دولت خان سے زیادہ طاقتور تھا۔

شہباز خان دولت خان کو بری طرح مار رہا تھا۔ لیکن دولت خان کی طرف سے کوئی مدافعت نہ پا کر وہ رک گیا "تیرے ہاتھ پاؤں کیوں مفلوج ہو گئے گیدڑ۔ مجھ سے مقابلہ کر۔ اپنے آدمیوں کو آواز کیوں نہیں دیتا۔ کیا تو اپنی بزدلی سے میرا غصہ ٹھنڈا کرنا چاہتا ہے۔"

"مجھے اور مارو شہباز خان۔ ابھی میرے جسم کے بہت سے حصے گناہ گار ہیں۔ میں چاہتا ہوں میرے جسم کے ایک ایک مسام سے خون بہہ جائے تاکہ کوئی حصہ غلیظ نہ رہے۔"

"کیا بکواس کر رہا ہے بزدل کتے۔ اٹھ۔ مقابلہ کر۔ پٹھان مرے ہوؤں کو نہیں مارتے۔" شہباز خان گرجا۔

"میں بہت بے غیرت انسان ہوں شہباز خان مجھے

مارو۔" دولت خان شہباز خان کے قدموں میں منہ رگڑنے لگا اور شہباز خان حیران رہ گیا۔ وہ پریشانی سے دولت خان کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے دولت خان کا گریبان پکڑ کر اسے اٹھایا۔

"کیا۔ کیا تو بھی پاگل ہو گیا۔" وہ تعجب سے بولا۔

"تمہارا بڑا دشمن۔ تمہارے بیٹے کو لایا ہے شہباز خان۔ اگر رحمان کو بھیج سے لگا کر تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے تو مجھے معاف کر دینا۔" دولت خان نے کہا اور پھر باہر کی طرف رخ کر کے بولا "رحمان خان۔ اندر آجاؤ۔ اندر آجاؤ رحمان خان۔" اور رحمان خان اندر داخل ہو گیا۔

شہباز خان کی آنکھیں پھٹی رہ گئی تھیں۔ پھر اس کے حلق سے ایک دلدوز آواز نکلی اور چند ساعت کے بعد طالوت اور میں اندر داخل ہو گئے۔ شہباز خان پاگلوں کی طرح رحمان خان کو چوم رہا تھا اور دولت خان سر جھکائے بیٹھا تھا۔ شہباز خان کی کیفیت پاگلوں جیسی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ بولا "ولید خان۔ دلاور خان۔ دیکھو رحمان زندہ ہے۔ یہ زندہ ہے میرے بچے۔ دیکھو یہ زندہ ہے۔"

اور پھر جب شہباز خان کے دل کی بھڑاس نکل گئی تو ہم نے اسے پوری کہانی سنائی۔ شہباز خان غور سے سن رہا تھا اور دولت خان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تب شہباز خان اپنی جگہ سے اٹھا اس نے دولت خان کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور اسے گلے سے لگاتے ہوئے بولا۔

"اوئے دولت خان۔ خدا اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے۔ تو ہم کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ میں نے تجھے معاف کر دیا میرے یار۔ تو نے میری آنکھوں کی روشنی لوٹا دی ہے۔ میرے اوپر احسان کیا ہے دولت خان خدا کا کلمہ۔ ہم نے تجھے معاف کیا۔ دل سے معاف کر دیا۔ رحمان خان اب تیرا بھی بیٹا ہے۔"

اور دولت خان شہباز خان سے لپٹ کر چھوٹے بچوں کی طرح رونے لگا۔

یہ معاش اقتم اب معلی تو ہمارا دوست ہے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے اشارہ کیا اور میں باہر چلا گیا۔ "کیا ہے؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

"میں یہ کہنے آیا ہوں۔"

"سرتاج خان کے بارے میں کچھ سوچا؟"

"بہرحال وہ دولت خان کا بیٹا ہے۔" میں نے کہا اب تو

"ہاں۔ شاید تمہارا خیال درست ہے۔ اس سے اس کے بارے میں گفتگو کی جائے۔" طالوت نے کہا

ہلاتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر تک جانے کیا خیال کرتے رہے پھر واپس اندر پہنچ گئے۔ رحمان خان ہمیں دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"کیسی عجیب کی بات ہے میرے بھائیو! تم لوگوں نے ہمارے اوپر اتنا بڑا احسان کیا ہے۔ لیکن نہ تو میرے باپ اور نہ مجھے۔ ابھی تک تمہارے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔" رحمان خان نے کہا۔

"کیا معلوم کرنا چاہتے ہو رحمان خان؟"

"یہی کہ تمہارا تعلق کونسے ملک سے ہے۔ تمہارا کیا کام ہے؟ تم ہمیں چھوڑ دو گے۔ یا اب ہم تینوں حلیف ہو گئے؟"

"ہم لوگ آوارہ گرد ہیں رحمان خان۔ جیسا کہ میں بتا چکا ہوں کہ ہماری دوستی ہم شکل ہونے کی وجہ سے ہوئی لیکن اس کے بعد ہماری راہیں بھی ایک ہو گئیں۔ دیر خان کے باپ نے اسے گھر سے نکال دیا۔ اس کے خیال میں ولید خان کی عادات خراب ہو گئی تھیں۔ میرا باپ میری حرکتوں سے پریشان ہو کر میرے بچپن میں ہی اللہ کو پیارا ہو گیا۔ ہم دونوں یونہی آوارہ گردی کرتے پھرتے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر اب میں تمہارا باپ ہوں اور میں تمہیں آوارہ گردی نہیں کرنے دوں گا۔" شہباز خان نے کہا اور وہ دونوں مسکرانے لگے۔ پھر میں نے دولت خان سے پوچھا۔

"سرتاج خان کے بارے میں اب تمہارا کیا خیال ہے دولت خان؟"

"وہ۔ وہ میرا اولاد ہے۔ مجھ جیسے لاکھ کردار باپ کی یہی اولاد ہونی چاہئے تھی۔ مجھے اس سے کوئی شکایت ہو سکتی ہے تو میری بیٹی کو وہاں سے نکال لانے میں اس کا ہاتھ رحمان خان کے ہاتھ میں دینے پر۔ کوئی دیوانہ اپنا لوں کا دیوانہ نہیں مبارکباد کروں گا۔ اب مجھے دنیا سے زیادہ محبت کی ضرورت ہے۔"

"اوہ۔" طالوت نے میری طرف دیکھا اور پھر وہ ہم مشورہ کرنے باہر چلے گئے۔

"ٹھیک ہی ہے مارفے۔ ہم سرتاج خان کو اس وقت رہا کریں گے جب دولت خان کہتا ہے۔ دینے ہی سے طالوت نے ہمارا پتہ چلا لیا۔ اس نے میرا اتنا بڑا [illegible] میں سے کسی نے ہمارے ہی طرف دیکھا [illegible] ہمارے طوفان [illegible] دولت اس طرف [illegible] اسی کی قیادت میں [illegible] سرتاج خان کو

تھا۔ اس کا رخ ہماری ہی طرف تھا۔ طالوت نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز اتنی بلند تھی کہ سب چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ تب دولت خان کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات نظر آئے۔ وہ سرتاج خان کی طرف دیکھتا رہا جس نے ہم لوگوں کو دیکھ لیا تھا اور پھر اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔

"مجھے اپنے گناہوں کا اعتراف ہے میرے معبود۔ لیکن تو تو معاف کرتا ہے۔ مجھے کتنی بار شرمندہ ہونا پڑے گا۔ میری غیرت، میرا وقار اب کوئی نام نہیں رکھتا۔ پھر اس بے جان بدن پر بے غیرتی کے اور کتنے نشان بنیں گے۔ میری روح چھل چکی ہے۔ اب مجھے صرف موت درکار ہے، صرف موت۔ صرف موت۔"

دولت خان کی گردن کی رگیں پھول گئیں۔ اس کا چہرہ انگارے کی مانند دہکنے لگا اور وہ سینہ تان کر آگے بڑھ آیا۔ سرتاج خان کے بے شمار ساتھی ہمارے چاروں طرف پھیل گئے تھے اور خود سرتاج خان اپنا گھوڑا سامنے لے آیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں رائفل دبی ہوئی تھی۔ دولت خان آہستہ آہستہ اس کے سامنے آگیا۔

"کیوں آیا ہے سرتاج خان؟" اس نے قہر و غضب میں ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"تو دیکھنے دولت خان کہ تیرے جیسے بزدل انسان نے کہاں پناہ لی ہے۔ کیا پچھووں کی یہی ریت ہے کہ وہ اپنے دشمنوں سے پناہ کی بھیک مانگتے ہیں؟" سرتاج خان نے کہا۔

"میں نہیں جانتا سرتاج خان۔ کہ میرا باپ بھی اتنا ہی بے غیرت تھا جتنا میں ہوں۔ افسوس مجھے اس کی حقیقت معلوم نہیں ہے لیکن حالات بتاتے ہیں کہ یقیناً وہ بھی میری طرح ظالم اور بے غیرت ہو گا ورنہ اس کے بطن سے دولت خان کیوں جنم لیتا۔ دولت خان کو اعتراف ہے سرتاج خان کہ اس جیسا ذلیل کمینہ فطرت انسان اس دنیا میں دوسرا نہیں ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ ناقابل معافی ہے۔ لیکن میرے تلفے سے تجھ جیسے انسان نے بدلے کر میرے کئی دوں کی سزا پوری کر دی ہے۔ اس کے بعد کوئی اور سزا نافذ ہوتی ہو گی اور اس کے بعد اگر مجھے کوئی سزا دی گئی تو میرا دل قبول نہیں کرے گا۔"

"میں اگر تجھے تمام دنیا کی سزا دوں دولت خان تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ لیکن ہر انسان کو اپنے گناہ کی سزا دونوں کو بھی بھگتنی پڑتی ہے۔ اپنے ساتھیوں کو یہ بات سمجھا دے۔" سرتاج خان نے طنطنہ اڑانے والے انداز میں کہا۔

"کیا چاہتا ہے۔ کیوں لے کر آیا ہے ان بزدلوں کو۔" دولت خان غرایا۔

"میں تجھ سے رشتے ختم کر چکا ہوں دولت خان اور تجھے معلوم ہے کہ تو نے میری راہ میں آنے کی کوشش کی ہے۔ اب تیرا شمار میرے دشمنوں میں ہے۔ تو نے میرے بدترین دشمن رحمان خان کو آزاد کیا ہے اس کے بعد میرا فرض ہو گیا ہے کہ تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل کر دوں۔" سرتاج خان نے وحشیانہ انداز میں کہا۔

"کیا تو پچھوؤں کی کسی رسم کا قائل نہیں رہا سرتاج خان؟"

"کیا مطلب؟"

"اگر تو خود کو پچھو کہتا ہے تو پھر پچھوؤں کی ایک رسم پوری کر۔ ہمارے قبیلے میں مخالفوں کی یہی رائج ہے۔ کسی بھی مسئلے کے حل کے لئے زیادہ گفت و شنید کے بجائے صرف دو دشمن کچھ میں جنگ کر لیتے ہیں۔ میں تجھے مقابلے کی دعوت دیتا ہوں۔"

"تو بوڑھا ہو گیا ہے دولت خان۔ اس کے علاوہ میرا دشمن صرف تو نہیں ہے۔ یہ سب میرے دشمن ہیں۔ میں ان سب کو قتل کرنے کا خواہشمند ہوں۔ اس کے لئے میں کیا کروں؟"

اور دولت خان دانت پیس کر رہ گیا۔ بلاشبہ اس کے لئے کوئی رسم نہیں تھی۔

"کیا تمہارے ہاں بارے ہوئے دشمن کے لئے کوئی رسم نہیں ہے سرتاج خان۔ تم بار بار میدان چھوڑ کر بھاگ چکے ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں سوچا کہ اب بھی تمہارے ساتھ وہی سلوک ہو سکتا ہے جو اب تک ہوتا رہا ہے؟" اس بار طالوت نے پوچھا۔

"آج میں تم سب کی موت بن کر آیا ہوں۔" سرتاج خان غرایا اور طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مجھے بتاؤ دولت خان۔ میں اس سر پھرے کے ساتھ کیا سلوک کروں۔" دولت خان نے مایوسی سے کہا۔

"تو آؤ سرتاج خان۔ بولو کیا چاہتے ہو۔ آؤ۔ ہمیں گرفتار کرو۔ ہمیں قتل کر دو۔" طالوت نے کہا۔

"اس سے کہو گرفتار کرلو اور ایک چٹان کے ساتھ کھڑا کر کے گولی مار دو۔" سرتاج خان نے کہا اور اس کے ساتھی گھوڑوں سے اترنے لگے۔ خود سرتاج خان بھی گھوڑوں سے

اتر آیا تھا۔

لیکن جونہی وہ گھوڑوں سے اترے۔ نہ جانے گھوڑوں کو کیا ہو گیا۔ وہ بری طرح ہنہنانے لگے۔ تمام گھوڑے پچھلے پیروں پر کھڑے ہو گئے اور پھر وہ پلٹ کر بری طرح بھاگ نکلے۔ یہ حواسی کی بات تھی۔ سرتاج خان کے سارے ساتھی بے اختیار گھوڑوں کو پکڑنے کے لئے لپکے۔ خود سرتاج خان کئی قدم دوڑ گیا تھا۔ لیکن پھر وہ رک گیا۔ اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا تھا۔

پھر وہ جھائے ہوئے انداز میں پلٹا اور اس نے طالوت کی طرف نشانہ باندھ کر فائر کیا۔ لیکن رائفل خالی تھی۔ طالوت آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ پھر اس نے سرتاج خان کی رائفل پکڑ لی۔

"ایک بار تو مردوں کی طرح لڑو سرتاج خان۔ حسرت ہی رہے گی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور سرتاج خان نے رائفل چھوڑ دی۔ وہ پاگلوں کے سے انداز میں طالوت پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے طالوت کی کمر پکڑنی تھی اور پھر وہ طالوت کے پاؤں زمین سے اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ طالوت نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا رکھے تھے۔

لیکن سرتاج خان کا واسطہ تو کسی پتھریلے ستون سے پڑا تھا۔ وہ پوری قوت سے اس ستون کو ہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ستون کہیں ہلتے ہیں۔ سرتاج خان کا جسم پسینہ پسینہ ہو گیا۔ لیکن وہ انتہائی کوشش کے باوجود طالوت کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ تب اس نے طالوت کے بدن پر گھونسے برسانا شروع کر دیئے اور اس سے بھی کچھ نہ بگڑا تو اس نے گردن جھکا کر کسی اڑیل بھینسے کی طرح اس کے سینے پر ٹکر ماری۔

لیکن سرتاج خان کے منہ سے نکلنے والی دہاڑ بہت تیز تھی۔ اس کی پگڑی خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ لیکن خون کافی مقدار میں نکل گیا تھا اور مسلسل بہہ رہا تھا۔ چنانچہ وہ لمبا ہو گیا۔

دولت خان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ اس نے منہ دوسری طرف کر لیا۔ لیکن شہباز خان آگے بڑھ کر طالوت کے بدن کو ٹٹولنے لگا تھا۔ رحمان خان بھی آگے بڑھ آیا تھا۔ طالوت مضمحل انداز میں اچھلنے لگا۔

"ارے۔ ارے۔" وہ اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ "تم میرے گدگدی کیوں کر رہے ہو؟"

"اوئے پیر خان۔ تو آخر کس دھات سے بنا ہوا ہے۔" شہباز خان متحیرانہ لہجے میں بولا۔

"تت۔ تو۔ تو گدگدی کیوں کر رہے ہو۔" طالوت اسی بے تکے انداز میں اچھلتے ہوئے بولا۔ مجھے ہنسی آتی ہے۔

"کیا یہ مر گیا؟" دولت خان کی آواز ابھری اور تمام کے پوٹلے کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ "آؤ۔ چلیں۔ گلفشاں کو نکال لائیں۔" وہ ایک طرف مڑ گیا۔

ہم سب اس کے پیچھے چل پڑے۔ راستے میں کرتاج خان کا ایک بھی ساتھی نظر نہیں آیا۔ شاید انہوں نے گھوڑوں کے پیچھے ہی پیچھے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم بستی میں داخل ہو گئے۔ بستی کے لوگ شاید حقیقت سے ناواقف تھے۔ گھر میں گلفشاں کو نہ پا کر دولت خان کو دیکھ کر وہ اس سے پوچھ گچھ کرنے لگے۔

"آؤ گلفشاں۔ آؤ۔ یہ بستی اب ہمارے رہنے کے قابل نہیں رہ گئی۔ آؤ۔ ورنہ لوگ تجھے اس لئے حقارت سے دیکھتے رہیں گے کہ تو بے غیرت دولت خان کی اولاد ہے۔ آؤ گلفشاں۔ ہمارا قافلہ لٹ چکا ہے۔ عزت، دولت، غیرت حمیت اب ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ چل گلفشاں اس سے قبل کہ لوگوں کو ہمارے لٹنے کا احساس ہو جائے ہم یہاں سے نکل چلیں۔ اور گلفشاں قسمت کے بہت سے تماشے تجھے نظر آئیں گے ان نشانوں پر نہ ٹھٹک۔ یہ تو اب زندگی کے سارے راستوں پر بکھرے پڑے ہیں۔ ہم ان سے بچ نہیں بچا سکتے۔"

دولت خان اس کا بازو پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ ہم سب اس کے ساتھ تھے۔

"دوستو۔ اس بارے ہوئے جواری کے بارے میں تم نے اب کیا فیصلہ کیا ہے؟" بستی سے کافی دور نکل آنے کے بعد دولت خان نے پوچھا۔

"میری تجھ سے دشمنی ختم ہو گئی ہے دولت خان۔ اب میرا بھائی ہے۔ چل یہاں سے جا کر میں نے اپنی ایک چھوٹی سی کٹیا بنانی تھی جو رحمان خان کی موت کے بعد بے چراغ ہو گئی تھی۔ آؤ ہم سب مل کر اسے روشن کریں۔" دولت خان۔ "شہباز خان نے دولت خان کا بازو پکڑ کر ہوئے کہا۔ اس نے گلفشاں کے سر کی اور ہنی ہوئی تھی۔ دولت خان شرمندگی سے سر جھکائے آگے بڑھتا رہا تب ہم نے غاروں کے قریب سے گزرتے ہوئے پھر گھوڑے دیکھے اور طالوت ایک دم رک گیا "گھوڑے۔" خان گردن جھکائے اس کے ساتھ چل پڑا۔ آہستہ سے بولا۔

"ہاں۔ گھوڑے۔" میں نے بھی بے ساختہ کہا۔

"ہمیں گھوڑوں کی ضرورت ہے۔"

"ارے۔ یہ۔ یہ شاید سرتاج خان کے ساتھیوں کے گھوڑے ہیں، جنہیں وہ پکڑ نہیں سکے ہوں گے۔" شہباز خان نے اختیار بولا۔

"مگر یہ اسی طرف آ رہے ہیں؟" رحمان خان نے کہا۔

"پکڑو۔ انہیں پکڑو۔" شہباز خان خود بھی گھوڑوں کو پکڑنے کے لئے دوڑا۔ گھوڑے پکڑ لئے گئے اور سب سے پہلے گلفشاں کو ایک گھوڑے پر بٹھایا گیا۔ پھر وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور گھوڑے چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ادھر سے گزرے، جہاں سرتاج زخمی ہوا تھا۔ دولت خان نے اس طرف سے منہ پھیر لیا۔

لیکن سرتاج خان اب اس جگہ موجود نہیں تھا جہاں اسے چھوڑا تھا، البتہ زمین پر خون کے دھبے موجود تھے اور اچانک پہاڑوں میں ایک آواز گونجی۔

"بابا۔ بابا۔"

ہمارے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ دولت خان ایک لمحے کے لئے ٹھٹکا۔ لیکن پھر اس نے گھوڑا آگے بڑھا دیا۔

"بابا۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے بابا۔ میں زخمی ہوں۔ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے بابا۔" سرتاج خان حلق پھاڑ کر چیخا۔ راتھا شہباز خان نے گھوڑا روک لیا۔

"دولت خان۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے شہباز؟"

"سرتاج زخمی ہے۔"

"رہنے دو شہباز خان۔ اسے مرنے دو۔"

"نہیں میرے دوست۔ وہ تمہاری اولاد ہے۔ اسے معاف کر دو۔ بچہ ہے۔ زخمی ہے۔ آؤ۔ ہمیں اس کی مدد کرنی چاہئے۔"

"نہیں شہباز خان۔ میرے زخموں اور نہ کریدو۔"

"وہ ہماری اولاد ہے دولت خان۔ جانے بھی دو یار۔ غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ میرا سینہ اولاد کے غم سے اٹا ہے دولت خان چل میرے ہمراہ اسے لے آئیں۔"

"بابا۔ بابا۔ بچیا۔" گلفشاں درد بھرے انداز میں چلائی۔

"آؤ دولت خان۔ ہم اسے لے آئیں۔" شہباز خان نے کہا اور دولت خان کا بازو پکڑ کر آگے بڑھنے لگا۔ دولت خان گردن جھکائے اس کے ساتھ چل پڑا۔

"تم کہاں ہو سرتاج خان؟" شہباز خان نے کہا۔

"میں ادھر ہوں۔ میں۔" اور پھر ایک چٹانی تودے کے نزدیک سرتاج کا بدن آہستہ آہستہ ابھرا۔ اس کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا۔ بمشکل..... سہارا لے کر وہ چٹانی تودے سے ٹیک لگا کر کھڑا ہو سکا۔ لیکن اس کی حالت غیر معلوم ہوتی تھی۔

"ہم آ رہے ہیں سرتاج خان۔ ہم آ رہے ہیں۔" شہباز خان دولت خان کا بازو پکڑ کر دوڑنے لگا۔

اور۔ اچانک میں نے بجلی کو ندتی دیکھی۔ سرتاج خان جس طرح نڈھال ہونے کی اداکاری کر رہا تھا۔ درحقیقت وہ اس قدر نڈھال نہ تھا شیطان نئی کارگزاری کے لئے تیار تھا۔ رائفل شاید اس نے اس انداز سے چٹان سے لگائی تھی کہ اسے آسانی سے اٹھا لے۔ اس نے نہایت پھرتی سے رائفل اٹھائی اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر فائر کر دیا۔

گولی دولت خان کی پیشانی میں سوراخ کرتی ہوئی گدی سے نکل گئی تھی۔

دولت خان کے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکلی اور پھر وہ زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ شہباز خان ہکا بکا رہ گیا تھا۔

"پکڑو شہباز خان۔" طالوت چیخا۔ لیکن سرتاج دوسرا فائر کر چکا تھا۔ شہباز خان کے منہ سے ایک کراہ سی نکلی اور وہ بھی زمین پر آ رہا تھا۔

"بابا۔" گلفشاں چیخی۔ اس نے دوڑنے کی کوشش کی لیکن رحمان خان نے اسے دبوچ لیا اور پھر وہ اسے ایک طرف دھکیلتا ہوا آگے بڑھا۔

"او بے بزدل۔ او کتے کی نسل کے خنزیر کی اولاد۔ میں آ رہا ہوں میں۔ میں تجھے کچا چبا لوں گا۔"

"آؤ۔ آؤ بزدل چوہے۔ تمہیں بھی تمہارے باپ کے پاس روانہ کر دوں۔" سرتاج خان نے قہقہہ لگا کر کہا اور دوسرے لمحے گولی رحمان خان کے قریب سے نکل گئی۔ لیکن اسی وقت طالوت نے چھلانگ لگائی اور رحمان خان کو لئے ہوئے نیچے گر پڑا۔ سرتاج خان کا یہ فائر بھی خالی گیا تھا۔

"رحمان خان۔ تم یہاں رکو۔ میں اس حرامی کو دیکھتا ہوں۔"

"نہیں۔" رحمان خان نے طالوت کے شکنجے سے نکلنے کی کوشش کی۔ "اس نے میرے باپ کو قتل کیا ہے۔ میں اس سے انتقام لوں گا۔"

"وہ میرا بھی باپ تھا۔ رک جاؤ رحمان خان۔ میری راہ میں مشکلات مت پیدا کرو۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ نہیں۔" رحمان خان پاگلوں کی طرح چیخا۔

"کلامت۔" طالوت کی فراہت بہت تیز تھی۔ اس نے خونخوار نگاہوں سے رحمان خان کو گھورا اور رحمان خان

کسی خوف زدہ بچے کی طرح ٹھٹک گیا۔

تب طالوت اسے چھوڑ کر آگے بڑھا اور سرتاج خان نے موقع سے پورا فائدہ اٹھایا۔ گولی طالوت کے سینے سے ٹکرائی تھی۔ لیکن طالوت کے قدموں میں کوئی لغزش نہ ہوئی۔

وہ آگے بڑھا اور سرتاج خان بدحواسی میں گولیاں چلاتا رہا۔ پھر میں نے اسے چٹان کے عقب سے نکل کر بھاگتے ہوئے دیکھا۔ طالوت اب بھی آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس وقت مجھے طالوت بے حد پراسرار معلوم ہوا۔ میرے بدن میں ایک جھرجھری آئی تھی۔ سرتاج خان پوری قوت سے بھاگ رہا تھا۔ اب وہ نیچے ایک وادی میں داخل ہو رہا تھا۔ شاید وہاں سے وہ غاروں میں نکل جانا چاہتا تھا تب طالوت رک گیا۔ اس نے ایک ہاتھ بلند کیا اور سرتاج خان رک گیا۔

نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں۔ وہ رک کر طالوت کی طرف دیکھنے لگا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات نظر نہیں آرہے تھے اور پھر وہ واپس آنے لگا طالوت کسی چٹان کی طرح اپنی جگہ جما کھڑا تھا اور سرتاج خان شکستہ انداز میں اس کی طرف واپس آرہا تھا۔

دوسری طرف اچانک شہباز خان کے بدن میں حرکت ہوئی رحمان خان اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ میں بھی اس کی طرف دوڑا اور گلفشاں میرے پیچھے۔

"خان بابا۔" رحمان خان نے شہباز خان کو سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے رحمانے۔ گولی میرے بازو کے گوشت سے نکل گئی ہے۔ شہباز خان اس کے سہارے سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔ گلفشاں دولت خان کی لاش سے لپٹی ہوئی سسکیاں بھر رہی تھی۔

تب شہباز خان نے رحمان خان سے کہا "اسے سنبھالو بیٹے' بدنصیب لڑکی۔"

دوسری طرف سرتاج خان واپس طالوت کے سامنے پہنچ چکا تھا طالوت نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیٹی سے پستول نکال لیا اور پھر وہ اس کے چیمبر چیک کرنے لگا۔ پستول میں کارتوس موجود تھے۔

"سرتاج خان۔" طالوت کی سرد آواز ابھری اور پھر اس نے پستول سرتاج خان کے ہاتھ میں دے دیا۔ "اس کی نال اپنی کنپٹی پر رکھ کر خودکشی کرلو۔ تم اتنے ذلیل ہو کہ میں اپنے ہاتھ سے تمہیں قتل بھی نہیں کروں گا۔"

سرتاج خان نے پستول کی نال اپنی کنپٹی پر رکھی اور پھر اس نے فائر کردیا۔ اس کے منہ سے آواز بھی نہ نکل پائی تھی۔ ہاں پستول کی آواز پر چونک کر سب نے اس کی طرف دیکھا۔

سرتاج خان کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح نیچے گرا تھا اور طالوت واپس پلٹ گیا "سنو۔" اس نے میری طرف دیکھا۔

"کیا بات ہے طالوت۔" میں اس انداز پر حیران ہوا تھا۔

"دولت خان کی قبر کے لئے کوئی مناسب جگہ تلاش کرو۔ ہم اسے قبر میں اتارنے کے بعد جلد از جلد یہاں سے روانہ ہونا چاہتے ہیں۔" اور پھر اس نے گلفشاں کو دیکھا روتے روتے بیہوش ہوگئی تھی۔

"رحمان خان۔" اس نے رحمان خان کو مخاطب کیا۔

"جی ولیر خان۔" رحمان بھی سے آگے بڑھ آیا۔

"اسے سنبھالو۔ میں خان بابا کا زخم دیکھتا ہوں۔" طالوت نے شہباز خان کا ہاتھ پکڑا اور ایک چٹان کی طرف بڑھ گیا۔

"اوئے ولیر خان۔ اب میں اتنا بوڑھا بھی نہیں ہوا اتنے اتنے سے زخموں سے گھبراؤں گا لیکن دولت خان موت کا مجھے افسوس ہے۔"

"اسے اس کے گناہوں کی سزا ملی ہے۔"

"پھر بھی۔ پھر بھی۔ اسے ایسے نہیں مرنا چاہئے تھا۔"

"تم تو اس کے دشمن تھے شہباز خان۔"

"اوئے دشمنی تو ختم ہوگئی تھی۔ برا ہوا۔ غم ہوا۔ شہباز خان غمزدہ لہجے میں بڑبڑاتا رہا۔

دولت خان کی قبر پر فاتحہ پڑھ کر ہم وہاں سے پلٹ پڑے۔ شہباز خان کی اجازت سے رحمان خان نے گلفشاں کو گھوڑے پر بٹھالیا تھا۔ اس بیچارے سے ذہن پر بوجھ بڑی خاموشی سے سفر ہو رہا تھا۔

شام ڈھل گئی تھی اور ایک جگہ قیام کی خبر دی۔ رات کے کھانے وغیرہ کا انتظام کیا گیا۔ کسی سے کھایا نہیں گیا۔ گلفشاں رو رو کر رونے لگتی تھی۔ لیکن رحمان خان کی موجودگی سے اسے تقویت ملتی تھی کھانے سے فارغ ہو کر ہم طالوت چل پڑے۔

"جی۔" طالوت نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"یار اب رحمان خان کے گھر جا کر بیٹھو اور رشتے دار منا کر دیکھنے میں آئیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس کی ماں۔ ظاہر ہے ماں کو اس کا وہ بتائے گا جس کی موت پر وہ آنسو بہا کر صبر کر بیٹھی تھی۔

"اوہ۔ ہاں یہ تو ہے۔"

"پھر کیا خیال ہے؟"

"قرار۔"

"کس طرح؟"

"میرا خیال ہے شہباز خان سے بات کرلی جائے۔"

"کیا بات کرو گے؟"

"آؤ۔ اب تو مجھے بھی بات کرنی آگئی ہے۔" طالوت نے کہا اور وہ مجھے ساتھ لے کر آگے بڑھ گیا۔ شاہوانہ کا دوشالہ اس نے میرے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ نہ جانے اس کے کیا ارادے تھے۔

شہباز خان۔ رحمان خان اور گلفشاں سے کافی دور بیٹھا زخم کرید رہا تھا۔ وہ کسی خیال میں گم تھا۔

"شہباز خان۔" طالوت نے سنجیدگی سے اسے آواز دی۔

"اوہ۔ آؤ میرے بچو۔" اس نے بڑی محبت سے کہا اور ہم دونوں اس کے پاس بیٹھ گئے "کیا بات ہے؟" اس نے ہم دونوں کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم آپ سے اجازت طلب کرنے آئے تھے۔" طالوت بولا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم اب جانا چاہتے ہیں۔"

"کہاں؟"

"شہباز خان۔ ہمارا کام ختم ہوگیا ہے۔ ہمیں اسی وقت تک کے لئے بھیجا گیا تھا۔"

"بھیجا گیا تھا؟ کس نے بھیجا تھا۔"

"شہباز خان۔ تم دانا انسان ہو۔ کیا تمہیں ہمارے اندر کچھ عجیب باتیں نہیں محسوس ہوئیں؟"

"ابتدا ان دونوں گھوڑوں کے حصول سے ہوئی۔ بے شک ان گھوڑوں پر سواری آسان نہیں تھی۔ پھر سرتاج خان اور اس کے ساتھیوں کے اگلے دوڑنے والے گھوڑے۔ اس کے بعد کی دوسری ناقابل یقین باتیں کیا یہ سب تمہیں عجیب نہیں محسوس ہوئیں؟"

"ہاں۔ لیکن تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" شہباز خان کی آواز میں عجیب سا تاثر تھا۔

"یہی کہ ہمارا مشن پورا ہوگیا۔ ہمیں حکم ملا تھا کہ تمہاری مدد کریں۔ رحمان خان کو تم سے ملادیں اور اس کے بعد واپس آجائیں۔"

"مم۔ مگر۔ آخر تم کون ہو؟" شہباز خان کی آواز میں لرزش تھی۔

"رحمان خان کی شادی گلفشاں سے کردینا۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہو اور دیکھو میں کون ہوں۔" طالوت نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھک لیا اور دوسرے لمحے وہ نگاہوں سے غائب تھا۔

"ارے۔ ارے۔" شہباز خان کا منہ حیرت سے کھل گیا اور پھر اس نے خوفزدہ نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ طالوت کی حرکت میں سمجھ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی شاہوانہ کا دوشالہ اوڑھ لیا اور ظاہر ہے میں بھی شہباز خان کی نگاہوں سے غائب ہوگیا ہوں گا۔ لیکن اب ہم دونوں اسے بخوبی دیکھ رہے تھے۔

شہباز خان پاگلوں کی طرح منہ کھولے کھڑا تھا اور پھر وہ چیختا ہوا رحمان خان کی طرف دوڑا۔

"رحمان خان۔ رحمانے۔ رحمانے۔"

"آؤ دیکھیں۔ کیا ردعمل ہے۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں بھی اسی طرف چل پڑے۔ شہباز خان شاید رحمان کو تفصیل بتا رہا تھا۔ رحمان اور گلفشاں بھی سخت حیران تھے۔

"میں گنہگار انسان ہوں۔ میرے معبود۔ تو نے میری بات پسند کرلی۔ میرے پاک بے نیاز۔ میں تو ایک گنہگار انسان ہوں۔" شہباز خان کہہ رہا تھا۔

پھر اس نے جائے نماز بچھائی اور سجدہ ریز ہوگیا۔

"آؤ۔ بات بن گئی۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہم تو گنہگار ہوگئے طالوت۔ اس نے ہمیں فرشتہ سمجھا۔"

"خدا ہمارا گناہ معاف کردے گا۔ مجبور تھے۔"

"مگر اب کیا کیا جائے؟" میں نے پوچھا۔

"ابے یہاں سے تو نکلو۔ اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ کیا کیا جائے؟"

"گھوڑے۔" میں نے کہا۔

"جہنم میں جائیں۔" طالوت نے میرا بازو پکڑتے ہوئے کہا اور میں مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ یہ جگہ جس جگہ سے ہموار ہوتا ہے اسی طرح ہوتا ہے۔ بہرحال ہم شہباز خان وغیرہ سے کافی دور نکل آئے اور پھر ایک بڑی چٹان کے عقب

میں ہم دونوں رک گئے۔

"آؤ۔ اوپر چلتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور ایک مناسب راستے سے چڑھ کر ہم سطح چٹان پر پہنچ گئے۔ صاف ستھری چٹان پر بیٹھ کر میں نے منہ اٹھا کر تازہ ہوا پھیپھڑوں میں بھری اور پھر اسی چٹان پر دراز ہو گیا۔

طالوت گھٹنے سکوڑے بیٹھا تھا۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ تب میں نے ایک گہری سانس لے کر طالوت کو مخاطب کیا اور طالوت میری جانب دیکھنے لگا "بہت گہری سوچ میں ہو۔ کیا بات ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں آئندہ کے پروگرام پر غور کر رہا ہوں۔"

"ایک بات بتاؤ۔ طالوت۔"

"پوچھو۔"

"کیا ہماری قسمت میں زندگی بھر صحرا گردی لکھی ہے۔ کسی مقام پر قیام ہو گا یا نہیں؟"

"تم اکتا گئے ہو عارف؟" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"مجھے احساس ہے میرے دوست۔ اپنی تفریح طبع کی خاطر میں نے تمہیں بھی دربدر کر دیا۔ دراصل میری طبیعت تمہاری طبیعت سے اس قدر ہم آہنگ ہے کہ تم میری شخصیت کا ایک جزو بن گئے ہو۔ لیکن عارف برا مت ماننا۔ میں تو ابھی اپنی دنیا میں واپس جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ میری دنیا پر جمود طاری ہے اور مجھے اس قبرستان سے وحشت ہوتی ہے۔ میں تو ابھی تمہاری دنیا دیکھوں گا۔ لیکن میرے دوست۔ اگر تم میرا ساتھ نہ دینا چاہو تو میں تمہیں خدا حافظ کہہ سکتا ہوں۔ میں تمہارے اگلی مستقبل کا انتظام کر دوں گا۔ پوری زندگی عیش و عشرت میں گزار سکو گے۔"

"اس ہوا کا کیا مطلب؟" میں نے بھنائے ہوئے انداز میں کہا۔

"برا مت مانو۔ میں نے ایک بات کہی ہے۔ تمہارے سوال کے جواب میں۔ تمہیں حق ہے کہ اپنی دنیا کے ماحول کے مطابق زندگی گزارو۔ تمہیں بھی بیوی بچوں کی۔۔۔"

"بیوی بچوں کی اور تمہاری اپنی تھی۔ مغلظ ہوا اس مرتبہ۔ میں نے جھلائے ہوئے لہجے میں۔۔۔"

"ہاں میں نے کہا۔"

"یوں فائل کر رہے ہو طالوت۔ ایک درخواست ہے۔ جب تمہارا اس دنیا سے دل بھر جائے اور تم واپس جانا چاہو۔۔۔"

تو براہ کرم میرا ایک کام ضرور کرتے جانا۔"

"اوہ کیا کام؟"

"راسم سے کہہ کر کوئی ایسا سریع الاثر زہر میرے لئے مہیا کرا دینا جسے کھانے کے بعد تکلیف کا کوئی احساس نہ ہو اور انسان کچھ سوچے بغیر مر جائے۔ میں تم سے جدا ہونے کے تصور کے چند لمحات بھی نہیں گزار سکتا۔"

"مجھے تیری دوستی پر ناز ہے عارف۔ میں خود تجھ سے جدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن بس کبھی کبھی تیرا خیال آتا ہے تمہیں تو صرف حروت میں میرا ساتھ نہ دے رہا ہو۔"

"نہیں طالوت میرے دوست۔ میں ایک بے سہارا انسان ہوں میری دنیا میں میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تو جانتا ہے' تیری حیثیت میری زندگی کا ستون ہے تو چلا گیا تو یہ عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔"

"عارف۔ طالوت چونک پڑا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"کیا ہم دونوں پاگل ہو گئے ہیں؟"

"کیوں؟"

"پھر یہ ہوا اس کیا حیثیت رکھتی ہے۔ ظاہر ہے نہ میں تجھے چھوڑ سکتا ہوں اور نہ تو مجھے۔ پھر ان باتوں میں وقت ضائع کرنے کے بجائے یہ سوچنا چاہئے کہ اب ہمارا دوسرا قدم کیا ہو گا؟"

"دوسرے قدم کے بارے میں اس سے پہلے ہم نے کیا سوچا ہے' جواب کریں گے۔ جب ہم منہ اٹھا چل پڑیں گے۔"

"کیا رات کو آرام کیا جائے؟"

"بے شک۔"

"ٹھیک ہے۔ آرام کرو۔" طالوت نے کہا اور پھر اس نے سنجیدگی سے سونے کی ٹھان لی اور شاید تھوڑی دیر کے بعد سو بھی گیا۔ لیکن مجھے کافی دیر تک نیند نہیں آئی۔ چاند نکل آیا اور میں چاند پر ٹکٹکی باندھے خیالات میں الجھا رہا۔ لیکن یہ بھی بے خوابی کا ایک عجب علاج ہے۔ نہ جانے کب چاند کی ٹھنڈک میری آنکھوں میں نیند لے آئی۔

اور دوسری صبح جب میں جاگا تو سورج کافی بلندی سے مجھے گھور رہا تھا۔ میں نے گردن گھما کر طالوت کو دیکھا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ چٹان کے مقابل سمت سے کچھ گھوڑے آ رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرایا اور بولا "گھوڑے کافی دیر تک سوئے۔"

"ہاں۔" میں ایک انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھا۔ چٹان سے آخری کونے پر پانی کے برتن وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ طالوت

نے اس طرف اشارہ کیا اور میں ضروریات سے فارغ ہونے لگا منہ ہاتھ دھو کر جب میں طالوت کے پاس پہنچا تو وہ دسترخوان کے سامنے بیٹھا تھا اور دسترخوان پر عمدہ قسم کا ناشتہ موجود تھا۔

"اوہ۔" میں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"آج کی ضیافت راسم کی طرف سے ہے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے۔" میں نے طویل سانس لی۔ اور پھر ہم دونوں نے اطمینان سے ناشتہ کیا "یہ گھوڑے؟"

"یقیناً سرتاج خان کے بھگوڑے سپاہیوں کے ہوں گے خود بخود آ گئے تھے بے چارے۔ میں نے پیش قدمی کیا۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"خوب۔" میں ہنسنے لگا۔ ناشتہ کرنے کے بعد کافی دیر تک ہم لوگ ادھر ادھر کی گپیں ہانکتے رہے۔ بہت سے لوگ دیر گفتگو آئے اور پھر طالوت نے دور۔ بہت دور پہاڑیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ان پہاڑیوں کے دوسری طرف کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"کیوں نہ ادھر کا رخ کیا جائے؟"

"جیسا پسند کرو۔" میں نے جواب دیا۔

"ادھر ہی چلیں گے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے۔"

"سر تسلیم خم ہے۔" میں نے جواب دیا اور طالوت دور سے دھوئیں کی مانند نظر آنے والی پہاڑیوں کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ اٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ہم گھوڑوں پر سوار فراٹے اس طرف جا رہے تھے۔ چاروں طرف بے آب و گیاہ پہاڑوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ بڑا خشک سفر تھا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ اس کا باقاعدہ سفر کرنے کا ارادہ تھا۔ ورنہ اس کے لئے کیا مشکل تھا کہ پک تھپکے اور ہم پہاڑوں کے نزدیک ہوں۔ لیکن مودی جن تھا۔ اس نے صرف گھوڑوں پر قناعت کی تھی۔ چنانچہ پورا دن سخت تکلیف میں گزارا۔ جب شام کی ہوائیں اندھیرے کو کھینچ کر لانے لگیں تو ہم ایک سبزہ زار میں پہنچ چکے تھے۔ یہاں سبز گھاس کے میدان تھے۔ دور ایک ندی گنگناتی ہوئی گزر رہی تھی۔

یہ سنتے گھوڑے اس طرف دوڑنے لگے۔ ہم نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گھوڑوں نے پانی میں منہ ڈال دیا اور ہم نے ان کی پشت چھوڑ دی۔ طالوت چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ کہیں کہیں خودرو درخت اگے ہوئے تھے۔ بڑی بڑی چٹانیں دور دور تک بکھری پڑی تھیں۔ عجیب سا علاقہ تھا۔ پراسرار خوبصورت۔

"عمدہ جگہ ہے۔" اس نے کہا اور ہم نے قیام کے لئے ایک جگہ منتخب کر لی۔ وہ پہاڑ زیادہ دور نہ تھے جنہیں ہم نے صبح کو دیکھا تھا۔ بڑے خوبصورت پہاڑ تھے۔ ان کی چوٹیوں پر سفید سفید برف کی ٹوپیاں نظر آ رہی تھیں۔ برف پگھل چلی تھی ورنہ یہ سارے پہاڑ ہی برفپوش ہوتے۔ موسم بھی نہایت عمدہ تھا۔ طبیعت میں شگفتگی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک عمدہ سی جگہ منتخب کر ہم نے پاؤں پھیلا دیئے اور رات کی چادر ماحول پر آ پڑی۔ سورج غائب ہو گیا۔ آسمان پر ابر کے ٹکڑے سرجوڑنے لگے۔

"بارش۔" طالوت نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میرا خیال ہے بارش نہیں۔ برفباری۔"

"بڑا حسین منظر ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ مجھے بھی پسند ہے۔ لیکن میرے عزیز۔ اگر یہ برفباری ہو ہی گئی تو کیا رات برف کے ذرات سے ہم آغوش ہو کر گزاری جائے گی۔"

"یہاں بہت سی چٹانوں کے سائبان موجود ہیں۔ کہیں بھی پناہ لے لیں گے۔"

"ہاں۔" میں نے ایک طویل سانس لی۔ "بھوک لگ رہی ہے۔"

"راسم۔" طالوت نے دائیں طرف رخ کر کے کہا۔

"آقا۔" راسم نگاہوں کے سامنے تھا۔

"کھانے کا وقت ہے۔"

"کیا پیش کروں؟" راسم نے کسی ویٹر کے سے انداز میں پوچھا۔

"اپنا آرڈر نوٹ کرا دو۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"راسم مجھ سے زیادہ بہتر جانتا ہے۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"جاؤ یار۔ لے آؤ۔ جو دل چاہے۔" طالوت نے کہا اور راسم نے گردن جھکاوی اور پھر وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد راسم نے تازہ گرم اور لذیذ کھانوں کے ڈھیر لگا دیئے اور ہم کھانے میں مشغول ہو گئے۔

ابھی کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ برفباری شروع ہو گئی۔ ننھے ننھے سفید ذرات آسمان سے ہماری طرف لپکے اور ہم مسرت سے انہیں دیکھنے لگے۔

"قدرت نے انسان کی دل بستگی کے لئے کیا کیا سامان مہیا کئے ہیں۔" طالوت آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا اور پھر اس نے جلدی سے گردن جھکائی۔ برف کے ذرات

آنکھوں پر چڑھائے تھے۔

صبح سے تاریخ ہو کر ہم ایک چٹان پر جا چڑھے۔ چٹان پر برف بھری ہوئی تھی..... ایک ہلکی سی تہہ۔ ہم اس پر پھسل گئے۔ اور پتہ ہی نہ چلا۔ ہمارے جسموں کی حرارت سے پگھلنے لگی۔ ہمارے شانوں پر، سر پر اور جسم کے دوسرے حصوں پر برف کے ذرات جم رہے تھے اور جب ہم انہیں جھاڑتے تو سفید برادہ بکھر جاتا۔ دونوں خاموش تھے۔ لیکن دونوں ہی اس حسین موسم سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

کافی دیر گزر گئی۔ برف برابر گر رہی تھی۔ تب دور۔ کافی دور، اچانک ایک روشنی سی نظر آئی۔ اور ہم تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

"عارف۔" طالوت نے مجھے مخاطب کیا۔

"ہاں۔"

"روشنی دیکھی؟"

"ہاں۔"

"کیا ہے؟"

"پتہ نہیں۔"

"وہ۔ دیکھو۔ اس چٹان کے عقب سے روشنی ابھر رہی ہے۔" طالوت نے کہا میں بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے ایک ایک کرکے بہت سی مشعلیں روشن کی جا رہی ہوں اور پھر روشنی کا ایک دائرہ سا بن گیا۔

"اٹھو۔" طالوت نے کہا اور میں بھی غیر اختیاری طور پر اٹھ گیا ہم دونوں روشنی کی طرف بڑھنے لگے اور تھوڑی دیر کے بعد ان چٹانوں کے نزدیک پہنچ گئے جو غیب سے نمایاں تھیں۔ کئی چٹانوں نے مل کر ایک سایہ بنایا تھا۔ ان کے رخنوں سے گزر کر اندر جایا جا سکتا تھا۔ ہاں اگر کوئی اوپر سے اترنے کی کوشش کرتا تو مشکل پیش آتی کیونکہ ان کے اندر سرے دار پتھر تھے۔ پھر ہم نے پتھروں کے اوپر سے انسانی سائے ابھرتے دیکھے اور ہم چلا کر ان سے آگے بڑھ گئے۔

کوئی دلچسپ معاملہ ہے۔" طالوت نے کہا۔ ان سے آگے بڑھ کر ہم نے کہا۔

"ہاں۔"

"ان کی بولی ہم نہیں دیکھ سکتے۔ تو کیا ان کی زبان سے واقف ہیں؟"

"ہاں۔ میں نے کہا اور چٹانوں سے اندر داخل ہو گئے۔ اندر بہت سے انسان تھے جو چٹانوں کے رخنوں سے اندر داخل ہو گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں میں مشعلیں تھیں۔ ہم نے ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے ان کی تعداد کا اندازہ لگایا۔ وہ تقریباً ایک سو تھے۔ ان کے چہرے سیاہ کپڑوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ طالوت نے شانے ہلا کر میری طرف دیکھا اور ہم ایک کونے میں کھڑے ہو گئے۔ پیالے نما چٹانوں کے رخنوں میں مشعلیں لگی ہوئی تھیں مخصوص سماعت کی مشعلیں تھیں لیکن ان کے اوپر سائبان بھی تھے۔ گویا مشعلیں لگانے کی یہ جگہ انسانی ہاتھوں سے تراشی ہوئی تھی۔ اتنے آدمی موجود تھے لیکن ایسی پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے وہاں انسانوں کا وجود ہی نہ ہو اور یہ خاموشی کافی دیر تک طاری رہی۔ پھر چٹانوں میں کسی گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز ابھری۔ اور مختلف جگہوں پر کھڑے ہوئے لوگوں میں زندگی کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ وہ سب چٹانوں کے اوپر دیکھنے لگے اور پھر ادھر سے ایک آواز سنائی دی "وہ آ گیا ہے؟"

بے وجود لوگوں میں سے کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہم لوگ چٹانوں کے رخنوں پر نگاہ دوڑا رہے تھے۔ تب ایک قوی ہیکل شخص اسی لباس میں ایک رخنے سے اندر داخل ہوا اور اندر موجود لوگوں نے مختلف جملوں میں اس کا استقبال کیا۔ وہ سب اس انداز سے مودب ہو گئے تھے جیسے آنے والا کوئی بہت بڑی شخصیت کا حامل ہو۔

طالوت اور میں بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

"کیا چکر ہے؟" طالوت نے سرگوشی کی۔

"میرا خیال ہے چند لمحات میں پتہ چل جائے گا۔" میں نے بھی اسی انداز میں کہا۔ خاموشی اب تک برقرار تھی۔ آنے والا دیو ہیکل انسان تھا۔ وہ کمر پر ہاتھ رکھے سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"اوہ۔ میرے ہم قبیلہ۔ خوشخبری ہے۔ آنے والے آ گئے ہیں۔ میں نے انہیں پہاڑ کی بلندی سے دیکھا ہے۔ وہ چٹانوں کے پیچھے سے نمودار ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں کے پیر چھو کر ہم اپنا نام مرتا پوتا ہیں۔"

"ہم سب مستعد ہیں۔" ایک آدمی نے کہا۔

"شکریہ میرے بھائی۔"

"ہمارے قومی نشان طلوع سے اپنا کام شروع کر دیں یا آپ نے کچھ اور سوچا ہے؟"

"ہاں۔ میں مطمئن ہوں۔ لیکن ایک اور بات بھی میرے علم میں آئی ہے۔"

"وہ کیا۔"

"ہم نے محسوس کیا ہے کہ ایک خفیہ تحریک ہمارے خلاف متحرک ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"آپ کو علم ہے کہ ہمارے نمائندے ملکہ کے واقعے کو اچھال رہے ہیں لیکن اب کچھ لوگ اس کی تردید کرتے پھر رہے ہیں۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا لیا ہے۔"

"کیا وہ لوگ تمہاری نگاہوں میں آئے؟"

"نہیں۔ لیکن ہم ان کی تلاش میں ہیں۔"

"اونہہ۔ مجھے ان لوگوں کی پرواہ نہیں ہے۔ میرا کام اتنا کمزور نہیں ہے کہ معمولی قسم کے لوگ اس میں رخنہ انداز ہو سکیں۔"

"ٹھیک ہے ہم بھی ان کے لئے فکرمند نہیں ہیں۔"

"بس آج کی گفتگو یہیں تک محدود تھی۔ بہت جلد تم لوگوں کو تمہارے ٹھکانے پر کام سے مطلع کر دیا جائے گا۔ بس اب تم جا سکتے ہو؟" قوی ہیکل قبائلی دونوں ہاتھ ہلا کر چٹان کے رخنے کی طرف بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی منتشر ہونے لگے تھے۔

کہا۔ "کیا چکر ہے؟" میں نے طالوت کی طرف رخ کرکے

"یہ تو معلوم کرنے سے ہی پتہ چلے گا۔"

"کس سے معلوم کرو گے؟"

"کوئی بھی ذریعہ نکالیں گے۔ تم بتاؤ کیا تمہیں ان معاملات میں کچھ دلچسپی محسوس ہو رہی ہے؟"

"ہاں۔ یہ پراسرار لوگ ہیں۔ ملکہ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔"

"یہ ملکہ کون ہو سکتی ہے۔"

"کسی قبائلی ریاست کی ملکہ۔ یہاں سرحد پر بہت سی ریاستیں پھیلی ہوئی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ معاملات دلچسپ رخ بھی اختیار کر سکتے ہیں۔ یقیناً۔"

"تو پھر ہم سے۔"

"وہ چلیں۔ وہ سب کھل جائے گا۔"

"اوہ۔ ان کی گفتگو سے ہمارے بارے میں پتہ چل سکتا ہے۔" طالوت نے کہا اور ہم بھی چٹان کے رخنے سے باہر نکل آئے۔ تھوڑے فاصلے پر ہمارے گھوڑے خاموش کھڑے تھے۔ ہم نے کمبل اتار کر گھوڑوں سے نہ نکال کر ہمارے ساتھ تعاون کیا تھا۔ ہم اپنے گھوڑوں کے نزدیک آ گئے۔ طالوت اپنی اصلی شکل میں آ گیا اور میں نے بھی شاہوانہ کا دوشالہ اتار دیا۔

اور پھر ہم گھوڑوں پر سوار ہو ہی رہے تھے کہ اچانک چٹان کے اوپر سے ایک آواز سنائی دی "خبردار۔ تم دونوں پستولوں کی زد پر ہو اور میرا نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا۔"

ہم دونوں ہی بری طرح اچھل پڑے تھے۔

"ہاتھ بلند کر دو۔ ورنہ۔ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔" آواز پھر آئی۔ آواز کی نسوانیت چھپی نہ رہ سکی تھی۔ لیکن اس میں سفاکی تھی، ایسا لگتا تھا جیسے بولنے والی جو کچھ کہہ رہی ہے، وہی کر گزرے گی۔

طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور پھر خود بھی ہاتھ بلند کر دیئے۔

"اے۔ تم۔" آواز نے شاید مجھے مخاطب کیا کیونکہ اب ہم اسے دیکھ بھی سکتے تھے۔ اس نے پستول سے میری طرف اشارہ کیا تھا "یہ رسی لو۔ اپنے ساتھی کے ہاتھ مضبوطی سے۔" اس نے ایک رسی میری طرف اچھال دی۔ اور پھر طالوت سے بولی "چلو۔ تم دونوں ہاتھ پشت پر کرکے گھوم جاؤ۔"

طالوت نے دونوں ہاتھ پشت پر کئے اور گھوم گیا۔

"سنو۔ میرے پورے بدن پر آنکھیں ہی آنکھیں ہیں۔ اگر تم نے کوئی حرکت کی تو مفت میں جان کھو دو گے۔"

"کیا ہم ان آنکھوں کو نوٹ کر کے دیکھ سکتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا اور لہجے کی آواز کے ساتھ طالوت کے پاؤں کے قریب پتھر کی کرچیاں اڑ گئیں۔ اس نے بے آواز پستول سے فائر کیا تھا۔

"بکواس سے پرہیز کرو مجھے تم میں سے صرف ایک کی ضرورت ہے لیکن اگر میرا کام ہو جائے تو ممکن ہے میں تم دونوں ہی کو زندہ چھوڑ دوں۔"

"ہم میں سے کونسا پسند ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اگر اس کے بعد تم نے بکواس کی تو میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" آواز حد درجہ سرد تھی۔

"چل بے۔" طالوت ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ میں نے طالوت سے ہاتھ اس کی پشت پر باندھ دیئے تھے اور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد ہی اس کام سے فارغ ہوا۔

"اب اس کا اسلحہ نکال کر نیچے ڈال دو۔" پستول والی نے حکم دیا۔ اطمینان سے پاؤں اٹھا کر دیکھنے لگی۔ اس کے حکم پر بھی ویسا ہی لمس تھا۔ جیسے ہم نے ان عورتوں

کے جسم پر دیکھا تھا۔ بڑے بالوں والی ٹوپی سے اس کا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ ممکن ہے اس کے چہرے پر بھی سیاہ نقاب ہو۔ تاریکی کی وجہ سے نظر نہیں آرہی تھی اور پھر برف کا ہلکا سا دھواں ہمارے اور اس کے درمیان حائل تھا۔

"ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ جو کہا جارہا ہے کرو۔ چلو جلدی کرو۔"

"مجھے شرم آتی ہے۔" میں نے کہا اور طالوت ہنس پڑا۔ پھر جلدی سے بولا۔

"اس کی باتوں میں مت آنا۔ جھوٹ بول رہا ہے۔ میرے پاس پستول موجود ہے۔ اور اس نے میرے ہاتھ بھی ڈھیلے باندھے ہیں۔ یہ دیکھو۔" طالوت نے رسی کھول کر دونوں ہاتھ سامنے کردیئے۔

"ہوں۔ شکریہ۔" عورت نے فراغے ہوئے لہجے میں کہا "تم اتنے ذہین معلوم ہوتے ہو۔ چلو۔ اب تم کس کر اس کے ہاتھ باندھ دو۔"

میں یہ معاش طالوت کی اس حرکت پر ہکا بکا رہ گیا تھا۔ شرارت کے موڈ میں تھا کمبخت۔ اس نے کس کر میرے ہاتھ باندھ دیئے تھے۔

"کیا اس کے پاس پستول موجود ہے۔"

"دو۔ دو۔" طالوت جلدی سے بولا۔ حالانکہ درحقیقت میرے پاس پستول نہیں تھا۔ لیکن وہ طالوت ہی کیا' جو میرے لباس سے دو پستول نہ نکال لیتا۔ طالوت نے دو پستول نکال کر عورت کے سامنے ڈال دیئے۔

"تمہارے پاس بھی پستول ہے؟"

"ہے۔" طالوت نے سادگی سے کہا۔

"تم بھی اپنا پستول نکال کر ڈال دو۔" اور طالوت نے نہایت سعادتمندی سے ایک اور پستول نکال کر چٹان کے سامنے پھینک دیا "اپنے ہاتھ بلند رکھو۔"

"اب بھی اس کی ضرورت ہے۔"

"ہاں۔ میں خود بھی تمہارے لباس کی تلاش لوں گی۔ ممکن ہے تمہارے پاس دو سرا پستول موجود ہو۔"

"میں جھوٹ نہیں بولتا۔ سمجھیں۔" طالوت نے غصیلے انداز میں کہا۔

"چلو۔ میں اپنی تسلی ہی کرلوں۔" عورت چٹان سے کود گئی اور پھر اس نے طالوت کے لباس کی تلاشی لی تھی۔ پھر عورت ایک گہری سانس لے کر پیچھے ہٹ گئی۔ قریب سے ہم نے اس کا بخوبی جائزہ لیا تھا۔ خاصے حسین نقوش کی مالک تھی۔ عمر کا اندازہ بھی محیط احتیاط ہی تھا۔

"کیا نام ہے تم دونوں کا۔"

"یہ فیروز خان ہے۔ اور میں تیمور خان۔" طالوت نے جواب دیا۔

"مذاق میں مت کرو۔ نام بتاؤ۔"

"اب۔ کیا مطلب؟" طالوت حیرت سے بولا۔

"کیا تم دونوں کے یہی نام ہیں؟"

"ہاں۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

"جہنم میں جاؤ۔ مجھے تمہارے ناموں سے غرض نہیں ہے۔ میں تو تم سے تمہارے سربراہ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"سربراہ کیا ہوتا ہے بھائی فیروز؟" طالوت نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"تم زیادہ ذہین بننے کی کوشش کررہے ہو۔ لیکن آخری وارننگ دے رہی ہوں۔ اس کے بعد تم میں سے ایک کو ختم کردیا جائے گا۔"

"تم ہماری جوڑی برباد کرنے پر کیوں تلی ہوئی ہو۔ بلاوجہ ختم کردوں۔" طالوت نے اسی مسخرے پن سے کہا۔

"اگر تم مرنا ہی چاہتے ہو۔ تو یہ لو۔" لڑکی نے پستول سیدھا کرلیا۔

"خدا حافظ بھائی فیروز۔ موت جس وقت بھی آجائے۔ اسی وقت اچھی تھی۔ بائی بائی۔ روزِ محشر آواز دے لینا۔" طالوت روہانسی آواز میں بولا۔ اور عورت ہنس پڑی۔

"میں تمہاری دلیری کی قدر کرتی ہوں۔ لیکن اب میں وقت ضائع کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ براہ کرم میرے سوال کا جواب دو۔"

"اگر تمہارا سوال ہی ٹیڑھا ہے۔" طالوت بولا۔

"کیا ابھی تم چٹانوں کے درمیان نہیں تھے؟"

"تھے؟"

"تب پھر۔ کیا تم اس منگنو میں شریک نہیں تھے' جو وہاں ہورہی تھی۔"

"تھے؟" طالوت اطمینان سے بولا۔

"میں سربراہ کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"یہی تو غلط ہے۔ سربراہ کونسا تھا' ہمیں بھی نہیں معلوم۔"

"وہی۔ جس نے تم لوگوں کو کسی کے آنے کی اطلاع دی تھی۔"

"ہم لوگوں کو کیوں دیتا۔ ہم تو خود چھپے ہوئے تھے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم نے اتفاقیہ طور پر ہی انہیں دیکھا تھا۔"

"بکواس کررہے ہو۔ کیا تم ان کے ساتھیوں میں سے نہیں ہو۔"

"لعنت ہے۔ ہم تو غریب الوطن ہیں۔ سیر کرتے کرتے اس طرف آنکلے تھے۔"

"میں کہتی ہوں جھوٹ بولنے سے باز آجاؤ۔" عورت دانت کچکچا کر بولی۔

"اگر تیسری بار تم نے مجھے جھوٹا کہا۔ تو۔ تو۔" طالوت غصیلے لہجے میں بولا۔

"تو تم کیا کرو گے؟"

"تو۔ خودکشی کرلوں گا۔" طالوت نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں کہا اور عورت ہنس پڑی۔

"کاش تم غدار قوم نہ ہوتے' کاش تم ملت فروش نہ ہوتے۔ تمہاری یہ دیری کیسے غلط راستوں پر جارہی ہے۔"

"بھائی فیروز۔ کیا یہ درست ہے؟" طالوت نے پھر میری طرف دیکھا۔

"مسخرہ پن چھوڑ دو۔ یہ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ ہمیں ان کی غلط فہمی دور کرنی چاہئے۔" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"اچھا۔ تو تم ہی غلط فہمی دور کردو۔"

"خاتون۔ یہ حقیقت ہے۔ ہم دور سے آرہے ہیں۔ ہم نے رات گزارنے کے لئے ان چٹانوں میں پناہ لی تھی۔ برفباری شروع ہونے کے کچھ منٹ کے بعد ہمیں روشنی نظر آئی اور ہم تجسس میں ڈوب کر ادھر آنکلے۔ تب ہم نے اندر کے مناظر دیکھے اور جب سب چلے گئے تو ہم واپس آئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے گھوڑے ان سب سے الگ بندھے ہوئے تھے۔"

"کیا ثبوت ہے کہ تم سچ بول رہے ہو؟"

"فی الحال ایک ثبوت کے علاوہ اور کوئی ثبوت نہیں ہے کہ ہمارے لباس ان سے الگ ہیں۔ جب کہ وہ یکساں لباس میں تھے اور وہ لباس تمہارے پاس تھا۔"

عورت سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "تب تم جاسکتے ہو۔ بلاوجہ میں نے وقت برباد کیا۔ لیکن سنو۔ زورات میں داخل ہونے کی کوشش مت کرنا۔ وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ ہر اجنبی کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور بعض اوقت اگر ان کے بارے میں مناسب معلومات مہیا نہیں ہوتیں تو انہیں گولی ماردی جاتی ہے۔"

"سنو خاتون۔ اگر مناسب سمجھو تو ہمیں زورات کے حالات سے آگاہ کرو۔"

"فضول باتوں کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔" اس نے کہا اور اس کے منہ سے تیز سیٹی کی آواز نکلی۔ دوسرے لمحے سفید رنگ کا ایک گھوڑا دوڑتا ہوا اس کے قریب آیا اور عورت نہایت پھرتی سے اس پر سوار ہوگئی۔ پھر اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ہوا ہوگئی۔

"عمدہ عورت ہے۔" طالوت تعریفی لہجے میں بولا۔

"افسوس' اس کی شکل نہیں دیکھی جاسکی۔"

"دیکھ لیں گے۔ ضرور دیکھ لیں گے۔ پرواہ کیوں کرتے ہو۔" طالوت تسلی آمیز انداز میں بولا اور اس کے لہجے پر مجھے ہنسی آگئی۔ "یہ خیال سے ہوگئی تا کہانی تیار؟"

"شاید۔" میں نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"اب تو پھر جلدی کرو۔ کیا ہم اس کا تعاقب نہیں کریں گے؟" طالوت نے گھوڑوں کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی آگے بڑھ گیا تھا اور پھر ہم گھوڑوں پر سوار ہو کر اسی راستے پر چل پڑے' جس پر پہلے وہ لوگ اور بعد میں عورت گئی تھی۔ لیکن ہمارے گھوڑوں کی رفتار بہت سست تھی اور ہم بڑے اطمینان سے چل رہے تھے۔ رات کی تاریکی اور برفباری کی وجہ سے گھوڑے بھی سہمے سہمے چل رہے تھے' اسی لئے ہم نے رفتار تیز کرنے کی کوشش نہیں کی۔ طالوت کسی سوچ میں گم تھا۔

کئی منٹ کی خاموشی کے بعد اس نے کہا "کیا تم نے حالات پر کچھ غور کیا ہے عارف؟"

"کس قسم کے حالات پر؟" میں نے پوچھا۔

"یہی۔ وہ لوگ' ان کی منگنو' اور پھر عورت کی باتیں۔ کوئی نتیجہ اخذ ہوسکا؟"

"میرا ذہن اس قابل نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹوپی پر سے برف جھاڑتے رہو۔ کیا تمہیں زورات کا نام یاد نہیں ہے۔ خان زورات کی شہباز خان بھی بہت تعریف کیا کرتا تھا۔"

"یاد ہے۔ بالکل یاد ہے۔"

"وہ نیک دل خان قابل تعریف ہے اور اسی کے خلاف کوئی سازش ہورہی ہے۔ ان لوگوں کے الفاظ کے مطابق ملک کے بارے میں کیا پروپیگنڈہ کرایا جارہا ہے اور پھر آنے والے پرائمنٹ نمبر بارہ پر تیاریاں کررہے ہیں۔ کیسی تیاریاں۔ شاید انقلاب لانے کی' گویا خان زورات کی زندگی

کو کھلا رہتا۔ لیکن ایک پورنی۔ اس شخص نے الفاظ دہرائے۔ اس نے کہا تھا کہ ایک پورنی ان کے خلاف میدان میں اتر آئی ہے لیا۔ یہ لڑکی اس دوسری پارنی کی فرد نہیں ہو سکتی۔ وہ ان لوگوں کے تعاقب میں یہاں آئی تھی اور ہمیں ان کا آدمی سمجھ کر ہم سے معلومات کرنا چاہتی تھی۔"

"خوب! کیا تمہارے ہاں بھی جاسوسی ناول لکھے جاتے ہیں؟" میں نے حیرت زدہ انداز میں طالوت کو گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ کیا میرے انداز سے ظاہر ہیں؟" طالوت نے جلا کر پوچھا تھا۔

"یہ بات نہیں۔ لیکن تمہاری نکتہ دانی بہت خوب ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہم زورات ہی کی طرف جا رہے ہیں۔ خطرہ صحیح رخ کا اندازہ کس طرح ہو؟"

"بکواس مت کرو۔ بس چلتے رہو۔ تم نے میری باتوں کا مذاق اڑایا ہے۔ اسے یاد رکھنا۔" طالوت نے کہا۔

"ارے۔ ارے کیا تم ناراض ہو گئے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ لیکن میری بات پر غور کرو اور اس کے علاوہ کوئی اور کہانی تیار کر کے بتاؤ۔" طالوت نے کہا۔

"حقیقت بہت جلد سامنے آ جائے گی طالوت۔ لیکن پروگرام کیا ہے؟"

"کیا پہلے سے پروگرام بنانے کی خاص ضرورت ہے۔ دیکھیں گے حالات کو جانچیں گے۔ اور پھر جو بھی مظلوم ہو اس کی مدد کریں گے' کیا خیال ہے۔"

"بالکل۔ بالکل کریں گے۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ نہ جانے کو سے بھاگ دم لینے والے تھے۔

ہم ان آخری پہاڑیوں کے نزدیک پہنچ گئے اور پھر ایک چٹانی سے درے سے گزرنے کے بعد جب ہم دوسری طرف پہنچے تو حیران رہ گئے۔ ان زرد زرد پہاڑیوں کے اس طرف اس ویران میدان سے پرے ایک ایسی خوبصورت وادی آباد ہو گی' گمان بھی نہ تھا۔ چاروں طرف پہاڑوں پر سبزہ اگا ہوا تھا۔ جس میں اب برف باری سے سفید داغ اگ گئے تھے اور اس زمردیں محل میں جیسے کہیں سفیدی پھیل ہو گئی تھی۔ نیچے نیچے خوبصورت مکانات' لکڑی کے' پتھر کے مکانوں کی کھڑکیوں سے روشنی چمک رہی تھی۔

سایا سایا شہر' ساکت' خاموش' سایا۔

ہم نے گھوڑے روک لئے۔ طالوت اور میں بھی خاموشی سے سامنے دیکھ رہے تھے۔ پتہ نہیں گھوڑے منہ سے کھرچنی آواز نکال کر اپنے ہونے کا احساس تو نہیں دلا رہے تھے۔

"یہ زورات ہے؟" میں نے آہستہ سے کہا۔

"خاصا پرانا شہر ہے۔"

"ہاں۔ میں بھی اسے دیکھ کر حیران ہوا ہوں۔ مجھے ایسی امید نہیں تھی۔"

"آؤ عارف۔ رات کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر ہم اس شہر میں پناہ حاصل کر لیں۔ ممکن ہے دن کی روشنی زورات کے شہریوں کو ہماری انسانیت کا احساس دلا دے۔"

طالوت نے گھوڑا آگے بڑھایا اور میں بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ کہاں پناہ حاصل کرو گے طالوت؟"

"دیکھتے ہیں۔" طالوت نے لاپروائی سے جواب دیا اور میں خاموش ہو گیا۔ گھوڑے سست رفتاری سے چلتے ہوئے زورات کے بازاروں میں داخل ہو گئے۔ بازار سنسان پڑے ہوئے تھے۔ لوگ گہری نیند میں مگن تھے۔ بالکل زورات کو ایک جدید شکل دے دی گئی تھی۔ بہت کافی وقت میں ہم یہ شہر طالوت ایک سڑک سے دوسری سڑک پر ایک گلی سے دوسری گلی میں داخل ہوتا رہا۔ پھر وہ ایک بڑے مکان کے احاطے کے سامنے رک گیا۔ جس شہر کا وہ حصہ تھا' وہ بھی ایک بوڑھا آدمی تھا' جس کے ہاتھ میں عصا تھا اور کبھی کبھی عصا کی ٹک ٹک سے فضا بھی گونج اٹھتی۔ اور اس کے دھویں کی سوندھی بو پھیل جاتی۔

"آؤ۔" طالوت نے کہا۔ اور گھوڑے سے اتر پڑا۔ گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے ہم دونوں مکان کے احاطے میں داخل ہو گئے اور بوڑھا پاؤں کی آواز سن کر اچھل پڑا۔

"آگئے۔" وہ خاموشی سے بولا۔ اور حقہ رکھ کر ہماری طرف لپکا۔ "آہا۔ آگئے۔ آؤ۔ مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے' دیکھا۔ میں جاگ کر تمہارا انتظار کر رہا تھا۔" بوڑھا بچوں جیسی خوشی کے ساتھ بولا۔

طالوت نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"اندر سو گئی ہے۔ جاؤ۔ اندر جاؤ اسے جگا دینا۔ ذرا گہری نیند سوتی ہے۔ خوب جھنجھوڑ دینا۔ مگر رات بیت گئی ہے۔ میں گلاب جان بھی نہ کیا ہو۔ مگر خیر۔ میں ہے بگاڑوں گا۔ لاؤ۔ سفر کے لئے پتے دو۔ میرا نشہ ہرن ہو رہا ہے۔ اسے دیکھتے کیا ہو۔ پتے لاؤ۔"

"نشے کے ساتھ ساتھ میں تمہاری گردن بھی اتار دوں گا۔ ورنہ ہوش و حواس میں رہو کر گفتگو کرو۔" طالوت نے پلٹ کر بوڑھے کا گریبان پکڑ لیا اور وہ ڈر کے مارے

سے پھیل گئیں۔

"مگ۔ مگر ان اکھاڑو گے؟" اس نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"لل۔ لیکن کیوں؟"

"تم کون ہو؟" طالوت نے پوچھا۔

"پوگا۔ پوگا خان۔" بوڑھے نے سہم کر کہا۔

"یہ کیا ہوتا ہے؟" طالوت نے پوچھا اور مجھے ہنسی آئی۔

"میں ہوتا ہوں۔ بالکل میں ہوتا ہوں۔" اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

"طالوت۔" میں نے حالات کسی حد تک سمجھ کر طالوت کو آواز دی اور وہ میری طرف دیکھنے لگا "اسے کچھ رقم دے کر رفع کرو۔ اتفاق سے ہم نے بہترین جائے پناہ تلاش کی ہے۔"

"کیا مطلب؟" طالوت نے حیرت سے کہا۔ اس دوران میں نے کچھ کرنسی بوڑھے کی طرف بڑھا دی تھی' جسے دیکھ کر بوڑھا خوشی سے اچھل پڑا۔

"ارے واہ۔ اس سے تو میں اپنا سارا قرض بے باق کر دوں گا۔ جیتے رہو۔ جیتے رہو۔ اب تم اندر جاؤ۔ افغانہ کو جگا لو۔ وہ بے حد خوش اخلاق ہے۔ ذرا بھی برا نہیں مانے گی۔"

بوڑھے نے ایک زقند بھری اور دوڑتا ہوا احاطے سے نکل گیا۔ طالوت نے شانے اچکا کر میری طرف دیکھا۔

"آؤ۔" میں نے کہا اور پھر ہم نے گھوڑے احاطے میں باندھ دیئے۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا ہے۔" طالوت نے میرا شانہ بھینچ کر غراتے ہوئے کہا۔

"یار۔ ہم ویسی ہی ایک جگہ آ گئے ہیں۔ میرا مطلب ہے کاروباری جگہ۔ میرا خیال ہے یہاں لڑکیاں ملتی ہیں۔"

"ارے۔"

"ہاں میرے دوست۔ اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔ غلاظت اور گندگی ہر جگہ ہوتی ہے۔ بوڑھا نشے کا عادی ہے۔ ممکن ہے وہ اس کی بیٹی ہی ہو۔"

"تو پھر۔"

"ہمیں اس سے کیا غرض۔ ہمیں تو راتوں رات کسی جائے پناہ کی ضرورت تھی نا۔ اور میرا خیال ہے اس سے عمدہ جگہ نہیں ہو سکتی۔ یہاں کوئی ہمیں حیرت سے نہیں دیکھے گا۔"

بات طالوت کی سمجھ میں آئی تھی۔ چنانچہ ہم دونوں خاموشی سے بڑے مکان میں داخل ہو گئے۔ اس میں چھ سات کمرے تھے۔ بعض میں روشنیاں تھیں۔ بعض بے چراغ پڑے تھے۔

"کسی افغانہ کو جگانے کی کیا ضرورت ہے۔ بس ایک کمرہ تلاش کرلو۔" طالوت نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن آؤ۔ اس مکان کا جائزہ تو لے لیں۔" میں نے طالوت سے کہا اور طالوت تیار ہو گیا۔ مکان میں کل چار افراد تھے۔ دو نوجوان لڑکیاں۔ ایک بوڑھی عورت اور ایک وہ بوڑھا جو چلا گیا تھا۔

"خوب۔ اچھی پوزیشن ہے۔ میرا خیال ہے وہ آخری سرے والا کمرہ درست ہے۔" طالوت نے کہا۔

"آؤ۔ پھر آرام کریں۔" میں نے کہا اور ہم اس کمرے میں داخل ہو گئے کمرے کی عقبی کھڑکی کھول دینے سے باہر کا منظر نظر آنے لگا۔ برف اب بھی پڑ رہی تھی اور اندر اچھی خاصی خنکی تھی۔ ہم کمروری زمین پر لیٹ گئے۔

"کیا خیال ہے عارف۔ زبردستی کے مہمان کیسے رہے؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے میری طرف کروٹ بدل لی۔

"تمہارا موڈ ہے طالوت۔ ورنہ میں جانتا ہوں تم خان زورات کے محل میں بھی قیام کر سکتے ہو۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ ہر ماحول کے بارے میں جاننا ضروری ہے۔ کمروری زمین پر بھی انسان سوتے ہیں۔ بہت سے لوگ تمہاری دنیا میں ایسے بھی ہیں جن کے سر پر سائبان بھی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میری دنیا کی بات نہ کرو۔ نہ جانے میری دنیا میں کیا کیا ہے۔" میں نے ایک ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ اب سونے کی کوشش کرو' تاکہ صبح کو شکل پر پھٹکار نہ برستے۔" طالوت نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا اور میں نے بھی کروٹ بدل لی۔ اور اس کمروری زمین پر بھی مجھے نیند آ گئی۔

پھر صبح کو اس وقت ہی آنکھ کھلی' جب چند آوازیں نزدیک سنائی دیں۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ رات کا بوڑھا' بوڑھی عورت اور دو خوبصورت لڑکیاں ہمارے گرد کھڑی تھیں۔

"ایسے کام نہیں چلے گا افغانہ۔ تو امیر زورات کی بیٹی نہیں ہے۔ میں کہتی ہوں اتنی گہری نیند سوئی کیوں۔ مہمان کیا

سوچیں گے۔

میں گہری نیند نہیں سو رہی تھی۔ مجھے بگانے ی نہیں لی گئی۔" ایک لڑکی نے جواب دیا۔

"ابھی اٹھ ہونے دے۔ اگر مہمانوں نے شکایت کی تب تیری خیر نہیں ہے۔ رفشے سے کہوں گی کہ اب یہاں مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک ہونے لگا ہے۔"

"خدا کے لئے خدا کے لئے رفشے سے کچھ مت کہنا۔ میں مہمانوں سے معافی مانگ لوں گی۔"

"بھئی فیروز خان۔ یہ سب کیا ہے۔" طالوت کی آواز سنائی دی تھی۔

"اب اٹھ فیروز کے بچے۔" میں نے بھائے ہوئے انداز میں کہا اور طالوت اچھل پڑا۔ ہمارے اس طرح بول پڑنے سے ہمارے گرد کھڑے ہوئے سارے لوگ چونک پڑے تھے۔

پھر بوڑھی نے اپنے چہرے پر ملامت کے تاثرات لیے اور کریہہ انداز میں مسکراتی ہوئی بولی "اٹھو بچو۔ ہائے کیسا شرمندہ کیا ہے۔ تم یہاں آکر کیوں سو گئے تھے۔ مجھے بتا لیا ہوتا۔"

"ہم یہاں بہت آرام سے سوئے تھے بڑی بی۔ ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔"

"تم ہمارے مہمان تھے۔ مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک تو کہیں نہیں ہوتا۔"

"کوئی فرق نہیں پڑا۔ تم بے فکر رہو۔ ہم بہت خوش ہیں۔"

"تم نے افغانہ کو بھگایا تھا۔" بڑی بی نے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم تو سیدھے اسی کمرے میں آئے تھے اور چونکہ سخت نیند آرہی تھی۔ اس لئے اطمینان سے سو گئے۔"

"چلو پھر کوئی بات نہیں ہے۔ اب تم نمٹالو۔ میں ناشتہ تیار کراتی ہوں۔ پھر دانشاد ناشتہ تیار کرا اور افغانہ تو ان لوگوں کے نہانے کا انتظام کر۔ اور پوچھ تو باہر جنید۔"

"جاتا ہوں۔ جاتا ہوں۔" بوڑھے نے کہا اور باہر نکل گیا۔ بوڑھی عورت جو چہرے سے کافی خطرناک معلوم ہوتی تھی، وہ میری لڑکی کو لے کر باہر نکل گئی۔ اب کمرے میں افغانہ ہمارے ساتھ رہ گئی تھی۔

"میں تم لوگوں سے معافی چاہتی ہوں۔ یہاں تمہیں تکلیف ہوئی۔" اس نے شیریں آواز میں کہا۔

"خیر ہوا جانی۔ اس لڑکی سے تو ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔ اوہ۔" وہ جلدی سے بولی اور پھر غسل خانے کے دروازے پر رک کر اس نے التجا آمیز انداز میں کہا۔ "ممکن ہے اس کے بعد مجھے دوبارہ موقع نہ مل سکے۔ ممکن ہے میں تم سے نہ کہہ سکوں۔ خدا کے لئے میرے بارے میں ناراضگی کا اظہار مت کرنا۔ ورنہ رفشے میری کھال ادھیڑ دے گا۔"

"یہ رفشے کون ہے؟" طالوت نے سوال کیا۔

"اس کے بارے میں پھر بتاؤں گی۔ اس وقت موقع نہیں ہے۔ اب میں جاؤں؟"

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور لڑکی واپس مڑ گئی۔

"عارف۔" طالوت دھیلے دھالے لہجے میں بولا۔

"بھئی فیروز۔" میں نے مضحکہ خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"رفشے۔"

"ہاں رفشے۔"

"لڑکیوں کی کھال ادھیڑتا ہے۔"

"ہم اس کی کھال ادھیڑ دیں گے۔"

"اس کی کھال میں بھس بھی بھرنا ہوگا۔"

"ہاں ہاں۔ مگر بھس کہاں سے دستیاب ہوگا۔"

"فی الحال اس کے بارے میں مت سوچو۔ بلکہ یہ سوچو کہ غسل خانہ ایک آدمی کے لئے ہے یا دونوں بیک وقت اس میں غسل کر سکتے ہیں۔ اگر صرف ایک کے لئے ہے تو پہلے میں جاؤں گا۔"

"تم ہی چلے جاؤ۔ مگر واپس آجانا۔"

"جاؤں گا اللہ مالک ہے۔" ہم دونوں اسی طرح مخرے پن کی باتیں کرتے رہے۔ پھر طالوت غسل خانے میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم غسل سے فارغ ہوئے تھے۔ ہمیں ناشتے کے لئے جانے والی دوسری خوبصورت لڑکی تھی جس کا نام دانشاد لیا گیا تھا۔ اس کی عمر افغانہ سے کم تھی اور وہ کسی قدر شوخ بھی نظر آتی تھی۔

"آپ کا نام دانشاد ہے خاتون؟" طالوت نے بھیگی آنکھیں بنا کر پوچھا۔

"ہاں ہے۔ پھر؟" وہ چڑچڑی انداز میں بولی۔

"اللہ اکبر۔ کیا آپ بڑی مزوں کا شوق رکھتی ہیں؟"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔" اس نے تیکھے انداز میں

طالوت کو گھورا۔

"خدا آپ نے ہمیں رکھے۔ کیا آپ نے ناشتہ نہیں کیا ہے؟"

"کیا تم پاگل ہو؟" لڑکی بوکھلا کر بولی۔

"ابھی تک تو نہیں ہوں۔ لیکن انشاء اللہ۔"

"تم نے میرے ناشتے کے بارے میں پوچھا تھا؟"

"میں نے سوچا کہ۔ اگر کوئی اور بات میرے منہ سے نکل گئی تو ممکن ہے ناشتے میں آپ مجھے ہی کھا جائیں۔"

"دیکھو جی۔ میں چٹخارہ کر کر چھوڑ دیا کرتی ہوں۔ میرے بارے میں ایسی ویسی باتیں مت کرنا۔ میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

"رفشے سے بھی نہیں۔" طالوت نے یونہی اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"رر۔ رفشے۔" وہ کسی قدر گھبرائی "ہاں۔ اس سے بھی نہیں۔" اس نے کھوکھلے لہجے میں کہا اور میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہرحال اس کے بعد ہم خاموش ہو گئے اور پھر ناشتے کے کمرے میں پہنچ گئے۔ ناشتے کے کمرے میں افغانہ موجود تھی۔ دسترخوان بچھا ہوا تھا اور اس پر دودھ کی مصنوعات پنیر، کچھ پھل رکھے ہوئے تھے۔

افغانہ نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا لیکن یہ مسکراہٹ مصنوعی تھی۔ زندگی سے اس کا کوئی علاقہ نہیں تھا۔ اس نے ہم سے ناشتہ کرنے کے لئے کہا اور ہم بے تکلفی سے بیٹھ گئے۔ ناشتہ بہت عمدہ تھا۔ خوب سیر ہو کر کھایا۔ "کسی اور چیز کی ضرورت؟" افغانہ نے پوچھا۔

"نہیں شکریہ۔ تم سے کچھ باتیں کریں گے۔"

"آپ۔ آپ۔ دونوں؟" اس نے ہکلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔"

"ایک ساتھ؟" وہ کسی قدر پریشانی سے بولی۔

"ہاں۔ کیا حرج ہے؟" طالوت نے جواب دیا اور وہ گھبرا کر دانشاد کو دیکھنے لگی۔

"تو جا۔ تو یہاں کیوں کھڑی ہے؟" اس نے کسی قدر ڈانٹنے والے انداز میں کہا اور دانشاد جیسی گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔ وہ پھر سراسیمہ سی نگاہوں سے ہماری طرف دیکھنے لگی تھی۔

"ہم۔ میرا مطلب ہے آپ دونوں؟" وہ پھر بولی۔

"تم اس قدر پریشان کیوں ہو افغانہ۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ نہ۔" اس نے بے چارگی سے کہا اور پھر اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ ہم اس کے ساتھ تھے۔ لیکن راستے میں بوڑھی اور کریہہ صورت عورت ہمارے سامنے آگئی۔ اس نے اپنے پپلے اور بدنما دانت نکال دیئے تھے۔

"جاریے ہو۔ طرہ پیئے؟" اس نے ہاتھ پھیلا دیا اور طالوت نے جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نوٹ نکالے اور اس کی طرف بڑھا دیئے بوڑھی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ اس کے بعد اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا اور ہم اس طرف بڑھ گئے جہاں افغانہ دروازہ کھولے ہمارا انتظار کر رہی تھی۔

ہمارے قریب پہنچنے پر وہ راستے سے ہٹ گئی اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ لیکن افغانہ کے چہرے پر اب بھی پریشانی کے آثار تھے۔

"تم لوگ برا مت ماننا۔ میں کبھی دو آدمیوں کے ساتھ نہیں رہی۔"

"اندر چلو بے وقوف لڑکی۔" طالوت نے اس کے شانے پکڑ کر اسے اندر دھکیلتے ہوئے کہا اور وہ بے بسی سے کمرے میں داخل ہو گئی۔ طالوت نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔

لڑکی گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"کیوں۔ کیا لگ رہی ہے کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"نن۔ وہ۔ نہیں۔ وہ بے تکے انداز میں بولی۔

"پتہ نہیں کیا بک رہی ہو؟ بیٹھ جاؤ۔" طالوت نے اسے سامنے پڑی ہوئی چارپائی پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ پریشان پریشان سی بیٹھ گئی۔

"تم پریشان کیوں ہو؟"

"نہیں۔ پریشان نہیں ہوں۔ بس میں دو آدمیوں کے ساتھ۔"

"ہم آدمی ہی ہیں درندے نہیں۔ تمہیں چیر پھاڑ کر نہیں کھا جائیں گے۔ بیٹھو۔ باتیں کرو۔ ہم تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"جی؟" اس نے حیرانی سے ہماری طرف دیکھا۔

"ہاں۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"اور کچھ نہیں؟"

"نہیں۔ تمہاری سوچ غلط ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اس نے ایک گہری سانس لی اور اس کے چہرے پر کسی قدر سکون کے آثار نظر آنے لگے۔ پھر اس نے متحیرانہ نگاہوں سے ہماری طرف دیکھا اور بولی "تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو؟"

"...ور نقابت رات کو میں گھومنا پھرنا سمجھ
مجھے ہونے کی کوشش کی تھی؟"

"جی نہیں۔ مجھے آپ سے ایسا کوئی کام نہیں تھا
محترمہ۔ جس کی وجہ سے آپ کو رات کو بلایا جاتا۔"

"یا تو تم بہت ہی شریف آدمی ہو یا پھر ضرورت سے زیادہ
بیوقوف۔ بوڑھی ماں نے تمہیں ایسے ہی میرے ساتھ نہ بھیجا
ہوگا۔ اس نے پتے ضرور لئے ہوں گے۔"

"افغانہ۔ فضول باتیں مت کرو۔ تمہاری بوڑھی ماں
نے اور تم نے ہو کچھ بھی سوچا ہو۔ تم جو بھی کرنی ہو ہمیں اس
سے غرض نہیں ہے ہم کہہ چکے ہیں ہمیں تم سے گفتگو کرنی
ہے۔"

"میں تیار ہوں۔" اس نے معصومیت سے کہا۔
"ویسے گون ہے؟" طالوت نے پوچھا اور افغانہ کا چہرہ
اتر گیا وہ خشک ہوتوں پر زبان پھیرنے لگی "تو اب وہ افغانہ۔
رشتے گون ہے؟"

"میرا ماموں ہے۔"
"اوہ۔ بوڑھی عورت تمہاری ماں ہے۔"
"نہیں۔ میری خالہ ہے۔"
"اور بوڑھا؟"
"وہ۔ میرا خاوند ہے۔"
"تمہارے ماں باپ کہاں گئے؟"
"مر گئے۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
"اوہ۔ تو یا تمہارے ماموں اور خالہ نے تمہاری
پرورش کی ہے؟"
"ہاں۔" اس نے جواب دیا۔
پوری صورت حال ہماری سمجھ میں آگئی تھی۔ افغانہ
مظلوم خانہ اور ماموں کا ذریعہ معاش بنی ہوئی تھی۔ بہرحال
مظلوم لڑکیوں کی فہرست میں اس کا نام بھی شامل کرلیا گیا۔ کئی
منٹ تک ہم گردن جھکائے اس کے بارے میں سوچتے
رہے۔ پھر طالوت نے پوچھا۔
"کیا تمہاری چھوٹی بہن بھی اسی لائن پر چل رہی ہے؟"
"خدا نہ کرے۔ خدا نہ کرے۔" وہ تڑپ کر بولی اور
اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ "میں نے رشتے سے کہہ
دیا ہے وہ جتنا چاہے مجھ سے کمالے جس قدر چاہے مجھے
لوٹ لے لیکن دلشاد کی طرف بری نگاہ نہ ڈالے۔ خود دلشاد
بہت تیز ہے رشتے اس سے ڈرتا ہے ابھی تک تو خدا نے
اس کی حفاظت کی ہے۔ آگے بھی وہی نگہبان ہے۔"
"اوہ۔ فکر مت کرو افغانہ۔ فکر مت کرو ہم تمہاری

اور تمہیں ایک خاوند کی گزارنے کا موقع دیں گے۔ کہہ
افغانہ نے گردن جھکالی۔ اس کے چہرے پر کرب کے آثار
آگئے تھے۔ صاف ظاہر تھا اس نے ہماری باتوں کو سرا ہوا
میں سنا ہے۔ ممکن ہے دوسروں نے بھی اسے یہ یقین دلایا ہو
اور بے وقوف بنا رکھا ہو۔

بہرحال اس کے بعد طالوت نے یہ موضوع ختم
کئی منٹ تک خاموشی رہی۔ پھر افغانہ نے کہا "تم نے بوڑھی
خالہ کو پیسے دیئے ہوں گے۔"

"ہاں۔ کیوں؟"

"میں۔ میں۔ میں ہر طرح تیار ہوں۔" وہ ہکلا کر
بولی۔

"بیٹھی رہو افغانہ۔ ہم صرف تم سے گفتگو کریں گے
تاکہ تمہیں ان لوگوں میں اور ہم میں فرق کا احساس ہو جائے
جنہوں نے شاید تمہاری طرح تمہیں قسمیاں دی ہوں گی۔"

"اوہ۔" وہ چونک پڑی۔ اس نے حیرت سے ہم دونوں
کی شکل دیکھی تھی۔ پھر اسے حیرت ہوئی ہو کہ ہم نے
کے دل کی بات کیسے جان لی اور پھر اس نے گردن ہلا دی۔

"بلکہ اگر ہو سکے تو ایک ایک کپ چائے پلا دو۔ طبیعت
بحال نہیں ہوئی۔" میں نے کہا اور افغانہ جلدی سے کرسی
ہو گئی۔

"ابھی لائی۔" وہ دروازے کی طرف بڑھی اور دروازہ
کھول کر باہر نکل گئی۔

طالوت نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا
"خیریت" یہ چائے کی ضرورت کس طرح پیش آگئی؟" اس
نے پوچھا۔

"میں تم سے کہنا چاہتا تھا کہ کس الجھن میں پڑ گئے
ہمیں وہ سرا کام کرنا ہے۔ یہاں پھنس گئے....."

"ٹھیک ہے۔ لیکن میرا خیال ہے پہلے اس الجھن کو حل
کر لیا جائے۔"

"میں نے سوچا ہے کہ اس مکان کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا
جائے۔ یہاں رہنے میں کوئی دقت نہیں ہے۔ یہیں سے
زوراب کے حالات معلوم کئے جائیں اور پھر فیصلہ کیا
جائے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"بوڑھی عورت سے معاملے کی بات کرلیں گے اور اس
وقت تک اسے بے وقوف بنائیں گے جب تک یہاں کے
حالات سے واقف نہیں ہو جاتے۔"

"بالکل ٹھیک۔" میں نے اس سے اتفاق کیا اور اسی
وقت افغانہ واپس آگئی۔

"میں نے دلشاد سے کہہ دیا ہے۔ ابھی تیار کرکے لاتی
ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک۔"

"دروازہ بند کر دوں؟"

"نہیں۔" طالوت نے کہا اور وہ مسکراتی ہوئی ہمارے
سامنے بیٹھ گئی۔ کئی منٹ خاموشی سے گزر گئے۔ پھر طالوت
نے بڑی چالاکی سے گفتگو شروع کی۔

"خان زوراب کے بارے میں سنا ہے کہ بے حد رحم
دل اور خدا ترس انسان ہے۔ کیا تم لوگوں نے رشتے کی
شکایات اس کے کانوں تک پہنچانے کی کوشش بھی نہیں
کی۔" اس نے پوچھا۔

افغانہ نے پہلے سیدھے تک گردن جھکا کر کچھ سوچا۔ پھر
آہستہ سے بولی "خان زوراب تک رسائی بہت مشکل تھی
اور پھر صرف ایک بار رشتے نے نکل بھاگنے کی کوشش کی تھی
ماہ تک بستر پر پڑی رہی تھی۔ اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے
دروازے کی طرف دیکھا۔

"وہ اب نہیں رہے رشتے؟"

"ہاں۔ اس کے بعد میری ہمت نہیں پڑی۔ لیکن دلشاد
بہت تیز ہے۔ اس نے کوشش کی تو رشتے نے اسے دھمکی
دی کہ وہ مجھے قتل کردے گا تب مجبوراً دلشاد بھی خاموش
ہو گئی۔"

"بڑی افسوسناک ہے تمہاری کہانی۔ لیکن خان
زوراب کے بارے میں ہم نے سنا تھا کہ وہ بہت باخبر انسان
ہے۔ اگر ہے تو اس کے زیر سایہ ایسے مظالم کیوں ہو رہے
ہیں۔"

"خان بابا کو پتہ نہ ہو۔ وہ دور حقیقت رحم دل انسان
ہے۔ یہ اس کی رحم دلی ہی ہے کہ نہ ہونے کے باوجود کس
مصیبت میں گرفتار ہے۔ نہ ہوتے تو کہاں ہوتا۔"

"یا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ایں۔" افغانہ بھی چونک کر ہمیں دیکھنے لگی۔

"خان زوراب یہاں ہے؟"

"اوہ۔ تمہیں نہیں معلوم؟"

"نہیں۔" میں نے گردن ہلا دی۔

"کیوں۔ کیا تمہارا تعلق زوراب سے نہیں ہے؟"

"نہیں۔ ہم تو یہ ہستی کے باشندے ہیں۔ وہیں سے
آئے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہاں ارے میں نے تمہارے لباس پر غور
ہی نہیں کیا۔ تم دونوں بھائی ہو؟"

"ہاں۔"

"تمہاری شکلیں کیسی ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔"

"تم نے اب غور کیا ہے؟"

"نہیں۔ پہلے بھی غور کیا ہے۔ لیکن سچ پوچھو۔ مجھے
اپنے پاس آنے والوں سے سخت نفرت ہوتی ہے۔ سخت
نفرت۔ میں ان سے ان کی ذات کے بارے میں کوئی سوال
نہیں کرتی۔ تمہاری دوسری بات ہے۔"

"کیوں۔ ان میں کیا خاص جراثیم ہوتے ہیں۔"
دروازے سے دلشاد کی آواز سنائی دی جو چائے کی ٹرے لئے
اندر آرہی تھی۔"

"وہ۔ دلشاد۔ یہ بہت نیک لوگ ہیں۔" افغانہ جلدی
سے بولی۔

"یہاں کوئی نیکیاں کرنے آئے ہیں۔" وہ چائے رکھتے
ہوئے ناک سکوڑ کر بولی۔

"دلشاد۔" افغانہ جھڑکنے کے انداز میں بولی۔

"غلطی کرو افغانہ۔ اس لئے تو مجھے زندگی کی باتیں مجھے
پسند ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"مجھے ہے تمہاری پسند ہے۔ میں تمہاری پسند پر تھوکتی
بھی نہیں۔"

"دلشاد۔ خدا کے لئے زبان قابو میں رکھو۔ پھر کوئی ہنگامہ
کھڑا کرائے گی۔"

"میں ہنگاموں سے نہیں ڈرتی سمجھیں۔" دلشاد کمر پر
ہاتھ رکھ کر بولی۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن۔" افغانہ بھی ہماری شکل دیکھتی
بھی دلشاد کی۔"

"چلو جاؤ دلشاد۔" طالوت نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں چلی جاؤں۔ غلام ہوں تمہارا؟" وہ انہیں
نکال کر بولی۔

"وہ دلشاد۔ غلاموں کو نہیں سمجھیں۔ یہ وہ نہیں
ہیں جو یہاں آتے ہیں۔ دلشاد۔ یہ ان میں سے نہیں ہیں جو
میرے حساب گزار ہوتے ہیں۔"

"یا مطلب؟" دلشاد کسی قدر نرم پڑی۔

"ہاں دلشاد۔ یہ انسان ہیں۔ زوراب کے رہنے والے
بھی نہیں ہیں۔"

"لیکن انہوں نے خانہ کو موٹی رقم دی ہے۔"

"میں بھی تو تم سے کہہ رہی ہوں۔"

"تجھے کون ہیں؟"

"صرف مہمان۔ اس سے زیادہ میں کچھ اور نہیں جانتی۔"

دشمنِ حیرت سے ہمیں کھونے لگی اور طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ مچل گئی۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا "ہم پھر وادیٔ نمل میں قیام کریں گے۔ زوہرات کی سیر کریں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"سیر کرنے کے لئے تم نے بڑے وقت کا انتخاب کیا ہے۔ زوہرات کے حالات تو بہت خراب ہیں۔" دلشاد نے کہا۔

"اگر تم فصہ تھوک کر بندروں کی طرح بیٹھو۔ تو تم سے بات نہ کی جائے۔" طالوت نے کہا۔

"اگر تم وحشی کے کاٹے نہیں۔ صرف انسان ہو۔ تو میں تم سے شرمندہ ہوں۔ وحشی انسانوں کو دیکھنے دور دور سے یہاں تو صرف بھیڑیے آتے ہیں۔ انسان کے بچے تو نوچے کھسوٹے ہیں اور میرے ہوگر واپس چلے جاتے ہیں۔" دلشاد نے کہا۔

وہ دونوں اس خانہ بدوش کو غور سے دیکھتے رہے تھے اور اس سے متاثر تھے۔ وہ چند لمحے خاموش رہی۔ پھر بولی "تو تمہیں زوہرات کے حالات معلوم نہیں ہیں۔"

"نہیں۔"

زوہرات سخت خطرناک سے گزر رہا ہے۔ کل نہ جانے کیا حالات ہوں۔"

"اگر مناسب سمجھو تو ہمیں بتاؤ۔"

"خان زوہرات کو اغوا کرایا گیا ہے اور اس اغوا میں خانم کا ہاتھ ظاہر کیا جا رہا ہے۔"

"کون خانم؟"

"ہاں۔ زوہرات کی ملکہ۔ خان زوہرات کی نوجوان بیوی۔"

"اوہ۔ یہ کب کی بات ہے؟"

"دو ہفتے گزر گئے۔"

"خان کا پتہ نہیں چل سکا؟"

"بالکل نہیں۔ سخت کوشش ہو رہی ہے۔"

"ملکہ پر شبہ ظاہر کرنے والے کون لوگ ہیں؟"

"میر کلابہ۔ لیکن ان کی نیک نیتی پر شبہ نہیں کیا جا سکتا۔"

"ان کی کیا حیثیت ہے۔"

"سب سے بڑا خاندان ہے زوہرات کا۔ شاہی خاندان سے بھی بڑا۔ بلکہ شاہی خاندان کے افراد بڑے بڑے عہدوں پر ہیں۔"

"خوب۔" طالوت نے دلچسپی سے میری طرف دیکھا۔ "مجھے بھی اس گفتگو میں دلچسپی محسوس ہونے لگی ہے۔ کیا زوہرات کی خانم سے پہلے بھی کوئی ملکہ تھی؟"

"نہیں۔ لیکن اگر ان کا شبہ درست ہے تو۔ پھر یہ سنجیدہ قومی کوتاہی کا مرتکب ہوگا۔"

"یہ منصب۔" طالوت نے کہا۔

"خلیل یوں بھی کوئی اچھا آدمی نہیں تھا۔"

"یہ کون ہے؟"

"خانِ زوہرات کا بھتیجا۔"

"تو خلیل کا ان معاملات سے کیا تعلق؟"

"ہو نہ ہو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ زوہرات کی خانم کا خلیل سے ضرور تعلق ہے۔" دلشاد نے کہا۔

"دلشاد۔ اپنے انداز پر قابو رکھو۔" افغانہ سرحراقی آواز میں کہا۔

"افغانہ۔ کیوں قابو رکھوں۔ ڈرتی ہوں کسی سے۔"

"بیٹی اچھی کہانی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتی۔" طالوت نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"بس میں چپ اور نہیں سمجھاؤں گی۔ میرا دماغ خراب نہیں ہے۔" دلشاد اچانک خفا ہو گئی۔ عجیب مستقل مزاج لڑکی تھی۔ افغانہ اداس ہو گئی۔ لیکن وہ چپ نہ رہ سکی تھی۔

"اس کے بعد کے حالات تم بتاؤ گی افغانہ؟" طالوت نے کہا۔

"میں کیا بتا سکتی ہوں۔ میرے اپنے حالات نے مجھے کسی اور معاملے میں مداخلت کا موقع ہی نہیں دیا۔"

"ہوں۔" طالوت خاموش ہو کر چلنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلائی اور ہم چلتے چلتے۔ چلنے سے فارغ ہونے کے بعد طالوت نے افغانہ سے کہا۔ "افغانہ اپنی خالہ کو سمجھاؤ۔ میں ان سے گفتگو کروں گا۔"

"اچھا۔" اس نے سادگی سے کہا اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"معاملات ہماری توقع سے زیادہ پیچیدہ ہیں۔ تم چپ ہیں۔ یا تم بھی ان میں دلچسپی لے رہے ہو عارف؟"

"بالکل۔" میں نے بھرپور لہجے میں کہا۔

"ویسے خانم ایک فریق ہے۔ خان زوہرات کے اغوا میں اس کا ہاتھ بتایا جاتا ہے اور دوسرے فریق وہ ہیں جنہیں ہم

علم میں آچکی ہے کہ دوسرا فریق چاہتا ہے۔ ان لوگوں کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوا تھا۔"

"بے شک۔"

"تو پھر تیسرے فریق ہم یوں نہ بن جائیں۔ جو صرف اصلیت سامنے لانے والوں میں سے ہو۔"

"تب پولیس کی یہ ہیڈ کوارٹر میں کیا کر رہی تھی؟"

"اسے بھی دیکھیں گے۔"

"اور وہ پراسرار حسینہ۔"

"اسے سب کی قطعی میں ہو جائے گی۔ تم فکر مت کرو۔ بس یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں کام کرنے کو تیار ہو؟"

"بخوشی۔" میں نے جواب دیا۔

"تو لطف آجائے گا۔ حالات پھر ایسے ہی معلوم ہو رہے ہیں؟"

زندگی کے بعد خانہ آگئی۔ مخروطی چہرے پر مکاری کی مسکراہٹ مچل گئی۔ اس مخروطی چہرے سے سخت نفرت محسوس ہوئی تھی۔ تاہم طالوت نے اس سے گفتگو شروع کی۔

"چھوٹی لڑکی کے بارے میں کیا خیال ہے بوڑھی نے۔"

"نہیں۔ ابھی وہ تیار نہیں ہے۔"

"میں منہ مانگی رقم دوں گا۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بیٹے۔ مگر تمہارے ساتھ کرلو تو دوسری بات ہے۔ وہ بڑی سخت مزاج ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ اب تم دوسری بات بتاؤ۔ اگر میں ایک آدھ ہفتے تمہارے پاس رہنا چاہوں تو؟"

"یہ مکان پر۔"

"لیکن ایک شرط ہے۔"

"کیا؟"

"جب تک میں یہاں رہوں گا کوئی دوسرا نہیں آنے پائے گا۔"

"اگر تم ایک ہفتے کی ایڈوانس کرو گے تو دوسرا کیسے آئے گا بیٹے۔"

"ہوں۔ کیا مانگتی ہو؟"

"جو خوشی سے دے دو۔" بوڑھی نے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے کہا اور طالوت نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر بوڑھی کی گود میں ڈال دی۔ یہ رقم تو بوڑھی اس چھوٹی سی ریاست میں ایک سال میں بھی نہ کماتی ہوگی۔ گڈی دیکھ کر اس کا سانس پھول گیا۔

"ہمارے کھانے پینے سونے کا معقول انتظام ہونا چاہئے اور اگر ہماری مرضی کے خلاف کوئی گڑبڑ ہوئی تو مکان کی ہڈیاں بھی نہ ملیں گی۔"

"تم بالکل فکر مت کرو میاں۔" بوڑھی نے بمشکل تمام خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"دونوں لڑکیوں کو ہماری خدمت میں رہنا چاہئے۔ چھوٹی سے اگر بات بن گئی تو اس کی رقم تمہیں الگ سے ملے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ تم بالکل فکر مت کرو۔" بوڑھی نے زور زور سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"بس جاسوق ہو۔" طالوت نے رعب سے کہا اور بوڑھی جلدی سے اٹھ کر باہر نکلی۔ انداز ایسا تھا جیسے خطرہ ہو کہ نوٹ اس سے چھین لئے جائیں گے۔ اس کے باہر نکلتے ہی طالوت اسے گالیاں دینے لگا۔ "مجھے تو ایسا درست لوں کا بوڑھی کہ یاد کرے گی۔"

"اور رقص کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"رقص۔" طالوت دانت پیسنے لگا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"باہر نکلیں گے۔ حالات دیکھیں گے۔ پھر سے معلومات ہیں۔ ایک ایک کرکے حالات سے واقفیت حاصل کرتا ہوں۔"

"اب چلو گے۔"

"ہاں تھوڑی دیر کے بعد۔"

"میرا خیال ہے راسم کو تکلیف دینا پڑے گی۔"

"کیوں؟"

"مقامی لباس۔ ہمیں مقامی لباس کی ضرورت ہوگی۔ ورنہ اجنبی ٹکڑوں سے دیکھے جائیں گے۔"

"منگوا لئے جائیں گے۔" طالوت نے پُرخیال انداز میں کہا۔ اس کے بعد نصف گھنٹے تک وہ اسی موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ بوڑھی پلٹ کر نہیں آئی اور امید بھی کہ نہیں کرنے لگی۔ ہم لوگوں نے تیاریاں کیں اور راسم نے ہماری مرضی کے مطابق لباس مہیا کر دیئے۔

باہر نکل رہے تھے کہ دلشاد نظر آئی۔ وہ تیزی سے ہماری طرف بڑھ رہی تھی۔ ایک دم ٹھٹک گئی۔ اس کے چہرے پر شدید حیرت کے آثار نظر آئے اور پھر جانے کیوں وہ بچوں کے سے انداز میں مسکرا دی۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"تم دونوں۔ تم دونوں ایک دوسرے کا آئینہ معلوم ہوتے ہو۔ بہت ہی اچھے لگ رہے ہو تم دونوں۔ کوئی نہیں

دیکھو گے۔ یہاں ہونے والے تغیر سے رہو گے۔"

"اچھا۔" طالوت ہنس پڑا۔

"تم بہادر ہو تم ہو گے؟"

"زورات کی سیر کرنے۔"

"وہ۔ شام کو واپس آ جاؤ گی؟"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ خان کہہ رہی تھی کہ تم لوگ جانے تک یہاں رہو گے۔ اور جب تک تم رہو گے اور کوئی نہیں آئے گا۔"

"ٹھیک کہہ رہی ہے۔"

"کیا تم نے خان کو بہت سے پیسے دیئے ہیں؟"

"اس بارے میں بھی کچھ کہہ رہی تھی تمہاری خان۔؟"

"ہاں۔ کہہ رہی تھی کہ تم لوگ بہت مالدار معلوم ہوتے ہو۔"

"اس سے تمہارے اوپر کیا فرق پڑتا ہے؟"

"میرے اوپر کیا فرق پڑے گا۔ میں تو دولت پر تھوکتی ہوں۔" اس نے ناک سکوڑ کر کہا۔

"پھر تو وہ بڑی خوش ہو گی۔ بس اب بھاگ جاؤ۔" طالوت نے کہا اور میرا شاہ چھڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دن کی روشنی میں ہم مکان سے نکلے تھے تب زورات کی بستی دیکھی تھی۔ بلاشبہ ایک خوبصورت بستی تھی۔ ہم محلوں پر بنے بستی کی سیر کرتے رہے تھے۔ کچے پکے مکانات دیکھے تھے۔ بازار دیکھے تھے۔ اسکول اور دکانیں وغیرہ بھی تھے۔

لوگوں سے گفتگو اس بستی کو بیحد گرانا اور دولت مند بنا رہی تھی۔ اس کے بارے میں یہ بات مشہور تھی۔ اس نے اپنی بستی کے عوام کی خوشحالی کا بھی خاص خیال رکھا تھا۔ خون زورات نہ ہونے کے برابر تھے۔ چوری کا تو کسی نے نام تک نہیں سنا تھا۔ یہ معلوم نہ ہو سکا تھا کہ بستی والوں نے اپنی طرف کوئی توجہ نہ دلائی تھی۔ ظاہر ہے ایسے تحفے میں دولت کی موجودگی یا خیریت رکھتی تھی۔ ویسے یہاں ہوٹل وغیرہ نہیں تھے۔ ہاں قہوہ خانے ضرور تھے۔

محلوں کی بلندی پر رہنے والے شاہ پھر گائیڈ اور پھر ایک قہوہ خانے میں جا بیٹھے۔ ایک ملازم نے قہوے کے برتن لا رکھے تھے۔ بلاشبہ ماحول میں ایک پراسرار سی خاموشی گھلی ہوئی تھی۔ ہر شخص کسی سوچ میں گم نظر آتا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ ایک عجیب سا احساس۔

سے ٹکراتے نظر آتے تھے۔ زورات میں بھی کوئی تھے۔ اس وقت وہ ہمارے سروں پر پہنچ گئے تب ہمیں احساس ہوا۔ طالوت نے قہوے کا پیالہ آہستہ سے رکھ دیا۔ اس کے تیور خراب نظر آتے تھے۔

"کون ہو تم لوگ؟" ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں پوچھا قریب و دور میں بیٹھے ہوئے لوگ چونک پڑے۔ ہماری طرف دیکھنے لگے۔ طالوت نے میری طرف دیکھا اور میں نے قہوے کا پیالہ اطمینان سے اپنے نزدیک کھڑے ہوئے شخص کے منہ پر اچھال دیا۔ قہوہ کافی گرم تھا۔ اس کا چہرہ جھلس گیا۔ طالوت نے اٹھ کر دو گولیاں داغ دیں۔ اور دوسرا آدمی میز کی پلیٹ میں گر کر ڈھیر ہو گیا۔ قہوے سے بچنے والا دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے چیخ رہا تھا۔

طالوت نے بیچ میں قہوے کی قیمت نکالی اور تھوڑے فاصلے پر کھڑے ہوئے شخص کے ہاتھ پر رکھ دی۔ اتنی دیر میں میز کی طرف سے وہ اٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔ اس نے بیلٹ سے پستول نکالا۔ اور طالوت کی طرف تان لیا۔ میں دوسرے طالوت نے اس کے ہاتھ پر لات ماری۔ پستول اچھل گیا۔ طالوت نے اسے اطمینان سے ایک اور گولی۔

بچنے والے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی کہ کوئی دوسری حرکت کرتا۔

"اب بتاؤ کیا چاہتے ہو؟"

"خنزیر کے بچے۔" پستول والا۔ طالوت کے ہاتھ میں دبے ہوئے پستول کو نظر انداز کر کے اس پر جھپٹا۔ لیکن طالوت نے پستول کا دستہ اس قوت سے اس کی کنپٹی پر مارا کہ اسے دن میں تارے نظر آ گئے۔

پھر ہم وہاں سے نکل آئے کسی اور نے ہمیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"مگر یہ تھے کون۔ اور کیا چاہتے تھے۔" میں نے حیرانی سے کہا۔

"پتہ نہیں۔" طالوت نے لاپرواہی سے شانے اچکائے۔

"معلوم تو کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ ضرورت سے عارف۔ اب سوچ رہا ہوں۔ میں معاملات میں مداخلت چاہتا ہوں۔ فوری طور پر۔ یوں کے ہم سسپنس کا شکار ہیں ہمیں بھی حالات سے واقف ہونا چاہئے۔"

"تو پھر کام شروع کرو۔ تمہارے لئے کیا مشکل ہے۔"

"زورات کے محل سے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو تو۔" طالوت نے میری ناک میں نکیل ڈالنے کی کوشش میں کرتے رہے۔ گو میں اسے کچھ نہ کچھ سمجھتا تھا۔ لیکن بعض اوقات اس کی معاملات کی حرکتیں عقل سے باہر ہوتی تھیں۔ کرنے سے سنبھلا تو زورات کے محل کے پاس باغ میں تھا۔

"بند ہے۔" طالوت نے سرگوشی کی۔

"قریب نہ جاؤ۔" میں نے مشورہ دیتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے گردن ہلا دی۔ اور پھر اس کی زوردار لات محل کے دروازے پر پڑی اور دونوں تیار ہو گئے۔ اندازے کے مطابق پندرہ لمحات کے اندر ہی دروازہ کھلا اور دو قوی ہیکل نوجوان باہر نکل آئے۔ جونہی وہ باہر نکلے ہم اندر داخل ہو گئے۔ اندر خانم کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ پانی بھری خوبصورت اور پرکار عورت۔ چہرے پر پریشانی کی لکیریں۔ دروازے کی جانب دیکھ رہی تھی۔

دونوں نوجوان اندر آئے۔ "کوئی بھی نہیں ہے خانم۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"پھر یہ آواز کیسی تھی؟"

"پتہ نہیں۔"

خانم چند لمحات خاموشی سے ان دونوں کی شکلیں

"ہاں۔ ایک گہری سانس لے کر بولی "میں جانتی ہوں زورات کے درویش ہمارے دشمن ہو گئے ہیں۔ لیکن خیر۔ دروازہ بند کرو۔"

ایک نوجوان نے دروازہ بند کر دیا اور وہ دونوں کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"ہاں۔ کیا کہہ رہے تھے تم؟" خانم نے پوچھا۔

"امیر کبیر کے محل میں ہمارا آدمی پکڑا گیا ہے۔ بے حد چالاک آدمی ہے۔ بہت جلد رپورٹ دے گا۔"

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ خان کہاں ہیں۔ اگر وہ مجھے مل جائیں تو میں ساری ذمہ داریاں ان کے سپرد کر کے خود کشی کر لوں۔ ان کے بنا تو میں مر بھی نہیں سکتی۔"

"آپ ہمت نہ ہاریں۔ خانم۔ حالات کا مقابلہ کرنے میں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"

"خدا تمہیں خوش رکھے۔ تم جیسے چند انسانوں کے سہارے سے تو میں زندہ ہوں۔ خدا کی قسم حقیقت سامنے آ جائے اس کے بعد میں زندگی بھی خوشی سے دے دوں گی۔ یہ بدنامی کا کوئی داغ لے کر میں مر بھی نہیں سکتی۔ میرے والدین میرے خاندان کی بھی عزت ہے۔" خانم کی آواز میں سسکیاں شامل تھیں۔

"آپ ہمارے سروں پر قائم رہیں خانم۔ ہم آپ کے لئے جان قربان کرنے کو تیار ہیں۔"

"مگر اب کیا کیا جائے؟"

"ممکن ہے امیر کبیر کے محل سے کوئی پتہ چل سکے۔"

"اندھیرے کے تیر ہیں۔ نشانوں کا کیا بھروسہ۔"

"پھر بھی۔ ہمیں اپنی کوششوں میں ناکام ہونے دیں خانم۔ اس کے بعد پھلے ہم خود کشی کریں گے۔ پھر آپ۔" نوجوان نے کہا۔

خانم کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ پھر اس نے گہری سانس لی اور بولی "ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔ میں انتظار کروں گی۔" اور دونوں نوجوان اٹھ گئے۔

"آؤ۔" طالوت نے میرے کان کے قریب سرگوشی کی اور ہم دونوں بھی ان نوجوانوں کے ساتھ باہر نکل آئے۔ نوجوان آگے بڑھ گئے تھے۔ جب وہ دور نکل گئے تو طالوت نے خود کو ظاہر کر دیا۔ میں نے بھی شاہوانہ کا دوشالہ اتار دیا اور پھر طالوت نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔ اندر آ جاؤ۔" خانم کی آواز ابھری اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ خانم نے ہماری طرف دیکھا اور

زورات کی ماں کے انتقال کے بعد اس نے وہ عمر تک شادی
فیصلہ کیا۔ میرا انتخاب ہوا کو عمر میں نے تھا۔ میں میرے
والدین نے یہ بات پسند کی مجھے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ میں
ہوں گی۔ حالانکہ عرشیا میری ہم عمر تھی۔ میرے دل میں
اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے اپنے فرائض انجام دینا
تی۔ یہاں مجھے تربیت کرنے والوں میں صرف عرشیا
میری تھی۔ میری سوچ تھی۔ میں اس پر کوئی اثر نہ
گاؤں گی۔ یہ کہ وہ معصوم ہے۔ مجھ سے نفرت نہ کرے
تی میرے خلاف سازش نہیں کر سکتی۔ وہ میرے ساتھ
ہے۔ لیکن زورات ایسا نہیں ہے۔ میرے سامنے وہ بہت محترم
محبت کرتا ہے۔ لیکن الزام لگاتا ہے کہ میں نے
سازش سے خان زورات کو اغوا کرایا ہے۔ یہ غلط ہے۔ میں
نے اپنے شوہر کے خلاف کوئی سازش نہیں کی۔ سازش
کرنے والے دوسرے ہیں۔ میں سب کچھ بھی سے امیر زورات
ہم سے ملتی ہوں وہ ہمارے خاندان کے محسن ہیں اور زورات
زورات کے خلاف صف آرا ہیں۔ میں ریاست کی بہو
زورات ہونے کے ناتے اس کے ساتھ ہوں۔ میں دینے کو تیار ہوں لیکن
شرط یہ ہے کہ میرے اور اس کے درمیان طالوت والے
جائیں۔"

"آپ کا مطالبہ بہت سخت ہے خانم۔" طالوت نے کہا۔
"یہ آپ کا حتمی فیصلہ ہے؟"
"جی ہاں۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔"
"مجھے اس وقت ہر دوست کی ضرورت ہے۔ میرے
مخالفوں نے میرے عوام کو میرے خلاف بھڑکا دیا ہے۔ میرے
ہمدردوں کی تعداد بہت کم ہے۔"
"ہم آپ کے ساتھ ہیں۔"
"تم میرے کیا لگتے ہو؟"
"وہ کریں گے جس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں
خانم۔" طالوت نے جواب دیا۔
"تمہارا نام کیا ہے؟"
"ناموں میں کیا رکھا ہے خانم۔ آپ مجھے دانسہ پٹ
خان نمبر ایک اور انسپکٹر دانسہ پٹ خان نمبر دو کہہ سکتی
ہیں۔"

خانم کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "خوش
مزاج ہو تم لوگ مجھے بھی ہنسنے والے لوگ پسند ہیں۔"

لیکن بدقسمتی نے میری مسکراہٹ چھین لی ہے۔"

"ہم بدقسمتی سے آپ کی مسکراہٹ واپس لے کر آپ
کے ہونٹوں پر پھیلا دیں گے۔ آپ فکر نہ کریں۔" طالوت نے
مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب ہمیں اجازت دیں۔"

"خدا حافظ۔ کاش کوئی میرے لئے یہ کرتا۔" خانم
ٹھنڈی سانس لے کر بولی اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔
طالوت بتا چکا تھا۔ ہم اطمینان سے محل کے بیرونی حصے کی
طرف چل پڑے۔ طالوت کی خاموشی سب کو پراسرار لگ
رہی تھی۔ وہ خاصا وقت لے چکا تھا۔

"کیوں؟" میں نے اسے دیکھا۔

"کام شروع کرنا ہے نا؟"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر ابھی کیوں نہ شروع کر دیا جائے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تو بھائی پانسہ خان نمبر دو۔ پھر شروع کرو۔"

"کیا ارادہ ہے۔"

"اس حصے میں جتنے کردار ملازمت ہیں ایک ایک کر کے
انہیں مخاطب کرتے ہیں۔"

"مشکل۔"

"نکلیں۔ عرشیا" میرا کہنا ہے۔ فی الحال یہ تین نام فہرست
میں ہیں۔ میرا خیال ہے ابتدا کسی حسین چہرے کی بات سے
یوں بھی حسین چہروں سے مخاطب ہونے والے کام خوش
اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔"

"گویا عرشیا!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سمجھدار لڑکی ہو۔ مجھے بتانے کی کیا ضرورت ہے۔"
طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ایک گزرتے ہوئے
ملازم کو روک کر بولا "اے خانم عرشیا کہاں ہیں؟"

"خانم اپنی خواب گاہ میں ہیں اور خان زادی بالا باغ
میں۔"

"اور یہ بالا باغ کہاں ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اس عمارت کے پیچھے۔ مگر تم کون ہو؟" ملازم نے
پوچھا۔

"دوسری طرف گھوم جاؤ۔" طالوت بولا اور ملازم حیرت
سے اسے گھورنے لگا۔ لیکن پھر اس کی گردن خود بخود دوسری
طرف گھوم گئی۔ طالوت نے ہونٹ سکوڑ کر چھلانگ ماری اور
ملازم بدحواس سا آگے دوڑتا چلا گیا۔

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور میں سنتا ہوا اس کے ساتھ
چل پڑا عمارت کے پیچھے درحقیقت ایک خوبصورت باغ تھا

جس کے درمیان ایک چھوٹا سا کاٹیج بنا ہوا تھا۔ طالوت نے
پختہ روش کی نگاہوں سے اپنی تحسین مآلتے کو دیکھا۔ "عمدہ
جگہ ہے۔" "اور ہم کاٹیج کی طرف بڑھ گئے۔

کاٹیج کے دروازے پر کوئی پہرہ دار موجود نہیں تھا۔ ہم
لوگ اطمینان سے اندر داخل ہو گئے۔ ایک لمبی راہداری
سے گزر کر ایک کمرے کے دروازے پر رکے۔ طالوت نے
دروازے کو دھکیل کر دیکھا۔ دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔
اس نے اطمینان سے دروازہ کھول دیا۔

بہت ہی خوبصورت کمرہ تھا۔ موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔
اس پر اعلیٰ درجے کا فرنیچر موجود تھا۔ ایک آرام دہ کرسی پر
ہم دونوں کی طرف پشت کئے کوئی بیٹھا تھا۔ لمبے لمبے بال کرسی
سے نیچے لٹک رہے تھے۔

آہٹ سن کر وہ اس پھرتی سے پلٹی کہ ہم حیران رہ گئے۔
اس کے ہاتھ میں پستول نظر آ رہا تھا اور آنکھوں میں کسی
ہوئی بلی کی سی کیفیت تھی۔ اس نے پختہ کار نگاہوں سے ہم
دونوں کو دیکھا اور پھر پختی ہوئی آواز میں بولی۔

"آہ۔ آؤ۔ مجھے تم سے مل کر کافی خوشی ہوئی۔"

"آہ۔" طالوت نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"طالوت۔" میں آہستہ سے بولا۔

"ہوں۔"

"اس کی آواز پہچانو۔"

"پہچانا ہوں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے؟"

"بہت خوبصورت آواز ہے۔"

"مذاق مت کرو۔ میرا مخاطب ہے۔"

"سمجھ رہا ہوں یار تمہارا مطلب۔ تھوڑی دیر خاموش
رہو۔" طالوت نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ مشورے کرنے ہوں تو بتا دو تمہارے پاس پستول تو
ہوں گے ہی۔" حسین لڑکی بہت مضبوط اعصاب کی مالک
معلوم ہوتی تھی۔

"اونہہ۔ ہم پستول نہیں رکھتے۔" طالوت نے جواب
دیا۔

"اوہ۔ تمہاری آواز میں حیرت انگیز طور پر ایک دوسرے
سے مشابہت ہے۔"

"تو کیا تم۔ میرے پاس کس کام سے آئے ہو؟" لڑکی نے
پوچھا۔ لہجے سے لگتا تھا۔ وہ ہمیں اجنبی سمجھ رہی ہے۔ اس کے انداز پر زیادہ
حیرت نہیں تھی۔ میں اس کی آواز سے اسے پہچان گیا تھا۔
میرا اندازہ غلط نہیں تھا تو یہ وہی عورت تھی جو پچھلی رات

نہیں پہاڑوں میں ہی تھی۔

طالوت اطمینان سے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ میں بھی پاؤں کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔ اتنی اطمینان سے کرسی پر بیٹھنے کی میں پہلوں کو اندازہ نہیں تھا کہ ہمارا ذرا سی بھی غلطی پر اس کے استقبال میں دیر نہ ہو۔

"اب آپ بتائیں کون ہو۔ کیا تم دونوں پہاڑوں میں ہی ہو؟"

"کون سے سوال کا جواب پہلے درکار ہے؟"

"تمہاری ذات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اپنی آمد کا مقصد بتاؤ۔" اس نے صاف لہجے میں کہا۔

"تمہارا نام عرشیا ہے؟"

"ہاں ہے۔" اس نے اعتراف کیا۔

"پھر معصومہ درکار ہیں تم سے۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا۔

"مگر تم ہو کون؟" اس نے تحکم آمیز لہجے میں کہا۔

"ہماری ملاقات پہلی نہیں ہے۔" اس بار میں نے مداخلت کی۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک پڑی۔

"پچھلی رات پہاڑوں میں ہم نے تم سے اپنا تعارف کرایا تھا۔ اس وقت تم نے ہم پر اسرار طور پر ایک مینگنی گرائی تھی۔" میں نے جواب دیا اور عرشیا نے چہرہ ایک لمحے کے لئے سرخ ہوا گیا۔ لیکن یہ سرخی احساب کی وجہ سے تھی۔ فوراً ہی قابو پا لیا اور تیکھے انداز میں بولی۔

"میرا خیال ہے تم دونوں پاگل ہو۔ لیکن حل کی جب یہ حالت ہو گئی ہے کہ تم جیسے لوگ ہو۔ لوگ اندر آ جاتے ہیں۔ میرے پاس کیوں آئے ہو؟ اس کا مقصد بتاؤ ورنہ تمہیں ابھی بھی چلا سکتی ہوں اور اپنی حفاظت کے لئے میں تمہیں کو ختم بھی کر سکتی ہوں۔"

"خاتون عرشیا۔ ہم اس وقت بھی آپ کو بتا چکے ہیں کہ آپ کے زورات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی کبھی رہا ہے۔ زورات کے اجنبیوں کی خواہش ہے کہ آپ لوگوں کی مدد کی جائے۔ تو ہم آپ کی مدد کے لئے آئے ہیں۔"

"تم دونوں مجھے پاگل معلوم ہوتے ہو۔ مجھے کسی کی مدد درکار نہیں ہے نہ ہی تمہاری بہکی بہکی باتیں درست ہیں۔"

"غلط ہے۔ آپ ہم سے تعاون نہیں کریں گے۔ نہ کریں۔ لیکن سن لیں۔ آج ہی سے زورات میں فتنے

شروع ہو جائیں گے اور انہیں ہزاروں سال سے دبا ہوا سرکش پھر سے ابھر آئے گا اور انہیں ہزاروں سال سے قابو میں رکھنے والی قوت ختم ہو جائے گی۔"

"اور یہ تم سے کس نے کہا؟" وہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"ہاں۔ خاتون عرشیا۔" طالوت نے ہماری آمد کا مقصد کہا۔

"تو پھر تم سے یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"اس خیال سے آئے تھے کہ آپ سے بھی مدد حاصل ہو جائے۔ لیکن اب آپ بھی زورات سے کچھ نہ کچھ جان چکی ہوں۔" طالوت نے کہا اور عرشیا کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی۔ آنکھیں اور زیادہ خوفناک ہو گئیں۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی اور درحقیقت اس شکل میں وہ کچھ کہنے کے قابل نہ تھی۔

"خاموش۔" میں نے سانپ کی طرح پھنکارتے ہوئے کہا۔ "میں جانتی ہوں تم ہوا کے دشمنوں کی کوئی نئی چال ہو۔ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ میں تم دونوں کو اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہونے دوں گی۔ عرشیا کسی کی محتاج نہیں ہے۔"

"صبر سے بیٹھیں محترمہ عرشیا۔" طالوت نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ تو چاہتے کہ تمہیں نہ بتائے۔ لیکن زورات کا حل ہے۔" وہ غرائی۔

"ہمیں یہاں آتے ہوئے کسی نے نہیں روکا۔" طالوت بولا۔

"اس کا مطلب ہے اس وقت تک۔"

"اگر آپ کا دل چاہ رہا ہے کہ ہمیں یہاں سے نہ جانے دیں۔ تو آپ کو فوری خاص وقت نہ ہو۔ ہم جیسے آپ ہمارے آنے کا بھی "معقول بندوبست کر سکیں۔"

"فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ ورنہ فوراً مارے جاؤ۔"

"اوہ۔ ہمیں بہت خوب۔ معصومہ ہی ہیں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں کہتی ہوں چلے جاؤ۔ ورنہ۔" عرشیا دانت پیس کر کھڑی ہو گئی۔ پہاڑوں پر اس کی گرفت سخت تھی۔ یہ ممکن تھا وہ ہم دونوں کو ہمارے ہی ہتھیار اس کے چھینے کے ہتھیار سے ختم کر دیتی۔

"افسوس ہے۔ قیمتی مشن کی پیچیدگی ہے۔ افسوس ہے تم نے قربانی کے بکرے ہو۔ جاؤ۔ بچے ہوئے۔ تمہیں یہاں سے زندہ نہ جانے دیں گے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں تمہارے ساتھ دوستانہ سلوک نہیں کر سکتی۔"

"خیر یہ تو بتا دو کہ خلیل سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے؟"

"کیوں؟" وہ چونک پڑی۔

"ہمیں ایسے ہی۔ پرانی شناسائی ہے۔ یہاں آئے ہیں تو ملتے چلے جائیں گے۔"

"اور اس کے باوجود تم خود کو شریف انسان کہہ رہے ہو۔ جاؤ کسی ملازم سے پوچھ لو۔ وہ تمہیں اس کے پاس پہنچا دے گا۔" اس نے نفرت زدہ انداز میں ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نسر پلٹ نمبر دو۔" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"یہ بات ہے بھائی نمبر ایک۔"

"چلیں؟"

"چلو۔" میں نے بھی اسی منظر خیز انداز میں جواب دیا اور ہم دونوں بالا باغ کے خوبصورت کانچ سے نکل آئے۔ ہم اس طرح اس عمارت میں گھوم رہے تھے جیسے یہ ہماری ننھیال ہو۔

طالوت پر پھر سنجیدگی طاری ہو گئی تھی۔ ہم بالا باغ سے نکل کر پھر دوسری عمارت میں آ گئے۔ "بہرحال۔ عرشیا بھی ان معاملات میں خصوصی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن میرے ذہن میں ایک سوال ہے۔"

"کیا؟"

"وہ تنہا ہے۔ یا اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں؟"

"معلوم کرنا پڑے گا۔"

"ویسے تمہیں اس کے بارے کیا اندازہ ہے؟"

"ہاں۔ تم از تم اس کا تعلق ان لوگوں سے نہیں ہے جو پہاڑوں میں موجود تھے۔ گویا وہ خان زورات یا خانم کے دشمنوں میں سے نہیں ہے۔"

"لیکن تم کے اغلاط بھی ہو سکتا۔"

"کیا مطلب؟"

"خان زورات نہ سہی۔ وہ خانم کے دشمنوں میں سے ضرور ہو سکتی ہے۔ اسے۔" طالوت نے ایک گزرتے ہوئے ملازم کو روکا اور وہ ان کے قریب آ گیا۔

"خان زادہ خلیل کہاں ہے؟"

"اپنے گھر میں۔ مگر تم کون ہو؟"

"خلیل کے دوست۔ تم ہمیں اس کے گھر تک پہنچا دو۔"

"جی۔" ملازم نے کہا اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔ اس نے ایک اونچے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "یہ ہے خلیل خان کی حرم۔ اگر دوست ہو تو اندر چلے جاؤ۔ ساری ذمے داری تمہاری ہے۔"

"پروا نہ کرو۔ ہم دونوں اکٹھے ہیں۔" طالوت نے کہا اور مجھے اشارہ کیا۔ ہم نے دروازے کو دھکیلا اور دروازہ کھل گیا۔ جسے کمرہ کہا گیا تھا وہ کمرہ نہ تھا۔ بلکہ ایک عظیم الشان ہال تھا جس کی بناوٹ جدید ترین تھی۔ عقبی حصہ کھلا ہوا تھا اور دوسری طرف بھی دو دروازے نظر آ رہے تھے جو کھلے ہوئے تھے۔ ہم نے خالی ہال کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کی طرف۔

"دروازے۔" طالوت نے کہا۔

"ہوں۔" میں نے کہا اور ہم دونوں کھلے ہوئے دروازوں کی طرف بڑھ گئے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کونسے دروازے سے داخل ہوا جائے۔ چنانچہ ایک دروازے سے میں اور دوسرے سے طالوت اندر داخل ہو گیا۔

لیکن دونوں دروازے اسی دوسرے بڑے ہال کے تھے۔ اور یہ ہال خالی نہیں تھا۔ تین چار قوی ہیکل لوگ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک اور کرسی پر بیٹھی دو عورتوں لیکن دبلے پتلے بدن کا ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا اچھی شکل و صورت کا تھا لیکن چہرے پر شرافت نہیں تھی۔ آنکھیں سرخ اور ڈراؤنی تھیں۔ اس کے سامنے میز پر شراب کی بوتل اور گلاس رکھا ہوا تھا۔ وہ تنہا ہی پی رہا تھا۔ دوسرے لوگ اس کے سامنے کسی حد تک مودب نظر آ رہے تھے۔

نوجوان کا رخ سامنے ہی کی طرف تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑا۔ اس کے انداز پر اس کے سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی احساس ہوا اور ان کی گردنیں بھی گھوم گئیں۔

نوجوان خونخوار آنکھوں سے ہمیں گھورتا رہا۔

"آپ ہی نمونے ہیں۔" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"آگے آؤ۔" نوجوان کی بھاری آواز سنائی دی اور طالوت خوفزدہ انداز میں آگے بڑھ گیا۔ اس نے میری آستین بھی پکڑ لی تھی۔ اس طرح ہم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔

"کون ہو تم لوگ؟" نوجوان دہاڑا۔

"تت۔ تربوز۔ تت۔ خربوزہ۔" پہلے طالوت اور پھر میں نے ہکلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا بکواس ہے؟" نوجوان دہاڑا۔

"نن۔ نام ہیں ہمارے۔"

"تمہیں اندر کیوں آنے دیا گیا؟"

"تم خلیل خان سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"جی۔"

"کیسے ہو سکتی ہے۔" طالوت اسی انداز میں بڑبڑایا۔

"کس سے۔ خلیل سے؟" خلیل خان نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"میرا نام خلیل ہے۔" خلیل کی مونچھوں کے نیچے بھی ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوہ۔" طالوت نے خوش ہو کر کہا اور پھر دوڑ کر خلیل سے بغل گیر ہو گیا۔ خلیل بوکھلا گیا تھا۔ اس کے ساتھی اچھل کر اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھ پستول پر پہنچ گئے تھے۔

بمشکل تمام خلیل نے اسے دور دھکیلا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار نظر آ رہے تھے۔ "دیوانے ان مذاقوں کو۔ پوچھو ان سے یہ ہیں کون۔ کس نے انہیں بھیجا ہے۔ روکو۔ پکڑو ان کے ہاتھوں کی تلاشی لو۔" خلیل نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انہوں نے پستول نکال لئے۔ پھر ان کے رخ ہماری طرف کرتے ہوئے بولے۔

"اپنے ہاتھ بلند کرو۔" اور ہم دونوں نے نہایت شرافت سے ہاتھ اوپر کر دیئے۔

ان میں سے ایک آدمی نے ہم دونوں کی جامہ تلاشی لی لیکن ہمارے پاس معمولی سا چاقو بھی نہیں تھا۔ اس نے خلیل کی طرف رخ کر کے گردن ہلا دی اور ہم نے ہاتھ گرا دیئے۔

"ہاں۔ اب بتاؤ۔ تم کون ہو۔ کس نے بھیجا ہے۔ اور کیا چاہتے ہو؟"

"خان زورات کے بارے میں معلومات کرنے آئے ہیں۔"

"کیا؟" خلیل نے پوچھا۔

"کہاں چھپا رکھا ہے تم نے اسے؟" طالوت نے کہا اور خلیل کی آنکھیں پھٹ اور بھیانک ہو گئیں۔ وہ خوفناک نظروں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

"کس نے بھیجا ہے تمہیں؟" اس نے کہا۔

"ہم خود آئے ہیں۔"

"تمہیں خان زورات سے کیا دلچسپی ہے؟"

"ان سے ہماری پرانی دوستی ہے۔" طالوت نے نارمل انداز میں کہا۔

"ہوں۔ معلوم کرو ان دونوں سے۔ کس نے بھیجا ہے انہیں۔" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور ان چاروں نے پستول ہولسٹروں میں رکھ لئے۔

"خان زورات کہاں ہے خلیل۔ اگر ان کے ذمے میں تمہارا کچھ ہے۔ تو صاف صاف بتا دو۔ انہیں مار کے حوالے کر دو۔ دوسری صورت میں ہم تمہیں مزا دینے کے لئے آئے ہیں۔" طالوت نے سخت لہجے میں کہا۔

"کیا بکواس ہے ان کی۔ گھسے رہو۔ میں ذمے دار ہوں۔" خلیل نے غضبناک لہجے میں کہا اور وہ سب ہم پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن طالوت ہی بے خبر تھا نہ میں۔ میرا خوفناک گھونسا ان میں سے ایک کے جبڑے پر پڑا اور شاید اس کا جبڑہ ہمیشہ کے لئے ٹیڑھا ہو گیا۔ طالوت نے ان میں سے ایک کو لات مار کر گرا دیا اور مارا۔ اور پھر اس کی کھوپڑی سے انہیں اٹھنے کے قابل نہ چھوڑا۔ خلیل نے اپنا پستول نکالنا چاہا لیکن پستول اس کی ہولسٹر میں ایسا پھنسا کہ کسی حرکت نہ کر سکا۔

خلیل پستول نکالنے کے لئے زور لگا رہا تھا۔ اور ہم دونوں گرے ہوئے آدمیوں کو نکارہ کر رہے تھے۔ چند لمحے کے بعد ان میں کھڑے ہونے کی سکت نہ رہی۔ تب طالوت ہاتھ بھاڑتا ہوا خلیل کی طرف بڑھا۔ اس نے خلیل کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور پھر اس کا پستول نکال کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

خلیل انتہائی کی طرح اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اور طالوت اس کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ پھر خلیل نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھا اور بولا ٹوٹے ہوئے لہجے میں۔

"کیا۔ یہ مر گئے؟"

"نہیں۔ بے ہوش ہیں۔"

"اوہ۔ خدا۔"

"کیا تم بھی مار کھانا چاہتے ہو خلیل؟" طالوت نے پوچھا۔

"تم۔ تم میری توہین کر رہے ہو۔ جانتے نہیں۔ میں کون ہوں؟"

"مجھے یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے خلیل۔ میں جو کچھ جاننا چاہتا ہوں وہ تم مجھے بتا دو گے۔"

"تم زبردست نقصان اٹھاؤ گے سمجھے۔" خلیل بے بسی سے بولا۔ اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ کر اس کی بہادری دکھانے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

"میرے کسی نقصان کی تم کوئی فکر مت کرو۔ ہوں۔ میری بات کا جواب دو گے؟"

"خان زورات کہاں ہے؟"

"یہ تمہیں خانم نے بھیجا ہے؟" خلیل نے پوچھا۔

"خلیل۔ صرف میرے سوال کا جواب دو۔"

"اگر تمہیں اس نے بھیجا ہے تو۔ میں اس سے نپٹ لوں گا۔ میں دیکھوں گا وہ کتیا مجھے کتنا بدنام کرتی ہے۔" خلیل نے کہا اور طالوت نے الٹا ہاتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔

خلیل لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ تب طالوت کا ہاتھ اور رفتار نہ آتا۔ اس کے ہونٹ سے خون بہنے لگا اس کی خونخوار آنکھوں میں بھی خون ہی خون اتر آنے لگا۔ دوسرے لمحے وہ طالوت پر جھپٹ پڑا۔

"مار ڈالوں گا۔ مار ڈالوں گا۔" وہ کسی جانور کی طرح غرایا تھا اور اس نے طالوت کی کمر پکڑ لی تھی۔ لیکن نہ جانے طالوت نے کیا کیا۔ اس کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکلی اور وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ طالوت آگے بڑھا اور اس نے خلیل کا ایک بازو پکڑ کر مروڑ دیا۔ خلیل دوہرا ہو گیا تھا۔

"خان زورات کہاں ہے؟"

"چھوڑو۔ چھوڑ دے مجھے۔ پاگل۔ کتے۔ چھوڑو۔" خلیل حالت صرف کرنے لگا لیکن طالوت کی گرفت سے آزاد ہونا آسان کام نہیں تھا۔ البتہ اس کے بازو کی تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔

"خان زورات کہاں ہے؟" طالوت کا لہجہ بہت خونخوار تھا۔

"وہ۔ وہ میرا چچا اور۔ میرا خون خراب نہیں ہے۔" خلیل نے کراہتے ہوئے کہا۔ "کیا مطلب ہوا اس کا؟"

"اگر مجھے خان زورات کے بارے میں معلوم ہوتا تو میں خود بھی ہاتھ پر ہاتھ رکھے نہیں بیٹھا رہتا۔" خلیل نے کہا۔

"تمہارے خیال میں خان زورات کو کس نے اغوا کیا ہے؟"

"ہاتھ تو چھوڑو۔ تو۔ ہاتھ۔"

"پہلے جواب۔"

"امیر کمبار نے۔ اس کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔"

"ہوں۔" طالوت نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ خلیل اب بھی درد سے کراہ رہا تھا۔

"کہاں رکھا ہے امیر کمبار نے خان زورات کو؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"پھر کس۔" طالوت غرایا۔

"سچ کہہ رہا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم۔ اگر معلوم ہوتا تو میں اسے چھڑانے کی کوشش ضرور کرتا۔ میرا اس سے اسی بات پر اختلاف ہو گیا ہے۔"

"تم مجھے پوری کہانی سناؤ گے۔" طالوت نے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"کیا۔ کیا یہ مر گئے؟" اس نے پھر اپنے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"ایک بھی نہیں مرا۔ فکر مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔"

اور خلیل بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر اب بھی تکلیف کے آثار موجود تھے۔ "ایک گلاس۔ ایک چپک لے لوں۔" اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

"ہو میری جان۔ ایک میری طرف سے بھی۔" طالوت چہکا۔ اور خلیل نے گلاس میں شراب انڈیلی۔ پھر اس نے چند ہی گھونٹوں میں معدے میں اتار لیا۔ اور پھر ہونٹ چوستا ہوا طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی نگاہیں دروازے کی طرف بھی اٹھ جاتی تھیں۔

"تمہاری مدد کو اگر پوری فوج بھی آ جائے تب بھی تمہیں ہمارے چنگل سے نہ چھڑا سکے گی۔ کیا سمجھے؟" طالوت نے کہا۔

"مگر تم ہو کیا بلا؟" خلیل جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"اصلی نام فریوز۔ تربوز۔ عرفیت پانسہ پلٹ نمبر ایک اور نمبر دو ویسے تم خدائی فوجدار بھی کہہ سکتے ہو۔ ویسے ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ کام کی باتیں کرو۔"

"کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

"خوب۔ ..... نہیں معلوم ہو سکا۔ کیا پھر اٹھانا پڑے گا۔"

"ذلیل مت کرو۔ گولی مار دو۔" خلیل خان غرایا۔

"ذلیل کرنا مقصود نہیں ہے دوست۔ لیکن تم بھی تو تعاون کرو۔"

"خان زورات کے اغوا میں میرا ہاتھ نہیں ہے۔"

"تم نے امیر کمبار کا نام لیا تھا۔"

"ہاں۔ مجھے شبہ ہے۔ اسی نے خان کو اغوا کیا ہے۔"

"کیسے شبہ ہے؟"

"پہلے وہ۔ یہ کام میرے ذریعے چاہتا تھا۔"

"کیوں۔"

"وہ خانم کے خلاف سازش کرنا چاہتا تھا۔ خانم کے خاندان سے اس کی پرانی دشمنی ہے۔ میں بھی اس کے قریب

میں آیا تھا۔ اور اس کے فریب میں آ کر میں نے ایک گناہ کا ارتکاب کیا۔"

"وہ کیا گناہ تھا؟"

"میں نے کسی کو نہیں بتایا۔" خلیل غرایا۔

"مجھے بتا دو میری جان۔ کسی سے کتنے تھوڑی جا رہا ہوں۔"

"میں نے اپنی ماں کو بدنام کیا۔"

"کیا مطلب؟"

"میں نے اپنی زبان سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن میں نے امیر کھبار کی پھیلائی ہوئی افواہ کی تردید بھی نہیں کی۔"

"اول اول تکلوت کرو۔ صاف کہو۔"

"خانم میری ماں ہے۔ میں نے کبھی امت بری آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن امیر کھبار۔ مکار انسان نے میرے اور اس کے تعلقات کی افواہ پھیلائی اور میں نے خاموشی اختیار کر لی۔"

خلیل نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا۔

"امیر کھبار کا مقصد کیا تھا؟"

"برائے کرم۔ برائے کرم اور کچھ مت پوچھو۔"

"ہم تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں خلیل۔ تم نے ہماری دشمنی دیکھی ہے۔ دوستی بھی آزماؤ۔ لیکن اس کے لئے تمہیں ایک ایک لفظ صاف صاف بتانا پڑے گا۔" تکلوت نے کہا۔ خلیل کئی منٹ تک منہ چھپائے روتا رہا پھر اس نے آہستہ آہستہ ہاتھ نیچے گرا دیئے۔

"طویل کہانی نہیں ہے۔ بہت کچھ تمہیں بتا چکا ہوں۔ حالانکہ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ تم کون ہو؟"

"خلیل میں بتا چکا ہوں۔ ہم جو کوئی بھی ہیں۔ نہ تمہارے دشمن ہیں نہ خانم کے۔ نہ خان زورات کے۔ ہم تو سب کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ بالواسطہ اس لئے تمہیں تو یہ نہیں ہونا چاہئے۔"

"تم کوئی بھی ہو۔ طاقتور ہو۔ اور طاقتور بذات خود بہت کچھ ہوتا ہے۔ سنو! جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں ایک لفظ غلط نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر تم میرے بدن کی بوٹی بوٹی کاٹ دو گے تب بھی کچھ اور نہیں معلوم کر سکو گے۔"

"ہم تمہارے اوپر اعتبار کریں گے خلیل خان۔"

"خان زورات میرا احسان چکا ہے۔ اس کی ذات سے نہ صرف مجھے بلکہ کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ مجھے اس سے کوئی اختلاف نہیں تھا۔ لیکن میں امیر کھبار کی بڑی زرمینہ سے محبت کرتا ہوں۔ وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔ ایک بار امیر

کھبار اور اس کے بیٹے زبر خان نے ہم دونوں کو پکڑ لیا۔ زبر خان نے تلوار نکال لی۔ لیکن امیر کھبار نے اسے روک دیا اور مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا ارادہ کیا۔ میں اس کے ساتھ اس کے گھر پہنچ گیا۔ امیر کھبار بڑی دیر سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"زرمینہ سے تمہارے کب سے تعلقات ہیں؟"

"تین سال سے۔" میں نے جواب دیا۔

"کہاں تک پہنچ چکے ہو؟"

"یہ کیسی کی حد؟ کے اندر۔ محبت کی انتہائی منزل تک۔" میں نے کہا۔

"سچ کہتے ہو؟"

"بالکل سچ۔ صورت کی ہر سزا بھگتنے کے لئے تیار ہوں۔"

"زرمینہ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"ہاں۔"

"کیا کر سکو گے اس کے لئے؟"

"جو مجھ سے کہا جائے گا۔"

"تمہاری حیثیت کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ خان زورات کے بھتیجے ہو۔ کیا تم بھی زورات کے خلاف ان سے ہو؟"

"شاید کبھی نہیں۔"

"لیکن میں زرمینہ کی شادی والئی زورات سے کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے لئے کیسے ممکن ہے؟"

"بہت کچھ تو ہر نا ممکن ممکن بن سکتا ہے۔"

"وہ کس طرح؟"

"پہلے تمہیں حلف اٹھانا پڑے گا کہ جو کچھ کہوں گا اسے راز رکھو گے۔ اس پر اتنی طرح عمل کرو گے جس طرح میں کہوں گا۔ حلف اٹھائے بغیر کچھ ممکن نہیں۔"

میں زرمینہ کی محبت میں اندھا ہو رہا تھا۔ میں نے حلف اٹھا لیا۔ تب امیر کھبار نے مجھ سے کہا "اگر تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی تو نہ صرف زرمینہ سے ہاتھ دھو بیٹھو گے بلکہ تمہیں اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

"مجھے منظور ہے۔" میں نے کہا۔ تب اس نے باقی گفتگو دوسری نشست میں کرنے کے لئے کہا اور زرمینہ سے مجھے ملنے کی اجازت دے دی۔ تم جانتے ہو میں اس کا کس قدر ممنون ہوا ہوں گا۔

اور پھر دوسری ملاقات میں اس نے دل کا حال کھول

دیا۔ اس نے کہا وہ زورات کی حکومت حاصل کرنے میں میری مدد کر سکتا ہے اور پھر اس نے پورا پروگرام بتایا۔ پروگرام کے تحت ہمیں سب سے پہلے خانم آف زورات کا پتہ کاٹنا تھا۔ اسی سے خطرہ ہو سکتا تھا کیونکہ اس کا خاندان بہت بااثر تھا۔ خان زورات کی موت کے بعد خانم کا خاندان برسراقتدار آ سکتا تھا۔ بڑی خان زورات کی لڑکی عرفیا تھا۔ اس کی کوئی آواز نہیں تھی۔ خانم خان زورات سے اپنے خاندان کے لئے کوئی وصیت لکھوا سکتی تھی۔

زورات کی حکومت بہت دلکش تھی روحتواد پھر میری محبت بھی مجھے کھینچ رہی تھی۔ میں تیار ہو گیا اور میں نے اس پروپیگنڈے کی کوئی تردید نہیں کی جو میرے اور خانم کے بارے میں شروع ہوا۔ یوں میں نے اپنی ماں کو بدنام کیا۔ لیکن خان زورات کے اغوا کا پروگرام مجھ سے بھی پوشیدہ رکھا گیا۔ میں نے امیر کھبار سے رابطہ قائم کیا۔ تو اس نے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ خان کے اغوا میں اس کا ہاتھ نہیں ہے۔ میں نے اس سے سخت الفاظ میں کہا کہ خان زورات مجھے میرے چچا کو فوراً برآمد ہونا چاہئے۔ تو اس بات پر میری اس سے تکرار ہو گئی۔ یہ ہے کل داستان۔ اور اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے۔"

"ہوں۔" تکلوت نے گردن ہلائی "خانم کے خلاف پروپیگنڈہ مہم کس نے شروع کی ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔" خلیل نے کہا۔

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" تکلوت نے پوچھا۔

"میں سخت الجھن میں ہوں۔ ایک طرف چچا ہے۔ دوسری طرف محبت۔"

"خان زورات کے اغوا کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا شبہ امیر کھبار کی طرف ہے۔"

"کیا وہ اتنی طاقت رکھتا ہے؟"

"وہ ہے۔ دولت مند ہے اور دولت ہر طاقت پیدا کر دیتی ہے۔"

"ہوں۔" تکلوت نے کہا۔ "میرا دوست مشورہ دیتا ہے کہ ہم اس معاملے میں فوری طور پر خان زورات کو تلاش کریں گے۔ ممکن ہے تمہارا شبہ درست ہی نکلے۔ آؤ میرے ساتھ۔"

"میں تیار ہوں۔" خلیل کی میرے خان کے لئے یہ اہمیت کم ہے کہ میں تمہارے بارے میں سوچ سکوں۔"

"ہم خدا ان کو چار کے حدود اربعہ میں ہیں۔ ہمارا تعلق زورات سے نہیں ہے۔ بس اس کے علاوہ اور ہمیں

ہٹنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہاں عرفیا کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"خوبصورتی" سب سے چالاک ہے۔ خانم سے خار کھاتی ہے اور بس۔"

"ٹھیک ہے۔ اجازت دو۔ بہت جلد تم سے ملاقات کریں گے۔" تکلوت نے کہا اور پھر میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر واپسی کا اشارہ کیا اور پھر ہم دونوں محل ہی سے نکل گئے۔

"کیا خیال ہے حارث؟"

"افواہ کی داستان ہے۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ہے ہے۔ لیکن میرا خیال ہے خلیل وہ آدمی نہیں ہے۔"

"کون تھا؟"

"زورات جیسا دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آواز۔"

"ہاں۔ وہ آواز خلیل کی نہیں تھی۔"

"پھر۔"

"کچھ بھی ایک معمہ ہے۔"

"امیر کھبار؟"

"ہاں۔"

"اسے بھی دیکھ لیں گے۔ آخری صورت ہے۔ اطمینان سے دیکھیں گے تو۔ آؤ شام ختم۔ واپس چلیں۔" اور ہم وہاں سے ٹھانے کی طرف چل پڑے۔ دروازے پر پہنچے تو اندر سے ہنگامے کی آواز آ رہی تھی۔ ہم دونوں ٹھٹھک گئے۔

"یہ کیا ہے۔" تکلوت نے کہا۔

"معلوم ہے۔"

"دو شمال کی طرف لے۔" تکلوت آہستہ سے بولا اور خود بھی ٹانگوں سے دوڑنے لگا۔ میں نے بھی دوڑ لگا دی۔ ہم ٹھانے کے اوپر والے حصے میں پہنچے۔ یہاں سے اندر کے حصے صاف دکھائی دیتے تھے۔ وہاں کے اندر کی طرف سے ہنگامہ برپا تھا۔ ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی اور قیدی بکل آزاد تھے۔ وہ پہرے کا چابک لئے ہر طرف دوڑ رہے تھے۔ ایک گوشے میں انہوں نے کچھ لکڑیاں جمع کر لی تھیں۔ کمرے کے درمیان دہکتا ہوا الاؤ بنی ہوئی تھی۔

"میں تمہیں صورت دکھا کر کروں گا۔" ارغشے بہادر۔ "میری بن آہٹ ہے۔ وہ ایسا ہی آدمی تھا۔ کہ تک تک میری قتل سے نہیں ہٹے گا۔ اب تاک ارادوں کی تمہیں نہ

کر سکیں۔"

"میں تیری کھال ادھیڑ دوں گا۔"

"تو بول سے۔ چپ بھی نہ کر کے گلا کاٹ کر من لے رشتے میں احسان نہیں ہوں۔" دانشور غضبناک آواز میں بولا۔ دانشور غضبناک آواز میں بولا۔

"دانشور۔ کیا کہا تھا میں نے تجھے ٹھیک کر دوں گا۔"

"وہ یقیناً لیتا ہی ہوگی جو میری ماں اور تیری بہن تھی۔"

رشتے نے چاپ والا ہتھ اٹھایا۔ لیکن دانشور کے چہرے پر کوئی تبدیلی نہ پیدا ہوئی۔ وہ تنی کھڑی رہی۔

"رک جاؤ رشتے۔ یہ لڑکی قتل ہونی ہے۔ میں اسے سمجھاؤں گی۔" بوڑھی عورت نے کہا۔

"ابھی اور اسی وقت سمجھا لے۔ ورنہ میں اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔" رشتے نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"یہ بے غیرت مجھے کیا سمجھائے گی۔ تجھے جو کچھ کرنا ہے ابھی کر لے۔" دانشور دہاڑتے ہوئے بولا۔

"اگر کام نہ کرے گی تو کھائے گی کیا۔" بوڑھی بولی۔

"میں تیری روٹی پر لعنت بھیجتی ہوں۔"

وہ لوگ بہت امیر ہیں دانشور۔ اگر تو ان میں سے کسی ایک کو پٹا لے تو وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

"خاموش رہ ذلیل کتیا۔ ورنہ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔"

"طالوت۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ہوں۔" طالوت کی آواز بہت سنجیدہ تھی۔

"یہ ہمارا ہی ذکر خیر ہے۔"

"میرا خیال ہے ان لڑکیوں کو ان دونوں خبیثوں سے نجات دلا دی جائے۔" طالوت آہستہ سے بولا اور پھر ہم دونوں رشتے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جو بھیانک انداز میں دانشور کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے دانشور کے نزدیک پہنچ کر چاپک اٹھایا اور اسی وقت طالوت نے ہاتھ ہلا دیا۔ اس کا ہاتھ کافی لمبا ہو گیا تھا۔ چاپک اس نے پکڑ کر ایک زوردار جھٹکا دیا اور رشتے اوندھے منہ گر پڑا۔ وہ حیرانی سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا پھر وہ خونخوار انداز میں اٹھا۔

"تو نے تو چاپک پکڑا تھا۔ میں نے۔" اس نے وحشیانہ انداز میں چاپک گھمایا۔ لیکن اس بار چاپک دانشور کے بجائے بوڑھی کے بدن پر پڑا۔

بوڑھی کی چیخ کافی دیر تک سنائی دیتی رہی۔ "اے میرے

مولا۔" بچاؤ۔" وہ دروازے کی طرف لپکی۔ لیکن رشتے نے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بوڑھی پر وار کیا تھا اور بوڑھی چیخ چیخ کر رشتے کو چابک مار رہی تھی۔ پھر تو رشتے کا چابک تھا اور بوڑھی تھی۔ وہ بچوں کے سے انداز میں اسے مار رہا تھا۔ دانشور منہ پھاڑے اس کے نزدیک جا کھڑی ہوئی تھی اور بوڑھی چیخیں بہت اونچا اڑا رہی تھیں۔

لیکن رشتے اندھا ہو گیا تھا۔ وہ غصے و غیرت سے عاری ہو گیا تھا۔ اپنی دانست میں وہ دانشور کو مار رہا تھا۔ لیکن بیہودہ بوڑھی کی آئی ہوئی تھی۔ بارہ زبانوں کا خونخوار چابک اور رشتے کا قوی ہیکل جسم بوڑھی کے بدن سے محاورتاً نہیں حقیقتاً کھال اتار رہی تھی۔ وہ لہولہان ہو گئی تھی۔ اب اس کی چیخیں بھی مدھم ہوتی جا رہی تھیں۔

اور پھر اس نے تڑپ تڑپ کر دم توڑ دیا۔ تب رشتے کا خون سرد ہوا۔

"میرے ارادات سے منحرف تھی کمینی کہیں کی۔" وہ بڑبڑایا اور پھر اس نے دانشور کی طرف دیکھا اور اس کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ "وہ کھلوں کے سے انداز میں ہوا۔ "تو زندہ ہے۔" اس کا مخاطب دانشور تھا۔ پھر اس نے اسی انداز میں بوڑھی کی طرف دیکھا۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کیا ہوا؟ ارے۔ ارے۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بوڑھی کے نزدیک بیٹھ گیا۔ "یہ۔ یہ کیا ہوا۔ ارے یہ میں نے کیا کیا۔ میں نے اپنی بہن کو قتل کر دیا۔ ارے۔ میں نے یہ میں نے۔" اور پھر وہ زور سے چیخا۔ "میں نے اپنی بہن کو قتل کر دیا۔"

اور اس کے بعد وہ یکایک اٹھا۔ دوڑا ہوا، چیختا ہوا باہر نکل گیا۔

"تی الحال یہی کافی ہے۔ اگر اس کا انجام مناسب نہ ہوا تو پھر ہم خود اسے گھر پہنچا کر آئیں گے۔" طالوت نے کہا اور پھر میری طرف دیکھ کر بولا۔ "تو اب یہاں رکنا بیکار ہے۔ بہت ممکن ہے وہ تجھ خود پر ہی مناسب نہ ہو گئے۔ اسے گھبرا کے بھی آج ہی بات کرنی ہے۔"

"جیسا مناسب سمجھو۔" میں نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور پھر میں بھی طالوت کے ساتھ نکل آیا۔

باہر مجمع جمع ہو رہا تھا۔ رشتے کو لوگوں نے پکڑ لیا تھا۔ اس کے لباس پر خون کے چھینٹے تھے۔

"بچاؤ۔ وہ جنسی ہوا ہے۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں وہاں سے کافی دور نکل آئے۔ "یہ تمہیں محسوس کر رہے ہو؟" تھوڑی دیر کے بعد طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ یہ۔ یہ۔ یہ

تھے داروغہ بھی ایک خوفناک آدمی تھا۔ اس نے سوالیہ انداز میں ہماری طرف دیکھا۔

"یہ دونوں اندرونی محل میں کھڑے تھے خان۔ فضول بکواس کر رہے تھے۔"

"اندرونی محل میں۔ اور وہ وہاں کہاں مرگئے تھے؟" داروغہ نے پوچھا۔

"انہیں پتہ ہے کہ اندر داخل ہوتے ہوں گے۔"

"یا بکواس ہے۔ وہ ان کے بچکنے میں آگئے۔"

"ہم کچھ کہہ سکتے ہیں جناب۔"

"سب کو میرے سامنے حاضر کرو۔"

"ہم رفع عادت کرنا چاہتے ہیں۔" طالوت نے نقیبوں کے سے انداز میں کہا۔

"کیا؟" داروغہ چلایا۔

"بہت بری عادت ہے خان۔" طالوت مسکرایا۔

"کیا بک رہے ہیں یہ؟"

"یہی بکواس وہاں کر رہے تھے خان۔"

"ڈنڈے مار مار کر درست کرو۔ اسلحہ تو نہیں ہے ان کے پاس؟"

"بہت سا اسلحہ ہے خان۔ مگر رفع عادت۔"

"اوہ۔ گدھو۔ انہیں بیت الخلا لے جاؤ۔ خود ان کے سر پر کھڑے رہو۔"

"شرم آنے کی تان۔" طالوت مسخرے پن سے بولا اور لوگ پھر ہنس پڑے۔

"لے جاؤ۔" داروغہ دہاڑا۔ اور وہ بادل ناخواستہ ہمیں پھر دھکے دینے لگے۔

"دوشالہ۔" طالوت نے آہستہ سے مجھ سے کہا اور آنکھ ماردی بہرحال ہمیں الگ الگ دو بیت الخلا میں پہنچا دیا گیا۔ اور اندر داخل ہو کر میں نے دوشالہ اوڑھ لیا۔

طالوت بھی باہر نکل آیا تھا اور ہمارے نگراں اپنی دانست میں ہمارے چوکنے کھڑے تھے۔ طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور ہم خاموشی سے آگے بڑھ گئے۔ "اس شرارت کی کیا ضرورت تھی؟" میں نے کہا۔

"صاف نہیں تو۔" طالوت نے بچوں کے سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا "اب وہ بیت الخلا کی نگرانی کرتے رہیں گے۔"

میں نے گہری سانس لے کر گردن ہلائی۔ کیا کہہ سکتا تھا۔ اس خوفناک معصوم کے بارے میں۔ محل کے اندرونی حصے میں داخل ہو کر ہم امیر کبار کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔

"یار۔ یہ محل بھی خان زوہرات کے محل سے کسی طرح کم نہیں ہے۔"

"ہاں۔ امیر کبار معمولی حیثیت کا انسان نہیں معلوم ہوتا ہے۔"

"اب کہاں بھٹکیں۔ اے۔" طالوت نے ایک ملازمہ کو آواز دے لی اور ملازمہ اس کے قریب پہنچ گئی "امیر کہاں ہیں؟"

"اپنی نشست گاہ میں۔ مگر آپ کون ہو؟"

"ہم سب جاسوس ہوتے ہیں۔ ہر ایک یہی سوال کرتا ہے۔"

"کیا امیر نے تم سے ملنے کی خواہش کی ہے۔"

"نہیں تو کیا ہم تمہاری شادی کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں؟" طالوت نے کہا اور ملازمہ جھینپ گئی۔ پھر وہ ہمیں ساتھ لے چلا اور ایک خوبصورت دروازے پر رک گیا۔

"امیر اندر ہیں۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" ہم نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگئے۔ اندر بھی صرف تین آدمی تھے۔ امیر کبار اور دو آدمی۔ جو حفاظتی سے معلوم ہوتے تھے۔ امیر کبار حقہ پی رہا تھا۔ خاصا بارعب آدمی تھا۔ ہمیں دیکھ کر وہ تینوں چونک پڑے۔ امیر خاموشی سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔ ہم اس کے قریب پہنچ گئے۔ امیر نے اس پر بھی کچھ نہ کہا۔ لہٰذا اس کے دونوں ساتھیوں نے پستول نکال لئے تھے۔ امیر نے انہیں اشارے سے روکا اور نرم لہجے میں بولا۔ "میں تمہیں نہیں جانتا۔"

"امیر کبار آپ ہی ہیں؟" طالوت نے مسکینیت سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"ہم آپ کو قتل کرنے آئے ہیں۔" طالوت اسی سادگی سے بولا۔

"کیا؟" امیر کبار کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں۔ ہمیں باہر سے بلایا گیا ہے اور معقول معاوضے پر آپ کے قتل کا کام سونپا گیا ہے۔"

امیر کبار کے دونوں ساتھی کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے پستول ہماری گردنوں پر رکھ دیئے اور پھر جب انہوں نے ہمارے لباس کی تلاشی لی۔ تو ان سے کچھ نہ کہنے کا سوال ہی نہیں تھا۔

"یہ کیفیت ہے؟" امیر کبار نے اپنے آدمیوں سے پوچھا۔

"خائن ہیں۔" انہوں نے جواب دیا۔

"پاگل معلوم ہوتے ہیں۔ مگر یہاں داخل کیسے ہوگئے؟" امیر کبار نے کہا۔

"پتہ نہیں خان۔ پہرے داروں کو سزا دینی چاہئے۔"

"گدھو۔ ان سے گفتگو کرنی چاہئے۔" امیر کبار نے کہا اور پھر ہماری طرف رخ کر کے بولا "کس نے تمہیں میرے قتل پر مامور کیا ہے؟"

"خانم آف زوہرات نے۔" طالوت نے جواب دیا۔ مجھے چکر آرہے تھے۔ بہ مشکل طالوت نے مجھے تھام لیا۔ ورنہ میں اپنی شرارت سے باز نہیں آتا۔

"اوہ۔ کیا خانم پاگل ہوگئی ہے؟"

"آپ ان کی سب مانتی نہیں کرتے خان۔ انہوں نے ہمیں پانچ ہزار روپے دیئے ہیں۔" طالوت نے ڈرامائی انداز میں کہا اور پھر وہ امیر کبار کے دونوں ساتھیوں سے مخاطب ہو کر بولا "تم بھی خاموش کھڑے ہو۔ حالانکہ ہماری مدد کے لئے تمہیں بھی بھاری رقم دی گئی ہے۔"

"کیا مطلب؟" وہ دونوں چونک پڑے۔

"یہ بھی ہمارے ساتھی اور خانم کے مددگار ہیں امیر۔ کیا ان کے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔" امیر کبار چونک پڑا۔ وہ بہت بھنور کا شکار ہو گیا تھا اور امیر کبار سے دونوں آدمی بے یقینی میں کبھی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"کیا تم انہیں جانتے ہو داور خان؟" امیر کبار نے پوچھا۔

"مسخرے ہیں خان۔ ضرور کسی سازش سے تحت آئے ہیں۔"

"ہم تمہاری طرح چور نہیں ہیں۔ دیکھو۔ ہم نے تو صاف صاف کہہ دیا۔ تم یہاں پہنچ رہے ہو۔" طالوت نے کہا۔

"میں تجھے گولی مار دوں گا۔" داور خان نے پستول تان لی۔

"ٹھہرو داور خان۔ سنو تو سہی۔ خانم نے اس سے کیا کہا تھا؟" امیر کبار نے کہا۔

"ہم ان دونوں کو اسی حسن سلوک سے تمام کر کے محل میں بھیج دیں گے۔ اب دیکھو اگر تم نے ہمارے ساتھ کوئی بدسلوکی کی تو ہم اسلحہ نہیں دیں گے۔"

"یہ مطلب ہے ان کا۔" امیر کبار نے پوچھا۔

"دیکھو۔" طالوت نے اپنی جیب سے ایک پستول نکال کر امیر کبار کے سامنے ڈال دیا۔ پھر اس نے دوسری طرف سے ایک اور پستول نکال کر دوسری طرف ڈال دیا۔ اس کے بعد اس نے دو دستی بم نکال کر ان کے سامنے پھینک دیئے اور میری طرف دیکھ کر بولا "اب تم بھی اسلحہ نکال کر ڈال دو۔" میرا دل تو چاہا کہ میں طالوت کے دونوں بے ہودہ کو بہرحال میرے لہجے سے آنکھوں نے پڑھ لیا تھا۔ بہرحال میرے لہجے سے آنکھوں نے پڑھ لیا تھا۔

ان دونوں کے چہرے ہونق ہو رہے تھے۔

"کیوں۔ اب کیا حال ہے۔" طالوت نے ان سے پوچھا جس پر امیر کبار مراقبے سے باہر آیا تھا۔ دوسرے لمحے چار آدمی اندر گھس آئے۔ وہ بھی مسلح تھے۔

"داور خان۔ اسلحہ نیچے رکھ دو۔" امیر کبار نے کہا اور سخت نگرانی میں رکھو۔"

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنا اسلحہ اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

"تم دونوں بیٹھ جاؤ۔" اس نے نرم لہجے میں کہا اور طالوت اطمینان سے بیٹھ گیا۔ میں بھی اس کے نزدیک بیٹھ گیا تھا۔ وہ دونوں اب چپ چاپ کھڑے تھے۔ احتجاج بھی نہ کر سکتے تھے۔

"اب تم سمجھے کہ قتل کرنے آئے تھے تو تم نے اپنا کام کیوں نہیں کیا؟" اس نے پوچھا۔

"ہم نے اس سے پہلے تمہیں نہیں دیکھا تھا۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟"

"تمہیں دیکھنے کے بعد قتل کرنے کو دل نہیں چاہا۔ جانے کی وجہ نہیں کہ کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا۔ وہ تم نے ہماری شکل میں میری مدد کی ہے۔ کیوں تم نے ایسا کیا ہے؟"

"خانم نے اس کام کے لئے تمہیں پانچ پانچ ہزار روپے دیئے تھے؟"

"ہاں۔"

"اسلحہ بھی اس سے ہوگا۔"

"ہاں۔"

"کتنی رقم ہے ہزاروں کی۔"

"دس دس ہزار۔" طالوت نے شوخ حیرت کا اظہار کیا۔

"ہاں۔ ہوسکتا ہے اس سے زیادہ ہو۔" امیر کبار

مسکرایا۔

"تمہارے میں کیا کرنا ہوگا۔ یہ خانم کو قتل کرتا ہے۔"

"نہیں دوست۔ وہ قتل نہ ہو جائے گی۔ تمہاری مدد کی بھی ضرورت پڑے گی۔"

"ہم حاضر ہیں امیر گلبہار۔ کیا نام خانم کے پانچ پانچ ہزار روپے واپس کر دیں؟"

"کیا ضرورت ہے۔ انہیں بھی رکھو۔"

"اوہ۔ بہت شکریہ خان۔ ہمیں کرنا کیا ہوگا؟"

"فی الحال اس کے سوا کچھ نہیں۔ کہ تم محل گلبہار میں معزز مہمانوں کی طرح رہو۔ یہاں تمہیں ہر سہولت حاصل ہوگی۔ سوائے اس کے کہ تم اس وقت تک باہر نہ جاؤ گے جب تک میں نہ کہوں۔"

"ہمیں منظور ہے خان۔" طاوت نے جواب دیا اور امیر گلبہار نے ملازموں کو بلانے کے لئے گھنٹی بجا دی۔ ملازموں کے آنے پر اس نے انہیں دوسرے کمرے میں مخصوص ہدایات دیں اور ملازم ہمیں لے کر محل کے ایک حصے میں لے آئے جہاں ہمیں ٹھہرایا گیا تھا۔ یہاں ہر حال پہرے کی پابندیاں سخت تھیں۔

ملازموں کے جانے کے بعد میں نے دانت پیستے ہوئے طاوت کی طرف دیکھا۔ "کیا چاہتے ہو تم؟"

"کہہ رہے کیا؟"

"صحیح ہی کہہ رہے ہیں۔" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"امیر گلبہار کے مہمان بن کر کیا چاہتے ہو؟"

"یہ کیا بات ہوئی؟"

"یار احمق نہ بنو۔ ہم شکار کے لئے پکڑے گئے ہیں۔ اب باقی کام مشکل نہ ہوگا۔"

"اوہ۔"

"اب میرا دماغ نہ چاٹو۔ اس بار میرے حال دیکھو اور دیکھتے رہو۔"

"تم بہت بگڑے ہوئے ہو۔ میں نے کہا تھا۔"

"یہ بات نہ کرو۔" طاوت نے مسکراتے ہوئے

"کیا بات ہے؟"

"یقیناً۔ اسے سب کچھ علم ہے۔ لیکن وہ واقعی نیک انسان ہے بالکل بے بس ہے۔ سازشی ذہن نہیں رکھتا۔"

"امیر گلبہار کا مقصد؟"

"یہ خان دوست کو بھی نہیں معلوم۔"

"تم نے معلوم کیا؟"

"ہاں۔" طاوت مختصراً بولا۔

"تو پہیلیاں کیوں بجھا رہے ہو۔" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہی اقتدار یار۔ اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔" طاوت نے بھی برا سا منہ بناتے ہوئے کہا "جیسے ہیں تمہاری دنیا کے انسان ہر مخلص دوست اور اقتدار کے لئے ہی رہا ہے۔"

"تو مجھ سے کیا کہہ رہے ہو۔ میں کیا کروں؟" میں نے چڑ کر کہا۔

طاوت میری شکل دیکھتا رہا پھر ہنس پڑا "ناراض ہو گئے بھائی جان۔" اس نے کہا۔

"تم مجھے میری دنیا واپس نہ دلا دو۔"

"ناراض ہونے کی تو معافی چاہتا ہوں۔ لیکن ان لوگوں پر غصہ آتا ہے انسانی زندگی کی اخلاق محبت کی چیخی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے امیر گلبہار صرف اقتدار کے لئے کتابیں جیل رہا ہے۔ سمجھے۔"

"کھیل کیا ہے؟"

"اس کی تفصیل بھی پردہ راز میں ہے۔ لیکن تم فکر مت

کرو۔ بہت جلد ہم سے رابطہ کر لیں گے۔ بہت جلد سارے ساتھی ہم سے مل جائیں گے۔ طاوت کچھ خیال انداز

"کام کیا ہے اب؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ویسے ہم یہاں قیدی بھی نہیں ہیں۔ محل میں گھوم پھر سکتے ہیں۔ شہر کی سیر کر سکتے ہیں۔"

اور میں تیار ہو گیا۔ ہم دونوں مختلف حصوں سے ہوتے ہوئے ایک بار پھر باغ میں پہنچ گئے اور اتفاقیہ طور پر ہی ان محافظوں نے ہمیں دیکھ لیا جنہیں ہم باغ میں چھوڑ آئے تھے۔ وہ ہمیں دیکھ کر آگے بڑھے۔

پھر آگے۔ وہ تھے اور ہماری طرف دوڑ پڑے۔ دونوں نے ہمیں پکڑ لیا۔

"یہ بات ہے۔" طاوت سخت لہجے میں بولا۔

"آپ کے نمک حلال سپاہی۔" ایک محافظ بولا۔

"بکواس کرتے ہو۔ چھوڑو ہمیں۔" طاوت نے جھلا دیا اور محافظ اسے منہ چڑاتا ہوا۔ ہمیں گھورتے ہی وہ چلا گیا تھا۔

"جھک مارو۔ بھاگ نہ پاؤ گے۔"

بہت سے دوسرے لوگ بھی تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جنہیں امیر گلبہار نے ہماری خدمت کا حکم دیا تھا۔ ہمیں ضرورت نہ پڑی۔ وہ خود ہی ان سے الجھ گئے۔

"یہ تمہارا دماغ خراب ہے۔ یہ امیر کے مہمان ہیں۔"

امیر کے مہمان ہیں۔ وہ دونوں سہم گئے۔

"ہم۔ قابل احترام مہمان۔"

ہاں۔ لیکن یہ خود ہی ہیں جو بیت الخلاء سے بھاگ گئے تھے۔"

"پاگل ہو تم لوگ۔ دونوں معافی مانگو ان سے۔" اور وہ ہمارے سامنے گڑگڑانے لگے۔ طاوت مسکراتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا۔

"کیا کوئی حرکت ایسی ہی کرتے ہو کہ بس۔"

"میں حرکتوں میں تو نہ دیکھو۔" طاوت نے کہا اور ہم باغ کے مغربی حصے تک پہنچ گئے۔

طاوت پر نہ جانے کیا بھوت سوار تھا۔ ساری دنیا سے ہٹ کر ہم دونوں کی تگ و دو تھی۔ کھانے پینے کے لئے بہت کچھ موجود تھا۔ کوئی کام نہ ہونے کی وجہ سے طاوت ان کی حرکتیں کرتا رہتا۔ محل کے محافظ اس سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔ تین دن گزرے تھے۔ اس دوران

پھر ہمیں ایک خفیہ راہداری ملی۔ اگر وہ ہمیں نہ ملتی تو یہاں امیر گلبہار کے محل میں انجمن خاصی دور تک جا سکتی تھی۔ وہ راہداری طاوت کی تجربہ کار سماعت نے ہی تلاش کی تھی۔

پریشان ہم بیٹھا تھا کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی اور پھر کسی نے دستک دی۔ یا شامت میں نے دل ہی دل میں ڈرتے ہوئے دروازہ کھول دیا۔ وہ ملازم تھے۔ اسلحہ ان کے پاس تھا۔

"چائے پیش کر دی جائے جناب؟" ایک ملازم نے پوچھا۔

"ہاں۔ لے آؤ۔" میں نے بھی سے جواب دیا اور ملازم لوٹ گئے۔ شکر ہے۔ اندر نہ آئے۔ دراصل طاوت کو دیکھ کر ہی ہتھ بھی ہو جاتے تھے۔ پھر وہ لوٹ آئے۔ میں نے دروازے سے ہی لے لی تھی۔ ٹرے میں چائے کی پوزیشن میں تھا۔ دل کی کیفیت بھی درست نہ تھی۔ سوچ رہا تھا کہ کس حیثیت سے پیش کروں۔

پھر باقی ملازم پانی کی طرف ہاتھ بڑھا ہی رہا تھا کہ عقب سے ایک ہاتھ آیا اور میری بائیں کنپٹی سے ریوالور آ چپکا۔

"کیا یہ اخلاق ہے۔ میرے لئے چائے نہیں لائی۔"

طاوت کی آواز ابھری اور میں نے طویل سانس لی۔

"تم آ گئے؟"

"کیوں۔ خطرہ تھا؟"

"اب تو ایسا لگتا ہے۔" میں نے بے چارگی سے کہا۔

"چلو۔ اندر چلو۔ فضول باتیں نہ کرو۔" طاوت نے ریوالور ہٹاتے ہوئے کہا۔ میں نے چائے کی ٹرے ملازم کی طرف بڑھا دی۔ میں نے اور طاوت نے ٹرے لے لی۔ ملازم نے ٹرے لے لی۔

"شکریہ۔"

"اب میرا دماغ نہ چاٹو۔ اس بار میرے حال دیکھو اور دیکھتے رہو۔"

"تم بہت بگڑے ہوئے ہو۔ میں نے کہا تھا۔"

"یہ بات نہ کرو۔" طاوت نے مسکراتے ہوئے

"کیا بات ہے؟"

"یقیناً۔ اسے سب کچھ علم ہے۔ لیکن وہ واقعی نیک انسان ہے بالکل بے بس ہے۔ سازشی ذہن نہیں رکھتا۔"

"امیر گلبہار کا مقصد؟"

"یہ خان دوست کو بھی نہیں معلوم۔"

"تم نے معلوم کیا؟"

"ہاں۔" طاوت مختصراً بولا۔

"تو پہیلیاں کیوں بجھا رہے ہو۔" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"وہی اقتدار یار۔ اس کے علاوہ کیا ہو سکتا ہے۔" طاوت نے بھی برا سا منہ بناتے ہوئے کہا "جیسے ہیں تمہاری دنیا کے انسان ہر مخلص دوست اور اقتدار کے لئے ہی رہا ہے۔"

"تو مجھ سے کیا کہہ رہے ہو۔ میں کیا کروں؟" میں نے چڑ کر کہا۔

طاوت میری شکل دیکھتا رہا پھر ہنس پڑا "ناراض ہو گئے بھائی جان۔" اس نے کہا۔

"تم مجھے میری دنیا واپس نہ دلا دو۔"

"ناراض ہونے کی تو معافی چاہتا ہوں۔ لیکن ان لوگوں پر غصہ آتا ہے انسانی زندگی کی اخلاق محبت کی چیخی ان کی نگاہوں میں کوئی وقعت نہیں ہے امیر گلبہار صرف اقتدار کے لئے کتابیں جیل رہا ہے۔ سمجھے۔"

"کھیل کیا ہے؟"

"اس کی تفصیل بھی پردہ راز میں ہے۔ لیکن تم فکر مت

ایک مختصر سی ملاقات امیر گلبار کے لڑکے خراب خان سے ہوئی تھی۔ ایک دفعہ لڑکی کو دور سے دیکھا تھا۔ دونوں خوبصورت تھے۔ ان سے مل ملنے کا کوئی موقعہ نہیں ملا تھا۔

تیسری رات امیر گلبار کے ہاں بڑی چہل پہل تھی۔ بہت سے لوگ نظر آ رہے تھے۔ بڑی پراسراری کیفیات تھیں۔ رات کو امیر گلبار نے ہمیں بھی بلا بھیجا۔

جس ہال میں ہم پہنچے وہاں اچھی خاصی لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ امیر گلبار بھی موجود تھا۔

"میرے نئے دوست۔" امیر گلبار نے ہماری طرف اشارہ کیا۔ انہیں خانم نے میرے قتل کے لئے بھیجا تھا۔ لیکن اب یہ میرے دوست ہیں۔"

"یہ بات عام میں کوئی اور کہیں گے۔"

"یہ سوال ہم بھی ان سے کریں گے۔" امیر گلبار نے کہا اور پھر میری طرف رخ کر کے بولا "دوستو۔ میں نے تم سے جس مدد کی درخواست کی تھی اس کا وقت آ گیا ہے۔ کل شہر کے سب سے بڑے چوک میں میں نے ایک جلسے کا اہتمام کیا ہے۔ یہاں سارے زورات کے عوام پہنچیں گے۔ کل کا دن فیصلے کا دن ہوگا۔ عوام فیصلہ کر لیں گے کہ زورات کی حکمران خانم رہے گی یا کوئی اور ہوگا۔ چنانچہ خانم کے خلاف ہم نے بے شمار ثبوت اکٹھے کئے ہیں۔ اور ان میں تمہاری گواہی بھی ایک حیثیت رکھتی ہے۔"

"ہم ضرور گواہی دیں گے۔" امیر طالوت نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"میں نے جلسہ عام میں خانم خلیل اور عرشیا کو بھی طلب کیا ہے۔ یہ ایک عوامی عدالت ہے اور ان لوگوں کو اس میں شریک ہونا ہے۔ کل دوپہر کا وقت ہوگا۔ پانی پوچھے گا۔"

اس کے بعد میں مختصر طور پر اپنے قتل کی سازش کا حال اور پھر اس کے بعد کے واقعات سنا گیا۔ امیر گلبار نے سارا واقعہ سن کر کہا "دوستو۔ اب کل کے جلسے کی تیاری کرنی ہے۔ آپ لوگ آرام کریں۔ میں خانم کے خلاف ثبوت اکٹھے کرتا ہوں۔ اور طالوت اپنی تیاری کرے۔ کل کے جلسے میں اس کی بڑی اہمیت ہوگی۔"

میرے ذہن میں بہت سے سوال تھے۔ میں نے طالوت سے پوچھا۔ "طالوت۔ تم یہ بتاؤ کہ تم نے خانم کے خلاف ثبوت کیسے اکٹھے کئے؟"

"اس بارے میں کل ہی تم تماشا دیکھو تو بہتر ہے۔" طالوت نے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر میں نے بھرائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں تماشا ہی دیکھوں گا۔"

دوسرے دن ہم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ جلسہ گاہ ایک عظیم الشان میدان پر بنا ہوا تھا۔ بلا مبالغہ سارا زورات امڈ آیا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی سر ہی سر نظر آتے تھے۔ ہم نے اس عظیم مجمع کو دیکھ کر ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے۔ میں طالوت سے بھی تھوڑا بہت بارانس تھا اور میں نے اس سے نہیں پوچھا تھا کہ وہ کیا کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

ہم بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اس عظیم الشان اسٹیج کے عقب میں پہنچ گئے جہاں امیر گلبار نے خانم کے خلاف دوسرے گواہوں کو بٹھایا تھا۔ بڑا زبردست انتظام تھا۔ خود امیر گلبار کے اپنے سپاہی حفاظت بھی موجود تھے۔

ایک لمبی سی موٹر گاڑی میں خانم آئی۔ دوسری میں عرشیا اور خلیل سوار تھے۔ چونکہ یہاں کے اصول کے مطابق یہ عوامی عدالت تھی اس لئے سب کو پیدل ہی جانا تھا۔

اور پھر تمام لوگ خانم کے چہرے پر ہوائیاں اڑتے دیکھ رہے تھے۔ خانم کے چہرے پر باریک نقاب تھی۔ اس میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ عرشیا نے نقاب نہیں کی تھی۔ خلیل نے چہرہ چھپا رکھا تھا۔ وہ بھی ہونقوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ جب امیر گلبار بھی وہاں پہنچ گئے تو امیر گلبار نے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔

"دوستو۔ اصول کے مطابق ہم یہاں ہر ایک کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیں گے۔ اس عدالت کی خاص بات یہ ہے کہ یہاں ہر ایک کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔ اس کے بعد عوام فیصلہ کریں گے۔ میرے دوستو۔ زورات میں ہر ایک کو اپنی صفائی پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد عوام فیصلہ کرتے ہیں۔ اس سے پہلے کہ ہم خانم کے خلاف ثبوت پیش کریں۔ میں خانم سے پوچھتا ہوں کہ وہ اپنی صفائی میں کیا کہنا چاہتی ہے۔"

خانم نے اپنی جگہ کھڑے ہو کر کہا۔ "میرے دوستو۔ میرے خلاف جو الزامات لگائے گئے ہیں۔ وہ سب جھوٹے ہیں۔ میں نے زورات کی بہتری کے لئے بہت کام کئے ہیں۔ میرے خلاف سازش کی گئی ہے۔ میں اس سازش کا پتہ لگا لوں گی۔ اور سازش کرنے والوں کو سزا دوں گی۔ میرے دوستو۔ میں نے زورات کی بہتری کے لئے بہت کام کئے ہیں۔ میں نے زورات کی ترقی

ایک لوہے بلوائے۔ زورات خان زورات کے لڑکے۔ ان کے بیرو خلیل کا قتل بھی تھا۔ یہ لڑکا میرے ذہن میں اصل اسلیم بنا رہا تھا۔ میں خلیل کو بھی، جسے میں رحم دل قرار دیا چاہتا تھا یہ کہ میری امن پسند کار خان زورات کی لڑکی عرشیا بھی، جو میری دست راست تھی۔ عرشیا خانم سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور اسی محبت سے تحت وہ میرے لئے کام کرنے پر آمادہ ہوئی تھی۔ میرا پروگرام تھا کہ خلیل خان زورات اور خانم کی موت کے بعد عرشیا ہی اس خاندان کی واحد نگران ہے۔ چنانچہ میں خراب خان سے اس کی شادی کروں گا اور اس طرح حکومت میرے خاندان میں آجائے گی۔ یہ جامع پروگرام میرے ذہن کی پیداوار تھا اور یوں سمجھو کہ کسی کو کانوں کان اس کی خبر نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن میرے دوست کی خواہش ہے کہ میں سچ باتوں سے۔ میں نے حقیقت تمہارے سامنے پیش کر دی۔" میر گھبار خاموش ہو گیا۔

تو میر پر سکتے کی سی کیفیت طاری تھی اور میں محررہ انداز میں طالوت کو دیکھ رہا تھا۔ تو یہ تھا طالوت کا پروگرام۔ خانم، خلیل، عرشیا ہر ایک سکتے کی سی کیفیت میں مبتلا تھے اور امیر گھبار خاتخانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"اس کا مقصد ہے امیر گھبار، سازش تم نے کی ہے۔" ایک سرحدی سردار گھرک کر بولا۔

"ہاں۔ تمہارا خیال درست ہے۔" امیر گھبار نے گردن جھکا کر کہا۔

"بالکل۔"

"تم نے خان زورات کو اغوا کیا ہے؟"

"ہاں۔ میرے ساتھیوں نے یہ کارنامہ انجام دیا ہے۔"

"خان زورات زندہ ہے۔"

"ہاں۔ میں نے اسے اس وقت تک کے لئے زندہ رکھا ہے جب تک میرا یہ مکمل حور پر نگران نہ بن جائے۔ کچھ ضروری باتوں میں اس کی ضرورت پڑے گی۔ اس کے بعد میں اسے قتل کر دوں گا۔"

"تم نے خان زورات کو اغوا کیا۔ خلیل کو قتل کیا۔ عرشیا کو دھوکہ دیا۔ خانم کو دھوکہ دیا۔ تم نے ان سب کے ساتھ بہت برا کیا ہے۔" ایک سرحدی سردار نے کہا۔

"میں نے کچھ نہیں کیا۔ میں نے صرف اپنے مقصد کے لئے کام کیا ہے۔ میرا مقصد ہے۔ میرا مقصد ہے۔ میرا مقصد

ں نے کہا۔
"ہمیں تو ابھی یہاں سے دور نکل جانے
سے پہلے اپنی حفاظت کرنی ہے۔" میں نے کہا۔
"ہمیں سے تو" طالوت آگے بڑھ گیا۔ لگے ہوئے
قوی ہیکل درخت تھے" یہ بتاؤ ہے ان گودنداں کچور شیر
نے تیرے دادا حضانی کے بارے میں؟"
"مجھے لگتے ہیں۔ یہ ہاتھی ہے؟"
"نام کیا ہے؟"
"اندازہ ہوتا معلوم ہوتی ہے۔" میں نے کہا اور
طالوت ہنسنے لگا۔ ہمیں چلتے ہوئے کچھ وقت ہو گیا تھا۔
ہم ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ یہاں بھی ہر
طرف ہاتھی کے مجسمے تھے۔ پتھروں کو چھو رہا تھا۔ بعض
مجسمے بہت بڑے تھے۔ ان کے سر گنبد سے لگتے تھے اور
درمیان میں بھی بڑی چوٹیاں لٹک رہی تھیں۔
اچانک۔ "طالوت شرارت آمیز انداز میں مسکراتے
ہوئے بولا۔
"ہوں۔"
"یہ کیا ہے؟"
"پتھر ہے ہاتھی ہیں۔ مندروں کے پجاری ہوتے ہیں
بڑے ہیں ان لوگوں کے۔"
"خوب۔ بڑی عمدہ چیزیں ہیں یہ تو ہم انہیں اپنے ساتھ
لے جائیں گے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں
چاروں کی شامت آ گئی۔ میں نے دل میں سوچا۔ ہر حال طالوت کی
اس بات کا میں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ "یہ بتاؤ۔ دیوتے
ہیں نا؟"
"ہاں۔"
"کس قوم کے ہوں گے۔ میں ان کے بارے میں جاننا چاہتا
ہوں۔"
"پتہ نہیں۔"
"بہت ہی خوب۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔ میں
اس کے چہرے پر ان میں کوئی خاص مسرت یا دلچسپی نہیں دیکھ سکا تھا۔
"تو پھر آج کا دن انہی کے ساتھ گزارا جائے۔ پھر کل دیکھیں
گے۔"
"بھئی تمہاری مرضی۔" میں نے شانے اچکا دیئے۔ تمام
بے خوفی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ وہی قوم
طالوت پہچانتا تھا۔ ہم مجسمہ انسان کی پوجا کرتے رہے۔ لوگ
مشعلیں لے کر آتے۔ پھول اور پھل چڑھاتے اور دیوی
دیوتاؤں کے پاؤں پر چڑھاتے رہتے تھے۔ یہ بات اس
پیشانیوں پر چندن اور تلک لگا رہے تھے۔ وہ لوگ
عجیب عجیب قسم کے ہوائیں اڑا رہے تھے۔
"یہ ان کی تخلیق ہے۔ کسی کاریگر نے ان مجسموں میں سے
ہم نہیں ہے۔"
"مجسموں کے بارے میں کچھ کہہ رہے ہو۔" میں نے کہا۔

"ظاہر ہے یہ سب دیوتاؤں کے پجاریوں کے لئے ہوں
گے۔"
"کیسے کہہ سکتے ہیں۔"
"ہاں میں ان سب کو خوب جانتا ہوں۔ تم مجھے
ان کے عقیدوں کے بارے میں بتاؤ۔" اور مجھے جس قدر
معلوم تھا میں نے طالوت کو بتا دیا۔
"پوجا دنوں وقت ہوتی ہے۔"
"ہاں۔"
"تب پھر آج شام کی پوجا میں شریک ہوں گے۔ اس
وقت تک یہاں کے دوسرے نوادرات بھی دیکھ لیں۔"
طالوت نے کہا اور ہم ہال کے اندرونی دروازے کی طرف
بڑھ گئے۔ یہاں ایک راہداری میں چھوٹے چھوٹے کمروں
کے دروازے تھے۔ ان کمروں میں پنڈت رہتے تھے۔ بڈھے
ننگ دھڑنگ چھوٹی سی دھوتی باندھے تھے۔ جنیو ڈالے ادھر
ادھر آ جا رہے تھے۔ ہم انہیں دیکھتے ہوئے آگے بڑھتے
رہے۔ اور پھر مندر کے اندرونی حصے میں پہنچ گئے۔ ایک
بڑے ہال کے دروازے سے گزرتے ہی ہم ٹھٹھک گئے۔
بے حد حسین و نازنین عورتوں کا جھنگھٹ تھا۔ جو ایک
دوسرے سے چہلیں کر رہی تھیں "عارفہ" طالوت
ہونٹوں کے سے انداز میں بولا۔
"ہوں۔" میں بھی دنیا کے اس منتخب حسن کو دیکھ کر
ششدر رہ گیا تھا۔
"اتنی ساری۔ مگر یہ کون ہیں؟"
"پجارنیں۔" میں نے جواب دیا۔
"ہائے۔ یہ کس کام آتی ہیں؟"
"بڑے بڑے ہوتے ہیں ان مندروں میں۔ یہ دیو
کنیائیں ہیں' دیوی دیوتاؤں کے سامنے رقص کرتی ہیں۔
اور۔ اور۔"
"اور کیا بھی ہوتا ہے۔"
"یہ تو بڑے پجاری ہی جانتے ہیں۔"
"بڑے پجاری بھی ہوتے ہیں؟" طالوت کراہ کر بولا۔
"بہت بڑے ہوتے ہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں
گردن ہلائی۔
"دل تو چاہ رہا ہے خدائی قسم ان سے دوستی کر لیں اور
کریں گے۔ اور عارفہ۔ یہ تو بتاؤ یہ ہیں؟"
"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا بھئی۔"
"دیکھیں سے پہلے یہاں کے رنگ دیکھیں گے۔ کیا
خیال ہے کیوں نہ ہم بھی چند روز کے لئے یہاں رہ جائیں۔
مگر وہ یہ جانے۔ خود کو محفوظ سمجھ رہے ہوں گے۔"
"ہاں۔ ممکن ہے جاننے کے بعد سب کچھ کرنا ہو گا
وہ۔"
"ہیسیں کے پیارے۔ خون بہائیں گے سروں پر۔ اللہ
مالک ہے۔ افوہ اس لڑکی کو دیکھو۔ کیسی اداس بیٹھی ہے۔"
طالوت نے انتہائی حسین اور نوجوان لڑکی کی طرف اشارہ کیا اور
میں اس لڑکی کو دیکھنے لگا۔
کنول سا چہرہ۔ انتہائی پرکشش مخمیں۔ چہرے پر اداسی
کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ دوسری لڑکیاں اسے چھیڑ رہی
تھیں۔ لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں آ رہی تھی۔
"بہت حسین ہے۔" میں نے محرومانہ انداز میں کہا۔
"واقعی بہت حسین ہے۔" طالوت بھی بولا۔
"تو۔ دوسری جگہیں دیکھیں۔" میں نے کہا اور ہم
اس ہال سے بھی نکل گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم نے اندر کا
کونہ کونہ چھان مارا۔ مندر کے عقب میں ایک خوبصورت
اور کافی بڑا تالاب تھا۔ اس کے کنارے ہی بڑے پجاری کی
مالش کرا رہا تھا۔
"اب اپنا ٹھکانہ بناؤ۔" طالوت نے کہا۔
"یہاں کا ماحول بہت خوفناک ہے۔"
"چھ۔ یہاں کے حالات بنے بغیر تو یہاں سے جانا بھی
مناسب نہیں ہے۔"
"تو۔ چھت پر چلیں۔" میں نے کہا اور ہم اوپر جانے
والے زینوں کی طرف بڑھ گئے۔ انہیں ہم پہلے ہی دیکھ چکے
تھے۔ بہت صاف ستھری تھی۔ اب بھی اور عمدہ جگہ تھی۔
طالوت کو بھی اور مجھے بھی وہ جگہ بہت پسند آئی اور ہم نے
وہیں قیام کا فیصلہ کر لیا۔ طالوت ایک بار پھر مسکرانے لگا
تھا اور میں سمجھ رہا تھا کہ اس کے ذہن میں شرارت مرتب
ہو رہی ہے۔
کافی دیر ہم نے وہاں گزاری۔ اور پھر طالوت بولا۔ "یا
یوں ختم ہونی ہوں۔"
"کیا۔"
"تو پھر اب پجاری صاحب کا انتظار کر رہے ہوں گے۔"
"دیکھیں۔" میں نے کہا۔
"آؤ۔" طالوت اٹھ کھڑا ہوا اور ہم دونوں نیچے اتر کر
اس بڑے ہال کی طرف چل پڑے۔ وہ کافی عجیب وقت پر آئے
تھے۔ پجاری سے دیوی دیوتاؤں کے چڑھاوں میں رکھے ہوئے
مختلف پھلوں سے دو سے بیک جلا رہے تھے اور مصالحے اور
پھلوں کا ایک بڑا سا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ طالوت نے معنی خیز نگاہوں

نے میری طرف دیکھا اور پھر اس نے ایک آنکھ دبالی۔
ایک لمحے بعد بت کے پیچھے چھپا ہوا پنڈت مٹھائی تقسیم کرتے تھے اور پھر اس کی تقسیم شروع ہونے والی تھی۔
تقسیم کی فرض سے پنڈے ایک لائن میں کھڑے ہو گئے۔ چار پنڈت مٹھائی کے تھال دونے ان میں تقسیم کرنے کے اور پھر اس کے بعد وہ مٹھائی کی طرف بڑھتے۔ لیکن ہوتی پنڈتوں نے مٹھائی کی طرف ہاتھ بڑھایا' چالاک ایک خوفناک چیخ مار سنائی دی اور ایک انتہائی چوڑے پھن والے سیاہ ناگ نے مٹھائی کے دونوں سے سر نکال لیا۔
"ہا۔ ہا۔ ہا۔" پنڈوں کی آوازیں سنائی دیں اور وہ اچھل کر بھاگے پیچھے رہ گئے پنڈوں نے بھی سن لی تھی۔
"ہرے رام۔ ہرے رام۔ ناگ۔ ناگ۔ دیوتا۔ ناگ دیوتا۔" وہ بھی چیختے ہوئے بھاگے اور اس بری طرح بھاگے کہ مجھے بھی ان سے بچنا مشکل ہو گیا۔ میں بری طرح دیوار سے چپک گیا تھا۔
بہرحال ایک ایک پنڈا باہر بھاگ گیا۔ تب ہاہ ناگ مٹھائی کے ہاتھوں کے درمیان سے نکلے اور بڑے بت کے پیچھے چلا گیا۔ دوسرے لمحے طالوت باہر نکل آیا اور میرے نزدیک پہنچ گیا۔
"تو۔ چلا سب وصول کر لیں۔ چھت پر چلیں گے۔ میرا خیال ہے۔ پنڈے اب اس مٹھائی کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔" میں ہنسے اور پھر ہم نے وہ تمام کی مٹھائی اٹھائی اور اوپر چھت پر آ گئے۔
پنڈے پنڈت بھاگ رہے تھے۔ اس بات میں چاہے کسی بھی نہیں پڑی تھی۔ لیکن ہمیں کسی کی پروا نہیں تھی۔ ہم نے مزے سے مٹھائی کھائی اور پھر آرام سے لیٹ گئے۔
جس وقت ہم لیٹے تھے اوپری ہوا چل رہی تھی۔ مٹھائی کھائی تھی۔ پیٹ بھرا ہوا تھا۔ خنکی تھی اور ہم اس وقت چاند کی روشنی میں نہا رہے تھے۔ ناگوں کا بھی پتہ نہیں تھا۔ شاید وہ سانپ واپس ہو گئے تھے۔ ہم سانپوں کی آواز سن چکے تھے۔
"ہرے رام۔ ہرے رام۔ ناگ۔ ناگ۔ دیوتا۔ ناگ دیوتا۔" وہ بھی چیختے ہوئے بھاگے اور اس بری طرح بھاگے کہ مجھے بھی ان سے بچنا مشکل ہو گیا۔ میں بری طرح دیوار سے چپک گیا تھا۔
بہرحال ایک ایک پنڈا باہر بھاگ گیا۔ تب ہاہ ناگ مٹھائی کے ہاتھوں کے درمیان سے نکلے اور بڑے بت کے پیچھے چلا گیا۔ دوسرے لمحے طالوت باہر نکل آیا اور میرے نزدیک پہنچ گیا۔
"تو۔ چلا سب وصول کر لیں۔ چھت پر چلیں گے۔ میرا خیال ہے۔ پنڈے اب اس مٹھائی کو ہاتھ نہیں لگائیں گے۔" میں ہنسے اور پھر ہم نے وہ تمام کی مٹھائی اٹھائی اور اوپر چھت پر آ گئے۔
پنڈے پنڈت بھاگ رہے تھے۔ اس بات میں چاہے کسی بھی نہیں پڑی تھی۔ لیکن ہمیں کسی کی پروا نہیں تھی۔ ہم نے مزے سے مٹھائی کھائی اور پھر آرام سے لیٹ گئے۔
جس وقت ہم لیٹے تھے اوپری ہوا چل رہی تھی۔ مٹھائی کھائی تھی۔ پیٹ بھرا ہوا تھا۔ خنکی تھی اور ہم اس وقت چاند کی روشنی میں نہا رہے تھے۔ ناگوں کا بھی پتہ نہیں تھا۔ شاید وہ سانپ واپس ہو گئے تھے۔ ہم سانپوں کی آواز سن چکے تھے۔
بال کا منظر دیکھ کر ہم سناٹے میں آ گئے تھے۔ ہزاروں سانپ ہلکی پھلکی قسموں میں دیئے ہوئے تھے۔ دیوتا کی مورتی کے گرد رینگ رہے تھے۔ ان کی آوازیں ہم نے سن لی تھیں۔ انہوں نے بڑا حسین میک اپ کیا ہوا تھا۔ رنگین مخصوص ساخت کے لباسوں میں وہ بہت ہی حسین نظر آ رہی تھیں۔ چہروں پر جگمگاتے ہوئے ستارے ایک عجیب سماں باندھ رہے تھے۔ سازوں کی دھن پر ان کے پاؤں تھرک رہے تھے۔ اور ہال کی فضا بڑی مست کن تھی۔
طالوت نے ہلکے پھلکے ناشتوں سے یہ منظر دیکھا۔ پھر اس کی نگاہیں۔ پنڈوں اور پجاریوں پر جمی رہیں۔ وہ تو حال کی تھپ پر مست ہو رہے تھے۔ ان کی آنکھوں میں سرخی تھی۔ شاید وہ چرس پیئے ہوئے تھے۔ ویسے ہال کی فضا بھی مست تھی۔ طالوت کو بھی چڑھ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ابھر رہی تھی۔ تب وہ بڑے پجاری ہال میں داخل ہوئے اور وہ کنکھیوں سے دیکھنے لگیں۔ خوش وضع پجاری کی مونچھ کی انی تھا۔ فٹ بال کی طرح گول اور گھنا ہوا سر منڈی ہوئی تھی۔ سر کے درمیان ایک چوٹی سی چوٹی لٹک رہی تھی۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ تھیں۔ پھر وہ ایک خاص انداز سے اچھلا اور سازوں کی دھن تیز ہو گئی۔ تب وہ دیوانہ وار ناچنے لگیں اور انہوں نے رقص شروع کر دیا۔ سازوں کی لے کے ساتھ ان کے قدم ہم آہنگ ہو گئے اور پھر ایسے تھرکنے لگے۔ پجاری بھی رقص میں شریک ہو گیا تھا۔ اس کی چوٹی ہوا میں لہرا رہی تھی اور ایک چوٹی سے دوسری چوٹی ٹکرا رہی تھی۔ اس نے بڑے پجاری کے گرد ایک دائرہ بنا لیا تھا۔ اس کے بعد اس نے ہاتھ اور پاؤں ہلانے شروع کر دیئے۔ وہ بھی ان کے ساتھ رقص کرنے لگا۔
اچانک طالوت اپنی جگہ سے غائب ہو گیا۔ میں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ میں دیوتا کے بت کے پیچھے رقص میں مصروف ہونے والی عورتوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس وقت چاند کی روشنی بت کے پیچھے پڑ رہی تھی۔ ناگوں کی آوازیں بند ہو گئی تھیں۔ بت میں ہونے والی حرکت کی وجہ سے ناگ بھی اپنے بلوں میں جا چکے تھے۔ ساز اور رقص کی دلکشی میں میں بھی کھو گیا تھا۔ اچانک میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا۔ میں نے چونک کر دیکھا۔ طالوت میرے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کپڑا تھا۔ اس نے کپڑا میرے کندھے پر ڈال دیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے آنکھ سے اشارہ کیا۔ میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ ہم ہال سے باہر نکل آئے۔ باہر ایک بڑا سا رتھ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ دو گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ طالوت نے رتھ کی باگیں سنبھالیں اور رتھ آگے بڑھا دیا۔
"کہاں جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔
"کہیں نہیں۔ بس ایسے ہی۔" طالوت نے جواب دیا۔
"تو پھر رتھ کیوں لے آئے؟"
"ایسے ہی۔ بس ایسے ہی۔" طالوت نے جواب دیا۔
"کیا مطلب؟"
"مطلب یہ کہ ہم رتھ پر سیر کریں گے۔ کافی دیر تک۔"
"اور پجاری؟"
"وہ بھی ہمارے ساتھ ہوں گے۔"

"میرا دل نہیں مانتا۔ وہ بہت اداس تھی۔ کیا خیال ہے ہم اس سے ملاقات کریں۔"

"ملو گے؟"

"بس دیکھیں گے۔ اس کے بارے میں میرے ذہن میں تجسس پیدا ہو گیا ہے۔ ہم ان کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" اور ہم دیوکنیاؤں کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ لیکن اندر کے مناظر دیکھ کر ہمیں ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے گھومنا پڑا۔

دنیا کا منتخب حسن ہمارے سامنے تھا۔ ہم نے کوئی پاکباز زندگی نہیں گزاری تھی۔

"عارف۔" اس نے مضطرب انداز میں کہا۔

"کیا ہے بھائی تروڑ۔"

"اب کیا کریں؟"

"صبر کرو بھیا۔"

"کل چلو۔"

"ماں باپ کیں گے اب۔"

"ہاں یار۔ میری ماں تو اب جان کو رہی ہیں۔ پیچھے جاؤں۔" طالوت نے کہا اور میں بھی نہ روک سکا۔ لیکن طالوت دھرم سے پیچھا گیا تھا۔

بڑا حیرت ناک منظر تھا۔ لڑکیاں ایک دوسرے سے چھیڑیں کر رہی تھیں۔ وہ خود اپنے حسین جسموں سے بے نیاز تھیں۔ لیکن شاید ایک دوسرے سے شرم بھی ان کے دھرم میں موجود نہیں تھی۔ بہرحال یہ خوفناک کھیل کافی دیر تک جاری رہا اور پھر میں نے طالوت کو مخاطب کیا "بھائی تروڑ؟"

"فرمائیے عالم۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اب انہیں روکو۔"

"کیسے روکیں؟"

"منتر وغیرہ پڑھ کر۔ تم سے تو یہ خلاش نہیں ہو سکے؟"

"میں نے اسے قابو میں کیا تھا۔ مگر کہاں تلاش کریں۔"

"اس میں تو کوئی دقت نہیں ہے۔"

"تم ہاتھ دیکھ لو عارف۔ اس لڑکی میں کوئی خاص بات ہو۔"

"میں بھی یہی چاہتا تھا۔" میں نے کہا اور طالوت کے جانے کے بعد پجاری نے ان لڑکیوں سے کچھ کہا تھا۔ انہوں نے کہا اور خود ایک طرف بیٹھ گئے۔ پھر ایک ایک کر کے باہر نکل گئے تھے۔

اب گھر میں صرف پجاری اور ہم دونوں تھے۔ کوئی نہیں تھا۔ تب پجاری نے ہاتھ اٹھائے۔ بڑے پجاری اب بھی غیر حاضر تھے۔ لڑکی تو چپ تھی۔ مگر نہیں لگتی تھی۔ اس لئے ہم ان کے پیچھے ہی چل پڑے اور ان کے ساتھ ساتھ پجاری جی کی رہائش گاہ میں داخل ہو گئے۔ بڑے پجاری ایک کمرے میں بیٹھ گئے اور پنڈت ان کے گرد گھومنے لگے۔

تب بڑے پجاری نے گردن اٹھا کر سرخ سرخ آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ تم میرے مترو ہو تم میرے ساتھی ہو۔ کیا تم بھی وہی کہتے ہو جو دوسرے کہتے ہیں؟"

"مان لیں مہاراج۔ ہم کسی کو یہ حرکت کرتے دیکھتے اور خاموش رہتے۔ ہم اس کی تھا پوجا کر ڈالتے جو مہاراج کا اپمان کرتا۔" ایک پنڈت نے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ پنڈتوں میں میرے مخالف موجود ہیں۔ خاص طور سے جو گندرپال کے ساتھی میرے دشمن ہیں۔ مگر کیا جو گندرپال ایسا مہان ہو گیا کہ وہ جادو سے کام لے سکے۔"

"ارے اس بھانڈ کے پاس یہ شکتی کہاں ہے مہاراج۔ بھیجیت علی کر دیتے ہیں۔ پال کرنے کوئی سادھو تپسوی ہی بنتے ہیں۔ اس کی مجال ہے کہ ہمارے مہاراج پر وار کر سکے؟"

"پھر وہ تین اور چھ پنڈت۔ کس نے میری چوٹی اس زور سے کھینچی تھی کہ آنکھوں میں تارے ناچ گئے تھے۔ میں سب بول ہو گیا تھا۔"

"مہاراج۔ صبح سے دو بار میں دو دو تھپڑ کھا چکے ہیں۔ صبح کو منڈلی میں ناک ہوتا پھٹا رہے تھے۔ اور شام کو..... یہ واقعہ ہوا ہے۔ میں ناک ہوتا تو ناراض نہیں ہوتے۔" ایک دوسرے پنڈت نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" بڑے پجاری نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کل ہمیں ناک ہوتا کی کیرتن کرانی ہوگی۔ تم لوگ یہ ہوں شروع کر دو۔"

"اوش مہاراج۔ ہم کل تیاریاں کریں گے۔"

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" طالوت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"میں بھی نہیں جانتا۔" میں نے کہا اور طالوت کہنے لگا۔ پھر بڑے پجاری نے ان لوگوں سے کچھ کہا تھا۔ انہوں نے کہا اور خود ایک طرف بیٹھ گئے۔ پھر ایک ایک کر کے باہر نکل گئے تھے۔

اب گھر میں صرف پجاری اور ہم دونوں تھے۔ کوئی نہیں تھا۔ تب پجاری نے ہاتھ اٹھائے اور [illegible]

[illegible] اندرونی دروازہ کھل گیا۔ جس پر پہلے ہم دونوں کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ دروازے سے اندر داخل ہونے والی دو خوبصورت لڑکیاں تھیں۔

"آج تمہاری باری ہے؟" پجاری جی نے پوچھا۔

"ہاں مہاراج۔" دونوں لڑکیوں نے بیک وقت کہا۔

"تمہارا نام ہے؟"

"وسنتی۔"

"اور تمہارا؟" مہاراج نے دوسری لڑکی کو مخاطب کیا۔

"شگفتہ۔"

"تم لوگ دھرن مندر سے آئی ہو نا؟"

"ہاں مہاراج۔"

"ٹھیک ہے۔ بھیں وارو پاؤ۔ آج ہمارا من پریشان ہے۔"

"جو آگیا مہاراج۔" وسنتی نے کہا اور لڑکیاں واپس چل پڑیں۔

"شگفتہ۔" مہاراج نے دوسری لڑکی کو آواز دی۔

"مہاراج۔" وہ رک گئی۔

"تو کہاں جا رہی ہے۔ ادھر آ۔ ہمارے پاس۔" اور شگفتہ عقیدت سے مہاراج کے پاس پہنچ گئی۔ "تو جا وسنتی' وارو لے آ۔" اور وسنتی دروازے سے نکل گئی۔

مہاراج نے شگفتہ کو نزدیک بٹھایا اور اپنا پاؤں اس کی نازک گود میں رکھ دیا۔

شگفتہ مطلب سمجھ گئی تھی۔ چنانچہ وہ اپنے نرم و نازک ہاتھوں سے پجاری جی کا بھدا اور کسی ستون کی طرح موٹا پاؤں دبانے لگی۔ مہاراج کسی اڑنے بھینسے کی طرح دراز تھے۔ لیکن وہ بار بار اپنی کھوپڑی پر ہاتھ رکھ لیتے تھے۔ بدمعاش طالوت نے ان کی بنیادیں ہلا دی تھیں۔ چہرہ میرے کان کے پاس منہ کر کے بولا۔

"عارف؟"

"فرمائیے۔" میں نے کہا۔

"کیا خیال ہے استاد؟"

"کس بارے میں جناب؟"

"جانتے ہو۔ اس کے بعد کے کیا مناظر ہوں گے؟"

"اندازہ تو ہو رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے ہر جگہ۔ اخلاقیات کا چپہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہم یہاں رکیں گے۔ یار کتنی خوبصورت لڑکیاں ہیں اور یہ ارنا بھینسا۔"

"تمہارا دماغ خراب ہے۔" میں نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ابھی اور خراب ہوگا۔ جب یہ گینڈا ان سے عشق کرے گا۔" طالوت نے غراتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آئی۔

"اب اجارہ داری ہے تمہاری۔ خود انہیں دیکھو کیسی اطاعت کر رہی ہیں اس کی۔"

"پتہ نہیں کیا مجبوری ہے بے چاریوں کے ساتھ۔"

"طالوت۔ یہاں بہت سی بے چاریاں ہیں۔ ایک ایک کی مجبوری معلوم کرتے رہو گے تو پوری عمر اسی مندر میں گزر جائے گی۔"

"اس کا ایک بہتر نعم البدل ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اس گنبد کی ہی ایسی تیسی کر دیتے ہیں۔"

"بیکار بات ہے۔ یہ ہندو ریاست ہے۔ نہ جانے کتنے مندر ہوں گے اور نہ جانے ان مندروں میں کون کون سے کھیل کھیلے جاتے ہوں گے۔"

"نہیں جاؤں گا۔ خدا کی قسم نہیں جاؤں گا۔ بس کہہ دیا۔" طالوت جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا اور میں نے گہری سانس لی۔ بیچارے پنڈت کی شامت ہی آئی تھی۔ کون روک سکتا تھا۔

"پندرہ ساعت کے بعد وسنتی آئی۔ اس کے ہاتھ میں خوبصورت دھات کی صراحی اور دو چھوٹے چھوٹے جام تھے۔ شگفتہ بدستور مہاراج کے پاؤں دبا رہی تھی۔ وسنتی نے لچکتے ہوئے تھال رکھ دیا جس میں شراب کے برتن سجے ہوئے تھے اور پھر اس نے ایک جام بھرا اور اسے مہاراج کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ مہاراج نے منہ کھول دیا اور شراب ان کے بھاری بھدے منہ سے اندر داخل ہو گئی۔

دو تین جام پینے کے بعد مہاراج اٹھ بیٹھے۔ "سنو ریو۔" انہوں نے کہا۔

"مہاراج۔" دونوں لڑکیوں نے بیک وقت جواب دیا۔

"تمہیں یہاں کی ریت معلوم نہیں ہے؟"

"ہم پہلی بار آپ کی سیوا میں آئے ہیں مہاراج۔"

"دوسری لڑکیوں نے تمہیں نہیں بتایا؟"

"سب باتیں بتائی ہیں مہاراج۔"

"وہ کیا؟"

"یہی کہ مہاراج جس طرح چاہیں ان کی سیوا کی جائے۔ ان کی کوئی بات ٹالنے کے لئے نہیں ہوتی۔"

مہاراج ایک دوسرے سنگھاسن پر نیم دراز ہو گئے

...ے پاؤں دبانے لگی اور وہ سوتی انکھیں چوم کر جام بھر کر
...لگی۔ مہاراج شراب پینے کے دوران لڑکیوں سے مذاق ہی
...کرتے جا رہے تھے۔

طالوت نہ جانے کیوں ابھی تک برداشت کیے ہوئے تھا۔ ویسے پنڈت جی مہاراج نے ابھی تک ساری حدیں عبور کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ نہ ہی ابھی ایسے آثار نظر آ رہے تھے۔ ویسے اس ساری شغل مستی کے دوران بھی مہاراج سری "تیف کو فراموش نہ کر سکے تھے اور بار بار ان کا ہاتھ سر پر پہنچ جاتا تھا۔ چوٹی پر ہاتھ پڑتے ہی ان کے منہ سے کراہ نکل جاتی تھی۔

پھر مہاراج اٹھ کر بیٹھ گئے "سندری۔" انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مہاراج۔" وسوتی بھدی سے بولی۔

"ہارو کے دو چار جام میرے سر پر الٹ دو۔"

"مہاراج۔" وسوتی حیرت سے بولی۔

"جو کہہ رہا ہوں کرو۔" مہاراج نے کہا "میرے سر میں تشنج ہے۔"

"جو آیا مہاراج۔" وسوتی نے کہا اور پھر اس نے شراب کا ایک جام بھرا۔ اسی وقت میں نے طالوت کو ہاتھ اٹھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کی ایک انگلی لمبی ہو گئی۔ انگلی کا سرا جام کی طرف بڑھا اور پھر طالوت نے جام میں انگلی کا سرا ڈبو دیا۔

"مارا گیا پنڈت۔" میرے منہ سے نکلا اور میں طالوت کی کارکردگی کے روعمل کے لئے تیار ہو گیا۔ یہ انگلی پنڈت کو کاٹے گی ہوئی۔ وسوتی نے شراب کا جام مہاراج کے سر پر انڈیل دیا۔ مہاراج نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وسوتی دوسرا جام بھرنے لگی تھی۔ لیکن اچانک مہاراج کے حلق سے ایک دہاڑ نکلی تھی۔

"ہے رام۔ ہے پربھو۔ ہے رام۔" وہ چیخ رہے تھے اور اپنے کٹے ہوئے سر کو دونوں ہاتھوں سے بری طرح جھٹک رہے تھے۔ دونوں لڑکیاں بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑی ہو گئیں۔

"مہاراج۔" شکنتلا کے منہ سے نکلا۔

"ہرایا۔ ہائے۔ ہائے۔ کیا۔ کیا۔" مہاراج نے جھک جھک کر کھوپڑی کو دیکھنا شروع کیا تھی۔ وہ ادھر سے ادھر بھاگتا پھر رہا تھا۔ یقیناً اس کی ہدایت دور تک سنی جاتی رہی ہوں گی۔ لڑکیوں نے بھی اس بات کو محسوس کرایا۔

"ہرایا۔ ہائے مرگیا۔"

"دروازہ کھولئے مہاراج۔"

"جاؤ۔ جاؤ۔ تم جاؤ۔" نہ جانے مہاراج کو کیسے خیال آیا اور لڑکیاں اندرونی دروازے کی طرف بھاگیں۔ لیکن مہاراج نے ایک کو ان میں سے ایک کی کمر پکڑ لی۔

"رے۔ ارے۔ مرگیا۔ مرگیا۔ ہائے۔ یہ۔ یہ تو جاؤ۔ یہ دیوا۔" انہوں نے شراب کی تھال کی طرف اشارہ کیا اور شکنتلا نے پلٹ کر تھال اٹھا لیا۔ اندرونی دروازے کی طرف بھاگی تو پیتل کی صراحی گرنے کی زوردار آواز ہوئی تھی۔

"مرگیا۔ ہائے رام۔" پنڈت چلایا۔

"دروازہ کھولئے مہاراج۔ دروازہ کھولئے۔" باہر سے دروازہ زور زور سے پیٹا جا رہا تھا۔ شکنتلا نے صراحی اٹھا لی اور بمشکل تمام لڑکیاں دروازے سے نکل کر بھاگ گئیں۔

تب مہاراج نے گھسٹ گھسٹ کر دروازہ کھول دیا اور باہر کھڑے سپاہی اندر گھس آئے۔

"یہ ہو گیا مہاراج۔ کیا ہو گیا مہاراج۔" بہت سی آوازیں ابھریں۔

"پانی۔ پانی۔" مہاراج دونوں ہاتھوں سے کھوپڑی رگڑتے ہوئے بولے۔

"ہوا کیا مہاراج؟"

"بے بھگوان۔ بے بھگوان۔ ناگ دیوتا۔ ناگ دیوتا۔"

اور پنڈے بے اختیار چیخ پڑے۔ بہت سے واپس کو بھاگے۔ بہت سے اونچی جگہوں پر چڑھ گئے۔ لیکن مہاراج بدستور کھوپڑی کھجا رہے تھے "پانی۔ ارے پانی۔"

اور پھر نہ جانے کتنے ہنگاموں کے بعد پانی آیا۔ اور مہاراج کے اشارے پر ان کی کھوپڑی پر انڈیلا جانے لگا۔ مہاراج کے لمبے بالوں نے ان کی کھوپڑی چھپا لی تھی۔

"کہ میرا خیال ہے رات بھر کے لئے کافی ہے۔" طالوت نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں بھی بوکھلایا ہوا اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

"کھیل تو نہیں ہوا یہ تھا؟"

"کیا؟" طالوت نے معصوم بن کر پوچھا۔

"پنڈت جی کی کھوپڑی پر۔"

"اوہ۔ کوئی خاص بات نہیں۔ صرف کھجلی۔ جو رات بھر جاری رہے گی۔" طالوت نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"کیوں بے چارے کی جان کے گاہک ہو گئے؟"

"اور اس دبنے کو نہیں دیکھا تھا۔ کس مزے سے ان خوبصورت ہاتھوں سے پاؤں دبوا رہا تھا۔"

"تم کس کس کو روکتے پھرو گے؟"

"سنئے جیسے دیکھوں گا۔" طالوت آنکھیں نکال کر بولا۔

ہم دونوں چھت پر پہنچ گئے اور پھر اپنی جگہ لیٹ گئے۔ طالوت خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"یار۔ وہ نہیں ہی۔"

"کیا کرو گے طالوت اس سے مل کر۔ وہ بھی ان دوسری ہندو لڑکیوں کی طرح دیوداسی ہے۔"

"یار۔ نہ جانے کیوں دل کہہ رہا ہے۔ کہ۔۔۔ کہ وہ ان کی طرح نہیں ہے۔"

"میں بتاؤں؟"

"کیا؟"

"یہی کہ تمہارا دل یہ بکواس کیوں کر رہا ہے؟"

"بتاؤ نہ بھائی۔"

"اس لئے کہ وہ بہت حسین ہے۔"

"قسم لے لو۔ حسین وہ ضرور ہے۔ لیکن صرف یہی بات نہیں ہے۔ اس کے چہرے کی اداسی۔۔۔ کچھ اور افسانے سنا رہی ہے۔ طالوت پُر خیال انداز میں بولا۔

"میرے کان اور افسانے نہیں سن سکتے۔ ویسے تم چاہو تو ہم اسے تلاش کر لیں گے۔"

"ضرور کریں گے۔ کم از کم پتہ تو چلے۔" طالوت نے کہا اور ہم اپنی منتخب کردہ جگہ پر آرام کرنے لیٹ گئے۔ طالوت کسی سوچ میں گم تھا۔ پھر اس نے اچانک کہا۔

"تم نے ان لڑکیوں کی گفتگو سنی تھی۔"

"وہ کیا نام تھا وسوتی اور شکنتلا کی؟"

"ہاں۔"

"ہاں۔ وہ کسی اور مندر سے آئی تھیں۔"

"ویسے یار۔ اس دبنے کے پیش ہیں۔ میرا خیال ہے کوئی دیوداسی ان کی ہوس سے نہیں بچی ہوگی۔"

"ان حالات میں تو یہی کہا جا سکتا ہے۔"

"یہ لڑکیاں کون ہوتی ہیں؟"

"اچھے گھرانوں کی ہوتی ہیں۔ مندروں کو دان کر دی جاتی ہیں اور پھر یہ ان پجاریوں کے رحم و کرم پر ہوتی ہیں۔ لوگ انہیں تبرک سمجھتے ہیں۔ لیکن یہاں جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ کسی حد تک تم بھی دیکھ چکے ہو۔"

"ہمارے مندروں میں یہی ہوتا ہے؟"

"پوجا اور رقص تو ان کے مذہب میں شامل ہے۔ ویسے باقی معاملات کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا۔ ان کے ہاں بھی بڑے بڑے سنی ہوتے ہیں۔ ان میں ٹیکہ لگ بھی ہوتے ہیں۔ سب کے بارے میں ایک بات نہیں کہی جا سکتی۔"

"ہوں۔" طالوت نے ہنکارا بھرا اور پھر اچانک وہ ہنس پڑا۔

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں سوچ رہا ہوں۔ وہ بے چارے مہاراج رات بھر کھوپڑی کھجاتے رہیں گے۔ جوں کو ممکن ہے کھوپڑی ہی ان کے شانوں پر موزوں ہو۔"

"سخت اذیت دی ہے تم نے۔"

"اور اس نے مجھے اذیت نہیں دی۔ اتنی حسین لڑکیاں اور اس تونڈو کے قبضے میں۔ ابھی تو دیکھنا ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں اور وہاں یہ پنڈے بھی تو بن کرتے ہوں گے۔"

"رہنے دو یار۔ بس رہنے دو۔ سو جاؤ رام سے۔"

"تپت ہوں گا کل ان بدھوؤں سے بھی۔" طالوت نے جماتے ہوئے کہا اور پھر کافی دیر تک اس کی آواز نہ سنائی دی۔ میں نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ طالوت سو رہا تھا۔

میں بھی سونے کی کوشش کرنے لگا۔ کیا وہ واقعی درست ہے۔ وہ حسین۔ اداس چہرہ کیا وہ واقعی کوئی خاص حیثیت رکھتی تھی؟ مگر وہ کئی کنواری دوسرے مندروں میں ہو سکتی ہے۔ میں نے کروٹ بدلی اور آسمان پر ٹمٹماتے ہوئے ستاروں کی کہانیاں سننے لگا۔

انہیں کہانیوں کے دوران نہ جانے کب نیند نے مجھے اپنے پنکھوں کے دروازے سے داخل ہونے اور پھر سورج کی پہلی کرن نے ہی جگایا تھا۔ سورج کی ان چھیڑ خوبی کرنوں نے آسمان سے اترنا شروع کیا تھا۔ کسی سے پوچھے بغیر۔ کسی سے کہے بغیر۔ نرم نرم سی۔ سہمی سہمی سی۔ دنیا کو دیکھنے کی شوقین میں نے اس کے کنوارے لمس کو محسوس کیا۔ تشنہ انگیز لمس۔ اور میرے کان میں رہ رہ کر قہقہے گونجنے لگے۔

لیکن یہ قہقہے۔ اس نوخیز کرن کے نہ تھے اور پھر یہ تو تھی۔ اس کے ساتھ چلنے والا کون تھا۔ ذہن بڑھا اور میں احمقوں کی جنت سے اٹھ کھڑا ہوا۔ رہ رہ کر قہقہوں کی آوازیں پیچھے سے آ رہی تھیں۔ ذہن میں تجسس بڑھا۔ اور میں جست کے کنارے پہنچ گیا۔ لیکن دوسری طرف منظر.....!

حسین صبح کا حسین تحفہ۔ اخلاق جرأت نہیں دیتا تھا کہ وہاں رکوں۔ میرے ذہن و دل میں دھماکے ہو رہے تھے۔ اور

چڑیوں کو نہلا رہا تھا۔ چڑیاں ڈبکیاں لگا رہی تھیں اور میں وہاں سے تھوڑا دور اس بہتے ہوئے سمندر کا حصہ تھا جس کو تالاب کہتے ہیں تھا اور تالاب میں جل پریاں رقص کر رہی تھیں۔

دیو کنیاؤں کا تصور سے وہ تالاب میں نہا رہی تھیں۔

ہندو مندروں کے بارے میں بچپن میں نے بھی سنا تھا۔ تیرتھ یاتراؤں کی تفصیل سنی تھی۔ گنگا اور جمنا کے کنارے اشنان کرنے والوں کی چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں بھی بیٹھا تھا۔ لیکن یہ کہانیاں ہی لگتی تھیں۔ کہ آپ جیسے کہانیاں ہی معصوم ہوتی تھیں۔ حقیقت ایسے منظر کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن..... وہ کہانیاں زندہ ہو گئی تھیں۔ وہ قصے عملی روپ دھار چکے تھے۔

اور پھر مجھے عجیب سا احساس ہوا۔ اوہ میرا دوست اس حسین کنول کی پتیوں سے لپٹا ہے۔ سورج ابھرے گا تو یہ منظر کھو جائے گا۔ بے اختیار میں نے طالوت کی طرف دوڑ لگا دی۔

"طالوت..... طالوت....." میں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"کیا..... کیا ہوا؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں۔"

"ہاں۔"

"اوہ۔" وہ بھی سے اٹھ بیٹھا "لیکن سورج ابھی سوا نیزے پر نہیں آیا ہے۔"

"طالوت زمین پر اتر آئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"بھلا کی قسم۔" اور وہ جانے کس موڈ میں تھا کہ میرے ساتھ چلا آیا اور پھر تالاب کا منظر دیکھ کر اس نے چھت کی بلندی سے نیچے چھلانگ لگانے کی کوشش کی۔ میں نے بیچ سے اس کی کمر پکڑ لی۔

"یہ کیا حماقت ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"صبر سے نہیں۔"

"جب سے وہ آپ سے دیکھوں گا۔" طالوت نے کہا۔

"طالوت۔ پاگل ہیں ہو۔"

"نہیں آپ تو خواہ مخواہ ہی خفا ہو رہے ہیں۔ میں برداشت کر سکتا ہوں۔ برداشت کر سکتا ہوں۔" اس نے دوبارہ چھلانگ لگانے کی کوشش کی اور میں نے پھر اسے پکڑ لیا۔

"بہت مشکل سے تو میں تمہیں نہ روکا ہوں۔ تم تو۔"

پھر وہ دوبارہ تالاب کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ تو واقعی طلسم خانہ ہے۔ یہاں کیا ہوتا ہے؟"

"سورج نکلنے سے قبل یہ لوگ دریاؤں اور تالابوں میں غسل کرتے ہیں۔ عورتیں الگ اور مرد الگ۔ بڑے بڑے دریاؤں پر ان کے الگ الگ گھاٹ ہوتے ہیں۔"

"یہ تو ریاست میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"ہوں۔ یہ بھی ان کی مذہبی رسوم میں شامل ہے۔"

"تب پھر ہم اپنی زندگی نہیں گزار سکتے۔" طالوت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ طالوت دبے پاؤں تالاب سے اس جانب آوارہ کو دیکھتا رہا۔ اور پھر اس نے سر سراتی آواز میں کہا۔

"عارف۔"

"ہوں۔" میرا دل وہاں سے ہٹانے کو نہیں چاہ رہا تھا۔

"وہ یہاں بھی نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے بھی نہیں ہے۔"

"پھر کہاں؟"

"غسل خانے میں۔"

"تب ہم یہاں ایک ایک مندر کی خاک چھانیں گے۔ ہم اسے ضرور تلاش کریں گے عارف۔"

"تمہارے لئے یہ مشکل ہے۔"

"نہیں یار۔ تم نہیں سمجھتے۔ راہبہ کے لباس میں مدلینا مناسب نہیں ہے۔ اس ماحول سے واقفیت بھی ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔"

سورج بلند ہو تا جا رہا تھا اور تالاب کی جل پریاں جا چکی تھیں۔

"ارے۔ ارے۔" اچانک طالوت چونک پڑا۔

"خیریت۔ کیا ہوا؟"

"ان درختوں کی طرف دیکھو عارف۔"

"کونسے درخت؟"

"وہاں وہ تالاب کے کنارے۔" اور میں طالوت کے اشارے پر ان درختوں میں جھانکنے لگا۔ کئی منٹ کی کوشش کے بعد مجھے وہ پیڑ نظر آئے۔ جو درختوں کے پتوں میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ پیڑ کی طرح موٹی شاخوں سے لپٹے ہوئے تھے۔

"ارے۔" میں چونک پڑا۔

شرارت تھی۔

"ہاں۔"

"ان کی ایسی تھیں۔ روزانہ یہی حرکت کرتے ہیں گے۔"

"یقیناً۔ ان لڑکیوں کو نہیں معلوم۔"

"بالکل اور یقیناً ان کا یہاں آنا منع ہے۔ ورنہ وہ چھپے ہوئے کیوں ہوتے۔"

"بے شک۔"

"اب تو پھر کیا۔" طالوت کہتے ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"ان کی یہ حرکت قابل معافی نہیں ہے۔"

"ہم بھی تو کچھ رہے ہیں طالوت۔" میں نے کہا۔

"ہماری اور بات ہے۔" طالوت نے میری گردن پکڑ کر مجھے زور سے دھکا دیا اور میری چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ میں پہت کے کنارے تھا اور بمشکل پہت اتنی اونچی تھی کہ ہاتھ پاؤں کی حرکت مشکل تھی۔ میں اپنی حماقت کو گیا ہوں۔ بار بار بھول جاتا کہ وہ طالوت ہے۔ رہتے ہوئے دل کو سنبھالا تو معلوم ہوا کہ ایک درخت پر ہوں۔

"تم انہیں دھکا دے سکتے ہو۔ لیکن پھر بھی ہے۔ کسی کے ساتھ لپٹے ہوئے درخت سے نیچے مت آنا۔ میں دوسرا ارادہ کرتا ہوں۔" طالوت کی سرگوشی میرے کان میں گونجی۔

لیکن وہ میرے پاس موجود نہ تھا۔ ہاں وہ پیڑ۔ ضرور مجھ سے چند فٹ کے فاصلے پر درختوں سے چپٹے ہوئے تھے۔ میں آگے بڑھا۔ ایک دو شاخے کو پکڑا۔ پتے ہلنے کی آواز پر پنڈوں نے پلٹ کر دیکھا۔ لیکن ظاہر ہے انہیں نظر کون آتا۔ دوسرے میں نے دو شاخے کو مضبوطی سے پکڑ کر ایک پیڑ کی کمر پر وہ زور دار لات رسید کی کہ وہ درخت تالاب سے تقریباً پانچ فٹ کے فاصلے پر تھا۔ لیکن پیڑ تالاب میں ہی گرا تھا۔ اس کی گھبرائی چیخ بہت بلند تھی۔ اس سے قبل کہ دوسرا پیڑ سنبھلے اور کچھ سمجھنے کی کوشش کرے۔ میری لات نے اسے بھی اچھال دیا۔ اور وہ بھی پہلے پیڑ کی طرح تالاب میں ہی گرا تھا۔

اور تالاب سے سریلی چیخیں بلند ہونے لگیں۔ کنارے پر لباس تبدیل کرتی ہوئی دیویاں بری طرح چیخ رہی تھیں۔ اور پھر ان چیخوں میں دوسرے درخت پر چھپے ہوئے پنڈوں کی چیخیں بھی شامل ہو گئیں۔ وہ ان عورتوں سے زیادہ زور سے چیخ رہے تھے۔ اور میں نے ان چیخوں کا راز بھی پا لیا۔

جس درخت پر پنڈے چھپے رہے تھے۔ اس پر سیاہ رنگ کا

سانپ رینگ رہا تھا۔ زہریلے سانپ کے پھنوں کی طرح اس کی زبان سے بھی پتلے اور دو پھن نکلی تھیں۔ آنکھیں سے باہر نکلی پڑ رہی تھیں۔ پانی میں گرا ہوا تو بھی یہ حواسی میں قابو کر لیتا تھا۔ وہ ہر بار کنارے سے پھسل جاتا تھا۔

اور ذرا سی دیر میں مندر کے دوسرے حصے سے پجاری کی پوری فوج نکل آئی۔ چند عورتیں خود کو چھپائے ہوئے درختوں کی طرف لے گئیں لیکن جونہی ان کی نگاہ درخت پر پڑتی وہ چیخ کے بھاگتیں۔ کیونکہ اس درخت پر بھی پنڈے چھپے ہوتے۔ بہرحال عجیب نامہ بر پا وہ گیا تھا۔

پنڈوں کی فوج نے پورے تالاب اور اس کے کنارے کے درختوں کو گھیر لیا۔ اندر چھپے ہوئے پنڈوں کو نیا نارا جانے لگا۔

شاید یہ جرم اچھا خاصا تھا۔ کیونکہ نکالنے والوں نے چھپے ہوئے ایک ایک پنڈے کو پکڑ لیا تھا۔ میں نے ایک بوجھل سانس لے کر گردن جھکائی اور اس درخت پر سانپ غائب کرنے لگا۔ لیکن سانپ غائب تھا۔

تب مجھے اپنے پاؤں کے قریب طالوت کی ہنسی سنائی دی۔

"یار۔ تجھے شیطان کہنا شیطان کا بہت بڑا اپمان ہے۔"

"محبت ہے تیری۔ درخت میں کس ذلیل ہوں۔" طالوت نے اکتاہٹ بھری آواز میں کہا۔ "مجھے بھی آگئی۔ پنڈے ہونے کی خوب درگت بن رہی تھی عورتیں سب لوگ گئی تھیں اور پھر پنڈوں کو بھی اندر لے جایا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تالاب خالی ہو گیا۔

"تو اب ہم کب تک درخت پر بیٹھے رہیں۔" طالوت نے کہا۔ "اور ہم دونوں بھی درخت سے نیچے اتر آئے۔" بہرحال اس دن کی ابتدا بہت دلچسپ ہوئی ہے۔ میں سوچتا ہوں انتہا بھی اتنی ہی دلچسپ ہو۔"

"ہوں۔ ضرور ہو۔ ان بدبختوں کی شامت آئی تھی اس وقت جب ہم یہاں داخل ہوئے تھے اور وہ گھنٹے بجا رہے تھے۔"

"چھوڑو۔ اب کیا کرنا ہے؟" طالوت نے لاپروائی سے کہا۔

"ناشتہ۔"

"ایں ہاں۔ ناشتہ۔ تو۔ پھر چلو جیا ہال میں چلیں۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور ہم مندر سے اندر روانہ ہو گئے۔

طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم پوجا کے ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ پوجا کے ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ پوجا کرنے والے عقیدت مند ہال میں داخل ہو رہے تھے۔ پنڈت بتوں کے سامنے اشلوک پڑھ رہے تھے۔ دھونیاں جا رہے تھے۔ اور لوگوں کے تلک وغیرہ لگا رہے تھے۔ عقیدہ تمندوں کے ہاتھوں میں ہار اور مٹھائیاں تھیں اور پنڈے حسب معمول انہیں ایک جگہ جمع کر رہے تھے۔

طالوت کی نگاہ ایک موٹے تازے پنڈے پر پڑی۔ جو ہاتھوں میں عمدہ قسم کی مٹھائیوں کا ایک دونا لئے اندر آ رہا تھا۔ طالوت نے ہونٹوں پر زبان پھیری۔ اور مجھے ٹہوکا دیا۔

"عارف۔ کیا خیال ہے۔ کافی رہے گی؟"

"ہاں۔ ناشتے کے لئے کافی ہے۔"

"لاتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور پنڈے کی طرف بڑھ گیا۔ بڑے بڑے اہتمام سے اندر آ رہا تھا۔ طالوت نے اطمینان سے دونا اس کے دونوں ہاتھوں سے اٹھا لیا اور بنیا اچھل پڑا۔ اس نے اچھل کر دونے کو پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن طالوت پیچھے ہٹ گیا۔ اور بنیا گرتے گرتے بچا۔

"ہے رام۔" بنیے کے منہ سے نکلا۔ اور وہ ہوا میں پھر دونے کی طرف لپکا۔ لیکن طالوت نے اسے جھکائی دی اور اس بار وہ ایک پنڈے سے ٹکرایا۔

"ہپ۔ پنڈت جی۔" وہ چیخا۔ لیکن پنڈت جی تو خود منہ پھاڑے اس پرواز کرنے والے دونے کو دیکھ رہے تھے۔ بنیا پھر دونے کی طرف لپکا۔ اور اس بار وہ ایک دوسرے پنڈے کو لپیٹ میں لئے ہوئے ڈھیر ہو گیا۔ دونوں کی چیخیں ابھری تھیں۔ لیکن چیخیں تو دوسرے لوگوں کے حلق سے بھی نکل رہی تھیں۔ طالوت نے آنکھ سے اشارہ کیا اور میں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ سب لوگ تھر تھر کانپ رہے تھے۔ ان کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ لیکن طالوت چونکہ ناشتے کے موڈ میں تھا اس لئے وہ زیادہ دیر تک نہ رکا۔ اور دونا لئے ہوئے باہر نکل آیا۔ کسی کی ہمت نہ پڑی تھی کہ دونے کا تعاقب کرے۔ چیخ دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔

مگر ہمیں اس سے کیا۔ ہم تو واپس اپنی قیام گاہ پر پہنچ گئے تھے۔ اور مزے سے مٹھائی کھا رہے تھے۔ خوب اچھی طرح ناشتہ کرنے کے بعد ہم اترے۔ ایک کنوئیں سے نکال کر تازہ پانی پیا اور تازہ دم ہو گئے۔

"اب اس مندر سے باہر نکلو گے یا نہیں؟"

"نکلیں گے یار۔ کیا یہاں مزہ نہیں آ رہا۔"

"بخش دو ان بے چاروں کو۔ بھوکے مریں گے۔ تم دیکھ لینا یہاں حاضری بہت کم ہو جائے گی۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"پوجا کرنے والے یہاں کے حالات سے خوفزدہ ہو کر دوسرے مندروں کا رخ کریں گے اور ان بے چارے پنڈوں کو بھوکا مرنا پڑے گا۔"

"اچھا ہے۔ کوئی بھی تین من سے کم وزن کا نہیں ہے۔ کچھ وزن ہی کم ہو جائے گا۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔ وہ کسی صورت ان لوگوں کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

پورے مندر میں سخت ہنگامہ برپا ہو گیا تھا۔ سارے پنڈے جگہ جگہ جمع ہو کر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ ان آفات کو دیوتاؤں کی ناراضی سے تعبیر کر رہے تھے۔ تبھی تو پوجا ہونے والی تھی۔ اس کے بعد شاید ناگ دیوتا راضی ہو جاتے۔ درختوں پر چڑھ کر غسل کرنے والیوں کا نظارہ کرنے والے مجرم پنڈوں کے لئے نہ جانے کیا سزا تجویز ہونے والی تھی۔

بہرحال۔ ناشتے کے بعد ہم نے پورے منہ رکھے اور ایک کونے کی سیر کی اور پھر بڑے پجاری جی کی سیوا میں پہنچ گئے۔ بڑے پجاری کا واقعی حلیہ بگڑ گیا تھا سر میں جگہ جگہ اپنے ہی ناخنوں سے لگائے ہوئے زخم موجود تھے جن پر کسی درخت کے پتے کوٹ کر رکھے گئے تھے۔ وہ شدید بخار میں مبتلا تھے اور کراہ رہے تھے۔ بہت سے پنڈے ان کے گرد موجود تھے۔

"عارف۔" طالوت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ہوں۔"

"کیا خیال ہے۔ ان پنڈت جی سے ہی کیوں نہ اس لڑکی کے بارے میں معلوم کیا جائے۔"

"ارے۔" میں چونک کر طالوت کی شکل دیکھنے لگا۔

"کیوں۔ کیا حرج ہے؟"

"کیا اس کی اور درگت بناؤ گے؟"

"پتہ نہیں جانے کیوں تمہیں اس پنڈے پر رحم آ رہا ہے۔ سچ جانو تو مجھے تو ان لوگوں سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں ہے۔ میرا خیال ہے میں اس سے لڑکی کے بارے میں معلوم کروں۔"

"کرلو بھائی۔ تمہیں کون روک سکتا ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اب ان پنڈوں کو یہاں سے ٹکانا ہے۔"

"ضرور۔ حکم دیں۔"

"میں ہی بندوبست کرتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور

سے بھی غائب ہو گیا تھا اور پھر چند ہی ساعت کے بعد اس کمرے کے ایک کونے سے ایک سانپ کی پھنکار سنائی دی اور پنڈے چونک پڑے۔ پھنکار پھر سنائی دی اور اس بار سانپ کے منہ سے شعلے بھی نکلے تھے۔

اور پنڈے گھگھیاتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ "ہپ۔ پنڈت جی مہاراج۔ ناگ۔ دیوتا ہے۔" وہ سب دروازے کی طرف دوڑ پڑے کیونکہ سانپ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی۔

بڑے پجاری جو سخت نقاہت کے عالم میں لیٹے ہوئے تھے۔ اس چیخ پکار سے اٹھ کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے بھی دوسرے پنڈوں کے ساتھ مل کر دروازے سے باہر چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن میں نے چھڑی سے ان کی کمر چھوئی اور واپس کمرے میں دھکیل دیا۔

"ہائے۔ ہائے۔ ہائے مرگیو رام۔ ارے مرگیو۔ ہائے مرگیو۔" پجاری بدحال ہو گیا۔ پنڈے سب باہر نکل آئے تھے۔ میں نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔

پجاری جس کمرے میں تھا اب اندھا ہو گیا تھا اور مجھ سے کی یہ کیفیت میں پڑا تھر تھر کانپ رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے کچھ الفاظ نکل رہے تھے۔

"شما۔ شما کردو مہاراج۔ ہائے شما کردو۔"

"پجاری۔" طالوت کی گرجدار آواز ابھری۔

"ہن۔ ناگ۔ ناگ دیوتا۔ مہاراج۔" پجاری کانپتا ہوا بولا۔

"بھگوان کے گھر میں اندھیر۔ تو دیو کنیاؤں کے ساتھ رنگ رلیاں مناتا ہے۔"

"شما۔ شما کردو مہاراج۔ شمارے مندروں میں یہی ہوتا ہے۔ شمارے مندروں میں یہی ہوتا ہے۔"

"ہم سب کو ٹھیک کردیں گے۔" طالوت نے اکڑ کر کہا۔

"ہو ہو ہو۔ ہو ہو ہو۔ شب کے شاتھ ہی مجھے بھی ٹھیک کردینا مہاراج۔ اشہار شما کردو۔" پجاری جی کانپتے ہوئے بولے۔

"ایک شرط پر ہم تمہیں شما کرسکتے ہیں۔"

"مجھے شماری شرطیں منظور ہیں مہاراج۔ بھگوان کے واسطے ایک بار شما کردو۔ میری کھوپڑی پر بچھو ڈنک مار رہے ہیں۔"

"ہمیشہ مارتے رہیں گے۔ تم مجھے اس مندر نارکی کے بارے میں بتاؤ۔ جو پرسوں رات یہاں موجود تھی۔"

"یہاں تو بہت سی شنہ رانیاں آتی جاتی رہتی ہیں مہاراج۔ آپ کو کون سی کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔" پجاری اسی طرح کہنے میں پراچین پھٹی آواز میں کہہ رہا تھا۔

"وہ دیوی جی جو بیہوش ہو رہی تھی۔"

"کوئی دیوی جی کنیا ہوں مہاراج۔ وشواش کریں۔ میں نہیں جانتا۔"

"میری نگاہیں بے پجاری بھی ہوئی تھیں۔ اس لئے میں نہ دیکھ سکا۔ سانپ جب کھڑکی میں تو اچانک اچھل پڑا۔ جب طالوت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا یہ سچ کہہ رہا ہے؟" اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ وہی کوئی دیوی ہوگی۔"

"ہوں۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی۔ پھر پچھلے سے انداز میں بولا "تب پھر یہاں سے چلو یار۔ اب یہاں پنڈ نہیں رکھے۔ بس طبیعت خراب ہو گئی۔"

"زخمی ہو گئے ہو پارسے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب نہیں۔ اب ایسے زخم بھی متاثر نہیں۔ ان آبرو باختوں سے نمٹنے کا دلچسپی ہو سکتی ہے۔"

"تب پھر آؤ۔"

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم اندھے پجاری کو چھوڑ کر باہر نکل آئے۔ تین دن کے بعد ہم مندر کے دروازے سے باہر قدم رکھ رہے تھے۔ ہر حال مندر کی تفریحات خوب رہی تھیں۔ طالوت کسی سوچ میں الجھا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے طالوت۔" میں نے سوال کیا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا پرتھی کا۔ میں اس لڑکی کے چہرے کی اداسی سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ ہو نہ ہو کوئی گڑبڑ ہے۔"

"چھوڑو۔ جب وہ مرف دیوی کنیا تھی تو ہم نے اس سے کیا۔"

"ممکن ہے وہ مظلوم ہو۔ ہمیں دھرم و ادب کو نظر انداز کر کے انسانیت کی مدد کرنی چاہئے۔"

"اب جب میرا ذہن صاف ہوا تو تم فضول باتیں لے بیٹھے۔" طالوت نے غصے سے کہا۔

"تمہارا خیال ہے مجھے مظلوموں کی مدد سے کوئی دلچسپی نہیں ہے؟" میں نے طالوت کو گھورا۔

"پھر ذہن کیوں بھٹکا رہے ہو؟"

"تمہارا خیال ہے۔ ورنہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"تب پھر ہم پہلے مندروں میں اسے تلاش کریں گے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پھر ہم خاموشی سے چل پڑے۔ میں گہری نگاہوں سے اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ خاصے بڑے شہر تھا لیکن اس طرح "باد" جیسا لگ رہا تھا۔ ہم یہ شہروں کے بارے میں تو اس قسم کے شہر ایلک کا سوچ سکتے تھے۔ لیکن بہرحال ابھی ایسی دو تین ہی تھیں جو عہد قدیم کے مناظر پیش کر رہی تھیں۔

ایک دو جگہ چھوٹے سے مندر کے اندر داخل ہو کر ہم نے دیکھا۔ لیکن یہ مندر کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ اور پھر ہم نے بے شمار مندر دیکھ ڈالے۔ بڑے بڑے مندروں کے اندر دیو داسیاں وغیرہ تھیں۔ لیکن ان میں وہ کامنی تشنگی تھی۔ پورے تین دن اور گزر گئے اور اب ہم مایوس ہو گئے تھے۔

"آخر تم راسم سے کام کیوں نہیں لیتے؟" میں نے عاجز آ کر کہا۔

"فضول باتیں نہیں۔ کچھ کام اپنے آپ بھی کرنا چاہئیں۔" طالوت نے جواب دیا۔ اور پھر وہ پرتشویش انداز میں بولا "عارف۔ تم نے ایک بات پر غور کیا؟"

"کیا؟"

"اس پورے شہر میں مسجد ایک بھی نہیں ہے۔"

"ہاں۔ لیکن یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ ممکن ہے یہاں مسلمان ہی نہ ہوں۔"

"یہ ممکن ہے؟"

"ہاں۔ ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیسے؟"

"بھئی مذہبی تعصب یہ ہندوؤں کی ریاست ہے۔ ممکن ہے راجہ گوونداس کپور مسلمانوں کو پسند نہ کرتا ہو۔ اور اس نے یہاں سے مسلمانوں کو نکال دیا ہو۔"

"اس کی ایسی تیسی۔ اس کی کیا مجال کہ وہ خدا کی زمین پر اس کے نام لیواؤں کے ساتھ یہ سلوک کرے۔" طالوت غضبناک انداز میں بولا۔ اور میرے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو طالوت۔"

"کیوں؟" طالوت غرایا۔

"خدا کے کون سے نام لیواؤں کی بات کر رہے ہو۔ خدا کا نام تو یہ بھی لیتے ہیں۔"

"میں مسلمانوں کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔"

"تم مسلمانوں کی سرزمین سے ہی آئے ہو۔"

"کیا خدا کا نام لینے والے "خدا" کے نام لیوا ہیں؟ خدا کے نام پر ظلم نہیں توڑتے۔ کیا اپنے بھائی اپنے ہی گروہ کے لوگوں کو قتل کرتے رہے؟ یا دور رشتہ مذہب انسانیت کا احساس کرتے ہیں؟ کیا وہ خدا کے رشتے سے محبت کرتے ہیں۔ مذہب دولت تو صرف ایک روایت نہیں رہ گیا؟ ہاں مذہب دولت ایک حیثیت رکھتے ہیں۔ مذہب خدا سے ہم جڑنے والے ہی الجھن میں پھنس جاتے ہیں۔ تو وہ لوگ جو متاثر کرنے کے لئے وہ مذہب کا سہارا لیتے ہیں۔ انہوں نے واسطے دیتے ہیں۔ یہی دکھ کی بات ہے طالوت۔ ہم اپنی مصیبتوں کا حل خدا کے نام میں پاتے ہیں اور اس سے سارے مصیبتوں سے نکل آتے ہیں۔ لیکن مصیبت سے نکل آنے کے بعد ہم اس مضبوط سہارے کو کس آسانی سے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے طالوت کہ جب ہماری پریشانی اور تکلیف کا حل ان رشتوں میں ہم میں پوشیدہ ہے تو ہم اسے ہی کیوں نہ اپنائیں۔ ان اصولوں کو اپنی زندگی میں کیوں نہ شامل کریں جو ہماری پریشانیوں کا حل ہیں۔"

"ہوں۔ ان کی بات ہے عارف۔ ہم ایک مضبوط سہارے کو چھوڑ کر معاشی سہاروں کی پناہ حاصل کرتے ہیں۔"

"اس غیر مذہبیوں کی تو بات ہی کیا ہے۔"

"ٹھیک ہی کہتے ہو یار۔" طالوت نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا اور ہم ایک مناسب جگہ تلاش کر کے بیٹھ گئے۔ طالوت کسی قدر مضمحل ہو گیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے۔ پھر طالوت نے ہی گردن اٹھائی۔ "کس سوچ میں ڈوب گئے عارف؟"

"بس۔ کوئی خاص بات نہیں۔"

"بورت ہو رہے ہو یار۔"

"یہ تو سوچو۔"

"سوچ لیا۔"

"اچھا۔ کیا؟" میں نے سوال کیا۔

"شہ رگ۔" طالوت مسکرایا۔

"یعنی۔" "ارے بھئی۔ راجہ گووند اس کپور کا محل۔ کیا اس محل کو ہمارے قدموں کی برکت کی ضرورت نہیں ہے؟"

"یقیناً ہے۔"

"ارے تو اٹھو نا۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا۔

"کیسے؟" میں نے سوال کیا۔

"تو پھر..."

"پھر مزہ نہیں آتا حالات۔ کیوں نہ ہم ایک باقاعدہ حیثیت سے وہاں جائیں؟"

"کوئی حرج نہیں ہے۔"

"مگر کیا حیثیت ہو؟"

"یہ بھی تم ہی سوچو۔"

"ہوں۔" میں نے پرخیال انداز میں کہا اور پھر آہستہ سے بولا "طالوت۔ پورا ہندو مذہب توہمات اور کہانیوں پر مشتمل ہے۔ ان کی دیومالا میں بڑی حیثیت رکھتی ہیں۔ اگر ہم کسی دیومالائی حیثیت سے وہاں چلیں۔ پھر کسی بڑے سادھو کی حیثیت سے۔ تو لطف آ جائے گا۔ میرا خیال ہے ہمارا یہ عمدہ استقبال ہو گا۔ اور تم بہ آسانی اس رول کو نبھا سکتے ہو۔"

"درست کہا فرووزی مہاراج۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس تو فرووزی مہاراج۔ تیاریاں کرو۔"

"تیاریاں کیسی فرووزی مہاراج؟"

"سادھوؤں کا لباس وغیرہ ضرورت۔ شکل و صورت بھی تبدیل کرنا پڑے گی۔"

"میرا خیال ہے رہنے دیں گے ہم شکل۔"

"ہاں۔ ہمارا انچ نہیں بنتی۔"

"شکل و صورت کے بارے میں کیا کرو گے؟"

"لمبے لمبے بال۔ لمبی لمبی داڑھیاں وغیرہ۔" میں نے کہا۔

"مثلاً ایسے۔" طالوت نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میں پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن شانوں سے نیچے لٹکتے میرے سیاہ بال اور ٹھوڑی کے اوپلک وزن نے مجھے بوکھلا دیا۔ میری سیاہ داڑھی سینے پر تھرک رہی تھی۔ اور سر کے بال اوپلک بے حد لمبے ہو گئے تھے۔

"اپنی شکل دیکھو فرووزی مہاراج۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوسرے لمحے طالوت بھی میرا ہم شکل ہو گیا۔ میں شدت حیرت سے گنگ ہو گیا تھا۔

ہمارے چہرے یونانی سرخ و سفید تھے۔ اس پر سے گھنے سیاہ بال اور سیاہ داڑھی۔ طالوت بے حد خوبصورت اور پروقار لگ رہا تھا۔ یقیناً یہی شکل میری ہو گی۔ میں نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

"اب لباس کی کمی رہ گئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ بھی پوری ہو جائے گی۔" طالوت نے جواب دیا اور اس بار اس سے راسم کو تلاش کیا اور راسم حاضر ہو گیا۔

"کافی بار دو عدد سادھوؤں کے لباس۔ لیکن نئے نہ ہوں۔"

"حاضر کرتا ہوں۔" راسم نے کہا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اور جن زاد کے لئے کیا مشکل تھا۔ سادھوؤں کے مخصوص لوازمات کے ساتھ حاضر ہو گیا تھا۔

پیتل کے کنڈل۔ مڑی ہوئی بھیانک شکل کی لکڑیاں۔ اور سادھوؤں کے سفید لبادے۔ راسم نے ہمارے سامنے پیش کر دیئے اور ہم نے تحریر کے ساتھ قبول کر لئے۔ شکلیں بدل گئی تھیں۔ بڑے ہو گئے اور حلیے بدل گئے۔

"وہ ہونے کی خوشی و خواہش تو رکھتے ہوتے ہیں۔ ہاں چند کراماتوں کی ضرورت ہو گی۔"

"وہ بھی ایسی کرامتیں دکھاؤں گا کہ طبیعت خوش ہو جائے گی مہاراج گووند کی۔" طالوت نے کہا اور ہم گووند اس پور کے محل کی جانب چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم محل کے سامنے تھے۔

کیا شاندار محل تھا۔ بارہ دری بڑے وار چاروں جانب پھیلے ہوئے تھے۔ ایک راستہ دربار عام کی طرف جاتا تھا۔ اس پر جانے والوں پر روک ٹوک نہیں تھی۔ دوسرا راستہ محل کے اندرونی حصے کی طرف لے جاتا تھا جہاں بغیر اجازت پرندہ بھی نہیں مار سکتا تھا۔ شاید دربار کو جانے والوں کو اس طرف سے اتارا جاتا تھا۔

ہم دونوں ہی راستے بٹ پڑے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم دربار عام کے دروازے پر تھے۔ دروازے پر کھڑے ہوئے پہریدار نے ہماری طرف دیکھا اور دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا۔ "کلیمی رہو۔" میں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور پہرے دار ہٹ سے بن گئے۔

"بہت خوب۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔ سامنے ایک عظیم الشان ہال تھا۔ جس میں آخری سرے پر تخت بچھا ہوا تھا۔ تخت کے دونوں طرف زرنگار کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک کرسی پر ایک دراز قامت شخص بیٹھا ہوا تھا۔ جو غیر معمولی حد تک بڑی اور چڑھی ہوئی مونچھیں۔ بھیانک چمکتی سرخ آنکھیں۔ چوڑی دار پاجامے اور ایک قیمتی کپڑے کی شیروانی پہنے ہوئے۔ ایک خوبصورت چھڑی ہاتھ میں لئے ہوئے بڑے تحمل سے ایک کرسی پر براجمان تھا۔ دوسری کرسی پر ایک بوڑھا سا مرد بیٹھا ہوا تھا۔ یہ بھی خوبصورت آدمی تھا۔

البتہ تخت خالی تھا۔

"کوئی شاندار ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن راجہ نہیں ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ راجہ نہیں معلوم ہوتا۔"

"کیوں؟"

"راجہ ہوتا تو تخت پر ہوتا۔"

"اوہ۔ پھر کون ہے.....؟"

"وزیر۔ یا پھر کوئی اور بہت بڑا عہدیدار۔"

"ہوں۔" طالوت نے گردن ہلائی۔ چار سیڑھیاں اتر کر نیچے دوسرے درباریوں کی کرسیاں تھیں۔ ایک طرف مسائل لانے والوں کا کٹہرہ بنا ہوا تھا جہاں چند لوگ کھڑے ہوئے تھے اور ایسے ہی دوسرے لوگ جو راج دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ ہم دونوں کو سب نے گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔

بڑی مونچھوں والے نے بھی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھا تھا۔ دربار کے آداب ضرور ہوں گے۔ لیکن ہمیں ان آداب کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا۔

"چلو۔" طالوت نے رکے بغیر کہا اور ہم سب کو نظر انداز کر کے آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ سیڑھیوں کے پاس پہنچ گئے اور پھر ہم نے پہلی سیڑھی پر ہی قدم رکھا تھا کہ دو چوبدار جن کے ہاتھوں میں علم تھے ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"یہیں رکیں صاحب۔" ان میں سے ایک نے کہا اور طالوت نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر دوسرے کی طرف اور دونوں اس طرح پیچھے ہٹ گئے جیسے انہیں کرنٹ لگا ہو۔

تب طالوت نے اشارہ کیا اور ہم سیڑھیوں پر چڑھ کر اوپر پہنچ گئے۔

چوڑے چہرے والا گہری نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے دوسری طرف بیٹھا ہوا سادھو بھی ہماری طرف ہی متوجہ تھا۔ تب بڑی مونچھوں والے نے گرجدار آواز میں کہا۔

"کیا بات ہے صاحب؟"

"گووند اس کپور کہاں ہے؟" طالوت نے کہا۔

"صاحب دربار میں نہیں آتے۔ تم لوگ کہاں سے آئے ہو؟"

"وہاں سے جہاں تیری نگاہیں۔ تیرا تصور نہیں پہنچ سکتا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"مطلب کی بات کرو صاحب۔ میرا تصور بہت دور پہنچ ہی۔

"کون ہے تو۔" طالوت نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم دیوان ہرچرن لال کے سامنے ہو ہاں۔" اس بار سادھوؤں کی آواز ابھری۔

"راجہ گووند اس کپور کو بلاؤ۔ ہم اس کے سوا کسی سے ملنا نہیں چاہتے۔" طالوت نے پر رعب لہجے میں کہا۔

"آپ اپنے بارے میں بتائیے کہاں صاحب۔ کہاں سے آئے ہیں اور کیوں صاحب سے ملنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ بہت بڑے کہلاتے ہیں تو آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ صاحب کسی سے نہیں ملتے۔"

"خبردار ہرچرن لال۔" طالوت نے مجھے پکارا۔

"صاحب تربوز۔"

"ان آنکھ کے اندھوں کو بتاؤ کہ ہم کتنے بڑے کہلاتے ہیں۔"

"آپ ہی بتا دیں صاحب۔" میں نے کہا۔

"کیا مسخرہ پن لگا رکھا ہے تم لوگوں نے۔ یہ دربار ہے۔ دربار کا احترام کرو۔"

"سادھوؤں کے لئے کوئی دربار قابل احترام نہیں۔ ہم تو اس دربار کے باسی ہیں جہاں بڑے بڑے راجہ بھکاری ہوتے ہیں۔"

"آپ کو کس چیز کی ضرورت ہے صاحب۔ بتائیں اور یہاں سے چلے جائیں۔"

"کیوں۔ اتنے بڑے محل میں ہماری کوئی جگہ نہیں ہے۔"

"اوہ۔ تو یوں کہئے۔ آپ یہاں رہ کر روٹیاں توڑنا چاہتے ہیں لیکن اس کے لئے تو بہت سے مندر اور دھرم شالہ موجود ہیں صاحب۔" دیوان نے کہا۔ اور کئی چوبدار ہماری طرف بڑھے۔

"خبردار۔ رک جاؤ۔ اگر تربوز والی صاحب کو پتا چل گیا تو تم سب بھسم ہو جاؤ گے۔" میں چیخ پڑا۔

"چپ نانگی داس۔" دیوان جی نے اس بار سادھو صاحب کو مخاطب کیا۔

"دیوان جی۔"

"ذرا سادھوؤں کو دیکھئے۔ یہ بھی منت خورے ہیں یا کچھ رکھتے بھی ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں دیوان جی۔ مجھے تو یہ مسخرے معلوم

ہوتے ہیں۔"

"خربوزی صاحب۔ مجھے جلال آیا ہے۔" طالوت بولا۔

"آنے دیں صاحب۔ یہ ایسے نہیں مانیں گے۔" میں نے کہا۔

"تو یہ لے۔" طالوت ایک ہاتھ اٹھایا اور سادھو صاحب یعنی نانگی داس کی کرسی اٹھی ہو گئی۔ صورتحال یہ تھی کہ نانگی داس اس پر بیٹھے ہوئے بھی تھے لیکن پیر نہیں گر رہے تھے اور کرسی اٹھی خلا میں لٹکی ہوئی تھی۔

"اگر سنتوں سادھوؤں کا ایسے ہی اپمان ہوتا رہا اس محل میں تو ایک دن ہم اس محل کو بھی اسی طرح ان کر دیں گے۔ آؤ خربوزی صاحب۔" طالوت نے میرا شانہ پکڑ لیا۔ اور واپسی کے لئے مڑا۔

لیکن دیوان ہرچرن لال جلدی سے کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خلا میں اٹھی لٹکی ہوئی کرسی کو دیکھ رہا تھا۔ درباریوں کی بھی عجیب کیفیت تھی۔ سب کے منہ پھٹے ہوئے تھے۔

"صاحب۔ صاحب۔ رک جائیے صاحب۔" دیوان ہرچرن لال ہاتھ اٹھا کر چیخا۔

"اب نہیں رکیں گے۔ اب نہیں رکیں گے۔ ہم روٹیاں توڑنے آئے تھے۔ نہیں توڑیں گے تیری روٹیاں۔ اتار لے اب اپنے نانگی داس کو۔ ہم بھی تو دیکھیں کیسے اتارتا ہے۔" طالوت اینٹھتے ہوئے بولا۔

"صاحب۔ صاحب۔ رک جائیے صاحب۔" دیوان جی نے کہا۔ بہت سے لوگ ہمارے راستے میں آ گئے تھے۔ اور پھر دیوان جی بھی سیڑھیاں اتر کر ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"رک جائیے صاحب۔ رک جائیے۔"

"کیوں رک جائیں۔ نہیں رکیں گے۔"

"آپ مہان ہیں صاحب۔ ہماری آنکھیں آپ کو نہیں پہچان سکی تھیں۔"

"مسخرے ہیں ہم تو۔"

"نہیں صاحب۔ بھول ہو گئی تھی۔ شما کر دیں۔"

"دیوان ہرچرن لال۔" طالوت نے کہا۔

"صاحب۔" دیوان ہاتھ جوڑی سے بولا۔

"ہم تم سے کہہ چکے ہیں کہ ہم گووند اس کپور سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"ان سے بھی ملا دوں گا صاحب۔ مجھے بھی سیوا کا موقع دیں۔"

"تب محل میں ہمارے ٹھہرنے کا بندوبست کرو۔"

"سب کچھ ہو جائے گا صاحب۔ سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ پدھاریئے۔"

"خربوزی صاحب۔" طالوت نے مجھے پکارا۔

"صاحب تربوز۔"

"کیسے پدھاریں؟" طالوت نے تنک خیز لہجے میں بولا۔ پدھارنے کا لفظ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

"جہاں دل چاہے بیٹھ جائیں صاحب۔"

"اوہ۔ اچھا۔ اچھا۔" طالوت نے کہا۔ اور پھر وہ خطرناک تیور صاحب گووند اس کپور کے تخت پر بیٹھ گیا۔ سارے درباری کھڑے ہو گئے تھے۔ وہ لٹکے ہوئے صاحب کو دیکھ کر ششدر تھے۔ لیکن گووند اس کپور کے تخت پر کسی اور کو بیٹھے دیکھ کر وہ غصے میں بھر گئے تھے۔

"صاحب۔ صاحب۔ شما کریں صاحب وہاں نہ بیٹھیں۔ بڑی بے ایمانی ہو گی۔"

"کیوں؟ کیوں نہ بیٹھیں؟"

"یہ صاحب کا سنگھاسن ہے۔ یہاں اور کوئی نہیں بیٹھ سکتا۔"

"سادھو بیٹھ سکتے ہیں۔" طالوت تخت سے اٹھ کر بولا۔ "آؤ۔ آؤ۔ اٹھو۔" اور اس سے قبل کہ دیوان جی کچھ کہتے سالار رنجیت لوگوں کو اشارہ کر کے طالوت پر پل پڑا۔ اس نے طالوت سے ہاتھا پائی نہیں کی تھی۔ لیکن وہ سب مل کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ جن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ پانچ چھ آدمی مل کر طالوت کو ہلا بھی نہ سکے۔

اور وہ بری طرح بوکھلا گئے۔ سارے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"بدخاست۔ دربار برخاست۔" دیوان ہرچرن لال چیخا اور درباری کھڑے ہو گئے۔ بہرحال یہاں بھی خوب دھما چوکڑی مچ گئی تھی۔ طالوت اب بھی تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ معمولی بات نہیں تھی۔ بہت بڑا شگون تھا کہ راجہ کی زندگی میں اس کے تخت پر کوئی بیٹھ جائے۔

"اٹھ جائیے صاحب۔ بھگوان کے لئے اٹھ جائیے۔ ورنہ میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔"

"بڑے چھوٹے دل کے ہو تم لوگ۔ کیا ہوا اگر تھوڑی دیر کے لئے ہم ان تخت پہ بیٹھ گئے۔" طالوت نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اس کی سزا موت ہے صاحب۔ مگر آپ سنت سادھو

ہیں۔ میں آپ سے کیا کہوں۔" ہرچرن لال بے ہوش ہوتے ہوئے سادھو کے اس کے خوفناک چہرے پر بے بسی نظر آ رہی تھی۔

ہم لوگ دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ ہرچرن اور دوسرے تاجر ابھی وہیں تھے۔

"ناگی داس کی مشکل حل کر دیں مہاراج۔" ہرچرن لال نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

"ناگی داس۔ نیچے اتر آؤ۔" طاوت نے کہا اور ناگی داس کی سہمی سہمی سی ہنسی سنائی دی۔ پھر وہ نیچے اتر آیا۔ ناگی داس اب بھی کسی بت کی مانند ساکت تھا۔ اس کی پلکیں تک نہیں جھپک رہی تھیں۔

"ہم آپ کی کیا سیوا کریں مہاراج۔" ہرچرن لال نے کہا۔

"بس کچھ روز تمہارے ساتھ گزاریں گے۔ گووند اس کپڑے لیں گے اور پھر یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"مگر مہاراج تو کسی سے ملتے نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس۔ آج کل ان کی صحت ٹھیک نہیں ہے۔ وہ دربار میں بھی نہیں آتے۔"

"ہم ان کی صحت ٹھیک کر دیں گے۔"

"وہ کسی سے ملیں تب نا۔"

"پھر دربار کے کام کون چلاتا ہے۔"

"ان کا داس۔" ہرچرن لال نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے دیوان جی۔ مگر کیسی ہے تمہاری حکومت۔ یہاں دو سادھوؤں کے لئے بھی جگہ نہیں ہے۔"

"پوری ریاست ورگاپور میں جگہ جگہ دھرم شالے اور مندر موجود ہیں مہاراج۔ اور پھر آپ جیسے رشی منی کو تو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے گا۔ آپ پتا کیوں کرتے ہیں۔"

"پتا اس بات کی ہے کہ ہم تمہارے محل میں ٹھہریں گے۔ ہم عام سادھو نہیں ہیں۔"

"اگر آپ کیا دیں تو راج مندر میں آپ کا بندوبست کروا دیا جائے۔"

"راج مندر۔ یہ کہاں ہے؟"

"محل کے اندر۔ بہت بڑا مندر ہے۔ اس کے دروازے ہفتے میں صرف ایک روز عام لوگوں کے لئے کھلتے ہیں۔"

"چلو منظور ہے۔ وہیں سہی۔" طاوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ناگی داس جی۔" ہرچرن لال بولا۔

"ہیں۔ ہیں۔ نے بھگوان۔ ہری کرشن۔ ہری ہری۔" ناگی داس حواس میں آتے ہوئے بولے۔ اور پھر وہ تھرتھر کانپنے لگے۔

"کیا آپ ڈر رہے ہیں۔" ہرچرن لال دانت پیستے ہوئے بولے۔

"نہیں دیوان جی۔ نہیں۔ مختی جی۔ نہیں۔ منت ہے مہاراج۔" اس نے ہم دونوں کی طرف ہاتھ جوڑ لئے۔

"مہمان سادھوؤں کو راج مندر لے جائیے۔"

"جو آپ کہیں مہاراج۔ جو حکم مہاراج۔" ناگی داس کی شکل بگڑی ہوئی تھی۔ کئی منٹ تک اسے لگے رہنے کے بعد ان کی شکل معمول پر آ سکی تھی۔ "چلئے مہاراج۔"

"پورن لال مہاراج سے کہہ کر ان کے رہنے کا بندوبست کروا دیں۔"

"جو آپ کہیں مہاراج۔" ناگی داس نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا اور ہرچرن لال کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

"اسی میں تمہاری فتح ہے ہرچرن لال۔" میں نے کہا اور ہرچرن لال ہاتھ جوڑ کر مسکراتا رہا۔ ناگی داس اب ہمارے سامنے نیچا جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"مجھے شما کریں مہاراج۔ بھگوان کے لئے مجھے شما کریں میں آپ کا داس ہوں۔ آپ کو نہ سمجھ سکا تھا۔"

"جاؤ۔ معاف کیا۔ سادھوؤں کے بارے میں بنا بتائے اب ایسی کوئی بات منہ سے مت نکالنا۔" طاوت نے کہا اور ہم لوگ راستے طے کرتے رہے۔ راج مندر راج محل کی رہائشی عمارت کے عقب میں تھا۔ نہایت ہی شاندار مندر تھا۔ وسیع و عریض رقبے میں پھیلا ہوا مندر کے صحن میں ایک بہت بڑا دالان تھا۔ اونچا سا چبوترہ تھا۔ اس کے پیچھے ایک بڑا دالان تھا۔ دالان سے گزر کر پوجا کا بہت عظیم الشان ہال تھا جہاں سینکڑوں آدمی ایک وقت میں آ سکتے تھے۔ یہاں سونے چاندی کے بے شمار بت رکھے ہوئے تھے۔ درجنوں پنڈت اور پنڈے پوجا میں مشغول تھے۔ ناگی داس کی معیت میں ہم ان کے درمیان سے گزرتے چلے گئے۔

"کیا خیال ہے مارشے۔ یہاں دو داسیاں بھی ہوں گی۔"

"راج مندر ہے۔ دو داسیاں تو ہونی ہوں گی۔"

"اور مالا ہے۔" طاوت نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"ویسے عمدہ جگہ ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔"

"سونے کے ان بتوں کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ مال دار ریاست ہے۔"

"یقیناً۔" میں نے کہا اور پھر ناگی داس ایک دروازے کے پاس پہنچ گیا۔

"پجاریاں اندر ہیں مہاراج۔" ناگی داس نے کہا۔

"کیوں۔ یہ کوئی جگہ ہے۔"

"آپ ایک بہت بڑے رشی منی کی سیوا میں حاضر ہو رہے ہیں۔"

"یہ کون ہیں۔"

"مہاراج پورن لال جی۔ ان سے مل کر آپ کی طبیعت خوش ہو جائے گی۔"

"آپ کی راج دربار میں کیا حیثیت ناگی داس جی؟"

"جی۔ داس ہوں۔ مہاراج کو وند اس کپڑے کے دھرم کے کاموں میں دیوان جی کی مدد کرتا ہوں۔"

"اوہ۔" طاوت نے گردن ہلائی اور پھر ہم نے مخصوص ساخت کی سادھوؤں کی عمارتوں کے دروازے پر اتار دیئے۔ اور اندر داخل ہو گئے۔ بڑا سا کمرہ تھا۔ اندر کا ماحول پراسرار تھا۔ سیاہ رنگ کا ایک مجسمہ کمرے کے درمیان میں رکھا ہوا تھا اور اس کے قدموں میں ایک سندور جسم کا حامل سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے بدن پر بھی سادھوؤں کا لباس تھا۔ لیکن عام سادھوؤں کی مانند اس کا سر گھٹا ہوا نہیں تھا بلکہ لمبے لمبے بال بکھرے ہوئے تھے۔

"ہری اوم۔" ناگی داس نے آہستہ سے کہا۔ لیکن سادھو متوجہ نہیں ہوا۔ وہ سر جھکائے بیٹھا رہا اور کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔ ہم لوگ بور ہونے لگے تھے اور طاوت کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔

"اٹھو دیں اتے۔" طاوت نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"اوہ۔ رکو۔ دیکھتے رہو۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ تب سادھو نے گردن اٹھائی اور پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ خاصے لمبے قد کا مالک تھا۔ عام سادھوؤں کی طرح مجرب نہیں تھا بلکہ سڈول بدن رکھتا تھا چہرے سے تیز اور خوفناک معلوم ہوتا تھا۔ اس نے خاموشی سے ہم تینوں کو دیکھا اور پھر بڑے نرم لہجے میں بولا۔

"کیا بات ہے ناگی داس۔ کون لوگ ہیں یہ۔"

"وہ بڑے گیانی ہیں مہاراج۔ بہت بڑے سادھو ہیں۔"

"ہوں۔" سادھو نے کہا اور ایک بار پھر ہماری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بہت گہری اور من میں اتر جانے والی تھیں۔ "مہاراج کی سیوا کرنا ناگی داس۔ تم جاؤ۔"

"مہاراج ہرچرن لال جی کی اچھا ہے کہ ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا جائے۔"

"یہ بھگوان کا گھر ہے ناگی داس۔ یہاں کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں ہوتا۔" سادھو پورن لال نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔ لیکن یہ بات ہم دونوں نے خاص محسوس کی تھی کہ اس کی آواز میں کھینچے کی سی فراہمت ہے۔

"سمجھے۔" اب مہاراج۔"

"ہاں ہوں۔ چنتا نہ کرو۔ ان کے ساتھ برا سلوک نہ ہوگا۔" اور ناگی داس ہاتھ جوڑ کر نمسکار کر کے چلا گیا۔

"تیجو مہاراج۔ مرگھٹ میں یہ جگہ چنتا نہ تھے لی۔" پورن لال نے کہا اور پھر ہمارے ساتھ دروازے سے نکل آیا۔ عظیم الشان مندر کے ایک خوبصورت حصے میں پہنچ کر ہم زمین پر بچھی ہوئی دریوں پر بیٹھ گئے۔ پورن لال نے ایک طرف رکھا ہوا گھنٹہ بجا دیا تھا۔ ایک قوی ہیکل پنڈا اندر آیا۔

"سادھو مہاراج آئے ہیں۔ ان کے لئے جل پانی لاؤ۔"

"مہاراج۔" پنڈے نے سر جھکایا اور باہر نکل گیا۔ تب پورن لال نے روشنی میں ہماری آنکھوں میں جھانکا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے دانت بھی کسی بھیڑیئے کی مانند تھے اور اس کی مسکراہٹ بظاہر نرم۔ لیکن اندر سے بڑی خوفناک لگتی تھی۔

"آپ کے درشن کر کے بڑی خوشی ہوئی مہاراج۔ میرا نام پورن لال ہے۔ آپ کا شبھ نام ہے؟"

"ترپھوزال۔ خرپھوزال۔" طاوت نے جواب دیا۔

"اوہ۔" پورن لال آہستہ سے بولا۔ اس نے اس نام پر کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا۔ ہاں اس کی آنکھیں جیسے ٹٹول رہی تھیں۔ "آپ دونوں بھائی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کی شکلیں ایک دوسرے سے بہت ملتی ہیں۔" اس نے کہا۔

"ہاں۔ ہم دونوں بھائی ہیں۔"
"کہاں سے آئے ہیں؟"
"پہاڑوں سے۔" طالوت نے جواب دیا۔ ویسے وہ بھی اب اس ماحول سے واقف ہو گیا تھا اور کافی حد تک فٹ جا رہا تھا۔
"خوب۔ تعلق کہاں سے ہے؟"
"پہاڑوں سے۔"
"اوہ۔ میں سمجھا۔ آپ اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتے۔ سچ ہے سادھو سنتوں کا اس سنسار سے کیا تعلق۔ یہ سنسار ان کے لئے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ بہرحال، میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔"
"یہ بات نہیں ہے پورن مہاراج۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم نے جیون میں پہلی بار اس سنسار کو دیکھا ہے۔ ہم نے پہاڑوں پر آنکھ کھولی۔ وہی عمر بتائی اور پھر ہمیں حکم ملا کہ اس سنسار کو قریب سے دیکھیں سو ہم چلے آئے۔" میں نے کہا۔
"بھگوان کی لیلا ہے۔" پورن لال نے کہا۔ بڑا پکا اور گہرا آدمی تھا۔ اتنی دیر میں پنڈا تھال اٹھائے آ گیا۔ اس کے پیچھے ایک اور پنڈا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کسی خوش رنگ مشروب کے گلاس تھے۔ پہلے پنڈے کے ہاتھوں پر رکھے ہوئے تھال میں پھل اور مٹھائیاں تھیں۔ انہوں نے یہ سب سامان ہمارے سامنے رکھ دیا۔
"شروع کریں مہاراج۔" پورن لال نے کہا اور پنڈوں سے مخاطب ہو کر بولا۔
"ایک کوٹھری مہاراج کے لئے ٹھیک کر دو۔ سنت یہاں آرام کریں گے۔"
"جو آیا مہاراج۔" دونوں پنڈے ادب سے بولے اور باہر نکل گئے۔ میں نے کسی قدر تکلف سے کام لیا تھا۔ لیکن طالوت کسی سلسلے میں تکلف نہیں جانتا تھا۔ وہ مزے سے شروع ہو گیا اور پھلوں اور مٹھائیوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ اس نے ایک بار بھی پورن لال کو اپنے ساتھ شامل ہونے کو نہیں کہا تھا پورن لال مسکراتی نگاہوں سے ہمیں دیکھتا رہا۔
اور پھر شربت کے کئی گلاس پینے کے بعد طالوت نے ایک ڈکار لی اور اس طرح مجھے اور پورن لال کو گھورنے لگا جیسے اس سے قبل موجودگی کو ہی بھول گیا ہو۔
"پوجا شام کو چھ بجے ہو گی مہاراج۔ اس سے تک آرام کریں۔" پورن لال نے پھر گھنٹہ بجایا اور پنڈے آ گئے۔
"کوٹھری ٹھیک کر دی؟"
"ہاں مہاراج۔"
"چلو۔ انہیں لے جاؤ۔" پورن لال نے حکم دیا اور ہم باہر نکل آئے۔ کوٹھری تک کا سفر خاموشی سے طے ہوا۔ جسے کوٹھری کہا گیا تھا وہ ایک حجرہ اور کشادہ کمرہ تھا۔ روشن اور ہوادار۔ وہاں "آرام و آسائش" کا سارا سامان موجود تھا۔ طالوت اطمینان سے ایک نرم مسند پر دراز ہو گیا۔
"ایسا لگتا ہے جیسے سسرال آئے ہوں۔" اس نے کروٹ بدل کر کہا۔
"لیکن طالوت۔ میں خود کو بہت سے انجانے خدشے میں گھرا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔"
"خطرات کی آہٹ کی تھی۔"
"تم نے کچھ غور کیا؟" میں نے پوچھا۔
"اب کریں گے۔ فکر کس سلسلے میں؟"
"دیوان ہرچرن کے بارے میں کیا خیال ہے؟"
"چالاک اور خطرناک آدمی ہے۔" طالوت نے لاپرواہی سے جواب دیا۔
"میرا بھی یہی خیال ہے۔ صورت ہی سے خوفناک معلوم ہوتا ہے۔ تم لاپرواہی سے ٹال رہے ہو۔ حالانکہ میرا خیال ہے اس نے ہمیں بحالت مجبوری برداشت کیا ہے۔"
"جیسے بھی برداشت کرے۔ بہت سے لوگوں نے ہمیں بحالت مجبوری برداشت ہے۔ یہ کوئی نئی بات ہے۔" طالوت نے کہا۔
"اور پھر یہ پورن لال؟"
"صحیح معنوں میں تو میرے خیال میں پورن لال ہرچرن لال سے زیادہ ہی خطرناک ہے۔"
"فیصلہ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دونوں میں کون زیادہ خطرناک ہے۔"
"فیصلہ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے یار۔ ہم دونوں کی ناک کاٹ لیں گے تاکہ ناک غائب ہو جائے، وہ صرف خطرہ رہ جائیں۔"
"تمہارے لئے یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی طالوت۔ لیکن مجھے غور کرنا پڑے گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ہرچرن لال ہمیں نظر انداز کر دے گا۔"
"جب تک زندہ ہوں۔ تمہارے لئے بھی کوئی بات اہمیت نہیں رکھتی۔ سمجھے۔" طالوت نے کہا اور پھر جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا "چھوڑو یار، کیا فضول باتیں لے بیٹھے۔ کچھ رنگینیاں، کچھ دلکش باتیں کرو۔"
"ہوں۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔ "یہ راج محل ہے۔ رنگینوں اور دلکشی سے بھرپور ہو گا۔ ہمیں غم ہے کہ

سندر نہ پیریں۔" طالوت نے پوچھا۔
"رات ہونے دو۔ ویسے پوجا ہال میں چلیں گے۔ دیکھیں گے وہاں کیا پوزیشن ہے۔"
"تب پھر آرام کرو۔" طالوت نے کہا اور مزے سے لیٹ گیا۔ لیکن میں ان دونوں شخصیتوں کا موازنہ کر رہا تھا۔ ہرچرن لال اور پورن لال۔ ہرچرن صاحب اقتدار۔ گویا گوونداس کپور کی غیر موجودگی میں وہ دربار بھی لگا سکتا ہے اور تھا حکومت کے کاموں کو نپٹا سکتا ہے۔ اس سے اس کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے گوونداس کپور اس پر بے حد اعتماد کرتا ہے۔
اور..... شاید پورن لال۔ ہرچرن لال کے خاص آدمیوں میں شامل ہے۔ لیکن یہ شخص بھی ہرچرن لال سے کم خطرناک نہیں ہے۔ خاص طور سے ایسے لوگ بے حد خوفناک ہوتے ہیں جو بھیڑیے ہونے کے باوجود بھیڑوں کے انداز میں گفتگو کریں۔ بہرحال یہ تجربہ بھی دلچسپ رہے گا۔ میں نے ایک طویل سانس لے کر آنکھیں بند کر لیں۔
شام کو چھ بجے ہم تیار ہوئے اور پوجا کے ہال میں چل پڑے۔ اندر سے گھنٹیوں کی سی جھنجناہٹ سنائی دے رہی تھی۔ ہم نے اندر قدم رکھا تو آنکھیں چکاچوند ہو گئیں۔
جس مندر میں ہم نے تین روز گزارے تھے اس کی تو حیثیت ہی کیا تھی۔ وہ عام مندر تھا۔ اور یہ راج مندر۔ محل کی داسیاں اور رانیاں بھی موجود تھیں۔ صحیح معنوں میں مردوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ صرف پنڈت مرد اور دو تین عورتیں یا پھر پنڈے، تھے۔ جو حسب معمول پوجا کے کاموں میں مشغول تھے۔ بہت سے پنڈت تھے۔ لیکن پورن لال موجود نہیں تھا۔
"یار۔ بڑا حسن بکھرا ہوا ہے۔"
"راجہ کا محل ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"ویسے یہ ہندو عورتیں بے حد حسین ہوتی ہیں۔"
"اس میں کیا شک ہے۔"
"ان میں گوونداس کپور کی رانیاں بھی ضرور ہوں گی؟"
"ہاں۔ میرا خیال ہے۔ داسیاں جن مہینوں کو بھرشٹ میں لئے ہوئے ہیں، وہ رانیاں ہی ہوں گی۔"
"اس عورت کو دیکھو۔ میرا خیال ہے زیادہ عمر نہیں ہے۔" طالوت نے ایک خوبصورت عورت کی طرف اشارہ کر کے کہا اور میں اس رانی کو دیکھنے لگا بلاشبہ انتہائی پرکشش خدوخال کی مالک تھی۔ چاند کی مانند دمکتا ہوا چہرہ۔ زیورات سے لدی ہوئی تھی اس لئے اور حسین نظر آ رہی تھی۔ میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ درمیانہ قد۔ انتہائی حسین جسم، سرخ رنگ کی ساڑھی میں بے حد پرکشش نظر آ رہا تھا۔
"حسین چھوہے طالوت۔" میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔
"چھوہے تمہیں؟" طالوت نے کہا۔
"کیوں ہے اس کی؟"
"تب ہو۔ تمہیں دی۔" طالوت نے فراخدلی سے کہا اور مجھے ہنسی آ گئی "اب۔ ہنسنے کی کیا بات ہے۔ تم اس سے عشق کرنے کے لئے آزاد ہو۔" طالوت نے معنوی انداز میں جملے ہوئے کہا اور میں کھسیانا کر رہ گیا۔ ویسے یہ حقیقت تھی۔ وہ کوئی بھی ہو، مجھے پسند آئی تھی اور میں اس کے لئے دل میں کافی کشش محسوس کر رہا تھا۔
پوجا جاری رہی۔ پنڈت اشلوک پڑھتے رہے اور پھر پوجا کے ختم پر ایک دیو کنیا نے تھوڑی دیر رقص کیا۔ تب پوجا ختم ہوئی۔ داسیاں، رانیاں مندر سے نکلنے لگیں۔
میں صرف اسی رانی کو دیکھ رہا تھا۔ بلا کی نزاکت تھی اس کی چال میں۔ بے حد پرکشش عورت تھی۔ دل جیسن لینے والی۔ ہم نے بھی پوجا ہال سے باہر نکل آئے اور باہر قدم رکھتے ہی طالوت چونک پڑا۔
"عارف۔" اس نے آہستہ سے کہا۔
"ہوں۔"
"ہرچرن لال۔" طالوت نے کہا اور میں بھی اس کے اشارے پر ہرچرن لال کی طرف دیکھنے لگا۔ جو شاید پجاری پورن لال کی طرف جا رہا تھا۔ "یہ خطرناک بننے والے ہیں۔" اس نے کہا۔
"ہمیں ان سے دور رہنا چاہئے۔"
"تب چلو۔" ہم اپنے کمرے کی طرف چل پڑے اور پھر انتہائی محتاط ہو کر ہم دونوں پورن لال کی رہائش گاہ کی طرف بڑھے۔ لیکن اس وقت ہم دنیا کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔
پورن لال کی رہائش گاہ کے کواڑ کھلے ہوئے تھے۔ پنڈے باہر نکل رہے تھے۔ شاید انہیں باہر جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ بہرحال دونوں اندر داخل ہو گئے۔ ہرچرن لال ایک کرسی پر بیٹھا تھا، اور پجاری اس سے تھوڑے فاصلے پر کھڑا جاتے ہوئے پنڈوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جب آخری پنڈا نکل گیا تو پورن لال نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔
اور پھر، مسکراتا ہوا ہرچرن لال کی طرف بڑھا۔ وہی

بھیانک ہیں مہاراج۔"

"کیسے ہو پورن لال؟" پرچھن نے پوچھا۔

"جی مہاراج آپ کی کرپا ہے۔"

"خوب نذر رہی ہے؟" پرچھن مسکرایا۔

"خوب۔"

"دیوی جی رام ہوئی؟"

"ہو جانے کی مہاراج۔ بچ کر کہاں جائے گی۔" پورن لال نے خوفناک انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ تم سے بچ کر کوئی جا بھی کہاں سکتا ہے آج تک۔" پرچھن لال ہوا اور طالوت ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھنے لگا۔

○

پورن لال بدستور ہنس رہا تھا اور پرچھن گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ پھر ایک طویل سانس لے کر بولا۔

"میں نے دو سادھوؤں کو تمہارے پاس بھیجا تھا پورن لال؟"

"بھیج گئے ہیں مہاراج اور میں نے آپ کی آگیا کے مطابق انہیں آرام سے ٹھہرا دیا ہے۔"

"میں نے صرف اس لئے انہیں تمہارے پاس بھیجا تھا پورن لال؟"

"میں یہ بھی جانتا ہوں مہاراج۔ پر آپ سے بات کئے بنا میں کیا کر سکتا تھا۔ اب مجھے ان کے بارے میں بتائیے۔"

"خود تم نے ان کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا؟"

"معمولی سا۔"

"کیا؟"

"بہت گہرے بہت چالاک ہیں۔ بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔"

"چالاک درباری تو تھے۔ ایسے ایسے حیرت انگیز کارنامے دکھائے کہ سارے درباری حیران رہ گئے۔ ان میں سے ایک پوپی تو راج سنگھاسن پر بھی بیٹھ گیا۔ سیتا پتی بہت بڑا۔ اس نے اسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن بہت سے لوگ بھی مل کر اسے نہ اٹھا سکے۔"

"طاقت کا کمال ہوگا۔ ان کے بدن بھی مضبوط معلوم ہوتے ہیں۔"

"ارے نہیں پورن لال۔ تائی داس سے پوچھو جن کی کرسی اٹھی ہوئی تھی اور وہ اس پر بیٹھے تھے۔"

"ہوں۔" پورن لال کی سرخ آنکھیں بھی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ کئی منٹ خاموشی رہی۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "صورت سے تو لٹیرے نہیں معلوم ہوتے اور اگر ہیں تو راج محل میں ان کا کیا کام۔ انہوں نے اپنے آنے کا کارن نہیں بتایا؟"

"مہاراج گووند اس کپور سے ملنے کی باتیں کرتے تھے۔"

"ہنسہ؟"

"کون پوچھ سکتا تھا۔"

"تو پھر کیا پتہ چلا پرچھن کی؟"

"میں نے انہیں تمہارے حوالے کر دیا ہے پورن لال۔ میں محل میں کسی خطرناک قوی کا وجود برداشت نہیں کر سکتا۔ حالات ویسے ہی اچھے نہیں ہیں۔"

"ہوں۔" پورن لال کی ہوں بہت طویل تھی۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے پرچھن لال جی۔ آپ کا داس سب پتہ ٹھیک کر لے گا۔ بڑے بڑے لٹیروں سے اس کا واسطہ پڑا ہے۔"

"تم سمجھتے ہو پورن لال۔ ہوشیاری سے کام کرنا ہے۔"

"جی آپ چنتا نہ کریں۔ ہاں وہ سادھو کی بات رہی؟" پورن لال مسکرایا۔

"ابھی کیا جلدی ہے پورن لال۔ وہ کام بھی ہو جائے گا۔ ابھی تو دیوی جی کو سنبھالو۔"

"اسے کل میں آجانا چاہئے مہاراج۔ آپ اسے مجھے دے چکے ہیں۔ باقی کام بھی آپ خود کریں گے۔"

"آجائے گی۔ آپ نے کہی۔" پرچھن لال نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ اٹھ گیا۔ پورن لال اسے دروازے تک چھوڑنے گیا تھا اور پرچھن لال باہر نکل گیا۔

"وہ خطرناک انسان۔" میں نے آہستہ سے کہا اور طالوت چونک پڑا۔

"ہاں۔ ایک طالوت اور دوسرا عارف۔" اس نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔

"نہیں۔ ایک پرچھن لال اور دوسرا پورن لال۔"

"بکواس ہے۔ دونوں سازشی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارا کیا بگاڑ لیں گے۔"

"پروگرام تو بتاؤ۔"

"دیکھ لیں گے۔" طالوت آنکھ مار کر بولا اور پھر مجھے اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "چلیں۔"

اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی کوٹھری میں تھے۔

"یہ دیوی کون ہے؟" طالوت نے کچھ خیال انداز میں پوچھا۔

"وہ سادھو ہوری۔" میں نے کہا۔

"پورن لال کافی عیاش معلوم ہوتا ہے۔"

"اور ان دونوں پر ہی محنت ہے۔"

"مگر وہ شیروں کا شیر کس روپ میں ہے؟"

"گووند اس کپور۔"

"ہاں۔"

"یہاں تو آنے کا کوئی اچھا مقصد معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ کوئی عیاش فطرت انسان وہ گاؤں عورتوں میں گھسا رہتا ہوگا۔ ویسے یار اس راج مندر میں ابھی تک کوئی تفریح نہیں ہوئی۔"

"صبر کرو۔ یہاں کے حالات معلوم کرو۔ تفریح کے لئے بہت وقت پڑا ہے۔"

"یار عارف۔ نہ جانے کیوں رہ رہ کر مجھے وہ لڑکی یاد آجاتی ہے۔"

"اعتراف کیوں نہیں کر لیتے؟"

"اس کے حسن کا اس کی خوبصورتی کا اس کی پرکشش آنکھوں کا اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن اس کے بعد سے فضول بکواس ہے۔ تم نے مجھے اس قدر پکا کر دیا ہے کہ اب ان چکروں میں نہیں پڑتا۔ وہ بھی کسی موٹی توند والے سادھو کے پاؤں دبا کر مٹی حاصل کرنے کے چکر میں ہوگی۔ نہیں ضرور نہیں لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ ہر بات مطلب کی بھی ہو۔"

"یہاں کے ماحول کو دیکھ کر طبیعت مکدر ہو گئی ہے۔ خاص طور سے تلاش نہیں کریں گے۔ ہاں اگر اس دوران نظر آئی تو اس کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"آپ کیا پروگرام ہے؟"

"جو تمہاری مرضی۔" میں نے کہا۔

"محل کی سیر نہیں کرو گے؟"

"کریں گے۔ میرا خیال ہے رات کا بھوجن ہو جانے دو اور پھر ممکن ہے پورن لال جی آج ہی ہم سے ملاقات کی کوشش کریں۔"

"انتظار کریں اس کا؟"

"میری تو یہی رائے ہے۔" میں نے جواب دیا اور طالوت نے ایک مرگ چھالا لیٹ کر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔ "میں بھی یہی خیال کرتا ہوں۔"

رات کا کھانا آپ ہی کے ساتھ سے دونے ایک تھال میں سجے ہوئے تھے۔ مہاراج پورن لال کی ہدایت تھی۔ وہ دونوں تھال ہمارے سامنے رکھ دیئے گئے۔ اور پھر کھانا لانے والے چلے گئے تو میں نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"ٹھہر جاؤ یار۔ بے صبرپن مت کرو۔" طالوت نے کہا اور میں رک گیا۔ طالوت نے کھانے پر ہاتھ گھمایا اور نہ جانے کیا کرنے لگا اور پھر اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے۔"

"یا مطلب؟"

"پورن لال جی کی نوازشوں کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"زہر وغیرہ۔"

"سب کچھ ہو سکتا ہے۔" طالوت نے جواب دیا اور نام کھانے پر پل پڑے۔ ویسے میں طالوت کی بات سے متفق تھا۔ بہرحال اس رات پورن لال جی ہم سے ملاقات کرنے نہیں آئے۔ رات کو کافی دیر تک ہم نے ان کا انتظار کیا اور پھر سو گئے۔ صبح مندر کے گھنٹوں اور ناقوس کی آوازوں سے آنکھ کھلی تھی۔

"اٹھ گئے ہو۔ ہونے بھی نہیں چاہئے تھے۔" طالوت نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اٹھ جاؤ فجر جی مہاراج پوجا کرنے کی چنتا ہے۔" میں نے کہا اور طالوت اٹھتے ہوئے بولا۔

"کل سے بچ جائیں یہ بہت ہی۔ میرا منہ۔"

اور پھر ضروری تیاریوں کے بعد ہم باہر نکل آئے۔ پورن لال جی پوجا کے ہال میں موجود تھے۔ اس وقت زیادہ لوگ موجود نہیں تھے۔ پانچ سے زیادہ نہیں تھے۔ پانچ عورتیں بھی تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ راج محل میں شوہری پوجا زیادہ روا رہتی ہے۔

ہم سال ہمارے لوگوں کی حرکتیں دیکھتے رہے اور پوجا ختم ہوئی۔ پورن لال جی مڑے اور ہمیں دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ پھر وہ مسکراتے ہوئے ہماری طرف آئے۔ انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ہم سے ہاتھ ملا دیئے۔

"کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی آپ لوگوں کو؟"

"سادھو سنتوں کو تکلیف اور آرام کی کوئی پروا نہیں ہوتی۔" میں نے جواب دیا۔

"میری اچھا ہے کہ کچھ وقت آپ کے ساتھ گزاروں۔"

"ضرور۔" طالوت نے کہا۔

"آپ آئیے۔ صبح کا ناشتہ میرے ساتھ کریں۔" پورن لال نے مسکراتے ہوئے کہا اور قدموں اس نے واپس چل پڑے۔ پورن لال ہمیں مندر کے ایک دروازے سے لے گئے۔ وہاں انہوں نے عجیب سی مسکراہٹ بھی۔ مندر کے

یہ حصہ سارے حصوں سے زیادہ خوبصورت تھا۔ بڑے سے کمرے میں پرانے طرز کا عمدہ فرنیچر موجود تھا۔ پورن لال نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم بیٹھ گئے۔ پورن لال ہمارے سامنے ایک کارنس کے قریب کھڑا ہوگیا تھا۔ کارنس پر کہنی ٹکائے وہ ہمیں گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں صمارا ج؟" اس نے سوال کیا۔

"سنسار سدھارنے۔" میں نے جواب دیا۔

"سنسار ٹھیک ہے صمارا ج۔ اور پھر سنسار راج مندر میں محدود نہیں ہے۔"

"ابتدا یہاں سے کریں گے۔"

"یہاں پورن لال کی حکومت ہے۔"

"اس۔ تو یہ گووند اس کپور کی راجدھانی نہیں ہے۔" طالوت نے حیرت سے کہا۔

"میں راج مندر کی بات کررہا ہوں۔"

"کیا راج مندر اس راجدھانی سے الگ ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن یہاں کے اصول اور ہیں۔ یہاں پورن لال کی مرضی چلتی ہے۔"

"کیا کہنا چاہتا ہے بچہ۔ صاف صاف کہہ۔" طالوت بولا۔

"سب سے پہلے میں تمہاری حقیقت جاننا چاہتا ہوں۔ تم نے اپنے نام غلط بتائے ہیں۔ تربوز لال۔ خربوز لال نام نہیں ہوتے۔"

"تربوز جی صمارا ج۔" طالوت جلال سے بولا۔

"صمارا ج خربوز۔"

"اس پاگل کو سمجھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ ہمارے پتا کو بھی چند نے ہمارا یہی نام رکھا تھا۔ اب پتہ کے گا کہ گو بھی چند بھی نام نہیں ہوتا تو ہم اپنے دادا لالہ بشن رائے کا نام لیں گے۔ اس سے پوچھو اسے ہمارے ناموں پر اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟"

"جواب دو پورن لال؟" میں نے کڑک کر کہا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے صمارا ج۔ آپ نہیں بتانا چاہتے تو نہ سہی۔" پورن لال نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا اور پھر وہ چونک کر بولا "ارے ہاں صمارا ج۔ میں بھوجن کا بندوبست کروں۔" اور پھر باہر نکل گیا تب چالاک طالوت میری طرف متوجہ ہوا۔

"بھائی تربوز۔"

"خربوز جی صمارا ج۔" میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"اس وقت کے بھوجن میں ضرور گڑبڑ ہوگی۔"

"ہونی چاہئے۔ میرے خیال میں پورن لال اس وقت ہمت ہارنے کی بات کرنا پسند کرتا تھا۔ لیکن مایوس ہوگیا۔"

"راسم۔" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"آقا۔" راسم کی آواز سنائی دی۔

"کھانا بدل پینا چاہئے۔"

"قبیل ہوگی آقا۔" راسم کی آواز آئی اور طالوت اطمینان سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پورن لال واپس آگیا۔ اس کے ہونٹوں پر ویسی ہی مسکراہٹ چپکی ہوئی تھی۔

"میں بھوجن کے لئے کہہ آیا ہوں۔ ابھی آتا ہوگا اور کیا سماچار ہیں صمارا ج۔"

"درگا پور میں بڑے پاپ ہو رہے ہیں پورن لال۔ ہمارا خیال ہے ہم درگا پور والوں کو ٹھیک کردیں۔ مندر بھگوان کا گھر ہوتا ہے۔ تم جیسے لوگوں نے اسے بھی خراب کردیا ہے۔"

"آپ ہم سب کو ٹھیک کردیں صمارا ج۔" پورن لال مسکراتے ہوئے بولا۔

"اوش۔ اوش۔ پتا نہ کرو۔"

"آپ کو مندر کے کاموں سے دلچسپی نہیں ہے صمارا ج؟"

"پوجا پاٹ کبھی پسند نہیں ہوتے۔ پرنت اس کے علاوہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ بھگوان کے ساتھ کھلواڑ ہے۔ بھگوان ڈھیل دیتا رہتا ہے مگر جب وہ رسی کھینچتا ہے تو بڑی موٹی موٹی گردنیں اس میں پھنسی رہ جاتی ہیں پورن لال۔"

"جب تک وہ ڈھیل دے رہا ہے صمارا ج پتا نہیں۔ جب وہ رسی کھینچے گا۔ تب دیکھی جائے گی۔" پورن لال نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

اتنی دیر میں دو پنڈے تھال لے آئے۔ تین تھال تھے۔ تھال ہم لوگوں کے سامنے رکھ دیئے گئے اور ایک پورن لال کے سامنے۔

"شروع کریں صمارا ج۔" پورن لال نے کہا اور ہم شروع ہوگئے پورن لال دلچسپ نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ہم نے کھانا ختم کرلیا "اور کیا سیوا کروں صمارا ج۔؟"

"جو کچھ کرچکے ہو وہ کافی نہیں ہے پورن لال۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں صمارا ج۔ کسی چیز کی کمی رہ گئی؟" پورن لال نے کہا۔

"ہاں۔"

"وہ کیا صمارا ج؟"

"تمہارے اندر عقل کی۔ تم نے یہ نہیں سوچا پورن لال کہ سادھو سنتوں پر ایسی چیزیں اثر نہیں کرتیں۔" طالوت نے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولا "چلیں بھائی تربوز لال؟"

"چلئے صمارا ج۔" میں نے کہا اور ہم دونوں اٹھ کر باہر نکل آئے پورن لال خوفناک نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہم اپنی کوٹھری میں آگئے۔

"توطے ہوگیا عارف کہ ہمارا پہلا شکار پورن لال ہی ہے۔"

"اب تو ہے ہی۔ پہلا وار اس نے کیا ہے۔"

"دوسرا ہم کریں گے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور خاموشی سے سرگ چھالہ پر بیٹھ گیا۔ میں بھی خاموشی سے کچھ سوچنے لگا تھا۔ اچانک طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"عارف؟"

"ہوں۔" میں چونک پڑا۔

"کیوں نہ ہم مرجائیں؟"

"کیا مطلب؟"

"تھوڑی دیر کے لئے پورن کو خوش کردیں۔"

"اس سے کیا فائدہ ہوگا؟"

"تفریح۔ یوں بھی دن گزارنا ہے۔ رات کو کچھ کارروائی کریں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔ تب طالوت نے دو گولیاں نکالیں۔ ایک اپنے منہ میں ڈال لی اور دوسری مجھے دے دی۔

"اسے چبالو۔" طالوت نے اپنی گولی چباتے ہوئے بولا اور گولی چبانے سے ہمارے منہ سے فیروزی رنگ کا پانی بہنے لگا "بس لیٹ جاؤ اس انداز سے جیسے بڑی اذیت سے دم نکل رہا ہو۔"

بلاشبہ طالوت کا خیال غلط نہیں تھا۔ پورن لال کو یقین تھا کہ زہر آلود کھانا کھانے کے بعد بھی ہم بچ گئے ہوں گے ہماری کوٹھری کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ تقریباً بیس منٹ کے بعد ایک پنڈا اندر گھس آیا۔

"صمارا ج۔" اس نے زور زور سے آوازیں دیں لیکن ہم دم سادھے پڑے رہے۔ "صمارا ج۔ سو رہے ہیں کیا؟" اس نے کھنکھارتے ہوئے پوچھا اور پھر دو تین بار ہمیں جھنجھوڑنے کے بعد باہر بھاگا۔

"بھائی تربوز۔" طالوت اسی انداز میں پڑے پڑے بولا۔

"ہوں۔"

"ہوشیار۔ اطلاع جاری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تیار ہوں۔" میں نے جواب دیا اور طالوت خاموش ہوگیا۔ ہمیں کافی دیر تک انتظار کرنا پڑا۔ اس کے بعد باہر سے کئی آوازیں سنائی دیں اور پھر بہت سے لوگ اندر گھس آئے۔ آگے آگے ہرچرن لال اور پورن لال تھے۔ ان کے چہرے جوش سے سرخ ہو رہے تھے۔ دونوں نے جھک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے سرت سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"آپ نے انہیں بہت بڑا مان لیا تھا ہرچرن صمارا ج۔ پورن لال کی بات اور ہے۔" پورن لال نے فخر سے کہا۔

"تم نے دربار میں ناگی داس کی درگت دیکھی ہوتی پورن لال تو تم بھی حیران رہ جاتے۔ بہرحال تمہاری ہونی بھگوان کی کرپا ہے۔ یہ تو تم بھی نہ معلوم کرسکے کہ یہ تھے کون؟"

"سر پھرے تھے سسرے اس کے علاوہ کیا۔ رام مندر میں رہ کر مفت کی روٹیاں توڑنا چاہتے تھے۔"

"لیکن۔ لیکن۔ بہرحال۔ اب کیا کیا جائے پورن لال؟" ہرچرن لال نے پوچھا۔

"کچھ نہیں صمارا ج۔ پنڈے انہیں ٹھکانے لگادیں گے۔ مہان لوگ تھے۔ آکاش پر چلے گئے۔"

"صمارا ج تربوز۔" طالوت نے زور سے آواز لگائی اور ہرچرن لال اور پورن لال اس طرح اچھل پڑے جیسے بموں کے نیچے سانپ آگیا ہو۔ ان کے منہ سے گویی ہوئی ڈرنیں بھی نکل گئی تھیں۔

"ہے رام۔ ہے بھگوان۔ ہے رام۔ ہے بھگوان۔" پنڈے دیوار سے لگ گئے۔ مجھے ہنسی آرہی تھی۔

"اب سو رہے ہو کیا؟" طالوت زور سے بولا۔

"صبح ہوگئی بھائی خربوز؟" میں نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے دوپہر بھی ہوگئی۔" طالوت اٹھ بیٹھ گیا۔ ہرچرن لال پھٹی پھٹی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ پورن لال کا سینہ بھی زور زور سے پھول پچک رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی تھی۔

"ارے۔ ارے۔ کیا ہوا پورن لال جی۔ کیا ہوا ہے۔ تم لوگ۔ تم لوگ۔ بے۔ بھائی تربوز۔"

"کیا تکلیف ہے ان لوگوں کو؟" میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں صمارا ج۔ مہاشے ہرچرن لال آپ کے

درشن بنے آئے تھے۔" پورن مل نے سنبھل کر کہا۔
"اچھا۔ اچھا۔ بھئی ٹرو بنا۔ ترو بنی مہاراج۔"
"مہاراج تشریف لے جائیں۔"
"درشن کرادو۔"
"کرادو؟" انہیں نے کہا۔
"ہاں۔ ہاں۔" طالوت نے کہا۔
"چلیں مہاراج۔ آپ کی منوکامنا پوری ہو گئی۔" پورن مل نے ہرچرن مل کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف مڑتے ہوئے کہا اور ہرچرن مل چلنے کی بہ نسبت مڑیہ دونوں بڑی بدحواسی سے دروازے سے نکلے تھے۔
طالوت نے مجھے آنکھ ماری اور ان کے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔ میں نے جلدی سے شاہدانہ کا دوشالہ اوڑھ لیا۔ طالوت بھی عام لوگوں سے غائب ہو گیا تھا۔ دوسرے لمحے ہم دونوں باہر نکل آئے۔ پنڈے پہلے ہی رفو چکر ہو گئے تھے۔ ہرچرن مل اور پورن مل اسی سمت کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں پورن مل نے ہم سے ملاقات کی تھی۔ ہم ان کے دونوں طرف چلنے لگے اور پھر وہ اسی کمرے میں داخل ہو گئے۔
"یہ کیا ہوا پورن مل....." ہرچرن مل نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ میں کیا بتاؤں مہاراج" پورن مل پچھتاوے ہوئے سے لہجے میں بولا۔
"تم نے انہیں ہوشیار کر دیا ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا کہ تم انہیں جس قدر معمولی سمجھ رہے ہو وہ نہیں ہیں۔"
"مجھے بہت حیرت ہے مہاراج۔ درشن میں نے ہی کھانے میں ملایا تھا۔ لیکن انہوں نے ایک بوند بھی نہیں چکھی۔"
"ہیں۔"
"انہوں نے کہا تھا کہ سادھو سنتوں پر یہ چیزیں اثر نہیں کرتیں۔"
"اس کے بعد بھی تم نے انہیں معمولی سمجھ لیا۔"
"ان کے منہ سے نیا پانی نکل رہا تھا مہاراج۔ آپ نے خود بھی دیکھا ہو گا۔"
"بہت برا ہوا پورن مل۔ بہت برا ہوا۔ انہوں نے ہماری باتیں بھی سن لی ہوں گی۔"
"اب کیا کیا جائے ہرچرن مل جی؟"
"تھا مہاراج کے چرنوں میں جانا ہو گا۔ ان بھوتوں کو وہی ٹھیک کریں گے۔"
"وہ تیار نہ ہوں گے مہاراج۔"
"انہیں تیار کرنا ہی ہو گا۔ اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ وہ ہمیں ان کی شرارت سے بچا لیں گے۔ ہمیں ان کی شرارت سے بچا لیں گے۔"
"آپ جائیں مہاراج۔"
"ہاں۔ میں آج ہی رات کو جاؤں گا۔ آپ سمجھ نہیں رہے پورن مل۔ ان دونوں سادھوؤں کی یہاں موجودگی ہمارے لئے خطرناک بھی ہو سکتی ہے۔ وہ ہمارا کام بھی کر سکتے ہیں۔"
"یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" پورن مل کچھ خیال انداز میں بولا اور اس کے بعد وہ دونوں خاموش بیٹھے سوچتے رہے۔ طالوت معنی خیز انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔
پھر ہرچرن مل اٹھ گیا اور پورن مل سے پھر ملنے کا وعدہ کر کے باہر نکل گیا۔ پورن مل اب بھی کمرے کے دروازے کی سمت میں دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھا۔ اپنے بدن سے جمہوت کی اور کمرے سے باہر نکل آیا۔ اس کے بعد وہ ایک بت کے قدموں میں جا بیٹھا۔
طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں وہاں سے چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی کوٹھری میں تھے۔ وہ اس بارے میں مہاراج کا خیال ہے؟"
"وہی سازش۔"
"وہ سازشوں کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے۔"
"بہت کچھ ہوتا ہے طالوت۔ چھوڑو ان باتوں کو۔ اب یہ بتاؤ کیا پروگرام ہے؟"
"وہ تو یوں سازشوں کے علاوہ بھی کچھ ہوتا ہے۔ رات کو کچھ ہنگامہ کریں گے۔ آپ آرام کریں۔" طالوت نے کہا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی لیٹ گیا تھا۔
"یہ تماشا کیا ہوتا ہے؟" تھوڑی دیر کے بعد حارث نے پوچھا۔
"دیکھا جائے گا۔"
"ہو گا کچھ۔ آپ بھی دیکھ لیں گے۔ لیکن اس پورن مل کے بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا سلوک کیا جائے اس کے ساتھ؟"
"وقت آنے پر آپ کو بھی پتہ چل جائے گا۔ اب ان لوگوں کو خوب گہری نیند سونے دیجئے۔ یہ چار پانچ گھنٹے ہی سوئیں گے۔" میں نے جواب دیا۔
"اوکے۔ پھر تو آپ کہیں گے تو میں بھی سو جاؤں۔" طالوت نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ یقیناً اس کا شیطانی دماغ شرارتیں تراشنے لگا ہو گا۔ میں بھی خاموش رہا تھا۔

حرکت نہیں ہو سکتی تھی۔ اس لئے ہم نے اطمینان سے کھانا کھایا اور پھر وہ باہر نکل آئے۔ طالوت اور میں پورے مندر کا گشت کرتے پھرے۔ پنڈے ہمیں دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر کرنے لگتے تھے لیکن کوئی ہم سے مخاطب نہ ہوا۔ اور ہم مٹرگشت کرتے رہے اور پھر وہ داسیوں والے حصے میں جا نکلے۔
عورتیں اپنے اپنے کاموں میں مشغول تھیں لیکن انہوں نے ہمیں دیکھ کر کام چھوڑ دیئے اور ہمارے گرد جمع ہو گئیں۔
"سنا ہے آپ دونوں بڑی گیانی ہیں مہاراج۔" ایک شریر سی لڑکی نے کہا۔
"کیا چاہتی ہو؟" طالوت نے کہا۔
"آپ کی عمر کیا ہے؟" لڑکی تڑ سے بولی۔
"ایک ہزار سال۔" طالوت نے جواب دیا۔
"دوسرے مہاراج کی بھی اتنی ہی ہو گی؟"
"نہیں۔ ہم دونوں میں ایک منٹ کا فرق ہے۔"
"ایک منٹ۔" لڑکیاں ہنس پڑیں۔
"کیا آپ دونوں جڑواں ہیں مہاراج؟"
"ہم تمہیں جڑے ہوئے نظر آ رہے ہیں؟" طالوت نے آنکھیں نکال کر کہا۔
"ہم آپ کی کیا سیوا کریں؟ کچھ جل پانی؟"
"پانی ہم پیتے میں ایک بار پیتے ہیں۔ آرام کرو تم لوگ۔" طالوت نے کہا اور پھر چونک کر ایک لڑکی کو اشارہ کیا "تیرا کیا نام ہے سندری؟"
"ترو پا مہاراج۔"
"ہوں۔ میں تیرے ماتھے پر باگیشوری کا استھان دیکھ رہا ہوں میں نے غلط تو نہیں کہا ترو بنی مہاراج؟"
"بالکل ٹھیک۔ روگ باگیشوری سات لڑیوں کی مالا لئے ہوئے اس کی طرف بڑھ رہا ہے۔ کیا تو گاتی ہے لڑکی؟" میں نے کہا۔
"بھجن مہاراج۔ مہاراج پورن مل کو میری آواز بہت پسند ہے۔" لڑکی بھاگتے ہوئے بولی۔
"ٹھیک ہے۔ جس کے ماتھے پر باگیشوری تھوکا ہے اس کے کیا کہنے۔ ہم نے یہ مالا ایک اور لڑکی کے ماتھے پر بھی دیکھی تھی۔"
"کون تھی وہ مہاراج؟"
"ہم اس کا نام نہیں جانتے۔ حلیہ بتاتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔
"وہ نہیں۔"
اور طالوت نے یادداشت کے سہارے اس پراسرار لڑکی کا حلیہ بیان کر دیا جو ایک بار نظر آنے کے بعد نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھی اور میں طالوت کی چال سمجھ گیا۔ گویا وہ لڑکی ابھی تک طالوت کے ذہن سے چپکی ہوئی ہے۔ بڑا گہرا ہے یہ شخص۔ لیکن نہ جانے کیوں طالوت اس کی تلاش میں اپنی پراسرار قوتوں سے کام نہیں لے رہا تھا۔ وہ چاہتا تو اسے لڑکی کی تلاش میں کوئی دقت پیش نہ آتی۔ اس کی بہت سی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں اور میں خود بھی اسے پریشان کرنا نہیں چاہتا تھا۔
"وہ یہاں بھی ہے مہاراج؟" ترو پا نے پوچھا۔
"ہاں۔"
"وہ پورا مندر داسیوں سے بھرا پڑا ہے۔ نہ جانے کون ہو گی۔ اور کہاں ہو گی۔" لڑکی نے جواب دیا اور طالوت خاموش ہو گیا۔ پھر ہم یہاں سے بھی چلے آئے۔ شام کی پوجا میں ہم حسب معمول شریک تھے۔ شام بڑی حسین ہوتی تھی۔ پورا مندر اندر کا اکھاڑا بن جاتا تھا۔ سارے محل کی حسین عورتیں یہاں جمع ہو جاتی تھیں۔
لیکن آج وہ من موہنی صورت آنکھ سے دیکھ کر میں کل بہت متاثر ہوا تھا۔
"سمجھ گیا۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔
"تیری نگاہیں کسے تلاش کر رہی ہیں۔ سمجھوں راسم کو؟"
"فضول بکواس۔ میں کسی کو تلاش نہیں کر رہا۔" میں نے جھینپتے ہوئے انداز میں کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔ پوجا کے بعد پورن مل ہمارے پاس آیا۔ اس کے چہرے سے ملاقات کا انتظار ہو رہا تھا۔
"تھوڑا سا وقت مجھے دیں گے مہاراج؟" اس نے خجالت سے کہا۔
"ضرور دیں گے پورن جی۔ فرمائیے؟" طالوت نے کہا۔
"میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"
"پوجن پانی بھی ضرور ہو گا۔"
"ضرور مہاراج۔ میرے استھ....."
"وہ کہاں ہے اس میں کیا لاؤ گے؟" طالوت ہنس کر بولا۔
"اس کو سبق مل چکا ہے مہاراج۔ وہ اس آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہے؟"
"تو تربوز لال جی۔" طالوت نے میرا شانہ پکڑتے

ہوئے کہا اور ایک بار پھر ہم پوران لال کے ساتھ چل پڑے۔ پوران لال ہمیں اپنی اسی نشست گاہ میں لے گیا تھا۔ اس نے بڑی عاجزی سے ہم سے بیٹھنے کے لئے کہا اور ہم بیٹھ گئے۔

"مہاراج۔" اس نے لرزتی آواز میں کہا "میں بڑا پاپی ہوں میں نے آپ کے ساتھ دھوکہ کیا۔ لیکن قصور میرا نہیں ہے مہاراج۔ آپ جانتے ہیں' آپ کو ہرچرن لال نے بھیجا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ہرچرن بلاوجہ ہمارا دشمن کیوں ہوگیا۔" طالوت نے پوچھا۔

"دوذرتا ہے مہاراج۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"آپ جانتے ہیں راج محلوں میں نہ جانے کیا کیا ہوتا ہے۔ ہرچرن لال جی منتری ہیں مگر ان کی ہوس بڑھی ہوئی ہے۔ وہ مہاراج کو ونداس کپور کے خلاف سازش کررہے ہیں۔ اگر آپ معمولی منش ہوتے تو انہیں پرواہ نہ ہوتی۔ مگر آپ کا گیان۔ آپ کا منتر دیکھ کر وہ ڈر گئے کہ کہیں آپ ان کا بھانڈا نہ پھوڑ دیں۔"

"سادھوؤں کو راج محل سے کیا لینا ہے بالک۔ ہمیں کیا پڑی ہے کہ کسی کا بھانڈہ پھوڑتے پھریں۔ ہم تو سنسار سدھارنے کے لئے آئے تھے۔ یہی ہمارا کام ہے۔" میں نے کہا۔

"آپ مہان ہیں مہاراج۔ اس داس کو شما کردیں۔ داس کو آپ سے کوئی دشمنی نہیں ہے بس ہرچرن لال کے کہنے میں آکر میں نے آپ سے دھوکہ کیا تھا۔ مجھے شما کردیں مہاراج۔ میں تو آپ سے گیان لینا چاہتا ہوں۔"

"تمہارا کون ہے پوران لال جی؟" میں نے کہا اور میری بات کا وہی ردعمل ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ پوران لال کا منہ کھلا رہ گیا وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ہمیں دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے تھوک نگلا اور اس کے منہ سے نکلا۔

"بے بھگوان۔ بے بھگوان۔"

"تمہارا کون ہے پوران لال' ہمیں معلوم ہے اب ہرچرن لال اس کے پاس جائے گا۔"

"آپ۔ آپ مہان ہیں مہاراج۔ تمہارا پنڈت۔ درگاپور کے سب سے بڑے پجاری ہیں۔ انہیں سیکڑوں منتر آتے ہیں۔ پورے سنسار میں ان جیسا گیانی کوئی نہ ہوگا۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے۔ انہیں بھی دیکھ لیں گے۔" اس بار طالوت نے کہا۔

مہاراج۔ مہاراج۔ میری بڑی سی خراب ہوئی ہے۔"

"کیوں؟ تمہیں کیا ہوگیا؟"

"میں ہرچرن لال کے ہاتھوں میں کھلونا ہوں۔ اس کی بات نہ مانوں تو وہ میرے پران لے لے گا۔ وہ بڑا خطرناک ہے مہاراج۔ میری بڑی مصیبت آگئی۔ آپ جیسے مہان سادھوؤں سے دھوکہ کرتے ہوئے بھی جان جاتی ہے اور دوسری طرف۔۔۔ ہے بھگوان میں کیا کروں؟"

"تو پتا نہ کر پوران لال۔ ہرچرن جو کرتا ہے کرنے دے۔ سادھوؤں کو نقصان نہیں پہنچے گا۔"

"میری رائے ہے مہاراج۔ تمہارا جی کے آنے سے پہلے آپ یہاں سے چلے جائیں۔ بڑی کرپا ہوگی مہاراج۔ میرا جیون بھی بچ جائے گا۔"

"یہ ناممکن ہے پوران لال۔ ہم اس سے ڈر کر چلے جائیں؟"

"میری مان لیں مہاراج۔"

"ناممکن۔" طالوت گرج کر بولا۔

"آپ تمہارا جی کو دیکھ لیں۔ اس کے بعد آپ فیصلہ کرلیں۔"

"ٹھیک ہے اسے آنے دو۔"

"برابر والی کوٹھری میں چھپ کر آپ ان کی باتیں سن لیں ہیں۔ چھپ چاپ آپ کو وہاں چھپادوں گا۔ پر مجھے شما کردیں مہاراج۔ اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو باہر نکلنے کا چور راستہ بھی بتادوں۔ آپ وہاں سے نکل سکتے ہیں۔"

"چور راستہ کونسا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"آیئے۔" پوران لال نے کہا اور طالوت کھڑا ہوگیا۔ مجھے بھی مندر کے اس چور راستے سے دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ پوران لال ایک دیوار کے پاس پہنچا۔ اس نے دیوار کی کوئی کل دبائی اور دیوار اپنی جگہ سے ہٹ گئی۔ ایک دروازہ بن گیا ..... میں اور طالوت پوران لال کے اشارے پر اندر داخل ہوگئے۔ دوسری طرف تاریکی تھی۔ صرف چھت سے روشنی آرہی تھی۔ لیکن وہ ایک مختصر سے حصے کو روشن کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ کررہی تھی۔ ہم دونوں اندر پہنچ گئے۔

لیکن اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سن کر ہم چونک پڑے تھے "پوران لال۔" طالوت نے پکارا۔

"دھوکہ کرگیا یار۔" میرے منہ سے نکلا۔ کمرے میں گہری تاریکی تھی سوائے اس ننھے سے سوراخ کے جو چھت میں تھا اور کافی بلندی پر تھا۔ طالوت دانت پیس رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اس نے اپنے ترکش میں آخری تیر پھونک لی ہے۔" طالوت غراتے ہوئے بولا "گویا اتنی دیر تک وہ اپنی باتوں سے ہمیں احمق بناتا رہا تھا۔"

"یقیناً۔ اور یہ اس کی آخری کوشش تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"ہوشیار ہوجاؤ طالوت۔ اس نے ہمیں صرف قید کرنے کی کوشش ہی نہیں کی ہوگی۔"

"پرواہ مت کرو یار۔ ہاں یہ سوچو کہ اس نے جو گفتگو کی تھی' جھوٹ تھی؟"

"ان حالات میں اور کیا سوچا جاسکتا ہے۔"

"تو ان پوران لال جی کا کھوپڑا گرم جلیبہ ہوجانا چاہئے۔ اچھا پوران لال جی۔ آپ بھی کیا یاد کریں گے۔" طالوت گردن ہلانے لگا اور پھر اس نے چھت کے سوراخ کو دیکھا۔

اور اچانک ہمیں تاریک کمرے کے دائیں کونے سے کھٹکے کی ایک آواز سنائی دی' اور اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک پھنکار۔

"سانپ۔" میرے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی اور طالوت بھی چونک پڑا۔ سانپ تھا کہ مصیبت' اتنی تیزی سے حملہ آور ہوا کہ جان بچانا مشکل ہوگئی۔ ہم نے دوسرے کونے میں چھلانگ لگائی اور سانپ بھی خوفناک انداز میں پلٹ پڑا۔ شاید وہ بہت زیادہ بھوکا تھا یا مخصوص طریقے سے ستایا ہوا تھا' اسی لئے غصے سے پاگل ہورہا تھا۔

طالوت نے صورت حال بھانپ لی۔ دوسرے لمحے اس نے میرا بازو پکڑا اور مجھے ایک طرف کھینچا اور اس کی یہ حرکت' میرے لئے اجنبی نہیں تھی۔ دوسرے لمحے روشنی کا احساس ہوا۔ اور ارد گرد کا ماحول دیکھا تو ہم اپنی کوٹھری میں تھے۔ میں نے زمین پر بیٹھ کر آنکھیں بند کرلیں۔

طالوت البتہ خاموش تھا۔

اور یہ خاموشی۔ میں اسے اچھی طرح محسوس کررہا تھا۔ کئی منٹ کے بعد میرے حواس بحال ہوئے اور میں نے طالوت کی طرف دیکھا "بری طرح پھنس گئے تھے یار۔"

"اس کی ایسی تیسی۔ چلو تیار ہوجاؤ۔"

"تیار ہوں برادر۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور طالوت نے نگاہوں کے سامنے سے غائب ہونے کا عمل کیا۔ میں نے بھی دوشالہ اوڑھا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ طالوت خاموشی سے اس طرف بڑھ رہا تھا' جہاں تھوڑی دیر قبل ہم دونوں تھے۔ پوران لال اب بھی اسی کمرے میں موجود تھا۔ اور کچھ سوچ رہا تھا۔

ہمیں اندر داخل ہوئے چند لمحات ہی گزرے تھے کہ وہ پنڈے آگئے اور پوران لال انہیں دیکھنے لگا۔

"رانی جی آگئیں مہاراج۔"

"آگئیں؟" پوران لال اچھل پڑا۔

"ہاں مہاراج۔ وہ استھان پر آپ کا انتظار کررہی ہیں۔" "اوہ۔ بابدیو۔ غلطی ہوگئی۔ میں تمہیں منع کرنا بھول گیا آج میرا دماغ ٹھیک نہیں ہے۔ آج میں بہت پریشان ہوں۔ خیر سنو' تم دونوں یہاں رکو۔ اس دروازے پر نگاہ رکھو اور ہاں دھارچے اپنے ہاتھوں میں لے لو۔ کوئی نکلنے کی کوشش کرے تو خیال کئے بنا ہی گردنیں اڑا دینا۔ میں ذمے دار ہوں۔"

"جو آگیا مہاراج۔" پنڈے مرے ہوئے لہجے میں بولے۔

"کیا کہا ہے تم نے رانی دیومتی سے؟"

"وہی مہاراج۔ جو آپ نے آگیا دی تھی۔"

"ہوں۔" پوران لال نے کہا اور پھر وہ اس کمرے سے نکل آیا اور اس سے ملحق ایک دوسرے کمرے میں داخل ہوگیا۔ یہاں اس نے لباس تبدیل کیا۔ آنکھوں میں کاجل لگایا۔ بدن سے خوشبو ملی اور پوری طرح تیار ہوکر باہر نکل آیا۔ اب وہ راج مندر کے ایک مخصوص حصے کی طرف جارہا تھا اور ہم دونوں خاموشی سے اس کے پیچھے چل رہے تھے۔ تالاب والے راستے سے گزر کر وہ مندر کے سب سے دور دراز حصے میں پہنچ گیا' جو کافی ویران تھا۔ اس طرف پنڈے وغیرہ بھی نہیں تھے۔ پوران لال ایک دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔

ایک چوڑا صحن تھا جس میں پیپل کا ایک درخت پھیلا ہوا تھا۔ دالان میں کئی مجسمے موجود تھے اور پھر ایک دروازہ تھا۔ پوران لال اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اندر روشنی تھی اور اس روشنی میں چودھویں رات کا چاند جگمگا رہا تھا۔ لمبے لمبے بال کمر سے گزر کر زمین تک پہنچ رہے تھے۔ دودھ جیسا سفید اور پتلا دار چہرہ' الجھنوں کی تصویر بنا ہوا تھا۔

یہ وہ حسین عورت تھی جسے میں نے پوجا کے دوران راج محل کے مندر میں دیکھا تھا اور کافی متاثر ہوا تھا۔

"اب عارف۔ طالوت نے میرا شانہ دبایا۔"

"ہوں۔"

"تیرے والی۔"

"وہی ہے۔"

"مگر رانی دیومتی۔"

"تم سچ مچ رانی ہی ہو۔"

"مگر یہ بھی تو سچ ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ راجے مہاراجے بڑے عیاش ہوتے ہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"پورن لال کی خدمگار سوئیکار ہو مہارانی۔" پورن لال نے اندر داخل ہو کر بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ اور رانی چونک پڑی۔

"خدمگار مہاراج۔" خوبصورت عورت جلدی سے کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جایئے مہارانی۔ بیٹھ جایئے۔ داس اس قابل نہیں ہے کہ آپ اسے اتنا ہوا رتبہ دیں۔"

"آپ مہان ہیں مہاراج۔ آپ کے من میں بھگوان کی دی ہوئی جوتی ہے۔"

"ہری راما ہری کشنا۔ بس دیا ہے مرلی منوہر کی۔" پورن لال اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا مہاراج؟"

"ہاں مہارانی۔ سنسار کی تکلیفیں ہماری نگاہوں سے چھپی نہیں رہتیں۔ ہمارے کانوں میں دکھی من کی پکار سرگوشیاں کرتی رہتی ہے۔ مہارانی اداس تھیں۔ ہم نے اپنی قوتوں کو آواز دی اور انہوں نے ہمارے کان میں بہت سی باتیں کہیں تب ہم چپ نہ رہ سکے۔"

"آپ مہان ہیں مہاراج۔"

"ارے ہم کیا اور ہماری ذات کیا۔ بس گرو کی دیا ہے۔ کیا آپ ہمیں من کی بات نہ بتائیں گی مہارانی۔ ہم آپ کی زبان سے آپ کے من کی کہانی سننا چاہتے ہیں۔"

"اپنے من کی بوجھ سے کام لیں مہاراج۔ میری جیب نہ کھل سکے گی۔"

"سادھو سنت دنیا تیاگ چکے ہوتے ہیں رانی دیومتی۔ ان سے شرم کیا رہے۔ وہ تو سنسار کو دکھوں سے نجات دلانے کا کام کرنے کے لئے زندہ رہتے ہیں اور بس۔ آپ کھل کر من کی بات کہہ دیں۔"

دیومتی نے سر جھکا لیا۔ اس کے چہرے پر شرم کے آثار تھے اور پورن لال ہونٹ کاٹتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ ہم دونوں خاموش تھے اس بھید کو پانے کے لئے کان لگائے دیکھ رہے تھے۔

دیومتی نے کہا "ہم کیسے بولیں پورن لال۔ شرم آتی ہے۔"

"میں کہہ چکا ہوں رانی۔ سادھو سنت سے شرم کیسی

نہیں ہوتی۔"

"مہاراج۔ مہاراج کو پتا نہیں کیا ہو گیا ہے۔"

"کیا بات ہے۔ مجھے بتائیں۔"

"عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں۔ میرے تو پاس ہی نہیں آتے۔ میں۔ میں دو ماہ ہونے کے بعد سے اب تک کنواری ہوں۔" دیومتی نے آنچل منہ میں ٹھونس لیا اور پورن لال کی آنکھوں میں شیطان اتر آیا۔

"اتنی رانیاں ہیں۔ مگر آپ کی فکر کی ایک بھی نہیں۔ کیا مہاراج اندھے ہو گئے ہیں۔" پورن لال نے کہا۔

"میں کیا جانوں۔" دیومتی مسکراتی ہوئی بولی۔

"حالانکہ مہاراج نے بڑے چاہ سے آپ کو بیاہا تھا۔"

"آپ۔ آپ نہیں سمجھتے پورن لال جی۔"

"میں سمجھتا ہوں رانی دیومتی۔ دھن وان ہے آپ کو۔ اس کے باوجود آپ نے اتنا سمے گزار لیا اور زبان سے اف تک نہ کی۔"

"اف تو ہم نے کبھی نہیں کی پورن جی۔" دیومتی اداس لہجے میں بولی۔

"ہم نہیں سمجھے مہارانی۔"

"یہ دوا دوا کی مرضی سے تو نہیں ہوا مہاراج۔ ہمیں تو جیتنی نرکھ میں بھگا گیا ہے۔"

"ہم اب بھی نہیں سمجھے مہارانی۔" پورن لال نے کریدتے ہوئے کہا۔

"ہم سادھنا کے زمیندار کی بیٹی ہیں۔ مہاراج گووند اس پور شکار کھیلنے گئے تھے، جب انہوں نے ہمیں دیکھا اور پھر گون ہمیں ان سے بچا سکتا تھا، ہمارے پتا کو حکم دیا گیا کہ ہمارے دوا کی تیاریوں کی جائیں، پتا جی کیسے انکار کر سکتے تھے، کولہو میں نہ پلوا دیا جاتا۔ بے چارے بہت پریشان تھے۔" رانی نے ایک سسکی لی۔

"ست پرکاش کون ہے مہارانی؟" پورن لال دلچسپی سے بولا۔

"ہمارے بچپن کا ساتھی۔ ہم ایک ہی۔ ہم ہاں ہماری سہیلیوں کی طرح پریم کرتے تھے، ایک دوسرے کے۔ ہم پھر ساون جھولوں کی ہو کر رہ گئے ایک دوسرے کے لئے۔ ہم بچھڑ گئے۔ کبھی نہ ملنے کے لئے۔"

"وہ کہاں ہے رانی دیومتی؟"

"نہ جانے کہاں ہو گا۔ ہو بھی یا نہیں۔ ہو گا بھی تو ہمارے لئے مر چکا ہے۔" دیومتی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"سچ مچ بڑا انیائے ہوا ہے تمہارے ساتھ رانی

بہت ہمدردی ہے رانی دیومتی۔ مگر گووند داس کے کور کو کیا ہوا۔ کیا مہاراج کی آنکھوں میں اندھیرا اتر آیا ہے۔"

"ہماری حیثیت ایک داسی کی سی ہے مہاراج۔ کھا لیتے ہیں۔ پی لیتے ہیں سو جاتے ہیں اور بس۔"

"بڑا انیائے ہوا ہے آپ کے ساتھ۔ ہم نے جھوٹ تو نہ کہا تھا۔ مگر رانی آپ ہمت سے کام کیوں نہیں لیتیں۔"

"کیا کریں۔ بتاؤ ہم کیا کریں؟"

"گووند داس مہاراج نے آپ کی کومل جوانی خاک میں ملائی ہے۔ آپ اس کی قیمت کیوں نہیں وصول کر لیتیں۔"

"ہم کیا کریں؟ کیسے کریں؟"

"آپ کا بالک درگاپور کا راجہ ہونا چاہئے۔ آپ کا بالک درگاپور کا راج کمار ہونا چاہئے۔ آپ ایسی کوششیں کیوں نہیں کرتیں؟"

"ہمارا بالک۔ کیسی باتیں کرتے ہیں آپ پورن مہاراج۔ بالک آسمان سے گرے گا؟" دیومتی نے غریب سے لہجے میں کہا۔

"سادھو کے پاس سارے علاج موجود ہیں دیومتی۔" پورن لال اطمینان سے بولا۔

"ہم نہیں سمجھے مہاراج۔"

"بھگوان آپ کو بالکل دے گا میں آپ کی سہائتا کروں گا۔ مگر آپ کو بھی کچھ کرنا ہو گا۔"

"کیا پورن مہاراج؟"

"کسی بھی طرح۔ مہاراج کو وارو پا کریں کوئی بھی نشے کی چیز پلا کر اپنے ساتھ سلانا ہو گا۔" پورن لال نے کہا۔

"اس سے کیا ہو گا۔"

"سنت کی آنکھوں سے کوئی بات نہیں چھپی۔ آپ چنتا نہ کریں آپ چنتا نہ کریں۔ آپ کا دیوان کشٹ ہوا ہے۔ آپ بھی بدلہ لیں۔ دل کھول کر بدلہ لیں۔" پورن لال نے کہا۔

"مگر کیسے پورن لال؟" دیومتی نے پریشانی سے کہا۔

"میرا من آپ کے لئے بہت اداس ہے مہارانی۔ میں آپ کی سہائتا کروں گا۔ میں آپ کو بالک دوں گا۔ آپ کے پیٹ میں میرا بچہ پل رہا ہو گا۔ میں آپ کے لئے۔ میں آپ کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔"

پورن لال نے اپنا بٹوہ نکال کر اٹھا کر دیومتی کو اپنی طرف میں لے لیا دیومتی ہکا بکا رہ گئی۔

"مہاراج۔ مہاراج۔ یہ آپ نشے میں ہیں؟" وہ گرجی۔

"میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں دیومتی۔ دیویوں کی طرح ناز کن کی طرح خوبصورت ہے اور تیری جوانی یوں نظر انداز کی جا رہی ہے۔ میں یہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ تیرا بالک۔ تیرا بالک۔"

"آپ پاگل ہو گئے ہیں مہاراج۔ کیا آپ بھول گئے کہ میں سب پتھر ہونے کی ساتھ ایک ہندو استری بھی ہوں۔ میرے ساتھ کچھ بھی ہوا پر میں اپنی عزت کسی کو نہ دوں گی۔"

"پاگل ہوئی ہے دیومتی۔ تیرا پتی مجھ سے جیتا گیا۔ تیرے سہاگ نے مجھے ٹھکرا دیا اور تو دھرم کی لکیر پیٹ رہی ہے۔" پورن لال نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کے شانے دبوچ لئے۔

"تم دھرم سیوک ہو پورن لال مہاراج۔ دھرم کی باتیں ہم سے زیادہ تم جانتے ہو۔ کیا میں اپنے پتی کو دھوکا دوں۔ تمہارے ساتھ رنگ رلیاں منا کر پاپ کروں اور اپنے باپ کی پوٹ لیکر گھر دوں لوٹی کروں۔ کیا میری گردن اونچی ہو سکے گی مہاراج؟"

"تو انسان بھی ہے۔ تیرے ساتھ انیائے ہوا ہے دیومتی۔"

"اس کا انصاف کرنے والا بھگوان ہے۔ تم کون ہو؟" دیومتی غضبناک لہجے میں بولی۔

"میں بھگوان کا داس ہوں۔ مجھے یہی حکم ملا ہے۔"

"غلط۔ تم شیطان کے چیلے ہو۔ بھولی بھالی ناریوں کو بہکا کر نرکھ میں جھونک دیتے ہو۔ بڑے مہان بنتے ہو مہاراج۔ شیطان کے جال میں آ گئے ہو بہت جاؤ میرے پاس سے۔ میں جیتے جی اسی طرح ناریوں کی رکھشا کروں گی۔"

"تو بھول رہی ہے دیومتی۔ راج محل میں میری بھی چلتی ہے۔ دیوان ہرچرن بڑی تیکھی ہے۔"

"تو پھر۔ اس سے کیا ہو؟"

"تجھے میری بات ماننی ہو گی۔"

"پران سے جاؤ گے تم میرے۔ عزت نہ لے سکو گے مہاراج۔ کر لو جو چاہو۔ دیکھوں گی میں بھی۔"

"دیومتی۔ میرے ہتھ کنڈے۔"

"تیرے پاس جانے والی کوئی چیز نہیں ہے مرنے مارنے کا۔ بالک تو تجھے دے نہیں سکتا۔ تو بند و دھرم کو بدنام کرتا ہے۔ دھرم والی خراب نہیں ہوا پاپی۔ اس کا ساتھ دینے والوں میں راکھشس نکل آتے ہیں۔ وہی دھرم بدھ کرتے ہیں۔ بول بند و دھرم میں تیرے جیسے پاپیوں کی گنجائش ہے؟ تیرے دھرم نیاں سکھاتے ہیں۔ تو نے یہ بدی کہاں سے پائی۔"

"بے کار باتیں نہ کرو دیو متی۔ میں تیرا جیون بچانا چاہتا ہوں۔"

"بچانے والا بھگوان ہوتا ہے۔ میں تجھے اپنے شریر کو ہاتھ بھی نہ لگانے دوں گی۔ سن ڈیکل سادھو۔ میں جذبات کے ہاتھوں بہک کر اپنے پریمی کے پاس گئی تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ جیون کی پیاس بجھانے میری طرف سے اجازت ہے۔ میں نے اپنا شریر اس کے سامنے ڈال دیا۔ اس نے کہا۔ ہم اپنے دھرم پر کالک نہیں لگائیں گے۔ دیو متی۔ یہ بدن ہمارے اپنے ہیں۔ لیکن دھرم پورے سنسار کا ہے۔ اس پر ہمارا ادھیکار نہیں ہے۔ ایک وہ تھا۔ اور ایک تو ہے۔ جو دھرم بانٹتا ہے اور خود کنگال ہے۔"

"دیو متی۔ دیو متی۔ میں اب برداشت نہیں کر سکتا۔ کس کی مجال ہے جو تجھے میرے پنجے سے نکال لے۔ میں جو چاہوں گا کروں گا اور پھر۔ اور پھر تجھے یہاں سے دھکے دے کر نکال دوں گا۔ کون تیری بات سنے گا۔ یہاں میری راجدھانی ہے عزت اسی میں ہے میری بات مان لے۔ خود بھی عیش کر۔ تیرا اور جہ بہت اونچا ہوگا۔"

"پاگل ہے تو۔ مجھے جانے دے۔ بس ہٹ جا۔ میں جاؤں گی۔"

"دور دور تک آدم زاد نہیں ہے۔ تو اب اس وقت تک کہیں نہیں جائے گی جب تک میری بات نہ مان لے۔" پورن لال خوفناک انداز میں بولا اور تن کر کھڑا ہو گیا۔ دیو متی کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔

تب طالوت نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"تربوز بھائی۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"ہوں۔" میں چونک پڑا۔

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے۔ سارے مذہب نیکیاں سکھاتے ہیں اور نیکی انسان کے ساتھ کی جاتی ہے اور جب کسی کو انسان تسلیم کر لو تو اسے انسان ہی سمجھو۔ دھرم بعد میں آتا ہے۔"

"یقیناً۔"

"آدم زاد تم ہو۔ پری زاد میں ہوں۔ کیا ہم دونوں مل کر اس گدھے کو مرنا نہیں بنا سکتے؟"

"تو انتظار کس بات کا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"دوشالہ اتار دو۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں دروازے کے قریب آ گئے۔ دوسری طرف پورن لال نے دیو متی کے نازک بدن کو دبوچ لیا تھا۔ دیو متی شدید مزاحمت کر رہی تھی۔ لیکن پورن لال نے اسے اٹھا کر زور سے بستر پر پٹخ دیا۔

اور اسی وقت طالوت نے اندر سے ہی دروازے پر لات ماری اور اس کے ساتھ ہی مجھے پورن لال پر دھکا دے دیا۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ لیکن طالوت کی تو ساری حرکتیں ہی حیران کن تھیں۔

"بچاؤ۔ بچاؤ مجھے پورن لال جی۔ خربوزی مہاراج مجھ سے ناراض ہو گئے ہیں۔ بچاؤ پورن مہاراج۔" اور پورن لال اچھل پڑا۔ اس کا منہ کھلا اور بند ہو گیا۔ اس کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

دیو متی اچھل کر ایک کونے میں کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ بھی ہمیں متعجب نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر پورن لال کو ہوش آ گیا۔ اس نے ہماری طرف دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔

"تو۔ تم زندہ ہو۔" اس نے دانت پیس کر کہا۔

"اب غلطی تمہاری ہے۔ اس میں ہمارا کیا قصور۔" طالوت جھلائے ہوئے انداز میں بولا "سانپ بھیجا تو ایسا مریل۔ اس سے رینگا بھی نہیں جا رہا تھا۔"

"چلے جاؤ تم دونوں۔ نکل جاؤ یہاں سے۔ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"اس بار اژدھا بھیجو گے کیا؟" طالوت خوفزدہ انداز میں بولا۔

"میں۔ میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ خون کر دوں گا تمہارا۔" پورن لال نے مجھے دبوچ لیا۔ کیونکہ میں ہی اس کے قریب تھا۔ بڑی خوفناک گرفت تھی کم بخت کی۔

"خربوزہ لال۔ خربوزہ لال۔" میں چیخا۔

"اچھا ہے۔ پہلے تم مر جاؤ۔ پھر میں تمہارے غم میں رو رو کر جان دے دوں گا۔" طالوت نے بوڑھی عورتوں کے سے انداز میں کہا۔

"نہیں پیارے بھئی نہیں۔ ہمارا تمہارا جنگڑا الگ۔ اس وقت ہم دشمن کے سامنے ہیں۔" میں نے مظلوم انداز میں کہا۔

"اچھا۔؟" طالوت جیسے سوتے سے جاگ اٹھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ بالکل۔" پورن لال کے بازوؤں میں میری ہڈیاں کڑکڑا رہی تھیں اور میرے آواز بھنچ رہی تھی۔ پورن لال کی گردن کی رگیں پھول رہی تھیں، چہرا انگارہ ہو گیا تھا۔

"اب تو دابنا ہاتھ اس کی کھوپڑی پر کیوں نہیں مارتے؟" طالوت نے کہا۔ سچ مچ میرا دابنا ہاتھ آزاد تھا اور اس وقت اس کی قوت میرے ذہن سے نکل گئی تھی۔ میں نے فوراً اس پر عمل کیا اور میرا فولادی ہاتھ پورن لال کی پیشانی پر پڑا۔ ہتھوڑے کی سی ضرب ہوگی۔ پورن لال کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور میں اس کے بازوؤں سے نکل گیا۔

پورن لال نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر اس نے گردن جھٹکی اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھا۔ میری زوردار لات پورن لال کی کمر پر پڑی اور وہ گرتے گرتے بچا۔ لیکن طالوت نے اسے سنبھال لیا۔ اس نے پورن لال کے دونوں شانے پکڑ لئے اور پورن لال نے پھر دونوں ہاتھوں سے طالوت کو گرفت میں لینے کی کوشش کی۔

لیکن متناش طالوت تھا۔ پورن لال کے دونوں ہاتھ خلا میں جھول گئے تھے اور طالوت کے زوردار گھونسے نے اسے پھر بیاؤنڈ کر دیا۔ یہاں میں پہلے ہی تیار تھا۔ میں نے ایک زوردار ٹکر ماری اور اس بار پورن لال زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

تب طالوت نے اسے گھورا اور اس وقت طالوت کی آنکھوں میں پراسرار چمک لہرائی۔ میں نے پہلی بار طالوت کی آنکھوں میں یہ انوکھی چمک دیکھی تھی۔

"پورن لال۔" اس نے بڑے پیار سے پکارا اور پورن لال اسے دیکھنے لگا "گھوڑا بن جاؤ میری جان۔" اور پورن لال دونوں ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل کھڑا ہو گیا "ہنہناؤ" طالوت نے کہا اور پورن لال نے منہ سے گھر گھر کی آوازیں نکالیں اور پھر زور سے ہنہنایا۔ آواز بالکل گھوڑوں کی سی تھی۔

"شاباش۔ شاباش۔" طالوت مسرور لہجے میں بولا "دیکھا۔ کتنا سعادت مند گھوڑا ہے۔ پورن بیٹے۔ دولتی جھاڑو۔" طالوت پھر بولا اور پورن دونوں ٹانگیں اچھالنے لگا اور اس کوشش میں اوندھے منہ گر پڑا۔

دیو متی اب بھی ساکت کھڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔

"تربوز لال؟" طالوت نے مجھے آواز دی۔

"کیا ہے خربوز لال؟" میں نے بیزاری سے کہا۔

"گھوڑا کیسا ہے؟"

"بالکل بکواس۔۔۔"

"کیوں؟"

"اسے دولتی جھاڑنا بھی نہیں آتی۔ اوندھے منہ گر پڑتا ہے وہ۔"

"پھر کیا کیا جائے؟"

"اس کا ڈیزگنیشن بدل دو۔"

"کیا بنایا جائے؟"

"مرغی۔" میں نے جواب دیا۔

"اب نہیں۔ اسے انڈے دینے میں مشکل ہوگی۔" طالوت نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہونے دو۔"

"نہیں گھوڑا ٹھیک ہے۔"

"ہرگز نہیں۔ مرغی ٹھیک ہے۔"

"گھوڑا۔"

"مرغی۔" میں نے بھی آنکھیں نکال کر کہا۔

"اچھا۔" طالوت نے مردہ سی آواز میں کہا اور پھر وہ درد بھرے لہجے میں بولا "مجبوری ہے پیارے پورن لال۔ میرا ساتھی نہیں مانتا۔ تمہیں تکلیف تو ہوگی۔ لیکن مرغی کیا بری ہے اور ہاں تم انڈے دینے کے لئے مجبور نہیں ہو۔ کسی مرغے سے یاری ہو جائے تو مجبوری ہے ورنہ انڈے دینے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔" اور پورن لال سکڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے مرغی کی مانند ہی کٹکٹانا شروع کر دیا تھا۔

اچانک دیو متی نے ایک چیخ ماری اور پھر وہ دروازے کی طرف لپکی۔ ہم دونوں میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ دروازے سے باہر نکل گئی۔ پورن لال اب اطمینان سے ہاتھوں اور پیروں کے بل زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔

"کیا خیال ہے؟" طالوت نے مجھ سے پوچھا۔

"کافی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آؤ۔" طالوت بولا اور ہم دونوں باہر چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی کوٹھری میں تھے۔ مرگ چھالہ پر بیٹھ کر طالوت نے کہا۔ آج کا کام ختم۔ چلو آرام کریں۔"

"پنڈت تلکا کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"تو جانے دو۔ پہلے سے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں آرام کرنے کے موڈ میں ہوں۔ سونے دو۔" طالوت نے کہا اور لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ شاید وہ سو بھی گیا۔ لیکن مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کافی دیر تک میں جاگتا اور اوٹ پٹانگ باتیں سوچتا رہا۔ پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

راج مندر کا ماحول پرسکون تھا۔ کوئی خاص بات نہیں نظر آتی تھی۔ پنانچہ میں راج مندر سے نکل آیا۔ دوشالہ اوڑھنے کی ابھی میں نے ضرورت نہیں محسوس کی تھی کیونکہ اس وقت تک کسی نے مجھے نہیں ٹوکا تھا میرے ذہن میں خیال تھا کہ میں آج راج محل کی سیر کروں۔ کہ مجھے یہاں کے

راستے وغیرہ معلوم نہیں تھے۔

بہرحال میں حالوت کی طرح دلیر اور بے فکر نہیں تھا اس لئے میں نے تھوڑی دور چل کر دوشالہ اوڑھ لیا۔ اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اب میرے انداز میں زیادہ اعتماد پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ میں آزادی سے گھومنے لگا اور اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ ہرچرن لال مجھے نظر آ گیا۔ اس کے ساتھ کوئی اور بھی تھا۔

میں سنبھل گیا۔ مجھے یاد آیا تھا کہ ہرچرن لال تنکا کے پاس گیا تھا۔ تو کیا تنکا یہی ہے۔ میں ان کے قریب پہنچ گیا۔ پر بوڑھے خبیث کی شکل دیکھ کر مجھے جھرجھری سی آ گئی۔ چھوارے کی طرح سکڑا ہوا۔ پورا۔ بدن یہاں تک کہ گٹے ہوئے سر پر بھی جھریاں پڑی ہوئی تھیں۔ سر کے درمیان ایک باریک سی چوٹی کسی چوہے کی دم کی مانند لٹکتی ہوئی تھی۔ بدن ننگا تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی دھوتی تن ناشائی ہوئی تھی۔ گلے میں جنیو پڑا تھا۔ پیروں میں لکڑی کی کھڑاؤں تھیں جن کی آواز سناٹے میں دور دور تک پھیل رہی تھی۔ بوڑھا تنکا شکل سے ہی شیطان نظر آ رہا تھا۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔

"کیا بات ہے پنڈت جی مہاراج؟" ہرچرن لال نے چونک کر پوچھا۔

"ہرچرنا۔" تنکا کی باریک سی آواز ابھری۔

"کیا بات ہے مہاراج۔"

"ہمارے پاس کوئی اور ہے۔"

"کہاں؟" ہرچرن لال نے چاروں طرف دیکھا۔

"قریب۔ بہت قریب۔ میری ناک اسے سونگھ رہی ہے۔"

"پر یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے مہاراج۔" ہرچرن نے حیرانی سے کہا۔

"کوئی ہے۔ ضرور ہے ہرچرنا۔ اسے تلاش کرو۔ میری ناک دھوکا نہیں دے سکتی۔"

"میں کیسے تلاش کروں تنکا مہاراج۔" ہرچرن نے بے بسی سے پوچھا۔

"مگر وہ کون ہو سکتا ہے۔ ہے پربھو۔ ہے جگن کشوری۔ ہے جگدمبا۔ ہے کالی دیوی۔ اسے میرے سامنے لاؤ۔ مگر وہ۔" اور سادھو زور زور سے کوئی منتر پڑھنے لگا۔

"خوب۔" میں دل ہی دل میں اس کی ناک کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

سادھو نے زور زور سے منتر پڑھنے کے بعد آنکھیں کھول دیں۔ پھر اس نے منکی پر پھونک ماری اور پھر اسے اوپر کر کے کھول دیا۔ تیز روشنی ہوئی اور نیچے رتنک کی منکی سے چنگاریوں فضا میں اڑنے لگیں۔ پھر یہ چنگاریاں میری طرف بڑھیں اور انہوں نے میرے گرد حصار کر لیا۔

میں اچھل پڑا تھا اور پھر میں نے ایک طرف دوڑ لگا دی۔ یہ منظر میرے لئے سخت بدحواس کر دینے والا تھا۔ چنگاریاں میرے ساتھ دوڑ رہی تھیں اور ہرچرن بھی بدحواسی میں میرے پیچھے چلا آ رہا تھا۔ پھر بہت سے پہرے دار بھی ہرچرن کے ساتھ ہو گئے۔

"دوڑو۔ پکڑو۔ جانے نہ پائے۔ پکڑو۔ گرفتار کرو۔" ہرچرن چیخ رہا تھا اور پہرے داروں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کسے پکڑیں۔ میں راج مندر کی طرف بھاگ رہا تھا۔

اور پھر میں راج مندر میں گھس گیا۔ دوڑو پکڑو کا شور میرے پیچھے آ رہا تھا لیکن میں اتنی تیز دوڑ رہا تھا کہ وہ بہت پیچھے رہ گئے۔ شور کی آوازیں مندر میں بھی سن لی گئیں۔ چنانچہ سوتے سوتے پنڈے جاگ اٹھے تھے اور صورتحال معلوم کرنے کے لئے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ میں اندر گھسا تو بہت سے پنڈے میرے راستے میں تھے۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے انہیں دھکیلا اور پنڈے بدحواسی میں ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے اور پھر انہوں نے بھی ارتی ہوئی چنگاریاں دیکھی تھیں۔ جو ظاہر ہے ان کی سمجھ میں نہیں آئی ہوں گی۔ دوسرے لمحے وہ گھگھیانے لگے اور یہ پنڈے ہی تھے جنہوں نے اندر داخل ہونے والوں کو روکا تھا۔ چونکہ وہ دروازے میں کھڑے گھگھیا رہے تھے۔ اس لئے گرائے اور ان کے ساتھ ہی ڈھیر ہو گئے۔ اس طرح مجھے اپنی کوٹھری میں پہنچنے کا موقع مل گیا۔

حالوت بدستور خراٹے لے رہا تھا۔

"حالوت۔ حالوت۔" میں نے جھرجھری لیتے ہوئے اندر سے اسے جھنجھوڑا تھا۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا؟ ارے۔" حالوت نے میرے گرد بکھری ہوئی چنگاریوں کو دیکھا اور بوکھلاہٹ میں کھڑا ہو گیا "یہ۔ یہ کیا ہے مارف؟"

"مصیبت۔ تنکا کی مصیبت۔" میں نے ہانپتے ہوئے لہجے میں کہا "جلدی کرو۔ وہ میرے پیچھے آ رہے ہیں۔"

حالوت نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر اس نے منہ کھول دیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے تیز ہوا مجھے ایک طرف کھینچ رہی ہو اور میں پوری قوت صرف کر کے خود کو روکنے لگا۔

لیکن رک نہ سکا اور حالوت کے قریب پہنچ گیا۔ حالوت نے میرا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔ لیکن میرے گرد بکھری ہوئی چنگاریاں حالوت کے جسم میں غائب ہو گئیں تو میں نے جلدی سے شادوانہ کا دوشالہ اتار دیا۔

شور اب مندر میں آ گیا تھا۔ ہرچرن لال ہماری ہی کوٹھری کی طرف دوڑ رہا تھا اور پھر کوٹھری کے دروازے پر قدموں کی آواز رک گئی "دروازہ کھولو۔" ہرچرن کی آواز ابھری۔

"قصہ کیا ہے؟" حالوت نے سرگوشی کی۔

"ان کے ساتھ تنکا ہے۔ خطرناک آدمی ہے۔ ہوشیار۔ باقی باتیں پھر بتاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ فکر مت کرو۔" حالوت نے کہا۔

"دروازہ کھولو۔ کھولو دروازہ۔" باہر سے زور زور سے دروازہ پیٹا جانے لگا اور حالوت دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ میں بھی اپنی کیفیت درست کر کے اس کے نزدیک آ کھڑا ہوا تھا۔

ہرچرن لال بڑی کینہ توز نگاہوں سے ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔

"کیا بات ہے صہ منتری جی۔" حالوت نے بات دار آواز میں پوچھا۔

"اندر اور کون ہے؟" ہرچرن لال نے بھی سخت لہجہ اختیار کیا تھا۔

"تمہارے خیال میں کون ہو سکتا ہے" حالوت نے الٹا اس سے سوال کر دیا۔

"وہ کون ہے جو باہر سے آیا ہے۔"

"کیا سے ہوا ہے ہرچرن لال؟" حالوت نے پوچھا

"ہم اندر تحقیق کریں گے۔" ہرچرن بولا۔ آپ تنکا بھی اس کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔

"میں پوچھتا ہوں سے کیا ہوا ہے؟" حالوت گرجا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"یہ سے کسی کو بچانے کا ہے۔ ہمارا نیند کیوں خراب کی گئی ہے؟"

"جاؤ۔ اندر دیکھو۔ اندر کون ہے؟" ہرچرن لال نے پنڈوں سے کہا اور پنڈے اندر گھس گئے۔ کوٹھری کوئی بڑی تھی ہو کسی کے چھپنے کا احتمال ہو تا۔ چنانچہ پنڈوں نے گردن ہلا دی۔

"ان دونوں میں سے بھی کوئی ہو سکتا ہے۔" تنکا کی کریہہ آواز ابھری۔ اس کی پوری شخصیت کراہیت آمیز تھی۔ اس کے ایک ایک عضو سے نفرت ہوتی تھی۔

"یہ کون ہے ہرچرن لال؟" حالوت نے پوچھا۔

"ارے۔ ارے۔ مہاراج تنکا پنڈت۔ تم ان کا نام کس طرح لے رہے ہو؟" ہرچرن بوکھلا کر بولا۔

"انہیں باقی داس سے ملاؤ۔ ہرچرن لال اور تم بھی اب یہاں سے لوٹ جاؤ۔ رات کافی بیت گئی ہے۔"

"ہوش میں رہو مہاراج۔ میرا نام ہرچرن لال ہے۔ میں تمہیں یہاں سے گھسیٹتا ہوا لے جاؤں گا اور سولی پر چڑھا دوں گا۔"

"تربوز مہاراج؟" حالوت نے مجھے پکارا۔

"مہان خربوزہ۔"

"کیا ہرچرن لال جی کی بدھی ٹھیک کر دی جائے؟"

"زبانی مہاراج۔ زبانی۔ ممکن ہے یہ شریف آدمی باز آ جائے۔"

"کیا خیال ہے ہرچرن۔" ہنس کر بولا۔ "حالوت نے اپنے گھوڑا اور ہرچرن نے بوکھلا کر آنکھیں پھیر لیں۔ پھر وہ پنڈوں کی طرف رخ کر کے بولا۔

"جاؤ۔ تم دیکھو۔ راج مندر میں ایک ایسا آدمی گھس آیا ہے جس کے سر پر اگن ناچ رہی ہے۔" پنڈوں کی سمجھ میں کچھ آیا ہو یا نہ آیا ہو۔ لیکن انہوں نے وہاں سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی تھی۔

پھر ہرچرن لال نے امداد طلب نگاہوں سے تنکا کی طرف دیکھا۔ تنکا کی نگاہوں سے ہم دونوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے نرم لہجے میں کہا "ہم آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں مہاراج۔"

"آپ جا تا ہے یہاں سے کہ دوں کھوپڑی پر ایک ہاتھ۔ سالا سوکھے کا مریض اپنے پہلے ایک درجن انڈے چوسا اس کے بعد آتا۔" حالوت نے کہا اور ہرچرن لال بری طرح بپھر گیا۔

"مار ڈالوں گا۔ مار ڈالوں گا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ مہاراج کا یہ اپمان۔" اور وہ ہماری طرف بڑھا۔ لیکن تنکا نے اس کا بازو پکڑ لیا تھا۔ اس نے ہرچرن کو پکڑتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں ہرچرن۔ سادھو سنتوں کی بات کا برا نہیں مانتے نہ جانے کونسی بات میں کیا بھلائی ہو۔ رہنے دے اس کے۔ صبح کو ہم مہاراج سے بات کریں گے۔" اور ہرچرن رک گیا "آرام کریں مہاراج ہم کو آپ کی سیوا میں حاضر ہوں گے۔ آؤ ہرچرن۔" تنکا نے ہرچرن کا بازو پکڑا اور ایک

طرف چل پڑا۔ طالوت نے مجھے آنکھ ماری تھی اور پھر وہ بھی ان کے پیچھے لگنے کو تیار ہو گیا۔

"رک جاؤ طالوت' کہاں جا رہے ہو؟" میں نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ان کے پیچھے۔ پہلے ان کی باتیں سن لیں' اس کے بعد ہم آپس میں باتیں کریں گے۔"

"رک جاؤ یار۔ وہ بڑا خبیث ہے۔ ہواؤں میں انسانوں کی بو سونگھ لیتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میری بو نہ سونگھ سکے گا۔ میں انسان کہاں ہوں۔ ویسے مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔ ٹھیک ہے اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ اب تم بیٹھ جاؤ' اور اس آدھی رات کے ہنگامے کے بارے میں بتاؤ۔"

"یار عمدہ چیز آئی ہے۔ میرا خیال ہے اس سے تمہیں مقابلہ کرنے میں بھی لطف آئے گا۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"اب تفصیل بھی بتا دو یار۔" طالوت نے بیزاری سے کہا۔

"بس نیند نہیں آ رہی تھی۔ دوشالہ اوڑھ کر باہر نکل گیا۔ وہاں یہ دونوں نظر آ گئے۔ میں ان کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ بوڑھے خبیث نے رک کر کہا کہ اس کی ناک انسان کی بو سونگھ رہی ہے۔"

"خوب۔ پھر؟" طالوت دلچسپی سے بولا۔

"اس نے مٹھی بند کر کے کوئی منتر پڑھا' ایک روشنی ہوئی۔ اس نے کہا تھا جو کوئی ہے اسے تلاش کرو۔ سو چنگاریاں میرے گرد پھیل گئیں اور میں بدحواسی میں دوڑ پڑا۔"

"عمدہ۔" طالوت پرخیال انداز میں بولا۔

"اب سوچو برخوردار۔ آدمی خطرناک ہے۔"

"عارف دی گڈ تھنگ۔ غصہ مت دلاؤ۔ ورنہ اس کی سوکھی ہوئی ہڈیوں کا تیل نکال کر تمہارے پورے بدن پر مل دوں گا۔ طالوت غصیلے انداز میں بولا۔

"گویا اس کے بعد بھی تم اس کی پرواہ نہیں کرتے۔"

"اب اتنے عرصے سے اپنی جان کو دھوکا دیتا پھر رہا ہوں۔ یہ سالا سوکھا بانس میرا کیا بگاڑ سکتا ہے۔"

"پھر بھی ہوشیاری کی ضرورت ہے طالوت۔ یہ ہندو بڑے منتر جانتے ہیں۔"

"ایک بات بتاؤں؟" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"وہ تندے علم کا ماہر ہے۔ تم نے اس کی شخصیت سے کچھ نہیں محسوس کی؟"

"خدا کی قسم محسوس کی تھی۔" میں نے پرجوش انداز میں کہا۔

"تندا علم خطرناک ضرور ہوتا ہے۔ لیکن چنتا نہ کرو یار۔ ایسے چکروں کا صاتما بنی کو کہ چٹکی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ ٹھہرو یہاں رہ کر ان کی گفتگو سنتے ہیں۔"

"یہاں رہ کر؟" میں تعجب سے بولا۔

"راسم۔" طالوت نے آواز دی' اور راسم کو آنے میں دیر کیا لگتی "ان دونوں کی گفتگو یہاں سننا چاہتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور راسم نے مسکراتے ہوئے گردن جھکا دی۔ اس نے ایک ہاتھ خلا میں نچایا اور ہرچرن لال کی آواز ابھری۔

"آپ نے دونوں کو دیکھ لیا مہاراج؟"

"ارے۔" میں اچھل پڑا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ "یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے؟"

"خاموشی سے سنو یار۔" طالوت نے کہا۔ لیکن میں حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کوئی بھی چیز نہیں تھی اور دوسری طرف سے آواز صاف آ رہی تھی۔ وہی دونوں تھے۔

"ہاں مہاراج۔"

"گہرے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہیں کون مہاراج۔ میں تو سخت پریشان ہوں۔"

"چنتا مت کرو ہرچرن۔ میں تمہارا کام کر دوں گا۔ لیکن تم نے میرے کام کے بارے میں کیا سوچا ہرچرن لال۔"

"آپ کا کام۔ میں نہیں سمجھا مہاراج۔"

"راج ہنس۔" بوڑھے خبیث کی آواز ابھری۔

"اوہ۔" ہرچرن کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔ وہ کئی منٹ خاموش رہا تھا۔ پھر اس نے کہا "یہ نہیں ہو سکتا مہاراج کہ آپ اس کا خیال چھوڑ دیں۔"

"حالات نہیں دیکھ رہے ہمارے۔ اس کے پریم نے ہمیں سمجھا دیا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔

"آہا ہا۔ بھائی عاشق ہیں۔" طالوت نے کہا۔ لیکن میں تو اس آواز پر غور کر رہا تھا۔ آخر یہ آواز کہاں سے آ رہی تھی۔

"لیکن وہ بڑی بس کی بڑیا ہے مہاراج۔ پورن لال اس پر دانت رکھتا ہے۔ وہ تو کوندا اس کو مہاراج نے نہیں دیکھا۔ ورنہ پھر وہ ہم میں سے کسی کی نہیں رہتی۔"

"ہمارے سامنے کس کی مجال ہے کہ اس پر نگاہ

رکھے۔"

"لیکن مہاراج۔ کرپا کرو۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں اس کے بنا نہیں جی سکتا۔"

"بکو مت ہرچرن لال۔ ہم تمہارا کام اسی شرط پر کریں گے کہ اسے ہمارے حوالے کر دو۔" تنکا پنڈت نے کہا۔

"مہاراج۔ مہاراج۔"

"ہم جا رہے ہیں۔" تنکا شاید اٹھ گیا تھا۔

"سنئے تو سہی مہاراج۔ بیٹھ جایئے۔ سنئے۔ اس نے آج تک مجھے بھی پریم کی نگاہوں سے نہیں دیکھا۔ اگر وہ آپ کو پسند کر لے تو۔ پھر ٹھیک ہے۔ آپ کا اس پر حق ہے۔"

"وچن دیتے ہو ہرچرن لال؟"

"ہاں مہاراج۔ لیکن شرط یہی ہے کہ اگر اس نے من سے آپ کو پسند کر لیا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ اس کے ساتھ کوئی زبردستی نہیں ہو گی۔"

"ضرور ہے۔ تم دیکھو گے۔ وہ من سے ہمیں سویکار کرے گی۔"

"آپ شکتی رکھتے ہیں مہاراج۔ بدنصیب تو میں ہی ہوں۔" ہرچرن لال نے کہا "خیر چھوڑیئے ان باتوں کو۔ ان دونوں کے لئے آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"بھور ہونے دو۔ وہ دونوں تمہارے سامنے اپنے بارے میں بتائیں گے اور پھر تم ان کے لئے جو بھی سزا تجویز کرو گے۔ وہ خوشی سے سزا قبول کریں گے۔"

"کیا۔ کیا ایسا ہو سکے گا مہاراج؟"

"اوش۔ کیا تم تنکا کو نوٹنکی سمجھتے ہو؟" تنکا کی آواز میں بڑا مان تھا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔ مجھے آپ پر وشواش ہے۔ مگر یہ پورن لال کہاں گیا؟ سو گیا ہو گا پاکھنڈی۔ آپ بھی سو جائیں مہاراج۔ صبح کو ان دونوں کا فیصلہ کریں گے۔"

"ہمارا استھان کہاں ہے؟"

"یہی کمرہ ٹھیک ہے مہاراج۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ تم جاؤ۔" تنکا نے کہا اور پھر شاید ہرچرن لال کمرے سے نکل گیا۔ آوازیں بند ہو گئیں۔ اور طالوت میری طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"طالوت۔ مجھے بتاؤ۔ یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟" میں نے کہا۔

"کمال ہے یار۔ اتنی دلچسپ گفتگو ہو رہی تھی۔ تم نے اس پر تو غور نہیں کیا۔ آوازوں کے لئے اتنے پریشان ہو۔"

"یار حیرانی کی بات ہے۔"

"میرے خیال میں بائیں چیز کی بات نہیں ہے۔ تم لوٹو کالے رنگ کے پلاسٹک کے تالے میں سنوپار کی گفتگو سن رہے ہو۔ ہزاروں میل دور کے حالات دیکھ لیتے ہو۔ ہماری سائنس اتنی بھی نہ ہو گی۔"

"سائنس سائنس میں فرق بھی تو ہوتا ہے عارف۔ اس بات کو جانے دو۔ یہ تنکا مہاراج تو اب مجھے کسی مرے کے نظر آنے لگے ہیں۔ "کیا تم نے توجہ سے ساری گفتگو سنی۔"

"ہاں۔"

"کوئی خاص بات نوٹ کی؟"

"راج ہنس۔" میں نے طالوت کی آنکھوں میں جھانکا۔

"شکر ہے۔ بالکل ہی غیر حاضر نہیں تھے۔"

"ظاہر ہے۔ میں گفتگو سن رہا تھا۔"

"مگر یہ ہے کیا بلا؟"

"ظاہر ہے لڑکی ہو گی۔"

"ہاں۔ عشق و عاشقی کی بات بھی ہو رہی تھی۔ طالوت نے کہا اور میرے گردن ہلانے لگا۔ پھر اچانک میں کسی نیند کے تحت چونک پڑا۔

"طالوت۔"

"ہاں۔ ہاں۔ کہو جلدی کہو۔"

"کہیں وہی لڑکی؟"

"میرے ذہن میں بھی یہی بات آ رہی تھی۔"

"اوہ۔ تب تو۔ تب تو لڑکی واقعی پراسرار شخصیت کی مالک ہے۔ ریوت درگاپور کے اتنے بڑے بڑے لوگ اس کے چکر میں ہیں۔"

"مہاراج رودنداس کپور کی بات بھی آئی تھی۔"

"راجہ بھی بڑی عیاش معلوم ہوتا ہے۔"

"شاید وہ عیاشی کی وجہ سے ہی دربار میں بھی نہیں آتا اور ہرچرن لال بارے درگاپور پر راج کر رہا ہے۔"

"ہو سکتا ہے۔"

"خیر راجہ کو بھی دیکھ لیں گے۔ پہلے ان لوگوں کو درست کر لیا جائے۔"

"نہ جانے کیوں یہ آدمی مجھے خوفناک لگ رہا ہے۔ دراصل طالوت میں اس بات سے ڈر رہا ہوں کہ اب تک ہمارا واسطہ صرف ایسے لوگوں سے پڑتا رہا ہے جو صرف ہم لوگ تھے۔ لیکن ہندو جادوگر بہت مشہور ہوتے ہیں۔ تمہیں ان کے بارے میں کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"اب ہو جائے گا میری جان۔ بس اب سونے کی کوشش کرو۔ صبح کو بہت سے معرکے سر کرنے ہیں۔" طالوت

نے حسب عادت اپنی واہی سے کہا "اور سونے کے لئے لیٹ گیا۔

"لیٹ میں بھی گیا تھا۔ لیکن نہ جانے کب تک نیند نہیں آئی تھی۔ طالوت مست نیند کے خراٹے لے رہا تھا۔ اور میں جاگ رہا تھا۔ پھر میری آنکھوں میں بھی چپکے سے نیند گھس آئی اور پھر صبح ناقوس کی صداؤں سے ہی آنکھ کھلی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر سویا تھا۔ طالوت بھی جاگ گیا تھا اور دانت پیس رہا تھا۔

پھر اس نے راسم کو آواز دی "راسم!"

"صبح بخیر آقا۔" راسم نے فوراً جواب دیا۔

"ابھی نہیں۔ ہم بہت دیر سے سوئے تھے۔ کچھ دیر اور سوئیں گے۔"

"ایک بھی گھنٹہ نہیں بجنا چاہئے۔ ایک بھی آواز بلند نہ ہو۔" طالوت نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا آقا۔" راسم نے کہا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا اور پندرہ ساعت کے بعد واقعی ساری آوازیں معدوم ہو گئیں حالانکہ مندر کی صبح ایسی پر شور ہوتی تھی کہ کان پھٹ جاتے تھے اور ابھی پندرہ ساعت قبل ایسی ہی کیفیت تھی۔ لیکن اب بالکل خاموشی چھا گئی تھی۔ لیکن پھر یہ خاموشی ٹوٹ گئی۔

اب یہ انسانوں کا شور تھا۔ نہ جانے کیسی بھاگ دوڑ ہو رہی تھی۔ طالوت تو کروٹ بدل کر گہری نیند سو رہا تھا۔ لیکن میری نیند اچٹ گئی تھی۔ طبیعت بھاری ہو رہی تھی۔ لیکن صورتحال معلوم کرنے کے لئے نکل پڑا۔ میں جانتا تھا یہ ہن مندر میں ہنگامی ہوگا اور اس صبح کی ابتدا بھی ایسی ہوئی ہے۔

میں باہر نکل آیا۔ بہت سے پنڈے جاگ چکے تھے۔ کچھ پنڈے مندر کی دیواروں پر لٹکے مندری گھنٹوں کو رسیوں سے بنائے ہوئے ہاتھوں میں پھونکیں مار رہے تھے۔ ان کے چہرے سرخ ہو گئے تھے۔ وہ بار بار گالوں پھلاتے تھے اور بجانے کی کوشش کرتے۔ لیکن آواز نکلتی تھی نہ نکلتی تھی۔

یہی کیفیت بڑے بڑے پیتل کے گھنٹوں کی تھی۔ کئی شمار لوگ مصروف کار تھے۔ لیکن بیکار۔ ایسا لگتا تھا جیسے ان میں بجانے والی ہتھوڑیاں ہی نہ ہوں۔ تالاب کے بڑے بڑے دہشت زدہ تھے۔ وہاں انوکھی بات کو بڑی بے چینی قرار دے رہے تھے۔ ورنہ مندر میں ہنگامہ تھا۔ پنڈے بھاگ بھاگ کر پیتل کے گھنٹوں کو بجا رہے تھے۔

میں نے ایک کوئی سانس لی نہ جانے کیوں میرے دل کو تقویت سی ہوئی۔ تالا خطرناک صورت ہے۔ لیکن اس کا واسطہ جس شخص سے پڑنے والا ہے۔ وہ تالا توڑ سکتا ہے۔ وہ صرف چھ دیر سونے کے لئے اتنا بڑا ہنگامہ برپا کرا سکتا ہے۔ میں وہاں سے پلٹا اور واپس طالوت کے پاس پہنچ گیا۔

طالوت بھی اب آنکھیں کھولے لیٹا تھا۔ اس کے انداز میں کسلمندی تھی "کیا ہو رہا ہے باہر؟" اس نے پوچھا۔

"ہنگامہ۔" میں نے جواب دیا۔

"پورن لال برآمد ہو گیا؟"

"میرا خیال ہے ابھی نہیں۔ ابھی اس کے بارے میں کچھ نہیں سنا گیا۔"

"چلو۔ باہر چلیں۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں تالاب پر آئے۔ وہاں منہ ہاتھ دھویا' دانت وغیرہ صاف کئے اور پھر اندر واپس آ گئے۔ پنڈے اپنی کوششوں میں ناکام ہو گئے تھے چنانچہ گھنٹے بجانے کی کوشش ترک کر دی گئی تھی۔ پوجا کرنے والے یونہی آ گئے تھے اور پھر پورن لال کی تلاش شروع ہو گئی۔

"مہاراج پورن کہاں ہیں؟" کسی نے کہا۔

"ارے ہاں۔ مہاراج صبح سے نظر نہیں آئے۔"

"کہاں گئے؟" بہت سی آوازیں آئیں۔ سب کو پورن لال کا خیال آ گیا تھا۔

"دیکھو۔ مہاراج کو تلاش کرو۔"

اور پنڈے پورن لال کی تلاش میں چاروں طرف دوڑنے لگے' بڑی افراتفری پھیل گئی۔ تکا پنڈت کی آمد کی شاید ابھی یہاں کسی کو خبر نہیں تھی۔ لیکن پھر تکا بھی آ گیا۔ اور سارے پنڈے عقیدے سے اس کے سامنے جھک گئے۔ بہ وقت تکا پوجا کے ہال میں آیا تھا۔

"بڑی عجیب عجیب باتیں ہو رہی ہیں تکا مہاراج۔"

"کیا بات ہے؟"

"صبح مندر کے سارے گھنٹے بند ہو گئے۔ گھنٹوں کی آوازیں بھی بند ہو گئیں۔ اور مہاراج پورن غائب ہیں۔"

"پورن لال غائب ہے۔" تکا چونک پڑا۔

"ہاں مہاراج۔"

"کب سے؟"

"رات کو انہیں دیکھا گیا تھا۔ پوجا میں بھی تھے۔ تب سے ان کا پتہ نہیں ہے۔"

"مہاراج پورن لال۔ آپ کے اس پرکے کمرے میں موجود ہیں۔" ایک پنڈا چیختا ہوا آیا "وہیں موجود ہیں۔"

تکا مسکرا رہے تھے۔ "پنڈا بدحواسی میں بولا اور سب اسے گھورنے لگے۔ "میں سچ کہہ رہا ہوں مہاراج۔ وہ کئی انڈے پیچھے دبائے بیٹھے ہیں اور ان پر سے اٹھ نہیں رہے۔"

"کیا بکواس ہے؟" تکا غرایا۔

"نہیں۔ آپ خود دیکھ لیں تکا مہاراج۔ بھگوان کی سوگند میں سچ کہہ رہا ہوں۔" پنڈا روہانسے والی آواز میں بولا۔ اور اب ہنگامہ دوسری طرف منتقل ہو گیا۔ بہت سے لوگ مندر کے دوسرے حصے کی طرف دوڑے۔ تکا بھی اپنی سوجی ہوئی آنکھیں اٹھاتا ہوا اسی طرف بڑھا تھا۔ ویسے پنڈے اس کے زبردست عقیدت مند تھے۔ بہت سے پنڈے اس کے پیچھے لوپ سے چل رہے تھے۔

"رک جاؤ۔ ان سے کہو کوئی اندر نہ داخل ہو۔" تکا نے کہا اور پنڈے چیخ چیخ کر انہیں تکا پنڈت کا حکم سنانے لگے۔ چنانچہ وہ بھی رک گئے۔ جو پرانے مندر کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔ سب نے تکا مہاراج کو راستہ دے دیا تھا۔

اور اچانک تکا کو جیسے کوئی خیال آیا۔ اس نے سارس کی طرح گردن اٹھائی اور اچک اچک کر دیکھنے لگا۔ تب اس کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی اور اس کے ہونٹوں پر ایک مکروہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ پیچھے ہٹا اور ہمارے قریب پہنچ گیا۔

"ہے رام جی کی مہاراج!" اس نے دونوں ہاتھ جوڑے۔

میں اور طالوت مسکرا کر رہ گئے تھے "واہ سے کچھ تمہارا نشہ ہے مہاراج؟" تکا نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو تکا جی؟" طالوت نے زہریلے انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں جناب۔ رات کچھ پنڈتوں کا پوچھ لیا۔ پرنت تمہارا کھوج نہ تلاش کر سکا۔ بڑی بات ہے۔ طرم تلا بخت رہے گا مہاراج!" وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔

"ہاں تکا جی۔ تمہارے لئے بڑی مصیبت پڑ جائے گی۔"

"دیکھیں گے مہاراج۔ آپ اندر آئیں۔ یہ پورن لال کو کیا ہو گیا ہے۔"

"آپ دیکھیں تکا مہاراج۔ ہم یہیں ٹھیک ہیں۔"

"جیسے بھی۔ اب ایسی بھی کیا۔ ہم دونوں گیان کی جنگ لڑیں گے۔ آپس میں من بگاڑنے سے کیا فائدہ؟"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔ لیکن ہرچرن لال کو آپ نے اطلاع نہیں کرائی؟"

"ارے ہاں۔ خوب یاد دلایا۔ ارے سنو بھگوان داس۔ مہاراج ہرچرن لال کو تو اطلاع دو۔ پورن لال ان کا بھی متر ہے۔ دیکھیں تو آرام سے کیا ہو گیا ہے۔" اور بہت سے پنڈے دوڑ گئے۔

بہرحال ہم تکا اور کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ اندر داخل ہو گئے' پورن لال والان کے دوسری طرف اسی کمرے میں موجود تھا اور اسی جگہ بیٹھا تھا جہاں ہم چھوڑ گئے تھے۔

ہمیں دیکھتے ہی وہ برقی کی طرح کڑکڑایا۔ اور کڑکڑاتا ہی رہا۔ اس نے سنبھل کر بیٹھنے کی کوشش بھی کی تھی اور ایک سفید انڈا اس کے نیچے سے سرک آیا تھا۔

"پورن لال۔ اٹھو پورن لال۔" تکا نے اس کے قریب پہنچ کر کہا اور پورن لال زور سے کڑکڑایا۔

"منش کی زبان میں بات کر پورن۔ یہ تکا کا حکم ہے۔ منش کی زبان میں بات کر۔"

"بے بھاگ یہاں سے۔ دیکھتا نہیں ہے میں بچے پال رہی ہوں۔" پورن لال نے جواب دیا اور تکا اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پورن لال کے چہرے پر بیزاری تھی۔

"کیسے بچے پورن لال؟" بالآخر اس نے پوچھا۔

"سفید۔ سفید۔ چھوٹے چھوٹے۔ بڑے ہی سندر۔ بڑے ہی سندر۔"

"یا بک رہا پورن لال۔ تو منش ہے۔ مرغی نہیں ہے۔"

"ہے بھگوان۔ اس بوڑھے کی آنکھیں ٹھیک کر دے۔ میں اتنے منش نظر آ رہی ہوں۔ ارے ہٹ۔ بھاگ جا یہاں سے۔ کیوں مجھے ستا رہا ہے۔ میں تیرا کیا بگاڑ رہی ہوں۔" پورن لال نے مظلومانہ انداز میں کہا اور تکا اسے دیکھتا رہا۔ مجھے زور کی ہنسی آ رہی تھی۔ لیکن طالوت بڑی سنجیدگی سے پورن لال کو دیکھ رہا تھا۔

"کچھ آپ ہی بتائیں مہاراج۔ کیا ہوا پورن لال کو؟" کریہہ شکل بوڑھا ہماری طرف مڑا۔

"تو تمہیں ہونے والا ہے تکا مہاراج۔"

"جی ہی ہی۔ مجھے تو مرغا ہی بنانا مہاراج۔ میں انڈوں پر نہ بیٹھ سکوں گا۔ اور یہاں مندر کے گھنٹے کیسے بند ہو گئے تھے؟" اومزی کی شکل والے تکا نے کہا۔

"تم آرڈر سے لیتی ہو تنکا پنڈت۔ معلوم کروں۔"

"سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ پتا مت کرو۔ سے تنے وہ اوتی۔ اوش۔ ویسے ایک بات بتا دوں۔"

"ضرور۔"

"مندر پتی تمہارے بارے میں کوئی جواب نہیں دیتی۔ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے۔"

"وہ کیا مہاراج؟"

"ہو سکتا ہے بندو دھرم سے ہی تمہارا کوئی سمبندھ نہ ہو۔" تنکا نے ہماری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ سچ بات ہے میرے چہرے کا رنگ تو اڑ گیا تھا۔ لیکن طالوت نے قہقہہ لگایا تھا۔

"ہاں ہاں۔ ہمارا دھرم آکاش سے اترا ہے مہاراج۔ آپ چنتا نہ کریں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"نہیں میرے پارے بالکو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں۔ اگر تم ہندو نہیں ہو تو پھر ضرور ہو گے۔ اور پنڈتوں اور پجاریوں کو جب یہ بات معلوم ہو گی تو وہ آرام سے تمہارا کریا کرم کر دیں گے۔ بہت جلد میں ان کے سامنے یہ بات رکھ دوں گا۔"

"تم جو چاہو کرو گے تنکا مہاراج۔ وہ تمہارا کام ہو گا اور ہم جو چاہیں گے وہ ہمارا۔" طالوت نے جواب دیا۔ اسی وقت دیوان ہرچرن لال آ گئے۔ ان کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار تھے۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے تنکا مہاراج؟" ہرچرن لال نے آتے ہی پوچھا اور پھر ہمیں دیکھ کر سنبھل گیا۔

"ان بالکوں سے پوچھو۔ جن کی بدھی خراب ہو گئی ہے۔ تنکات مکر لینے آئے ہیں۔"

"ارے تم سب یہاں کیوں کھڑے ہو۔ باہر جاؤ۔ مجھے انڈے چننے دو۔ میرے انڈے ٹوٹ جائیں گے۔" پورن لال نے پریشانی سے کہا اور ہرچرن چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"یہ کیا پاگل پن ہے پورن لال۔ اٹھو۔ چلو اندر چلو۔" ہرچرن لال نے پورن لال کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور پورن لال کسی مظلوم عرفی کی طرح زور زور سے چیختا رہا "چلو۔ اسے اٹھا کر مندر میں لے چلو۔" ہرچرن لال نے پنڈتوں کو حکم دیا اور پورن لال کو پکڑ لیا۔ پورن لال دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ وہ بین کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ انیائے ہوا ہے اسے اپنے بچوں سے محروم کر دیا گیا ہے۔

"نواچار۔ آج کھانے پینے کی بات بھی نہ ہو سکے گی۔ نود کی بندوبست کریں۔" طالوت نے مجھ سے کہا اور ہم بھی وہاں سارے پنڈے جمع ہو گئے تھے اور پورن لال کی حالت پاگلوں کے چہرے اترے ہوئے تھے۔ ہم لوگ مندر میں واپس آئے اور پھر کھانے پینے کی چیزوں کی تلاش میں جٹ گئے۔

کھانا موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ پروسا نہیں گیا تھا۔ بہرحال ہم نے اپنی ضرورت کے مطابق نکال لیا اور اطمینان سے ایک کونے میں بیٹھ کر کھانے لگے۔

"یار طالوت۔" میں نے کھانا کھاتے ہوئے طالوت کو مخاطب کیا۔

"پرو مرشہ۔"

"اس پورن لال کے بچے کے انڈے کہاں سے آ گئے؟"

"رام نے اس کی خواہش پوری کر دی تھی۔ وہ بیچارہ انڈے کہاں سے دیتا۔"

"واقعی تم بہت بڑے شیطان ہو۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اب یہ بتاؤ۔ لطف آ رہا ہے یا نہیں؟"

"میں تو نوٹ فروہ ہوں یار۔"

"اس بوڑھے تنکات؟"

"ہاں۔"

"اس کے بعد اگر تم نے یہ بات زبان سے نکالی تو تمہیں مرغا بنا کر پورن لال سے تمہارا جوتا اٹھوا دوں گا۔ سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔" طالوت نے غراتے ہوئے کہا۔

"تم دیکھو۔ اس نے انڈے بارے میں کتنا درست اندازہ لگایا ہے۔"

"ارے مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ وہ مقابلے پر تو آئے۔" طالوت نے کہا اور میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ طالوت بھی کھاتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم تنکا پنڈت کو معاف بھی کر سکتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں۔ اس کی جاں بخشی کی جا سکتی ہے۔"

"کیسے؟" میں نے پوچھا۔

"اگر وہ راج ہنس ہمیں دے دے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"ہوں۔ یہ راج ہنس کوئی بڑی مصیبت بن کر رہے گی۔ میری پیش گوئی ہے۔"

"نا کرے۔ اندازہ لگاؤ۔ کیا یہ وہی لڑکی ہو سکتی ہے؟"

"کس بنا پر کہہ رہے ہو؟"

"وہ اتنی ہی خوبصورت تھی۔"

"ہاں یار۔ قسم لے لو جو ذہن میں ایسی ویسی کوئی بات ہو۔ لیکن وہ لڑکی ذہن سے بری طرح چپک گئی ہے۔"

"لیکن طالوت۔ تم اسے اپنے طور پر کیوں نہیں تلاش کر لیتے؟"

"پہلے بھی کہہ چکا ہوں میری جان کہ میرے اوپر بھی بعض اخلاقی پابندیاں ہیں جنہیں تم پر ظاہر کرنے سے معذور ہوں۔ بعض معاملات میں میری پوزیشن یوں سمجھ لو کہ کر سکتا ہوں۔ لیکن نہیں کر سکتا۔"

"ہاں۔ تم نے کہا تھا۔" میں نے گردن ہلائی۔

"البتہ تمہاری والی کے لئے مدد کر سکتا ہوں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیو متی؟"

"ہاں۔ کیوں؟" طالوت نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہم اس کی مدد ضرور کریں گے طالوت۔ لیکن اب میں اسے اپنی نہیں کہہ سکتا۔"

"کیوں؟"

"ارے تم ان کی پورن لال سے گفتگو سن چکے ہو۔ وہ کسی مست پرکاش سے پریم کرتی ہے۔"

"اوہ۔ تب کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم اسے مست پرکاش دلا دیں گے۔ مگر یار یہ راجہ کوندا اس کپور تو ایسا لگتا ہے جیسے صرف ایک نام ہو۔ اس سے کب ملاقات کرو گے؟"

"تم یہاں کے بکھیڑے نپٹا لو تو پھر دیکھیں گے۔"

"تو آؤ۔ آج تمہاری دیو متی سے مل لیں۔"

"ابھی نہیں طالوت۔ میری رائے ہے پہلے تنکا کا قصہ نپٹا دو۔"

"ہوں۔" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر میری طرف دیکھا۔

"بالکل۔"

"تو اس بوڑھے سے بھی نپٹ لیں۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور نہ جانے کیوں میرا دل دھڑک اٹھا۔ لیکن اب کسی خوف کا اظہار طالوت کے منہ کو آتا تھا۔ اور یہ انتہا پسند شخص تقریباً بھی اپنی کسی بات کو عملی جامہ پہنا سکتا تھا۔ ہم دونوں اس کمرے سے نکل آئے جہاں کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں۔

پنڈے اب بھی حیران پریشان ٹولیوں میں بٹے کھڑے تھے وہ پورن لال اور منتر بند ہو جانے والے واقعات پر چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ ہم ان کی دلچسپ باتیں سنتے ہوئے اس طرف بڑھ رہے تھے جہاں پورن لال رہتا تھا اور پھر ہم اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے۔ طالوت نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ مہاراج۔" اندر سے تنکا کی آواز سنائی دی اور ہم اندر پہنچ گئے۔ پورن لال بدستور ایک کونے میں بیٹھا تھا۔ اس کے نیچے انڈے رکھوا دیئے گئے تھے کیونکہ اس نے رو رو کر دیواروں سے سر مارنا شروع کر دیا تھا۔ اسے اپنے بچے والے چوزوں کا غم تھا۔ ایک سرے پر ہرچرن لال بیٹھا خونی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

لیکن تنکا کے منحوس چہرے پر وہی تاثرات تھے۔

"پدھاریئے مہاراج۔ پدھاریئے۔" اس نے ہم دونوں سے کہا اور ہم بیٹھ گئے۔ "کیوں نہ تمہارے درمیان صاف صاف بات چیت ہو جائے مہاراج۔" تنکا نے کہا۔

"ہم تیار ہیں۔ کیوں ہرچرن لال جی۔" طالوت نے ہرچرن لال سے کہا۔

"آپ نے جس طرح یہاں آ کر لوگوں کو پریشان کیا ہے۔ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ آپ من کی بات نہیں۔ کیا چاہتے ہیں آخر آپ؟" ہرچرن لال نے غصیلے انداز میں کہا۔

"کوئی پوچھے بھی تو من کی بات ہرچرن لال۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے بجائے آپ نے تو ہمارے خلاف سازشیں شروع کر دیں اور اس بندر کو بلا کر تو آپ نے ہمیں اور غصہ دلایا ہے۔ ہم اس بندر کے بغیر بھی گفتگو کر سکتے ہیں۔" طالوت نے تنکا کی طرف اشارہ کیا۔

اور ہرچرن لال شدید غصے کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔ وہ تنکا کی توہین پر چراغ پا ہو گیا تھا۔ لیکن مکار تنکا بدستور مسکرا رہا تھا۔

"مکار سادھو۔ میں تمہارے ٹکڑے کر دوں گا۔ تم تنکا مہاراج کا اپمان نہیں کر سکتے۔ مہاراج۔ مہاراج آپ مجھے آگیا دیں۔ میں اپنے خنجر سے ان کے ٹکڑے کر دوں۔ چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔" ہرچرن لال اپنی پیٹی سے خنجر کھینچتے ہوئے بولا۔ لیکن تنکا نے ہاتھ اٹھا لیا تھا۔

"رہنے دے ہرچرن۔ منش کے کٹنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ پدھاریئے مہاراج۔ آپ ہرچرن سے ہی بات کر لیں۔ میں خاموش رہوں گا۔" وہ اپنی منحوس آواز میں بولا۔

"ہرگز نہیں سوکھے بندر۔ تم اسے ہمارے ٹکڑے

کرنے کی اجازت دے دو۔" طالوت نے زہریلے لہجے میں کہا اور ہرچرن لال کی بچ کھچ سیدھا کر کے طالوت کی طرف دوڑ پڑا۔ طالوت نے اس وقت کوئی پراسرار چال چلنے کے بجائے سیدھا سیدھا ہرچرن لال کے خنجر ہاتھ ڈال دیا۔ اور پھر اس کا زوردار تھپڑ ہرچرن لال کے گال پر پڑا۔ کیا ہی زوردار آواز تھی جیسے پٹاخہ پھوٹا ہو۔ ہرچرن لال کا سر پھر کر رہ گیا تھا۔

پھر وہ خنجر کو اسا سیدھا ہوا میں لہراتا چیخا۔ "مارڈالوں گا۔" لیکن اسی وقت تنکا کی آواز سنائی دی۔

"ہرچرن لال۔ کیا تو خود تنکا کا اپمان نہیں کر رہا۔ کیا تو اس کی بات مان رہا ہے؟" اور ہرچرن لال رک گیا۔

"تنکا مہاراج۔ تنکا مہاراج۔ ہشٹ کرو انہیں۔ مار ڈالو ان پاپیوں کو۔ بھسم کردو۔ میں انہیں برداشت نہیں کرسکتا۔ اب درگاپور میں یہ رہیں گے یا میں۔ مجھے اپنے اپمان کی چنتا نہیں ہے۔ میں۔ میں۔!"

"دھیرج رکھو ہرچرن۔ تو مجھے کھل میں کیوں ایا ہے۔ میں ان لوگوں کو ٹھیک کردوں گا۔ تم نے ہرچرن لال کا اپمان کرکے بہت برا کیا ہے بالکو۔ اب تمہیں اس کی سزا بھگتنا پڑے گی۔"

"بڈھے بے وقوف۔ تیری شامت آئی ہے۔ ہم تیار ہیں۔ جب چاہے سامنے آجا۔ جس طرح چاہے آجا۔ دیکھیں گے تو کتنا بڑا سادھو ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ایسے نہیں مہاراج۔" تنکا نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ راج محل ہے۔ لڑنا ہے تو کسی سنسان جگہ چل کر لڑیں۔ اس لڑائی میں مزہ آئے گا۔"

"ہمیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ کرنا ہے یہیں کرلے۔ آؤ تیار ہو مہاراج۔" طالوت نے کہا اور میں بھی اٹھ گیا۔ ہم دونوں دروازے کی طرف بڑھے۔ ہرچرن لال دیوانگی کے عالم میں ہونٹ چبا رہا تھا۔ لیکن بے بس انسان کر بھی کیا سکتا تھا۔ تنکا بھی چپ ہو گیا اور ہم باہر نکل آئے۔

میں خاموش تھا لیکن طالوت کے ہونٹوں پر وہی ازلی مسکراہٹ تھی۔ ہم واپس اپنی کوٹھری میں آئے۔ اور پھر میں نے ایک گہری سانس لی۔

"کیوں۔ خوش ہو مہاراج؟" میں نے اسے دیکھا۔

"کیوں۔۔۔" طالوت نے میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب کیا خیال ہے؟"

"کچھ نہیں۔ چل کرو۔ لوٹی خزینی پر دو لرام ہو۔"

"تنکا کے بارے میں کچھ نہیں سوچو گے؟"

"میری سمجھ میں نہیں آتا عارف۔ تنکا تمہارے دماغ پر اس قدر کیوں سوار ہے؟" طالوت نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا تمہارے خیال میں اب اس کی کوئی گنجائش رہ گئی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ بات کرے؟"

"اور ہمیں رعایت کی ضرورت ہے۔ کیوں؟"

"میرا خیال ہے ہمارا کھانا بھی بند کردیا جائے گا۔"

"اور ہم بھوکے مر جائیں گے؟"

"اوہ۔ بھئی تم غلط کیوں سوچ رہے ہو۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔"

"اچھا۔ یہ مطلب نہیں ہے۔ میں واقعی غلط سوچ رہا تھا۔" طالوت دانت نکال کر ہنسا۔ اور میں ہنس پڑا "عارف۔ میں چاہوں تو ابھی تنکا کو ناچ نچا سکتا ہوں۔ لیکن تم نے دیکھا۔ پہلوان پورن نے کیا اور اب وہ انڈے سہہ رہا ہے۔ میں چاہتا ہوں تنکا بھی کوشش کرے۔"

"جیسی تمہاری مرضی یار۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"ڈنڈا مت کریں۔" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب۔" میں اچھل پڑا۔

"ڈنڈا۔۔۔ صرف ڈنڈا۔۔۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یا مطلب؟"

"ڈنڈا۔۔۔" طالوت ہنس پڑا۔ اور میں احمقوں کی طرح اسے گھورتا رہ گیا۔ طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا اور باہر نکل آیا۔ لیکن تنکا ہم سے پہلے ہی ڈنڈا شروع کر چکا تھا۔

بے شمار پنڈے ہمارے کمرے کے سامنے جمع ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں پر خطرناک تاثرات تھے۔ میں انہیں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ اور طالوت نے ہونٹ بھینچ لئے۔

تب۔۔۔ قوی ہیکل پنڈے آگے بڑھ آئے۔ "کیا تم طالوت ہو؟" ان میں سے ایک نے پوچھا۔

"یہ بات ہے مہاراج۔" طالوت نے نرم لہجے میں کہا۔

"تنکا مہاراج کہتے ہیں تم بھوجہ ہو اور چالاکی سے یہاں گھس آئے ہو۔"

"کیا ہم صورت سے تمہیں بھوجہ نظر آتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"مسلمان بڑے چالاک ہوتے ہیں۔ وہ ہر طرح کی صورتیں بنا لیتے ہیں۔"

"اور صورتیں بگاڑ بھی دیتے ہیں مہاراج۔" طالوت نے کہا۔

"تمہیں بتانا پڑے گا۔" پنڈا بولا۔

"نہ بتائیں مہاراج۔ تو؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہم زبردستی تمہارے کپڑے اتار لیں گے۔"

"ایک شرط پر مہاراج۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا شرط ہے۔" پنڈا بولا۔

"تم جانتے ہو پنڈت جی کہ تنکا مہاراج گندے علم کا ماہر ہے۔"

"مہاراج کا اپمان مت کرو ورنہ ہم تمہاری زبان کھینچ لیں گے۔"

"میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں پنڈت جی مہاراج کہ خود تنکا ننگا سیار ہے۔ اصل میں وہ لالچ ہے۔ اپنی جان بچانے کے لئے اس نے یہ الزام لگایا ہے وہ تمہاری توجہ ہماری طرف مبذول کرکے خود چھپنا چاہتا ہے۔"

"تم جھوٹ بول رہے ہو۔" پنڈا چیخا۔

"تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ بالکو جاؤ۔ پہلے تنکا کو دیکھ آؤ۔ اس کے بعد ہمارے پاس آجانا۔" طالوت نے کہا۔

"اور اتنی دیر میں تم بھاگ گئے مہاراج تو؟"

"تو جائے آؤ ہمارے پاس چھوڑ جاؤ۔"

"ارے ان کی باتوں میں مت آؤ۔ تنکا مہاراج جیسے مہان پرش کہیں پیچھے ہو سکتے ہیں؟" کسی نے کہا۔

"جو میں کہہ رہا ہوں سنو۔ میں اس کے بعد بات کروں گا۔ اور اگر اس کے خلاف کسی نے کچھ کہا تو اس کا بہت برا حشر کروں گا۔" طالوت نے کہا اور میں اس کے بچے کو اچھی طرح سمجھتا تھا۔

"چلو ورسدیو۔ مہاراج سے بات کریں۔" ایک پنڈے نے کہا "آؤ۔" اور دس بارہ پنڈے چل پڑے۔ باقی لوگ ہمارے سامنے ہی کھڑے رہے تھے۔ وہ کینہ توز نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ شاید تنکا نے انہیں خوب بھرا تھا۔

"مہاراج زہر دیں؟" میں نے سرگوشی کی۔

"سب ٹھیک ہے یار۔ تفریح شروع ہو چکی ہے۔" طالوت نے بھی اسی سرگوشی کے انداز میں جواب دیا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ تقریباً پندرہ منٹ گزر گئے۔ پھر دوسری طرف سے شور کی آوازیں ابھریں اور سب چونک پڑے۔ چار پانچ پنڈے تنکا کو اٹھائے ہوئے آرہے تھے

ہمارے نزدیک کھڑے ہوئے پنڈوں نے اسے دیکھا۔

اور سب گنگ ہو کر رہ گئے تھے۔ اب کسی کو کچھ کہنے سننے کی گنجائش ہی نہیں رہ گئی تھی۔

"تو یہ مہان مسلمان آج تک ہمیں تنکا پنڈت بن کر دھوکہ دیتا رہا ہے۔"

"یہ ہمارا دھرم نشٹ کرتا رہا ہے۔"

"یہ ہم سب کو بیوقوف بناتا رہا ہے۔"

"مارو۔ مارو اسے مارو۔" اور پنڈوں نے تنکا پر یلغار کردی۔ مارا گیا فریب میں نے سوچا۔ اس کی سوکھی ہڈیوں میں جان ہی کتنی تھی۔ قوی ہیکل پنڈے ایک ایک ہاتھ بھی مارتے تو وہ گیا تھا پنڈوں نے اپنی دانست میں تنکا کو ادھ مرا کردیا تھا۔

اور تنکا اس طرح پڑا تھا جیسے مر گیا ہو۔

"ہٹو۔ مہاراج ہرچرن لال کو خبر دو۔ تنکا بلیچ ہے۔" کسی پنڈے نے کہا اور پھر سارے پنڈے اسے چھوڑ کر ہٹ گئے۔

"مرا یا تنکا۔" میں نے طالوت سے کہا۔ لیکن طالوت غور سے تنکا کو دیکھ رہا تھا۔ پنڈوں نے اسے اتنا مارا تھا لیکن تنکا کے بدن کے کسی حصے سے خون نہیں نکلا تھا۔

پنڈے اب تھوڑے فاصلے پر ٹولیاں بنائے کھڑے تھے۔ تنکا کے مسلمان ثابت ہو جانے پر وہ سخت حیران تھے اور اس کے بعد شاید ان کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ ہم سے پنگا لیتے۔

و نھٹا تنکا نے ایک آنکھ کھول کر دیکھا۔ پھر دوسری آنکھ کھولی اور اس کے ہونٹوں پر وہی شیطانی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کے کسی بڑا سے تکلیف کا اظہار نہیں ہوتا۔ تب وہ اٹھ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔

"ارے۔ طالوت۔" میں حیرت سے بولا۔ طالوت بھی تنکا کی جانب دیکھ رہا تھا۔ تنکا نے ہماری طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔

"وار کرگئے مہاراج۔ مگر اب ہوشیار رہیں۔ اگلا وار تنکا کا ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"پرنام کریں مہاراج۔ سارے وار آپ پر اٹھتے رہیں گے۔" طالوت نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں گے۔ دیکھیں گے۔" تنکا کھڑا ہو گیا اور پھر وہ ایک طرف دھاڑتے ہوئے پنڈے اس کی طرف دوڑ پڑے۔

"جہاں رہا ہے ہوش۔ صامنزی تی ہی تمہارے بارے میں فیصلہ کریں گے۔ وہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے ہو۔"

پنڈوں نے اسے پکڑ لیا۔ تب تنکا نے سنجیدگی سے ان کی طرف دیکھا۔

"بس بس۔ چھوڑ دو۔ بہت ہو گئی۔ ان دونوں نے تم اتنے سادھوؤں کو بے وقوف بنا دیا ہے۔ تمہاری بھی نشٹ ہو گئی ہے۔ ارے پاگلو۔ یہ جادوگر ہیں' پلچھ جادوگر۔ بہت جلدی تمہیں پتہ چل جائے گا۔"

"جانے نہ پائے۔ کتنی ہی چالاکی کرے۔" طالوت نے آواز لگائی اور پنڈوں نے تنکا کو اور مضبوطی سے پکڑ لیا۔ تب تنکا نے ان لوگوں کو گھورا اور پھر اس نے دونوں پاؤں اٹھائے۔ اب اس کا بدن تنا ہوتا جا رہا تھا۔ تنا اور تنا۔ اور تنا۔ یہاں تک کہ اچانک پنڈوں کے منہ سے وحشت زدہ چیخیں ابھریں۔ تنکا کے بازو بھی غائب ہو گئے تھے اور اب پنڈت کے ہاتھوں میں پیلے رنگ کا ایک بدہیئت سانپ لٹک رہا تھا۔ پنڈوں نے بھیانک چیخوں کے ساتھ سانپ چھوڑ دیا اور سانپ اس تیزی سے ایک طرف بھاگا کہ صرف اس کی دم دیکھی جا سکی۔ اور پھر وہ نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ پنڈے منہ پھاڑے کھڑے تھے۔ پھر وہ ہماری طرف مڑے۔ "شما کریں دھرماتما۔ شما کریں صماراج۔ تنکا پلچھ ہے' ہمیں معلوم نہیں تھا۔" اور پھر اچانک وہ سب خاموش ہو گئے۔ ہرچرن لال آ رہا تھا۔

"کہاں ہیں تنکا صماراج؟" اس نے غراتے ہوئے پوچھا۔

"وہ پیچھے تھا صامنتری جی۔ ہم نے خود دیکھا تھا۔" ایک پنڈے نے کہا۔

"کون۔ تنکا صماراج؟"

"ہاں۔"

"یہ ہلکتا ہے۔ پاگل گدھے' نیچے۔" ہرچرن لال پنڈے پر ٹوٹ پڑا۔ اس نے کئی ہاتھ پنڈے کے رسید کر دیئے۔ "ہوں کہاں ہیں تنکا صماراج؟"

"بب۔ بھاگ گئے۔"

"کہاں بھاگ گئے؟"

"سانپ بن کر بھاگ گئے؟" پنڈوں نے بتایا۔

"اور تم کے اندھو۔ اس کے بعد بھی تم انہیں بچھو کہتے ہو' تمہارا ستیاناس۔ ہرچرن لال دہاڑا۔ اور پھر وہ ہم لوگوں کی طرف دیکھتا ہوا بولا "تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ مجھے بتاؤ۔ بھگوان کے لئے مجھے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟"

"بھی من سے تو پوچھو صماراج۔ تم تو ہمیشہ دشمنوں کی طرح پیش آتے ہو۔ ارے تنکا کیا اور اس کی حیثیت کیا۔ ہم

بھی من سے تو بات کرو ہرچرن۔" طالوت نے محبت آمیز انداز میں کہا اور ہرچرن چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کے ذہن پر طالوت کی بات نے اثر کیا ہو۔ اور اب وہ نئے انداز میں سوچ رہا ہو۔

پھر اس کے چہرے پر نرمی پھیل گئی۔ "تو تنکا صماراج چلے گئے؟"

"نہ جاتے تو اپنی چٹنی بنواتے؟"

"میرے ساتھ آیئے صماراج۔" ہرچرن لال نے نرم لہجے میں کہا اور طالوت میرا بازو پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔ ہرچرن لال ہمارے ساتھ آ رہا تھا۔ اور پھر وہ ہماری کوٹھری میں داخل ہو گیا۔ ہم لوگ اس کی طرف سے اپرواہ ہو گئے تھے۔

"آپ نے ایک انوکھی بات کہی ہے صماراج؟" میں اس کے بارے میں سوچتے گا ہوں۔"

"آرام سے جا کر سوچو ہرچرن۔ اس طرح نہ سوچنا جس طرح پورن لال نے سوچا تھا۔ اور جس کے نتیجے میں وہ اندھا ہو رہا ہے۔"

ہرچرن بری طرح چونک پڑا "تو۔ تو صماراج پورن لال؟"

"ہم جیتے جاگتے سادھوؤں کا اپمان کرتے تھے۔ تو مرنے کے بعد بھی بن سکتے ہو۔"

"اب تو سوچنا پڑے گا صماراج۔ یوں سمجھو اس وقت سے ہماری آپ کی لڑائی ختم ہوتی ہے۔ اب ہم ایک دوسرے کا مان کریں گے۔"

"پھلو پھلو گے بچے۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"میرے لئے کوئی سیوا ہو تو بتایئے۔" ہرچرن لال نے کہا۔

"بتائیں گے۔ بتائیں گے۔ پر اس وقت جب تم پورے من میں فیصلہ کر لو گے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو وہی کرو گے یا کچھ اور۔"

"میں فیصلہ کر چکا ہوں صماراج۔" ہرچرن مسکراتا ہوا بولا۔

"جھوٹ مت بولو۔ تمہارے منہ سے کہا وہ ٹھیک رہا ہے۔"

"نہیں صماراج۔ بھگوان کی سوگند اب میں آپ کا داس ہوں۔"

"اور تنکا؟"

"تنکا صماراج کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مگر وہ کہاں

کہاں؟"

"جان بچا کر بھاگ گئے۔" طالوت مسکرا کر بولا۔ ہرچرن لال سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر وہ گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ بھگوان ہی بہتر جانے۔"

"ہاں۔ بھگوان ہی بہتر جانے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"رات کو میں آپ سے کچھ ضروری باتیں کروں گا صماراج۔" ہرچرن لال واپس مڑتا ہوا بولا۔

"ضرور۔ ضرور۔" طالوت نے بڑے خلوص سے گردن ہلائی تھی' ہرچرن لال باہر نکل گیا اور طالوت میری طرف دیکھنے لگا۔ "کیا کہتے ہیں۔ ترنوزنی صماراج؟"

"خدا ہی بہتر جانے۔"

"ٹھیک ہے' ہرچرن لال ہی بلکہ صامنتری جی اگر ہمارے راستے میں نہیں آئے تو ہم ان سے دشمنی نہیں کریں گے۔"

تنکا صماراج کا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔ پورا راج مندر سرگوشیوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ پنڈے اب ہمارے لئے اپنے دلوں میں عقیدت پا رہے تھے۔ اس کا انکشاف ان کے رویے سے ہوا۔ بہرحال مجھے یا طالوت کو ان باتوں کی کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ ہم تو بقول شخصے انہی کا کھا رہے تھے اور انہی کے سینوں پر مونگ دل رہے تھے۔

خاصی رات گئے۔ ہرچرن لال جی کی آمد کی اطلاع ملی۔ ہم نے مسکراتے ہوئے ان کا سواگت کیا تھا' ہرچرن لال کے چہرے پر غور و فکر کے آثار تھے۔

"کہئے صامنتری جی۔ کیا حال ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"کرپا ہے صماراج کی۔۔۔ مگر میں بہت پریشان ہوں۔"

"کیوں۔۔۔؟"

"تنکا صماراج کے پاس گیا تھا۔"

"چانا ہی چاہئے تھا۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"کہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ اپنی پچھ میں موجود تھے۔"

"کیا کر رہے تھے؟"

"تپا رہے۔"

"کیسی؟"

"آپ سے ملتی جلتی۔"

"خوب۔ تو پھر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ہرچرن جی؟"

"میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں صماراج۔ آپ بھی مہان ہیں اور تنکا صماراج بھی مہان ہوئے گیانی ہیں۔ سمجھ میں نہیں

آتا۔ کس پر بھروسہ کروں؟"

"بھروسہ کس سلسلے میں ہرچرن لال؟"

"آپ نہیں سمجھتے صماراج؟"

"ہم سب سمجھتے ہیں۔ سادھوؤں سے کوئی بات چھپی ہوئی ہے۔"

"جاننا چاہتے ہو ہرچرن؟" میں نے کہا۔

"ہاں صماراج بتا دیں۔"

"تو پھر سنو۔ تمہارے راستے کا پہلا کانٹا پورن لال تھا۔ تم تم صاف نہیں کر سکتے تھے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ پورن لال بہت بڑا ساڈھی ہے۔ تمہاری ساری باتیں اس کے علم میں تھیں۔ تم اس سے بنائے رکھنے کے لئے مجبور تھے۔ تمہارے راستے کا وہ کانٹا ہم نے ہی صاف کیا اور اس کے بعد بھی ہم ہی تمہاری سہایتا کریں گے۔"

"تنکا صماراج نے بھی کی۔" ہرچرن لال بولا۔

"غلطی منش ہی کرتے ہیں ہرچرن لال۔"

"مگر اب تنکا صماراج کیا کریں گے؟"

"بچے کھانا کر کھا دیں گے' چنتا مت کرو۔ طالوت نے لاپرواہی سے کہا اور ہرچرن لال کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے تاثرات نظر آتے رہے۔ پھر اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور بولا۔

"پورن لال اب ٹھیک ہو گیا صماراج؟"

"تم چاہو گے تو نہیں ہو گا۔"

"وہ میرے لئے بہت بڑا خطرہ ہے۔ اسے ٹھیک نہیں ہونا چاہئے۔" ہرچرن بولا۔

"نہیں ہو گا ہرچرن لال۔ مگر اس کے بدلے تم ہمیں کیا دو گے؟"

"میرا کام ہو گیا۔ تو میں آپ کو وہ دوں گا صماراج' جو آپ چاہیں گے۔" ہرچرن لال پراسرار انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔

"وچن دیتے ہو؟"

"ہاں۔ وچن دیتا ہوں۔"

ایک بات سن لو ہرچرن۔ یہ بات تمہارے حق میں بھی ہے کہ پورن لال نے ایک بار ہمیں وش دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ دوسری بار اس نے ہمیں بند کر کے سانپ سے ڈسوانے کی کوشش کی۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا تمہارے سامنے ہے۔ تم بھی اچھی طرح سن لو۔ تنکا کی کوششوں کو بیکار رہنے دو۔ ورنہ وہ دشمنوں میں سے ہے نہیں۔۔۔ اگر تم نے ہم سے کوئی چال چلنے کی کوشش کی۔ تو

ناکام تو رہ گئے۔ مگر اس کے بعد تم ہمارے مترجم رہے۔"

"میں وعدہ دے چکا ہوں مہاراج۔ آج سے ہماری آپ کی صرف دوستی ہے۔ لڑائی ختم ہو چکی ہے۔"

"یہ کل کی باتیں ہم سے چھپاؤ گے؟"

"نہیں چھپاؤں گا مہاراج۔"

"پورا پورا بھروسہ کرو گے؟"

"ہاں۔"

"اچھی بات ہے۔ ہاں تو اپنی بات بتاؤ۔"

"پوچھیں مہاراج۔"

"راج ہنس کہاں ہے؟" طالوت نے تیر پھینکا اور ہرچرن لال کا چہرہ ایک دم اتر گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی تشویش نظر آنے لگی۔ ہم دونوں اس کے چہرے کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ پھر اس نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"آپ اس کا کیا کریں گے مہاراج؟"

"پہلی بات کا جواب دو۔ پھر اس کے ساتھ کیا کریں گے۔ یہ کیوں پوچھتے ہو۔"

"آپ کے اس سوال سے میرے من میں پھر شبہ جاگ اٹھا ہے۔" ہرچرن آہستہ سے بولا۔

"کیسا شبہ؟"

"مجھے شما کریں مہاراج۔ یہی کہ آپ ملیچھوں کے جاسوس ہیں؟"

"یعنی مسلمانوں کے؟" طالوت نے پوچھا۔ میرے کان بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"ہاں۔"

"اگر ہیں بھی تو تم ہمارا کیا بگاڑ لو گے ہرچرن لال۔" طالوت نے کہا۔

"میں اپنے پران دے دوں گا مہاراج۔ مگر آپ کو ان راز دار نہیں بتاؤں گا۔" ہرچرن لال نے ذہنی ہیجان کے درمیان کہا۔

"تب پھر بھگوان کی سوگند کھا کر کہتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے جاسوس نہیں ہیں۔ اور اس کے بعد ہم پوچھ نہ سکیں گے۔"

"میں مسلمانوں سے سخت نفرت کرتا ہوں مہاراج۔ مجھے ان سے بہت نفرت ہے۔ آپ دیکھ لیں۔ ایک دن پورے ورگاپور کو ان سے صاف کر دوں گا۔"

"تب پھر آپ نے راج ہنس کے بارے میں کیوں پوچھا۔"

"کیوں۔ اس سے مسلمانوں کا کیا تعلق ہے؟" طالوت نے بے ساختہ پوچھا اور ہرچرن لال گہری نگاہوں سے ہم دونوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"اگر آپ کو یہ تعلق نہیں معلوم مہاراج۔ تو پھر مجھے اطمینان ہے۔" اس نے شان سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اور ہم دونوں احمقانہ انداز میں اس کی شکل دیکھتے رہے۔ لیکن یہ انکشاف ہمارے لئے بے حد دلچسپ تھا۔ بہر حال ہم دونوں بھی سنبھل گئے اور طالوت نے اپنا سوال پھر دوہرایا۔

"تم نے راج ہنس کے بارے میں نہیں بتایا؟"

"آپ اس کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"اسی کے لئے تو ہم راج محل گئے تھے مورکھ۔" طالوت نے کہا۔

"راج ہنس کے لئے؟"

"ہاں۔"

"کیا آپ نے اسے دیکھا ہے مہاراج؟"

"ہاں۔"

"کہاں؟"

"جب ہم ورگاپور آئے تھے تو ایک رات ہم نے سب سے پہلے مندر میں اشنان کیا تھا۔ یہ پرانی پہلی بات ہے۔ وہیں ہم نے راج ہنس کو دیکھا اور ہماری ساری تپسیا بھنگ ہو گئی۔ ہمارا خیال تھا کہ وہ اسی مندر میں رہتی ہوگی۔ لیکن اس کے بعد سے وہ ہمیں نظر نہیں آئی۔"

"وہ ہاں۔ ایک رات وہ رام نواس مندر میں تھی۔" ہرچرن لال جلدی سے بولا۔

"ہم اسی رات کی بات کر رہے ہیں۔"

"عجیب بات ہے مہاراج۔" ہرچرن گردن ہلا کر بولا۔

"کیوں۔ کیا بات ہے؟"

"اس لڑکی کو جو ایک بار دیکھتا ہے۔ اس پر مرمٹتا ہے۔ کیا رشی۔ کیا منی!"

"ہم اپنے علاوہ اس کے ایک بھی عاشق کو زندہ نہ رہنے دیں گے۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"ہاں مہاراج۔ طاقتور کی ماتھی سب سے بڑی۔ پران

اور تلکا مہاراج کہتے ہیں کہ وہ اس کے پریم میں سوکھ گئے۔"

"اور کتنے پریمی ہیں اس کے؟" طالوت نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

"مہاراج۔" وہ دانت پیس کر بولا۔ کانوں میں اس کی آواز نہیں پہنچی ہے اور نہ پھر کسی کی ہمت کہاں تھی کہ وہ ان سے پریم کرتے۔" ہرچرن لال نے بتایا۔

"کیا ورگا پور میں عشق کرنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہوتا۔"

"کام کرنے والے الگ ہوتے ہیں مہاراج۔ پریمیوں کو پریم کرنے سے ہی کہاں فرصت ہوتی ہے۔"

"جیسے مہاراج کو وہ ملی ہے؟"

"مہاراج۔ ہاں۔" ہرچرن لال ہنس پڑا۔

"ورگا پور کا سب سے بڑا پریمی معلوم ہوتا ہے۔"

"آپ نے ٹھیک کہا مہاراج۔" ہرچرن لال بولا۔

"تو پھر ہمارے پریم کا کیا ہوگا ہرچرن لال؟"

"ہرچرن لال کے ہوتے ہوئے کس کی مجال ہے مہاراج کہ وہ آپ کی پریمیکا کو لے جائے۔"

"وہ ہے کہاں ہرچرن لال۔ مترتا تمہارے بھیجے۔" طالوت نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پہلی بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ وہ آپ کو کامیاب کرے۔ لیکن تلکا مہاراج سے ہوشیار رہیں۔"

"ٹھیک ہے ہرچرن لال۔ تم راج ہنس کی بات کرو۔ تلکا اور اس جیسے دوسرے لوگوں کو ہمارے اوپر چھوڑ دو۔"

"راج ہنس آپ کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی ہے مہاراج۔ پرنتو میرے کام کے بعد۔"

"ہوں۔ تمہارا کیا کام ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"وہ باتیں میرے لئے بھی رہنے دیں مہاراج۔ آپ پہلے تلکا مہاراج سے نمٹ لیں۔ اس کے بعد میں اپنا کام بتاؤں گا۔"

"راج ہنس کا کیا ہوگا؟"

"میں کہہ چکا ہوں مہاراج۔"

"نہیں بالک تیرا من صاف نہیں ہے۔ تو سوچ رہا ہے کہ اگر ہم تیرا کام نہ کریں تو تو ہماری بات نہیں مانے گا۔ تو سوچ رہا ہے کہ پتہ نہیں ہم تلکا کو نپٹا دیں گے یا نہیں؟"

"ہاں مہاراج۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ میں انکار نہ کروں گا۔ لیکن میرے لئے یہ بہت ضروری ہے۔"

"تو اس کے لئے ہم راج ہنس کے لئے تڑپتے رہیں گے؟"

"مجبوری ہے مہاراج۔"

"نہیں ہرچرن لال۔ ہم کسی کام کے لئے مجبور نہیں ہیں۔ ہم جب چاہیں اسے حاصل کر سکتے ہیں۔ تو یا اور کوئی ہمارا راستہ نہیں روک سکے گا۔"

"میں جانتا ہوں مہاراج۔ پرنتو میرے پاس کوئی اپائے نہیں ہے۔ آگے آپ کی مرضی۔ آپ مجھے مترکر چکے ہیں۔" ہرچرن لال نے کہا۔

"تربوزی مہاراج۔" طالوت نے مجھے پکارا۔

"جی مہاراج حضور۔"

"کیا خیال ہے؟"

"جو آپ کا خیال ہے مہاراج۔ عاشق آپ میں نہیں۔ اگر میں راج ہنس کا عاشق ہوتا تو ہرچرن لال سے کہتا کہ اسے ایک بار مجھ سے ملوا دیا جائے۔ بس تھوڑی سی بات چیت کر لوں۔ اس کے بعد ہرچرن کا کام شروع کر دیتا۔"

"تو ہم بھی یہی کہے دیتے ہیں۔" طالوت بولا۔

"یہ ٹھیک نہیں ہوگا مہاراج۔" ہرچرن لال بولا۔

"اس کے علاوہ اور کچھ ٹھیک نہیں ہوگا ہرچرن۔"

"مگر مہاراج۔ تلکا کے خطرے کو آپ کیوں بھول رہے ہیں۔ جس طرح وہ سانپ بن کر بھاگ سکتا ہے۔ اسی طرح وہ

راج ہنس کو نہیں لے جا سکتا؟"

"کس کی مجال ہے کہ ہمارے ہوتے ہوئے ہماری چیز چھینکا کو لے جائے مگر ہرچرن لال۔ تنکا اب بھی تو یہی کام کر سکتا ہے۔ مجھے زیادہ بہتر معلوم ہے کہ وہ کتنا چالاک ہے۔"

اور ہرچرن لال گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اس کے چہرے پر فکرمندی کے آثار پھیل گئے تھے۔ پھر وہ آہستہ سے بولا "ہاں مہاراج۔ جب کی بات اور تھی۔ اب کی بات اور ہے۔ تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔ تنکا کو جب یہ معلوم ہوگا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو۔ تو وہ سب سے پہلے راج ہنس کو ہتھیائے گا۔"

"تب پھر جلدی کرو۔ پہلے راج ہنس کو نکالو۔ اس کے بعد دوسرا کام کریں گے۔ کیا تنکا کو معلوم ہے کہ راج ہنس کہاں ہے؟"

"نہیں۔ یہ کسی کو نہیں معلوم۔ مگر اسے ضرور تلاش کرے گا۔"

"تو پھر چلو نا ہرچرن جی۔"

"مگر۔ اسے میں کہاں لے جاؤں گا مہاراج؟ تنکا ہر جگہ پہنچ سکتا ہے۔" ہرچرن فکرمندی سے بولا۔

"تم اسے ہمارے حوالے کردو۔ اس کے بعد تنکا اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔"

"پھر میرے پاس کیا رہ جائے گا مہاراج۔" ہرچرن لال پریشانی سے بولا۔

"تب تیری بدھی خراب ہو گئی ہے ہرچرن۔ من اگر تنکا اس کے بارے میں معلوم کر سکتا ہے تو کیا ہم نہیں کر سکتے۔ ہم تجھے بتا سکتے ہیں کہ وہ کہاں ہے۔" طالوت نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

طالوت نے پہلے یہ کوشش نہیں کی تھی۔ پھر اب کیوں؟

"مہاراج۔ مہاراج۔ میرے کام کی بات بھی تو کریں۔ ٹھیک ہے میں راج ہنس کو آپ کے حوالے کردوں گا لیکن پھر میرے کام کا کیا ہوگا؟"

"ہرچرن لال۔ اگر یہ بات ہے تو آج ہی اپنا کام بتادے۔ ہم نے کب منع کیا ہے۔" طالوت نے نرم آواز میں کہا اور ہرچرن گردن جھکا کر کسی سوچ میں ڈوب گیا۔ چالاک مہانتری شاید کچھ اور اہم فیصلے کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"ٹھیک ہے مہاراج۔ ابھی میں آپ کو اپنے کام کے بارے میں تو نہیں بتاؤں گا۔ لیکن میرے خیال میں راج ہنس کی رکھشا آپ سے اچھی کوئی نہیں کر سکے گا۔ میں راج ہنس کو آپ کے حوالے کردوں گا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی آپ کو ایک وچن بھی دینا پڑے گا۔"

"کیسا وچن؟"

"آپ میرا کام شروع کریں گے۔ اور اگر تنکا مہاراج آپ پر چھا گئے تو اس میں میرا کوئی دوش نہیں سمجھیں گے۔"

"ہمیں منظور ہے ہرچرن لال۔"

"تب آیئے مہاراج۔ میں آج ضروری فیصلے کر ہی ڈالوں۔ خطرہ مول لئے بنا کوئی کام چلتا ہے۔" ہرچرن نے کہا اور ہم دونوں تیار ہو گئے۔

"راج ہنس کو لے کر راج مندر میں ہی آئیں گے مہاراج۔ یا آپ خود اس کے ساتھ وہیں رہیں گے۔ میرے خیال میں ابھی اس کو سامنے لانا ٹھیک نہیں ہوگا۔"

"جیسا تم ٹھیک سمجھو ہرچرن لال۔" طالوت نے جواب دیا۔

"آپ کو راج محل سے کیا لینا۔ جس جگہ راج ہنس موجود ہے وہ رہائش کے لحاظ سے ویسی نہیں ہے۔ آپ وہاں آرام سے رہ سکتے ہیں کسی چیز کی تکلیف آپ کو نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ وہاں ہی رہیں گے۔" طالوت نے جواب دیا۔ میں حسب معمول خاموش تھا اور طالوت کے آئندہ پروگرام پر غور کر رہا تھا بہرحال ہرچرن لال ہمیں اپنے خاص محل میں لے گیا اور پھر وہ محل کے پیچھے باغ میں ایک درخت کے نزدیک پہنچ گیا جہاں سے ان تہہ خانوں میں جانے کا راستہ تھا جو محل کے نیچے تھے۔ اور جہاں راج ہنس قید تھی۔

دھلمت کے گھوڑے تنکے سے نیچے جانے والی سیڑھیوں سے گزرتے ہوئے ہم تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ اندر جا بجا خوبصورت شمعدان رکھے ہوئے تھے جن میں لگی ہوئی شمعوں کی روشنی میں تہہ خانے کا ماحول بے حد پراسرار لگ رہا تھا۔ ہم بڑی دلچسپی سے اس زیر زمین دنیا کو دیکھتے رہے تھے۔ کئی کمروں سے گزر کر ہرچرن لال ایک دروازے پر پہنچ گیا اور پھر اس نے آہستہ سے دروازے پر دستک دی۔

"راج ہنس۔ دروازہ کھولو۔"

لیکن اندر کوئی آہٹ نہیں سنائی دی۔ چند ساعت انتظار کے بعد ہرچرن لال نے دوبارہ پکارا "راج ہنس دروازہ کھولو۔" اس کے ساتھ ہی اس نے دروازے پر دباؤ

"ارے۔" ہرچرن لال کے منہ سے حیرت بھری آواز نکلی اور وہ جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ ہم بھی اس کے پیچھے ہی اندر گھس گئے۔ اچھی خاصی کشادہ رہائش گاہ تھی لیکن قیمتی سامان آرائش سے آراستہ یہ کمرہ بالکل خالی تھا۔ البتہ ایک کارنس پر شمعدان کے نزدیک ایک بھیانک چیز نظر آ رہی تھی۔

یہ ایک مردہ الو تھا۔ جو شمعدان کے نزدیک ایک ڈیکوریشن پیس میں پھنسا ہوا تھا۔

"تنکا۔" ہرچرن کے منہ سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

طالوت اور میں گہری نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ ہم نے ہرچرن لال کے چہرے کی طرف بھی دیکھا تھا۔ اس وقت شاید ہرچرن لال ایکٹنگ نہیں کر رہا تھا۔

"یہ ہوا ہرچرن لال؟" طالوت نے پرسکون آواز میں پوچھا۔

"تنکا۔ تنکا یہاں پہنچ گیا مہاراج۔ بات بگڑ گئی۔ بھگوان کی سوگندیات بگڑ گئی۔"

"ہوں۔ تمہاری طرف سے راج ہنس کو ہمیں اپنے پاس رکھنے کی اجازت ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"میں کہہ چکا تھا مہاراج۔ مگر اب بات بہت بگڑ گئی۔"

"مگر پچھتاؤ مت ہرچرن لال۔ بگڑی ہوئی بات کو اب ہم خود ہی ٹھیک کریں گے۔ یہ ہمارا کام ہے۔"

"مگر میرا کام۔" ہرچرن لال نے ٹھنڈی سانس لی اور پھر بولا "ٹھیک ہے مہاراج۔ داس ہر سیوا کے لئے حاضر ہے۔ داس کی جب بھی ضرورت ہو اسے آواز دے لیں۔"

"تمہارے خیال میں ہرچرن لال۔ تنکا راج ہنس کو لے کر کہاں گیا ہوگا؟" طالوت نے پوچھا اور اچانک ہی ہم سب چونک پڑے۔

کارنس پر ٹنگا ہوا مردہ الو پھڑپھڑایا تھا۔ اور پھر وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس کی خوفناک آنکھیں ہمارا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر اس کی چونچ کھلی اور اس کے منہ سے تنکا کی باریک اور کھردری آواز نکلی۔

"راج ہنس تالاب میں پہنچ گیا۔ بالکو اب وہ تمہارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ چنتا مت کریں۔ کوے ماس کھا گئے اور اب ہڈی چنو اور چتا میں جھونک دو۔"

ہرچرن لال کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئی تھیں۔ خود میرے بدن کے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے تھے۔ اس جدید دور میں اس قسم کے جادو کیسے ہو سکتے تھے۔ لیکن۔ مجھے اتنی شدید

پریشانی نہیں ہونی چاہئے تھی۔ کیونکہ میرے ماؤزن جن کے کارتا دھرتا یہ تھے۔

تب میں نے طالوت کے چہرے کی طرف دیکھا۔ طالوت کوئی حرکت کرنے کے لئے تیار تھا۔ تب اس نے ہاتھ اٹھایا اور الو کے پر پھڑپھڑانے لگے۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے تیز ہوائیں اسے طالوت کی طرف دھکیل رہی ہیں اور پھر وہ کسی کاغذ کی طرح اڑتا ہوا طالوت کے ہاتھ میں پہنچ گیا اور طالوت نے اسے مٹھی میں جکڑ لیا۔

"اوم۔ اوم۔ ہری کرشن۔ ہری اوم۔ ہری کرشن۔" ہرچرن لال کی حالت خراب تھی۔ یہ سارے عجیب و غریب واقعات ہی کافی تھے دماغ خراب کرنے کے لئے کافی تھے۔ میں نے طالوت کی کامیابی دیکھ لی تھی لیکن دوسرے لمحے میں نے طالوت کو چونکتے ہوئے دیکھا۔ وہ الو کو چہرے کے قریب لا کر دیکھ رہا تھا۔ لیکن الو کی گردن پھر لٹک گئی تھی۔ گویا وہ دوبارہ مر گیا تھا۔

"مر۔ مر گیا۔ مر گیا۔" ہرچرن لال کے منہ سے نکلا۔ لیکن طالوت نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ الو کو بغور دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے زور لگاتے ہوئے اسے پھینک دیا۔

"مہاراج۔ مہاراج۔ کیا یہ۔ مر گیا؟"

"ہاں۔ یہ پھر مر گیا۔" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"آپ نے۔ آپ نے تنکا کو مار ڈالا؟" ہرچرن لال حیرت سے بولا۔

"نہیں۔"

"مہاراج۔ یہ تو۔ تنکا تھا۔"

"نہیں ہرچرن لال۔ یہ صرف ایک پرندہ ہے۔ تنکا چند ساعت کے لئے اس کے منہ سے بولا تھا۔ مگر تم فکر مت کرو۔ وہ بات جلد مر جائے گا۔"

"اوہ۔ اب تو۔ اب تو وہ میرا بھی دشمن بن گیا ہوگا۔"

"تو خوف سے مر جاؤ۔" طالوت نے غصیلے انداز میں کہا۔

"نہیں مہاراج۔ نہیں آپ شکتی مان ہیں۔ آپ اس سے نہیں ہار سکتے۔ مگر۔ میں تنکا کی خوفناک شکتی کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔"

"تو پھر سنو ہرچرن لال۔ تم نے تنکا کے کہنے میں آ کر ہمارے ساتھ کوئی چال نہیں چلی تو اطمینان رکھو۔ تنکا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ سمجھے اب ہمیں آیا دو۔"

"کہاں مہاراج؟" ہرچرن لال چونک پڑا۔

"اب بچے تنکا سے ہی دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ اس کے

بعد تم سے ملاقات ہوگی ہرچرن لال۔"

"میں اکیلا رہ جاؤں مہاراج۔ میں مصیبت میں پھنس جاؤں گا۔" ہرچرن لال رو دینے والے انداز میں بولا۔

"اپنی رکشا خود کرو ہرچرن لال۔ آؤ!" طالوت نے مجھ سے کہا اور یوں اس کے ساتھ تہہ خانوں سے باہر جانے والے راستے کی طرف چل پڑا۔

"مہاراج۔ مہاراج۔ ہرچرن ہماری طرف دوڑا۔ لیکن طالوت نے اچانک مجھے ایک طرف دھکیل دیا اور اس کی اس حرکت کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ ماحول ایک دم بدل جائے اور ہرچرن سے جان چھوٹ جائے۔ لیکن جس اجنبی جگہ ہم پہنچے تھے وہ بھی کوئی مندر ہی تھا۔

میں غور سے چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا اور پھر مجھے یہ اندازہ لگانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی کہ یہ وہی مندر ہے جہاں ہم نے درگاپور میں داخل ہونے کے بعد پہلا قیام کیا تھا۔ ہم اسی چھت پر تھے جہاں سے دریا کا پاٹ نظر آتا تھا۔

میں نے ایک گہری سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت کے چہرے پر سب پاہ سنجیدگی تھی اور وہ کچھ سوچ رہا تھا۔

"ہیلو۔" میں نے طالوت کو مخاطب کیا اور وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا پھر اس نے ایک طویل سانس لی اور بولا۔

"فرمایئے؟"

"آپ ہی فرمادیں تو مناسب ہے۔"

"کیا بات ہے؟"

"یہاں تشریف لانے کی وجہ جہاں پناہ۔"

"محل چھوڑنا تھا اور یہی جگہ ہم میں تھی۔"

"محل چھوڑنے کی وجہ سرکار مہاں۔"

"تکا سے باقاعدہ وتا ہے۔"

"خوب۔ لیکن مقصد؟"

"راج ہنس کا حصول۔"

"کیا یہ اعتراف محبت ہے؟"

"تمہارے دماغ میں خرابی ہے۔" طالوت جھلا کر بولا۔

"ارے اس سوچے کے مریض کی یہ مجال کہ میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرے۔" طالوت چہک کر بولا۔

"کیا یہ صرف انا کی بات ہے؟"

"انا کی بات ہوئے تو "صرف" کیا معنی رکھتی ہے؟" طالوت مجھے گھورتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ لیکن اس لڑکی کے سلسلے میں حضور پر کچھ انوکھی پابندیاں عائد تھیں۔"

"مجھے روکنا چاہتے ہو؟"

"ہرگز نہیں۔ صرف ایک سوال ہے۔ جواب مل جائے تو ٹھیک ہے اور اگر یہ سوال جواب کے قابل نہ ہو تو بھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"یار عارف برا مت کرو۔" طالوت ایک دم دریا کی طرف گھومتے ہوئے بولا۔

"بہتر ہے۔ تعمیل ارشاد میں خاموش ہوا جاتا ہوں۔"

"باز نہیں آؤ گے تم۔"

"میں کیا اور میری بساط کیا۔"

"فضول باتوں۔ معاملہ کب میرا نہیں رہا ہے۔"

"چھوٹا دماغ ہے حضور۔ تشریح کردیں۔"

"اس وقت۔ عارف۔ جب ہم اس کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اس کے حصول کا محرک صرف ہماری طلب تھی۔ اب صورتحال دوسری ہے۔"

"اب بھی نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔

"سب کچھ سمجھ رہے ہو۔ کمینہ پن کر رہے ہو۔" طالوت نے بھنائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں حضور۔ یہ تاب یہ مجال کہاں سے لاسکتا ہوں۔"

"کیوں پریشان کر رہے ہو یار۔" طالوت نرم ہو کر بولا۔

"بس تشریح چاہتا ہوں اور کچھ نہیں چاہتا۔"

"عارف۔ اب صورتحال دوسری ہے۔ ممکن ہے اسے ہماری مدد کی ضرورت ہو۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ انسانی رشتے ایک الگ حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم یہ بات نظر انداز کرسکتے ہیں کہ اس کا تعلق ہمارے مذہب سے نہیں ہے۔ دیوتی ہی کوئی اور ہے مذہب سے تعلق رکھتی ہے لیکن کیا وہ امداد کی مستحق نہیں تھی۔"

"ٹھیک ہے طالوت۔ لیکن راج ہنس کو کونسی امداد کی ضرورت ہے؟"

"وہ ہوٹ کامل کی ہوئی ہے۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟"

"بالکل نہیں۔"

"کیا اس کی مدد کے لئے یہ جواز کافی نہیں ہے؟"

"ہاں۔ میرا خیال بھی یہی ہے تاسمی۔"

"اور پھر تمہارا کیا اس مرض یا روگ سے بچاؤ ہے؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن خبیث بادشاہ کر بہت خطرناک۔"

"بات صرف اپنی ذات تک محدود ہے عارف۔ ورنہ اگر کسی سے مدد طلب کروں تو پورے درگاپور کو الٹا کردوں۔ تم کیا حیثیت رکھتے ہو۔"

"یہ بات دل سے تسلیم۔ لیکن ایک اور سوال مہاراج۔" میں نے۔

"فرمایئے۔ فرمایئے۔" طالوت طنزیہ انداز میں بولا۔

"اگر راج ہنس وہ لڑکی نہ ہوئی ہو ہمارے ذہن میں ہے تب؟"

"عارف۔ کیا ہم اتنے ہی خود غرض ہیں کہ کسی کے سلسلے میں اپنی پسند کا خیال رکھیں۔ خدا کی قسم وہ کوئی بھی ہو۔ مظلوم ہے تو ہم اس کی مدد کریں گے۔"

"معاف کرنا طالوت۔ یہ بات صرف مذاق تھی۔"

"شکریہ میرے دوست۔"

"مگر اب پروگرام کیا ہے؟"

"سوچے کی تلاش۔"

"کہاں تلاش کرو گے؟"

"مشکل نہیں ہے۔ راسم سے اس کا پتہ معلوم کریں گے۔" طالوت نے کہا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ عالم شروع ہو گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ اب کام ہو جائے گا۔"

"تو پھر ویر کس بات کی؟"

"راسم؟" طالوت نے دائیں طرف رخ کر کے کہا اور راسم جانے کہاں تھا جو آتا۔ دوسرے لمحے نمودار ہو گیا۔

"آقا۔" اس نے گردن جھکادی۔

"اس بار صورت حال ذرا مختلف ہے۔" طالوت بولا۔

"میں جانتا ہوں آقا۔" راسم نے جواب دیا۔

"تھوڑی سی احتیاط کرنی پڑے گی۔ معلوم کرو وہ کہاں ہے؟"

"ابھی حاضر ہوا آقا۔" راسم نے کہا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ طالوت نے سادہ انداز میں گردن ہلائی۔ اور پھر دریا کی طرف دیکھنے لگا۔ راسم کو ان کاموں میں زیادہ دیر نہیں لگتی تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ واپس آیا۔ "زیادہ دور نہیں ہے آقا۔ اپنے دوستوں کی محفل لگائے بیٹھا ہے۔"

"دوستوں کی محفل؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں آقا۔ سب گندی روحیں ہیں۔ جہاں ان کا اجتماع ہے وہاں ناک پونچھ سے چوٹ ہوتی ہے۔ تکا نے ان کی ضیافت کا بندوبست کیا ہے۔"

"اوہو۔ عارف کیا خیال ہے ہمیں بھی کیوں نہ اس ضیافت میں ہم بھی شرکت کریں؟"

"جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے بادل ناخواستہ کہا۔ حالانکہ میرے دل میں بہت سے وسوسے جاگ اٹھے تھے۔ اور پھر جونہی طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا۔ میں نے اسے روکا۔

"ہوں!" وہ رک گیا۔

"تمہیں وہ رات یاد ہے جب نکا نے میرے گردن پر چنگاریاں بھیردیں تھیں۔"

"ہاں۔ یاد ہے۔"

"میرا مطلب ہے اس نے میرے بارے میں اندازہ لگالیا تھا۔"

"اور اس وقت وہ ہمارے بدن سے شعلے لپیٹ دے گا۔ کیوں؟" طالوت بولا۔

"نہیں۔ میں نے صرف تمہیں یاد دلایا ہے۔ میں اس سے خوفزدہ نہیں ہوں۔"

"آجا یار۔ مجھے سب کچھ یاد ہے۔" طالوت نے مجھے بھینچتے ہوئے کہا اور میں نے خود ہی آنکھیں بند کرلیں۔ دوسرے لمحے ہم ایک اجنبی جگہ کھڑے تھے۔

پہاڑی مقام تھا۔ ایک خاصی بلند پہاڑی کے دامن میں ایک بھیانک غار منہ کھولے کھڑا تھا اور ہم اسی غار کے سامنے تھے۔ درحقیقت غار کے دہانے سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔

میں نے پنجے سے ناک دبالی۔ طالوت کی خود بھی بری حالت تھی۔

"کچھ بھی ہو۔ ہمیں اندر داخل ہونا ہے۔" اس نے کہا۔

"مرجائیں گے طالوت۔"

"اب ناک دبائے رکھو۔ دیکھیں تو سہی۔" طالوت بولا اور میں نے اس کا بازو پکڑلیا۔ ناچار میں اس کے ساتھ غار میں داخل ہو گیا۔ خدا کی پناہ۔ بڑا بھیانک منظر تھا۔ ہمارے بزرگ بھوتوں اور چڑیلوں کے قصے سناتے تھے۔ بڑی عجیب عجیب شکلیں بتاتے تھے وہ ان کی۔ اس وقت یہ ساری باتیں افسانے معلوم ہوتی تھیں۔ بڑے بڑے پتے والے چڑیوں سے خوفزدہ نظر آتے تھے نئی نسل کے لوگ ان چیزوں سے واقف بھی نہیں ہیں۔ ان کی معلومات صرف خوفناک قصوں تک ہی محدود ہیں۔ اگر اس خوفناک اجنبی کو دیکھ لیں تو ان کی دل کی حرکت بند ہو جائیں۔

عجیب عجیب شکلیں تھیں۔ ایک شکل نہیں کی تھی لیکن سارے جسم پر صرف گردن ہی رکھی ہوئی تھی۔ چہرے پر عجیب لمبے لمبے بال اگے ہوئے تھے۔ ہونٹوں سے خون ٹپک

رہا تھا۔ ہاتھ میں سڑی ہوئی بلی کی بوٹیاں تھیں' اس سے قریب ہی ایک اور شکل بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ننگے جسم پیٹ سے ایک بچہ چپکا ہوا تھا۔ لمبی لمبی چھاتیاں زمین پر رکھی تھیں۔ یہ شاید عورت تھی۔ ایک جوڑا انتہائی چھوٹے قد کا سیاہ فام تھا۔ سب کے سب خون سے کچھ کھا رہے تھے اور یہ تعفن ان اشیاء سے ہی اٹھ رہا تھا' جو وہ کھا رہے تھے۔ کھاتے کھاتے وہ بھیانک آواز میں ہنس پڑتے اور پھر کھانے لگتے تھے۔

سر چکرا رہا تھا اس خوفناک ماحول کو دیکھ کر۔ طالوت کے انداز میں دلچسپی تھی۔ وہ متعجبانہ انداز میں ان کی شکلیں اور حرکات دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے میرے کان میں سرگوشی کی۔ "تنکا نہیں ہے؟"

"ہاں۔ وہ نظر نہیں آرہا۔ لیکن طالوت۔"

"ہوں؟"

"کیسے بھیانک ہیں یہ سب۔"

"اور یہ کھا کیا رہے ہیں؟"

"طالوت اگر تنکا نے ہمارے بارے میں اندازہ لگا لیا تو۔"

"کچھ نہیں ہوگا میری جان' کچھ نہیں ہوگا' ارے وہ دیکھو۔" طالوت نے ایک طرف اشارہ کیا اور میں نے بھی اس سیاہ شے پر نگاہیں جما دیں۔

تب میری رگوں میں خون منجمد ہونے لگا۔ میں نے دیکھا ایک انتہائی بھیانک پہاڑ ایک دروازے سے نکل رہا ہے' لیکن پورے بدن سے چوکور ہونے کے باوجود اس کا سر انسان کا تھا۔ اور یہ شکل تنکا کے علاوہ اور کسی کی نہیں تھی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی مانند دہک رہی تھیں۔

ضیافت میں شریک مہمان ہاتھ روک کر اسے دیکھنے لگے اور پھر وہ مخصوص انداز میں ہنس پڑے۔

"کھاؤ۔ کھاؤ میرے دوستو۔ خوب کھاؤ۔"

"ہمارے پیٹ بھر گئے تنکا۔" ننھے سے جوڑے نے کہا۔

"کیا سب کے پیٹ بھر گئے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر کھڑے ہو جاؤ۔" تنکا نے کہا۔ طالوت نے مضبوطی سے مجھے تھاما ہوا تھا ورنہ میں تو گر ہی پڑتا "اب تمہیں میرا کام کرنا ہے۔"

"ہم تیار ہیں۔" سب نے بیک وقت جواب دیا۔

"رنگا۔" تنکا نے آواز دی۔

تنکا مہاراج۔ "سارس کی ٹانگوں والا" کے بعد گویا عجیب شکل تھی۔ صرف ٹانگوں کے اوپر رکھا ہوا سرخ سرخ خوفناک نظر آرہا تھا۔

"اپنے دیوں میں تو بہت بڑا دیو تشی تھا؟"

"اب بھی ہوں مہاراج۔" رنگا کی منمناہٹ سنائی دی۔

"تو بتا۔ میرے دشمن اس سے کہاں ہیں؟" اور تنکا کے ان الفاظ پر میرا سانس پھولنے لگا۔ میں خوفزدہ نگاہوں سے رنگا کو دیکھنے لگا۔

رنگا نے اپنے پتلے پتلے ہاتھوں میں سے ایک ہاتھ اٹھایا۔ اس کی انگلی کو خلا میں نچانے لگا۔ اس کی انگلی کی جنبش کے ساتھ خلا میں چنگاریاں بن رہی تھیں۔ اور کئی منٹ تک رنگا یہی عمل کرتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کونسے دشمن مہاراج؟"

"تو ہمارے دشمنوں کو نہیں جانتا؟" تنکا گرجا۔

"سنسار میں ان کی کوئی شکل نہیں ہے مہاراج۔ اگر ان کا کوئی مکھ ہے تو چھپا ہوا ہے۔ مجھے وہ نہیں دکھتے۔"

"وہ بڑے چالاک ہیں۔ تو ان کا پتہ نہ لگا سکے گا۔" تنکا مایوسی سے بولا' اور پھر اس نے ننھے سے جوڑے میں چڑیا کی شکل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"گملوکی۔"

"مہاراج۔"

"کیا تو یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ وہ کون ہیں؟"

"کیوں نہیں مہاراج۔"

"تو دیکھ۔ بتا۔ رنگا کی جیو تش کی طرح تیری آنکھیں بھی بند ہیں کیا؟"

"میں ابھی بتاتی ہوں مہاراج۔" ننھی سی بدنما عورت نے کہا' اور پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ چند ساعت گردن جھومتی رہی۔ پھر گہری سانس لے کر بولی۔

"ان میں سے ایک منش کا پتہ لگتا ہے مہاراج۔ مگر وہ پانی پیچھے ہے۔"

"اور دوسرا؟"

"اور دوسرے کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔"

"ایک کون ہے؟"

"عارف۔ اس کا نام عارف ہے۔ وہ پیچھے ہے۔"

"تو میرا وچار ٹھیک ہے۔ مگر دوسرا؟" تم میں سے کوئی ان کے بارے میں بتا سکتا ہے؟" اور سب گردن ہلانے لگے۔

سولہ۔ تنکا نے پھر عورت کو آواز دی۔

"مہاراج۔"

"تو ہی بتا۔ اس سے ان دونوں میں سے ایک کہاں ہے؟"

"اوش مہاراج۔" ننھی عورت نے کہا اور پھر اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور اسی وقت میں نے طالوت کا ایک ہاتھ آگے بڑھتے ہوئے دیکھا۔

طالوت اسی جگہ کھڑا تھا' لیکن اس کا ایک ہاتھ لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ اور پھر وہ ننھی سی عورت کی گردن تک پہنچ گیا۔ دوسرے لمحے ننھی عورت کی گردن طالوت کی لمبی انگلیوں کی گرفت میں تھی۔

گملوکی نے ہاتھ پاؤں مارے اور اس کی بھنچی بھنچی چیخیں ابھرنے لگیں۔ تنکا اچھل پڑا تھا۔ طالوت نے گملوکی کو اس کی جگہ سے اٹھا لیا۔ اور پھر اس نے اس کی گردن دبا کر نیچے پھینک دیا۔

لیکن گملوکی اٹھ کر پھر چیخنے لگی تھی۔

"ہائے رام۔ ہائے رام۔ مرگئی۔ مار ڈالا۔"

"ارے۔ جل گئی۔ ارے جل گئی۔" موٹی عورت جس کی چھاتیاں کھڑے ہونے سے زمین تک لٹک رہی تھیں' اپنے بچے کو دونوں ہاتھوں سے بھینچ کر ایک کونے میں جا کھڑی ہوئی۔ پتلی ٹانگوں والا رنگا پھدک پھدک کر ایک کونے میں ہاتھ لہرانے لگا۔ سب کے سب بھیانک آوازوں میں چیخ رہے تھے۔ اور تنکا پاگل ہو رہا تھا۔

تب طالوت آگے بڑھا۔ میں بھی اس کے پیچھے چلا تھا۔

"تم باہر رکو عارف۔ لیکن خبردار' راستے میں نہیں۔ جب یہ لوگ باہر جائیں تو ان کی لپیٹ میں نہ آجاؤ۔"

"اوہ۔ لیکن۔"

"پلیز عارف۔ جیسا کہہ رہا ہوں' کرو۔"

"اوکے۔" میں نے کہا اور پھر میں باہر سے ہی اندر کے مناظر دیکھنے لگا۔

طالوت اندر جا کر سب پر ظاہر ہو گیا تھا۔ اور ساری آوازیں ایک دم رک گئیں۔ تنکا زہریلی نگاہوں سے طالوت کو گھور رہا تھا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو تم بھی آگئے سامی؟"

"ہاں تنکا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"دوسرا کہاں ہے؟"

"فی الحال میں ہی تمہارے لئے کافی ہوں۔"

"کپا کی مہاراج۔ ہم تمہیں کہاں تلاش کرتے پھرتے۔

پرنٹ وہ دوسرا۔ کیا تمہارا نام عارف ہے؟"

"عارف جس کا نام ہے۔ وہ بہت بڑی شکتی رکھتا ہے۔ میں تو اس کا داس ہوں۔"

"چلو پہلے داس کو ختم کر لیا جائے۔ پھر اس مہان شکتی والے کو بھی دیکھ لیں گے۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" طالوت مسکراتے ہوا بولا۔

"میں نے جھوٹ تو نہ کہا تھا' تم نیچ ہو۔"

"نیچ تم ہو تنکا۔ گندے پلید کہیں کے۔" طالوت نے کہا۔

"گورے کے باسیو۔ کیا تم اسے کھاؤ گے؟" تنکا نے اپنے مہمانوں سے پوچھا۔

"اوش مہاراج۔ آپ کی آگیا ہو تو؟"

"میں اس کا کلیجہ چباؤں گی۔" موٹی عورت نے کہا۔

"دل گردے میرے ہوں گے مہاراج۔"

"اور میں اس کا خون پیوں گا۔ میں بہت کمزور ہوتا جا رہا ہوں۔" سارس نما رنگا نے کہا۔

"ارے تو پھر دیر کس بات کی۔ بانٹ لو۔ چلو جلدی کرو۔" تنکا نے کہا اور چاروں طرف سے بدروحیں طالوت پر لپکیں۔ میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ لیکن طالوت نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تھے' اور اس کی انگلیوں سے آگ کی پچھاریں چھوٹ پڑیں۔ لمبے لمبے شعلے بدروحوں کو چاٹنے لگے اور کان پھاڑ دینے والی چیخوں سے ماحول گونج اٹھا۔

"ہائے میرے جل گئی۔"

"اری اگملو۔ ہائے ہائے مرگئی۔ مرگئی۔ ہو ہو۔ ہاہا۔" ان سب کے بدن سلگ رہے تھے۔ شعلے ان کے جسموں سے لپٹ گئے تھے۔

اور اچانک تنکا نے پر پھیلائے۔ پھر وہ پھدکا اور دوسرے لمبے دروازے سے نکل بھاگا۔ طالوت کی نگاہ بھی اس پر پڑی تھی۔ تب میں نے اسے ایک پتنگا رہیولے میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ اور دوسرے لمحے وہ بھی فضا میں پرواز کرتا ہوا تنکا کے پیچھے لپکا۔ میں بوکھلاہٹ کی طرح دونوں کو تلاش کرتا رہ گیا۔

لیکن تاریکی میں آتے ہی دونوں نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ اندر سے رونے پیٹنے اور سسکنے کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں اور خوف کے مارے میرا برا حال تھا اور پھر اس قسم کی کراہیں سنائی دینے لگیں جیسے زخمیوں نے دم توڑ دیا ہو اور تھوڑی دیر کے بعد مکمل سناٹا چھا گیا۔

میں نے اندر جھانکا۔ زمین پر سیاہ کوئلے پڑے ہوئے

تھے۔ اب کوئی آواز ڈولی تحریک نہیں تھی۔ گویا سو گئے تھے۔

لیکن میری اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ میں باہر رک کر طاقت کی واپسی کا انتظار کرنے لگا۔ ہندو دیویوں کے بارے میں میں نے بہت کچھ سنا تھا۔ لیکن ان کی شیطانی قوتیں اس قدر بڑھ جاتی ہوں گی اس کا مجھے گمان بھی نہیں تھا۔ لیکن طاقت سے۔ بہرحال شاندار طریقے سے ان پر قابو پا لیا تھا۔

طاقت بہرحال طاقت ہے۔ میں نے دل میں سوچا' لیکن میں کیا ہوں؟ اور اچانک میرے ذہن میں ایک روشنی فرسا خیال آیا۔ طاقت آور دیر تک واپس نہ آیا تو میں اس خوفناک ویرانے میں "ارے باپ رے۔ ارے باپ رے۔"

میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ تو پھر میں کیا کروں؟

تب اس پراسرار مندر سے باہر نکل آیا۔ چاروں طرف ویرانی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ نہ جانے یہ جگہ درگاپور سے کتنی دور ہے۔ ہم باقاعدہ تو یہاں آئے نہیں تھے' جو راستے کا کوئی تعین ہو۔ واقعی خطرناک بات ہے۔

اور اچانک میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ میری کیفیت بڑی شرمناک ہے۔ میں انگلی پکڑ کر پہنچے کا عادی ہو گیا ہوں۔ درحقیقت میری اپنی شخصیت بالکل ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ میں ہر وقت طاقت کا سہارا تلاش کرتا ہوں۔ یہ تو مناسب بات نہیں ہے۔ مجھے خود بھی اپنی فطرت' اپنی شخصیت کو آواز دینی چاہئے۔ آخر میں بھی تو اتنا کند ذہن نہیں ہوں' میں خود بھی تو ہاتھ پاؤں رکھتا ہوں۔ یہ خیال اتنی شدت سے مجھ پر حاوی ہوا کہ میرے بدن میں آگ سلگنے لگی۔ بالکل میں نے اپنی شخصیت کو بالکل فراموش کر دیا تھا۔ مجھے ایسا نہیں رہنا چاہئے۔ میں بھی گوشت پوست کا انسان ہوں۔ مجھے اپنے طور پر بھی کچھ سوچنا چاہئے۔

اور ان خیالات نے ماحول کا وہ خوف میرے ذہن سے نکال دیا جو ابھی تک میرے بدن پر طاری تھا۔ میں نے آئندہ اقدام کے بارے میں سوچا۔ طاقت کا انتظار زیادہ دیر تک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن کچھ نہ کچھ وقت گزرتا رہا۔ جنگلی جانوروں کی آوازیں کبھی کبھی ماحول کا سکوت توڑ دیتی تھیں۔ ورنہ ہو کا عالم خاموشی۔ اور کافی دیر گزر گئی۔ میں جانتا تھا کہ میں طاقت کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ خواہ اسے کسی حادثے سے ... ہونا پڑے۔ خواہ کسی بھی حالات سے گزرنے وا... بھی کیا سکتا تھا۔

چنانچہ وہیں قیام سے ہی کیا فائدہ۔ بس اب کوئی راہ

نکل ہی ہو۔ پتا چلے۔ یہاں رہنے سے پتہ یا حاصل نہیں تھا۔ چنانچہ ایک سمت کا رخ کر کے میں چل پڑا۔ پتہ بھی ہوا کہیں بھی پہنچوں۔ طاقت کے لئے فکرمند ہونا ضروری نہیں تھی۔ میں جانتا تھا وہ آسانی سے تباہ کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ ویسے میں نے ان غاروں میں 'راج ہنس کی موجودگی کے امکانات پر بھی غور کیا تھا۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ ان بھیانک غاروں میں داخل ہونے کی ہمت میرے اندر نہیں تھی۔ کئی بار قدم رکے۔ ہمت کو آواز دی لیکن پھر آگے بڑھنا ہی مناسب خیال کیا۔ اور میں آگے بڑھتا رہا۔

دفعتہ ذہن میں ایک خیال آیا کیونکہ نہ کسی بلند جگہ پر چڑھ کر روشنیاں تلاش کروں۔ ممکن ہے شہر کی سمت کا اندازہ ہو سکے۔

کافی دور ایک ٹیلے کو منتخب کیا۔ اس پر چڑھنے میں زیادہ وقت نہیں ہوئی تھی اور قسمت نامہربان نہیں تھی۔ ٹیلے پر چڑھتے ہی مجھے روشنیاں نظر آ گئیں۔ اسی سمت تھیں جدھر میں چل رہا تھا۔ چنانچہ ٹیلے پر سے اتر کر اسی طرف کی راہ لی اور رات کا دوسرا پہر تھا جب میں بستی میں داخل ہوا۔

ہو کا عالم کہیں جانے آنے میں کوئی دقت نہیں تھی۔ محل کی سمت رخ کیا۔ سوچا محل کا چوکیدار لے اپا جائے۔ پہرے دار مستعد تھے لیکن جو نظر ہی نہ آئے اسے کون روکتا۔ یہی ہوا۔ چنانچہ میں ان کے جسموں سے بچتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ راج مندر کا رخ معلوم تھا۔ لیکن راج مندر جانا ضروری تو نہیں تھا۔ کہیں بھی پلا جائے کیا فرق پڑتا تھا' چنانچہ میں نے ایسی سمت کا رخ کیا جہاں پہلے نہیں گیا تھا۔

محل کافی خوبصورت تھا۔ میں اس کے مختلف حصوں میں گھومتا رہا۔ اور پھر محل کی پشت پر نکل گیا۔ یہاں خوبصورت دروازے بنے ہوئے تھے۔ میں ان دروازوں کے سامنے سے گزر رہا تھا کہ اچانک میرے کانوں میں سسکیوں کی آواز ابھری۔ اور میرے قدم رک گئے۔

یہ آواز۔ میں نے آواز کی سمت کا اندازہ لگایا اور پھر اسی اندازے کے تحت دروازے کی عقبی سمت کا رخ کیا۔ اور اس طرف کا منظر مجھے بہت پسند آیا۔ چھوٹا سا خوبصورت باغ تھا جس میں ننھے فوارے بہہ رہے تھے۔ فواروں میں پانی اچھل رہا تھا۔

چھٹی راتوں کا چاند نکل آیا تھا۔ ورنہ یہ منظر اتنا حسین نہ ہوتا اور اسی چاندنی روشنی میں میں نے رونے والے کو دیکھا۔

سفید لباس میں ملبوس۔ وہ ایک فوارے کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی۔ بھیگی ہوئی گھنگھریالی لمبی چوٹی۔ گھٹنوں کی وجہ سے منہ چھپا ہوا تھا۔ چہرہ جھکا ہونے کی وجہ سے صاف نہیں نظر آ رہا تھا۔ پھر بھی نہ جانے کیوں دیومتی کا گمان ہوا۔ اور میں دل ہی دل میں اچھل پڑا۔ اگر یہ دیومتی ہے تو آج اس سے بدلہ لیا جائے۔ بہرحال اس کی گفتگو سننے کے بعد میرے دل سے پسندیدگی کا وہ جذبہ تو نکل گیا تھا جو پیدا ہوا تھا۔

تاہم اس سے ہمدردی تو برقرار تھی۔ چنانچہ میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے بہت سے مایوس دو شالہ اتار دیا اور چاندنی نے میرا سایہ دراز کر دیا۔

دیومتی نے بھیگی ہوئی آنکھوں سے سایہ دیکھ لیا تھا' وہ بری طرح سہم گئی۔ اس نے گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا اور اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"ہائے رام۔" دوسرے لمحے وہ خوفزدہ انداز میں کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری شکل دیکھ رہی تھی۔ دوسرے لمحے میں بولا۔

"ڈر گئیں دیومتی؟"

"ہائے ہائے رام۔" دیومتی قدم قدم پیچھے ہٹنے لگی۔

"مجھے پہچانو دیوی۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"ہم نے تمہیں پرانے مندر میں دیکھا تھا۔ اس سے جب بدمعاش پورن لال تمہاری عزت لوٹنا چاہتا تھا۔"

"ایں۔" دیومتی چونک پڑی۔

"غور سے دیکھو دیومتی۔ پہچاننے کی کوشش کرو۔ میں دوست ہوں دشمن نہیں۔"

"آپ۔ آپ مہاراج۔ ہاں۔ آپ وہی تو ہیں۔ مگر دوست؟"

"میرا ساتھی تھا۔ اس سے نہیں ہے۔"

"مہاراج۔ میں ڈر گئی تھی۔ میں پہچان نہیں سکی تھی۔ اس لئے بھی میری ایسی حالت تھی جب آپ نے مجھے دیکھا تھا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ایک وجہ تھی۔"

"میں پاگل ہو رہی تھی مہاراج۔ میں۔"

"کوئی بات نہیں دیومتی۔ اوتھرے نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ تمہاری سسکیوں کی آواز کانوں میں پڑی۔ اور میں ادھر نکل آیا۔"

"آپ کی دین مہاراج۔ آپ تو میرے بہت بڑے مترہیں' آپ نے تو میرے اوپر بہت بڑا احسان کیا ہے مہاراج۔ ہم ایسی ڈری ہوئی تھی کہ آپ کا شکریہ ادا نہ کر سکی۔ بہت شکریہ مہاراج۔"

"کوئی بات نہیں دیوی۔ ہم نے کوئی ایسا کام نہیں کیا۔"

"آپ نے میرا دین بچا لیا مہاراج۔ اس سے بڑا کام اور کیا ہو۔"

"وہ ہمارا فرض تھا۔"

"پر مورکھ مہاراج' پر ہمارے اس جگ میں آپ کی کیا سیوا کروں؟ آپ ادر چلیں۔ پوجل پانی۔"

"نہیں دیوی۔ آسمان کے نیچے چاند کی روشنی میں۔ ہاں' تمہیں کسی کا ڈر تو نہیں ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو آرام کرو۔"

"نہیں مہاراج۔ مجھے اچھا لگن کے پاس کون آئے گا۔"

"تو پھر بیٹھو دیوی نہ۔ یہیں بیٹھو۔" میں فوارے کے کنارے بیٹھ گیا اور دیومتی میرے پیروں کے پاس بیٹھ گئی۔

"ارے۔ ارے۔ یہ کیا کر رہی ہو دیومتی۔"

"میری جگہ آپ کے چرنوں میں ہی ہونی چاہئے مہاراج۔"

"نہیں دیومتی۔ نرم رام سے بیٹھو۔ تم کہو تو ہم تمہارے دور بیٹھ جاتے ہیں۔"

"نہیں مہاراج۔ آپ تو عزت کی رکھشا کرتے ہیں۔ آپ کے بارے میں یہ بات سوچنا بھی پاپ ہے۔"

"ہاں۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے دیومتی۔"

"میں دھنیہ ہوئی مہاراج۔ بھگوان آپ کو سکھی رکھیں۔ آپ نے مجھے اگنی ہونی کی دوت بچائی ہے۔ میں کس منہ سے آپ کا شکریہ ادا کروں؟"

"بار بار انسان کا بات کرو دیومتی۔ وہ میرا فرض تھا اور میں تمہارا متر ہوں۔ تم نے دیکھ پورن لال کو کتنی بڑی سزا دی ہے۔"

"ہاں مہاراج۔ سچ مچ بھگوان نے پاپی کو دنڈ دیا۔" دیومتی نے کہا۔

"ہاں۔"

"بھگوان کرے۔ سبھی ٹھیک ہو جائے۔ اس میر بچار کا ہے اس نے۔"

"پتا نہیں دیومتی۔ اب وہ کیا کرے گا۔"

"نشچنت رہنا ہوا مہاراج۔ پاپی میں کل مترمہاراج آپ بڑے مگن ہیں۔ یہ حالت ہو گئی آپ کے سامنے اس کی۔"

"ہاں۔ یہ تو نہیں ہونی چاہئے۔ میں تو ایک عام انسان

دیوی۔"

"میں آپ کی کیا سیوا کروں مہاراج!"

"مجھ سے باتیں کرنے والا کوئی نہیں ملتا۔ اگر تو پسند کرے۔"

"میرے بھاگ۔" دیو متی بولی۔

"تو پریشان تو نہیں ہوئی؟"

"تیرے گھائل کے پیچھے پاگل آئی ہوں مہاراج۔ کوئی بات کرنے والا ہی نہیں ہے۔ پریشان کیا ہوں گی۔"

"دیو متی۔ تو نے ہمیں مترجم سمجھا ہے۔ کیا ہمیں اپنا رازدار بنا سکتی ہے؟"

"رازدار؟" دیو متی حیرت سے بولی۔

"تو کہی ہے دیو متی۔ اور دیکھو پریم یا ہی ہوتی ہے۔ ہم تجھے ایک دوست کا پریم دیں گے۔ کیوں تو ہمارے سویکار کرے گی؟"

"مہاراج۔ آپ۔ آپ۔"

"تیری مرضی ہے دیو متی۔ اور دیکھ ہم تجھے مجبور نہیں کریں گے۔"

"یہ بات نہیں ہے مہاراج۔ مگر میرا راز ہی کیا ہے؟"

"بہت ہے۔ کہیں اگر تو چاہے تو بتانا۔ ورنہ رہنے دے کوئی بات نہیں ہے۔"

"میرا کوئی راز نہیں ہے مہاراج۔" دیو متی نے کہا۔

"ٹھیک ہے مترجم دیو متی نہیں بنائے جاتے۔ ہمیں شما کر دیوی ہم نے تجھے پریشان کیا۔" میں اٹھ گیا اور پھر میں پلٹا ہی تھا کہ دیو متی نے جلدی سے کہا۔

"رکیے مہاراج۔"

"یہ من کے سودے ہیں دیو متی۔ زبردستی نہیں ہوتے۔" میں نے کہا۔

"سنئے تو مہاراج۔" دیو متی نے جلدی سے اٹھ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اب مجھے رک جانا پڑا۔ شما کریں مہاراج۔ میں آپ کو ناراض نہیں کرنا چاہتی۔ میرا تو کوئی میت نہیں ہے۔"

"نا اس نہیں۔ ناراض کہو دیوی۔ ہم ناراض نہیں ہیں۔"

"مگر مہاراج۔ بیٹھئے تو۔ بیٹھئے تو مہاراج۔" وہ میں پھر بیٹھ گیا۔ "آپ کون سے راز کی بات کر رہے ہیں؟"

"جو تمہارے من میں چھپا ہوا ہے دیوی۔ کیا کہوں سے کیا پیڑا ہوتا ہے۔ کیا میں ست پرکاش دان لوں؟" اور دیو متی کا رنگ پھیکا پڑ گیا وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

پھر اچانک وہ اٹھی اور اس نے میرے کندھے پر سر رکھ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ سسک سسک کر رو رہی تھی اور نہ جانے کیوں میرا ہاتھ اس کے سر پر پہنچ گیا۔

حالانکہ مندر میں میں اس کی شکل و صورت دیکھ کر متاثر ہوا تھا۔ مجھے اس کی بھولی موہنی صورت پسند آئی تھی۔ لیکن اب سے میں نے پورن نال کے سامنے اس کی بات سنی تھی میرے دل میں اس کے لئے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ میرے سوچنے کا انداز بدل گیا تھا اور اب اسے دیکھ کر میرے دل میں کوئی بدی نہیں ابھر رہی تھی۔

ہم انسان ہیں۔ بے بسی سے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ بے بسی سے مر جاتے ہیں۔ بس اتنی سی کہانی ہے۔ انسان کی۔ دنیا میں آنے کے بعد جسم کی ذہن کی نشوونما ہوتی ہے۔ جس میں ہمارا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ خالق کائنات کے اشارے پر سارے کام خود بخود ہوتے چلے جاتے ہیں اور ہم کائنات چلاتے ہیں۔

لیکن۔ ایک چھوٹے سے حقیر ذرے کو وسعت ملتی ہے تو اس کا دماغ اسے نہ جانے کہاں کہاں لے جاتا ہے۔ کہیں وہ نمرود بن جاتا ہے کہیں شداد۔ کہیں چنگیز خان بن جاتا ہے کہیں ہٹلر۔ کبھی ہم بدھا بنتے ہیں کبھی مسیح کائنات کے خواب دیکھتے ہیں۔ لیکن خالق حقیقی کا ایک اشارہ اس سے اس کی ساری خدائی چھین لیتا ہے۔ اور پھر بے بسی ہو جاتا ہے۔ کون ہے جو اس کو چیلنج کر سکتا ہے۔ جو اس کا تخیل کتنا ہے۔ صرف ہونے کی بات ہے۔ رنگ، نسل، مذہب، ملت سب ہماری تخلیق ہے۔ بے رنگ کائنات رنگا رنگ بھی ہوئی۔ ہم ایک بھی کام تو سلجھا ہوا نہیں کر سکے۔ اس پر ہم خود کو نہ جانے کیا سمجھ بیٹھے ہیں۔ حالانکہ اس نے صرف ایک رنگ پیدا کیا ہے۔ اس نے ایک نسل پیدا کی ہے۔ اس نے ایک ملت پیدا کی ہے۔ اس نے ایک مذہب پیدا کیا ہے۔ ہم انسان ہیں انسانیت ہمارا مذہب ہے۔ ہمیں چھ ہدایت دی گئی ہیں۔ مذہب کی شکل میں، کوئی مذہب برا نہیں ہے۔ سب نے درس انسانیت دیا ہے۔ خدا کے بندو! خدا تمہارا محتاج نہیں ہے۔ اس کی عبادت کرو گے، تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس کے احکامات کی تعمیل کرو گے، تمہاری بہبود ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔ اسے تم سے کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔ اس نے تو انسان کو انسان کے ساتھ سلوک کرنے کی ہدایت کی ہے۔ وہ قادر مطلق ہے۔ سب کچھ کر سکتا ہے۔ لیکن اس نے تمہیں ساری کائنات بخش دی ہے۔ اس نے تمہیں ساری نعمتوں سے

ہنسی، مسکراتی کہانیوں کا مجموعہ بچوں کے لئے

کالے خاں، بھورے خاں

اور اقبال کے نظر سے دلچسپ بچوں

قیمت 150 روپے

ڈاک خرچ 25 روپے

آپ کے پسندیدہ مصنف اعجاز اقبال کی ایک اور خوبصورت پیش کش

جو صرف شائقین نے بلکہ مزاحیہ کہانیاں پڑھنے کے شوقین بچوں کی

خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔

- کہیوں کے بجائے نغموں سے بنے ہوئے کارٹون جو ہنستے بھی ہیں اور پڑھنے پر مجبور بھی کر دیتے ہیں۔
- ان کہانیوں کے دونوں کردار "بھورے خاں" اور "کالے خاں" آپ کے معاشرے سے الگ نہیں ہیں۔ آپ انہیں اپنے ارد گرد محسوس کر سکتے ہیں۔

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

نوازا ہے۔ اور تم اسی کا کھانے کے بعد اس کی بخشی ہوئی سانسوں کے ساتھ اسی کی نافرمانی کرتے ہو۔ کیسی عجیب بات ہے۔ کیسی مضحکہ خیز بات ہے۔ وہ قادر تھا' قادر ہے' قادر رہے گا۔ تو اب انسان ایک ہی ایک ہی ملت سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر مذہب کی تخصیص پر انسانیت کا رشتہ کیوں توڑ دیا جائے۔ ہوس' خواہش انسانی مخالف صنف کی کشش' سب بچھ انسانی کمزوریاں ہیں۔ لیکن جب یہ برائی ظاہر ہو جائے تو سارے برے جذبے فنا ہو جاتے ہیں۔

اور دیو متی کے آنسوؤں نے میرے دل میں انسانیت جگا دی تھی میرا ہاتھ بے اختیار ہو کر دوست محبت کے بجائے دست شفقت بن گیا تھا۔ دیو متی کو شاید یہ لمس پہلے میسر نہیں ہوا تھا۔ وہ سارے آنسو بہا دینا چاہتی تھی' جانے کب کے اس کے سینے میں چھپے ہوئے تھے۔ وہ بلک بلک کر روتی رہی' اور میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ جب دیو متی کا دل پوری طرح ہلکا ہوا تو اس نے میرے کندھے سے سر اٹھایا۔ اور پھر آنسو بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

"پھر آپ نے کیا جانیں مہاراج؟" اس نے سسکی لے کر کہا۔

"سنسار کی بہت سی باتیں ہمیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں دیوی' اس بارے میں تیرا کچھ پوچھنا بیکار ہے۔"

"آپ بہت بڑے گیانی ہیں مہاراج۔ یہ سچ ہے کہ اگر اس دن آپ نہ آتے تو میری عزت نہیں بچتی۔ اور پھر مجھے تمو ہتھیا ہی کرنا پڑتی۔"

"ایک بات بتاؤ دیو متی؟"

"جی مہاراج۔"

"تم نے پون لال کی شکایت مہاراج گووند اس کپور سے نہیں کی؟"

"مہاراج!" دیو متی نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں؟"

"ہم آپ کو کیا بتائیں سوامی مہاراج۔ ویسے آپ کا شبھ نام کیا ہے؟"

"جو من چاہے کہہ لو دیوی۔ ویسے لوگ ہمیں ترنو زلال کہتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"جی؟" دیو متی حیرت سے بولی۔

"ہاں۔ یہ بڑی عجیب کہانی ہے۔"

"یہ مہاراج!"

"لوگوں کا خیال ہے کہ ہم دونوں بھائی ترنو اور خرنو زوں کی بیل میں اگے تھے۔ ہمارے ماتا پتا کا کوئی نشان

نہیں ملا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب انگریزوں نے ہمیں دیکھ لیا۔ انہوں نے ہمیں توڑ لیا اور ہماری پرورش کی گئی۔ بس۔"

"ہائے رام! یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"جیسے بھی ہوا ہو دیوی۔ اسے جانے دو۔ گووند اس کپور کی باتیں کرو۔"

"مہاراج! کپور سے میری شادی ہوئی ہے۔ وہ ایک بار بھی میرے پاس نہیں آئے۔ وہ ہر وقت اندرونی کمروں میں رہتے ہیں۔ بہت سی عورتیں ان کے پاس رہتی ہیں۔ نہ جانے انہوں نے میری تقدیر کیوں پھوڑی تھی۔ نہ جانے انہوں نے۔ نہ جانے انہوں نے۔"

"اور تم سے ملاقات بھی نہیں ہوئی؟"

"دو چار بار دیکھا۔ اور بس۔ انہوں نے میری طرف توجہ بھی نہیں دی۔"

"کمال ہے۔ راج پاٹ کے کسی کام میں بھی دلچسپی نہیں لیتے؟"

"کبھی نہیں۔ دیوالی پر ہر سال راج دربار لگتا ہے۔ جس میں سارے لوگ بدھائی دینے آتے ہیں۔ لیکن اس سال مہاراج جھروکوں میں بھی نہیں آئے تھے۔"

"پھر راج پاٹ کے کام کیسے چلتے ہیں؟"

"راجہ تو اب صرف منتری ہرچرن لال ہیں۔ انہی کی حکومت چل رہی ہے دربار پر۔"

"ہوں۔ راجہ گووند اس کپور کو اس پر اعتماد ہے؟"

"پورا۔ پورا۔"

"کیا راجہ بہت عیاش ہے؟"

"کیا کہہ سکتی ہوں مہاراج۔ میں تو کبھی ایک لمحہ بھی ان کے پاس نہیں بیٹھی۔"

"اوہ۔ خیر چھوڑو راجہ کی بات۔ اب ست پرکاش کی بات کرو۔"

"مہاراج۔" دیو متی تڑپ گئی۔

"کیوں دیو متی؟"

"اس کی بات اب نہ کریں مہاراج۔"

"کیوں؟"

"میں بنتی کرتی ہوں مہاراج۔" دیو متی پھر رونے لگی۔

"تو ہمیں اپنا مترکہہ چکی ہے دیو متی۔ دوستوں سے کوئی بات چھپانا اچھا نہیں ہوتا۔"

"میں کچھ بھی ہوں مہاراج۔ مگر ایک پتی ورتا استری بھی ہوں۔"

"جانتے ہیں۔ یہ بھی ہمیں معلوم ہے دیو متی۔"

"کیوں مہاراج؟"

"تو یہ بھی نہیں ہو سکتی کہ پتی کیسا ہوتا ہے۔"

"پھر بھی مہاراج۔"

"مجھے بتا دیو متی۔ یہ کیسے پتی ہوتے ہیں جو ایک دوسرے سے ایک لمحے کے لئے بھی نہیں ملے۔"

"پھر بھی میرے ان کے ساتھ پھیرے ہوئے ہیں۔"

"پھیرے سب کچھ نہیں ہوتے۔"

"میں اب ست پرکاش کے لئے کچھ کر بھی تو نہیں سکتی مہاراج۔ پھر حماقت کرنے سے کیا حاصل؟"

"ہم تو کر سکتے ہیں دیو متی۔"

"نہیں مہاراج۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اب کچھ نہیں۔"

"ہو نہ ہو دیو متی۔ یہ ہماری خوشی ہے کہ تو ہمیں اس کے بارے میں سب کچھ بتا دے۔" میں نے کہا اور دیو متی میری شکل دیکھنے لگی۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"جو آپ کہیں مہاراج۔"

"مجھے ہمدرد اپنے اوپر وشواس ہے تو پتا نہ کرو دیوی۔ ہم کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جو تیری رسوائی بن جائے۔ ہم کوئی ایسا قدم نہیں اٹھائیں گے جس سے تمہیں تکلیف ہو دیوی۔"

"ٹھیک ہے مہاراج۔ آپ اس کا نام جانتے ہیں تو یہ بھی جانتے ہوں گے کہ۔"

"تو اس سے پریم کرتی ہے۔"

"ہاں مہاراج۔" دیو متی نے ایک سسکی لے کر کہا۔ ہم دونوں بچپن کے میت تھے۔ ہم نے کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے کا نہیں سوچا۔ بچپن بیتا' جوانی آئی۔ اور ہماری آنکھوں میں جوانی کے رنگین سپنے بس گئے۔ مگر پھر آندھی چلی۔ کالی آندھی' اور سب کچھ ختم ہو گیا۔ مہاراج گووند نے مجھے دیکھا۔ میرے پتا کی کیا مجال تھی جو مہاراج کی بات نہ مانتے۔ میں روتی ہوئی ڈولی میں بیٹھی اور راج محل پہنچا دی گئی۔"

"تمہارا آتما کہاں ہے؟"

"جوار پور میں۔ یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے۔"

"پتا کا کیا نام ہے۔"

"بدری پرشاد۔"

"ست پرکاش کہاں رہتا ہے؟"

"مہاراج۔ اس دکھیارے کا کیا پوچھنا۔"

"مجھے بتاؤ۔"

"وہیں رہتا تھا۔ یہ نہ جانے کہاں ہو گا۔"

"ہوں۔ دیو متی۔ یا تم مجھے ادھیکار دیتی ہو اگر میں تمہاری بہتری کے لئے کچھ کروں؟"

"میرے لئے صرف ایک کام کریں مہاراج۔" دیو متی روتی ہوئی بولی "کیا دیو متی؟"

"مجھے یہیں سے ڈال دیں۔ میرے لئے کوئی ایسا جاپ کریں کہ میں شانت کے بنا مر جاؤں۔ میں بہت ڈرپوک ہوں مہاراج۔ میں تو خودکشی نہیں کر سکتی۔ جو مجھے کرنی چاہئے تھی۔ میرے لئے۔"

"خاموش ہو جاؤ دیو متی۔ خاموش ہو جاؤ۔"

"میرا بس یہ کام کریں مہاراج۔"

"تراش ہو گیا ہے دیو متی۔"

"مگر اب اس بھی پرواہ نہیں ہے مہاراج۔"

"مجھے وچن دو دیو متی۔ کہ اس کے تک' جب تک میں تمہارے لئے بھوت نہ کہوں۔ تم کوئی الٹا سیدھا کام نہیں کرو گی۔ میں تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں۔"

"میرے جیون میں اب کچھ نہیں رہا ہے مہاراج۔" دیو متی زار و قطار رونے لگی۔

"تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے دیو متی؟"

"نہیں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"دیو متی۔ اگر میں کہوں کہ تجھے اپنا بھائی بنا لوں؟" میں نے نرم دل سے کہا اور دیو متی چونک پڑی۔ اس نے حیرانی سے بڑی شکل بنائی اور بیٹھی رہ گئی۔

"جواب دو دیو متی۔"

"کیا یہ مذاق ہے مہاراج؟"

"کیوں۔ مذاق کیوں نہیں ہے؟"

"تو میرے لئے اس سے بڑے بھاگ کیا ہوں گے۔"

"تو دیو متی۔ یوں سمجھ لو۔ آج سے تم میری بہن ہو اور چھوٹی بہنیں ہمیشہ بڑے بھائیوں کی بات مانتی ہیں۔ بڑا مان ہوتا ہے بھائیوں کو اپنی بہن پر' تم اس مان کو تو نہ توڑو گی؟"

"بھیا۔" دیو متی بے اختیار ہو کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اور پھر وہ اتنا روئی۔ اتنا روئی کہ میں گھبرا گیا۔ بمشکل میں اسے خاموش کرانے میں کامیاب ہوا تھا۔ "بھیا۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا بھیا۔ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا میرے ویر۔ جیون میں پہلی بار مجھے سچا پیار ملا ہے۔ جیون میں پہلی بار کسی نے مجھے خلوص سے پریم دیا ہے۔ میں کیسے برداشت کروں؟"

"ست پرکاش کو پریم تم سے بھی زیادہ ہے؟" میں نے

پوچھا۔

"اس کی بات اور ہے بھیا۔"

"میں اس فرش سے نہیں پوچھ رہا۔ میرا مطلب کچھ اور ہے۔" میں نے کہا۔

"وہ بڑا سیدھا ہے بھیا۔ وہ جھوٹ نہیں کر سکتا۔"

"ہوں دیو متی۔ تو پھر تمہارا وعدہ؟"

"بھیا تم جھوٹے ہو بھیا۔" دیو متی نے گردن جھکا دی۔

"بس دیو متی۔ تو خاموش بیٹھی رہ۔ میں ضرورت کے تجھ سے مشورہ کروں گا۔ لیکن اپنا وچن یاد رکھنا۔"

"پر تم کرو گے کیا بھیا؟"

"تیرا سکھ۔ تیرا چین تجھے واپس دلاؤں گا دیو متی۔ اس کے لئے جو کچھ بھی کر سکا۔ تو یہ سمجھ لے کہ تیری بدنامی اب میری بدنامی ہے۔"

"ہے بھگوان۔ ہے بھگوان۔" دیو متی نے آنکھیں بند کر کے ہاتھ اٹھا دیئے۔ میں متاثر کن نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر دیو متی نے آنکھیں کھولیں۔ چند لمحات نے اس پر جادو کر دیا تھا۔ اس کا چہرہ کنول کی طرح کھل اٹھا تھا۔ اور پھر اس نے مسکراتی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں بھیا؟"

"پوچھو دیو متی۔"

"تم نے مجھے اپنا نام کیوں نہیں بتایا؟ تم نے اپنے آپ کو مجھ سے کیوں چھپایا؟"

"میری حقیقت جان کر تو مجھے اپنا پیار نہ دے سکے گی۔"

"بھن پر بھروسہ نہیں بھیا؟"

"شاید۔ اس کے بعد تو مجھے اپنا بھیا ماننے سے بھی انکار کر دے۔ مجھے جھوٹ بولنے پر مجبور نہ کر دیو متی۔ جو نام دے میرے نام کو۔" میں نے کہا اور دیو متی میری شکل دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب تاثرات تھے۔ اور پھر ان میں ہلکی سی اداسی ابھر آئی "جیب کاٹ۔ سنسار کے سارے ناطوں سے منہ موڑ ہوتا ہے بھیا۔ مگر شردھا یہی ہے کہ من کی آواز سب پر آئی ہو۔"

"میں نہیں سمجھ دیو متی۔" میں نے اس کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم سے بھیا کا ناطہ جوڑا ہے۔ بہت بڑا ناطہ ہے۔ تم پر۔ دنیا کے سمبندھ تو ناطے میرے بیچ سے ہٹ جائیں گے۔ سارے سمبندھ پورے کر دو۔ پھر باقی وچن میں چھوڑ دوں۔"

"بات بگڑ جائے گی دیو متی؟"

"نہیں بگڑے گی بھیا۔ ایک بھن کے اعتماد کی بات ہے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ بہت بڑی بات بھی نہیں تھی اگر دیو متی میری حقیقت سے واقف ہو جاتی تو کوئی آسمان ٹوٹ پڑتا۔ زیادہ سے زیادہ اپنے مذہب کی وجہ سے مجھ سے اجتناب برتتی۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے کہا۔

"تو سن دیو متی۔ میں مسلمان ہوں۔ میں سادھو نہیں ہوں۔ نہ ہی میری اصلی شکل یہ ہے۔"

"سچ۔" دیو متی اچھل پڑی۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں خوف ابھرا۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ پرسکون ہو گئی اور پھر اس کی آنکھوں میں محبت سمٹ آئی "بس۔ اتنی سی بات بھیا؟"

"کیا تمہارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"پر؟"

"تم نے یہ نہیں پوچھا بھیا کہ کیا اہمیت ہے؟" دیو متی مسکراتی ہوئی بولی۔

"تو دیو متی۔"

"سنسار میں اچھے برے سبھی منش ہوتے ہیں۔ اگر تم سادھو ہوتے تو میرے من میں بال وچار۔ کیونکہ ایک سادھو نے میری لاج لوٹنے کی کوشش کی تھی۔ مگر تم مسلمان ہو۔ سو اب میں مسلمانوں کے بارے میں یہ سوچا کروں گی کہ کیا سارے مسلمان تمہارے جیسے ہوتے ہیں۔ وہ کسی کے ساتھ ہونے والے انیائے پر تڑپ اٹھتے ہیں۔ کسی بالا کی عزت بچاتے ہوئے نہیں سوچتے کہ وہ ہندو بالا ہے یا مسلمان؟ اس سے تو میرے من میں تمہاری عزت اور بڑھ گئی ہے بھیا۔"

"دیو متی۔" میں جذباتی ہو گیا۔

"ہاں بھیا۔ میرے بھیا۔ میرے ویر بھیا۔" دیو متی شدت جذبات سے مغلوب ہو کر کہنے لگی "ہاں میرے بھیا۔ اگر تم مسلمان ہو تو آج سے میں سارے مسلمانوں کی عزت کیا کروں گی۔ مجھے تمہارے اوپر بڑا مان ہے۔ میرے بھیا۔ تم نے میری لاج بچائی ہے۔ میں تمہارے اوپر بڑا بھروسہ کرتی ہوں۔ تم نے میری لاج بچائی ہے۔"

"تم عورت ہو دیو متی۔ کمزور ہستی اور مسلمان بھی۔"

ضروری ہدایت کرتا ہے۔

"مجھے وشواس ہے بھیا۔ مجھے وشواس ہے۔ آؤ میرے ساتھ اندر آؤ۔ آؤ۔ آجاؤ۔" اور میں دیو متی کے ساتھ اس کی رہائش گاہ میں پہنچ گیا۔ دیو متی نے مجھے بڑے احترام سے بٹھایا تھا۔ "کیا تم مادھو پورا میں رہتے ہو بھیا؟"

"مادھو پورا کیا دیو متی؟" میں نے پوچھا۔

"تم مادھو پورا میں نہیں رہتے؟"

"میں تو دو گاپوری پہلی بار آیا ہوں۔"

"ارے۔ کہیں اور سے آئے ہو؟"

"ہاں۔"

"کہاں سے بھیا؟"

"نہ جانے کہاں کہاں سے دیو متی۔ میں اور میرا ساتھی آوارہ گرد ہیں۔ بس گھومتے پھرتے ہیں اور اسی طرح گھومتے پھرتے ہم دو گاپور آ نکلے۔"

"تم نے کہا تھا بھیا۔ یہ تمہاری اصلی شکل نہیں ہے۔ کیا تم مجھے اپنی اصلی شکل نہ دکھاؤ گے بھیا؟"

"دکھا دوں گا دیو متی۔ لیکن ابھی مجھے اس کے لئے مجبور نہ کرو۔ ایک بھائی ہونے کی حیثیت سے میں تمہارے اوپر بھروسہ کرتا ہوں۔ اس لئے میری کسی بات سے انکار پر دل پر میل مت لانا۔ تھوڑا وقت گزر جانے دو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے بھیا۔ میں تمہیں کسی بات کے لئے مجبور نہیں کروں گی۔" دیو متی نے کہا۔

"مجھے اپنے دوست کا انتظار ہے۔ لیکن ہرچرن لال میرا دشمن ہو گیا ہے۔ اس نے ایک خبیث روح سے مدد لی ہے۔ میں ذرا اس سے نپٹ لوں۔"

"ہائے رام۔ ہرچرن لال تمہارا دشمن ہے؟" دیو متی پریشانی سے بولی۔

"ہاں۔ سب سے بڑا دشمن۔"

"مگر وہ تمہارا دوست تھا؟"

"یہ تو ہم خود نہیں جانتے۔ حالانکہ اب وہ ہماری دوستی کا دم بھر رہا ہے۔ لیکن مجھے اس کے اوپر پورا بھروسہ نہیں ہے۔"

"ارے وہ تو بڑا پاپی ہے۔"

"اس نے منحوس تنتا سے مدد لی ہے۔ لیکن اس کا مقابلہ بھی بہت سخت ہوگا۔ یاد کرے گا وہ بھی۔"

"تنت تنتا مہاراج سے؟"

"جانتی ہو اس خبیث کو؟"

"ارے تنتا مہاراج کو کون نہ جانے گا۔ اتنا مہان سادھو تو پورے ہندوستان میں کوئی نہ ہوگا۔"

"لیکن وہ کالے جادو کا ماہر ہے۔"

"وہ اپنی چھاؤں سے بھی نکل گئے اگر تنتا مہاراج تمہارے دشمن ہو گئے ہیں تو پھر بھیا۔ تم یہاں سے فوراً چلے جاؤ۔ بھگوان نہ کرے تمہاری جان کو کچھ ہو۔"

"تم فکر مت کرو دیو متی۔ بس حالات دیکھتی رہو۔ اچھا۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"کہاں جاؤ گے بھیا؟"

"راج محل میں کوئی جگہ تلاش کروں گا۔ حالانکہ راج محل میرے لئے اب بچنے کی جگہ نہیں رہا۔"

"بھن کو اتنا کنگال سمجھتے ہو کہ تمہیں رہنے کی جگہ بھی نہ دے سکے؟"

"لیکن۔"

"تم یہیں آرام کرو بھیا۔ بھن کی عزت کا بھائی سے بڑا رکھشا کرنے والا کون ہوگا۔"

"ہوں۔" میں گہری فکر میں سوچنے لگا۔ ٹھیک ہی تھا۔ کوئی حرج نہیں تھا۔ طالوت کے لئے مجھے تلاش کر لینا مشکل کام نہیں تھا۔ میں جہاں بھی ہوں گا وہ میرے پاس پہنچ جائے گا۔

"لیکن دیو متی۔ مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر تمہارے اوپر کوئی حرف تو نہیں آئے گا؟"

"تم اس کی چنتا نہ کرو بھیا۔ تمہیں کسی کو دیکھنے کا ہے کو دوں گی۔ اور پھر حروف بنانے والا کون ہے۔ محل کی سارنیاں سب کچھ کرتی ہیں۔ ان کے من میلے ہیں۔ پر تم تو میرے بھیا ہو۔"

"وہ۔ محل کی یہ حالت کیوں ہے دیو متی؟"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی بھیا۔ سچی ہو تو مجھے خود بھی معلوم نہیں ہے۔ مہاراج تو ہری دنیا کو تیاگ بیٹھے ہیں۔ وہ تو باہر بھی نہیں نکلتے جو ان کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم ہو سکے۔"

"کیا کرتے رہتے ہیں محل میں؟"

"بس۔ خراب عورتوں میں گھرے رہتے ہیں۔ ہرچرن لال کا پورے محل کیا پوری راجدھانی پر قبضہ ہے۔ وہی راج پاٹ کے کام چلاتا ہے۔ وہی سارے سیاہ و سفید کا مالک ہے۔"

"ہاں۔ مجھے معلوم ہے لیکن دیو متی۔ اس طرح تو ہرچرن لال اس کپور کے خون کی سازش بھی کر سکتا ہے۔"

درگاپور کو نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"راج پاٹ کے کام راج کرنے والے جانیں بھیا۔ میں تو اس بارے میں کچھ نہیں سوچتی۔"

"ٹھیک ہے۔" ایک بات اور بتا دو دیومتی۔"

"پوچھو بھیا۔"

"تم نے مسلمانوں کے سلسلے میں مادھوپور کا نام لیا تھا؟"

"ہاں، درگاپور میں سارے مسلمانوں کی ایک ہی بستی ہے۔ اس کا نام مادھوپور ہے۔ دوسری بستیوں پر مسلمانوں کو رہنے کی اجازت نہیں ہے۔"

"وہ۔ مادھوپور کہاں ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"درگاپور کے آخری کونے میں۔ پہلے اس کا نام سلطان آباد تھا۔ لیکن ہرچرن لال نے ہر اس آدمی کی گردن مار دی جو اسے سلطان آباد کہتا تھا۔ اس نے اس کا نام مادھوپور رکھا ہے۔"

"وہ۔" میں نے تعجب سے گردن ہلائی۔ یہ نیا انکشاف میرے لئے بہت سنسنی خیز تھا۔ طالوت بھی اسے سنے گا تو شاید ہرچرن لال کو معاف نہیں کرے گا۔ گویا یہاں مسلمانوں کے ساتھ برا سلوک ہوتا ہے اور نہ جانے کیوں میرا دل تڑپ اٹھا۔ میرے دل میں شدید آرزو پیدا ہو گئی کہ میں مسلمانوں کی بستی سلطان آباد یا مادھوپور دیکھوں۔

لیکن۔ تمنا کیا مزہ آتا۔ طالوت کا ایسا عادی ہو گیا تھا کہ اب کسی کام میں اپنے لطف ہی نہیں آتا تھا۔

بہرحال، وہ ساری رات دیومتی کی خواب گاہ میں گزاری۔ رات گئے تک دیومتی باتیں کرتی رہی تھی۔ پھر اس نے مجھے ایک پوشیدہ جگہ سلا دیا۔ تنہائی میں لیٹ کر طالوت کا خیال آیا اور دل میں شدید بے چینی پیدا ہو گئی۔ وہ ابھی تک واپس کیوں نہیں آیا۔ کیا تلاش سے ابھی فراغت نہیں ملی۔ دیوتا مرمٹے پر اس نے تنکا کس طرح تلاش کیا تھا اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ تنکا، طالوت کے لئے بہت اہمیت کی حامل ہے۔ لیکن وہ ابھی تک واپس کیوں نہیں آیا۔ کیا وہ تنکا اسے ابھی تک نہیں ملا۔ اگر وہ تنکا نہیں ملا تو پھر وہ کیا کرے گا۔ کیا وہ واپس آ جائے گا۔ یا پھر تنکا تلاش کرتا رہے گا۔ ان سوالوں کے جواب میرے پاس نہیں تھے۔ وہ خوبصورت لبوں میں مہوش اداس بیٹھی تھی۔

پہلی بار میں نے اس خوبصورت عورت کو مندر میں دیکھا تھا اور بدشکل وہ ایسی پر کشش تھی کہ دل بے اختیار اس کی جانب کھنچتا تھا۔ اگر میری زندگی کا کوئی محور ہوتا۔ اگر زندگی کا کوئی مقصد ہوتا۔ اگر میں سکون سے کسی جگہ قیام کر سکتا تو۔ شاید دیومتی میرے دل میں گھر کر جاتی اور نہ جانے میں اس کے لئے کیا کیا سوچتا۔ نہ جانے میں اس کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلتا۔ لیکن خود میری زندگی مانند سراب تھی۔ ایسی باد سبا کی صورت پیچھے رہ گئی تھی۔ اب تو اگر کوئی خوبصورت عورت پسند بھی آتی تھی تو اس کے بارے میں دوسرے انداز میں ہی سوچتا پڑتا تھا۔

لیکن طبیعت میں اس قدر لچک پیدا ہو گئی تھی کہ اگر کہیں ذرا بھی مطلوبیت کے سامنے نہ آتے تھے تو مزاج کا رنگ بدل جاتا تھا۔ دیومتی کے بارے میں بھی یہی ہوا تھا۔

تھا۔ جس انداز میں وہ اس وقت بیٹھی تھی وہ دل کو تڑپا دینے والا تھا۔ ایسی خوبصورت عورت کی پیاری لگ رہی تھی کہ بس دیکھتے جانے کو دل چاہتا تھا۔ لیکن۔ یہاں نظریہ ہی بدل گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس پر سے نگاہیں ہٹا لیں۔ اور پھر آہستہ قدموں سے اس کے پاس پہنچ گیا۔

دیومتی میرے قدموں کی آہٹ سن کر اچھل پڑی اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "جاگ گئے بھیا؟"

"ہاں دیومتی۔" "اشنان کرو گے؟"

"کہاں؟" "چلئے تالاب میں۔"

"نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "صاف ستھرا ہو جاؤ گے۔ تو اور نکھر آؤ گے۔" دیومتی نے کہا ضروری امور سے فارغ ہو کر میں نے ناشتہ کیا۔ دیومتی نے خصوصی طور پر اس سے کہہ کر اس نے میرے لئے ناشتہ تیار کرایا تھا۔

[illegible] مسلمانوں کے [illegible]

اجازت نہیں دیتا دیومتی۔" میں نے کہا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

خوفناک تھے اس کی کوئی حد نہیں تھی۔ اور پھر تنکا کے پیچھے طاقت کیا تھا۔

وہ ایک نڈر نوجوان تھا۔ بلاشبہ اس کے پیش بے شمار پُراسرار قوتیں تھیں۔ لیکن پھر بھی نوجوانی کی عمر تھی اور مقابلہ تنکا جیسے چالاک انسان سے تھا۔ ابھی تک نہ جانے کیوں وہ واپس نہیں گیا تھا۔

بہرصورت یہاں بھی صورتحال پرسکون نہیں تھی۔

گو ہرچرن لال بظاہر ہمارے دوستوں میں شامل ہو گیا تھا لیکن۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ میں اس انداز میں تمہارے ساتھ گیا ہوں اور تنکا ہمارے قابو میں نہیں آیا تو وہ کچھ نہ کچھ کرنے کی کوشش ضرور کرے گا۔ ظاہر ہے وہ صرف ہماری وجہ سے مصیبت میں پھنسا تھا۔ ورنہ اس کا کام تو کسی نہ کسی طرح چل ہی رہا تھا۔ پورن لال اور وہ مل کر نہ جانے کیا سازش کر رہے تھے اور نہ جانے کس حد تک اپنی سازش میں کامیاب ہو گئے تھے۔ ان کے حلق کی ہڈی تو ہم لوگ بنے تھے۔ اور ہماری وجہ سے ان کے سارے پروگرام چوپٹ ہو گئے تھے تب مجبوراً ہرچرن لال نے ہمارا ساتھ دیا تھا اور بہرحال تنکا کی مصیبت میں وہ بھی گرفتار ہو گیا تھا۔

لیکن اب؟ راستہ چلتے ہوئے میں نے حالات پر غور کیا۔ حالوت کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا حماقت تھی۔ اپنے آپ کو متحرک رکھا جائے۔ طالوت کی اتنی دیر کی حاضری بتاتی ہے کہ وہ کسی لمبے چکر میں پڑ گیا ہے۔ ممکن ہے طویل عرصے تک وہ واپس نہ آ سکے۔ لیکن میں کروں کیا؟ کیا دیومتی کے بت پر کاش کو تلاش کروں؟ راج ہنس کے سلسلے میں میں کیا کر سکتا ہوں؟ اور اچانک دیومتی کے کچھ الفاظ یاد آ گئے۔

مادھوپورا۔ سلطان آباد۔ مسلمانوں کی بستی۔ کیوں نہ مادھوپورا تلاش کروں۔ وہاں مسلمان موجود ہیں۔ دیکھا تو جائے وہ کیسی زندگی گزارتے ہیں۔ لیکن مادھوپورا تلاش کیسے کیا جائے؟ کوئی مسلمان صورت نظر آئے۔

میں درگاپور کے بازاروں کی طرف چل پڑا۔ اب میں نے ان نگاہوں سے یہاں کی معیشت اور رہن سہن کو دیکھا۔ چاروں طرف ہندو دھرم کے نشان نظر آ رہے تھے۔ ایک جگہ ایسی نظر نہیں آئی جہاں کسی دوسرے مذہب کا نشان ہو۔

چنانچہ ایک سنسان سی جگہ پہنچ کر میں نے شاہ دان کا لبادہ اتار لیا اور ظاہر ہو گیا۔ لباس اور انداز سادھوؤں کا تھا۔ اس لئے کسی نے توجہ نہ دی۔ اِکّا دُکّا لوگ نظر آئے جو چھوٹی سی دھرم شالہ کے نزدیک میں رکا۔ سامنے ہی پانی پلانے کی سبیل لگی ہوئی تھی جسے یہ لوگ پیاؤ کہتے ہیں۔ اندر ایک پنڈت بیٹھا لوگوں سے پانی پلا رہا تھا۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا اور پنڈت نے لوٹا سامنے کر دیا۔

"پھر کیا سیوا کروں مہاراج؟" پنڈت نے پوچھا۔

"بھگشو کو کسی سیوا کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں پیاس ضرور لگ رہی ہے مگر تیرے جل منڈل کو کسی نیچ کے ہاتھ لگے ہوئے ہیں اس لئے ہم اس سے جل نہیں پئیں گے۔"

"نیچ کے ہاتھ۔" پانی پلانے والا بولا۔

"ہاں ہاں۔ نیچ کے ہاتھ۔"

"مگر مہاراج یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"ہو چکا ہے مورکھ۔ تو خود سوچ یہ کیسے ہوا؟"

"مہاراج۔ میرے خیال میں کوئی نیچ ادھر نہیں آتا۔"

"کیوں نہیں آتا۔ تجھے کیسے معلوم۔"

"وہ یہاں آتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"

"کیا درگاپور میں نیچ ہیں ہی نہیں۔"

"ہیں۔ مگر صرف مادھوپورا میں۔ وہ ہمارے شہر میں نہیں آتے۔"

"مادھوپورا کہاں ہے؟"

"کافی دور ہے مہاراج۔ آپ کا خیال غلط ہے۔ ایک بھی نیچ ادھر نہیں آتا۔"

"ہم تجھے بتائیں گے کہ کسی نیچ نے تیرے جل منڈل کو ہاتھ ضرور لگایا ہے۔ تو ہمیں بتا۔ مادھوپورا یہاں سے کس اور ہے؟"

"مادھوپورا۔ اس سڑک سے آگے بڑھ کر ایک سڑک کے کچے ہاتھ گھوم جاتی ہے۔ جب وہ لمبی سڑک ختم ہوتی ہے تو کچا راستہ آتا ہے اور جب کچا راستہ ختم ہوتا ہے تب مادھوپورا آتا ہے۔"

"بہت جلد ہم تجھے بتائیں گے کہ ہماری بات جھوٹ نہیں تھی۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ پانی پلانے والا سر جھکاتے ہوئے میری طرف دیکھتا رہ گیا تھا۔

بہرحال مجھے صرف راستہ معلوم کرنا تھا۔ اب میرا رخ مادھوپورا کی طرف تھا۔ بس یونہی ٹائم ٹوئیاں مارنے والی بات تھی ورنہ مادھوپورا جا کر ہی میں کیا کر لیتا۔ حالوت کا انتظار تھا جس سے میں خود کو ناپرواہ ظاہر کر کے خود ہی کو دھوکہ دینے میں مصروف تھا حالانکہ حقیقت یہ تھی کہ دل بس اسی میں اٹکا ہوا تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ میری مدد

کرے یا میرے لئے عمدہ دعاؤں اور آسانیاں فراہم کرے۔ بلکہ اس لئے کہ اب مجھے اس سے محبت بھی تھی۔ آخر وہ میرا دوست تھا۔ اور ہم دونوں ساتھی تھے۔

مادھوپورا جانے والی میلوں لمبی سڑک کی لمبائی کا احساس ذرا بھی نہ ہونے دیا۔ الٹے ہاتھ کی طرف گھوم کر میں کچے راستے کی طرف مڑ گیا۔

یہاں تو کاروں کے گھیت جگہ جگہ موجود تھے۔ جن میں عمدہ ترکاریاں موجود تھیں۔ میں کھیتوں کے درمیان کی پگڈنڈیوں سے گزرتا رہا۔ اور پھر مادھوپورا آ گیا۔

کچے پکے مکانوں پر مشتمل ایک الگ تھلگ بستی جو پورے درگاپور ہی سے نہیں بلکہ دور دور تک سے الگ تھی۔ کسی صفائی کا انتظام نہیں تھا۔ کوئی سرکاری آسائش یہاں موجود نہیں تھی۔ دور ہی سے مسلمانوں کی بستیوں حال کا پتہ چل جاتا تھا۔ نہ جانے کیوں میری توجہ بٹ گئی۔ میرے دل میں اس چھوٹی سی بستی کے بارے میں جاننے کی شدید جستجو پیدا ہو گئی اور میں نے تیزی سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں مادھوپورا میں داخل ہو گیا۔ میرا حلیہ اس وقت بھی سادھوؤں کا سا تھا۔ سب سے پہلے مکان کے سامنے مجھے ایک بزرگ صورت لیکن زبوں حال مسلمان نظر آیا۔ اس نے مجھے دیکھا۔ دیکھا اور میں نے اس کی نگاہوں میں صاف نفرت دیکھی۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" میں نے دونوں ہاتھ جوڑے۔ اور بزرگ صورت نے گردن ہلا دی "سادھو ہیں میاں جی۔ آپ کا مہمان ہوں۔ کیا آپ کی بستی میں کچھ دیر بیٹھ سکتا ہوں۔"

"تم باہر سے آئے ہو۔" بزرگ نے پوچھا۔

"ہاں۔ بہت دور سے۔"

"ہمارے بارے میں کیسے جانتے ہو؟"

"بس تھوڑا تھوڑا۔"

"تم مہمان ہو۔ ہم تمہاری عزت کرتے ہیں۔ لیکن ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے گھر کا کھانا تمہارے لئے ٹھیک نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے تم کچھ دیر بیٹھ سکو اور ہو سکتا ہے تمہیں پسند نہ آئے۔"

کوئی [illegible] ہیں۔

"[illegible]

"لیکن [illegible] مسلمانوں کو انسان نہیں سمجھتے۔"

جاتے۔"

"پھر کیا سمجھا جاتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جانوروں سے بھی بدتر ذلیل نسل۔" بزرگ نے جواب دیا۔

"اچھی بات ہے۔ کوئی مذہب انسانوں کو جانور سمجھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ درگاپور کے لوگ کیسے ہیں؟ کچھ بھی ہو میاں جی۔ میں کچھ روز تمہارے در پر مہمان رہنا چاہتا ہوں۔"

"تم درگاپور میں آ گئے ہو سادھو۔ ہم تمہیں مادھوپورہ سے نکالنے کی ہمت نہیں رکھتے ایک ڈاکو کی حیثیت سے تم جو چاہو کرو۔ جیسا کہ درگاپور کے لوگوں کی عادت ہے۔ جہاں سے دل چاہے لوٹو۔ جہاں سے جو دل چاہے چھینو۔ کھاؤ پیو۔ کوئی تمہیں نہیں روکے گا کیونکہ روکنے والوں کا حشر بہت برا ہوتا ہے ہاں اگر مہمان بننے کے خواہش مند ہو۔ تو میں دو ٹوک سے کہتے بغیر تمہیں مہمان نہیں بنا سکتا۔"

"مگر یہ تو مہمانوں کے اصول کے خلاف ہے۔ وہ تو مہمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔"

"اس کی بھی وجہ ہے سادھو جی۔ اگر تم ایک ڈاکو ہو۔ تو سب تمہارے ہو جائیں گے۔ ان ایسی بات نہ ہونے میں کے جس سے ہمارے اوپر کوئی مصیبت آئے اور اگر مہمان بنے تو تم تمہیں ساری ہدایت دے دیں گے۔ معاف کرنا سادھو جی۔ اگر درگاپور سے تمہارا تھوڑا سا واسطہ بھی ہوتا تو ان باتوں پر تمہیں حیرت نہ ہوتی۔"

بزرگ کی بات میں بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ میں اس سے متاثر ہوئے بغیر رہ سکا۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان سے کیا کہوں۔ ایک دل چاہ رہا تھا کہ اپنی اصلیت ظاہر کر دوں۔ لیکن فوری طور پر یہ بھی مشکل تھا۔ اس کے بعد میری حیثیت کیا ہوتی۔ لیکن میں نے ابھی اپنے بارے میں کچھ بتانا مناسب نہیں سمجھا۔ اور شانے ہلاتے ہوئے بولا۔

"درگاپور والے جانتے تھے ٹھیک ہی۔ مگر اب تو ہماری [illegible] کہ کچھ روز یہاں رہ لیں۔ تم جس سے [illegible] میں اعتراض نہیں ہے۔"

[illegible] سادھو جی۔ اس وقت تک کے لئے میری [illegible] ان کے ساتھ چل [illegible]

[illegible] اور [illegible] حالی کی تصویر۔ [illegible] ایک چارپائی کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ مجھے وہاں بیٹھنے کو [illegible] تب

ان بزرگ نے کہا۔

"میں آپ کے ناطہر کروں سادھوجی۔ یہاں کسی ہندو کی دوکان بھی نہیں ہے جہاں سے آپ کے لئے کچھ لے آؤں۔"

"کیا یہاں مسلمانوں کی دوکانیں بھی نہیں ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"مسلمانوں کی تو ہیں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا جی۔ درگاپور کے بارے میں میرا خیال ہے سارے علاقوں کے ہندو ایسے ہی تنگ نظر ہوتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے چھوئی ہوئی کوئی چیز نہیں کھاتے۔ لیکن میرے لئے گھر میں جو کچھ ہو منگوا دیں۔ مجھے پہلے انسانوں سے پیار ہے' پھر دھرم سے' اور دھرم بھی یہی سبق دیتا ہے۔" میں نے کہا۔

بزرگ حیرت سے مجھے دیکھنے لگے۔

"آپ نے اپنا شبھ نام نہیں بتایا شریمان جی؟"

"ٹھیک ہے چاچا اللہ بخش۔ آپ لوگوں سے میرے بارے میں اجازت لے لیں۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنا چاہتا ہوں۔" میں نے کہا اور بزرگ حیرت سے مجھے گھورنے لگے۔

"باہر سے آئے ہو نا۔ کاش درگاپور کے ہندو بھی تمہاری طرح زبان کے میٹھے اور دل کے نرم ہوتے۔ چاچا اللہ بخش نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گئے۔

اس کا مطلب ہے کہ مادھوپورہ کے رہنے والے درگاپور کے ہندوؤں سے عاجز ہیں۔ بزرگ نے بتایا تھا کہ ان کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ خود رانی دیوی نے بھی کچھ تفصیلات بتائی تھیں۔ اس نے کہا تھا' مادھوپورہ کا پہلا نام سلطان آباد تھا۔ بعد میں اسے مادھوپورہ کردیا گیا۔ اس کے علاوہ خود اس تنگ و تاریک بستی کی زبوں حالی سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہاں کے باشندے خاصی کثیف زندگی گزار رہے ہیں۔ میرا دل تو بہت کڑھا۔ لیکن میں کسی اسلامی مملکت کا شہنشاہ تو نہیں تھا کہ مسلمانوں کی حالت زار پر درگاپور پر چڑھائی کردیتا۔ اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادیتا۔

تھوڑی دیر کے بعد مکان کے اندر سے ایک بچہ ٹرے ہاتھ میں تھامے نکلا۔ سر پر دوپٹہ اوڑھے اندر آئی۔ تھالی میں مٹی کی دو رکابیاں جن پر گھی ملا ہوا تھا اور لسی کا ایک گلاس رکھا ہوا تھا۔ ٹرے نیچے رکھ دیا گیا تھا "سوامی سادھو جی۔" اس نے کہا۔

کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس وقت یہی تھا سادھوجی۔" بچی نے کہا۔

"بہت پیارے بیٹے۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"صفرا۔"

"بڑا پیارا نام ہے۔ اللہ بخش چاچا بڑی ہو؟"

"وہ میرے دادا ہیں۔"

"خوب۔ تمہارے باپ کا کیا نام ہے؟"

"مولا بخش۔" بچی نے جواب دیا اور مجھے ہنسی آگئی۔ ہم حال ٹھیک تھے۔ باپ بیٹیوں میں قربت تھی۔ بچی نے تھالی میرے سامنے رکھ دی اور میں نے ضرورت نہ محسوس کرتے ہوئے بھی ایک روٹی میٹھے چاچا کے ساتھ کھالی۔ بچی پانی لے آئی تھی۔ وہ بڑی حیرت سے مجھے دیکھ رہی تھی۔ میں نے اس کی حیرت محسوس کرلی اور اس کی وجہ بھی پوچھ ڈالی۔

"کیا بات ہے صفرا۔ تم اتنی حیران کیوں ہو؟"

"نہ۔ کوئی بات نہیں سادھوجی۔ کوئی بات نہیں۔" صفرا گڑبڑا کر بولی۔

"پھر بھی۔" میں نے محبت سے اصرار کیا۔

"آپ۔ آپ جیسے سادھو نہیں ہیں۔" وہ ہچکچاتے ہوئے بولی۔

"کیوں۔؟"

"دوسرے تو ایسے نہیں ہوتے۔"

"جیسے ہوتے ہیں دوسرے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس۔ وہ روٹی بھی لیتے ہیں تو اتنے نیچے ہاتھ کرکے کہ ہاتھ نہ چھو جائے۔ وہ اس طرح مسکراتے بھی نہیں۔ وہ اتنے اچھے بھی نہیں ہوتے جتنے آپ ہیں۔"

"اوہ۔" میں ہنسنے لگا۔

"آپ ناراض تو نہیں ہوئے سادھوجی؟"

"نہیں بیٹے۔ تم ہماری بچی نہیں ہو؟"

"خدا کا شکر ہے۔" صفرا نے ٹھنڈی سانس بھری اور مجھے ہنسی آگئی۔ پھر ڈیوڑھی کی دروازے پر آوازیں سنائی دیں' اور اللہ بخش چاچا اندر جھانکا۔

"ہم آجائیں سادھو صاحب؟"

"آیئے آیئے چاچا اللہ بخش۔ آیئے۔" میں نے کہا۔

چاچا اللہ بخش کے ساتھ سات آٹھ آدمی اور تھے۔ سب کے سب قوی ہیکل جوان۔ پیشانی پر سیاہ نشان جو نماز کے تھے۔ یہ حقیقت ہے' ایمان جب گھر میں گھر جاتا ہے تو چہرہ بھی دمکنے لگتا ہے

ان سب کی نگاہوں میں سوال تھا۔ میں نے انہیں پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا۔

اور پھر اللہ بخش چاچا نے سب سے میرا تعارف کرایا۔

"میرا نام عبدالکریم ہے سادھوجی۔" ایک درمیانی عمر کے تندرست انسان نے کہا۔

"مجھے معلوم ہوگیا ہے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ برتن کیسے ہیں؟" عبدالکریم نے اللہ بخش سے پوچھا۔

"صفرا بیٹی نے مجھے چھاچھ سے مکئی کی روٹی کھلائی ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ کیسے سادھو ہیں مہاراج۔ کیا آپ کا دھرم بھرشٹ نہیں ہوا مسلمانوں کے ہاتھ کا کھانا کھا کر۔" عبدالکریم نے کہا۔

"ارے پاگل۔ اناج تو آسمان والے نے ہی پیدا کیا ہے۔ کیا ہم لوگ بھی اسی کے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔ دھرم خود بھی تو سب سے پہلے انسانی محبت کا سبق دیتا ہے۔"

"یہ بات دوسرے سادھو کیوں نہیں جانتے؟" عبدالکریم نے کہا۔

"بھگوان جانے۔" میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"آپ ہمارے مہمان بننا کیوں چاہتے ہیں؟" عبدالکریم نے کہا۔

"دنیا میں توڑنا نہیں چاہتا بھائیو۔ بس دل چاہا تھا کہ تھوڑا وقت اس بستی میں گزار کر یہاں کے لوگوں کو بھی دیکھوں۔ نہیں برداشت کرسکتے تو چلا جاؤں گا۔" میں نے جواب دیا۔

اور میرے سامنے والے تڑپ گئے۔ سب کے چہرے شرمندگی کی تصویر نظر آنے لگے۔

"نہیں۔ نہیں سادھو مہاراج۔ گو ہم بہت دکھے ہوئے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم مسلمان ہیں۔ ہمارے مذہب میں مہمان کی دل شکنی نہیں کی جاتی۔ آپ کوئی بھی ہوں۔ بعد میں ہمیں کتنا ہی نقصان کیوں نہ پہنچائیں بہرحال اس وقت آپ ہمارے مہمان ہیں۔ اور ہم اپنے مہمان کو کوئی شکایت نہ ہونے دیں گے۔" عبدالکریم نے جلدی سے کہا۔

میں خاموش رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے کہا "میں ایک آوارہ گرد سادھو ہوں۔ میں تمہارے وہ حالات۔ جاننے کی کوشش نہیں کروں گا جو اندرونی ہیں۔ لیکن مجھے بتاؤ' درگاپور میں تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔"

"آپ درگاپور کب گئے ہیں سادھوجی؟"

"بس۔ صرف چند روز ہوئے۔"

"جبھی آپ یہاں کے بارے میں نہیں جانتے۔ درگاپور پر راجہ گووندداس کپور کی حکومت ہے۔ ایک متعصب راجہ۔ جو مسلمانوں کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس سے قبل اس کا باپ کرشن داس کپور حکمران تھا۔ اس وقت ہمیں پوری پوری آزادی تھی۔ ہم بھی انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتے تھے۔ ہمارا ان سے لین دین تھا۔ ہم اپنے طور پر زندگی گزارتے تھے اور ہندو اپنے طور پر۔ معمولی جھگڑے بھی ہوتے تھے لیکن وہ یہ فساد کبھی نہ بنتے۔ کیونکہ کرشن داس کپور نہیں چاہتے تھے۔ پھر ان کا انتقال ہوا تو عیاش راجہ گووندداس کپور گدی پر آیا۔ اس سے قبل ہم اس کے بارے میں بڑی اچھی رائے رکھتے تھے۔ ہم نے اس کی بیماری کی دعائیں سنی تھیں اور اسے دعائیں دیتے تھے۔ بہرحال وہ ہمارا راجہ تھا۔

لیکن رام گدی سنبھالتے ہی اس نے ہمارے اوپر زندگی تنگ کردی۔ وہ اور اس کا وکیل ساتھی ہرچرن لال بڑے ہی بدفطرت انسان ہیں' اس نے ہرچرن لال کو وزیر بنایا ہے۔ ملک کا سارا نظام ہرچرن لال سنبھالے ہوئے ہے۔ سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ اس نے مسلمانوں پر وہ مظالم توڑے ہیں کہ بس۔ کیا کیا جائے۔

ابتدا۔ فسادات سے ہوئی۔ ہندو اور مسلمان ہمیشہ بھائیوں کی طرح ساتھ رہے۔ لیکن ہندوؤں کے دلوں میں نفرت کا بیج بو دیا۔ طرح طرح سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کو بھڑکایا گیا۔ خود کشی ہندو دوشیزہ کو اغوا کرکے گووندداس کپور کی خواب گاہ میں پہنچادیا گیا اور نام مسلمانوں کا لگادیا گیا۔ چنانچہ ہنگامے شروع ہوئے۔ ہماری تعداد یہاں بہت مختصر ہے لیکن ہم بے گناہ تھے اس لئے بہادر تھے۔ ہم نے پہلے ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی۔ لیکن جب وہ نہ مانے تو پھر ہم نے بھی وہی زبان استعمال کی۔ بڑی مار مار ہوئی۔ لیکن ہندوؤں کو حکومت کی حمایت حاصل تھی اور پھر مٹھی بھر مسلمان سب کا کیا بگاڑ لیتے؟ ہمیں شہر سے نکال دیا۔ شہر میں ہماری آمدورفت بند کردی گئی۔ ہم سے تجارت کا بائیکاٹ کردیا گیا۔ اور ہمیں بے سروسامانی کی حالت میں سلطان آباد میں دھکیل دیا گیا۔ ایک بھی مسلمان اب شہر میں نہیں ملے گا۔ سب یہاں آباد ہیں اور سلطان آباد کو بھی مادھوپورہ کردیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے پاس اس کے علاوہ چارہ بھی کیا ہے۔ کیا کرسکتے ہیں ہم ان کا۔" عبدالکریم کی آواز

...ہرائی۔

اور میرے دل میں ایک عجیب سی دھکن پیدا ہو گئی۔ ...ں مذہبی آدمی نہیں ہوں۔ پوری زندگی گناہوں میں بسر کی ...ہے۔ لیکن انسانیت کی تڑپ بھی تو مذہب سے منسلک ہے۔ ...ے مذہبی درد ہی کیوں نہ کہا جائے۔ میرے دل میں ...ونداس کپور کی طرف سے سخت نفرت پیدا ہو گئی۔ ہرچرن ...ل کو ہم ویسے ہی پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن اس کے اس ...ئے روپ کے بارے میں سن کر اس کی شکل سے گھن آنے ...گی۔

کئی منٹ خاموشی رہی۔ پھر عبدالکریم نے ہی زبان ...کھولی۔

"ہمارا مذہب ہم سے چھینا جا رہا ہے۔ اس بستی میں ...سکول کھولنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایک مرتبہ اسکول کھولا ...یا تو ہرچرن لال کے سپاہی آ گئے۔ استاد کو ہلاک کر دیا گیا۔ ...ر اسکول کی پکی عمارت ڈھا دی گئی۔ ہاں ہمارے بچوں کو ...ی کے اسکولوں میں ہندی تعلیم مل سکتی ہے۔ وہاں انہیں ...ھی کرنے کے معقول انتظامات ہیں۔"

"تمہاری کوئی عبادت گاہ بھی نہیں ہے؟"

"مسجد اور مدرسہ بنانا منع ہے ہرچرن لال کے حکم سے۔ ...ی چھپ کسی نہ کسی گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں۔" عبدالکریم ...ہنسا۔ اور میرا سر چکرانے لگا۔

...ہم فضول معاملات میں الجھے رہے۔ طالوت بابو چ ...ا کے چکر میں پڑ گیا۔ کاش اس سے قبل ہم اس بستی میں ...تے۔ ہماری زندگی کا مشن ہی دوسرا ہوتا۔ یہ تو بات ہی ...ی تھی۔ یہ تو معاملہ ہی عجیب نکلا اور اب تو طالوت کی ...رت بڑی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ کاش وہ ...ے۔ تو ہم ان مظلوم انسانوں کے بارے میں سوچتے۔ ...کے لئے کچھ کرتے۔

"تو یہ بات تھی سادھوجی۔ ذہن کی وجہ سے وہ رات ...ے میں بھٹکی تھی۔ خدا کی قسم ہم آج بھی اپنا حق حاصل ...ی ہوتے رہتے ہیں۔ ہم آج بھی وہی فضا پیدا کر سکتے ...ی تھی۔ لیکن۔ بالآخر ہم انسان ہی ہیں۔ جب ہمارے ...کے خلاف ...ہو جائیں تو ہمارا بھی چار و ناچار سے پیدا ہو جاتا ہے۔"

"...نے ٹھیک کہا عبدالکریم۔ صبر کرو۔ ہاں۔ ایک ...ہے۔ خدا اور خود سے مایوس نہیں ہوتے۔ ...ام کو دعا اس پورے اور ہرچرن ...کے پرخچے اڑنے والے ہیں۔ اور اس کے بعد ہو رائج

..."یہ صرف ایک خواب ہے سادھوجی۔"

"نہیں بچو۔ یہ خواب نہیں ہے۔ لیکن تم لوگ گھر گھر ...گاتے رہے۔ ایک ایک کو جگاتے رہے تو کوونداس کپور اور ہرچرن لال ہوشیار ہو جائیں گے اور پھر تم ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔"

"خدا آپ کی زبان مبارک کرے سادھوجی۔ مگر آپ ...آپ ان کے خلاف کیوں ہو گئے ہیں۔"

"میں صرف ظلم کے خلاف ہوں میرے بچو۔ میں صرف ظلم کے خلاف ہوں میرے دوستو۔ ظالم کوئی بھی ہو۔ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اسے بددعا ہی دی جا سکتی ہے۔"

"ان لوگوں کے مظالم کی تو کوئی انتہا نہیں ہے سادھوجی۔ یہ ہماری لڑکیاں اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ نہ جانے کتنی مسلمان لڑکیاں ان کے قبضے میں ہیں۔"

"اوہ۔ ان کا کوئی پتہ نہیں چل سکا؟"

"آج تک نہیں۔ کون پتہ چلائے گا؟ کہاں سے پتہ چلے گا۔" عبدالکریم نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے یہ حالات سن کر سخت افسوس ہوا ہے۔" میں نے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"صرف یہی وجہ تھی سادھوجی۔ جو آپ نے مسلمانوں میں مہمانوں کے لئے گرمجوشی نہیں پائی۔ ورنہ ہمیں اپنے مذہب کی روایات یاد ہیں۔" عبدالکریم نے کہا۔

"ٹھیک کہتے ہو عبدالکریم۔ لیکن میں نے جو بات کہی ہے وہ بھی ٹھیک ہے۔ اسے گرہ میں باندھ لینا۔ ان لوگوں کی موت قریب ہے اور اس کے بعد تمہیں ایک نئی زندگی ملے گی۔ کیا تم میری اس بات پر یقین کرو گے؟"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے سادھوجی۔"

"ہاں۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" میں نے کہا اور پھر میں سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ اس پوری بستی کی تصویر ابھی تک میرے سامنے آ گئی تھی۔ اب یہاں رکنے سے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا۔ چنانچہ یہاں سے چلنا ہی بہتر ہے۔ دل ہی دل میں رک ہی نہیں رہا تھا۔ اور اس کی وجہ تو سمجھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

طالوت ...وقت گزرتا جا رہا تھا ...ہوتی جا رہی تھی۔ طالوت ...الجھن میں گرفتار ...تھا۔ لیکن کوئی ...نے سے قاصر تھا۔ حالانکہ یہ ...تھا کہ ...یہ حالات

اللہ بخش اور دوسرے لوگ اب بھی میرے گرد جمع تھے۔ میں نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا۔ "سمجھے بھائیو۔ خدا کی ذات پر بھروسہ رکھو تمہاری مشکلات کا دور ختم ہونے والا ہے۔ میں تمہارے درمیان میں اسی مختصر وقت کے لئے آیا تھا۔ اب اجازت چاہتا ہوں۔"

"ارے۔ نہیں سادھوجی۔ آپ یہاں آرام کریں۔ ہم آپ کی خدمت کریں گے۔ آپ عام ہندوؤں سے مختلف ہیں۔"

"ہاں۔ میں عام ہندوؤں سے مختلف ہوں۔ کیونکہ۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں۔ لیکن تم لوگ میری بات یاد رکھنا۔ اس بات کا چرچا نہ کرنا ورنہ تمہارے حق میں بھی اچھا نہیں ہوگا۔"

"مسلمان ہو؟"

"الحمدللہ۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر تمہارا حلیہ؟" وہ سب حیرانی بولے۔

"بس یہ ضرورت کے تحت تھا۔" اور سب میری شکل دیکھتے رہ گئے۔ ان سادہ دل لوگوں کی آنکھوں میں شدید حیرت کے نقوش تھے۔

"خدا حافظ بھائیو۔ آخری بار کہہ رہا ہوں۔ میری بات یاد رکھنا۔" میں نے کہا اور شاہ دانہ کا دوشالہ سر پر ڈال لیا۔ دوسرے لمحے ظاہر ہے میں ان کی نگاہوں سے غائب تھا۔

ان سب کے منہ سے حیرت کی آوازیں نکل گئی تھیں۔ "ارے۔ گئے۔ کہاں۔ کہاں گیا؟ ارے کہاں گیا؟" سب چیخ پڑے۔ اور پھر ان کے سوچنے کا انداز بدل گیا۔ وہ سب مجھے کوئی فرشتہ، کوئی ولی، کوئی پہنچا ہوا بزرگ سمجھتے تھے، جو انہیں بشارت یا خوشخبری دینے آیا تھا۔

اور ان کے سینے عقیدت سے پھولے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھوں میں چمک آ گئی تھی۔ میں ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ خدا میرے مدد کرے۔ میں نے دل میں سوچا۔ میں نے انہیں خوشخبری تو دی ہے لیکن خدا توفیق دے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اسے پورا کرنے میں ان کی مدد کر سکوں۔ بہرحال ان سب کی حیرت کی انتہا نہیں تھی۔ اور جب وہ سب باہر نکلے تو میں بھی خاموشی سے ان کے پیچھے نکل آیا۔

اب میں واپس جا رہا تھا۔ لیکن کیفیت وہی تھی۔ کھویا کھویا سا۔ پریشان۔ کیا کروں۔ میں تو جیسے مفلوج ہو کر رہ گیا تھا۔ کوئی بات ہی سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ کروں تو کیا کروں۔ محل جاؤں۔ لیکن وہاں جا کر کیا کروں؟ صرف دیومتی کی دلجوئی۔ لیکن یہ کوئی کام تو نہیں۔ بیکار وقت ضائع کرنا۔ بالکل فضول۔

طبیعت پر سخت جھنجھلاہٹ سوار تھی۔ کہاں مر گیا آخر یہ شخص۔ اس کے ساتھ نباہ کیسے ممکن ہے۔ اس نے تو مجھے کھلونا بنا رکھا ہے۔ صرف مصاحب بنا رکھا ہے اپنا۔ ساتھ ساتھ لئے پھرتا ہے۔ اور جب جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ کیا ساری زندگی اسی طرح بیتا ہے۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر جو دوسروں کے رحم و کرم پر ہو۔ موت ایک دفعہ ہی آتی ہے۔ کیوں نہ کسی دوسرے کے سلسلے سے آزاد ہو کر جیا جائے۔ رہا دوسرے مسائل کا معاملہ تو اگر کبھی گرفتار ہو جاؤں تو ٹھیک ہے۔ ہر چیز کی بہرحال انتہا ہوتی ہے۔

ذہنی انتشار کے عالم میں عجیب اوٹ پٹانگ باتیں سوچتا رہا۔ اور پھر جب حواس جاگے تو محل کے سامنے تھا۔ نہ جانے قدم اس طرف کیوں اٹھ گئے تھے۔ بہرحال اب یہاں آ ہی گیا تھا تو پھر اندر داخل ہونے میں کیا حرج ہے۔

شاہ دانہ کا دوشالہ کاندھوں پر ہی تھا۔ اندر داخل ہونے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ اور میں محل کے مختلف حصوں سے ہوتا ہوا دیومتی کے محل میں داخل ہو گیا۔

دیومتی اپنے کمرے میں موجود نہیں تھی۔ کہیں چلی گئی تھی۔ میں نے سوچا اور بے تکلفی سے اس کے بستر پر لیٹ گیا۔ حالانکہ کوئی طویل سفر نہیں کیا تھا، لیکن عجیب سی تھکن ذہن پر سوار تھی۔ مسلمانوں کی زبوں حالی سے بھی دل کٹ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ ان کے لئے کچھ کروں، لیکن اپنی بے بسی کا بھی احساس تھا۔ ہاں اگر وہ ہو تا تو۔

ایک بار پھر جھلاہٹ کی لہر ذہن کی طرف دوڑی، لیکن میں نے اسے کنٹرول کیا۔ خود پر قابو پایا اور سوچنے لگا۔ طالوت جب بھی غائب ہوا ہے کسی الجھن میں پھنسا ہے اور اس بار۔ اس بار تو اس کے لئے دعا ہی کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ایک خبیث روح کے تعاقب میں گیا تھا۔

بہرحال ان کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا بھی مناسب نہیں ہے۔ طالوت کے پاس بڑا اسرار قوتیں ہیں۔ لیکن بہرحال انسان تو میں بھی ہوں اور میرے پاس بھی ایک قوت موجود ہے۔ اور وہ ہے غصہ کی قوت۔ میں نے اس قوت کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ مجھے اس سے کام لینا چاہئے۔ طالوت جب بھی آئے اس کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا فضول ہے۔ کچھ کیا جائے۔

اور درحقیقت اس بار میرا عزم بہت مضبوط تھا۔ میں اپنی صلاحیتوں کو آزمانا چاہتا تھا۔ اور میں دیومتی کے بستر پر لیٹا لیٹا گہرے خیالات میں گم ہو گیا۔

خوبصورت مجسمہ لرد ار پردہ لٹک رہا تھا' اس کے دوسری طرف ایک ہال تھا جس میں ایک جڑاؤ دروازہ تھا۔ اور دروازے کے دوسری طرف مہاراج تھے۔

دھڑکتے دل سے میں نے دروازہ کھولا اور میری آنکھیں جھپک گئیں۔ بہت ہی بڑا ہال تھا۔ چاروں طرف قیمتی فانوس لٹکے ہوئے تھے جن میں رنگین شمعیں روشن تھیں۔ بڑا حسین ماحول تھا اور اس ماحول میں ان نازنینوں کے سیمیں جسموں نے شفق گھول دی تھی۔ وہ شہد کی مکھیوں کی مانند مچھے سے چپٹی ہوئی تھیں۔

ان کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔ کبھی کبھی کسی کی نقرئی ہنسی گونج اٹھتی۔ میری کنپٹیاں چٹخنے لگیں۔ ایسے ایسے حسین اجسام اور اس انداز میں۔ بہرحال میں بھی انسان تھا۔ یہ ہلکی سی نیم پوشی عریانیت سے بھی زیادہ خوفناک تھی۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور ذہن کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

قہقہے جاری تھے۔ لیکن مہاراج گوونداس کپور کہاں ہیں؟ میں گوونداس کپور کے بارے میں مشہور داستانوں پر غور کرنے لگا شیروں کا شکاری' بہادروں کا بہادر۔ گوونداس کپور گوشہ نشینی اختیار کرکے ان عورتوں کے درمیان زندگی کیسے گزار رہا ہے؟ مردہ ہے کہاں؟ میں نے آنکھیں کھول دیں۔

اسی وقت میرے کانوں میں ایک کڑکدار' رعب دار آواز گونجی۔

"بس' ہٹ جاؤ۔ کافی ہے۔" اور میں چونک پڑا۔ یہ آواز گوونداس کپور کی ہی ہوسکتی ہے۔ اور یقیناً وہ ان عورتوں کے جھرمٹ میں ہی ہے۔

عورتیں ایک طرف ہٹیں اور پھر کافی دور ہٹ گئیں۔ ایک خوبصورت شخص سامنے تھا اور اس پر ایک درمیانے قد کی فربہ اندام عورت جھکی ہوئی تھی' اس کے پورے بدن پر قیمتی زیورات سجے ہوئے تھے۔ وہ جھکی ہوئی تھی پوری۔ اس کے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹ تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے کچھ عجیب سا لگا۔

وہ عورت۔ وہ عورت۔ خاص عورت تو نہیں معلوم ہوتی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ اور سوچوں۔ اچانک عورت اپنی جگہ سے کھڑی ہوگئی۔ اس نے رقص کا لباس پہنا ہوا تھا۔ کئی بار اس نے گھوم کر اپنے آپ کو دیکھا۔ پھر شرمائے ہوئے انداز میں بولی۔

"لگ رہا ہوں اس لباس میں؟" اور میرا منہ تعجب سے کھل گیا۔ عورت کی آواز تھی۔ گویا میرا اندازہ غلط نہیں تھا۔

"لگ رہی ہوں کتے مہاراج۔ ورنہ سارا سواد جاتا رہے گا۔" ایک خوبصورت لڑکی بولی۔

"ہائے رام۔ کیسی لگ رہی ہوں۔" عورت نما مرد' یا مرد نما عورت لچک کر بولی۔

"بڑی سندر۔ بھگوان کی سوگند بڑی سندر۔" ساری لڑکیوں نے بیک آواز کہا۔ اور بجرا دانتوں میں انگلی دبا کر مسکرانے لگا۔

میری آنکھیں حیرت سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ میرے ذہن میں رہ رہ کر ایک خیال آرہا تھا۔ کیا یہی شخص مہاراج گوونداس کپور ہے؟ کیا یہی؟ ورنہ پھر اس کا یہاں کیا کام۔ اور لڑکیاں اس قدر چوچلے کیوں کررہی ہیں؟

لیکن گوونداس کپور' شیروں کا شکار' زمین سے شیروں کا شکار کرنے والا۔ کیا یہی ہے؟ اگر یہ شوق ہے تو عجیب ہے' اور پھر یہ انداز۔ تب بجرا کھڑا ہوگیا۔ اس نے لڑکیوں سے رقص کے انداز میں آنے کے لئے کہا اور پھر ہال کے کونوں سے سازوں کی آواز پھوٹ پڑی۔ میں نے چونک کر انہیں دیکھا تو ساز بجا رہی تھیں۔ اب تک میری نگاہ ان پر نہیں پڑی تھی۔ ان کے ہونٹ دبے ہوئے تھے۔ جیسے انہوں نے بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائی ہو۔

تب وہ رقص کے بول میں آئیں۔ لڑکیاں تتلیوں کی طرح اس کے چاروں طرف بکھر گئیں اور بجرا رقص کرنے لگا۔ حالانکہ اس ماحول نے مجھے حیرت سے گنگ کردیا تھا۔ لیکن بجرے کی بے تکی اچھل کود کو دیکھ کر میری ہنسی نہ رک سکی۔

اس کے ساتھ رقص کرنے والی لڑکیوں کی بری حالت تھی۔ رقص بھی کررہی تھیں۔ پیٹ بھی دبا رہی تھیں۔ ہنسی روکنے کی کوشش میں ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے۔

بجرے کا رقص جاری رہا۔ وہ ہانپ پر لے رہا تھا۔ لچک رہا تھا۔ مٹک رہا تھا اور پھر وہ تھک گیا اور لڑکیوں کی جان میں جان آئی۔ وہ فرغلی رقاصاؤں کے انداز میں فرش پر بیٹھ گیا تھا۔

لڑکیاں پھر اس پر پل پڑیں۔ وہ اسے چاروں طرف سے ٹٹول رہی تھیں۔ "کیسا رہا؟" بجرے نے ہانپتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کی سوگند مہاراج۔ مہاراج آپ نے تو کمال کردیا۔ بڑے بڑوں کے کان کاٹ لئے اور مہاراج شرمائے

ہوئے انداز میں ہنس پڑے۔

میں اب بھی پریشان تھا۔ یہ ماجرا کیا ہے؟ اگر یہ راجہ گوندداس کپور ہے تو اس کے بارے میں مشہور داستانیں کیا تھیں۔ اور اگر وہ نہیں ہے تو پھر اس کے محل میں اس بیجزے کا کیا کام۔

"اب کیا کہا ہے صاراج؟" ایک خوبصورت سی لڑکی نے پوچھا۔

"اے بس۔ اب کیا ہے۔ چلو۔ اندر چلو۔" بیجزا لپک کر بولا اور پھر وہ لڑکیوں کے سہارے اٹھ کھڑا ہوا۔ لڑکیوں نے پھر اسے جھرمٹ میں لے لیا اور آگے بڑھ گئیں۔ میں بھی ان کے ساتھ ہی چل پڑا تھا۔ اس بار وہ اسے لئے ہوئے ایک اور کمرے میں پہنچیں جو دوسرے کمروں کی طرح طویل و عریض تھا۔ لیکن وہ خواب گاہ کی شکل رکھتا تھا۔

لیکن یہ انوکھی خواب گاہ۔ میں نے ایسا حیرت انگیز کمرہ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پورے کمرے میں انتہائی شرمناک ناظر بکھرے پڑے تھے۔ دیواروں پر آویزاں تصاویر۔ چاروں طرف رکھے ہوئے جوڑوں کے مجسمے۔ عجیب منظر پیش کرتے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی۔ یہ گوندداس کپور ہی ہو سکتا تھا۔ لیکن یہ سب آخر کیا تھا۔ کیا درگاپور کا راجہ بیجزا ہے۔ یہ کیا معمہ پن تھا۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا تھا۔

"بلاؤ اب اس وسنتی کو۔ دیکھے ہمارا ناچ۔ کہتی تھی ہم ناچ ہی نہیں سکتے۔ کیسا ناچا تھا؟"

"بہت ہی سندر۔ بہت ہی سندر صاراج۔ اور یہ وسنتی۔ اس کی تو گونڈی ہونی چاہئے۔ اپنے آپ کو بہت بڑی ناچنے والی سمجھتی ہے۔"

"گونڈی۔ ہاں ضرور ہوگی۔ ارے ہاں وسنتی کی گونڈی تو ضرور ہوگی۔"

"بلاؤں اسے صاراج؟" ایک شریر سی لڑکی نے پوچھا۔

"ضرور بلاؤ۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے؟" صاراج نے کہا اور لڑکی باہر نکل گئی۔ دوسری لڑکیاں اب بھی ہنسی مذاق کر رہی تھیں۔ میں ایک جگہ تھکا تھکا سا بیٹھ گیا۔ اب تو حیران ہونے کی ہمت بھی نہیں رہ گئی تھی۔ دنیا بھر کی حیرت سمیٹ سمیٹ میرے حصے میں ہی آ گئی تھیں۔ بتایئے اس راجہ کو کیسے برداشت کر لیتا جن کی بہادری کے گیت گائے جاتے تھے اور وہی راجہ سولہ سنگھار کئے عورتوں کے لباس میں میرے سامنے بیٹھا تھا اور لڑکیوں کے مذاق پر شرما شرما کر دوہرا ہوا جا رہا تھا۔

معاً میری نگاہیں تصاویر کے درمیان ایک تصویر پر جا ٹکیں۔ لمبی لمبی مونچھوں والا ایک شاندار جوان تھا۔ جس کے چہرے سے درحقیقت رعب ٹپکتا تھا۔ لیکن۔ میری حیرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے اس کے نقوش اس بیجزے سے ملتے ہوئے دیکھے۔

گوندداس کپور کے باپ دادا میں سے کوئی ہوگا۔ میں نے سوچا اور خاموشی سے ان سب کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لڑکی واپس آ گئی۔ اس کے عقب میں ایک گداز بدن اور حسین چہرے والی اٹھائیس تیس سال کے درمیان کی عورت تھی۔ اندر آ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑے اور جھک کر پرنام کیا۔

"آؤ۔ آؤ۔ اندر بھاگی اپسرا۔ اب کہو۔" بیجزے نے کہا۔

"اندر بھی۔ صاراج گوندداس کپور کی بھاگیہ اپسرا ہوں۔" آنے والی نے دلکش لہجے میں کہا۔

"اوہو۔ اوہو۔ کیا یہ ٹھیک کہتی ہے سندریو؟" صاراج نے دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"ہاں ہے صاراج۔ وسنتی کا ناچ تو مشہور ہے۔ سمجھ گئی ہے کہ اب گونڈی ہونے والی ہے۔" شریر لڑکیوں نے ہنستے ہوئے کہا اور آنے والی خونخوار نگاہوں سے انہیں گھورا۔

"ایں ہاں۔ گونڈی تو ہوگی۔ ضرور ہوگی۔" صاراج جلدی سے بولے۔

"مگر میرا دوش صاراج۔" وسنتی نے پوچھا۔

"ارے تو نے کہا تھا کہ کتھا کلی ہمارے بس کا روگ ہی نہیں۔ اب دیکھ لے۔ ہم نے کتھا کلی سیکھ لیا ہے۔"

"سچ صاراج؟" وسنتی خوشی سے بولی۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ جان بچانے کے لئے بکواس کر رہی ہے۔

"تو جھوٹ بول رہے ہیں؟" بیجزے صاراج بولے۔

"ارے نہیں۔ نہیں۔ مجھے تو بہت خوشی ہوئی۔" وسنتی نے کہا۔

"کچھ بھی ہو۔ گونڈی ضرور ہوگی۔"

"صاراج کو ادھیکار ہے۔ مگر ایک بات ضرور کہوں گی۔"

"کیا۔؟ کہو کہو۔" صاراج جلدی سے بولے۔

"صاراج گن داتا ہیں۔ لیکن بات فن کی ہے۔ اگر

ہو رہی ہے وسنتی؟" جھسو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"خوشی کی تیاریاں؟" وسنتی مسکراتے ہوئے بولی۔

"بوتیرا بھی دماغ خراب ہو گیا ہے؟"

"کیوں؟" وسنتی نے تعجب سے بڑی بڑی آنکھیں پھاڑ دیں۔

"وسنتی۔ مجھے میں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی۔"

"ہی مگر ہوا کیا۔ کچھ بتاتا تو سہی۔"

"بوتو مرنا چاہتی ہے؟"

"ن نہیں۔ نہیں تو۔" وسنتی کے چہرے پر خوف کے سائے لہرانے لگے۔

"پھر اس پاگل راجہ سے مقابلہ کرنے کیوں جا رہی ہے؟"

"ہی۔ مگر۔ اس سے ناچا کب جائے گا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"ہاں؟" وسنتی حیرت سے بولی۔

"بڑی بھولی۔ بڑی ہی بے وقوف ہے تو۔ اگر وہ ہار گیا تو کیا تجھے زندہ چھوڑ دے گا۔ کیا وہ نہ کہے گا کہ تو نے اس کی پہچان کیا ہے۔ کیا تیرا دماغ ٹھیک ہے جو تو اس کی باتوں میں آ گئی؟"

"ارے تو اب۔ اب کیا کروں؟" وسنتی نے سخت پریشان لہجے میں کہا۔

"ہونی ہے نری۔ اب کیا کروں کی بچی۔ بس سنگھار کر۔ صاراج کے ساتھ ناچ اور ہار جا۔ اس کی بڑائی مان لے۔" جھسو نے کہا۔

"اور پھر گونڈی؟"

"مر تو نہیں جائے گی۔ جیون جانے سے تو ٹھیک ہے۔"

"ہی بے عزتی کی بات ہے جھسو۔"

"تو پھر مرجا۔ ویسے بھی کس کی عزت ہے۔ کتنی ہیں جن کی گونڈی نہیں ہو چکی۔ اور پھر ضروری تو نہیں ہے کہ کسی قصور پہ ہی گونڈی ہو۔ صاراج کی مرضی۔"

"ہوں۔" وسنتی نے ایک طویل سانس لی "تو ٹھیک ہی کہتی ہے تو۔ تو ٹھیک ہی کہتی ہے۔"

"تیری سکھی ہوں۔ اس لئے کہہ رہی ہوں۔ ورنہ یہاں کس کا جیون سکھی ہے۔ کس کی عزت اور جان بچی ہوئی ہے۔ کیا جانے کب صاراج کے من میں کیا آ جائے۔"

"ہاں۔" وسنتی بجھ گئی تھی۔

"چل اب۔ اٹھ جا۔"

"کہاں؟"

"بلایا ہے مہاراج نے۔"

"ارے۔ ابھی سے؟" وسنتی چونک پڑی۔

"ہاں۔ ان سے صبر نہیں ہو رہا۔"

"ہائے رام۔ میری بھی مصیبت آ ہی گئی۔"

"اری چل۔ مر نہیں جائے گی۔ میری نہیں ہو چکی۔"

"اری مگر میری تو کمر ٹوٹ جائے گی اور پھر کیسے۔"

"چل چل۔ جو پتہ ہے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔" ہنسو نے کہا اور وسنتی تیار ہو گئی۔ پھر وہ دونوں باہر نکلیں۔ میں بھی پیچھے رہنے والا کہاں تھا۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا تھا۔ راستے بھر وسنتی کو سمجھاتی آئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ مہاراج کے رقص کی خوب تعریف کرے۔ تاکہ ان کا من دھل جائے۔ ورنہ نقصان اٹھائے گی۔

"ٹھیک ہے ہنسو۔ میں ایسا ہی کروں گی۔"

"کرنا پڑے گا وسنتی۔ وہی مثل ہے کہ "دوم کے سن اور منی تو ہے گام میں رہنا

اور اونٹ بلیا لے گئی' سو ہانجو ہانجو کیتو۔"

"ٹھیک ہے ہنسو۔" وسنتی آزردگی سے بولی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس بڑے ہال کے دروازے پر پہنچ گئیں' جہاں میں پہلے بھی شیروں کے شکاری' مہاراج گوندا اس کپور کی کتھا کلی دیکھ چکا تھا۔

اندر کی فضا کسی عیاش راجہ کے اندرون خانہ کی بہترین نمائندگی کر رہی تھی۔ چاروں طرف حسین لڑکیاں' نہ ہونے کے برابر لباسوں میں بھری پڑی تھیں۔ ساز بج رہے تھے' اور گوندا اس کپور' جو شاید عورتوں کے لباس میں رہنے کے شائق تھے' ایک حسین لباس میں ملبوس' سنگھاسن پر بیٹھے تھے۔ ان کے چہرے پر بدلی بھری ہوئی تھی' آنکھوں میں کٹیلا سرمہ لگا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر پان کی دھڑی جمی ہوئی تھی' دانتوں میں مسی لگی ہوئی تھی۔ عجیب۔ چمکار بھری شکل نظر آ رہی تھی۔

وسنتی کی شکل دیکھ کر ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"آؤ۔ آؤ۔ مہان کتھا کلی۔ بھگوان نے دھرتی پر ایک ہی ناچنے والی اتاری ہے اور وہ تم ہو۔ مگر آج تمہارا مان ٹوٹ جائے گا۔" اس نے چہکتے ہوئے کہا۔

وسنتی بھی مسکرانے لگی۔ حالانکہ اس کے دل میں خوف تھا' لیکن جان بچانے کے لئے بھی طریقے سے کام لینا تھا۔ مہاراج گوندا اس کپور نے اپنی ساری ماداؤں کی طرف دیکھا اور پھر بولے "کیا خیال ہے۔ شروع کیا جائے؟"

ہاں مہاراج۔ فیصلہ ہو ہی جائے۔" لڑکیاں بولیں۔

"تیار رہو وسنتی۔" مہاراج نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے وسنتی کو دیکھا اور وسنتی نے گردن جھکا دی۔ تب مہاراج نے پیروں میں گھنگھرو باندھے۔ اور بڑے ناز سے کھڑے ہو گئے۔

سازندوں نے ساز سنبھال لئے۔ وسنتی بھی کمر کس کر سامنے آئی اور پھر کتھا کلی ہال شروع ہو گئے۔ اور اس کے ساتھ ہی دونوں کا رقص۔ بے مثل۔ مہاراج گردن مٹکا رہے تھے' ان کی آنکھیں بھی مٹک رہی تھیں' نہ جانے کیا کر رہے تھے وہ۔ میری کیا کی سمجھ میں نہ آ رہا ہوگا۔ دوسری طرف وسنتی بھی ناچ رہی تھی۔

بلاشبہ وہ فنکارہ تھی۔ لیکن بہت جلد جان کا خوف اس کے ذہن پر طاری ہو گیا۔ اور وہ فن بھول گئی۔ جب کہ مہاراج اب تانگ توڑنے لگے۔ کی طرح پوری طرح اچھل رہے تھے۔ سازوں کی دھنیں تیز ہوتی گئی تھیں۔ وسنتی کی شاید ٹانگوں میں جان ہی نہیں رہ گئی تھی۔ وہ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ مہاراج اب بھی ہاتھ پاؤں پھینک رہے تھے۔ اور جب لڑکیوں نے خوشی کے نعرے لگائے۔ تب انہیں پتہ چلا کہ انہوں نے معرکہ سر کر لیا ہے۔ بالآخر وہ رک گئے۔ ان کے چہرے سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ گوندا اس اچھل کود سے بری طرح ہانپ گئے تھے۔ لیکن دانت نکلے پڑ رہے تھے۔

"ہرے۔ ہرے کیا ہوا مہان کتھا کلی؟" انہوں نے طنز کیا۔

"مجھے۔ مجھے نہیں معلوم تھا مہاراج۔ آپ۔ آپ اتنے بڑے کلاکار بن چکے ہیں۔" غریب وسنتی نے نہ جانے کس دل سے کہا' اور مہاراج ہنس پڑے۔

"تو معلوم کر لیا ہوتا۔ اب گوندی کس کی ہوں گی؟"

مہاراج ہنستے ہوئے بولے۔ دوسری لڑکیاں بھی قہقہے لگانے لگی تھیں "بس۔ وسنتی۔ تم ہار گئیں۔" مہاراج پھر بولے۔

"ہاں مہاراج۔ میں ہار گئی۔"

"گوندی۔" مہاراج دہاڑے۔ اور وسنتی کے ہونٹوں کی مصنوعی مسکراہٹ بھی سکڑ گئی۔ ان کی آنکھوں میں دہشت ابھر آئی۔ لیکن پھر وہ پر سکون ہو گئی۔

مہاراج دوبارہ سنگھاسن پر جا بیٹھے تھے اور داسیاں ان کے پیروں کے گھنگھرو کھولنے لگیں۔ مہاراج کی آنکھوں میں مسرت نظر آ رہی تھی۔ دوسری طرف وسنتی پتھر کے بت کی مانند ساکت کھڑی تھی۔

"ارے گوندی۔" مہاراج ران پر ہاتھ مار کر پیچھے

وسنتی اس مضحکہ خیز رسم سے واقف تھی۔ خود اس کے سامنے کئی لڑکیاں بے عزت ہو چکی تھیں۔ آہستہ آہستہ وہ جھکی اور ہاتھوں اور گھٹنے کے بل کھڑی ہو گئی۔

مہاراج قہقہے لگا رہے تھے۔ ان کے پیروں کے گھنگھرو کھل چکے تھے۔ پھر وہ سنگھاسن سے اترے اور وسنتی کی پشت پر جا بیٹھے۔ خاصے وزنی تھے۔ لیکن انہوں نے ہاتھ پیچھے کر کے وسنتی پر زور سے ہاتھ مارا۔ اور گھوڑے کو ہانکنے والے انداز میں زبان سے چٹاخ کرنے لگے۔ وسنتی کا چہرہ ست گیا تھا۔ لیکن بہرحال' وہ بمشکل تمام مہاراج کے بوجھ کو لے کر گھٹنوں اور ہاتھوں کے بل آگے بڑھنے لگی۔

لڑکیاں قہقہے لگا رہی تھیں۔

وسنتی آگے بڑھ رہی تھی' اس نے پورے ہال کے دو چکر لگائے مہاراج بے حد خوش تھے۔ دوسری لڑکیاں بھی قہقہے لگا رہی تھیں اور اس عجیب و غریب کھیل کو میں دیکھ رہا تھا۔ اس میں سوائے جنس کے کچھ نہ تھا لیکن ظاہر ہے لڑکیاں خوشی سے اس گدھے کے بوجھ کو اٹھانا تو پسند نہ کرتی ہوں گی۔ اور پھر بہرحال کوئی بھی اس طرح پسند نہ کرے گی۔

لیکن اس سے میرے ذہن میں کچھ اور خیالات بھی آئے تھے۔ راجہ کی فطرت کسی حد تک میری سمجھ میں آ رہی تھی۔

تیسرے چکر میں وسنتی تھک کر گر پڑی اور بے ہوش ہو گئی۔ راجہ گوندا اس کپور اس پر سے اتر آئے تھے اور پھر وہ فخریہ انداز میں بولے "ہونہہ۔ ہمارے مقابلے پر ناچے گی۔ نرتکی کہیں کی۔"

چند لڑکیاں وسنتی کو اٹھا کر لے گئیں۔ مہاراج نے اس کی پرواہ بھی نہیں کی تھی۔ اس کے بعد پھر وہی طوفان بدتمیزی ابھر آیا۔ لیکن اس تمام عرصہ میں' میں نے ایک خاص بات شدت سے محسوس کی۔ مہاراج کو ان عورتوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ان کے درمیان صرف خود کو نمایاں کرنے کی کوشش میں مصروف رہتے تھے۔

رات گزرتی رہی۔ وہاں کے مناظر کو تعجب خیز ضرور تھے لیکن دلچسپ بھی تھے۔ چنانچہ اکتاہٹ نہ طاری ہوئی۔ اور پھر شاید مہاراج تھک گئے "بس بندریو۔ اب تم جاؤ۔ ہم سوئیں گے۔" انہوں نے کہا اور لڑکیاں ایک ایک کر کے باہر نکل گئیں۔ مہاراج نے لباس بدلا اور پھر وہ سونے کے لئے ایک خوبصورت بستر کی طرف بڑھ گئے۔

اس دوران میں اپنے ذہن میں کچھ فیصلے کر چکا تھا۔

جب مہاراج بستر پر لیٹ گئے تو میں خاموشی سے نواب گاہ کے دروازے کی طرف بڑھا اور میں نے دروازہ بند کر دیا۔ مہاراج کو آہٹ نہیں سنائی دی تھی۔ بہرحال میں ان کے بستر کے نزدیک پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔

اور پھر میں نے ہی ذرا اونچی آواز بنا کر اسے پکارا "گوندا اس" اور مہاراج کی حالت میری توقع کے مطابق ہی ہوئی۔ وہ بری طرح بستر سے اچھل پڑے تھے۔

"کک۔ کون ہے۔ کون ہے۔" وہ گھگھیائی ہوئی آواز میں بولے۔ ان کی گردن چاروں طرف گھوم رہی تھی۔

"تو مجھے نہیں دیکھے گا گوندا اس۔ مگر میرے ہاتھ آسانی سے تیری گردن ناپ سکتے ہیں۔" میں نے بدستور خوفناک آواز میں کہا۔

"ارے۔ ارے مر گیا۔ ہائے دیا۔ دھنی۔ دھنی رام۔" مہاراج بھنچی بھنچی آواز میں چیخے۔

"اس سے کوئی تیری مدد کو نہیں آئے گا گوندا اس۔ ہم نے سب کے کان بند کر دیئے ہیں اور من اگر تو نے چیخنے کی کوشش کی تو ہم تیری گردن ناپ دیں گے۔" میں نے ہاتھ آگے بڑھائے اور گوندا اس کپور کی گردن پکڑ لی۔

گوندا اس کپور کا منہ بند ہو گیا۔ اس کی آنکھیں دہشت زدہ انداز میں پھیلی ہوئی تھیں۔

"پرنت۔ ہم تجھے نقصان پہنچانے نہیں آئے ہیں۔ ہم تو تیری مدد کرنا چاہتے ہیں۔"

"کک۔ کون ہو مہاراج۔ بھگوان کے لئے۔ بھگوان کے لئے میری گردن چھوڑ دو۔ ہائے میں مر جاؤں گی۔ ہائے میں مر جاؤں گا۔"

اور میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ گوندا اس کپور جلدی سے بستر پر بیٹھ گیا۔ اس کی روح قبض ہوئی جا رہی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے خلا میں گھور رہا تھا۔

"تو نے سن لیا گوندا اس۔ ہم تیری سہائتا کرنے آئے ہیں۔" میں نے نرم آواز میں کہا۔

"مگر۔ تم۔ تم کون ہو مہاراج؟"

"پاتال کے اندھیروں سے آئے ہیں۔ کوئی آنکھ ہمیں دیکھ نہیں سکتی۔"

"ہے بھگوان۔ ہے بھگوان۔ میرے پاس کیوں آئے ہو؟"

"کہہ چکے ہیں کہ تیری سہائتا کرنے۔"

"مم۔ مگر۔ مم۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔"

"بڑا بھولا ہے پٹھے۔ بڑی سیدھا ہے۔ تو کہتا ہے کہ تو

ٹھیک ہے۔ حالانکہ تو چاروں طرف سے دشمنوں میں گھر ہو چکا ہے۔ تیرے بیٹی تیری جان کے لاگو ہو رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اوئی۔ میں مر جاؤں۔ میرے بیری۔" مہاراج چلک کر بولے۔

"ہاں تیری بیرن۔ جنہوں نے تیرا یہ حال کیا ہے اور ابھی نہ جانے کیا کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہم۔ مہاراج۔ مہاراج۔ بھگوان کے لئے مجھے بچالو۔ مجھے بچاؤ مہاراج۔ میں مرنا نہیں چاہتی۔ ہم۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔" گووندا اس کپور جلدی سے بولا۔ اس کا سینہ خوف سے پھول پچک رہا تھا۔

"ہم اسی لئے آئے ہیں گووندا اس۔ کیا تو ہمارے اوپر وشواس کرے گا؟"

"ضرور کروں گا مہاراج۔ ضرور کروں گا۔"

"وچن دے۔ جو کچھ ہم تجھ سے پوچھیں گے سچ سچ بتائے گا۔"

"سچ بتاؤں گی مہاراج۔"

"ہوں۔ تو پھنتا نہ کر۔ آرام سے بیٹھ جا۔ تجھے نیند تو نہیں آ رہی؟"

"نن۔ نہیں۔"

"گووندے۔ پہلے ہم تجھے یہ بتادیں کہ تیرے بیری کیا چاہتے تھے۔"

"بتا میں مہاراج۔ مگر آپ کا شبھ نام کیا ہے؟"

"بھدرا کمنڈ۔ عرف پاتال بھیروں۔" اور گووندا اس کپور اتھوں کے سے انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پندرہ سیکنڈ خاموشی کے بعد میں نے کہا "تو گووندے۔ تیرے بیری تجھے جان سے مار کر تیری راج گدی پیچنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔"

"اوئی۔ میں مر گئی۔" گووندا اس کپور اتھل پڑا۔ مجھے اس گدھے کی حرکتوں پر ہنسی آ رہی تھی۔ لیکن بہرحال میں خود کو روکے ہوئے تھا۔

"ہاں گووندے۔ تجھے میری بات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ تو جانتا ہے تیرے بیری کون ہیں؟"

"نہیں مہاراج۔ میں کسی کو نہیں جانتی۔" گووندا اس کپور نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

"خیر۔ میں تجھے یہ بھی بتادوں گا۔ پہلے تو مجھے کچھ باتیں بتا۔"

"پوچھیں مہاراج۔"

"تو سچ کہتا ہے۔" مہاراج نے مجھ سے سوال کیا۔

"ایں؟" گووندا اس کپور اس بات پر حیران رہ گیا۔ اس کے چہرے پر کافی الجھن کے آثار نظر آ رہے تھے۔ اور پھر میں نے اس کے چہرے پر ادای دیکھی۔ پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"پہلے مردی تھا مہاراج۔ مگر اب۔۔۔ اب۔۔۔"

"کیوں۔ اب کیا ہوا؟"

"اب میں نہ مرد ہوں نہ عورت۔۔۔" اس نے گمبھیر آواز میں کہا۔

"کیا مطلب ہے؟" میں نے ہمدردی سے پوچھا اور گووندا اس کپور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"ہائے اب تو میں نہ عورت ہوں نہ مرد۔ میرا جیون نشٹ ہو گیا۔ ہائے۔" وہ بری طرح بین کرنے لگا اور میں گھبرا گیا۔ میں نے جلدی سے اس کا منہ بھینچ لیا۔ باہر بھی آواز جا سکتی تھی۔

میرے نادیدہ ہاتھوں کے لمس سے اس کی آواز رک گئی۔ بہرحال وہ خوفزدہ بھی تھا۔

"رونے دھونے سے کام نہیں چلے گا گووندا اس کپور۔ پہلے مجھے ساری باتیں بتاؤ۔"

"کیا بتاؤں مہاراج؟"

"تمہاری یہ حالت کب سے ہوئی؟"

"کے یاد نہیں ہے مہاراج۔ بس کافی دن سے۔ میرے من میں خیال اٹھتا ہے کہ میں۔ مرد نہیں ہوں۔ اور۔ اور ساری رانیاں بھی یہی کہتی ہیں۔ میرا من چاہتا ہے کہ میں عورتوں کے کپڑے پہنوں۔ عورتوں کی طرح باتیں کروں۔ عورتوں کی طرح سے رہوں۔ بس مہاراج۔ یہی حالت ہے۔ سارے کام عورتوں کی طرح کرنے کو من چاہتا ہے۔"

"ہوں۔ کیا یہ خود بخود ہو گیا گووندا اس۔"

"میں نہیں جانتی۔ جانتا مہاراج۔"

"یہ تمہارے بیروں کا کام ہے۔"

"اوئی میں مر گئی۔ ہائے میں مر گیا۔ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟"

"تنا کو جانتے ہو؟"

"تنا مہاراج۔ وہ تو بہت سیانی ہیں۔"

"تمہارا منتری ہرچرن لال بے حد چالاک انسان ہے۔ وہ اور بڑا پجاری پورن لال مل کر تم سے تمہاری راج گدی چھیننا چاہتے تھے۔ پورن لال کو تو میں نے ٹھیک کر دیا ہے۔ مگر ابھی ہرچرن لال باقی ہے۔"

"ہیں۔ اس کمینے کی یہ مجال۔ ارے اس پاپی نے میرا برا چاہا ہے۔" گووندا اس کپور پھر رونے کی کوشش کرنے لگا اور میں نے جلدی سے اس کا منہ بھینچ لیا۔

"رونے دھونے کی ضرورت نہیں ہے مہاراج۔ کوئی اپائے کریں۔ یہ لوگ آپ سے راجہ حالی چھین لیں گے۔"

"آئے میں کیا کروں۔ میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔ ہائے رام۔ ہائے رام۔" گووندا اس کپور عورتوں ہی کی طرح کراہنے لگا۔

"میں کہہ چکا ہوں چنتا نہ کرو مہاراج۔ سوچ سمجھ کر سارے کام کرتا ہوں۔ بس تم یوں کرو۔ جیسا میں کہوں کرتے جاؤ۔ بولو اس کے لئے تیار ہو؟"

"تیار ہوں۔۔۔ بھگوان کی سوگند بالکل تیار ہوں۔"

"ہوں۔" میں نے بھاری آواز میں کہا۔ ویسے میں سوچ رہا تھا کہ یہ دلچسپ صورتحال کیا رخ اختیار کرتی ہے۔ کھودا پہاڑ نکلا چوہا والی مثال تھی۔ مہاراج بہادر کی بہادری کی جتنی داستانیں سنی تھیں سب کی سب ہوا ہو کر رہ گئی تھیں۔ یہ تو چیز ہی عجیب تھے۔ لیکن آخر قصہ کیا تھا۔ کیا مہاراج بہادر پیشہ سے ایسے تھے؟ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں سوال کر ڈالا۔

"آپ کی یہ حالت کب سے ہے مہاراج؟"

"مجھے ٹھیک یاد نہیں ہے۔ مگر اس وقت سے میں نے دربار چھوڑ دیا ہے۔"

"ہوں۔ کیا آپ کو ہرچرن لال پر پورا اعتبار ہے؟"

"پہلے تھا۔ اب نہیں ہے۔"

"ہرچرن لال اور پورن لال آپ کے لئے عورتیں لاتے تھے؟""ہاں۔ عام طور سے بیچھو لڑکیاں۔ بڑی کمسن ہوتی تھیں۔ اب تو بہت عرصے سے کسی بیچھو لڑکی کو نہیں دیکھا۔ مگر ان کی زبان بڑی کالی ہوتی ہے۔" مہاراج بدستور چلک چلک کر بولے۔

"کیا مطلب؟"

"پورن لال کہیں سے ایک بیچھو لڑکی کو پکڑ لایا تھا۔ بڑی چنڈال تھی۔ بڑی کوشش کی میں نے۔ مگر ہاتھ نہ رکھنے دیا اس نے۔ آخر میں کھڑکی سے کود کر جان دے دی کمبخت نے تو اس قاتل ہی نہ رہے کہ کسی لڑکی کو پریشان کرے۔ بس اسی دن سے۔۔۔"

"اوہ۔" میں نے ہونٹ بھینچ لئے۔ یہ تو تیرے ساتھ بہتر ہی ہوا تھا۔ میں نے دل میں سوچا۔ لیکن بہرحال مجھے اس سے کام لینا تھا اور اس وقت ایک عمدہ چیز ہاتھ آئی تھی۔ خود کو پرسکون کرنے کے بعد میں نے اس سے کہا "ہاں۔ ویسے تمہاری تو بہت سی داسیاں ہیں؟"

"ہوں گی۔ مجھے اب ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"خواہ وہ دوسروں کو تکلیف پہنچائیں۔"

"نرکھ میں جائیں نرکھنیں۔ مجھے کیا۔" مہاراج انگلیاں چٹخاتے ہوئے بولے۔

"ان لڑکیوں کے ساتھ آپ کیا کرتے ہیں مہاراج۔ جنہیں آپ نے اپنے گرد جمع کر رکھا ہے؟" میں نے پوچھا اور مہاراج سوچ میں ڈوب گئے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ پھر وہ ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس ان کے ساتھ رہ کر مجھے شانتی ملتی ہے۔ میں سوچتی ہوں۔ ہائے سوچتا ہوں۔ بس نہ جانے کیا سوچتا ہوں۔" مہاراج گووندا اس کپور الجھے ہوئے انداز میں بولے۔

میں پرخیال انداز میں اس مجوبے کو دیکھتا رہا۔ بہت سی باتیں ذہن میں آ رہی تھیں۔ لیکن بہت سے سوالات تشنہ تھے۔ تب اچانک وہ بول پڑا "مگر آپ کی کوئی شکل تو ہوگی مہاراج؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" میں نے بے خیالی میں جواب دیا۔

"بھگوان کے لئے مجھے دکھا دو۔ پاتال کے اوتار۔ میری سہائتا کرو۔" گووندا اس کپور نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ اور میں نے کسی خیال کے تحت پوشیدہ رہنے کا پروگرام بدل دیا۔ چنانچہ میں نے خاموشی سے دوشالہ اتار دیا اور اس پر ظاہر ہو گیا۔

گووندا اس کپور نے میری شکل دیکھی اور دیکھتا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں جیسے پتھرا گئی تھیں۔ اور پھر اس کی آنکھوں میں نمی ابھر آئی "ہائے۔ یہ کیا ہو گیا۔ مہاراج۔ یہ کیا ہو گیا؟"

"کیا ہوا گووندے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پریم۔ بھگوان کی سوگند۔ پریم۔ مجھے تم سے پریم ہو گیا ہے مہاراج۔ ہائے میں مر جاؤں کیسے سندر ہو۔ بالکل دیوتاؤں کی طرح۔" گووندا اس کپور ایک ادا سے بولا۔

"لاحول ولا قوۃ۔" میں نے جھلا کر کہا۔ لیکن بہرحال دل ہی دل میں میں متحیر ضرور تھا۔ کیا درحقیقت اس کی جنس بدل گئی ہے؟ یا پھر۔ ہرچرن لال اور پورن لال نے مل کر اس کا دماغ ہوا کر دیا ہے۔

"آپ تو۔ اب تو تمہارے بنا جیون بتانا مشکل ہوگا مہاراج۔" گووندا اس کپور اٹھ کر میرے پاس پہنچ گیا۔

"ہوش میں آؤ گووندے۔ سادھو سنتوں سے مذاق اچھا

نہیں ہوتا۔"

"بھگوان کی سوگند۔ میرے پریم کو مذاق نہ سمجھو۔ میں رو رو کر مرجاؤں گی۔" گووند اس کپور نے کسی برہا کی ماری کے سے انداز میں کہا۔

"اگر تم خاموش نہ بیٹھے تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔" میں نے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"ہائے۔ میں تمہیں جانے نہ دوں گی مہاراج۔ مجھے تم سے پریم ہوگیا ہے۔" گووند اس کپور نے لپک کر میرا بازو پکڑ لیا اور پھر وہ میرے بازو سے لپٹ کر بلک بلک کر رونے لگا۔

طبیعت پر جھلاہٹ بھی طاری تھی اور ہنسی بھی آرہی تھی۔ لعنت ہے اس الو کے پٹھے پر۔ خواہ مخواہ بور کررہا ہے۔ لیکن بہرحال اس بکواس سے نپٹنا ہی تھا۔

میں بس کھڑا اس کے خاموش ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر کے بعد اس کی سسکیاں رکیں اور وہ ناک سے شوں شوں کرنے لگا۔ بڑی مضحکہ خیز شکل ہوگئی تھی اس کی۔

"گووند اس کپور۔ میں چاہتا ہوں تم خود کو بدلو۔ اپنے دوستوں اور دشمنوں میں تمیز کرو۔ میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"ہاں۔ میں تو اب کچھ نہیں کرسکتی۔" گووند اس کپور نے کہا۔

"تمہیں کرنا ہوگا گووند اس کپور۔ ابھی عوام کو تمہاری اس کیفیت کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے۔ تمہیں ایک آدھ بار منظرِ عام پر ضرور آنا پڑے گا۔"

"تم کہتے ہو تو آجاؤں گی۔" گووند اس کپور نے شرماتے ہوئے کہا اور بہرحال میں نے اس کڑوی گولی کو بھی نگلنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ میں نے اس کا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

"تم سچ مچ مجھ سے پریم کرتے ہو گووند اس کپور؟"

"ہاں۔ بھگوان کی سوگند۔ میں تو تمہارے پریم میں دیوانی ہورہی ہوں۔"

"تو پھر۔" میں نے صبر کرتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کے خلاف نہ ہو۔ ورنہ میں تم سے ناراض ہوجاؤں گا اور دورگاپور چھوڑ دوں گا۔"

"ہائے میں مرجاؤں۔ ایسا نہ کرنا ناتھ۔ میں بے موت مرجاؤں گی۔ اب تو تمہارے بنا ایک ایک پل بیتا کل گزرے گا۔ ایسا نہ کرنا مہاراج۔" اس نے مجھ سے چپٹنے کی کوشش کی اور میں چالاکی سے پیچھے ہٹ گیا۔

"تم جس طرح سے گزار رہے ہو۔ اسی طرح گزارتے رہو۔ میں تم سے وقتاً فوقتاً ملتا رہوں گا۔ جو کچھ تم سے کہوں وہی کرتے رہنا تاکہ میں تمہارے دشمنوں کا صفایا کردوں۔

پوچھا۔ "اس کے بعد کیا؟" گووند اس کپور نے اشتیاق سے

"اس کے بعد میں تم سے پریم کروں گا۔" میں نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا اور گووند اس کپور کی آنکھوں میں خمار امڈ آیا۔

میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیل دیا اور پھر جلدی سے دوشالہ اوڑھ لیا اور اس کی نظروں سے غائب ہوگیا۔

گووند اس کپور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے۔ "چلے گئے۔ ہائے چلے گئے۔ موہے چھوڑ گئے سانوریا۔" وہ درد بھرے لہجے میں بولا اور میرا دل چاہا کہ جوتا اتار کر اس کے سر پر اتنے ماروں کہ شکل بدل جائے۔ سانوریا کا بچہ۔ لاحول ولا قوۃ۔

میں باہر نکل آیا۔ بے تحاشا ہنسی بھی آرہی تھی اور حیران بھی تھا یہ بے وقوف کا مہاراج۔ یہ ہے شیروں کا شیر گووند اس کپور۔ ممکن ہے کسی زمانے میں پتہ ہو۔ سازشیوں کے چکر میں پھنس کر۔ لیکن خود گووند اس کپور نے بھی تو ایک مسلمان لڑکی کی بددعا کے بارے میں بتایا تھا۔

بہرحال۔ کچھ بھی ہو۔ مجھے بہت سے کام کرنے تھے۔ طالوت کے بارے میں اب میرا دل سخت ہوتا جارہا تھا۔ اس نے تیسری بار یہ حرکت کی تھی۔ حالانکہ اسے علم تھا کہ اس کے بغیر میں مصیبت میں پھنس جاتا ہوں۔ لیکن بہرحال۔ اس بار میں پھنسنے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس کی فکر چھوڑ کر دیکھوں گا۔ کیا کرسکتا ہوں۔

ہاں دل میں ہوک اٹھتی تھی تو صرف اتنی سی کہ وہ تنکا کے پیچھے گیا تھا۔ اور تنکا بہرحال ایک خبیث روح ہے۔ کہیں طالوت اس بوڑھے سانپ سے دھوکا نہ کھا جائے۔ گو اس کے امکانات کم ہی تھے۔ نہ بھی ہوتے تو میں کیا بگاڑ سکتا تھا۔ دفعتاً میرے ذہن میں راسم کا خیال آیا اور میں چونک پڑا۔ کیوں نہ راسم سے ملاقات کی جائے۔ اگر وہ مل جائے تو طالوت کے بارے میں کچھ معلوم ہوسکتا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک جگہ رک کر اسے آواز دی "راسم۔" لیکن پھر خود ہی شرمندہ ہونا پڑا۔ اب راسم میرا غلام تو تھا نہیں جو میری آواز پر بھی حاضر ہوجاتا۔ میں مایوس ہوگیا۔

رات میں نے یونہی ایک معمولی سی جگہ گزاری۔ دیومتی کے کمرے میں جانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی۔ کیا فائدہ۔ اس کے سر پر مسلط ہونے سے۔ ویسے کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اگر مجھے دیومتی کے کمرے میں دیکھ بھی لیا جاتا تو

چوپٹ دھ ہوں ہی ہیں ہے۔ سب سمارن ہی سمد ہی ہمت بن چکے تھے تو پھر پوچھنے والا کون ہوتا۔

بہرحال رات کو دیر تک میں آسمان کو گھورتے ہوئے آئندہ کا پروگرام بناتا رہا۔ گووند اس کپور ایک لحاظ سے میرے لئے عمدہ چیز تھا۔ اگر میں اس سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکا تو لطف آجائے گا۔ کافی رات گئے میں سو سکا تھا۔ دوسرے دن اٹھ کر دیومتی کے پاس چل پڑا۔ ناشتے کی ضرورت تو بہرحال تھی۔

دیومتی مجھے دیکھ کر خوش ہوگئی۔ "رات کہاں رہ گئے تھے بھیا جی مہاراج۔" اس نے محبت سے کہا۔

"بس دیومتی یونہی آوارہ گردی کو نکل گیا تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"کہاں۔ کہاں؟"

"خاص طور سے مادھوپور۔"

"اوہ مسلمانوں سے ملنے؟"

"ہاں۔ یونہی سمجھ لو۔"

"سنا ہے بڑی خراب حالت ہے بے چاروں کی؟" دیومتی نے ہمدردی سے پوچھا۔

"ہاں دیومتی۔ جانوروں کی سی زندگی گزار رہے ہیں۔ تم بتاؤ دیومتی کیا مذہب کا فرق اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انسانوں کی زندگی کو جہنم بنادو۔"

"ہرگز نہیں بھیا۔ سارے انسان ایک جیسے ہیں۔ سب بھگوان کو مانتے ہیں۔ صرف بھگوان کی شکلیں مختلف سمجھنے کی وجہ سے اتنی بڑی دشمنی تو اچھی نہیں ہوتی۔" دیومتی نے کہا۔

"ٹھیک کہتی ہو دیومتی۔ وہ بے چارے بہت سخت زندگی گزار رہے ہیں۔"

"کاش۔ ان کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوتا۔ میں تم سے شرمندہ ہوں۔"

"دیومتی۔ اگر مہاراج ٹھیک ہوتے اور تم اس ریاست کی اکیلی رانی ہوتیں، بااختیار ہوتیں تو تم ان مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کرتیں؟"

انہیں برابر کا درجہ دیتی۔ انہیں ان کے مذہب کی پوری پوری آزادی دیتی۔ دیومتی نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

"لوگوں کے کہنے سننے سے تم تعصب کا شکار نہ ہوتیں؟"

"ہرگز نہیں۔"

"اچھا۔ اگر اب ایسا ہوجائے؟"

میں اس کے رخصت ہونے والی ساری نا انصافیوں کی تلافی کردوں گی۔" دیومتی نے کہا اور پھر پھیکے انداز میں مسکرادی "تمہارا کیا کہنا ہے بھیا۔"

"ایسے ہی کہہ دو۔ مجھے ان کی حالت دیکھ کر بہت رنج ہوا تھا۔ ویسے دیومتی۔ میں اب یہاں سے جارہا ہوں۔"

"کہاں بھیا؟"

"جوالاپور۔"

"جوالاپور۔ کیوں؟"

"کچھ کام کرنے ہیں۔"

"کیا بھیا؟"

"یہ ابھی نہ بتا سکوں گا۔"

"کیا کام کرو گے بھیا۔ مجھ ابھاگن کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟"

"ابھی نہیں کسی کے لئے کچھ نہیں کررہا دیومتی۔" میں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"وہاں۔ میرے ہاتھ ملو گے؟" دیومتی نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ضرور ملوں گا۔"

"میرے بارے میں کچھ مت بتانا بھیا۔ میری طرف سے کہہ دینا میں بہت خوش ہوں۔ ہوا وہ تو ہوا۔ اب انہیں دکھی کرنے سے کیا فائدہ؟"

"تم بے فکر رہو دیومتی؟"

"کب جارہے ہو۔" دیومتی کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔

"شاید آج ہی چلا جاؤں۔"

"ہوں۔" دیومتی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"ست پرکاش کو بھی تلاش کروں گا۔" میں نے کہا اور دیومتی کی آنکھیں ڈبڈبائیں۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اور پھر منہ پھیر کر بولی۔

"اس سے مل کر کیا کرو گے بھیا۔"

"جو پوچھوں گا وہ میرا کام ہوگا۔ تم بس تو شاد رہتی رہو۔" میں نے کہا اور دیومتی عجیب سی نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے پھر چونک کر بولی۔ "تم نے صبح کا بھوجن تو نہیں کیا ہوگا؟"

"بالکل نہیں۔"

"میں بناتی ہوں۔" وہ اٹھ گئی۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں ناشتہ کررہے تھے۔ دیومتی اب مجھ سے کافی بے تکلف ہوگئی تھی۔ ہم نے خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا۔ اس دوران

دونوں خاموش رہے تھے۔ پھر ناشتہ ختم ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک میں دیومتی کے پاس رہا۔ اور پھر میں نے اس سے اجازت مانگی۔ "اب میں چلتا ہوں دیومتی۔ ممکن ہے کافی دنوں تک تم سے ملاقات نہ ہو سکے۔ بہرحال میرا انتظار کرنا۔ میں آؤں گا ضرور۔"

"بھگوان تمہیں سکھی رکھے۔ بھگوان تمہیں ہر بلا سے بچائے۔" دیومتی کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ میں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ اور پھر اس کے کمرے سے باہر نکل آیا۔ اب میرے ذہن کی نئی گرہیں کھل رہی تھیں۔ کارکردگی کا یہ جذبہ بھی ایک قسم کی جھنجھلاہٹ کا نتیجہ تھا۔ بہرحال، یہاں میری شخصیت بہت مضبوط تھی۔ اس سے قبل تو میں ایک مفرور ملزم تھا اور پولیس سے چھپا چھپا پھر رہا تھا۔ وہاں بھی میں نے زندگی بچانے کے لئے سخت جدوجہد کی تھی، وہ تو طالوت کے ساتھ رہ کر عادات بگڑ گئی تھیں۔ ورنہ عارف بذات خود بھی تو کچھ تھا۔

سو اب مجھے پھر اسی عارف کو آواز دینا تھی۔

محل سے باہر دوشالہ اوڑھ کر ہی نکلا۔ طالوت کی یہ سوغات میرے لئے بے حد قیمتی تھی۔ اس دوشالے کے سہارے سے بھی میں بہت بڑے اقدامات کر سکتا تھا۔

بہرحال میں چلتا رہا۔ جوالاپور جانے کے لئے سواری کے بارے میں معلومات کرنا تھیں۔ اس کے علاوہ مجھے مقامی سکوں کی بھی ضرورت تھی۔ اب طالوت تو تھا نہیں کہ ہر کام خود بخود ہوتا رہے۔ خود ہی سب کچھ کرنا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں نے کرنسی کی ضرورت پوری کرنے کے بارے میں سوچا۔ اور اس کے لئے کسی مقامی شخص ہی کو تلاش کرنا تھا۔

بازار سے گزرتے ہوئے میں نے ایک جوہری کی دوکان تاڑی۔ موٹی توند والے لالہ جی گدی پر بیٹھے ہوئے نوٹ گن رہے تھے۔ ان کا نچلا ہونٹ لٹکا ہوا تھا۔ بہرحال یہ پیشکش میرے لئے ہی تھی۔ میں ان کی طرف بڑھ گیا۔ لالہ جی مجھے کیا دیکھ سکتے تھے۔ چنانچہ میں نے اطمینان سے ان کے سامنے رکھی ہوئی نوٹوں کی دو گڈیاں اٹھائیں۔ اور لالہ جی اچھل پڑے۔

"ہے ہے۔ ہے ہے۔ ارے۔ بھیتو۔ ہے ہے۔" وہ گڈیوں کی طرف لپکے۔ بہرحال انہیں گڈیاں تو نظر آ ہی گئی تھیں۔ میں جلدی سے پیچھے ہٹ گیا اور لالہ جی سامنے رکھے ہوئے ڈیسک پر ڈھیر ہو گئے۔

"ہرے۔ ہرے۔ گھنو۔ گھنو۔" وہ اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے چلائے۔ لیکن دھوتی پاؤں میں الجھ گئی اور وہ پھر ڈھیر ہو گئے۔

"ہے لالہ جی؟" ایک دبلے پتلے ملازم نے قریب آ کر کہا۔

"ہے پکڑ۔ جلدی پکڑ۔ از گئیں۔ ہے رام۔ از گئیں۔ ہے پکڑ۔" لالہ جی پھر چلائے اور ملازم نے جلدی سے لالہ جی کو پکڑ لیا۔ "ہے پکڑ بھاگ کر پکڑ رے۔ ہائے۔ ہائے مر گیو۔"

ملازم حیران و پریشان لالہ جی کو پکڑنے کی کوشش کرتا رہا۔ گڈیوں کی طرف اس کی نگاہ بھی نہیں گئی تھی۔ بہرحال رش جمع ہونے سے پہلے میں دوکان سے باہر نکل آیا۔ گڈیوں میں نے اپنے لباس میں پوشیدہ کر لی تھیں۔

پھر میں دوکان سے دور ہو گیا۔ لالہ جی کے واویلا کی آوازیں دور تک آ رہی تھیں۔ اور میری توقع کے مطابق وہاں مجمع لگ رہا تھا۔ مجھے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ کافی دور جا کر میں نے سر سے دوشالہ اتار دیا۔ حلیہ بدستور سادھوؤں کا تھا۔ اس لئے پرواہ کی کوئی بات ہی نہیں تھی۔ میں اطمینان سے آگے بڑھتا رہا۔ ایک سنسان سی جگہ جا کر میں نے نوٹوں کی ایک گڈی کھولی اور کچھ نوٹ نکال کر پھر گڈیاں چھپا لیں۔ اس کے بعد میں نے بازار سے ایک کمبل، ایک گٹھڑی اور ایک موٹا بید خریدا۔ اور میں اپنے کام سے فارغ تھا۔ میں نے ایک نوجوان ہندو کو روک کر پوچھا۔

"جوالاپور کے لئے کیا سواری ملتی ہے بچہ۔"

"لاری مہاراج۔"

"کہاں سے ملتی ہے؟"

"ٹیکے میں بیٹھ کر اڈے پر چلے جائیے۔ وہاں مل جائے گی۔" نوجوان نے جواب دیا۔ غرض میں جوالاپور جانے والی لاری میں بیٹھ گیا اور لاری چل پڑی۔

بہت سے دوسرے مسافر بھی تھے ان میں سے کسی کے مسلمان ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یہاں کے ہندوؤں نے مسلمانوں کو انسانی حقوق دینے سے ہی انکار کر دیا تھا۔ میری بہت عزت کی جا رہی تھی لیکن میں خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ رہ رہ کر ذہن میں طالوت کا خیال آ جاتا تھا۔

اس کے بارے میں بس ایک ہی تشویش تھی۔ نہ جانے تنکا کے ساتھ اس کی جنگ کا کیا نتیجہ نکلا۔ باقی رہا اس کا میرے پاس آنے کا سوال تو یہ تو اس کی مرضی تھی۔ میں جانتا تھا اسے مجھے تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ میں کہیں بھی ہوں گا وہ مجھے ڈھونڈ لے گا۔

بہرحال۔ اب تو اس کے بارے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں جوالاپور کے پروگرام کے بارے

میں سوچنے لگا۔ میں آئندہ کا لائحہ عمل بنانے لگا اور وقت گزرتا رہا۔

جوالاپور کا سفر طویل نہیں تھا۔ یہ ریاست بھی چھوٹی سی تھی۔ چنانچہ ایک گھنٹے کے بعد لاری جوالاپور پہنچ گئی۔ درگاپور کی بہ نسبت یہ جگہ بہت چھوٹی تھی۔ معمولی سے مکانات تھے۔ چھوٹے چھوٹے دو تین بازار تھے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ میں بھی اڈے پر اتر گیا۔ تب میرے ساتھ لاری میں سفر کرنے والا ایک ہندو میری طرف بڑھا۔

"ہے رام جی کی مہاراج۔" اس نے کہا اور میں نے اس کی جانب دیکھا۔ "میں بھی آپ کے ساتھ ہی درگاپور سے لاری میں سوار ہوا تھا۔"

"ہوں۔ کیا بات ہے بچہ؟" میں نے پوچھا۔

"یہاں آپ کا استھان کہاں ہوگا؟"

"سادھو کا استھان کہیں نہیں ہوتا بچہ۔ کیا یہاں کوئی دھرم شالہ نہیں ہے؟"

"ہے مہاراج۔ پرنت دھرم شالہ میں ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے۔ داس کا گھر موجود ہے۔"

"نہ نہ۔ ہم کسی کو کشٹ دینا پسند نہیں کرتے بچہ؟"

"آپ کی سیوا کرنے میں کشٹ نہیں ہوگا مہاراج۔ میں بھی برہمن ہوں۔ رام نرائن نام ہے میرا۔ اگر آپ میرے ہاں پدھاریں تو میرے بڑے بھاگ۔"

میں نے ایک لمحے کے لئے سوچا۔ یہاں مجھے کام کرنا تھا۔ بہرحال یہ جگہ میرے لئے اجنبی تھی۔ چنانچہ اگر تھوڑی دیر یہاں رک کر رام نرائن سے معلومات ہی حاصل کی جائیں تو کیا حرج ہے۔

"جیسی تیری مرضی بالک۔" میں نے اس بوڑھے سے کہا اور وہ خوش ہو گیا۔ اس کا مکان گو بستی کے دوسرے مکانوں کی طرح سیدھا سادا تھا لیکن کافی وسیع تھا۔ ڈیوڑھی میں میرے ساتھ کھڑا برہمن نے میرے ساتھ کھایا۔

"بڑی کرپا ہے مہاراج کی۔ آپ کے مکھ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ مہان ہیں۔" رام نرائن نے کہا۔

"کیا کام کرتے ہو رام نرائن؟" میں نے پوچھا۔

"پرکھے کا کاروبار تھا مہاراج۔ اب تو سب کچھ تباہ ہو کر رہ گیا۔" رام نرائن نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"بس مہاراج۔ بھگوان کی لیلا ہے۔ میرے تین بچے ہیں۔ دو بیٹیاں اور ایک بیٹا۔ بیٹا باپ کی ٹکر کی بڑی ہوتا ہے۔ جب یہ ہڈی ٹوٹ جائے تو۔ انسان سیدھا کیسے رہ سکتا ہے۔"

"تو کیا۔" میں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"نہیں مہاراج۔ نہیں۔ بھگوان اس کے جیون کی رکھشا کرے، بس من کو روگ لگا بیٹھا ہے پاپی۔ پڑھا لکھا ہے۔ دماغ والا ہے۔ مگر من کے روگ نے اسے کہیں کا نہ رکھا۔"

"مہاراج۔ اس کا جیون کالا ہو گیا ہے۔ دوش اس کا بھی نہیں ہے۔ کسی کے من کا میت مچھن جائے، کسی کے بچپن کا پریم لٹ جائے تو اس کی حالت خراب ہونی ہی چاہئے۔"

اور میرے کان کھڑے ہو گئے۔

"کیا نام ہے تیرے بالک کا؟"

"ست پرکاش مہاراج۔"

"اوہ۔" میں گہری سانس لے کر رہ گیا۔ حیرت بھی تھی اور خوشی بھی ہوئی تھی۔ تو یہ ست پرکاش کا مکان تھا۔ کتنی آسانی سے میں یہاں تک پہنچ گیا تھا۔ میں گردن جھکا کر سوچ میں ڈوب گیا۔ رام نرائن بھی خاموش تھا۔ پھر کئی منٹ کے بعد اس نے کہا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے مہاراج؟"

"ست پرکاش کے بھاگ پر غور کر رہے ہیں رام نرائن۔ نرودیا نے من بھی لگایا تو ایسی جگہ۔ جہاں پہلے ہی سانپ بیٹھے ہوئے تھے۔" میں نے کہا۔

"تم کیا جانو۔ تم تو۔ تم تو باہر سے آئے ہو۔" رام نرائن چونک کر بولا۔

"سنسار کی بہت سی باتیں ہمیں معلوم ہوتی ہیں رام نرائن۔ اس جھگڑے میں مت پڑو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"نہیں مہاراج۔ بھگوان کے لئے مجھے بتائیں۔" رام نرائن پیچھے پڑ گیا۔

"کیا بتائیں رام نرائن۔"

"یہی کہ۔ یہی کہ۔" رام نرائن ہچکچایا۔

"سیدھی بات کرو رام نرائن۔ ہمارے گیان کا امتحان چاہتے ہو۔ تو سنو۔ تم دیومتی کی بات کر رہے ہو نا۔ جس سے تمہارا بیٹا پریم کرتا تھا اور جسے گووند اس کو بیاہ لے گیا۔"

میرے الفاظ نے رام نرائن پر سکتہ طاری کر دیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے میری شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اٹھ کر میرے دونوں پاؤں پکڑ لئے۔

"بعض دفعہ۔ انسان کے روپ میں اوتار بھی مل جاتے

ہیں مہاراج۔ مجھ ابھاگی کے بھاگ میں ایسے اوتار کہاں تھے۔ پربھ بھگوان کے گھر سے مایوسی نہیں ہوتی۔ میرا من کہہ رہا ہے میرے بھاگ جاگنے والے ہیں۔ میرے بھاگ جگا دو مہاراج۔ میرے بھاگ جگا دو۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اس پر اولاد پڑ گئی ہے مہاراج۔ وہ دنیا کو بھول گیا ہے۔ میں آدھا مر گیا ہوں مہاراج۔ میرے بھاگ جگا دو۔" رام نرائن میرے پاؤں جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر رونے لگا۔

تب میں نے اس کے دونوں شانے پکڑ کر اسے اٹھایا۔ "اٹھو رام نرائن۔ یہ بھگتی بھگوان نے اپنے ہاتھ میں رکھی ہے۔ میں کوشش کروں گا تمہارے بھگوان نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اٹھو۔ اٹھ جاؤ۔"

اور رام نرائن روتا ہوا اٹھ گیا۔

"میں وعدہ کرتا ہوں رام نرائن۔ ست پرکاش ٹھیک ہو جائے گا وہ ہے کہاں؟"

"شاید گھر ہی میں ہو۔ بس من موجی ہے۔ کبھی ہفتوں گھر میں نہیں گھستا۔ کبھی مہینوں گھر سے نہیں اٹھتا۔ من چاہا کھا لیا ورنہ بھوکا رہا۔ نہ کسی سے بات کرتا ہے نہ ہنستا ہے۔" رام نرائن نے بتایا۔

"میں اس سے ملوں گا رام نرائن جی۔"

"کہا ہے مہاراج۔" رام نرائن ہاتھ ملتا ہوا بولا۔

"ایک بات اور بتاؤ رام نرائن۔"

"جی مہاراج؟"

"دیوی متی کا باپ بدری پرشاد کہاں رہتا ہے؟"

"راجہ گھاٹ میں۔"

"کتنی دور ہے؟"

"زیادہ دور نہیں ہے مہاراج۔ کیا آپ اس سے ملیں گے؟"

"ہاں۔ اس سے بھی ملیں گے۔ لیکن اس سے پہلے ہمیں ست پرکاش سے ملاقات کرنی ہے۔ معلوم کرو وہ کہاں ہے؟"

"ابھی معلوم کرتا ہوں مہاراج۔" رام نرائن خوشی خوشی گھر کے اندر چلا گیا۔ میں اس دلچسپ انسان پر غور کر رہا تھا۔ چلو اچھا ہوا یہاں داخل ہوتے ہی اس سے ملاقات ہو گئی۔ ورنہ اسے تلاش کرنا پڑتا۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد رام نرائن منہ لٹکائے واپس آیا۔ "ست پرکاش تو ہے نہیں مہاراج۔" اس نے اداسی سے کہا۔

"پتہ بھی نہیں چل سکا کہ وہ کہاں ہے؟"

"سچ سے کیا ہوا ہے۔ پربھ میں اسے تلاش کروں گا۔ مجھے معلوم ہے وہ کہاں کہاں جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم اسے تلاش کرو۔" میں نے کہا۔

"آپ آرام کریں مہاراج۔"

"نہیں۔ جب تک میں بدری پرشاد سے مل لیتا ہوں۔ تم اسے تلاش کر کے گھر لے آؤ۔"

"جو آگیا۔" رام نرائن نے کہا اور میں اس کے ساتھ ہی باہر نکل آیا۔

"تم مجھے دور سے بدری پرشاد کا مکان بتاتے جانا۔"

"بہت اچھا مہاراج۔" رام نرائن نے سعادت مندی سے کہا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ دور سے بدری پرشاد کا مکان دکھا کر وہ چلا گیا۔ میں مکان کی طرف بڑھ گیا۔ پیتل کی کیلوں میں جڑے چوبی دروازے پر میں نے دستک دی اور تھوڑی دیر کے بعد دروازہ کھل گیا۔ بھاری بدن کی ایک خوبصورت اور عمر رسیدہ عورت نے دروازہ کھولا تھا۔ اس کا چہرہ دیوی متی کے چہرے سے ملتا جلتا تھا۔

میں نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ اور عورت نے بھی مجھے دیکھ کر پرنام کیا "آپ بدری پرشاد موجود ہیں دیوی؟"

"ہاں مہاراج۔ اندر آجایئے۔" عورت دروازے سے ہٹ گئی۔ چونکہ میں سادھو کے روپ میں تھا اس لئے سب ہی میری عزت کر رہے تھے۔ میں اندر چلا گیا۔ عورت نے مجھے ایک بینچ میں بٹھا دیا۔

"آپ شاید بدری پرشاد کی استری ہیں دیوی؟"

"ہاں مہاراج۔ میں انہیں کو بلاتی ہوں۔" وہ اندر چلی گئی اور چند منٹ کے بعد ایک پروقار بوڑھے کے ساتھ واپس آئی۔ بوڑھے نے بھی مجھے پرنام کیا اور میں کھڑا ہو گیا۔

"پدھاریئے مہاراج۔ پدھاریئے۔ بھاگوان ہوں کہ آپ آئے۔ بتایئے کیا سیوا کروں۔ ارے پشپا متی۔ کچھ جل پانی۔"

"رہنے دیں لالہ جی۔ ورگاپور سے آیا ہوں۔"

"اوہ۔ اچھا۔" میاں بیوی کے چہرے پر محبت پھیل گئی۔

کیسا انوکھا پیار تھا۔ ماتا کی کیسی حسین شکل تھی۔ اس جگہ کے نام سے بھی محبت تھی جہاں بیٹی بیاہی گئی تھی۔

"اور آپ کی دیوی متی کے پاس ہے۔"

"اچھا۔"

"اچھا۔" دونوں آوازوں میں اضطراب تھا۔

"ہاں۔ میں نے اسے بہن اور اس نے مجھے بھائی بنایا ہے۔"

"بڑی کرپا مہاراج۔ وہ کیسی ہے؟" عورت نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک۔ آپ کو نمسکار کہا ہے۔"

"بھگوان سکھی رکھے اس کو۔ بھگوان سدا سہاگن رکھے اس کو۔" بدری پرشاد نے کہا۔ لیکن اس کی آواز میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی تھی۔

میں بغور ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ پشپا دیوی کی آنکھوں میں اضطراب نظر آرہا تھا۔ عورت تھیں۔ ضبط نہ کر سکیں۔ پوچھ بیٹھیں "وہ وہاں خوش تو ہے۔ اسے کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ کوئی تکلیف نہیں ہے۔"

"بھگوان کی کرپا ہے۔"

"اس کے خوش نہ ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" میں نے ایک نہلتا ہوا سوال کیا۔

"کوئی نہیں۔ بس ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔" بدری پرشاد جلدی سے بولے۔

"کیا آپ خوش نہیں ہیں کہ وہ ورگاپور کی رانی ہے؟"

میرے اس سوال پر دونوں کی گردنیں جھک گئیں۔ پھر بدری پرشاد ہی نے کہا "ہماری خوشی اسی میں ہے کہ وہ خوش ہے۔ جو کچھ اس کے بھاگ میں لکھا تھا وہی ہوا۔"

"آپ نے بڑی اچھی جگہ بیاہا ہے۔" میں نے کہا۔

"ہم نے نہیں مہاراج۔ اس کے بھاگ نے۔ ورنہ ہم ایسی اونچی اڑان نہیں رکھتے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی۔ بہرحال یہ بھی دکھی لوگ تھے۔ ان پر طنز کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس لئے میں نے اس موضوع پر کوئی مزید بات چیت نہیں کی۔ مقصد صرف ان لوگوں سے ملنا تھا۔ انہوں نے دودھ اور مٹھائی سے میری تواضع کی اور پھر میں ان سے رخصت ہو کر چلا آیا۔ رام نرائن کے گھر جانے کے بجائے میں جوالا پور کی سڑکوں اور گلیوں کی سیر کرتا رہا۔ اور پھر شام کو رام نرائن کے گھر پہنچ گیا۔ رام نرائن گھر میں موجود تھا۔ میری اطلاع پاتے ہی ڈیوڑھی میں پہنچ گیا۔

"میں۔ میں اسے لے آیا ہوں مہاراج۔"

"کہاں ہے؟"

"اندر بیٹھا ہے خاموش۔" رام نرائن نے جواب دیا۔

"اسے میرے پاس پہنچا دیں اور تم جاؤ۔"

"جو آگیا مہاراج۔" رام نرائن نے کہا اور پھر وہ اندر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک خوبصورت اور دبلا پتلا نوجوان اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر مایوسی نقش تھی۔ آنکھوں سے ذہین معلوم ہوتا تھا۔ لیکن ناکامی نے اس کی شخصیت پر دھول ڈال دی تھی۔

"میرا بیٹا ہے مہاراج۔ ست پرکاش ان سے مل۔ یہ بڑے مہان سادھو ہیں۔" ست پرکاش نے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ اس کے چہرے پر بیزاری نظر آرہی تھی۔

"بیٹھو ست پرکاش۔" میں نے بھاری آواز میں کہا اور وہ بیٹھ گیا لیکن وہ میری طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ اس کی نگاہیں دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

"مہاراج سے باتیں کرو ست پرکاش۔ میں ذرا کام سے جا رہا ہوں۔" رام نرائن نے کہا اور پھر وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے ست پرکاش کی طرف دیکھا۔ وہ سپاٹ چہرہ لئے بیٹھا تھا۔ اس کے انداز میں کوئی بات نہ تھی۔ بس خاموش اپنی دھن میں مگن۔

"کیا سوچ رہے ہو ست پرکاش؟" بالآخر میں نے اسے مخاطب کیا اور وہ چونک پڑا۔ مجھے گھورتا رہا اور پھر اس کے خشک ہونٹوں پر ایک بے جان سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا بھی کسی پر ادھیکار ہے سادھو جی۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" میں اچانک سوال پر چونک پڑا۔

"پتا جی نے اپنا حق استعمال کیا۔ مجھے آپ سے ملانے لے آئے۔ میں ان کی بات کیسے ٹال سکتا تھا۔ حالانکہ آپ سے مل کر مجھے کیا ملے گا۔ لیکن پتا جی کو ادھیکار تھا کہ وہ مجھے یہاں لے آئیں۔ اور پھر وہ آپ کے لئے کہہ گئے کہ میں آپ سے باتیں کروں۔ سو اب آپ اپنا حق استعمال کر رہے ہیں۔ حالانکہ میرا من کسی سے باتیں کرنے کو نہیں چاہ رہا۔ مگر آپ کو ادھیکار ہے۔ میرا بھی کسی پر ادھیکار ہے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ سنسار میں ہر منش کو دوسرے پر ادھیکار ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"جھوٹ مت بولو مہاراج۔ یوں کہو کہ سنسار میں کچھ انسانوں کا دوسرے انسانوں پر حق ہے۔ سب کا ایک دوسرے پر نہیں۔" اس نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ بات نہیں ست پرکاش۔ کچھ انسان ڈرپوک ہوتے ہیں۔ بزدل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے حق کا استعمال نہیں جانتے؟ دوش دوسروں کو دیتے ہیں۔"

"بکواس ہے۔ اس سنسار میں سب یکساں نہیں ہیں۔ سب طاقتور نہیں ہوتے۔ ایک کمزور ہوتا ہے دوسرا

طاقتور۔"

"میں نہیں مانتا۔ کمزور ہی ہے جو اپنا کام نہیں کر سکتا۔ اور دوسروں کو دوش دیتا رہتا ہے۔"

"مجھے غصہ مت دلاؤ صاراج۔ دیکھو مجھے غصہ مت دلاؤ ورنہ۔" ست پرکاش مجھے گھورتا ہوا بولا۔

"تم نے بول ست پرکاش۔ دیکھوں تو تو کتنا بڑا سورما ہے؟"

"میں سورما نہیں ہوں صاراج۔ میں۔ میں تو۔ میں تو۔" اس کی آواز بند ھ گئی۔

"بزدل ہے پانی میں کا۔ روتا ہے۔ مرد کی آنکھوں میں جب آنسو آتے ہیں تو اسے چوڑیاں پہن لینا چاہئیں۔"

"میں بے بس ہوں صاراج۔"

"سمجھتا ہے خود کو سب سے بے بس۔ ہے نہیں۔" میں نے کہا اور ست پرکاش پھر کھول اٹھا۔ اس نے میری طرف خونی نگاہوں سے دیکھا اور پھر تلخ لہجے میں بولا۔

"تم سادھو نہیں۔ بہروپئے ہو۔ کسی کے من کو نہیں دیکھ سکتے۔ کسی کا درد نہیں بھانپ سکتے۔ صرف دکھ دے سکتے ہو دوسرے کو۔ میرا درد تو دیکھو۔ بتاؤ۔ میرے دل پر کونسا داغ ہے۔"

"تیری بزدلی کا داغ۔ اگر تو بزدل نہ ہوتا تو اپنی پریمیکا کو یوں غیروں کے ہاتھوں میں نہ جانے دیتا۔" میں نے کہا اور ست پرکاش چونک پڑا۔ مجھے دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔

"وہ۔ تو۔ تو پتا جی نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔"

"پتا جی نے نہیں۔" میں نے آہستہ آہستہ اور ٹھہری ہوئی آواز میں کہا "بلکہ خود دیو متی نے۔"

اور میرے ان الفاظ پر ست پرکاش اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"دیو متی نے۔" اس کے حلق سے سرسراتی آواز نکلی۔

"ہاں۔ دیو متی نے۔" میں نے اسی سکون سے جواب دیا۔

"تو کیا۔ تو کیا آپ اس سے ملے تھے صاراج؟" اس نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہاں۔"

"کب؟"

"میں کل جوالا پور آیا ہوں۔ اور سیدھا اسی کے پاس سے آیا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ اور ست پرکاش بے قرار ہو کر میرے قدموں میں گرا۔

"صاراج۔ صاراج۔ تو صاراج۔ آپ اس کے پاس سے آئے ہیں۔ وہی ہے وہ۔ کیا حال ہے اس کا۔ کیا وہ خوش ہے؟ اس نے میرے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا۔ اس نے میرے لئے کوئی سندیس تو نہیں دیا؟" ست پرکاش نے ایک سانس میں کئی سوال کر ڈالے' اس کی آنکھوں میں حسرت تڑپ رہی تھی۔ وہ سخت بے چین تھا۔

"بہت سے سندیس دیئے ہیں ست پرکاش۔ لیکن تم اتنی بے چینی سے کام نہ لو۔ میں تمہیں ساری باتیں ایک ایک کر کے بتاؤں گا' پنانچہ سب سے پہلی بات یہ کہ دیو متی نے مجھے بھائی بنایا ہے۔"

"اوہ۔ آپ۔ اس نے آپ کو بھائی بنایا ہے۔ آپ میرے بھی بھائی ہیں۔ پران مانگیں گے تو دے دوں گا۔"

"بھائی پران لیتے نہیں پڑتے۔ دے دیتے ہیں۔ میرے اوپر وشواش کرنا۔ جو کہوں گا' جو کروں گا تمہارے اور دیو متی کے بھلے کے لئے کروں گا۔ لیکن میں یہ نہیں کہتا کہ میں بالکل صاف ہوں۔ نہیں۔ تمہارے کام سے میرا بھی کام ہے۔ میں بھی تم دونوں سے کچھ چاہتا ہوں۔ مگر میں تم سے وہ اس سے مانگوں گا' جب پہلے تمہارا کام ہو جائے گا۔"

"صاراج۔ صاراج۔ بھگوان کی سوگند' تم مجھ سے جو کچھ مانگو گے دے دوں گا' مجھے میری دیو متی کے بارے میں بتاؤ۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ صاراج۔ وہ ٹھیک ہے؟ وہ خوش ہے؟"

"تم خوش ہو؟" میں نے اس سے سوال کیا۔

"میں۔ میں۔" وہ ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔

"وہ بھی تمہارے بنا خوش نہیں ہے۔"

"صاراج۔" ست پرکاش تڑپ کر رو گیا۔

"ہاں ست پرکاش۔ وہ کیسے خوش رہ سکتی ہے۔ وہ بھی تم سے اتنا ہی پریم کرتی ہے' جتنا تم اس سے۔ بلکہ وہ عورت ہے' اس کا پریم تم سے بھی زیادہ ہو گا۔"

"صاراج۔ میں آگ میں بھسم ہو رہا ہوں۔"

"اس کی بھی یہی حالت ہو گی ست پرکاش۔ لیکن وہ عورت ہے' اور عورت زیادہ مجبور ہوتی ہے۔"

"ہم کر بھی کیا سکتے تھے صاراج۔ راجہ گووند اس کپور کی ہوس کے سامنے' ہم بے بس پنچھی تھے۔"

"کیا تم اب بھی اس کے خواہشمند ہو ست پرکاش؟"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں صاراج۔ میرا اس سے آتما کا رشتہ ہے' میں تو جنم جنم اس کی آرزو کروں گا۔"

"ست پرکاش۔ بعض اوقات حالات انسان کو اس طرح چکرا دیتے ہیں کہ کسی مشکل سے نکلنے کا اس کے پاس

کوئی راستہ نہیں رہتا۔ وہ اتنا مجبور ہو جاتا ہے کہ مایوسی کے سوا کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن۔ ان حالات میں تبدیلی بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہاں انسان کو منزل پانے کے لئے سخت جدوجہد کرنا ہوتی ہے۔"

"میری تو منزل ہی کھو گئی ہے صاراج۔" ست پرکاش درد بھرے لہجے میں بولا۔

"بعض اوقات منزل صرف نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے۔ اور ہم اسے کھویا ہوا سمجھ لیتے ہیں۔"

"میرے سامنے تو کوئی کرن نہیں ہے صاراج۔"

"یہ بتاؤ ست پرکاش۔ اپنے پریم میں اتنے پکے ہو کہ سخت جدوجہد کر سکو۔"

"اسی طرح صاراج۔ جیسے سمندر میں ڈوبتا انسان جان بچانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔"

"تب میں تمہیں کچھ اہم باتیں بتاؤں گا' ست پرکاش۔"

"بتایئے صاراج۔"

"میری باتوں پر یقین کرنا۔ تمہارے سامنے جھوٹ بولنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے صاراج۔"

"دیو متی آج بھی کنواری ہے۔"

"کی۔" ست پرکاش حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ عیاش راجہ۔ عرصہ دراز سے ناکارہ ہے۔ وہ صرف عورتوں کے سنگت میں خوش رہتا ہے اور خود کو بھی عورت سمجھنے لگا ہے۔ اس کا دماغ الٹ گیا ہے۔"

"ار۔ مگر یہ کیسے؟"

"راج محل میں بڑی سازش کام کر رہی ہے۔ منتری ہرچرن لال اور ایک سادھو پورن لال مل کر گووند اس کپور کو راج گدی سے ہٹانا چاہتے ہیں۔ ہرچرن لال خود راجہ بننا چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے صاراج گووند اس کپور کی یہ حالت کی ہے۔"

"اوہ۔"

"راجہ درحقیقت اب اس قابل نہیں رہا کہ راج کرے۔"

"ایسی ہی بات ہو گی صاراج۔"

"چنانچہ اس وقت راج سنگھاسن ہر اس شخص کے لئے کھلا ہوا ہے جو تھوڑی سی کوشش کرے۔"

"جی۔" ست پرکاش کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"ہاں ست پرکاش۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں اسے ممکن بنانے کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں ست پرکاش' اور مجھے کم ہمت لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"بات بہت بڑی ہے صاراج۔ ورنہ میں اتنا کم ہمت

"ہاں ست پرکاش۔"

"مگر کسی عام آدمی کی کیا مجال ہے صاراج۔ کہ وہ راج گدی کی طرف دیکھے۔"

"میں عام آدمی کی بات نہیں کر رہا ست پرکاش۔"

"پھر۔؟"

"میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔"

"میری؟" ست پرکاش اچھل پڑا۔

"ہاں۔ تمہاری۔" میں نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔ اور ست پرکاش کافی دیر تک احمقوں کی طرح میری شکل دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات تھے۔

"بات میری سمجھ میں نہیں آئی صاراج۔ کہاں میں اور کہاں راج گدی؟"

"یہ ممکن ہے ست پرکاش۔"

"مگر کیسے صاراج؟"

"میں تمہاری سہائتا کروں گا۔ بشرطیکہ تم ہمت کرو۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا صاراج۔ منتری ہرچرن لال کے جیون میں یہ کیسے ممکن ہے۔ اور پھر ہمارے پیچھے تو کوئی شکتی بھی نہیں ہے' اگر راج گدی کے حاصل کرنے کی بات ہو تو کون کون کوشش نہیں کرے گا؟"

"تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ خود صاراج گووند اس کپور کے کوئی سنتان نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"مگر۔ اگر صاراج اپنے جیون میں ہی کسی کو چاہیں تو گدی دے سکتے ہیں؟"

"ہاں صاراج۔ دے سکتے ہیں۔"

"بس تو پھر کام بن جائے گا۔ صاراج کو تیار کرنا میرا کام ہے۔"

"مگر۔ مگر۔ میں۔ میں تو اس قابل نہیں ہوں۔" ست پرکاش گھبرائے انداز میں بولا۔

"اگر نہیں ہو ست پرکاش' تو بننے کی کوشش کرو۔" میں نے سخت لہجے میں کہا "اور پھر جب راج گدی مل جائے گی تو راج نیتی خود بخود آ جائے گی۔"

"میں پاگل ہو جاؤں گا صاراج۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے؟"

"میں اسے ممکن بنانے کے لئے تمہارے پاس آیا ہوں ست پرکاش' اور مجھے کم ہمت لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"بات بہت بڑی ہے صاراج۔ ورنہ میں اتنا کم ہمت

نہیں ہوں۔"

"بات صرف بڑی نظر آتی ہے۔ ہوتی نہیں۔ ہاں ہمت اور کم ہمتی کی بات ہے۔"

"میں کم ہمت نہیں ہوں۔"

"تو ہمت کرو۔"

"مگر میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"تب پھر۔ تب پھر مہاراج۔ لائیے اپنا ہاتھ۔ میں بھگوان کی سوگند کھا کر کہتا ہوں۔ بزدلی نہیں کروں گا۔ جو آپ کہیں گے کروں گا۔ آنکھیں بند کر کے کروں گا۔ مجھے راج گدی نہیں چاہئے مہاراج، مجھے مجھے صرف میری دیومتی مل جائے۔"

"اوش مل جائے گی ست پرکاش۔ بس ذرا ہمت سے کام لینا ہوگا۔ تیاری کرو۔ کل ہم یہاں سے واپس درگاپور چلیں گے۔"

"جو آگیا مہاراج۔" ست پرکاش نے کہا۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

دوسرے دن جب روانگی کی تیاریوں مکمل ہو گئیں تو ست پرکاش نے رام نرائن سے آگیا لی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میرے پوت۔ مہاراج بڑے گیانی ہیں جو کریں گے اچھا ہی کریں گے۔ مگر تم جا کہاں رہے ہو؟"

"مہاراج کے ساتھ۔ جہاں وہ لے جائیں گے۔"

"مہاراج۔" رام نرائن روتے ہوئے بولا "ست پرکاش، میرا کیا ہی جینا ہے۔ اسے کچھ ہو گیا تو میں بن موت مر جاؤں گا۔"

"بھگوان پر وشواش رکھو رام نرائن۔ جو کچھ ہوگا اچھا ہی ہوگا۔" اور پھر رام نرائن کی آشیرواد کے بعد ہم چل پڑے۔ لاری اڈے آئے اور ایک لاری ہمیں لے کر درگاپور دوڑنے لگی۔

راستے بھر خاموشی رہی تھی۔ ست پرکاش کا ہیجان اس کے چہرے سے جھلک رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کہاں وہ اور کہاں درگاپور کی حکومت؟ کیسے ممکن ہے۔ کیسے ممکن ہے؟ اور جب بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تو وہ میری شکل دیکھنے لگتا۔ دوسری طرف میں بھی غور و فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس سے قبل۔ میں نے اپنے طور پر کوئی اتنا بڑا پلان نہیں بنایا تھا۔ لیکن طاقت کی نشہ کی سے پتہ نہیں بہت بھی طاری ہو گئی تھی۔ میری دلی خواہش تھی کہ میں اس نام کو

اور پھر راجہ گووند اس کپور کو دیکھ کر یہ خیال ذہن میں جڑ پکڑ گیا تھا کہ درگاپور کی حکومت اس وقت لوٹ کا مال ہے۔ کوئی بھی آگے بڑھ کر اسے لوٹ لے۔ بس ہر چرن لال تھا۔ تو میں اپنا فرض سمجھتا تھا کہ مسلمانوں کے اس دشمن کو اگر قتل بھی کرنا پڑا تو میں قتل کر دوں گا۔ یوں بھی بہت سی باتیں بگڑی ہوئی تھیں جن کی وجہ سے میں جان کی بازی لگا کر بھی کرنا چاہتا تھا۔

بالآخر ہم درگاپور پہنچ گئے اور لاری سے نیچے اترے۔

ست پرکاش کا چہرہ بدستور فکرمند تھا۔ میں نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا "کیا بات ہے ست پرکاش۔ تم ابھی تک پریشان ہو؟"

"پریشان نہیں ہوں مہاراج۔ بس سوچ رہا ہوں۔"

"ساری سوچ دماغ سے نکال دو۔ شانت ہو جاؤ۔ بھگوان پر وشواش کرو۔ جو ہوگا اچھا ہوگا۔"

"ہم اب کہاں چل رہے ہیں مہاراج؟"

"راج محل۔"

"اوہ۔ مگر ہم وہاں کیسے داخل ہوں گے؟"

"آرام سے۔ بس تمہیں اپنے حلئے میں تھوڑی سی تبدیلی کرنا پڑے گی۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا مہاراج؟"

"سادھوؤں کا بھیس بدلنا ہوگا۔"

"اوہ۔" پرکاش گردن ہلا کر رہ گیا۔ راجہ جی کی عطا کی ہوئی رقم موجود تھی اور پھر میں درگاپور کے بازاروں وغیرہ سے بھی کافی حد تک واقف ہو گیا تھا۔ چنانچہ ست پرکاش کو سادھو بھیس میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ بلا پتا یہ سادھو بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔

تب میں اسے لے کر راج محل چل پڑا۔ راج محل میں داخلے میں مجھے کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ سارے لوگ مجھے جان گئے تھے۔ البتہ ست پرکاش کو کسی قدر حیرت سے دیکھا گیا تھا۔ بہرحال اسے روکنے والا کون تھا۔ میں اسے لے کر راج مندر میں پہنچ گیا۔ میں یہاں زبردستی کا مہمان تو تھا ہی۔ کوئی پنڈا وغیرہ مجھ سے مخاطب نہیں ہوا۔ پورن لال کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کا وہی حال ہے۔ وہ بدستور اندھوں پر بیٹھ تھا اور خوفزدہ تھا کہ ابھی تک ان اندھوں سے بچ نہیں نکلے ہیں۔

شام تک ہم راج مندر میں رہے۔ وہیں کھایا پیا اور رات کے جھٹپٹے میں میں ست پرکاش کو لے کر دیومتی کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔

"ست پرکاش کو میں نے نہیں بتایا تھا کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ ٹوکنے والا کوئی نہیں تھا۔ یوں بھی ہم سادھو تھے۔ چنانچہ میں نے دیومتی کے کمرے کے دروازے کھولے اور ہم دونوں اندر داخل ہو گئے۔

دیومتی حسب معمول تنہا تھی۔

ویسے بھی بڑی عجیب زندگی تھی۔ دوسری رانیوں کے بارے میں مجھے نہیں معلوم تھا کہ گووند اس کپور کی کسر کیسے پوری کرتی ہیں۔ لیکن دیومتی ساورتری تھی اور بڑی شرافت سے جوانی کاٹ رہی تھی۔ ورنہ کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ پوچھتا ہی کون۔ مہاراج تو خود عورت بن کر عشق کر رہے تھے۔

دیومتی کی نگاہ میرے اوپر ہی پڑی۔ "ارے بھیا۔" کہہ کر وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی۔ اور تب اس کی نگاہ ست پرکاش پر پڑی۔ ست پرکاش سادھو بنا ہوا تھا اور پھر کسی قدر میری آڑ میں تھا۔ اس لئے دیومتی اسے نہ پہچان سکی۔ "یہ۔ یہ کون ہیں؟" اس نے سوال کیا۔

"آپ جا کر دیکھو۔" میں نے اس سے کہا اور ست پرکاش کی طرف دیکھنے لگا ست پرکاش پتھر کے بت کی طرح ساکت کھڑا رہا۔ دیومتی نے بھی اس کا چہرہ دیکھا اور پہچان لیا۔

"ست۔ پ۔ کاش۔" وہ سحرزدہ سے انداز میں بولی۔

ست پرکاش کے چہرے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ خاموش نگاہوں سے دیومتی کو دیکھ رہا تھا۔ دونوں ایک دوسرے میں گم تھے۔ اور۔ اس وقت۔ کم از کم تھوڑی دیر کے لئے کمرے میں میری موجودگی کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ میں ایک طرف کھسکا اور میں نے دوشالہ اوڑھ لیا۔

اب میں ان کی نگاہوں سے روپوش تھا۔

دونوں مجسموں کی طرح ساکت اور خاموش کھڑے تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ پھر دیومتی چونکی "نہیں۔ نہیں۔ یہ تم نے کیا کیا بھیا؟" وہ میری طرف مڑی اور پھر چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔"

"ارے بھیا کہاں گئے۔"

"ایں۔" ست پرکاش بھی حیرانی سے بولا۔ اور پھر وہ بھی تعجب سے مجھے تلاش کرنے لگا۔ پھر اس نے کھلے دروازے کی طرف دیکھا۔ "شاید باہر نکل گئے۔"

"ہاں!" وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"کیسی ہو دیومتی۔" ست پرکاش بولا۔

"تم کیسے ہو ست پرکاش۔ اور یہ تمہاری حالت کیا ہو گئی ہے؟" دیومتی دکھ سے بولی۔

"بدل گیا ہوں؟" ست پرکاش مسکرایا۔

"سوکھ گئے ہو بالکل۔"

"نہ بدلتا تو خود کو پاپی سمجھتا دیومتی۔"

"کیوں؟"

"تیرے آنے کے بعد میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ تو میں اپنے پریم کو سچ کب مانتا۔"

"نہیں ست پرکاش۔ نہیں۔ تمہیں اپنی یہ حالت نہیں بنانی چاہئے تھی۔" دیومتی نے کہا۔

"مجھے خود پر ادھیکار کب تھا دیومتی۔"

"تمہیں میرے لئے۔ میرے لئے خود کو سنبھالنا چاہئے۔"

"تیرے لئے خود کو بگاڑ لیا۔ اس سے اچھی کیا بات ہوگی؟"

"پرکاش۔" دیومتی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ میرے پرکاش۔ میرے پرکاش۔" وہ اس کے سینے سے چہرہ رگڑ رہی تھی۔ لیکن ست پرکاش نے اس کا بدن نہیں چھوا۔

"پرکاش۔" دیومتی گمبھیر آواز میں بولی۔

"خود کو سنبھالو دیومتی۔"

"ایں۔" دیومتی چونک پڑی۔

"ہاں۔ خود کو سنبھالو دیومتی۔ مہاراج نے مجھے بہت کچھ بتا دیا ہے مگر ہمارے پھیرے نہیں ہوئے ہیں۔ ہم من میلا نہیں کریں گے۔"

"ہاں ست۔ ٹھیک کہتے ہو۔ مجھ سے بھول ہو گئی۔" دیومتی شرمندگی سے بولی۔

"ٹھیک ہے دیومتی۔" ست پرکاش نے ٹھنڈی سانس لی۔

"پتاجی کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہیں۔"

"اور ماتاجی؟"

"وہ بھی۔ سب ٹھیک ہیں۔"

"کب آئے؟"

"دن میں۔"

"بھیا کیا کہہ کر لائے ہیں۔۔۔؟"

"جو کچھ انہوں نے کہا ہے۔ وہ میرے لئے عجیب ہے دیومتی۔ لیکن افسوس میں تمہیں نہ بتاؤں گا۔ مجھے تو پتہ بھی نہیں تھا کہ مہاراج مجھے تمہارے پاس لا رہے ہیں۔"

"مگر بھیا چلے کہاں گئے؟"

"پتہ نہیں۔ ہم نے انہیں دروازے سے نکلتے بھی نہیں دیکھا۔"

"میں دیکھتی ہوں، کہاں گئے وہ۔" دیومتی دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ گو اب انہیں نگرانی کی ضرورت نہیں تھی۔ چنانچہ میں دروازے کی طرف لپکا اور دیومتی سے پہلے باہر نکل گیا۔ پھر میں نے پھرتی سے دوشالہ اتار دیا۔ اور واپس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

"وہ۔ آیئے بھیا۔ کہاں چلے گئے تھے؟" دیومتی چھپنے ہوئے انداز میں بولی۔

"میں نے سوچا۔ تم دونوں کو باتیں کرنے کا موقع دوں۔"

"ہمارے درمیان کوئی ایسی بات نہیں رہی بھیا۔ جس میں تنہائی ضروری ہو۔" دیومتی نے کہا۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں۔" میں نے اعتماد سے کہا اور پھر میں نے انہیں بیٹھنے کے لئے کہا۔ اور ہم سب بیٹھ گئے۔"

یہاں کسی کے آنے کا خطرہ تو نہیں ہے دیومتی۔"

"یہاں کون آئے گا بھیا۔" دیومتی نے کہا۔

"ٹھیک ہے دیومتی۔ میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔"

"کیا میرے بھیا؟"

"میں چاہتا ہوں۔ ست پرکاش کو درگاپور کا راجہ بنا دوں۔"

"کیا؟" دیومتی اچھل پڑی۔

"اس کے بعد تمہارے پھیرے کرا دوں۔"

"یہ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے بھیا؟" دیومتی حیرت سے بولی۔

"ہاں۔ تمہارے لئے حیرت کی بات ضرور ہے دیومتی۔ لیکن میں کوشش کروں گا۔ درگاپور کی حالت اس وقت ایسی ہے..... وہ لوٹ کا مال بن چکی ہے۔ جو ہمت کرے لوٹ لے۔"

"لیکن بھیا۔ یہ بڑا خطرناک کام ہوگا۔ درگاپور کے لوگ سچ بھی مہاراج کو چاہتے ہیں۔" دیومتی بولی "اور پھر دیوان ہرچرن بڑا اپنی ہے۔"

"مجھے کوشش کرنے دو دیومتی۔ کامیابی یا ناکامی کا فیصلہ ہو جائے گا۔ تم لوٹ تو میرا ساتھ دو گے؟" میں نے پوچھا۔

"تم ساتھ کی بات کرتے ہو۔ ہم پران دے دیں گے تمہارے لئے بھیا۔" ست پرکاش نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ اگر مہاراج نے میرا ساتھ دیا۔" میں نے جواب دیا اور پھر میں نے دیومتی کو مخاطب کیا "اس دوران ست پرکاش کو اپنے ساتھ رکھنے میں تمہیں کوئی دقت تو نہیں ہوگی؟"

"تمہیں یہاں کے حالات سے واقفیت نہ بھیا۔ یہاں کیا مشکل پیش آئے گی۔"

"تم بدنام تو نہیں ہو جاؤ گی دیومتی؟" ست پرکاش نے کہا۔

"اس محل میں کوئی بدنام نہیں ہے ست پرکاش۔ یہاں سب اپنی مرضی کے مالک ہیں۔" دیومتی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"تب ٹھیک ہے۔ میرے کام میں آسانی ہو جائے گی۔ میں۔ ست پرکاش کو راج مندر میں نہیں چھوڑ سکتا۔ تمہیں صرف چند روز ست پرکاش کو دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا ہوگا۔ میرا خیال ہے میرا کام بہت جلد بن جائے گا۔ اب مجھے اجازت دو۔" اور میں ان کے پاس سے چلا آیا۔ محل کے ایک سنسان گوشے میں پہنچ کر میں نے دوشالہ اوڑھ لیا۔ اب میں آئندہ پروگرام کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ بڑی عجیب سی بات تھی۔ ہرچرن اور پوران لال نے مل کر راج گدی حاصل کرنے کے لئے گووند اس کپور کا دماغ ماؤف کر دیا تھا۔ لیکن میں بھی ان کی کوششوں سے ہی فائدہ اٹھانے کی سوچ رہا تھا۔

ویسے یہ بات بھی سمجھ میں آتی تھی کہ ہرچرن نے گووند اس کپور کو قتل کرنے کے سلسلے میں کوئی فوری قدم کیوں نہیں اٹھایا تھا۔ دراصل درگاپور کے باشندے گووند اس کپور کو بہت چاہتے تھے۔ اس لئے وہ لوگ آہستہ آہستہ کام کر رہے تھے۔ تاکہ گووند اس کپور کی موت کو قدرتی شکل دے سکیں یقیناً ان کے ذہنوں میں کوئی گہرا پروگرام ہوگا۔

بہرحال میرا پروگرام ہی مختلف تھا۔ بشرطیکہ میں اس میں کامیاب ہو جاؤں۔

میں نے کچھ فیصلے کئے۔ اور پھر راج محل کے اس حصے کی طرف چل پڑا، جہاں راجہ کا قیام تھا۔ سب سے پہلے میں ان عورتوں کے گروہ میں پہنچا جو راجہ کے گرد رہتی تھیں۔

ساری کی ساری خاموش بیٹھی تھیں۔ ان کے چہروں پر مضحکہ خیز تاثرات تھے۔ بیٹھے بیٹھے ان میں سے ایک شریر سی لڑکی ہنس پڑی اور دوسری سب چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"اوچتا ل۔ کیوں تیری موت آئی ہے۔ ہنسی کی آواز مہاراج کے کانوں میں پہنچ گئی تو لہو میں نہا دیں گے۔"

"بڑی مشکل سے روپا۔ مہاراج کی شکل دیکھ کر ہنسی آتی ہے۔ اب تو وہ اور بھی عجیب ہو گئے ہیں۔ کوئی کیسے اپنی ہنسی روکے۔"

"اری ماری جائے گی بے موت۔ ہنسی کے نہیں آوے ہے۔"

"ہنس کر دیکھ لے کسی دن۔"

"اب تو گووندی پر ہی بس نہیں ہوگی۔ جیون بچانا مشکل ہو جائے گا۔"

"مگر مہاراج کو یہ نئی کیا سوجھی ہے۔"

"رام جانے۔"

"ہر وقت کسی بیا کی ماری کی طرح آہیں بھرتے رہتے ہیں۔ دوہے پڑھتے رہتے ہیں۔" اور لڑکیاں پھر ہنس پڑیں۔ لیکن سب نے جلدی سے منہ میں کپڑے ٹھونس لئے تھے۔

لیکن ان کی گفتگو سے میرے دل میں امید کی شمع روشن ہو گئی۔ میں خاموشی سے آگے بڑھا اور پھر اسی خاموشی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔

مہاراج۔ کسی اداس گائے کی مانند ایک چھپر کھٹ پر بیٹھے تھے۔ اس وقت بھی زنانے لباس میں تھے اور حسب معمول مضحکہ خیز نظر آ رہے تھے۔ درحقیقت اس کی شکل دیکھ کر مجھے ہنسی آنے لگی۔

بہرحال۔ میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ اور پھر میں نے اسے آواز دی "گووند اس کپور۔"

اور مہاراج اچھل پڑے۔ انہوں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔

"کون ہے۔ کہاں ہے۔ کون ہو تم؟"

"ارے۔ ناتھ۔ ناتھ۔ تم کہاں ہو ناتھ۔ بھگوان کے لئے میرے سامنے آ جاؤ۔ میری پیاسی آتما کی پیاس بجھا دو۔ ہائے ناتھ بھگوان کے لئے میرے سامنے آ جاؤ۔" وہ جلدی سے چھپر کھٹ سے اتر گئے۔

اوہ کے بچے۔ میں نے دل ہی دل میں اسے گالی دی۔ پھر دوشالہ اتار دیا۔ گووند اس کپور نے مجھے دیکھا اور پھر وہ میرے پیروں پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"ہائے تم کہاں چلے گئے ناتھ۔ میں کرموں جلی تو مر چلی تھی۔ تمہارے بنا اب جیون اندھیارا ہے ناتھ۔ ہائے مجھے مار دو۔ میرے پران لے لو۔ مگر تمہیں بھگوان کی سوگند مجھے چھوڑ کر نہ جایا کرو۔ میں تمہارے بنا جی نہ سکوں گی ناتھ۔"

ایک لمحے کے لئے میں بوکھلا گیا تھا۔ لیکن پھر سنبھل گیا۔ ایک اندازہ ہو گیا تھا۔ گووند اس کپور بالکل ہی ٹوٹ ہو چکا تھا اور اب اس میں کسی کی کوئی بات نہیں رد کی تھی۔

بہرحال مجھے بھی وہی کرنا تھا۔ جو ضرورت تھی۔ چنانچہ میں نے اسے اٹھایا "اٹھو گووند اس۔ اٹھو تو سہی۔" میں نے اسے شانوں سے پکڑ کر اٹھایا۔ اور وہ بے غیرت ناک سے شوں شوں کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں گووندے۔"

"پہلے مجھے بتاؤ۔ اب تو مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گے؟"

"نہیں۔ لیکن اس شرط پر کہ جیسا میں کہوں گا تم ویسا ہی کرو گے؟"

"کروں گی۔" اس نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ۔ پھر میں تم سے کبھی جدا نہ ہوں گا۔"

"ہے بھگوان۔ ہے بھگوان۔ میں مر جاؤں۔" گووند اس کپور شرماتے ہوئے بولا۔ مجھے بہت مشکل سے خود پر کنٹرول کرنا پڑا تھا۔ ایک ہیجڑے سے اظہار عشق میں جو کیفیت ہو سکتی تھی، وہی ہو رہی تھی۔

"اب تم میری بات سنجیدگی سے سنو گی۔ گووندی۔"

"کہو۔ کہو تو سہی۔ تمہارے ایک اشارے پر پران دے دوں گی۔"

"تمہیں اپنا پچھلا جیون یاد ہے؟"

"پچھلا جیون؟"

"ہاں۔ جب تم گووند اس کپور تھے؟"

"ہاں یاد ہے۔" اس نے سر جھکا کر کہا۔

"کیا تمہیں یہ بھی یاد ہے کہ تم کب سے اپنی رعایا میں نہیں گئے؟ میرا مطلب ہے گئیں؟"

"راج پاٹ کے کام کرنے کو۔ اب میرا من بالکل نہیں چاہے ناتھ۔"

"کیا تمہاری رعایا کو معلوم ہے کہ اب تم گووند اس کپور نہیں۔ گووندی ہو؟"

"مجھے نہیں معلوم۔"

"میں تمہیں بتاتا ہوں۔ تمہاری رعایا تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ وہ ابھی تک تمہیں راجہ مانتی ہے۔ گووندی بن کر تم اپنی رعایا سے کیا کہو گی؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم۔"

"تم راج پاٹ چھوڑ دو گی گووندی۔ تو اسے کون سنبھالے گا؟"

"ہرچرن لال۔"

"لیکن وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ اگر تم نے راج پاٹ اس کے ہاتھ میں رکھا تو میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔"

"ناتھ۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا اور میں اچھل پڑا۔ ہائے ایسا نہ کہو ناتھ۔ جیسا تم کہو گے، میں ویسا کروں گی۔ ہائے تم ہی مجھے بتاؤ میں کیا کروں؟"

"یہی تو پوچھنا چاہتا ہوں گووندی۔ میں تجھے کہوں گا اسے راج دے سکو گی؟"

"چولہے میں جائے یہ راج گدی۔ مجھے تو بس تمہاری ضرورت ہے ناتھ! بس تم میرے ہو جاؤ۔ میں تمہاری بن جاؤں۔ دیوان سپھس ہو جائے گا۔ اس کے بعد مجھے کسی چیز کی اچھا نہ رہے گی۔"

"تب میرے کہنے سے تمہیں ایک کام کرنا پڑے گا گووندی۔"

"بتاؤ۔ مجھے بتاؤ ناتھ۔ میں دکھوں کی ماری سب کچھ تیاگنے کو تیار ہوں۔"

"تمہیں صماراج گووندا اس کپور یاد ہیں؟"

"ایں۔ ہاں۔ وہ تو میں خود تھی۔"

"ایک بار پھر تمہیں صماراج گووندا اس کپور بننا پڑے گا۔" میں نے اس کی شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہائے میں مر جاؤں۔" وہ چیخ کر بولا۔

"اس کے بعد مرجانا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"بڑی مشکل ہو جائے گی۔"

"تمہیں یہ کام کرنا ہی ہو گا گووندی۔"

"ناتھ۔ میں لوگوں کے سامنے کیسے جاؤں گی۔"

"جیسے بھی ہو۔ اگر تم میرے لئے اتنا بھی نہ کر سکیں گووندی تو میں یہاں سے ہمیشہ کے لئے چلا جاؤں گا۔"

"ناتھ۔ ناتھ ایسے شبد منہ سے نہ نکالو۔ میں مر جاؤں گی۔" اس نے پھر میرے پاؤں پکڑتے ہوئے کہا۔

"تب تمہیں میرے لئے یہ کام کرنا پڑے گا۔" میں نے زور دیتے ہوئے کہا۔

"جیسا تم کہو گے ناتھ۔" وہ لاچاری سے بولا "مگر تم میرے پاس سے نہ جاؤ گے۔"

"پھر کہیں نہ جاؤں گا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسے جس طرح برداشت کر رہا تھا میرا دل ہی جانتا تھا۔ طبیعت پر اتنے بوجھ آ پڑے تھے کہ نڈھال ہوا جا رہا تھا۔ طالوت کا خیال آتا تو ایک ٹھنڈی سانس لے کر رہ جاتا۔ نہ جانے وہ کہاں ہو گا۔ کیسا ہو گا۔ میرے اندر یہ قوت نہیں تھی کہ اسے تلاش کر سکوں۔ کوئی انسان ہوتا تو شاید اس کی تلاش میں زمین کا کونہ کونہ چھان مارتا۔ مگر اس ہوا کو کہاں تلاش کروں' کہاں مل سکے گا وہ؟ چنانچہ بہتر یہی تھا کہ اسے بھولنے کی کوشش کروں۔ بھی والی آ جائے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ صبر کر لیا جائے۔ بعض اوقات تو دل چاہتا کہ خاموشی سے سب کچھ چھوڑ دوں اور کسی ایسی جگہ جا چھپوں جہاں طالوت بھی نہ پہنچ سکے۔ یا پھر وہ یہ آسان سے نیچے مار دے۔ مار دے پھرنے کا جو کسی بھی وقت ساتھ چھوڑ دے۔ وہ مطلق العنان ہے' جو چاہے کر سکتا ہے۔ میری کیا حیثیت ہے۔ بلکہ کبھی وہ تو یہ تھی کہ اس کے ساتھ رہ کر میری خود اعتمادی ختم ہو گئی تھی۔ ہر کام کے لئے اس کا سہارا تلاش کرنے لگا تھا۔ اور یہ مناسب بات نہیں تھی۔

بہرحال۔ آج کل دن رات اس الو کے پٹھے کے ساتھ گزر رہے تھے اور میری ساری جمالیاتی حس کا ستیاناس ہو کر رہ گیا۔ کسی بجوکے سے عشق کرنے کی مصیبت آپ کے سر آ پڑے تو آپ کو پتہ چلے۔

لیکن دوسری طرف میں اپنا کام بھی کر رہا تھا۔ اس زنخے کو مشق کرا رہا تھا۔ کہ اسے کیا کرنا ہے اور وہ میری ہر بات آنکھیں بند کر کے مانتا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں مجھے زبردست احتیاط سے کام لینا پڑ رہا تھا۔ اگر ہرچرن کو یہ تفصیلات معلوم ہو جاتیں' تو شاید وہ ہم دونوں کو ہی قتل کرا دیتا۔ خواہ اسے کتنا ہی بڑا خطرہ مول لینا پڑتا۔

پھر سارے کام مکمل ہو گئے۔ ست پرکاش اور دیومتی کو میں نے "آپریشن" کی اطلاع دے دی۔ اور پھر ایک صبح۔ ایک صبح جب دیوان ہرچرن لال نے دربار شروع کرنے کا حکم دیا۔ بڑے بڑے لوگ سب دربار میں پہنچ گئے تو۔ اچانک چوبداروں نے ہیجان خیز لہجے میں صماراج گووندا اس کپور کے دربار میں آنے کی اطلاع دی۔

اور پورا دربار حیران رہ گیا۔

بہت سے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ یہ گووندا اس کپور کے چاہنے والے تھے۔ ہرچرن لال کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"کیا بکتے ہو؟ صماراج تو بیمار ہیں۔" اس نے چوبداروں کے سالار سے کہا۔

"وہ۔ دربار کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"

"مگر اچانک؟"

"ہاں۔ ہمیں پہلے سے ان کی اطلاع نہیں تھی۔"

"کہاں ہیں وہ۔ میں ان کا سواگت کروں گا۔" ہرچرن لال نے کہا۔

"رک جاؤ ہرچرن لال۔ ہم سب یہیں صماراج کا سواگت کریں گے۔" فوجوں کے سالار نے کہا۔ وہ شخص صماراج کا بڑا پرستار تھا اور ان سے بہت پریم کرتا تھا۔ ہرچرن لال رک گیا۔ لیکن اس کی بری حالت تھی۔

میں دربار میں موجود تھا۔ لیکن شاہ و نہ کا دو شالہ اوڑھے ہوئے۔ اور میں ان میں سے ایک ایک کی کیفیت کا اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا۔

تب شیروں کا شیر۔ راجہ گووندا اس کپور دربار میں داخل ہو گیا۔ کمبخت کی چال میں اب بھی لچک تھی اور کبھی کبھی چلنے کا انداز بدل جاتا۔ لیکن میں نے اسے خوب مشق کرائی تھی' اس لئے کام چل رہا تھا۔

سارے دربار میں صماراج کی جے کے نعرے گونجنے لگے۔ اور گووندا اس کو بھی پرانے انداز یاد آ گئے۔

وہ تخت پر آ بیٹھا اور ایک ایک درباری نے آگر اس کے پاؤں چھوئے۔ ان میں ہرچرن لال بھی تھا۔ لیکن اس کی جو کیفیت تھی' قابل دید تھی۔ سارے کاموں سے فارغ ہو کر صماراج سنگھاسن پر بیٹھ گئے۔ اور پھر انہوں نے کہا "دربار کے سارے دروازے بند کر دیئے جائیں۔ کوئی آنے نہ پائے۔" یہ جملہ پھر کھینچ دیا گیا تھا۔

ہرچرن لال گہری نگاہوں سے صماراج کا جائزہ لے رہا تھا۔

"ہمارے متروں۔ تمہیں معلوم ہے ان دنوں ہماری کیا حالت رہی ہے۔ تم میں سے کسی نے ہمارے بارے میں کچھ معلوم کیا۔"

"ہمیں بتا دیا گیا تھا صماراج۔ کہ آپ کسی سے نہیں ملتے۔ ہم نے بہت کوشش کی۔ لیکن۔" سالار نے کہا۔

"تمہیں میرے پاس آنے سے کس نے روکا تھا؟"

"دیوان۔ دیوان ہرچرن لال جی نے۔"

"ہرچرن لال۔" صماراج نے غور سے ہرچرن لال کی شکل دیکھی' اس کے ہوش اڑے ہوئے تھے۔ ہر کوئی صاف محسوس کر رہا تھا۔ "تو سنو میرے متروں۔ میں جانتا ہوں تم میرے وفادار ہو۔ تم میرے لئے پران تیاگ سکتے ہو۔ لیکن ایک چالاک شخص نے۔ ایک چالاک دشمن نے تمہارے اور میرے درمیان دیوار کھڑی کر دی۔ اس نے اتنا کاری وار کیا کہ۔ اوئی رام۔"

"سنبھل کر۔ سنبھل کر گووندی۔" میں نے جلدی سے صماراج کے کان میں کہا۔

"ہائے میری ماں۔ تم میرے ساتھ ہو۔"

"ہاں۔ سنبھل کر گووندی۔" میں نے اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"ہمارے چالاک دشمن کا خیال تھا کہ وہ اس طرح ہمیں بیمار بنا کر آہستہ آہستہ ختم کر دے گا۔ اور پھر راج گدی پر قبضہ کر لے گا۔ اس لئے اس نے تمہیں ہم سے ملنے نہ دیا۔"

"اوہ۔ صماراج۔ وہ بیری کون ہے؟" سالار تلوار نکال کر بولا۔

"اب بھی نہیں سمجھے میرے بھولے ساجن۔ ہائے میں مر جاؤں۔" اور پشت پر میرا ہاتھ محسوس کر کے صماراج پھر سنبھل گئے۔

"ہرچرن لال جی۔" سالار خونی آنکھوں سے ہرچرن کو گھورتے ہوئے بولا۔

"نن۔ نہیں۔ نہیں۔ میں صماراج کا وفادار ہوں۔" ہرچرن لال گھبرا کر بولا۔

"کیڑے پڑیں زبان میں۔ موئے ہر وقت۔ تو ہی تو ہے۔ جس نے جس نے۔" صماراج نے پشت پر میرے ہاتھ کا دباؤ محسوس کر کے انداز بدل دیا۔

"ہاں یہی ہے وہ بیری۔ اس نے ہمیں قتل کرنے کی کوئی ترکیب نہیں چھوڑی۔ لیکن۔ لیکن۔ ارے۔ لیکن کیا۔ صماراج ڈائیلاگ بھول گئے اور میں جلدی جلدی ان کے کان میں بولنے لگا۔

"لیکن ہماری جان ہمارے ایک ایسے متر نے بچائی جس کا احسان ہم جیون بھر نہیں بھول سکتے۔ آج بھی اگر دیوان ہرچرن لال کو ہمارے آنے کا پتہ چل جاتا تو وہ ہمیں مروا دیتا۔"

"ہمارے جیون میں ایسا نہیں ہو سکتا تھا صماراج۔"

"گرفتار کر لو اس پاپی کو۔ گردن کاٹ دو موئے ہتیارے کی۔ اس نے ہمیں بڑے دکھ دیئے ہیں۔" صماراج کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

اور سالار نے ہرچرن لال کو قہر آلود نگاہوں سے دیکھا "تمہاری دیوان کی حیثیت ختم ہو چکی ہے ہرچرن لال۔ صماراج نے تمہارا۔ سارا حق چھین لیا ہے۔ چنانچہ میں تمہیں غداری کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔"

"یہ کیا بکواس ہے۔" ہرچرن لال گھبرا کر بولا۔

"گرفتار کر لو اس پاپی کو۔ اس نے جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کیا۔"

"اس کے ساتھ پاپی پورن لال بھی تھا جو اب پاگل بنا ہوا ہے۔"

"اسے بھی سزا دی جائے گی صماراج۔" سالار نے کہا۔

"اسے لے جاؤ یہاں سے۔ اس کی صورت دیکھ کر ہمیں پریشانی ہوتی ہے۔" صماراج بولے۔

"جو آیا صماراج۔" سالار نے کہا۔ ہرچرن لال کو

گرفتار کرلیا گیا تھا۔ سپاہی اسے دھکیلتے ہوئے باہر لے گئے۔ میرا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ اتنی شاندار کامیابی کی خود مجھے توقع نہیں تھی۔ بہرحال بخوبی اندازہ ہوگیا تھا کہ گووندداس کپور کس قدر ہردلعزیز تھا۔

"تو میرے متروـ" گووندداس کپور نے کہا "میرے سب سے بڑے دشمن کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ میں آج آخری بار تمہارے سامنے آئی۔ آیا ہوں۔ میری حالت اب ایسی نہیں ہے کہ۔ راج پاٹ کے کام کرسکوں۔"

"نہیں مہاراج۔ ایسا نہ کہیں۔ ایسا نہ کہیں۔" سب چیخ پڑے۔

"بھگوان کی یہی مرضی ہے۔ اور اب میرے من میں۔ ہائے میرے من میں بھگوان آگئے ہیں۔ میں بن باس لے رہا ہوں۔ میں یہاں سے دور چلا جاؤں گا۔ اور میرا فیصلہ اٹل ہے۔"

گووندداس کپور میرے رکنے ہوئے فقرے دوہرا رہا تھا۔ درباری رونے لگے "اوہ۔ میں مرجاؤں۔ اب کیا کروں؟" گووندداس کپور گھبرا کر بولا۔

"نہیں حوصلہ دو گووندی۔ اور جلدی سے ست پرکاش کا ذکر کرکے اسے بلاؤ۔"

"حوصلہ لو۔ حوصلہ لو میرے متروـ میری ہری بات سنو! سنو میری پوری بات سنو۔"

"آپ ہمارے اوپر راج کریں مہاراج۔ آپ کہیں نہ جائیں۔"

"میں۔ میں اس قابل نہیں رہی۔ میرے من میں بھگوان سما گئے ہیں۔ ہائے میں تو ان کی جوگن بن گئی ہوں۔" گووندداس کپور نے پیار سے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"کام پورا کرلو گووندی۔ اس کے بعد من بھر کے تمہیں پیار کروں گا۔"

"ہائے میں مرجاؤں۔ ہی ہی ہی۔" گووندداس کپور شرما کر بولا

"کام پورا کرو۔ پہلے کام پورا کرو۔" میں نے مضطربانہ انداز میں کہا اور وہ گدھے کی دم پھر سنبھل گیا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ ہتھوڑے مار مار کر اس کا سر چپٹا دوں۔

"ہم آپ کے بنا کیا کریں گے مہاراج۔"

"میں۔ تمہارے درمیان ایک راجہ چھوڑ جاؤں گا۔ میں نے خوب سوچ سمجھ کر ست پرکاش کو درگاپور کا راجہ بنانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"ست پرکاش!" سب حیرت سے بولے۔

ہاں۔ میرا متروـ میرا ساتھی ست پرکاش۔ جس نے ہمیشہ میری سفارش کی۔ اگر وہ میرا ساتھ نہ دیتا تو اب تک پرتھی ہرچرن لال میری جان لے چکا ہوتا۔"

"ست پرکاش کون ہے؟" سالار نے سوال کیا۔

"ست پرکاش کو لاؤ۔" مہاراج نے ایک طرف منہ کرکے کہا اور پروگرام کے مطابق ست پرکاش ایک اندرونی دروازے سے اندر آیا۔ راجاؤں کے لباس میں وہ بہت جچ رہا تھا۔

سب نے حیرت سے اسے دیکھا۔ کوئی اسے نہیں پہچان سکا تھا۔

"آؤ۔ آؤ میرے متروـ آؤ۔ میں راج تلک تمہارے سر پر رکھ دوں۔"

سالار اور دوسرے لوگ حیرت سے اس نوجوان کو دیکھ رہے تھے۔ پھر سالار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دھن بھاگ ست پرکاش جی۔ آپ نے ہمارے مہاراج کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس کے لئے ہم جیون بھر آپ کے احسان مند رہیں گے۔" ست پرکاش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس پر سحر کی سی کیفیت طاری تھی۔ حالانکہ میں نے اسے کافی سمجھایا تھا۔ لیکن وہ ہو رہا تھا جو بھی اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ اس لئے اس کی حالت عجیب تھی۔

"میرے متروـ تمہاری آیا ہے۔ تمہارے سامنے یہ مکٹ ہے۔ ست پرکاش کو دے رہا ہوں۔ میری منوکامنا ہے۔ میری سب سے بڑی منوکامنا ہے کہ میرے بعد تم ست پرکاش کو راجہ ماننا۔ اس کی سہائتا کرنا۔"

"ایسا ہی ہوگا مہاراج۔ ایسا ہی ہوگا۔" سالار نے جذباتی لہجے میں کہا۔ اور پھر مہاراج گووند اس کپور نے تاج ست پرکاش کے سر پر رکھ دیا۔

"مہاراج ست پرکاش کی جے۔ مہاراج ست پرکاش کی جے۔" چاروں طرف سے نعرے گونجے۔ درباریوں نے اپنے راجہ سے عقیدت کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی بات مان لی تھی اور دل سے ست پرکاش کو راجہ قبول کرلیا تھا۔

ست پرکاش کا پورا بدن ٹھنڈا پڑا تھا۔ خود میری کیفیت اس سے جدا نہ تھی۔ میں دل ہی دل میں اتنا خوش تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ میں نے وہ کام کر دکھایا تھا جس کے بارے میں سوچنا بھی مشکل ہے۔

سالار نے اپنی تلوار ست پرکاش کے چرنوں میں رکھ دی۔ اور پھر بولا "میں تمہارا داس ہوں مہاراج۔ میں نے من سے تمہیں راجہ مان لیا ہے۔ درگاپور کی پوری فوج تمہارے اشارے پر اس شخص سے جنگ کرے گی جو تمہارا دشمن ہوگا۔" پھر اس نے درباریوں کی طرف رخ کرکے کہا۔

"میری منوکامنا متروـ تم سب بھی مہاراج سے وفاداری کا اعلان کرو۔" اور اس کے بعد ایک ایک شخص نے باری باری ست پرکاش سے وفاداری کا اعلان کیا اور میرے کہنے پر گووندداس کپور سنگھاسن سے ہٹ گیا اور اس پر ست پرکاش بیٹھ گیا۔

"بس اب تمہارا کام ختم ہوگیا۔ آؤ واپس چلیں۔" میں نے گووندداس کے کان میں کہا اور وہ میرے ساتھ چل پڑا۔

"ان لوگوں سے اجازت تو لے لو۔"

"ہاں۔ متروـ میرا کام ختم ہوگیا۔ اب میں تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔ آؤں گا۔" اور درباری غمزدہ ہوگئے۔ ویسے وہ سب حیران تھے۔ لیکن بہرحال یہ حیرانی خطرناک نہیں تھی۔

یوں میں گووندداس کپور کو لے کر واپس اس کی رہائش گاہ میں آیا۔ وہ اپنی راج گدی دوسرے کے حوالے کرکے بھی خوش تھا۔ بہرحال میری شامت آئی تھی اور اب میری دلی خواہش تھی کہ جلد از جلد اس سے نجات مل جائے۔

بمشکل تمام میں نے اس سے چھٹکارا پایا۔ ابھی چند روز اس کی زندگی بھی ضروری تھی۔ ممکن ہے ست پرکاش کو کوئی ضرورت پیش آجائے۔

"ست پرکاش ابھی درباریوں میں تھا۔ میں نے دیومتی کو یہ خوشخبری سنائی اور اس کامیابی پر وہ انگشت بدنداں تھی۔ اتنا بڑا واقعہ اس آسانی سے ہوگیا تھا۔ میں بھی سسپنس میں تھا۔ دیکھنا یہ تھا کہ اس کے نتائج کیا نکلتے ہیں۔ ست پرکاش تو بری طرح مصروف تھا۔ بہرحال ذہین نوجوان تھا۔ جب یہ کچھ ہوجانے کا یقین آگیا تو اس نے بھی اپنی صلاحیتوں سے کام لینا شروع کردیا۔

بہرحال رات کے آخری حصے میں اس نے مجھ سے ملاقات کی اور میرے سینے سے لپٹ گیا "یہ سب کچھ۔ یہ سب ابھی تک میرے لئے ناقابل یقین ہے۔ یہ سب کیسے ہوگیا بھیا۔"

"ہوگیا ہے ست پرکاش۔ لیکن اسے برقرار رکھنا اب تمہارا کام ہے۔ راج نیتی آسان کام نہیں ہے۔ تمہیں سخت الجھنوں سے گزرنا پڑے گا۔ سنا ہے ابھی تمہارے بے شمار مخالف ہوں گے۔"

"تم نے ہو چھ بجھے دیا ہے بھیا۔ تم بے فکر رہو۔ میں اسے بڑی ہی ہوشیاری سے سنبھالوں گا۔"

"ہاں۔ اب تم مطلق العنان ہو۔ دیومتی کو کوئی تم سے نہیں چھین سکتا۔ لیکن پہلے دوسرے مرحلوں سے نپٹ لینا۔ اس کے بعد اپنے پریم کی طرف توجہ دینا۔"

"میں وہی کروں گا بھیا جو تم کہو گے۔ لیکن مجھے یہ تو بتادو۔ یہ سب اتنی آسانی سے کیسے ہوگیا؟"

"آسانی سے نہیں ہوا ست پرکاش۔ میں نے اس کے لئے بہت کچھ کیا ہے۔ براہ کرم اس کی تفصیل میں نہ جاؤ۔"

"مگر بھیا۔ میں آپ کے لئے کیا کروں میں آپ کو اس کا صلہ کیسے دوں؟"

"میں تم سے صلہ ضرور وصول کروں گا۔"

"میں بھی تمہارے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں بھیا۔"

"ابھی تم صرف یہ کرو کہ اپنی گدی پر مضبوط گرفت حاصل کرلو۔ اس کے بعد میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں میرے لئے کیا کرنا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

ست پرکاش کو راج گدی سنبھالے ایک ہفتہ گزر گیا۔ اس ایک ہفتے میں زبردست ہنگامے ہوئے۔ ہرچرن کے کچھ لوگوں نے اس کی گرفتاری کے خلاف احتجاج کیا۔ لیکن انہیں گرفتار کرکے سخت سزائیں دی گئیں۔ اور پھر ایک دن ہرچرن لال کو بھی پھانسی دے دی گئی۔ فوجوں کا سالار پوری طرح ست پرکاش کے حق میں تھا۔ وہ گووندداس کپور۔۔۔ اندھی عقیدت رکھتا تھا بہرحال بڑے کام کا ثابت ہوا وہ۔ اور سچ بات ہے کہ ست پرکاش کی حکومت اس کی وجہ سے بہت مضبوط ہوگئی۔

رہ گیا میں۔ تو میں ہیجڑے کے مذاب میں گرفتار تھا۔ وہ کمبخت تو خود کو مکمل عورت سمجھ بیٹھا تھا۔ اور اب اس کی دست درازیاں بڑھ گئی تھیں۔ میرا خیال تھا اب اس سے چھٹکارا پالوں۔ چنانچہ میں نے اس کے لئے ایک ترکیب سوچی۔ اسی رات میں نے اس سے کہا میں اس کی داسیوں کا رقص دیکھنا چاہتا ہوں۔

"ضرور میری جان۔ میں سب ست کے دیتی ہوں۔"

"ہم شراب بھی پئیں گے۔"

"ہائے۔ اس کے بعد میں سرور میں آجاؤں گی۔"

"تم کتنی شراب پی سکتی ہو گووندی؟"

"جتنی تم کہو گے؟"

"اچھا پھر دیکھیں گے۔ لیکن تمہارے سامنے نہیں آؤں گا۔ تم کسی سے میرا ذکر بھی نہیں کرو گی۔"

"پر تم میرے پاس تو ہوگے؟" اس نے محبوبانہ بے قراری سے پوچھا۔

"یقیناً۔ تمہارے بالکل نزدیک۔" میں نے جواب
سو اس رات گووندا اس کپور کے محل میں خاص رقص و سرور کی محفل رچائی گئی۔ رقاصائیں اپنا کمال فن دکھانے لگیں۔ کنیزیں جام لنڈھانے لگیں۔ میں دوشالہ اوڑھے ہوئے مہاراج کے نزدیک بیٹھا ہوا تھا۔ اور مہاراج جام پر جام پی رہے تھے۔

اتنا بڑا کام ہو جانے کے بعد میں مطمئن و مسرور تھا اور اب میرے اندر خود اعتمادی بھی پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اب کام مکمل کر لوں۔ اس کے بعد درگاپور چھوڑ دوں گا۔ اب مجھے طالوت پر غصہ آنے لگا تھا۔ اپنی پر اسرار طاقتوں پر گھمنڈ کرتا ہے۔ ٹھیک ہے اس نے میری زندگی بچائی تھی۔ مجھے بہت کچھ دیا۔ لیکن میں بھی تو انسان ہوں۔ ہمیشہ اس کی وجہ سے الجھنوں میں پھنس جاتا ہوں۔ اس کا احسان سر آنکھوں پر۔ لیکن اب مزید احسان نہیں لوں گا۔ یہ ملک ہی چھوڑ دوں گا اور کسی دوسرے ملک جا کر اپنے طور پر کوئی سنجیدہ زندگی بسر کروں گا۔

مہاراج کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ کنیزیں بھی اب اسے جام دیتے ہوئے جھجک رہی تھیں۔ پھر یہ کیفیت ہوئی کہ مہاراج جام پکڑنے کے قابل بھی نہ رہے۔ انہوں نے میرے کندھے پر تھوڑی رکھ دی۔

"ناتھ۔" وہ آہستہ سے بولے۔

"میری گووندی۔" میں نے پیار سے اس کی پشت سہلاتے ہوئے کہا۔

"اب۔ فائدہ۔ پیوں؟"

"کنیزوں سے کہو' اپنے ہاتھ سے پلائیں۔" میں نے جواب دیا۔

"نا۔ چاہ۔" وہ بولا۔ اور پھر اس نے داسیوں کو اشارہ کیا۔

"بس کریں مہاراج۔ بس کریں۔ بھگوان نہ کرے۔ آپ کو نقصان پہنچ جائے گا۔" ایک داسی نے کہا۔

"پ۔ لاؤ۔ جو میں۔ کہہ رہا۔ خوں ہ" مہاراج ناراض ہو کر چلائے اور داسیاں پھر انہیں پلانے لگیں۔ اثر ہونے لگا۔ مہاراج کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔

"بس پھر جاؤ۔ اور۔" میں نے اس کے کان میں کہا۔

"ہاں۔ ہاں پھر اور۔" مہاراج جھوم کر بولے۔ اور داسیاں تو حکم کی بندی تھیں۔ اور پھر مہاراج کے منہ سے شراب بہنے لگی اور وہ اوندھے گر گئے۔ اور میں خاموشی سے کھڑا ہو گیا۔

وہاں سے چلا آیا۔ اور ایک مناسب جگہ تلاش کر کے لیٹ گیا۔ نہ جانے کب مجھے نیند آئی۔ اور وہ بری طرح چیخ کر اٹھ بیٹھا۔ میں نے گھبرا کر اسے دیکھا۔

"کیا ہوا دیومتی؟" میں نے پوچھا۔

"بھیا۔ مہاراج مر گئے۔ مہاراج مر گئے۔"

ہاں۔ مہاراج کا دھیان ہو گیا تھا۔

ست پرکاش بہت عمدہ اداکاری کر رہا تھا۔ وہ اس قدر اداس تھا کہ جیسے سچ مچ اس کو بہت رنج ہوا ہو۔ اس نے مہاراج کی موت کے سلسلے میں بہت سے احکامات جاری کئے تھے۔

سب کچھ ہو رہا تھا' لیکن طالوت نہیں تھا۔ یہاں میں نے میدان ہی صاف کر دیا تھا۔ کاش طالوت واپس آ جائے۔ میرے دل کی گہرائیوں میں یہ آواز ضرور تھی۔

لیکن طالوت کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ اور اب میں آخری قدم کے لئے تیار تھا۔ اس کے بعد۔ اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا تھا کہ درگاپور چھوڑ دوں۔ یوں بھی میں طویل عرصہ گزار چکا تھا۔

اور طالوت۔ اس بار شاید اس نے مجھ سے جان ہی چھڑالی تھی۔ تبھی تو کبھی کوئی نشان نہیں ملتا تھا اور پھر مجھے یقین تھا کہ طالوت کبھی کا تبھی کو ٹھکانے لگا چکا ہو گا۔ اس جن زادے سے بچنا مشکل ہی تھا۔ اور پھر جو اس کی فطرت تھی مجھے اچھی طرح معلوم تھی۔

چنانچہ ایک رات میں ست پرکاش اور دیومتی کے پاس پہنچ گیا۔ یہ دونوں بے حد خوش تھے۔ اور ظاہر ہے انہیں یہ خوشی میری وجہ سے ملی تھی۔ اس لئے وہ میرے پجاری تھے۔

"آؤ بھیا۔ ہم تمہاری ہی باتیں کر رہے تھے۔"

"کیا باتیں ہو رہی تھیں؟" میں نے پژمردہ سی مسکراہٹ سے پوچھا۔

"بھیا۔ تم نے مجھے وہ کام ابھی تک نہیں بتایا' جو تم مجھ سے لینا چاہتے تھے۔" ست پرکاش نے کہا۔

"بہت مشکل ہے ست پرکاش۔ کر سکو گے؟"

"آپ کے لئے تو میں آگ کے سمندر میں چھلانگ لگانے کو تیار ہوں۔"

"غور کرو۔"

"غور کر لیا بھیا۔ آپ کہیں تو سہی۔" ست پرکاش نے بھروسے سے کہا۔

"تو سنو ست پرکاش۔ کیا دیومتی نے تمہیں میری حقیقت نہیں بتائی؟"

"تمہاری حقیقت؟"

"ہاں۔"

"تمہاری حقیقت کیا ہے بھیا؟"

"کیوں دیومتی؟" میں نے اسے دیکھا۔

"بھیا میں ایسے بھگت من کی نہیں ہوتیں بھیا۔" دیومتی نے کہا۔

"میں تمہاری اس بات کی قدر کرتا ہوں دیومتی۔ اور یہ سچ بھی ہے۔ تم عام عورتوں سے مختلف ہو۔ بہرحال ست پرکاش۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہیں یہ جان کر کتنا دکھ ہو گا۔ کہ۔ میں مسلمان ہوں۔"

"ایں۔ ست پرکاش حیرت سے اچھل پڑا۔"

"ہاں ست پرکاش۔ میں مسلمان ہوں۔"

"نہ۔ نہ۔ یہ۔ یہ کیسے ممکن ہے بھیا۔ کیا۔ کیا یہ سچ ہے؟"

"ہاں میں مسلمان ہوں ست پرکاش۔"

"اگر یہ ہیں بھیا۔ تو اس میں دکھ کی کیا بات ہے۔ دھرم تو سب کے اچھے ہوتے ہیں۔ ہم نے خود انہیں برا بنا دیا ہے۔"

"ہاں ست پرکاش۔ اور تمہارے دیش میں مسلمانوں کے ساتھ بہت برا سلوک ہو رہا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم بھیا۔ بھگوان کی سوگند۔ مجھے نہیں معلوم۔"

"انہیں اچھوت بنا دیا گیا ہے۔ ان سے ان کی مذہبی مراعات چھین لی گئی ہیں۔ ان کے سارے کاروبار چھین لئے گئے ہیں۔ انہیں جانوروں کی سی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔ ان کی لڑکیاں ہندو اٹھا لاتے ہیں انہیں طرح طرح سے پریشان کیا جاتا ہے۔"

"بھگوان کی سوگند بھیا۔ یہ انیائے ہے۔ میں ان کے ساتھ نیائے کروں گا۔"

"میرا یہی کام ہے ست پرکاش۔ میں چاہتا ہوں' ایک راجہ ہونے کی حیثیت سے تم ان کے ساتھ بھی انصاف کرو۔ انہیں ان کی عزت واپس دلاؤ۔ انہیں بھی انسانوں کی طرح جینے کا حق دو۔"

"یہ تمہارا کام نہیں بھیا۔ میرا کام ہے۔" ست پرکاش نے جذباتی انداز میں کہا۔ کئی منٹ تک خاموش رہا۔ پھر حیرت سے دیومتی کی طرف دیکھ کر بولا۔

"لیکن تمہیں یہ بات معلوم تھی دیومتی؟"

"ہاں۔ بھیا نے مجھے بتا دیا تھا۔"

"تم نے مجھے نہیں بتایا۔ خیر' ٹھیک ہی کیا۔ بھیا کا اوتار قائم رہا میں کوئی دعویٰ نہیں کروں گا بھیا۔ لیکن بھگوان کی سوگند۔ جب تک میں زندہ ہوں۔ جب تک میرا جیون باقی ہے میں ان کے ساتھ انیائے نہ ہونے دوں گا۔

"میرا کام ختم ہو گیا۔" میں نے کہا۔ دل میں نہ جانے کیوں اداسی کی لہر دوڑ گئی تھی۔ اس کے بعد میں ان کے پاس نہ رکا اور ان سے اجازت لے کر نکل آیا۔

اب درگاپور میں ٹھہرنے کا ارادہ نہیں تھا۔ دیومتی اور ست پرکاش سے ذکر کرنے کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اور اگر ذکر کر دیتا تو وہ لوگ مجھے روکنے کی کوشش کرتے۔

یہ سب کچھ فضول تھا۔ اب یہاں رکنا بیکار ہے۔ میں نے سوچا۔ لیکن کہاں جاؤں؟ کسی بھی طرف' سب سے پہلے درگاپور سے نکلا جائے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔

میں چلتا رہا۔ اور پھر اسی مندر کے قریب پہنچ گیا۔ جہاں ہم نے درگاپور میں داخل ہونے کے بعد پہلی بار قیام کیا تھا۔ مندر کو دیکھ کر میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ دوشالہ اوڑھے رہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے اسے اتار دیا۔ سرحد پار کرتے وقت دیکھا جائے گا۔ اور پھر میں مندر کے سامنے سے بھی گزر گیا۔

اور پھر درگاپور کی حدود ختم ہوئی تھیں۔ کہ اچانک میری نگاہ سامنے اٹھ گئی۔ دل دھک سے رہ گیا تھا۔ سامنے سے طالوت آ رہا تھا۔

میرے قدم ٹھٹک گئے۔ طالوت نے بھی مجھے دیکھ لیا اور پھر وہ تیز قدموں سے میرے قریب پہنچ گیا۔ لیکن مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ نہیں آئی تھی۔ وہ بے حد سنجیدہ اور کسی قدر پریشان سا تھا۔ میں خاموش کھڑا رہا۔ اور وہ میرے قریب پہنچ گیا۔

"تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پریشان ہو گیا۔ کہاں چلے گئے تھے؟" اس نے سنجیدہ آواز میں کہا۔

میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"بتاؤ نا۔ کہاں چلے گئے تھے؟"

"کہیں نہیں طالوت۔"

"آؤ میرے ساتھ۔"

"کہاں؟" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اس کے سوال پر مجھے غصہ آ گیا تھا۔ لیکن میں نے سرد مہری سے کام لیتے ہوئے اس کا اظہار بھی نہیں کیا۔

"کہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" اس نے کہا۔

"نہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تم کہاں رکو گے پھر؟"

"ابھی کچھ نہیں سوچا۔ ویسے ابھی کیا جلدی ہے۔ آؤ تو سہی۔"

"نہیں طالوت۔ مجھے اجازت دو۔"

"ایسے اجازت نہیں دوں گا۔ تم آؤ تو سہی۔" طالوت نے بازو پکڑ لیا۔

"میری طالوت۔ زیادہ دور نہ جا سکوں گا۔ یہیں پاس ہوں۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" مجھے اس پر شدید غصہ تھا۔ کم بخت نے یہ بھی نہیں پوچھا تھا کہ آخر میں نے اس کے ساتھ یہ رویہ کیوں اختیار کیا ہے۔

"مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ آؤ۔ سامنے والے پہاڑوں تک چلیں گے۔"

"چلو۔" میں نے کہا اور اس کے ساتھ چل پڑا۔ ویسے میں اس کی سنجیدگی پر غور کر رہا تھا۔ وہ اتنا پریشان کیوں ہے۔ کوئی خاص ہی بات ہو گئی ہے کیا؟

بہرحال ہم نے پہاڑوں تک کا راستہ خاموشی سے طے کیا۔ شوخ طبیعت والے طالوت کی یہ پراسرار سنجیدگی مجھے بے حد عجیب لگ رہی تھی۔ لیکن میں نے بھی غصے کی وجہ سے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔ پھر ہم ایک پہاڑی غار میں داخل ہو گئے۔ غار بے حد کشادہ تھا۔ اس میں کئی سرنگیں ہوئی تھیں۔ اس کے علاوہ غار میں عجیب عجیب چیزیں موجود تھیں۔ کئی پتھر کے بت جن کی شکلیں بے حد بھیانک تھیں۔ ان میں سے بعض کی آنکھوں سے آگ نکل رہی تھی۔ انسانی جانچے۔ کھوپڑیاں ہڈیاں اور نہ جانے کیا کیا۔

"یہ یہ کونسی جگہ ہے؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"میں بڑی مشکلات میں گھر گیا ہوں۔ ایسی مشکلات میں ان کا تم اندازہ نہیں لگا سکتے۔" طالوت سنجیدگی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"تمہارے لئے بڑی خطرناک بات ہے۔"

"وہ۔ مگر ہوا کیا۔" اب مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"سنو۔ میرے پاس اس وقت کوئی قوت نہیں ہے۔ میں ان کی قید میں ہوں۔"

"کیا۔۔۔۔"

"پاری ہاتھ سن ہو۔ میں کو معصوم ہو گیا تھا۔ اس نے کہا۔ میں اپنے کمرے سے چلا گیا۔ اور پھر میں نے اپنے ساتھ ایسا واقعہ پیش آتے دیکھا کہ میرے ہوش اڑ گئے۔ میں نے اپنے ہاتھ میں ایک دوسرا ہاتھ دیکھا۔ میں نے اس ہاتھ کو جھٹکا دیا۔ طالوت جاتا رہا۔"

اور میں اپنی جیب میں سے ہتھوڑا نکال لیا۔ اور اس کے بعد میرے دل میں طالوت کے لئے زبردست نفرت پیدا ہو گئی۔ جب وہ اس قدر مجبور ہو گیا تو پھر میرے پاس کیسے پہنچا۔ اب وہ بھی میری طرح ایک مصیبت میں گرفتار تھا۔ اور ایسے وقت اس سے ناراضگی کا اظہار اسے کو پاگل سکتا تھا۔

"پھر تمہارا کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔ اس نے غار کے دور پر مجھے سب بند کر کے چھوڑ دیا۔ اب میں اس کا کیا بگاڑ سکتا ہوں۔"

"لعنت بھیجو طالوت۔ اچھا ہے دونوں یکساں ہو گئے۔ اب کہیں چل کر آرام سے رہیں گے۔"

"مگر میں بغیر کسی قوت کے زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ پھر یہاں کی سرحد سے نکلنا کس قدر مشکل ہو گا۔ ہم ان کی نظروں سے چھپ بھی تو نہیں سکتے۔" طالوت نے اداسی سے کہا۔

"ایک چیز تم بھول رہے ہو۔" اچانک میں نے مسکرا کر کہا۔

"کیا؟" طالوت نے تعجب سے پوچھا۔

"شاہ دانہ کا دوشالہ۔ اسے اوڑھ کر ہم سب کی نظروں سے گم ہو سکتے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔" طالوت اچھل پڑا۔ "ہاں۔ میں تو بھول ہی گیا۔ اوہ۔ میں بھی کیسا احمق ہوں۔ ذرا دو تو سہی۔ دیکھو وہ میرے اوپر کار آمد بھی ہو سکتا ہے یا نہیں۔"

اور میں نے طالوت کی امانت اسے لوٹا دی۔ طالوت نے مسکراتے ہوئے دوشالہ لے لیا۔ اور اسے غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے دوشالہ اوڑھا اور میری نظروں سے غائب ہو گیا۔

"کیا میں تمہیں نظر آ رہا ہوں؟"

"نہیں۔"

"خوب چیز ہے یہ بھی۔ اور کوئی چیز نہیں ہے تمہارے پاس؟"

"اس کے علاوہ اور کیا دیا تھا تم نے مجھے؟"

"چلو۔ چلو ٹھیک ہے۔ تو اب میں اسے اتار رہا ہوں۔" طالوت بولا اور اس نے دوشالہ اتار دیا۔ لیکن اس بار جو میں نے اس کی شکل دیکھی تو خوف سے اچھل پڑا۔

"میرے سامنے تمہارا کٹا ہوا سر ہے۔" میں چلایا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" اس نے اپنے خیالات بتاتے ہوئے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ "یہ کیا ہو گیا ہے۔ ایک بات میں سنو۔ تم اسے اوڑھ کر دوشالہ دیکھو۔"

زندگی پر ایک مستند کتاب

ٹیلی پیتھی اور مستقبل بینی کی

مصنف: ڈاکٹر ایس صدیقی

پیاپیغام آدھوں سے دھنوں تک پہنچانے اور ان کے دل کا حال جاننے کا سائنسی طریقہ

قیمت -/40 روپے | ڈاک خرچ -/23 روپے

کتاب کے چند عنوانات

ٹیلی پیتھی کی مشق
تحت الشعور اور اس کی بے پناہ قوت
جبلت کی کارفرمائیاں
مابعد الطبیعات
تبادلہ طرز تنفس
اشتعال انگیز
اور اس کی قسمیں
مضرات اشتعال انگیز

دانشاں
غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک
قوتوں کا سرچشمہ
مستقبل بینی
اہل حقیقت
بعض عجیب واقعات
طاقت ور احساسات
مستقبل بینی کے طریقے
مستقبل بینی کے مضرات
اچھے اور برے پہلو

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74200
فون 5802551 - 5802552-5805312
Kitabiat1970@yahoo.com

ی منٹ تک میرے حواس گم رہے۔ پھر میں نے سنبھل کر کہا۔ "تم۔ یہ تم ہو تنکا؟"

"ہاں سوامی۔ آپ کا داس تنکا۔ بس آپ کی ضرورت تھی۔"

"طالوت کہاں گیا؟"

"اس کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا تھا غلط نہیں کہا تھا۔ سوائے اس کے کہ میں نے اس کو چھوڑا نہیں۔ وہ میری قید میں ہے۔"

"میرا دوشالہ واپس کر دو۔"

"رام۔ رام۔ رام۔ کیشی بچوں کی سی باتیں کرتے ہو سوامی۔ تمہارا نام مجھے یاد نہیں۔" تنکا بنتے ہوئے کہا اور میں غور کرنے لگا۔ "واقعی میں ہی دھوکہ کھا گیا تھا۔ اس نے ایک بار بھی میرا نام نہیں لیا تھا۔ اور پھر بہت سی باتیں اس کی بدلی ہوئی تھیں۔ غصے میں میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔

"دوشالہ واپس کر دو تنکا۔"

"ارے مجھے اس کی حفاظت تھی سوامی۔ میں جانتا چاہتا تھا کہ شریمان آنکھوں سے کیسے غائب ہو جاتے ہیں۔"

"واپس کرتے۔ دوشالہ مجھے واپس کر دو۔" میں اس پر جھپٹ پڑا۔ لیکن تنکا اچھل کر دور ہٹ گیا تھا۔ اور پھر اس نے وہی مخصوص مکروہ قہقہہ لگایا۔ اور ایک پتھر کے بت کو اشارہ کیا۔

"شری مان کو ان کے ساتھی کے پاس پہنچا دو۔" اور بت متحرک ہو گیا "ٹھہرو۔ وہاں نہیں۔ انہیں الگ کوٹھری میں پہنچا دو۔ یہ انسان ہیں۔ اور انسان بہت چالاک ہوتے ہیں۔ یہ کوئی چکر نہ چلا دیں۔"

بت میری طرف بڑھتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کی روشنی میرے بدن کی قوت سلب کر رہی تھی۔ میں نے بچنے کی کوشش کی لیکن اس نے میری گردن پکڑ لی اور اسے دبانے لگا۔ میرے کمزور ہاتھ اس کے پتھریلے پنجوں کو گردن سے علیحدہ نہ کر سکے۔ اور میں حواس کھونے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد مجھے کچھ یاد نہ تھا۔

نہ جانے کب تک حواس گم رہے۔ جاگا تو کھوپڑی میں ستارے ناچ رہے تھے۔ منہ کا مزہ خراب تھا۔ ویسے کوٹھری میں روشنی تھی۔ کوٹھری کیا ایک غار تھا۔ جس کی دیواریں شاخ تھیں۔ میں نے ٹھنڈی سانس لے کر گردن سہلائی اور اسی وقت "چٹاک" میرے کانوں میں ایک آواز گونجی۔ کوئی مجھے تشویش کر کے بلا رہا تھا۔ میں نے چونک کر چاروں طرف دیکھا۔ تھوڑی بلندی پر ایک سوراخ تھا۔

ا کہ میں کھڑے ہو کر اس میں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن سوراخ
ا چھوٹا تھا کہ اس سے کسی انسان کے نکلنے کا سوال ہی نہیں
ا ہوتا تھا۔ کیا اس طرف طالوت ہے؟ میں نے سوچا۔ اور
ی جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ تب میری نگاہ سوراخ کے دوسری
رف پڑی' اور ایک بار پھر میں ششدر رہ گیا۔ وہ شکل ایسی
تھی جسے ایک بار دیکھ کر بھلایا جا سکے۔ وہ تو ذہن پر نقش
جانے والوں میں سے تھی۔

"راج ہنس۔" میرے منہ سے نکلا۔

"ارے۔ تم مجھے جانتے ہو۔" وہ حیرت سے بولی۔ آواز
ی کہ گھنٹیاں بج رہی تھیں۔

"تم راج ہنس ہی ہو نا؟"

"ہاں۔ میں اسی منحوس نام سے منسوب ہوں۔"

"کیا مطلب۔ کیا تمہارا یہ نام نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"پھر کیا نام ہے؟"

"پہلے تم اپنے بارے میں بتاؤ۔ کیا تم تنکا کے قیدی
ہو؟"

"ہاں۔" میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"کیوں قید کیا ہے اس نے تمہیں؟"

"لمبی کہانی ہے۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"عارف۔"

"اوہ۔" وہ چونک پڑی۔ "عارف۔ عارف۔ ایسے نام
صرف نوں کے ہوتے ہیں۔"

"الحمد اللہ۔ میں مسلمان ہوں۔"

"اچھا۔" اس کے لہجے میں ایک انوکھا انبساط تھا۔ ایک
ایسا سرور تھا۔

"خدا کا شکر ہے۔ احسان ہے اس معبود کا۔" وہ بولی اور
ایک بار میری حیرت کی باری تھی۔

"کیا مطلب۔ کیا مطلب؟"

"میں بھی مسلمان ہوں عارف۔ میرا نام شکیلہ ہے۔ آہ
کیسی خوشی ہوئی ہے عرصہ دراز کے بعد ایک مسلمان کو
دیکھ کر۔ تم اس کے چنگل میں کیسے آ پھنسے؟"

"تم۔ تم مسلمان ہو۔ تم۔" میں شدت حیرت سے دیوانہ
ہو رہا تھا۔

"ہاں۔ الحمد اللہ میں بھی مسلمان ہوں۔"

"لیکن راج ہنس؟"

"یہ منحوس نام ان بدبختوں نے ہی مجھے دیا ہے۔" شکیلہ
درد ناک لہجے میں بولی۔ "اور نہ جانے دل کے کونے کھدرے
حصوں سے اس کے لئے محبت پھوٹ پڑی۔ نہ جانے کیوں
اس سے بے پناہ اپنائیت محسوس ہوئی۔ میں شدت جذبات
سے گنگ اسے دیکھتا رہا۔ اور وہ بھی مجھے گھورے جا رہی
تھی۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لی۔

"لیکن آپ نے حلیہ تو سادھوؤں کا سا بنا رکھا ہے۔"

"مصلحت تھی شکیلہ۔ لیکن یقین کرو۔ یہ جان کر شدید
حیرت ہوئی کہ تم مسلمان ہو۔"

"یہی کیفیت میری بھی ہوئی عارف۔ لیکن آپ مجھے
راج ہنس کے نام سے کیسے جانتے ہیں۔"

"ہم تمہیں آج سے نہیں جانتے شکیلہ۔ کافی عرصے قبل
ہم نے تمہیں ایک مندر میں دیکھا تھا۔ اور یہ شاید مذہب کی
کشش ہی تھی کہ ہم اکثر تمہارے بارے میں سوچتے
رہتے۔"

"ہم سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"میرا ایک اور دوست۔ میرا بھائی۔"

"یا وہ آپ کے ساتھ نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ وہ بھی منحوس تنکا کے چکر میں ہے۔"

"خدا غارت کرے اس منحوس کو۔ نہ جانے کیوں اللہ
نے اس کی رسی دراز کر دی ہے۔" شکیلہ درد بھرے لہجے میں
بولی۔

"اپنے بارے میں کچھ اور نہیں بتاؤ گی شکیلہ؟"

"کیا بتاؤں عارف صاحب۔ دنیا کی سب سے بدنصیب
ہستی ہوں۔" میری وجہ سے میرے باپ اور دادا مارے
گئے۔ اب پوری دنیا میں تنہا ہوں۔"

"مارے گئے؟"

"ہاں۔ ان ظالموں نے نہ جانے کیسے مجھے تاک لیا۔
اور میرے پیچھے پڑ گئے۔ ذلیل پجاری پوران لال نے وزیر
ہرچرن اگال کی مدد سے مجھے اغوا کرایا۔ میرے والد اور دادا
نے مدافعت کی تو انہوں نے گھاتیوں سے انہیں ہلاک
کر دیا۔ ماں بچپن میں مر چکی تھی۔ اس کے بعد میرا کوئی نہیں
رہا۔ اور پھر میں ان منحوسوں میں تنازعہ کی حیثیت اختیار
کر گئی۔ چھ سال سے میں مندروں میں ماری ماری پھر رہی
ہوں۔ خبیث صورت تنکا بھی میرا طلب گار ہے۔ عجیب سے
چپقلش چل رہی ہے ان کے درمیان۔ شاید قدرت اسی طرح
میری عزت کی حفاظت کر رہی ہے کہ ان کے درمیان میرے
بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہو پا رہا۔"

"اوہ۔"

"اور اب یہ تنکا مجھے لے آیا ہے۔ اس ذلیل نے بھی
میری عزت دو کوڑی کی کر رکھی ہے۔ روزانہ شراب پیتا ہے
اور پتھر کے ایک بدشکل مجسمے کے سامنے مجھے رقص کرنا پڑتا
ہے۔" شکیلہ زار و قطار رونے لگی۔

"تمہارا درد تا دوست ہے کہ میں تمہیں دلاسہ بھی نہیں
دے سکتا مجھے اپنے غم میں برابر کا شریک سمجھو۔" میں نے
بھی درد بھری سے کہا۔

"چوبیس عرصے کے بعد میں نے ہمدردی کے الفاظ سنے
ہیں۔ میں تو اتنی بدنصیب ہوں کہ مجھ سے ہمدردی کرنے والا
بھی کوئی نہیں ہے۔" شکیلہ سسکیاں لیتے ہوئے بولی۔

میں گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ طالوت کی جانب سے
اب میرے دل کی کدورت نکل گئی تھی۔ وہ غریب خود
مصیبت میں گھر گیا تھا۔ کاش میں اس کی مدد کر سکتا۔ بہرحال
میں ذہن دوڑاتا رہا۔ تنکا سچ مچ شیطان تھا۔ اب اس کے
چنگل سے نکلنا آسان نہیں تھا۔ دوسری طرف شکیلہ کی دکھ
بھری داستان نے دل ہلا دیا تھا۔

اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ کوئی چیز دماغ میں چبھ
رہی ہے' کوئی ایسی بات' جسے میں نے نظر انداز کر دیا تھا۔
کونسی ایسی بات تھی۔ کونسی ایسی بات تھی؟ میرے ذہن میں
وہ بات نہ آ سکی۔ شکیلہ کی سسکیاں اب رک گئی تھیں۔

"بہرحال۔ عارف صاحب۔ میں نے آپ کو بھی رنجیدہ
کر دیا۔ لیکن یقین کریں۔ کسی ہمدرد کے سامنے آنسو بہانے
سے دل کا درد بہت ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"مجھے سخت افسوس ہے مس شکیلہ۔ لیکن آپ فکر نہ
کریں۔ میں اور میرا دوست بھی اس ذلیل سادھو کے چکر میں
پھنسے ہوئے ہیں۔ اگر ہم آزاد ہوئے تو۔ تینوں ساتھ ہی آزاد
ہوں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں مس شکیلہ کہ اگر یہاں سے
نکلنے کا موقع مل سکا تو ہم تنہا نہ ہوں گے' آپ ہمارے ساتھ
ہوں گی۔"

"کاش۔ کاش۔" وہ حسرت بھرے انداز میں بولی۔

"ایک اور بات شکیلہ۔ شاید تنکا کو مجھے یہاں قید کرتے
ہوئے اس سوراخ کا احساس نہیں تھا' اس لئے ہم اسے یہ
احساس نہیں ہونے دیں گے کہ ایک دوسرے سے مل چکے
ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"بہرحال خدا پر بھروسہ رکھو۔ وہ ہماری مدد کرے گا۔"
اور پھر میں سوراخ کے پاس سے ہٹ گیا۔

اس رات میں مضمحل ہو رہی تھی۔ لیکن مجبوری تھی
بھی کیا سکتا تھا۔ وقت گزرتا رہا۔ خاصی دیر کے بعد پتھر کی
دیوار میں ایک چوڑی کھڑکی کھلی اور ایک تھال اندر پہنچا دیا
گیا۔ جس میں کھانے پینے کی چیزیں تھیں۔ ان سے پرہیز
نہیں کر سکتا تھا۔ بھوکا رہ کر عقل بھی کام نہیں کرتی۔ اس
لئے آرام سے کھایا اور پھر غار کے پتھریلے فرش پر لیٹ گیا۔
عجیب غنودگی کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ پھر سو گیا۔

نہ جانے کس قدر رات گزری تھی کہ میرے کانوں میں
شکیلہ کی آواز ابھری "عارف صاحب۔ عارف صاحب۔" وہ
سوراخ سے مجھے آواز دے رہی تھی۔ میں جلدی سے اٹھ کر
سوراخ پر پہنچ گیا۔ رات کا وقت تھا' اس کی شکیلہ نظر نہیں
آ رہی تھی۔

"شکیلہ۔" میں نے اسے آواز دی۔

"اوہ۔ کیا آپ سو گئے تھے؟"

"ہاں۔ شاید۔" میں نے کہا۔

"کھانا ملا آپ کو؟"

"ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"اسی لئے تکلیف دی تھی۔ میرے پاس کھانے کا کچھ
سامان تھا۔" شکیلہ نے کہا۔

"شکریہ شکیلہ۔ کیا وقت ہوا ہو گا؟"

"رات کا پچھلا پہر ہے۔ میں ابھی اس منحوس کے پاس
سے آئی ہوں۔"

"تنکا کے پاس سے؟"

"ہاں۔"

"اوہ۔ اوہ۔" اچانک میرے ذہن کی وہ کھڑکی کھل گئی
جس کے بارے میں میں نے پہلے سوچا تھا۔ وہ بات یاد آئی جو
بھولی بھولی سی لگ رہی تھی۔ اور میں چونک پڑا۔

"شکیلہ۔" میں نے اسے آواز دی۔

"ہاں۔ میں موجود ہوں عارف صاحب۔"

"ایک بات بتاؤ۔"

"جی۔"

"کیا تم روزانہ تنکا کے سامنے رقص کرتی ہو؟"

"ہاں۔"

"کسی مخصوص وقت پر؟"

"ہاں۔"

"اور وہ شراب پیتا رہتا ہے۔"

"ہاں۔"

"اس کے بعد کیا ہوتا ہے شکیلہ؟"

"وہ مدہوش ہو کر وہیں اوندھا لیٹ جاتا ہے۔" اور پھر

آواز میں بولی۔

"اوہ۔ رک جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں' شاید میں اس کھڑکی سے گزر سکوں۔" میں نے کہا اور پھر میں نے سخت جدوجہد شروع کردی۔ سر بآسانی کھڑکی سے نکل گیا۔ لیکن شانے چوڑے تھے' پھنس گیا تو عبرتناک موت ہوگی۔ لیکن زندگی کی جدوجہد کے لئے موت سے کھیلنا ہی پڑتا ہے۔ میں نے بدن سکوڑا۔ اور اس چھوٹی سی کھڑکی سے نکلنے کی بھرپور جدوجہد کرنے لگا۔ حواس معطل ہوئے جارہے تھے۔ کیونکہ کھڑکی اتنی کشادہ نہیں تھی۔ میں اپنے بدن کو ایک ایک تل سرکا رہا تھا۔

شکیلہ کی بھی جان پر بنی ہوئی تھی۔ وہ بری طرح کانپ رہی تھی اور اس کے پاؤں بے جان ہوئے جارہے تھے۔ کئی بار تو ہمت ساتھ چھوڑ گئی۔ میں نے سوچا شاید مجھ بدنصیب کو یہ انوکھی موت ہی ملنی ہے کہ ایک دیوار کے سوراخ میں پھنس کر جان دوں۔ اور یہ جدوجہد۔ اُف کیسی خوفناک تھی۔ بدن کا کونسا حصہ تھا جو چھل نہ گیا ہو۔ پسلیاں تھیں کہ ایک دوسرے پر چڑھ گئی تھیں۔ بقیہ بدن دوسری طرف لٹکا ہوا تھا۔ ہاتھ بے جان ہو رہے تھے۔ جن کی قوت سے میں تل تل سرک رہا تھا۔

اتنا تھک گیا کہ بے جان ہوگیا۔ شکیلہ دل پکڑے مجھے دیکھ رہی تھی پھر وہ آگے بڑھی اور اپنے کمزور ہاتھوں سے مجھے کھینچنے لگی۔ "عارف صاحب! عارف صاحب ہمت کریں۔"

"ہاں۔ ہاں۔" میں نے نیم غشی کی حالت میں کہا اور پھر بھرپور قوت صرف کرنے لگا' بدن کی کھال جگہ جگہ سے اتر گئی تھی۔ لیکن اب امید بندھ چلی تھی۔ سینہ بس باہر آیا ہی چاہتا تھا۔

اور خدا خدا کرکے سینہ باہر نکل آیا۔ بقیہ جسم نکلنا مشکل کام نہیں تھا۔ اور پھر میں نیچے آگرا۔ شکیلہ مجھے بھرپور سہارا دیئے ہوئے تھی۔

"خدا کی پناہ۔ آپ تو سخت زخمی ہوگئے۔" اس نے بدحواسی سے میرا سر اپنے رانو پر رکھتے ہوئے کہا اور اپنے لباس سے میرے بدن کا پسینہ خشک کرنے لگی۔ اس نے میرا چہرہ پونچھا۔

عورت کی آغوش بھی کیا ہوتی ہے۔ عورت کا لمس بھی کیا ہوتا ہے' ہاں ہوتی ہے تو مامتا سارے دکھ خود میں سمو لیتی ہے۔ بہن ہوتی ہے تو خون کی صلک دل کو قرار بخشتی ہے۔ بیٹی ہوتی ہے تو باپ کے دل کو سکون دیتی ہے۔ بیوی ہوتی ہے تو جذبات کی حدت کو ٹھنڈک مل جاتی ہے۔

شکیلہ کی آغوش میں بھی بڑا سکون تھا۔ میں اسے کوئی نام نہیں دے سکتا تھا۔ لیکن لیکن میں نے بڑی اچھی کیفیت محسوس کی تھی اور اس کیفیت نے میرے ذہن پر خوشگوار اثر ڈالا۔ اور چند ساعت کے بعد ہی میں اٹھ بیٹھا۔

"معاف کرنا شکیلہ۔ تمہیں پریشان کیا۔"

"آپ ٹھیک تو ہیں نا عارف صاحب؟"

"ہاں۔ اب ٹھیک ہوں۔ بہت چھوٹی جگہ تھی۔"

"خدا کا احسان ہے۔"

"آؤ۔ وہ کہاں ہے؟"

"چوکا؟"

"ہاں۔ اسے دیکھیں۔ ہوش میں نہ آجائے۔"

"مشکل ہے۔" شکیلہ نے میرے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔"

"میں نے پتھر کی موگری پوری قوت سے اس کے سر ماری تھی۔"

"خوب۔ موگری تمہیں کہاں سے مل گئی؟"

"ایک بت کے ہاتھ میں گزر کی طرح پھنسی ہوئی تھی۔ میں نے اس سے ادھار مانگ لی۔" شکیلہ نے جواب دیا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ میں نے دل ہی دل میں اس کی ظرافت کو سراہا۔ یہ لڑکی ان حالات میں ظریف رہ سکتی ہے۔ بڑی بات تھی۔

"ہم اس بت کا شکریہ ادا کریں گے۔ تنکا مہاراج کہاں ہیں؟"

"آیئے۔ اس طرف۔" اور ہم نے رفتار تیز کردی۔ چند ساعت کے بعد ہم چوکا کے پاس پہنچ گئے۔ وہ زمین پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔ میں نے جھک کر اسے دیکھا اور گہری سانس لی۔ اس بدبخت کا تو بھیجا نکل پڑا تھا۔ زندگی کی کوئی رمق اس میں موجود نہ تھی۔

"زندہ باد۔ چوکا مہاراج تو پرلوک سدھار گئے۔"

"م۔ مرگیا؟" شکیلہ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"مرنا ہی چاہئے تھا۔ ایک مسلمان لڑکی کے ہاتھوں وار تھا۔ میری تو خواہش ہے کہ یہ بار بار زندہ ہو۔ اور تم اسے بار بار قتل کردو۔" میں نے جھک کر وہ موگری اٹھالی جس سے شکیلہ نے چوکا کو قتل کیا تھا۔ اچھی خاصی وزنی موگری تھی۔ بہرحال اسے لے کر میں شکیلہ کے ساتھ چل پڑا۔ اور پھر ایک سرنگ سے گزر کر ہم دوسرے کشادہ غار کے سوراخ پر پہنچ گئے۔

غار میں پہنچتا ہے۔"

کا کون ہے؟"

کا غلام۔"

ں اندازہ ہے کہ یہاں تنکا کے کتنے غلام ہیں؟"

خوس ہے حد پراسرار ہے۔ میرا خیال ہے میں نے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں دیکھا۔ ویسے اس کے پتھر کے بت چل پڑتے ہیں۔"

ہ کی کیا کیفیت ہے؟"

نہیں سمجھی؟"

مطلب ہے کسی جسامت کا انسان ہے؟"

ا چھا۔ سادھو قسم کا آدمی ہے۔ کہہ رہا تھا۔ آج نے اس کے منہ سے کوئی آواز نہیں سنی۔ شاید گونگا یلہ نے جواب دیا اور میں سوچ میں گم ہوگیا۔ پھر کئی لمحوں غور و خوض کے بعد میں نے کہا۔

یلہ۔"

"

یہاں سے نکلنے کے لئے تھوڑی سی جدوجہد کرسکتی

ی جدوجہد عارف صاحب۔" شکیلہ نے متعجبانہ کہا۔

ں۔ جب تم تنکا کے پاس سے واپس آؤ۔ تو کوئی ایسی باس میں چھپا لو۔ جس سے چوکا کو راستے میں ہلاک سکو۔ ایسا زخمی کہ تمہیں میرے اس غار کا دروازہ ل مہلت مل جائے۔"

ہر ساکت رہ گئی۔ کئی منٹ تک اس کے منہ سے نکل سکی پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا

ں تو میں کوشش کرسکتی ہوں۔"

ا خیال ہے شکیلہ یہ ہمت کرہی ڈالو۔ جس خدا نے تمہاری عصمت کی حفاظت کی ہے وہی تمہیں یہ کام ہمت بھی دے گا۔ اور پھر غور کرو۔ ان ذلیل کے ارادے اچھے تو نہیں ہیں۔ کبھی نہ کبھی ان رات پر بن آئے گی' اور اس کے بعد تم کیا کرو گی۔ یا سے اپنی عزت لٹ جانے دو گی؟"

گز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا نہ کرے۔" شکیلہ کانپ

ب یوں کہو شکیلہ۔ کہ اپنی عزت بچانے کے لئے تم ہمت کرو گی اس وقت کا انتظار کیوں کر رہی ہو۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں عارف صاحب۔" شکیلہ نے اپنی بھیگی آواز سے کہا۔

"ہمت اور ہوشیاری شرط ہے۔"

"میں انتہائی کوشش کروں گی۔ آپ بے فکر رہیں۔"

"ممکن ہے کل کا دن ہماری کامیابیوں کا دن ہو۔" میں نے کہا اور شکیلہ خاموش رہی "بس آرام کرو شکیلہ۔" میں نے کہا اور شکیلہ سوراخ کے پاس سے ہٹ گئی۔ میں بھی اپنی جگہ آلیٹا۔

لیکن اب نیند آنکھوں میں کہاں تھی۔ خیالات تھے کہ ذہن پر یلغار کئے ہوئے تھے۔ نہ جانے خاوت کہاں قید ہے۔ شاید انہیں غاروں میں۔ کیا کیفیت ہوگی اس کی۔ بہت دکھی ہوگا۔ بہت پریشان ہوگا۔ خاوت کے لئے دل میں بے پناہ جذبہ رونما ہوگیا۔ کسی طرح اسے رہا کرالوں۔ دل میں یہی خیال تھا۔

ساری رات نہ سو سکا۔ اور پھر دن کی روشنی غار میں داخل ہوگئی۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔ تن بے تقدیر ہوگیا۔ حسب معمول صبح کا ناشتہ اور پھر دوپہر کا کھانا بھی ملا۔ یونہی بے چینی سے دن گزرا۔ میرا دل جانتا ہے۔ شکیلہ سے کئی بار گفتگو ہوئی اور میں اس کی ہمت بڑھاتا رہا۔ یہاں تک کہ رات ہوگئی۔

اور پھر رات کو میں نے شکیلہ کو آواز دی۔ لیکن دوسری طرف سے جواب نہ ملا۔ گویا شکیلہ جاچکی ہے۔ دل تھا کہ سینے سے ہر اٹھ آرہا تھا۔ ایک ایک لمحہ شاق گزر رہا تھا۔ ہر آہٹ پر کان لگے ہوئے تھے۔ ایسی بری حالت ہوگئی کہ زمین پر لیٹ گیا۔

کاش شکیلہ کامیاب ہوجائے۔ کاش۔ کاش۔ دل سے یہی دعا نکل رہی تھی۔

اور پھر نہ جانے کتنی صدیوں گزر گئیں۔ تب باہر غار کے بیرونی حصے میں آہٹ ہوئی۔ اور پھر وہی کھڑکی کھل گئی۔ جس سے کھانا اندر آتا تھا۔ اور پھر شکیلہ کی آواز ابھری۔

"عا۔ عارف۔ صاحب۔" میں بجلی کی سرعت سے کھڑکی کے نزدیک پہنچ گیا۔

"شکیلہ۔"

"میں نے۔ میں نے اسے۔" شکیلہ کی بری حالت تھی۔

"کام ہوگیا شکیلہ؟" میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"ہاں۔" وہ بھیگی بھیگی آواز میں بولی۔

"زندہ باد۔ دروازہ کھول دو۔"

"پتہ نہیں کیوں میرے حلق کو۔" شکیلہ روتی

شکیلہ نے اندر اشارہ کیا۔

اندر روشنی ہو رہی تھی۔ کئی شمعدان روشن تھے۔ پیلی روشنی میں چاروں طرف رکھے بت خوفناک نظر آ رہے تھے۔ جو اوتاروں کے نہیں تھے بلکہ... یہ بھیانک شکلیں ارواح خبیثہ تھیں۔ غار میں کوئی آہٹ نہیں تھی۔ میں دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا۔ اور پھر میری نگاہ تنکا پر پڑی۔

جٹروس بوڑھا اور ایک مرگ چھالہ پر کروٹ لئے لیٹا تھا۔ شراب کے برتن اس کے نزدیک پڑے تھے۔ میں بلی کی طرح اس کے پیچھے پہنچ گیا اور پھر میں نے بسم اللہ کہہ کر موگری اٹھائی اور پوری قوت سے اس کے سر پر دے ماری۔ پچاق سے آواز ہوئی اور تنکا کا سر پاش پاش ہو گیا۔

اس کا سوکھا بدن اذیت سے تڑپنے لگا۔ اور اس کے ساتھ پورے غار میں وحشت ناک چیخیں گونجنے لگیں۔ سارے بت حلق پھاڑ کر چیخ رہے تھے۔ شمعدانوں میں سلگتی ہوئی شمعوں کی لوئیں کئی کئی فٹ بلند ہو گئی تھیں۔ روشنیوں کے جھماکے ہو رہے تھے۔ پتھریلے قدموں کے دوڑنے کی آوازیں آ رہی تھیں' اور ان میں رونے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔

شکیلہ چیخ مار کر مجھ سے لپٹ گئی۔ اس نے میرے سینے میں منہ چھپا لیا تھا۔ میرے بھی رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اور میں وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ تنکا بدستور تڑپ رہا تھا۔ سوکھا سا انسان تھا' لیکن کمبخت میں بڑی جان تھی۔ سر پاش پاش ہو گیا تھا لیکن بری طرح اچھل رہا تھا اور پھر رفتہ رفتہ وہ ساکت ہو گیا۔

میں نے محسوس کیا تھا کہ جوں جوں اس کا جسم ساکت ہوتا جا رہا ہے شور کی آوازیں رکتی جا رہی ہیں۔ اور جب اس کے جسم کی آخری دھڑکن بھی ساکت ہو گئی تو شور بھی رک گیا۔

ماحول پر اچانک خوفناک سکوت مسلط ہو گیا۔ اور یہ سناٹا بھی بڑا عجیب تھا۔ ہمیں اپنے دلوں کی دھڑکنیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ شمعوں کی روشنیاں بھی ہموار ہو گئیں۔ تب شکیلہ نے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں دنیا جہان کا خوف سمٹ آیا تھا۔ میں نے اسے سینے سے بھینچ لیا۔

"میرا خیال ہے تنکا کا طلسم ٹوٹ گیا۔"

"ہاں۔ یہاں سے نکل چلیں عارف صاحب۔" شکیلہ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"آؤ۔" میں نے کہا۔ اور پھر ہم دونوں اس غار سے باہر [illegible] نے کہا اور [illegible] ظر دیکھے۔ بہت سے مجسمے اوندھے سیدھے پڑے ہوئے تھے۔ وہ ساکت تھے۔

"شاید یہی دوڑ رہے تھے؟" شکیلہ خوف سے بولی۔

"ہاں۔ لیکن اب یہ سب بے جان ہیں۔"

"نکل چلیں عارف صاحب۔ خدا کے لئے جلدی ان غاروں سے نکل چلیں۔"

"نہیں شکیلہ۔ ہم ابھی نہیں چلیں گے۔ ابھی یہاں ایک اور ہستی ہے جو مجھے دل و جان سے زیادہ عزیز ہے۔ ہم اسے تلاش کریں گے۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا۔

○☆○

www.urdukorner.com

www.urdukorner.com

"اوہ' معاف کیجئے۔ ہاں' ان کے بارے میں آپ نے کہا۔" شکیلہ نے معذرت آمیز انداز میں کہا اور پھر میں غاروں کی خاک چھاننے لگا۔ میں ایک ایک جگہ طالوت کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ میرے دل میں اس کی محبت کروٹیں بدل رہی تھی۔ میری آنکھیں اسے تلاش کر رہی تھیں۔

اور پھر جب میں اس کا سراغ نہ لگا سکا تو میں نے اسے آواز دی "طالوت۔۔۔ طا۔ لو۔ ت۔۔۔" میری آواز سیکڑوں آوازوں میں بٹ کر غاروں میں گونجنے لگی۔

"طالوت۔۔۔!" شکیلہ آہستہ سے بولی۔

"طالوت۔" میں نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے دوبارہ آواز دی اور میری آواز پھر کئی گنا ہو کر گونجنے لگی۔ تب۔۔۔ تب اچانک میرے کانوں میں ایک بھنچی بھنچی سی آواز آئی۔

"عارف۔۔۔!"

اور میں خوشی سے اچھل پڑا۔ یہ طالوت کی آواز تھی

"سنی۔ سنی تم نے یہ آواز۔" میں نے شکیلہ سے کہا۔

"ہاں۔ مگر سمت کا اندازہ نہیں ہو سکا۔"

"طالوت۔" میں نے اس بار پہلے سے زیادہ زوردار آواز لگائی۔ اور جوں ہی میری آواز کی بازگشت ختم ہوئی۔ طالوت کی آواز سنائی دی۔

"عارف۔۔۔!" اور اس بار میری پوری توجہ اس آواز پر تھی۔ میں نے شکیلہ کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔ میں نے آواز کا کسی حد تک اندازہ لگا لیا تھا۔ کہ وہ بہت دھیمی تھی۔

"عارف۔ عارف۔ عارف۔" اب طالوت مجھے مسلسل آوازیں دے رہا تھا۔

"میں آ رہا ہوں طالوت۔" میں نے حلق پھاڑ کر کہا۔

"یہ طالوت کیا نام ہے؟" شکیلہ نے حیرت سے کہا۔ لیکن میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور آواز کا تعاقب کرتا ہوا اس غار تک پہنچ گیا۔ جہاں سے طالوت کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ یہاں بھی وہی پوزیشن تھی۔ کھانا دینے کی کھڑکی اور دروازہ۔ لیکن دروازہ نامعلوم تھا۔

میں نے کھڑکی باہر سے کھولی اور طالوت جلدی سے کھڑکی پر پہنچ گیا "طالوت؟"

"اوہ۔۔۔ عارف۔ سچ مچ تم ہی ہو۔" طالوت کی آواز میں تھکن نمایاں تھی۔

"ہاں طالوت۔ یہ میں ہی ہوں۔ ٹھہرو۔ میں دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" میں نے کہا اور پھر میں اس

www.urdukorner.com

دروازے کی کل تلاش کرنے لگا۔

شکیلہ بدحواس تھی اور پھر وہ عورت تھی۔ اسی لیے اسے اس دروازے کو کھولنے کا طریقہ نہیں آیا تھا اور میری بری حالت ہو گئی تھی لیکن میں نے وہ پتھر تلاش کر لیا' جس کے دبانے سے وزنی چٹان کی کمانیاں کھل جاتی تھیں' اور پھر میں نے دروازہ کھول دیا۔

طالوت جلدی سے باہر نکل آیا تھا۔ وہ چاروں طرف دیکھنے لگا اور پھر اس کی نگاہ شکیلہ پر پڑی۔ تاریکی کی وجہ سے شکیلہ کے خدوخال بھی نہیں نظر آ رہے تھے۔

"یہ۔ یہ کون ہیں؟"

"آؤ۔ یہاں سے نکل چلیں۔ اس کے بعد باتیں کریں گے۔"

"اوہ۔ یہاں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"آؤ تو سہی۔"

"ابھی یہاں شور کیسا تھا؟" عجیب آوازیں آ رہی تھیں۔

"ہاں۔" میں نے مختصراً کہا اور آگے بڑھتا رہا۔

"کیا تنکا اس وقت یہاں موجود نہیں ہے؟"

"نہیں۔"

"کہاں گیا؟"

"جہنم رسید ہو گیا۔" میں نے جواب دیا۔

"ایں؟" طالوت چونک کر رک گیا "کیا واقعی؟"

"ہاں طالوت۔"

"مگر کیسے؟"

"دیکھنا چاہتے ہو؟"

"ہاں' ہاں' ضرور۔ کیا تم نے اسے ہلاک کر دیا؟" طالوت بچوں کی طرح سوالات کر رہا تھا۔ اس کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں تھی۔

"آؤ تمہیں دکھاؤں۔"

"وہ سچ مچ ہلاک ہو چکا ہے عارف یا تم مجھے بہلا رہے ہو؟"

"ابھی دیکھ لو گے۔"

"سنو۔ اگر وہ ہلاک ہی ہو گیا تو اس کی لاش دیکھنے سے قبل ہم ایک اور کام کر لیں۔"

"کیا؟"

"راج ہنس بھی یہاں قید ہے۔"

"اوہ۔" میں چونک پڑا۔ طالوت کا ذہن ابھی شکیلہ کی طرف نہیں گیا تھا۔ تاریکی کی وجہ سے وہ اس کی شکل بھی نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں نے شکیلہ کی طرف دیکھا۔ شکیلہ کے چہرے پر نہ جانے کیسے تاثرات تھے۔

"وہ بھی انہی غاروں میں ہو گی۔"

"تمہیں کیسے معلوم؟" میں نے کہا۔

"ارے وہ اسی منحوس کی قید میں تھی بے چاری۔" طالوت ہمدردی سے بولا۔

"رہنے دو طالوت۔ ہمیں کیا۔ یوں بھی وہ ہندو ہے۔"

"کیسی فضول باتیں کر رہے ہو عارف۔ کیا ہو گیا تمہیں۔ کیا وہ مظلوم نہیں ہے۔ کیا کسی مظلوم کے لیے بھی مذہب کی تخصیص کی جاتی ہے؟" طالوت نے کہا۔

"ارے تو ہمارے مظلوموں کا ٹھیکہ ہم نے ہی تھوڑی لے لیا ہے۔"

"عارف۔" طالوت گرج کر بولا "تم نے مجھے اس قید سے رہائی دلائی ہے۔ تمہارا شکریہ۔ لیکن اگر تم جانا چاہتے ہو تو جا سکتے ہو۔ میں اسے تلاش کروں گا۔"

"ارے تو تلاش کر لیں گے بھائی۔ آؤ تو سہی۔" میں نے کہا اور پھر میں طالوت کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے دھکیلتا ہوا اس غار میں لایا جہاں تنکا کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ عجیب تبدیلیاں ہوئی تھیں' اس دوران بھی ایسا لگ رہا تھا جیسے یہاں آگ لگ گئی ہو۔ پتھر کے مجسمے تک راکھ کے ڈھیر میں بدل گئے تھے لیکن تنکا کی لاش جوں کی توں پڑی تھی۔

"اس وقت تم نے حیرت انگیز کام کیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم نے اسے۔" طالوت کی نگاہ اچانک شکیلہ پر جا پڑی اور وہ اچھل پڑا۔ اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا "ارے۔ راج۔۔۔ راج ہنس۔۔۔ یہ۔ یہ۔ تم۔ تم۔ افوہ۔ افوہ۔ تو تم۔ شرارت کر رہے تھے عارف؟" طالوت کے چہرے سے بے پناہ خوشی جھلک رہی تھی۔

"میں۔ میں کس منہ سے آپ دونوں کا شکریہ ادا کروں میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ کوئی میرا اتنا بڑا ہمدرد موجود ہے۔" شکیلہ اس محبت پر آنسو نہ روک سکی۔

"اچھا' اچھا بس بیکار باتیں بند۔ آؤ طالوت چلیں۔ اس ہیبت ناک فضا میں میرا دم گھٹ رہا ہے۔" میں نے کہا اور ہم تینوں باہر نکل آئے۔ مجھے اس جگہ کے بارے میں معلوم تھا۔ میں جانتا تھا کہ تنکا مجھے کہاں سے پکڑ کر لایا ہے۔ چنانچہ غاروں سے باہر نکل کر ہم پہاڑوں میں پہنچ گئے۔

"عارف۔" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"ہوں؟"

"وہ کہاں ہے؟"

"کون؟"

"تمہارا دوشالہ؟"

"ضائع ہو گیا طالوت۔"

"اوہ۔ مجھے اندازہ تھا۔" طالوت آہستہ سے بولا "وہ اس کی تلاش میں تھا۔"

"کوئی پروا نہیں ہے۔" میں نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چاند آدھی منزل طے کر چکا تھا۔ دھیمی دھیمی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہم دیر تک چلتے رہے اور غاروں سے دور نکل آئے۔

"میرا خیال ہے اب قیام کیا جائے؟"

"بستی میں ہی چلیں۔ اب زیادہ دور نہیں رہ گئی ہے۔ وہ۔ روشنیاں نظر آ رہی ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میرا خیال ہے بستی نہ ہی چلیں تو بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ویسے تمہارے لیے بہت سی خبریں ہیں' میں یہ فیصلہ کر کے نکلا تھا کہ بستی چھوڑ دوں۔"

"کیا حالات بہت خراب ہو گئے ہیں؟"

"نہیں دوست۔ درگا پور کے حالات ہی بدل گئے ہیں۔"

"آؤ۔ بیٹھو۔" طالوت نے ایک چٹان کے سائے میں بیٹھتے ہوئے کہا اور ہم تینوں بیٹھ گئے۔

"کیسی گزری اس دوران۔" طالوت کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"طویل داستانیں ہیں۔ فرصت سے ہوں گی۔"

"ہوں۔ بستی چھوڑنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

"یہاں ہمارا کام ختم ہو گیا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہرچرن لال کا کیا حال ہے؟"

"کتے کی موت مارا گیا۔"

"اوہ۔ خوب۔ گویا اس دوران تم حرکت میں رہے ہو؟"

"شاید۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ظالم ہرچرن مارا گیا۔ خدا کا شکر ہے۔" شکیلہ نے خوشی کے لہجے میں کہا۔

"خدا۔" طالوت ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔

"میں نے کہا نا طالوت۔ بے شمار خبریں جمع کر لی ہیں۔ ویسے رات کافی گزر چکی ہے کیوں نہ بقیہ رات یہیں گزاری جائے۔ میں تمہیں کہانی سناؤں' اس کے بعد فیصلہ کریں۔"

"ہاں۔ مجھ سے بھی صبر نہیں ہو رہا۔" طالوت نے کہا۔ میں اس کے چہرے سے اس کی کیفیات کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اس کے چہرے سے دلی دلی افسردگی کا اظہار ہو رہا تھا لیکن اس نے اپنی کیفیات چھپا رکھی تھیں۔ بہرحال میں نے طالوت کے بعد سے اب تک کے واقعات دہرانا شروع کر دیے۔ شکیلہ بھی ہماری گفتگو غور سے سن رہی تھی۔

کہانی تمام ہو گئی۔ میرے خاموش ہونے کے بعد بھی طالوت کافی دیر تک خاموش رہا۔ شکیلہ بھی میری کہانی سے بڑی متاثر نظر آ رہی تھی۔ ویسے اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات بھی تھے۔ جب کافی دیر ہو گئی اور کوئی کچھ نہ بولا تو میں نے ہی کہا۔

"سو گئے تم لوگ؟"

"نہیں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"پھر یہ خاموشی؟"

"میں سوچ رہا تھا عارف۔ اس بار واقعی تم نے بڑا کام دکھایا ہے۔ میں یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ہر حال تم باصلاحیت ہو۔ تمہاری صلاحیتوں کا تو میں نے کئی بار اعتراف کیا ہے لیکن جس عقل مندی سے تم نے اس بار کام کیا ہے وہ واقعی قابل ستائش ہے۔ میں داد کے طور پر صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ میں ان دونوں سے کام لے کر بہت سے کام کر لیتا ہوں لیکن عقل میں [illegible] ہو۔"

"بس تو فرحی ریلو' میں نے کھڑے ہو کر تمہیں [illegible] سلام کیے ہیں' اتنا تھکا ہوا ہوں کہ ان کا عملی مظاہرہ نہیں کر سکتا۔"

"کوئی بات نہیں ہے۔" طالوت نے افسردہ سی مسکراہٹ سے کہا۔

"میں الجھن میں ہوں عارف صاحب!" شکیلہ نے کہا۔

"اوہ۔ خیریت؟" میں نے اسے دیکھا۔

"آپ کی کچھ باتیں بہت پراسرار ہیں' میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔ دوشالہ کیسا تھا اور۔۔۔ اور۔۔۔؟"

"اوہ' یہ ہمارے کوڈ ورڈز ہیں۔ سمجھ جائیں گی آپ بھی۔" میں نے جواب دیا۔

"میں بھی آپ کے بارے میں تھوڑی سی الجھن میں ہوں۔ راج ہنس!" طالوت نے براہ راست اسے مخاطب کیا۔

"آپ نے بھی مسلمانوں کے سے انداز میں خدا کا شکر ادا کیا تھا؟"

"اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں مسلمان ہوں۔" شکیلہ نے کہا۔

"مسلمان....!" طالوت پھر اچھل پڑا۔

"ہاں۔ مسلمان۔"

"مگر۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔ میں نے پہلے آپ کو۔ پہلے آپ کو دیوداسی کے روپ میں دیکھا تھا۔"

"ہاں۔ میں اس منحوس روپ کے لیے مجبور کی گئی تھی۔"

"اوہ' پھر آپ کا نام؟"

"میرا نام شکیلہ ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا اور طالوت پریشانی سے کبھی میری اور کبھی شکیلہ کی شکل دیکھنے لگا۔

"یہ سب کیا ہے عارف؟" بالآخر اس نے کہا۔

"شکیلہ! میرا دوست پریشان ہے' میں اسے اور پریشان نہیں کروں گا۔ اجازت ہو تو تمہاری کہانی سنا دوں؟"

"سنا دیں عارف۔ میری کہانی میں اب کیا رکھا ہے۔" شکیلہ نے افسردگی سے کہا۔ طالوت بھی شکیلہ کی کہانی سن کر بہت متاثر ہوا تھا۔ پھر اس نے بڑے خلوص سے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے شکیلہ خاتون! یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے کہ آپ ہماری ہم مذہب ہیں۔ مگر آپ کا کوئی نہیں ہے تو ہم تو ہیں۔ ہم دو تھے اب تین ہو گئے۔"

"خدا آپ کو خوش رکھے۔" شکیلہ نے نم ناک نگاہوں سے طالوت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر آپ پسند کریں تو ہمارے ساتھ ہی رہیں۔ جہاں ہم ہوں گے وہاں آپ!"

"اگر آپ کو میری ذات سے کوئی تکلیف نہ ہو تو خدارا ایسا ہی کریں۔ اس بستی سے مجھے بے حد خوف آتا ہے۔ گو اب اس کے حالات بدل گئے ہیں لیکن وہاں میرا کوئی نہیں ہے۔ عورت ہوں' زیادہ لوگوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نہ جانے اس کے بعد کن حالات سے دوچار ہونا پڑے۔" شکیلہ نے درد بھرے انداز میں کہا۔

"ان الفاظ کی کیا ضرورت ہے شکیلہ۔ بس اب تم ہمارے ساتھ ہو۔" میں نے کہا اور پھر طالوت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیوں طالوت! ٹھیک ہے نا؟"

"یقیناً' میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔"

شکیلہ نے باری باری ہم دونوں کی شکل دیکھی اور پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی "آپ نے میری سنی نہیں کی عارف صاحب؟"

"کس بارے میں؟" میں نے پوچھا۔

"یہ طالوت کیا نام ہے؟"

"یہ شخص شرارت سے مجھے طالوت کہتا ہے ورنہ میرا نام یوسف ہے۔" میرے بجائے طالوت بول پڑا اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ طالوت خود کو چھپانا چاہتا تھا۔

"اور آپ دونوں کے ہم شکل ہونے کا کیا راز ہے؟"

"یہ راز تو ہمیں خود بھی نہیں معلوم۔ یوں سمجھو' یہ شباہت ہی ہمیں اتنے قریب لے آئی ہے۔"

"اوہ' گویا آپ کے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"مذہب اور دوستی کے رشتے کے علاوہ اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔"

"حیرت انگیز شباہت ہے واقعی۔" شکیلہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا اور پھر ہم خاموش ہو گئے۔ چاند آہستہ آہستہ مدھم پڑتا جا رہا تھا۔ صبح کی آمد آمد تھی۔ ہم تینوں ہی کے چہروں پر تھکن منجمد تھی۔

"صبح ہونے والی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ اب پروگرام کیا ہے؟"

"ہماری شکلوں سے نیند چپکی ہوئی ہے۔"

"ہاں۔ طبیعت نڈھال تو ہے۔"

"کسی مناسب جگہ آرام کیے بغیر کام نہیں بنے گا۔"

"بستی جانے کا ارادہ نہیں ہے اور ٹھیک بھی ہے۔ اب کیا لینا ہے اس بستی سے۔ ایسی شکل میں ہمیں کسی غار میں بندوبست کرنا ہو گا۔"

"تو پھر غار تلاش کرو۔"

"اوکے۔" میں نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں چاروں طرف چھوٹے بڑے غار پھیلے ہوئے تھے۔ ایک صاف ستھرا اور کشادہ غار تلاش کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ اور ہم تینوں اس غار میں داخل ہو گئے۔

غار کی کھردری زمین بھی اس وقت فرحت بخش محسوس ہو رہی تھی۔

"تم اس طرف لیٹ جاؤ شکیلہ۔" میں نے کہا اور شکیلہ گردن ہلا کر اس طرف چلی گئی جدھر میں نے اشارہ کیا تھا۔ میں اور طالوت اس سے کافی فاصلے پر برابر برابر لیٹ گئے۔ شکیلہ ہم سے کافی دور تھی۔ تب میں نے طالوت سے کہا۔

"اور سناؤ استاد۔ کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہوں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"تم افسردہ ہو طالوت؟" میں نے کہا۔

"ہاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"کیوں؟"

"تمہارا یہ سوال حیرت انگیز ہے عارف۔ میں بے دست و پا ہو کر رہ گیا ہوں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اونہہ۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے میری جان! تمہارے ہاتھ بھی موجود ہیں اور پاؤں بھی۔ بلاوجہ اس قدر پریشان ہو۔"

"نہیں عارف۔ تم ذہین ہو۔ اسی دنیا کے باسی ہو۔ یہاں بخوبی گزارہ کر سکتے ہو لیکن میں۔ میرے لیے اب یہاں گزارہ مشکل ہو گا۔"

"فضول بات ہے' آخر میں بھی زندہ ہوں۔ اور اس بات سے تمہارا مقصد کیا ہے؟ کیا تم اپنی دنیا میں واپس جانا چاہتے ہو؟"

"نہیں عارف۔ واپس نہیں جانا چاہتا لیکن۔"

"لیکن کیا؟"

"تم خود سوچو۔ ہم کیسے گزارہ کریں گے۔ تمہاری دنیا پر طاقت کا راج ہے اور اب طاقت ہمارے پاس نہیں رہی۔ کیا ہم محکوم بن کر اس دنیا میں رہیں گے؟ تم خود غور کرو۔ ہمارے سینوں میں جو جذبات ہیں' وہ سرد تو نہیں ہو جائیں گے۔ لیکن ہم ان جذبات کو کیسے کھو نہیں گے؟ کسی مظلوم کی آہ پر کیسے خاموش رہیں گے۔ اور پھر جب ہم اس کی مدد کرنے سے قاصر رہیں گے تو وہ بے بسی موت سے زیادہ اذیت ناک ہو گی۔"

"تم تسلیم کر چکے ہو طالوت کہ ایک طاقت اور ہوتی ہے۔ عقل کی طاقت۔ اب ہم زیادہ محتاط رہیں گے' زیادہ ہوشیاری سے کام کریں گے۔ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ اب ہمارے پاس وہ خفیہ طاقت نہیں ہے۔ اب ہمیں صرف اپنے وسائل سے کام لینا ہے۔"

طالوت خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک خاموش رہا' پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ جانے کو کس کا فرد کا دل چاہتا ہے۔ لیکن۔ لیکن!"

"سارے خیالات ذہن سے نکال دو میری جان۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ ہم نے کب مستقبل کی پروا کی ہے۔" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے' یہ بھی سہی۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس افسردگی کے ساتھ نہیں۔"

"نہیں عارف۔ ٹھیک ہے۔ جب حالات سے سمجھوتہ ہی ٹھہرا تو یہی سہی۔"

"دیری گڈ۔ یہ ہوئی نا بات۔ اچھا بھائی اب نیند آ رہی ہے۔ آرام سے سو جاؤ۔ یہ لڑکی تو شاید سو بھی گئی۔ اس نے

مشہور ترین چور نک ویلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے
ان حیرت انگیز چوریوں کی کہانیاں جو وقتاً فوقتاً ڈائجسٹوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں

دو دلچسپ کہانیاں جن کو آپ بار بار پڑھیں گے اور لطف اندوز ہوں گے
قیمت فی حصہ -/60 روپے ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے
دونوں حصے ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ -/25 روپے
کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 کراچی 74800
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
B-63 بلاک 2 ایسوسی ایشن روڈ گورنگی روڈ کراچی 75500

لیلہ کی طرف دیکھا اور چونک گیا۔
وہ ایک دیوار سے پشت لگائے بیٹھی تھی۔
"ارے۔" میں نے کہا اور طالوت بھی چونک کر اسے دیکھنے لگا۔
"اوہ۔۔۔ بہرحال وہ لڑکی ہے۔"
"میں اس سے بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا اور میں اٹھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ شکیلہ کے چہرے پر عجیب سا خوف ابھر آیا تھا۔
"شکیلہ!" میں نے آہستہ سے اس سے کہا۔
"جی۔" وہ بھی آہستہ سے ہی بولی۔
"سوئی کیوں نہیں؟"
"نیند۔۔۔ نیند نہیں آرہی عارف صاحب۔"
"ہمیں ان لوگوں سے بھی بدتر سمجھتی ہو، جن کے درمیان تھیں۔"
"جی۔۔۔؟" شکیلہ چونک پڑی۔
"کیا تم اس طویل عرصے میں جاگتی رہی ہو؟"
"نہیں۔ نہیں۔ یہ بات نہیں ہے عارف صاحب۔ یہ بات نہیں ہے۔"
"پھر جو بات ہے وہ بتادو۔"
"آپ۔۔۔ آپ۔" شکیلہ بوکھلا گئی تھی۔
"تمہارا خوف بجا ہے شکیلہ۔ میں کچھ بھی نہیں کہوں گا، سوائے اس کے کہ۔۔۔ کہ کاش تم ہمارے درمیان خود کو محفوظ سمجھو۔" میں نے کہا اور شکیلہ میری طرف دیکھتی رہ گئی۔ کئی منٹ تک وہ اسی طرح دیکھتی رہی پھر اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔
"آپ جائیں عارف صاحب، آرام کریں۔ وعدہ کرتی ہوں ابھی سوجاؤں گی۔ سنیے۔ میں آپ پر بھروسا کرتی ہوں۔ میں آپ دونوں پر پورا بھروسا کرتی ہوں۔"
"شکریہ شکیلہ۔" میں نے کہا اور اس کے پاس سے واپس آگیا۔ شکیلہ لیٹ گئی تھی اور پھر میں بھی طالوت کے پاس آگیا۔ وہ کروٹ بدل کر سونے کی کوشش کررہا تھا۔ مجھے بھی نیند آگئی اور اب اس وقت نیند آئی تھی تو پھر آنکھ بھی فرصت سے ہی کھلی۔ سورج خوب چڑھ چکا تھا۔ غار میں گرمی محسوس ہورہی تھی۔
میں اٹھ گیا۔ دوسری طرف دیکھا تو شکیلہ گہری نیند سورہی تھی لیکن طالوت کہاں گیا؟ شاید وہ جاگ گیا ہو اور باہر نکل گیا ہو۔ میں نے سوچا اور میں بھی باہر نکل آیا۔ طالوت باہر موجود تھا۔ میرے قدموں کی آہٹ پر گھوما اور مسکرادیا۔
"گڈ۔ یہ ہوئی نا بات۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔
"کیا ہوا؟"
"تمہارے ہونٹوں کی مسکراہٹ لوٹ آئی ہے۔"
"یار۔ فضول باتیں ہیں یار۔ کیا فائدہ خود پر سوگ طاری کرنے سے۔"
"یقیناً۔" میں نے جواب دیا۔
"میں بستی گیا تھا۔" طالوت بولا اور میں چونک پڑا۔
"کب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔
"کافی دیر ہوگئی۔"
"ارے۔ اور واپس بھی آگئے؟"
"تمہارے خیال میں کیا وقت ہوگیا۔ دوپہر ہوگئی ہے جناب۔"
"اوہ۔ لیکن بستی کیوں گئے تھے طالوت؟"
"بھوک نہیں لگ رہی؟" طالوت نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔
"ارے۔ تو تم۔ تو تم۔ لیکن۔"
"کھانے پینے کی بہت سی چیزیں لے آیا ہوں۔"
"کمال ہے! لیکن کہاں سے۔ پیسے کہاں سے آئے؟"
"پیسے تم لوگوں کی ایجاد ہیں۔ میری نگاہ میں نہ پہلے ان کی کوئی حیثیت تھی نہ اب ہے۔ بھوک لگ رہی تھی، کھانے پینے کی چیزوں کی ضرورت تھی، پیسوں کی تلاش کون کرتا جو کچھ جہاں سے ملا، لے آیا۔ اس حالت میں بھی کم از کم ان لوگوں کے بس کا تو نہیں ہوں۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"ارے باپ رے۔ ڈاکہ زنی؟"
"مجبوری ہے، اب یہی کرنا ہوگا۔"
"سنو طالوت۔ کیوں نہ ہم جلال آباد چلیں۔ کچھ عرصہ نواب صاحب کے مہمان رہیں گے۔ اس دوران سوچیں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔" میں نے تجویز پیش کی اور طالوت کسی سوچ میں گم ہوگیا۔
"دل نہیں مانتا یار۔" اس نے چند ساعت کے بعد کہا۔
"کیوں؟"
"گویا جن لوگوں کے ساتھ کچھ کیا تھا اب اس کا صلہ وصول کرنے چلیں؟"
"ہم ان سے دولت تو نہیں طلب کریں گے۔ سیمیں اور آفتاب ہوں بھی تو ہمارے دوست ہیں۔"
"لیکن ضرورت ہی کیا ہے عارف۔ خاص طور سے ان

کے پاس نہیں جائیں گے۔ ہاں کبھی اس طرف جا نکلے تو دیکھا جائے گا۔"
"ٹھیک ہے۔ صرف ایک تجویز تھی۔ جیسا بھی پسند کرو۔"
پھر ہمیں غار کے دروازے پر شکیلہ نظر آئی۔ ہم دونوں کو دیکھ کر اس نے گہری سانس لی اور پھر آگے بڑھ کر سلام کیا۔
"جیتی رہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہ بھی مسکرادی۔
"معافی چاہتی ہوں عارف صاحب، معافی چاہتی ہوں یوسف صاحب!"
"ارے ارے کیوں، کس بات کی؟" طالوت بولا۔
"برے لوگوں میں رہی ہوں۔ برے خیالات ہی ذہن میں آتے ہیں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔
"کوئی تازہ خیال؟"
"ہاں۔ اسی کی تو معافی مانگی تھی۔"
"ارشاد۔ ارشاد۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"جائے دیجیے۔ بتا کر شرمندگی ہوگی۔"
"اور نہ جانے سے ہمیں الجھن رہے گی۔"
"معافی مانگ چکی ہوں۔ اور وعدہ کرتی ہوں آئندہ کبھی آپ دونوں کے بارے میں کوئی بری بات نہیں سوچوں گی۔"
"چلو ٹھیک ہے۔ کیا بات سوچی تھی؟"
"آنکھ کھلی تو غار میں تنہا تھی۔ سناٹا چھا گیا میرے دل پر، میں نے سوچا کہ۔۔۔ کہ شاید آپ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ آپ نے سوچا میرا بوجھ کہاں اٹھائے اٹھائے پھریں گے۔"
"اس بھول میں نہ رہیں محترمہ۔ آپ کو ہمارے ساتھ پیدل سفر کرنا ہوگا۔ اگر آپ ہمارے کندھوں پر سواری کا ارادہ کیے بیٹھی ہیں تو اس خیال کو ذہن سے نکال دیں۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ ہنس پڑی۔
"وعدہ کرچکی ہوں۔ آپ بھی معاف کردیں۔"
"تم ہماری دوست ہو شکیلہ۔ اور دوستوں سے جان نہیں چھڑائی جاتی۔ ان کا ساتھ تو زندگی کی علامت ہوتی ہے۔"
"طویل عرصے کے بعد میری قسمت کے ستارے جگمگائے ہیں۔ ان لوگوں میں رہتے رہتے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے زندگی ایک بدترین عذاب ہے۔ بڑی اکتاہٹ ہوتی تھی لیکن آپ لوگوں کا ساتھ۔ خدا کی قسم، روح ایک بوجھ سے آزاد ہوگئی ہے۔"
"پیٹ کا کیا حال ہے؟" طالوت نے پوچھا۔
"جی؟" وہ نہ سمجھتے ہوئے بولی۔
"کیا ان لوگوں میں رہ کر تم نے کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا؟"
"نہیں۔ سخت بھوک لگ رہی ہے لیکن یہاں کیا کھائیں گے؟"
"حلوہ پوری۔ مٹھائی۔ پھل وغیرہ۔" طالوت نے جواب دیا اور شکیلہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھنے لگی "کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں عارف؟" طالوت نے میری طرف دیکھا۔
"ہرگز نہیں۔ ہم روزانہ یہی سب کچھ تو کھاتے ہیں ناشتے میں۔ لیکن افسوس منہ دھونے کے لیے پانی کا بندوبست نہیں ہے۔"
"ہے۔ لیکن منہ دھویا نہیں جاسکتا البتہ چہرے پر پانی چھڑکا جاسکتا ہے۔"
"وہی کافی ہے۔" میں نے کہا اور طالوت کے لائے ہوئے سامان کی طرف دیکھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تینوں بیٹھے ناشتا کررہے تھے۔ ناشتے سے فارغ ہوکر میں نے ایک ڈکاری اور پھر پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا "ہاں۔ تو اب کہاں کا قصد ہے دوستو۔ کون سی سمت اختیار کی جائے؟"
"اسی طرف چلو۔ جدھر سے آئے تھے۔"
"اوہ، میرا خیال ہے مناسب نہ ہوگا۔ وہاں ہمارے کچھ شناسا موجود ہیں اور تمہیں معلوم ہے کہ ہم ان کے مقروض ہیں۔" یہ اشارہ درگا پور کی سرحد پر متعین ان سپاہیوں کی طرف تھا جنہیں ہم نے پریشان کیا تھا۔
"درست فرمایا اے دانشور۔ بے شک وہ لوگ اپنا قرض واپس مانگ سکتے ہیں۔ لیکن پھر؟"
"تن بہ تقدیر۔ کوئی دوسری سمت اختیار کی جائے۔"
"آپ پیدل سفر سے گھبراتی تو نہیں ہیں مس شکیلہ؟"
"آپ لوگوں کے ساتھ، اب میں کسی چیز سے نہیں گھبراتی۔"
"تب آپ زندہ باد۔ آیئے۔" طالوت نے کہا اور ایک سمت متعین کرکے ہم چل پڑے۔ کھانے پینے کا مختصر سامان ساتھ تھا۔ پانی بھی تھا۔ بہرحال ہمیں احساس تھا کہ سفر بہت تکلیف دہ ہوگا۔ حالانکہ درگا پور پہنچ کر ست پر کاش سے مدد لی جاسکتی تھی لیکن نہ جانے کیوں دل نہیں چاہا۔
پیدل سفر جاری رہا۔ سب ہی تازہ دم تھے۔ اس وقت تک چلتے رہے جب تک گہری رات نہ ہوگئی۔ پہاڑوں کی بھول بھلیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر ایک چھوٹے

سے پہاڑی ٹیلے کے دامن میں قیام کی ٹھہری۔ کھانے پینے کی چیزیں یہاں ختم ہوگئی تھیں لیکن بہرحال فکر کون کرتا۔ سب ہی ایک جیسے تھے' بے فکر۔ لاپروا۔

آج کی رات شکیلہ ہم سے زیادہ دور نہ تھی۔ جگہ بھی ایسی ہی تھی۔ اس کے علاوہ سکون سے سو بھی گئی۔ دوسری صبح حسب معمول چاق و چوبند تھے۔ شکیلہ کے چہرے پر مسرت تھی۔

"کیا تم پہاڑی پتھر چبا سکتی ہو؟" طالوت نے اس سے پوچھا۔

"کبھی کوشش نہیں کی۔" شکیلہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آج کریں گے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ ناشتے کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔"

"تو کیا ہوا؟" شکیلہ نے سکون سے کہا۔

"عارف!" طالوت نے ہانک لگائی۔

"کیا ہے۔ کیا بات ہے؟"

"یہ لڑکی ہمیں چیلنج کر رہی ہے۔ یہ ہم سے زیادہ باہمت ہے۔"

"ٹھیک ہے' پھر بھوکے رہنے کا مقابلہ ہوجائے۔" میں نے کہا اور طالوت خاموش ہوگیا۔ ہم تینوں پھر چل پڑے۔ راستے میں کئی بار طالوت نے ٹیلوں پر چڑھ چڑھ کر آبادی تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ نہ جانے کس طرف آنکلے تھے۔ دور دور تک کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ طالوت کی کیفیت کا مجھے احساس تھا۔ وہ دل ہی دل میں تلملا رہا تھا۔ ظاہر ہے وہ شخص' جس کے ایک اشارے پر ایسے ایسے انہونے کام ہوجاتے تھے کہ لوگ ان کے بارے میں سوچ بھی نہ سکتے۔

اور... وہ اس طرح بے دست و پا تھا۔ پھر ایک ٹیلے پر میں نے طالوت کو کوئی چیز اٹھاتے دیکھا۔ سیدھا ہوا تو اس کے ہاتھوں میں پتھر تھے۔ میں حیرت سے اسے دیکھنے لگا اور پھر وہ ایک پتھر پوری قوت سے اس کے ہاتھ سے نکلا اور پھر وہ اچھل کر بھاگا۔ نہ جانے اسے کیا ہوگیا تھا لیکن جب وہ واپس آیا تو اس کے ایک ہاتھ میں خرگوش دبا ہوا تھا جس کا بھیجا پھٹ گیا تھا۔

"دوسرا بھاگ گیا۔ لیکن یہاں اور بھی خرگوش ملیں گے۔ تم جلدی سے اسے ذبح کرو۔ مرنہ جائے۔" اس نے ایک تیز دھار پتھر میری طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے خرگوش کی گردن دوسرے پتھر پر رکھ کر گلہ پڑھا اور اس کی گردن الگ کردی۔ طالوت پھر خرگوش کی تلاش میں نکل گیا۔

میں خرگوش کی کھال وغیرہ الگ کرنے لگا۔ وحشیوں کا سا یہ انداز بڑا عجیب لگ رہا تھا کیونکہ سارے کام خالی ہاتھوں سے کرنے پڑ رہے تھے۔ طالوت تو خوب شکاری نکلا۔ اس نے تھوڑی دیر میں تین اور خرگوش شکار کرلیے۔ وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس دوران شکیلہ وہاں جھاڑ جھنکار جمع کرچکی تھی۔ اس نے چھوٹے چھوٹے پتھر چن کر ایک چولہا بھی تیار کرلیا تھا۔ جس پر گوشت بھونا جاسکے اور پھر وہ پتھر رگڑ رگڑ کر آگ جلانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کام میں کافی محنت کرنا پڑ رہی تھی۔

میں اور طالوت دوسرے خرگوشوں کی کھال اتارتے رہے۔ اور پھر ہم نے گوشت بھننے کی بو محسوس کی۔ بالآخر شکیلہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوہی گئی تھی۔

خرگوش کے گوشت کی جو کیفیت ہوگی آپ خود سمجھ سکتے ہیں لیکن اس آدھے کچے آدھے پکے خرگوش نے وہ لطف دیا کہ آج تک اس کا مزہ یاد ہے۔ خاص طور سے شکیلہ گوشت بڑے مزے سے کھا رہی تھی۔

"میں تو اس کا ذائقہ ہی بھول گئی تھی۔ ان لوگوں میں رہ کر۔"

"اوہ... ہاں۔ تم نے تو طویل عرصہ کے بعد..."

"درگا پور میں یوں بھی گوشت پر پابندی ہے۔ چوری چھپے کوئی جانور ذبح کرلیا جاتا تھا۔ مجھے یاد نہیں ہے آخری بار کب میں نے گوشت کھایا تھا۔" شکیلہ نے بتایا۔

"درگا پور کے حالات اب بالکل بدل جائیں گے۔"

"اچھا ہے' اس سے زیادہ ہم کر بھی کیا سکتے تھے۔" طالوت نے کہا۔ گوشت کافی بچ گیا تھا جسے ہم نے احتیاط سے رکھ لیا اور پھر آگے چل پڑے۔ اس بار ہم نے کافی تیز سفر کیا تھا اور پھر دور سے درختوں کے جھنڈ نظر آنے لگے اور ہماری رفتار تیز ہوگئی۔

"جنگل ہے شاید۔" شکیلہ نے کہا۔

"بہرحال درخت تو نظر آئے۔" طالوت بولا اور شام ہوتے ہوتے ان درختوں کے نزدیک پہنچ گئے۔ نارنگیوں کے درخت تھے' درمیان میں امرود بھی لگے ہوئے تھے۔ طالوت نے تو کوئی غور نہ کیا لیکن میں خوشی سے اچھل پڑا تھا۔

"طالوت...!" میں نے خوشی کے عالم میں کہا۔

"ہوں۔"

"کیا تم نہیں سمجھے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں۔ کیا ہوا؟"

"ابے یہ جنگل نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر کیا ہے؟" طالوت نے غور سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"باغ ہے' باقاعدہ باغ ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ باقاعدہ باغ کیا ہوتا ہے؟"

"یہ درخت انسانی ہاتھوں نے لگائے ہیں اور ان کا مطلب یہ ہے کہ آبادی قریب ہے۔ کیوں شکیلہ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"یقیناً پھلوں کے درخت لگائے گئے ہیں۔"

"تب پھر آؤ' اندر چل کر دیکھیں۔ درخت ہیں تو مالی بھی ضرور ہوگا۔" میں نے کہا اور ہم باغ میں داخل ہوگئے۔ پتوں کے نیچے کافی اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ہم درختوں کے درمیان سے گزرتے رہے۔ کافی بڑا باغ تھا۔ یہ صرف سنگترے اور امرود تھے بلکہ دوسرے پھلوں کے درخت بھی تھے۔ سوکھے پتے ہمارے قدموں کے نیچے کچل رہے تھے۔

تب اچانک بائیں سمت سے آواز آئی "اے۔ کون ہے؟" اور ہم اچھل پڑے۔ میں نے آواز کی سمت دیکھا اور پھر زور سے بولا "ہم ہیں مالی۔ ادھر آؤ۔ ہم مسافر ہیں۔" اور تھوڑی دیر بعد ادھیڑ عمر کا ایک قوی ہیکل دیہاتی ہمارے سامنے آگیا۔ اس کے ہاتھ میں موٹا سا ڈنڈا تھا۔ اس نے ہم تینوں کو غور سے دیکھا۔

"کہاں سے آئے ہو بابو جی؟"

"مالی بابا۔ ہم پکنک پر آئے تھے مگر ہماری گاڑی خراب ہوگئی۔ اسے بہت دور چھوڑ آئے ہیں۔ پریشان پھر رہے تھے کہ تمہارا باغ نظر آگیا۔"

"اوہو۔ آؤ بھائی' میری کٹیا میں چلو۔ تھک گئے ہوگے۔ تمہارے ساتھ زنانی بھی ہے۔" مالی نے ہمدردی سے کہا اور ہم نے شکر کی گہری سانس لی۔ ہم مالی کے ساتھ چل پڑے۔ مالی کی کٹیا باغ کے دوسرے کونے میں تھی۔ ہم اس کے سامنے بچھی ہوئی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"میں تمہارے لیے کھانے کا انتظام کروں' بھوکے ہوگے۔" مالی نے کہا اور کٹیا میں چلا گیا۔

"یہ یہاں تنہا رہتا ہوگا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ باغ کا رکھوالا ہے۔"

"آپ باغ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے یوسف صاحب؟" شکیلہ نے تعجب سے کہا۔

"یہ ابھی بہت سی باتوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے شکیلہ! اس سے قبل یہ ہمالیہ کی چوٹیوں پر رہتے تھے' حال ہی میں اترے ہیں۔" میں نے کہا اور طالوت ہنسنے لگا۔ شکیلہ غور سے طالوت کو دیکھ رہی تھی۔ مالی اندر نہ جانے کیا کر تا رہا پھر باہر نکل آیا۔

"ہم نے دال پکانے کو رکھ دی ہے بابو جی۔ دودھ موجود ہے جب تک چائے بنالائیں۔"

"بڑی مہربانی ہوگی بابا۔ آپ کو تکلیف دی۔"

"ارے کیسی باتیں کرتے ہو بابو۔ مسافر ہو' مہمان ہو۔ جو کچھ ہے حاضر ہے۔ مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں۔"

"شکریہ بابا۔ کیا نام ہے تمہارا؟"

"قاسم خان۔"

"یہ کون سی جگہ ہے بابا؟"

"یہاں سے تین کوس دور جھنگڈی بستی ہے بابو جی۔"

"اوہ۔ تین کوس دور۔ کیا وہاں ریلوے اسٹیشن ہے بابا؟"

"ہاں بابو جی! چھوٹی لین ہے۔ پر روزانہ ریل آوے ہے۔" قاسم بابا نے بتایا اور میں نے خوشی کی گہری سانس لی۔ ہماری مصیبتیں کسی حد تک ختم ہوگئی تھیں۔ قاسم بابا چائے بنا کر لے آیا۔

اور پھر دال پک گئی۔ قاسم بابا نے موٹی موٹی روٹیاں پکائیں اور ہم نے مزے سے کھائیں پھر طے ہوا کہ شکیلہ کٹیا میں سوئے گی اور ہم تینوں باہر۔ مالی شریف آدمی تھا اس لیے تشویش نہ ہوئی اور یہ رات پچھلی راتوں کو بہ نسبت زیادہ پرسکون تھی۔ صبح کو مالی نے بہت عمدہ ناشتا پیش کیا۔ اس نے امرودوں کی ایک خاص ترکاری بنائی اور روٹیوں کے ساتھ وہ ترکاری لطف دے گئی۔

پھر ہم نے رخت سفر باندھا۔

"عارف...!" طالوت نے افسوس ناک لہجے میں کہا۔

"کیوں۔ خیریت؟"

"افسوس' ہم اس نیک دل بوڑھے کو کچھ نہیں دے سکتے۔"

"یہ اس کی بدقسمتی ہے' ہمارا کیا قصور ہے۔" میں نے جواب دیا۔ بہرحال ہم نے بوڑھے کا شکریہ ادا کیا اور پھر ہم چل پڑے۔ تین کوس کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ بوڑھے مالی نے ہمیں راستہ بتا دیا تھا۔ ہم چلتے رہے۔ شکیلہ واقعی قابل ستائش تھی۔ اس دوران اس نے کہیں بھی نہیں محسوس ہونے دیا تھا کہ وہ لڑکی ہے۔ وہ اسی طرح خوش و خرم تھی اور ہنستی بولتی راستہ طے کر رہی تھی۔ یہ لڑکی ایسی تھی کہ آدمی

اس سے کبھی نہیں اکتا سکتا تھا۔

دوپہر تک ہنگنڈی بستی پہنچ گئے۔ چھوٹا سا قصبہ تھا۔ ایک بازار جس میں چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں۔

"عارف!" طالوت نے آہستہ سے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا "ریل سے سفر کرو گے؟"

"ہاں۔ کیوں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"ٹکٹ کہاں سے لو گے؟"

"اوہ۔ نہیں لیں گے تو کیا فرق پڑے گا۔"

"بے عزتی نہیں ہوگی؟"

"دیکھا جائے گا یار۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔ میں طالوت کے دل پر زیادہ بوجھ ڈالنا نہیں چاہتا تھا۔

"پھر بھی عارف۔"

"یار ذرا سی مصیبت سے گھبرا گئے۔ میری دنیا کے لوگوں کو دیکھو پوری زندگی انہی حالات میں گزار دیتے ہیں اور ماتھے پر شکن بھی نہیں آتی۔ یہ بزدلی ہے طالوت۔"

"بس برا احساس ہوتا ہے۔ شکیلہ بھی ساتھ ہے' کیا سوچے گی کہ ایسے کنگال لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔"

"ایسی لڑکی نہیں ہے اور پھر کسی شہر میں داخل ہو کر سوچیں گے۔ ہاتھ پاؤں رکھتے ہیں پھر یوں تو سوچو طالوت کہ زندگی میں ایک دلچسپ تبدیلی آئی ہے۔ اس سے قبل عیش میں گزارتے گزارتے بھی اکتاہٹ طاری ہونے لگی تھی۔"

طالوت خاموش ہو گیا۔ راستے میں ایک شخص سے اسٹیشن کا راستہ پوچھا۔ قصبہ ہی کتنا بڑا تھا کہ اسٹیشن تک پہنچنے میں زیادہ وقت لگتا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اسٹیشن پر تھے۔

پورا شیڈ خالی پڑا تھا۔ ایک طرف اسٹیشن ماسٹر کا کمرا تھا۔ ہم اس کے پاس پہنچ گئے تھے اور بوڑھا اسٹیشن ماسٹر چونک پڑا۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھا تھا۔

"کیا حال ہے چاچا!" طالوت نے پوچھا۔ بڑے میاں نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اس سے قبل اس اسٹیشن پر کوئی نہیں آیا؟" اور بڑے میاں نے سادگی سے گردن ہلا دی۔

"بہت خوب۔ ٹرین یہاں رکتی بھی ہے یا نہیں؟"

"رکتی ہے' رکتی ہے جی۔" بڑے میاں کے منہ سے پہلی آواز نکلی۔

"بہت خوب' کب رکتی ہے؟"

"جب آتی ہے۔" بڑے میاں بولے۔

"واہ۔ بڑے میاں فلاسفر معلوم ہوتے ہیں۔" طالوت میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آتی بھی ہے چاچا!" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں آتی۔"

"کتنی دیر میں آئے گی؟"

"آتی ہی ہوگی۔"

"اوہ۔ ویری گڈ۔ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔" طالوت خوش ہو کر بولا۔

"ٹکٹ دوں؟" بڑے میاں بولے۔

"کیا؟" طالوت نے آنکھیں پھاڑ دیں "ٹکٹ بھی لینا پڑے گا؟"

"اوہ' تم بھی بغیر ٹکٹ سفر کرو گے۔" بڑے میاں مایوسی سے بولے۔

"اور لوگ بھی سفر کرتے ہیں؟"

"سب ہی کرتے ہیں۔ میں نے پچھلے تین سال سے کوئی ٹکٹ نہیں بیچا۔" بڑے میاں نے جواب دیا۔

"ویری گڈ۔ ویسے ایک بات بتائیں چاچا۔ بغیر ٹکٹ سفر کرنے کی سزا کیا ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔ پولیس لے جاتی ہے یا ٹی ٹی کے گھر جھاڑو لگانی پڑتی ہے' برتن صاف کرنے پڑتے ہیں۔" بڑے میاں نے بڑی سادگی سے کہا اور طالوت نے آنکھیں بھینچ لیں۔ شکیلہ ہنس پڑی تھی۔

کافی دیر تک ہم بڑے میاں سے ہنسی مذاق کرتے رہے' پھر وہاں سے ہٹ آئے "اب کیا خیال ہے عارف؟" طالوت نے پوچھا۔

"مستقل مزاج ہوں۔"

"برتن دھونے آتے ہیں؟"

"کیا حرج ہے۔ یہ بھی سہی۔"

"ٹھیک ہے پھر مجھے کیا اعتراض ہے۔" طالوت نے شانے جھٹکے اور پھر دور سے ٹرین آتی نظر آئی۔ اور ہمارے دل دھڑک اٹھے۔ اب تک تو صرف تفریح کر رہے تھے لیکن اب واقعی سوچنا پڑا۔ کوئی گڑبڑ ہو گئی تو اچھا نہ ہوگا۔ لیکن کیا بھی کیا جا سکتا تھا' چلنا تو تھا ہی۔ ٹرین آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھی اور پھر پلیٹ فارم کے علاقے میں داخل ہو گئی۔

اسٹیشن ماسٹر نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ یہاں پر کوئی نہیں اترا۔ البتہ ہم ایک کمپارٹمنٹ میں داخل ہو گئے۔

"فرسٹ کلاس ہے۔" شکیلہ آواز کھینچ کر بولی۔

"کمال ہے پھر کیا ہم تھرڈ کلاس میں سفر کریں گے۔ اگر پکڑے بھی گئے تو لوگ کیا سوچیں گے کہ تھرڈ کلاس میں سفر

کرتے ہوئے پکڑے گئے' آؤ۔" میں نے کہا اور ہم کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔

یہاں کچھ لوگ موجود تھے لیکن ہم نے کسی کی شکل پر نگاہ بھی نہیں دوڑائی اور خاموشی سے سامنے کی ایک سیٹ کی طرف بڑھ گئے۔

"شاید آپ لوگوں نے باہر ریزرویشن کارڈ نہیں دیکھا ہے جناب!" ایک بھاری آواز سنائی دی۔

"جی؟" طالوت نے نگاہیں اٹھائیں۔ میں بھی چونک کر اس سوٹڈ بوٹڈ آدمی کو دیکھنے لگا۔

"جی ہاں۔ باہر ریزرویشن کارڈ موجود ہے۔" بھاری بھرکم آدمی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"معاف کیجئے گا' ہم دیکھ نہیں سکے تھے۔" میں نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

"ابھی ٹرین رکی ہوئی ہے اور پھر یہ فرسٹ کلاس کمپارٹمنٹ ہے۔"

"کوئی بھی کلاس ہو' ہمارے لیے یکساں ہے۔"

"کیا مطلب؟" بھاری بھرکم آدمی نے بھنویں چڑھاتے ہوئے پوچھا۔ وہ کسی قدر بھیگی ہوئی آواز میں بول رہا تھا۔

"بھائی ہم نے تو کسی کلاس کا ٹکٹ نہیں خریدا۔"

"ہوں' تو چار سو بیس ہیں آپ۔" وہ ہونٹ بھینچ کر بولا۔ گاڑی پلیٹ فارم سے رینگنے لگی تھی "جلدی کریں' ورنہ میں زنجیر کھینچ لوں گا۔ مصیبت میں پھنس جائیں گے آپ لوگ۔"

"مصیبت میں تو پھنسے ہوئے ہیں جناب۔ مہمان سمجھ کر ہی برداشت کر لیں۔" طالوت پھر بولا۔

"میں کہتا ہوں' زیادہ چرب زبان بننے کی کوشش نہ کریں' ورنہ میں اچھا آدمی نہیں ہوں۔"

"شکل سے ہی نظر آتے ہیں اور آپ کی گفتگو نے تصدیق کر دی ہے۔" طالوت بیزاری سے بولا۔

"تو ایسے نہیں اتریں گے آپ؟"

"ہرگز نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"بہتر ہے۔" وہ زنجیر کی طرف بڑھا۔ اس کی بداخلاقی پر غصہ مجھے بھی آ گیا تھا۔ چنانچہ میں نے اس کے پیروں میں ٹانگ اڑا دی۔ اس بری طرح گرا تھا وہ کہ زوردار دھماکا ہوا اور پھر وہ خود سے نہ اٹھ سکا۔

لیکن اس دھماکے سے سیٹ پر کمبل اوڑھے لیٹی ہوئی بوڑھی عورت جاگ اٹھی تھی۔ اس کے قریب ہی دو لڑکیاں اور ایک نوجوان گھبرا کر کھڑے ہو گئے۔ وہ بھی اسی طرف متوجہ تھے۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا تصدق۔ کیا۔ کیا حادثہ ہو گیا۔ ہو گیا حادثہ؟" بوڑھی عورت نے متوحش انداز میں پوچھا۔

"آپ لیٹئے بڑی ماں۔ آپ آرام کریں' لیٹ جائیے۔"

"حادثہ نہیں ہوا؟" عورت کی آواز عجیب تھی۔

"نہیں۔ کوئی حادثہ نہیں ہوا۔"

"پھر میری افشاں کہاں ہے۔ حادثہ نہیں ہوا تو وہ کہاں چلی گئی۔"

"خدا سمجھے گا آپ سے۔" نوجوان ہمیں گھونسہ دکھاتے ہوئے بولا اور پھر وہ بھاری بھرکم شخص کو اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ بمشکل تمام وہ اسے اٹھانے میں کامیاب ہو سکا تھا۔

"آپ لیٹ جائیے بڑی ماں.... آپ...."

"ارے تو مجھے بتاؤ تو سہی۔ یہ آواز کیسی تھی؟"

"تصدق گر پڑے تھے بڑی ماں۔" ایک لڑکی بولی۔

"اف' اس سے کہو کہ آہستہ سے گرا کرے۔ ایسی زور کی آواز ہوتی ہے جیسے۔ جیسے حادثہ ہو گیا ہو۔"

"آپ لیٹ جائیے بڑی ماں۔"

"نہیں' اب میں بیٹھوں گی۔ نیند نہیں آ رہی۔"

بھاری بھرکم آدمی قہر آلود نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔ شاید عورت کی وجہ سے وہ خاموش تھا ورنہ ہاتھا پائی پر اتر آتا۔ ہم دونوں اطمینان سے بیٹھے تھے۔ شکیلہ نے ہنسی روکنے کے لیے منہ کھڑکی کی طرف کر لیا تھا اور ہل رہی تھی۔

"یہ۔ ارے یہ کون ہیں؟" بالآخر بڑی ماں کی نگاہ ہم دونوں پر پڑ ہی گئی۔ اور طالوت جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

"آپ کے بچے ہیں بڑی ماں۔" اس نے جھک کر کہا۔

"میرے بچے!" بوڑھی کھوئے ہوئے انداز میں بولی۔

"یہ بدمعاش ہیں بڑی ماں! ہمارے کمپارٹمنٹ میں گھس آئے ہیں۔ آپ اجازت دیں تو میں زنجیر کھینچ کر انہیں پولیس کے حوالے کر دوں۔" موٹے تصدق نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یہ موٹا جھوٹ بول رہا ہے بڑی ماں۔ اے عارف ادھر آؤ۔" طالوت نے میری طرف رخ کر کے کہا اور میں بھی جلدی سے اس کے قریب پہنچ گیا۔ تب وہ نہایت بھولپن سے بولا "بتائیے بڑی ماں! کیا ہم آپ کو صورت سے بدمعاش نظر آتے ہیں؟"

"ارے نہیں' بالکل نہیں۔" عورت عجیب آمیز لہجے

میں بولی "تمہاری شکلیں تو بہت پیاری ہیں' بالکل ایک جیسی۔ کیا تم دونوں بھائی ہو؟"

"ہاں۔ مصیبت کے مارے ہیں بڑی ماں۔ غلطی سے آپ کے کمپارٹمنٹ میں آگئے تھے لیکن یہ موٹا ہمارے ساتھ بہت برا سلوک کر رہا ہے۔" طالوت نے تصدق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"یہ موٹا نہیں' تصدق ہے۔"

"اچھا؟" طالوت نے حیرت سے موٹے کو دیکھا اور عورت کی ساتھی لڑکیاں ہنس پڑیں۔

"بڑی ماں! کیا حکم ہے ان کے بارے میں؟" تصدق نے نتھنے پھلاتے ہوئے کہا۔

"ارے بیٹا رہنے دو تصدق' بیٹھا رہنے دو۔" بوڑھی عورت نے کہا۔ اس کی آنکھوں سے نرمی اور مامتا ٹپک رہی تھی۔ پروقار چہرہ تھا' بڑی پاکیزہ شکل تھی۔

"شکریہ بڑی ماں۔ ہم واقعی مظلوم ہیں۔"

"ارے۔ وہ کون ہے؟" بڑی ماں کی نگاہ شکیلہ پر پڑ گئی۔

"ہماری ساتھی ہے بڑی ماں۔"

"تو وہ ادھر کیوں منہ کیے بیٹھی ہے' کیا کوئی حادثہ ہو گیا ہے؟" بوڑھی نے پوچھا اور بوڑھی کے یہ الفاظ عجیب سے لگے۔ وہ حادثے کا ذکر بار بار کرتی تھی۔

"نہیں' وہ ٹھیک ہے۔ شکیلہ ادھر آؤ۔ بڑی ماں بلا رہی ہیں۔" میں نے کہا اور شکیلہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں اب تک ان لوگوں نے شکیلہ کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ اب جو وہ اس طرف مڑی تو ایک عجیب ہنگامہ ہو گیا۔ عورت کی ساتھی لڑکیاں چیخ پڑی تھیں' نوجوان ارے کہہ کر اچھل پڑا تھا اور تصدق وہ کئی قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔

اور بوڑھی عورت۔ اس کا تو منہ کھلا رہ گیا تھا۔

ہم دونوں نے ایک لمحے میں یہ انوکھی کیفیت محسوس کر لی تھی۔ شکیلہ کئی قدم آگے بڑھ آئی۔ اب وہ ہمارے قریب تھی۔

"افشاں باجی!" ایک لڑکی پاگلوں کے سے انداز میں بولی۔

اور پھر بوڑھی کی دل خراش چیخ گونجی "افشاں....!" وہ تیزی سے اٹھی' دونوں ہاتھ پھیلائے اور پھر گر پڑی۔ وہ بے ہوش ہو گئی تھی۔ سب لوگ اس پر جھک گئے۔ بڑی مشکل سے اسے اٹھا کر سیٹ پر ڈالا گیا۔ میں نے اور طالوت نے بھی مدد کی تھی۔

"تب تم مصیبت بن کر آئے ہو۔" تصدق ہمیں گھونسہ دکھا کر بولا اور پھر چونک کر سیدھا ہو گیا "لیکن افشاں باجی۔ آپ ان لوگوں کے ہاتھ کیسے لگ گئیں۔ کیا یہی بدمعاش....."

"جی....؟" شکیلہ حیرت سے بولی۔

"ہائے افشاں باجی۔ کہاں چلی گئی تھیں آپ۔ ہائے آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔" دونوں لڑکیاں روتی ہوئی شکیلہ سے لپٹ گئیں۔ اور شکیلہ بوکھلائے ہوئے انداز میں خود کو ان سے چھڑانے لگی۔

"ارے۔ ارے سنیے۔ سنیے تو۔ آپ کو۔ آپ کو....." وہ خود کو بچاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"افشاں باجی۔ آپ۔ آپ۔ سنیے۔ براہ کرم بتا دیجیے۔ یہ آپ کو کہاں سے ملیں؟" نوجوان پریشانی سے ہماری طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"کیا قصہ ہے شکیلہ؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔ معاً میرے ذہن میں خیال آیا تھا کہ شکیلہ درحقیقت افشاں تو نہیں ہے۔ ممکن ہے اس نے مصلحتاً اپنی کہانی غلط سنائی ہو۔

"بخدا' مجھے نہیں معلوم۔" شکیلہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے بڑی ماں کو تو دیکھو۔ اف' یہاں تو ڈاکٹر بھی نہیں مل سکتا۔"

"زنجیر کھینچ کر گاڑی روکوں؟" تصدق بوکھلاہٹ میں ناچتے ہوئے بولا۔

"گاڑی روکنے سے کیا ہو گا؟" نوجوان نے کہا۔

"سب ان لوگوں کا کیا دھرا ہے۔" تصدق پھر ہمیں گھورتے ہوئے بولا۔

"آپ فضول باتیں کیوں کر رہے ہیں تصدق صاحب۔ کام کی بات کریں۔" نوجوان نے ناگواری سے کہا اور موٹا تصدق چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پیدا ہوئے پھر وہ خاموش ہو گیا۔

طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ رکھا اور پیچھے ہٹ گیا۔ میں اس کا اشارہ سمجھ کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ شکیلہ کو ان لڑکیوں نے گھیر رکھا تھا۔

"معاملہ دلچسپ ہے عارف!" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں۔ عجیب و غریب ہے بھئی۔"

"کیا خیال ہے۔ کیا شکیلہ نے کوئی گڑبڑ کی ہے؟"

"بظاہر اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

"اس کی بوکھلاہٹ مصنوعی نہیں معلوم ہوتی۔"

"ممکن ہے' کوئی دلچسپ غلط فہمی ہوئی ہو۔"

"پھر اب؟"

"سوچو۔"

"غلط فہمی بہرحال دلچسپ ہے۔ کیوں نہ....."

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے۔ لیکن شکیلہ اگر ٹھیک ہے تو پریشان ہو گی۔"

"اسے تیار کر لیں گے۔ وقتی طور پر تھوڑی سی تفریح ہو جائے گی۔"

"اوکے۔"

"پھر طے....؟"

"بالکل طے۔"

"یہ موٹا کیا چیز ہے؟"

"جو کچھ بھی ہے دلچسپ ہے۔"

"تب آؤ۔ معاملے کی بات کی جائے۔" طالوت نے کہا اور ہم پھر ان لوگوں کے قریب پہنچ گئے۔ لڑکیاں شکیلہ کی جان کھائے ہوئے تھیں۔

"ہائے افشاں باجی۔ آخر آپ مان کیوں نہیں رہیں؟" ایک لڑکی کہہ رہی تھی۔

"کیا آپ ہم لوگوں سے ناراض ہیں؟" دوسری نے کہا۔

"خدانخواستہ افشاں باجی کی یادداشت تو خراب نہیں ہو گئی۔" نوجوان نے کہا۔

"ہو سکتا ہے۔" لڑکیاں بولیں۔

"یوسف صاحب! دیکھیے تو سہی۔ نہ جانے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔" شکیلہ گھبرا کر ہماری طرف لپک آئی۔

"کوئی بات نہیں شکیلہ۔ کوئی دلچسپ غلط فہمی ہے۔"

"جی ہاں۔ غلط فہمی ہے۔ شکل بھی بدل جائے گی' آواز بھی بدل جائے گی' بولنے کا انداز بھی بدل جائے گا' اندھے ہیں ناہم سب۔" ایک لڑکی آنکھیں نکالتے ہوئے بولی۔

"اندھی نظر تو نہیں آتیں لیکن عقل کی اندھی ضرور ہو۔" طالوت نے ہونٹ بھینچتے ہوئے کہا۔

"اے مسٹر! لڑکیوں سے بدتمیزی اچھی نہیں ہوتی۔"

"ابے تم ایک تو ڈبے میں گھس آئے ہو' اوپر سے بکواس بھی کر رہے ہو۔" تصدق پھر آگے بڑھ آیا۔

"تو سنو۔ اگر اب تم میں سے کسی نے اس لڑکی کو افشاں کہا تو میں اس کے دانت توڑ دوں گا۔ تم جو ہماری ساتھی سے بکواس کر رہے ہو وہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔" طالوت نے موٹے تصدق کو گھورتے ہوئے کہا۔

"تصدق صاحب! براہ کرم بڑی ماں کا خیال کریں۔ آپ نے بے مقصد گفتگو شروع کر رکھی ہے' خاتون۔ اگر آپ افشاں ہیں تو براہ کرم اتنا ہی بتا دیں کہ آپ کو بڑی ماں پر بھی رحم نہیں آتا؟" نوجوان نے پھر مداخلت کی۔

"اور اگر میں افشاں نہ ہوں تب بھی افشاں بن جاؤں۔"

"اگر آپ افشاں باجی نہیں ہیں تو ہم آپ سے معافی چاہتے ہیں۔ لیکن ہمیں کہنے دیں کہ دنیا میں شاید ہی چہروں میں اتنی مماثلت ملتی ہو۔ آپ دونوں بالکل ہم شکل ہیں لیکن دونوں کی شخصیتوں میں فرق محسوس ہو جاتا ہے۔ اگر آپ افشاں باجی کو دیکھ لیتے تو خود بھی دھوکہ کھا جاتے۔ ان کی شکل' چال ڈھال' آواز' انداز یہاں تک کہ فطرت بھی ان جیسی ہی ہے۔"

"بہرحال' یہ افشاں نہیں شکیلہ ہیں۔"

"تب ہمیں معاف کر دیں خاتون۔"

"کوئی بات نہیں ہے' لیکن افشاں ہے کون؟"

"ہماری باجی۔ ہماری بہن۔"

"اوہ' کہاں گئیں وہ؟" شکیلہ نے اب کسی قدر ہمدردی سے پوچھا۔

"بس اچانک کہیں کھو گئیں۔ ایک دن یونیورسٹی گئی تھیں' پھر واپس نہیں آئیں۔ کہاں کہاں نہ تلاش کیا انہیں' کہاں کہاں نہ دیکھا۔ لیکن ان کا نشان نہیں ملا۔ بڑی ماں کا خیال ہے کہ انہیں کوئی حادثہ پیش آ گیا۔"

"بڑی ماں کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"افشاں باجی کی ماں۔"

"اور تم لوگ؟"

"ہم بھی ان کے بہن بھائی ہیں۔ میں ان کا پھوپی زاد بھائی ہوں اور یہ دونوں خالہ زاد بہنیں۔" نوجوان نے بتایا۔

"اور یہ تصدق صاحب؟"

"یہ ہمارے منیجر ہیں۔"

"اسی لیے زیادہ اکڑ رہے ہیں۔ ویسے اب بھروسا کرو دوست۔ تم سب غلط فہمی کے شکار ہو' ان کا نام افشاں نہیں شکیلہ ہے۔"

"آہ' کیسی افسوس ناک بات ہے۔ ہمارے زخم تازہ ہو گئے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا افشاں کو غائب ہوئے؟"

"پورے تین سال۔"

"مجھے بہت افسوس ہے۔" میں نے کہا۔

"ہاں افسوس کی بات ہے۔" شکیلہ نے بھی کہا۔ اسی

وقت بڑی ماں کی کراہ سنائی دی۔

"افشاں۔ افشاں۔ کہاں گئیں بیٹی۔ آہ، تم کہاں کھو گئیں؟" ہم سب کی نگاہیں بوڑھی عورت کے پُرنور چہرے کی طرف اٹھ گئیں۔ بڑی حسرت' بڑا درد تھا اس چہرے پر۔ ہم کافی متاثر ہوئے تھے۔

شکیلہ آہستہ قدموں سے بڑی ماں کے پاس پہنچ گئی۔ آخر لڑکی تھی۔ اس کے دل میں درد پیدا ہو گیا۔ وہ جھکی اور جھکتے ہوئے اس نے بوڑھی خاتون کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

بڑی ماں نے آنکھیں کھول دی تھیں پھر ان کی آنکھیں پھیل گئیں۔ وہ سکتے کے عالم میں شکیلہ کو گھور رہی تھیں اور پھر وہ دلدوز چیخ مار کر اس سے لپٹ گئیں "آہ۔۔۔ افشاں۔ افشاں۔ کہاں چلی گئی تھی میری نعل۔ کہاں کھو گئی تھی۔ افشاں۔" وہ بری طرح شکیلہ کو چومنے لگیں۔ شکیلہ نے خود کو ان کی آغوش میں دے دیا۔ اس نے خود بھی بڑی ماں کی گردن میں بانہیں ڈال دی تھیں۔

"مسز! آپ میری بات سنیں۔" اچانک تصدق نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے پوچھا۔

"آیئے۔ پلیز آیئے۔" تصدق نے کسی قدر نرم لہجے میں کہا اور میں اس کے ساتھ وہاں سے الگ آ گیا۔ میرے پیچھے طالوت اور اس کے پیچھے نوجوان بھی آ گئے تھے۔

"جی۔ فرمایئے؟" میں نے کہا۔

"آپ یقین ولا رہے ہیں کہ یہ خاتون افشاں نہیں ہیں۔" وہ بولا۔

"پہلے میں یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ تم صحیح الدماغ ہو بھی یا نہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میں آپ سے بات نہیں کر رہا۔ سمجھے؟" تصدق گرم ہو گیا۔

"تصدق صاحب۔ براہ کرم موقع کی نزاکت سمجھیں۔" نوجوان نے ٹوکا۔

"تو یہ درمیان میں کیوں بول رہے ہیں۔"

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"بڑی ماں' افشاں بی بی کی گمشدگی سے نیم پاگل ہو گئی ہیں۔ ان کی ذہنی کیفیت درست نہیں ہے۔ ہم انہیں ایک پہاڑی مقام پر لے گئے تھے لیکن ان کے درد کا علاج پہاڑی مقام تو نہیں ہے۔ آپ کی ساتھی اتفاق سے ہو بہو افشاں بی بی کی ہم شکل ہیں۔ اگر آپ ہماری مدد کریں تو۔۔۔ ہم آپ کی مدد کریں گے۔"

"کیا مطلب؟" طالوت پھر بول پڑا۔

"مطلب یہ کہ آپ کو اچھی خاصی رقم مل سکتی ہے۔"

"بس سلسلے میں؟"

"اس لڑکی کے عوض۔" تصدق نے جواب دیا۔

"آپ ذرا نیچے بیٹھ جائیں۔" طالوت نے کہا۔

"جی؟" تصدق حیرت سے بولا۔

"بیٹھیں تو سہی۔ میں آپ کے سر پر دس جوتے لگانا چاہتا ہوں۔ کیا لیں گے آپ ان کا؟" طالوت نے کہا۔

"کیا؟" تصدق اچھل پڑا۔

"آپ نے بات ہی ایسی کی ہے تصدق صاحب! معاف کیجئے میرا خیال ہے آپ اس سلسلے میں بات نہ کریں۔" نوجوان نے کہا۔

"آپ میری توہین کرا رہے ہیں کمال میاں۔" تصدق غرایا۔

"آپ خود اپنی توہین کرا رہے ہیں فضول گفتگو کر کے۔" نوجوان تیز ہو کر بولا۔

"بہتر ہے' مجھے اب اس سلسلے سے کوئی دلچسپی نہیں رہ گئی ہے۔" تصدق تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔

"کچھ لوگ تعلیم یافتہ ہو کر بھی حماقت کی باتوں سے احتراز نہیں کرتے۔ میں ان کے الفاظ کی معافی چاہتا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میں آپ سے کوئی کام لینا چاہتا ہوں بلکہ اس لیے کہ تصدق صاحب کے الفاظ واقعی احمقانہ تھے۔"

"خیر۔ آگے بڑھو۔"

"بڑی ماں کے بارے میں تفصیل آپ کو معلوم ہو ہی گئی ہے۔ اس اتفاق نے ان کے زخم کو پھر ہرا کر دیا ہے۔ اگر اس وقت آپ نے ہماری مدد نہیں کی تو ہمیں نہ جانے کیا نقصان اٹھانا پڑے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے لیکن کیا کیا جائے؟"

"یہ خاتون آپ کی کون ہیں؟"

"دوست سمجھ لیں' عزیز سمجھ لیں۔"

"اگر آپ چند روز ہمارے مہمان بننا پسند کریں تو اس الجھن کا حل سوچنے میں آسانی ہو جائے گی۔ اگر کوئی ضروری کام بھی ہو تو آپ کو تو ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلیں۔ وہاں کا ماحول دیکھ لیں۔ آپ کی ساتھی بڑی عزت کے ساتھ چند روز رہ لیں گی۔ بڑی ماں کو کچھ ڈھارس مل جائے گی۔ پھر کوئی حل سوچ لیں گے۔ اگر ابھی آپ نے ان خاتون کو ان سے جدا کر دیا تو خدانخواستہ بڑی ماں بالکل پاگل بھی ہو سکتی ہیں۔"

"یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔ ہمیں کوئی اعتراض

نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"تو آپ۔۔۔ آپ تیار ہیں؟"

"صرف انسانی ہمدردی کے طور پر۔"

"بہت بہت شکریہ۔ آپ یقین کریں ہماری بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔ تصدق تو احمق ہے' عقل کی بات نہیں کرتا۔ یہ میں آپ کو خوش کرنے کی غرض سے نہیں کہہ رہا۔ درحقیقت اس نے حماقت کی بات کہی تھی۔ ورنہ انسانی ہمدردی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی ہے۔ ویسے ہم آپ کی ہر مدد کے لیے تیار ہیں۔"

"مسئلہ کچھ اور ہے بھائی۔ ہم اپنے بارے میں تفصیل تو نہیں بتائیں گے بس یوں سمجھو ہم فلاش ہیں۔"

"اوہ' اس کی تو آپ پروا ہی نہ کریں۔"

"پوری بات سن لو۔ کوئی پیشکش مت کر بیٹھنا۔ ہمیں اس ہمدردی کا کوئی معاوضہ نہیں چاہیے۔ بس دو چار روز تک دو وقت کی روٹی اور ٹرین کا ٹکٹ۔ کیا سمجھے؟"

"براہ کرم ذلیل نہ کریں۔ آپ لوگ جو کوئی بھی ہیں' دلچسپ ہیں۔ کیوں نہ ہم دوستی کی فضا میں بات کریں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"میرا نام کمال ہے۔ یہ دونوں لڑکیاں نادرہ اور شمسہ ہیں۔ بڑی ماں کے بارے میں تفصیل بتا چکا ہوں' میری ممانی ہیں۔ ماموں جان کا بہت بڑا کاروبار ہے۔ ہم لوگ خاندانی ہیں' ابھی تک خاندانی روایات کے قائل۔ گو ذرا جدید ہو گئے ہیں لیکن گھر کے ماحول میں ابھی تک قدامت ہے۔ افشاں باجی ماموں جان کی اکلوتی اولاد ہیں۔"

"خوب' میرا نام عارف اور یہ یوسف ہیں۔ وہ لڑکی شکیلہ ہے۔"

"سگے بھائی ہیں آپ دونوں؟"

"سگوں سے زیادہ۔"

"اوہ' گویا سگے نہیں ہیں لیکن آپ دونوں کی شکلیں تو بالکل ایک جیسی ہیں۔"

"تو پھر یہی سمجھ لو کہ ہم دونوں میں شکلوں کا رشتہ ہے۔"

"اس کے علاوہ نہیں؟"

"نہیں۔"

"کمال ہے' لیکن کیسی حیرت انگیز بات ہے۔ آپ کی ساتھی افشاں باجی سے اس قدر ملتی جلتی ہیں۔ اور آپ۔۔۔"

"ہاں کھیل دلچسپ ہے۔"

"بہرحال میں آپ کا بے حد ممنون ہوں عارف بھائی۔ آپ ہمیں برا نہ پائیں گے۔"

"لیکن یہ حضرت تیرک۔" طالوت منہ بنا کر بولا۔

"تصدق ہے ان کا نام۔" کمال ہنس پڑا۔

"میں انہیں تیرک ہی کہوں گا۔"

"آپ ان کی باتوں کی پروا نہ کریں۔ کاروباری نہیں گھریلو امور کے منیجر ہیں' ویسے آدمی برے نہیں ہیں۔ آپ سے دوستی ہو جائے گی تو آپ انہیں کافی دلچسپ پائیں گے۔"

"ہاں۔ ہماری دلچسپی کا سامان تو بہرحال فراہم کریں گے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔

پھر ہماری نگاہ شکیلہ کی طرف اٹھ گئی۔ وہ اسی طرح بڑی ماں کی آغوش میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی پلکیں بھی بھیگ رہی تھیں۔ شاید اس نے بڑی ماں سے اپنے افشاں ہونے کی تردید نہیں کی تھی۔ دونوں لڑکیوں کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے۔

"بڑی ماں کی یہ غلط فہمی کب تک چل سکے گی کمال صاحب؟"

"ان کی حالت ذرا درست ہو جائے۔ ویسے پلیز کو ٹھنڈی چل کر بھی یہی تاثر برقرار رکھا جائے کہ وہ افشاں باجی ہیں۔ ہو گا وہی جو آپ پسند کریں گے۔ آپ کو کوئی تکلیف نہیں اٹھانی پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے' مقصد یہ نہیں ہے۔" طالوت نے کہا اور کسی سوچ میں گم ہو گیا۔

شکیلہ تو بڑی ماں سے ایسی چمٹی تھی کہ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی یا پھر بڑی ماں اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔ ہم لوگ بھی ان کے قریب بیٹھ گئے۔

بچی کی ہم شکل کو پا کر بڑی ماں باقی سب کچھ بھول گئی تھیں۔ وقت گزرتا رہا' رات ہو گئی۔ ٹرین مختلف اسٹیشنوں پر رکتی اور پھر آگے بڑھ جاتی۔ رات کو سب نے کھانا کھایا۔ عمدہ قسم کا کھانا ساتھ تھا۔ بڑی ماں نے اپنے ہاتھوں سے شکیلہ کو کھانا کھلایا۔ کھانا کھاتے ہوئے نہ جانے کیوں شکیلہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے۔ بڑی ماں بار بار اسے کلیجے سے لگا رہی تھی۔ کھانا ختم ہو گیا اور پھر باتیں ہوتی رہیں پھر بڑی ماں کو نیند آنے لگی اور ان کے سونے کا بندوبست کر دیا گیا۔

"سنو کمال' تصدق۔ افشاں کو جاگنے نہ دینا۔ اس کی نگرانی کرنا۔ اگر یہ چلی گئی۔ تو۔ میں مر جاؤں گی۔ بولو۔ اگر تم اسے جاگنے نہ دو تو میں سو جاؤں۔ ورنہ میں نہیں سوؤں گی۔"

"میں نہیں جاؤں گی امی جان! میں نہیں جاؤں گی' آپ آرام سے سو جائیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"وعدہ کرتی ہو؟"

"ہاں۔ میں نہیں جاؤں گی' آپ آرام سے سو جائیں۔" شکیلہ پھر بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" بڑی ماں نے آنکھیں بند کرلیں اور پھر سب ان کے نزدیک سے ہٹ گئے۔ دونوں لڑکیاں پھر شکیلہ سے چپٹ گئیں۔ ہم لوگ بھی ان کے قریب پہنچ گئے تھے۔

"آپ لوگوں کا تعارف نہیں ہوا۔ افشاں باجی سے آپ کی کہاں ملاقات ہوئی؟" شمسہ نے ہماری طرف رخ کرکے پوچھا۔

"تحت اثری میں۔ یہ تحت اثری میں چنگ پانگ کھیل رہی تھیں۔ ہم نے انہیں چیلنج کیا۔ شرط ہوئی کہ اگر یہ ہم سے ہار گئیں تو تحت اثری سے نکل آئیں گی اور اگر جیت گئیں تو پھر ہم بھی وہاں رہ جائیں گے۔ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ یہ ہار گئیں اور ہم انہیں نکال لائے۔" طالوت نے بڑی سنجیدگی سے کہا اور لڑکیاں حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔ کمال مسکرا رہا تھا۔

"کیا آپ کو یقین نہیں ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں ہی نہیں آیا۔"

"آپ کی عقل پر تبرک صاحب کا سایہ پڑ گیا ہے۔"

"کیا۔۔۔؟" شمسہ نے تیز ہو کر کہا۔

"ان کی طرف نہ دیکھا کریں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر عقل موٹی ہوتی ہے۔" طالوت نے تصدق کی طرف اشارہ کیا۔ تصدق اس وقت دور نہ تھا۔ اس نے طالوت کے جملے سنے تھے۔

"میں بدتمیزی پسند نہیں کرتا' سمجھے؟" وہ تیز ہو کر بولا۔

"پھر کیا پسند ہے آپ کو مسٹر تبرک؟"

"تبرک نہیں 'تصدق'۔" تصدق غراتے ہوئے بولا۔

"آزادی کا دور ہے' ہمیں تبرک ہی پسند ہے۔"

"کمال میاں۔ کیا آپ نے انہیں بدتمیزی کی اجازت دی ہے۔"

"ارے نہیں نہیں۔ ہم نے اجازت لی ہی نہیں۔" طالوت نے کہا اور اس بار سب ہنس پڑے۔

"نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں میرا مذاق اڑایا جا رہا ہے۔ بہرحال آپ لوگوں کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ براہ راست مجھے نشانہ نہ بنایا جائے ورنہ میں بھی کوئی قدم اٹھا سکتا ہوں۔"

"آپ درخواست لکھ کر دے دیں مسٹر تبرک! ہم اس پر غور کریں گے۔" طالوت نے کہا "اور رہی قدم اٹھانے کی بات' تو آپ صرف دروازے کی طرف قدم اٹھائیں تاکہ ہم آپ کے کفن دفن کے جھگڑے سے محفوظ رہیں۔ ریلوے والے خود انتظام کریں گے۔"

"اوہ۔ اوہ۔ یہ انتہا ہے۔ کاش بڑی ماں ساتھ نہ ہوتیں میں تمہیں دیکھ لیتا۔" تصدق نے کہا اور پھر وہ تیز قدموں سے کمپارٹمنٹ کے دوسرے حصے میں چلا گیا۔

"زیادہ زچ نہ کریں اسے یوسف صاحب۔" کمال ہنستے ہوئے بولا۔

"میرے لیے تو وہ بہرحال تبرک ہے۔" طالوت نے کہا۔

"آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا؟" شمسہ بولی۔

"دیا تھا۔ آپ نے سنا نہیں ہوگا۔"

"اونہہ' وہ کوئی جواب تھا۔ افشاں باجی آپ بتائیں؟" شمسہ بولی۔

"شمسہ۔!" کمال نے سنجیدگی سے کہا۔

"جی؟"

"تم جانتی ہو بڑی ماں کی زندگی کے لیے یہ ضروری ہے۔ یہ خاتون افشاں باجی نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں کی ساتھی ہیں۔ میری درخواست پر یہ چند یوم ہمارے ساتھ گزارنے پر تیار ہوگئے ہیں۔ شکیلہ خاتون بڑی ماں کی صحت کے لیے چند روز ہمارے ساتھ رہیں گی اور جب بڑی ماں کی حالت نارمل ہوجائے گی تو پھر بہرحال۔ میں نے تمہیں یہ بات اس لیے بتا دی ہے کہ تم بھی ان کی مدد کرو۔ میں کوٹھی میں کسی کو یہ نہیں بتانا چاہتا کہ یہ افشاں باجی نہیں ہیں۔"

"اوہ۔" لڑکیاں ششدر رہ گئیں۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے شکیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔

"تو۔ تو یہ ہماری افشاں باجی نہیں ہیں۔" نادرہ بولی۔

"تم کسی کو یہ تاثر نہ دینا۔ سمجھیں؟" کمال نے کہا۔

لڑکیاں خاموش ہوگئی تھیں۔

"اگر اجازت دیں تو ہم تھوڑی دیر آرام کرلیں۔" طالوت نے کمال سے کہا۔

"ہاں' ضرور۔ افشاں باجی آپ بھی۔" کمال نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا "معاف کیجئے گا خاتون۔ میں آپ کو شکیلہ باجی ہی کہہ کر مخاطب کرتا لیکن حالات کا تقاضا ہے کہ میں آپ کو افشاں باجی ہی کہوں۔ آپ محسوس نہ کریں۔"

شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے شکیلہ آرام کرلیں گی۔ ہم ان سے کچھ گفتگو کریں گے۔" طالوت نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔ آؤ شمسہ۔ انہیں آرام کرنے دو۔" کمال نے کہا اور لڑکیاں دور چلی گئیں۔ شکیلہ ہمارے نزدیک سیٹ پر آ بیٹھی۔

"کیوں شکیلہ؟" میں نے کہا۔

"جی؟"

"کیسا ڈرامہ ہے یہ؟" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"بڑا دردناک۔ ایک ماں سے اس کی ممتا چھن گئی ہے۔" شکیلہ افسوس ناک لہجے میں بولی۔

"ہاں۔ واقعی!"

"میں بھی چوٹ کھائی ہوئی ہوں عارف صاحب۔ مجھ سے بھی میرے سارے چھن گئے۔ میں اس ماں کے دل کا حال جانتی ہوں۔" شکیلہ کی آنکھوں میں پھر آنسو رینگ آئے۔

"گزری ہوئی باتوں کو بھول جانا ہی بہتر ہوتا ہے شکیلہ۔ ویسے اگر تم ان لوگوں کی مدد کرنا چاہو۔ جس انداز میں بھی کرنا چاہو' ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو چند دن ان کے ساتھ گزار لوں۔"

"اس میں اجازت کی کیا بات ہے' تم اپنی مرضی کی مالک ہو۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ جو مناسب سمجھو۔"

"آپ بھی۔ آپ بھی میرے ساتھ رہیں گے نا یوسف صاحب؟"

"ضروری ہے؟"

"اوہ!" شکیلہ نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔ اس کے چہرے سے حزن و ملال ہویدا تھا۔ میں نے اس کے احساسات کو سمجھا اور جلدی سے بول پڑا۔

"غلط فہمی کا شکار نہ ہو شکیلہ۔ میں جانتا ہوں یوسف کے اس جملے سے تم کیا سوچنے لگیں۔" میں نے کہا۔

"مجھے احساس ہے عارف صاحب اور سچ بھی ہے' آپ کہاں کہاں میرے بوجھ کو اٹھائے پھریں گے؟"

"اگر تم نے آئندہ ایسی بات کہی تو میں سمجھوں گا کہ تمہیں ہمارے خلوص پر اعتماد نہیں ہے۔" طالوت نے منہ بنا کر کہا۔

"تو پھر مجھے بتایئے' آپ کے ان الفاظ کا مطلب کیا ہے؟"

"افوہ۔ حماقت کی بات نہیں۔ ہم ان کے ساتھ رہ کر ہی تمہارے احسان کی قیمت وصول کریں گے۔"

"اگر وہ اتنے ہی کم ظرف ہیں تو پھر ان کے لیے کچھ کرنے سے فائدہ؟" شکیلہ نے کہا۔

"اوہ! بات ختم کرو بھی۔ ٹھیک ہے۔ ہم بھی ساتھ رہیں گے شکیلہ۔ بس تم تیار ہو تو سب ٹھیک ہے۔ بس اب اس موضوع کو ختم کرو۔" میں نے جھگڑا ختم کروایا۔

پھر ہم کافی دیر تک اس موضوع پر سوچتے رہے اور آخر میں نے یہی فیصلہ کیا کہ ان لوگوں کے ساتھ رہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس دوران میں اور طالوت مستقبل کے بارے میں بھی سوچ لیں گے کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ ظاہر ہے اب حالات وہ نہیں رہے تھے جو تھے۔ اب تو ہمیں نئے سرے سے زندگی کے راستے منتخب کرنے تھے۔

ہم لوگ بھی آرام سے لیٹ گئے تھے۔ شکیلہ' شمسہ اور نادرہ کے پاس چلی گئی تھی۔ طالوت خاموشی سے کچھ سوچ رہا تھا پھر اس نے مجھے آواز دی "عارف!"

"ہوں۔" میں آہستہ سے بولا۔

"نیند آ رہی ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا سوچ رہے ہو اس وقت۔"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"پھر بھی؟"

"میں سوچ رہا ہوں کہ اتنی گفتگو ہوئی لیکن ابھی تک مجھے' تمہیں یا شکیلہ کو معلوم نہیں کہ ہم جا کہاں رہے ہیں۔"

"اوہ! یہی سوال اس وقت میرے ذہن میں تھا۔"

"ہم نے اسٹیشن ماسٹر سے بھی نہیں پوچھا تھا کہ یہ ٹرین کہاں جائے گی اور نہ ان لوگوں میں سے کسی سے معلوم کیا۔"

"ہاں۔ دلچسپ بات ہے۔"

"بہرحال ہماری منزل تو یوں بھی کوئی نہیں تھی' جہاں چاہیں چل پڑیں۔ یہ لوگ کہیں بھی جا رہے ہوں' ہمارے اوپر کیا اثر پڑے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

اور پھر ہم سونے کی کوشش کرنے لگے۔ ٹرین کے ہلکے ہلکے جھٹکوں سے نیند آ گئی اور پھر صبح کو آنکھ کھلی۔ شکیلہ وغیرہ جاگ اٹھی تھیں۔ بڑی ماں سو رہی تھیں۔ ہم لوگ بھی باتھ روم چلے گئے۔ تیار ہونے کے بعد ہم سیٹوں پر آ بیٹھے۔

تصدق ابھی تک ایک برتھ پر دراز تھا۔ البتہ کمال منہ ہاتھ دھو کر مسکراتا ہوا ہمارے پاس آ بیٹھا۔

"سنایئے عارف بھائی۔ نیند آئی تھی؟"

"ہاں۔ سولی پر بھی آتی ہے۔"

"آپ کے بارے میں بہت سے سوالات ذہن میں مچل رہے ہیں۔"

"مچل مچل کر کیا کہہ رہے ہیں۔" طالوت بولا۔

"یہی۔۔۔ کہ اے اجنبی، تو کون ہے۔ تو کون ہے؟"

"اوہ۔ بڑا نیٹر حاسوال کر رہے ہیں۔ اپنے بارے میں تو ہم خود بھی تفصیل سے نہیں جانتے۔" میں نے کہا۔

"میں جلدی نہیں کروں گا۔" کمال مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"پہلے آپ کو اپنے خلوص کا یقین دلاؤں گا اور جب آپ میرے خلوص پر اعتماد کرنے لگیں گے تو خود ہی اپنے بارے میں بتا دیں گے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہ ٹھیک ہے، کیوں یوسف؟"

"کمال اچھا انسان ہے، لیکن بہرحال، ہم جلدی اپنے بارے میں تحقیقات کریں گے اور پھر انہیں فوراً بتا دیں گے۔"

"جانے دیجئے اس ذکر کو۔ کوئی اور موضوع۔" کمال نے کہا۔

"موضوع تلاش کریں۔"

"تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ چلئے ہم آپ سے یہ سوال کر دیتے ہیں مسٹر کمال کہ ٹرین کہاں جا رہی ہے؟"

"ٹرین تو داور پور تک جائے گی لیکن ہماری منزل بس آنے والی ہے۔"

"اس منزل کا کیا نام ہے؟"

"عظمت آباد۔" کمال نے جواب دیا اور میں حیران رہ گیا۔ ہم اپنے ہی وطن میں داخل ہو گئے تھے۔ نہ جانے پیدل سفر ہمیں کہاں لے آیا تھا۔ عظمت آباد کے بارے میں پہلے بھی سن چکا تھا مگر کبھی اس طرف آنا نہیں ہوا تھا۔

"جانتے ہو؟" طالوت نے آہستہ سے پوچھا۔

"ہاں۔" میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"ایک عرض کروں۔" اچانک کمال بول پڑا۔

"ضرور!"

"ہر انسان کی طبیعت میں تجسس ہوتا ہے اور مجھے آپ انسان تو تسلیم کر ہی لیں گے۔ میں بہت سے معاملات میں بار بار ایسے سوال کروں گا، کیونکہ وہ فطری ہوں گے۔ آپ ان سوالات سے ناراض نہ ہوں بلکہ اگر ان میں سے کوئی جواب دینے کے قابل ہو تو جواب دے دیں۔ ورنہ صاف کہہ دیں کہ یہ ناقابل جواب ہے۔"

"کوئی سوال تمہارے ذہن میں آیا ہے کمال؟"

"ہاں۔ پلیز۔ کیا آپ مجھے ایک چھوٹے بھائی کی حیثیت سے ٹریٹ نہیں کر سکتے؟"

"ٹھیک ہے کمال لیکن سوال کیا ہے؟"

"آپ لوگ اس ملک کے رہنے والے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ظاہر ہے۔ اپنوں میں سے معلوم ہوتے ہیں۔ میں بلا مبالغہ کہہ دوں کہ آپ کی شخصیتیں بہت شاندار ہیں۔ میں ان سے بہت متاثر ہوں۔ ویسے آپ کہاں رہتے تھے؟"

"کہیں!" میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں ہے۔ جواب نہ دینے میں کوئی خاص بات ہے؟"

"ہاں۔"

"تب ٹھیک ہے۔ اچھا دوسرا سوال۔ شکیلہ باجی سے آپ کا کوئی رشتہ ہے؟"

"نہیں۔"

"اوہ!"

"لیکن اپنوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ اسی طرح ہم دونوں کا بھی آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہے لیکن ایک دوسرے کو بھائیوں سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔"

"مجھے بھی آپ خود میں شامل کر لیں۔" کمال نے کہا۔

"کیا کرو گے کمال۔ زندگی برباد ہو جائے گی۔"

"ہو جانے دیجئے۔ میں آپ سے بہت متاثر ہوں۔"

"کیوں بھئی گنجائش ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"نکالنے کی کوشش کریں گے۔"

"بڑی مہربانی ہوگی۔" کمال مسکراتے ہوئے بولا۔

"پڑھتے ہو کمال میاں؟"

"جی!"

"تمہارے ماموں کا نام کیا ہے؟"

"سید تنویر جمال۔ مشہور شخصیت ہیں۔"

"بہت خوب۔ لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اتنے بڑے آدمی کی بیٹی کو تلاش کیوں نہیں کیا گیا؟"

"پولیس آج تک حرکت میں ہے عارف بھائی۔ سینکڑوں لوگ آج بھی ماموں جان سے تنخواہ لیتے ہیں۔ نہ

جانے کہاں کہاں وہ افشاں باجی کو تلاش کرتے رہے ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں، ماموں جان نے کون سی کوشش نہیں کی۔ درجنوں ہرہ فروشوں سے رابطہ قائم کیا۔ مشرق وسطیٰ کے بہت سے محلوں میں تلاش کرائی گئی۔ نہ جانے کیا کیا ہوا ہے۔"

"کمال ہے۔ کوئی پتہ نہیں چل سکا۔"

"نشان بھی نہیں ملا۔"

"تنویر صاحب کی کسی سے دشمنی تھی؟"

"بہت سے کاروباری حریف ہیں۔"

"انہیں ٹٹولا؟"

"کیا کچھ نہیں کیا۔ پولیس نے ہمارے ساتھ زبردست تعاون کیا تھا۔ افشاں باجی کی تلاش کے خیال سے کون سی جگہ ہے جو چھوڑی گئی۔ میرے خیال میں لاکھوں روپیہ ان کی تلاش کی کوششوں پر صرف ہو گیا۔"

"ہوں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔ میں اس وقت اس کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کاش اس وقت وہ اصلی حیثیت میں ہوتا تو ان لوگوں کی مشکل حل کر دیتا۔

"ویسے کمال میاں، ان کی گمشدگی کی تفصیل تو بتائیں۔"

"یونہی رسمی گئی تھیں۔ معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ ڈرائیور وقت مقررہ پر گاڑی لے کر گیا لیکن پتہ چلا کہ وہ تھوڑی دیر قبل جا چکی ہیں۔ بس اتنی سی بات۔ کس کے ساتھ گئیں، کہاں گئیں، یہ آج تک نہیں معلوم ہو سکا۔ آپ خود سوچیں کہ کیا کیا نہ کیا ہوگا؟"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔

ناشتے وغیرہ کا سارا بندوبست تھا۔ بڑی ماں جاگ گئی تھیں اور پرسکون تھیں۔ افشاں اب بھی ان کے پاس موجود تھی۔

"ارے۔ افشاں بیٹے! تم نے کپڑے نہیں بدلے؟" اچانک وہ بولیں۔

"یہاں میرے کپڑے ہیں کہاں امی۔"

"ایں ہاں۔ یہ ٹرین نہ جانے اتنی سست رفتار کیوں ہے۔ تصدق! ٹرین کب پہنچے گی؟"

"بس ایک گھنٹا باقی ہے بڑی ماں۔" تصدق صاحب نے جواب دیا۔

"ڈرائیور سے کہو تیز چلائے!" بڑی ماں نے کہا۔

"جی بہتر!"

"بڑی ماں! اگر آپ انہیں ٹرین سے نیچے اتار دیں تو یہ خود بخود تیز چلنے لگے گی۔" طالوت نے تصدق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ایں؟" بڑی ماں چونک پڑیں پھر وہ تصدق کو گھورتے ہوئے بولیں "ہائے تصدق! تو اتنا موٹا کیوں ہو گیا۔ اب تک تو ہم گھر پہنچ بھی گئے ہوتے۔"

اور پورے کمپارٹمنٹ میں قہقہے گونج اٹھے۔ تصدق کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ طالوت کی بوٹیاں چبا لے۔

"اگر آپ جلدی پہنچنا چاہتی ہیں بڑی ماں تو انہیں نیچے اتار دیں۔"

"آ کے رہ جائے گا بے چارہ۔ چلو اب رہنے دو، آئندہ سے کہیں ساتھ نہیں لے جائیں گے۔"

"بڑی ماں۔ بڑی ماں! آپ بھی میری بے عزتی برداشت کر رہی ہیں۔" تصدق پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولا۔

"آئے ہائے۔ تو اتنا موٹا ہو ہی کیوں گیا۔ غلطی تیری ہے۔" بڑی ماں نے کہا اور تصدق دانت پیستا ہوا ہماری طرف آیا۔

"میں۔ میں تم لوگوں کو۔ میں تم لوگوں کو ایسی سزا دوں گا کہ یاد کرو گے۔ بڑی ماں کی وجہ سے خاموش ہوں لیکن یہ سمجھ لو، تصدق کی دشمنی بہت مہنگی پڑے گی۔"

"بڑی ماں! دیکھ لیجئے، یہ تبرک ہمیں دھمکیاں دے رہا ہے۔"

"اور تبرک پر بڑی ماں بھی ہنس پڑیں۔

"بڑی ماں۔ اسے خاموش کر دیں۔ ورنہ۔ ورنہ میں خودکشی کر لوں گا۔" تصدق دہاڑا۔

"وعدہ لے لیں بڑی ماں، جلدی سے وعدہ لے لیں۔ مجھے شبہ ہے مسٹر تبرک خودکشی نہیں کریں گے۔ اگر یہ خودکشی کرنے کی نیت سے ہی نیچے چھلانگ لگا دیں تو ٹرین کی رفتار تیز ہو جائے گی اور ہم ایک گھنٹے کا سفر آدھے گھنٹے میں طے کر لیں گے۔"

ٹرین میں قہقہے گونج اٹھے اور تصدق پہلے طالوت کی طرف بڑھا، پھر رخ بدل کر دروازے کی طرف چل دیا۔ وہ گیلری میں نکل گیا تھا۔

"ہائے ہائے! کیا یہ کم بخت سچ مچ خودکشی کرنے گیا؟" بڑی ماں بولیں۔

"ارے نہیں بڑی ماں! اتنے موٹے آدمی خودکشی نہیں کرتے۔" طالوت بولا۔

"تم ہو کون بیٹے' آگے آؤ۔" بڑی ماں نے کہا اور ہم دونوں ان کے قریب پہنچ گئے "کیا نام ہے تمہارا؟"

"عارف اور یوسف!"

"بھائیوں کی جوڑی ہے۔ خدا سلامت رکھے۔ میری افشاں تمہیں کہاں ملی؟"

"بس یونہی پھر رہی تھیں' حیران و پریشان' ہم انہیں لے آئے۔"

"بڑا احسان کیا ہے تم نے میرے لال' مرتے دم تک نہ بھولوں گی۔" بڑی ماں بولیں اور سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ بڑی ماں پھر شکیلہ کو پیار کرنے لگی تھیں۔

"ذرا سی دیر میں بڑی ماں میں زبردست تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔" کمال نے بتایا۔

"پہلے کیا کیفیت تھی؟"

"ہوش و حواس کی بات نہیں کرتی تھیں۔ ہر وقت کسی حادثے کا تذکرہ کرتی رہتی تھیں۔ سو میں سے ایک بات کوئی ہوش کی ہوتی تھی لیکن اب آپ نے خود محسوس کیا ہوگا۔"

"ہاں' اب تو کوئی ایسی بات نہیں کر رہیں۔"

"بڑا اثر پڑا ہے۔ ماموں جان دیکھیں گے تو خوشی سے اچھل پڑیں گے۔"

"تنویر صاحب کس قسم کے آدمی ہیں؟"

"آپ کو پسند آئیں گے۔ گو ان کے دل پر بھی گہرا زخم ہے لیکن اس کے باوجود وہ زندہ دل ہیں۔ ہاں زخم سے پہلے تو ان کا کوئی جواب ہی نہ تھا۔ بچوں میں بچے' بڑوں میں بڑے۔"

"خدا کرے افشاں بھی مل جائیں۔" طالوت نے دل سے کہا اور کمال نے سر جھکا لیا۔

تصدق کافی دیر تک واپس نہ آیا تو کمال کو تشویش ہوگئی "آیئے عارف بھائی' تصدق کو دیکھیں۔"

"ضرور دیکھو۔" میں مسکراتا ہوا کھڑا ہوگیا اور ہم لوگ گیلری میں نکل آئے۔ تصدق صاحب ایک جگہ پشت نکائے ہوئے کھڑے سگریٹ پی رہے تھے اور اس وقت میں نے اس شخص کا چہرہ دیکھا۔

کافی خطرناک چہرہ تھا' جس پر سے معصومیت کی چادر سرک گئی تھی لیکن ہمیں دیکھ کر وہ سنبھل گیا اور پھر اس کے چہرے پر نفرت کے آثار ابھر آئے۔

"آپ ناراض ہوگئے تصدق صاحب؟" کمال نے کہا۔

"نہیں۔ میں نے سوچا آپ کے ذاتی معاملات میں مداخلت مناسب نہیں ہے۔"

"یہ تو بڑی اچھی بات ہے مسٹر تبرک۔" طالوت بول پڑا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ کو مذاق اڑانے کا حق دیا گیا ہے' میں کیا بول سکتا ہوں۔ بہرحال مجھے ملازمت کرنی ہے۔"

"ارے ارے۔ آپ تو سنجیدہ ہوگئے تصدق صاحب۔ یوسف' احتیاط کرو۔"

"میں ہر بات نہایت احتیاط سے کر رہا ہوں۔ ان سے کہو مجھ سے دوستی کرلیں۔"

"آپ مالکان کے منظورِ نظر ہیں جناب۔ میں آپ کی دوستی کے قابل کہاں۔" تصدق نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"بہتر ہے مسٹر تبرک۔ دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔ دوستی یا دشمنی! اور دوستی آپ ٹھکرا چکے ہیں۔" طالوت نے کہا اور تصدق پھیکی سی ہنسی ہنس کر رہ گیا۔ پھر وہ کمال کی طرف رخ کرکے بولا۔

"عظمت آباد قریب آگیا ہے کمال میاں۔ ہمیں تیاریاں کرنی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ زیادہ سامان تو ہے نہیں' آپ اندر جائیں۔" کمال نے کہا اور تصدق اندر چلا گیا۔ ہم تینوں خاموشی سے بھاگتے ہوئے مناظر کا نظارہ کرتے رہے۔

"ابھی چند منٹ کے بعد ماموں جان کے باغات نظر آئیں گے۔"

"زمین داری بھی ہے آپ کی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ماموں جان کے شوق بہت دلچسپ اور عجیب ہیں۔ آپ دیکھیں گے' یہ باغات بھی بس انہوں نے خریدے تھے۔ یونہی ایک دن کسی باغ میں جا نکلے تھے۔ یونہی کہتے رہے کہ اگر کوئی باذوق ہوتا تو اس میں یہ ہوتا' وہ ہوتا۔ پورا باغ دیکھ کر گردن ٹیڑھی کرکے بولے۔ کسی بڑے بدذوق انسان کا باغ ہے اور پھر اپنے بزنس منیجر کو حکم دیا کہ کچھ عمدہ قسم کے باغات خریدے جائیں۔ تعمیل ہونے میں کتنی دیر لگتی اور اب ہمارے باغات میں اعلیٰ درجے کے پھل لگے ہوئے ہیں۔ ایک باغ میں حسین کا نج ہے۔ ایک سو نمک پول ہے جو شہر کا سب سے بڑا اور جدید قسم کا سو نمک پول ہے۔ دوسرے باغ میں ایک چھوٹا سا چڑیا گھر ہے۔ جس میں درندے تک موجود ہیں۔"

"بہت خوب!"

"اکثر ہم لوگ پکنک منانے چلے جاتے ہیں۔ آپ کو بھی لے چلیں گے۔"

"میں تبرک بھائی کے بغیر نہیں جاؤں گا۔" طالوت

ٹھٹکتے ہوئے بولا اور کمال ہنس پڑا۔

"مجھے یقین ہے آپ تصدق کو خودکشی پر مجبور کردیں گے۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"مجال ہے جو مر سکے۔" طالوت بولا۔

"گویا مرنے بھی نہیں دیں گے۔"

"میں دشمن کو مارنے کا قائل نہیں ہوں۔"

"اوہ۔ تو آپ کی دشمنی (CONFIRM) ہے۔" کمال نے کہا۔

"خود اس نے یہ خواہش ظاہر کی تھی۔ طالوت نے جواب دیا۔

"اوہ! دیکھیے۔ عظمت آباد کے آثار ظاہر ہونے لگے۔" اچانک کمال بول پڑا اور پھر ہم خاموشی سے باہر کے مناظر دیکھنے لگے۔

عظمت آباد ریلوے اسٹیشن زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن خاصا خوب صورت تھا۔ یہ شہر کافی سرسبز تھا۔ پلیٹ فارم پر پوری فوج استقبال کے لیے موجود تھی۔ ان میں تنویر صاحب نہیں تھے لیکن ملازم اور اہل خاندان اتنے تھے کہ بس۔

"گو بھئی۔ یہ تو نواب جلال الدین سے بھی اونچی کوئی شے ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ لیکن افسوس۔ ہم یہاں۔۔۔" میں نے کہا اور اچانک مجھے احساس ہوا جیسے مجھ سے غلطی ہوگئی۔ میں نے طالوت کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن شکر تھا طالوت پوری طرح میری بات کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ استقبال کرنے والوں کی گرم جوشی دیکھ رہا تھا۔ لمبی لمبی کئی کاریں تھیں۔ ملازم اندر گھس آئے۔ سامان مختصر تھا' انہوں نے آپس میں بانٹ لیا اور پھر بڑے احترام سے بڑی ماں کو نیچے اتار لیا گیا۔

لیکن جب شکیلہ بھی ان کے ساتھ نیچے اتری تو ایک اودھم مچ گیا۔

"افشاں بی بی۔ افشاں بی بی۔" چاروں طرف سے پاگلوں کے سے انداز میں لوگ دوڑ پڑے "افشاں بی بی مل گئیں۔ افشاں بی بی مل گئیں۔"

شکیلہ کسی قدر گھبرا گئی تھی۔ اس نے بڑی ماں کا سہارا لیا اور پھر بڑی ماں کے ساتھ ہی جلدی سے کار میں گھس گئی۔ ہم لوگ کمال کے ساتھ دوسری کار میں بیٹھے تھے پھر یہ قافلہ چل پڑا۔ کمال ایک کار کی پچھلی سیٹ پر ہمارے ساتھ بیٹھا تھا۔

"آپ نے دیکھا۔ کوئی ایک ہے جسے ان کے افشاں باجی ہونے پر شک ہو۔"

"ہاں۔ شاید بالکل ہی شکل ملتی ہے۔"

"میں آپ کو ان کی تصاویر دکھاؤں گا' آپ خود حیران رہ جائیں گے۔"

"شاید۔" میں نے مختصراً کہا۔

بقیہ راستہ خاموشی سے طے ہوا اور پھر ہم ایک عالی شان کوٹھی میں پہنچ گئے۔ شہر سے کسی قدر باہر ایک پرفضا علاقے میں بنی ہوئی یہ کوٹھی دور ہی سے عالی شان نظر آتی تھی۔ عام علاقے سے اونچی شاید کسی پہاڑی ٹکڑے پر بنائی گئی تھی۔ اوپر جانے کے لیے ڈھلان راستے تھے جن پر دو رویہ درخت لگے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ دونوں طرف سرخ بجری کی روشیں تھیں پھر کوٹھی کا عظیم الشان پھاٹک تھا۔ راستے چونکہ چاروں طرف سے تھے۔ اس لیے چار بڑے پھاٹک اور چند ذیلی پھاٹک تھے۔

ہم نے بڑے غور سے یہ ساری چیزیں دیکھیں۔ کوٹھی بھی ایک طویل رقبے میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس کی ترتیب بھی ایک خاص انداز کی تھی۔ کوٹھی کے سامنے کے حصے میں ایک عظیم الشان لان بنا ہوا تھا جس پر جگہ جگہ حسین مجسمے ایستادہ تھے۔ خوب صورت فوارے نت نئے انداز میں پانی اچھال رہے تھے۔ اس کے علاوہ تین سمتوں میں چھوٹے چھوٹے خوب صورت بنگلے ایک ہی ڈیزائن [illegible] بنے ہوئے تھے۔

بعد میں یہ معلوم ہوا کہ یہ تنویر صاحب کے عزیزوں کے مکانات تھے۔ تنویر صاحب نے خود یہ اپنے عزیزوں کے لیے تعمیر کرائے تھے۔ بہرحال تنویر محل دیکھ کر اندازہ ہوجاتا تھا کہ تنویر صاحب کس قسم کے انسان ہیں۔ گاڑیاں پورچ میں لگ گئیں اور بڑی ماں کو نیچے اتارا گیا۔ شکیلہ کے سلسلے میں خوب ہنگامے ہوئے۔ ہمیں اس بے چاری کی پریشانی کا احساس تھا لیکن بہرحال پھنس گئی تھی۔

"افشاں باجی کے سلسلے میں خوب ہنگامے ہوں گے۔ میرا خیال ہے ہم اور آپ ان ہنگاموں سے دور رہیں تو بہتر ہے۔" کمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جیسا مناسب سمجھو۔" میں نے کہا۔

"میری ایک خواہش ہے' اگر آپ پسند کریں؟"

"بولو۔ بولو۔" میں نے کہا۔

"آپ نے یہ ذیلی بنگلے دیکھے ہیں؟"

"ہاں۔"

"ان میں سے ایک میں' میں اپنی والدہ اور چھوٹے بھائی کے ساتھ رہتا ہوں۔ آپ پسند کریں تو میرے ساتھ ہی قیام

کریں۔" کمال نے کہا۔

"ہاں۔ اندازہ ہو رہا ہے کہ ہماری یہاں پذیرائی نہیں ہوگی۔ بہرحال ٹھیک ہے یہی سہی۔"

"اوہ! یہ بات نہیں ہے۔ آپ کی پذیرائی کے لیے میں کافی ہوں۔" کمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم نے کوئی جواب نہیں دیا اور ہم کمال کے ساتھ چل پڑے۔

یہ چھوٹے چھوٹے بنگلے بھی اندر سے بہت خوب صورت تھے۔ ایک خوب صورت سے ڈرائنگ روم میں کمال نے ہمیں بٹھایا اور پھر اندر چلا گیا۔ ایک ملازم چند ہی منٹ کے بعد عمدہ قسم کی کافی اور دوسری چیزیں لے آیا اور پھر لباس تبدیل کر کے کمال بھی آگیا۔

"میں نے آپ کے لیے بیڈ روم تیار کروایا ہے۔ چائے وغیرہ پی لیں۔ اس کے بعد اگر تھک گئے ہوں تو آرام کریں۔"

اور ہم خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ پھر ہم نے بیڈ روم دیکھنے پر آمادگی ظاہر کر دی۔ بیڈ روم بھی خوب صورت تھا۔ اس میں ہم دونوں کے لیے بستر کا بندوبست کر دیا گیا تھا۔

"باتھ روم موجود ہے۔"

"شکریہ کمال۔ ویسے ہم تمہیں زیادہ وقت تکلیف نہ دیں گے۔"

"اوہ پلیز۔ آپ سارے خیالات ذہن سے نکال دیں۔ میں ذاتی طور پر آپ سے بہت متاثر ہوں۔ آپ اگر میرے ہاں کچھ عرصہ قیام کریں گے تو مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"شکریہ کمال! اب اجازت ہو تو ہم کچھ دیر آرام کر لیں؟"

"ضرور۔" کمال نے کہا اور پھر وہ باہر نکل گیا۔

"میں تو غسل کروں گا۔" طالوت بولا۔

"جاؤ، پھر اس کے بعد میں بھی غسل کروں گا۔" اور تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنی مسہریوں پر لیٹے ہوئے تھے۔ طالوت کسی گہرے خیال میں گم تھا۔

"طالوت!" میں نے اسے آواز دے کر چونکا دیا۔

"ہوں!"

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم کچھ نہیں سوچ رہے عارف؟"

"مثلاً؟"

"ہم جس انداز میں یہاں آئے ہیں، مناسب ہے؟"

"نہیں۔"

"اگر کمال ہمیں نہ پوچھتا تو پھر ہم کس حیثیت سے یہاں رکتے؟"

"ٹھیک ہے۔"

"چنانچہ یہاں سے نکل چلو۔ یہاں کے علاوہ کہیں بھی قیام کیا جا سکتا ہے۔ ورنہ یہاں ہم دونوں اپنی پوزیشن عجیب محسوس کریں گے بلکہ اگر تم برا نہ محسوس کرو تو میں کہوں گا کہ یہاں ہم لڑکی کے عوض روٹی کھائیں گے۔"

"اوہ! یہ بات ہے تو پھر اسی وقت یہ جگہ چھوڑ دو۔" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"نہیں۔ کچھ دیر تو رکنا ہی پڑے گا۔ ایک بار شکیلہ سے گفتگو ضرور کریں گے۔ وہ اگر یہاں مستقل قیام کرنے پر تیار ہو تو پھر ہمارے یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے عارف؟"

"کس بارے میں؟"

"کیا ہمیں ایسی صورت میں یہاں رکنا چاہیے؟"

"ہرگز نہیں۔ کیا ہم مفلوج ہیں؟"

"رہ گئی شکیلہ کی بات۔ تو یار، کون بدقسمت ہوگا جو اس شان دار پوزیشن کو ٹھکرائے گا۔"

"ہاں اور پھر ہمارا اس سے لگاؤ زیادہ پرانا بھی نہیں ہے۔"

"اور خاص طور پر ایسی شکل میں عارف جبکہ ہم خود قلاش ہیں۔ ہم اس بے چاری سے یہ عیش کی زندگی کیوں چھینیں گے۔"

"ٹھیک ہے طالوت۔ پھر کیوں نہ ہم خاموشی سے یہاں سے چلیں۔"

"نہیں۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ ایک بار شکیلہ سے ملاقات ضرور کریں گے۔ اس سے کہہ کر جائیں گے تاکہ وہ یہ نہ سوچے کہ ہم نے بلا ٹال دی ہے۔"

"چلو، ٹھیک ہے۔"

"افسوس۔ دو شالہ بھی جل گیا۔ ورنہ کم از کم یہی معلوم ہو جاتا کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔" طالوت نے افسردہ لہجے میں کہا اور میں بھی خاموش ہو گیا پھر ہم خاموش لیٹے رہے اور رات کو چونکہ بے آرام رہے تھے اس لیے نیند آگئی۔ نیند خوب گہری تھی، ہم شام چار بجے تک سوئے رہے، پھر جاگے، منہ ہاتھ دھویا۔ سامنے لگی ہوئی گھڑی نے چار کا گھنٹا بجایا تھا۔

منہ ہاتھ دھو کر ہم تیار ہو گئے اور پھر دروازے پر آئے ہی تھے کہ ایک ملازمہ اندر آگئی۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑی "کمال میاں نے آپ کو دیکھنے کو بھیجا تھا۔" وہ بولی۔

"دیکھ لیا؟" طالوت برجستہ بولا۔

"ہاں۔" ملازمہ نے سادگی سے جواب دیا۔

"تو اب جاؤ۔" طالوت بولا اور وہ بے چاری چلی گئی لیکن پھر پلٹی۔

"انہوں نے کہا تھا کہ اگر آپ جاگ گئے ہوں تو انہیں بتا دوں۔"

"پھر تمہارا کیا خیال ہے، کیا ہم جاگ رہے ہیں؟"

"جاگ تو رہے ہو۔"

"تو پھر بتا دو انہیں۔" طالوت بولا اور ملازمہ پھر واپس چلی گئی۔ میں ہنس پڑا تھا۔ طالوت بھی مسکرانے لگا۔

"کمال اچھا لڑکا ہے اور شاید اسے احساس ہے کہ۔۔۔" میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن اسی وقت کمال ہمارے سامنے آگیا۔

"خوب سوئے آپ لوگ۔ دوپہر کا کھانا بھی گول کر دیا۔" اس نے کہا۔

"ہاں! خوب گہری نیند آئی۔"

"کوٹھی میں تو قیامت مچی ہوئی ہے۔"

"کیا ہوا؟"

"ارے وہی افشاں باجی کے سلسلے میں۔ کسی کو کچھ نہیں بتایا گیا تھا لیکن یہ ملازم کم بخت خبریں نشر کرنے کے خصوصی ذرائع رکھتے ہیں۔ آنے جانے والوں کا تانتا بندھا ہوا ہے۔"

"خوب! تنویر صاحب کو بھی اطلاع ہو گئی؟"

"ماموں جان کل رات کو باہر گئے تھے۔ خصوصی طور پر انہیں اطلاع دی گئی ہے۔ میرا خیال ہے، پہنچنے والے ہوں گے۔ ٹیلی فون کیا ہے، چار بجے پہنچ جائیں گے۔"

"حقیقت بتا دی گئی انہیں؟"

"ابھی کہاں سے۔ ویسے وہ سخت حیران ہیں۔"

"ظاہر ہے ہوں گے۔"

"اس کے علاوہ ڈی آئی جی پولیس نے بھی فون کیا تھا۔ وہ افشاں باجی سے ملاقات کے خواہش مند ہیں لیکن میں نے تصدق سے کہہ کر انہیں ٹال دیا ہے۔ ظاہر ہے ڈی آئی جی، شکیلہ صاحبہ سے سوالات کر کے مجرموں کو پہچاننے کی کوشش کریں گے اور وہ گھبرا جائیں گی۔ چنانچہ میں نے کہلوا دیا ہے کہ ماموں جان کے آنے کے بعد افشاں باجی ان سے ملاقات کر سکیں گی۔"

"ڈی آئی جی صاحب ان سے ان کے اغوا کنندگان کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے؟"

"ہاں۔"

"اور وہ ظاہر ہے ہمارے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے مائی ڈیئر کمال؟"

"جی؟" کمال تعجب سے بولا۔

"میرا خیال ہے تم ایک بار ہماری ملاقات شکیلہ سے کرا دو۔ ہم جھگڑوں سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔ اب ہمیں پولیس کے سامنے بھی جواب دہ ہونا پڑے گا۔ کیا واقعی ہمارا جرم ایسا ہی ہے؟"

"اوہ! ہرگز نہیں یوسف بھائی۔ آپ بس ماموں جان کو آجانے دیں، پھر آپ دیکھیں۔ براہ کرم اس وقت تک یہاں قیام ضرور کریں اور اب ایک بات بتائیں؟"

"پوچھو؟"

"شام کی چائے لان میں پی جائے گی، آپ اس میں شریک ہونا پسند کریں گے؟"

"کس حیثیت سے؟" طالوت نے پوچھا۔

"ایک مہمان کی حیثیت سے۔"

"نہیں کمال۔ ہم تمہارے مہمان ہیں۔ ہمیں یہیں پلا دو تو بہتر ہے۔" میں نے کہا۔

"تب میرا خیال ہے میں چھت پر بندوبست کر دوں۔ ویسے مجھے ان کے ساتھ شریک ہونا پڑے گا، یہ اصول ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

اور کمال چلا گیا۔ بنگلے کی چھت سے لان کا منظر نظر آتا تھا۔ لان میں رنگین کرسیاں لگائی جا رہی تھیں۔ سفید لباس میں ملازم تیزی سے کام کر رہے تھے۔

پھر کوٹھی کے بڑے گیٹ سے ایک لمبی سیاہ سیڈان اندر داخل ہوئی اور پورچ میں لگ گئی۔ اس سے ایک طویل القامت اور وجیہہ شخص نیچے اترا۔ چہرے سے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ تنویر ہے۔ عمدہ شخصیت تھی۔ اعلیٰ درجے کے سوٹ میں ملبوس۔ وہ نہایت بے چینی سے اندر چلا گیا تھا۔

"یہی تنویر معلوم ہوتا ہے؟"

"شاید!" میں نے جواب دیا اور پھر خاندان بھر کے لوگ لان میں جمع ہونے لگے۔ بے شمار افراد تھے۔ تنویر صاحب اندر جانے کیا کر رہے تھے۔ نہ جانے کیا تماشا ہو رہا ہوگا اندر۔ ہم دل ہی دل میں تلملاتے رہے لیکن کیا کرتے، بے دست و پا تھے، خاموش بیٹھے رہے۔ ملازمہ نے ہمارے لیے پر تکلف چائے کا بندوبست کر دیا۔ اس کے ساتھ بہت سے لوازمات بھی تھے۔ ہم خاموشی اور کسی قدر بے دلی سے چائے پیتے رہے اور پھر طالوت نے مجھے اشارہ کیا۔ میں بھی کوٹھی کے اندرونی دروازے کی طرف دیکھنے لگا اور دیکھتا رہ گیا۔

شکیلہ پہلے ہی کون سی کم حسین تھی لیکن اس وقت۔۔۔ اس وقت تو وہ نہ جانے کیا بن گئی تھی۔ آسمانی رنگ کی حسین اور قیمتی ساڑھی میں وہ قیامت نظر آرہی تھی۔ بڑی ماں اس کے ساتھ تھیں اور دوسرے بہت سے لوگ' تنویر صاحب موجود نہ تھے۔ شکیلہ پروقار انداز میں چلتی ہوئی لان میں پڑی کرسیوں کے نزدیک پہنچ گئی۔

"اس کے بعد۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا "اس کے بعد یہ لڑکی اگر ہمیں پہچاننے سے بھی انکار کردے تو اس کا کیا قصور۔" میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا پھر ہم نے تنویر صاحب کو کمال کے ساتھ آتے دیکھا۔ وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے۔ کرسیوں سے کافی دور رک گئے اور باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد چائے شروع ہوگئی۔

لیکن اس وقت میری نگاہ شکیلہ کی طرف اٹھ گئی تھی۔ شکیلہ بے چینی سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی پھر وہ کرسی سے کھڑی ہوگئی اور میری چھٹی حس کچھ کہنے لگی لیکن میں نے طالوت سے اس کا ذکر نہیں کیا۔

شکیلہ نے بڑی ماں سے کچھ کہا اور بڑی ماں بھی چاروں طرف دیکھنے لگیں پھر ہم نے تصدق کو ان کی طرف لپکتے دیکھا۔ تصدق جھک کر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے بعد شاید کمال کو طلب کیا گیا۔

تنویر صاحب بھی کمال کے ساتھ آگے بڑھ آئے تھے۔ پھر نہ جانے کیا ابھی ابھی گفتگو ہونے لگی اور اس کے بعد ایک گروہ چل پڑا۔ شکیلہ سب سے آگے تھی۔ چائے کی میز پر انتشار پھیل گیا تھا۔ سب پریشان سے نظر آنے لگے تھے۔

کمال شکیلہ کے برابر پہنچ گیا اور پھر تنویر صاحب نے دوسرے تمام لوگوں کو روک لیا اور صرف تین آدمی آگے آنے لگے۔ یہ کمال' تنویر صاحب اور شکیلہ تھے۔

"عارف!" طالوت نے کہا۔

"ہوں۔"

"کچھ گڑبڑ ہوگئی۔"

"دیکھ رہا ہوں۔" میں نے کہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کمال کے بنگلے میں داخل ہوگئے اور ہم ادھر سے رخ بدل کر بے نیاز بیٹھ گئے۔ چند ہی ساعت کے بعد تینوں اوپر پہنچ گئے۔ شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے۔ وہ ہمارے سامنے آکر کھڑی ہوگئی اور خاموشی سے ہماری شکلیں دیکھنے لگی۔ اس کے اندر طوفان بھرا ہوا تھا۔

"کیا آپ نے نہیں کہا تھا۔ کیا آپ نے نہیں تھا کہ۔ کہ ہمیں بڑی ماں کے لیے یہ بات مان جانی چاہیے۔" اس نے رندھی ہوئی لیکن تیز آواز میں کہا۔

"شکیلہ۔ شکیلہ۔ کیا ہوگیا؟" میں نے کہا۔

"آپ یہاں کیوں ہیں؟" وہ بولی۔

"کمال صاحب سے پوچھ لو' ہم تو جارہے تھے۔" میں نے جلتی پر تیل چھڑکا۔

"کہاں جارہے تھے؟"

"کسی بھی جگہ۔ بہرحال اس شہر میں نہیں ہیں۔" میں نے کہا۔ تنویر اور کمال خاموش کھڑے تھے اور شکیلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"میں۔ میں اب یہاں نہیں رکوں گی۔ مجھے افسوس ہے کمال صاحب۔ میں اتنا بڑا ظرف نہیں رکھتی۔ میری دعا ہے کہ اللہ بڑی ماں کی مشکل حل کردے۔ خدا کرے افشاں بی بی خیریت سے واپس آجائیں۔ مجھے افسوس ہے' میں اب ایک منٹ بھی یہاں نہیں رکوں گی۔ براہ کرم میرا لباس واپس کردیں۔"

"تم لوگوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے بیٹے' وہ واقعی ناقابل برداشت ہے۔ ٹھیک ہے جہنم میں جائیں سب۔ میں تمہیں روکنے کی جرات خود میں نہیں پاتا لیکن اگر کچھ کہنے کی اجازت دو تو شکر گزار رہوں گا۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"جی۔ فرمائیے محترم!" میں نے کہا۔

"میرے ساتھ بڑی الجھن ہے۔ میری خوشی کی عمر بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ افشاں کے بچھڑ جانے کا غم جتنا شدید ہوسکتا ہے' شاید تم لوگ اندازہ نہ کرسکو۔ اس کے بعد بیگم کی بیماری نے ذہن کو شدید زخمی کر رکھا تھا۔ اچانک ٹیلی فون ملا کہ افشاں مل گئی ہیں تو شادی مرگ ہوتے ہوتے بچا۔ یہاں نہ جانے کیا کیا آرزوئیں لے کر آیا تو حقیقت معلوم ہوئی۔ سوچا کہ کم از کم ایک الجھن سے تو نجات ملے گی۔ یعنی بیگم کی بیماری اور پھر یہ بچی افشاں سے اس قدر ملتی ہے کہ دل کو بہلاوا تو دیا ہی جاسکتا تھا۔ سوچو یارو۔ انسان ہی تو ہوں۔ کہاں تک ان امیدوں کو سہارا دیے رہوں گا۔"

تنویر صاحب کی آواز میں بلکی سی بھرابٹ آگئی۔

ہم خاموشی سے ان کی شکل دیکھنے لگے۔

"میں اس پورے کارخانے کا کرتا دھرتا ہوں لیکن تنہا۔ کون ہے جو میرا سہارا بن سکے۔ سنو بچو۔ ہوں تو بالکل غیر' یہاں تک کہ دشمنوں کے ساتھ بھی میرا یہ سلوک نہیں ہوتا لیکن تمہارے ساتھ ہوگیا۔ غلطی ہوگئی۔ سزا دے لو۔ میں تیار ہوں۔"

"ارے نہیں تنویر صاحب۔ ہوا کیا؟" میں نے جلدی

سے کہا۔

"یہی تو بدبختی ہے کہ ابھی تک میں بھی اس سے لاعلم ہوں۔ کمال میاں نے مجھے حقیقت بتائی ہے۔ اسے سن کر جس قدر رنج ہوا' بیان سے باہر ہے۔ یہ کم بات ہے کہ میری بچی مل کر بھی نہیں ملی۔"

"محترم! مجھے کچھ عرض کرنے کی اجازت ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں ضرور بیٹے۔"

"یہ لوگ' میرے عزیز نہیں ہیں لیکن دنیا میں اب میرا ان سے بڑا عزیز کوئی نہیں ہے۔ میرے والدین مرچکے ہیں۔ جن حالات میں' میں انہیں ملی ہوں' وہ ایسے تھے کہ میری زندگی کسی وقت بھی ختم ہوجاتی لیکن ان لوگوں نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر بے لوث میری مدد کی اور میں نے ان سے زندگی بھر کا سہارا مانگ لیا۔ اب پوری دنیا میں میرے لیے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے۔ بخدا یہ سارے عیش و عشرت ان کے پسینے کے ایک قطرے سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔ مجھے کیا کرنا ہے اس چاہ کا۔ مجھے اس دولت کی کیا پروا ہوسکتی ہے جو آپ کے پاس ہے۔ میری تو دعا ہے کہ آپ کی بچی مل جائے۔ میں خود عیش کرکے ان لوگوں کو نظرانداز کیسے کرسکتی ہوں۔ بھوکی رہوں گی تو ان کے ساتھ۔ فٹ پاتھ پر رہوں گی تو ان کے ساتھ۔ ایسی شکل میں مجھے تو شہزادی بنالیا گیا اور یہ یہاں لاوارثوں کی طرح پڑے ہیں۔ مجھے معاف کردیں محترم۔ اگر یہ مجھ سے نہ کہتے تو میں بیگم صاحبہ کی کوئی مدد نہ کرتی۔ مجھے معاف کردیں۔ میرا ظرف اتنا بڑا نہیں ہے کہ میں انہیں نظر انداز کرکے خود عیش کرکے اور آپ کے کام آؤں۔"

"ہوں! تم تینوں ہی اعلیٰ ظرف ہو۔ ہم بھی ہیں لیکن بیٹے! ابھی تک ہمارا قصور نہیں ظاہر ہوا ہے۔ ہمیں کچھ کہنے کا موقع تو دو۔" تنویر صاحب بولے۔

"جی فرمائیے۔"

"ہم یہاں موجود نہ تھے۔ ہمیں تحقیقات تو کرلینے دو۔ کمال' میں تم سے بھی جواب طلب کرسکتا ہوں۔"

"جی ماموں جان؟"

"ان کے لیے محل میں بندوبست کیوں نہیں ہوا؟"

"کیا یہ فرض میرا ہے ماموں جان۔ گستاخی معاف لیکن میں جانتا ہوں آپ صاف باتیں سننے کے قائل ہیں۔"

"یقیناً یقیناً۔ کیا تصدق ساتھ نہیں تھا؟"

"تھے! لیکن ان کا سلوک' ان لوگوں کے ساتھ شروع سے اچھا نہیں ہے۔"

"کیوں؟" تنویر صاحب نے تعجب سے پوچھا۔

"کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"بلاؤ تصدق کو!" تنویر صاحب نے کہا اور کمال نے جلدی سے ایک ملازم کو بھیج دیا۔

"میرے خیال میں ان تمام باتوں کی ضرورت نہیں ہے تنویر صاحب۔ آپ کا حکم ہے تو ہم دو ایک روز یہاں رک جاتے ہیں اور شکیلہ' تم بہرحال ایک نیک کام کے لیے یہاں تک آئی ہو۔ ہمارے سلسلے میں جذباتی نہ ہو۔"

"مجھے ذلیل نہ کریں یوسف صاحب۔ براہ کرم' آپ جانتے ہیں کہ۔۔۔ کہ میں نے اپنی مرضی سے۔۔۔"

"اوہو! سب جذباتی ہورہے ہیں۔"

"میری پوزیشن صاف ہوجانے دو' پھر میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔" تنویر صاحب جلدی سے بول پڑے اور میں نے لان میں تتر بتر لوگوں کو دیکھا۔ بڑی شرمندگی ہورہی تھی۔ ہماری وجہ سے ایک مسئلہ کھڑا ہوگیا تھا۔ چند منٹ کے بعد تصدق اوپر آگیا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ تنویر صاحب اسے گھورنے لگے۔

"تم بیگم صاحبہ کو لینے گئے تھے؟"

"جی سرکار؟"

"ان لوگوں سے تمہاری ملاقات ہے؟"

"جی؟ جی!"

"ساری صورت حال تمہارے علم میں ہے؟"

"جی ہاں۔"

"تمہاری یہاں کیا حیثیت ہے؟ تمہارے سپرد کیا کام ہے؟"

"جی۔۔۔ وہ۔۔۔"

"تمہیں علم نہیں ہے کہ تمہیں آنے والے ایک مہمان کے لیے حفظ مراتب بندوبست کرنا ہوتا ہے؟"

"جی ہاں۔"

"ان لوگوں کے لیے تم نے کہاں بندوبست کیا ہے؟"

"ان لوگوں کو یہاں ٹھہرانا مناسب نہیں ہے جناب۔" تصدق نے کہا۔

"اوہ! کیوں؟ کوئی خاص بات ہے؟"

"جی۔"

"بتاؤ۔"

"یہ شریف لوگ نہیں ہیں۔ صورت ہی سے۔۔۔"

"تصدق!" تنویر صاحب سرد آواز میں بولے "تم واقعی بے حد ذہین ہوگئے ہو۔ میں تمہاری ذات سے پورا پورا فائدہ

اٹھانا چاہتا ہوں۔ دیکھو مالیوں نے لان کی کیا حالت بنا دی ہے۔ کل سے تم صرف ان مالیوں کی نگرانی کرو گے۔ اپنی نگرانی میں سارے لان کو ٹھیک کراؤ پھر باغوں پر چلے جاؤ۔ اتنے ذہین آدمی کو میں کوٹھی میں نہیں رکھنا چاہتا۔"

"جی۔ جی وہ۔ وہ!"

"گیٹ آؤٹ!" تنویر صاحب حلق پھاڑ کر چیخے اور تصدق جلدی سے واپس مڑ گیا "یہ ذمے داری اس کی تھی اور یاد رو۔ اب تم بھی فراخ دلی سے کام لے کر معاف کردو۔" وہ ہماری طرف مڑ کر بولے۔

"ارے' ارے تنویر صاحب! شرمندہ نہ کریں۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"چلو نہیں کرتا۔ اب چلو' چائے پر چلو۔" تنویر صاحب بے تکلفی سے بولے اور انہوں نے دونوں طرف سے ہمارے بازو پکڑ لیے۔ اب رکنے کی کیا گنجائش تھی۔ چنانچہ ہم چل پڑے۔ اچھا خاصا تماشا بن گئے تھے' تنویر صاحب کے اہل خاندان میں۔ ناشتے کی میز پر بڑی ماں اور شکیلہ' اس کے بعد تنویر صاحب پھر میں اور طالوت اور ہمارے برابر کمال بیٹھا تھا۔ تمام لوگ بیٹھ گئے اور چائے شروع ہوگئی۔ ہماری یکساں شکلیں سب کی توجہ کا مرکز بن گئی تھیں۔ بہرحال عجیب سی کیفیت رہی پھر چائے ختم ہوگئی اور لوگ اٹھنے لگے۔

تنویر صاحب ہم دونوں کو لے کر لان کے ایک گوشے کی طرف چل پڑے۔ راستے میں انہوں نے کمال کو آواز دی اور پھر ہم سے پلٹ کر اسے ہدایات دینے لگے پھر وہ واپس ہمارے پاس پہنچ گئے۔

"آؤ یہاں کچھ دیر گفتگو ہی رہے۔" وہ بولے اور پھر ہم دونوں ان کے ساتھ ایک فوارے کے قریب پہنچ گئے۔ فوارے کے نزدیک ایک خوب صورت بنچ پڑی ہوئی تھی۔ تنویر صاحب نے ہمیں اشارہ کیا اور ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔

"تم دونوں میں سے عارف کون ہے اور یوسف کون؟" انہوں نے پوچھا۔

"یہ یوسف ہیں' عارف میں ہوں۔"

"تم دونوں بھائی ہو؟"

"نہیں۔ دوست! اور دوستی کی روایت آپ کے علم میں ہوگی؟"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ بعض اوقات دوستوں کی محبت بھائیوں سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔"

"ہم اس کی مثال ہیں۔"

"یقیناً' اور شاید قدرت نے تم دونوں کو ہم شکل اسی لیے بنایا تھا کہ تم دوستی کی مثال بن جاؤ۔ میری بات کا یقین کرو' میں شکیلہ کو افشاں ہی سمجھتا اگر تم دونوں کی شکلوں کی مثال میرے سامنے نہ آجاتی تو' لیکن اس کے باوجود ابھی میرے ذہن میں کرید ہے۔ یہاں میں بڑا آدمی نہیں ہوں بلکہ سخت مظلوم ہوں۔ تم قدرت کے کارخانے دیکھو' اس نے مجھے جی بھر کر دولت دی ہے عیش و عشرت دیا ہے لیکن مجھ سے یقیناً کوئی ایسی خطا ہوگئی ہے جس کی پاداش میں اس نے سب کچھ دے کر میرا سکون چھین لیا ہے۔ اب بتاؤ' کیا اس دولت کے عوض میں سکون خرید سکتا ہوں۔ میری صرف ایک ہی بچی تھی۔ میں نے اسے پال پوس کر جوان کیا اور ہماری ساری سخت اچانک گم ہوگئی۔ میرے دل کا حال سمجھ سکتے ہو تو سمجھ لو۔ میرے پاس اس کے اظہار کا صحیح طریقہ نہیں ہے۔" تنویر صاحب کی آواز میں لرزش اور آنکھوں میں نمی تھی۔

"ہمیں احساس ہے تنویر صاحب۔" طالوت آہستہ سے بولا۔

"ایسی حالت میں اگر میں کچھ احمقانہ سوالات کروں تو قابل معافی ہیں یا نہیں؟"

"آپ بے فکر ہو کر بات کریں۔" طالوت نے کہا۔

"کیا تمہارے خیال میں' میں میری افشاں کی یہ اس قدر ہم شکل لڑکی میرے لیے معمہ نہ ہوگی؟"

"ہونا چاہیے۔"

"کیا میں امیدوں کے سہارے نہ لوں؟ میں تم سے اس کے بارے میں پوری تفصیل معلوم کرکے ہی اپنے دل کو سکون دے سکتا ہوں۔ میرے ذہن میں بہت سے خیالات ہیں۔ میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ ممکن ہے وہ میری افشاں ہی ہو اور کسی وجہ سے اپنی یادداشت کھو بیٹھی ہو۔ کوئی ایسا حادثہ ہوگیا ہو جس کی وجہ سے وہ ہمیں بھول گئی۔ اب صحیح بات اسی وقت پتہ چل سکے گی جب تم مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتا دو گے۔ مجھے بتاؤ وہ کب سے تمہارے ساتھ ہے؟ کہاں تمہاری اس سے ملاقات ہوئی تھی؟ کیا تم میری مدد کرو گے؟"

"کوئی حرج نہیں ہے لیکن ہمیں کچھ باتیں آپ سے چھپانا پڑیں گی جن کے لیے آپ اصرار نہیں کریں گے۔"

"وعدہ کرتا ہوں لیکن اس سے افشاں' میرا مطلب ہے شکیلہ کی ذات پوشیدہ نہ رہے۔"

"ہاں۔ یہ درست ہے۔" طالوت نے کہا۔ وہ تنویر صاحب کی گفتگو سے بہت متاثر تھا۔ یوں بھی اس شریف انسان کا دکھ واقعی بہت بڑا تھا۔

"تو پھر مجھے بتاؤ۔"

"عارف! میرا خیال ہے ہمیں تنویر صاحب سے کچھ نہیں چھپانا چاہیے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے آمادگی ظاہر کردی۔

"شکیلہ سے ہماری ملاقات زیادہ عرصے کی نہیں ہے محترم۔ صرف ایک ہفتہ قبل ہم ملے ہیں لیکن اس سے قبل ہم اسے دیکھ چکے تھے۔ اس بات کو بھی ایک ڈیڑھ ماہ سے زیادہ نہیں گزرا۔"

"اوہ! کہاں؟ کیسے؟"

"کچھ عرصہ قبل ہم ایک ہندو ریاست درگاپور میں تھے۔ آپ کو اندازہ ہے وہ یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"اوہ۔ درگاپور کا فاصلہ اس جگہ سے بہت زیادہ نہیں ہے۔ کیا تم لوگ وہیں کے رہنے والے ہو؟"

"نہیں۔ یونہی آوارہ گردی کرتے وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہاں ہم نے اسے ایک ہندو دیوداسی کے روپ میں دیکھا اور ہم اس کی تلاش میں لگ گئے۔ اس کی وجہ سے بڑے ہنگامے ہوئے کیونکہ ریاست کا دیوان اسے اپنانا چاہتا تھا۔ کچھ ہندو سادھو بھی اس کے چکر میں تھے۔ بہرحال بڑی جدوجہد کے بعد ہم نے اسے ان کے چنگل سے نکالا تو اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہے۔ اس نے ہمیں تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ اس کے والدین کو قتل کیا جاچکا ہے اور اب وہ تنہا ہے' تب ہم نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا۔ وہ ہماری کوئی نہیں ہے لیکن اب سب کچھ ہے۔ ہم اس کی عزت کے نگہبان ہیں۔"

"ہندو ریاست۔ درگاپور!" تنویر صاحب پریشانی سے بولے اور پھر انہوں نے عجیب سے لہجے میں کہا "تو کیا اس خیال کو نظرانداز کیا جاسکتا ہے کہ کسی وجہ سے۔۔۔ کسی وجہ سے ریاستی ہندوؤں نے اسے اغوا کیا ہو اور اس کی یادداشت کھونے میں بھی ان ہی کا ہاتھ ہو۔ ممکن ہے کسی مقصد کے تحت کسی طریقے سے انہوں نے ایسا کیا ہو۔"

"ناممکن نہیں ہے۔" طالوت نے پرخیال انداز میں کہا۔

"تب میرے بچو' میرے اوپر احسان کرو۔ میں اس سلسلے میں لاکھوں روپیہ خرچ کروں گا۔ تم اس وقت تک میرے ساتھ یہاں قیام کرو' جب تک میں خصوصی ذرائع سے کام لے کر شکیلہ کی حقیقت معلوم نہ کرالوں۔ اگر تم میرے ساتھ تعاون کرو تو میں زندگی بھر تمہارا شکرگزار رہوں گا۔ مجھے اپنے دل کی لگی مٹا لینے دو' اگر یہ میری افشاں نہ بھی نکلی تب بھی میں تمہارا اسی قدر شکرگزار رہوں گا۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے تنویر صاحب۔" طالوت نے جواب دیا۔

"میں تمہارا احسان مند ہوں میرے بچو۔ کاش!" تنویر صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور ہم دونوں بھی اسی انداز میں سوچنے لگے۔ کیا واقعی۔۔۔ کیا واقعی شکیلہ' افشاں ہے؟

شکیلہ کی شخصیت بے حد پراسرار ہوگئی تھی۔ بہرحال ایک بات کا تو مجھے یقین تھا کہ شکیلہ نے اپنے بارے میں جھوٹ نہیں بولا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ خود اسے اپنے بارے میں کچھ یاد نہ ہو۔ لیکن حالات پراسرار تھے۔ اگر ہندو سادھو اس کی یادداشت گم کرنے کے لیے کوئی کارروائی کرتے تو پھر شکیلہ خود کو شکیلہ ہی کیوں سمجھتی۔ وہ اپنے آپ کو راج ہنس ہی کہہ سکتی تھی۔ بہرحال ابھی ہمارا ذہن بھی کوئی فیصلہ نہیں کرپا رہا تھا۔

"تو تم نے میری درخواست قبول کرلی ہے؟" تنویر صاحب نے چند منٹ کے بعد کہا۔

"ہم حاضر ہیں تنویر صاحب! خدا کرے ہم آپ کے کسی کام آسکیں۔"

"تم میرے کام آچکے ہو بچو۔ میں خفیہ طور پر چند لوگوں کو درگاپور بھیجوں گا۔ وہ وہاں رہ کر شکیلہ کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔ یقین کرو میں نے افشاں کی تلاش پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا ہے۔ میں نے بہت سے لوگوں کو ملازم رکھا ہے جن کا کام ہی یہ ہے کہ وہ افشاں کا کھوج لگائیں۔ پولیس کے سارے ذرائع آج تک مجھ سے تعاون کررہے ہیں۔ حالانکہ پولیس کسی کیس میں دو چار ماہ سے زیادہ دلچسپی نہیں لیتی۔"

"یقیناً۔"

"بہرحال میرے لیے دعا کرنا کہ خدائے قدوس میری یہ مشکل حل کردے' میں سخت پریشان ہوچکا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ہمیں آپ کے دکھ کا احساس ہے تنویر صاحب۔" طالوت نے ہمدردی سے کہا۔

"میں تمہارا مکمل تعاون چاہتا ہوں۔ یہاں رہ کر خود کو مجھ سے الگ مت تصور کرنا بیٹے۔ کسی سلسلے میں میرا انتظار مت کرنا۔ مجھے دلی مسرت ہوگی۔"

"ٹھیک ہے' آپ بے فکر رہیں۔ ہم بڑے بے تکلف لوگ ہیں۔" طالوت نے کہا۔ اتنی دیر میں کمال واپس آگیا۔

"تشریف لے چلیے ماموں جان۔" اس نے کہا۔

"آؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر وہ ہمیں محل کے اندرونی حصے میں لے گئے جہاں ہمارے لیے ایک عالی شان کمرا تیار کردیا گیا تھا "یہ تمہارا کمرا ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہو، کسی بھی ملازم کو بلا کر بے تکلفی سے کہہ دینا۔"

"جی۔" طالوت نے جواب دیا۔ میں خاموش تھا۔ تنویر صاحب ہمیں آرام کرنے کا مشورہ دے کر چلے گئے "کمرا تو عمدہ ہے عارف۔ کیا خیال ہے؟"

"درست فرمایا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا بات ہے عارف! تم کچھ سنجیدہ ہو؟"

"بالکل نہیں۔"

"نہیں۔ میں محسوس کررہا ہوں۔"

"تمہاری حماقت ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"خوب۔ اچھا بیٹھ جاؤ۔" اس نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا "ہاں۔ اب بتاؤ۔ کیا سوچ رہے ہو؟" وہ خود بھی میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"شکیلہ کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں۔"

"ہاں یار سنجیدگی سے۔ شکیلہ کا کیا معاملہ ہوسکتا ہے؟"

"الجھا ہوا ضرور ہے۔"

"مگر یہ ممکن ہے۔ ممکن بھی ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی لمبا چکر ہو۔"

"شکیلہ جھوٹ تو نہیں بول سکتی۔"

"ہاں، اس بات کا مجھے بھی یقین ہے۔ ویسے جذباتی لڑکی ہے۔ تم نے اس کی کیفیت دیکھی تھی؟"

"قابل بھروسا ہے۔ میرا خیال ہے اب ہم لازمی طور پر تین ہوگئے۔ وہ ہمارا ساتھ نہیں چھوڑے گی۔"

"اور اگر وہ افشاں نکل آئی تو۔۔۔؟"

"دیکھا جائے گا۔" میں نے لاپروائی سے کہا۔

"ایسے موقع پر عارف۔ طبیعت عجیب سی ہوجاتی ہے۔ اگر میری قوتیں میرے پاس ہوتیں، تو کیا ہم تنویر صاحب کی مشکل حل نہیں کرسکتے تھے؟"

"اب بھی کوشش کریں گے۔"

"ہاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ دونوں اپنے اپنے طور پر سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ طالوت نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ میں البتہ شکیلہ میں الجھا ہوا تھا، بات صرف تین سال کی تھی۔ اگر کوئی طویل معاملہ ہوتا تو کوئی گہری بات سوچی جاسکتی تھی، کیا معاملہ ہوسکتا تھا۔ اگر شکیلہ افشاں نہیں ہے، تو پھر یہ مشابہت۔ اور اگر مشابہت بھی اتفاقیہ ہے تو پھر افشاں کہاں گئی۔ کیوں نہ افشاں کے سلسلے میں باقاعدہ جاسوسی کی جائے۔

اب طالوت بھی ناکارہ ہوگیا تھا۔ ایسی شکل میں زیادہ ہی محنت کرنا ہوگی۔ بہرحال کرنا تو کچھ نہ کچھ ضرور ہے "میں اندر آسکتا ہوں؟" اچانک دروازے سے آواز آئی اور ہم دونوں چونک پڑے۔

آواز کمال کی تھی "آجاؤ یار۔" میں نے کہا اور کمال اندر آگیا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی "سنایئے کیا حال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ٹھیک۔ کیوں؟"

"اوہ، کوئی بات نہیں۔ ویسے ہی پوچھ لیا تھا۔" اس نے بے تکلفی سے ایک طرف بیٹھتے ہوئے کہا "آپ لوگ کوئی ضروری بات تو نہیں کررہے تھے۔"

"نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔ شکیلہ کے مسئلے پر ہی گفتگو کررہے تھے۔"

"اوہ۔ اگر آپ پسند کریں تو میں آپ کو افشاں باجی کا کمرا دکھادوں۔"

"ممکن ہے؟"

"کیوں نہیں۔ آیئے۔"

"آؤ یوسف۔" میں نے کہا اور طالوت خاموشی سے اٹھ گیا۔ کمال ہمیں لیے ہوئے ایک دور دراز کمرے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازے میں تالا تھا۔ کمال نے چابی نکالی اور دروازہ کھول دیا۔

"اوہ، اس کمرے میں تالا رہتا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں، مستقل۔"

"لیکن اس کی چابی تمہارے پاس کہاں سے آئی؟"

"کوٹھی کے بہت سے معاملات میرے سپرد ہیں۔ ماموں جان میرے اوپر بہت اعتماد کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کچھ ذمے داریاں میرے سپرد کردی ہیں۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلادی۔

کمال نے کمرے میں روشنی کردی اور سب سے پہلے ہماری نگاہ ایک قد آدم تصویر پر پڑی۔ بلاشبہ شکیلہ تھی، سرمو فرق نہیں تھا۔ میں اور طالوت حیرانی سے اسے دیکھتے رہے۔ انتہائی حسین تصویر تھی۔

"کیا خیال ہے عارف صاحب؟" کمال کی آواز ابھری۔

"کمال کی تصویر ہے۔"

"ہم لوگوں کی دیوانگی بجا نہیں ہے؟"

"ہاں، تمہارا شبہ درست ہے لیکن ایک بات اور بتاؤ کمال۔ تین سال کا وقفہ بہت طویل تو نہیں ہوتا۔ کیا تمہیں

زندگی زندگاں کے لئے ایک زمانہ گزیدہ کا خوں رنگ سرگزشت

اُن کے لئے جن کے سینے دھواں دیتے ہیں
آنسوؤں، آہوں، اُمنگوں اور حوصلوں کی داستان
عبرت اثر، حیرت انگیز و ناقابلِ فراموش
بابر زمان خان کی آپ بیتی، جگ بیتی
اُس جوانِ رعنا سے زندگی کا رویہ مختلف تھا۔

دل فگاروں کے لئے سب رنگ ڈائجسٹ کا مقبول سلسلہ

بازی گر

وہ تحریر جو دلوں کی دھڑکن ہے

کتابی شکل میں 7 حصے شائع ہوچکے ہیں

قیمت فی حصہ -/60 روپے ڈاک خرچ فی حصہ -/23 روپے

7 حصے ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف

یہ رعایت حاصل کرنے کے لئے رقم بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ فرمایئے

کتابیات پبلی کیشنز۔ کراچی

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

فون: 021-5804300 kitabiat1970@yahoo.com
C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

افشاں کی کچھ مخصوص عادات اور اس کی آواز یاد نہیں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ ویسے آپ نے بڑی عمدہ بات بتائی۔ درحقیقت ہم سب ان کی شکل میں اس طرح الجھ گئے کہ ان کی آواز پر غور ہی نہیں کیا۔"

"لطف کی بات یہ ہے کہ کسی نے نہیں کیا۔"

"ہاں واقعی۔"

"ایسا تو نہیں ہے کہ لوگ افشاں کی آواز ہی بھول گئے ہوں۔"

"ممکن تو نہیں ہے یوسف صاحب۔ میں ابھی تھوڑی دیر کے بعد اس کی تصدیق کروں گا۔" کمال نے جواب دیا۔ تب ہم آگے بڑھے اور میں گہری نگاہوں سے افشاں کے پورے کمرے کا جائزہ لیتا رہا۔ میں کسی ایسی چیز کی تلاش میں تھا جس سے افشاں کی پراسرار گمشدگی پر کچھ روشنی پڑ سکے لیکن پھر میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔

"پولیس تو پورے کمرے کو کھنگال چکی ہوگی۔ ظاہر ہے اگر ایسی کوئی چیز ہوگی تو پولیس نے کہاں چھوڑی ہوگی۔ پھر بھی میں نے کمال سے سوال کر ہی لیا "پولیس نے اس کمرے کی تلاشی بھی لی ہوگی؟"

"درجنوں بار۔ یہاں کی ایک ایک چیز دیکھی جا چکی ہے۔"

"کمال! مجھے افشاں کے بارے میں کسی وقت پوری تفصیل بتانا۔ ہم لوگ بھی اپنے طور پر کوشش کریں گے کہ تمہاری پریشانیاں دور ہو سکیں۔ خود تنویر صاحب نے ہم سے یہ بات کہی ہے۔"

"خدا آپ کو ہی کامیابی عطا کرے۔" کمال نے گہری سانس لے کر کہا۔

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ وہ اپنے تبرک صاحب کہاں ہیں؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمال بھی مسکرانے لگا۔ ہم تینوں واپس اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔

"تصدق خاصے رکھ رکھاؤ کا انسان ہے۔ نہ جانے کیوں آپ دونوں سے خار کھا گیا۔ بہرحال بے چارے کے ساتھ بہت بری ہوئی ہے۔"

"کیوں؟"

"ارے آپ غور کریں۔ کل سے وہ مالیوں کے ساتھ کام کرے گا۔" کمال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا واقعی؟"

"کل خود دیکھ لیں۔ ویسے بڑا تلملائے گا۔ ماموں جان عجیب فطرت کے مالک ہیں۔ اوپر سے نرم اندر سے سخت' نرم رہیں گے تو پھر بالکل نرم ہیں اور اگر ان کی حکم عدولی کر دی جائے تو پھر شامت ہی آجاتی ہے۔ تصدق کی مجال جو ان کے حکم سے انحراف کرے۔"

"ملازمت چھوڑ کر نہ بھاگ جائے بے چارہ۔" میں نے کہا۔

"ارے نہیں۔ تصدق اس مٹی سے نہیں بنا۔"

"یہ اچھی بات ہے۔"

"اچھا اب اجازت دیں۔ رات کے کھانے پر ملاقات ہوگی۔" کمال نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا "اور ہاں سنیں۔ مجھے اپنی مرضی سے یہاں آنے کی اجازت ہے۔ آپ لوگ میری مداخلت سے جا سے پریشان تو نہیں ہوں گے؟"

"اجازت ہے۔" طالوت نے جواب دیا اور کمال مسکراتا ہوا چلا گیا۔ ہم دونوں واپس اپنے کمرے میں چلے گئے۔

"تصویر دیکھی تم نے؟" میں نے طالوت سے کہا۔

"ہاں۔ حیرت انگیز۔ یہ مشابہت تو ہماری تمہاری طرح کی ہو گئی۔"

"بہرحال ہم اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کریں گے کہ ممکن ہے شکیلہ ہی ہو۔"

"ہاں' ہاں۔ مگر میرا دل اس بات کو تسلیم نہیں کر رہا۔"

"خیر' جو کچھ ہے۔ سامنے آجائے گا۔"

"شکیلہ بے چاری عجیب الجھن میں گرفتار ہو گئی ہے۔"

"ہاں یار۔ اسے کسی طور بلواؤ۔" طالوت نے کہا۔

"کسی ملازم سے کہلوا دیا جائے۔ ویسے اس کی پوزیشن بہت خراب ہو گئی ہے۔ عروت میں ماری جا رہی ہے۔"

"جاؤ اسے بلواؤ۔" طالوت بولا اور میں باہر نکل آیا۔ میں نے ایک ملازم کو بلایا اور ملازم ادب سے میرے قریب پہنچ گیا۔ ہمارے بارے میں شاید ہدایات جاری کر دی گئی تھیں۔

"افشاں بی بی کہاں ہیں؟"

"بڑی ماں کے پاس۔"

"کیا کر رہی ہیں؟"

"بیٹھی ہیں صاب۔ بڑی ماں تو انہیں خود سے الگ ہی نہیں ہونے دے رہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔

"ہوں' بہرحال۔ ان سے کہہ دو عارف نے بلایا ہے۔"

"جی بہتر۔" ملازم نے کہا اور واپس چلا گیا۔ میں اندر

واپس آگیا۔ اور چند ہی منٹ کے بعد شکیلہ ہمارے پاس پہنچ گئی۔ وہ ہمیں دیکھ کر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

"کیا حال ہیں افشاں بی بی۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"فی الحال تو برے حال ہیں۔ اگر بڑی ماں کی محبت اسی رفتار سے جاری رہی تو میں تو سخت بور ہو جاؤں گی۔ مجھے ان خاتون سے ہمدردی ضرور ہے' لیکن یوسف صاحب وہ تو مجھے ایک لمحے کے لیے بھی ہٹنے نہیں دے رہیں۔ ہاں تنویر صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔"

"ان حالات نے ہمارا دماغ بھی خراب کر دیا ہے شکیلہ۔ کبھی کبھی تو ہم بھی سنجیدگی سے سوچنے لگتے ہیں کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"کیسی گڑبڑ؟"

"کہیں تم سچ مچ افشاں ہی نہ ہو۔"

"اس لڑکی سے میری مشابہت شاید بہت زیادہ ہے لیکن اس کا کیا سوال ہے۔ اچھا مذاق ہے۔" شکیلہ نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایک بات بتاؤ شکیلہ؟"

"جی؟"

"کیا تم دعوے سے کہہ سکتی ہو کہ تم درگاپور کی رہنے والی ہو؟"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا؟"

"ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو۔ جو تمہارے ذہن سے بھی محو کر دی گئی ہو۔ ہندو یوگی بڑے انوکھے ہوتے ہیں۔ تم یاد کرو۔"

"عارف صاحب۔ یہ بات مذاق میں بھی نہیں سوچی جا سکتی۔ میں نے اپنا بچپن درگاپور کی گلیوں میں بتایا ہے۔ مجھے وہاں کے ذرے ذرے سے واقفیت ہے۔ میری گلیوں کے سارے لوگ مجھے پہچانتے ہوں گے۔ آپ کی الجھن برحق ہے لیکن میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہوں۔ پورے وثوق سے کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"ویسے تمہارے لیے گولڈن چانس ہے شکیلہ۔ افشاں بن کر پوری زندگی عیش سے گزار سکتی ہو۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دل تو چاہتا ہے کہ آپ کی اس بات پر خودکشی کر لوں لیکن ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی۔ سن لیں جناب! اگر یہ گولڈن چانس آپ کو مل رہا ہے اور آپ مجھ سے جان چھڑانے کے چکر میں ہیں تب غور سے سن لیں۔ خدا کی قسم مرجاؤں گی' آپ کو چھوڑوں گی نہیں۔ آپ جب دل چاہے یہاں سے نکل چلیں' یہ سارے عیش و عشرت یہاں کے مکینوں کو مبارک۔"

"ارے ہم تو مذاق کر رہے تھے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور شکیلہ کی آنکھوں میں آنسو چمک آئے۔

"نہیں بھائی۔ یہ سو فیصد شکیلہ ہے۔ ان سب کو چاہیے کہ اپنی لڑکی کو تلاش کریں۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ اب اس میں شک و شبے کی بات نہیں ہے۔ بہرحال معاف کرنا شکیلہ۔ ہماری باتوں سے تمہیں دکھ ہوا۔ اس کے علاوہ غور سے سن لیں محترمہ۔ ہم خود آپ جیسی پیاری دوست کو چھوڑنے پر تیار نہیں ہیں۔ اب تو ہماری زندگی موت کا ساتھ ہے۔ کیوں بھائی یوسف؟"

"سنجیدگی سے یقیناً۔" طالوت نے کہا۔

"ویسے شکیلہ' طے یہ کیا گیا ہے کہ ہم لوگ بھی افشاں کی تلاش میں ان کی مدد کریں گے۔ اچھا ہے ہماری وجہ سے ان لوگوں کی مصیبت دور ہو جائے' یوں بھی ہم آوارہ گردوں کی کیا ہے۔"

"نہیں۔ یہ تو ثواب کی بات ہے۔ اس مظلوم عورت کے لیے میں بھی افسردہ ہوں۔ بیٹی کے غم میں نیم دیوانوں کی سی کیفیت ہے۔ اس خوف سے آنکھیں بند کرنے پر تیار نہیں ہے کہ آنکھ کھلے گی تو خواب ٹوٹ جائے گا۔"

"اوہ' واقعی افسوس ناک بات ہے۔" میں نے کہا اور طالوت کی طرف دیکھنے لگے۔ طالوت کے چہرے پر بھی اپنی بے بسی کی جھلاہٹ ابھر رہی تھی۔

"بہرحال شکیلہ۔ اسی لیے تمہیں تکلیف دی تھی۔ ہمیں یہاں ہر حالت میں وقت گزارنا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ ہم بھی تعاون کریں گے' تم بھی کرو۔" میں نے کہا اور شکیلہ نے گردن ہلا دی۔

"بس تم بڑی ماں کے پاس جاؤ۔ ویسے دن میں ایک آدھ بار خود ہی موقع نکال کر ہم سے مل لیا کرنا۔"

"یقیناً۔" شکیلہ نے جواب دیا اور پھر وہ چلی گئی۔ طالوت خاموش بیٹھا تھا۔

"کیا بات ہے؟" میں نے اس کے قریب پہنچ کر کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولا۔ بہرحال میں اسے سمجھا بھی تو کیا۔ درحقیقت بات ہی ایسی

تھی کہ ایک شخص سے اس کی شناسائیت چھن گئی تھی۔ وہ جس قدر افسردہ ہوتا کم تھا۔

رات کے کھانے پر بھی وہی کیفیت تھی۔ معلوم ہوتا تھا بارات آئی ہے۔ بڑا عمدہ اجتماع تھا۔ ہمیں یہ بات بہت پسند آئی۔ معلوم ہوا کہ شام کی چائے اور رات کا کھانا اہل خاندان ساتھ کھاتے ہیں۔ صبح کے ناشتے اور دوپہر کے کھانے پر کوئی اجتماع نہیں ہوتا۔ بہرحال ڈنر کے بعد خوش گپیاں ہونے لگیں۔ تنویر صاحب نے پھر ہم دونوں کو گھیر لیا تھا۔

"بھئی تم لوگوں کے بارے میں مزید تفصیل نہیں معلوم ہو سکی؟"

"وہ تو خود ہمیں بھی نہیں معلوم تنویر صاحب۔" میں نے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے درگاپور آنے سے قبل تم لوگ کہاں تھے؟"

"صحیح یاد نہیں۔ ایک طویل القامت آدمی نے ہماری گردنیں پکڑ کر باہر دھکیلتے ہوئے کہا تھا کہ تم دونوں اب ٹھیک معلوم ہوتے ہو۔ یہاں رہ کر سرکاری روٹیاں توڑنا چاہتے ہو اور پھر اسی نے ایک اور شریف آدمی سے ہماری چغلی کھاتے ہوئے کہا تھا۔ ڈاکٹر! ان دونوں کے دماغ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ میں انہیں یہاں سے چھٹی دینے کی سفارش کرتا ہوں۔ چنانچہ ہمیں چھٹی دے دی گئی۔"

"کیا مطلب؟" تنویر صاحب حیرت سے بولے۔

"کون سی جگہ تھی۔ یہ یاد نہیں رہا۔"

"ارے۔ وہ۔ وہ پاگل خانہ ہی ہو سکتا ہے۔" تنویر صاحب حیرت سے بولے اور کمال ہنسی نہ روک سکا "کیوں۔ کیوں۔ تم ہنس کیوں رہے ہو؟"

"ماموں جان۔ یہ لوگ انتہائی بذلہ سنج ہیں' باغ و بہار طبیعت کے مالک۔ کیا آپ کو ان کی باتوں پر یقین آگیا کہ یہ پاگل خانے سے چھوٹے ہیں۔"

"بھئی میں کیا کہوں۔ انہوں نے نقشہ ہی ایسا کھینچا ہے۔" تنویر جمال صاحب بھی ہنستے ہوئے بولے۔ ہم دونوں خاموش تھے۔

"بھئی اگر یہ مذاق تھا تو میں بہت محظوظ ہوا ہوں۔ میرا خیال ہے تم لوگ اپنے ماضی کے بارے میں کچھ بتانے پر تیار نہیں ہو' خیر ٹھیک ہے۔ میں مجبور نہیں کروں گا۔ ویسے ایک درخواست ہے۔ یہاں کسی قسم کی تکلیف نہ اٹھانا' یہ خانہ بے تکلف ہے۔"

"آپ بے فکر رہیں تنویر صاحب۔ اب تو یہاں ہم ہی گئے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میں کاروباری امور میں مصروف رہتا ہوں' میری غیر حاضری کو بھی محسوس مت کرنا۔"

"بہتر۔"

"ہاں کمال' ان کی ذمے داریاں میں نے تمہیں سونپ دی ہیں۔"

"آپ بے فکر رہیں ماموں جان۔"

"اچھا بھئی مجھے اجازت۔ ویسے بہت دلچسپ ہو تم دونوں۔ واقعی کمال ہے۔" تنویر جمال صاحب ہم دونوں سے مصافحہ کر کے رخصت ہو گئے۔ کمال ہنسنے لگا۔

"آپ نے ماموں جان کو بھی نہیں چھوڑا۔ ویسے آخر آپ اپنے ماضی کو اس قدر چھپانے کی کوشش کیوں کرتے ہیں؟"

"یار۔ ایک بات بتاؤ؟"

"جی؟"

"تمہارا تعلق کسی طور پولیس سے تو نہیں ہے؟"

"ہرگز نہیں۔" کمال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تب کوئی حرج نہیں ہے۔" میں نے طالوت کو دیکھا۔

"چلو' بتا دو۔" طالوت نے کہا۔

"دراصل ہم لوگ جرائم پیشہ ہیں۔ پولیس ہماری تلاش میں ہے۔ ہم دونوں نے بے شمار قتل کیے ہیں۔ کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں یوسف؟"

"ہرگز نہیں۔" طالوت نے میری ہاں میں ہاں ملائی اور کمال ہنستا رہا۔ ظاہر ہے اسے یقین نہیں آسکتا تھا۔

"ایسی صورت میں ہم اپنا ماضی کسی کو نہیں بتا سکتے۔"

"یقیناً یقیناً۔ بہرحال آپ جو کوئی بھی ہیں' بہت دلچسپ ہیں۔ میں آپ کا گرویدہ ہو گیا ہوں۔ پہلے آزمائیں' اگر اچھا ثابت ہوں تو مجھے بھی خود میں شامل کر لیں۔" کمال نے کہا۔

"اوہ' گویا تم بھی جرائم کی طرف راغب ہو؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہر وہ کام کروں گا جو آپ کریں گے۔"

"اوہ۔" میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت بھی مسکرا رہا تھا پھر ہم سنجیدہ ہو گئے اور میں نے کمال سے پوچھا "تم نے اپنا کام کیا کمال؟"

"آواز والا؟"

"ہاں۔"

"انتہائی خوردہ خوش سے۔ آپ نے دیکھا ہو گا' میں افشاں باجی کے بالکل سامنے بیٹھا تھا۔"

"ہاں۔ ہم نے غور کیا تھا۔"

"مجھے اپنی یادداشت پر ناز ہے یوسف بھیا۔ بے شک دوسرے لوگ اس بات پر غور نہیں کر سکے ہوں گے لیکن میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ افشاں باجی اور اس خاتون کی آواز میں نمایاں فرق ہے۔"

"ونڈر فل۔ بہرحال دوسرے لوگ کچھ بھی سوچیں۔ تم یہ بات نوٹ کر لو کہ شکیلہ' افشاں نہیں ہے۔"

"میں تو تسلیم کرتا ہوں۔"

"اب تم ہمیں افشاں کی عادات و اطوار اور اس کے بارے میں پوری تفصیل بتاؤ تاکہ ہم بھی اس مسئلے پر تمہاری مدد کر سکیں۔" اور کمال اپنی یادداشت کے سہارے افشاں کے بارے میں بتانے لگا۔ ہم دونوں ہی غور سے سن رہے تھے لیکن درحقیقت کافی غور و خوض کے بعد بھی ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے اور پھر کافی رات گزر گئی تو کمال ہم سے اجازت لے کر اٹھ گیا۔

دوسری صبح جاگنے کے بعد ضروریات سے فارغ ہوئے تو ایک ملازمہ اندر آگئی "ناشتا تیار ہے صاحب۔ لے آؤں؟"

"اوہ یقیناً۔ ویسے صبح کا ناشتا سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں کرتے ہیں؟"

"جی۔"

"ٹھیک ہے' لے آؤ۔" میں نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد ملازمہ نے ناشتا سرو کر دیا۔ ناشتے کے بعد ہم سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ طالوت کسی فکر میں تھا۔ کافی دیر کے بعد اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

"عارف۔ تم نے ایک بات کی طرف دھیان ہی نہیں دیا۔"

"کون سی بات؟"

"بھئی ہمیں کچھ روز تو یہاں رہنا ہی ہے۔"

"ہاں' رہنا پڑے گا۔"

"لباس وغیرہ کا کیا ہو گا۔ کیا اس سلسلے میں بھی ہم ان لوگوں کے محتاج رہیں گے؟"

"نہیں طالوت۔ یہ تو نہ ہو سکے گا۔"

"اس کے علاوہ جیب میں بھی کچھ ہونا ہی چاہیے۔"

"یقیناً۔"

"تب اس بارے میں کیا سوچا؟"

"ہاں۔ دو سروں پر لٹاتے رہے ہیں۔ اگر کسی سے کچھ لے لیا جائے تو کیا حرج ہے۔"

"کس سے لو گے؟"

"جس کے پاس ہوا۔"

"مگر کس طرح؟"

"افوہ' بہرحال ہم جرائم پیشہ بھی رہ چکے ہیں۔ چلو باہر نکل کر قسمت آزمائی کریں گے۔"

"کرو گے کیا؟"

"یہ باہر چل کر ہی سوچیں گے۔" میں نے کہا اور طالوت نے گردن جھکالی۔ میرے ذہن کا چرخہ بھی چل پڑا تھا۔ درحقیقت کام بے حد مشکل تھا۔ ہم نہ جانے کیا رہے تھے مگر جو کچھ اس وقت تھے اس کے بارے میں سوچنا تھا۔ ڈاکہ زنی بھی آسان کام تو نہیں تھا جبکہ ہماری حفاظت کا بھی کوئی بندوبست نہیں تھا۔ طالوت بدستور فکر مند تھا۔ بہرحال تیاریاں کر کے ہم لوگ نکل آئے۔

سب لوگ اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ہم آرام سے چلتے ہوئے بیرونی راستے کی طرف بڑھنے لگے۔ تب اچانک ایک مکان کے دروازے پر تصدق نظر آیا اور ہم چونک پڑے۔

"طالوت!" میں نے اچانک طالوت کا شانہ دبوچ لیا۔

"کیوں؟"

"تصدق۔" میں نے ایک طرف اشارہ کیا۔ تصدق دروازے کو تالا لگا رہا تھا۔

"ہاں۔" طالوت ہنس پڑا۔

"یہ۔۔۔ یہ تنہا ہی رہتا ہے۔" میں پر خیال انداز میں بولا "اور اس کا مال بھی جائز ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ارے بھئی' اس نے ہماری بے عزتی کی تھی۔"

"کیا سوچ رہے ہو عارف؟"

"قسمت آزمائی میں کیا حرج ہے۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"سمجھنے کی ضرورت نہیں' تم اس کا تعاقب کرو۔ جب یہ کسی مناسب جگہ پہنچ جائے تو اسے باتوں میں لگالو۔ خبردار! یہ مکان کی طرف واپس نہ آسکے۔"

"ارے۔ ارے' دماغ صحیح ہے؟" طالوت بوکھلا کر بولا۔

"بالکل صحیح ہے۔ تم پروامت کرو۔"

"عارف! بے عزتی نہ ہو جائے۔ منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔" طالوت نے پریشانی سے کہا۔

"ارے' تو ان لوگوں کو منہ دکھاتے رہنا کیا ضروری ہے؟ اور پھر تم پروامت کرو' میں کچا کام نہیں کروں گا۔ بس تم چل پڑو۔"

"لیکن کیا ضروری ہے کہ اس کے پاس کچھ موجود ہو؟" طالوت نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہو' قسمت آزمانے میں کیا حرج ہے۔ تم پروا مت کرو۔ شاباش' چلو جاؤ۔ تم اپنا کام کرو مجھے اپنا کام کرنے دو۔" میں نے کہا اور طالوت آگے بڑھ گیا۔ میں نے اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ بہرحال ان معاملات میں میرا ذہن خوب کام کرتا تھا۔ میں نے اس کمپاؤنڈ میں بنے ہوئے مکانات کا جائزہ لے لیا تھا۔ عقبی کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں۔ ظاہر ہے ان کی ضرورت ہی نہ سمجھی گئی ہوگی۔ اندر داخل ہونا مشکل کام نہیں تھا۔ ہاں اگر دیکھ بھی لیا جاتا تو بھی کوئی دقت نہ ہوتی' میرے پاس ایک عمدہ بہانہ تیار تھا۔ وہ یہ کہ میں اپنے طور پر افشاں کے سلسلے میں کام کر رہا ہوں۔ اس لیے جو کچھ میں کروں' کرنے دیا جائے وغیرہ وغیرہ۔

تصدق کے مکان کی عقبی سمت پہنچ کر میں رکا۔ کھڑکی بند تھی مگر خوش قسمتی سے اس کی چٹخنی نہیں لگی ہوئی تھی۔ میں نے اسے دھکیلا تو کواڑ کھل گئے اور میں خاموشی سے اندر اتر گیا۔ اندر پہنچ کر اندازہ ہوا کہ چٹخنی ٹوٹی ہوئی ہے اس لیے کھڑکی بند نہیں ہو سکی۔ بہرحال میرے حق میں بہتر تھا۔ میں پھرتی سے مکان کی تلاشی لینے لگا۔ سامان کی بے ترتیبی سے اندازہ ہوتا تھا کہ تصدق مستقلاً تنہا رہتا ہے۔ ویسے ضروریات زندگی کا سارا سامان موجود تھا۔ کسی چیز کی حفاظت کی کوشش نہیں کی گئی تھی کیونکہ کوئی بیرونی خطرہ تھا ہی نہیں۔ میں نے تصدق کی خواب گاہ کا جائزہ لیا اور پھر خواب گاہ کی الماری کھولنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ الماری میں ایک ایسا خانہ بھی نظر آگیا جسے تجوری کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔ میں نے اسے کھولا اور ایک گہری سانس لی۔ اندر چھوٹے بڑے نوٹوں کی خاصی تعداد تھی۔ اب بار بار کون ان چکروں میں پڑتا' جو کچھ ہے اسی سے کام چلانا تھا۔ میں نے نوٹ اٹھائے' تقریباً پونے چھ ہزار روپے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے ایک پستول بھی نظر آیا اور میں چونک پڑا۔

تصدق بظاہر ایک بے ضرر انسان ہے۔ پھر اسے پستول کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ اور میرے ذہن میں ایک کرید سی پیدا ہوگئی۔ بہرحال نوٹ قبضے میں کرنے کے بعد میں نے الماری بند کر دی۔ حتی الامکان اپنی انگلیوں کے نشانات وغیرہ صاف کر دیے اور پھر دوسرے کمروں کی تلاشی لی۔ لکھنے کی میز اور دوسری چیزیں لیکن اور کوئی ایسی چیز نہیں ملی جس سے کوئی اندازہ ہو سکتا۔

تب میں اسی راستے سے باہر نکل آیا۔ نوٹ میں نے اپنے لباس میں پوشیدہ کر لیے تھے۔ پھر میں نے طالوت اور تصدق کو تلاش کر لیا۔ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ دوستانہ فضا میں بات کرتے۔ دونوں میں خاصی تیزی ہو رہی تھی۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تم لوگ میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو؟" تصدق غرایا۔

"تبرک جو ٹھہرے۔ قسمت والوں کو نصیب ہوتا ہے۔"

"ایسی تیسی تبرک کی۔ آئندہ تم نے مجھے تبرک کہا تو دانت توڑ دوں گا۔"

"دیکھو' تم ہماری بے عزتی کر رہے ہو جبکہ تنویر صاحب۔" طالوت نے کہا۔

"تنویر صاحب بھی مجھے جائز حد تک دبا سکتے ہیں۔"

"تم نے ناجائز حد تک دبا دیا کیا؟" میں نے طالوت سے پوچھا۔

"قسم لے لو جو میں نے ہاتھ بھی لگایا ہو۔" طالوت نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"نہایت لوفر ہو تم لوگ۔ کیا تم شریفانہ گفتگو کر رہے ہو۔" تصدق جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"اگر انہوں نے ناجائز طور سے تمہیں دبا دیا ہو تو اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں مسٹر تصدق۔" میں نے مصالحانہ انداز میں کہا۔

"لاحول ولا قوۃ۔ میں تم سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔" تصدق نے کہا اور تیز تیز قدموں سے ایک طرف چلا گیا۔ طالوت نے گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"کیسا رہا؟"

"کامیابی۔" میں نے جواب دیا۔

"کوئی ثبوت تو نہیں چھوڑ آئے؟"

"فضول باتیں مت کرو' آؤ چلیں۔" میں نے کہا اور طالوت میرے ساتھ چل پڑا۔ ہم لوگ محل سے نکل آئے۔ ویسے ہم نے کوشش کی تھی کہ دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ رہیں۔

"یار تم عجیب انسان ہو۔" طالوت گہری سانس لے کر بولا۔

"کیوں؟"

"یہی کہ تم نے نہایت دلیری سے تصدق پر ہاتھ صاف کر دیا' میں اتنی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔"

"کہیں نہ کہیں ہاتھ صاف کرنا ہی تھا ویسے اس محل میں تصدق کے علاوہ اور کوئی ایسا نہیں تھا۔ اب تم نے دیکھا

نہیں وہ کتنا فضول آدمی ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔"

"چھوڑو یار۔ بس بھول جاؤ۔ ہم لوگوں کے لیے آج تک کرتے رہے ہیں' اب ہمارے ساتھ کچھ الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں تو کون سی ایسی بڑی مصیبت آگئی۔ آخر لوگوں پر بھی تو ہمارا حق ہے۔"

"خوب حق ہے۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔

ہم بازار پہنچ گئے اور پھر ضرورت کی چیزیں خریدنے میں ہمیں کوئی دقت نہیں ہوئی لیکن دیر کافی لگ گئی تھی۔ جب ہم واپس محل پہنچے تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہو چکا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ تصدق مالیوں کے پاس بیٹھا ان سے کام کرا رہا تھا۔ دھوپ میں کام کراتے ہوئے اس کی بری حالت ہو گئی تھی۔ ہم اس کی نگاہوں سے بچتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔ ہمارے پیچھے شاید ہماری تلاش کی گئی ہو لیکن بظاہر لگتا تھا جیسے کسی کو ہمارے جانے اور آنے کے بارے میں معلوم ہی نہ ہو۔ بہرحال ہم نے جلدی جلدی سارا سامان سیٹ کیا اور باتھ روم جا کر منہ ہاتھ دھویا۔

ابھی فارغ ہی ہوئے تھے کہ شمسہ آگئی۔ یہ لڑکی ٹرین میں بڑی ماں کے ساتھ تھی۔ چہرے سے شوخ و شریر معلوم ہوتی تھی۔ ابھی تک ہماری اس سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

"اوہ! شمسہ۔" میں نے اسے دیکھ کر کہا۔

"آپ کو میرا نام کیسے معلوم؟"

"بس۔ یہ ہماری خوبی ہے۔"

"میری شکل بھی یاد ہے نا؟"

"کیوں نہیں۔"

"میں ذاتی طور پر آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"کریں۔" میں نے کہا۔

اس نے ادھر دیکھا اور پھر ہونٹوں کو زبان سے تر کرتی ہوئی بولی "میں بیٹھ جاؤں؟"

"بیٹھ جائیں۔" طالوت اچانک بول پڑا اور اس نے چونک کر طالوت کی شکل دیکھی' پھر جلدی سے ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ کسی قدر نروس ہو گئی تھی۔ باری باری وہ ہم دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور بولی "میں آپ لوگوں سے کچھ گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"جی۔ فرمایئے۔"

"دیکھیے' یہ ساری گفتگو میں ایک دوست کی حیثیت سے کر رہی ہوں۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھے پوری تفصیل بتا دیں۔"

"جی؟" میں نے حیرت سے کہا۔

"میرا مطلب ہے افشاں باجی کے سلسلے میں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ کا راز' راز رکھوں گی۔ بس میں اپنے طور پر آپ کی مدد کروں گی۔ اگر آپ کسی الجھن میں ہوں گے تب بھی میں آپ کے ساتھ تعاون کروں گی۔" اس نے کہا اور میری رگ شرارت بھڑک اٹھی۔

"مس شمسہ!" میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"جی!"

"پھر سوچ لیں۔ ہم کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو جائیں۔"

"میری زندگی میں یہ ناممکن ہے۔"

"وعدہ کرتی ہیں؟"

"کیسا وعدہ؟"

"کیا خیال ہے یوسف' کیوں نہ ہم ان خاتون پر اعتبار کر لیں؟"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" طالوت میری شرارت سمجھ گیا تھا۔ وہ بھی بالکل سنجیدہ تھا۔

"ٹھیک ہے کسی نہ کسی کو تو رازدار بنانا پڑے گا۔ اس کے بغیر کام چلنا مشکل ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا اور پھر میں شمسہ کی طرف متوجہ ہو کر سنجیدگی سے بولا "آپ کے ذہن میں یہ خیال کیسے آیا مس شمسہ کہ آپ ہم سے کچھ معلوم کر لیں گی؟"

"مجھے شبہ تھا کہ آپ اپنے سینوں میں کوئی راز چھپائے ہوئے ہیں۔"

"اوہ! بے حد ذہین ہیں آپ۔ آپ کا کیا خیال ہے' مس افشاں ہمارے ہاتھ کیسے لگیں؟"

"میں یہ بات نہیں جان سکی۔"

"مس شمسہ! درحقیقت یہ بہت گہرا راز ہے۔ ہمارا تعلق ایک بین الاقوامی گروہ سے ہے جو لڑکیوں کا اغوا کرتا ہے۔" میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور شمسہ کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے "مس افشاں کو بھی ہمارے گروہ کے کچھ لوگوں نے اغوا کیا تھا۔ ہم لڑکیوں کو اغوا کر کے فروخت کر دیتے ہیں لیکن کچھ لڑکیاں ایسی ہوتی ہیں جو جس قیمت پر فروخت ہوتی ہیں' خود اس کی خواہش کر دیتی ہیں' چنانچہ ہم ان سے ان کی قیمت وصول کر کے انہیں رہا کر دیتے

ہیں۔ مس افشاں نے بھی اپنے بارے میں بتایا کہ وہ بہت بڑی آدمی کی لڑکی ہیں۔ انہوں نے ہمیں پیشکش کی کہ ہم انہیں فروخت نہ کریں۔ وہ اپنے وطن چلیں گی اور نہ صرف اپنی قیمت ادا کریں گی بلکہ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ اپنے بدلے دو اور لڑکیوں کو اغوا کرادیں گی۔"

"کیا؟" شمسہ اچھل پڑی۔

"ہاں۔ اس طرح ہمیں دہرا منافع ہوگا۔ رقم کی رقم ملے گی اور لڑکیاں کی لڑکیاں۔ مس افشاں نے پکا وعدہ کیا ہے اور بہت جلد وہ ان دونوں لڑکیوں کو ہمارے حوالے کرنے والی ہیں۔ ہم ان کے اشارے کا انتظار کررہے ہیں۔"

"اوہ! عارف۔ عارف یہ کیا کررہے ہو۔" طالوت جلدی سے بول پڑا اور میں نے چونکنے کی اداکاری کی۔

"کیوں کیا بات ہے یوسف؟"

"میرا خیال ہے تم نے جلد بازی سے کام لیا۔ تمہیں یہ راز کسی طور افشا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ممکن ہے مس شمسہ ان دو لڑکیوں میں سے ایک ہوں' بلکہ تم بھول گئے' ٹرین میں مس افشاں نے ان دونوں کی طرف اشارہ کیا تھا۔ کیا اس اشارے کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ ہمارا شکار یہ دونوں ہی ہوں۔"

"اوہ!" میں اچانک خاموش ہوگیا۔ شمسہ درحقیقت بوکھلا گئی تھی۔ وہ اضطراری طور پر کھڑی ہوگئی۔ ہمارے چہروں کی سنجیدگی ہمارے ان الفاظ کی تصدیق کررہی تھی۔

"مس شمسہ! آپ نے وعدہ کیا ہے کہ ہمارے راز کو راز رکھیں گی۔ کیا ہم امید رکھیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں۔ لیکن۔ لیکن۔ خدا کے واسطے آپ بتادیں' کیا آپ مذاق کررہے ہیں؟" شمسہ نے کہا۔

"ہم سنجیدہ ہیں مس شمسہ! لیکن کان کھول کر سن لیں' آپ ہمارا راز' راز رکھیں گی۔" آخر میں میرا لہجہ سخت ہوگیا اور شمسہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"آپ۔ آپ بے فکر رہیں۔" وہ کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور میں ہاتھ جھاڑ کر طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا ضرورت تھی اسے خوف زدہ کرنے کی؟" طالوت نے پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"ارے وہ ہمارے بارے میں معلومات فراہم کرنے آئی تھی۔ ہم نے اسے ٹھیک ٹھیک بات بتادی۔"

"یہاں کی پوزیشن ویسے ہی عجیب ہے۔ ویسے اب پروگرام کیا ہے؟ ظاہر ہے ہم یہاں روٹیاں تو نہیں توڑتے رہیں گے۔" طالوت بولا۔

"افشاں کے سلسلے میں جاسوسی کریں گے۔"

"کہاں جھک ماروگے؟"

"کمال نے جو حالات بتائے ہیں' ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ بہرحال افشاں ایک تعلیم یافتہ لڑکی ہے' احمق نہیں تھی اور اگر میرا اندازہ درست ہے تو اسے اغوا کرنے والوں کا مقصد مالی فائدہ حاصل کرنا نہیں تھا۔"

"وہ کیسے؟"

"دیکھو نا۔ طویل عرصہ ہوچکا' اگر کوئی مالی مفاد حاصل کرنا ہوتا تو اب تک مطالبہ کیا ہوسکتا تھا۔"

"ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ تب پھر؟"

"یا یہ بھی سوچا جاسکتا ہے کہ کسی نے۔۔۔ میں نے کہا اور اچانک چونک پڑا' طالوت کو میرے چونکنے کا احساس ہوگیا تھا۔

"کیا بات ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"یار میرے ذہن میں ایک اور خیال آیا ہے۔"

"کیا؟"

"طالوت! میں نے تصدق کے سامان میں پستول دیکھا تھا۔"

"تو پھر؟"

"تصدق بظاہر بے ضرر انسان ہے لیکن اس کے چہرے کی ایک جھلک مجھے اب تک یاد ہے۔"

"تفصیل بتاؤ۔"

"ٹرین میں وہ کمپارٹمنٹ سے باہر نکل گیا تھا اور باہر اس کے چہرے کے تاثرات کافی خوفناک تھے۔"

"غور کیا ہے؟"

"کیا ہم افشاں کے اغوا میں تصدق کی شمولیت پر غور نہیں کرسکتے؟"

"ارے کیوں مروانے پر تلے ہوئے ہو بے چارے کو۔ اگر اس بات کا تذکرہ عام ہوگیا تو اسے بھگتیوں کے ساتھ کام کرنا پڑے گا۔"

"تنویر صاحب اس کی کھال کھنچوا کر تمہیں پھر دادیں گے۔" میں نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "بہرحال معلومات تو حاصل کرنا ہی ہیں۔"

"تصدق کے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"ضرور کرو۔ اس بدنصیب کی شامت ہی تو آئی تھی اور اس کا اندازہ اسے پہلے ہی ہوگیا۔ اسی وجہ سے وہ شروع سے ہمارے خلاف ہے' مگر کروگے کیا؟"

"پہلے پستول کا مسئلہ حل کرلیا جائے۔"

"کس طرح؟"

"کمال سے اس کے بارے میں معلوم کریں گے۔"

"ٹھیک ہے بھائی۔ یہ تمہاری دنیا کی باتیں ہیں۔ ضرور معلوم کرو۔" طالوت نے بیزاری سے کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ طالوت کا بجھا بجھا پن صاف نظر آتا تھا اور بہرحال یہ حقیقت تھی۔ وہ اپنی دنیا کا شہزادہ تھا۔ اس سے اس کی ساری چیزیں چھن گئی تھیں' گویا اس کی شخصیت ہی ختم ہوگئی تھی۔ اس پر وہ افسردہ نہ ہوتا تو کیا کرتا۔

اور پھر دوسرے دن ہم نے کمال کو پکڑلیا "یہ تصدق کب سے ہے تنویر صاحب کے پاس؟"

"طویل عرصے سے۔ یوں سمجھ لیں یہیں پرورش پائی ہے۔ تعلیم وغیرہ بھی ماموں جان نے ہی دلوائی ہے۔"

"آدمی کس قسم کا ہے؟"

"برا نہیں ہے' بس تھوڑا سا کریک ہے۔"

"بعض اوقات شکل سے بے حد خطرناک نظر آتا ہے۔"

"کون تصدق؟" کمال ہنس پڑا۔

"ہاں۔"

"وہ سب کچھ ہوسکتا ہے یوسف بھائی لیکن خطرناک نہیں ہوسکتا۔"

"میں نے محسوس کیا ہے جیسے اس کی جیب میں پستول رہتا ہو۔" میں نے کہا۔

"ارے توبہ۔ وہ پستول کے نام سے ہی بے ہوش ہوجائے گا۔" کمال بدستور ہنستے ہوئے بولا۔

"کیوں۔ نہیں' نہیں' اب ایسا بھی نہیں۔ ممکن ہے تنویر صاحب نے اسے حفاظت کے لیے پستول دیا ہو۔"

"نہیں جناب۔ اول تو یہاں ایسی حفاظت کی ضرورت ہی نہیں پیش آتی اور پھر اس کے لیے تصدق کا انتخاب تو بہت بڑا لطیفہ ہے۔" کمال نے جواب دیا اور ہم خاموش ہوگئے۔

کمال کے چلے جانے کے بعد میں نے طالوت کی طرف دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولا "بہرحال دال میں کالا تو نظر آگیا۔"

"کیا مطلب؟"

"تصدق اندر سے بہت کچھ ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کی الماری میں پستول دیکھا ہے۔ گویا جو کچھ وہ اوپر سے ہے' یہاں کے لوگوں کو صرف اتنا ہی معلوم ہے۔ اس نے اپنی دوسری شخصیت دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھی ہے۔"

"تم کیوں اس بے چارے کے لیے مصیبت کھڑی کررہے ہو؟"

"میں نے اپنی آنکھوں سے پستول دیکھا ہے طالوت۔ میں اسے کیسے نظرانداز کردوں؟"

"مت کرو بھائی! مگر اب کروگے کیا؟" طالوت نے کہا اور میں کچھ سوچنے لگا' پھر میں نے کہا "اس کے علاوہ تم نے ایک بات پر غور نہیں کیا۔"

"کرادو۔ وہ بھی کرادو۔" طالوت طویل سانس لے کر بولا۔

"تصدق کس خاموشی سے چھ ہزار کی چوری پی گیا ہے۔ کسی کی زبان سے تم نے اس چوری کی کہانی سنی۔"

"اس سے کیا نتیجہ اخذ کیا تم نے؟" طالوت نے پوچھا۔

"ممکن ہے وہ رقم ایسی ہو' جس کے بارے میں تصدق کسی سے تذکرہ بھی نہ کرسکتا ہو۔ چنانچہ اس نے خاموشی سے صبر کرلیا' کسی سے کہنا بھی پسند نہیں کیا۔"

"ممکن ہے۔" طالوت نے پرخیال انداز میں جواب دیا اور میں بھی خاموش ہوگیا۔

"بہرحال تصدق کو کریدنا ضروری ہے۔"

"اب کیا کروگے؟"

"بس اس پر نگاہ رکھی جائے۔ میرا خیال ہے ہم دونوں مل کر ایک بار پھر اس کے مکان کی تلاشی لیں۔"

"یار۔ ان معاملات میں اس طرح کام کرنے سے مجھے واقعی خوف معلوم ہوتا ہے۔ دراصل ان لوگوں کے ساتھ' جو باعزت ہوں اور عزت کرتے ہوں' رہ کر کوئی گڑبڑ کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"خیر کچھ اور سوچیں گے۔" میں نے گردن ہلادی۔

کئی دن اور کئی راتیں گزر گئیں۔ بڑا سست وقت گزر رہا تھا۔ ہم لوگ ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے تھے۔ تنویر صاحب سے بہت کم ملاقات ہوتی تھی۔ وہ عموماً کاروباری دوروں پر رہتے تھے۔ ویسے جب آتے تھے تو ضرور ملتے تھے۔ محل میں کئی دلچسپیاں تھیں۔ لڑکیوں کی تعداد بھی کافی تھی۔ ہم چاہتے تو ان کے ساتھ تفریح کرسکتے تھے' لیکن ابھی تک ایسا کوئی پروگرام نہیں ہوسکا تھا۔ اس دن شمسہ سے جو گفتگو ہوئی تھی' وہ گھومتی ہوئی کمال تک پہنچی اور کمال قہقہے لگاتا ہوا ہم تک آپہنچا۔

"شمسہ ممکن ہے گھر چھوڑ کر بھاگ جائے۔" اس نے

کہا۔

"کیوں؟"

"وہ بردہ فروشوں سے بہت خوف زدہ ہے۔" کمال نے کہا۔

"اوہ!"

"بہرحال میں نے اس کا کافی مذاق اڑایا ہے لیکن وہ ابھی تک سنجیدہ ہے۔ ویسے معاملہ کیا ہوا تھا عارف صاحب؟"

"وہ جاسوسی کرنے آئی تھی' کہنے لگی' ہم اسے افشاں کے بارے میں سب کچھ بتادیں وہ کسی سے نہیں کہے گی اور میں نے سب کچھ بتا دیا۔" میں نے معصومیت سے کہا اور کمال پھر ہنس پڑا۔ کافی دیر تک ہنستا رہا پھر بولا۔

"بڑی سست زندگی گزر رہی ہے یوسف بھائی۔ کیوں نہ کوئی تفریحی پروگرام بنایا جائے؟"

"بنالو۔ ویسے بھی ہم تو تمہارے مہمان ہیں۔"

"اوہ! آپ نے کبھی فرمائش نہیں کی۔ بہرحال یہ کون سی بڑی بات ہے لیکن ایک کام آپ کو کرنا پڑے گا۔"

"کیا؟"

"افشاں باجی۔ میرا مطلب ہے خاتون شکیلہ کو ساتھ لے جانے کے لیے آپ کو ان سے ہی بات کرنا ہوگی۔ وہ بڑی ماں سے کہیں' اگر وہ کہیں گی تو بڑی ماں سب کو اجازت دے دیں گی۔"

"ہاں۔ کیا حرج ہے' میں کہہ دوں گا شکیلہ سے۔"

"بس تو پھر طے۔ کل کا پروگرام رکھ لیا جائے۔ آپ آج ہی یہ کام کرلیں۔ میرا خیال ہے دوپہر کے کھانے کے بعد مس شکیلہ سے آپ گفتگو کریں اور ان سے کہہ دیں کہ شام چار بجے تک آپ کو جواب دے دیا جائے۔ ہم ماموں جان کے ایک باغ میں پکنک کو چلیں گے۔ اس پورے علاقے میں تفریح کے لیے ماموں جان کے باغوں سے عمدہ جگہ اور کوئی نہیں ہے۔"

"اوکے۔ میں بات کرلوں گا لیکن ایک وعدہ تمہیں بھی کرنا ہوگا۔"

"کیا؟"

"بھائی تیمرک کے بغیر زندگی ہی بے مزہ ہے' اگر وہ ساتھ نہ ہوئے تو کیا خاک لطف آئے گا۔"

"ہاں۔ تصدق کے بغیر تو زندگی واقعی بے مزہ ہے۔ وہ کیوں نہ ہوں گے۔" کمال ہنستے ہوئے بولا۔

"بس تو ٹھیک ہے۔ تیاریاں کرلو۔ میں دوپہر کے کھانے کے بعد شکیلہ سے گفتگو کروں گا۔" میں نے کہا اور پھر کھانے کی میز پر میں نے شکیلہ کو اشارہ کردیا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد تو شکیلہ بڑی ماں کے ساتھ اندر چلی گئی لیکن پندرہ منٹ کے بعد ہی وہ واپس ہمارے کمرے میں آگئی۔

"آپ نے مجھے بلایا تھا یوسف صاحب؟"

"ہاں۔ بیٹھ جاؤ۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ بیٹھ گئی "کیا ہو رہا ہے آج کل؟"

"بس وہی۔ کوئی تبدیلی نہیں ہے۔"

"پکنک کا پروگرام ٹھہرا ہے۔"

"اوہ!" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"تمہیں بڑی ماں سے اجازت لینا ہے۔"

"میرا خیال ہے وہ میری بات نہیں ٹالیں گی۔"

"بس تو ان سے بات کرلو۔ کل ہم پکنک پر چلیں گے' اجازت لینا ہی ہے۔"

"میں لے لوں گی۔" شکیلہ نے جواب دیا۔ تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی گفتگو ہوتی رہی اور پھر شکیلہ چل دی۔

تنویر صاحب موجود نہیں تھے' کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ بہرحال اجازت مل گئی تھی' چنانچہ دوسرے دن بہت سی گاڑیاں تنویر صاحب کے باغ صوفیہ کی طرف چل پڑیں۔ ان میں تنویر صاحب کے خاندان کے لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ ہماری جیپ میں بھائی تیمرک مہمان خصوصی تھے۔ باقی شکیلہ تھی' کمال تھا' نادرہ تھی۔ ہم دونوں تھے۔ شمسہ البتہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔

تصدق کا منہ بدستور پھولا ہوا تھا۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے اور طالوت کی رگ شرارت پھڑک رہی تھی' چنانچہ اس نے بڑے پیار سے انہیں پکارا۔

"بھائی تیمرک!" تصدق چونک پڑا۔

"جی! فرمایئے۔" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ناراض ہیں؟"

"آپ سے ناراض ہو سکتا ہوں۔ مالکان کے منہ چڑھے ہیں اور مجھے بہرحال ملازمت کرنی ہے۔" تصدق نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ ایسا بھی کیا۔ ہر انسان کو عزت عزیز رکھنا چاہیے۔ ملازمتیں تو بہت مل جاتی ہیں۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"اوہ! اب میں سمجھا۔ شاید آپ نے یہاں ملازمت حاصل کرنے کے لیے یہ چکر چلایا ہے لیکن آپ میری ہی جگہ لینے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ تنویر صاحب سے کہیں' کچھ اور

بندوبست کردیں گے۔"

"میری بات ہو چکی ہے۔ انہوں نے کہا ہے کسی طرح تیمرک سے جان چھڑاؤ' اس کی جگہ دے دوں گا۔ فی الحال اور کوئی سیٹ خالی نہیں ہے۔" طالوت نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے نہیں یوسف بھائی۔ آپ کہاں ملازمت کرتے پھریں گے۔ جانے دیں۔" کمال نے ہنستے ہوئے مداخلت کی۔

"ہاں۔ اور کیا۔ اور پھر آپ کو ملازمت کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ آپ کی ملازمت تو لگی ہوئی ہے۔" تصدق نے بھرپور چوٹ کی اور مجھے غصہ آگیا۔

کمال بھی ایک دم سنجیدہ ہوگیا تھا۔ شکیلہ الجھن آمیز نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہی تھی۔

"آپ نے پھر بدتمیزی کی تصدق صاحب۔" کمال سنجیدگی سے بولا۔

"سوچ سمجھ کر کی ہے۔ براہ کرم آپ مداخلت نہ کریں۔" تصدق غرایا۔

"یعنی۔ کیا مطلب؟" کمال نے بھی بگڑ کر پوچھا۔

"اس سے پہلے وہ بدتمیزی کرتے رہے ہیں' آپ اس وقت کچھ نہیں بولے۔ میں بھی کہاں تک برداشت کرسکتا ہوں۔ میں تنویر صاحب کو جواب دے لوں گا اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ اور کوئی ناخوشگوار واقعہ نہ ہو تو آپ انہیں سمجھالیں۔" تصدق نے کہا۔

"بھئی یہ کیا ہو رہا ہے؟ ہم لوگ پکنک پر چل رہے ہیں نہ کہ جھگڑا کرنے۔" شکیلہ الجھ کر بولی۔

"ڈرائیور گاڑی روکو۔" کمال نے غصیلے انداز میں کہا اور ڈرائیور نے جیپ روک دی "آپ نیچے اتر جایئے مسٹر تصدق۔" کمال نے کہا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟"

"آپ فوراً نیچے اتر جایئے۔ آپ چاہیں تو کسی دوسری گاڑی میں آسکتے ہیں۔ نہ آنا چاہیں تو واپس چلے جائیں۔"

"یہاں سے میں کیسے واپس جاؤں گا؟" تصدق بھی غرایا۔

"میں نہیں جانتا۔" کمال نے کہا اور تصدق دانت پیستا ہوا نیچے اتر گیا "چلو۔" کمال نے کہا اور جیپ آگے بڑھ گئی۔

"یہ تو اچھا نہیں ہوا۔" شکیلہ نے پریشانی سے کہا۔

"ٹھیک ہے افشاں باجی۔ آپ فکر نہ کریں۔" کمال نے جواب دیا۔ تصدق کسی دوسری گاڑی میں نہیں بیٹھا تھا۔

تنویر صاحب کا باغ واقعی بے حد حسین تھا۔ اسے ایک اعلیٰ پائے کی تفریح گاہ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی تھی۔ سوئمنگ پول اعلیٰ مکان' خوب صورت روشیں۔ بعض مقامات کو بے حد حسین شکلیں دی گئی تھیں اور پھر کھانے پینے کا عمدہ بندوبست۔ تصدق کے واقعے سے طبیعت کچھ مکدر ہوگئی تھی لیکن بہرحال دوسرے لوگوں کو کوئی تفصیل نہیں معلوم تھی اور پھر یوں بھی تصدق کی کوئی خاص حیثیت نہیں تھی اس لیے کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ لڑکیوں نے ٹولیاں بنالیں۔ لڑکوں نے اپنی الگ ٹولیاں بنالیں۔ نہانے کا پروگرام بنایا گیا پھر دوپہر کا عمدہ کھانا۔

طالوت کو سوئمنگ پول بے حد پسند آیا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد پھر نہانے کا پروگرام بنایا گیا اور ہم سوئمنگ پول میں اتر گئے۔ یوں شام کے تقریباً چار بج گئے' تب کمال نے واپسی کی تیاری کی تجویز پیش کی۔

"بالکل!" ہم نے تائید کی۔

"چلو سب کو اطلاع کردو۔" کمال نے کچھ ملازموں سے کہا اور ملازم باغ میں دور دور تک پھیلے ہوئے لوگوں کو اطلاع دینے دوڑ گئے۔ ساری ٹولیاں یک جا ہونے لگیں اور تھوڑی دیر کے بعد سبھی واپس آگئے۔

"شکیلہ کہاں ہے؟" طالوت نے کہا اور میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"شکیلہ کہاں ہے کمال؟" میں نے پوچھا۔

"ایں۔ ہاں۔ افشاں باجی کہاں ہیں؟" کمال بھی ادھر ادھر دیکھنے لگا اور پھر ہم دوسروں سے شکیلہ کے بارے میں معلوم کرنے لگے اور پھر عجیب سی پوزیشن ہوگئی۔ پتہ چلا کہ شکیلہ کو کافی دیر سے کسی نے نہیں دیکھا۔

نہ جانے کیوں میری چھٹی حس کسی گڑبڑ کا اعلان کرنے لگی۔

اور پھر سب ہی پورے باغ میں پھیل گئے۔ ایک ایک گوشہ چھان مارا گیا لیکن کسی جگہ شکیلہ کا پتہ نہیں چل سکا۔ بڑی عجیب پوزیشن تھی۔ آخر شکیلہ کہاں گئی؟

سب ہی خوف زدہ ہوگئے تھے۔ رات ہوگئی لیکن شکیلہ کا کوئی پتہ نہیں چل سکا۔

"عارف!" طالوت نے ایک گوشے میں جا کر کہا۔

"کیا شکیلہ کی گمشدگی میں تصدق کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"تصدق!" میں چونک پڑا۔

"ہاں۔ وہ کمینہ فطرت انسان ہے۔ ممکن ہے اس نے کسی انتقامی جذبے کے تحت ایسی کوئی حرکت کی ہو۔"

"میں نہیں سمجھتا لیکن یہ ثابت کرنا سخت مشکل ہوگا۔"

"میں اس سے اگلوالوں گا۔ اگر اس نے انتقاماً یہ حرکت کی ہے تو پھر اسے معاف کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔" طالوت نے غراتے ہوئے کہا۔

"لیکن طالوت! اس حرکت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟"

"بس انتقام۔ ہمیں پریشان کرنے کی کوشش۔"

"لیکن یہ تو جرم ہے۔"

"وہ صورت ہی سے جرائم پیشہ معلوم ہوتا ہے۔"

"بات بہت الجھی ہوئی ہے۔ اگر مذاق ہی مذاق میں یہ معاملہ اس حد تک سنجیدہ ہو گیا ہے تو۔۔۔"

"تو پھر اور بتاؤ' شکیلہ کہاں جا سکتی ہے؟"

"ممکن ہے طالوت! اس کی گمشدگی میں دوسروں کا ہاتھ ہو۔"

"دوسرے کون؟"

"وہ جنہوں نے افشاں کو غائب کیا ہے۔" میں نے کہا اور طالوت کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ اس کی آنکھوں سے شدید الجھن کا اظہار ہو رہا تھا اور میں جانتا تھا کہ اس وقت وہ کس قدر کوفت میں مبتلا ہے۔ وہ ایک اشارے میں سارے راز کھول سکتا تھا لیکن اب اس کے ہاتھ کٹے ہوئے تھے۔ وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"ہو سکتا ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

اور پھر کمال ہمارے پاس پہنچ گیا "اب کیا ہو گا عارف بھائی؟"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"بڑی پریشانیاں کھڑی ہو گئیں۔ آخر وہ یہاں سے کہاں جا سکتی ہیں؟"

"کمال! کیا ہم اس میں تصدق کے ہاتھ پر غور کریں؟" میں نے کہا اور کمال بھی اچھل پڑا۔

"تصدق؟ مگر کیوں؟"

"ہم سے انتقام۔"

"ممکن نہیں ہے لیکن آپ اس بارے میں تحقیقات کر سکتے ہیں۔ تصدق کی فطرت میں گھناپن بہت ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ کہاں تک جا سکتا ہے۔"

"وہ جہاں تک جا سکتا ہے' ہم اسے واپس بھی لا سکتے ہیں۔"

"اب کیا کیا جائے؟"

"کوئی ممکنہ جگہ رہ گئی ہے؟"

"کوئی بھی نہیں۔"

"بس تو واپس چلو۔"

"بڑی ماں کی حالت پھر خراب ہو جائے گی۔"

"بہرحال' انوکھی واردات ہے۔ ہم بھی سخت پریشان ہیں۔" میں نے کہا اور کمال خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس چل پڑے۔ جتنے لوگ پکنک پر آئے تھے' وہ سخت پریشان تھے اور پھر گھر واپس آئے تو کہرام مچ گیا۔ بہرحال شکیلہ کی گمشدگی کی اطلاع بڑی ماں کو دیدی گئی تھی۔ حسب معمول بڑی ماں کے اوپر بہت برا اثر پڑا۔ وہ ایک دم خاموش ہو گئیں۔ خلا میں گھورتی رہیں' پھر پلٹ کر سو گئیں اور جاگیں تو ان کی وہی کیفیت تھی۔

"تصدق۔ تصدق کہاں ہے؟" انہوں نے پوچھا۔

"باہر موجود ہے' بلاؤں بڑی ماں۔"

"نہیں۔ اسے بتا دو' حادثہ ہو گیا۔ پھر حادثہ ہو گیا۔" بڑی ماں نے درد بھرے لہجے میں کہا اور سب کے دل دکھ کر رہ گئے۔ ہم دونوں بھی اس وقت وہیں موجود تھے۔ طالوت نے مجھے چلنے کا اشارہ کیا اور میں اٹھ گیا۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ طالوت کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے آگے بڑھ گیا اور پھر اس نے ایک ملازم کو روکا۔

"تصدق کہاں ہے؟"

"اپنے مکان میں گئے ہیں جناب!"

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔

"کیا خیال ہے طالوت؟"

"تصدق سے بات کریں گے۔"

"براہ راست؟"

"ہاں!"

"مگر۔ کیا یہ مناسب رہے گا؟"

"اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب نہیں ہے۔" طالوت کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

"پھر بھی۔۔۔"

"آجاؤ یار۔" طالوت نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا اور میں نے شانے ہلائے۔ طالوت کے ارادے اچھے نہیں تھے۔ بہرحال ہم دونوں تصدق کے مکان پر پہنچ گئے۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ طالوت اندر داخل ہو گیا۔ تصدق ایک کرسی پر بیٹھ کر جوتے اتار رہا تھا' ہم دونوں کو اس طرح داخل ہوتے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

"کھڑے ہو جاؤ!" طالوت نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا تنویر صاحب نے تمہیں اس پورے علاقے میں دندناتے پھرنے کی اجازت بھی دے دی ہے؟" تصدق نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ!" طالوت اسی انداز میں بولا۔

"میں تمہارے باپ کا ملازم نہیں ہوں۔ نکل جاؤ یہاں۔۔۔"

تصدق کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ طالوت کی ٹھوکر اس کی کرسی پر پڑی اور کرسی الٹتے الٹتے بچی۔ تصدق اچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ خوں خوار انداز میں ہم دونوں کو گھور رہا تھا۔

"میں بھی خود کو باز نہیں رکھ سکوں گا اور اس کے بعد جو کچھ ہو گا' اس کے ذمے دار تم ہو گے۔" اس نے خوفناک لہجے میں کہا۔

"وہاں سے تم کہاں گئے تھے؟" طالوت نے پوچھا۔

"کہاں سے؟" تصدق بے اختیار بولا۔

"پکنک پر جاتے ہوئے۔ اس جگہ سے' جہاں سے تمہیں اتار دیا گیا تھا۔"

"جہنم میں۔ تم سے غرض؟" تصدق سنبھل گیا۔

"شکیلہ کہاں ہے؟"

"وہ بھی جہنم میں گئی۔ چلو' تم باہر نکلو۔" تصدق آگے بڑھا اور اچانک طالوت کا ہاتھ گھوم گیا۔ تصدق کے پھولے ہوئے گال سے ایک زوردار آواز بلند ہوئی تھی اور تصدق آپے سے باہر ہو گیا۔ وہ پاگلوں کی طرح جھپٹا اور میں نے اس کے پاؤں میں پاؤں پھنسا دیا۔ تصدق پیٹ کے بل گرا تھا اور اس کے حلق سے عجیب عجیب آوازیں نکلنے لگیں۔

طالوت نے اوپر سے اس کے کئی ٹھوکریں رسید کر دیں اور تصدق بلبلانے لگا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

"بتاؤ۔ شکیلہ کہاں ہے؟" میں نے کہا۔

"مجھے کیا معلوم سور کے بچے۔" وہ دھاڑا۔

"جھوٹ بولتے ہو۔ میں تمہاری کھال تمہارے بدن سے اتار لوں گا۔"

"میں۔ میں کہے دیتا ہوں' میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گا سمجھے۔ میں۔ میں۔ تصدق۔" پاگلوں کے سے انداز میں بولا۔

"شکیلہ کے بارے بتاؤ۔"

"نہیں بتاؤں گا۔ کچھ نہیں بتاؤں گا۔" تصدق نے کہا اور اسی وقت کمال اندر پہنچ گیا۔ اندر کا ماحول دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا تھا "آؤ۔ آؤ تم بھی ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ آجاؤ۔" تصدق دہاڑا۔

"کیا۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟" کمال بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"مار رہے ہیں مجھے۔ شکیلہ کا پتہ پوچھ رہے ہیں۔ ہاں' میں نے اسے اغوا کیا ہے۔ پوچھ لو مجھ سے اس کا پتہ۔ پوچھو۔ آؤ۔ تم بھی شریک ہو جاؤ۔"

کمال احمقوں کے سے انداز میں سر کھجانے لگا۔ پھر اس نے ہماری طرف رخ کر کے کہا "وہ۔ ماموں جان اچانک آ گئے ہیں۔ صورت حال ان کے علم میں بھی آ گئی ہے۔ آپ لوگوں کو پوچھ رہے ہیں۔"

"آ گئے۔ آ گئے تنویر صاحب۔ اب ان کے ساتھ ہی بات ہو گی۔" تصدق نے بپھرے ہوئے انداز میں کہا۔

"تمہیں بھی بلایا ہے۔ اپنا حلیہ درست کر کے آجاؤ۔" کمال نے تصدق سے کہا اور پھر ہم دونوں کے بازو پکڑ کر باہر لے جانے لگا۔ ہم بھی باہر نکل آئے تھے۔ طالوت کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"کیا اس نے ہاتھا پائی شروع کی تھی؟" کمال نے پوچھا۔

"نہیں۔ ہم نے اسے مارا ہے!" طالوت بولا۔

"اوہ!" کمال نے آہستہ سے کہا۔

"اعتراض ہے تمہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"نن۔ نہیں۔ مم۔ میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔"

"شکیلہ کو میں اس کے پاس سے برآمد کروں گا۔" طالوت نے کہا۔

"اگر آپ کو یقین ہے تو ماموں جان سے کہہ دیں۔ وہ اگلوا لیں گے۔" کمال نے جواب دیا۔ ہم میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مجھے طالوت کے شدت سے بگڑے ہوئے موڈ کا احساس تھا۔ بالآخر ہم تنویر صاحب کے سامنے پہنچ گئے۔

"سنو!" طالوت نے آہستہ سے کہا۔

"جی۔"

"تنویر صاحب کو اس واقعے کا علم نہ ہونے پائے۔ صرف تم لاعلمی کا اظہار کرو گے۔"

"پلیز۔" کمال آہستہ سے بولا۔

"اوہ۔ اوہ۔ عارف۔ یوسف۔ یہ۔ یہ کیا ہوا۔ یہ کیا ہو گیا ہے؟" تنویر جمال مضطربانہ انداز میں آگے بڑھتے ہوئے بولے۔ ہم نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم لوگ۔ تم لوگ بھی ہم بدنصیبوں کے چکر میں آ گئے۔ ہماری نحوست تم تک پہنچ گئی۔" تنویر صاحب بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"بہرحال شکیلہ کو برآمد کرنا ہو گا تنویر صاحب!"

"آہ۔ کاش۔ وہ برے ہاتھوں سے محفوظ رہے۔ خدا

کرے۔ مگر۔ کوئی اندازہ نہیں ہوتا۔ آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔ آخر یہ ہو کیا رہا ہے۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے "تم نے کوئی اندازہ لگایا عارف۔۔۔!"

"بڑی عجیب صورت حال ہے تنویر صاحب۔ پہلے بھی مجھے شک تھا کہ افشاں صاحبہ کی گمشدگی میں کسی ایسے شخص کا ہاتھ بھی ہے جو یا تو اس خاندان سے کوئی تعلق رکھتا ہے یا پھر کسی حیثیت سے وہ یہاں موجود ہے۔"

"ایں۔ یعنی۔ کیا مطلب؟" تنویر صاحب چونک پڑے۔ ان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"میرا یہی اندازہ ہے۔"

"مگر شکیلہ۔ شکیلہ کے اغوا کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟"

"ہم نہیں جانتے۔"

"بڑی پریشانی کی بات ہے لیکن کیا تمہارے ذہن میں کسی آدمی کا نام ہے؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔ اس سے قبل کہ ہم کوئی جواب دیں' تصدق آندھی و طوفان کی طرح کمرے میں داخل ہوا۔ اس کا حلیہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ تنویر صاحب چونک پڑے۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" تنویر صاحب بڑبڑائے "تم نے اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں لی؟"

"صورت حال دوسری ہے۔" تصدق نے قہر آلود انداز میں ہمیں گھورتے ہوئے کہا۔

"باہر جاؤ۔ دروازے پر رک کر اجازت طلب کرو پھر اندر آؤ۔" تنویر صاحب غرائے۔

"پانی سر سے گزر چکا ہے۔ آج کچھ نہیں سنوں گا۔" تصدق نے چیخ کر کہا۔

"بالکل ہی پاگل ہو گیا نا۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا۔"

"میرے ایک سوال کا جواب دیں۔" تصدق نے کہا۔

"پوچھ بھائی۔ پوچھ۔" تنویر صاحب نہ جانے کیوں نرم پڑ گئے۔

"کیا میں نے یہاں پرورش نہیں پائی؟"

"پائی ہے۔"

"میں غدار ہوں؟"

"غور نہیں کیا۔"

"اب غور کریں۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں غداری کرنے جا رہا ہوں۔ میں یہاں دو خون کروں گا۔" تصدق نے پستول نکال لیا۔

"خوب!" تنویر صاحب اسے غور سے دیکھنے لگے۔

"ان دونوں نے مجھے مارا ہے۔" اس نے پستول کا رخ ہماری طرف کر لیا۔

"ایں۔" تنویر صاحب نے بوکھلا کر ہمیں دیکھا۔ کمال اپنی جگہ سے کھسک رہا تھا۔ اس نے اپنی جگہ بدل لی تھی اور پستول کی زد سے نکل گیا تھا۔

"کمال ہے!" طالوت بولا۔

"کیوں مارا تھا؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"ان سے پوچھو۔" تصدق نفرت سے بولا۔

"کیوں بھئی۔ کیا بات ہوئی تھی؟"

"تصدق صاحب کو شاید کوئی ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ یہ ہمارے لیے قابل احترام ہیں۔" طالوت بولا۔

"کیا مطلب؟ یعنی کیا مطلب؟" تصدق بوکھلا کر بولا۔

"میں کیا عرض کروں تنویر صاحب۔ کیا یہ نشے کے عادی ہیں؟" طالوت نے پھر سے کہا۔

"نہیں چھوڑوں گا۔ خدا کی قسم نہیں چھوڑوں گا۔" تصدق نے کہا اور پستول سیدھا کر لیا لیکن دوسرے لمحے کمال نے وہ تپائی اس کے پستول والے ہاتھ پر ماری' جس کے قریب شاید وہ اسی ارادے سے کھڑا ہو گیا تھا۔

اور تصدق کی چیخ نکل گئی۔ پستول اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔ تنویر صاحب نے جلدی سے آگے بڑھ کر پستول اٹھا لیا اور پھر وہ خوں خوار نگاہوں سے تصدق کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"اب۔ اب کیا کہتے ہو۔ تم میرے سامنے خون خرابے پر آمادہ تھے۔"

"میرے ساتھ۔ میرے ساتھ ظلم ہوا ہے۔ ان لوگوں نے مجھے مارا ہے۔ سب میرے خلاف کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں۔ میں کس سے فریاد کروں۔" تصدق نے کہا۔

"میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا۔ یہ۔ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے۔ ہم لوگ لاپروائی سے کھڑے ہوئے تھے۔ تنویر صاحب نے ہماری طرف دیکھا اور پھر تصدق کی طرف۔ پھر وہ آہستہ سے بولے "تصدق! تم واپس جاؤ۔ میں تم سے پھر بات کروں گا۔"

اور تصدق ہاتھ پکڑے باہر نکل گیا۔ اس نے کمال کو بھی قہر آلود نگاہوں سے دیکھا تھا پھر تنویر صاحب گہری سانس لے کر بولے "آپ لوگ محسوس نہ کریں۔ میں شرمندہ ہوں مگر میری سمجھ میں نہیں آتا' اس کا دماغ کیوں الٹ گیا۔"

"آدھا تو پہلے ہی الٹا ہوا تھا۔ ویسے تنویر صاحب! شکیلہ کو ضرور مل جانا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی یہ اجازت بھی

کہ ہم اپنے طور پر اس کا سراغ لگانے کے لیے آزاد ہیں۔"

"ہاں۔ ہاں' یقیناً! آپ لوگ بھی میری وجہ سے مصیبت کا شکار ہوئے ہیں۔"

"تب براہ کرم۔ آپ فرمائیں گے کہ کیا تصدق کے پاس اس پستول کا لائسنس موجود ہے؟"

"ایں؟" تنویر صاحب اچھل پڑے "ارے۔ پستول۔ یہ پستول کہاں سے آیا؟"

"تصدق کا ہے۔" میں نے کہا۔

"تصدق کے پاس پستول نہیں تھا؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ تصدق اور پستول' دو متضاد چیزیں ہیں۔ ارے اس نے پرورش ہی یہاں پائی ہے۔ بڑا بزدل سا انسان ہے' میری سمجھ میں نہیں آتا۔"

"بہرحال تنویر صاحب! آپ اس سے پستول کے بارے میں معلوم کریں گے۔ سنیے ہم دونوں آپ سے پورے پورے تعاون کے لیے تیار ہیں لیکن بہرحال شکیلہ کی تلاش بھی ہمارا فرض ہے۔"

"یقیناً۔ یقیناً۔ ویسے دوستو! میں واقعی تم سے شرمندہ ہوں۔ میں تو تمہیں مہمان بھی نہیں کہہ سکتا' کیونکہ مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا۔ ویسے میں تم سے کچھ اور گفتگو بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی فرمائیے!"

"میں بذات خود درگاپور گیا تھا۔"

"اوہ! اچھا تنویر صاحب؟" ہم دونوں چونک کر بولے۔

"بس دل کو تو تسلی ہوئی تھی۔ ظاہر ہے صبر آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"یقیناً۔" میں نے ہمدردی سے کہا۔

"چنانچہ جس کام سے گیا تھا' وہ مکمل کیا اور پھر اپنے چند ساتھیوں کو لے کر درگاہ پور پہنچ گیا۔ درگاپور میں تو حال ہی میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ وہاں کی حکومت تک بدل گئی ہے۔ چنانچہ میں نے نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ اپنا کام شروع کر دیا اور بہت جلد مجھے شکیلہ کی کہانی معلوم ہو گئی۔ وہی کہانی درست ہے جو تم نے سنائی تھی۔"

"آپ نے وہاں مسلمانوں کے علاقے میں قیام کیا تھا؟" طالوت نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں۔ بڑی پراسرار روایات سننے میں آئی ہیں۔ لوگوں نے بتایا کہ آسمان سے ایک فرشتہ اترا تھا اور وہ درگاپور کے مسلمانوں کی قسمت ہی بدل گیا۔ اس سے قبل وہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ان پر مظالم کیے جاتے تھے لیکن سارے ظالم عجیب سی موت مر گئے اور اب نئی حکومت نے تو مسلمانوں کو اتنی آسانیاں' اتنے حقوق دیے ہیں جو وہاں کے ہندوؤں کو بھی حاصل نہیں ہیں۔"

"اوہ!" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ میری بہن اور میرے دوست قول کے پکے تھے۔ طالوت بھی متاثر نظر آ رہا تھا۔

"بہرحال شکیلہ کی داستان سنی۔ بلاشبہ وہ میری افشاں نہیں ہے۔ نہ جانے میری افشاں کہاں ہے؟"

"آپ ہم سے بازپرس نہ کریں تنویر صاحب! تو ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ افشاں کا پتہ ضرور لگا لیں گے۔"

"بازپرس سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

"ہم جو کچھ کرتے پھریں' اس کے بارے میں کوئی پوچھ گچھ نہ کی جائے' بلکہ اسے مصلحت سمجھا جائے اور اب تو یہ ضروری ہو گا۔ مجھے شبہ ہے کہ افشاں کو غائب کرانے والے ہی شکیلہ کو بھی اغوا کر لے گئے ہیں۔"

"مگر عارف میاں۔ عارف میاں! کیا تمہیں کسی پر شبہ ہے؟"

"ابھی نہیں۔ بہرحال جس طرح دوسرے لوگ کام کر رہے ہیں' ہمیں بھی کام کرنے دیا جائے۔"

"میری طرف سے کھلی اجازت ہے۔ میرے لیے جو بھی خدمت ہو' فوراً بتا دیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"شکریہ! اس جھگڑے ہوئے سانڈ کو آپ سمجھا دیں۔ ورنہ شاید ہم بھی خود پر قابو نہ پا سکیں۔"

"میں اسے آج ہی باغ روانہ کر دیتا ہوں۔ وہ یہاں رہے گا ہی نہیں۔"

"یہی درست ہے۔" میں نے کہا اور طالوت چونک کر میری شکل دیکھنے لگا۔ بہرحال پھر ہم تنویر صاحب سے اجازت لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے کمرے میں آ گئے۔ طالوت کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ کچھ سوچتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ میں بھی خاموش تھا پھر ہم دونوں نے ہی ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور طالوت نے کہا۔

"کیا تصدق کا کوٹھی سے چلا جانا مناسب ہو گا؟"

"انتہائی مناسب۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" طالوت چونک کر بولا۔

"اس طرح وہ کھل کر سامنے آ جائے گا۔ ہم اس کا تعاقب کریں گے۔ وہاں وہ غیر محتاط ہو جائے گا اور آسانی سے اس کی شخصیت کھل جائے گی۔"

"ہوں۔" طالوت کسی خیال میں ڈوب گیا پھر چند

ساعت کے بعد گردن اٹھا کر بولا "یہ بھی تو ہو سکتا ہے عارف کہ ہم بلاوجہ اس پر شک کر رہے ہوں۔ ممکن ہے ان معاملات سے اس کا کوئی تعلق ہی نہ ہو۔"

"ہاں۔ ممکن تو ہے۔"

"پھر کیا ہوگا؟"

"کوشش کرتے رہیں گے طالوت! باقی جو کچھ خدا کی مرضی ہوگی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن عارف! شکیلہ کو ملنا چاہیے۔" طالوت کی آواز میں غراہٹ تھی "خواہ اس کے لیے مجھے اپنی سطح سے گرنا پڑے۔ خواہ اس کے لیے مجھے ابا حضور سے فریب کرنا پڑے۔"

"ابا حضور!" میں نے چونک کر پوچھا۔

"ہاں عارف! وہ کرنا پڑے جو میں نہیں چاہتا۔" طالوت پر خیال انداز میں بولا۔

"مجھے بتانا پسند کرو گے؟"

"ہاں عارف! بعض اوقات میں مختلف انداز میں سوچنے لگتا ہوں۔ میں۔ تم جانتے ہو میں عیش و عشرت کی زندگی نہیں گزارنا چاہتا' لوگوں پر فوقیت میری زندگی کا مقدر نہیں ہے لیکن تمہاری اس دنیا میں مکر و فریب کے اتنے جال بچھے ہوئے ہیں' قدم قدم پر ایسے زہریلے ناگ پھنکار رہے ہیں کہ ان کے درمیان سانس لینے کے لیے طاقت کی ضرورت ہے۔ طاقت کے بغیر یہاں زندہ رہنا ناممکن ہے۔ جب تک میں اپنی حیثیت میں رہا' میں نے مکر و فریب کے یہ جال توڑے لیکن' میری طاقت چھن گئی اور آج میں شکیلہ جیسی مظلوم لڑکی کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ میں اپنی طاقتیں دوبارہ حاصل کر سکتا ہوں لیکن اس کے ساتھ کچھ مشکلات ہیں۔"

"کیا طالوت؟" میں نے پوچھا۔

"مجھے اپنی دنیا میں واپس جانا پڑے گا۔ مجھے ابا حضور کے سامنے سر جھکانا پڑے گا اور پھر ممکن ہے وہ مجھے دوبارہ اس دنیا میں آنے کی اجازت نہ دیں۔ ممکن ہے میرے اوپر کچھ ایسی بندشیں لاد دی جائیں کہ میں یہاں واپس نہ آسکوں۔"

"نہیں نہیں طالوت! ہم ایسے ہی گزارہ کر لیں گے۔ میں۔ میں تمہارے والدین سے دور تو نہیں رکھنا چاہتا لیکن میں خود بھی تم سے دور نہیں رہوں گا۔ میں بھی اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا میرے دوست۔"

"میں جانتا ہوں اور یقین کرو عارف! میں خود بھی تم سے علیحدہ رہنا پسند نہیں کرتا۔ بس شکیلہ کے سلسلے میں بے بسی پر میں سوچتا ہوں۔"

"ہم دوسری طرح اسے تلاش کریں گے۔"

"نہ جانے کیوں عارف! اس تصدق کو بھولنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"کیا مطلب؟"

"میرے ذہن کی گہرائیوں میں یہ شک ہے کہ شکیلہ کے اغوا میں اسی کا ہاتھ ہے۔"

"ہم اسے چھوڑیں گے تو نہیں۔" میں نے کہا اور طالوت خاموش ہو گیا۔ کافی دیر تک ہم یونہی خاموش بیٹھے رہے۔ پھر طالوت نے بیزاری سے کہا۔

"اٹھو یار۔ آوارہ گردی کریں گے۔ یہاں تو نحوست طاری ہو گئی ہے۔ اٹھو۔" اور میں اٹھ گیا۔ ہم دونوں کسی سے کچھ کہے بغیر باہر نکل آئے اور پھر آوارہ گردی کرتے ہوئے کہیں سے کہیں نکل گئے۔

اچھا خاصا شہر تھا۔ بہت بڑا نہیں تھا لیکن جدید وقت کی ساری ضروریات سے آراستہ تھا۔ چھوٹے چھوٹے خوب صورت ریستوران جگہ جگہ موجود تھے۔ رہائشی ہوٹل بھی کئی کئی منزلہ تھے۔ ہم پیدل چلتے رہے اور پھر میں کچھ تھکن محسوس کرنے لگا۔

"طالوت!" میں نے ایک گہری سانس لے کر اسے پکارا۔

"ہوں۔"

"کیا ارادے ہیں بھائی۔ کب تک سفر جاری رہے گا؟"

"تھک گئے؟" طالوت مسکرایا۔

"اگر تھوڑی دیر اور اسی طرح چلتے رہے تو پہلے بیٹھوں گا پھر لیٹ جاؤں گا اور تمہیں باقی سفر مجھے کندھے پر لاد کر طے کرنا پڑے گا۔"

"اوہ! تو پھر آؤ سامنے چلتے ہیں۔" اس نے ایک طرف اشارہ کیا۔ چار منزلہ ہوٹل کی خوب صورت عمارت میری نگاہوں کے سامنے تھی جس پر فلاؤ ملفیا کا نیون سائن نظر آرہا تھا۔

"چلو۔" میں نے کہا اور چند منٹ کے بعد ہم ہوٹل کے شفاف ہال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کافی خوب صورت ہوٹل تھا۔ ہال بالکل گول تھا۔ داخلی دروازے کے دونوں سمت اوپر جانے کے لیے لفٹیں لگی ہوئی تھیں۔ رہائشی کمروں میں رہنے والے اوپر نیچے آجا رہے تھے۔ طالوت نے کھانے پینے کی کچھ چیزوں کا آرڈر دے دیا۔ آرڈر سرو ہو جانے کے بعد ہم کھانے میں مشغول ہو گئے۔ طالوت کا موڈ کافی خراب تھا۔ وہ

پدستور سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ میں بھی سر جھکائے کھانے میں مشغول رہا۔

اچانک میں نے طالوت کے ہاتھ سے چمچہ گرتے دیکھا اور میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔

"نن۔ ناممکن۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ وہ ہال کے داخلی دروازے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا ہوا' خیریت؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی۔ ابھی واپس آتا ہوں۔" طالوت پھرتی سے کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے نیپکن پھینکا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ میں حیران رہ گیا تھا۔ ایسی کون سی چیز دیکھ لی اس نے۔ بہرحال میں نے وہیں رک کر اس کا انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ تیزی سے ایک لفٹ میں داخل ہو گیا تھا۔ دوسری لفٹ اوپر گئی ہوئی تھی۔

میں اپنے طور پر اندازے لگا رہا تھا۔ طالوت نے ضرور کسی کو اوپر جاتے ہوئے دیکھا ہے مگر کون؟ کیا تصدق؟ لیکن وہ اتنا حیران کن تو نہیں ہو سکتا۔ نہ جانے کون تھا۔ میں نے کافی کا آخری گھونٹ لیا اور پھر ویٹر کو اشارہ کر کے بل منگایا۔ بھائی تہرک۔ کی رقم ابھی خاصی موجود تھی۔ میں نے بل ادا کیا اور طالوت کا انتظار کرنے لگا۔

تقریباً دس منٹ کے بعد طالوت لفٹ سے اترا اور میرے پاس پہنچ گیا۔ اس کے چہرے سے حیرت چھلک رہی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا اور پھر میری آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا "کمرا نمبر ایک سو ساٹھ!"

"کیا مطلب؟"

"وہ اسی میں داخل ہوئی ہے۔"

"کون؟" میں نے بے چینی سے پوچھا۔

"شکیلہ!" طالوت کا جواب میرے لیے واقعی دھماکہ خیز تھا۔ میرا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"تمہیں یقین ہے؟" میں نے کئی منٹ کے بعد پوچھا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"تنہا تھی؟"

"ہاں! لیکن عارف' میری ذہنی کیفیت عجیب ہو رہی ہے۔" طالوت نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیوں؟"

"وہ بالکل مطمئن اور پرسکون تھی۔ اس نے ایک عمدہ لباس پہنا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر ذرا سی الجھن یا ذرا بھی تردد نہیں تھا۔"

"اوہ! تو تمہارا مطلب ہے۔"

"ہاں! میرا مطلب کچھ نہیں ہے۔ آؤ اس سے ملیں۔ صاف صاف بات کریں گے۔ عارف! اگر وہ اپنی مرضی سے آئی ہے۔ اگر اس نے اپنے اس اقدام کے بارے میں کوئی قابل قبول بات نہ بتائی تو ہم اسی وقت اس سے تعلقات منقطع کر لیں گے اور پھر یہاں سے چل دیں گے اور اس کے بعد فیصلہ کریں گے کہ آئندہ کسی کو دل سے قریب نہیں آنے دیں گی۔ کون سی مجبوری تھی جس نے اسے خاموشی سے چلے آنے پر اکسایا۔ کوئی بھی مسئلہ تھا' اسے ہمیں بتانا چاہیے تھا۔"

"یہ ٹھیک ہے۔" میں نے بھی الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"تب اٹھو!" طالوت نے کہا اور میں اٹھ گیا "بل تو ادا کردو۔"

"کر دیا ہے۔"

"خوب! آؤ۔" طالوت دوبارہ دروازے کی طرف بڑھ گیا اور پھر لفٹ سے ہم تیسری منزل پر پہنچ گئے۔ تیسری منزل کے کاریڈور میں چلتے ہوئے ہم کمرا نمبر ایک سو ساٹھ کے سامنے رک گئے۔

طالوت نے بیل بٹن دبایا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔

"کون؟" دروازے کے قریب سے شکیلہ کی آواز سنائی۔

"ویٹر!" میں نے جلدی سے آواز بدل کر کہا اور دروازہ کھل گیا۔ میں آگے ہی تھا اس لیے شکیلہ کی نگاہ پہلے مجھ پر ہی پڑی۔ خویر صاحب کے ہاں آنے کے بعد اس نے جدید لباس پہننا شروع کر دیے تھے اور خاصی فیشن ایبل رہنے لگی تھی۔ اس وقت بھی وہ ایک عمدہ لباس میں تھی اور کافی خوب صورت نظر آرہی تھی۔ ہمیں دیکھ کر وہ چونک پڑی اور پھر اس کے چہرے پر خشونت پھیل گئی۔

"فرمایئے؟" اس نے نہایت کھردرے لہجے میں کہا اور ہم دونوں تعجب سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔ اس کے لہجے سے بڑی دل شکنی ہوئی تھی اور طالوت کے ہونٹ سکڑ گئے۔

"خوب! غالباً تم ہمیں پہچان نہیں سکیں؟" اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"جی۔ میں نہیں پہچان سکی۔" اس نے غور سے ہم دونوں کی شکلیں دیکھتے ہوئے کہا اور شاید ہمیں ہم شکل دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی تھی۔

"اس کے باوجود ہم تمہیں اٹھا کر لے جائیں گے اور

باقی باتوں کا فیصلہ تنویر صاحب کے مکان پر ہی ہوگا۔" طالوت نے زہریلے انداز میں کہا اور شکیلہ کے چہرے میں نمایاں تبدیلی ہوئی۔

"اوہ! آپ مذاق کررہے ہیں۔ ویسے اندر تو آیئے۔ غالباً آپ میرے نہ پہچاننے سے ناراض ہوگئے لیکن یقین کریں' میری یادداشت بہت خراب ہوگئی ہے۔ آیئے۔ آیئے تو سہی۔" وہ پیچھے ہٹ کر بولی اور ہم دونوں اندر داخل ہوگئے۔ شکیلہ نے دروازہ بند کردیا اور پھر مسکراتی ہوئی ہمارے سامنے آگئی۔

"وہ کون سی مجبوری ہے جس نے تمہیں ہم سے اظہار اجنبیت پر مجبور کردیا؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ! یقین کرو۔ میں تمہیں بالکل نہیں پہچان سکی ہوں۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم نے تو پہلے بھی تمہیں پیشکش کی تھی' تم اگر بہتر مستقبل چاہتی ہو تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔" میں نے سرد لہجے میں کہا۔

"اوہ! نہ جانے تم کیا کہہ رہے ہو' میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔" اس نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے تم اٹھ جاؤ۔ ہم تمہیں تنویر صاحب کے حوالے کردیں گے اور اس کے بعد تمہاری مرضی۔ ہم نے تو تمہارے اوپر مسلط ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔"

"میں۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" شکیلہ گھبرا کر بولی۔

"یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے تنویر صاحب کا پورا گھرانا پریشان ہے۔ ایک مرتبہ تمہیں ان کے سامنے ضرور جانا پڑے گا' اس کے بعد تم چاہو تو ان سے معذرت کرلینا۔ یہ تم پر فرض ہے۔"

"یعنی اگر میں نہ جاؤں تب بھی؟"

"ہاں!"

"تو۔ تو تم لوگ زبردستی کرو گے۔"

"مجبوری ہے۔"

"سنو تو سہی' میں وہاں جاؤں گی لیکن۔۔۔ لیکن کچھ وقت کے بعد۔ مجھے حالات بھی تو درست کرلینے دو۔"

"یہ صرف ایک صورت میں ہوسکتا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"تم ہمیں پوری تفصیل بتادو۔"

"ہوں۔" شکیلہ گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگی' پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ اس نے دیوار میں لگا ہوا کال بیل بٹن دبایا اور ویٹر کا انتظار کرنے لگی۔ چند منٹ کے بعد ویٹر آگیا۔

"کیا پئیں گے آپ؟"

"کچھ نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ! یہ ممکن نہیں۔ ہم باتیں کریں گے' سنو! کافی لے آؤ۔" اس نے ویٹر سے کہا اور ویٹر گردن ہلا کر چلا گیا۔ شکیلہ کے چہرے پر سخت الجھن نظر آرہی تھی پھر وہ ایک الماری کی طرف مڑتی ہوئی بولی "چند منٹ کی اجازت دیں۔" اس نے الماری سے کچھ کپڑے نکالے اور باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔ باتھ روم کا دروازہ اس نے اندر سے بند کرلیا تھا۔

طالوت نے گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا۔

"کچھ بچی نہیں دوست' تمہاری یہ راج ہنس۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"اب تو مجھے بھی شبہ ہونے لگا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیسا شبہ؟"

"لڑکی پراسرار ہے۔"

"یقیناً۔ نہ جانے اس نے کون سی بات درست کہی ہے اور کون سی غلط؟"

"تنویر صاحب تو رگا پور بھی ہو آئے اور وہاں تحقیقات کرکے آئے ہیں کہ وہ وہیں کی رہنے والی ہے۔"

"اونہہ۔ جہنم میں جائے۔ میرا تو خیال ہے اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ تنویر صاحب کے ہاں بھی واپس ہی نہ جایا جائے۔ بس یہیں سے کہیں اور چلتے ہیں۔" طالوت نے بیزاری سے کہا۔

"جیسی تمہاری مرضی لیکن کیا ذہن میں خلش نہ رہے گی؟"

"خلش تو اب بھی ہے۔ میں اس کے لیے کس قدر پریشان تھا اور وہ ہمیں پہچاننے سے بھی انکار کررہی تھی۔" طالوت نے بھاری لہجے میں کہا۔ اسی وقت ویٹر کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے اندر آگیا اور پھر باتھ روم کا دروازہ کھول کر شکیلہ بھی نکل آئی۔ اس نے لباس تبدیل کرلیا تھا اور اس کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اتنی بے باک ہوگئی تھی وہ کہ پہلے نہ تھی۔

اس نے تین کپ بنائے اور دو ہمارے سامنے سرو کردیے۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے اور وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی پھر اس نے چونک کر گردن اٹھائی۔

"براہ کرم۔ کافی۔" اس نے کہا اور ہم دونوں نے پیالیاں اٹھالیں "میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میں آپ کو کس

طرح سمجھاؤں۔" اس نے کافی کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

"دل چاہے سمجھا دو' دل چاہے نہ سمجھاؤ۔ اگر تمہارا کوئی ذاتی معاملہ ہے تو صرف کہہ دو' ہم اس میں مداخلت نہیں کریں گے۔ اگر تم ہم سے بیزار ہو تو ہم بھی اتنے مشتاق نہیں ہیں۔"

"جی؟" وہ تعجب سے ہمیں دیکھنے لگی۔

"ہاں! تمہارے لیے ہم جس قدر پریشان تھے' اب وہ حماقت محسوس ہورہی ہے۔"

"لیکن آپ لوگ۔۔۔ آپ لوگ۔" شکیلہ کے چہرے پر سخت الجھن نظر آرہی تھی۔ ہم خاموشی سے کافی پی رہے تھے اور اچانک مجھے محسوس ہوا جیسے شکیلہ میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوگئی ہو۔

"ارے۔ ارے۔" میں نے کافی کی پیالی نیچے رکھنے کی کوشش کی لیکن پھر چھناکہ ہوا اور اس کے بعد نہ جانے کیا ہوا۔ کچھ ہوش نہ رہا۔ نہ جانے کب تک۔ ہاں جب آنکھ کھلی تو طالوت کی گہری گہری سانسیں کان میں گھس رہی تھیں۔ اس کا سر ڈھلک کر میرے کندھے سے آٹکا تھا۔

سر بھاری بھاری لگ رہا تھا۔ میں نے بمشکل تمام اس کے سر کو اپنے کندھے سے اٹھایا اور وہ بھی چونک کر جاگ گیا۔ پھر اس نے ایک طویل جماہی لی اور ابھی منہ کھلا ہوا ہی تھا کہ اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ اب وہ احمقوں کے سے انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا اور پھر مجھ پر نظر پڑتے ہی وہ پھر اچھل پڑا۔

"عارف!" اس نے سراسیمہ آواز میں کہا۔

"ہوں۔" میں نے بھاری آواز میں جواب دیا۔

"کیا یہ طلسم مرغابہ بو نمازہ ہے؟"

"اوہ! اتنی ٹفلیں نہ کھاؤ' سمجھ پگھل جائے گا۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

"مگر۔ یہ ہوا کیا؟ ہم کہاں ہیں؟" طالوت نے کہا اور میں غور کرنے لگا۔ یادداشت واپس آنے میں دیر نہیں لگی۔ ہم ہوٹل ہی میں تھے اور انہی صوفوں پر لڑھکے ہوئے تھے جن پر بیٹھے تھے اور۔۔۔ اور شکیلہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔

جو کچھ ہوا تھا اس کے بعد اس کے موجود ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یقیناً کافی نشہ آور دوا دی گئی تھی لیکن شکیلہ۔۔۔ شکیلہ! میرے ذہن پر ہتھوڑے برسنے لگے۔ یقیناً وہ ہم سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی۔ اس نے لباس تبدیل کرنے کے بہانے سے شاید الماری سے نشہ آور دوا نکالی اور پھر لباس تبدیل کرکے آئی اور آخروہ کام دکھا گئی۔

"لیکن شکیلہ۔ احسان فراموش۔" میں نے دانت پیسے۔

"عارف!" طالوت کھوپڑی پر ہاتھ پھیر کر بولا۔

"ہوں!"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"چلو یہاں سے تو واپس چلیں' ورنہ ہوٹل والے ہمیں چوروں کی حیثیت سے گرفتار کرسکتے ہیں۔"

"وہ تو چلی گئی ہوگی؟"

"ظاہر ہے' اب وہ یہاں کیوں رکتی۔"

"واپس بھی نہیں آئے گی؟"

"اب کیا آئے گی۔"

"چلو بھائی۔" طالوت ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور ہم دونوں لڑھکتے ہوئے باہر نکل آئے۔ اعصاب ابھی تک کشیدہ تھے۔ بمشکل تمام باہر آئے اور پھر اسی طرح چلتے ہوئے ہم تنویر محل میں داخل ہوگئے۔ محل کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر غسل کیا اور کسی حد تک دماغ درست ہوگیا۔ شکیلہ کے رویے سے بہت دل برداشتہ تھے۔ ابھی تک سردرد تھا۔

شام کو چائے پر شریک ہوئے۔ ماحول بے حد اداس تھا۔ تنویر صاحب موجود نہیں تھے۔ تصدق بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ البتہ کمال موجود تھا۔

"آپ لوگ کہیں چلے گئے تھے عارف بھائی؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ بس ویسے ہی آوارہ گردی کرنے۔"

"شکیلہ کا بھی کوئی پتہ نہیں چل سکا؟"

"نہیں!"

"ماموں جان نے آپ کو تلاش کیا تھا۔ ایس پی صاحب آئے تھے۔ ماموں جان نے شکیلہ کے بارے میں مختصر تفصیل بتا کر ان کی گمشدگی کی رپورٹ بھی لکھوا دی ہے۔ وہ آپ سے ملنے کے خواہش مند ہیں۔"

"کون؟" میں چونک کر بولا۔

"ایس پی صاحب!" کمال نے کہا۔

"کیا ہمیں تھانے جانا پڑے گا؟"

"اوہ! نہیں۔ وہ خود کسی وقت آئیں گے۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا۔ وہ کسی حد تک خالی الذہن نظر آرہا تھا۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر میں نے کمال سے پوچھا "تصدق نظر نہیں

آرہا؟"

"ماموں جان نے اسے حکم دیا ہے کہ وہ باغ میں جاکر رہے۔ میرا خیال ہے چلا گیا۔"

"اوہ! تنویر صاحب کہاں ہیں؟ کیا کہیں باہر چلے گئے؟"

"نہیں۔ ایس پی صاحب کے ساتھ ہی باہر نکل گئے تھے۔" کمال نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔ لان کی چائے ختم ہوگئی اور ہم دونوں اس جگہ سے اٹھ گئے۔ دوسرے لوگ بھی اپنے اپنے ٹھکانوں پر چل پڑے تھے۔

ہم اپنے کمرے میں آگئے۔ طالوت نے کمرے میں داخل ہو کر میری شکل دیکھی "کس سوچ میں ڈوب گئے عارف؟"

"پولیس کے ان ایس پی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

"کیا؟"

"بہرحال' یہ میرا وطن ہے۔ پولیس کا سامنا کسی طور مناسب نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے اب یہاں سے چلو۔ شکیلہ کی وجہ سے یہاں پڑے ہوئے تھے' اب اس سے ہمارا کوئی واسطہ بھی نہیں رہ گیا۔ اب یہاں گھسے رہنے سے کیا فائدہ۔ تنویر صاحب شریف آدمی ہیں۔ ہمیں ان سے ہمدردی ہے۔ خدا کرے ان کی لڑکی مل جائے' شکیلہ بھی اپنے بارے میں فیصلہ کرلے گی اور اگر وہ۔۔۔"

اسی وقت دروازے پر کسی نے دستک دی اور طالوت خاموش ہوگیا۔

"کون ہے؟ دروازہ کھلا ہوا ہے۔" میں نے بوجھل آواز میں کہا اور دروازہ کھل گیا۔ سب سے آگے پولیس کی وردی ہی نظر آئی تھی اور یہ وردی ایس پی کی تھی۔

ایس پی نے ہم دونوں کو دیکھا اور ہم نے ایس پی کو۔۔۔ اور میں ساکت رہ گیا۔

یہ آفتاب تھا۔ انسپکٹر آفتاب' جو اب ایس پی بن گیا تھا۔ اس شخص سے تو ہماری کئی جھڑپیں ہوئی تھیں۔ مجھے پہچانتے ہی اس نے پستول نکال لیا اور اس کے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میرا اندازہ درست تھا تنویر صاحب۔" ایس پی نے میری طرف رخ کیے کیے کہا اور تنویر صاحب بھی اس کے پیچھے اندر آگئے۔ ان کے ساتھ تصدق بھی موجود تھا اور اس کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

"یعنی کہ۔ یعنی کہ۔۔۔" تنویر صاحب بولے۔

"ان میں سے ایک عارف ہے۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں!"

"اندر آجاؤ۔" ایس پی نے باہر رخ کرکے کہا اور انسپکٹر اندر گھس آئے "دونوں کی تلاشی لو اور ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دو۔" ایس پی نے حکم دیا۔ ہم نے نہایت خاموشی سے ہتھکڑیاں پہن لی تھیں۔

"لیکن میں۔ میں یہ بات تسلیم نہیں کرسکتا۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے۔

"یہ ایک مسلم حقیقت ہے تنویر صاحب! مسٹر تصدق نے اس وقت پولیس کی ایسی مدد کی ہے کہ ہم ان کا شکریہ نہیں ادا کرسکتے۔ آیئے' میں آپ کو ان دونوں کی تفصیل بتاتا ہوں۔"

"لیکن میں انہیں اپنے مکان سے گرفتار نہیں ہونے دوں گا۔" تنویر صاحب بولے۔

"براہ کرم جذباتی نہ ہوں۔ آپ بے حد نیک انسان ہیں اور یہی نیکی آپ کو ایسی جگہ لے ڈوبتی کہ آپ پانی بھی نہیں مانگ سکتے۔ پہلے ان کی حقیقت سن لیں' اس کے بعد فیصلہ کریں۔"

"پھر بھی' ان کی ہتھکڑیاں نکال دیں۔ میرا خیال ہے یہ مزاحمت نہیں کریں گے۔"

"آپ صرف مزاحمت کی بات کرتے ہیں' مجھے خطرہ ہے یہ دو چار خون کرکے یہاں سے نکل جائیں گے۔"

"اوہ!" تنویر صاحب خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے۔

اور پھر ہمیں ایک دوسرے بڑے کمرے میں لے جایا گیا۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ میں تو خیر فکرمند اور خوف زدہ تھا لیکن طالوت کے چہرے سے لاپروائی اور بیزاری کا اظہار ہو رہا تھا۔

ہال میں سب بیٹھ گئے۔ کمال بھی اندر آگیا تھا اور اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔ لگتا تھا جیسے رو دے گا۔

"بات زیادہ پرانی بھی نہیں ہے۔" ایس پی نے کہا "ایک فرم تھی حشمت برادرز۔ ایک جعل ساز نے وہاں بہت بڑا ڈاکہ ڈالا اور فرار ہوگیا۔ بے حد چالاک انسان ہے یہ۔ اس نے بہت سی جگہوں پر جعل سازی کی اور پولیس کو اتنے چکر دیے کہ اسے پسینہ آگیا۔ اس نے درجنوں قتل کیے ہیں۔ پولیس کو ہدایت تھی کہ اسے جہاں دیکھے' گولی مار دے۔

بہرحال اس کم بخت نے کہیں سے اپنا ایک ہم شکل

تلاش کرلیا۔ اس کی مدد سے یہ کامیابی سے فراڈ کرتا رہا اور میرا دعویٰ ہے کہ یہ آپ کے ہاں بھی کسی خاص پروگرام سے داخل ہوا تھا اور وہ لڑکی' ممکن ہے وہ ان کی تیسری ساتھی ہو۔ اوہ' بات کس حد تک میری سمجھ میں آرہی ہے۔ ممکن ہے اس نے مس افشاں کی گمشدگی کی خبر سنی ہو۔ وہ آپ کی اکلوتی صاحب زادی ہیں۔ ممکن ہے یہ اس لڑکی کو اس لیے لایا ہو کہ اسے افشاں بنا کر آپ کی دولت پر قبضہ کرلے۔"

"نہیں' مجھے اس سے اختلاف ہے۔" تنویر صاحب بے ساختہ بولے۔

"کیوں؟"

"اگر یہ لوگ چاہتے تو اس لڑکی کو افشاں کی حیثیت سے پیش کرسکتے تھے' جبکہ انہوں نے اس کی مخالفت کی تھی اور اس لڑکی کی صحیح حیثیت کا میں اندازہ لگا چکا ہوں۔" تنویر صاحب بولے۔

"یقیناً کوئی گہری چال سوچی ہوگی اس نے۔ آپ نہیں سمجھتے۔ اس نے اس امکان کو بھی مدنظر رکھا ہوگا کہ اصلی افشاں واپس بھی آسکتی ہیں۔ ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ اصلی افشاں کے قتل کے بعد اپنا اصلی کام کریں گے۔"

"نہیں نہیں!" تنویر صاحب گھبرا کر بولے۔

"اور یہ اصلی افشاں کی تلاش میں ہوں۔"

"نہیں۔"

"یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ افشاں کو بھی انہوں نے ہی غائب کیا ہو۔"

"میں نہیں مان سکتا۔"

"بہت جلد سب کچھ سامنے آجائے گا۔" ایس پی نے کہا۔

"لیکن آپ کو ان پر شبہ کیسے ہوا؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"تصدق صاحب نے دو ہم شکلوں کے بارے میں بتایا اور کہا کہ وہ بڑے جعل ساز معلوم ہوتے ہیں تو یونہی میرا ذہن ان کی طرف چلا گیا۔ میں نے پرانے فائل تلاش کرکے تصدق کو ان کی تصاویر دکھائیں تو اس نے تصدیق کردی۔"

"لیکن نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں میرا دل نہیں مانتا۔" تنویر صاحب بولے۔

"یہ ان کی خوبی ہے۔ کیوں دوستو!" ایس پی نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا۔

"ممکن ہے۔" میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں میں عارف کون ہے؟" ایس پی نے کہا۔

"کیوں بھئی۔ ہم دونوں میں سے عارف کون ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پتہ نہیں۔" طالوت بیزاری سے بولا۔

"تم لوگ ایس پی کی بات کی تردید کیوں نہیں کرتے۔" تنویر صاحب نے بے چینی سے کہا۔

"ارے۔ اتنے بڑے افسر کی بات کی تردید کیا کریں۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"اور پھر اللہ نے ان کی سنی ہے۔ ہم بے چارے کی ترقی کی راہ میں کیوں آئیں۔" طالوت بولا۔

"ہاں اور کیا۔ اللہ انہیں ڈی آئی جی بنائے۔"

"کیا مسخرپن ہے۔" تنویر صاحب پریشان ہو کر بولے۔

"مجھے دعائیں دے رہے ہیں بے چارے۔ رہنے دیں۔" ایس پی ہنس کر بولا۔

"کیا یہ درست ہے کہ تم یہاں کوئی سازش کرنے آئے تھے؟" تنویر صاحب بولے۔

"صحیح بات میرا بھائی بتائے گا۔" میں نے طالوت کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں۔ ہمیں شرم آتی ہے۔" طالوت نے دانتوں میں انگلیاں دبائیں اور ایس پی نے قہقہہ لگایا۔ دوسرے لوگ البتہ سنجیدہ بلکہ پریشان تھے۔

"ارے اس میں شرمانے کی کیا بات ہے۔" میں بولا۔

"تم ہی بتا دو۔" طالوت بھی موڈ میں آگیا تھا۔

"نہیں تم!"

"ہرگز نہیں تم۔" طالوت شرم سے دہرا ہو کر بولا اور ایس پی نے پستول کا رخ طالوت کی طرف کردیا۔

"سیدھے رہو۔ تمہاری کوئی حرکت کامیاب نہیں ہوگی۔"

"کیا مطلب؟" تنویر صاحب بولے۔

"تلاشی اچھی طرح لی ہے؟" ایس پی نے تنویر صاحب کی بات کا جواب دینے کے بجائے کہا۔

"جج۔ جی ہاں۔ جی ہاں۔"

"پھر یہ جھگڑنے کی کوشش کیوں کر رہا ہے؟"

"اور دیکھتا ہوں سر۔" انسپکٹر نے کہا اور پھر اس نے طالوت کی اچھی طرح تلاشی لی۔

"کچھ نہیں ہے۔"

"کیا یہ لوگ اتنے ہی خطرناک ہیں؟" تنویر صاحب بولے۔

"میں کسی وقت ان کی فائل لے کر حاضر ہوں گا' آپ

خود دیکھ لیں۔"

"اچھا۔" تنویر صاحب تعجب سے بولے۔

"تو اجازت؟" ایس پی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"نہ جانے کیوں دل دکھ رہا ہے۔"

"آپ نیک انسان ہیں' لیکن کبھی کبھی نیکیاں لے ڈوبتی ہیں۔ اچھا خدا حافظ۔ چلئے حضرات!" ایس پی نے کہا اور ہم شرافت سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ معاملہ اب ہمارے بس سے باہر تھا اس لیے کوئی فضول حرکت بیکار ہی تھی۔

باہر جیپ کھڑی تھی۔ ہمیں جیپ میں سوار کرا دیا گیا۔ تنویر صاحب اور کمال افسردہ تھے۔ تصدق مسکرا رہا تھا۔ جیپ اسٹارٹ ہو کر باہر نکل آئی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔

ہم دونوں کو لاک اپ میں بند کر دیا گیا لیکن صورت حال یہ تھی کہ لاک اپ کے چاروں طرف مسلح پولیس تعینات کر دی گئی تھی اور پولیس والے باقاعدہ ہم پر نگاہ رکھے ہوئے تھے۔

لاک اپ کی زمین پر بیٹھتے ہوئے میں نے گہری سانس لی اور نیم باز آنکھوں سے طالوت کی طرف دیکھنے لگا۔

"کیا خیال ہے بھائی خربوزہ!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھی جگہ ہے بھائی تربوزہ۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ یہاں بڑی مہمان نوازی ہوتی ہے۔"

"خوب! لیکن ابھی تک انہوں نے چائے کے لیے بھی نہیں پوچھا۔"

"پوچھیں گے' ضرور پوچھیں گے۔ اچھی طرح پوچھیں گے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تم بار بار کیوں ہنس رہے ہو؟"

"بس یار یونہی۔ ابھی میرا تماشہ ہوگا۔ ویسے یہ جگہ ہمیں راس نہیں آئی۔"

"کیا تماشہ ہوگا؟"

"میرا خیال ہے الٹا لٹکا دیں گے اور پھر مار لگائیں گے۔"

"بکواس مت کرو۔" طالوت غرایا اور میں مسکرانے لگا۔

اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے۔

رات ہو گئی تھی۔ کسی نے ہم سے بات بھی نہیں کی۔ نہ ہی اس دوران ہمارے لیے کھانے پینے کی کوئی چیز آئی تھی۔ صبح تک بھوکے رہے۔ صبح کو معمولی سا ناشتہ ملا' جسے ہم نے خاموشی سے زہر مار کر لیا۔

دوپہر ہو گئی اور پھر تقریباً چار بجے کا وقت تھا کہ پولیس کا پورا دستہ لاک اپ پر آ گیا اور ہمیں نکال کر ایک کمرے میں لے جایا گیا۔ یہاں بہت سے شناسا چہرے موجود تھے۔ ان میں بڑے بڑے افسر بھی تھے جو خصوصی طور پر آئے تھے۔

ایس پی نے انہیں رپورٹ پیش کی اور ڈی آئی جی نے گہری نظروں سے ہمیں دیکھا۔

"کیا تم دونوں بھائی ہو؟"

"ہاں!" ہم دونوں بیک وقت بولے۔

"لیکن حشمت برادرز سے غبن کرنے والے عارف کا تو کوئی بھائی نہیں تھا؟"

"وہ کوئی اور ہوگا!" طالوت بولا۔

"بکواس مت کرو۔ سنا ہے تم بہت زندہ دل ہو۔" ڈی آئی جی غرایا۔

"ہاں! ہم تو پورے زندہ ہیں' صرف دل کی بات تو نہیں ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"تم میں سے عارف کون ہے؟" ڈی آئی جی نے پوچھا۔

"ہم دونوں ہی عارف ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"مسٹر آفتاب!" ڈی آئی جی غراتے ہوئے بولا۔

"یس سر!"

"ان کا دماغ درست کرو۔"

"یس۔ یس سر!" آفتاب نے ایک انسپکٹر کو اشارہ کیا اور انسپکٹر نے طالوت کا گریبان پکڑ لیا پھر وہ اسے گھسیٹ کر ایک طرف لے گیا۔ میرے بدن میں اینٹھن ہونے لگی تھی۔

"عارف کون ہے؟ جواب دو۔" انسپکٹر نے کہا۔

"میں ہوں۔" طالوت نے سکون سے جواب دیا۔

"سچ کہہ رہے ہو؟"

"جھوٹ کیوں بولوں گا۔"

"اور اس کا نام کیا ہے؟" انسپکٹر نے میری طرف اشارہ کیا۔

"عارف!"

"پھر حرامی پن!" انسپکٹر نے ایک زناٹے دار تھپڑ طالوت کے گال پر رسید کر دیا اور میرے بدن میں بجلیاں دوڑ گئیں۔

"سنو!" میں نے غراتے ہوئے کہا "میں عارف ہوں۔"

"غلط۔ میں عارف ہوں۔" طالوت بولا۔

"نہیں۔ تم خاموش رہو۔ ہاں تو عارف میں ہوں۔"

"ارے واہ۔ کیوں خاموش رہوں۔ عارف تو میں

❋ "ٹیلی پیتھی" ایک صدیوں پرانا اور پراسرار علم۔

❋ "ٹیلی پیتھی" ایک ایسا علم جس کو سیکھ کر انسان ہر چیز حاصل کر سکتا ہے۔

❋ "ٹیلی پیتھی" ایک ایسا علم جس کی وجہ سے انسان پراسرار قوتیں حاصل کر سکتا ہے اور دوسروں کے ذہنوں پر حکومت کر سکتا ہے۔

ٹیلی پیتھی کے موضوع پر 2 نادر اور نایاب کتابیں

ٹیلی پیتھی اور مستقبل بینی

قیمت -/40 روپے | ڈاک خرچ -/23 روپے

ٹیلی پیتھی سیکھیے اپنے اور دوسروں کے مستقبل کو جانیے

ٹیلی پیتھی کی حیرت انگیز تحقیقات (باتصویر)

قیمت -/45 روپے | ڈاک خرچ -/23 روپے

ٹیلی پیتھی کے موضوع پر ہونے والے تمام نئی اور پرانی تحقیقات

ان کتابوں کو پڑھنے کے بعد آپ ٹیلی پیتھی کے لاتعداد فوائد اور اس کو سیکھنے کے آسان طریقے بھی جان سکیں گے۔

یاد رکھیں ٹیلی پیتھی سیکھنا مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔

کتاب منگوانے کیلئے کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ پیشگی منی آرڈر کے ذریعے روانہ کیجئے

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email: kitabiat@usa.net kitabiat1970@yahoo.com

ہوں، سمجھے۔ حشمت برادرز سے غبن میں نے کیا تھا اور سارے جرائم۔"

"براہ کرم، جھوٹ مت بولو۔ ڈی آئی جی صاحب! عارف میں ہوں۔"

"میں تم دونوں کو پھانسی دوں گا، سمجھے۔"

"سمجھ گئے۔ یہی ٹھیک رہے گا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"جہنم میں جاؤ، تم میں سے جو بھی عارف ہے۔ بتاؤ تم لوگ تنویر صاحب کے یہاں کیوں داخل ہوئے تھے؟"

"تنویر صاحب نے نہیں بتایا؟"

"کیا؟"

"یہی کہ ان کی محترمہ خود ہمیں اپنے گھر لائی تھیں۔"

"تم نے چال ہی ایسی چلی تھی کہ وہ تمہاری طرف متوجہ ہوں۔ تم جان بوجھ کر ان کے کمپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تھے اور افشاں کی ہم شکل لڑکی تمہارے ساتھ تھی۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"تمہارا پروگرام کیا تھا؟"

"میرا خیال ہے فضول باتوں سے پرہیز کیا جائے۔ ہمارے خلاف جو کرنا ہے کیا جائے۔" میں نے کہا۔

"خوب! تم ہمیں ہدایات دے رہے ہو۔ تمہارا پورا گروہ ہے یا تنہا ہو؟" ڈی آئی جی نے کڑک کر کہا۔

"گروہ ہے پورا۔ پچیس ہزار افراد پر مشتمل!" طالوت نے جواب دیا اور انسپکٹر نے پھر اس کا گریبان پکڑ کر اس کے ایک تھپڑ مارا۔ طالوت کے منہ سے خون نکل پڑا۔

"کھال کھینچ دو اس کی۔ مار مار کر بولنے کے قابل ہی مت چھوڑو۔ مارو۔" ڈی آئی جی شاید طالوت سے بہت ناراض ہوگیا تھا۔ انسپکٹر نے طالوت کے منہ پر دو گھونسے مارے اور طالوت کافی زخمی ہوگیا۔

"انسپکٹر!" میں انسپکٹر کی طرف دوڑا اور میرا گھونسہ انسپکٹر کے منہ پر پڑا۔ انسپکٹر اچھل کر دیوار سے ٹکرایا اور وہاں سے نیچے پھسل پڑا۔ تمام لوگوں نے پستول نکال لیے تھے اور مجھے اپنا گھونسہ یاد آگیا، طالوت کا یہ تحفہ ابھی تک میرے پاس موجود تھا۔

"پکڑلو اسے۔ پکڑلو۔" ڈی آئی جی دہاڑا اور بہت سے لوگوں نے دوڑ کر مجھے پکڑلیا پھر چاروں طرف سے لاتیں، تھپڑ اور گھونسے برسنے لگے۔ میں نیچے گر گیا تھا۔ دوسری طرف طالوت نے بھی جدوجہد شروع کردی اور اس کے ساتھ بھی وہی سلوک شروع ہوگیا۔

عجیب ہنگامہ شروع ہوگیا تھا۔

تب۔۔۔ اچانک ایک خوفناک گڑگڑاہٹ سنائی دی۔ دیواریں ہل گئی تھیں۔ سب لوگ دہشت زدہ ہوگئے اور پھر کمرے میں خوفناک تاریکی پھیل گئی۔ تیز ہواؤں کی آواز اور تاریکی۔ پھر نہ جانے کیسے رنگ پھیل گئے۔ عجیب سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی اور پھر یہ تاریکی میرے حواس پر پھیلتی گئی۔ ذہن عجیب سے انداز میں سو گیا تھا۔

اور پھر آنکھ کھلی تو عجیب سا محسوس ہوا۔ ذہن پر ایک خوشگوار کیفیت طاری تھی۔ بدن پھول کی طرح سبک سبک معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے چند ساعت چھت کو گھورا، ایک حسین فانوس روشن تھا پھر احساسات کچھ اور جاگے اور بدن کے نیچے گداز محسوس ہوا۔ میں نے گردن گھمائی۔ میرے برابر ہی طالوت سو رہا تھا۔ سفید سلک کے بستر، حسین لباس میں ملبوس۔ میرے بدن پر بھی وہی لباس تھا۔

"انہیں ہوش آگیا ہے مادر ملکہ!" ایک ترنم سنائی دیا اور میں چونک پڑا۔ میں نے جلدی سے دوسری طرف دیکھا۔ ایک حسین شکل نگاہوں کے سامنے تھی۔ قدیم طرز کے لباس میں۔ بڑا پُرسحر چہرہ تھا۔

اور اس کے بعد کسی کے لباس کی سرسراہٹ۔ کوئی میرے قریب پہنچ گیا۔ میری پیشانی پر پیار بھرا ایک ہاتھ آٹکا۔

"یوسف عبران!" ایک پیار بھری آواز سنائی دی اور میں نے سرہانے کھڑی معمر عورت کی طرف دیکھا۔ تب میرا دماغ گھوم گیا۔ یہ چہرہ جانا پہچانا تھا۔ یہ شکل۔ یہ شکل!

"عبران بیٹے!" عورت نے پھر پکارا اور میں اچھل پڑا۔

ہاں! یہ شکل میں نے اس وقت دیکھی تھی، جب میں حشمت برادرز کے یہاں سے لوٹی ہوئی رقم لے کر ٹرین سے سفر کر رہا تھا اور۔ اور پھر مجھے اغوا کرلیا گیا تھا۔ اوہ! یہ تو۔۔۔ یہ تو طالوت کی والدہ تھیں۔

میرا دماغ گھوم گیا۔

"کیسی طبیعت ہے میرے لعل؟" عورت کی آواز میں بے پناہ پیار تھا۔

"میں۔ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں ماں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ایں؟" بوڑھی عورت کی آواز سنائی دی۔

"ہاں۔ میں آپ کا عبران نہیں ہوں۔ آپ کا بیٹا وہ ہے۔" میں نے طالوت کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ ہے۔" عورت آہستہ سے بولی اور پھر اس نے

سوتے ہوئے طالوت کا سینہ کھول کر دیکھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ اس نے طالوت کا سینہ دیکھا اور پھر مسکرانے لگی۔

"تم بھی۔ تم بھی میرے بیٹے ہو۔ میرے بچے۔ تم بھی میرے عبران کے ہم شکل ہو، اتنے ہم شکل کہ ماں بھی دھوکا کھا گئی مگر عبران کو کیا ہوا ہے؟"

اب میں کیا جواب دیتا، میرا تو دماغ گھوم گیا تھا۔ یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

میں دیوانوں کی طرح منہ پھاڑے مہربان عورت کو دیکھ رہا تھا۔ طالوت ابھی تک یا تو بے ہوش تھا یا گہری نیند سو رہا تھا۔ مادر ملکہ کی نگاہیں ہم دونوں کو بار بار دیکھ رہی تھیں پھر انہوں نے قریب کھڑی ہوئی کنیز کو مخاطب کیا۔

"شبنمی۔ ذرا دیکھو تو۔ اگر سینے کا نشان نہ دیکھو تو کیا تم شناخت کرسکتی ہو کہ ان میں سے یوسف عبران کون ہے؟"

"سخت مشکل ہوگی مادر ملکہ!" شبنمی نے جواب دیا۔

"ارے لیکن میرا عبران ابھی تک کیوں نہیں جاگا۔ اسے جگاؤ شبنمی۔" مادر ملکہ نے کہا۔

"آشاتا! جاؤ، جلدی سے پرسیدانہ لاؤ۔ جلدی جاؤ۔"

"ابھی لائی۔" ایک دوسری کنیز نے مستعدی سے کہا اور ایک طرف دوڑ گئی۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے میرے لعل؟" ملکہ میری طرف مخاطب ہو کر میری بولی۔

"ہاں، میں اب ٹھیک ہوں مادر مہربان!" میں نے جواب دیا۔

"لیکن میرے عبران کے چہرے پر یہ زخم کیسے ہیں، خدارا مجھے ان زخموں کی روداد سناؤ۔" ملکہ نے بے چینی سے کہا۔

"کچھ لوگوں نے آپ کے یوسف عبران کو مارا ہے۔"

"زمین کے انسانوں نے؟" ملکہ غضب ناک ہو کر بولی۔

"ہاں۔"

"شبنمی!" ملکہ نے غصے سے لرزتی آواز میں شبنمی کو پکارا۔

"مادر ملکہ۔" شبنمی نے لرزتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیے۔

"شمشان کو بلاؤ۔"

"جو حکم۔" شبنمی بھی باہر دوڑ گئی۔ ملکہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ اتنی دیر میں آشاتا ایک سفید پرلے آئی۔ ایسا حسین پرتھا کہ میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا۔ ملکہ نے طالوت کی طرف اشارہ کیا۔ اور آشاتا وہ پر طالوت کے چہرے سے رگڑنے لگی۔ چند ہی لمحات گزرے تھے کہ طالوت کو ایک چھینک آئی اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

اور آنکھیں کھولتے ہی اس نے آواز لگائی "عارف۔۔۔!"

"میں یہاں ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"بھاگ چلو۔ گڑبڑ ہوگئی۔"

"کیا ہوا؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے آگئے۔" طالوت بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"کون آگئے؟"

"بڑے میاں۔"

"ہوش میں آؤ طالوت۔ دیکھو تو سہی تم کہاں ہو۔" میں نے کہا اور طالوت خاموش ہوگیا۔ اب پہلی بار اس نے ارد گرد کے ماحول کو دیکھا تھا اور پھر اس نے جلدی سے آنکھیں میچ لیں۔

"عارف۔۔۔!" وہ مضحکہ خیز آواز میں بولا۔

"ہاں طالوت؟"

"مارے گئے بیٹے۔ یہ تو اپنا ہی قبیلہ معلوم ہوتا ہے۔"

"یوسف عبران!" مادر ملکہ نے اسے آواز دی اور طالوت نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں پھر اس نے ماں کی طرف دیکھا اور پھر اچھل پڑا۔

"ماں۔" دوسرے لمحے اس نے مستعدی سے مسہری سے چھلانگ لگادی اور مادر ملکہ سے لپٹ گیا۔

"میرے بچے۔ میرے جگر کے ٹکڑے۔" مادر ملکہ نے بھی اسے بازوؤں میں بھینچ لیا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ طالوت بھی سنجیدہ ہوگیا تھا۔ کئی منٹ کے بعد دونوں علیحدہ ہوئے تھے۔

"تجھے میری یاد کبھی نہیں آئی میرے لعل۔" ملکہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"بار بار۔ مگر تمہاری تصویر میرے دل میں تھی، جب چاہتا دیکھ لیتا تھا۔" طالوت نے فوراً جواب دیا۔

"مجھ تجھ سے بڑی شکایت ہے عبران۔ میں تیرے لیے تڑپتی تھی۔"

"کیوں ماں؟"

"میری آنکھیں تیری صورت کو ترستی تھیں۔"

"کیوں۔ کیا تمہارے دل میں میری تصویر نہیں تھی؟" طالوت نے اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"ماں سے چالاکی کی باتیں کرتا ہے عبران۔ کاش تو ماں

کاول دیکھ سکتا۔"

"مجھے معاف کردو مادر مہربان۔ لیکن تم نے بھی تو میری خواہش پوری نہیں کی تھی۔"

"تو جانتا ہے قصور میرا نہیں۔"

"اباحضور بہت سخت گیر ہیں۔"

"اور ان کی سخت گیری کی سزا تو نے مجھے دی۔ کیوں؟"

"میں معافی مانگ چکا ہوں۔"

"اب تو نہ جائے گا مجھے چھوڑ کر؟" ماں نے پوچھا۔

"ماں۔ میں نے نیچے کی دنیا میں رہ کر جھوٹ بولنا سیکھ لیا ہے۔ یہاں مجھ سے کوئی ایسا وعدہ نہ لو کہ مجھے جھوٹ بولنا پڑے۔ میرا دل ابھی اس دنیا سے نہیں بھرا ہے۔" طالوت نے صاف گوئی سے کہا۔

"اوہ۔" ماں نے سر جھکالیا۔ اتنی دیر میں شبنمی واپس آگئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک خوفناک شکل کا دیو قامت شخص تھا۔ ملکہ اسے دیکھتے ہی غضب ناک لہجے میں بولی "شمشان' جاؤ زمین پر معلوم کرو میرے بچے کو کس نے مارا ہے۔ اس کے خاندان کو نیست و نابود کردو۔ ایسی سزا دو اسے کہ مرنے کے بعد بھی یاد رکھے۔ جاؤ۔"

"جو حکم مادر ملکہ۔" شمشان نے سر جھکا دیا۔

"ارے ارے' ٹھہرو شمشان۔ ٹھہرو۔" طالوت بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا اور شمشان رک گیا "ماں۔ ان کاموں کو تم رہنے دو۔ زمین کے حالات بہت الجھے ہوئے ہیں۔ براہ کرم ان معاملات میں تم دخل نہ دو۔"

"نہیں عبران۔ میں تمہارے زخم نہیں دیکھ سکتی۔ اس کی جرات کیسے ہوئی تجھے۔"

"بات کچھ اور تھی ماں۔ خدارا میری بات مانو۔ میں تمہیں سب کچھ بتادوں گا۔ شمشان! تم جاؤ' آرام کرو۔"

"کیا حکم ہے ملکہ عالیہ؟" شمشان نے پوچھا۔

مادر ملکہ کچھ دیر تک طالوت کو دیکھتی رہی پھر اس نے دھیمے لہجے میں کہا "جب عبران تیار نہیں ہے تو رہنے دو۔"

"جو حکم۔" شمشان نے گردن جھکائی اور واپس چلا گیا۔

"بال بال بچ گئے مسٹر عارف۔ خیر کیا یاد کریں گے۔" طالوت میری طرف دیکھ کر بولا۔

"شبنمی!" ماں نے پھر آواز دی۔

"جی ملکہ عالیہ۔"

"یوسف عبران کے زخموں پر مرہم لگاؤ۔ تم نقاہت تو نہیں محسوس کررہے میرے بچے۔" ماں کے لہجے میں بے قراری تھی۔ میں اس سے بہت متاثر ہوا۔

"اوہ' بالکل نہیں ماں۔ انسانوں کی زمین پر تو یہ زخم عام ہیں۔ کوئی انسان آپ کو زخموں سے خالی نظر نہیں آئے گا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"جہنم میں جائیں سارے کے سارے۔ انہوں نے تمہارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟"

"وہ سب ایک دوسرے کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں۔ یہ ان کا دلچسپ مشغلہ ہے۔"

"اتو کھا مشغلہ ہے اور تجھے ایسے لوگوں سے دلچسپی ہے۔"

"دلچسپی اپنی جگہ ہے ماں۔ بہرحال وہاں ایسے ایسے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں جو ہماری دنیا میں نہیں ہوتے۔"

"اور تو ان کے درمیان رہنا چاہتا ہے۔ دل نہیں اکتاتا تیرا ان سے؟"

"وہ دنیا ایسی ہی ہے ماں۔ کون ہے جسے دکھ نہیں ہے لیکن وہ دنیا چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہے۔ یہ اس دنیا کی خوبی ہے ماں۔"

"نہ جانے تجھے کیا ہوگیا ہے میرے بچے۔" مادر ملکہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر میری طرف دیکھتے ہوئے بولیں "یہ وہی بچہ ہے جسے پہلے تیرے دھوکے میں لے آیا گیا تھا؟"

"ہاں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیا تجھے بھی یہ دنیا پسند نہیں آئی میرے بچے؟" مادر ملکہ نے مجھ سے پوچھا۔

"یہ سکون کی دنیا عظیم ہے ماں۔ میری دنیا میں یہ سکون کہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"اس کے باوجود یہ اس دنیا میں خوش نہیں رہے گا۔ یہ زندگی میں ہنگامے چاہتا ہے۔ اس کا دل اپنی دنیا ہی میں لگے گا۔" طالوت نے جلدی سے جواب دیا۔ وہ مجھے گھور رہا تھا۔

"کیوں میرے بچے۔ کیا عبران ٹھیک کہہ رہا ہے؟"

"جی۔ ماں۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔

"عجیب بات ہے۔ عجیب ہو تم دونوں۔"

شبنمی آگئی اور طالوت کے زخموں پر مرہم لگا دیا گیا۔

"بابا حضور خیریت سے ہیں ماں؟"

"ہاں ٹھیک ہیں۔ لیکن تیری جدائی سے خوش نہیں تھے۔"

"مجھ سے تو ناراض ہوں گے۔"

"ہاں۔"

"میرے بارے میں اطلاع کس نے دی؟"

"اسی بے چین راسم نے۔ نہ جانے کیوں وہ تیرا ساتھ چھوڑ کر واپس آگیا تھا۔"

"اوہ۔ آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"نہیں۔ شاید شہنشاہ اعظم نے راسم کو منع کردیا تھا۔"

"شبنمی۔" اس بار طالوت نے کنیز کو آواز دی۔

"شہزادے حضور۔" شبنمی نے آگے آکر گردن جھکا دی۔

"راسم کو تلاش کرکے لا۔ جلدی۔"

"ابھی آئی شہزادے حضور۔" شبنمی جلدی سے باہر نکل گئی۔ مادر ملکہ پھر بیٹھ گئی تھیں۔ ایک انتہائی خوش ذائقہ مشروب سے ہماری تواضع کی گئی۔ اس مشروب کو پینے کے بعد بدن میں قوت آگئی تھی اور طبیعت بڑی ہلکی محسوس ہونے لگی تھی۔ تقریباً دس منٹ کے بعد راسم آگیا۔ آتے ہی وہ طالوت کے قدموں سے لپٹ گیا تھا۔

"میرے آقا۔ میرے شہزادے۔" وہ طالوت کے پیروں سے منہ رگڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"چھوڑیار۔ تو بھی بس یونہی نکلا۔"

"میری مجبوریوں پر نگاہ کریں شہزادے۔ میری مجبوریوں کو نظر انداز نہ کریں۔ آپ کو کیا معلوم' راسم پر دن رات کس طرح گزرے ہیں۔ راسم تو کسی لمحے آپ سے دور نہیں رہا۔"

"ہماری کوئی مدد بھی نہیں کرسکتا تھا؟"

"شہنشاہ حضور نے سختی سے منع کردیا تھا کہ میں آپ کے معاملے میں ٹانگ نہ اڑاؤں۔" راسم نے گردن جھکا کر کہا۔

"پھر ہمیں یہاں کیوں لایا گیا؟" طالوت نے ناگواری سے کہا۔ اس بات کا راسم نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"اباحضور نے ہمارے ساتھ ہمیشہ سختی کا سلوک کیا ہے ابھی۔ آپ زمین کے لوگوں کو سزا دینے پر تلی ہوئی ہیں۔ کیا میرے بارے میں آپ ابا حضور سے بات نہیں کرسکتیں؟" طالوت نے کہا۔

مادر ملکہ خاموشی سے سر جھکائے سوچتی رہیں پھر انہوں نے گہری سانس لے کر کہا "راسم۔ ہمیں حقیقت بتاؤ۔"

"کیا عرض کروں ملکہ حضور۔ آپ جانتی ہیں کہ میں اس وقت سے یوسف عبران کا خادم ہوں' جب ان کی اور میری عمر تین سال تھی۔ یوسف عبران نے مجھے کبھی خادم نہیں سمجھا اور ایک دوست کا درجہ دیا۔

چنانچہ جب وہ زمین پر گئے تو میں ان کے ساتھ تھا۔ اس طرح میں بھی شہنشاہ کی نگاہوں میں معتوب تھا۔ حالات درست چلتے رہے لیکن پھر ایک بدمعاش سادھو نے چالاکی سے عبران کو آگ میں گرا دیا اور ان کی ساری قوتیں سلب ہوگئیں۔ یہ عام انسان رہ گئے۔ چنانچہ اب میری آواز ان کے کانوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔

پھر جب یہ مزید پریشانیوں میں پھنسے تو میں مجبوراً شہنشاہ کے حضور حاضر ہوا۔ میں نے درخواست کی کہ شہزادے کی مدد کی جائے۔ تو شہنشاہ حضور نے مجھے قید کردیا۔ انہوں نے کہا کہ میں بھی ان کا نافرمان ہوں۔

طویل عرصے کے بعد یہ قید ختم ہوئی اور مجھے یوسف عبران کے حالات معلوم کرنے کی ہدایت کی گئی۔ سو میں نے زمین پر دیکھا کہ چند لوگ ان کے ساتھ سختی کررہے ہیں۔ میں نے شہنشاہ کو اطلاع دی تو انہوں نے کچھ لوگوں کو بھیج کر انہیں یہاں بلایا۔"

"ہوں۔" ملکہ نے گردن ہلائی پھر بولیں "تم کیا چاہتے ہو عبران؟"

"کچھ نہیں ماں۔ میں زمین کی سختیاں برداشت کرنے کو تیار ہوں' میں وہاں جاؤں گا ضرور۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم کچھ توقف کرو۔"

"نہیں مہربان ماں۔"

"آخر کیوں؟"

"زمین کے حالات میں' میں نے وہاں کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کیا ہے۔ میری بھی زبان ہے۔"

"تم ان لوگوں کی نشان دہی کردو۔ وہاں ان کی امداد کی جائے گی۔"

"مجھے قبول نہیں۔"

"تم اپنے باپ کی مانند ضدی ہو۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں۔"

"خیر۔ ہم شہنشاہ سے گفتگو کریں گے۔"

"اور وہ گفتگو میرے حق میں ہوگی۔"

"ماں سے غلط توقع رکھتے ہو۔"

"ہرگز نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

کافی دیر تک ملکہ عالیہ ہم دونوں سے گفتگو کرتی رہیں اور پھر وہ کنیزوں کو ہماری خبر گیری کی ہدایت کرکے چلی گئیں۔ طالوت نے ایک گہری سانس لے کر میری طرف دیکھا "جی۔" وہ آہستہ سے بولا۔ میں نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا "فرماں برداری کے سارے ریکارڈ آپ یہیں نہ توڑیں۔ کیا سمجھے؟"

"کچھ نہیں سمجھایا یار۔" میں نے بے بسی سے کہا۔
"آپ نے ملکہ کی بات سے کوئی اختلاف نہیں کیا۔ بلکہ اس سکون کی دنیا میں بھی رہنے پر آمادہ تھے۔"
"یار طالوت' خدا کے واسطے ان معاملات سے مجھے جس قدر دور رکھ سکو' رکھنا۔ میں نے زندگی میں کبھی ماں نہیں دیکھی۔ ماں کی آنکھوں سے چھلکتی ہوئی ممتا مجھے مفلوج کردیتی ہے۔ میں بائولہ ہو کر رہ جاتا ہوں۔ مجھ سے کوئی بات کرائی تو وہ غلط ہی ہوگی۔"
"ٹھیک ہے بھائی! میں اکیلا ہی پھنسا ہوا ہوں۔"
"مگر اب ہوگا کیا؟"
"طوفان آئے گا' گرج چمک ہوگی' نتیجہ اس کے بعد ہی ظاہر ہوگا۔"
"خدا محفوظ رکھے۔ حالات غلط رخ بھی اختیار کرسکتے ہیں۔"
"نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم پروا نہ کرو۔ آخر میں وہی ہوگا جو میں چاہتا ہوں۔ ہاں ایک امید بندھ گئی ہے۔"
"کیا؟"
"اگر حالات موافق ہوگئے تو ممکن ہے میری بادشاہت مجھے مل جائے۔"
"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" میں نے خلوص دل سے کہا اور پھر ہم دونوں خاموش ہوگئے۔ ہماری تکلیف ایسی نہیں تھی کہ ہم بستر پر پڑے رہتے لیکن بہرحال ماں کا حکم تھا اس لیے ہمیں رات تک بستر پر رہنا پڑا۔
ہاں رات کو ملکہ عالیہ بہ نفس نفیس ہمارے پاس آئیں۔
"کیسے ہو بچو؟" انہوں نے پوچھا۔
"ماں کی دعا ہے۔" میں نے جواب دیا۔
"کھانے کے کمرے میں چل سکو گے؟"
"ہم بالکل ٹھیک ہیں ماں۔ صرف آپ کے حکم سے بستروں پر رہے ہیں۔"
"شکر ہے خدائے قدوس کا۔"
"ماں!" طالوت آہستہ سے بولا۔
"ہوں۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"بابا حضور سے گفتگو ہوئی؟"
"ہاں۔"
"کیسا موسم ہے؟"
"بہت خراب۔"
"اوہ' پھر میں کھانے کے کمرے میں نہیں جاؤں گا۔" طالوت جلدی سے بولا۔
"نہیں۔ چلو تو بہتر ہے۔ بہرحال تمہیں ان کا سامنا کرنا ہے۔ یوں بھی وہ تم سے ملنے کے لیے بے چین ہیں۔"
"عارف!" طالوت نے مجھے پکارا۔
"جی۔" میں آہستہ سے بولا۔
"میرے لیے ایک کام کرسکتے ہو؟"
"کرسکتا ہوں۔" میں نے مستعدی سے کہا۔
"پہلے کام سن لو' پھر فیصلہ کرنا۔ معمولی کام نہیں ہے۔" طالوت نے مسخرے انداز میں کہا۔
"دل چاہے سنا دو۔ بہرحال میں آمادگی کا اظہار کرچکا ہوں۔" میں نے پرسکون سے کہا۔
"تو میرے بھائی! کام یہ ہے کہ ہم دونوں یکساں لباس پہن کر بابا حضور کے سامنے جائیں گے۔ ابتدا ان کے غصے سے ہوگی' وہ وقت تم ان کے سامنے گزارنا۔ اور جب ان کا غصہ اتر جائے تو بتا دینا کہ تم یوسف عبران نہیں بلکہ عارف ہو۔"
ملکہ ہنس پڑیں "بڑے خود غرض دوست ہو عبران! دوست کے سر مصیبت ڈالنا چاہتے ہو۔"
"ہم لوگ اپنی مصیبتیں تقسیم کرلیتے ہیں ماں۔ کچھ مصیبتیں برداشت کرنے میں' میں ماہر ہوں اور کچھ میں عارف۔ اب یہ مصیبتوں کی نوعیت ہوتی ہے کہ کون' کون سی مصیبت آسانی سے برداشت کرسکتا ہے۔"
"اچھا۔ شرارت نہیں' جلدی تیار ہو جاؤ۔"
"ماں' خدا کے واسطے مجھے اس منزل سے گزر جانے دو۔ عارف میری مدد پر آمادہ ہے' تم اسے نہ روکو۔"
"یہ تو سوچو عبران کہ وہ ہمارا مہمان ہے۔"
"بعد میں سوچ لیں گے۔" طالوت شرارت سے بولا۔
"بھئی جیسی تم لوگوں کی مرضی۔ تمہارا دوست ہے' تم جانو۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ مارا "تیار ہو جاؤ استاد!"
"تیار ہوں بھائی۔ ایک بات کا وعدہ کرو' قربانی سے پہلے کی دعا یاد ہے تمہیں۔"
"بالکل بالکل' تمہاری قربانی حلال ہوگی' پروا مت کرو۔"
"اچھا' تم لوگ تیار ہو کر آجاؤ۔ میں کھانے کے کمرے میں تمہاری منتظر ہوں۔" ملکہ نے کہا اور باہر نکل گئیں۔
"آپ وعدہ کرچکی ہیں ماں کہ آپ اس معاملے میں خاموش رہیں گی۔" طالوت چیخ کر بولا۔

اس کے بعد ہم تیاریاں کرنے لگے۔ ہم دونوں نے یکساں لباس پہنا' مشاطاؤں نے ہمیں سنوارا اور پھر ہم دونوں شبنمی کے ساتھ کھانے کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ طالوت کی نہ جانے کیا کیفیت ہو' حالت میری بھی خراب تھی۔ کھانے کے کمرے میں شہنشاہ موجود تھے۔ قہر و غضب کا پیکر' کشادہ پیشانی پر بل' بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی۔ دیکھ کر ہی حالت خراب ہوتی تھی۔
لیکن ہم دونوں کو یکساں دیکھ کر تھوڑی سی الجھن صاف محسوس کی گئی اور پھر میری بدبختی کہ مخاطب بھی مجھے ہی کیا گیا۔
"ادھر آؤ۔ بیٹھو۔" بادلوں کی گرج الفاظ میں ڈھل گئی۔ مجال تھی جو نہ بیٹھتا "نالائق ہو' احمق ہو' بولو ہو' اعتراف کرو۔"
"جی۔" میں نے سہمے ہوئے انداز میں جواب دیا۔
"مجھے احمق سمجھتے ہو؟"
"نہیں نہیں۔" میں جلدی سے بولا۔
"دشمن ہوں تمہارا؟"
"ہرگز نہیں۔"
"پھر تم نے مجھ سے فریب کیوں کیا؟ مجھ سے نافرمانی کیوں کی؟ کیا میں تمہیں سزا نہیں دے سکتا؟" میں خاموش رہا "دیکھ لیا اس دنیا کو جو تمہاری نگاہوں میں بہت خوب صورت تھی۔ کیسا پایا؟ کیا اب بھی وہ تمہارے لیے دلکش ہے؟"
"میں نے۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔" میں نے آہستہ سے جواب دیا۔
"پھر کس نے کیا۔ بولو۔ پھر کس نے کیا؟ میں نے۔۔۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ تم چلے جاؤ۔" شہنشاہ پر جلال انداز میں بولے۔
"جی وہ۔۔۔ وہ۔۔۔" میری حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔
"بس۔ بکواس بند کرو۔ تم نہایت نافرمان ہو۔ تم نے حکم عدولی کی ہے۔ تم نے تلاش کرنے والوں کو بے وقوف بنایا ہے۔ تم نے وہ کچھ کیا ہے جو تمہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔"
میں خاموش ہوگیا۔ شہنشاہ نے غصے میں بہت کچھ کہا اور پھر ان کا غصہ ٹھنڈا ہونے لگا۔ وہ نرم ہوگئے اور پھر انہوں نے دوسرے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کھانا شروع کرو۔"
اور سب خاموشی سے کھانے میں مشغول ہوگئے۔
کھانا نہایت خاموشی سے کھایا گیا۔ کھانے کے بعد شہنشاہ بالکل پرسکون تھے۔
"وہ کون تھا جس نے تمہاری قوتیں چھین لیں؟"
"جی۔ میری۔" میں نے پھر گھبرائے ہوئے انداز میں کہا۔
"اور وہ کون تھے جو تمہیں اذیت دے رہے تھے۔ کیا چاہتے تھے وہ تم سے؟" شہنشاہ نے پوچھا۔
"کب تک وہ غریب ہدف ملامت رہے گا؟" بالآخر ملکہ سے میری حالت نہ دیکھی گئی۔
"کیا مطلب؟"
"ہمارے یہاں' اس سے قبل مہمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا گیا۔" ملکہ نے کہا۔
"آپ کی بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی ملکہ۔ یہ مہمان کہاں سے آیا؟"
"یہ مہمان ہی ہے۔"
"کیوں۔ کیا یہ پھر وہیں جانے کا ارادہ رکھتا ہے؟"
"یہ بے چارہ تو کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔" ملکہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"پھر مہمان کیوں؟"
"اس لیے کہ اس کا نام عارف ہے۔"
"کیا مطلب؟" شہنشاہ چونک پڑے۔
"اپنے بیٹے کو بھی نہیں پہچانتے آپ۔ اپنے خون کی بو بھی نہیں محسوس کرسکتے۔ کیسے باپ ہیں۔"
"کیا۔ کیا مطلب ہے اس بات کا۔ کون ہو تم؟" اس بار شہنشاہ نے براہ راست مجھ سے سوال کیا۔
"عارف۔۔۔" میں ملکہ کی بات نہیں جھٹلا سکتا تھا۔
"اور عبران۔ وہ۔۔۔ وہ ہے۔" شہنشاہ حیرت سے بولے۔
"جی۔" میں نے جواب دیا اور شہنشاہ بے ساختہ مسکرا پڑے پھر وہ سنجیدہ ہو کر کھڑے ہوگئے۔
"اور۔۔۔ اور یہ باغی خاموش بیٹھا رہا۔"
"بابا حضور۔" طالوت دوڑ کر شہنشاہ کے قدموں سے لپٹ گیا "اب آپ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا ہے۔ دوبارہ ایسے آواز نہ دیں' دوبارہ ناراض نہ ہوں بابا حضور!"
"ارے احمق۔ میں اس بچے کو بلا وجہ۔"
"کوئی حرج نہیں ہے۔ میں نے اسے پہلے ہی تیار کرلیا تھا۔"
"معاف کرنا بیٹے۔ میں نے تمہیں۔۔۔ معاف کرنا۔" شہنشاہ نرم لہجے میں بولے۔

"جی۔ کوئی بات نہیں ہے۔"

"مگر تم نے بھی تو نہیں بتایا۔ افوہ' تم دونوں اس قدر ہم شکل ہو کہ ہم دھوکا کھا گئے۔" شہنشاہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"کوئی بات نہیں ہے بابا حضور' وہ فراخ دلی سے کہہ رہا ہے۔" طالوت بولا۔

"تم نہایت نالائق ہو۔ کیا سمجھے۔" شہنشاہ اسے اٹھا کر سینے سے لگاتے ہوئے بولے اور پھر وہ میری طرف رخ کر کے بولے "آؤ۔ تم بھی ہمارے سینے سے لگ جاؤ۔ تم ہمارے ہی بیٹے ہو۔ تمہاری سعادت مندی سے ہم بہت خوش ہوئے' لیکن بیٹے! تم درمیان میں بول کیوں نہیں پڑے کہ تم عبران نہیں ہو۔"

"بول کیسے پڑتا' تمہارے شریر بیٹے نے اس سے کہہ دیا تھا۔"

"کیا؟"

"یہی کہ اس کے بدلے ڈانٹ وہی سن لے۔"

"اوہ' اس کا مطلب ہے کہ عبران کا ہم شکل اعلیٰ ظرف کا انسان اور ایک اچھا دوست ہے۔" شہنشاہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"اور کیا' کیا آپ کا بیٹا زمین کی گندے انسانوں کو دوست بناتا پھرے گا بابا حضور۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"بس تم نہایت نالائق ہو۔"

"راسم کو بلائیں بابا حضور اور اس سے معلوم کرلیں کہ میں نے زمین پر کتنی نالائقیاں کی ہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں دوبارہ زمین پر واپس جانا چاہتا ہوں بابا حضور!" طالوت نے کہا۔

"میرے غصے کو آواز نہ دو عبران۔"

"میرا جانا ازحد ضروری ہے بابا حضور۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ جو کام میں نے وہاں شروع کیے ہیں' وہ ادھورے پڑے ہیں۔"

"کیسے کام؟"

"انسانیت کی فلاح کے کام۔ راسم آپ کے سامنے جھوٹ بولنے کی جرات نہیں کرسکتا۔ اس سے پوچھئے زمین پر جاکر میں نے کیا کیا ہے۔ میں نے اپنی قوتوں سے تعمیری کام کیے ہیں۔ میں نے زمین پر سسکتے ہوئے انسانوں کے دکھ دور کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کیا بابا حضور.... اور ابھی بہت سے ایسے ہیں جنہیں میری ضرورت ہے۔"

"عبران بیٹے' زمین بہت وسیع ہے۔ اس کے رہنے والے عجیب ہیں۔ انہوں نے اپنے لیے خود مسائل پیدا کیے ہیں۔ تاریخ اٹھا کر دیکھو۔ زمین کیا تھی؟ اس کے رہنے والے کس قدر پرسکون تھے۔ آسمان سے رزق اترتا تھا' انہوں نے وہ رزق کھو دیا اور اپنے لیے گوناگوں دشواریاں پیدا کرتے رہے۔ تم ان میں سے کس کس کا دکھ بانٹو گے۔ دنیا تو دکھوں کی آبادی ہے۔"

"جس قدر بھی ہوسکے بابا۔ جو بھی سامنے آجائے' آپ کا کہنا ٹھیک ہے۔ انسانوں نے خود اپنی مٹی پلید کی ہے لیکن ان میں بہت سے ایسے بھی ہیں جو بے گناہ ہیں۔"

"ٹھیک ہے' لیکن یہ ہمارا کام نہیں ہے بیٹے۔"

"آپ نے مجھے تعلیم تو یہی دی ہے بابا حضور کہ جس قدر نیکیاں سمیٹ سکتے ہو' سمیٹ لو۔ وہ صرف تمہاری کوشش ہوگی اور تمہارے کام آئے گی۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں' یہ ٹھیک ہے۔ لیکن کیا نیکیاں کی ہیں تم نے زمین پر؟" شہنشاہ کے انداز میں پھر جھلاہٹ پیدا ہونے لگی تھی۔ طالوت نے ان کی خوب گرفت کی تھی اور وہ لاجواب ہوگئے تھے۔

"نیکیاں گنائی نہیں جاسکتیں بابا حضور۔ بس اتنا عرض کروں گا کہ جو سرعام رسوا ہونے والے تھے' میں نے انہیں رسوا نہ ہونے دیا۔ جو سفاک اور ظالم انسان کی قید میں تلملا رہے تھے' میں نے انہیں ان کی قید سے چھڑایا۔ آپ کو اگر اپنے دیے ہوئے سبق پر اعتماد ہے تو آپ سمجھ لیں کہ میں نے مظلوم کو نظرانداز نہیں کیا۔"

"لیکن عبران بیٹے۔۔۔"

"اور آج بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی آنکھیں میری طرف لگی ہوئی ہیں۔ ان کا رواں رواں مجھے پکار رہا ہوگا۔ میرا انتظار کررہا ہوگا۔"

"کون ہیں وہ۔۔۔؟"

"وہ جنہیں میں نے امداد کی آس دلائی ہے۔"

"لیکن یہ دنیا۔ میرا مطلب ہے۔" شہنشاہ زیر ہوتے جارہے تھے۔

"آپ کی دنیا سکون کی دنیا ہے۔ آپ نے اپنی دنیا کو سکون دینے کے لیے اپنی زندگی وقف کردی ہے۔ میں اس بے سکون دنیا کے چند لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں تو آپ مجھے روک رہے ہیں بابا حضور۔ آپ مجھے منع کررہے ہیں۔"

"میں نے کب منع کیا؟" شہنشاہ جھلا کر بولے۔

"پھر یہ برہمی کیوں ہے۔ یہ ناراضگی کیوں ہے؟"

"کیا میں تیرا باپ نہیں ہوں؟"

"بفضل تعالیٰ۔ میں ایک اعلیٰ نسب کا بیٹا ہوں۔"

"یہ تیری ماں نہیں ہیں؟"

"ہیں بابا حضور۔"

"ہمیں تیری ضرورت نہیں ہے۔ ہم تجھے نہیں دیکھنا چاہتے؟"

"آپ کی محبت سر آنکھوں پر۔ لیکن کیا آپ کو اس بات پر مسرت نہیں ہوتی کہ آپ کا بیٹا دکھی انسانیت کی خدمت کرکے اپنا فرض انجام دے رہا ہے۔"

"دنیا میں جاکر تو نے اور جو کچھ بھی کیا ہو عبران' بہرحال تو چرب زبان ضرور ہوگیا ہے۔ باتیں بہت اچھی بنالیتا ہے۔" بالآخر شہنشاہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں نے جو کچھ کہا ہے' ٹھیک کہا ہے۔"

"لیکن عبران' ہمارا کیا ہوگا؟"

"اگر آپ بخوشی مجھے اجازت دے دیں تو میں ایک تجویز پیش کرسکتا ہوں ماں۔"

"کیسی تجویز؟" شہنشاہ نے کہا۔

"میں دنیا کے کسی بھی حصے میں ہوں' ہر ماہ کی دو راتیں اپنی دنیا میں گزاروں۔"

"اوہ۔" شہنشاہ نے گھور کر اسے دیکھا "کافی چالاک ہوگیا ہے یہ ملکہ۔"

"ہاں۔ میں نے محسوس کیا ہے۔"

"پھر آپ کا کیا مشورہ ہے؟" شہنشاہ نے پوچھا۔

"اس کی تجویز مناسب معلوم ہوتی ہے۔"

"تو سنو یوسف عبران۔ جس روز چاند ڈوبے' تم یہاں پہنچ جاؤ۔ چاند کی ڈوبنے والی رات اور نکلتے چاند کی رات تم یہاں گزارو گے اور سختی سے اس وعدے کی پابندی کرو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تب میں تمہیں اس دنیا میں جانے کی اجازت دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ بابا حضور۔ براہ کرم ہم دونوں کو وہیں پہنچوا دیں جہاں سے اٹھوایا تھا۔" طالوت بولا۔

"کیوں؟ وہ لوگ تو تمہارے ساتھ زیادتی کررہے تھے۔"

"اگر وہاں نہ پہنچے اور دوبارہ پکڑے گئے تو وہ لوگ اس سے زیادہ زیادتی کریں گے' بڑے خطرناک لوگ ہیں۔"

"مگر پکڑے ہی کیوں جاؤ گے؟"

"اس لیے بابا حضور۔ کہ اب میں بھی ایک عام انسان سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔"

"اوہ' وہ کون تھا جس نے تمہیں آگ میں ڈالا تھا؟"

"ایک ہندو سادھو۔ تاکا!"

"کیا وہ زندہ ہے؟"

"نہیں۔ اسے میرے ہم شکل دوست نے قتل کردیا۔"

"انسان بہرحال انسان ہے' اشرف المخلوقات۔ دیکھ لو تم سے وہ نہ ہوا جو اس نے کر دکھایا۔ بہرحال پیرابوز اس کے پاس چلے جاؤ' وہ تمہاری مدد کریں گے۔" شہنشاہ نے کہا اور طالوت نے اٹھ کر ان کے ہاتھوں کو بوسے دیے۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم وہاں سے واپس آگئے۔ طالوت نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

"کیسی رہی استاد؟"

"لاجواب۔ کمال کیا ہے تو نے بدمعاش انسان۔"

"جن کو جن۔" طالوت بولا۔

"یہ پیرابوز اس کون بزرگ ہیں؟"

"بڑے کام کی چیز ہیں۔ بس میں جلدی سے ہو آؤں۔ ویسے تمہیں میرے معاہدے پر اعتراض تو نہیں ہے؟"

"کون سا معاہدہ؟"

"وہ ڈوبتے چاند کی رات والا۔"

"اوہ۔ نہیں طالوت۔ اعتراض کی کیا بات ہے۔ میں تو بہت خوش ہوں۔ اس طرح تمہارے والدین بھی خوش رہیں گے۔ دو دن کی بات ہی کیا ہوتی ہے۔" میں نے خلوص سے کہا۔

"سچ پوچھو تو یہ اتنی عمدہ بات ہوئی ہے جس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ اس سے مجھے بڑی مراعات مل جائیں گی۔"

"یقیناً۔"

"اچھا تو میری جان' اجازت۔ ممکن ہے کچھ وقت لگ جائے۔"

"خدا حافظ۔" میں نے کہا اور طالوت چلا گیا۔ میں ایک گہری سانس لے کر اپنے کمرے میں چلا گیا تھا۔ اور پھر میں ایک مسہری پر دراز ہو کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ میں نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

اور پھر نجانے غنودگی آگئی یا میں ذہنی طور پر اتنا تھک گیا کہ کوئی احساس ہی نہ رہا۔ پیشانی پر ایک نرم و گداز سی گرماہٹ کا احساس ہوا تو آنکھیں کھل گئیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک لطیف خوشبو ناک میں گھس گئی تھی۔ آنکھیں کھلیں تو ایک

رنگین بدن خود پر جھکے ہوئے پایا۔ چودہ طبق روشن ہوگئے۔ جلدی سے اس کے نیچے سے سرک کر اٹھ گیا۔

"عبران!" اس کی مترنم آواز ابھری اور میں نے گہری سانس لی۔ وہی معاملہ تھا "میں نے سنا ہے عبران' تم نے واپس جانے کی اجازت حاصل کرلی ہے۔" اس نے کہا۔

"جی ہاں۔"

"میرے دل کی آواز آج تک تمہارے کانوں میں نہیں پہنچی عبران۔" حسین خدوخال والی لڑکی نے اداس نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تار خراب ہوں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا انسانوں کی آبادی میں کسی سے دل لگا بیٹھے ہو عبران؟"

"سینگ نکل آئے ہیں کیا میرے؟" میں نے کہا۔

"پھر۔ پھر میری محبت کیوں قبول نہیں کرلیتے۔ کیا تمہیں آج تک احساس نہیں ہوا کہ میں تمہیں کس قدر چاہتی ہوں۔"

"کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

"آہ۔ کیا میں اس قابل نہیں ہوں؟"

"آپ کی قابلیت پر بھی میں نے غور نہیں کیا۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟"

"اس لیے کہ میں عبران نہیں ہوں۔" میں نے ڈراپ سین کردیا اور وہ اچھل پڑی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے مجھے گھورتی رہی اور پھر دونوں ہاتھ سے چہرہ چھپا کر باہر بھاگ گئی۔

"آہم۔" میں نے مصنوعی ڈکار لی اور سر سہلانے لگا۔ ابھی اور نہ جانے کتنے دلچسپ واقعات پیش آئیں گے۔ میں نے سوچا۔ یہاں بھی عشق و محبت کے جراثیم کافی مقدار میں پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ خاتون بھی عبران سے عشق کرتی ہیں۔ بہر صورت کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم لوگ تو بہر حال ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔

اور پھر میری ذہنی رو عظمت پور کی طرف بھٹک گئی۔ شکیلہ کا معاملہ بے حد پراسرار ہوگیا تھا۔ آخر وہ کیا تھی۔۔۔ اور اس نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا تھا اور پھر اچانک ہی میرے ذہن میں ایک دھماکا ہوا اور میں اچھل کر بستر پر بیٹھ گیا۔ اوہ۔۔۔ اوہ۔۔۔ اس انداز میں پہلے کیوں نہیں سوچا تھا۔ کیسی غلطی ہوگئی۔

"طالوت۔ طالوت! کہاں ہو یار۔ جلدی آؤ۔" میں نے کہا۔

"ہم یہاں ہیں ہماری جان۔" کارنس سے طالوت کی آواز آئی اور میں اچھل پڑا۔ کارنس پر ایک خوب صورت پرندے کا مجسمہ رکھا ہوا تھا "آجاؤں۔" پرندے نے چونچ ہلاتے ہوئے کہا اور میرا منہ حیرت سے کھل گیا۔ میں پھٹی پھٹی نگاہوں سے مجسمے کو گھور رہا تھا۔ دوسرے لمحے دھات کے بنے ہوئے مجسمے نے پر کھولے اور کارنس سے پرواز کرتا ہوا میری آغوش میں آبیٹھا۔

میں اچھل کر کھڑا ہوگیا تھا۔

"ابے سیدھا بیٹھ۔ کیا اچھل کود مچا رہا ہے۔" پرندے نے پھر کہا۔

"طالوت۔ طالوت۔" میں نے سراسیمگی آواز میں کہا۔

"اونہہ لے یار۔" مجسمے نے کہا اور دوسرے لمحے طالوت میرے سامنے تھا۔ مجسمہ پھر بے جان ہوگیا تھا۔

"ارے باپ رے۔ یہ۔ یہ سب کیا ہے؟" میں نے کہا۔

"سب کچھ ہے میری جان' نئے ساز و سامان سے آراستہ طالوت آپ کی خدمت میں۔"

"اوہ۔ تو۔ تو تمہاری قوتیں واپس مل گئیں؟"

"پیر سائیں زندہ باد۔ بابا حضور نے مخصوص ہدایات کے ساتھ تو بھیجا نہیں تھا۔ چنانچہ جو چاہا مانگ لیا۔"

"مبارک ہو یار۔ دلی مبارک باد۔"

"مجھے کیوں پکار رہے تھے؟"

"بس ذہن میں ایک خیال آیا تھا۔"

"کیسا خیال؟" طالوت نے میرے سامنے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ طالوت کے چہرے کی دمک سے اندازہ ہو رہا تھا جیسے وہ بہت خوش ہے۔ ظاہر ہے اس کی کھوئی ہوئی دولت اسے مل گئی تھی۔

"ہوٹل میں ہمیں شکیلہ ملی تھی۔"

"ہاں۔"

"اور اس کے انداز میں اجنبیت تھی۔"

"ہاں' تھی۔"

"کیا وہ حقیقتاً اجنبی نہیں ہوسکتی؟"

"کیا مطلب؟"

"یار' کہیں وہ افشاں تو نہیں تھی۔"

"اوہ۔" طالوت بھی ہکا بکا رہ گیا۔ کئی منٹ تک وہ خاموش رہا پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "یہ حقیقت ہے عارف! جب گردش کرتی ہے تو انسان کا ذہن بھی ماؤف ہوجاتا ہے۔ یہ بات ہم نے پہلے نہیں سوچی تھی۔"

"ہاں۔"

"ہوسکتا ہے میرے دوست۔ ہوسکتا ہے یہی بات ہو لیکن اگر وہ افشاں تھی تو اس کا مطلب ہے کالی چالاک لڑکی ہے اور کسی مصیبت میں نہیں ہے۔ ارے تم نے محسوس نہیں کیا۔"

"ہاں۔ یقیناً۔"

"پھر تو وہ جان بوجھ کر گھر سے غائب ہے۔"

"ابھی قیاس آرائی مناسب نہیں ہے۔ وہاں چل کر ہی غور کریں گے۔"

"بس اب یہاں سے بھاگو۔" طالوت نے کہا۔

"یہ تمہاری مرضی پر منحصر ہے۔ اجازت لے لی؟"

"بس اجازت ہی لینا ہے۔ ویسے یار' تم نے ذہن ہلا کر رکھ دیا ہے۔ یہ بات عین ممکن ہے کہ وہ افشاں ہی ہو۔ ہم بے چاری شکیلہ کی طرف سے یونہی بدگمان ہوگئے تھے۔"

"مگر پھر شکیلہ کہاں گئی؟"

"تبرک۔ وہی تبرک۔۔۔ اوہ' تبرک بیٹے' سنبھلو۔ اب تمہاری شامت آہی گئی۔ دیکھ لوں گا۔ دیکھ لوں گا تمہیں اچھی طرح۔" طالوت نے گھونسہ بناتے ہوئے کہا اور میں ہنس پڑا۔ درحقیقت بے چارے تصدق کی تو اب شامت آہی گئی تھی۔

"آؤ عارف' اب مادر ملکہ اور شہنشاہ سے اجازت لے لیں۔ مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔"

"تمہاری غیر حاضری میں ایک خاتون یہاں تشریف لائی تھیں۔" میں نے کہا۔

"خاتون۔۔۔!" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"ہاں۔"

"کیا فرماتی تھیں؟"

"عشق۔"

"اللہ اکبر۔ پھر تم نے معذرت کرلی؟"

"ہاں۔ میں نے تصحیح کردی کہ میں یوسف عبران نہیں بلکہ عارف ہوں۔ چنانچہ فرار ہوگئیں۔"

"نہایت مناسب۔"

"کون خاتون تھیں؟"

"میں کیا جانوں؟" طالوت نے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"کیا مطلب؟"

"بھئی ایک آدھ ہو تو یاد بھی رکھوں' نہ جانے کون کون ہے؟" وہ برا سا منہ بناتے ہوئے بولا اور میں خاموش ہوگیا۔ ظاہر ہے' وہ شہزادہ تھا۔ اس معاملے میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوگا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم ملکہ عالیہ اور شہنشاہ کے حضور پہنچ گئے اور طالوت نے ان سے اجازت طلب کی۔

"اتنی جلدی کیا ہے عبران۔ ایک آدھ دن اور رکو۔"

"میں حسب وعدہ حاضر ہوجاؤں گا مادر مہربان۔ کچھ معاملات ایسے ہیں جن کی مجھے جلدی ہے۔ اجازت دیں' نہایت شکر گزار رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک بار پھر تمہارا وعدہ یاد دلا رہا ہوں' چاند ڈوبنے والی رات تم یہاں ہوگے۔ اس وعدے میں کبھی گڑبڑ نہیں ہونی چاہیے۔" شہنشاہ نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں بابا حضور۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر اس نے آگے بڑھ کر ماں اور باپ کے ہاتھ چومے۔ ملکہ نے میرے سر پر بھی ہاتھ پھیرا۔ شہنشاہ نے مجھ سے مصافحہ کیا اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔

"راسم ساتھ نہیں جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔" طالوت نے کہا اور پھر آواز دی "راسم۔!"

"حاضر۔" راسم نے بائیں سمت سے جواب دیا۔

"کیا انتظامات ہوئے؟"

"جو حکم۔" راسم نے جواب دیا۔

"تب میرا خیال ہے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ وہ اپنا تبرک کہاں ہے؟"

"عظمت پور کے باغات میں۔"

"کیا کر رہا ہے؟"

"سو رہا ہے۔" راسم نے جواب دیا۔

"ہوں۔" طالوت نے آہستہ سے کہا اور پھر اس نے میری طرف دیکھا "میرے نزدیک آجاؤ عارف۔۔۔!" اس نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں جانتا تھا کہ وہ اب کیا حرکت کرنے والا ہے۔ اس نے میرا ہاتھ اونچا کیا اور میں گرنے سے سنبھلنے کے لیے تیار ہوگیا لیکن راسم نے ہاتھ نیچے کیا اور میرا سر چکرا گیا۔

پھر میں نے سرسبز درخت دیکھ کر گہری سانس لی تھی۔

"تکنیک میں تھوڑی سی تبدیلی ہے۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے بھائی۔ شکار ہوں تمہارا۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"غلط۔ ہمارا شکار تو بھائی تبرک ہیں۔ آؤ ذرا ان کی زیارت کریں۔"

"پروگرام کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مرمت کریں گے خبیث کی۔" طالوت دانت پیس کر بولا۔

"اس میں کیا مزہ آئے گا طالوت۔"

"پھر تم بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے اسے تنگ کیا جائے۔"

"کس طرح؟"

"یار تم بھی یہی پوچھ رہے ہو۔ تمہارے لیے یہ کوئی مشکل کام ہے۔"

"کیا خیال ہے اس سے شکیلہ کے بارے میں معلوم کریں۔"

"وہ بھی معلوم کریں گے۔"

"تب پھر آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم اس عمارت کی طرف چل پڑے جہاں تصدق کے موجود ہونے کے امکانات تھے۔ ہمارا اندازہ اور راسم کا کہنا درست تھا۔ تصدق ایک کمرے میں سو رہا تھا۔ ہم لوگ اس کے سرہانے پہنچ گئے۔ موٹے آدمی کے خراٹوں سے کمرا گونج رہا تھا۔ عجیب مضحکہ خیز خراٹے لے رہا تھا جیسے دو کتے لڑنے سے قبل ایک دوسرے پر غرا رہے ہوں۔ خراٹے کی ابتدا کرتے وقت اس کا منہ پورا کھل جاتا تھا اور پھر بعد میں ہونٹ مضبوطی سے بھنچ جاتے تھے۔

"کیا یہ دم توڑ رہا ہے؟" طالوت نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، خراٹے لے رہا ہے۔"

"اس کے حلق سے خر خراہٹ تو ایسی ہی بلند ہو رہی ہے جیسے کوئی بکرا ذبح کیا جا رہا ہو۔ یار عارف! مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی۔ کیا میں اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دوں؟" اور پھر وہ اچانک کسی خیال کے تحت اچھل پڑا۔ اس نے قریب ایک ہاتھ بلند کیا اور مٹھی بند کر لی پھر اس نے تصدق کے منہ کے قریب مٹھی کھول دی۔ سرخ رنگ کی کوئی چیز میں نے بھی تصدق کے ہونٹوں پر دیکھی تھی۔

"آجاؤ۔" طالوت نے جلدی سے میرا ہاتھ پکڑا اور کمرے کے کونے میں پہنچ گیا۔

"کیا کیا ہے؟" میں نے پوچھا لیکن پھر اپنا سوال خود ہی تشنہ چھوڑ دینا پڑا۔ کیونکہ تصدق نے منہ بند کیا تھا اور اس کی خوفناک دہاڑ کمرے میں گونج اٹھی تھی۔

"آغو۔ او۔ پھا۔ غو۔ غو۔ ہا۔" اس کے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکلیں اور اس نے بستر سے چھلانگ لگا دی۔ پھر وہ زمین پر کودنے لگا۔ وہ تھو تھو کرتا جا رہا تھا لیکن مرچیں ایسے تو پیچھا نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ تصدق کی بری حالت تھی۔ چہرہ سرخ تھا۔ آنکھوں سے پانی نکل رہا تھا اور منہ سے عجیب عجیب آوازیں۔

"مغیا۔ غائے۔ مغیا۔ تھو تھو۔ اغے۔ مغیا۔" وہ کمر پر ہاتھ رکھے ناچ رہا تھا اور پھر وہ باتھ روم میں گھس گیا۔ طالوت پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہا تھا۔

"یار۔ یہ تو بہت عمدہ رقاص ہے۔ اس کی یہ صفت تو آج ہی معلوم ہوئی۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا "پانی بھی اس کا حلق صاف نہیں کر سکے گا۔ مرچیں خالص تھیں۔"

اور یہ حقیقت تھی۔ تصدق کافی دیر تک غسل خانے میں غرارے کرتا رہا پھر جب وہ باہر آیا تب بھی اس کی حالت اچھی نہ تھی۔ وہاں سے وہ سیدھا باورچی خانے پہنچا۔ پہلے کوئی چیز کھائی پھر گھی کی گلیاں کیں۔ تب جا کر شاید اسے سکون ملا۔ ہم لوگ بھی اس کے پیچھے باورچی خانے کے دروازے تک پہنچ گئے تھے۔

اور باورچی خانے سے نکلتے وقت اس کی نگاہ ہم دونوں پر پڑی۔ وہ بری طرح اچھل پڑا۔

"تم۔ تم۔" اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"اخاہ۔ بھائی تبرک کیسے ہیں آپ؟" طالوت نے دونوں بازو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"تم۔ تم یہاں کیسے آ گئے۔ تم پولیس کو جل دے کر نکل گئے تھے۔" تصدق نے بدحواس لہجے میں کہا۔

"کیا آپ اندازہ نہیں لگا سکے بھائی تبرک کہ ہم وہاں سے کیوں بھاگے تھے؟"

"تم۔ تم تو عادی بدمعاش ہو۔"

"درست خیال ہے لیکن ہمیں گرفتار کرانے میں آپ نے پولیس کی پوری پوری مدد کی ہے۔"

"ہاں کی ہے۔ پھر۔ یہ میرا فرض تھا۔"

"ہم بھی اپنا فرض ہی پورا کرنے آئے ہیں تبرک بھائی!"

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ کیا چاہتے ہو تم لوگ؟"

"عادی بدمعاش ہیں۔ اگر چاہیں تو آپ کو قتل کر کے خاموشی سے باغ کے کسی حصے میں دفن کر دیں لیکن ہم اس طرح مارنے کے قائل نہیں ہیں۔ ہم آپ کو ایسی سزا دیں گے تبرک بھائی! جس سے دوسرے بھی محفوظ ہوں۔ ویسے میرا خیال ہے مرچیں آپ کو پسند آئی ہوں گی۔"

"آخ تھو۔ آخ تھو۔ تو یہ سب کچھ تم نے کیا ہے ذلیلو۔ آخ تھو۔"

"یہ تو ابتدا ہے تبرک بھائی۔ ہم تو قبر میں بھی تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ آپ نے ہم دونوں کی جان لے لی ہے۔ ہم بھی آپ کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ایں۔ کیا مطلب۔ کیا مطلب۔" تصدق چونک پڑا۔

"ہاں تصدق۔ ہماری زندگیاں تمہاری وجہ سے گئیں۔"

"زندگیاں گئیں؟"

"اوہ۔ انجان کیوں بن رہے ہو۔ کیا تم ہی نے ہمیں گرفتار نہیں کرایا تھا؟"

"لیکن زندگیوں والی بات۔۔۔"

"پولیس نے ہمارے اوپر اتنا تشدد کیا کہ ہم مر گئے۔"

"مم۔ مر گئے۔" تصدق کا منہ بھاڑ کی طرح کھل گیا۔

"اوہو۔ کیا تمہارے ہاں کے اخبارات میں ہماری موت کی خبر نہیں چھپی؟"

"نہیں۔ ان میں تو تمہارے فرار کی کہانی ہے۔ پولیس رپورٹ تو یہ ہے کہ تم دونوں بڑے پراسرار انداز میں فرار ہو گئے۔ کچھ پراسرار لوگوں نے اس فرار میں تمہاری مدد کی ہے۔" تصدق بولا۔

"خوب۔ ظاہر ہے پولیس اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتی تھی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اوپر تشدد کی انتہا کر دی گئی اور پھر جب ہم مر گئے تو ہماری لاشیں دریا میں ڈلوا دی گئیں۔"

"دریا میں۔۔۔؟" تصدق اچھل کر بولا۔

"ہاں دریا میں۔" طالوت الفاظ چباتے ہوئے بولا۔

"لیکن۔ پھر۔ تم وہاں سے کیسے نکلے؟"

"روحوں کے لیے کون سی بات مشکل ہے۔"

"رر۔ رو۔ روح۔" تصدق کی چیخ نکل گئی "مگر تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"ان لوگوں سے انتقام لینے، جو ہماری موت کے ذمے دار ہیں۔"

"ارے۔ ارے۔ مم۔ مر گیا۔ مر گیا۔" تصدق نے اپنے بھاری بھرکم بدن کے ساتھ بڑی پھرتی سے دروازے کی طرف چھلانگ لگائی۔ میں نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن طالوت نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے روک لیا۔

"بھاگ رہا ہے۔" میں نے کہا۔

"جائے گا کہاں!" طالوت پوری طرح شرارت کے موڈ میں تھا اور پھر وہ میرا ہاتھ پکڑے باہر نکل آیا۔ تصدق بڑی تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ ہم اسے صاف دیکھ رہے تھے۔ باغ کے ایک گوشے میں پہنچ کر وہ رکا اور خوف زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور اس بار اس نے مجھے بھلاوا بھی نہیں دیا تھا۔ بس ہلکا سا چکر آیا اور دوسرے لمحے ہم تصدق کی پشت پر تھے۔ تصدق کا رخ سامنے تھا۔

"تو ہمارے تبرک!" طالوت بولا اور تصدق کی دہشت آمیز چیخ نکل گئی۔ اس نے گردن گھما کر ہمیں دیکھا اور بری طرح چیخنے لگا۔ اس نے پھر بھاگنے کی کوشش کی لیکن طالوت نے اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"کہاں تک بھاگو گے میری جان!" طالوت بولا "چلو بھاگ جاؤ۔" اس نے تصدق کا گریبان چھوڑ دیا اور تصدق کمان سے نکلے ہوئے تیر کی طرح دوڑا۔ طالوت نے ہاتھ آگے بڑھایا اور میں نے بھی وہ خوفناک منظر دیکھا جو بلاشک انسان کو دہلانے کے لیے کافی تھا۔ خود میری بھی نہ جانے کیا حالت ہوتی اگر میں طالوت سے واقف نہ ہوتا۔

طالوت کا ہاتھ کسی رسی کی طرح دراز ہو رہا تھا۔ اس کا پنجہ تصدق کی گردن کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہا تھا اور بلا شک تصدق کوئی سو گز دور گیا ہو گا تب طالوت نے دوبارہ اس کی گردن پکڑی۔ اور پھر اس کا پنجہ تصدق کو واپس کھینچ لایا۔ تصدق اب ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا۔

"اچھا پیارے تصدق! اب اجازت دو اور ہاں۔ ہماری طرف سے یہ تحفہ قبول کرو۔ آتے جاتے رہیں گے۔" طالوت نے کوئی چیز نکالی اور تصدق کی پشت سے لگا دی۔

میں نے چونک کر اس شے کو دیکھا۔ سیاہ رنگ کی لمبے لمبے بالوں والی ایک دم تھی، جو زور زور سے ہل رہی تھی۔ دم تو ٹھیک تھی، چپکائی جا سکتی تھی لیکن وہ ہل کس طرح رہی تھی، یہ میری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔ تصدق نے تو شاید اس پر غور بھی نہیں کیا تھا۔

پھر طالوت نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور پیچھے ہٹ آیا۔

تصدق آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

"ارے، کیا یہ اندھا ہو گیا!" میں نے طالوت کے کان میں سرگوشی کی۔

"نہیں۔ بس ہمیں نہیں دیکھ سکتا۔"

"مجھے بھی؟"

"ہاں۔ تمہیں بھی۔"

"اوہ۔" میں نے گہری سانس لی "اس کا مطلب ہے اس بار تم ضرورت سے زیادہ ہی مسلح ہو کر آئے ہو، مگر یہ دم؟"

"تحفتاً دی ہے بھائی تبرک کو۔"

"یار۔ یہ بلی کیسے رہی ہے؟"

"ہمیشہ ہنستی رہے گی۔ اب اس کا پورا نام تصدق دم دار ہے صاحب۔" طالوت نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

ہم دونوں کچھ فاصلے سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس بے چارے کے حواس ابھی تک درست نہیں ہوئے تھے۔ اسے شاید یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ وہ اب بھی ذرا سی آہٹ پر چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگتا۔

"ایک بات ہے طالوت!" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"ہم اس سے شکیلہ کے بارے میں تو کچھ بھی نہیں پوچھ سکے۔"

"پوچھ لیں گے' ذرا دم لے لینے دو اسے۔ اب اسے چھوڑے گا کون۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا اور ہماری نگاہ پھر تصدق کی طرف اٹھ گئی۔ وہ اپنا لباس درست کررہا تھا اور پھر وہ ایک طرف چل پڑا۔ نہ جانے کہاں جارہا تھا۔ طالوت نے مجھے اشارہ کیا اور ہم دونوں اس کے پیچھے چل پڑے۔

تصدق شاید ہمارے قدموں کی چاپ بھی نہیں سن پا رہا تھا۔ بہرحال چند منٹ کے بعد وہ درختوں کے درمیان کھڑی ایک لینڈ روور تک پہنچ گیا۔ ہم اس کا مقصد سمجھ گئے تھے۔

پھر بھلا لینڈ روور میں وہ اکیلا کیوں ہوتا' ہم بھی اس کے ساتھ تھے اور اس کی پشت پر بیٹھ گئے تھے۔ تصدق لینڈ روور کی سیٹ پر بیٹھا اور پھر اچھل پڑا۔ اس نے پشت پر ہاتھ مارا اور بالوں والی دم اس کے ہاتھ میں آگئی۔ تصدق کی بے ساختہ دھاڑ بہت زوردار تھی۔ شاید وہ دم کو سانپ سمجھا تھا۔ اس نے سیٹ سے چھلانگ لگائی اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر جا پڑا۔ بری طرح گرا تھا لیکن دم اس کے ساتھ تھی۔ اسے محسوس کرکے تصدق نے پھر چیخ ماری اور زور سے کھینچ کر خود سے الگ کرنا چاہا۔

لیکن پھر وہ دوسری چیخ بھی فطری تھی۔ ایک بار پھر وہ گر پڑا تھا۔ تب اس نے سنجیدگی سے دم کو ہاتھ میں پکڑ کر دیکھا اور اس کا چہرہ فق ہوگیا۔ اس نے اچھی طرح دم ٹٹول' اسے چہرے کے قریب کرکے دیکھا۔

"ارے۔ ارے۔ یہ۔ یہ کیا ہوگیا۔ ہائے۔ یہ کیا ہوگیا۔" وہ روتی آواز میں بولا "ارے باپ رے۔ اب کیا کروں۔ دم نکل آئی اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ عجیب مضحکہ خیز انداز میں رو رہا تھا اور پھر چپ بھی اچانک ہی ہوا تھا۔ شاید کوئی خیال آگیا تھا۔

"ارے باپ رے!" ایک بار پھر وہ سہمے ہوئے انداز میں چیخا اور پھر جلدی سے لینڈ روور میں گھس گیا۔ اس نے بمشکل تمام دم سمیٹ کر کسی طرح ایک طرف رکھی اور لینڈ روور اسٹارٹ کرکے اندھا دھند ریورس کی اور باغ سے نکل بھاگا۔ ہم دونوں نے سیٹیں مضبوطی سے پکڑلی تھیں۔ تصدق پاگلوں کے سے انداز میں ڈرائیونگ کررہا تھا۔ باغ سے کافی دور آکر وہ کسی حد تک سنبھلا اور اس نے رفتار تھوڑی سست کردی۔ دور سے کار آتی نظر آرہی تھی۔ تصدق نے لینڈ روور کی رفتار کچھ اور سست کردی۔

کار لینڈ روور کے قریب سے گزری اور پھر اس سے ایک تیز نسوانی آواز ابھری "ہائے۔ تصدق!" اور تصدق نے بوکھلائے ہوئے انداز میں بریک لگادیے۔

دوسری طرف جانے والی کار بھی رک گئی تھی اور پھر وہ بڑی تیزی سے ریورس ہو کر تصدق کی گاڑی کے برابر پہنچ گئی اور ایک بار پھر ہمارے ذہن کو جھٹکا لگا۔

وہ شکیلہ ہی تھی۔

تصدق ساکت وجامد اسے دیکھ رہا تھا۔

"ارے تصدق! کیسے ہو تم۔ کہاں بھاگ رہے ہو؟" لڑکی مسکراتے ہوئے بولی۔

"افشاں بی بی!" تصدق نے آہستہ سے کہا۔

"کیوں' کیا مجھے پہچاننے میں دقت ہورہی ہے؟" لڑکی نے کہا۔

"آپ۔ آپ آگئیں افشاں بی بی؟"

"ہاں۔ میں نے تمہیں اطلاع دی تھی۔"

"اطلاع تو مل گئی تھی افشاں بی بی لیکن۔ لیکن آپ نے مار دیا مجھے۔ میں تو بے موت مارا گیا افشاں بی بی۔ مارا گیا خدا کی قسم۔ میں تو بے موت مارا گیا۔"

"ارے۔ ارے۔ کیا ہوا تصدق؟ اور اب جا کہاں رہے ہو؟ چلو واپس چلو۔"

"کہاں؟" تصدق اچھل پڑا۔

"باغ میں!"

"باغ!" تصدق غیر اختیاری طور پر چیخا اور افشاں گہری سانس لے کر اسے گھورنے لگی۔

"کچھ اور کھسک گئے ہو شاید۔" لڑکی اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"میں کیا بتاؤں۔" تصدق روہانسی آواز میں بولا۔

"افوہ! کچھ تو بتاؤ تصدق!"

"کیسے بتاؤں!" تصدق نے بے چارگی سے کہا۔

"کیوں۔ کیا تمہارے حلق میں تکلیف ہے؟" لڑکی نے کہا اور تصدق نے گردن جھکالی۔ ویسے ہم دونوں ہی گہری نگاہوں سے لڑکی کا جائزہ لے رہے تھے۔ بلاشبہ وہی تھی جو ہوٹل میں ملی تھی۔ یہ بات ذہن میں تو آئی تھی لیکن اب یقین ہوگیا تھا کہ وہ شکیلہ نہیں' افشاں ہے۔ لیکن افشاں اور تصدق کی باتیں سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔

"کیوں سڑک روکے کھڑے ہو۔ میں کہتی ہوں باغ میں کیوں نہیں چلتے۔ وہاں سکون سے گفتگو ہوگی۔"

"نہیں نہیں۔ باغ میں نہیں۔ خدا کی قسم باغ کا نام نہ لیں' میرا ہارٹ فیل ہوجائے گا۔" تصدق پھر سہمے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ارے تو خدا کے بندے' کہیں تو مرو۔ کیا یہیں کھڑے رہو گے۔"

"آپ۔ آپ میری گاڑی میں آجائیں افشاں بی بی۔"

"اور اپنی گاڑی کا کیا کروں؟"

"یہیں کنارے کردیں پھر واپسی میں آپ کو اسی جگہ لے آؤں گا۔"

"اور جاؤ گے کہاں؟"

"کہیں بھی نہیں۔ بس کسی پرسکون جگہ گاڑی روک کر باتیں کرلیں گے۔"

"یہاں کیا مصیبت آرہی ہے۔ یہ جگہ بھی تو پرسکون ہی۔ گاڑی سائڈ کرکے نیچے آتر آؤ۔ درخت کے نیچے چل کر بیٹھتے ہیں۔ نہ جانے باغ کے نام سے تم پر کیوں وحشت سوار ہے۔"

"بس میں آپ کو بتا نہیں سکتا افشاں بی بی۔"

"نہ بتاؤ۔ جہنم میں جاؤ۔ اب اترو تو سہی۔"

"افشاں بی بی۔ افشاں بی بی! میں اتر بھی نہیں سکتا۔" تصدق نے لجاجت سے کہا۔

"ارے ارے۔ ارے۔ تم واقعی پاگل ہوگئے۔ میں سوچ رہی ہوں کہ تمہاری دماغی حالت پر اعتبار بھی کروں یا نہ کروں۔"

"اب جو کچھ بھی چاہیں سمجھ لیں۔ آپ اسی گاڑی میں آجائیں۔" تصدق بھرائی ہوئی آواز میں بولا اور افشاں نے ایک گہری سانس لی پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور ایک جھٹکے سے اسے آگے بڑھا کر سڑک سے اتار دی اور پھر دروازہ کھول کر نیچے اتری اور لینڈ روور میں آبیٹھی۔ تصدق اس دوران دم چھپانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ اس نے حتی الامکان دم چھپالی تھی۔

افشاں نے گاڑی میں داخل ہو کر اسے اوپر سے نیچے تک دیکھا "بظاہر تو کوئی تبدیلی نہیں نظر آتی۔ البتہ کھوپڑی ضرور کھسک گئی۔"

"میں کچھ نہ کہوں گا افشاں بی بی۔ کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔"

"اچھا۔ اب چلو جہاں جانا ہے ہو۔"

"کمپنی پارک چلوں۔ یہاں سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔"

"اوہ فضول آدمی' جہاں دل چاہے چلو۔" لڑکی نے کہا اور تصدق نے پھر گاڑی آگے بڑھادی۔ ہم دونوں کی دلچسپی عروج پر تھی۔ اس وقت تو واقعی لطف آگیا تھا۔ کیسے انوکھے انکشافات ہوئے تھے اچانک' اور اب۔ اب ان دونوں کی گفتگو سے یقیناً بہت سے رازوں کا انکشاف ہوگا۔ ممکن ہے شکیلہ کا پتہ بھی چل جائے۔

چنانچہ ہم بھی خاموشی سے کمپنی پارک کا انتظار کرنے لگے۔ افشاں بار بار تصدق کی شکل دیکھنے لگتی تھی لیکن تصدق کی نگاہیں سامنے تھیں اور اس کے چہرے پر شدید ہیجان کے آثار تھے۔

راستے میں خاموشی رہی اور تھوڑی دیر کے بعد لینڈ روور کمپنی پارک کے سنسان علاقے میں داخل ہوگئی پھر ایک جگہ گاڑی روک کر تصدق گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

افشاں اب بھی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"تمہیں کیا ہوا ہے تصدق؟" آخر وہ عاجز آکر بولی۔

"طویل داستان ہے افشاں بی بی!"

"شاید میری طویل جدائی نے تمہارے اندر کافی تبدیلیاں پیدا کردی ہیں۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تو پیدا ہی مذاق اڑانے کے لیے ہوا ہوں افشاں بی بی' آپ کا دل خوش ہوجائے۔ بس یہی میری خواہش ہے۔"

"بھئی تمہارا انداز ہی ایسا ہے کہ بے اختیار زبان میں کھجلی ہونے لگتی ہے۔"

"میری بدقسمتی کہ میں آپ کو کبھی متاثر نہ کرسکا۔"

"اچھا اب فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ گھر کے حالات بتاؤ۔"

"بے حد خراب ہیں۔ آپ نے بڑا ظلم کیا ہے افشاں بی بی۔"

"کیوں؟"

"بڑی ماں تو کئی بار موت کے منہ سے نکلی ہیں۔ ان کا ذہنی توازن بگڑ چکا ہے۔"

"ارے!" افشاں سہمے ہوئے انداز میں بولی۔
"ایسی ویسی مصیبت آئی ہے یہاں' کیا کیا بتاؤں۔ تنویر صاحب بے چارے زندہ درگور ہوگئے ہیں۔"
"اوہو تصدق! مجھے اس حد تک حالات بگڑ جانے کی امید نہیں تھی۔"
"لیکن آپ غائب کہاں ہوگئی تھیں افشاں بی بی؟ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ آپ اپنے ہر اسٹیشن سے رپورٹ دیں گی۔"
"غلطی ہوگئی تھی تصدق! مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس قدر ثابت قدم رہو گے۔ میں نے سوچا اگر میں تمہیں اپنے ٹھکانوں کے بارے میں بتاتی رہی تو ایک روز ڈیڈی آئیں گے اور مجھے پکڑ لے جائیں گے۔"
"میں نے شدید ترین حالات میں بھی زبان نہیں کھولی۔"
"واقعی تم نے احسان کیا۔"
"احسان کی بات نہیں افشاں بی بی! بارہا میرا دل چاہا کہ آپ کے بارے میں بتا دوں لیکن اس سے فائدہ سوائے اس کے کہ آپ کا رازدار ہونے کی وجہ سے میری مصیبت آجاتی۔"
"واقعی میری وجہ سے تم بڑی الجھنوں کے شکار رہے ہو تصدق!"
"میں آپ کو کیا کیا بتاؤں افشاں بی بی! ایسے ایسے حیرت انگیز واقعات ہوئے ہیں کہ بس۔۔۔"
"اب کیا حالت ہے امی کی؟"
"نیم دیوانی ہیں بے چاری۔ بس میں کیا بتاؤں۔"
"افسوس۔ افسوس۔ میں نے اس حد تک حالات بگڑ جانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ اب کیا کروں تصدق؟"
"صورت حال بے حد سنگین ہے افشاں بی بی۔"
"میں تفصیل بعد میں سنوں گی تصدق! براہ کرم مجھے فوری طور پر امی کے پاس لے چلو۔"
"مگر۔ مگر افشاں بی بی! آپ کس طرح' کس حیثیت سے ان کے سامنے جائیں گی؟"
"تم ہی کوئی ترکیب بتاؤ تصدق! امی کی حالت سن کر میرا تو ذہن ماؤف ہوگیا ہے۔"
اور تصدق گہری سوچ میں ڈوب گیا "حالات سے آپ کو آگاہ کرنا بھی ضروری ہے افشاں بی بی! لیکن میرے خیال میں فوری طور پر اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بعد میں آپ کو تفصیل بتا دوں گا۔ ابھی آپ اس سے ناواقف رہیں تو بہتر ہے۔ میری مانیں تو آپ ایک کام کریں۔"
"ہاں۔ ہاں بتاؤ۔"
"آپ واپس محل پہنچ جائیں۔"
"ہاں۔ پھر کیا کہوں؟"
"آپ ایک کہانی سنا دیں۔ آپ تنویر صاحب کو بتائیں کہ آپ کو چند خطرناک لوگوں نے اغوا کیا۔ آپ کو کوئی احساس نہیں کہ وہ آپ کو کہاں کہاں لے گئے۔ آپ پر ہمیشہ بے ہوشی طاری رہتی تھی پھر جب آپ کو ہوش آیا تو آپ کسی بردہ فروش کے چنگل میں تھیں۔ اس نے آپ کو فروخت کردیا اور آپ کسی عیاش آدمی کی خواب گاہ میں پہنچ گئیں۔ اس عیاش آدمی نے آپ پر دست درازی کی تو آپ نے اسے قتل کردیا اور اس کے قتل کے الزام میں آپ کو سزا ہوگئی۔ آپ بتادیں کہ وہ کوئی چھوٹی سی افریقی ریاست تھی پھر اس کی جیل میں بغاوت ہوئی اور آپ دوسرے قیدیوں کے ساتھ فرار ہو کر یہاں تک پہنچ گئیں۔ انہی میں کسی رحم دل قیدی نے آپ کے مدد کی تھی۔"
"ونڈر فل!" افشاں اچھل کر بولی "ویری گڈ تصدق! تمہارا ذہن تو اچھی طرح کام کرتا ہے۔"
"آپ کو دیکھنے کے بعد تو ساری ذہنی قوتیں عود کر آتی ہیں۔" تصدق نے جواب دیا۔
"پھر تھوڑی دیر قبل ایسی بہکی بہکی باتیں کیوں کررہے تھے؟"
"اوہ۔ وہ۔ وہ۔ میں نے کہا نا کچھ تفصیلات۔۔۔"
تصدق پر پھر حواس طاری ہوگئی۔
"ارے۔ یہ۔ یہ تمہارے نیچے کیا دبا ہوا ہے؟" افشاں چونک پڑی۔
"ایں۔ اوہ۔" تصدق کا سانس پھولنے لگا۔
"ارے' ہٹو تو۔ ہٹو تو۔" افشاں نے تصدق کی دم پکڑلی۔
"خدا کے لیے۔ خدا کے لیے۔" تصدق گھگھیایا۔
"اٹھو تو پاگل! یہ کیا دبا رکھا ہے؟" افشاں نے اس کی دم کو زور سے کھینچا اور تصدق کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ پوری دم پھر اس کے نیچے سے نکل آئی تھی۔
"آخر یہ ہے کیا؟" افشاں اسے کھینچے جارہی تھی۔ اس نے پوری قوت سے جھٹکا دیا تو تصدق اوندھا ہوگیا اور اس بار اس کی چیخ کے ساتھ افشاں بھی چیخی تھی۔
"دم!"
"افشاں بی بی!" تصدق رو دینے والے انداز میں بولا۔

"تمہاری ہی ہے!" افشاں بے ساختہ بولی۔
تصدق نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا اور افشاں نے زوردار قہقہہ لگایا۔
"خدارا۔ خدارا میرا مذاق نہ اڑائیں افشاں بی بی۔"
"مبارک ہو۔ مبارک ہو تصدق! اب تم مکمل ہوگئے۔" افشاں بے اختیار قہقہے لگا رہی تھی۔
"بڑے افسوس کی بات ہے افشاں بی بی! آپ میری مصیبت پر ہنس رہی ہیں۔"
"یہ مصیبت نہیں' دم ہے تصدق!" افشاں نے پھر قہقہہ لگایا۔
"براہ کرم خاموش ہوجائیں۔ ورنہ۔ ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔"
"کچھ بھی ہو تصدق' ہے بڑی خوب صورت۔ گھنے اور سیاہ چمک دار بالوں سے ڈھکی ہوئی۔ اللہ ایسی دم سب کو دے۔" افشاں بھی انتہا پسند معلوم ہوتی تھی۔
"افشاں بی بی!" تصدق غرایا۔ اس نے لینڈ روور کا دروازہ کھول لیا تھا۔
"ارے' ارے۔ کہاں چلے تصدق؟"
"میں۔ میں اب کسی کو منہ نہیں دکھاؤں گا۔ سمجھیں آپ۔ ہمیشہ کے لیے۔ ہمیشہ کے لیے کہیں چلا جاؤں گا۔"
"تو کیا ابھی دوسرے لوگ اس کے دیدار سے محروم ہیں؟"
"اڑالیں۔ اڑالیں آپ میرا مذاق۔ میں۔ میں ہمیشہ آپ کا وفادار رہا ہوں اور آپ۔۔۔ آپ میرے ساتھ یہ سلوک کررہی ہیں۔"
"ارے تو کیا میں نے تمہارے دم نکال دی ہے۔ مجھ پر کیوں ناراض ہورہے ہو۔ ویسے تصدق! یہ نکل کیسے آئی؟" افشاں بمشکل تمام ہنسی روکتے ہوئے بولی۔
"کاش۔ کاش!" تصدق بری طرح تلملا رہا تھا۔
"ہاں۔ ہاں بتادو۔" افشاں نے اسے تسلی دی۔
"افشاں بی بی! براہ کرم میرا مذاق نہ اڑائیں۔ اگر خدانخواستہ اگر آپ کے ساتھ بھی کوئی ایسا حادثہ ہوجاتا؟"
"یعنی دم نکل آتی میرے؟"
"ہاں!"
"مزہ آجاتا۔ خدا کی قسم مزہ آجاتا۔ میں اخباری نمائندوں کو طلب کرتی۔ انہیں اپنی خوب صورت دم دکھاتی' اس کی تصویریں اخبارات میں چھپتیں اور پھر میں دم کے سنگھار کا سامان خریدتی۔ بال بال موتی پروتی اس میں۔ ایسی سجاتی کہ جتنے لوگ اسے دیکھتے' خود بھی دم کی آرزو کرنے لگتے۔ میری حیثیت ہی کچھ اور ہوتی۔"
"اڑا لیجیے۔ اڑا لیجیے جتنا دل چاہے مذاق۔ تصدق تو پیدا ہی اس لیے ہوا ہے۔" تصدق نے افسردگی سے کہا۔
"اچھا تصدق! اب چلو۔ تم سے پھر تفصیلی بات چیت ہوگی۔ مجھے میری کار تک چھوڑ دو' وہاں سے میں اپنے ہوٹل جاؤں گی۔ میرے ساتھ بھی عجیب واقعات پیش آئے ہیں۔ ہم فرصت سے ان کا تبادلہ کریں گے۔"
اور تصدق نے لینڈ روور اسٹارٹ کرکے واپس موڑ دی۔ افشاں بار بار اس کی دم ٹٹولنے لگتی تھی اور تصدق اس طرح بدکنے لگتا جیسے درحقیقت یہ دم ہمیشہ سے اس کے بدن کا حصہ رہی ہو۔
پھر لینڈ روور اس کار کے پاس پہنچ گئی اور افشاں گاڑی سے اتر گئی۔
"تم کب پہنچو گے تصدق؟" اس نے اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔
"نہیں کہہ سکتا۔ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"
"کیوں؟"
"آپ نے سنجیدگی سے میری اس مصیبت پر غور ہی نہیں کیا افشاں بی بی۔"
"یعنی دم کی مصیبت؟"
"ہاں!"
"تو کیا یہ نئی ہے؟"
"میں آج ہی اس مصیبت میں پھنسا ہوں۔"
"ارے۔" افشاں حیرت سے بولی "گویا دوسرے ابھی اس کی زیارت سے محروم ہیں۔" وہ پھر ہنس پڑی اور تصدق نے جھلاہٹ میں لینڈ روور اسٹارٹ کردی۔
"عارف!" طالوت نے میرے کان میں سرگوشی کی۔
"ہوں!"
"میرا خیال ہے اب ہمیں افشاں کے ساتھ سفر کرنا چاہیے۔ تصدق سے پھر ملاقات کرلیں گے۔"
"جیسی تمہاری مرضی!"
"نہیں' تمہارا کیا خیال ہے؟"
"ٹھیک ہے۔"
"تو آؤ۔ افشاں کی گاڑی میں چلیں۔" طالوت نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم دونوں لینڈ روور سے اتر گئے پھر ہم افشاں کی گاڑی میں پہنچ گئے۔ افشاں بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئی تھی اور پھر اس نے بھی کار اسٹارٹ کرکے واپس موڑ دی۔

"انوکھی داستان ہے عارف!" طالوت نے ایک گہری سانس لے کر کہا اور میں اچھل پڑا۔ میں نے افشاں کی طرف دیکھا' لیکن افشاں خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہی تھی۔ اس نے شاید طالوت کے الفاظ نہیں سنے تھے۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" طالوت پھر بولا۔

"طالوت!" میں نے آواز بھینچ کر کہا اور طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"کیوں؟"

"وہ۔۔۔ وہ سن لے گی۔" میں نے افشاں کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں سنے گی۔ کیوں۔ کیا تم ہماری آواز سن رہی ہو؟" طالوت حلق پھاڑ کر چیخا لیکن افشاں کے کان پر جوں تک نہیں رینگی تھی۔ تب میں نے ایک گہری سانس لی۔

"میری بھی نہیں سنے گی؟"

"وہ مکمل طور پر بہری ہے۔"

"کمال ہے۔ بہرحال میں تم سے متفق ہوں۔ حالات واقعی عجیب ہیں۔"

"یہ بات تو طے ہے کہ یہ وہی لڑکی ہے جس نے ہمیں ہوٹل میں بے ہوش کیا تھا۔"

"ہاں۔"

"پھر شکیلہ کہاں ہے؟"

"مجھے یقین ہے اس کا جواب تصدق ہی دے سکے گا۔"

"وہ حشر کروں گا اس کا کہ یاد ہی کرے گا۔" طالوت دانت پیس کر بولا "اور اس لومڑی کو بھی کچھ سزا دی جائے؟" اس نے افشاں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے اسے معاف کر دو طالوت۔ ظاہر ہے وہ ہمیں نہیں جانتی تھی اور ہم نے اسے پکڑ کر تنویر صاحب کے سامنے لے جانے کی دھمکی دی تھی۔" میں نے کہا۔

"اس سفارش کے پیچھے کچھ ہے؟" طالوت نے شرارت آمیز نگاہوں سے دیکھا۔

"دیوار ہے صرف۔ بکواس مت کرو۔" میں بگڑ کر بولا۔

"خیر خیر۔ یوں بھی بھائی تبرک اس کے عاشقوں میں معلوم ہوتے ہیں۔"

"دلچسپ بات ہے۔" میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔

اور ہم خاموش ہو گئے۔ افشاں کی کار ایک اور ہوٹل کے سامنے رک گئی۔ اس نے دروازے بند کیے اور کار لاک کر کے نیچے اتر آئی۔ ہم اس کے پیچھے پیچھے تھے۔

افشاں کے کمرے میں بھی ہم اس کے ساتھ ہی داخل ہوئے تھے۔ افشاں نے گھنٹی بجا کر ویٹر کو بلایا اور پھر اس سے ہوٹل کے سپروائزر کو "سنو! میں ہوٹل چھوڑ رہی ہوں لیکن میرا سامان چند روز یہیں رہے گا۔"

"کمرا آپ کے نام رہنے دیا جائے میڈم۔ آپ اسے لاک کر دیں۔"

"ٹھیک ہے' ایسا ہی کرو۔ یہ ایڈوانس رکھو اور رسید بنوالو۔"

"بہتر ہے میڈم۔" سپروائزر نے ادب سے جواب دیا اور پھر نوٹ سنبھالتا ہوا چلا گیا۔ افشاں نے اپنے لباس میں سے ایک معمولی سا لباس منتخب کیا اور پھر اپنے کپڑے اتارنے لگی۔

"بند کرو۔ جلدی سے بند کرو۔" طالوت نے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور میں نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں "وہ ہماری موجودگی سے واقف ہے اس لیے ہمیں یہ غیر اخلاقی حرکت نہیں کرنی چاہیے۔"

"ٹھیک ہے یار۔" میں نے رخ بدل لیا۔

اور پھر افشاں تیار ہو گئی۔ اس نے اپنا سامان الماری میں بند کیا اور پھر کمرے سے نکل آئی۔ ہم حسب معمول اس کے ساتھ تھے۔ تالا لگا کر وہ نیچے اتر آئی' چابی کاؤنٹر کلرک کو دی اور پھر کار کی چابی اور کچھ نوٹ اس کے حوالے کرتی ہوئی بولی۔

"مسٹر! براہ کرم میری کار اس کی کمپنی کو واپس کر دیں۔ یہ آج تک کا کرایہ۔" اس نے نوٹ کلرک کی طرف سرکا دیے اور پھر ایک نوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی "اور یہ تمہارا انعام!"

"شکریہ میڈم!" کلرک نے ادب سے کہا اور افشاں باہر نکل آئی۔ باہر آکر اس نے ایک ٹیکسی روکی۔

"اب کیا کرو گے طالوت؟" میں نے پوچھا۔

"کیوں؟" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"ٹیکسی میں ہم اس کے ساتھ بیٹھیں گے؟"

"پیدل بھی کچھ چلو۔" طالوت عجیب سے لہجے میں بولا "آؤ۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر قدم آگے بڑھا دیے۔ ٹیکسی اسٹارٹ ہو کر چل پڑی لیکن عجیب بات تھی' ہم قدم مناسب انداز میں اٹھا رہے تھے لیکن ٹیکسی ہم سے آگے نہیں نکل پا رہی تھی۔ گو اس کی رفتار کافی تیز تھی لیکن سڑک ہمارے قدموں کے نیچے مختصر ترین ہو گئی تھی۔

یہاں تک کہ ہم تنویر محل پہنچ گئے۔

میں نے ایک گہری سانس لی تھی "اس بار تم ضرورت سے زیادہ ہی لے آئے طالوت!" میں نے کہا۔ طالوت نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ افشاں کی سب سے پہلی ملاقات کمال سے ہی ہوئی تھی جو ٹیکسی دیکھ کر رک گیا تھا اور پھر وہ تیر کی طرح شکیلہ کی طرف لپکا۔

"ارے۔ مس شکیلہ! آپ۔۔۔ آپ آگئیں؟" وہ مسرت سے بولا۔

"کمال!" افشاں نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لیے "کیسے ہو کمال؟"

"ٹھ۔۔۔ ٹھیک ہوں مس شکیلہ! اللہ۔ لیکن۔۔۔"

"کیا بکواس ہے' تم میرا نام کیا لے رہے ہو؟"

"ک۔۔۔ کیا مطلب؟"

"بھول گئے ہو مجھے یا پاگل ہو گئے ہو؟" افشاں اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"اف۔۔۔ افشاں باجی!"

"ہاں۔ ہاں بھول جاؤ۔ نکال پھینکو مجھے ذہن سے کہتے کیسے تھے۔"

"افشاں باجی!" کمال دوڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

افشاں نے بھی اسے لپٹا لیا تھا "آپ۔۔۔ آپ کہاں چلی گئی تھیں افشاں باجی۔ اف۔۔۔ آپ آگئیں' اس گھر کی زندگی لوٹ آئی۔ ہم سب مُردوں کی سی زندگی گزار رہے تھے۔ آپ کہاں چلی گئی تھیں افشاں باجی!"

"امی کیسی ہیں کمال؟ جلدی سے مجھے ان کے پاس لے چلو۔"

"آئیے۔ آئیے افشاں باجی۔ آئیے۔" اور کمال نے شور مچا دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں سارے گھر میں کہرام مچ گیا۔ افشاں آگئی۔ افشاں آگئی۔ تنویر صاحب بھی موجود تھے۔ ان کے چہرے پر بھی تاثرات تھے۔ ایک بار انہوں نے افشاں سے پوچھا بھی تھا۔

"کیا تم سچ مچ افشاں ہو؟"

"ڈیڈی! یہ سب کیا ہے۔ کمال نے بھی مجھے شکیلہ کہہ کر مخاطب کیا تھا۔"

"بہت کچھ ہے بیٹی۔ معلوم ہو جائے گا تمہیں۔" اور پھر افشاں نے تصدق کی بتائی ہوئی کہانی دہرا دی۔ اس نے اس چالاکی سے یہ کہانی سنائی تھی کہ یقین نہ کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ بہرحال پھر دن بھر ہنگامے ہوتے رہے۔ تنویر صاحب نے ایس پی آفتاب کو بھی بلایا تھا۔ آفتاب نے افشاں سے اس کے بیانات لیے اور پھر تنویر صاحب کی بیٹی کی بازیابی پر مبارک باد بھی دی۔

"لیکن ایس پی صاحب! میں اس بچی کی بازیابی بھی چاہتا ہوں' جو افشاں کی ہم شکل تھی۔ مجھے اس سے بھی ہمدردی ہے۔"

"میرے خیال میں اب اس کا ملنا مشکل ہے تنویر صاحب' اس کے ساتھی پولیس کو چکما دے کر نکل گئے۔ یقیناً وہ بھی ان کے ساتھ ہو گی۔ ممکن ہے کبھی تینوں ایک ساتھ ہی ہاتھ لگ جائیں۔"

"نہ جانے کیوں۔ آج بھی میرا دل انہیں مجرم سمجھنے کو تیار نہیں ہے۔" تنویر صاحب بولے۔

"آپ نیک دل انسان ہیں۔ بعض مجرموں کی شکلیں بے حد معصوم ہوتی ہیں۔ اب اجازت دیں۔" ایس پی صاحب چلے گئے۔ ہم لوگوں نے بھی ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور ایک سنسان جگہ پر چلے آئے۔

"جی!" طالوت نے گہری سانس لے کر مجھ سے کہا۔

"فرمائیے!"

"ہماری تو کوئی پوچھ گچھ اب یہاں ممکن نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کچن میں چل کر کھانے کا بندوبست کیا جائے؟"

"جیسا مناسب سمجھو۔"

"یا پھر راسم سے منگا لیتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور راسم کو آواز دی۔ دوسرے لمحے راسم موجود تھا۔

"کھانا کچن سے ہی آنا چاہیے۔"

"جو حکم آقا!" راسم نے مسکراتے ہوئے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد کھانے کی ٹرے ہمارے سامنے تھی۔ میں نے اور طالوت نے اطمینان سے کھانا کھایا اور فارغ ہو گئے۔

"آؤ۔ اب ذرا بھائی تبرک کو تلاش کیا جائے۔"

"ارے ہاں۔ وہ نظر نہیں آیا۔"

"اس کے مکان میں دیکھتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور ہم دونوں تصدق کے مکان کی طرف چل پڑے لیکن دروازے سے کچھ دور ہی ہم ٹھٹک گئے۔ افشاں' تصدق کے دروازے پر دستک دے رہی تھی۔

طالوت نے میری طرف دیکھا اور پھر ہم خاموشی سے دروازے کے نزدیک پہنچ گئے۔ افشاں نے پھر دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے۔ بھاگ جاؤ۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اندر سے تصدق کی آواز آئی۔

"دروازہ کھولو تصدق! میں افشاں ہوں۔" افشاں نے کہا اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔ تصدق عجیب

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

سے لباس میں کھڑا تھا۔ ہم دونوں جھٹکے سے اندر داخل ہو گئے اور پھر تصدق کی کمر پر ٹھوکر دیکھ کر مجھے ہنسی آ گئی۔ تصدق نے اپنی دم اس طرح لپیٹ کر باندھ لی تھی کہ وہ ٹھوکر ہی بن گئی تھی۔

"آیئے افشاں بی بی!" اس نے اداس آواز میں کہا۔

"کیسے ہو تصدق؟"

"خدا کے واسطے میرا مذاق نہ اڑائیں۔ میں سخت پریشان ہوں۔"

"دم کہاں گئی؟" افشاں نے جھک کر اسے دیکھا اور تصدق اچھل پڑا۔ وہ جلدی سے پیچھے ہٹ گیا تھا اور پھر اس کے چہرے پر جنون کے آثار نظر آنے لگے۔

"افشاں بی بی! اگر آپ میرا مذاق اڑانے آئی ہیں تو میں درخواست کرتا ہوں براہ کرم یہاں سے چلی جائیں۔ میں اس وقت کسی کو برداشت نہیں کر سکتا۔" اس نے سخت لہجے میں کہا۔

"اوہو! نہیں تصدق! لیکن براہ کرم تم مجھے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاؤ تو۔" افشاں نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں اس سلسلے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"خیر تمہاری مرضی۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ بڑی مشکل سے آئی ہوں۔ کچھ ضروری باتیں مجھے بتا دو۔" وہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"پوچھئے۔" تصدق نے بھی ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا لیکن دم کی وجہ سے وہ بے چین تھا۔

"یہ شکیلہ کون ہے۔ بہت سوں کی زبان سے اس کا نام سنا ہے۔"

"آپ کی ہم شکل تھی۔ حیرت انگیز طور پر ہم شکل' ٹرین میں بڑی مال کو مل گئی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے ساتھی دو ہم شکل لوگ تھے۔ شیطان صفت۔ سب نے اسے افشاں سمجھا تھا لیکن میں حقیقت جانتا تھا۔"

"اوہ! کیا وہ مجھ سے بہت ملتی تھی؟"

"اتنی کہ شناخت ناممکن تھی۔"

"کمال ہے' ٹھکروہ گئی کہاں؟"

"نہ جانے کہاں۔" تصدق کی آواز میں عجیب سی کیفیت تھی۔

"اور اس کے ساتھی؟"

"وہ دونوں جرائم پیشہ تھے' میں نے انہیں گرفتار کرا دیا۔"

"تو وہ جیل میں ہیں؟"

"نہیں!"

"چھوٹ گئے؟"

"خدا ہی بہتر جانے۔"

"بہرحال تصدق! تم نے میرے ساتھ جو تعاون کیا ہے اس کے لیے شکر گزار ہوں۔ میری طرف سے دل میں کوئی خیال نہ لانا لیکن دم کے مسئلے میں میرا دم انکار ہے گا۔"

"بس میرے لیے دعا کریں۔ خدا مجھے موت دے دے۔"

"آمین۔" افشاں نے بے ساختہ کہا اور پھر جلدی سے بولی "ارے نہیں نہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم اسے کٹوا بھی سکتے ہو۔"

"چلی جایئے۔ خدا کے لیے چلی جایئے۔" تصدق جھلا کر کھڑا ہو گیا۔

"ارے۔ ارے۔ میں تو تمہیں تسلی دے رہی ہوں بلکہ تم نے ابھی تک مجھے پوری طرح سمجھا بھی نہیں ہے۔ دکھاؤ تو۔ شاید میں ہی تمہیں کوئی علاج بتا سکوں۔"

"افشاں بی بی۔ افشاں بی بی! میرے لیے تم کہاں۔ للہ اس وقت چلی جایئے۔"

"اچھا۔ خدا حافظ۔ جیسی تمہاری مرضی۔ ویسے مجھے تم سے ہمدردی ہے۔" افشاں بھی اٹھ کر دروازے سے باہر نکل گئی۔

ہم دونوں کمرے میں ہی رہے..... تصدق نے جلد کل سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ طالوت اس دوران کارروائی کر چکا تھا اور اب ہم نگاہوں کے سامنے تھے۔

تصدق پلٹا اور بری طرح اچھل پڑا۔

"تت۔ تم۔ تم!" اس نے خوف زدہ نگاہوں سے ہمیں دیکھا پھر اس کی آنکھوں میں خوں خوار تاثرات ابھر آئے لیکن پھر ان کی جگہ بے بسی نے لے لی اور پھر وہ رو پڑا۔

"نجات دلا دو۔ خدا کے لیے مجھے اس سے نجات دلا دو۔ میری زندگی تباہ ہو جائے گی۔ میں بے موت مر جاؤں گا۔ تمہیں خدا کا واسطہ مجھے اس سے نجات دلا دو' میں سخت پریشان ہوں۔"

"اور تم نے جو ہماری زندگیاں خاک میں ملا دیں تصدق!" میں نے کہا۔

"میں شرمندہ ہوں۔ میں تم سے دلی طور پر شرمندہ ہوں' اگر میں تمہاری زندگیاں واپس دلا سکتا تو ضرور دلا دیتا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں تمہارے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"ایک شرط ہو گی تصدق!" بالآخر طالوت نے کہا۔

"بتاؤ۔ بتا دو۔ میں ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔"

"افشاں کی کہانی سناؤ۔"

"اوہ!" تصدق نے بے بسی سے ہمیں دیکھا پھر گہری سانس لے کر بولا "سنا دوں گا' خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ تم پہلے مجھے اس سے نجات دلا دو۔"

"پہلے کہانی۔ لیکن سچی!"

"اب تمہارے سامنے کیا جھوٹ بولوں گا۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ۔"

"دراصل افشاں بی بی غیر ممالک کی سیر کرنا چاہتی تھیں۔"

"اچھا۔ پھر؟"

"تنویر صاحب نے کسی طور انہیں اجازت نہیں دی۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ انہوں نے مجھے آلۂ کار بنایا۔ میرے ذریعے ہی انہوں نے پاسپورٹ وغیرہ بنوایا اور دوسرے ضروری کاغذات تیار کرائے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ ان کا دورہ مختصر ہو گا اور وہ جہاں بھی ہوں گی' مجھے آگاہ رکھیں گی۔ ساری تیاریاں کرنے کے بعد ایک روز وہ یونیورسٹی گئیں اور وہیں سے ایئرپورٹ چلی گئیں۔

اس کے بعد سے ان کا پتہ نہیں چل سکا۔ انہوں نے مجھے بھی جل دے دیا تھا۔ یہاں کے حالات بے حد بگڑ گئے لیکن اب میں زبان کیسے کھول سکتا تھا' خود میری شامت آ جاتی۔ یہ ہے کل کہانی۔"

"اوہ!" میں نے طویل سانس لی۔

"ایک سوال اور تصدق؟"

"وہ بھی پوچھ لو۔" تصدق نے عاجزی سے کہا۔

"شکیلہ کہاں ہے؟"

"میرے ایک دوست کے ہاں ہے۔ یقین کرو' اسے میں نے کوئی تکلیف نہیں ہونے دی ہے۔"

"تم نے اسے اغوا کیا تھا؟"

"ہاں۔" تصدق نے سر جھکا لیا۔

"کیوں؟" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

تصدق خجل ہوئے انداز میں ہماری شکلیں دیکھ رہا تھا۔ اس نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"جواب دو' تم نے اسے کیوں اغوا کیا ہے؟"

"معاف کر دو۔ خدا کے واسطے معاف کر دو۔" تصدق نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"جواب دو تصدق۔" میں نے نرم لہجے میں کہا۔

"تم لوگوں نے بھی تو میری زندگی جہنم کر دی تھی۔ میرا جینا حرام کر دیا تھا۔ تم لوگوں نے جتنا بے عزت مجھے کیا' اس سے قبل میں کبھی نہیں ہوا۔ میں تم لوگوں سے نفرت کرتا تھا۔"

"تو اس کا انتقام تم نے شکیلہ سے لیا؟"

"نہیں۔" تصدق نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"پھر؟"

"میں نے اسے اس لیے اغوا کیا کہ تم یہاں سے دفعان ہو جاؤ۔ تم اسے تلاش کرتے پھرو اور میری جان چھوٹ جائے۔ یہاں تمہاری پوچھ گچھ صرف اس کی وجہ سے تھی۔ اس کے بعد تمہارے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔"

"لیکن کیا یہ جرم نہیں تصدق؟"

"بس میں اتنا ہی عاجز آ گیا تھا۔"

"ہوں! اس کے بعد تم نے پولیس کو ہماری نشان دہی کر دی لیکن تمہیں ہمارے بارے میں علم کیسے ہو گیا؟"

"اتفاقیہ طور پر۔ میں نے اخبار دیکھے تھے' ان میں تمہاری تصویر اور تفصیل مل گئی تھی۔"

"خوب!" میں نے طالوت کی شکل دیکھی۔ وہ بھی میری طرف دیکھ رہا تھا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "اب ہم تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں تصدق؟"

"بس قتل کر دو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔"

"خودکشی کیوں نہیں کر لیتے؟" طالوت نے بے رحمی سے پوچھا۔

"نہیں کر سکتا۔ کر سکتا تو اب تک کر چکا ہوتا۔ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔"

"دم دکھانے کے قابل تو ہو۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔ تصدق نے بے بسی سے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری تھی۔

"کیا خیال ہے؟" میں نے اسے گھورا۔

"میں۔ میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"ہم تمہاری خواہش پوری کیے دیتے ہیں تصدق۔ اسے قتل کر دو۔" میں نے کہا اور طالوت نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے' تصدق نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"لیکن ٹھہرو' پہلے اس سے شکیلہ کے بارے میں تو معلوم کر لو۔" میں بولا۔

"شکیلہ کہاں ہے؟" طالوت اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"نکل روڈ کے مکان نمبر سترہ میں' چوہدری اسماعیل نامی ایک شخص ہے' میرا دوست ہے۔ وہ شریف آدمی ہے۔ بس

Uploaded By Muhammad Nadeem

میری دوستی سے مجبور ہو کر اس نے شکیلہ کو رکھ لیا ہے۔ براہ کرم اسے کچھ نہ کہنا۔ تم کسی طرح بھی اسے وہاں سے نکال سکتے ہو۔" تصدق نے جواب دیا اور طالوت نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"آنکھیں کھول دو تصدق!" وہ بولا اور تصدق نے آنکھیں کھول دیں "تمہاری ایک شرافت کی وجہ سے ہم نے تمہاری جان بخش دی۔"

"شرافت؟"

"ہاں۔ تم نے شکیلہ کا پتہ آسانی سے بتا دیا۔ اگر تم اس پر سودے بازی کرتے تو پھر ہم شاید تمہیں معاف نہ کرتے۔"

"میں زندگی سے عاجز آگیا ہوں۔ اس دم کی موجودگی میں، میں زندہ درگور ہو گیا ہوں۔" تصدق رو پڑا۔

"کون سی دم کی بات کر رہے ہو؟" طالوت نے کہا۔

"یہی۔ یہی۔" تصدق نے جھلاتے ہوئے انداز میں پشت پر ہاتھ مارا اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں ٹٹولنے لگا پھر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ نیچے جھانکا لیکن دم موجود نہیں تھی۔ اس نے تھوک نگل کر ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"تت۔ تت۔ تو کیا۔ کیا واقعی تم نے مجھے معاف کر دیا؟"

"تم نے زرین سے ہی ہمارے ساتھ غلط سلوک کیا تھا تصدق! تم نے اسی وقت سے ہماری دشمنی مول لے لی تھی، ورنہ ہم تم سے دشمنی ہی کیوں کرتے۔" طالوت نے کہا۔

"مجھ سے غلطی ہوئی تھی۔"

"کوئی بات نہیں میری جان۔ ہم تو یاروں کے یار ہیں۔ تم نے ہماری دشمنی دیکھ لی، اب دوستی بھی دیکھو۔"

"لل۔ لیکن۔ تم تو۔ تم تو مر چکے ہو۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" طالوت نے لاپروائی سے کہا۔

"کیا مطلب؟" تصدق پھر حیران ہو گیا۔

"ارے ہم تو اکثر مرتے رہتے ہیں۔ دس بیس بار مرنے سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔"

"تت تو۔ تم واقعی زندہ ہو۔" تصدق نے آنکھیں پھاڑ دیں۔

"تمہیں کیسے نظر آرہے ہیں؟"

"اور وہ دم؟"

"ارے وہ تو ایک شعبدہ تھا۔ ایسا ہی شعبدہ جیسے ہم تھانے سے نکل بھاگے تھے۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔" تصدق نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"چلو۔ اب لباس تبدیل کرو۔ ہمارے ساتھ چلو اور شکیلہ کو ہمیں واپس کر دو۔" طالوت نے کہا اور تصدق اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا ہاتھ بار بار پیچھے چلا جاتا تھا۔

بہرحال ہم اس کے کمرے سے نکل آئے۔ اس نے لباس تبدیل کیا۔ اب اس کی کیا مجال تھی کہ وہ ہمارے خلاف کوئی حرکت کرتا۔ لباس تبدیل کر کے وہ باہر نکل آیا۔ اس کے چہرے سے اب خوشی جھلک رہی تھی۔

"دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہنا ہے۔ تمہارے بارے میں سب کو اطلاع مل چکی ہے۔"

"ٹھیک ہے، تم اپنی گاڑی کے پیچھے پیچھے ہم آرہے ہیں۔" طالوت نے کہا اور تصدق گردن ہلا کر نکل گیا "آؤ۔" طالوت نے مجھ سے کہا اور پھر اس نے میرا ہاتھ پکڑا۔ دوسرے لمحے ہم گاڑی کے نزدیک تھے۔ طالوت نے دونوں ہاتھ ہوا میں لہرائے اور پھر دور سے آتے ہوئے تصدق کی طرف انگلی اٹھا دی۔

"کیا کر دیا؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ اب اس کے علاوہ ہمیں اور کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔"

"اوہ! عمدہ بات ہے طالوت۔ بہرحال پولیس سے دوبارہ مدبھیڑ بھی ہو سکتی ہے۔"

"ارے تو پروا کیوں کرتے ہو میری جان۔ اب میں بے دست و پا تو نہیں ہوں۔ ایس پی صاحب سے بھی ملاقات کر لیں گے۔"

"نہیں بھائی۔ خدا کے واسطے نہیں۔ میرا خون خشک مت کر۔" میں نے طالوت سے کہا۔

"بزدلی نہ دکھاؤ عارف! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" طالوت نے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اتنی دیر میں تصدق بھی ہمارے پاس پہنچ گیا۔ ہمیں دیکھ کر اس کا منہ پھر کھل گیا تھا۔

"ارے۔ تم لوگ یہاں پہنچ گئے؟" اس نے ہونقوں کے سے انداز میں کہا۔

"دوڑتے ہوئے آئے ہیں دوسروں کی نظروں سے بچ کر۔ چلو گاڑی نکالو، کوئی دیکھ نہ لے۔" طالوت بولا اور تصدق نے جلدی سے گاڑی اسٹارٹ کر دی اور ہم محل سے نکل آئے۔

تصدق خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے پھر اس نے ایک گہری سانس

Uploaded By Muhammad Nadeem

جاسوسی ڈائجسٹ کے مقبول سلسلے کتابی شکل میں دستیاب ہیں

شکاری — 20 حصے (مکمل) — قیمت فی حصہ 60 روپے — ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

مکمل سیٹ ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف -/1000 روپے

مجاہد — 11 حصے (مکمل) — قیمت فی حصہ 60 روپے — ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

مکمل سیٹ ایک ساتھ منگوانے پر رعایتی قیمت صرف -/600 روپے

گمراہ — 8 حصے (مکمل) — قیمت فی حصہ 60 روپے — ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

مفرور — 6 حصے (مکمل) — قیمت فی حصہ 60 روپے — ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

صدیوں کا بیٹا — 5 حصے (مکمل) — قیمت فی حصہ 60 روپے — ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

کسی بھی کتاب کے چار حصے ایک ساتھ منگوانے پر ڈاک خرچ (29) روپے

کسی بھی قسم کی رعایت حاصل کرنے کے لئے رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

لے کر کہا "تمہارے لیے تو بڑی مشکلات پیش آجائیں گی۔"
"کیوں؟"
"پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔"
"شکر ہے دوستی کب کام آئے گی تصدق؟"
"میں کیا کر سکتا ہوں؟"
"ہمیں کہیں چھپانے کا بندوبست نہیں کرو گے؟"
"چھپانے کا۔" اس نے فکر مندانہ انداز میں کہا اور پھر کئی منٹ تک سوچتا رہا پھر اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا "منویر صاحب کا باغ عمدہ جگہ ہے۔ میں وہاں تمہارے لیے ساری سہولتیں مہیا کروں گا۔ یوں بھی وہاں میری اطلاع کے بغیر کوئی نہیں جاتا۔ مالی سے کہہ دوں گا میرے عزیز ہیں۔" تصدق نے کہا۔ خالص انسان بن گیا تھا وہ اور انسانوں سے بہرحال ہماری کوئی دشمنی نہیں تھی۔
چنانچہ ہم خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی مطلوبہ جگہ پہنچ گئی اور تصدق نیچے اتر گیا "میں شکیلہ کو لے کر آتا ہوں۔ براہ کرم اگر ہو سکے تو اس کی نگاہوں میں میری پوزیشن خراب مت ہونے دینا۔ اسے نہیں معلوم کہ اسے کس نے اغوا کیا ہے۔ میں نے اسے بے ہوش کر کے اٹھایا تھا۔"
"جاؤ۔ لے کر آؤ۔" طالوت نے کہا اور تصدق اس مکان میں پہنچ گیا۔ ہم دونوں انتظار کرنے لگے "بھائی تیرک تو میدان چھوڑ گئے عارف! اب کیا کیا جائے؟" طالوت نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"ابھی تو بہت سی دلچسپیاں ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بتاؤ یار۔"
"شکیلہ آجائے' اس کے بعد پروگرام بنائیں گے۔"
"یہاں سے کہاں چلا جائے؟ کیا تصدق کی پیشکش قبول کر لی جائے؟"
"ہاں۔"
"ہاں۔"
"میرا خیال ہے ضروری نہیں ہے۔ ہم کسی ہوٹل میں بھی رہ سکتے ہیں' اس شکل میں کہ صرف شکیلہ منظر عام پر رہے اور ہم دونوں دوسروں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہیں۔"
"ویری گڈ۔ اچھا آئیڈیا ہے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا "منظور ہے ہمیں۔"
"سو فیصد!" اس نے کہا اور ہم خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد تصدق' شکیلہ کے ساتھ باہر آیا۔ وہ دونوں بڑی تیزی سے قدم اٹھا رہے تھے اور پھر لینڈ روور میں پہنچ کر شکیلہ ہم دونوں سے لپٹ گئی۔ وہ سسکیاں لے رہی تھی۔
"ارے۔ ارے شکیلہ! اس کی کیا ضرورت ہے۔ ارے۔ ارے۔" طالوت بوکھلائے ہوئے انداز میں اسے تسلی دینے لگا۔
"میری تقدیر میں یہی سب کچھ رہ گیا ہے یوسف! کیا میں زندگی بھر یونہی کھلونا بنی رہوں گی؟"
"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ تمہیں غلطی سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ اب کچھ نہیں ہو گا' فکر مت کرو۔ سمجھیں! اب تم بالکل فکر مت کرو۔" بمشکل تمام ہم شکیلہ کو خاموش کرانے میں کامیاب ہو سکے۔"
تصدق احمقوں کی طرح گردن جھکائے بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے "تصدق!" میں نے اسے آواز دی اور وہ چونک پڑا "ہمیں کسی عمدہ سے ہوٹل میں لے چلو۔"
"ہوں۔ ہوٹل کیوں؟"
"فی الحال یہی پروگرام ہے۔ تمہارے پروگرام پر عمل کریں گے۔"
"لل۔ لیکن۔" تصدق ہچکچایا۔
"فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ہے۔ ہم پروا نہیں کرتے چلو۔" طالوت نے کہا اور تصدق نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔
"آپ لوگ بھی تک کیسے پہنچے؟" شکیلہ نے سوال کیا۔ اب وہ سنبھل گئی تھی۔
"تصدق صاحب کے ذریعے۔ انہوں نے تمہارا کھوج لگایا تھا۔"
"اوہ! میں تصدق صاحب کی شکر گزار ہوں۔" شکیلہ نے ممنونیت سے کہا اور تصدق کی گردن شرم سے جھک گئی۔
"ویسے ان لوگوں کی قید میں تمہیں تکلیف تو نہیں ہوئی؟"
"انوکھی قید تھی۔ سب لوگ اس طرح میری خدمت کرتے تھے جیسے میں شہزادی ہوں۔ میری ذرا سی بات پر سب دوڑ پڑتے تھے' سوائے اس کے مجھے اور کوئی تکلیف نہیں تھی کہ میں ایک کمرے تک محدود تھی۔"
"شکر ہے' ہم تمہارے لیے بہت پریشان تھے۔"
ایک خوب صورت سے ہوٹل کے سامنے تصدق نے گاڑی روک دی اور ہماری طرف رخ کیے بغیر بولا "یہ ہوٹل بہت عمدہ ہے۔"
"شکریہ تصدق! بس اب تم واپس جاؤ۔ ہم پھر ملاقات

کریں گے۔"
"میرے لیے اور کوئی خدمت؟"
"جیتے رہو پیارے لیکن ہماری یہاں موجودگی کے بارے میں کسی کو معلوم نہ ہو۔"
"اب آپ بے فکر رہیں۔ تصدق کا رواں رواں آپ کا غلام ہے۔ مجھے پورا پورا احساس ہے کہ میرے رویے نے ہی آپ کو میرا دشمن بنایا تھا۔ غلطی میری ہی تھی۔" تصدق نے شرمندگی سے کہا۔
"بس بس میری جان تصدق! ہمارا دل صاف ہو گیا۔ آج سے تم دوستوں میں ہو۔" طالوت نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ میں نے بھی تصدق سے مصافحہ کیا اور تصدق واپس چلا گیا۔
"شکیلہ!" طالوت نے شکیلہ کو پکارا۔
"جی!" وہ آہستہ سے بولی۔
"اب تم ٹھیک ہو جاؤ۔ ہماری بادشاہت واپس مل گئی ہے۔ اندر چلو۔ ہم کہیں رک جائیں گے۔ تم یہاں تین افراد کے لئے کمرے حاصل کر لو۔ ذرا شان سے۔ کہہ دینا دو شہزادے قیام کریں گے' تم ان کی نگراں ہو۔"
"اوہ! لیکن؟"
"ہاں' ہاں۔ یہ نوٹ کاؤنٹر پر ڈال دینا۔" طالوت نے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی شکیلہ کو تھماتے ہوئے کہا۔
"اوہ۔ اتنے سارے لیکن یہ سب؟"
"کاؤنٹر پر جو بھی ہو' اس سے کہہ دینا نوٹ رکھے' حساب بعد میں ہو جائے گا۔"
"اچھا!" شکیلہ نے گہری سانس لی' نوٹ سنبھالے اور اندر چل پڑی۔ ظاہر ہے معمولی سے علاقے کی لڑکی تھی' ہکا بکا تھی۔ لیکن بہرحال ہم نے اسے جو کچھ سمجھایا تھا' اس نے اسی کیا تھا۔ واپس آئی تو دو پورٹرس اس کے ساتھ تھے۔
"ارے۔ ارے۔ یہ اس نے کیا گڑبڑ کر ڈالی۔" طالوت نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔
"اس کے علاوہ وہ بے چاری کیا کر سکتی تھی۔" میں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا "نگراں؟"
"میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ جاؤں؟"
"جاؤ یار۔ لڑکی ابھی سیدھی ہے۔" طالوت نے ایک ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور میں ان دونوں کی طرف خود ہی بڑھ گیا۔
"تم لوگ کمرے کا نمبر بتا دو' فی الحال سامان وغیرہ نہیں آیا' آجائے گا۔" میں نے کہا۔
"بہتر جناب۔" پورٹرس نے کہا اور پھر وہ کمرے تک ہماری رہنمائی کرنے چل پڑے۔ طالوت بھی ساتھ ہی آرہا تھا لیکن بہرحال وہ پورٹرس کی نگاہ میں نہیں تھا۔ ہوٹل واقعی خوب صورت تھا۔ بڑے کمرے میں تین بیڈ لگے ہوئے تھے۔ ضرورت کا سارا سامان موجود تھا۔ طالوت آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا اور شکیلہ اس کی شکل دیکھنے لگی۔
"کیوں؟ کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ ہیٹھو شکیلہ۔ ظاہر ہے اس دوران کے واقعات سے تو تم لاعلم رہی ہو گی؟"
"ظاہر ہے۔"
"چنانچہ پہلی اہم اطلاع یہ ہے کہ افشاں واپس آگئی۔"
"اوہ! شکر ہے مگر وہ کہاں گئی تھی؟"
"سیر کرنے۔"
"کیا مطلب؟" شکیلہ تعجب سے بولی اور میں نے اسے مختصراً تفصیل بتا دی "بڑی عجیب لڑکی ہے۔" شکیلہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر وہ چونک کر بولی "لیکن آپ لوگوں نے میرا پتہ کیسے چلا لیا؟"
"بس اسی دن سے تمہاری تک و دو میں لگے ہوئے تھے۔"
"لیکن یہ کون لوگ تھے جنہوں نے مجھے اغوا کیا تھا؟"
"جرائم پیشہ۔ منویر صاحب سے کچھ وصول کرنا چاہتے تھے لیکن بہت جلد ان کی غلط فہمی دور ہو گئی۔" میں نے جواب دیا اور شکیلہ گردن ہلانے لگی پھر وہ مسکراتی ہوئی بولی۔
"گویا کل سے اب ہماری چھٹی؟"
"بظاہر تو یہی بات ہے۔"
"بظاہر کیوں؟"
"بھئی وہ لوگ بداخلاق ہو سکتے ہیں' ہم نہیں۔ بہرحال سلام دعا ہے' ملاقات تو ضرور کریں گے۔ ویسے اگر تم ہمت کرو تو ایک دلچسپ کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔"
"کیسا کھیل؟" شکیلہ نے پوچھا اور ہم اسے کھیل کی تفصیل بتانے لگے "اوہ لیکن یہ۔۔۔ خاصا مشکل کام ہے۔"
"اگر کر سکو تو تفریح رہے گی۔ ہم تمہاری پوری پوری مدد کریں گے۔"
"مگر اس سے فائدہ؟"
"صرف تفریح اور کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔"
"مناسب رہے گی یہ تفریح؟" شکیلہ نے کہا۔
"حرج بھی کیا ہے۔ پہلے تنویر صاحب صرف ایک

Uploaded By Muhammad Nadeem

افشاں کے لیے سرگرداں تھے' اب انہیں دو دو سے بھگتنا پڑے گا لیکن شرط یہی ہے کہ تم خوبی سے اپنا کردار نبھادو۔"

"میں کوشش کروں گی۔"

"مخل سے واقف ہی ہو۔ جن معاملات میں انجھو گی' کسی نہ کسی طرح تمہارے کان میں وہ بات پہنچا دی جائے گی۔"

"دلچسپ سچویشن رہے گی۔" شکیلہ ہنس پڑی۔

"ہاں۔ لیکن اسی شکل میں جب تمہارا کردار کامیاب رہے۔"

"آپ بے فکر رہیں۔ میں پوری پوری کوشش کروں گی۔"

"بس تو کل صبح یہ ڈراما شروع ہو جائے گا۔" طالوت نے کہا اور میری طرف دیکھنے لگا۔ میں ہنس پڑا تھا۔ طالوت کو اس کی زندگی واپس مل گئی تھی اور اس کی سوئی ہوئی شرارتیں بھی جاگ اٹھی تھیں۔

بہرحال' یہ پروگرام طے ہو گیا۔ شکیلہ جس انداز سے ہوٹل میں داخل ہوئی تھی' اس نے ہوٹل والوں پر بڑا اثر ڈالا تھا۔ کئی ویٹروں نے دروازے پر دستک دے کر کسی ضرورت کے بارے میں پوچھا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد طے ہوا کہ کھانا کھایا جائے اور میں نے شکیلہ سے ویٹر کو بلانے کے لیے کہا۔ شکیلہ نے بیل بجادی تھی۔

"کھانا ہم لوگ یہیں کھائیں گے۔" شکیلہ بولی۔

"اوہ۔ خاتون! کیا آپ کے ساتھی....؟" ویٹر نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ تین آدمیوں کا کھانا لاؤ۔" شکیلہ نے کہا۔

"جی۔ بہتر۔ بہتر۔" ویٹر نے جواب دیا اور باہر نکل گیا۔

"یہ بوکھلایا ہوا کیوں تھا؟" شکیلہ تعجب سے بولی۔

"پتہ نہیں۔" طالوت نے گہری سانس لے کر گردن ہلا دی۔ ویٹر کھانے کی ٹرالی لے آیا تھا اور پھر اس نے کھانا میز پر لگا دیا لیکن وہ بار بار چاروں طرف گردن گھما کر ہمیں تلاش کر رہا تھا۔ ہم دونوں تو اس وقت شکیلہ کے سوا کسی کو نظر نہیں آ رہے تھے۔ کھانا لگا کر ویٹر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

"بس جاؤ۔ کھانے کے بعد کافی لے آنا۔"

"جی!" ویٹر نے پھر چاروں طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔

"یار عارف!" طالوت نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کھسکاتے ہوئے کہا "ہوں!"

"شکیلہ سے یہ گڑبڑ زیادہ نہ چل سکے گی۔ اسے اس چکر کے بارے میں کیا بتاؤ گے؟" میں نے چونک کر شکیلہ کی شکل دیکھی۔ لیکن وہ بے چاری ہماری گفتگو سے لاعلم تھی۔ طالوت کے لیے یہ کون سی مشکل بات تھی۔ جب چاہتا کسی کی آنکھوں اور کانوں پر ہاتھ پھیر سکتا تھا۔

"ہاں۔ اگر اس لڑکی کو ساتھ رکھنا ہے تو اسے رازدار بنانا ہوگا۔"

"مگر ساری باتیں بتا دو گے؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"نہ بتاؤ تو بہتر ہے۔ کوئی اور ترکیب کرو۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ کی طرف دیکھنے لگا جو پلیٹوں میں کھانا سرو کر رہی تھی۔

"میں بات کرتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"شروع کریں۔" شکیلہ بولی اور کھانے میں مصروف ہو گئے "ویٹر بڑا احمق ہے۔ اس کی بوکھلاہٹ میری سمجھ میں نہیں آئی۔" شکیلہ کھانے کے دوران بولی۔

"یہ سب یوسف کی شرارت ہے۔" میں خود ابھی اور شکیلہ میری شکل دیکھنے لگی۔

"کیوں۔ یوسف صاحب کی شرارت کیوں ہے؟"

"عجیب و غریب انسان ہے یہ۔ تمہارا کیا خیال ہے ٹائٹ سے ٹکرانے والا کوئی معمولی انسان ہو سکتا ہے۔"

"مگر اسے تو آپ نے قتل کیا تھا عارف صاحب!"

"اس کی مدد کے بغیر کیسے ممکن تھا؟"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا عارف صاحب۔" شکیلہ نے کھانا ختم کرتے ہوئے کہا۔

"بھئی یوں سمجھ لو' اس وقت ہم دونوں میں سے کوئی ویٹر کو نظر نہیں آ رہا۔"

"کیا مطلب؟"

"اونہہ' بتاتے کیوں نہیں یوسف۔" میں نے مصنوعی طور پر جھلاتے ہوئے کہا اور پھر خود ہی بولا "دراصل یوسف ایک بہت بڑا شعبدہ باز ہے۔ اسے بہت سے علم آتے ہیں۔ پچھلے دنوں اسے اپنے شعبدوں سے نفرت ہو گئی تھی۔ بمشکل تمام میں نے اسے تیار کیا کہ وہ پھر سے اس دنیا میں آ جائے۔ اس جہاں میں جو جتنا بڑا شعبدہ گر ہے' اتنا ہی کامیاب ہے۔"

"لیکن ویٹر والی بات؟" شکیلہ حیرت سے بولی۔

"کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ بڑی معمولی بات ہے۔ تم نے یوسف کی شعبدہ گری نہیں دیکھی۔"

"کمال ہے' یہ کیسے ممکن ہے؟" شکیلہ بڑبڑانے لگی۔

"بس تم دیکھو گی۔ لیکن کسی بات پر حیرت کا اظہار نہیں کرو گی۔"

"لیکن یہ معمولی شعبدہ گری نہیں ہے کہ آپ دونوں اسے نظر نہیں آ رہے۔"

"ان معاملات میں یوسف اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گی۔"

"میں واقعی حیران ہوں۔ اگر یوسف صاحب ایسے ہی شعبدہ گر تھے تو اتنے دن تک کیوں خاموش رہے۔"

"وہ خاموشی کا دور تھا۔"

"مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

"ویٹر کی حرکات دیکھ لینا لیکن کچھ بولو گی نہیں۔"

شکیلہ دلچسپی سے گردن ہلانے لگی پھر ہمارے کھانا ختم کرنے کے بعد اس نے جلدی سے ویٹر کو بلانے کے لیے گھنٹی بجادی۔ چند منٹ کے بعد ویٹر اندر آ گیا۔ اس نے اندر آتے ہی چاروں طرف دیکھا تھا۔

"برتن اٹھا لو ویٹر۔ اور کافی لاؤ۔"

"جی۔" ویٹر نے گردن ہلائی پھر برتنوں کے پاس پہنچ کر وہ دوبارہ چونک پڑا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر بولا "کافی کتنی لاؤں جی؟"

"تین۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"تین؟" ویٹر نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"جی جی۔ ایک بات پوچھوں۔" ویٹر نے ہمت کر کے کہا۔

"پوچھو۔"

"آپ کے۔ آپ کے دوسرے ساتھی کہاں ہیں؟"

شکیلہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش پھیل رہے تھے۔ تب طالوت نے شکیلہ سے کہا "ٹال دو اسے' کچھ کہہ سن کر۔ وہ نہ ہمیں دیکھ سکتا ہے' نہ ہماری آواز سن سکتا ہے۔"

شکیلہ نے پھر ویٹر کی طرف دیکھا۔ اس کے انداز سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے طالوت کی آواز بھی نہ سنی ہو۔

"تم... تم کافی لے آؤ۔" شکیلہ نے اس سے کہا اور ویٹر پلٹ کر دروازے کی طرف چل پڑا لیکن وہ گھوم گھوم کر پیچھے دیکھ رہا تھا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔" شکیلہ نے کہا۔

"الجھنے کی بات نہیں ہے شکیلہ۔ یہ یوسف کا فن ہے۔"

"انتہائی حیرت انگیز ہے۔ اور اس کے ساتھ آپ بھی عارف صاحب!"

"ہاں بھائی' اس نے مجھے بھی رنگ دیا ہے۔"

"میرے لیے سخت حیرت انگیز انکشاف ہے بہرحال۔"

"ہاں۔ اس بات پر الجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اعصاب پر قابو رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً تنویر صاحب کے مکان میں ڈرامہ کے دوران ہم تمہارے ساتھ موجود ہوں گے' لیکن دوسرے لوگ ہمیں نہیں دیکھ سکیں گے۔ تم پورے طور سے مطمئن ہو کر کام کرنا۔ ہم ہر لمحے تمہاری مدد کو موجود ہوں گے۔"

"بہرحال مجھے حیرت ہے۔"

اتنی دیر میں ویٹر کافی لے آیا۔ اس گدھے کو بھی حیرت تھی۔ شکیلہ نے اسے واپسی کی اجازت دے دی اور پھر اٹھ کر دروازہ بند کر دیا پھر اس نے تین پیالیوں میں کافی بنائی اور ہم سب کافی کی چسکیاں لینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی ہم تنویر صاحب کے ہاں ڈرامے کا پروگرام ترتیب دیتے رہے تھے۔

آخر کافی بھی ختم ہو گئی۔

"ویسے اس پروگرام کی ابتدا کب ہو؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"کل صبح' بلکہ علی الصبح۔ وہی موزوں رہے گا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شکیلہ نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا اور پھر مسکرا دی "اس شخص تصدق کا کیا حال ہے؟"

"اب تو دوست بن گیا ہے بے چارہ۔"

"اوہ۔"

"ہاں۔ غریب کو بہت پریشان کر دیا۔"

"ویسے افشاں کی کہانی عجیب ہے۔"

"ہاں۔ سیاحت کے شوق نے اسے خراب کیا تھا۔"

"اور تصدق بھی خوب گہرا آدمی نکلا۔"

"ہاں۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے اور ظاہر ہے' تمہیں دیکھ کر اس کی حالت ہی سب سے زیادہ خراب ہونی چاہیے تھی۔"

"افشاں واقعی میری اس حد تک ہم شکل ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں' دلچسپ مشابہت ہے۔ آج تک ہم دونوں ہی خود کو انوکھا سمجھتے تھے۔ لیکن تم دونوں بھی حیرت انگیز طور پر یکساں شکلوں کی مالک ہو۔" اس کے بعد شکیلہ کافی دیر تک افشاں کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرتی رہی۔ وہ دل ہی دل میں اس ڈرامے کے تصور سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھی۔

بہرحال دوسرے دن منہ اندھیرے اٹھ گئے' شکیلہ ابھی

Uploaded By Muhammad Nadeem

سورہی تھی۔ طالوت نے مجھے جگایا اور میں بھی جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"تیار ہو عارف؟"

"ابھی۔ ہاں ٹھیک ہے۔"

"شکیلہ کے بارے میں بتاؤ۔"

"کیا؟"

"اسے جگا کر لے چلیں یا ایسے ہی؟"

"جگاؤ گے تو باقاعدہ جانا پڑے گا۔"

"یہی سوچ رہا تھا۔"

"ویسے ہی لے چلو۔ وہاں جگالیں گی۔"

"حیرانی کی وجہ سے اپنا کردار نہ بھول جائے۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔"

"میرا خیال ہے اس پر کسی حد تک کھل جاؤ۔ جگالو اسے۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلادی پھر میں نے شکیلہ کو جھنجوڑا اور شکیلہ جاگ گئی۔ وہ جلدی سے بستر سے اٹھ آئی تھی۔

"چلو گی نہیں شکیلہ؟"

"اتنی صبح؟"

"ہاں۔ ڈرامہ بستر سے ہی شروع کردیا جائے۔"

"اچھا' ٹھیک ہے' چلیں۔ میں منہ ہاتھ دھولوں۔"

"لیکن' اس کی کیا ضرورت ہے۔ وہاں جاکر بھی تو بستر پر لیٹ جانا ہے۔"

"لیکن وہاں تک جائیں گے کیسے؟"

"اس ظالم کے شعبدے کس دن کام آئیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"آنکھیں بند کرو۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"یہ ہوٹل ہے نا؟"

"ہاں پھر؟"

"بس تو آنکھیں بند کرلو۔ اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو۔" طالوت نے کہا اور شکیلہ نے مسکراتے ہوئے آنکھیں بند کرلیں۔ طالوت نے میرا بھی ہاتھ پکڑا۔ اور دوسرے لمحے ایک ہلکی سی سنسناہٹ ہوئی۔ یہ سنسناہٹ بھی صرف میں نے محسوس کی تھی۔ تب طالوت کی آواز ابھری۔

"بس حضرات آنکھیں کھول دیں۔ کیا کھڑے کھڑے سونے کا ارادہ ہے۔" اور ہم نے آنکھیں کھول دیں۔ تنویر صاحب کے مکان کو ہم صاف پہچان گئے تھے۔ شکیلہ شدت حیرت سے گنگ ہوگئی تھی۔

"اتنا حیران ہونے کی نہیں ہورہی شکیلہ۔ اب اپنا کردار انجام دینے کو تیار ہوجاؤ۔" طالوت نے کہا۔

"حیرت انگیز۔ کیا ہم اسے صرف شعبدہ کہیں گے۔" شکیلہ آہستہ سے بولی۔

"جو کہنا ہوگا بعد میں کہہ لیں گے۔ آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم آگے بڑھ گئے۔

"کیا ہمیں دیکھ نہیں لیا جائے گا؟" شکیلہ نے کہا۔

"نہیں۔"

"اور مجھے؟"

"تمہیں بھی کوئی نہیں دیکھے گا۔"

"میرے خدا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا۔"

"لڑکیوں میں بس یہی خرابی ہوتی ہے جب تک سمجھ نہیں لیتیں کچھ نہیں کرتیں۔ اب اگر تم صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہیں تو کام ہوگیا۔ کوئی کام بغیر سوچے سمجھے بھی کرلو تو کیا حرج ہے۔" طالوت نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔ میں اب ٹھیک ہوں لیکن کیا میری حرکت فطری نہیں ہے؟"

"ہاں' ہاں فطری ہے' سو فیصد فطری ہے۔"

"آیئے۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور ہم اندر کی طرف چل پڑے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم افشاں کی خواب گاہ کے سامنے تھے۔ طالوت نے اندر جھانکا۔ افشاں سورہی تھی اور دروازہ اندر سے بند تھا۔

"تم رکو۔ میں دروازہ کھولتا ہوں۔" طالوت بولا اور پھر وہ خواب گاہ کے عقب میں چلا گیا۔ ہمیں نہیں معلوم' وہ اندر کہاں سے گھسا لیکن بہرحال چند ساعت کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا۔

"آؤ۔" اس نے کہا اور میں اور شکیلہ اندر داخل ہوگئے۔ افشاں سامنے ہی ایک خوب صورت مسہری پر سورہی تھی۔ اس کے بدن پر شب خوابی کا لباس تھا۔

"میں نے اس پر ہاتھ پھیر دیا ہے' کم از کم ڈیڑھ گھنٹے تک نہ اٹھ سکے گی۔ شکیلہ۔ تم الماری سے اس کا شب خوابی کا لباس نکال کر پہن لو۔ ہم اسے مسہری کے نیچے سلا دیتے ہیں۔ لباس پہن کر لیٹ جانا اور تھوڑی دیر کے بعد۔"

"پتہ ہے۔"

"لیکن دیکھو۔ پوری ہوشیاری سے۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" شکیلہ نے کہا اور ہم مطمئن ہوکر افشاں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ہم دونوں نے پکڑ کر خوب

صورت لڑکی کو احتیاط سے مسہری کے نیچے سلا دیا اور پھر باہر نکل آئے۔ شکیلہ نے دروازہ بند کرلیا تھا۔

"کیسی رہی استاد؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس تمہاری شرارت۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ابے دلچسپی رہے گی۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا "آؤ' ذرا قرب وجوار کی سیر کریں۔ دیکھنا یہ ہے کہ مس شکیلہ اپنا کردار کس طرح انجام دیتی ہیں۔"

کافی دیر تک ہم تنویر صاحب کے محل میں آوارہ گردی کرتے رہے پھر خاصا وقت نکل آیا۔ یہاں کے معمولات ہمیں معلوم تھے۔ اس لیے اب سب لوگ جاگ چکے ہوں گے۔

ہم نے افشاں کے کمرے کا رخ کیا تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ گویا شکیلہ جاگ گئی ہے۔ ایک ملازمہ اندر سے نکلی۔ میں نے شکیلہ کے کمرے میں جھانکا۔ شکیلہ لباس تبدیل کرچکی تھی۔ درحقیقت وہ بے حد پرسکون تھی۔ بڑے اطمینان سے اس نے بال درست کیے اور پھر باہر نکل آئی۔ ہم دونوں نے خود کو اس پر ظاہر نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے اس کے پیچھے چل پڑے۔ شکیلہ بھی اس کوٹھی سے اچھی طرح واقف تھی۔ وہ ناشتے کے کمرے کی طرف جارہی تھی۔

ناشتے کی میز پر تنویر صاحب' بڑی ماں' کمال اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ شکیلہ بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی اور ناشتا شروع ہوگیا۔ ناشتے کے دوران ہلکی پھلکی گفتگو بھی جاری تھی۔

"بہت خوب۔ یہ لڑکی تو بہت عمدہ جارہی ہے۔"

"ہاں یار' حیرت انگیز۔" میں نے بھی اعتراف کیا۔

شکیلہ بے حد پرسکون تھی اور نہایت اطمینان سے ناشتا کررہی تھی لیکن سنسنی خیز مناظر شروع ہونے میں دیر نہیں تھی۔ ناشتا ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ دروازے سے افشاں داخل ہوئی۔ اس نے لباس بدل لیا تھا لیکن بال وغیرہ یونہی بکھرے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے تنویر صاحب کی نگاہ اس پر پڑی اور چائے کی پیالی ان کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ ان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"ہوں۔ تو ناشتا شروع ہوگیا؟" اس نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھ کر غصیلے انداز میں کہا۔ اور اس کی آواز پر کمال اور بڑی ماں نے بھی چونک کر ادھر دیکھا۔

دونوں کی حالت بدل گئی تھی۔

"ارے مس شکیلہ۔ آپ۔" کمال ایک دم اٹھ کھڑا ہوا۔

شکیلہ نے بھی گھوم کر دیکھا۔ اور پھر افشاں کو دیکھتے ہوئے حیرت سے بولی "ارے۔ یہ کون ہے؟"

افشاں کمر پر ہاتھ رکھے اسی طرح کھڑی تھی۔ لیکن شکیلہ کو دیکھ کر اس کی حالت بھی بدل گئی "ارے۔ ارے۔" وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں آگے بڑھ آئی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ۔" افشاں متحیرانہ انداز میں بولی۔

"آپ کب آئیں مس شکیلہ؟" کمال نے کہا۔

"کیا بکواس ہے؟" افشاں غرائی۔

تنویر صاحب خاموشی سے دونوں لڑکیوں کو دیکھ رہے تھے۔ شکیلہ کے اطمینان میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ وہ تیکھی نگاہوں سے افشاں کو دیکھ رہی تھی۔

"ارے۔ کھڑی ہوجاؤ۔" افشاں شکیلہ کے قریب پہنچ کر تحکمانہ لہجے میں بولی۔

"یہ کون بدتمیز ہے؟" شکیلہ نے بھی منہ بگاڑ کر کہا۔

"وہی لڑکی' جس کے بارے میں' میں نے تمہیں بتایا تھا۔" تنویر صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"آپ کیا کہہ رہے ہیں ابو!" افشاں تنک کر بولی۔

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" تنویر صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا آپ۔ آپ سب کا دماغ خراب ہوگیا ہے؟" افشاں تنک کر بولی۔

"کیا بکتی ہو؟" شکیلہ غرا کر کھڑی ہوگئی اور پھر وہ کمال کی طرف رخ کرکے بولی "یہ کوئی بھی ہو اس کے بال پکڑ کر باہر نکال دو۔"

"میں تیری شکل بگاڑ دوں گی۔" افشاں غرا کر شکیلہ کی طرف لپکی لیکن شکیلہ بھی اس وقت کمال کررہی تھی۔ اس نے لپک کر میز پر سے چھری اٹھالی۔

"ارے۔ ارے! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" تنویر صاحب اور دوسرے لوگ بھی گھبرا کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"میں کہتی ہوں اسے باہر نکال دو۔" شکیلہ چیخ کر بولی۔

"کمال۔ اسے باہر لے جاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"آپ۔ آپ سب میری توہین کررہے ہیں۔ آپ۔ آپ۔" افشاں رو پڑی۔

"میں باہر آکر تم سے بات کرتا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا اور کمال بمشکل تمام افشاں کو باہر لے گیا۔ تنویر صاحب تشویش ناک نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"یہ کہنا کیا چاہتی ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"خدا معلوم؟"

"اور یہ آپ کو ابو کیوں کہہ رہی ہے؟"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"آؤ۔ تم بھی آؤ۔ لیکن براہ کرم خود پر قابو رکھنا۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر سب کمرے سے نکل آئے۔ درحقیقت لطف آگیا تھا۔ ہم دونوں بھی سب کے پیچھے تھے۔

دوسرے کمرے میں افشاں زار و قطار رو رہی تھی اور کمال اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"یہ ہے نا آپ کی بیٹی۔ میں نہیں ہوں۔ مجھے بھول جائیے۔ ہیں نا۔" وہ سسکتی ہوئی بولی۔

"شکیلہ!" تنویر صاحب نے اسے مخاطب کیا۔

"میں کہتی ہوں' میں خودکشی کرلوں گی۔" افشاں غرائی۔

"لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ میں افشاں ہوں۔ یہ شکیلہ ہے۔"

"خوب ابو' اس سے پوچھیے یہ کیا چاہتی ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں۔ تم جانتی ہو تم افشاں نہیں ہو اور اس سے قبل تم یہی کہتی آئی ہو کہ تم افشاں نہیں شکیلہ ہو۔ اب اچانک تمہارا ارادہ کیوں بدل گیا؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"میں کہتی ہوں' باز آجائیں آپ لوگ!" افشاں دانت پیس کر بولی۔

"تم بھی ہوش میں آجاؤ۔ ہم تمہیں پولیس کے حوالے بھی کرسکتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"تو خاموش ہو جا کمینی ذلیل۔" افشاں دہاڑی۔

"ابو آپ سن رہے ہیں؟" شکیلہ بولی۔

"لڑکی۔ میں اب بھی تمہارے ساتھ نرمی برتنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" تنویر صاحب نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں یہاں سے چلی جاؤں۔ یہی چاہتے ہیں آپ؟" افشاں بولی۔

"میرا خیال ہے جانے کی کوشش کے باوجود تم نہیں جاسکو گی۔" تنویر صاحب نے اسی سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ تمہارے دونوں ساتھی پولیس کو جل دے کر نکل گئے ہیں اور اب تمہارے بارے میں پولیس کو اطلاع دینا میرا فرض ہے۔ مجھے ایس۔ پی نے بھی یہی ہدایت کی تھی۔"

"آپ۔ آپ اپنی بیٹی کی تمیز نہیں کرسکتے ابو۔" افشاں بولی۔

"ہاں۔ میں تمیز کرچکا ہوں۔ مجھے اس ڈرامے کا مقصد بتاؤ؟"

"امی! آپ بھی۔" افشاں بڑی ماں سے بولی۔

"تم کوئی بھی ہو بیٹی۔ مجھے تم سے ہمدردی ہے لیکن تم یہ سوانگ کیوں رچا رہی ہو؟" بڑی ماں نے کہا۔

"میرے خدا! میں کیا کروں؟" افشاں سرپیٹ کر بولی۔

"میں تمہیں مشورہ دے سکتا ہوں۔" کمال نے' جو اب تک خاموش تھا' دخل دیا۔

"جی۔ فرمائیے آپ بھی؟"

"بہتر یہ ہے کہ تم اب حقیقت پر آجاؤ۔ ہمیں بہرحال تم سے ہمدردی ہے۔"

"جہنم میں جاؤ تم سب۔ بھاڑ میں جائے وہ تمہاری بیٹی ہے۔ وہی افشاں ہے۔ میں جارہی ہوں۔"

"نہ جاسکو گی لڑکی۔" تنویر صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"پھر یہاں کیا جھک ماروں؟"

"چند باتیں بتادو۔ ورنہ پھر پولیس تم سے پوچھے گی۔ ممکن ہے تم بے گناہ ہو اور قصور صرف تمہارے ساتھیوں کا ہو۔ ایسی شکل میں تم مجھے صورت حال بتادو' تاکہ میں تمہاری مدد کرسکوں۔"

"اللہ۔" افشاں ایک کرسی میں گر پڑی۔

"تمہیں کس نے اغوا کیا تھا اور تم ان کے چنگل سے کیسے چھوٹیں؟"

"دیکھیے ابو۔ دیکھیے ابو! اچھا نہ ہوگا۔ دیکھیے میں کہتی ہوں اچھا نہیں ہوگا۔" افشاں پھر کھڑی ہوگئی۔

"میرا خیال ہے تمہارے ساتھیوں نے ہی تمہیں آزاد کرایا ہوگا۔ اور اب شاید ان ہی کے کسی پروگرام کے تحت تم یہاں آئی ہو۔"

"درست ہے۔ بالکل درست ہے۔" افشاں نے کہا۔

"وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟"

"نہیں بتاؤں گی۔ آپ پولیس کو فون کردیں۔ بلائیں پولیس۔۔۔ بلائیں۔"

"تم شاید مجھے احمق سمجھتی ہو۔ اگر تم افشاں ہو تو یہ کون ہے؟"

"مجھے اجازت دے دیں۔ خدا کی قسم مجھے اجازت دے دیں' ابھی اس سے پوچھ لوں گی۔"

"اے! میرے منہ مت لگو تم۔ تم ان لوگوں کا شوق ہو' میرا نہیں۔ ایسا ٹھیک کروں گی کہ زندگی بھر یاد رکھو گی۔" شکیلہ نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"ارے تو آؤ نا۔ چور کہیں کی۔ آؤ' ٹھیک کرو۔" افشاں آستین چڑھا کر آگے بڑھی لیکن کمال نے اسے پکڑ لیا۔

"تصدق سے کہو' پولیس کو فون کرے۔ ایس' پی آفتاب کو فوراً طلب کرے۔ جاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور ملازم دوڑ گیا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔

"اب۔؟" میں نے سرگوشی کی۔

"کیا ہوا؟"

"پولیس آرہی ہے محترم!"

"تو پھر؟ نہیں میری جان! ایس' پی صاحب فیصلہ نہ کرسکیں گے۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر بھی۔۔۔ اگر شکیلہ گڑبڑا گئی؟"

"ایسے ہی گڑبڑا جائے گی' ہم دو دو اس کی مدد کو موجود ہیں۔" طالوت نے جواب دیا اور میں خاموش ہوگیا۔

تنویر صاحب اپنی جگہ سے اٹھ گئے' ناشتا بھی کھٹائی میں پڑ گیا تھا۔ اصلی افشاں کا غصے کے مارے برا حال تھا لیکن شکیلہ کے انداز بھی خراب تھے۔ نہ جانے کس طرح یہ مندر کی داسی اتنی عمدہ اداکاری کررہی تھی۔

"آؤ۔ تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" انہوں نے کہا۔

"میں نہیں سنوں گی۔ میرے ہی گھر میں میری اتنی توہین ہورہی ہے۔ اس کمینی کو۔۔۔ آپ لوگوں نے۔" افشاں نے روتے ہوئے کہا۔

"اس سے قبل تم شاید کسی تھیٹر میں اداکاری کرتی ہوگی کیونکہ اس وقت بھی عمدہ ایکٹنگ کررہی ہو۔ یہاں کس لیے داخل ہوئی ہو' یہ بتادو۔" شکیلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے یہ تم بتاؤ۔ فراڈ کہیں کی۔"

"ابو۔ اب کی بار اگر اس نے زبان سے کوئی بدتمیزی کی تو میں اس کے منہ پر کوئی چیز دے ماروں گی۔ خدا کی قسم رعایت نہیں کروں گی۔" شکیلہ نے آگ بگولہ ہوتے ہوئے

"وہ' افشاں بیٹے۔ تم اپنی امی کے ساتھ دوسرے [illegible] چلی جاؤ۔ پلیز جاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور کمال خود شکیلہ کو باہر لے گیا۔

[illegible] کمرے ہی میں رکے رہے تھے۔

"شکیلہ۔" تنویر صاحب نے بڑی نرمی سے اسے پکارا۔

"میں افشاں ہوں۔ آپ لوگ اس کی باتوں میں کیوں آگئے۔"

"تم افشاں نہیں ہو لیکن اس کی ہم شکل ضرور ہو۔ اس کے علاوہ تم نے ایک آڑے وقت میں ہماری مدد کی تھی۔ میں تمہارا احسان مند بھی ہوں شکیلہ۔ اس کے علاوہ میرا خیال تھا کہ تم ایک نیک طینت لڑکی ہو۔ بیٹی! زندگی گزارنا بہت ہی کٹھن کام ہے لیکن اس کے باوجود انسان اچھے راستے اپنانے کی کوششوں میں مصروف رہتے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ تمہاری اپنی سازش نہیں ہے بلکہ ان دونوں نے اب کوئی نئی چال چلی ہے۔"

"کن دونوں نے؟" افشاں بے ساختہ بولی۔

"تمہارے ساتھیوں نے۔"

"ابو۔ ابو۔ دیکھیے میں کہتی ہوں ہوش میں آجائیے۔ میں سب سے نمٹ سکتی ہوں۔ میں ان سب کو ٹھیک کرسکتی ہوں لیکن یہ تو سوچیں' یہ بات میرے لیے کس قدر تکلیف دہ ہے کہ خود میرے والدین دھوکا کھا گئے۔"

"اس کے علاوہ۔" تنویر صاحب اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولے "اس کے علاوہ' میں ان دونوں کو بھی برا نہیں سمجھتا تھا۔ یقین کرو۔ دلی صدمہ ہوا تھا' دلی قلق ہوا تھا ان کی گرفتاری پر لیکن ان کے بارے میں تفصیلات معلوم کرکے ششدر رہ گیا تھا۔ لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"ابو۔" افشاں سر پکڑ کر بولی۔

"تم لوگوں نے پہلے ہی یہ ڈراما کیوں نہیں کیا پہلے تو تم انکار کرتی رہیں کہ تم افشاں نہیں شکیلہ ہو۔"

"ہوں۔ تو آپ کو یقین ہے کہ میں افشاں نہیں ہوں۔" بالآخر افشاں عاجز آکر بولی۔

"اب اس کی موجودگی میں تو کچھ نہیں سوچا جاسکتا شکیلہ۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"آپ نے پولیس کو بلایا ہے؟"

"ہاں۔"

"بس ٹھیک ہے آپ مجھے پولیس کے حوالے کردیں۔" افشاں نے کہا۔

"لیکن میں یہ نہیں چاہتا۔"

"کیوں۔ آخر کیوں؟ جب میں افشاں نہیں ہوں۔"

"مجھے تم سے ہمدردی ہے' پولیس تمہارے اوپر سختی کرے گی۔"

"کیوں سختی کرے گی؟"

"وہ تم سے ان دونوں کے بارے میں پوچھے گی۔"

"کچھ بھی کرے۔ بس میں افشاں نہیں ہوں۔ آپ مجھے پولیس کے حوالے کردیں۔" افشاں نے کہا۔

"میں نے ایس۔ پی آفتاب کو بلایا ہے۔ بہرحال وہ تم سے معلومات کرلے گا۔ ہوسکے تو بیٹی ان دونوں کے بارے میں بتادینا۔ بہرحال وہ خطرناک مجرم ہیں۔ میں کوشش کروں

Uploaded By Muhammad Nadeem

گا پولیس تمہیں تکلیف نہ پہنچائے۔"

"محنت ہے۔" افشاں دانت پیس کر بولی اور تنویر صاحب کمرے سے نکل گئے لیکن جاتے وقت وہ کمرے کا دروازہ بند کرنا نہیں بھولے تھے۔ میں نے ایک گہری سانس لی اور طالوت کی طرف دیکھا۔

"اب پولیس آئے گی۔" طالوت مسکرایا۔

"ہاں۔"

"اور افشاں کو پکڑ لے جائے گی۔"

"لیکن یہ تو اچھا نہیں ہوگا طالوت!" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"اس بے چاری کا کیا قصور ہے؟"

"اس۔" طالوت نے کان کھجاتے ہوئے کہا "ہاں۔ اس کا قصور تو نہیں ہے۔"

"تفریح ہی تفریح میں کوئی المیہ نہ ہو جائے۔"

"خطرہ تو ہے۔" طالوت نے افشاں کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر پتھروں کی سی خاموشی تھی "لڑکی کے چہرے پر خطرناک تاثرات ہیں۔ کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھے۔"

"ہاں جذباتی ہے۔"

"پھر کچھ کیا جائے؟" طالوت پر خیال انداز میں بولا۔

"کیا کرو گے؟"

"اسے افشاں بنائے دیتے ہیں اور شکیلہ کو واپس۔۔۔"

"اوہ' اتنی آسانی سے؟"

"ہاں' کیوں نہیں۔" طالوت نے کہا اور پھر اس نے ایک ہاتھ کی مٹھی بند کی اور پھر افشاں کی طرف کھول دی۔ دوسرے لمحے افشاں کے بدن پر ایسا ہی لباس تھا جیسا شکیلہ کے جسم پر۔ لیکن افشاں کو اس کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ اس کے بعد اس فتنہ انگیز شخص نے مجھے اشارہ کیا اور جوں ہی میں اس کے نزدیک پہنچا اس نے میرے کندھے پر سے کوئی چیز جھاڑی۔ میں چونک کر اپنے کندھے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن دوسرے لمحے ہم دروازے سے باہر تھے۔

"آؤ۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور ہم شکیلہ کی تلاش میں چل پڑے۔ شکیلہ بڑی ماں کے ساتھ تھی۔ بڑی ماں آنکھیں بند کیے ایک کرسی پر دراز تھیں۔

طالوت ظاہر ہو گیا اور پھر اس نے ہاتھ سے شکیلہ کو اشارہ کیا۔

شکیلہ نے ہمیں دیکھ لیا اور پھر اس نے بڑی ماں کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے اٹھ گئی لیکن بڑی ماں چونک پڑیں "کہاں جا رہی ہو افشاں؟"

"ابھی آئی امی جان!"

"اس لڑکی کی طرف نہ جانا۔ نہ جانے کس ارادے سے آئی ہے۔"

"نہیں۔ وہاں نہیں جاؤں گی امی۔" شکیلہ نے کہا اور باہر نکل آئی اور جوں ہی وہ باہر نکلی طالوت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ شکیلہ مسکرانے لگی تھی۔ وہ بے چاری سمجھ بھی نہ سکی کہ طالوت نے کیا کر دیا۔

"جی؟" شکیلہ نے کہا۔

"آؤ۔ کھیل ختم۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔" شکیلہ نے ایک گہری سانس لی۔

"کیوں۔ کھیل جاری رکھنے کا ارادہ ہے؟"

"نہیں۔ لیکن میں کیسی رہی؟"

"شاندار۔" طالوت نے کہا۔

"شکریہ۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"ابھی تو ان لوگوں کو دیکھیں گے۔ کیا سوچ رہی ہے۔"

"خطرہ نہیں ہے۔ خاص طور سے آپ لوگوں کے لیے؟"

"ارے دیکھا جائے گا۔ تم آؤ۔ ابھی پولیس آنے والی ہے۔"

"پولیس کے سامنے میرا کیا رویہ رہنا چاہیے؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"تمہیں پولیس کے سامنے آنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔" شکیلہ نے گردن ہلا دی اور پھر وہ ایک دم چونک پڑی "ارے تنویر صاحب آ رہے ہیں۔ اوہ' شاید انہوں نے ہمیں دیکھ لیا ہے۔"

"اطمینان رکھو۔ ان کی بینائی اتنی تیز نہیں ہے۔" طالوت نے کہا۔

"ارے۔۔۔ وہ اسی طرف آ رہے ہیں۔"

"آنے دو۔" طالوت نے کہا اور پھر شکیلہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ تنویر صاحب ہمارے نزدیک سے گزرتے چلے گئے۔ شکیلہ منہ پھاڑے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"انہیں کیا ہو گیا؟" وہ تعجب سے بولی۔

"وہ نہ صرف اندھے بلکہ بہرے بھی ہو گئے ہیں۔" طالوت بولا۔

"ارے نہیں۔" وہ ایک دم بولی۔

"تنویر صاحب۔ ابے او تنویر صاحب۔ بھائی تنویر

صاحب۔" طالوت نے زور زور سے آوازیں لگائیں لیکن تنویر صاحب کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔

"دیکھ لیا تم نے؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔" شکیلہ نے پریشانی سے کہا۔

"آؤ۔ سمجھائیں تمہیں بھی۔" طالوت نے کہا اور واپس پلٹ پڑا۔ شکیلہ کے چہرے پر الجھن تھی۔ ہم لوگ تنویر صاحب کے پیچھے پیچھے چل پڑے۔

تنویر صاحب ڈرائنگ روم کی طرف جا رہے تھے۔

ڈرائنگ روم کے دروازے کے باہر پولیس والے کھڑے تھے۔ شکیلہ کا سانس پھول گیا "پولیس۔۔۔!" اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"چلی آؤ۔ ان بے چاروں کو بھی دن میں نظر نہیں آتا۔ آجاؤ۔" طالوت نے کہا۔ شکیلہ کے ہاتھ پاؤں سرد ہو گئے تھے۔ بہرحال ہم تینوں بھی تنویر صاحب کے پیچھے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئے۔ ڈرائنگ روم میں تصدق' کمال اور دو انسپکٹروں کے ساتھ ایس۔ پی آفتاب بھی موجود تھے۔

"اوہ' تنویر صاحب۔ خیریت؟" آفتاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیریت نہ سمجھیں آفتاب میاں!"

"کیا بات ہے؟" آفتاب نے پوچھا۔

"بڑی دلچسپ سچویشن ہے۔"

"یعنی؟"

"اب اس لڑکی نے بھی افشاں ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے اور افشاں کی ہم شکل تھی۔"

"ارے۔" ایس۔ پی اچھل پڑا "مگر وہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں بند کر آیا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن دیر کیوں۔ افشاں ہی کے لباس میں ہے۔ اور ایسی اداکاری کر رہی ہے' جیسے افشاں وہی ہو۔ اور اصل افشاں فراڈ ہو۔" آفتاب صاحب نے کہا۔

"ہوں۔ لیکن اسے فراڈ کیا گیا تھا؟"

"خدا معلوم۔"

"اس بارے میں وہ کیا کہتی ہے؟"

"کس بارے میں؟"

"اپنے اغوا کے سلسلے میں۔"

"بھئی وہ خود کو شکیلہ تسلیم کب کر رہی ہے۔"

"اوہ' ہاں۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ آپ نے اسے بند کر دیا ہے؟"

"ہاں۔"

"بہت اچھا کیا آپ نے تنویر صاحب! ہم اس سے ان دونوں کا پتہ بھی معلوم کر سکیں گے۔ افوہ' میں نے ایسے خطرناک لوگ نہیں دیکھے۔ ممکن ہے اب وہ اس لڑکی کو افشاں بنا کر یہاں رکھنا چاہتے ہوں۔ اس طرح وہ آپ کی دولت پر ہاتھ صاف کرنے کے چکر میں ہوں۔۔۔"

"ایک بات ضرور کہوں گا آفتاب میاں۔" تنویر صاحب بولے۔

"جی۔"

"میرے خیال میں وہ ایسے لوگ نہیں تھے۔"

"کمال ہے' یعنی سب کچھ جاننے کے باوجود؟"

"یقیناً۔ درمیان میں کوئی غلط فہمی ضرور ہے۔"

"یہ لوگ اسی طرح متاثر کر لیتے ہیں پھر بعد میں نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ بہرحال یہ پولیس کا کام ہے۔"

"اس کے علاوہ اگر وہ چاہتے تو پہلے ہی شکیلہ کو افشاں کہہ سکتے تھے۔"

"اس میں بھی کوئی مصلحت ہوگی۔"

"خدا جانے۔ بس' دل ان بچوں کے لیے کڑھتا ہے۔ نہ جانے کیوں؟" تنویر صاحب نے کہا "خیر۔ آپ اس لڑکی سے مل لو۔ لیکن تم اس کے ساتھ سختی نہیں کرو گے۔"

"آپ بے حد نرم دل ہیں۔ خیر۔ آیئے۔ میں اسے زیادہ پریشان نہیں کروں گا۔ آپ آیئے۔" اور سب اٹھ گئے۔ ہم بھی حسب معمول سب کے پیچھے تھے۔

"عارف صاحب۔ خدا کے واسطے کچھ تو بتایئے۔ اس وقت ہماری پوزیشن کیا ہے؟" شکیلہ میری آستین پکڑتے ہوئے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"کیا یہ سب اندھے ہو گئے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ہیں۔ اور یہ ہماری طرف توجہ ہی نہیں دے رہے۔"

"ہوٹل کے بیرے کی کیا کیفیت تھی؟"

"اوہ۔۔۔ تو۔۔۔"

"ہاں۔ اس وقت بھی وہی شعبدہ کار فرما ہے۔"

"آپ صرف شعبدہ کہیں گے عارف صاحب!"

"چلو شعبدے سے کچھ آگے بڑھا لو۔"

"گویا مجھے صحیح بات نہیں بتائی جائے گی؟" شکیلہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"صحیح بات سے تمہاری کیا مراد ہے شکیلہ؟"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"چلیں کوئی بات نہیں۔ میں اب نہیں پوچھوں گی۔" شکیلہ نے کہا اور پھر وہ خاموش ہوگئی۔ مجھے تھوڑی سی الجھن ضرور ہوئی تھی لیکن بہرحال میں طالوت کی مرضی کے بغیر شکیلہ کو اس راز میں شریک نہیں کر سکتا تھا۔

ہم اس کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے جہاں افشاں بند تھی۔ تنویر صاحب نے خود آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تھا اور پھر وہ اندر داخل ہوگئے۔ ان کے پیچھے ایس۔ پی اور انسپکٹر بھی تھے۔

"ارے۔ وہ۔ وہ!" تنویر صاحب افشاں کا لباس دیکھ کر چونک پڑے۔

افشاں شاید رو رہی تھی۔ اس نے سرخ سرخ آنکھیں اٹھا کر ان سب کو دیکھا اور کھڑی ہوگئی "آیئے' ایس۔ پی صاحب! مجھے گرفتار کر لیجئے۔ میں شکیلہ ہوں۔ ہاں' میں ان دونوں مجرموں کی ساتھی ہوں۔ مجھے گرفتار کر لیں۔"

"افشاں۔ افشاں بیٹی!" تنویر صاحب بولے۔

"اوہ' کوئی نیا ڈراما ابو۔ کیا آپ کی آنکھوں سے پٹی کھل گئی؟" افشاں نے طنزیہ کہا۔

"مگر تم یہاں کہاں آئیں۔ تم یہاں کیسے آگئیں۔ یقیناً تم نے دروازہ کھولا ہوگا اور وہ تمہیں پھنسا کر نکل گئی۔"

"آپ کی ذہنی کیفیت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ابو۔" افشاں نے زہرخند سے کہا۔

"وہ کہاں گئی افشاں۔" تنویر صاحب نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا۔

"افشاں۔۔۔ افشاں۔۔۔ میں کہتی ہوں میں شکیلہ ہوں۔ آپ بھول کیوں رہے ہیں۔ افشاں کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے۔"

"کیا بکواس ہے افشاں۔ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟"

"چند منٹ پہلے آپ کو کیا ہوگیا تھا ابو۔ اس کا جواب دیں؟"

"کیوں' مجھے کیا ہوا تھا؟"

"آپ تو مجھے افشاں مان ہی نہیں رہے تھے۔"

"تمہیں؟"

"آپ کی اس اداکاری کی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"اوہ۔ ایس۔ پی' میری سمجھ میں یہ سارا گورکھ دھندا نہیں آرہا۔"

"مجھے بتائیں' بات کیا ہے؟" آفتاب نے نرم لہجے میں کہا۔

"ارے! ابھی چند منٹ پہلے میں شکیلہ کو یہاں بند کر گیا تھا۔ افشاں اپنی ماں کے ساتھ تھی۔ اب یہ یہاں ہے اور وہ۔۔۔"

"ابو! خدا سے ڈریں۔ کیا ہوگیا آپ کو؟"

"کیا تنویر صاحب آپ کو یہاں بند کر گئے تھے؟" ایس۔ پی نے پوچھا۔

"تو اور کیا؟" افشاں نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن آپ کیسے کہہ سکتے ہیں تنویر صاحب کہ یہ افشاں نہیں شکیلہ ہیں؟" ایس۔ پی نے کہا۔

"ارے میں اسے بند کر کے گیا ہوں۔ یہ تو میرے ساتھ ناشتے پر تھی۔ وہ تو۔۔۔ وہ تو شب خوابی کا لباس پہنے ہوئے تھی اور یہ۔۔۔" تنویر صاحب نے کہا اور اب پہلی بار افشاں نے اپنے لباس پر توجہ دی۔

اور دوسرے لمحے اس کے منہ سے بھی عجیب سی آواز نکل گئی "ارے۔۔۔ یہ۔۔۔ میں۔۔۔ میں ابو۔۔۔ میں تو دیر قبل میں یہ لباس تو پہنے ہوئے نہیں تھی۔ خدا کی قسم۔۔۔ خدا کی قسم۔۔۔ یہ۔۔۔"

تنویر صاحب' ایس۔ پی اور دوسرے لوگ پریشان نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔" ایس۔ پی نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔

"تو۔ تو کیا ہم سب پاگل ہوگئے ہیں؟"

"اچھا ان دوسری خاتون ہی کو کسی سے بلوا دیں جو دوسرا لباس پہنے ہوئے تھیں یا انہیں آپ افشاں تسلیم نہیں کرتے تو پھر انہیں بلوا دیں جو افشاں ہیں۔"

"کمال۔ افشاں کو بلا کر لاؤ۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"جی بہتر۔" کمال دوڑا۔ تنویر صاحب سخت پریشانی کے عالم میں ہاتھ مل رہے تھے۔

"کیسی شرم کی بات ہے میرے لیے' میں اپنے ہی گھر میں اجنبی ہوگئی ہوں۔ لیکن یہ لباس' خدا کی قسم ابو۔ میں نے لباس نہیں تبدیل کیا۔" افشاں نے کہا۔

"خود بخود تبدیل ہوگیا؟" تنویر صاحب دانت نکال کر بولے۔

"ہاں۔" افشاں نے بے بسی سے کہا۔

ایس۔ پی کے چہرے پر بھی عجیب سے تاثرات تھے۔ شاید وہ ہمارے بارے میں کچھ کہنے میں احتیاط کر رہا تھا۔ ورنہ پراسرار حالات سو فی صدی ہماری نشان دہی کرتے تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد کمال واپس آگیا۔ اس کا چہرہ لٹکا ہوا تھا "پوری کوٹھی میں اس کا پتہ نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تھوڑی دیر پہلے بڑی ماں سے اجازت لے کر گئی تھی۔"

"اوہ۔ اوہ۔ گویا۔"

"میرے لیے جو حکم ہو؟" ایس۔ پی نے کسی قدر بور ہوتے ہوئے کہا۔

"جاؤ بھئی' معافی چاہتا ہوں۔ میں تو واقعی پریشانی میں پھنس گیا۔" تنویر صاحب نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"صرف ایک درخواست کروں گا۔" آفتاب نے کہا۔

"جی۔"

"اگر دوبارہ ان تینوں میں سے کسی کا پتہ چل جائے تو انتہائی اخلاق سے پیش آئیں اور خاموشی سے مجھے اطلاع دے دیں۔"

"بہتر ہے۔ میں ایسا ہی کروں گا۔"

"خدا حافظ۔ آؤ۔" ایس۔ پی نے اپنے ساتھیوں سے کہا اور پھر وہ وہاں سے چلے گئے۔

"تو سچ بتاؤ۔ میں نے تمہیں ہی بند کیا تھا؟" تنویر صاحب نے افشاں سے کہا۔

"نہیں بولوں گی۔ خدا کی قسم نہیں بولوں گی۔ کیسے باپ ہیں آپ۔ اپنے خون کی بو بھی نہیں محسوس کر سکتے۔ اس کمینی کی بات مان لی تھی آپ نے۔"

"میری ناک خراب ہوگئی ہے بھئی۔ آؤ۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر وہ سب بھی باہر نکل گئے۔ شکیلہ سکتے کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ جب وہ سب نکل گئے تو اس نے گہری سانس لی۔

"اوہ۔ تم میں سے کسی نے ہمیں نہیں دیکھا؟"

"کوئی مرغے کی ایک ٹانگ لیے کھڑی ہو۔" طالوت نے کہا۔

"نہیں۔ میں آپ کو مجبور نہیں کروں گی۔" شکیلہ نے کہا۔

"البتہ بور ضرور کرو گی؟"

"نہیں' اب بور بھی نہیں کروں گی۔" وہ آرزدگی سے بولی۔

"پکا وعدہ؟" طالوت مسخرے پن سے بولا۔

"ہاں پکا وعدہ۔ شکیلہ نے روہانسے لہجے میں کہا۔

"شکریہ۔ آؤ اب کچھ کھانے پینے کی بات ہو۔۔۔"

طالوت نے کہا اور وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف چل دیا "میں نے ڈرائنگ روم الگ بنالیا ہے۔ وہاں کھانا لگ چکا ہوگا۔"

میں اس کی بات کی حقیقت جانتا تھا۔ ہم کوٹھی کے ایک دور افتادہ حصے میں پہنچ گئے اور جب ہم ایک کمرے میں داخل ہوئے تو آنکھیں کھل گئیں۔ ایک چوڑی میز لگی ہوئی تھی اور وہاں انواع واقسام کے کھانے چنے ہوئے تھے۔

میں نے شکیلہ کی جانب دیکھا۔ شکیلہ کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ اس نے اپنے آپ کو بے نیاز کر لیا تھا۔ کھانے پر وہ خاموشی سے بیٹھ گئی اور پھر کھانا نہایت خاموشی سے کھا گیا۔

کھانے کے بعد طالوت نے ہم دونوں کی شکل دیکھی اور بولا "تو دوستو! اب کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام ڈائریکٹر تو تم ہی ہو۔"

"تم لوگ اعتراض تو نہیں کرو گے؟"

"ہرگز نہیں۔"

"تو سنو' میرا خیال ہے میں تنویر صاحب کے سامنے آجاؤں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاں۔ ان سے بات کریں گے۔"

"کیا بات کرو گے؟"

"بس انہیں حقیقت بتا دیں گے اور پھر یہاں سے چلیں گے۔"

"اوہ' تو تم تنہا جاؤ گے؟"

"نہیں۔ تم دونوں بھی چلو۔"

"مگر طالوت۔ میرا مطلب ہے یوسف!" میں نے چور نگاہوں سے شکیلہ کی طرف دیکھا۔ بے اختیاری میں میرے منہ سے طالوت نکل گیا تھا۔ شکیلہ نے ایک لمحے کے لیے مجھے دیکھا اور پھر لاتعلق ہوگئی۔ وہ خود پر جبر کر رہی تھی۔

"ہاں۔ کیا مطلب ہے تمہارا؟" طالوت نے اس بات کو نظر انداز کر کے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ چلنا ہے تو خاموشی سے ہی نکل چلو' ان باتوں کی کیا ضرورت ہے؟"

"پھر وہی بزدلی کی بات۔"

"بزدلی کی بات نہیں یار۔ اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟"

"اچھا ہے' ان لوگوں کا ذہن بھی صاف ہو جائے گا۔ اس کے بغیر میں یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" میں نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"اس وقت تو ہم یہیں آرام کریں گے۔ شام کو تنویر صاحب سے ملاقات کی جائے گی۔" طالوت نے آخری بات کہی۔

"آرام کہاں کرو گے؟"

"برابر میں بیڈ روم موجود ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر ہم اٹھ کر برابر والے کمرے میں داخل ہوگئے۔ انتہائی کشادہ کمرا تھا' اس میں تین نہایت آرام دہ بستر لگے ہوئے تھے۔ میں ان کمروں سے اجنبی نہیں تھا۔ پہلے انہیں دیکھ چکا تھا۔ کباڑ گودام تھا۔ دنیا بھر کا کاٹھ کباڑ بھرا پڑا تھا۔ ٹوٹا پھوٹا فرنیچر اور دوسرا سامان۔

لیکن طالوت کے لیے اسے عمدہ بیڈ روم بنالینا کون سی بڑی بات تھی۔

شکیلہ بھی ایک دور کے بستر پر جا پڑی۔ میں اور طالوت دو برابر برابر بستروں پر لیٹ گئے۔

"یہ لڑکی اب بور کرنے لگی ہے۔" طالوت نے سرگوشی کی۔

"انسان ہے طالوت!"

"کیا مطلب؟"

"اور پھر عورت ہے۔ تجسس تو فطری ہے اور پھر وہ لوگ' جن کے سوا اب دنیا میں اس کا اور کوئی نہیں ہے' کیسی انوکھی بات ہے کہ وہ ان کی حقیقت سے بھی ناواقف ہے۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا؟"

"قسم لے لو' مطلب کچھ نہیں ہے۔ میں صرف یہ بتا رہا ہوں کہ اس سے بور مت ہو۔ اس کی یہ ناراضگی فطری ہے۔"

"تو کیا اسے بتا دیا جائے؟"

"نہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا۔"

"یوں بھی تو سوچو عارف' اگر ہم اسے اپنے راز میں شریک کریں' تب بھی تو وہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ اب سب تمہاری طرح پتھر تھوڑی ہوتے ہیں اور پھر تمہاری دنیا کے لوگ تو ہمارے نام سے ہی کان پر ہاتھ رکھتے ہیں۔"

"ہاں' ٹھیک ہے۔ میں اس بات پر اصرار نہیں کر رہا۔"

"اس کے باوجود اگر تم مناسب سمجھو تو اسے بتا دو۔"

"نہیں۔ کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔"

"اس کے علاوہ ایک بات اور بتاؤ؟"

"ہوں۔"

"اس کی طرف کچھ زیادہ ہی مائل ہو؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب میں تمہارا مطلب پوچھوں گا۔"

"میں صرف ایک بات کہنا چاہتا ہوں' مطلب وغیرہ تم خود اخذ کر لینا۔" طالوت نے کہا۔

"کون سی بات؟"

"راج ہنس بلاشبہ ایک پرکشش لڑکی تھی پھر جب وہ شکیلہ بن گئی تو نہ جانے میرے دل میں اس کے لیے کیسا جذبہ پیدا ہو گیا۔ میں اس سے ایک خوب صورت لڑکی کی حیثیت سے متاثر نہیں ہوں۔ چنانچہ اگر تم اسے پسند کرتے ہو تو میری طرف سے مکمل آزادی ہے۔"

"تمہارے دماغ میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" میں نے جھلاتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"کیا شکیلہ کی حیثیت ایسی ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی اس کے بارے میں اس انداز سے سوچے؟"

"وہ خود تو سوچ سکتی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یار میں بڑی بیکار باتیں کر رہا ہوں۔ لیکن بس ایسے وقت نہ جانے کیوں یہ خیال ذہن میں آ گیا۔"

"اب یہ خیال تمہارے ذہن میں آ ہی گیا ہے طالوت تو اجازت دو تو ایک بات میں بھی پوچھ لوں۔"

"پوچھو؟"

"اگر شکیلہ تمہارا قرب چاہے؟"

"مشکل ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیوں؟"

"میرے حالات۔ میں کیا کر سکتا ہوں؟"

"اس سے شادی۔"

"ارے توبہ توبہ۔ یہ تم مجھ سے دشمنی پر کیوں آمادہ ہو گئے۔"

"کیوں؟"

"بلاوجہ مجھ شریف آدمی کی شادی کرا دینا چاہتے ہو۔" طالوت ہنس کر بولا۔

"میں آج کی بات نہیں کر رہا طالوت۔ لیکن زندگی کے کسی حصے میں تو تم اس بارے میں سوچو گے؟"

"ہاں۔ اس وقت کوئی عمر رسیدہ بڑی بی مل گئیں تو غور کروں گا۔"

"گویا شکیلہ تمہیں پسند نہیں ہے؟"

"یہ میں نے کب کہا۔"

"مجھے معلوم ہے طالوت۔ تمہارے ذہن میں راج ہنس سمائی ہوئی تھی۔"

"ہاں۔ لیکن شکیلہ نہیں۔"

"کیا مطلب۔ پہلے تو تمہیں پسند تھی؟"

"ہاں عارف۔ نہ جانے کیوں اس وقت میرے ذہن میں اس کی شکل کچھ اور تھی۔ تم بھروسہ کرو میری بات پر کہ اس وقت اس کی شکل نے میرے اوپر تاثر ہی کچھ اور چھوڑا تھا۔ بعد میں مجھے اس سے ایک عجیب سی انسیت ہو گئی اور یہ تصور میرے ذہن سے نکل گیا۔"

"بہرحال ابھی تو خود اس کے مزاج کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ وہ کیا چاہتی ہے۔"

"اس مسئلے کو درمیان میں کہاں سے لے آئے۔ فی الحال ہمیں کچھ دوسری باتیں سوچنی ہیں۔"

"مثلاً۔"

"میرے خیال کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"ارے بھائی کون سا خیال؟"

"ہم تنویر صاحب پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔"

"مگر اس سے فائدہ؟"

"بس دل کی تسکین۔"

"جو مناسب سمجھو۔ وہی کرو گے جو سوچو گے۔ مجھے کیا اعتراض ہے۔"

"تم پروا مت کرو۔"

"ہاں۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔"

"میں اپنی پوزیشن صاف کرنا چاہتا ہوں۔ باقی میں خود دیکھ لوں گا۔"

"اوکے اوکے' ضرور صاف کرو۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔" میں نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا اور طالوت مسکرانے لگا۔

"شکیلہ۔" اس نے شکیلہ کو آواز دی۔

"جی۔۔۔؟" شکیلہ نے جواب دیا۔

"سو رہی ہو؟"

"نہیں۔"

"اوہ' میں سمجھا تم سو گئیں۔"

"نہیں۔"

"تب ادھر ہی آؤ۔"

اور شکیلہ اٹھ کر ہمارے پاس آ گئی۔ اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"تمہاری اداسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی؟"

"بتا دوں؟" شکیلہ نے نگاہیں اٹھا کر پوچھا۔

"کتنی نفیس بات ہے' خدا کی قسم بہت پسند آئی۔" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اگر یہ' کچھ نہیں' جیسی کوئی بات نہیں ہے' وغیرہ کہتیں تو وہ اپنائیت نہیں رہتی جو اب پیدا ہوئی ہے۔ یار عارف! میں اس سوال پر وجد میں آ گیا ہوں۔"

"مذاق اڑا رہے ہیں آپ میرا؟" شکیلہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"نہیں خدا کی قسم نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

"اچھا' اب پوچھنے تو دو۔" میں نے کہا۔

"ہاں' ہاں پوچھو۔ بتاؤ شکیلہ۔" طالوت نے کہا۔

"آپ دونوں کی شخصیت میرے لیے جو کچھ ہے' اس کے بارے میں الفاظ میں نہیں کہہ سکتی۔ یوں سمجھ لیں' اب آپ کے بغیر جینے کا تصور بھی بے حد خوفناک ہے۔ آپ لوگوں کی جدائی کے بعد موت ہی مناسب رہے گی۔ جب آپ نے مجھے یہ اپنائیت' یہ تصور دے دیا ہے تو اس کے بعد کیا وجہ ہے کہ آپ کی شخصیت کا کوئی پہلو میری نگاہوں سے یا میرے علم سے دور رہے۔ یا آپ کہہ دیں کہ میں ابھی زیر امتحان ہوں۔ میں اپنی محبت' اپنی وفا کا مکمل ثبوت نہیں دے سکی ہوں۔ مجھے وہ طریقہ بتا دیں جس سے میں اپنے آپ کو آپ کا بنا سکوں۔"

شکیلہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"عارف!" طالوت نے ہانک لگائی "بتا دو یار۔ بتا دو۔ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"تب تم خود ہی بتا دو۔" میں نے کہا۔

"میں بتا دوں۔ تو سنو شکیلہ۔ جس طرح تم راج ہنس نہیں تھیں' بلکہ شکیلہ تھیں۔ اسی طرح میں خالی یوسف نہیں ہوں بلکہ میرا پورا نام یوسف عمران ہے۔"

"یوسف عمران۔" شکیلہ نے زیر لب دہرایا۔

"ہاں اور تمہارے عارف صاحب مجھے طالوت کہتے ہیں۔"

"اوہ۔۔۔ مگر پھر میرے سامنے؟"

"کیا یہ نام عجیب نہیں ہے؟"

"ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔

"لیکن میری کنیت یہی ہے۔ زمین پر رہنے والے انسان ایسے نام نہیں رکھتے' لیکن ہمارے ہاں ایسے نام ہوتے ہیں۔"

"زمین پر رہنے والے۔ ہمارے یہاں۔" شکیلہ نے

Uploaded By Muhammad Nadeem

دہرایا۔

"ہاں بھئی۔ میرا تعلق تمہاری دنیا سے نہیں ہے۔"

"یعنی؟" شکیلہ تعجب سے بولی۔

"میں اس پوشیدہ دنیا کا انسان ہوں جسے تم لوگ جنوں کی دنیا کہتے ہو۔"

"اوہ!" شکیلہ ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

"ہاں۔ میں جن ہوں۔"

"نہیں۔" شکیلہ ہذیانی انداز میں ہنس پڑی۔

"خوف زدہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تم لوگوں نے ہماری طرف سے ایک بے بنیاد خوف طاری کر رکھا ہے خود پر اور مسٹر عارف! اب پوری کہانی آپ سنا دیں۔"

اور میں نے نہایت سنجیدگی سے شکیلہ کو ساری تفصیل بتا دی۔

"خدا کی قسم یہ کہانی جھوٹی نہیں ہے اور تم اس میں شک نہ کرنا۔" میرے خاموش ہونے کے بعد طالوت بولا۔ شکیلہ آنکھیں پھاڑ کر طالوت کو دیکھ رہی تھی۔ تب طالوت نے راسم کو آواز دی اور دوسرے لمحے راسم ظاہر ہو گیا

"انہیں مختلف شکلیں بنا کر دکھاؤ۔ یہ میرا غلام ہے شکیلہ۔" اور پھر راسم نے وہ تماشے دکھائے کہ کئی بار شکیلہ کی چیخیں نکل گئیں۔ تب طالوت نے راسم کو روک دیا "بس اب جاؤ۔" اس نے راسم سے کہا اور راسم نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

"اب بتاؤ۔ کیا تم مجھ سے خوف زدہ ہو؟"

"نہیں۔" شکیلہ نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"ونڈر فل۔ تب تمہیں اپنے بارے میں بتا کر کوئی افسوس نہیں ہوا۔"

"اس سے قبل تم نے کوئی انگریزی بولنے والا جن دیکھا ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور شکیلہ خوف زدہ انداز میں مسکرانے لگی۔

"چنانچہ شکیلہ تمہیں یہ بھی عارف کی زبانی معلوم ہو گیا کہ اس وقت جب تم ملیں' میں منحوس تلکا کا شکار ہو گیا تھا لیکن اب خدا کا شکر ہے' سب ٹھیک ٹھاک ہے۔ ایسی صورت میں یہ تنویر صاحب وغیرہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ اب یہ بتاؤ' اب تمہارے ذہن میں کوئی میل ہے۔"

"خدا کی قسم نہیں۔ لیکن میں کافی دنوں تک حیرت زدہ رہوں گی۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے مسخرے پن سے کہا "تو اب میں کہہ رہا ہوں کہ ہم تنویر صاحب پر ظاہر ہو جائیں۔"

"کیا حرج ہے۔" شکیلہ نے سینہ نکال کر کہا۔

"ہاں سیانی ہوئے کو توال۔" میں نے کلغا لگایا اور شکیلہ مسکرانے لگی۔

"جاؤ عارف۔ باہر کی فضا دیکھو۔" طالوت نے کہا۔

"تم اکیلے میں ڈرو گی تو نہیں اس جن سے؟"

"ہرگز نہیں۔ یہ ہمارے اپنے ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"اللہ اس اپنائیت کو قرار رکھے۔" میں نے مسخرے پن سے کہا اور جلدی سے باہر نکل گیا۔ میں جانتا تھا کہ میں دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل ہوں اس لیے میں اطمینان سے کوٹھی کی گردی کرتا رہا۔ کوٹھی کا ایک حصے میں کچھ گما گھمی تھی۔ بہت سے ملازم ایک طرف صاف کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

ملازموں کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ کچھ مہمان آ رہے ہیں۔ میں وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ طویل چکر لگانے میں کافی دیر میں واپس آیا۔ طالوت اور شکیلہ باتیں کر رہے تھے۔

"کیا پوزیشن ہے؟"

"نارمل۔"

"کوئی خاص بات تو نہیں؟"

"کوئی نہیں' سوائے اس کے کہ کوٹھی میں کچھ مہمان آ رہے ہیں اور بڑا اہتمام ہے۔"

"تنویر صاحب موجود ہیں؟"

"شاید نہیں۔"

"خیر جلدی بھی کیا ہے۔ اب آرام کرو۔"

"آرام؟"

"ہاں' تھوڑی دیر سونا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بھی سو جاؤ۔" طالوت نے کروٹ بدل لی۔ شکیلہ اپنی مسہری پر چلی گئی تھی اور پھر سچ مچ سب سو ہی گئے۔ آنکھ کھلی تو خاصی رات ہو چکی تھی۔ پورے کمرے پر گہری تاریکی مسلط تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ آنکھ کھلنے کے بعد چند ساعت تک تو ماحول کا اندازہ ہی نہ ہو سکا' اور جب سب کچھ یاد آ گیا تو میں نے طالوت کو آواز دی۔

"جاگ گئے عارف!" طالوت کی آواز سنائی دی۔

"ہاں۔ لیکن یہ اندھیرا؟"

"رات ہو چکی ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"روشنی تو کراؤ یار۔"

"راسم!" طالوت نے راسم کو آواز دی "ہلکی روشنی۔" اس نے راسم کو ہدایت کی اور کمرے میں ایک مدھم

Uploaded By Muhammad Nadeem

روشنی پھیل گئی۔ ہلکی روشنی میں ہم نے شکیلہ کی مسہری کی طرف دیکھا۔ شکیلہ ابھی تک سو رہی تھی۔

"ان خاتون کو بھی جگایا جائے۔"

"ہاں۔ آواز دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے شکیلہ کو آوازیں دیں۔ خاصی گہری نیند سو رہی تھی۔ کئی آوازوں پر جاگی۔ اور پھر گھبرا کر جلدی سے مسہری سے نیچے اتر آئی۔

"کیا ہوا۔ کیا ہو گیا؟"

"رات۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ارے کیسے؟" شکیلہ نے اور پریشان ہو کر پوچھا۔

"بس خود بخود ہو گئی۔" میں نے جواب دیا اور طالوت ہنسنے لگا۔

"اوہ۔" شکیلہ نے ایک گہری سانس لی۔ اب اسے اپنی بدحواسی کا احساس ہوا تھا اور وہ بھی مسکرانے لگی "واقعی' خوب رات ہو گئی۔ نہ جانے کیا بج گیا ہو گا؟"

"آؤ باہر چل کر دیکھیں۔" طالوت نے کہا اور ہم تینوں باہر نکل آئے لیکن باہر نکل کر ہم نے گہری سانس لی تھی۔ رات تو توقع سے کہیں زیادہ گزر گئی تھی۔ غالباً ڈھائی بجے تھے۔ پوری کوٹھی سنسان پڑی تھی' سب سو چکے ہوں گے۔ کسی کے جاگنے کے آثار نہیں نظر آ رہے تھے۔

"کمال ہے یار۔ سب اتنی گہری نیند سو گئے۔"

"کھانا تو نشہ آور نہیں تھا؟" میں نے کہا۔

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' جن معنوں میں تم کہہ رہے ہو۔ ویسے تو خوراک کے نشے سے بڑا کوئی نشہ ہی نہیں ہے۔"

"تکر حضرت۔ اب کیا کیا جائے؟"

"آؤ۔ آوارہ گردی کرتے ہیں۔"

"اس وقت۔ کہاں؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"سنسان سڑکوں پر۔" طالوت نے جواب دیا۔

"وقت کٹ جائے گا۔" شکیلہ بولی۔

"بہت خوب۔" میں نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور پھر آمادگی ظاہر کر دی۔ ہم کوٹھی سے باہر نکل آئے۔ خوب تھی یہ رات کی آوارہ گردی۔ سڑکیں بالکل سنسان پڑی تھیں لیکن شہر کے چند علاقے اب بھی جاگ رہے تھے۔ خاص طور سے بندرگاہ کا علاقہ۔ اس علاقے میں دن رات رونق رہتی تھی۔ یہاں کے ہوٹل بھی کھلے ہوئے تھے۔

"کیا خیال ہے' کھانے کا پروگرام ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"اوہ' نہیں۔ لیکن کافی پی جا سکتی ہے۔"

"آؤ' کسی ہوٹل میں چلیں۔"

"یہاں کے ہوٹل' شریف لوگوں کے نہیں ہوتے۔" میں نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"تو ہم ہی کون سے شریف ہیں۔ آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم تینوں "سی ہاک" کی طرف بڑھ گئے۔ خاصی بڑی عمارت تھی۔ باہر سے خوب صورت بھی نظر آ رہی تھی۔ ایک چوڑے زینے سے گزر کر ہم ریفریشمنٹ ہال میں پہنچ گئے۔ ہال میں خاصی رونق تھی۔ سگریٹوں کے دھوئیں چکرا رہے تھے۔ ان میں نشہ آور سگریٹوں کی بو بھی شامل تھی۔ گندی ہوا باہر پھینکنے والے پنکھے چل رہے تھے لیکن پھر بھی ناگوار بو باقی تھی۔ زیادہ تر ملکی اور غیر ملکی ملاح ہی نظر آ رہے تھے۔ عورتیں بھی تھیں لیکن شریف عورتوں کی کہیں جھلک بھی نہیں تھی۔ یہ سب کی سب شکاری تھیں جو خاص طور سے غیر ملکیوں کا شکار کرنے آتی ہیں۔

"ماحول اچھا نہیں ہے طالوت۔" میں نے کہا۔

"تو پھر۔؟"

"شکیلہ بھی ہمارے ساتھ ہے۔"

"ہائے اللہ۔ میں مر جاؤں۔ یار تم میرے سامنے ایسی باتیں نہ کیا کرو۔" طالوت نے کہا اور اس کونے کی میز کی طرف بڑھنے لگا جو خالی نظر آ رہی تھی۔

بہرحال ہم کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔ بے شمار نگاہیں ہماری طرف تھیں۔ ان میں زیادہ تر خطرناک چہرے تھے۔ مجھے الجھن ہونے لگی۔ اس بے باک ماحول میں کوئی ہنگامہ ضرور ہو گا' میرے دل نے کہا لیکن مجھے حیرت اس شکیلہ کی بچی پر ہو رہی تھی۔ مجھ سے زیادہ اسے طالوت پر اعتماد ہو گیا تھا۔ وہ بے حد مطمئن نظر آ رہی تھی۔

ویٹر ہمارے سروں پر پہنچ گیا۔

"کافی۔" طالوت نے بھاری آواز میں کہا۔

"صاحب!" ویٹر جھک کر بولا۔

"ہوں۔" طالوت نے چونک کر اسے دیکھا۔

"آپ کسی جہاز سے آئے ہیں؟"

"نہیں۔ کیوں؟"

"شہر سے آئے ہیں؟"

"ہاں۔"

"تب میں آپ کے لیے کمرے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔ رات بھر رہیں' کرایہ صرف بیس روپے ہو گا۔ یہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں ہے۔"

"اچھا۔ کیوں؟" طالوت نے پوچھا۔

"یہاں اچھے لوگ نہیں آتے اور پھر اس وقت ہال میں بہت برے برے لوگ موجود ہیں۔"

"تم کافی لاؤ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان برے برے لوگوں کی ایک فہرست بھی لے آؤ۔ میں سب کو ٹھیک کردوں گا۔"

"آپ کی مرضی صاحب۔ میں نے آپ کو آگاہ کردیا ہے۔" بیرا چلا گیا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے کافی سرو کردی۔ گھورنے والے اب بھی شکیلہ کو گھور رہے تھے۔ ان کی نگاہیں اس پر سے ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

اور پھر گڑبڑ شروع ہوگئی۔ کرسی سے اٹھنے والا شخص بلا مبالغہ پونے سات فٹ قد رکھتا تھا۔ بدن اس لحاظ سے موٹا نہیں تھا لیکن تندرست ضرور تھا۔ سفید قمیص اور سفید پتلون پہنے ہوئے تھا۔ گریبان پیٹ تک کھلا ہوا تھا اور بالوں سے صاف سینہ نظر آرہا تھا۔ آنکھیں نشے میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ ویسے وہ کسی غیر ملک سے ہی تعلق رکھتا تھا۔ نہ جانے کہاں کا تھا۔

"ہیلو۔" اس نے ہمارے قریب آکر دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیے اور جھک گیا۔ طالوت گردن جھکائے کافی پیتا رہا۔ لمبا آدمی براہ راست شکیلہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ دونوں تمہارے دوست ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"جی۔ فرمائیے۔" میں نے کہا۔

"اوہ' تم خاموش رہو۔ مجھے بات کرنے دو۔ کیوں ڈارلنگ!"

اب شکیلہ کسی حد تک نروس ہوئی۔ اس نے دزدیدہ نظروں سے طالوت کو دیکھا۔ وہ بڑی شرافت سے کافی کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا۔

"میرا نام کین ہے' انکارڈو کا ہیڈ خلاصی ہوں۔ یہاں مجھے سب جانتے ہیں۔ کیا تم تھوڑی دیر میرے ساتھ بیٹھو گی؟"

اب طالوت نے کافی ختم کرلی تھی پھر اس نے ہونٹ خشک کرتے ہوئے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا "ہیلو کین!" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

"اوہ' ہیلو۔ تمہاری ساتھی مجھے بے حد پسند آئی ہے دوستو! صرف آج کی رات اسے مجھے دے دو۔ میں تمہارا دوست بن جاؤں گا۔"

"مگر تم جیسے مرہل لوگوں کو ہم دوست نہیں بناتے۔ تم بانس کی طرح لمبے اور بے تکے ہو۔ اب تم تو تیز ہوا میں قدم بھی نہ جما پاتے ہوگے۔ جاؤ بھاگ جاؤ۔"

"اے لڑکی! تم بندرگاہ کے شہنشاہ کو نہیں جانتیں۔ میں خوش ہوگیا تو قسمت سنور جائے گی۔" کین نے شکیلہ کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر چونک پڑا۔

نہ صرف اس نے' بلکہ میں نے اور شکیلہ نے بھی محسوس کیا کہ اچانک اس کا ایک ہاتھ غائب ہوگیا تھا۔ کین نے دوسرے ہاتھ سے اپنا ہاتھ ٹٹولا۔ اور پھر اس کی چیخ نکل گئی۔

بہت سے لوگ چونک کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"ارے' میرا ہاتھ۔ میرا ہاتھ۔" کین چیخ رہا تھا اور پھر اچانک وہ ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کی ایک ٹانگ چھوٹی ہوگئی تھی۔ تب طالوت جھکا اور اس نے منہ سے پھونک ماری۔

پورے ہال میں ہنگامہ ہوگیا۔ کین کسی گیند کی طرح اچھل کر دور جا گرا تھا۔

میں نے گہری سانس لی۔ لوگ کین کی طرف متوجہ تھے۔ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ ہماری طرف سے کچھ نہیں ہوا۔ ہم تو خاموش بیٹھے تھے۔ نہ جانے کین کو کیا ہوگیا تھا۔

شکیلہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر اس نے کافی کی پیالی میز پر رکھ دی "میرا خیال ہے اٹھ ہی جائیں یہاں سے۔ کہیں اور چلیں۔"

"بل کی رقم رکھ دو عارف!" طالوت نے کہا اور میں نے جیب سے چند نوٹ نکال کر میز پر ڈال دیے۔ کین کے گرد تقریباً سارے ہی ہال کے لوگ جمع ہوگئے تھے۔ دروازے خالی تھے۔ ہم اطمینان سے دروازے سے نکل آئے۔ ہمیں روکنے والا کوئی نہیں تھا پھر ہم اس ہوٹل سے ہی کافی دور نکل آئے۔ ہمارا رخ سمندر کے ساحل کی طرف تھا۔

"اب اس کا کیا ہوگا مسٹر یوسف!" شکیلہ نے پوچھا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ بس ایک ہاتھ غائب اور ایک ٹانگ چھوٹی۔"

"اوہ' ہمیشہ رہے گی؟"

"ہاں۔"

"میرا خیال ہے بہت سخت سزا ہے۔"

"اب دے دی گئی۔ کچھ نہیں ہوسکتا۔" طالوت نے جواب دیا۔ ہم چلتے رہے' پھر چلتے چلتے طالوت نے رفتار سست کردی اور میرے کندھے کو دبایا۔

"ہوں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"یار۔ تھوڑی سی تنہائی دے دے۔"

"اوہ' ویری گڈ۔ واقعی؟" میں نے چونک کر کہا۔

"ہاں۔" طالوت نے گردن ہلا دی۔

"اوکے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم آگے بڑھتے رہے پھر ہم سمندر کے خالی حصے میں پہنچ گئے۔ یہاں چاروں طرف ٹھنڈی ٹھنڈی ریت اور ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی بکھری ہوئی تھی۔

"طالوت!" میں نے اسے آواز دی۔

"ہوں۔"

"میں تو اس ٹیلے پر لیٹ کر ماضی کا سفر کروں گا۔ ٹھنڈی ریت مجھے بچپن سے پسند ہے۔"

"اوہ' کیا بچوں والی حرکت ہے۔ آؤ چہل قدمی کریں گے۔"

"تم لوگ کرو۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے تنہا چھوڑ دو۔" میں نے کہا۔

"تمہاری مرضی۔ آؤ شکیلہ۔" طالوت نے کہا اور پھر وہ شکیلہ کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ میں ریت پر لیٹ کر ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ سچی بات ہے شکیلہ بہت خوب صورت تھی۔ میرے دل میں اس کے لیے جگہ تھی لیکن دل لگانے کا کاروبار تو میں نے عرصہ دراز سے چھوڑ دیا تھا۔ اب تو اس کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی۔

چنانچہ طالوت کو اس کی طرف مائل دیکھ کر مجھے کوئی احساس نہیں ہوا بلکہ اس التفات میں مجھے خود دلچسپی محسوس ہونے لگی۔ ویسے عجیب تھا یہ جن زادہ بھی۔ خود مجھے اس سے عشق کا مشورہ دے رہا تھا اور اب...

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور پھر نہ جانے کیوں میرے ذہن میں ماضی کی کچھ تصویریں ابھرنے لگیں۔ کیسی عجیب زندگی ہے میری بھی۔ تردد سے پاک۔ لیکن اضطراب سے بھرپور۔ دونوں خیال ایک دوسرے کے نفی۔ شاید احساس کمتری نہیں مل سکا ہے۔ یہ خیال ذہن کے گوشوں میں موجود ہے کہ میں وہ زندگی نہیں گزار رہا جو میرے آباؤ اجداد گزارتے آئے ہیں۔ اور وہ زندگی... سکون کی زندگی مجھ سے کتنی دور ہے۔ میں ی کے کاندھے کے سہارے چل رہا ہوں' وہ بھی وقت بھی یہ سہارا ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔

نہ جانے کب تک خیالات میں گم رہا۔ پھر طالوت کی آواز نے ہی خیالات کا طلسم توڑا۔

"میں نے کہا مولانا۔ پھر سو گئے کیا؟"

"نہیں جاگ رہا ہوں۔" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ طالوت اور شکیلہ بھی میرے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔

"کیا سوچ رہے تھے؟"

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"کیا خیال ہے واپس چلیں؟"

"چلو۔"

"چہل قدمی کا موڈ تو اب نہیں ہوگا۔ چنانچہ ہوا کی سواری کی جائے۔"

"ٹھیک ہے۔"

"چنانچہ تم دونوں آنکھیں بند کرو۔" طالوت نے کہا اور پھر آنکھیں تنویر محل ہی میں کیوں نہ کھلتیں۔ ہم اسی کمرے میں تھے۔

"یہ کیسا سفر ہے یوسف صاحب! ہمیں اپنے جسم تک متحرک نہیں معلوم ہوئے۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہوا کے سبک ذرات ہمارے بدن منتقل کردیتے ہیں' اس سے زیادہ تفصیل میں خود نہیں جانتا۔ مجھے صرف عمل آتا ہے تھیوری نہیں۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر مجھ سے بولا "آؤ عارف...! ایک بار پھر ماحول کا جائزہ لے لیں۔ شکیلہ! تم آرام کرو۔"

"آؤ۔" میں نے کہا اور ہم دونوں کمرے سے نکل آئے۔

"میرا خیال ہے صبح کو ہم تنویر صاحب سے بات کرلیں' اور پھر یہاں سے نکل چلیں۔ کہیں اور چلیں گے۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔"

"یار۔ ایک اور خاص بات میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔"

"کیا؟"

"میں اس لڑکی کو پسند کرنے لگا ہوں۔"

"مبارک ہو۔ دل سے مبارک ہو لیکن اچانک کیسے؟"

"بس یار جو کچھ ہوا اچانک ہی ہوا لیکن تمہیں طالوت کی قسم کھانی پڑے گی۔"

"کس بات پر؟"

"جو کچھ کہو گے سچ کہو گے۔"

"ہاں' ہاں۔ پوچھو کیا بات ہے؟"

"نہیں پہلے قسم کھاؤ۔" اور پھر طالوت نے نیچے پڑ کر مجھے قسم کھلوائی پھر بولا "اگر میں اس لڑکی سے راہ و رسم بڑھالوں تو تمہیں دکھ تو نہیں ہوگا؟"

"طالوت کی قسم! نہیں۔"

"اوہ' شکریہ میرے دوست! تمہارے الفاظ میں خلوص اور سچائی ہے۔ مجھے اعتماد ہے۔ سنو' وہ بھی مجھے چاہنے لگی

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے۔"

"اعتراف کیا اس نے؟"

"ہاں۔" طالوت نے بھونڈے انداز میں شرمانے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا اور میں نے اس کی پشت پر ایک دھپ رسید کردی۔ طالوت ہنسنے لگا تھا۔

"یار عارف! کیوں نہ ہم زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی لائیں؟"

"کیسی تبدیلی؟"

"ہم دونوں شادیاں کرلیں۔"

"سوار ہوئی عورت ذہن پر؟" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ خدا کی قسم یہ بات نہیں ہے۔ بس ایسے ہی سوچ رہا تھا۔"

"بہرحال میں تمہیں منع نہیں کروں گا۔"

"اور تم؟"

"میری اور بات ہے۔"

"کیوں؟"

"یار۔ میں شادی نہیں کروں گا۔"

"آخر کیوں؟"

"تم خود سوچ سکتے ہو' میری زندگی ہی کیا ہے۔ سولی پر تو لٹکا رہتا ہوں ہمیشہ۔ تمہاری بات دوسری ہے۔ تمہاری ساتھی ہمیشہ عیش کرے گی اور میں۔ جس وقت بھی تم مجھ سے جدا ہوگئے' میری حیثیت دو کوڑی کی ہوجائے گی۔"

"کیا کہہ رہے ہو عار طالوت سنجیدہ ہوگیا۔

"اس میں کون سی بات غلط ہے میرے دوست؟"

"گویا تمہیں طالوت پر اعتماد نہیں ہے۔"

"ہے۔ لیکن۔۔۔"

"سن میرے یار۔ اپنے باپ کی قسم کھاتا ہے جب تک وہ زندہ ہے' حالات کچھ بھی ہوجائیں' وہ تجھے نظرانداز نہیں کرے گا۔ وہ ہمیشہ تیری بہتری کی تلاش میں رہے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے طالوت لیکن۔۔۔"

"اب بھی لیکن کی گنجائش رہ گئی ہے؟" طالوت نے شکایتی انداز میں کہا۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے' ابھی تو میری نگاہ میں۔۔۔"

"میں سمجھ گیا۔ بہرحال ہم تلاش شروع کردیں گے۔"

"تمہیں اجازت مل جائے گی؟" میں نے سوال کیا۔

"بتاؤں گا ہی نہیں وہاں۔"

"میرا خیال ہے' خاصی خطرناک بات رہے گی۔"

"وہ تو ٹھیک ہے' مگر یہ بھی تو سوچو' میں اپنے ہاں کسی سے شادی نہیں کروں گا۔ اور پھر اگر میری زندگی میں کوئی عورت بیوی کی حیثیت سے آئی تو اب وہ شکیلہ ہوگی۔ ہم لوگ قول کے سچے ہوتے ہیں۔"

"خدا کامیاب کرے۔" میں نے خلوص دل سے کہا۔

"اچھا اب ان تنویر صاحب سے نمٹنے کی سوچو۔"

"تم بضد ہی ہو تو آؤ۔ انہیں تلاش کریں۔"

"ابھی تو سو رہے ہوں گے۔"

"جگالیں گے۔" میں نے کہا۔

"تب پھر آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم تنویر صاحب کی خواب گاہ کی طرف چل پڑے۔ ہمارا یہ خیال غلط ثابت ہوا کہ وہ سو رہے ہوں گے۔ تنویر صاحب کی خواب گاہ سے باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دو تین افراد تھے۔

"جلدی جاگ جاتے ہیں یہ لوگ؟" طالوت بولا۔

"ہاں' مگر دوسری آوازیں؟"

"مسز تنویر ہوں گی۔"

"تب کیا خیال ہے۔"

"آخری عمر میں ہیں یار۔ دستک دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے دستک دی۔

"کون ہے۔ اندر آجاؤ۔" تنویر صاحب کی آواز ابھری اور ہم دونوں دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ اندر تنویر صاحب' بڑی ماں اور افشاں' تینوں موجود تھے۔

ہمیں دیکھ کر تنویر صاحب اور بڑی ماں کی جو حالت ہونی چاہیے تھی' وہی ہوئی۔ البتہ افشاں حیرانی سے ہم دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔ تنویر صاحب اور بیگم تنویر سکتے کے عالم میں تھے پھر تنویر صاحب کا ہاتھ تکیے کے نیچے رینگ گیا۔ اور ہم نے صاف محسوس کیا کہ اب ان کے ہاتھ میں پستول ہے لیکن پستول چادر کے نیچے چھپا ہوا تھا۔

"ہمیں بیٹھنے کی اجازت نہیں ملے گی؟" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب سنبھلے۔

"بیٹھو۔" انہوں نے بھاری آواز میں کہا اور ہم اطمینان سے کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

"ہم آپ سے کچھ باتیں کرنے آئے تھے۔" میں نے کہا۔

"کہو؟"

"ہم یہاں سے جارہے ہیں۔ خاموشی سے چلے جاتے لیکن دل نہ مانا۔ سوچا' آپ سے آخری گفتگو کرکے ہی

جائیں۔"

"یہ گفتگو کا وقت ہے؟"

"ہم جیسے لوگوں کے لیے ایسے ہی اوقات مناسب ہوتے ہیں۔"

"ہوں۔ کہو؟" تنویر صاحب بولے۔

"کیا آپ کے رویے کی یہ تبدیلی مناسب ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ہماری ذات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے کوئی؟"

"نہیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"پھر آپ کے رویے کی یہ تبدیلی سمجھ میں نہیں آتی؟"

"معمولی سی بات ہے' تم لوگ جرائم پیشہ ہو اور پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ تم نے کئی بار پولیس کو دھوکا دیا ہے اور میں بہرحال ایک شریف شہری ہوں۔"

"تو سنیں تنویر صاحب۔۔۔ میں صرف یہ عرض کروں گا کہ ابتدا سے آج تک پولیس غلط فہمی کا شکار رہی ہے۔ اس شخص کا نام عارف ضرور ہے' لیکن یہ وہ نہیں جو پولیس کا مجرم تھا۔ ہمارا تعلق تو ایک پہاڑی ریاست سے ہے۔ ہم سیر و تفریح کی غرض سے نکلے تھے لیکن حالات کا شکار ہوگئے۔ آپ کے یہاں کی پولیس نے ہمیں مجرم سمجھا' اس میں ہمارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ہم اسے باور کراتے رہے لیکن شاید وہ شخص بھی ہمارا ہم شکل ہی تھا جو مجرم تھا۔ ایسی شکل میں ہم کیا کریں۔" طالوت نے ترپ ماری۔

"یہ تم پولیس کو باور کرا سکتے ہو۔"

"مصیبت یہ ہے کہ کوئی نہیں مانتا۔"

"اور وہ جعل ساز لڑکی؟"

"اس نے کوئی جعل سازی کی آپ سے؟ کیا اس نے ابتدا میں خود کو افشاں کہا۔ جب آپ لوگوں نے ہمیں مجرم سمجھ لیا تو پھر ہم نے بھی تھوڑی سی تفریح کی۔"

"بہرحال یہ فیصلہ کرنا پولیس کا کام ہے۔"

"ہمارے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق صرف ہمیں ہے۔ یہ حق کسی کو نہیں دیا جائے گا۔ آپ کے پاس ہم صرف اس لیے آئے تھے کہ آپ اپنے ذہن سے یہ بات نکال دیں کہ ہم مجرم ہیں۔"

"میرے ذہن سے نکال دینے سے کیا ہوگا؟"

"صرف دل مطمئن ہوجائے گا اور کچھ نہیں۔"

"ہوں۔" تنویر صاحب کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"یہ وہی دونوں ہیں ابو؟" افشاں نے پوچھا۔

"ایں۔ ہاں۔" تنویر صاحب چونک کر بولے۔

"لیکن انہوں نے جو کہا ہے اس پر غور بھی تو کیا جاسکتا ہے۔" افشاں بولی۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کے تعلقات ہیں۔ آپ پولیس افسروں سے بات کیوں نہیں کرتے۔ ٹھنڈے دل اور ٹھنڈے ذہن سے ان کی بات سنیں' تحقیقات کریں۔ وہ لوگ جو مجرم نہیں ہیں ان کی زندگی کیوں عذاب کی جائے۔" افشاں بولی۔

"ہوں۔" تنویر صاحب کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ بدستور گہری سوچ میں تھے پھر انہوں نے گردن اٹھائی اور بولے "تم لوگ کہاں مقیم ہو؟"

"آپ کی کوٹھی میں۔"

"کیا مطلب؟" سب اچھل پڑے۔

"ہاں' ہم نے آپ کا کباڑ گودام خالی کرلیا ہے' آج کل وہیں رہتے ہیں۔" طالوت نے اطمینان سے جواب دیا۔

"ارے۔" سب اچھل پڑے۔ افشاں حیرت زدہ انداز میں مسکرانے لگی تھی۔

"سچ کہہ رہے ہو؟" تنویر صاحب نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اوہ' بچو! وہ کوئی رہنے کی جگہ ہے۔ کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔"

"میری رائے ہے ابو۔ اگر یہ لوگ بے گناہ ہیں تو ان کی مدد اخلاقی فرض ہے۔ بہرحال ان لوگوں نے بھی ہماری مدد کی ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ ان کی مدد کریں۔" افشاں نے کہا۔

میں نے طالوت کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے۔

"کیا آپ ہمیں اپنی رہائش گاہ دکھائیں گے؟" افشاں نے پوچھا۔

"کیوں نہیں' کیوں نہیں۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"آئیے ابو۔ دیکھیں۔" افشاں نے بچوں کی طرح کہا اور تنویر صاحب تیار ہوگئے۔ بڑی ماں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں اور پھر سب کباڑ گودام کی طرف چل پڑے۔ میں نے طالوت کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھے تھے۔ غالباً راسم کو ہدایات مل رہی تھیں۔ بہرحال ہم گودام میں داخل ہوئے تو اس کی شکل بگڑی ہوئی تھی۔ ایک ٹوٹی مسہری پر شکیلہ لیٹی ہوئی تھی۔ یقیناً راسم نے اسے بھی حالات سے آگاہ کردیا ہوگا۔

"خدا کی پناہ! تم اس منحوس جگہ پر کیسے گزارا کررہے تھے بچو! کھانے پینے کی کیا رہتی تھی؟" بڑی ماں نے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"قسم لے لیں بڑی ماں! آپ کے کچن سے کبھی کچھ نہیں چرایا۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"چھوڑو' مجھے افسوس ہے۔ میری چھت کے نیچے تمہیں اتنی تکلیف ہوئی۔" بڑی ماں نے دکھ سے کہا۔

"اور مجھے بھی۔" افشاں نے کہا اور شکیلہ کی طرف بڑھ گئی۔ شکیلہ جلدی سے اٹھ گئی۔ افشاں مسکرانے لگی "جی خاتون! اب آپ کیا کہتی ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں شکیلہ ہوں۔" شکیلہ نے کہا۔

"خدا کا شکر ہے۔ لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ مجھے مسہری کے نیچے کس نے ڈالا تھا؟"

"جانے دو ان باتوں کو۔" شکیلہ نے کہا۔

"ہاں' جانے دو۔ آؤ' باہر آؤ۔" بڑی ماں نے کہا "بچوں کو کیسی تکلیف ہوتی ہوگی۔"

"آپ لوگوں کے ذہن ہماری طرف سے صاف ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں بیٹے۔ تم شکلوں سے ایسے نہیں معلوم ہوتے کیسی پیاری پیاری شکلیں ہیں۔ میں تو ان دنوں ہوش میں ہی نہیں تھی ورنہ میں تمہیں کسی طرح نہ جانے دیتی۔"

"ہماری یہی خواہش تھی بڑی ماں۔ بہرحال پولیس ہماری تلاش میں ہے' ہم مزید یہاں نہیں ٹھہریں گے ورنہ آپ لوگ الجھن میں پڑیں گے۔"

"اب میں ایسا فقیر بھی نہیں ہوں کہ الجھنوں میں پڑتا رہوں۔ تم ابھی ایک آدھ دن یہاں رہو' پھر خاموشی سے جہاں دل چاہے چلے جانا' ناشتا تم ہمارے ساتھ ہی کرو گے۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ہم اپنی شکیلہ باجی کو ایسے نہیں جانے دیں گے۔" افشاں نے پیار سے شکیلہ کی گردن میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا۔

"افشاں! تم انہیں ساتھ لے جاؤ۔ لیکن براہ کرم کسی کو ان کے بارے میں ابھی نہ بتانا۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"آیئے حضرات!" افشاں نے کہا۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا اور طالوت نے لاپروائی سے گردن ہلا دی۔ ظاہر ہے طالوت کو کیا پرواہ ہو سکتی تھی' ہوا تو میری کھسک رہی تھی۔

بہرحال ہم سب افشاں کے ساتھ چل پڑے۔ افشاں ہمیں اپنے کمرے میں لے گئی "تشریف رکھیے' حضرات! آپ لوگ تو بے حد مشہور شخصیتیں ہیں لیکن کیسی دلچسپ بات ہے کہ آپ دونوں ہم شکل اور ہم دونوں ہم شکل۔ اور ہم شکل بھی ایسے کہ خود سے دھوکا کھا جائیں۔ لیکن یہ بھی کوئی شعبدہ تو نہیں ہے؟"

"یہ قدرتی شعبدے ہیں مس افشاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی۔

"مگر یہ تو بتائیں' کیا آپ کالے جادو کے ماہر ہیں؟"

"کیوں؟"

"پولیس رپورٹ۔۔۔ اور پھر خود میرے ساتھ جو کچھ ہوا۔" افشاں نے کہا۔

"اوہ' آپ شعبدہ ہی کہیں۔"

"مگر کمال ہے۔ ہاں آپ میں یوسف کون ہیں اور عارف کون؟"

"میں عارف ہوں۔" میں نے کہا۔

"خوب۔ مگر پوچھنا ہی بیکار ہے۔ اگر میں ایک لمحے کے لیے پلک جھپک لوں اور آپ لوگ جگہیں بدل لیں تب بھی میں نہ پہچان سکوں گی۔ شکیلہ! آپ کو دقت نہیں ہوتی؟"

"اب نہیں ہوتی۔" شکیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بڑی دلچسپ بات ہے۔ کاش! آپ پر سے سارے الزامات ہٹ جائیں اور ہم لوگ ساتھ رہیں۔ جہاں بھی جائیں گے' لوگ بری طرح چکرا جائیں گے۔"

"یہ آپ کی خواہش ہے مس افشاں؟" طالوت نے پوچھا۔

"دل۔"

"لیکن بہرحال یہ مشکل ہے۔ ویسے شعبدے تو آپ بھی خوب دکھاتی ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"میں۔۔۔؟"

"ہاں۔ ہماری ملاقات ان لوگوں سے ہوئی تھی جنہوں نے آپ کو اغوا کیا تھا۔ اور پھر ساری دنیا میں گھماتے رہے تھے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیکن افشاں کا چہرہ فق ہو گیا تھا "آپ۔۔۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"دوسرا شعبدہ باز تصدق ہے۔"

"اوہ' اوہ۔ تو کیا اس نے۔۔۔؟"

"ہرگز نہیں۔"

"پھر براہ کرم بتا دیں' آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"کیا آپ کو ہوٹل کی ملاقات یاد نہیں ہے؟"

"ہے۔۔۔ اوہ۔۔۔ تو۔۔۔"

"ہاں۔ پہلے ہم آپ کو شکیلہ سمجھے تھے مگر جب آپ

ہمیں جل دے کر نکل گئیں اور ہمیں ہوش آیا تو ہم نے آپ کے بارے میں کافی تحقیقات کی۔"

"خدا کی پناہ۔ میرا خیال تھا آپ مجھے نہیں پہچان سکے ہوں گے۔"

"خیر پرانی باتیں جانے دیں۔"

"لیکن ایک درخواست ضرور کروں گی۔"

"کیا؟"

"خدا کے واسطے یہ معلومات اپنے تک محدود رکھیں۔ امی جان کی حالت اتنی خراب نہ ہوتی تو کوئی بات نہیں تھی لیکن میری وجہ سے ان کی جو حالت ہوئی وہ میرے لیے بڑی شرمندگی کا باعث ہے۔"

"آپ مطمئن رہیں۔"

"شکریہ! ویسے آپ یہاں آرام سے رہیں۔ میں آپ کو اپنی باجی سے ملواؤں گی۔ ہمارے خالو اور خالہ زاد بہنیں وغیرہ آئی ہوئی ہیں۔"

"افسوس اس الزام کی وجہ سے ہم سوشل زندگی سے کافی دور ہو گئے ہیں۔"

"خدا آپ پر سے یہ الزام دور کرا دے۔" افشاں نے بڑے خلوص سے کہا۔

کافی دیر تک ہم گفتگو کرتے رہے' بہت وقت گزر گیا۔ تب ایک ملازمہ نے ناشتا لگ جانے کی اطلاع دی۔ اور افشاں نے کہا "آیئے۔ ناشتا تیار ہے۔"

"آپ کے مہمان بھی ہوں گے ناشتے کی میز پر؟"

"ہاں۔ کیوں؟"

"کیا ہمارا ان کے سامنے جانا مناسب رہے گا؟"

"اوہ' آیئے۔ کیا حرج ہے؟" افشاں نے کہا۔

اور اس کے اصرار سے مجبور ہو کر اس کے ساتھ چل پڑے۔ ہم ناشتے کے عظیم الشان کمرے میں داخل ہو گئے۔ کمرے میں بہت سے لوگ موجود تھے۔ ہم نے سب کو نہیں دیکھا لیکن چند آوازوں نے ہمیں اپنی طرف متوجہ ضرور کیا تھا۔

"ارے۔ ارے۔۔۔!" اور ہماری نگاہیں بھی سامنے اٹھ گئیں۔

اور پھر ہماری حیرت کی بھی انتہا نہ رہی۔ یہاں کئی جانی پہچانی شکلیں نظر آئی تھیں اور یہ شکلیں نواب جلال الدین' سیمیں اور احسان کی تھیں۔

"عاول بھائی۔ صائم بھائی!" سیمیں اور احسان اس بری طرح اٹھے کہ کرسیاں الٹ گئیں اور پھر وہ اس بری طرح ہم سے لپٹے کہ توبہ۔ سیمیں نے بھی کوئی تکلف نہیں کیا تھا۔

"ارے۔ ارے! تم کہاں میرے نور نظر۔ تم کہاں سے نظر آ گئے؟" نواب جلال الدین بھی بے اختیار ہو گئے۔ وہ بھی ہم سے آ چمٹے تھے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"بتایئے کہاں چلے گئے تھے آپ لوگ؟" سیمیں ہچکیاں لے لے کر روتے ہوئے بولی۔ احسان بھی بچوں کی طرح رو رہا تھا اور بقیہ لوگ احمقوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑے تھے۔

تنویر صاحب کی بری حالت تھی۔ بڑی ماں پاگلوں کی طرح کھڑی تھیں اور افشاں عجیب احمقانہ انداز میں منہ پھاڑے کھڑی تھی۔ سب لوگ ناشتا واشتا بھول گئے تھے۔

"میرے بچو! آہ کتنا تڑپا ہوں میں تمہارے لیے۔ یہ بتاؤ۔۔۔ بتاؤ' کہاں چلے گئے تھے تم لوگ؟"

سچی بات یہ ہے ان مخلص لوگوں کو دیکھ کر ہم بھی دنگ رہ گئے تھے۔ ہمیں نہیں معلوم تھا کہ تنویر صاحب کے مہمان یہ ہوں گے۔ ہم خود بھی ان لوگوں سے لپٹ گئے تھے۔

نواب جلال الدین سب کچھ بھول گئے تھے۔ وہ ہمیں ساتھ لے کر کرسیوں پر آ بیٹھے۔ سیمیں اور احسان تو ہم پر ہی لدے پڑ رہے تھے۔ ابھی تک کسی نے شکیلہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

"بتاؤ۔ تم کہاں چلے گئے تھے؟" نواب صاحب نے پھر پوچھا۔

"آپ سے جدا ہونا ہی تھا نواب صاحب!" میں نے کہا۔

"ہاں۔ پھر؟"

"اگر ہم باقاعدہ آتے تو آپ لوگوں کو بہت دکھ ہوتا۔ اور ہمیں بھی۔ اس لیے ہم اسی طرح چلے آئے۔"

"بڑا ظلم کیا ہے تم دونوں نے۔ خدا کی قسم! مہینوں تمہارے لیے تڑپتے رہے۔ سیکڑوں آدمی نہ جانے کہاں کہاں تمہاری تلاش میں ہو آئے۔ ابھی تک صبر نہیں آیا تھا۔ خدا کا احسان ہے۔ خدا کا احسان ہے کہ اس نے پھر تم سے ملا دیا۔

"جلال بھائی!" تنویر صاحب کی گھٹی گھٹی آواز ابھری۔

"ابھی خاموش رہو۔ میرے دونوں گوہر تم نے چھپا رکھے تھے۔ مجھے کیا معلوم۔"

"جلال بھائی! سنیں۔۔۔ سنئے تو۔" تنویر صاحب نے پھر اسی انداز میں کہا۔

"کیا خاک سنوں۔ یہ بتاؤ۔ یہ کب سے تمہارے ہاں ہیں۔ اور ان کے ساتھ تمہارا سلوک کیسا رہا؟"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"میری بات تو سنیں۔"

"بس اب کچھ نہیں سنوں گا۔ خدا کی قسم! بھوک اڑ گئی ہے۔ مگر آؤ بیٹے' ناشتا کرو۔ افوہ' میری کھوئی ہوئی دولت مل گئی ہے۔ آؤ ناشتا کرو۔ پھر باتیں کریں گے۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

اسی وقت دروازہ کھلا۔ ایس۔ پی آفتاب اور چار انسپکٹر ہاتھوں میں پستولیں لیے اندر گھس آئے۔ ایس پی آفتاب سب سے آگے تھا۔

"مداخلت کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔ تم دونوں ہاتھ بلند کرلو۔ کوٹھی کے چپے چپے پر پولیس موجود ہے۔ تم نکل نہ سکو گے۔ اگر تم نے ذرا سی گڑبڑ کی تو یہیں گولی ماردی جائے گی۔"

طالوت نے گہری سانس لی۔ میں بھی ساکت رہ گیا تھا۔ نواب جلال الدین عجیب سی نگاہوں سے ایس پی کو گھور رہے تھے اور تنویر صاحب کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔

"تم کس سے مخاطب ہو آفیسر؟" بالآخر نواب جلال الدین کی گرج دار آواز ابھری۔

"معاف کیجئے گا جناب! یہ دونوں جو آپ کے قریب بیٹھے ہوئے ہیں' بہت بڑے جعل ساز ہیں۔ ہم انہیں گرفتار کرنے آئے ہیں۔"

"انہیں؟" نواب صاحب اچھل پڑے۔

"جی ہاں! آپ ہمیں اجازت دیں۔" ایس پی آگے بڑھا۔

"کیا بدتمیزی ہے۔" نواب صاحب کی غراہٹ بلند ہوئی "پیچھے ہٹو۔ گیٹ آؤٹ! آئی سے گیٹ آؤٹ!" نواب صاحب حلق پھاڑ کر دہاڑے اور پھر وہ تنویر صاحب کی طرف مڑے "تنویر۔ یہ تمہاری کوٹھی ہے یا جوئے کا اڈہ۔ یہاں پولیس اس طرح گھس آتی ہے۔"

تنویر صاحب کے تو حواس ہی جواب دے گئے تھے۔ وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک کی شکل دیکھ رہے تھے اور نواب جلال الدین کا چہرہ غصے سے سرخ تھا "آپ سمجھنے کی کوشش کیجئے محترم۔ یہ دونوں۔" آفتاب نے کہنا چاہا۔

"ایس پی۔ تم قانون کے محافظ ہو۔ میں تم سے اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکوں گا کہ ان دونوں کی شان میں گستاخی کا دوسرا لفظ نہ نکلے اور اس کے بعد میں تم سے وارنٹ طلب کرتا ہوں۔"

"ان دونوں کے لیے تو ہدایات ہیں جناب کہ اگر زندہ گرفتار نہ ہوں تو گولی ماردی جائے۔" آفتاب نے کہا۔

"اور یہ بھی ہدایات ہیں کہ صاحب خانہ کی اجازت کے بغیر ہر جگہ گھس جاؤ۔" نواب جلال الدین بولے۔

"ان کی تلاش میں تو یہ بھی جائز ہے۔ خواہ بعد میں حکومت کو کتنا ہی بڑا جرمانہ ادا کرنا پڑے لیکن اس وقت میں صاحب خانہ کے طلب کرنے سے آیا ہوں۔"

"کیا مطلب؟" نواب جلال الدین نے اس بار تنویر صاحب کی طرف گھور کر دیکھا۔

"وہ۔ وہ دراصل۔ یہ حقیقت ہے۔" تنویر صاحب کی آواز مشکل سے نکل سکی تھی۔

"بہت خوب۔ ٹھیک ہے ایس پی صاحب۔ ان دونوں کے جتنے جرائم ہیں' میں ان میں برابر کا شریک ہوں۔ براہ کرم مجھے بھی گرفتار کرلیا جائے۔"

"جلال بھائی۔" تنویر صاحب گھبرا کر بولے۔

"اٹھو۔" نواب جلال الدین نے سمیں' احسان وغیرہ سے کہا اور سب اٹھ کھڑے ہوئے۔

"جلال بھائی۔ سنئے تو سہی۔" تنویر صاحب پریشانی سے بولے۔

"تنویر۔ بے تکلفی کے لیے معافی چاہتا ہوں۔ دنیا کے بدبخت ترین انسان ہو جو ان فرشتوں سے پرخاش رکھتے ہو۔ میں اس کی وجہ بھی نہیں معلوم کروں گا۔ بہرحال اگر تم نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اپنی دانست میں تو بہرحال تمہیں یہ سوچنا چاہیے تھا کہ میں بھی یہاں موجود ہوں۔ میری موجودگی میں پولیس نہیں آنی چاہیے تھی۔ بہرحال شکریہ۔ ان لوگوں کو تم نہیں جانتے' میں جانتا ہوں اور جس گھر میں ان کی بے عزتی ہوئی ہو' وہاں میں ایک پل نہیں رہ سکتا۔"

"بات کچھ۔ بات کچھ غلط فہمی کی ہے جلال بھائی۔ مم۔ میں۔۔۔"

"تم جانتے ہو میں ضدی آدمی ہوں۔ میں اب یہاں نہ رہ سکوں گا۔ سمیں واپس چلو۔ وقتی طور پر کوئی ہوٹل مناسب رہے گا پھر ہم کسی مکان کا بندوبست کرلیں گے اور ایس پی۔ تم سنو۔ ان کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے کا تصور ذہن سے نکال دو۔ میں نواب جلال الدین آف جلال آباد ہوں۔ تمہارا ہوم سیکریٹری میرا انتہائی دوست ہے۔ آؤ ٹیلی فون تک چلیں' میں تمہیں اس سے فوری ہدایات دلوا دیتا ہوں تاکہ تمہاری الجھن دور ہو جائے۔"

"اوہ۔ نواب صاحب۔ آپ فرما رہے ہیں۔ یہی کافی ہے' لیکن میری صرف ایک درخواست ہے۔" ایس پی

آفتاب نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ کہو۔" نواب جلال الدین بولے۔

"براہ کرم تصدیق کرلیں۔ ممکن ہے آپ غلط فہمی کا شکار ہوں۔"

"تصدیق۔" نواب صاحب اچھل کر بولے "ارے میاں تمہیں اگر ان کی حقیقت معلوم ہو جائے' تو معاف کرنا اپنی ملازمت کے لیے پریشان ہو جاؤ گے۔"

"خیر۔ پھر میرے لیے کیا حکم ہے؟" ایس پی آفتاب نے بیزار ہوتے ہوئے کہا۔

"تم خود فیصلہ کرلو۔ کیا میں ہوم سیکریٹری سے بات کروں؟"

"مناسب رہے گا اگر آپ مجھے اوپر سے احکامات دلوا دیں' کیونکہ ان لوگوں کی شخصیت ایسی ہے کہ انہیں گرفتار نہ کرنے پر بھی میں ملازمت سے ہاتھ دھو سکتا ہوں۔" آفتاب نے کہا۔

"آفتاب میاں۔ آفتاب میاں۔ میری بات سنو' میرے ساتھ آؤ۔" تنویر صاحب نے ایس پی کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور آفتاب ایک طرف چلا گیا۔ بہرحال وہ کمرے میں ہی تھے "میری درخواست ہے اس وقت واپس چلے جاؤ۔ انہیں گرفتار نہ کرو' ممکن ہے جلال بھائی کو غلط فہمی نہ ہو اور۔۔۔ اور۔۔۔"

"کیسی باتیں کرتے ہیں تنویر صاحب۔ بھلا یہ لٹکے اور۔۔۔"

"ایس پی۔ ایس پی۔" نواب جلال الدین دہاڑے "ان کہتا ہوں اپنے اختیارات سے ناجائز فائدہ مت اٹھاؤ۔ اگر تم نے ان کے بارے میں کوئی نازیبا جملہ استعمال کیا تو اچھا نہیں ہوگا۔"

"نواب صاحب۔ براہ کرم باہر آیئے۔" آفتاب نے جھنجلاتے ہوئے کہا اور پھر وہ دونوں باہر نکل آئے۔ ناشتے کی میز اب بھیک مانگ رہی تھی۔ بھلا ناشتے کا موڈ کس کا رہا۔ نواب جلال الدین غصے میں تھے۔ سمیں اور احسان بھی سرخ ہو رہے تھے۔ آفتاب کمال اور دوسرے لوگ بھی پریشان تھے۔

"اور یہ تنویر کو کیا ہو گیا ہے۔ اچھے برے کی ساری تمیز کھو بیٹھا ہے۔" نواب جلال الدین بولے۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا "اس نے خود ہی پولیس کو بلایا تھا۔ حد ہے۔ اب وہ اتنا بڑا کاروباری ہو گیا ہے کہ مہمانوں کو ناشتے کی میز سے گرفتار کراتا ہے۔ اس نے میری توہین کی ہے۔"

"خالو جان براہ کرم۔" افشاں نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"نہیں افشاں بیٹے۔ تمہارا باپ اب مصلحتوں کا قائل ہو گیا ہے' میں یہاں نہ رک سکوں گا۔ براہ کرم مجھے مجبور نہ کیا جائے۔" نواب صاحب ہتھے سے اکھڑ گئے تھے۔

تقریباً دس منٹ کے بعد تنویر صاحب حیران و پریشان کمرے میں داخل ہوئے' آفتاب اب ان کے ساتھ نہیں تھا۔ ہم دونوں بالکل خاموش تھے۔ طالوت کے چہرے سے بھی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔

"جلال بھائی۔ کیا آپ ناشتے کے بعد تھوڑی دیر تک مجھ سے گفتگو پسند کریں گے؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں تنویر۔ میں اب یہاں نہ رک سکوں گا۔" جلال الدین صاحب نے خشک سے انداز میں کہا۔

"میں شرمندہ ہوں لیکن حالات آپ کے علم میں نہیں ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ حالات تمہارے تھے' میری بے عزتی کیوں کرائی گئی؟"

"دراصل آپ کو کچھ نہیں معلوم۔ میں خود بھی بے شمار الجھنوں سے گزر رہا ہوں۔"

"مجھے افسوس ہے میں تمہاری الجھنوں میں اضافے کا

Uploaded By Muhammad Nadeem

باعث بنا۔ بہرحال میں یہاں آیا ہوں تو کچھ عرصہ ضرور رہوں گا لیکن اس کوٹھی میں نہیں جہاں پولیس درانہ گھس آتی ہو۔"

"یہ قصور تو میرا ہے جلال بھائی!" تنویر صاحب بولے۔

نواب جلال الدین حد سے زیادہ بگڑ گئے تھے۔ سب ہی ان کے پیچھے پڑ گئے۔ خاص طور سے افشاں اور بڑی ماں اور خدا خدا کر کے نواب صاحب کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ ناشتا بھی ٹھنڈا ہو گیا تھا۔

از سرِ نو ناشتا لگایا گیا اور نواب صاحب سے ناشتا کرنے کی درخواست کی گئی۔

"ہم اجازت چاہیں گے۔" طالوت نے کھڑے ہو کر کہا اور ایک بار پھر سب چونک پڑے۔ میں اور شکیلہ بھی کھڑے ہو گئے تھے۔

"ارے۔ ارے۔ اب۔" کمال نے کہا۔

نواب جلال الدین خاموشی سے ہماری شکلیں دیکھ رہے تھے۔

"آپ تنویر صاحب کے مہمان ہیں نواب صاحب اور ہم وہ، جنہیں دھوکے میں رکھ کر تنویر صاحب گرفتار کرانے کے چکر میں تھے۔ اگر آپ نہ ہوتے تو ہم تینوں اس وقت حوالات میں ہوتے۔ ایسی شکل میں اب ہمارے لیے کیا گنجائش ہے۔ کیا ہم ناشتا اس لیے کریں کہ آپ نے ہماری حمایت کی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"جواب دو تنویر۔" نواب صاحب بولے۔

"میں تم دونوں سے۔۔۔ تم سب لوگوں سے معافی چاہتا ہوں۔ میں سخت شرمندہ ہوں۔ خدا کے لیے ناشتا کر لو۔ مجھے الجھنوں میں نہ ڈالو، میں سخت پریشان ہوں۔"

"خدا کے لیے ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا اور بیٹھ گیا اور پھر خاموشی سے ناشتا کیا گیا۔ بڑی عجیب سی کیفیت رہی تھی۔ سیمیں اور احسان ہماری طرف دیکھے جا رہے تھے۔ درحقیقت ان کے حلق سے نوالے نہیں اتر رہے تھے۔ بالآخر ناشتا ختم ہو گیا اور سب لوگ خاموشی سے اٹھ گئے۔

"آپ میرے ساتھ آئیں گے جلال بھائی؟" تنویر صاحب نے عاجزی سے کہا۔

"صرف میں؟" جلال الدین نے پوچھا۔

"ہاں۔ مجھے آپ سے گفتگو کرنی ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔ میں شہزادہ عادل اور شہزادہ صائم کی موجودگی کے بغیر کوئی گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہوں۔" نواب صاحب نے کہا۔

"لیکن میں۔" تنویر صاحب نے پریشانی سے کہا۔

"تنویر۔ تم بات سمجھ نہیں رہے۔ میں کسی ایرے غیرے کے لیے اس قدر جذباتی نہیں ہو سکتا۔ کاش تم ان لوگوں کو جانتے ہوتے۔ یہ ایک ایسی ریاست کے شہزادے ہیں جو اگر چاہے تو ہمیں اور تمہیں خرید کر کسی یتیم خانے کو وقف کر دے۔ نہ جانے تم نے انہیں کیا سمجھا ہے اور کیوں ان کی بے عزتی پر آمادہ ہوئے ہو۔ مجھے افسوس ہے کہ میں تم سے سخت ہو گیا ہوں لیکن میرا ان سے لگاؤ اتنا قدرتی ہے کہ۔۔۔ کہ میں اس کی ترجمانی نہیں کر سکتا۔"

ناشتے کے کمرے میں موجود سارے لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہمیں دیکھ رہے تھے۔ بی شکیلہ کے چہرے پر بھی عجیب تاثرات تھے، بہرحال وہ اب جان گئی تھیں کہ ہم کسی ریاست کے شہزادے تو کیا، کسی بہت بڑی حکومت کے سربراہ بھی ہو سکتے ہیں، چنانچہ وہ بہرحال دوسروں کی طرح حیران نہیں تھیں۔

"تب آیئے۔ لیکن دوسرے لوگوں کی موجودگی تو ضروری نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن ان کے بغیر میں کوئی گفتگو نہیں کروں گا!" نواب جلال الدین نے کہا اور میری طرف دیکھ کر بولے "آیئے، شہزادہ عادل، آیئے شہزادہ صائم۔"

"نواب صاحب قبلہ اب تک جو کچھ ہوا، وہ آپ کی محبت اور تنویر صاحب کی نفرت پر مبنی تھا، ہم کچھ نہیں بولے لیکن ضروری تو نہیں تھا کہ ایس پی آفتاب ہمیں گرفتار ہی کر لیتے۔ اس سے پہلے بھی تنویر صاحب کے ہاں یہ کوشش ہو چکی ہے۔ اپنی دانست میں ان حضرات نے ہمیں پھانسی کے تختے تک پہنچا دیا تھا لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ نواب صاحب آپ کی محبت سر آنکھوں پر لیکن میرے خیال میں تنویر صاحب کی بہت سی کوششیں ناکام بھی ہو سکتی ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو ان سے گفتگو کریں۔ جہاں تک ہمارا معاملہ ہے ہم دنیا گردی کرنے نکلے ہیں تو اپنی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔"

"آیئے تو سہی۔ تنویر کو نہ جانے کیا ہو گیا۔ یہ اتنا برا انسان تو نہیں ہے۔ نہ اتنا کم عمر ہے کہ انسانوں کو پہچاننے کی صلاحیت نہ رکھے۔ آپ آیئے تو سہی۔" اور ہم دونوں ان کے ساتھ چل پڑے۔ تنویر صاحب کے چہرے سے شرمندگی ٹپک رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھوں سے سخت الجھن مترشح تھی۔ ہم چاروں ایک کمرے میں داخل ہو گئے۔ نواب صاحب نے سب کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تنویر صاحب تھکے تھکے سے انداز میں سب سے پہلے بیٹھ گئے۔

"جلال بھائی، میں سخت پریشان ہوں۔ اتنا بدباطن بھی نہیں ہوں۔ دراصل میری ذہنی کیفیت اس قدر خراب ہو گئی ہے کہ میں کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہا۔ براہ کرم ناراضگی ذہن سے نکال کر میری الجھنوں کو سن لیں۔"

"ہوں۔" نواب جلال الدین نے گردن ہلائی۔ ہم دونوں بھی ان کے ساتھ ہی صوفوں پر بیٹھ گئے "تب پھر میں تم سے بنیادی سوالات کروں گا۔ میرے بچو، مجھے اجازت دو۔"

"ہاں، ہاں ضرور۔" طالوت نے کہا۔

"آپ لوگوں کی ملاقات کہاں ہوئی؟" جلال الدین نے پوچھا۔

"اس کوٹھی میں۔ یہ دونوں بچے اس لڑکی کے ساتھ جو افشاں کی ہم شکل ہے۔ ٹرین میں سفر کر رہے تھے کہ بیگم کو مل گئے۔ افشاں کی گمشدگی کی تفصیل میں نے تمہیں لکھی تھی۔ بیگم کی ذہنی کیفیت درست نہ تھی۔ تصدق وغیرہ نے ان لوگوں سے ساتھ آنے کی درخواست کی تاکہ بیگم کی ذہنی کیفیت کچھ سنبھل جائے اور یہ یہاں آ گئے۔ ان سے پوچھو، ان کے ساتھ میرا سلوک برا نہ تھا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ یہ دونوں بڑے خطرناک مجرم ہیں تب میں الجھ گیا اور بہرحال کچھ بھی ہو، میرا شمار شریف شہریوں میں ہے۔ میں قانون کا احترام کرتا ہوں۔ یہ قانون کو جل دے کر نکل بھاگے تھے اور جب یہ دوبارہ میرے ہاتھ آئے تو پولیس کو اطلاع دینا میرا فرض تھا۔"

"لیکن تم نے ان سے بھی کچھ پوچھا؟"

"کیا پوچھتا؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"تنویر میاں۔ کیا تصدق وغیرہ کی درخواست پر تمہاری بیگم کے لیے یہ لوگ تمہاری کوٹھی میں نہ آئے تھے۔ کیا تمہارے اوپر ان کا یہ احسان نہ تھا۔ کیا یہ تمہارا فرض نہ تھا کہ تم ان سے ان کے بارے میں معلوم کر لیتے۔"

"نہیں نواب صاحب۔ شاید آج ہی ہم سے ہمارے بارے میں معلوم کیا گیا تھا۔ ہم نے تھوڑی بہت تفصیل بتا دی۔ اس کے بعد ہی یہ اطلاع دی گئی تھی۔"

"یہ درست ہے۔ لیکن مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آیا تھا۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"شہزادہ عادل! یہ تنویر کچھ احمق بھی ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں کسی حد تک آپ کے بارے میں بتا دوں، میرا خیال ہے آپ اس کی اس حالت غیر پر ترس کھائیں گے۔"

"اوہو۔ نہیں۔ تنویر صاحب ہمارے لیے بھی قابل احترام ہیں۔" طالوت نے گہری سانس لے کر کہا اور میری طرف دیکھ کر آنکھ ماری۔ گویا اشارہ کر رہا ہو ٹھیک ہے، ہونے دو۔"

"تو سنو تنویر۔ یہ دونوں ایک پہاڑی ریاست کے شہزادے ہیں۔ سیر و سیاحت کے شوقین۔ ریاست کا خزانہ اتنا عظیم ہے کہ اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا اور اس کے ساتھ ہی ان دونوں کی شخصیت میں جو حشمت ہے، تنویر تم اس کا ثانی تلاش نہیں کر سکو گے۔ میرے بارے میں تم جانتے ہو، میں کس قسم کا انسان ہوں لیکن سنو میرے دوست۔ اگر شہزادہ عادل اور شہزادہ صائم میری کھال کی جوتیاں بنا کر پہن لیں تو میں اسے اپنی خوش بختی تصور کروں گا۔ نہ صرف میں بلکہ میری اولاد، میری بیوی، میرا رواں رواں ان کے احسان کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ تفصیل میں نہیں بتا سکوں گا۔"

تنویر صاحب ششدر رنگا ہوں سے نواب جلال الدین کی شکل دیکھ رہے تھے۔ بلاشبہ انہیں احساس تھا کہ نواب جلال الدین جیسا غیور انسان، جو کسی کی تعریف بھی کرنے میں احتیاط کرتا ہے، جو شاید صرف احسان کرنا جانتا ہے، احسان لینا نہیں۔ اس کے منہ سے ان لوگوں کے لیے یہ الفاظ کوئی حیثیت ہی رکھتے تھے۔

کئی منٹ تک خاموشی رہی پھر تنویر صاحب آہستہ سے بولے "لیکن ان لوگوں نے تو اپنے نام عارف اور یوسف بتائے تھے؟"

"ہمیں بھی ان کی اصلیت بہت بعد میں معلوم ہوئی۔ ظاہر ہے یہ اپنی پبلسٹی کے لیے نہیں نکلے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن پولیس کو کیا ہوا؟"

"جو کچھ بھی ہوا ہو۔ پولیس جانے، اس کا کام ہے۔ میں ہوم سیکریٹری سے بات کروں گا، میرا دوست ہے۔"

"اور میرے لیے کیا سزا تجویز ہوتی ہے۔" تنویر صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیا مطلب؟" نواب جلال الدین بولے۔

"مجھ سے بڑی گستاخی ہوئی ہے لیکن لاعلمی میں۔ اس سے قبل شہزادہ عادل کو کوئی شکایت نہ ہوئی ہو گی۔"

"بہرحال کیا چاہتے ہو؟" جلال الدین بولے۔

"بس معاف کروا دیجیے۔" تنویر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے شہزادہ صائم؟"

"چلیے ٹھیک ہے۔ تنویر صاحب کی بھی غلطی نہ تھی لیکن

Uploaded By Muhammad Nadeem

بہرحال پولیس کو مطمئن کرنا ضروری ہے اور یہ کام آسان نہ ہوگا۔"

"میں ابھی جاتا ہوں۔ ہوم سیکریٹری سے ملاقات کروں گا اور اس سلسلے میں ساری تفصیلات طے کرلوں گا۔" نواب جلال الدین نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے ہم دونوں کی طرف دیکھ کر بولے "بھئی میرا غصہ تو ٹھنڈا ہوگیا ہے۔ تم لوگ بھی اپنی کیفیت سے آگاہ کردو تاکہ گفتگو کا موضوع بدل دیا جائے۔"

"نہیں نہیں' تنویر صاحب بہرحال برے انسان نہیں ہیں' اس کا اندازہ ہم پہلے سے کرچکے ہیں۔"

"بہت خوب۔ تو اب آپ۔۔۔ شہزادگان عالی یہ فرمائیں کہ ریس کے گھوڑے آپ کو کہاں لے گئے تھے؟" نواب جلال الدین نے پوچھا اور ہم دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"نہ جانے کہاں کہاں نواب صاحب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ بچی کون ہے جو افشاں بیٹی کی ہم شکل ہے؟"

"تنویر صاحب خود بھی اس کے بارے میں تصدیق فرما چکے ہیں۔" میں نے تنویر صاحب کی طرف اشارہ کیا۔

"مجھے اور شرمندہ نہ کریں مسٹر صائم ویسے آپ لوگوں کی شخصیت آج بھی میرے لیے سخت پراسرار ہے۔ جلال بھائی کے سامنے میں کچھ کہنے کی جرات نہیں کرسکتا' لیکن۔۔۔"

"لیکن کیا؟"

"میں عرض کرچکا ہوں نا کہ میں خود پریشان ہوں۔ بلاشبہ مجھے آپ کی شخصیتیں جرائم سے بالاتر نظر آئیں لیکن پولیس۔۔۔ نہ جانے اسے اتنی شدید غلط فہمی کیوں ہوئی؟"

"ہاں بھئی۔ بعض اوقات عجیب وغریب واقعات پیش آتے ہیں۔ بہرحال تنویر' مجھے ان لوگوں پر خود سے زیادہ بھروسا ہے۔ تم احسان اور سیمیں یا جلال آباد کے کسی بھی فرد سے پوچھ لو۔ ہر ایک تمہیں ان دونوں کی محبت میں ڈوبا نظر آئے گا۔"

"آپ غلط نہ کہتے ہوں گے!" تنویر صاحب نے کہا۔

"بہرحال۔ اب ان دونوں کی شان میں کوئی گستاخی نہ ہونے پائے۔"

"نہیں ہوگی۔"

"میرے لیے گاڑی تیار کرادو۔ ہوم سیکریٹری سے میں خود ملوں گا' میرا خیال ہے گھر پر ہی ان سے ملاقات ہوجائے گی۔ تم مجھے ڈائریکٹری دینا ذرا۔"

"میں ابھی بھجواتا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا اور اٹھ گئے پھر وہ باہر نکل گئے اور نواب جلال الدین ہم دونوں کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔

"مجھ سے کوئی شکایت ہوگئی تھی شہزادہ صائم؟"

"اوہ۔ نہیں۔ کیوں؟" میں نے کہا۔

"پھر مجھے تڑپتا چھوڑ کر کیوں چلے آئے تھے؟"

"آپ خود غور کریں نواب صاحب۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم لوگوں کے درمیان محبت اتنی بڑھ گئی تھی کہ اگر ہم باقاعدہ وہاں سے آنے کا اعلان کرتے تو شاید لوگ ہفتوں کے لیے کھانا پینا چھوڑ دیتے اور ہمارا وہاں سے آنا ضروری تھا۔"

"ہاں۔" نواب جلال الدین نے ایک ٹھنڈی سانس بھری "اور اب تم پھر مل گئے۔ بڑی مشکل سے دل کو سمجھایا تھا۔ اب کیا کریں گی؟"

"ہم شرمندہ ہیں نواب صاحب۔ لیکن بہرحال آپ کو علم ہوگیا ہے۔ ہم خود یہاں نہیں آئے۔"

"میرے ساتھ واپس چلو گے؟"

"کہاں؟"

"جلال آباد۔" نواب صاحب نے جواب دیا۔

"مشکل ہے نواب صاحب۔ براہ کرم ہماری مجبوریوں کو ذہن میں رکھیں۔" طالوت نے صاف گوئی سے کہا اور نواب جلال الدین نے گردن جھکالی پھر کئی منٹ کے بعد آہستہ سے بولے۔

"ہاں۔ ٹھیک ہی ہے لیکن تمہاری ریاست کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہے۔ اب تو ابا حضور سے رابطہ قائم ہوگیا ہے۔ ایک طویل عرصے کے لیے ان سے اجازت مل گئی ہے۔ ریاست سے وفود آتے رہتے ہیں اور ابا حضور کی طرف سے تحائف لاتے رہتے ہیں۔"

"اس لڑکی سے تعارف نہیں ہوا۔ کہاں سے ملی؟ اور اس دوران تم کہاں رہے؟"

"بس آوارہ گردی۔ صائم نے ایک فلم کی کمپنی قائم کی تھی۔ پھر وہاں سے سرحد کی طرف نکل گئے اور وہاں سے ایک ہندو ریاست درگا پور۔ یہاں یہ مظلوم اور بے سہارا لڑکی ملی۔ یہ اس قدر بے بس تھی کہ ہم نے اسے ساتھ ہی رکھ لیا۔"

"اوہ۔ ہاں تم لوگ بے حد رحم دل ہو۔ تمہارا پاؤں آج بھی میری گردن پر ہے۔" نواب صاحب نے کہا اور طالوت نے جلدی سے اپنے دونوں پاؤں اٹھا کر دیکھے اور پھر میرے پاؤں دیکھنے لگا۔ نواب صاحب کے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"برا نہ محسوس کرو تو ایک بات اور پوچھ لوں؟"

"ضرور' ضرور۔" طالوت فراخ دلی سے بولا۔

"یہ پولیس کا کیا چکر ہے؟"

"تفصیل تو نہیں معلوم۔ بس ایک مذاق تکلیف دہ بن گیا۔" طالوت ہی نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"شاید ہم دونوں کا ایک تیسرا ہم شکل بھی موجود ہے۔ جو کوئی جعل ساز تھا اور اس کا نام عارف تھا۔ ہمیں چونکہ حقیقت نہیں معلوم تھی۔ اسی لیے کسی نے کہا تو ہم نے خود کو عارف تسلیم کرلیا اور پھر پولیس چکر میں پڑ گئی۔"

"اوہ۔" نواب صاحب نے گہری سانس لی۔ بہرحال میں ہوم سیکریٹری سے بات کرکے سب ٹھیک کروں گا۔"

"نہ بھی کریں نواب صاحب تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

"میں نہیں سمجھا؟"

"مقصد یہ کہ کچھ دن جیل کی ہوا کھائیں گے۔"

"میری زندگی میں یہ ناممکن ہے؟"

"تب پھر ابو حضور کو لکھ دیں گے اور ہماری ریاست سے فوج یہاں پہنچ جائے گا۔ حکومت کو جواب دہی مشکل ہوجائے گی۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میں تمہارا کوئی نہیں ہوں؟" نواب جلال الدین نے اپنائیت سے کہا۔

"بہتر۔" طالوت نے گہری سانس لی اور پھر تنویر صاحب کی آواز دروازے سے سنائی دی۔

"اندر آسکتا ہوں؟"

"ہاں ہاں۔ آؤ۔" نواب صاحب بولے۔

"گاڑی تیار ہوگئی ہے۔"

"اب تم مجھے شرمندہ کررہے ہو۔" نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا "یہ اطلاع کسی ملازم کے ذریعے بھی پہنچ سکتی تھی؟"

"یہ بات نہیں ہے۔ اصل میں' میں بہت شرمندہ ہوں۔ کسی نہ کسی طرح شرمندگی تو کم ہو۔"

"اچھا فضول باتیں مت کرو۔ میں چلتا ہوں صائم میاں۔" نواب صاحب اٹھتے ہوئے بولے اور ہم سب ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ نواب صاحب تنویر صاحب کے ساتھ باہر چلے گئے۔ سامنے ہی پورا گروہ ہماری تاک میں تھا ان میں شکیلہ بھی شامل تھی۔ ہمیں تنہا پاکر ہماری طرف لپکا اور سب ہمارے گرد اکٹھا ہوگئے۔ ان میں کمال' تصدق' افشاں' سیمیں' احسان اور دوسری چند لڑکیاں تھیں۔ سب کے سب حیرت اور شرارت کی نگاہوں سے ہمیں دیکھ رہے تھے پھر افشاں آگے بڑھی۔

"اور یہ بات ہم سے کیوں چھپائی گئی؟" افشاں نے شرارت آمیز انداز میں کہا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ صرف خدا بہتر جانتا ہے کہ معاملہ کیا ہے۔" تصدق نے کھوپڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔ کیا آپ کو خالو جان کی باتوں پر یقین نہیں ہے؟" افشاں نے تیکھی نگاہوں سے تصدق کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔" تصدق نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آیئے عادل بھائی' صائم بھائی۔ کہیں بیٹھ کر گفتگو کریں۔ آپ سے بہت سی شکایات ہیں۔"

"سوری سیمیں باجی۔ آپ میرے مہمانوں سے شکایات وغیرہ نہیں کرسکتیں' اس کے لیے آپ کو تحریری اجازت لینا ہوگی۔"

"کس سے؟" سیمیں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال میں اور کمال ہی میزبان ہیں لیکن ہمارے پاس اجازت نامے تیار نہیں ہیں۔ اس کے لیے آپ کو انتظار کرنا ہوگا۔" سیمیں نے کہا اور پھر شکیلہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی "آیئے شکیلہ۔ کہیں بیٹھ کر کسی مشروب کا دور چلے۔"

اور پھر پورا گروہ عقبی باغ کی طرف چل پڑا۔ باغ کے ایک خوشنما گوشے کو نشست کے لیے منتخب کیا گیا اور سب بیٹھ گئے۔ میں نے مسکراتے ہوئے احسان کی طرف دیکھا اور احسان بھی مسکرادیا۔

"کیسی گزر رہی ہے احسان؟"

"میں الفاظ میں نہ بتا سکوں گا عادل بھیا۔"

"اوہ۔ کسی مناسب وقت لکھ کردے دینا۔ معلوم ہوتا ہے سیمیں بھابی بہت سخت ہے۔"

"نامنظور۔ نامنظور۔ یہ بھائی وغیرہ کا چکر نہیں چلے گا' مجھے بہن کی حیثیت سے ہی ناز کرنے دیں۔" سیمیں نے جلدی سے کہا اور ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"ارے سیمیں۔ اپنی بوا کا کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہیں۔" سیمیں ہنس پڑی "یقین کریں' نماز پڑھ پڑھ کر آپ کے لیے دعا کرتی تھیں اور ابو جان تو ہفتوں پاگلوں کی طرح ویرانوں کی خاک چھانتے پھرتے ہیں۔"

"کیوں؟"

"ان کا خیال تھا کہ خدانخواستہ گھوڑوں نے آپ کو نقصان نہ پہنچادیا ہو۔"

"اوہ۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور ہاں سیمیں' وہ اپنے شمشیرالدولہ' ان کی خیریت بھی معلوم ہوسکی؟"

"شادی ہوگئی ہے ان کی۔"

"ارے!" طالوت اچھل پڑا "واقعی؟"

"ہاں۔ اور سنا ہے اپنی ریاست میں بھی نہیں ہیں۔"

"واپس چلے گئے؟"

"نہیں۔ واپس کہاں جاتے۔ کوئی کاروبار کرلیا ہے۔" سیمیں نے جواب دیا۔

"بہت خوب۔ گویا کام کا آدمی بن گیا ہے وہ بھی۔ لیکن وہ بے چاری کون ہوگی جس سے اس نے شادی کی ہے۔ کیا تم لوگ اس شادی میں شریک نہیں ہوئے؟"

"بلایا تھا ہمیں بھی لیکن ابو حضور نے جانا پسند نہیں کیا۔"

"بہت خوب!" طالوت پرخیال انداز میں مسکراتا ہوا بولا "بہرحال عمدہ بات ہے۔"

"اب آپ اپنے بارے میں کچھ نہیں بتائیں گے؟"

"ارے ہم کیا بتائیں۔ افشاں کے دیس میں مظالم کا شکار ہوتے رہے ہیں بس! غور کرو اتنی بڑی کوٹھی میں کتنی گنجائش ہے لیکن ہم نے کباڑ خانے میں چھ روز گزارے ہیں۔"

"اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے' اس لیے میں شرمندہ بھی نہیں ہوں۔" افشاں نے ڈھٹائی سے کہا۔

"ہاں واقعی۔ یہ تو درست ہے۔ سارا چکر تصدق کا چلایا ہوا ہے۔"

"مجھے اس کی بھرپور سزا مل چکی ہے۔" تصدق جلدی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"افسوس۔ مطلب نہیں بتایا جاسکتا۔ ارے ہاں افشاں بی بی' وہ مشروب کی کیا رہی؟" تصدق شاید بات بدلنے کے لیے بولا۔

"ہاں۔ سب لوگوں سے معلوم کیا جائے۔ کیا پسند کریں گے۔"

"میں تو کافی کے حق میں ہوں۔" سیمیں بولی۔

"لطف دے جائے گی۔"

"اور بقیہ لوگ۔۔۔؟"

"کافی۔ کافی۔ کافی۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"آپ لوگ کیوں خاموش ہیں؟" افشاں نے ہماری طرف دیکھا۔

"ڈر رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیوں؟" افشاں حیرت سے بولی۔

"وہ۔ ہوٹل والی کافی یاد ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور افشاں بے اختیار مسکرادی۔

"دیکھیے اب مجھے زیادہ شرمندہ نہ کریں۔"

"اوہو۔ اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔ کافی ہی خراب ہوگی' کیوں عادل بھائی؟"

"ہاں۔ ہاں ہوسکتا ہے۔"

"لیکن یہ آپ لوگوں نے نام کیوں بدل ڈالے ہیں۔ اتنے خوب صورت نام ہیں اور آپ نے۔۔۔" کمال بولا۔

"ہم لوگ تو نہ جانے کیا کیا کرتے رہتے ہیں۔ جانے دو۔" طالوت نے گہری سانس لے کر کہا۔ تصدق کافی کے لیے کہنے چلا گیا اور خوش گپیاں ہوتی رہیں۔ ہم سے ہماری ریاست کے بارے میں معلومات حاصل کی جانے لگیں اور ظاہر ہے اتاپ شاپ بکنے کے علاوہ ہم کیا کرسکتے تھے۔ طالوت اس میں پیش پیش تھا۔

تصدق کافی لے کر ہی آیا تھا۔ کافی کا دور چلا۔ سیمیں اور احسان بے حد خوش تھے۔ جلال آباد کی باتیں ہونے لگیں اور سننے والے دنگ رہ گئے۔ یوں دوپہر ہوگئی اور پھر لنچ کے لیے طلبی ہوگئی۔ کھانے کی میز پر نواب جلال الدین اور تنویر صاحب موجود نہیں تھے۔

نہ جانے یہ لوگ کس الجھن میں پھنس گئے تھے۔ لنچ پر قہقہے جاری رہے اور پھر آرام کی گھڑی۔ ہمارے لیے تو کباڑ گودام اور خوب صورت بیڈ روم یکساں حیثیت رکھتے تھے۔ شکیلہ ہمارے ساتھ نہ تھی۔

طالوت نے ایک گہری سانس لی اور مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھا "ہاں بھئی۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام۔۔۔" میں ہنس پڑا۔

"کیوں۔ اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے؟"

"یار تیرے پروگرام بنتے ہیں اور کتنوں پر عمل ہوتا ہے۔

میرا خیال ہے ہمیں اپنی مرضی سے کوئی پروگرام بنانا ہی نہیں چاہیے۔"

"ایسی بات تو نہیں ہے۔ بولو کیا چاہتے ہو؟"

"میں کچھ بھی نہیں چاہتا۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"افشاں کو بھی نہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے۔ افشاں' افشاں۔" طالوت شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"بکواس کے موڈ میں ہو۔" میں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"ہرگز نہیں۔ میں بالکل سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔ یار یقین کرمیں نے اس کی آنکھوں میں تیرے لیے پسندیدگی کے جذبات پائے ہیں۔"

"طالوت۔" میں نے اسے سرزنش کی۔

"تو اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ مولانا' اب زیادہ اداکاری مت کرو۔ آخر برائی کیا ہے اس میں؟"

"میں نے اس انداز میں سوچنا ہی چھوڑ دیا ہے طالوت۔"

"کیوں۔ کسی پہاڑ پر بس جانے کا ارادہ ہے کیا؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"بس ایسے ہی اور پھر یہ افشاں تمہارے ذہن میں کیوں گھس آئی ہے؟"

"میرے ذہن میں نہیں آئی۔ بلکہ میں اسے تمہارے ذہن میں تلاش کرنے کی کوشش کررہا ہوں۔"

"نہیں طالوت۔ میری زندگی اب ان ہنگاموں کی تاب نہیں لاسکتی۔"

"کیوں۔ بوڑھا محسوس کررہے ہو؟"

"ہاں۔ ذہنی طور پر میں بوڑھا ہوگیا ہوں۔"

"بکواس۔" طالوت نے ہونٹ سکوڑے "اگر تم نے بوڑھا ہونے کی کوشش کی تو میں تمہیں گولی مار دوں گا۔ میرے خیال میں تو زندگی صرف جوانی کا نام ہے۔ جب انسان کے ذہن میں بڑھاپے کا تصور پیدا ہوجائے تو اسے خودکشی کرلینی چاہیے۔"

"اچھا اب تم فضول باتیں مت کرو۔"

"سنیں یار۔ فضول باتیں نہیں۔ یہ میری خواہش ہے۔"

"یعنی۔ کیا خواہش ہے آپ کی؟"

"دیکھو۔ ہم اور تم ہم شکل ہیں۔ افشاں اور شکیلہ اور تمہیں پتہ ہے شکیلہ۔ میرا مطلب ہے' شکیلہ۔ چنانچہ اب افشاں بھی ہم سے الگ نہیں ہونی چاہیے۔"

"بندہ خدا ابھی چند گھنٹوں قبل پولیس کے چکر سے بچے ہو۔ نیکی کام آگئی کہ نواب جلال الدین یہاں موجود تھے ورنہ پھر الجھنوں میں پھنسنا پڑتا اور پھر ابھی تنویر صاحب کا ذہن بھی ہماری طرف سے صاف نہیں ہے پھر یہ افشاں کہاں سے درمیان میں آکودی۔ میرے خیال میں تمہاری یہ سوچ فضول ہے اور اب ہمیں یہاں زیادہ عرصے تک رہنا بھی نہیں چاہیے۔"

"کیوں؟ کیا تکلیف ہے آپ کو یہاں پر؟"

"معلوم ہوتا ہے تمہارا دل خوب لگ گیا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"صرف شکیلہ سے۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"وہ تو جہاں ہم ہوں گے۔ ہمارے ساتھ ہوگی۔"

"بالکل ٹھیک۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ تنہا ہمارے ساتھ نہ ہو' افشاں بھی ہوگی تو لطف دوبالا ہوجائے گا۔ ورنہ تمہاری سرد آہیں خواہ مخواہ موسم خراب کرتی رہیں گی۔"

"وعدہ کرتا ہوں' آہیں نہیں بھروں گا۔"

"میں یہ وعدہ نہیں مانتا۔ بلکہ وعدہ کرو کہ اگر افشاں کی طرف سے کچھ اظہار ہو تو اسے نظرانداز نہیں کروگے۔"

"وعدہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ یہ ناممکن ہی نظر آتا ہے۔"

"یہ تم براہ راست میری توہین کررہے ہو؟"

"تمہاری کیوں؟"

"اس لیے کہ میری شکل تم سے الگ نہیں ہے۔"

"سنجیدگی سے سوچو طالوت' واقعی اب کچھ ہونا ہی چاہیے۔ یہاں زیادہ دل نہیں لگ رہا۔"

"افشاں۔ افشاں۔ افشاں۔ کہے دیتا ہوں ابھی یہاں سے نہیں جاؤں گا۔"

"اور اگر پولیس سے بات نہیں بن سکی۔"

"عارف۔" طالوت نے آنکھیں نکالیں۔

"کیا فائدہ ان ہنگاموں سے۔"

"تم واقعی بوڑھے ہوگئے۔ میرا خیال ہے میں تمہاری گردن دبا کر تمہیں سارے جھگڑوں سے نجات دلادوں۔"

"مجھے انکار نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ اسی وقت کسی ملازم نے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟ اندر آجاؤ۔" اور ایک ملازم اندر آگیا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"صاحب نے بھیجا ہے۔ کہا ہے دیکھ آؤں' آپ جاگ رہے ہیں یا سو رہے ہیں۔" ملازم احمقانہ انداز میں بولا۔

"سو رہے تھے ہم لوگ۔ تم نے دروازہ کیوں بجایا؟"

"نہ بجاتا تو دیکھتا کیسے جناب۔"

"خیر اب دیکھ لیا۔" میں نے درمیان میں مداخلت کی۔

"جی۔" ملازم نے احمقانہ انداز میں گردن ہلا دی اور واپس دروازے کی طرف مڑ گیا۔

"سنو۔" میں نے ملازم کو آواز دی۔ ملازم رک گیا "کیا نواب جلال الدین واپس آ گئے؟"

"ہاں صاحب ابھی ابھی آئے ہیں۔"

"اوہ۔ اچھا۔ ہمیں بلایا تو نہیں ہے؟"

"نہیں صاحب۔ بس یہی کہا تھا۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھیک ہے' جاؤ۔" میں نے کہا اور ملازم واپس چلا گیا۔

"طالوت آؤ نواب جلال الدین سے مل لیں۔ دیکھیں کیا کر کے آئے ہیں۔"

"چلو۔" طالوت نے ایک گہری سانس لی اور ہم دونوں باہر نکل آئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم نواب جلال الدین کے سامنے تھے۔ تنویر صاحب بھی ان کے پاس ہی موجود تھے۔ نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے ہمارا استقبال کیا۔

"ارے میں خود تم دونوں کے پاس آ رہا تھا۔ بے وقوف ملازم نے کیا کہہ دیا۔"

"کوئی بات نہیں۔ آپ بزرگ ہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"میں نے ہوم سیکریٹری سے بات کر لی ہے۔ بڑا گمبھیر سلسلہ ہے۔ مجھے انہوں نے اس کیس کی فائل بھی دکھائی تھی۔ تصویر بھی لگی ہوئی تھیں اس میں۔ حیرت انگیز بات ہے شہزادہ صائم' اس کم بخت کی شکل تم دونوں سے اس قدر ملتی ہے کہ دو شخصیتوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یوں سمجھ لو کہ جیسے عادل اور تم اور وہاں بھی دو ہی کردار ملتے ہیں۔ ایک کا نام عارف ہے دوسرا گمنام۔ دونوں نے مل کر ایسی خوفناک وارداتیں کی ہیں کہ پولیس پریشان ہو کر رہ گئی۔ اغوا قتل و غارت گری' پولیس کو دھوکا دہی اور ایسے بہت سے دوسرے جرائم جن کی وجہ سے پولیس ان کی سخت دشمن ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں احکامات صادر کیے گئے کہ انہیں جہاں بھی دیکھا جائے گولی مار دی جائے۔ بھئی مجھے تو شدید حیرت ہے۔ ہم شکلوں کا ایسا عجیب چکر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ تم اور عادل سب کے لیے عجوبہ بن گئے تھے۔ ہم تمہیں دیکھ کر ہی حیران تھے کہ یہ افشاں اور شکیلہ کا مسئلہ نکل آیا اور اب دو اور دو چار یعنی صائم' عادل اور وہ دونوں بدمعاش۔ کیا اتنے سارے ہم شکلوں کو اکٹھا کر دو تو گھن چکر نہیں بن جاؤ گے۔ ہوم سیکریٹری نے مجھے تصویریں دکھائیں اور کہا کہ میں فرق تلاش کروں۔ ایمان کی بات ہے کہ میں کوئی فرق نہ نکال سکا۔ بڑی پریشان ہی۔ بالآخر ایک بات پر فیصلہ ہو گیا۔" نواب جلال الدین نے گردن ہلائی۔

"کس بات پر؟" میں نے بے اختیار پوچھا۔

"پولیس کے ریکارڈ میں عارف کے فنگر پرنٹ اور ہتھیلیوں کے نشانات موجود تھے۔ ہوم سیکریٹری نے درخواست کی ہے کہ تمہارے ہاتھوں کے نشانات ان کے پاس بھجوا دیے جائیں۔ میں نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا کہ آپ لوگوں کو اس پر تیار کروں گا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے ہوم سیکریٹری سے کہا کہ وہ پولیس ڈیپارٹمنٹ کے کسی اعلیٰ آفیسر کو سادہ لباس میں تنویر کی کوٹھی پر بھیج دیں تاکہ وہ اپنے سامنے فنگر پرنٹ لے لے۔ چنانچہ ایک فرسٹ کلاس مجسٹریٹ اور ڈی آئی جی پولیس ابھی یہاں آئیں گے اور آپ کے پرنٹس لے لیں گے۔ شہزادہ صائم اور عادل' میری اس جسارت پر آپ برہم تو نہ ہوں گے؟"

میں نے بوکھلائے ہوئے انداز میں طالوت کی طرف دیکھا۔

"نہیں نہیں۔ بہرحال اس جھنجٹ سے نکلنے کے لیے ہمیں تعاون کرنا ہی ہوگا۔" طالوت نے جلدی سے جواب دیا اور میں ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

"بہرحال عجیب معاملات ہیں۔ میرا خیال ہے ہم شکلوں کا اتنا بڑا ہنگامہ پہلے کبھی نہ ہوا ہوگا اور مجھے اس سلسلے میں جتنا شرمندہ ہونا پڑا ہے میں ہی جانتا ہوں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"نہیں نہیں اس میں شرمندگی کی کیا بات ہے۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"شہزادہ عادل' جلال بھائی نے مجھے جو کچھ بتایا ہے' میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال یہاں آپ کے ساتھ جو کچھ گستاخیاں ہوئی ہیں' میرے پاس ان کا ازالہ کرنے کے لیے کوئی ذریعہ نہیں ہے' سوائے معافی کے۔"

"بس اب آپ شرمندہ نہ کریں تنویر صاحب' جو بات تھی ختم ہو گئی۔" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب ایک

ٹھنڈی سانس لے کر رہ گئے۔

"وہ لوگ کس وقت آئیں گے؟" میں نے پوچھا۔

"شام کی چائے پر۔ بالکل دوستانہ انداز ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" طالوت لاپروائی سے بولا۔

"کھانا کھا لیا آپ لوگوں نے۔" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"ہاں۔ آرام کر رہے تھے۔ اجازت۔"

"بہت بہت شکریہ۔ اب شام کی چائے پر ملاقات ہوگی۔ آپ آرام کریں۔" نواب جلال الدین نے کہا اور ہم دونوں واپس نکل آئے۔

"میں جانتا ہوں فنگر پرنٹ کے معاملے میں بھی تم کوئی چکر چلا لو گے۔ لیکن اب یہاں رکنے سے فائدہ؟"

"یار کیوں بور کر رہے ہو۔ دل لگ رہا ہے اور کیا۔ تم اگر زیادہ ہی بور ہو رہے ہو تو پھر چلو۔"

"تمہارا دل بالکل نہیں چاہ رہا؟"

"ہاں۔ میں تو یہاں کچھ روز رہنا چاہتا تھا۔" طالوت نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"تب ٹھیک ہے۔ جیسی تمہاری مرضی۔" میں بستر میں گر گیا۔ طالوت بھی جوتے اتار کر مسہری پر لیٹ گیا تھا۔ کئی منٹ تک ہم دونوں خاموش رہے پھر طالوت نے شرارت آمیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے شکیلہ کے بارے میں مجھے ہدایات دی تھیں اور میں نے تسلیم کر لی تھیں۔ یوں سمجھ لو تمہاری ہدایت پر میں نے اس سے عشق کیا اور اب تمہیں میری بات ماننی پڑے گی۔"

"کون سی بات؟"

"افشاں۔"

"مجھے کیا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ ہم پر تو ایسی عشق و عاشقی سوار تھی۔ ارے بھائی کام کے آدمی رہو۔ کیا رکھا ہے شکیلہ اور افشاں میں۔"

"یار عارف ہے تو مشکل ہے؟"

"کیا مشکل ہے؟"

"اب تو ہو گیا۔"

"عشق نا؟"

"بالکل۔"

"چلو۔ خدا تم پر رحم کرے لیکن مجھے کیوں مریض بنائے دے رہے ہو؟"

"یہ ممکن ہے کہ طالوت کسی مرض میں مبتلا ہو اور عارف اس مرض سے دور رہے۔" طالوت نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"خدا کی پناہ۔" میں نے ایک گہری سانس لی۔

"چنانچہ مسٹر عارف' آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ شام کی چائے پر آپ افشاں سے نظر بازی شروع کر دیں گے اور پھر رات کے کھانے پر آپ اس کی کرسی کے بالکل سامنے ہو جائیں گے۔ آپ کی آنکھوں میں ایک تجربہ کار عاشق کی طرح محبت کے جذبات ہوں گے۔ کم از کم اس حد تک کہ افشاں انہیں محسوس کر لے۔ گویا آج ہی آپ اپنا کام شروع کر دیں گے اور اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر آپ دونوں کو مکمل طور سے ایک دوسرے پر عاشق ہو جانا ہوگا۔" طالوت کے انداز پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"کیا کیا احکامات آپ افشاں پر بھی صادر کر سکتے ہیں۔"

"دیکھو دیکھو یہ بات مت کرو۔ کیوں اس بے چاری کو بدنام کرانے کی فکر میں ہو۔ ورنہ ابھی پانچ منٹ کے اندر اندر وہ پوری کوٹھی میں ہائے صائم وائے صائم چلاتی پھرے گی۔"

"ارے نہیں نہیں' ایسا مت کرنا۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ سچی بات یہ ہے کہ طالوت جیسے بدمعاش کے لیے یہ کام مشکل نہ تھا۔

"ویری گڈ۔ گویا ثابت ہوا کہ تمہارے دل میں بھی اس کے لیے کچھ ہے۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیوں نہیں ہے۔"

"کیا ہے؟" طالوت دلچسپی سے بولا۔

"انسانی ہمدردی۔"

"دھت تیرے کی۔ خیر بیٹے' بہرحال تمہیں اڑتالیس گھنٹے کا وقت دیا گیا ہے۔ انسانی ہمدردی کے تحت ہی سہی' عشق شروع کر دو۔"

مجھے ہنسی آ رہی تھی۔ عجیب احمق آدمی ہے یہ بھی۔ طالوت کروٹ بدل کر لیٹ گیا تھا۔ اس کے بعد کافی دیر تک اس نے بات نہ کی۔ تیز سانسوں کی آواز سے اندازہ ہوا کہ وہ سو گیا ہے۔ میں نے بھی خاموشی اختیار کر لی اور خیالات کی ریل چھک چھک کرتی چل پڑی۔

ماضی۔۔۔ زرینہ' نرگس رحمانی' شیکھر کی فراہم کردہ بے شمار لڑکیاں' بھینگی انجیلہ۔ طالوت کی دنیا میں ملنے والی حسینہ سیمی اور نہ جانے کون کون۔

لیکن عشق کا تصور تو کب کا ذہن سے زائل ہو چکا تھا۔ شاید زرینہ کے بعد ہی۔ اب کوئی لڑکی دل کے دروازے پر دستک نہیں دے سکتی تھی لیکن طالوت کی ضد عجیب تھی۔ خود

Uploaded By Muhammad Nadeem

بھی پھنسا تھا اور مجھے بھی پھنسانے کے درپے تھا اور اس بار ایسا نظر آرہا تھا جیسے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی۔ کیا کرنا چاہیے؟ افشاں۔ لڑکی تو اچھی ہے لیکن ضروری ہے کہ وہ بھی مجھ سے عشق کرے اور پھر اتنے اعلیٰ گھرانے کی لڑکی۔ طالوت نے مجھے کچھ بھی بنا دیا ہو لیکن' بہرحال تھا میں حشمت برادرز کا ایک کلرک ہی۔ طالوت کی حماقت کے جواب میں مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں۔ طالوت کے احکامات کی پابندی کرنے آیا تھا۔ اسی میں میری بہتری تھی۔ لیکن انوکھا صنم۔ افشاں میری آنکھوں میں ابھر آئی لیکن یہ صنم ناگوار تو نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ افشاں حسین ہے۔ کیا حرج ہے؟ اگر۔ اگر۔ اور میری آنکھوں میں تاریکیاں گہری ہوتی گئیں۔ مجھے نیند آگئی تھی۔

پھر شام کو پانچ بجے طالوت ہی نے جگایا۔ وہ شاید غسل کرکے نکلا تھا۔

"دن کے خواب اچھے نہیں ہوتے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "بس اب اٹھ جاؤ۔ افشاں صاحبہ ابھی چند منٹ کے بعد ناشتے کی میز پر نظر آئیں گی۔" میں مسکرانے لگا "تم تو کالج کے نوجوان لڑکوں کی طرح عشق کے ابتدائی طالب علموں کی سی حرکتیں کر رہے ہو۔"

"اور تمہیں بگواس کرنے کا مرض لاحق ہوگیا ہے۔" اور پھر ان لوگوں سے چند لمحات کی معذرت طلب کی اور طالوت کا بازو پکڑ کر ایک طرف لے گیا۔

"حضرت چائے کی میز پر رومان کی ابتدا کینسل۔ تم سمجھ گئے ہوگے کہ مہمان کون ہیں؟"

"وہی لوگ!" طالوت نے جواب دیا۔

"یار طالوت۔ ہاتھوں کے نشانات کا کیا کرو گے؟"

"کیا چاہتے ہو؟"

"میرے فنگر زپرنٹ پولیس ہیڈ آفس میں موجود تھے۔" میں نے جواب دیا۔

"فکر مت کرو۔ جس کاغذ پر وہ تمہارے ہاتھ کا نشان لیں گے۔ اس پر گدھے کے کھر کی تصویر آئے گی۔" طالوت نے بے فکری سے کہا۔

"نہیں یار۔ ایسی کوئی حرکت بھی نقصان دہ ہوگی۔ میرا خیال ہے کوئی سیدھی سادی بات ہوجائے تاکہ میری جان بچے۔"

"ٹھیک ہے۔ ان کے فرشتے بھی تمہارے ہاتھ کے موجودہ نشانات کو پہلے نشانوں سے نہ ملا سکیں گے۔"

"یہی مناسب ہے۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

ویسے میں کسی حد تک مسرور تھا۔ اس معاملے کے بعد میری شخصیت بدل رہی تھی۔ اور اپنے ہی وطن میں اب میری حیثیت ایک مجرم کی نہ رہے گی۔ بہرحال یہ مسرت کی بات تھی۔

ہم واپس دوسرے لوگوں میں پہنچ گئے اور سب ناشتے کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ ناشتے کے کمرے میں نواب جلال الدین' تنویر صاحب اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ سب لوگوں کے بیٹھ جانے کے بعد چائے کا پرتکلف دور شروع ہوگیا۔ نئے آنے والوں پر نگاہیں گہرے انداز میں ہمارا جائزہ لے رہی تھیں اور شاید نواب اور طالوت نے ایک پولیس افسر کو صاف پہچان لیا تھا۔ ان حضرت کو ہم نے ایک دن پولیس ہیڈ آفس میں کافی پریشان کیا تھا۔

بہرحال ہم سنجیدہ شکلیں بنائے رہے اور چائے کے دوران غیر فطری سی خاموشی طاری رہی۔ جلد ہی چائے کا دور ختم ہوگیا اور نواب جلال الدین نے کہا۔

"عادل میاں اور صائم میاں' یہ حضرات آپ سے کچھ خصوصی گفتگو کرنے کے خواہش مند ہیں۔ میرا خیال ہے ہم ڈرائنگ روم میں چلیں۔"

"جیسا آپ پسند کریں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ لوگوں سے معذرت۔" نواب صاحب نے بچوں میں نے انگڑائی لیتے ہوئے جواب دیا اور پھر اٹھ کر باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔

"جی نہیں۔ ابھی آپ سوتے میں افشاں سے گفتگو فرما رہے تھے اور خاصی رومانی گفتگو تھی۔"

"یار طالوت' تمہارے اوپر تو واقعی مجھے حیرت ہونے لگی ہے۔ اچانک تمہاری شخصیت ہی بدل گئی۔ تمہارے ذہن پر تو صرف رومان ہی رومان سوار نظر آتا ہے۔" میں نے کہا۔

"میں اس سے انکار نہیں کروں گا بلکہ اعتراف کرچکا ہوں۔" طالوت نے جواب دیا اور میں گردن جھٹک کر باتھ روم میں داخل ہوگیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم دونوں تیار ہو کر کمرے سے باہر نکل آئے۔ یہ لڑکے لڑکیاں تو جیسے ہر وقت ہی ہماری تاک میں رہتے تھے۔ سامنے ہی موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ سب ہمارے قریب پہنچ گئے۔

"کیا آپ نے ہمارے قدموں کی آہٹ سن لی تھی؟" کمال نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ البتہ دل کی آہٹ سن لی تھی۔" طالوت

نے افشاں کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہو۔ یہ آواز کسی ایک دل کی تھی؟" شکیلہ جلدی سے بولی۔

"جی ہاں۔" میں نے جواب دیا۔

"آپ نے سنی تھی؟" شکیلہ شرارت سے بولی۔

"نہیں۔ مجھے عادل نے بتایا تھا۔"

"آواز کس کے دل کی تھی؟"

"خاتون شکیلہ کے دل کی!" میں نے برجستہ کہا۔ دوسرے لوگوں نے قہقہہ لگایا اور شکیلہ کسی قدر جھینپ گئی۔

"بھئی باقی گفتگو چائے کی میز پر۔" افشاں نے میزبان کی حیثیت سے کہا۔

"اونہہ۔ چائے کی میز تو اس وقت قید خانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔" ایک لڑکی بولی۔

"کیوں؟"

"انکل تنویر کے کچھ مہمان چائے پر مدعو ہیں۔"

"آچکے ہیں؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ کون لوگ ہیں۔

"ہاں۔ تین چار افراد ہیں لیکن کوئی ہرج نہیں ہے۔ ہم جلد ہی چائے کی میز سے اٹھ جائیں گے۔" افشاں نے جواب دیا۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا

کی طرف دیکھا اور پھر تنویر صاحب' نواب صاحب اور نو وارد حضرات ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں آگئے۔ پولیس آفیسر نواب صاحب کے احترام میں خاموش تھے' ورنہ میں ان کی نگاہوں میں کینہ توزی صاف دیکھی تھی اور پھر وہ حضرت بول ہی اٹھے' جنہیں ہم نے پولیس ہیڈ آفس میں پریشان کیا تھا۔

"آپ مجھے بھی پہچاننے سے انکار کردیں گے مسٹر۔" ان کے انداز میں طنز تھا' جسے نواب صاحب برداشت نہیں کرسکے۔

"برادر۔ آپ صرف وہ کریں جس کی آپ کو ہدایت کی گئی ہے۔" نواب نے پولیس افسر کو ٹوک دیا۔

"میں نے پوری زندگی پولیس کے محکمے میں گزاری ہے جناب۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ میں ان دونوں سے اچھی طرح واقف ہوں۔" پولیس آفیسر نے کہا۔

"تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں؟" نواب جلال الدین ہونٹ بھینچ کر بولے۔

"کچھ نہیں۔ میں صرف آپ کو آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کوئی بڑا نقصان نہ اٹھا جائیں۔"

"میرا آپ سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اس لیے آپ میرے بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے' صرف اپنا کام کریں۔" نواب صاحب نے کہا اور پولیس آفیسر تلملا کر خاموش ہوگیا۔

بہرحال ہمارے ہاتھوں کے اور انگلیوں کے نشانات لے لیے گئے۔ میرے دل میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی' لیکن طالوت لاپرواہ تھا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد مجسٹریٹ اور پولیس آفیسرز چلے گئے۔

نواب صاحب نے گہری سانس لی تھی۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر نواب صاحب بولے "دراصل قصور ان کا بھی نہیں ہے۔"

"جی؟" تنویر صاحب نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں بھئی۔ یہ روایتی مشابہت ہے۔ تصویر دیکھ کر میں خود دنگ رہ گیا تھا۔"

"بہرحال اب بات صاف ہوجائے گی۔"

"ہاں بھئی۔ چھوڑو' اس تذکرے پر ہی لعنت بھیجو۔ ویسے تنویر اب تم نرے کاروباری بن کر رہ گئے ہو۔" نواب صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں سمجھا بھائی صاحب؟" تنویر صاحب شریف انسان تھے' سادگی سے بولے۔

"نہ سیر' نہ شکار۔ بچے ہیں' ان کے لیے کوئی بھی پروگرام نہیں بنایا تم نے؟"

"تمہا کیا بتاتا۔ اب آپ تشریف لائے ہیں' ہمارے بھی دن اچھے گزر جائیں گے اور پروگرام آپ سے اچھے کون بنا سکتا ہے۔ آپ بھی ان علاقوں سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"ہاں بھئی کچھ سوچو۔ صائم اور عادل میاں کی موجودگی ان پروگراموں میں چار چاند لگا دے گی۔ تم یقین کرو' جلال آباد میں انہوں نے جو دن گزارے' وہ ایک یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔ ویسے عادل میاں آپ نے وہ گھوڑے کہاں چھوڑے؟"

"ریاست واپس بھجوا دیے تھے۔" طالوت اب جھوٹ بولنے میں ماہر ہوگیا تھا۔

"اوہو' تو عادل صاحب اور صائم صاحب کو بھی ریس کا شوق ہے؟" تنویر صاحب دلچسپی سے بولے۔

"تم صرف شوق کی بات کرتے ہو۔ ان کے گھوڑوں کا ثانی ہی مشکل سے ملے گا۔" نواب جلال الدین فخر سے بولے۔

"کمال ہے۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"ابھی تم نے ان کے کمال دیکھے کہاں ہیں۔ تم تو بس انہیں مجرم بنانے پر تل گئے تھے۔"

"براہ کرم بھائی صاحب۔ یہ کہہ کر میرا دل نہ دکھائیے۔ میں اتنا برا انسان نہیں ہوں۔ بس حالات ہی ایسے ہو گئے تھے۔ آپ اندازہ لگائیے۔"

"خیر اب تو سب کچھ ٹھیک ہو گیا۔ ہاں تمہارے گھوڑوں کی کیا کیفیت ہے؟"

"افشاں کی گمشدگی نے سارے شوق ختم کر دیے تھے۔ گھوڑے اصطبل میں موجود ہیں لیکن عرصے سے نہیں دوڑے ہیں۔ اب تو دوڑنا بھی بھول گئے ہوں گے۔"

"اوہ۔ عمدہ گھوڑے تھے' ناکارہ کر دیے تم نے۔ میرے پاس ہی بھیج دیتے۔"

"بس مجبوریاں۔"

"ہاں۔ بعض باتیں اپنے بس سے باہر ہوتی ہیں۔ یہاں ریس وغیرہ کی کیا کیفیت ہے؟"

"باقاعدہ۔ سالانہ ریس بھی ہونے ہی والی ہے۔"

"اوہو۔ وہ تو کافی بڑی ریس ہوتی ہے؟"

"ہاں۔"

"کب ہوگی۔ معلوم کرو۔"

"بہتر۔"

"بہرحال ایک آدھ دن میں سیرِ تفریح کا کوئی پروگرام بنائیں گے اب تو تمہارے ذہن پر کوئی بوجھ نہیں رہا؟"

"ہاں۔ خدا کا شکر ہے سارے معاملات ہموار ہو گئے۔" تنویر صاحب ہمیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

"آؤ پھر انھیں اور ہاں ملازموں کو ہدایت کرو کہ ان کے ہاتھ صاف کرا دیں۔"

"نہیں۔ ہم خود صاف کر لیں گے۔ تھوڑی دیر کے لیے اجازت دیں۔" میں نے کہا اور پھر میں طالوت کے ساتھ اس کمرے سے نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اپنے کمرے میں تھے۔ سب سے پہلے ہم نے ہاتھ صاف کیے اور پھر میں تولیہ سے ہاتھ خشک کرتا ہوا طالوت کے سامنے آ بیٹھا۔

"جی حضور۔ اب کیا حکم ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی پہلے حکم کی تعمیل کہاں ہوئی ہے؟" طالوت نے سنجیدہ شکل بناتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کوئی دفترِ عشق کھول رکھا ہے؟"

"یونہی سمجھ لو۔" طالوت نے جواب دیا۔

"یار۔ میری مانو تو بس چلو یہاں سے۔ اب دل نہیں لگ رہا۔"

"دل کی بات کیوں کرتے ہو یار۔ سچی بات کہو۔ دل تو خوب لگ رہا ہے مگر اس کے ساتھ ڈر بھی لگ رہا ہے۔"

"ڈر کس بات کا؟"

"پولیس کا۔ اور کس کا؟"

"چلو یونہی سمجھ لو۔ یہ بے عزتی اچھی لگ رہی ہے۔ ویسے ہاتھوں کی لکیروں کا تم نے کیا کیا؟"

"سب بدل دی ہیں۔"

"ہمارے یہاں کے فنگر پرنٹس ایکسپرٹ بے حد ذہین ہوتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"اور میں تو جیسے گدھا ہوں۔" طالوت آنکھیں نکال کر بولا۔

"یہ بات نہیں۔"

"بس پھر کوئی بات نہیں ہے۔ فضول باتوں سے پرہیز کرو۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا اور مجھے ہنسی آ گئی۔

"دانت نکالنے کی ضرورت نہیں۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔" طالوت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اب میں کیا جواب دوں۔ بہرحال کوشش کروں گا لیکن اس کا نتیجہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے۔" میں نے کہا۔

"نتیجہ جب نکلے گا' تب سمجھ میں آئے گا۔ ابھی سے کیسے آ جائے گا۔"

"لیکن تمہیں آخر اس سے کیا دلچسپی ہے طالوت؟"

"دیکھو عارف۔ طالوت عشق کرے گا تو تم بھی کرو گے۔ طالوت شادی کرے گا تو تم بھی شادی کرو گے۔ بس اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں کہنا چاہتا۔"

"اچھی زبردستی ہے۔"

"بس اب زیادہ بننے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہاری پارسائی سے واقف ہوں۔ اب وہ ایسی بری بھی نہیں ہے۔"

"پارسا تو میں نے خود کو کبھی نہیں کہا طالوت!"

"سنجیدہ ہونے کی کوشش مت کرو۔ جاؤ لگن سے کام کرو۔ کامیابی ہوگی۔"

"بہت بہتر پیر و مرشد۔"

"یہ شکیلہ کہاں ہے؟ بہت خیر خواہ رہنے لگی ہے۔"

"بلا کر لاؤں۔" میں نے کہا۔

"نہیں' خود آ جائے گی۔ میرا جذبۂ عشق دیکھنا چاہتے ہو؟" طالوت بولا۔

"ضرور دکھاؤ۔" میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"راج ہنس۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" طالوت چھت کی طرف منہ اٹھا کر بولا اور میں مسکرانے لگا۔

"خوب۔ تو گویا آپ اسے پیار سے راج ہنس کہتے ہیں۔"

"اچھا نام ہے۔ مجھے پسند ہے۔" طالوت نے کہا اور اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی پھر شکیلہ کی آواز سنائی دی۔

"میں اندر آ سکتی ہوں؟"

"تشریف لائیے۔" طالوت نے جواب دیا اور شکیلہ مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔

"میں باہر جا سکتا ہوں؟" میں نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ ارے خیریت؟ یعنی میرے آتے ہی؟" شکیلہ نے کہا۔

"جی۔ یہی مناسب بھی ہے کیونکہ آج کل آپ ہمارے قریب رہنا چھوڑ دیا ہے۔" میرے بجائے طالوت نے جواب دیا۔

"لیکن آپ لوگ تو ان کے ساتھ تھے اس لیے اور پھر یہ افشاں کی بچی۔ جونک بن گئی ہے' ایک لمحے کے لیے نہیں چھوڑتی۔ اس نے میری شکل سے اپنی سہیلیوں کو دھوکا دینے کے درجنوں منصوبے بنا ڈالے ہیں۔ بس عجیب احمقانہ حرکتیں کرتی رہتی ہے۔ وہ تو بس دیوانی ہو کر رہ گئی ہے میری۔"

"میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔ جس طرح ایک ملک کے دو بادشاہ نہیں ہو سکتے تھے' اسی طرح ایک خاتون کے دو دیوانے نہیں ہو سکتے۔" طالوت نے کہا۔

شکیلہ سنجیدہ ہو گئی۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھا لیکن میں نے اس کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ البتہ میں نے مسکراتے ہوئے طالوت سے پوچھا۔

"اوہو۔ ان کا دوسرا دیوانہ کون ہے؟"

"اتفاق سے اس کی کوئی پتر ٹیس ہے۔ ورنہ میں اسے اٹھا کر تمہارے سر دے مارتا۔ تب تمہیں اندازہ ہوتا کہ دوسرا دیوانہ کون ہے۔" طالوت نے کہا "ویسے میں تمہیں شکل سے دیوانہ نہیں نظر آتا۔"

"ہمیشہ سے نظر آتے ہو' یہ کون سی نئی بات ہے۔ لیکن میرا سر کیوں پھوڑا جا رہا ہے؟"

"اس لیے کہ تم ابھی تک باہر نہیں گئے۔" طالوت نے کہا۔

"جا رہا ہوں۔ جا رہا ہوں۔ مجھے علم ہے کہ محبت میں انسان بے حد خود غرض ہو جاتا ہے۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور دروازے سے باہر نکل آیا۔ شکیلہ کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

بہرحال میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اس بار طالوت سنجیدگی سے مرضِ عشق میں گرفتار ہو گیا تھا لیکن اس بار میں اسے منع بھی نہیں کر سکتا تھا کیونکہ شکیلہ کوئی بری لڑکی نہیں تھی اور بہرحال یہ طالوت کا اپنا فعل تھا۔ اگر وہ کسی شریف لڑکی کو پسند کر کے اس سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں اسے کیسے روک سکوں گا۔ میں تو اب اسے سمجھا بھی نہیں سکتا' یہ بات میری خود غرضی پر محمول سمجھی جاتی۔ میں اپنی حفاظت کی خاطر اسے روکنے کی کوشش نہیں کر سکتا تھا۔

"خدا کرے یہ محبت کامیاب ہو۔" آج تو طالوت نے کھل کر اعلان کر دیا تھا اور شکیلہ کے چہرے کی سرخی اور شرم اس بات کی گواہ تھی۔

لیکن وہ احمق مجھے بھی پھنسا رہا تھا۔ افشاں شکیلہ کی ہم شکل تھی' خوش مزاج تھی' اعلیٰ خاندان سے تھی لیکن ضروری تو نہیں تھا کہ وہ بھی مجھے پسند کر لے۔ طالوت نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ چاہے تو افشاں مجنوں کی مانند میرے لیے صحرا گردی کرنے لگے لیکن یہ فضول بات تھی۔ دل کے سودوں میں' میں طالوت کی مدد نہیں چاہتا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں اور بھی بہت سے خیالات تھے۔ میں اپنی حیثیت سے اچھی طرح واقف تھا۔ ایک نہ ایک دن بہرحال طالوت کا طلسم ٹوٹنا تھا۔ اس کے بعد... اس کے بعد میری کیا حیثیت ہوگی۔ ممکن ہے میں طالوت کے چلائے ہوئے چکر کی وجہ سے پولیس کے جھگڑے سے بھی نکل جاؤں لیکن دنیا کو میری حقیقت پتہ چل گئی تو کیا ہوگا؟

لیکن اپنا یہ خیال مجھے خود چھپسا گیا۔ طالوت بہرحال ایک مخلص انسان تھا۔ اس نے اجنبی لوگوں کے لیے اتنا کچھ کیا تھا تو میرے لیے وہ کیا کچھ نہ کرے گا۔

میں نے ایک گہری سانس لی اور پھر عقب سے سیمیں کی آواز سن کر چونک پڑا "ارے۔ صائم بھائی۔ کہاں گھوم رہے ہیں؟"

اور میں رک گیا۔ سیمیں' احسان اور افشاں آ رہے تھے اور پھر وہ میرے قریب پہنچ گئے۔

"سیمیں باجی۔" افشاں نے سیمیں کو پکارا۔

"ہوں۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"آپ کو یقین ہے کہ یہ صائم صاحب ہیں؟"

"ہاں۔ کیوں؟" سیمیں مسکراتے ہوئے بولی۔

"براہ کرم مجھے ان دونوں کی کوئی نمایاں پہچان بتا دیں۔"

"دل کی آنکھیں کھول لو افشاں۔ مشکل نہ رہے گی۔" سیمیں نے جواب دیا۔

"یہ جذباتی باتیں ہیں سیمیں باجی۔ خدا کی قسم میں ان دونوں میں تمیز نہیں کر سکتی۔" افشاں نے کہا۔

"جذبات ہی تو زندگی کا اظہار کرتے ہیں افشاں۔ خدا کی قسم میں صرف دل سے انہیں پہچانتی ہوں ورنہ میرے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"لیکن میرا خیال ہے حضرات' آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں عادل ہوں۔" میں نے شرارتاً سے کہا۔

"صائم بھائی' آپ کی سیمیں دھوکا نہیں کھا سکتی۔"

"اور احسان بھی۔" احسان نے کہا۔

میں ہنسنے لگا "کیا یہ سچ ہے؟" افشاں نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"کیا افشاں صاحب۔"

"آپ۔۔۔ آپ صائم صاحب ہی ہیں؟"

"جی۔۔۔!"

"تب تو سیمیں باجی قابل داد ہیں۔"

"میں نے دل کی آنکھوں کی بات کی تھی افشاں۔"

"لیکن سیمیں بہن' سب آپ کا سا دل کہاں سے لائیں گے اور پھر آپ سے جو قربت ہے' آپ اسے افشاں صاحبہ پر کیوں مسلط کر رہی ہیں؟" میں نے کہا۔

افشاں دوسری طرف دیکھنے لگی۔ سیمیں نے مسکراتے ہوئے اس کی شکل دیکھی اور بولی "ہاں۔ میری نگاہ سے اگر کوئی دیکھے تو میں کہوں کہ تم کیا ہو۔ عادل کہاں ہیں؟"

"عبادت کر رہے ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"عبادت۔ میرا خیال ہے عام فہم لفظ ہے۔"

"مگر اس وقت؟"

"عبادت کے لیے کوئی وقت تو متعین نہیں ہے۔ جب دل چاہے جب دل طلب کرے۔" میں نے جواب دیا۔

"مگر اس سے قبل تو۔۔۔ ہیں کہاں؟"

"اپنے کمرے میں۔"

"آؤ۔ ذرا دیکھیں تو سہی۔"

"آپ چلئے۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔" میں نے کہا اور وہ سب طالوت کے کمرے کی طرف بڑھ گئے اور پھر میں نے دور سے انہیں طالوت کے کمرے میں جھانکتے ہوئے دیکھا۔ پھر سب کے سب دروازے سے کان لگا کر کھڑے ہو گئے تھے۔ میرے سینے میں قہقہے مچل اٹھے۔ اور میں اندازہ لگانے لگا کہ طالوت کو جب میری شرارت کا پتہ چلے گا تو وہ کتنا سیخ پا ہو گا۔ بہرحال خود میں نے اس وقت وہاں جانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ پھر میں نے ان سب کو طالوت کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھا اور کان دبا کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ بات کچھ زیادہ ہی آگے بڑھ گئی تھی۔

اور پھر میں جان بوجھ کر رات کے کھانے تک طالوت کی نگاہوں سے اوجھل رہا۔ نواب جلال الدین سے گپیں ہانکتا رہا تھا پھر نواب صاحب کا ٹیلی فون آیا اور وہ اٹھ کر چلے گئے۔ تب تصدق اور کمال ہاتھ لگ گئے۔ رات کے کھانے پر سب ساتھ تھے۔ نواب صاحب بڑے مسرت سے سرخ ہو رہا تھا۔

"حضرات!" انہوں نے کھانے کی میز پر سب کو مخاطب کیا "بمشکل تمام میں نے اب تک صبر کیا ہے لیکن اب میرا پیٹ اس اطلاع سے خالی نہیں ہو جائے گا' میں کھانا نہیں کھا سکوں گا۔ اس لیے آپ ایک خوش خبری سنئے۔"

"خیریت؟"

"ہوم سیکریٹری صاحب نے بطور خاص مجھے ٹیلی فون کیا تھا۔"

"اوہ!" تنویر صاحب نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔

"ظاہر ہے انہوں نے میری درخواست پر خصوصی ہدایات جاری کی تھیں۔ چنانچہ کام بھی نہایت پھرتی سے ہوا ہے۔ جس شخص نے ایک فرم حشمت برادرز سے خون کیا تھا' اور پھر جس نے کئی قتل بھی کیے اور پولیس سے فراڈ بھی۔ اس کا نام عارف ہے۔ وہ شہزادہ عادل اور شہزادہ صائم کا ہم شکل ضرور ہے لیکن اس کا کوئی تعلق ان دونوں حضرات سے نہیں ہے۔ فنگر پرنٹس ڈیپارٹمنٹ نے تصدیق کر دی ہے۔ وہ کوئی اور ہی شخص ہے۔ چنانچہ ہوم سیکریٹری نے وینکٹس کی ہے کہ پولیس باضابطہ معافی مانگ سکتی ہے اگر یہ دونوں حضرات چاہیں تو اور سرکاری طور پر ان کی رہائش کا بندوبست بھی کیا جا سکتا ہے لیکن میں نے ان دونوں کی طرف سے کہہ دیا ہے کہ ہمیں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔"

نواب صاحب کے خاموش ہوتے ہی پرزور تالیاں بجیں۔ سب نے خوشی کا اظہار کیا تھا۔

"میرے اوپر معافی خاص طور سے فرض ہو گئی ہے۔"

تنویر صاحب شرمندہ لہجے میں بولے۔

"ارے نہیں تنویر۔ بس بات ختم ہو گئی۔ خدا کی قسم ان کے ظرف سے واقف ہو جاؤ گے' تو انہیں کسی اور ہی دنیا کا انسان پاؤ گے۔"

"مجھے اعتراف ہے۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"بس اب کھانا شروع کیا جائے۔" نواب صاحب بیٹھ گئے اور کھانا شروع ہو گیا۔ کھانے کے دوران میں نے کنکھیوں سے طالوت کی شکل دیکھی وہ نارمل تھا۔ ایک آدھ بار میں نے اس سے آنکھیں بھی ملائیں لیکن اس کی آنکھوں میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ تب میں نے سکون کا سانس لیا گویا وہ مجھ سے ناراض نہیں ہے۔

"بھئی اب کوئی عمدہ سا پروگرام بن جائے تنویر۔" نواب صاحب کھانے سے فارغ ہو کر بولے۔

"میں حاضر ہوں بھائی صاحب۔"

"میں حاضر کیا ہوں۔ پروگرام بناؤ۔"

"میرا خیال ہے کل کا دن میرے باغ میں گزارا جائے۔ سوئمنگ وغیرہ کی جائے اور پھر وہیں بیٹھ کر کوئی دوسرا پروگرام بنائیں گے۔"

"منظور ہے۔" نواب صاحب نے کہا "اور ہاں' تمہارا وہ اصطبل بھی تو وہیں کہیں ہے۔"

"باغ سے تھوڑی دور ایک عمارت میں ہے۔ لیکن بھائی صاحب میرے گھوڑے بس اب نام کے ہیں۔"

"خیر۔ خیر۔ تو یہ طے ہے۔"

"جی!"

"اب رات کا کیا پروگرام ہے۔"

"جو حکم۔"

"بھئی میں تو شطرنج کھیلنا چاہتا ہوں۔ پبلک کی کیا رائے ہے؟"

"مجھے اعتراض نہیں ہے۔ ہم سب پائیں باغ کی سیر کریں گے۔" میں نے کہا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" نواب صاحب نے کہا اور سب کھانے کے کمرے سے نکل آئے۔

"اگر آپ حضرات کو شوق ہو تو میں پائیں باغ میں موسیقی کا بندوبست کروں؟" افشاں نے پوچھا۔

"واہ۔ یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔" سیمیں اور احسان نے کہا۔

"تب مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دیں۔ آؤ تصدق۔ آؤ کمال۔" افشاں نے کہا۔

"ہم بھی لباس وغیرہ تبدیل کر آئیں؟" طالوت نے کہا۔

"ضرور!" اور پھر ہم دونوں واپس چل پڑے۔ میں خاموش تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو عارف؟" طالوت نے حسب عادت پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔"

"خوش نہیں ہو؟"

"کیوں نہیں۔"

"ساری زندگی کے لیے جان چھوٹ گئی۔ ویسے یار تمہارے ہاں کا قانون بھی عجیب ہے۔ جب انسان مجرم ہوتا ہے تو اس سے کوئی نہیں پوچھتا۔ اور جب نہیں ہوتا تو سب اس کی جان کو آجاتے ہیں۔"

"ہاں طالوت۔ بہرحال اچھا ہی ہوا۔" میں نے گہری سانس لی۔

ہم نے لباس تبدیل کیے اور پھر باہر نکل ہی رہے تھے کہ افشاں پہنچ گئی "تیار ہو گئے آپ لوگ؟" اس نے پوچھا۔

"ہاں۔ کچھ خاص تیاریاں کرنی تھیں کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ارے نہیں۔ بس ایسے ہی پوچھ رہی تھی۔"

"دوسرے لوگ پہنچ گئے؟"

"ہاں۔ سیمیں باجی اور احسان [illegible] کو روانہ کر کے آئی ہوں۔" افشاں نے جواب دیا اور طالوت نے گردن ہلا دی۔

پھر ہم لوگ پائیں باغ کے اس خوب صورت حصے میں پہنچ گئے جہاں درختوں کی جڑوں میں روشنیاں چھپی ہوئی تھیں۔ رنگین کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ درمیان کی میزوں پر خوش رنگ پھلوں کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ تمام لوگ پہنچ چکے تھے۔ روشنیاں اس قدر مدھم تھیں کہ شکلیں صاف نہیں نظر آ رہی تھیں۔ تاہم پتہ چل رہا تھا کہ کون کون ہے۔

"آیئے حضرات۔" سیمیں کی آواز سنائی دی "افشاں تم نے تو چند منٹ میں ہی بہت کچھ کر ڈالا۔"

"نہیں سیمیں باجی۔ ہم اکثر یہاں یہ پروگرام رکھتے ہیں۔ میں آپ کو بڑی عمدہ چیزیں سنوا رہی ہوں۔" افشاں نے کہا اور درحقیقت افشاں بے حد باذوق تھی۔ درختوں ہی میں مائک چھپے ہوئے تھے۔ ہواؤں کی سرسراہٹ کے ساتھ انسانی سرگوشیاں ابھریں۔ کسی نوجوان کی آواز سنائی دی۔ ایک روح کی مانند۔ سسکتی ہوئی روح کی مانند۔ اور پھر جواب۔ عجیب سا سماں بندھ گیا تھا۔ اور پھر ایک زخمی نغمہ پھڑپھڑانے لگا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

سب خاموش تھے اور بہت غور سے سن رہے تھے۔ نغمہ جاری رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔ کئی منٹ تک سکتہ سا طاری رہا۔ سب متاثر تھے پھر جب ہوش آیا تو تالیاں گونج اٹھیں۔

"یہ افشاں اتنا اعلیٰ ذوق رکھتی ہے۔ معلوم نہیں تھا۔" احسان نے کہا۔

"واقعی افشاں' کمال کر دیا لیکن آوازیں کس کی تھیں؟" سیمیں نے پوچھا۔

"میں نے ایسے بہت سے ریکارڈ تیار کرائے ہیں باجی۔ ان میں مختلف آرٹسٹوں کی آوازیں ہیں۔ تاریخ کے چند کرداروں کو سنیں گی؟"

"اوہ۔ ہاں' ضرور۔"

"تو سنئے۔ یہ زیب النساء ہے اور دوسرا اس کا محبوب نواب عاقل خاں۔" افشاں نے کہا اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔ مغلیہ دور کی صوتی تصویر اجاگر ہونے لگی۔ کنیزوں کی چہلیں۔ خدام کی دست بستہ آہٹیں اور خواجہ سراؤں کی آوازیں۔ اور پھر زیب النساء کی شیریں آواز۔ فارسی کا ایک شعر اور اس کے بعد ایک غزل جو مشاعرے کے انداز کی تھی۔ واقعی کمال کر دیا تھا۔

طالوت بھی بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔

موسیقی کا یہ پروگرام اس قدر حسین تھا کہ بس داد نہ دی جا رہی تھی۔ المیہ طربیہ نغموں کے لیے ایک خاص ماحول پیدا کیا جاتا تھا اور اس کے بعد نغمے کا لطف۔ بس دل موہ لیتا تھا۔

"اب بھی تم اس پر عاشق نہیں ہوئے؟" طالوت نے سرگوشی کی۔

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے چونک کر پوچھا۔

"مطلب بھی پوچھو گے؟" طالوت دانت پیس کر بولا۔

"یار تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے تو سر پر پتھر ماروں تاکہ عقل آجائے۔"

"کیوں مرچیں چبا رہے ہو؟" میں نے ہنس کر کہا۔

"خدا کی قسم' شکیلہ پر عاشق نہ ہوا ہوتا تو اس وقت افشاں کے ذوق پر ضرور عاشق ہو جاتا۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔!" میں نے طویل سانس لی۔

"میں تمہاری ہڈیاں توڑ دوں گا۔" طالوت غرایا۔

"لیکن کیوں میرے بھائی؟"

"تم نے ابھی تک اس سے اظہار عشق نہیں کیا؟"

"یار طالوت۔۔۔"

"ہاں' ہاں۔ بکو۔"

"بہت نہیں پڑتی۔"

"دیکھو۔ میرے سامنے فضول باتیں کیں تو اچھا نہ ہوگا۔"

"قسم لے لو۔ ایسے ویسے ماحول کی دوسری بات تھی۔ اس شریف لڑکی سے کچھ کہتے ہوئے ہلکا سا خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"اب کہہ تو دو۔ نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔"

"کل ہم پکنک منا رہے ہیں۔"

"ہاں۔ پھر؟"

"وعدہ کرتا ہوں وہاں۔"

"آخری وعدہ؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں یار۔ آخری وعدہ۔" میں نے بے ساختہ ہنسی آ رہی تھی۔ طالوت کسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر گردن اٹھائی اور شکیلہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"بلا دوں؟" میں نے شرارت سے کہا۔

"دل تو چاہ رہا ہے مگر رہنے دے یار۔ آج دن میں ہی بڑ ہو گئی تھی۔"

"کیا مطلب؟"

"تم گئے تو یہ غول بیابانی آدھمکا۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ۔ اچھا۔" میں نے بڑی سنسنی محسوس کی۔ اس کا مطلب ہے کہ حضرت کو میرے اوپر شبہ نہیں ہوا تھا۔ بہرحال یہ عمدہ بات تھی' ورنہ میری جان کو آجاتا۔"

"میرا خیال ہے انہوں نے چھپ کر ہماری باتیں بھی سنی تھیں۔"

"اوہو۔ تو کیا۔"

"ہاں اور پھر اچانک سب اندر گھس آئے۔ صاف تو نہیں کہا' لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے بہت کچھ سن لیا تھا۔ ان کی بکواس سے اندازہ ہوتا تھا۔"

"اوہ۔ لیکن تمہارے درمیان گفتگو کیا ہو رہی تھی؟"

"بکو مت۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر غرایا اور میری ہنسی چھوٹ گئی۔ طالوت خوں خوار نگاہوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ چاہے دوسروں کو سب معلوم ہے۔" میں نے شکایتی انداز میں کہا۔ طالوت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ پر خیال انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔ یہ نغمہ بھی ختم ہو گیا اور پھر شاید انٹرول ہو گیا۔ افشاں نے سب کو فروٹ اور مشروب کی دعوت دی۔ چہلیں چھوٹنے لگیں۔ ویسے اتنی خوب صورت رات رسب نے افشاں کو مبارک باد دی۔

"آپ کو بھی پسند آیا یہ پروگرام۔۔۔ یا نہیں؟" اس نے ہم دونوں سے پوچھا۔

"دوسرے لوگوں نے جتنی داد دی ہے۔ ہماری طرف سے اسے دس سے ضرب دے لو۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور آپ کا کیا خیال ہے صائم صاحب؟" اس نے میری طرف دیکھا۔

"ضرب ہی کی بات ہے تو میری طرف سے آپ پچیس سے ضرب دے دیں۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہو۔ آپ لوگ بڑی فراخ دلی کا ثبوت دے رہے ہیں' میں مغرور ہو جاؤں گی۔ فروٹ کھئے نا۔" وہ ہمارے سامنے بیٹھ گئی اور پھر اس نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا "ارے شکیلہ۔ کہاں ہو۔ یہاں آؤ بھئی۔" افشاں کے انداز میں ہلکی سی شرارت تھی' طالوت نے سر کھجایا تھا' لیکن وہ فوراً سنبھل گیا۔

"ویسے میں آپ کی غلط فہمی دور کر دوں محترمہ' آپ عادل کو صائم کہہ کر مخاطب کر رہی ہیں۔" وہ بولا۔

"ہرگز نہیں۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟ کمال ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اب کوئی کمال نہیں ہے۔" افشاں شرارت سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"شکیلہ نے مجھے آپ کی خاص پہچان بتا دی ہے۔" افشاں نے کہا اور طالوت سچ مچ جھینپ گیا۔ اس دوران شکیلہ وہاں پہنچ گئی تھی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس یونہی بچوں کی باتیں ہو رہی تھیں۔ سچ بتانا شکیلہ' کیا تمہیں بھی ان دونوں کو پہچاننے میں کوئی دقت ہوئی؟"

"ہاں۔ ابتدا میں ہوئی۔" شکیلہ نے سادگی سے کہا۔

"شکر ہے بات ابتدا ہی تک رہی۔" افشاں ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔

"کیا مطلب؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"اب کیا میں اتنی مطلبی ہوں کہ ہر بات مطلب سے کروں گی۔" افشاں پوری طرح شرارت پر آمادہ تھی۔

"اوہ۔" شکیلہ ہنسنے لگی۔

"ویسے واقعی بڑی انوکھی سچویشن ہے۔ فرض کرو کوئی شخص کسی کو چاہتا ہے اور اس سے اظہار عشق کرتا ہے اور اس کا جواب اس کے ہم شکل سے مانگتا ہے۔"

"میری ایک درخواست ہے مس افشاں۔" طالوت بولا۔

"فرمائیے۔ فرمائیے۔" افشاں ڈھٹائی سے بولی۔

"آپ اپنے گلے میں کوئی نشانی لٹکا لیجئے۔"

"اوہ۔ آپ فکر نہ کریں۔ آپ اگر کبھی غلط فہمی کا شکار ہوئے تو میں برا نہ مانوں گی اور جلدی سے اپنا نام بتا دوں گی۔"

"خیر اب میری آنکھیں۔۔۔ اتنی کچی بھی نہیں ہیں۔" طالوت نے طویل سانس لے کر کہا۔

"یہ نہ کہیں عادل بھائی۔ ہم آپ کو دھوکا بھی دے سکتے ہیں۔"

"چیلنج کر دو مجھے۔" طالوت نے کہا۔

"جانے دیں۔ ہمیں کسی کو پریشان کرنے سے کیا فائدہ۔ کیوں شکیلہ؟"

"مم۔ میں۔ مجھے کیا معلوم۔" شکیلہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا ہوا بھئی۔ یہ انٹرول کب ختم ہوگا؟" احسان نے ہانک لگائی۔

"بس احسان بھائی۔ ابھی دوسرا دور شروع ہو جائے گا۔" افشاں نے جواب دیا اور پھر وہ چند منٹ کی معذرت طلب کر کے اٹھ گئی۔ طالوت شرارت آمیز نگاہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا پھر اس نے شکیلہ کی طرف رخ کر کے کہا۔

"شکیلہ تمہارا اس لڑکی کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"کون لڑکی؟" شکیلہ جیسے کسی خیال سے چونک پڑی۔

"اوہو۔ کہاں ہیں آپ؟" میں بھی چپ نہ رہا۔

"ہیں۔ ہاں ہاں ہیں۔" شکیلہ احمقانہ انداز میں بولی۔

"افسوس۔ اچھی خاصی لڑکی تھی۔"

"کون؟" شکیلہ بدستور گہرائی ہوئی تھی۔

"شکیلہ کی بات کر رہا ہوں۔" میں نے جواب دیا اور شکیلہ پھیکے انداز میں مسکرا دی۔

"مس شکیلہ' آپ اس شخص کی باتوں پر توجہ مت دیں۔ میں آپ سے افشاں کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" طالوت نے کہا۔

"بلاؤں اسے؟"

"جی نہیں۔" طالوت نے گہری سانس لی "آپ بد حواس نہ ہوں۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں ابھی حاضر ہوئی!"

"ہاں۔ ہاں۔ آپ تشریف رکھیے۔ میں غائب ہوا جاتا ہوں۔" میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور شکیلہ جھینپ گئی۔

"دفع ہو جاؤ۔" طالوت غرایا اور میں ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا۔

موسیقی کا پروگرام خاصی رات گئے جاری رہا۔ کسی بزرگ نے بچوں کے مشاغل میں دخل نہیں دیا تھا۔ پھر جب سب تھک گئے تو متفقہ طور پر پروگرام بند کر دیا گیا اور سب آرام کرنے اپنے اپنے کمروں کی طرف چلے گئے۔

دوسرا دن حسب معمول تھا۔ لیکن تنویر صاحب باغ کی چمک تیاریوں میں مشغول تھے۔ صبح کا ناشتا گھر پر ہی کیا گیا اور ناشتے کے فوراً بعد سب لوگ گاڑیوں میں سوار ہو کر باغ کی طرف چل پڑے' جہاں قصد سے پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔

بلاشبہ زندہ دل لوگ تھے۔ تنویر صاحب نے بہترین انتظامات کیے تھے۔ بزرگ ساتھ ضرور تھے لیکن نواب جلال الدین اور تنویر صاحب ایک گوشہ میں شطرنج کی بازی لگا کر بیٹھ گئے۔ نوجوانوں کے کسی مشغل میں انہوں نے دخل نہ دیا۔ کچھ لوگ سو مُنگ کر رہے تھے اور کچھ سیر و تفریح۔ طالوت نہ جانے کہاں تھا۔ شکیلہ بھی نظر نہیں آ رہی تھی۔ میں سیب کے ایک درخت کے نیچے کھڑا گردن اٹھائے خوش رنگ سیبوں کو دیکھ رہا تھا کہ افشاں میرے پاس پہنچ گئی۔

"جی۔۔۔؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"اوہ۔۔۔ فرمایئے مس افشاں۔" اسے تنہا پا کر میں کسی قدر گڑبڑا گیا۔

"کیا مطلب؟" افشاں حیرت سے بولی۔

"مطلب بھی آپ ہی بتا دیں۔" میں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا گڑبڑ ہے بھئی؟" افشاں الجھے ہوئے انداز میں مسکرا دی۔

"بخدا مجھے نہیں معلوم۔"

"آپ نے مجھے بلایا نہیں تھا؟"

"یہ پیغام کس نے دیا آپ کو؟"

"عادل بھائی نے۔"

"تب ٹھیک ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"گویا آپ نے نہیں بلایا تھا اور یہ ان کی شرارت تھی؟"

"بہرحال مجھے یہ شرارت پسند آئی۔"

"آپ سو مُنگ نہیں کریں گے؟"

"پانی سے ڈر لگتا ہے۔"

"کیوں؟"

"ڈوب جاؤں گا۔"

"ارے نہیں۔ سو مُنگ پول اتنا گہرا نہیں ہے۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد ہم دونوں خاموش ہو گئے۔ میں اپنے آپ کو ازلی چغد محسوس کر رہا تھا۔ درجنوں لڑکیاں میرے نزدیک آ چکی تھیں لیکن خود کو اتنا نروس پہلے کبھی نہیں محسوس کیا تھا۔

"آیئے صائم صاحب۔ چلیں۔"

"کہاں؟" میری آواز جیسے کہیں دور سے آئی۔

"سو مُنگ پول پر۔" افشاں کی آواز میں بھی ہلکی سی لرزش تھی۔

"اوہ۔۔۔ اگر آپ محسوس نہ کریں۔ تو میں کچھ وقت دوسروں سے الگ گزارنا چاہتا ہوں۔"

"اوہو۔ معاف کیجئے گا۔ گویا عادل بھائی کی شرارت سے آپ کو تکلیف ہوئی۔"

"کیسی تکلیف؟"

"میں نے بلاوجہ آپ کی تنہائی میں مداخلت کی۔"

"اگر ناگوار خاطر نہ ہو تو تشریف رکھیے مس افشاں۔ آپ کی مداخلت میرے لیے ناگوار نہیں ہے۔"

افشاں خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی سرخی آ گئی تھی' پلکیں جھک گئی تھیں اور وہ میری طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا بات کروں؟ اچھا خاصا احمق بن گیا تھا۔ اور خاموشی بھی بری لگ رہی تھی "میرا خیال ہے مس افشاں' ہم نے آپ لوگوں کو خاصا پریشان کیا ہے؟"

"کیوں؟" افشاں بے ساختہ بولی۔

"بھئی ایک طرح سے زبردستی کے مہمان ہیں۔"

"یہ صرف آپ کا احساس ہے صائم صاحب۔ براہ کرم مجھے بتایئے کیا آپ نے کسی کے انداز میں ناگواری محسوس کی ہے؟"

"ارے نہیں نہیں افشاں صاحبہ۔ آپ لوگوں کے بارے میں یہ سوچنا بھی گناہ ہے۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"تب پھر آپ کے الفاظ؟"

"بس یونہی۔ اخلاقی تقاضا بھی ہے کہ زیادہ بار نہ بنا جائے' میں نواب جلال الدین اور تنویر صاحب سے اجازت لینے کی سوچ رہا ہوں۔"

افشاں نے گردن جھکائی۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے اور میں نے اس کی آنکھوں میں نمی دیکھی۔

"ہم آپ کو روک بھی کس طرح سکتے ہیں؟ ہماری آپ کی حیثیت میں بڑا فرق ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے پاس کوئی بھی تو ایسا ذریعہ نہیں ہے کہ ہم آپ سے رک جانے کے لیے کہیں۔" وہ لرزتی آواز میں بولی۔

"اوہو۔ اوہو۔ افشاں صاحبہ۔ آپ سنجیدہ ہو گئیں۔"

"ہاں۔ اس تصور سے دکھ ہوتا ہے کہ آپ یہ رونقیں سمیٹ لے جائیں گے۔"

"جانا تو ہو گا ہی افشاں صاحبہ۔"

افشاں چند ساعت خاموش رہی پھر بولی "شکیلہ میں اور مجھ میں کتنا بڑا فرق ہے' وہ میری ہم شکل ہے لیکن خوش بخت ہے۔ میں اس کی شکل حاصل کر کے بھی اس جیسی قسمت نہ پا سکی۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"افشاں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کاش مجھے بھی بچپن میں اغوا کر لیا جاتا۔ میں بے بس ہوتی' مظلوم ہوتی۔ میرے اوپر ترس کھایا جاتا اور پھر مجھے اس قدر اہمیت دے دی جاتی کہ میں اس کے بوجھ تلے دب کر رہ جاتی۔ کاش میں بھی کوئی راج بنس ہوتی۔ آیئے صائم صاحب' چلیں؟"

"ابھی نہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن افشاں کی آنکھوں سے آنسو لڑھک پڑے۔

"ارے ارے۔ ارے افشاں۔ افشاں صاحبہ۔ یہ۔ یہ کیا؟"

"شرمندہ ہوں۔ آپ کے لیے زحمت بنی۔" وہ اٹھ گئی۔

"سنیے تو سہی۔ براہ کرم سنیے۔"

"جی۔ وہ رکی۔"

"کیا آپ نہیں رکیں گی؟"

"کیسے روک سکتی ہوں۔" اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"کہیں تو سہی ایک بار۔"

"رک جائیں گے آپ؟"

"زندگی بھر کے لیے۔"

"صائم صاحب۔" افشاں کی شرمگیں آواز ابھری۔

"سچ افشاں۔ آپ کہیے تو سہی۔"

"تو پھر رک جایئے۔" افشاں نے رخ بدل کر دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے۔

"ہمیشہ کے لیے؟"

"ہاں۔" اس نے کہا اور تیزی سے دوڑ گئی۔

میں خاموشی سے کھڑا اسے جاتے دیکھتا رہا۔ میں نے اسے آواز نہ دی۔ بس ایک عجیب سی کیفیت میرے ذہن پر طاری تھی۔ عمر کے اس دور میں نہ تھا کہ نوجوانوں کی طرح دوڑ کر اسے پکڑ لیتا۔ بے قراری سے اسے آوازیں دیتا۔ محبت کی بے چینی کا اظہار کرتا۔ عورت کی دنیا میں نیا انسان نہ تھا۔ بے شمار لڑکیاں قریب آئی تھیں۔ پیار بھرے نغمے بھی سنے تھے۔ اظہار عشق کے نت نئے انداز بھی دیکھے تھے۔ لیکن بدن کے اندرونی حصوں میں یہ ہلکی ہلکی کسک اس سے پہلے بیدار نہ ہوئی تھی۔ کسی کی شرمگیں آواز نے رگ و پے میں سرور کی یہ لہریں نہ دوڑائی تھیں۔ دور تک اسے دیکھتا رہا اور جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو دل کی ایک تیز دھڑکن نے اسے آواز دی۔ قدم خود بخود آگے بڑھ گئے۔ آنکھیں اس کی تمنا کرنے لگیں اور جب حواس یک جا ہوئے تو میں سو مُنگ پول کے نزدیک تھا۔

سو مُنگ پول میں عجیب تماشا تھا۔ بھائی خرم خان موڈ میں تھے۔ ساکت پانی پر پالتی مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کناروں پر کھڑا مجمع آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہا تھا۔

مجمع میں شکیلہ بھی تھی۔ طالوت کی محبوبہ اور محبوبہ کی موجودگی میں سروسٹن چرچل بھی دنیا کے سب سے بڑے احمق نظر آتے تھے۔ چنانچہ اپنا یار پانی پر پالتی مارے بیٹھا تھا تو کونسی بڑی بات تھی۔

میں نے افشاں کو بھی ایک کنارے پر دیکھا اور بے دھڑک اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس سے اجتناب دوسروں پر اظہار بن جاتا۔ افشاں نے بھی مجھے دیکھا۔ ہلکی سی گھبراہٹ چہرے پر ابھری پھر اس نے بھی شاید میرے ہی انداز میں سوچا اور پرسکون ہو گئی۔

"یہ کیا ہے صائم صاحب؟" اس نے سو مُنگ پول کی طرف اشارہ کیا۔

"عادل ہی ہے۔"

"مگر یہ پانی پر بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"اس نے پیراکی کا اعلیٰ ترین اعزاز حاصل کیا ہوا ہے۔ ہماری ریاست میں۔"

"لیکن یہ پیراکی کی کون سی قسم ہے؟" افشاں حیرت سے بولی۔

"کچھ بھی نہیں ہے یہ تو۔ اگر آپ کہیں تو وہ پانی پر دوڑ سکتا ہے۔" میں نے بڑے وثوق سے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں نہیں مانتی صائم صاحب۔"

"کیوں؟"

"مجھے بتایئے۔ میرا لباس خود بخود کیسے بدل گیا۔ شکیلہ نے میری جگہ کیسے لے لی اور پھر وہ انوکھے سے واقعات۔" افشاں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ارے ہم لوگ کالے جادو کے ماہر ہیں۔"

"جی نہیں۔ سفید جادو کے۔" افشاں ایک پیار بھری مسکراہٹ سے بولی۔

"کیوں۔ کیوں۔" میں نے پوچھا۔

"اگر آپ کالے جادو کے ماہر ہوتے تو کالے ہوتے۔"

"اوہ۔" میں ہنسنے لگا۔ اسی وقت طالوت کی نگاہ ہم دونوں پر پڑ گئی اور وہ اچھل کر پانی پر کھڑا ہو گیا پھر تیزی سے دوڑتا ہوا اس کنارے تک آیا جہاں ہم دونوں کھڑے ہوئے تھے اور اچھل کر کنارے پر چڑھ آیا۔

"جی۔ جی۔ میرا نام افشاں ہے۔" افشاں برجستہ بولی۔

"اوہ۔ خدا کا شکر ہے۔" طالوت نے کہا اور دوبارہ پانی میں چھلانگ لگا دی۔ افشاں ہنسی نہ روک سکی۔ میں بھی قہقہہ لگا رہا تھا۔ جبکہ دوسرے لوگ حیران و پریشان کھڑے تھے۔

طالوت اب باقاعدگی سے پانی میں تیر رہا تھا۔ اور پھر وہ دوسرے کنارے پر نکل آیا۔ سب لوگ اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ہم دونوں (جنہیں) کھلتے ہوئے دوسرے لوگوں کے پاس پہنچ گئے۔

"میں کہتا ہوں خدا کی قسم یہ جادو ہے۔" تنویر صاحب کہہ رہے تھے "پانی پر چلنا انسانی کارنامہ نہیں ہو سکتا۔"

"تعجب ہے تنویر صاحب۔ اس کا مقصد ہے کہ آپ کے یہاں کے تیراک صرف پانی کے نیچے ہی جا سکتے ہیں۔ ارے ہماری ریاست کے تیراک تو پانی پر بالس کھڑے کرتے ہیں اور ان پر کرتب دکھاتے ہیں۔ یہ تو کچھ بھی نہیں۔ میں پانی پر سر کے بل دوڑ سکتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"تب پھر تمہاری ریاست جنوں کی ریاست ہی ہو سکتی ہے۔" تنویر صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور میں نے ایک گہری سانس لی۔ آپ کا خیال کس قدر حقیقی ہے محترم' یہ آپ نہیں جانتے۔ میں نے دل میں سوچا۔

کافی دیر تک وہ لوگ طالوت کی اس تیراکی پر حیرت کا اظہار کرتے رہے۔ بہرحال اس کے بعد دوسرے پروگرام شروع ہو گئے۔ جن میں کھانے پینے کا پروگرام بھی شامل تھا۔ ویسے بدمعاش طالوت بار بار میری اور افشاں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ جیسے کوئی اندازہ لگانے کی فکر میں ہو۔ لیکن ہم دونوں نے اپنے چہرے اتنے نارمل کر لیے تھے کہ کوئی اندازہ لگانا ناممکن تھا۔ بہرحال اسے شبہ ضرور تھا۔ تنہائی ملتے ہی وہ میرے سر پر سوار ہو گیا۔ "رپورٹ؟"

"خیریت۔"

"میں کہتا ہوں رپورٹ۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"کس سلسلے میں بندہ خدا۔"

"عارف مجھ سے اڑنے کی کوشش مت کرو۔ کیوں مجھے غصہ دلا رہے ہو؟ ابھی تمہاری زبان سب کچھ اگل دے گی۔"

"عجیب منحوس آدمی ہو۔" میں نے دانت پیستے ہوئے کہا "کوئی راز' راز نہیں رہنے دیتے۔"

"راز کے بچے۔ میں نے اسے تیرے بارے میں سمجھا تھا۔" طالوت بولا۔

"جی ہاں۔ مہربانی۔"

"یہ دیکھو۔" طالوت نے اپنی ایک انگلی اٹھائی اور میری نگاہیں بے ساختہ اس کی انگلی کی طرف اٹھ گئیں۔ اچانک میں نے اپنے ذہن میں سناٹا محسوس کیا اور پھر جیسے میرے حلق سے کوئی اجنبی آواز نکلی۔

"وہ میرے پاس آئی تھی تو میں نے اس سے کہا کہ ہم نے اسے خاصا پریشان کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ صرف آپ کا احساس ہے اور پھر وہ رونے لگی۔ اس نے کہا کہ ہم یہاں کی رونقیں لے جائیں گے۔ اس نے یہ بھی کہا کہ شکیلہ خوش قسمت ہے کہ ہمارے ساتھ ہے۔ اس نے آرزو کی کہ کاش وہ بھی ہمارے ساتھ رہ سکتی۔ اس نے کہا کہ میں زندگی بھر اس کے ساتھ رہوں۔"

میرے ذہن نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا تھا لیکن میری زبان میرا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ میں یہ سب کچھ طالوت کو نہیں بتانا چاہتا تھا۔ لیکن میری زبان سے بے ساختہ سارے الفاظ نکل رہے تھے اور طالوت حکیمانہ انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔

"بس۔" اس نے انگوٹھا اٹھا دیا اور میری زبان جیسے اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی۔ مجھے احساس تھا' مجھے یاد تھا کہ میں نے اس سے کیا کہا ہے۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے۔" میں جھلا کر بولا۔

"میں نے کیا کیا ہے؟" طالوت نے معصومیت سے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں کہ یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"اور یہ اچھی بات تھی کہ تم دوستی کا دعویٰ بھی کرتے ہو

اور اپنی باتیں بھی چھپانا چاہتے ہو؟"

"یار تم احمق ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے افسوس ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا۔" طالوت مڑا اور آگے بڑھ گیا۔

"میں خاموش کھڑا رہ گیا تھا اور پھر اچانک مجھے احساس ہوا کہ میں نے واقعی طالوت سے زیادتی کی ہے۔ مجھے یہ لہجہ نہیں اختیار کرنا چاہیے تھا اور پھر اس بے ایمان سے تو کچھ چھپانا بھی حماقت ہے۔ بھلا اس سے کون سی بات چھپی رہ سکتی ہے۔"

میں تیزی سے آگے بڑھا لیکن طالوت نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔ نواب جلال الدین اور تنویر صاحب کھڑے ہوئے گفتگو کر رہے تھے' میں بھی ان کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا خیال ہے صائم میاں' واپس چلیں؟"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"جلال بھائی کہہ رہے تھے کہ میں انہیں اپنے گھوڑے دکھاؤں' آپ لوگ پسند کریں گے؟"

"کیوں نہیں پسند کریں گے۔" میرے بجائے نواب جلال الدین بولے۔

"ضرور۔ ضرور۔ عادل کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔"

"تب پھر آیئے۔ باقی لوگ بدذوق ہیں' گھوڑوں کو کیا سمجھیں گے۔" تنویر صاحب نے کہا اور ہم تینوں طالوت کو تلاش کرنے لگے۔ طالوت دوسرے لوگوں کے ساتھ ہی مل گیا۔

"آیئے عادل میاں۔ ذرا تنویر کے گھوڑے دیکھتے چلیں۔" نواب صاحب نے اسے دعوت دے دی۔

"جی بہتر۔" طالوت سنجیدگی سے بولا۔ پھر تنویر صاحب نے دوسرے لوگوں سے وہیں انتظار کرنے کے لیے کہا اور تصدق کو ساتھ لے کر ایک جیپ کی طرف چل پڑے۔ تصدق نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور ہم چاروں پیچھے بیٹھ گئے۔ زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ باغ سے کچھ ہی فاصلے پر ایک عمارت میں تنویر صاحب کا اصطبل تھا۔ دس گیارہ گھوڑے تھے۔ خاصے صحت مند تھے۔ مجھے یا طالوت کو بھلا گھوڑوں کی کیا پہچان۔ ہم اگر چاہتے تو ایک گدھے کو بھی ڈربی کا انعام دلا سکتے تھے۔ طالوت خواہ مخواہ گھوڑے کے بارے میں بکواس کر رہا تھا۔ گو وہ مجھ سے ناراض تھا لیکن اس خفگی کا اظہار دوسروں پر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ویسے اس کا موڈ شرارت کا ہی تھا۔ چنانچہ ایک مربل سے گھوڑے کے سامنے وہ رک گیا۔

"اوہو ہو ہو نواب صاحب۔" اس نے نواب جلال الدین کو مخاطب کیا۔

"ہاں ہاں۔ خیریت؟" نواب صاحب بولے۔

"اس گھوڑے کو دیکھا آپ نے؟"

"ہاں۔" نواب صاحب ہنس پڑے "میرا خیال ہے تنویر نے اسے دوسرے گھوڑوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے خریدا ہے۔"

"کیا آپ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں نواب صاحب۔" طالوت نے تعجب سے کہا۔

"اماں تو اس خچر کو یہاں باندھنے کی وجہ تمہاری سمجھ میں آتی ہے۔" نواب صاحب بولے۔

"اوہو۔ بھئی دراصل یہ میرے سائیس کا گھوڑا ہے۔ اکثر وہ اس پر بیٹھ کر شہسوار بننے کی کوشش کرتا ہے۔ نہ جانے بے وقوف کہاں سے خرید لایا۔ میرے گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر ان کا اخلاق بھی تباہ کر رہا ہے۔ ابھی بلاتا ہوں بدبخت کو اور اسے کھلواتا ہوں یہاں سے۔" تنویر صاحب جھلائے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تعجب ہے۔ تعجب ہے۔ آپ دونوں حضرات کی ایک ہی رائے ہے۔" طالوت نے منہ پھاڑ کر کہا۔

"کیا کہنا چاہتے ہو بھئی؟" نواب جلال الدین بولے۔

"معاف کیجئے نواب صاحب۔ آپ اس گھوڑے کو نہیں سمجھ سکتے۔" طالوت مایوسی سے بولا۔

"اوہو۔ گویا یہ بھی سمجھنے کی چیز ہے؟"

"جی ہاں۔ شاید اپنی نسل کا یہ آخری گھوڑا ہے۔"

"بہت خوب۔" نواب صاحب ہنس پڑے۔

"آپ ہنس رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں معلوم کیجئے سائیس سے کہ یہ اسے کہاں سے مل گیا؟" طالوت انتہائی سنجیدگی سے یہ تمام باتیں کر رہا تھا۔

"اماں کوئی چھوڑ گیا ہوگا مصیبت سمجھ کر۔ سو پچاس روپے دے دیے ہوں گے اس نے۔ کیوں تنویر؟" نواب جلال الدین بولے۔

"گویا ریس کے لیے اس کی تربیت بھی نہیں ہوئی ہوگی؟"

"یہ ریس میں دوڑے گا؟" نواب صاحب ہنس پڑے۔

"قبلہ نواب صاحب۔" طالوت نے ہونٹ بھینچ کر کہا "صرف ایک ہفتے کے لیے یہ گھوڑا میرے حوالے کر دیں اور اس کے بعد سارے ملک میں چیلنج کر دیں۔ اگر کوئی اسے ہرا سکا تو ہمیشہ کے لیے خود کو گھوڑوں کا ماہر کہنا چھوڑ دوں گا۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

طالوت نے کہا اور دونوں بزرگ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

"کیوں بھئی' کیا خیال ہے؟" نواب جلال الدین بولے اور تنویر صاحب ہنس پڑے۔

"قبلہ' ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اگر کوئی گھوڑا اس گھوڑے کو ہرا سکا تو میں اس کے مالک کی خدمت میں ایک ہزار گھوڑے پیش کروں گا۔" طالوت انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

ہے کوئی اس گھوڑے کو ہرانے والا۔ اور پھر ریس کورس میں اگر شمشیر الدولہ کے گھوڑے بھی ہوں تو۔۔۔؟

طالوت کے چہرے پر بے پناہ سنجیدگی طاری تھی لیکن گھوڑے کی ہیئت دیکھ کر اور اس کے بارے میں ریس کے ایک شان دار گھوڑے کا تصور کرنے سے ہنسی نہ رک سکتی تھی اور طالوت کے الفاظ کو ایک شرارت آمیز طنز کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھا جا سکتا تھا لیکن ظاہر ہے میں ان الفاظ کو شرارت نہیں سمجھ سکتا تھا۔ طالوت' طالوت تھا۔ وہ چاہتا تو کسی گدھے کو بھی ڈربی جتا سکتا تھا۔ بہرحال دونوں بزرگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس دلچسپ بات کو حقیقت سمجھیں یا مذاق' لیکن طالوت کی بے پناہ سنجیدگی بھی انہیں الجھا رہی تھی۔

"پھر کیا خیال ہے۔ کیا مجھے اس کی تربیت کی اجازت مل جائے گی؟" چند منٹ کے بعد طالوت نے پوچھا۔

"اوہو۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے' نہ صرف یہ بلکہ سارے گھوڑے آپ کی نذر عادل میاں۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"نہیں۔ مجھے صرف یہ قیمتی گھوڑا درکار ہے۔ ہاں' ذرا اس شخص کو بلوایئے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ اسے لانے والا وہ ہے۔"

"اچھا۔ اچھا۔" تنویر صاحب نے کہا اور تصدق کو سائیس کو بلانے بھیج دیا۔

"میں اس نایاب گھوڑے کا شجرہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"مجھے یقین ہے یہ کسی گدھے کی جولائی طبع کا نتیجہ نکلے گا۔" تنویر صاحب بولے اور نواب جلال الدین نے زوردار قہقہہ لگایا۔

"نواب صاحب! مجھے آپ پر حیرت ہے۔" طالوت نے کہا "آپ گھوڑوں کے سلسلے میں اچھی خاصی مہارت رکھتے ہیں۔ آپ بھی اس کا مذاق اڑا رہے ہیں۔"

"گھوڑوں کے بارے میں۔ صرف گھوڑوں کے بارے میں' گدھوں پر میں نے کوئی ریسرچ نہیں کی۔" نواب صاحب پُرستور ہنستے ہوئے بولے "ویسے تنویر! تم نے کسی کو اتنی سنجیدگی سے مذاق کرتے دیکھا ہے؟"

"بہتر ہے نواب صاحب! میں اس گھوڑے کی طرف سے ہر چیلنج قبول کروں گا۔ بس اب میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔" طالوت نے غصیلے انداز میں کہا اور سب ہنستے رہے۔

چند منٹ کے بعد سائیس آیا۔ اس نے جھک جھک کر سلام کیا تھا اور پھر وہ ایک طرف ادب سے کھڑا ہو گیا۔ طالوت نے اس کی طرف دیکھا اور بولا "یہ گھوڑا تمہارا ہے؟"

"جی۔ جی سرکار۔" سائیس نے ہڑبڑا کر کہا۔

"کہاں سے حاصل کیا تھا؟ مجھے اس کے بارے میں تفصیل بتاؤ۔"

"جی سرکار۔ وہ۔ ہمارا ایک واقف کار ہے۔ نام فنی۔ یکہ چلاتا ہے تین سال سے اس کے پاس تھا اور اس دال دلیے کا سہارا تھا پھر ایک دن اس کی ٹانگ میں کتے نے کاٹ لیا اور زخم خراب ہو گیا۔ رمضانی اسے چلاتا رہا اور جب بالکل ہی نہ چل سکا تو وہ مایوس ہو گیا۔ اور ایک دن اس نے مجھ سے کہا کہ اس کا جو بھی مل جائے' بکوا دوں۔ لنگڑا گھوڑا کون خریدتا صاحب! میں نے دو چار آدمیوں سے بات کی۔ کوئی پچاس بھی دینے کو تیار نہ ہوا۔ مگر رمضانی کی حالت خراب تھی۔ اس کے بچے بھوکے مرنے لگے۔ تھوڑی سے پیسے اس کے پاس تھے لیکن ان سے وہ گھوڑا نہیں خرید سکتا تھا۔ ہم نے اس کی مدد کی سرکار اور پچھتر روپے اسے دے دیے۔ یہی ہم کر سکتے تھے۔ اس کا کام چل گیا اور اس نے زبردستی اسے ہمیں دے دیا۔ اس نے کہا کہ ویسے بھی وہ اسے چھوڑے گا۔ کہاں سے کھلائے گا اس بیکار جانور کو۔ تو ہم اسے لے آئے ہم نے سوچا ہم اس کا علاج کریں اور ہماری قسمت سے اس کا زخم ٹھیک ہو گیا۔ اب تو یہ خوب چل لیتا ہے سرکار۔ ہمارا گاؤں تھوڑی دور ہے۔ جب ہم وہاں جاتے ہیں تو اسی پر سوار ہو کر جاتے ہیں۔" سائیس نے سادگی سے کہا۔

"اف۔۔۔ اف۔۔۔ اس نایاب گھوڑے کی یہ بے قدری۔ یقیناً اس کے ساتھ زبردست ناانصافی ہوئی ہے۔ یہ تین سال تک یکے میں جتا رہا ہے۔" طالوت نے کہا۔

نواب صاحب اور تنویر صاحب بے ساختہ قہقہے لگا

رہے تھے۔

"تم یہ گھوڑا بیچو گے سائیس!" طالوت نے انہیں نظر انداز کر کے پوچھا۔

"اس کی کیا حیثیت سرکار۔ خادم ہیں آپ کے۔"

"کیا قیمت لو گے اس کی؟"

"کچھ نہیں مائی باپ۔ یہ ہے کس قابل۔"

"اوہ' بے وقوف۔ اس عظیم المرتبت گھوڑے کی توہین مت کرو۔ تم کیا جانو اس کے بارے میں۔ غریب رمضانی کو بھی زبردست خسارہ ہوا ہے لیکن کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں ہونی چاہیے۔ میں اس کی حیثیت مقرر کرتا ہوں۔ صائم بھائی! آپ کی جیب میں بیس ہزار روپے ہوں گے؟" طالوت نے اچانک مجھ سے پوچھا اور میں بوکھلا گیا۔

"کیا؟" نواب صاحب اور تنویر صاحب بیک وقت بولے۔

"اوہ' میں بھی۔ میں پیسے تو نہیں لایا۔" میں نے جیبیں ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"آپ اتنے قلاش کب سے ہو گئے صائم بھائی کہ آپ کی جیبوں میں دس بیس ہزار بھی نہ نکلیں' دیکھیے تو سہی۔" طالوت کے لہجے میں ایک خاص انداز تھا۔ میں نے طویل سانس لے کر جیبیں ٹٹولیں اور بھلا میری جیبوں میں گڈیاں کیوں نہ ہوتیں۔ میں نے وہ گڈیاں نکال لیں۔ طالوت نے انہیں میرے ہاتھ سے اچک لیا تھا۔

"یہ دس ہزار روپے رمضانی کو بھجوا دو۔ کسی غریب کی ضرورت سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ اسے اس کے مال کی قیمت ملنی ہی چاہیے۔"

"طالوت!" تنویر صاحب بے چین ہو کر بولے۔

"او۔ یہ دس ہزار تمہارے۔ میرا خیال ہے گھوڑے کی خدمت کرنے اور ٹھیک کرنے کا یہ معاوضہ کم نہیں ہے۔" طالوت نے تنویر صاحب کے احتجاج پر توجہ دیے بغیر کہا۔

سائیس کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے تھے۔ اس نے اس انداز میں ایک سب کی شکل دیکھی جیسے یہ سب اس کا مذاق اڑانے آئے ہوں۔

"کیوں' کیا یہ رقم کم محسوس ہو رہی ہے۔ پھر تم بتا دو بھئی' کیا لو گے؟" طالوت سائیس سے بولا۔

"عادل میاں! یہ غلط ہے۔ نہیں نہیں یہ غلط ہے۔ گھوڑا آپ کی نذر کیا جا چکا ہے۔ براہ کرم پیسے واپس لے لیں۔" تنویر صاحب نے آگے بڑھ کر مداخلت کی۔

"اوہ' گویا آپ کو یہ سودا منظور نہیں ہے؟" طالوت بولا۔

"سودے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ یہ رقم۔۔۔"

"میں اسے اسی قیمت پر خریدوں گا۔ اگر آپ نے کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا تو پھر میں اسے قبول نہیں کر سکوں گا۔ معاف کیجئے مجھے ہمیشہ یہ احساس رہے گا کہ یہ گھوڑا بے حیثیت ہے۔"

"لیکن سنیں تو سہی۔ اس نے اسے پچھتر روپے میں خریدا ہے۔"

"یہ اس کی حماقت ہے میری نہیں۔"

"اچھا' آپ کی طرف سے میں اسے ادائیگی کر دوں گا۔"

"ایک ہی بات ہے تنویر صاحب! براہ کرم اس معاملے میں مداخلت نہ کریں۔"

"لیکن یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

"اوہ۔ ہاں۔ شاید آپ ناراض ہو گئے۔ یہ ٹھیک ہے مجھے آپ کے اصطبل میں آ کر خرید و فروخت نہیں کرنی چاہیے تھی۔ خیر سنو!" اس بار اس نے سائیس کو مخاطب کیا "اگر تم یہ گھوڑا اس قیمت پر فروخت کرنا چاہو تو یہاں سے باہر آ کر مجھ سے بات کر سکتے ہو۔"

"تنویر!" نواب جلال الدین نے مداخلت کی۔

"جی بھائی صاحب!"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"جو ہو رہا ہے' ہونے دو اور خوشی سے ہونے دو۔"

"لیکن بھائی صاحب! کیا یہ اس گھوڑے کی قیمت ہے۔"

"صائم بھائی!" طالوت نے مجھے پکارا۔

"فرمایئے۔"

"ایک گڈی اور ہو گی؟"

"یقیناً۔" میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک گڈی اور نکال لی۔

"پندرہ ہزار دونوں کے۔ اب تو ٹھیک ہے تنویر صاحب۔"

"تنویر۔ میں کہتا ہوں مداخلت مت کرو۔" نواب جلال الدین بولے "شہزادوں کو جو چیز پسند آتی ہے وہ اسے شایانِ شان قیمت ادا کر کے ہی خریدتے ہیں۔ لے لو میاں! یہ رقم لے لو۔ لیکن رمضانی کو پندرہ ہزار آج ہی پہنچ جانے چاہئیں۔ اس سے معلوم کر لیا جائے گا۔" نواب جلال الدین بولے۔

اور تنویر صاحب خاموش ہو گئے۔ نوٹ لیتے ہوئے سائیس بری طرح کانپ رہا تھا۔ تب طالوت نے کہا "ہاں' آپ سے ایک رعایت ضرور طلب کروں گا تنویر صاحب!"

"ہاں ہاں' ضرور۔" تنویر صاحب پھنسی پھنسی آواز میں بولے۔

"یہ گھوڑا یہاں پر ہی رہے گا۔ میں یہاں آ کر ہی اس کی تربیت کروں گا اور اسے آئندہ ریس کے لیے تیار کروں گا۔"

"ضرور۔ ضرور۔ اس میں پوچھنے کی کیا بات ہے۔"

"تو بھئی آج سے تم اس کی خصوصی نگرانی کرو گے اور اس کے لیے جو غذا میں تجویز کروں اسے باقاعدگی سے دو گے۔" طالوت سائیس سے بولا۔ سائیس کی تو آواز ہی بند ہو گئی تھی۔

"آیئے نواب صاحب چلیں۔" طالوت نے کہا اور سب واپس چل پڑے۔ تنویر صاحب بے حد سنجیدہ ہو گئے تھے۔ راستے میں نواب جلال الدین نے ان کی شکل دیکھی اور ہنس پڑے۔

"کیا ہو گیا تنویر؟" انہوں نے مضحکہ خیز انداز میں پوچھا۔

"کچھ نہیں بھائی صاحب۔"

"میاں احمق ہو نرے۔" نواب صاحب بولے "کیا تم نے سنا نہیں تھا کہ سائیس نے کیا کہا تھا۔"

"کیا؟" تنویر صاحب چونک کر بولے۔

"اس نے کہا تھا' رمضانی کے پاس دوسرا گھوڑا خریدنے کے لیے پیسے نہیں تھے اور اس کے بچے بھوکے مر رہے تھے۔ کیا پندرہ ہزار سے اس کی زندگی نہیں سدھر جائے گی اور کیا تمہارا سائیس اس رقم سے اپنے سارے دکھ دور نہیں کر لے گا۔ کیا تمہارے خیال سے میں احمق ہوں کہ بلاوجہ ان لوگوں کے گن گاتا رہتا ہوں۔"

"خدا کی قسم۔ خدا کی قسم۔ میں نے ان لوگوں کے ساتھ جو کیا ہے اس پر زندگی بھر شرمندہ رہوں گا۔" تنویر صاحب نے جذباتی لہجے میں کہا۔

"آپ زیادتی کر رہے ہیں نواب صاحب!" طالوت نے مداخلت کی۔

"کیا عادل میاں؟"

"یہ گفتگو کر کے آپ میری (illegible) گھوڑے کی توہین کر رہے ہیں۔"

"اوہو۔ معافی چاہتا ہوں۔ معافی چاہتا ہوں۔" نواب صاحب ہنستے ہوئے بولے۔ تنویر صاحب بھی کھسیانی سی ہنسی ہنس رہے تھے۔

ہم واپس اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے چلے تھے۔ تمام لوگ ہمارے منتظر تھے اور بور ہو رہے تھے۔ بہرحال وہ پکنک کا پروگرام بنا اور اس طرح یہ دلچسپ پکنک ختم ہو گئی۔

لیکن ہماری موجودگی اور نواب صاحب کے آجانے سے ہر وقت قہقہے گونجتے رہتے تھے۔ پکنک کی جگہ ہو یا گھر' دلچسپ پروگرام بنتے رہتے۔ خاص طور پر جب سے افشاں سے میری بات ہوئی تھی' نہ جانے کیوں میرا دل بھی یہاں لگنے لگا تھا حالانکہ میری کیفیت سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ دنیا کی ساری دلچسپیاں حاصل ہو چکی تھیں اور عورت میرے لیے کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ عورت ہی نے تو میری زندگی میں کانٹے بوئے تھے اور سچ بات یہ ہے کہ عورت ہی میری زندگی میں نت نئے موڑ لائی تھی ورنہ شاید آج تک حشمت برادرز میں کلرک ہوتا۔

لیکن آج پھر عورت مجھے اجنبی اجنبی لگ رہی تھی۔ آج پھر میرے دل میں وہ پاکیزگی اور تقدس لیے جلوہ گر ہو گئی تھی۔ آج پھر میں نے افشاں کی آنکھوں سے لڑھکتے ہوئے موتیوں میں محبت پائی تھی۔ دیکھیں یہ محبت راس بھی آتی ہے یا نہیں۔ اور یہ بہرحال طالوت کی بدمعاشی تھی۔ اس نے مجھے زبردستی عشق کروایا تھا اور پھر بدمعاش نے کس چالاکی سے میرے منہ سے سب کچھ اگلوا لیا تھا لیکن.... نہ جانے کیوں۔ اس کے بعد اچانک یہ دنیا زیادہ حسین لگنے لگی تھی۔

مجھے طالوت کی ناراضگی کا احساس تھا اور بہرحال میں

اسے ناراض نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ جونہی موقع ملا میں نے اسے گھیر لیا "تو آپ مجھ سے ناراض ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔" طالوت منہ پھلا کر بولا۔

"یار واقعی ناراض ہو گئے۔" میں نے اداس لہجے میں کہا اور طالوت چونک کر مجھے دیکھنے لگا۔

"الو بنا رہے ہو؟" اس نے کہا۔

"نہیں طالوت۔ میں تمہاری ناراضگی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ خدا کی قسم! دنیا میں تمہارے علاوہ میرا ہے بھی کون۔ اگر تم ناراض ہو گئے ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ یقین کرو تمہارے کہنے سے تو میں اس حماقت پر آمادہ ہو گیا ہوں ورنہ عورت میری زندگی میں جو حیثیت رکھتی ہے تمہیں معلوم ہے۔ تم اچھی طرح جانتے ہو طالوت' عورت نے مجھے کہاں پہنچا دیا تھا۔ جیل میں سڑ رہا ہوتا یا پھر پھانسی پا چکا ہوتا۔ میری تو پوری زندگی ہی دوسروں کے سہارے ہے۔ اگر تم مجھے نہ سنبھال لیتے تو عورت مجھے کہاں پہنچا چکی ہوتی۔ اسی لیے کسی کے معاملے میں سنجیدہ ہونے کو تیار نہ تھا۔"

"افشاں ایسی نہیں ہے۔" نے کہا۔

"میں اس پر الزام نہیں لگاؤں گا لیکن تم میرے زخموں کا احساس کیوں نہیں کرتے؟"

"مجھے احساس ہے۔"

"بس یہی بات تھی کہ میں کسی کے معاملے میں سنجیدہ ہونا نہیں چاہتا۔"

"جب یوسف عمران سنجیدہ ہو گیا ہے تو تمہیں بھی سنجیدہ ہونا پڑے گا۔"

"میں نے تمہاری بات سے کب انکار کیا ہے طالوت۔"

"مگر یار یہ زبردستی کا عشق نہیں چلے گا۔ تمہیں سنجیدہ ہونا پڑے گا۔"

"اور اگر کچھ اور رقمیں لگ گئیں طالوت تو؟"

"میرا خیال ہے کہ نہیں لگیں گی۔ خدا کی قسم! وہ لڑکی بہت اچھی ہے۔"

"ہاں' مجھے احساس ہے۔"

"بس تو پھر توہمات کو ذہن سے نکال دو۔ پوری دل جمعی سے عشق کرو کہ عشق ہی زندگی ہے' عشق ہی خدا ہے۔ عشق عشق صرف عشق۔ باقی دنیا فالتو ہے۔ بیکار بالکل بیکار۔"

"کر تو لیا بھائی۔ اب تو ناراض نہیں ہے۔"

"ارے میری جان' میں تجھ سے ناراض ہو سکتا ہوں۔" طالوت نے مجھے کھینچ کر سینے سے لگا لیا اور اسی وقت کمال نے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔ کون ہے؟"

"قاصد۔" کمال اندر داخل ہو کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"کیا پیغام ہے' کس کا پیغام ہے؟"

"کھانے کی میز پر انتظار ہو رہا ہے۔" کمال نے جواب دیا۔

"ارے کھانے کا وقت ہو گیا۔" طالوت چونک کر بولا اور ہم دونوں کمال کے ساتھ کمرے سے نکل آئے "یہاں کھانے پینے کی مصروفیت کچھ زیادہ ہی رہتی ہے۔" راستے میں طالوت نے کہا اور کمال ہنسنے لگا۔ کھانے کی میز پر ہمارے علاوہ سب پہنچ چکے تھے۔ نواب صاحب وغیرہ نے مسکراتے ہوئے ہمارا خیر مقدم کیا۔ سب دلچسپی سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔

"جیٹھو بھئی۔ اس وقت تمہارے گدھے کا تذکرہ ہو رہا تھا۔" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

"ارے بیٹے۔ یہ دولت کیوں لٹاتے پھر رہے ہو۔ سنا ہے تم نے تیس ہزار روپے کا ایک گدھا خریدا ہے۔" بڑی اماں ہماری طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

"نہیں بڑی ماں' وہ ایک مظلوم گھوڑا تھا۔ آپ دیکھیے نا' بعض اوقات اعلیٰ خاندان کے لوگ اپنی مجبوریوں کے ہاتھوں اس قدر لاچار ہو جاتے ہیں خود انہیں اپنی اعلیٰ نسبی پر شک ہونے لگتا ہے۔ دوسرے لوگ انہیں خاطر میں نہیں لاتے اگر آپ انہیں پہچان کر انہیں ان کی صحیح جگہ دے دیں تو یہ کیا بری بات ہے؟" طالوت نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔" بڑی ماں بولیں۔

"بس میں نے اس ستم رسیدہ گھوڑے کے ساتھ یہی کیا ہے۔" طالوت نے کہا اور ستم رسیدہ گھوڑے پر سب ہنس پڑے۔

"افسوس! آپ اس گھوڑے کی عظمت نہیں پہچان سکے۔ لیکن خیر۔ نہ گھوڑا دور ہے نہ میدان۔" طالوت سنجیدگی سے بولا اور سب ہنستے رہے۔

"وہ تو ٹھیک ہے بھئی لیکن تم نے میرے ہاتھ سے سائیس نکلوا دیا۔" تنویر صاحب بولے۔

"کیا مطلب؟"

"ارے اس کی جیب میں پندرہ ہزار روپے ہیں۔ اب وہ گھوڑوں کو کیا خاطر میں لائے گا۔"

"یہ رقم اسے کہیں اور سے بھی مل سکتی تھی۔ کیا آپ

Uploaded By Muhammad Nadeem

تقدیر کے قائل نہیں ہیں؟"

"ہوں بھی۔ اچھی طرح ہوں اور تم سے بحث بھی نہیں کر سکتا۔ میرا خیال ہے کھانا شروع کیا جائے۔" تنویر صاحب نے کہا اور کھانا شروع ہو گیا۔

کھاتے کھاتے میری نگاہ افشاں کی طرف اٹھ گئی اور میرے ذہن میں سیدور کی ہلکی سی لہر دوڑ گئی۔ افشاں میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خمار تھا جو اس سے قبل نہیں نظر آیا تھا۔ مجھ سے نگاہیں ملتے ہی اس کے ہونٹ شرمگیں انداز میں بھنچ گئے اور نگاہیں جھک گئیں۔

"ہا۔" میں نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے کہا۔ خاتون! شاید آپ کی زندگی میں محبت کا کھیل پہلی بار ہی آیا ہو لیکن یہ شرم' یہ مسکراہٹ میں کئی بار دیکھ چکا ہوں اور اس کے بارے میں میرا تجربہ خاصا وسیع ہے۔ کچھ اچھے خیالات نہیں رکھتا۔ خدا کے واسطے آپ میرے ان خیالات کی تجدید نہ کریں بلکہ جب قدم بڑھایا ہے تو کسی منزل تک ہی پہنچا دیں ورنہ اس کے بعد خود کو جینے کے لیے تیار نہ کر سکوں گا۔ ایسا نہ ہو کہ آپ ہی میری موت کا سبب بن جائیں۔

کھانا جاری رہا اور پھر ختم ہو گیا۔ سب لوگ اٹھ گئے۔ یہاں کے لوگوں میں یہ عمدہ بات تھی کہ عمر کے تعین کے ساتھ ہی ساتھی متعین کر لیتے تھے۔ حالانکہ تنویر صاحب اور نواب جلال الدین ہم دونوں سے کافی بے تکلف تھے لیکن وقت کو مدنگاہ رکھتے ہوئے وہ زبردستی ہم میں گھسنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ اس وقت بھی نوجوانوں کو تنہا چھوڑ دیا گیا اور ہم لوگ ایک گروہ کی شکل میں جمع ہو گئے۔

"ہاں تو خواتین و حضرات! کیا حکم ہے؟" افشاں نے سب کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے تمہیں کون حکم دے سکتا ہے۔" سیمیں مسکراتے ہوئے بولی۔

"نہیں سیمیں باجی پلیز بتائیے کیا موڈ ہے پبلک کا؟"

"کس بارے میں بھئی؟"

"کل کے پروگرام کی تجدید کی جائے یا کوئی اور پروگرام؟"

"پبلک کی رائے تو پبلک ہی سے پوچھنی چاہیے۔"

"بھئی میرا تو خیال ہے آج ہم لوگوں نے خاصی آوارہ گردی کی ہے' تھکن بھی سوار ہے۔ کیوں نہ آج کے اس خوب صورت پروگرام کو ذہن میں بسائے ہوئے بستروں میں پہنچ جائیں اور اسی کے خوابوں میں سو جائیں۔ ویسے یہ اس ناچیز کی ذاتی رائے ہے اور اگر خواتین و حضرات کا اس پر اتفاق نہ ہو سکے تو خادم ہر پروگرام میں شامل ہے۔" احسان نے کہا۔

"میرا خیال ہے احسان صاحب کی رائے درست ہے۔" طالوت فوراً بولا۔

"بس پھر طے۔ خدا حافظ۔" افشاں نے کہا اور تمام لوگ ایک دوسرے کو شب بخیر کہہ کر اپنے کمروں کی طرف چل پڑے۔ ایسا لگتا تھا جیسے سب کی دلی خواہش یہی ہو۔ اس کی وجہ تھکن ہی ہو سکتی تھی۔

میں اور طالوت اپنے کمرے میں واپس آ گئے۔ لباس تبدیل کیے اور مسہریوں پر پہنچ گئے۔ طالوت کسی خیال میں گم تھا۔ میں بھی خاموش لیٹا رہا۔ کافی دیر کے بعد طالوت نے گردن اٹھائی۔

"عارف کے بچے! باز نہیں آؤ گے؟"

"خیریت؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وقع نہیں ہو گے یہاں سے؟"

"ارے ارے کیا ہو گیا تمہیں؟" بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"ابے تو کیا سونے کے لیے میں نے سب کو بلایا ہے۔" طالوت جھلا کر بولا۔

"اے جن زادے! بخدا تیری بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تو اے آدم زاد! تو بھی غور سے سن' میں نے کوئی تربیت گاہ عشق نہیں کھولی۔ تو جس اناڑی پن کا مظاہرہ کر رہا ہے اس سے اظہار ہوتا ہے کہ تو نے صرف لڑکیوں سے فلرٹ کیا ہے عشق نہیں اور تیرے ساتھ لڑکیوں نے جو سلوک کیا ہے اس میں ان کا قصور نہیں بلکہ تیرا تھا۔"

"جی ہاں۔ ٹھیک ہے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن اب آپ بکواس کریں کہ کیا مقصد ہے؟"

"یار خود بھی غور کیا کر۔ دن میں شکیلہ سے کوئی خاص گفتگو نہیں ہو سکی۔ یہ کم بخت لڑکیاں اور لڑکے بڑی خوفناک نگاہیں رکھتے ہیں۔ کم بخت دن بھر ہمیں ہی تاڑتے رہے۔ چونکہ ان کے منحوس کانوں میں بھنک پڑ چکی ہے' درجنوں بار انہوں نے مجھے اور شکیلہ کو تنہائی کا موقع دیا اور خود تاک میں رہے کہ ہماری گفتگو سن سکیں لیکن بہرحال تیرا یار اتنا احمق بھی نہیں ہے۔"

"اوہ' تو یوں کہیے اس لیے یہ تقریر جھاڑی جا رہی ہے۔"

"نہیں یار۔ سمجھا کرو۔ بات صرف میری نہیں ہے'

تیری بھی ہے۔"

"الحمدللہ' میں خیریت سے ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

"بکواس مت کرو۔ کیا آج ہی فیل ہو جانا چاہتے ہو؟"

"کیوں؟"

"کیا تمہارے خیال میں اسے آسانی سے نیند آ جائے گی؟"

"کسے؟"

"افشاں کو۔"

"کیوں۔ کیا وہ بے خوابی کی مریضہ ہے؟"

"دیکھو عارف۔ مجھے غصہ مت دلاؤ۔ تمہیں چاہیے اس کے کمرے کی عقبی کھڑکی پر جاؤ' دستک دو اور اسے باغ میں چلنے کی پیشکش کرو۔"

"واہ اناڑی استاد۔ رہے نا جن کے جن۔ پہلے ہی مرحلے پر مروا دو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"صاحب زادے! خوش نصیب ہو کہ ریڈی میڈ عشق مل گیا۔ کچھ کوششیں کرنا پڑتیں تو یقیناً منہ کی کھاتے۔ ارے وہ ایک شریف لڑکی ہے اور یہ حرکت قطعی غیر شریفانہ۔ کیا سوچے گی وہ اپنے دل میں؟" میں نے کہا۔

"بس یہی سوچے گی کہ عجیب عاشق ملا ہے جو دن بھر اطمینان سے تارے گنتا ہے اور رات کو آرام سے سو جاتا ہے۔"

"کچھ بھی سوچے' میں ایسا نہیں کروں گا۔ ویسے کیا شکیلہ یہاں آئے گی؟"

"یوں نہیں آئے گی۔ میں کوئی کچا عاشق ہوں۔"

"ٹھیک ہے' تب میں باغ میں چلا جاتا ہوں۔"

"یار تو نہیں مانے گا؟" طالوت جھینپے ہوئے انداز میں مسکراتے ہوئے بولا اور میں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی' پھر میں کمرے سے نکل آیا۔ عشق و محبت کی باتیں تھیں' میں درمیان میں کیوں دخل دیتا۔ ویسے دونوں کے کردار سے میں پوری طرح مطمئن تھا۔ طالوت ایک ٹھوس کردار کا نوجوان تھا اور شکیلہ انتہائی پاکیزہ فطرت۔ ان دونوں کی تنہائی میں شیطان کبھی نہیں داخل ہو سکتا تھا چنانچہ میں باغ کی طرف چل پڑا۔

چاند نہیں نکلا تھا لیکن اس کے آثار آسمان کے آخری سرے پر نمودار ہو رہے تھے۔ باغ کی فضا بے حد خوشگوار تھی۔ فرحت بخش ہوا کے جھونکے روح کو معطر کر رہے تھے۔

مجھے اس تنہائی میں بے حد سکون کا احساس ہوا اور ایک خوب صورت تختے کے نزدیک میں گھاس پر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بیٹھا رہا' پھر لیٹ گیا۔ نرم گھاس مخمل کے فرش کی مانند تھی۔ سکون۔ بے پناہ سکون۔ لیکن پھر کسی کے قدموں کی آہٹ سن کر میں چونک پڑا اور جلدی سے اٹھ گیا۔

تاروں کی چھاؤں بھی اتنی تھی کہ کسی کو پہچانا جا سکے۔ اور افشاں کو دیکھ کر میرا دل دھڑک اٹھا۔ وہ کافی قریب آ چکی تھی اور بے حد گھبرائی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"میں۔ میں انتہائی شرمندہ ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"ارے ارے۔ آیئے افشاں۔ کیوں آپ شرمندہ کیوں ہیں؟"

"میں نے آپ کے سکون میں مداخلت کی ہے۔" وہ چوروں کے انداز میں بولی۔

"یہ آپ کو کیسے معلوم؟" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"یہی کہ آپ نے مداخلت کی ہے؟"

"تو پھر؟"

"ممکن ہے میں اس وقت آپ کے بارے میں ہی سوچ رہا ہوں اور آپ غور کریں' کسی کے بارے میں سوچا جائے اور وہ اچانک آ جائے تو کیا کیفیت ہوتی ہے۔"

افشاں کئی منٹ تک کچھ نہیں بولی تو میں نے ہی کہا "اور اب آپ اجنبیوں کی طرح کھڑی بھی رہیں گی؟"

"اوہ' معافی چاہتی ہوں۔" وہ میرے نزدیک بیٹھ گئی۔ اس قرب میں بڑا اعتماد' بڑی اپنائیت تھی۔

"آپ خاموش کیوں ہو گئیں؟"

"ویسے ہی۔"

"چاندنی پسند ہے آپ کو؟"

"ہاں۔"

"اور تنہائی؟"

"نہیں۔" افشاں نے جواب دیا۔ اس کے انداز میں کسی قدر شوخی تھی۔

"اور افشاں صاحبہ! جو قرب آشنا ہی نہ ہو؟" میں نے نہ جانے کس خیال کے تحت کہا اور افشاں نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔

"اپنی طرف بڑھنے والوں کی پذیرائی ہی نہیں کی ہو گی آپ نے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاید کوتاہی میری ہی ہو۔"

"عادل صاحب کی نسبت' آپ سنجیدہ ہیں۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"بڑا جو ہوں اس سے۔"
"کوئی خاص فرق نہیں محسوس ہوتا آپ دونوں میں۔"
"اب تو آپ پہچان لیتی ہیں۔"
"ہاں۔" افشاں نے ایک شرمگیں مسکراہٹ سے کہا۔ میں بھی مسکرانے لگا۔ اس وقت دل سے ساری محرومیاں دھل گئی تھیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے دوبارہ پیدا ہوا ہوں۔ دوبارہ جوان ہوا ہوں اور افشاں میری زندگی کی پہلی لڑکی ہو۔ اس سے قبل اتنی فرحت' ایسا انوکھا پن محسوس نہیں کیا تھا۔
اس کے بعد ہم دونوں کئی منٹ تک خاموش رہے۔ افشاں گردن جھکائے گھاس کرید رہی تھی۔
"کیا آپ نے مجھے دیکھ لیا تھا مس افشاں!"
"ہاں۔"
"کہاں سے؟"
"کھڑکی میں کھڑی تھی۔"
"کیوں؟"
"نیند نہیں آرہی تھی۔"
"یہی کیفیت میری تھی۔" میں نے جواب دیا۔
"آپ نے اس وقت کیوں نہ کہا کہ آپ کو نیند نہیں آرہی۔ کوئی پروگرام ہی رکھتے۔"
"تنہائی کو دل چاہ رہا تھا۔"
"اوہو۔ تب تو میری بات درست ہے' یعنی میں نے مداخلت کی ہے۔"
"افشاں۔ گستاخ ہونے کو دل چاہ رہا ہے۔ اگر اجازت دیں۔ آپ کی آمد نے تو وہ خلا پُر کردیا ہے جس کے پُر ہونے کی دل نے بارہا آرزو کی تھی۔" اور افشاں کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ وہ خاموشی سے گھاس کریدتی رہی پھر نہایت صاف ستھرے لہجے میں بولی۔
"صائم صاحب۔ آپ کے خیال میں میری عمر کیا ہوگی؟"
"کیوں؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔
"میری عمر بائیس سال ہے۔ کسی حادثے کے تحت نہیں بلکہ قدرتی طور پر' میرے خیال میں' میں اپنی عمر سے دس سال آگے بڑھ گئی ہوں۔ اگر آپ برا نہ منائیں تو میں یہ کہوں کہ میری عمر بتیس سال ہے۔"
"ماشاءاللہ!" میں نے کسی قدر شوخی سے کہا۔
"اور یہ عمر کم نہیں ہوتی صائم صاحب!"
"ظاہر ہے بڑھاپے کی آمد آمد ہوتی ہے۔" میں نے جواب دیا لیکن افشاں کے چہرے کی سنجیدگی برقرار رہی۔
"میں ایک مشرقی لڑکی ہوں اور بے حد خود سر ہوں لیکن اگر آپ یقین کریں تو بتا دوں کہ میں نے بہت سے ممالک کی سیر کی' بہت کچھ دیکھا لیکن ضمیر پر کوئی داغ نہیں لگنے دیا اور میں آج بھی خود کو فخر سے مشرقی کہہ سکتی ہوں۔ البتہ میں نے کچھ تجربات ضرور کیے ہیں۔ میں نے کچھ حاصل بھی کیا ہے۔"
"اوہ!" افشاں کی سنجیدہ گفتگو پر میں بھی سنجیدہ ہوگیا۔
"ہاں صائم صاحب! میں نے سیکھا ہے کہ پاکیزگی کی حدود نہیں ہوتیں۔ ضمیر اگر صاف ہے تو زندگی بوجھ نہیں بنتی' جبکہ نگاہ کے راستے بہت چھوٹے ہوتے ہیں' اور ان کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے انسان اپنی زندگی کو بے مقصد سمجھنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ وہ سوچتا ہے اب کیا کرے۔ پھر یہ بوجھل زندگی اسے عذاب لگنے لگتی ہے اور اس کا انجام بھیانک ہی ہوتا ہے۔ انسان اگر زندہ بھی رہے تو ضمیر کی سوالناک چبھن اسے مضطرب رکھتی ہیں۔ صائم صاحب میرے ضمیر پر کوئی بوجھ نہیں۔ صاف ہوں تو اس قدر کہ والدین کی مرضی بغیر' ان سے چھپ کر بلکہ مجرمانہ انداز میں سیاحت کا شوق پورا کیا۔ چرب زبانی سے کام نہیں لے رہی' اپنی شخصیت عریاں کررہی ہوں۔ مشرق کی حیا اپنی جگہ۔ لیکن زندگی گزارنے کی خواہش کے اظہار کو بے حیائی نہیں سمجھتی۔ میں آپ کی شکل و صورت' آپ کے کردار اور آپ کی شخصیت سے بے حد متاثر ہوں۔ خدا کی قسم اگر کسی بہت بڑے ملک کے شہزادے بھی ہوتے تو میرے قابل اعتنا نہ تھے لیکن آپ اپنی اسی شخصیت' اسی کردار کے ساتھ کسی دفتر کے معمولی کلرک ہوتے اور کسی طور میری آپ سے ملاقات ہوجاتی تو اپنی پسند کے اظہار سے باز نہ رہتی۔ صائم صاحب! اسے میرا اظہار عشق سمجھ لیں' میری آرزو سمجھ لیں یا میری بے حیائی۔ یہ سب کچھ میں آپ سے صرف ایک بار کہوں گی' اس خوف سے بے نیاز ہو کر آپ میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔"
بڑی سلجھی ہوئی' بڑی انوکھی اور بڑی جذباتی گفتگو تھی۔ ایک ایک لفظ میرے دل پر نقش ہو رہا تھا۔ میں حیرانی سے اس کم عمر کی جہاں دیدہ لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔
"میں آپ کو پسند کرتی ہوں صائم صاحب! میں آپ سے چھپ چھپ کر نہیں ملوں گی۔ ہم ایک دوسرے سے گھٹیا طور پر رومان نہیں کریں گے۔ بلکہ۔ اگر۔ بلکہ اگر۔ آپ کے حالات اجازت دیں تو ہر پہلو سے سوچ کر' ہر خطرے' ہر الجھن کو مدنظر رکھ کر مجھے بتائیں کہ۔۔۔ کہ۔۔۔ کہ کیا آپ مجھے زندگی بھر کا ساتھی منتخب کرسکتے ہیں؟"

یہ سوال میرے لیے خاصا سنسنی خیز تھا۔ مشورہ کس سے کرتا تھا۔ طالوت بدمعاش ہی میرا سب کچھ تھا لیکن اسی نے تو مجھے اس کے لیے مجبور کیا تھا اور اب یہ لڑکی میری زندگی کا ایک اہم کردار بن گئی تھی۔ چنانچہ اب اگر طالوت بھی مجھے اس سے شادی کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کرتا تو میں اس سے معذرت کرلیتا۔ ہاں میری زندگی اب ایک ٹھوس حیثیت اختیار کرگئی تھی۔ ضمیر پر جھوٹ کا داغ ہی سہی لیکن خدا کی مہربانی سے میں بھی زندگی گزارنے کے قابل بن گیا تھا اس لیے اس سلجھی ہوئی لڑکی کو زندگی کا ساتھی نہ بنانے کا تصور بھی محال تھا۔ تاہم میں نے کچھ اور باتیں کرنا مناسب سمجھیں۔
"آپ کے جذبات میری خوش بختی ہیں افشاں لیکن اپنی چند مجبوریوں کو مدنظر رکھ کر میں آپ سے کچھ سوالات کروں گا۔"
"بصد خوشی!" افشاں نے کھلے دل سے کہا۔
"فرض کریں' میرے والدین اس کی اجازت نہ دیں؟"
"یہ فیصلہ آپ کریں گے۔" افشاں نے جواب دیا۔
"فرض کریں آپ سے شادی کے بعد مجھے فلاش ہونا پڑے؟"
"میرے فیصلے پر اثر نہیں پڑے گا۔ میں آپ کو ہر حیثیت میں قبول کروں گی۔"
"بہت شکریہ لیکن مس افشاں! خود آپ اس سلسلے میں کس قدر ثابت قدم رہیں گی؟"
"میں آپ کے پاس آئی ہوں۔"
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن تنویر صاحب؟"
"میرے والدین روشن خیال ہیں۔"
"آپ کی پوزیشن تو خراب نہیں ہوگی؟"
"میری پوزیشن کی ذمے داری ہے اور میں اسے نبھانے کی کوشش کروں گی' آخری سانس تک جاری رکھوں گی۔"
"تب پھر افشاں آپ ہی بتائیں' مجھے آپ سے اچھا زندگی کا ساتھی اور کون ملے گا؟"
"جی؟"
"افشاں! آپ سن لیں' میں آپ کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کروں گا۔"
اور افشاں کے چہرے پر افشاں بکھر گئی۔ اس کی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئیں "آپ۔۔۔ آپ سوچ سمجھ کر یہ بات کہہ رہے ہیں صائم صاحب؟"
"ہاں افشاں!"
"آپ کی جانب سے کسی تعرض کی گنجائش؟"
"ہرگز نہیں۔"
"تب مجھے دعا دیں کہ میں کامیاب ہوجاؤں۔ جب میں آپ سے درخواست کروں' اس وقت آپ عادل بھائی کے ذریعے یا پھر نواب جلال الدین کے ذریعے ابو سے کہلوا دیں۔"
"قبول ہوگی۔"
"صائم صاحب!" افشاں شرمائی سی اٹھ کھڑی ہوئی۔
"ارے۔ ارے' بیٹھو افشاں۔"
"اب نہ بیٹھ سکوں گی۔" اس نے سر جھکائے جھکائے کہا اور ایک دم چاند نکل آیا۔ چاندنی میں جھکی جھکی' شرمائی شرمائی لڑکی بے حد حسین لگ رہی تھی۔
"کیوں؟" میں نے بے قراری سے پوچھا۔
"صائم صاحب! میں۔۔۔ میں بہرحال مشرقی بھی ہوں۔ اب مجھے شرم آرہی ہے۔" افشاں نے کہا اور پھر وہ تیزی سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ میں اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی لیکن روح میں بالیدگی اتر گئی تھی۔ چاندنی پہلے سے زیادہ روشن ہوگئی تھی اور میں جیسے ایک نئی دنیا میں سانس لے رہا تھا۔ یہ دنیا پہلے سے زیادہ حسین ہوتی ہے۔ روح کو سہارا مل جائے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔
نہ جانے کتنی دیر تک میں وہاں بیٹھا رہا' وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا پھر طالوت کو اپنی طرف آتے دیکھ کر میں چونک پڑا۔ طالوت نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ چند منٹ کے بعد وہ میرے قریب پہنچ گیا۔ اس کے چہرے پر کسی قدر شرمندگی کے آثار تھے۔
"ارے۔ تم تنہا ہی بیٹھے ہو؟" اس نے کہا۔
"ہاں!" میں مسکرا دیا۔
"یار اس وقت تو زیادتی ہوگئی تمہارے ساتھ۔ میں نے سوچا تھا کہ تم بھی کسی طرح اپنا کام چلا لو گے۔"
"نہیں طالوت! زیادتی نہیں ہوئی۔"
"کیا مطلب؟"
"کام چل گیا تھا اور ضرورت سے زیادہ ہی چل گیا۔"
"کیا کہہ رہا ہے یار۔ صاف صاف کہہ۔"
"افشاں ابھی تھوڑی دیر قبل گئی ہے۔"
"اوہ! ویری گڈ۔ تیری استادی پر تو میں نے کبھی شبہ نہیں کیا۔" طالوت میرے کندھے پر ہاتھ مار کر نزدیک بیٹھ گیا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

شکیلہ چلی گئی؟"

"ہاں! بڑا شرما رہی تھی اس بات پر کہ تم اسی کی وجہ سے کمرا چھوڑ کر فرار ہوگئے ہو مگر اس وقت شکیلہ کے ذکر کو چھوڑو۔ تم سناؤ' کیا افشاں نے اس وقت آنے پر اعتراض نہیں کیا؟"

"میں نے اسے نہیں بلایا تھا۔"

"ونڈر فل! پھر؟"

"خود ہی آگئی۔"

"نیک بخت ہے۔ جلدی جلدی آگے بڑھو۔ پھر کیا ہوا؟"

"بہت کچھ ہوگیا ہے طالوت! بات اتنی آگے بڑھ گئی کہ۔"

"ارے!" طالوت کا منہ حیرت سے کھل گیا اور میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ احمق انسان غلط فہمی کا شکار ہوگیا تھا۔ چنانچہ میں جلدی سے بولا۔

"منہ بند کرو۔ ایسی کوئی بات نہیں کہ تمہارا منہ کھل جائے۔"

"اوہ!" طالوت نے ایک گہری سانس لی "بات کو ڈرامائی انداز میں مت پیش کیا کرو۔ خواہ مخواہ منہ کا مزہ کرکرا کردیا تھا۔ ہاں کیا بات ہوئی بتاؤ؟" میں نے افشاں کی پوری گفتگو طالوت کو سنادی۔ طالوت خوشی سے اچھل پڑا تھا اور پھر اس نے بے ساختہ اچھل کر مجھے دبوچ لیا "ارے زندہ باد میرے شیر کیا گھرا رنگ مارا ہے۔ پھر اب؟"

"اب کیا طالوت؟"

"کیا فیصلہ کیا؟"

"اگر زندگی کا یہ اہم فیصلہ بھی تمہارے اوپر چھوڑ دوں طالوت؟" میں نے اسے دیکھا۔

"تو میں فوراً تیرے گلے میں پھولوں کے ہار ڈال دوں۔"

"یعنی؟"

"میری تو دلی خواہش ہے عارف! بہرحال ہمیں زندگی کسی منزل تک لے جاتی تو ہے۔ یوں کب تک خوار پھرتے رہیں گے اور عارف سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ تیرے ہی وطن میں تیرے لیے مکمل آزادی ہوگئی۔ اب تو یہاں آرام سے رہ سکتا ہے۔"

"بے شک' مجھے احساس ہے وطن کیا شے ہوتی ہے۔"

"خدا اہل وطن کو کسی کا دشمن نہ بنائے۔"

"تو پھر بتایا نہیں عارف؟"

"کہہ تو چکا ہوں۔ میں کیا بتاؤں۔ میرا فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے۔"

"ہوں۔" طالوت کچھ سوچنے لگا' پھر بولا "ٹھیک ہے عارف! اس کا فیصلہ اگلے چاند کریں گے۔"

"مناسب۔" میں نے جواب دیا۔

"ویسے میں بہت خوش ہوں۔" طالوت مسکراتے ہوئے بولا اور میرا بازو پکڑ کر کہنے لگا "اس کا مطلب ہے یار کہ یہ افشاں بہت ستھری طبیعت کی لڑکی ہے۔"

"ہاں طالوت! میں اس سے بہت متاثر ہوا ہوں۔"

"متاثر ہونے کی بات نہیں ہے۔ ہم اس سے یہ توقع نہیں رکھتے تھے۔ چل یار اب سوئیں گے' رات کافی گزر چکی ہے۔" اور ہم دونوں اٹھ کر کمرے کی طرف چل پڑے۔

"مجھے بھی کچھ پوچھنے کی اجازت ہے؟" میں نے بستر پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ضرور!"

"تم نہیں بتاؤ گے' تمہارا اور شکیلہ کے معاملات کس حد تک پہنچے؟"

"بس سرحد کے قریب ہیں۔ چاند ڈوبنے پر والدہ صاحبہ کے پاس جاؤں گا اور ان سے بات کروں گا' آخری مرحلہ ہوگا۔ میرے لیے دعا کرنا۔"

"میری دلی دعائیں تیرے ساتھ ہیں میرے دوست۔" میں نے کہا اور طالوت مسکرانے لگا۔

دوسری صبح حسب معمول تھی۔ ناشتے کی میز پر گپیں ہوتی رہیں۔ سب کے موڈ خوشگوار تھے۔ افشاں کی گہرائی دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا۔ گمان بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ رات کو اس نے مجھ سے ایسی گفتگو کی ہوگی' جیسی روزانہ ہوتی تھی' ویسی ہی تھی۔

"ہاں بھئی۔ اپنے اس زر خرید کے بارے میں تم نے کیا سوچا۔" نواب جلال الدین بولے۔

"بس۔ تھوڑی دیر کے بعد جاؤں گا۔"

"اخبار دیکھا آج کا؟"

"نہیں۔" طالوت نے جواب دیا۔

"آئندہ ماہ کی چھ تاریخ کو ایک عظیم الشان ریس ہے' جس پر زبردست انعام رکھا گیا ہے۔ بڑے بڑے نامی گرامی گھوڑے دوڑیں گے اس ریس میں۔ پوری تفصیل آئی ہے اخبارات میں۔"

"میرا عظیم المرتبت بھی دوڑے گا۔ کسی سے کم ہے؟" طالوت نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"گویا تم نے اس کا نام ہی عظیم المرتبت رکھ دیا ہے؟"

"جی۔ وہ اسی قابل ہے۔ براہ کرم آپ اسے اس ریس میں رجسٹر کرادیں۔"

"شہزادہ عادل! براہ کرم بتادو' کیا تم سنجیدہ ہو؟"

"نواب صاحب! عظیم المرتبت سے مجھے دلی لگاؤ ہے۔ براہ کرم اس کی شان میں کوئی ایسی ویسی بات نہ کی جائے۔ اس پر کوئی شبہ نہ کیا جائے اور کیا آپ اسے رجسٹر کرادیں گے یا پھر میں ہی کوشش کروں؟"

"نہیں بھئی۔ ہم بھی اس تفریح میں حصہ لیں گے۔" نواب صاحب ہنستے ہوئے بولے اور طالوت سر جھکا کر ناشتے میں مصروف ہوگیا۔ ناشتے کے بعد طالوت نے تنویر صاحب سے گاڑی حاصل کی اور جانے کے لیے تیار ہوگیا۔

"تم جارہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"جی نہیں۔"

"تب میں تیار ہوجاؤں؟"

"جی نہیں۔ ہرگز نہیں۔"

"پھر؟"

"مس شکیلہ کو بازار میں کچھ کام ہے' وہ میرے ساتھ جائیں گی۔"

"اوہ!" میں مسکرا پڑا۔

"کوئی اعتراض ہے آپ کو؟"

"ہرگز نہیں۔ مس شکیلہ سے بات ہوئی ہے؟"

"کیوں بتاؤں۔"

"گویا اب آپ لوگ علی الاعلان سامنے آگئے ہیں؟"

"الحمدللہ! طالوت نے خیالی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور مجھے ہنسی آگئی۔ بہرحال میں نے خوشی سے انہیں جانے کی اجازت دے دی اور طالوت چلا گیا پھر سب اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے اور میں اپنے کمرے میں آگیا۔ نواب جلال الدین بھی کسی کام سے چلے گئے تھے۔ سیمیں اور احسان بھی کہیں ملنے چلے گئے تھے۔

نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ اچانک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

"کون؟"

"حاضر ہوسکتی ہوں؟" افشاں کی آواز تھی اور میرا دل خوشی سے اچھل پڑا۔

"تشریف لائیے۔" میں نے جواب دیا اور افشاں مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

"بیکاری کا شغل!" میں نے جواب دیا اور افشاں مسکراتی ہوئی میرے سامنے بیٹھ گئی۔

"بور ہو رہے ہیں؟"

"ہرگز نہیں۔" میں جلدی سے بولا۔

"پھر یہ تنہائی پسندی کیسی؟"

"الفاظ غیر معیاری بھی ہوسکتے ہیں۔" میں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"آپ کے سامنے ہوں جناب اور اب ہمارا معیار جدا نہیں ہے۔"

"خدا کی قسم افشاں! یہ اپنائیت دہلا رہی ہے۔" اچانک میری آواز بھرا گئی۔ بس نہ جانے کیوں عجیب سا لگا تھا۔

"اب آپ اسے اپنا حصہ سمجھئے۔" افشاں نے کہا۔ اس نے لاکھ ضبط کرنے کی' نڈر بننے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں میں حیا آگئی اور میں بے اختیار اس کے نزدیک پہنچ گیا۔

"افشاں!" میں نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیے "بعض اوقات وہ ہوجاتا ہے جو انسان کی سرشت نہیں ہوتی لیکن جذبات بے پروا ہوتے ہیں' وہ سوچتے ہیں۔"

"ہاں۔ شاید۔ ورنہ۔ ورنہ میں اس بے باکی سے یہاں نہ آجاتی۔" افشاں نے نہایت خوب صورتی سے کہا اور میں بے اختیار ہوگیا۔

سچ مچ زندگی میں بے شمار پھول کھل گئے تھے۔ چاروں طرف خوشبوئیں بکھر گئی تھیں۔ ہر شے حسین نظر آنے لگی تھی۔ طالوت بھی شکیلہ میں ڈوبا ہوا تھا۔ روزانہ ناشتے کے بعد وہ گھوڑے کو تربیت دینے نکل جاتے۔ یہ تو میں ہی جانتا تھا کہ طالوت گھوڑے کو کیا تربیت دے گا۔

بہرحال ریس قریب آگئی تھی۔ خود نواب جلال الدین اور تنویر صاحب نے کئی بار گھوڑے کو دیکھنے کی فرمائش کی تھی لیکن طالوت نے معذرت کرلی تھی۔

"میں اسے ریس کے میدان میں ہی آپ کے سامنے پیش کروں گا۔" بہرحال ہر طرف خوشیاں اور قہقہے بکھرے ہوئے تھے۔ بی افشاں خوب تھیں۔ شرماتی بھی تھیں اور جب اپنے تئیں جدید دور کی ایک فرد ہونے کا خیال آتا تو خاصی بے تکلف بننے کی کوشش کرتیں۔ بہرحال میں اس سے مطمئن ہوگیا تھا۔

اور پھر ریس کا دن آگیا۔ نواب جلال الدین نے بھی اپنے گھوڑے منگوائے تھے اور ان کے ایما پر تنویر صاحب بھی ریس میں اپنا ایک الگ گھوڑا لے آئے تھے۔

لیکن اس مرحلے تک میں نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ ریس

Uploaded By Muhammad Nadeem

کورس میں خصوصی نشستوں کا بندوبست کیا گیا تھا۔ طالوت نے خود ہی کسی جیکی کا بھی انتظام کرلیا تھا اور پر جب ریس کورس میں طالوت کا گھوڑا آیا تو چاروں طرف ہلچل مچ گئی۔ طالوت نے اس کے پورے بدن کے بال صاف کرا دیے تھے اور اسے کئی رنگوں میں رنگوایا تھا۔ انتہائی مضحکہ خیز ہوگیا تھا وہ' بال صاف ہوجانے سے اس کی ساری پسلیاں نظر آرہی تھیں اور شکل کچھ اور بھیانک نظر آنے لگی تھی۔

چاروں طرف سے اسے دیکھ کر قہقہے ابل رہے تھے۔ طالوت نے ان دونوں حضرات کو متنبہ کردیا تھا کہ اپنے گھوڑے اس ریس میں نہ رکھیں جس میں عظیم المرتبت دوڑ رہا ہو۔ بہرحال ان لوگوں نے اس کی بات مان لی تھی لیکن وہ بمشکل تمام اس گھوڑے کو آج کی سب سے بڑی ریس میں رجسٹر کرا سکے تھے۔ اس ریس میں سارے نامی گرامی گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ ان کی جسامت اور شان دیکھنے کے قابل تھی۔

لیکن جب میں نے جیکی کو دیکھا تو ایک طویل سانس لی۔ جیکی کے لباس میں راسم تھا جو خود بھی گھوڑے سے کم مضحکہ خیز نہیں نظر آرہا تھا۔ اچھا خاصا مزاحیہ پروگرام بن گیا تھا۔ طالوت سارے انتظامات کرنے کے بعد واپس ہم لوگوں میں آگیا اور نواب جلال الدین اسے دیکھ کر قہقہے لگانے لگے۔ طالوت بے حد سنجیدہ تھا۔

"بھئی واہ! کیا گھوڑا ترتیب دیا ہے اور اس کے رنگ' کیا خوب' کیا خوب۔" نواب صاحب نے پھر ایک قہقہہ لگایا۔

"اور جیکی۔۔۔ آپ نے جیکی نہیں دیکھا نواب صاحب؟" تویر صاحب نے بھی اس مذاق میں حصہ لیا۔ اس سے قبل کہ طالوت کوئی جواب دیتا' اچانک احسان کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"ارے انکل۔ شمشیر!" اور سب چونک پڑے۔

"کہاں ہے؟" نواب جلال الدین بولے۔

"وہ دیکھیے۔" احسان نے اشارہ کیا اور اسی وقت شمشیر کی نگاہ بھی ہم لوگوں پر پڑی۔ وہ بھی چونک پڑا۔ ایک لمحے کے لیے وہ اپنی سیٹ سے کھڑا ہوا' ٹھٹکا اور پھر رک گیا۔ طالوت بھی اس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

"زندہ باد! آپ لوگوں نے جس قدر موڈ خراب کیا تھا' شمشیر کو دیکھ کر اتنی ہی فرحت ہوئی ہے۔"

"اس نے بھی ہمیں دیکھ لیا ہے۔" نواب جلال الدین بولے۔

"لیکن مخاطب تو نہیں ہوئے ابو۔" سیمیں نے کہا۔

"ارے تو کیا ہم اتنے بداخلاق ہیں کہ اس سے ملاقات ہونے پر گفتگو بھی نہیں کریں گے؟"

"اوہو! وہ خاتون شاید ان کے ساتھ ہیں۔" احسان نے کہا۔

"ممکن ہے اس کی بیوی ہو۔"

"ہائے بے چاری۔ اگر بیوی ہے تو بدنصیب ہے۔ صورت سے تو بڑی پیاری لگ رہی ہے۔" سیمیں نے کہا۔

"ارے صائم! تم کیا دیکھ رہے ہو' جاؤ ان نواب شمشیر الدولہ کو۔" طالوت نے کہا اور میں کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ شمشیر طنزیہ انداز میں مسکرایا تھا۔

"ہیلو شمشیر صاحب آپ یہاں۔ بڑی حیرت ہوئی آپ کو دیکھ کر۔"

"خوب! تو گویا تم لوگ ابھی تک اس خاندان سے منسلک ہو؟"

"ہاں! ہم اس قدر بے مروت نہیں ہیں' جیسے آپ۔ گئے تو پلٹ کر خبر نہ لی۔ آیئے نواب صاحب آپ کو یاد کررہے ہیں۔" میں نے شمشیر کا طنز نظرانداز کرکے کہا۔

شمشیر کی ساتھی خاتون دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا تو شمشیر نے گردن اکڑا کر کہا "یہ مسز شمشیر ہیں۔"

"اوہ! بھابی آداب۔" میں نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"آداب!" خاتون کی آواز بے حد شیریں تھی۔

"آیئے بیگم۔ نواب جلال الدین سے ملیں۔ غائبانہ آپ کا تعارف ہے؟"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔ وہ خوب صورت خواتین انہی کے ساتھ ہیں نا؟" خاتون اٹھتی ہوئی بولیں اور نواب شمشیر الدولہ اپنی بیگم کے ساتھ نواب صاحب کے پاس پہنچ گئے۔

نواب صاحب اور دوسرے لوگوں نے بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ شمشیر کی بیوی بلاشبہ خوش اخلاق عورت تھی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ سب ہی کو بھلی لگی۔

"بڑے عرصے کے بعد نیاز حاصل ہوئے۔" شمشیر الدولہ نے رسماً کہا۔

"ہاں میاں تم نے تعلقات ہی ختم کرلیے۔ آؤ بیٹھو۔" نواب جلال الدین نے شمشیر کے لیے بھی جگہ بنا دی اور شمشیر بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی کو لڑکیوں نے گھیر لیا تھا۔ سب ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرنے لگے۔

"اور سناؤ کیا مشاغل ہیں؟"

"بزنس کررہا ہوں اور اس شہر کا کامیاب ترین تاجر ہوں۔" شمشیر اکڑ کر بولا۔

"ماشاءاللہ۔۔۔ ماشاءاللہ بڑی مسرت ہوئی۔"

"لندن کا بھوت اتر گیا؟" نواب صاحب بولے اور شمشیر تحقیر آمیز انداز میں ہنسنے لگا۔

"بہرحال بڑی خوشی ہوئی تمہیں دیکھ کر اور سناؤ' گھوڑے وغیرہ بھی رکھے ہوئے ہیں کیا؟"

"جی ہاں۔ بڑی ریس میں میرا ہنٹر دوڑ رہا ہے۔"

"ہنٹر! بہت خوب۔ بڑا خوفناک گھوڑا ہوگا؟"

"جی ہاں۔ وہ سیاہ گھوڑا آپ نے دیکھا ہوگا جس کے سینے پر سفید نشان ہے؟"

"بھئی واہ' بھئی واہ۔ شان دار گھوڑا ہے۔ کتنے گھوڑے ہیں آج کل؟"

"چار۔ لیکن میں نے صرف بڑی ریس میں حصہ لیا ہے۔" شمشیر الدولہ نے جواب دیا اور پھر طنزیہ انداز میں بولا "بک میں آپ کا نام بھی نظر آیا تھا؟"

"ہاں بھئی' لیکن کوئی خاص پروگرام نہیں تھا۔ البتہ شہزادہ عادل نے ایک گھوڑا تیار کیا ہے' جو تمہارے ہنٹر سے مقابلہ کرے گا۔"

"کون سا؟" شمشیر الدولہ چونک کر بولا۔

"عظیم المرتبت!" نواب صاحب نے کہا اور ہنس پڑے۔

"او۔۔۔ وہ رنگین گھوڑا؟" شمشیر نے کہا۔

"ہاں۔"

"لیکن قبلہ گستاخی معاف' کیا آپ جیسے سنجیدہ لوگوں کو یہ مذاق زیب دیتا ہے؟ یہ گھوڑا تو کسی تانگے سے نکلا ہوا لگتا ہے۔ تمام لوگ ہنس رہے ہیں۔"

"ہنسنے کی دم تو یہی اکھاڑے گا نواب شمشیر الدولہ!" طالوت بولا اور شمشیر زہریلی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تب پھر ایک شرط لگائیں شہزادہ عادل!" میں نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"اگر ہنٹر اس ریس میں ہار جائے تو میں اسے گولی مار دوں گا اور آپ سے تو میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اس ٹٹو کو ہلاک کردیں۔ اس سے فرق بھی کیا پڑے گا۔ ہاں وعدہ کریں کہ اس کے بعد آپ ریس نہیں کھیلیں گے۔"

"منظور!" طالوت نے جواب دیا۔

"ارے بھئی یہ کیا گفتگو شروع ہوگئی۔ شرط درط نہیں ہوگی۔ شمشیر بیٹے۔ اتنے اچھے لوگوں سے ملاقات ہوئی ہے' کچھ اچھی گفتگو کریں۔" شمشیر کی بیوی نے درمیان میں مداخلت کی "گھوڑے دوڑے جائیں جہنم میں۔" اور شمشیر طنزیہ انداز میں مسکرانے لگا۔

"آپ نے مجھے اب تک افشاں سے کیوں نہیں ملایا تھا؟"

"اوہو۔ بس کاروباری مصروفیات۔" شمشیر کسی قدر رام ہوگیا تھا۔

"بڑے اچھے لوگ ہیں یہ اور انہیں تو دیکھو یہ افشاں اور شکیلہ جڑواں بہنیں نہیں معلوم ہوتیں؟ بھئی عجیب بات ہے' یہ دو ہم شکل لڑکیاں اور دو ہم شکل صاحب زادے۔ سرمو فرق نہیں ہے ان میں۔"

"پانچواں ہم شکل گھوڑا نہیں دیکھا آپ نے؟" شمشیر نے جانے کس طرح یہ خوب صورت جملہ کہہ دیا' جو بہرحال بدتمیزی تھی لیکن اس کی برجستگی نے ماحول خراب نہ ہونے دیا۔

"ہاں کیسی حیرت کی بات ہے' اگر شمشیر کو ایسے ہی رنگوں میں رنگ دیا جائے تو لوگ سوچنے لگیں کہ شاید یہ بھی ریس میں دوڑیں گے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اچھا بھئی یہ گفتگو ختم۔ دیکھو پہلی ریس تیار ہے۔" اور گفتگو واقعی ختم ہوگئی۔ ریس چھوٹی اور شمشیر الدولہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ ریس کے خاتمے پر وہ خوشی سے ناچنے لگا تھا۔

"میں نے ستارہ پر داؤ لگایا تھا' اسی ہزار جیتا۔" وہ چیخا اور نواب صاحب اور دوسرے لوگ ہنسنے لگے لیکن شمشیر جیتنے پر بہت خوش نظر آرہا تھا۔

اس کی بیوی لڑکیوں سے گفتگو کررہی تھی۔ کافی خوش اخلاق معلوم ہوتی تھی اور سب سے گھل مل گئی تھی۔ ہم لوگوں سے بھی وہ کبھی کبھی گفتگو کرلیتی تھی۔ دوسری' تیسری اور چوتھی ریس بھی ختم ہوگئی۔ شمشیر کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہیں تھا' کیونکہ اس نے چاروں ریسیں جیتی تھیں اور مجموعی طور پر اب تک تقریباً پانچ لاکھ روپے جیت لیے تھے اس لیے اس کا موڈ بہت ہی خوشگوار تھا اور اب پانچویں ریس کے انتظامات ہورہے تھے' جس میں شمشیر اور طالوت کا گھوڑا دوڑنے والا تھا۔ سب لوگ ریس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ گھوڑے اسٹارٹنگ پوائنٹ پر پہنچ گئے۔ طالوت نے واقعی بڑا مسخرہ پن کیا تھا۔ گھوڑے کے رنگ' آنکھوں کو

Uploaded By Muhammad Nadeem

بری طرح چبھ رہے تھے اور وہ شان دار گھوڑوں کے درمیان بے حد عجیب لگ رہا تھا لیکن میں اس خوفناک گھوڑے سے اچھی طرح واقف تھا کیونکہ ایک تو اس پر طالوت کا سایہ تھا اور پھر طالوت ہی کی نسل کا پراسرار راسم اس پر سواری کر رہا تھا۔ گویا دو آتشہ۔

فائر ہوا اور ریس چھوٹ گئی۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک چھوٹا سا رنگین خچر اس طرح نکلا جیسے بندوق سے گولی نکلتی ہے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کی کتنی ٹانگیں ہیں۔ اس وقت جب گھوڑے پہلے راؤنڈ پر تھے وہ دوسرا موڑ کراس کر رہا تھا اور جب گھوڑے دوسرے موڑ پر پہنچے تو عظیم المرتبت ونگ پوسٹ کے نزدیک تھے اور ریس کورس میں ایسی خاموشی ایک تاریخی حیثیت رکھتی تھی۔ کچھ ہذیانی سے قہقہے ضرور سنے گئے لیکن چاروں طرف کی خاموشی حیرت ناک تھی اور حیرت کی بات ہی تھی کہ گھوڑے نے اس طرح یہ ریس جیتی تھی کہ عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔ اس کی رفتار کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔

نواب جلال الدین اور دوسرے لوگوں کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ کبھی وہ طالوت کی طرف دیکھ رہے تھے اور کبھی گھوڑے کی طرف' جسے بے شمار لوگوں نے گھیر رکھا تھا اور اسے حیرت سے چاروں طرف سے ٹٹول رہے تھے جیسے اس کے کل پرزے تلاش کر رہے ہوں۔

"وہی ہو گیا جو شہزادہ عادل نے کہا تھا۔" بالآخر نواب جلال الدین نے کہا۔ شمشیر الدولہ پریشانی سے کھڑا ہو گیا۔ اس کا گھوڑا آٹھویں نمبر پر آیا تھا۔

"بہرحال' میں شہزادہ عادل کو مبارک باد دیتا ہوں۔"

"میں اس گھوڑے کا میڈیکل چیک اپ کراؤں گا۔ میں اسے چیلنج کروں گا۔" شمشیر الدولہ نے غراتے ہوئے کہا۔

"ارے۔ ارے آپ کو کیا ہوا؟"

"اوہ' تم نہیں سمجھتیں زیب! یہ لوگ... اٹھو!" شمشیر نے اپنی بیوی سے کہا۔

"یہ تو بڑی بد اخلاقی ہے شمشیر' سنو تو۔" اس کی بیوی نے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن شمشیر الدولہ نہیں رکا۔

"تم بیٹھنا چاہتی ہو بیٹھو۔" اس نے کہا اور تیزی سے آگے بڑھ گیا۔

"میں آپ لوگوں سے معذرت چاہتی ہوں۔ نہ جانے شمشیر کو کیا ہو گیا ہے۔ میں انکل۔ میں آپ کی خدمت میں پھر حاضر ہو جاؤں گی۔" شریف عورت بے حد جذبل نظر آرہی تھی۔ سب کو رنج ہوا۔ بہرحال طالوت کے گھوڑے کے جیت جانے سے سب حیران تھے لیکن طالوت سنجیدہ تھا۔

"بھئی بڑی ہلچل مچ گئی ہے۔ اب لوگوں کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے اخباری رپورٹر تمہارے پاس ضرور آئیں گے۔" تنویر صاحب ہجوم کی حالت دیکھ کر بولے۔ گھوڑے کی دھڑا دھڑ تصویریں بنائی جا رہی تھیں اور لوگوں نے تنویر صاحب کے منیجر کو گھیر لیا تھا۔

"آپ نے مجھ سے کہا؟" طالوت بولا۔

"ہاں' دیکھو۔ میرا خیال ہے منیجر بے وقوف ہماری طرف اشارہ کر رہا ہے۔" تنویر صاحب گھبرا کر بولے۔

"لیکن اس گھوڑے سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ گھوڑا تو سائیس کا ہے۔ میں تو بس آپ کو اس کی شخصیت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ اب چلیں۔" طالوت نے کہا۔ کسی کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی تھی۔ بہرحال لوگوں کے ڈر سے ہم وہاں سے ہٹ گئے لیکن اگلے میلہ بعد کی ریس کی تیاریاں ہونے لگی تھیں۔ اس لیے لوگ ہی حیرت انگیز گھوڑے کے مالکان سے ملنے نہیں آئے اور نہ ہی کسی مصروف ہو گئے۔

ہم نے بھی گھر کا رخ کیا لیکن راستے میں اس حیرت انگیز واقعے پر تبصرہ ہوتا رہا تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ گھوڑا کیسے جیت گیا۔ میں جانتا تھا یا شکیلہ۔ اور بس! تنویر صاحب تو اس قدر حیران ہوئے تھے کہ انہوں نے منیجر کو فون کیا کہ گھوڑے کو کوٹھی لے آئے۔

"آخر تم نے اسے ریس میں دوڑنے کے قابل کیسے بنایا؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"قابل تو وہ خود تھا۔ بس میں نے ذرا اس کی غذا وغیرہ کا خیال کیا تھا اور تھوڑی سی مٹر گشت کرا دیتا تھا۔"

"لیکن اس کی جسامت تو وہی تھی۔ خاصا لاغر نظر آرہا تھا۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے اسے مضبوط کرنے والی غذائیں دی تھیں۔"

"بھئی سچی بات ہے' نہ جانے کیوں' کبھی کبھی تم دونوں مجھے بے حد پراسرار معلوم ہوتے ہو۔ تمہارے واقعات اس قدر حیرت انگیز ہوتے ہیں کہ عقل انہیں تسلیم نہیں کرتی۔"

"حالانکہ ان کا عقل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" گھوڑا کوٹھی پر آگیا اور عورتیں تک اس عجوبے کو دیکھنے لگیں' جس میں بظاہر کوئی خاص بات نہیں تھی صرف اس کی دوڑ حیرت انگیز تھی ورنہ شکل پر اب بھی پھٹکار برس رہی تھی۔

تنویر صاحب نے اسے دیکھتے ہوئے گردن ہلائی۔

"خدا کی قسم! مجھے اس میں کوئی بات نظر نہیں آتی۔"

"نگاہ نگاہ کی بات ہے۔ بہرحال اب اسے سائیس کو واپس کر دیا جائے۔"

"کیوں؟ اب تو یہ تمہاری ملکیت ہے۔"

"میں اس کا کیا کروں گا۔ بس مجھے تو آپ لوگوں پر ثابت کرنا تھا کہ یہ واقعی اعلیٰ نسل کا گھوڑا ہے۔" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب اس پر بھی حیرت کرنے لگے' کیونکہ بہرحال تیس ہزار معمولی رقم نہیں ہوتی۔ اس ریس کی آمدنی کے بارے میں بھی طالوت نے صاف کہہ دیا تھا کہ یا تو اسے سائیس کو دے دیا جائے یا پھر کسی اور کام میں لگا دیا جائے۔

"بھلے آدمی' خاصی معقول رقم ہو گی۔" تنویر صاحب بولے۔

"والد صاحب کو معلوم ہو جائے کہ اب میں جوئے کی رقمیں استعمال کرنے لگا ہوں تو عاق کر دیں گے۔" طالوت نے جواب دیا اور تنویر صاحب خاموش ہو گئے۔ بہرحال بمشکل تمام یہ موضوع ختم ہو سکا۔ گھوڑے کو واپس اصطبل بھجوا دیا گیا۔ رات کو مجھے اور طالوت کو فرصت ملی تو میں نے طالوت کو اس کے ہاتھوں لیا۔

"ایسا لگتا ہے جیسے اب تم دنیا کو اپنے بارے میں بتا دینا چاہتے ہو؟" میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"تمہاری حرکتیں اب کھلی ہوتی ہیں۔ تنویر صاحب کے حوالے دیے بھی تمہاری طرف سے مشکوک تھے۔ وہ پانی کی بالٹیاں' افشاں کے ساتھ تفریح اور اب یہ مرمل گھوڑے کا کارنامہ۔ جبکہ اب یہ گھوڑا زندگی بھر کسی ریس میں نہیں دوڑ سکتا۔"

"لیکن میں کبھی تفریح کو دل چاہتا ہے اور پھر میں کسی سے کیوں ڈروں گا۔ اپنے منہ سے کچھ نہیں بتاؤں گا۔ دنیا والے اگر کچھ سوچتے ہیں تو سوچتے رہیں۔"

"تمہارے لیے تو ٹھیک ہے لیکن لوگ مجھ سے بھی وہی چیزیں طلب کریں گے۔"

"اوہ! ہاں' اس انداز میں' میں نے نہیں سوچا تھا' آئندہ خیال رکھوں گا۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر دلچسپی سے بولا "خیر ان باتوں کو چھوڑو۔ آج نواب زادہ شمشیر الدولہ سے مل کر دلی مسرت ہوئی ہے۔ ہائے کیسا چاند سا مکھڑا نکل آیا ہے۔ ابے کیا تمہیں اس سے محبت نہیں محسوس ہوئی؟" اور میں ہنس پڑا۔

"یہ کیسے ممکن ہے اپنا شمشیر اسی شہر میں ہو اور ہم اس سے ملاقات نہ کریں' بلکہ کرتے رہیں۔"

"اب اس کی زندگی بدل گئی ہے طالوت۔"

"لیکن عادت نہیں بدلی میرے یار کی۔"

"اس کی بیوی تو خاصے سلیقے کی عورت معلوم ہوتی تھی؟"

"سیمیں غریب بھی تو سلیقے کی تھی۔ وہ بدنصیب بھی کسی چکر میں ہی پھنسی ہو گی۔"

"ہاں۔ عین ممکن ہے۔"

"بہرحال مجھے اس کے حالات سے کافی دلچسپی ہے۔" طالوت نے کہا۔

"لیکن اس کا پتہ وغیرہ تو معلوم ہی نہیں ہو سکا۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے۔ اپنا جیکی کس دن کام آئے گا۔"

"ارے ہاں۔ یہ راسم کو تم نے جیکی خوب بنایا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہائے اپنے عظیم المرتبت کی ٹانگوں میں تو جان ہی نہیں تھی۔ راسم اگر ان کی مشین نہ بنتا تو وہ تو اب چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو چکے ہوتے۔" طالوت نے کراہتے ہوئے کہا اور میرے حلق سے قہقہہ ابل پڑا۔

"سچ کہہ رہا ہوں عارف! وہ گھوڑا اب دو چار دن سے زیادہ کا مہمان نہیں ہے اور بہرحال اس کا مر جانا ہی بہتر ہے۔ اس طرح اس کا شان دار کارنامہ تو زندہ رہے گا۔ وہ خود زندہ رہا تو اس کے کارنامے پر پانی پھر جائے گا۔"

"یار۔ تم سے بڑا بدمعاش روئے زمین پر نہیں ہو گا۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے۔ ویسے میرے قبیلے میں بہت سے مل جائیں گے۔ ہاں یار۔ چاند ڈوبنے کی رات آرہی ہے۔"

"میں بھی سوچ رہا تھا۔"

"کیا پروگرام رہے گا؟"

"پروگرام بنا لو۔"

"بس پروگرام کیا بنانا ہے۔ دو دن کی تو بات ہی ہے لیکن ہم یہاں کسی سے نہیں کہیں گے کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"اگر اپنی ریاست جانے کی بات کی تو ممکن ہے کوئی پر خلوص انسان میرے والد صاحب سے ملاقات کی خواہش ہی کر ڈالے۔"

"ہاں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"بہرحال کوئی بہانہ کردیں گے۔"
"ہاں۔ وہ مشکل بات نہیں ہے لیکن شکیلہ؟"
"اس سے میں کہہ دوں گا۔"
"ساتھ نہیں لے جاؤ گے؟"
"ارے نہیں۔ ابھی نہیں۔ مرواؤ گے کیا۔ ویسے اس بار میں والدہ محترمہ سے گفتگو ضرور کروں گا۔"
"مناسب!"
"خیر' اب کل کا پروگرام سوچو۔"
"کوئی خاص پروگرام؟"
"یار۔ اپنے جگری دوست کو بار بار کیوں بھول جاتے ہو۔ کیا شمشیر الدولہ کی حسین صورت نگاہوں سے اوجھل ہوسکتی ہے؟"
"اچھا۔ ہاں' تو گویا تم اس کے پیچھے پڑ ہی گئے۔"
"ہائے۔ وہ چیز ہی ایسی ہے۔ تمہیں میں اس کے بارے میں تفصیل معلوم کرتا ہوں۔" طالوت نے کہا اور پھر اس نے راسم سے شمشیر الدولہ کا کچا چٹھا بیان کردیا۔
"یہاں کے ایک معروف بازار میں اس کی قالینوں کی بہت بڑی فرم ہے اور شہر کے ایک خوب صورت علاقے میں اس کی کوٹھی ہے جہاں وہ اپنی بیوی کے ساتھ رہتا ہے۔"
"ہوں۔" طالوت گہرے خیال میں ڈوب گیا۔ اس نے راسم کو واپسی کا اشارہ کردیا تھا۔ کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ بولا "ہم اس کی فرم ضرور دیکھیں گے اور عارف! کیا تمہیں کسی کاروبار سے دلچسپی نہیں ہے؟"
"کیوں نہیں لیکن تمہارا مطلب کیا ہے؟"
"یار۔ شمشیر الدولہ کی فرم کے سامنے اگر ہمارا شوروم نہ ہو تو پھر بات ہی کیا بنی۔"
"اوہ! طالوت کسی کی روزی پر۔۔۔"
"یار بس تفریح۔۔۔ وہ چمک جائے۔ ہمیں کون سا کاروبار کرنا ہے۔" میں خاموش ہوگیا۔ طالوت جیسے بدمعاش کو کون روک سکتا تھا۔
دوسرے دن ناشتے کے بعد وہ اجازت لے کر نکل گیا۔ آج وہ شکیلہ کو بھی ساتھ نہیں لے گیا تھا۔ پھر شام ہی کو واپس آگیا۔ اس نے دن بھر کی مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہاں شام کی چائے پر اس نے معمولی انداز میں تذکرہ کیا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کچھ کارروائی کرکے آیا ہے۔ یہ تذکرہ اس نے تنویر صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے کیا تھا۔
"آپ کا شہر بے حد خوب صورت ہے تنویر صاحب!
میں نے والد صاحب سے اجازت منگوائی تھی کہ کیوں نہ یہاں کوئی کاروبار کیا جائے۔"
"اوہو۔ عمدہ خیال ہے پھر کیا اجازت مل گئی؟"
"ہاں۔ انہوں نے ہمیں مختار کردیا ہے۔ دراصل ہم تو ہمیشہ کے آوارہ گرد ہیں۔ حکومت کے کام سب سے بڑے بھائی نے سنبھال رکھے ہیں اس لیے ہمیں کھلی آزادی ہے۔ بلکہ صائم بھائی نے تو اسی شہر میں رہنے کی اجازت بھی لے لی ہے۔"
"بہت خوب بھئی۔ آپ کی دلی مسرت ہوئی یہ سن کر۔" تنویر صاحب کے علاوہ تو اب جلال الدین نے بھی خوشی کا اظہار کیا "اس طرح کم از کم لوگوں کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کا خوف تو نہیں رہے گا۔"
"تو پھر آپ لوگوں کی اجازت ہے؟"
"اجازت کا کیا سوال ہے۔ اس سے زیادہ مسرت کی بات کیا ہوگی لیکن کیا کاروبار کا ارادہ کرلیا ہے؟"
"ہاں۔"
"بہت خوب! کیا؟"
"خیر ممالک سے قالینوں کی تجارت عمدہ رہتی ہے۔"
"اوہ! کسی سے مشورہ کیا ہے؟"
"ہاں! آج بھی اسی سلسلے میں گیا تھا۔"
"بہت عمدہ! بھئی بڑے عملی انسان ہو پھر کیا رہی؟"
"یہاں کے ایک خوب صورت علاقے میں' میں نے آج ایک بلڈنگ کا سودا کیا ہے۔ نہایت حسین بلڈنگ ہے۔ ابھی تعمیر ہوئی ہے۔"
"پوری بلڈنگ خرید لی ہے؟" تنویر صاحب حیرت سے بولے۔
"ہاں۔ میرا شوروم' ہمارے شایان شان ہوگا۔" طالوت نے کہا اور میں نے گہری سانس لی۔
"کیا وہ بلڈنگ برائے فروخت تھی؟"
"جی نہیں۔ لیکن میں نے اس کے مالک کو اتنی رقم کی پیشکش کی کہ وہ بدحواس ہوگیا۔ اس نے فوراً ہی ان لوگوں سے رابطہ قائم کیا جو اس میں تھے اور انہیں اتنی دولت کی پیشکش کی کہ تقریباً سبھی تیار ہوگئے۔ اتنی دولت وہ کاروبار میں محنت کرکے دس سال تک بھی نہیں کما سکتے تھے۔"
"بھئی وہ کہاں ہے؟ ہمیں بھی تو اس کے بارے میں بتاؤ۔" تو اب جلال الدین نے کہا۔
"صرف چند روز انتظار کریں۔ میں اس کی اصل شکل آپ کے سامنے پیش کروں گا۔" طالوت نے جواب دیا اور

لوگ خاموش ہوگئے لیکن میرے تو پیٹ میں ہانڈی پک رہی تھی' چنانچہ ذرا سی تمہید ملتے ہی میں نے اسے پکڑ لیا۔
"اور یہ عمارت یقیناً شمشیر الدولہ کی فرم کے سامنے والی ہوگی؟"
"یقیناً!"
"اور تم نے اس کے مالک کو اتنی ہی رقم کی پیشکش کی ہوگی کہ وہ بادل نخواستہ تیار ہوگیا؟"
"یہ بھی ٹھیک ہے۔"
"بہرحال' تمہیں کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔ اب کیا پروگرام ہے؟"
"کچھ دوسرے انتظامات میں نے راسم کے سپرد کردیے ہیں۔ وہ کام کررہا ہے۔" طالوت نے جواب دیا اور میں سمجھ گیا کہ طالوت یقیناً بہت لمبا چکر چلا رہا ہے اور شمشیر الدولہ کی شامت ہی آئی ہے۔
بہرحال شب و روز گزرتے رہے۔ طالوت بے حد مصروف تھا۔ شکیلہ بھی اس کے ساتھ ہوتی کبھی نہ ہوتی۔ وہ گئی بی افشاں تو ان دنوں انہوں نے ایک خوفناک کھیل شروع کر رکھا تھا' جس میں کسی حد تک بوکھلا گیا تھا۔ یعنی مجھ سے بے پناہ لگاؤ کا اظہار اور اس انداز میں کہ دوسروں کی نگاہوں میں آجائے۔ میں اس چالاک لڑکی کا مقصد سمجھ گیا تھا۔
بالآخر وہ دن آگیا جب طالوت کے گھر جانے کا دن آگیا۔ اس نے مجھے ہدایات دیں' میں چلا گیا۔ اس کی غیر موجودگی سب ہی محسوس کررہے تھے لیکن یہ کہہ کر بات بنا دی گئی تھی۔ ہاں' دوسری رات کچھ دلچسپ باتیں ہوئیں۔ افشاں بی نے باغ میں محفل لگائی تھی۔ سب شریک تھے۔ یہاں تک کہ بزرگ بھی' اور افشاں نے ان کی موجودگی میں میری خاطر مدارات کی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اس رات تو وہ حد ہی ہوگئی جب بہت سی نگاہیں اس پر اٹھنے لگیں۔
اور جب رات گئے محفل برخاست ہوئی اور سب رخصت ہوئے تو میں بھی اپنے کمرے میں آگیا لیکن ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی اور نیند بھی نہیں آئی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں چونک پڑا۔ میرے ذہن میں الجھن سی پیدا ہوگئی اگر یہ افشاں ہے تو اس وقت اس نے آکر اچھا نہیں کیا۔ میں نے لوگوں کی نگاہیں دیکھی تھیں۔ اگر اسے یہاں دیکھا گیا تو یہ ٹھیک نہ ہوگا۔
بہرحال میں نے دروازہ کھول دیا۔ سیمیں اور احسان کو دیکھ کر میں نے سکون کی سانس لی۔ سیمیں مسکرا رہی تھی اور احسان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ تھی۔
"صائم بھائی! آپ سو تو نہیں گئے تھے؟"
"نہیں!"
"حالانکہ خاصی رات ہوچکی ہے۔"
"ہاں' نیند نہیں آئی۔"
"خدا کا شکر ہے۔" احسان نے شرارت سے کہا۔
"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔
"گویا یہاں بھی نیندیں اڑی ہوئی ہیں۔" احسان مسکراتا ہوا بولا۔
"خوب! گویا کسی شرارت کا پروگرام بنا کر آئے ہیں آپ حضرات۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"توبہ توبہ توبہ! اس گستاخی کی جرات ہوسکتی ہے صائم بھائی۔" سیمیں نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔
"پھر کیسے تشریف آئی؟" میں نے پوچھا۔
"ایک خاص مسئلے پر گفتگو کرنے حاضر ہوئے ہیں اور اس تصور کے ساتھ کہ آپ کے کوئی ہیں اور آپ پر حق رکھتے ہیں۔"
"اوہو۔ تو کوئی جذباتی مسئلہ ہے؟"
"ہاں۔ یونہی سمجھ لیں۔"
"مسئلہ پیش کیا جائے۔"
پہلے کہیں کہ خدا کی قسم جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔" سیمیں شرارت سے بولی۔
"میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔"
"آپ کو سیمیں کی قسم صائم بھائی! جھوٹ نہ بولیں۔"
"ارے ارے احسان! کیا ہوگیا ہے اسے؟" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔
"ماشاءاللہ خاصی ذہین ہوگئی ہیں بھائی جان۔"
"اچھا ذہین صاحبہ! اب آپ فرمادیں' کیا سلسلہ ہے؟"
"یہ افشاں بیگم کس موڈ میں ہیں آج کل؟" سیمیں نے کہا۔
"اوہو۔ آپ ان کے موڈ کے بارے میں پوچھنے آئی ہیں؟"
"جی۔"
"لیکن آپ سے کس نے کہا کہ میں ان کا پرائیویٹ سیکریٹری ہوں؟"
"سیکریٹری نہ ہوں بھائی جان لیکن پرائیویٹ ضرور ہیں۔" سیمیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"سیمیں!"

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

"خدا کی قسم بھائی جان۔ سیمیں ہی نہیں' سب نے یہ بات محسوس کی ہے۔ نہ جانے افشاں کو کیا ہو گیا ہے۔ حالانکہ خاصی سنجیدہ لڑکی ہے۔"

"یہ بات آپ نے افشاں سے کیوں نہیں پوچھی؟"

"اس سے بھی پوچھیں گے۔"

"جو کچھ معلوم ہو مجھے بھی بتا دینا اور اب میرے کان نہ کھاؤ۔" میں نے کہا۔

"میری قسم پر بھی نہیں بتائیں گے بھائی جان۔" سیمیں نے کہا۔

"سیمیں! فضول باتوں سے پرہیز کرو۔" میں نے خشک لہجے میں کہا اور اچانک سیمیں کا چہرہ اتر گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور پھر اس نے بے بسی سے احسان کی طرف دیکھا۔ احسان پریشان سا ہو گیا تھا۔

"بھائی جان کی نیند خراب کر دی ہے تم نے سیمیں۔ میں نے پہلے ہی کہا تھا یہ سونے کا وقت ہے' پھر کبھی سہی۔ آؤ۔ بھائی جان کو سونے دیں۔" احسان نے سیمیں کا بازو پکڑا اور پھر وہ دونوں مڑ گئے "واقعی' حماقت ہوئی صائم بھائی۔ ہم دونوں معافی چاہتے ہیں۔" احسان نے مڑ کر کہا اور پھر وہ سیمیں کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا دروازے کی طرف مڑ گیا۔

مجھے ایک دم اپنے خشک لہجے کا احساس ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل پر ایک گھونسا سا پڑا۔ ان دونوں کو غلط فہمی ہو گئی اور اب یہ شرمندگی سے واپس جا رہے تھے۔

میں تیزی سے آگے بڑھا اور چھلانگ لگا کر دروازے پر پہنچ گیا۔ میں نے ان دونوں کا راستہ روک لیا تھا "کہاں جا رہے ہو تم دونوں؟"

سیمیں کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ احسان نے بے قراری سے اس کے رخسار صاف کر دیے تھے۔ اس سے اس کی بے پناہ محبت کا احساس ہوتا تھا اور پھر اس نے بے بسی سے میری طرف دیکھا۔ ہونٹ ہلے لیکن آواز نہیں نکلی۔

"چلو۔ واپس بیٹھو۔" میں نے پھر اسی طرح ڈپٹ کر کہا اور احسان کے ہونٹوں پر پھیکی سی ہنسی آ گئی۔ اس نے بے بسی سے سیمیں کی طرف دیکھا۔

"بس ہم نہیں بیٹھیں گے۔ آؤ چلو۔ ہم نہیں بیٹھیں گے۔ ٹھیک تو ہے۔ ہم ہیں کون۔ ہمارا رشتہ ہی کیا ہے۔ صرف زبان سے۔ زبان سے۔۔۔ بہن یا بھائی کہہ دینے سے خون تو نہیں مل جاتے۔" وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی اور جذبات سے میرا سینہ پھٹنے لگا۔

اس دیوانی کو کیا معلوم تھا کہ مجھے نہ بہن کی محبت ملی تھی نہ بھائی کا پیار' نہ ماں کی ممتا ملی تھی نہ باپ کی شفقت۔ یہ محبت تو میرے لیے انمول تھی۔ میں جذبات سے اندھا ہو کر آگے بڑھا اور میں نے سیمیں کو بازوؤں کے حلقے میں لے لیا اور پھر میں نے اس کی پیشانی پر' آنکھوں پر' رخساروں پر' گردن پر' بالوں پر' بازوؤں پر اتنے پیار کیے' اتنے پیار کیے کہ سیمیں بوکھلا کر رونا بھول گئی۔ وہ ششدر رہ گئی تھی۔ احسان بھی بھونچکا ہو کر مجھے دیکھ رہا تھا اور میں سیمیں کو زور زور سے بھینچ رہا تھا۔ میرا پورا بدن لرز رہا تھا۔ نہ جانے کیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی اور میری آنکھوں سے آنسو ابلنے لگے تھے۔ سیمیں نے میرے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی نہ ہی وہ کسمسائی اور میں اسے شدت جذبات میں چومتا رہا پھر میں نڈھال ہو گیا اور میں نے آہستہ سے سیمیں کو چھوڑ دیا۔

"بھائی جان۔ بھائی جان!" احسان نے رومال سے میرے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا "کیا ہو گیا آپ کو بھائی جان۔"

"صائم بھائی۔ صائم بھائی۔" سیمیں نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا۔

"مجھ سے غلطی ہو گئی تھی سیمیں لیکن۔ لیکن میں تم سے اجنبیت نہیں برتی تھی۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"ارے کوئی بات نہیں۔ خدا کی قسم! میرا دل صاف ہو گیا۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"مجھ سے میری اس کیفیت کے بارے میں کچھ مت پوچھنا احسان۔ میں تمہارا شکر گزار رہوں گا۔ صرف اتنا سمجھ لو کہ سیمیں کے خلوص نے' سیمیں کی اپنائیت نے مجھے۔۔۔" میں کوئی الفاظ نہ تلاش کر سکا۔

"جانے دیں بھائی جان' کوئی بات نہیں۔ آپ خواہ مخواہ سنجیدہ ہو گئے۔ بھئی سیمیں! اس وقت تو بڑی گڑبڑ ہو گئی۔ ہم کیا سوچ کر آئے تھے' کیا ہو گیا۔"

"بیٹھو تم لوگ۔ بیٹھ جاؤ!" میں نے کہا اور سیمیں اور احسان بیٹھ گئے۔ اب ان کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔ سیمیں کی گردن جھکی ہوئی تھی۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ یہ مسکراہٹیں بکھیرنے والے بھی زندگی کے کسی دور میں اس قدر سنجیدہ ہو سکتے ہیں۔ خدا کی قسم میں تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"آئی ایم سوری سیمیں۔ سوری احسان! میں نے تم لوگوں کو بھی کبیدہ کر دیا۔"

"صائم بھائی! خدا کے واسطے شرمندہ نہ کریں۔ ہم ہی کچھ غلط ہو گئے تھے۔"

"بات یہ ہے احسان۔۔۔ کہ۔۔۔ میں تم لوگوں کو بہت چاہتا ہوں۔ ہم لوگ بھی مکمل نہیں ہیں۔ ہمیں بھی بہت سی چیزوں کی کمی محسوس ہوتی ہے اور ہمیں تم سے اپنائیت اور محبت ملی ہے۔ ہمارے لیے وہ بیکار شے نہیں ہے۔"

"بے شک بھائی جان ہم بھی خدا کی قسم آپ پر جان دیتے ہیں۔"

"مجھے احساس ہے۔" میں نے جواب دیا "اب بتاؤ' تم کس پروگرام سے آئے ہو؟"

"جانے دیں بھائی جان! سیمیں کی حماقت تھی۔" احسان نے کہا۔

"اور خود بے چین نہیں تھے؟" سیمیں بولی۔

"تھا تو سہی!" احسان نے اعتراف کیا۔

"پھر؟"

"مگر اب اس کی کیا گنجائش رہی؟" احسان نے کہا۔

"ہاں ماحول کچھ خراب ہو گیا۔" سیمیں نے میری شکل دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانے دیں بھائی جان' اس موضوع پر پھر گفتگو کریں گے۔"

"تم لوگ یہاں سے نکل نہیں سکتے۔" میں نے غراتے ہوئے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

"لیکن ہمارے تو بہت سے پروگرام تھے؟" سیمیں بولی۔

"تو پھر اب کیا ہو گیا؟"

"بس ذرا فضا بدل گئی۔ وہ چیز باقی نہیں رہ گئی۔"

"سب کچھ وہی ہے۔ پچھلے کچھ منٹ ذہن سے خارج کر دو۔ جذبات میں حماقت کی باتیں ہو ہی جاتی ہیں۔"

"یہ بات مناسب بات ہے۔" احسان نے کہا۔

"لیکن ایک شرط ہے بھائی جان۔" سیمیں شرارت سے بولی۔

"چلو وہ بھی بتا دو۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا۔

"وہ لمحات جو ابھی ذہن سے نکال دیے ہیں اور ان میں سے کچھ کام کے بھی تھے۔ کیا آپ ہمیں ان کے استعمال کی اجازت دیں گے؟"

"بہت شریر ہو۔ اب جلدی سے بک دو کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"اللہ شافی اللہ کافی!" سیمیں نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا اور پھر کسی قدر تپی آواز میں بولی "جناب قبلہ بھائی جان' یہ افشاں کا کیا سلسلہ ہے؟ احسان ذرا میرے سامنے آ جانا۔ میری آنکھیں بند ہیں' میں انہیں کھول نہیں سکتی۔ حملہ سخت ہو تو حقوق شوہریت استعمال کرنا۔ میرا مطلب ہے زخمی نہ ہو جاؤں۔"

میں ایک لمحے کے لیے بوکھلا گیا تھا لیکن پھر سنبھل گیا۔ افشاں نے اپنے رویے سے یہ راز دوسروں کی نگاہوں تک پہنچا دیا تھا۔ وہ خود ہی اس کی پردہ پوشی نہیں چاہتی تھی تو پھر میں کہاں تک اسے پوشیدہ رکھتا۔

"احسان! کیا پوزیشن ہے؟" سیمیں نے آنکھیں بند کیے کیے پوچھا۔

"نارمل!" احسان نے جواب دیا۔

"دشمن غیض و غضب میں تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ مسکرا رہا ہے۔"

"خدا کا شکر ہے۔" سیمیں نے آنکھیں کھولیں "کیا بندی کو اس گستاخی پر معاف کر دیا گیا ہے؟"

"آخر یہ بکواس کیا ہے؟"

"آپ کو سیمیں کی قسم بھائی جان' اپنی بہن سے کچھ نہ چھپائیں۔"

"اوہ! مگر مسئلہ کیا ہے؟ کیا ہو گیا اتنی رات گئے تم دونوں کو؟"

"ہمیں افشاں ہو گئی ہے۔" سیمیں بولی۔

"خطرناک مرض ہے' علاج کراؤ۔" میں نے کہا۔

"اسی لیے تو آپ کے پاس آئے ہیں۔"

"سیمیں کی بچی باز نہیں آؤ گی۔" میں نے مصنوعی طور پر آنکھیں دکھاتے ہوئے کہا۔

"ہرگز نہیں بھائی جان۔ ماری گئی تو شہادت کا درجہ ملے گا۔"

"احسان! یہ کیا بکواس کر رہی ہے؟" میں نے احتجاج کیا۔

"میں دخل نہیں دے سکتا بھائی جان۔"

"کیا تم بھی اس سازش میں شریک ہو؟"

"الحمد للہ!" احسان نے سر جھکا کر کہا۔

"میں مار بیٹھوں گا تم لوگوں کو۔"

"تو آئے کس لیے ہیں۔ لیکن جب آئے ہیں تو کچھ لے کے ہٹیں گے۔"

"انشاء اللہ!" احسان نے کہا اور دونوں کی اداکاری پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"اچھا بھئی' چلو شکست تسلیم' اب عقل کی گفتگو کرو۔"

"افشاں۔ صرف افشاں! خواہ اس کا تعلق عقل سے ہو یا نہ ہو۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

"آخر کیا ہو گیا افشاں کو؟"

"بھائی جان' وہ عقل کی باتیں نہیں کر رہی۔ براہ کرم اب سنجیدہ ہو جائیے۔" سیمیں نے بھی سنجیدہ ہو کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کیا آپ نے اس کے رویے کو محسوس نہیں کیا؟"

"کھل کر بتاؤ۔"

"آپ ناراض تو نہیں ہوں گے؟"

"نہیں ہوں گا۔"

"وہ آپ کی طرف بے پناہ ملتفت ہے۔ آپ کو خدا کی قسم' آپ بتائیے' کیا آپ نے محسوس نہیں کیا؟"

"ہاں کیا ہے۔"

"وہ بچپن کر رہی ہے۔ تمام لوگ اسے غور سے دیکھنے لگے ہیں۔"

"ہاں شاید۔"

"لیکن بھائی جان' خدا کے واسطے یہ بتائیے کہ اس کا ہو گا کیا؟"

"سیمیں! یہ مجھ سے پوچھ رہی ہو؟"

"ہاں۔ آپ بتا سکتے ہیں' صرف آپ!"

"وہ کس طرح؟"

"افشاں جرم کر رہی ہے' وہ حماقت کر رہی ہے۔ ایسا نہ ہو بھائی جان کہ وہ دنیا کی نگاہوں میں آ جائے۔ اور اس کے بعد اسے رسوائی کے سوا کچھ نہ ملے۔"

"وہ کس طرح؟"

"اسے احساس ہو جانا چاہیے کہ.... کہ وہ آپ کے قابل نہیں ہے۔"

"کیوں؟" میں نے کہا۔

"اس لیے کہ اس کی حیثیت آپ سے کہیں کمتر ہے۔ وہ آخر آپ کو کیسے اپنا سکتی ہے؟"

"سیمیں! سیمیں بولتے وقت عقل کچھ بیٹھتی ہو۔ بولے جا رہی ہو کہ غور بھی کر رہی ہو۔" احسان نے درمیان میں دخل دیا۔

"کیا مطلب؟"

"ارے تم بھائی جان کے جواب بھی سن رہی ہو؟"

"ہاں سن رہی ہوں۔"

"خاک سن رہی ہو۔ بلفہ کانوں کے ساتھ دماغ بھی استعمال کرو۔ غور کرو۔ ابھی ابھی بھائی جان نے کیا کہا ہے؟" احسان مسرت سے سرخ ہوتے ہوئے بولا اور اس کی اس بوکھلاہٹ پر مجھے ہنسی آ گئی۔

"آخر ہوا کیا احسان؟" سیمیں نے حیرت سے کہا۔

"تم نے کہا تھا' اسے احساس ہو جانا چاہیے کہ وہ بھائی جان کے قابل نہیں ہے' تو بھائی جان نے کیا سوال کیا تھا؟"

"اں؟ اوہ۔ مجھے یاد نہیں۔"

"یہی تو کہہ رہا ہوں۔ کم بولو' زیادہ سوچو۔"

"ارے تو بتاؤ نا؟" سیمیں ٹھنک کر بولی۔

"انہوں نے کہا تھا' کیوں؟"

"تو پھر؟"

"خدا کی پناہ! اس کیوں پر غور کرو سیمیں۔ اس کا مطلب ہے بھائی جان سوال کر رہے ہیں کہ آخر وہ میرے قابل کیوں نہیں ہے؟ گویا ہے۔" احسان سے لہا اور سیمیں اچھل پڑی۔

"ارے خدا کی قسم۔ ہاں خدا کی قسم' ٹھیک ہے بھائی! میں نے غور نہیں کیا۔ پیارے بھائی جان! آپ کو میری قسم بتا دیں۔ کیا آپ سیمیں کو قبول نہیں کر سکتے؟"

"کیوں۔ کوئی خرابی ہے مجھ میں؟"

"آپ میں۔ ارے نہیں۔ اوہ۔ احسان۔ یہ۔ یہ کیا ہوا۔ ارے احسان' بھائی جان تیار ہیں۔" سیمیں مسرت سے چیختے ہوئے بولی اور احسان نے جلدی سے اس کا منہ دبا دیا "چھوڑو احسان! چھوڑو۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔ بس' چیخنے دو مجھے۔"

"کپڑا ٹھونس دوں گا میں۔ میں نے اپنا راز تمہیں اس لیے بتایا ہے کہ سب کو بتا دو۔"

"بلفہ بھائی جان۔ ایک بار اور کہہ دیں' آپ افشاں کو اپنانے پر تیار ہو جائیں گے؟" سیمیں فرط مسرت سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔

"ہاں بھئی' میرے زبردستی کے رازدارو۔

راز ہستی راز ہے جب تک کوئی محرم نہ ہو
کھل گیا جس دم تو محرم کے سوا کچھ بھی نہیں

چنانچہ اب سارے معاملات تمہارے سپرد' لیکن دیکھو۔ کوئی ٹریجڈی نہ ہونے دینا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم' جان لڑا دوں گی۔ سمجھا کیا ہے آپ نے۔ اپنے بھیا کے لیے جان نہ دے دوں گی۔ میرے لیے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہو سکتی ہے اور پھر خنویر انکل کو ایسا داماد کہاں سے ملے گا۔ ایں!"

"بڑی بھولی ہو سیمیں! ارے یہ برابر کی ٹاک ہے لیکن بہرحال ہمارے لوہر بہت سی ذمے داریاں آ پڑی ہیں۔"

احسان نے بوڑھوں کے سے انداز میں کہا۔

"اچھا۔ بس اب بھاگو تم لوگ' مجھے سونے دو۔" میں نے کہا اور دونوں قہقہے لگاتے رہے۔

احسان اور سیمیں خوش خوش واپس چلے گئے لیکن میری نیند اڑ گئی تھی۔ حشمت برادرز کا ایک کلرک' ایک معمولی سا انسان' اتنی بڑی خوشی سے دو چار ہونے جا رہا تھا۔ کیسی انوکھی بات تھی میرے لیے' طالوت کے ساتھ ایک طویل عرصہ گزرا تھا' ایک انوکھی زندگی گزری تھی لیکن یہ حقیقت تھی۔ میں نے اس پوری زندگی کو الف لیلہ کی ایک رات سمجھا تھا' جس کی صبح ہو گی۔ آنکھ ضرور کھلے گی اور آنکھ کھلنے کے بعد میں فلاش ابوالحسن کے علاوہ کچھ نہیں ہوں گا۔

لیکن میں تو ابوالحسن کی مانند بھی نہ ہوں گا۔ وہ دیوانہ تو آزادی سے سڑکوں پر پھرتا تھا۔ میرے لیے تو سخت کھردری رسی کے علاوہ کچھ نہیں تھا' جو میری گردن کو لمبا کر دے گی۔ زبان اور آنکھیں باہر نکل آئیں گی۔ ہاں الف لیلہ کی اس حسین رات کے حسین واقعات کے بعد میری آنکھ کھلے گی تو ہمیشہ کے لیے بند ہونے کے لیے اور یہ خوفناک تصور میں نے ذہن کے آخری گوشوں میں نہاں رکھا تھا۔ یہ تصور جس دم ابھرتا میرے پورے بدن کے مسامات پسینہ اگل دیتے۔

میں تو کسی سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا۔ اپنے اس خوف کو کسی کے سامنے بیان بھی نہیں کر سکتا تھا۔ بیان کرنے کے لیے تھا کون' سوائے طالوت کے اور طالوت ان باتوں کو سن کر ناراض ہو جاتا تھا۔ اسے یہ بے اعتمادی پسند نہیں تھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ جب مجھ سے جدا ہو گا تو دنیا سے۔ پھولوں کے بستر کے علاوہ کچھ نہ ہو گی۔ سچ بات ہے' مجھے یقین نہیں تھا۔ طالوت کی قوتیں مسلم تھیں لیکن میری دنیا اس کی دنیا سے مختلف تھی۔ وہ سب کچھ مشکل تھا جو طالوت سوچ رہا تھا۔ خلا کائناتوں کے ڈھیر بھی پھولوں کے بستر میں بدل سکتے ہیں' میں نہیں مان سکتا۔

لیکن طالوت چل گئے تھے اور اس انوکھے انداز میں چلے تھے کہ شاید طالوت کو بھی اتنی آسانیوں کی امید نہیں تھی۔ وہ صرف یہ چاہتا تھا کہ میری شکل بدل دے لیکن بدلی ہوئی شکل کے ساتھ بھی میں اس طرح خوش نہیں رہ سکتا تھا لیکن اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا تھا اور اس انداز میں ٹھیک ہوا تھا کہ مجھے اب بھی یقین نہیں آتا تھا۔

اور پھر اس کے بعد کے حالات' میں نے اپنی پوری زندگی گوش گزار کر دی ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں ڈھرتا برا انسان نہیں تھا۔ ایک سیدھا سادا کلرک۔ اگر زرینہ مجھ سے بے وفائی نہ کرتی تو شاید آج وہ میری بیوی ہوتی۔ ہمارا ایک چھوٹا سا گھر ہوتا اب تک دو چار بچے ہوتے۔ زرینہ بھی شاید گھرانے کو خوش حال رکھنے کے لیے ملازمت کر رہی ہوتی۔ نہ جانے کیسی زندگی ہوتی۔ اپنے طور پر میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ میں ایک اچھا شوہر' ایک اچھا باپ ہوتا۔

لیکن ایک عورت کی بے وفائی نے میری صورت بدل دی تھی۔ اگر قسمت یاور نہ ہوتی تو جیل میں سڑ رہا ہوتا۔ اگر بات صرف غبن تک ہی رہتی اور اگر حالات زیادہ سنگین شکل اختیار کر جاتے تو پھر اب تک میں بھی کاموت کی آغوش میں جا سوتا اور میری زندگی کے زیاں میں میرا کوئی قصور نہ ہوتا۔

کیسی انوکھی بات ہے' انسان سیدھا سچا رہنا چاہتا ہے' دنیا اور اہل دنیا کے ساتھ مصالحت اور محبت کی زندگی کا خواہش مند ہوتا ہے لیکن بعض اوقات یہ دنیا والے' اس کے پاس کچھ بھی نہیں رہنے دیتے۔ اس کا خلوص' اس کی محبت' اس کی سادگی سچائی سب چھین لیتے ہیں۔

کاش ایجادات کرنے والے' کاش جہاز بنانے والے' راکٹ اڑانے والے' چاند پر اترنے والے' چاند سے پہلے اس زمین کے مسائل حل کر سکتے۔ کاش وہ کوئی ایسا آلہ بھی ایجاد کر دیتے جو صحیح مجرم کی تشخیص کر سکتا جو بتا سکتا کہ معاشرے کو تباہ کرنے والا وہ نہیں ہے' جس نے کسی کی گردن کاٹ دی ہے۔ اصل مجرم وہ ہے جس نے اس جرم کی طرف تحریک دلائی ہے' جس نے اسے جرم پر مجبور کیا ہے۔ کاش لیکن۔ لیکن۔ میں نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔

خیالات کا ریلا اس طرح آیا تھا کہ وقت کا تعین ہی نہیں ہو سکا۔ دور کہیں گھڑیال نے دو بجائے۔ میں نے آنکھوں میں نیند تلاش کی لیکن دور دور تک اس کا نشان نہیں ملتا تھا۔ میں نے بے چینی سے کروٹ بدلی اور پھر افشاں کی حسین شکل میری نگاہوں میں در آئی۔ ہر طرح سے ایک مکمل لڑکی' تعلیم یافتہ' خوش مزاج' خوش مذاق' سنجیدگی سے محبت کرنے والی۔ کتنی صاف ستھری گفتگو کی تھی اس نے' حقیقتوں سے نزدیک' گفتگو' جس میں تلاش کے باوجود فریب نہیں تھا۔ اس کے علاوہ باعزم بھی تھی' ہمت بھی رکھتی تھی۔ بلاشبہ بیوی کی حیثیت سے وہ اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

حالانکہ جو حادثات مجھے پیش آئے تھے' ان میں بہت سی لڑکیوں کا کردار تھا۔ نرگس رحمانی اور دوسری کئی لڑکیوں نے مجھے متاثر کیا تھا لیکن اس وقت حالات دوسرے تھے۔ میں نے ان پر توجہ ہی نہیں دی تھی۔ اس وقت خود میری حیثیت

Uploaded By Muhammad Nadeem

کیا تھی لیکن اب' میں نے حسرت بھرے انداز میں سوچا۔ اب تو میں اپنے ہی وطن میں' اسی جگہ جہاں میں ملعون و مطعون ہوا تھا' سرخ رو تھا۔ میرے اوپر سے الزامات ہٹ چکے تھے۔ خاص طور سے انگلیوں کے نشانات والے کمال نے سارے اندیشے بے بنیاد ثابت کردیے تھے اور بہرحال یہ طالوت کا ایک کارنامہ تھا۔ جس نے مجھے بہت مدد دی تھی۔

تو اب' ویسے تنویر صاحب اس سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کریں گے' خاص طور سے نواب جلال الدین کی موجودگی میں۔ اگر انہوں نے ہمارے بزرگوں کو طلب کیا تو نواب جلال الدین موجود ہیں۔ افشاں کے سامنے میں کسی فریب سے کام نہیں لینا چاہتا تھا لیکن اپنی شخصیت کا جھوٹ تو ساری زندگی نبھانا ہوگا۔ خدا مجھے معاف کرے۔ میں اس مخلص لڑکی کے سامنے بھی حقیقت نہیں بیان کرسکتا تھا' مجھے بہت تجربہ ہوچکا تھا۔

ضمیر کا بوجھ ایک مسلم حقیقت رکھتا ہے لیکن حالات شاہد رہے ہیں کہ بعض اوقات سچ اور خلوص بھی اس دنیا کے قابل قبول نہیں ہوتا۔ میری تو پوری زندگی ہی اس تجربے کا نچوڑ تھی' چنانچہ میں نے فیصلہ کرلیا کہ یہ بوجھ ہمیشہ برداشت کروں گا۔ عورت میرے لیے نئی نہیں ہوگی لیکن افشاں کو میں ہمیشہ اپنی زندگی کی نئی عورت سمجھوں گا۔

اور اس وقت نیند میرے نزدیک آنے کو تیار نہیں تھی۔ میں نے بار بار خیالات کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کی لیکن افشاں کی تصور نگاہوں میں جمی ہوئی تھی۔

اور جب نیند کی کوئی صورت نہیں رہی تو میں اٹھ گیا اور اپنے کمرے سے نکل آیا۔ اس وقت میرے علاوہ اس کوٹھی میں کون جاگ رہا ہوگا۔ میں نے سوچا۔ کون میری مانند دیوانہ ہے۔ چنانچہ کسی سے ملنے یا گفتگو کرنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا پھر اس وقت باغ کی ٹھنڈی ہوا ہی سکون بخش ہوگی۔ کسی کو شبہ کرنے کا موقع دینا بھی حماقت ہے' چنانچہ میں دبے پاؤں باغ میں نکل آیا۔ درحقیقت باغ کی فضا اس وقت بے حد حسین تھی۔ ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تاروں کی مدھم روشنی چاند کی کمی پوری کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف تھی۔ ہوا چل رہی تھی۔

میں نے حوض کے کنارے ایک بنچ پر بیٹھ کر گہری سانس لی اور بنچ پر لیٹ کر سر اس پر رکھ دیا۔ ٹھنڈے پتھر نے بے حد سکون بخشا لیکن پھر کسی کے قدموں کی چاپ سن کر میں چونک پڑا۔

یقیناً انسانی قدموں کی چاپ تھی اور میں نے گردن اٹھا کر دیکھا اور پہچان لیا۔ میرا دل مسرت سے دھڑک اٹھا کیونکہ وہ افشاں تھی۔

اس وقت افشاں ذہن کے گوشے گوشے سے مسرت چھوٹ پڑی۔ اس تنہائی میں کسی مونس کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی اور وہ اگر افشاں تھی تو پھر اب باقی کیا رہ گیا تھا۔

میں سکرات کے عالم میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے بدن سے اٹھنے والی خوشبو مجھے اس کے قرب کا احساس دلا رہی تھی۔ افشاں میرے قریب پہنچ کر کھڑی ہوگئی۔ وہ بھی خاموش تھی۔ اس کے جذبات بھی اس کی گویائی سلب کررہے تھے۔ میں نے دوبارہ گال بنچ پر رکھ دیا اور تاروں کی چھاؤں میں کھڑی افشاں کو دیکھنے لگا۔

واقعی عجیب پوزیشن تھی۔ جذبات چیخ رہے تھے لیکن زبانیں اس طرح خاموش ہوگئی تھیں جیسے بولنا ہی نہیں جانتی ہوں' حالانکہ ہم دونوں عملی دنیا کے انسان تھے۔ حقیقت پسندی کو جذباتیت پر ترجیح دیتے تھے لیکن اس وقت نہ جانے کیا ہوگیا تھا' بولنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔

افشاں شب خوابی کے لباس میں تھی' اس کے بال الجھے الجھے نظر آرہے تھے۔

نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔ افشاں کسی سنگتراش کے شاہکار کی مانند خاموش کھڑی تھی اور میں بنچ پر لیٹا تھا پھر شاید ہم دونوں کو ایک ساتھ ہی ہوش آیا۔ ادھر افشاں کے جسم میں حرکت ہوئی' ادھر میں گھبرائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھا۔ افشاں ایک قدم اور آگے بڑھ آئی۔ اب وہ سنبھل گئی تھی۔

"یہ کیا ہو رہا تھا؟" اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اوہ... وہ... کہاں؟" میں نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں لیٹے تھے یہاں؟"

"بڑی پرسکون جگہ ہے افشاں!" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"آثار اچھے نہیں ہیں۔" افشاں مسکراتی ہوئی بولی۔

"کیا مطلب؟"

"جب تنہائیوں میں سکون ملنے لگے' جب انسان راتوں کو جاگنے لگے تو نہ جانے کیا ہوتا ہے۔"

"بیٹھو افشاں!" میں نے بڑی اپنائیت سے کہا اور افشاں اور آگے بڑھ آئی۔

"جگہ دو۔" اس نے کہا اور میرے برابر بنچ پر آبیٹھی۔

اس کے حالات بھی زیادہ اچھے نظر نہیں آرہے تھے۔

"تم بھی نہیں سوئیں افشاں؟" میں نے پوچھا۔

"بھی' سے کیا مراد ہے؟" اس نے شرارت سے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے' تم کیوں نہیں سوئیں؟"

"آپ کو نیند کیوں نہیں آئی؟"

"تم شرارت کے موڈ میں ہو۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

"قطعی نہیں! لیکن آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"

"ایک ایک سوال' ایک ایک جواب۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"منظور!" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بسم اللہ۔" میں نے کہا۔

"آپ یہاں کس وقت آئے؟"

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔"

"اب آپ سوال کریں گے۔" افشاں نے کہا۔ اس کی آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"اجازت؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جان کی اماں دی جاتی ہے۔"

"آپ کیوں جاگ رہے تھے ظل سبحانی؟" میں نے سوال کیا۔

"ہمارے بستر میں کھٹمل ہوگئے تھے۔" افشاں نے جواب دیا اور ہنس پڑی۔

"غلام جھوٹ کی تشفی ضرور کرسکتا ہے عالی جاہ' اس کی تردید کی جرات نہیں۔"

"اوہ۔ نہایت بزدل غلام ہے۔ خیر ہم سچ بتائے دے رہے ہیں۔ یوسف و زلیخا کا دور تازہ ہوگیا ہے۔"

"ظل الٰہی کی عقل بھی موٹی ہے۔"

"عقل کو ذرا شٹک ہونی چاہیے۔ ہم نے ایک خواب دیکھا تھا۔" افشاں نے کہا۔

"خواب کیا تھا' دیکھا تھا؟"

"دیکھیے غلام! ہمارے خواب پر مسکرائیں گے' نہ ہمارا مذاق اڑائیں گے۔ سنجیدگی سے سنیں گے اور اس پر یقین کریں گے۔"

"تعمیل ارشاد ہوگی۔" میں نے جواب دیا۔

"ہم نے خواب میں آپ کو دیکھا تھا۔"

"زہے نصیب۔"

"ہم نے دیکھا آپ تنہا کھڑے ہیں' اداس ہیں۔ آپ کی آنکھیں خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کررہی ہیں پھر ہم نے دیکھا آپ بے چین ہیں' آپ بہت گھبرا رہے ہیں۔ ہم نے آپ کو آواز دی اور آپ چونک پڑے۔ پھر ہم آپ کے پاس پہنچ گئے۔ ہم نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور۔ اور آپ ٹھیک ہوگئے۔ خدا کی قسم' ہم نے جھوٹ نہیں بولا۔ ہماری آنکھ کھل گئی اور پھر ہم بے چین ہوگئے۔ جب ہمیں چین نہیں آیا تو ہم یہاں نکل آئے اور یہاں آپ کو اس انداز میں دیکھ کر ہم سکتے میں رہ گئے تھے۔"

میں خاموشی سے افشاں کی شکل دیکھ رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے پر بھی میں کچھ نہیں بول سکا۔ نہ جانے دل کی کیسی کیفیت ہوگئی تھی۔

"اب ہماری باری ہے۔" افشاں پھر ہنس پڑی۔

"دیکھیے جناب یہ بے ایمانی ہے۔"

"پلیز افشاں! مجھے معاف کردو۔"

"ہرگز نہیں۔ ہم سے پوچھ لیا اور اب خود۔ ہرگز نہیں جناب' ہرگز نہیں۔"

افشاں بچوں کی طرح ضد کرنے لگی۔ میں بے بسی سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ میں اس سے سچ نہیں بول سکتا تھا۔ میں اپنے اندر سچ بولنے کی جرات نہیں پا رہا تھا۔ میرا سچ مجھے یقیناً نقصان پہنچا سکتا تھا۔ بلاشبہ افشاں نے عورت کی فطرت سے بغاوت کی تھی۔ اس نے پورے خلوص سے میرے سامنے وہ سب کچھ سچ سچ کہہ دیا تھا' جو عورت ذہن میں رکھنے کے باوجود کبھی نہیں کہتی۔

لیکن جو کچھ میں کہتا' وہ افشاں کے ذہن کو منجمد کردینے کے لیے کافی تھا۔ میں اس کی طرح سچ نہیں بول سکتا تھا۔ بھلا میں اس سے کیسے کہتا' افشاں میری بے بینیاں کچھ اور ہیں۔ بحیثیت عورت تم میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں لیکن میں خود کو بھولنے کی کوشش کررہا ہوں' میں اپنے آپ سے اجنبی بن کر خود کو تیار کررہا ہوں کہ عورت کی دنیا کے پہلے انسان کی مانند تمہیں چاہوں اور اپنالوں۔

"صائم صاحب!" افشاں نے مجھے پھر ٹوک دیا۔

"ہوں!" میں خیالات سے چونک پڑا۔

"آپ کی یہ خاموشی شرط کی خلاف ورزی ہے۔"

"میں خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتا افشاں۔"

"میں آپ کو اچھا انسان تسلیم کرتی ہوں۔" افشاں نے میرے ذہن پر ایک اور تازیانہ لگایا لیکن میں خود کو کسی حد تک تیار کرچکا تھا۔

"شکریہ!" میں نے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"تب پھر بتائیے۔"

"کیا بتاؤں؟" میں نے مسکرا کر پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کیوں اپنی خواب گاہ سے نکل بھاگے؟"

"دراصل افشاں' رات کو سیمیں اور احسان میرے کمرے میں آگئے تھے۔"

"اوہو!" افشاں سنبھل کر بیٹھ گئی۔

"میرا خیال ہے' اب ہم لوگوں کی نگاہوں تک پہنچ گئے ہیں۔"

"کچھ کہہ رہی تھیں۔ سیمیں باجی؟"

"ہاں۔" میں نے کہا اور پھر سیمیں اور احسان کی پوری گفتگو اسے سنا دی۔ افشاں کے چہرے پر کسی قسم کا تردد یا پریشانی نہیں تھی۔ وہ دھیمے دھیمے مسکرا رہی تھی۔ میں خاموش ہوگیا۔ وہ دیر تک مسکراتی رہی اور پھر بولی۔

"لیکن اس میں آپ کے لیے پریشانی کی کیا بات تھی؟"

"میں پریشان تو نہیں تھا۔"

"اوہ... پھر؟"

"بس افشاں' خوشیوں کا ہجوم اتنا وسیع ہوگیا کہ کمرا تنگ محسوس ہونے لگا اور میں اس کھلی فضا میں نکل آیا۔ اس وقت تمہارے ہی بارے میں سوچ رہا تھا' جب تمہارے قدموں کی چاپ سنائی دی۔"

"اوہ!" افشاں کے لہجے میں کسی قدر محبوبیت محسوس ہوئی۔ اس نے گردن جھکالی اور میں عجیب سی نگاہوں سے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ کئی منٹ تک میں اسے دیکھتا رہا' پھر میں نے اسے مخاطب کیا۔

"کیوں افشاں' کیا سوچ رہی ہو؟"

"اوں ہوں۔ تھوڑا سا تو شرما لینے دیں' آخر شرم و حیا لڑکیوں کا زیور ہے۔" وہ اسی طرح گردن جھکائے جھکائے مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ ضرور۔" میں ہنس پڑا۔

"بہرحال' حالات ہماری مدد کررہے ہیں۔" چند منٹ کے بعد اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آہستہ آہستہ یہ بات پھیلتی جارہی ہے۔"

"تم اس سے خوف زدہ نہیں ہو افشاں؟"

"نہیں۔" اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

"مجھے حیرت ہے۔"

"کیوں؟ اس میں حیرت کی کیا بات ہے؟"

"اگر میرا مطلب ہے اگر تمہارے والدین اس انداز میں سوچنے پر تیار نہ ہوئے؟"

"یہ ممکن نہیں صائم صاحب! اگر ایسی کسی بات کا امکان ہوتا تو میں خود محتاط ہوجاتی۔ میں ان راستوں پر قدم بڑھانے کی عادی نہیں ہوں' جو آگے جاکر مسدود ہوجاتے ہوں۔"

"تمہیں اتنا یقین ہے؟"

"آپ کو بھی ہونا چاہیے۔"

"واقعی؟"

"یقیناً۔ صائم صاحب! آپ خود سوچیے' مجھے بھی اپنی عزت پیاری ہے۔ میں لاکھ چاہنے کے باوجود آپ کے پاس اس وقت نہیں آسکتی تھی لیکن اب جب صاف ہوں تو پھر کوئی اعتراض میرے نزدیک جائز نہیں۔"

"افشاں! تم عجیب لڑکی ہو۔" میں خود اتنا ہی کہہ سکا۔

"اور آپ کے مقابلے میں غریب بھی۔" افشاں نے کہا اور میں مسکرانے لگا' پھر ہنس پڑا۔ "یوں؟ ہنسی کیوں آئی؟"

"میں بھی کچھ احمقانہ انداز میں سوچنے لگا تھا۔"

"یعنی؟"

"بس' یونہی۔ دل چاہا تھا سوال کروں کہ اگر میں کوئی غریب انسان ہوتا تو کیا تمہاری محبت حاصل کرسکتا تھا؟ ظاہر ہے اس میں ایک پہلو احمقانہ بھی ہے۔"

"اوہ' نہیں خیر' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کی ذات یقیناً محبت کے قابل ہے صائم صاحب! لیکن چند باتیں ضرور ہوتیں۔"

"کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"اگر آپ کوئی غریب اور غیر معروف انسان ہوتے تو اتنے لوگوں کی توجہ ہی نہ حاصل کرپاتے۔ کون آپ کے بارے میں اس انداز سے سوچتا۔ اگر آپ کی مکمل شخصیت میرے سامنے آہی جاتی تو میں یہ ضرور سوچتی کہ آپ ایک اچھے انسان ہیں۔ میں آپ کی عزت کرتی لیکن زندگی گزارنے کا تصور آپ سے وابستہ نہیں کرسکتی تھی۔ مجھے معاف کردیں۔ میں آسمان سے نہیں اتری ہوں۔ ہاں' آپ کی قربت کے بعد' میرا مطلب ہے' آپ سے دائمی طور پر منسلک ہونے کے بعد' کل اگر آپ اچانک فلاش ہوجائیں' خدانخواستہ آپ کے پاس کچھ نہ رہے اور اس وقت آپ' اپنی فطری خودداری سے کام لے کر کسی کی اعانت نہ قبول

کریں تو سن لیں' میری پیشانی پر بل نہیں آئے گا۔ میں اتنی ہی خوشی اور مسرت سے آپ کے ساتھ ملکر مستقبل کے منصوبے بناؤں گی اور اپنے مسائل ٹالنے میں آپ کی معاون بنوں گی۔"

"افشاں!" میں بے اختیار اس کا بازو پکڑ لیا۔

"ایمان [illegible] رہی ہوں۔"

"مجھے یقین ہے۔"

"آپ [illegible] ناراض ہوگئے؟"

"خدا کی قسم نہیں۔ تم نے اس قدر حقیقی اور سچی بات کہی ہے کہ میں اس کی تعریف نہیں کرسکتا۔"

"تو اب۔ بندی کس قابل ہے۔"

"تم بے حد ذہین ہو افشاں!"

"لیکن آپ سے کم۔"

"اوہ' نہیں افشاں! میں کچھ بھی نہیں ہوں۔" میں نے کہا اور افشاں مسکراتی رہی' پھر بولی۔

"یہ صرف انکساری ہے۔"

"کیوں؟"

"اب دیکھیے آپ کتنی خوب صورتی سے وہ سوال گول کرگئے' جو میں مزید آپ سے کرنے والی تھی۔"

"اوہ! کچھ اور بھی سوالات رہ گئے ہیں؟"

"تو پھر کرلیں وہ بھی۔"

"عادل بھائی کہاں گئے ہیں؟" افشاں نے سوال کیا اور میں ایک لمحے کے لیے بوکھلا گیا۔ خاصا خطرناک سوال تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت میں ایک ایسی جذباتی کیفیت میں تھا کہ افشاں سے جھوٹ بولنے... کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن افشاں نے جو حقیقی گفتگو کی تھی' ایک انداز سے وہ خطرے کی گھنٹی بھی تھی' یعنی سارا کھیل بگڑ سکتا تھا اور اس وقت' جب زندگی کی بہت سی گتھیاں سلجھ گئی تھیں' غیر متوقع طور پر کچھ خوشیاں ملنے والی تھیں' میں اپنی کسی جذباتی لغزش سے کھیل خراب نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ فوری طور پر جھوٹ بولنا تھا اور جھوٹ بھی نہایت سلیقے کا' کیونکہ ایک ذہین شخصیت کے سامنے بولا جانے والا تھا۔

"ریاست!" میں نے جواب دیا۔

"اوہ! کسی خاص پروگرام کے تحت؟" افشاں نے پوچھا۔

"نہیں۔ ابو جان سے انہیں کچھ خصوصی مراعات مل گئی ہیں۔ دراصل یہ ایک الجھی ہوئی کہانی ہے افشاں۔" ایسی کہانی' جسے ہم نے ذہنوں سے نکال پھینکا ہے۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"اللہ! ہمیں بھی سنادیں۔" افشاں نے کہا۔
"کسی حد تک دردناک بھی۔"
"روئیں گے تھوڑا سا۔" افشاں مسخرے پن سے بولی اور میں اس کی شرارت پر مسکرا پڑا۔
"تمہاری مرضی۔ دراصل افشاں' ہم ریاست سے نکالے ہوئے ہیں۔ ہمارا کوئی قصور نہیں تھا بلکہ والد صاحب غلطی کر بیٹھے تھے۔ یوں سمجھو کرتے ہی رہتے تھے۔ عادل میرا سگا بھائی نہیں ہے۔ ماں دوسری تھی۔ ایک ماں سے میں دوسری سے عادل بھائی لیکن ہم دونوں کی ماؤں کے بعد والد صاحب نے تیسری بھی کرلی اور وہ ماں' ہم دونوں سے بے پناہ نفرت کرنے لگی۔ اتنی نفرت کہ کئی بار اس نے ہم دونوں بھائیوں کو زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ والد صاحب کے علم میں ساری باتیں تھیں لیکن وہ بیویوں سے ڈرنے کے عادی ہیں اور یہ عادت انہوں نے آج تک ترک نہیں کی۔"
"عادت؟"
"ہاں۔ میری اور عادل کی ماں سے بھی وہ اسی طرح ڈرتے تھے۔"
"اوہ!" افشاں مسکرا پڑی۔
"چنانچہ وہ اس نئی ماں سے بھی اتنے ہی خوف زدہ تھے اور اس کے کسی معاملے میں مداخلت نہیں کرتے تھے' پھر جب ہمارے بچ جانے کے بعد ہماری ماں موت کے دوسرے منصوبے بنانے لگی تو والد صاحب نے ہم سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ جان بچاؤ۔ تجویز یہی طے پائی کہ ہم دنیا گردی کرنے نکل جائیں۔ دولت کی تو کوئی پروا ہی نہیں ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ ریاست کی حکمرانی کے لیے وہ نئی اولاد پیدا کرلیں گے اور اگر یہ تیسری ماں مرگئی اور چوتھی اچھی عادت کی ثابت ہوئی تو وہ ہمیں واپس بلالیں گے لیکن اگر وہ بھی غلط ہوئی تو انہوں نے ہم سے وعدہ لیا کہ ہم اس تیسرے بھائی کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھیں گے جو تیسری ماں سے پیدا ہوگا۔"
افشاں نے بے اختیار قہقہہ لگایا۔
"تم اس دردناک کہانی پر ہنس رہی ہو؟"
"اللہ! کیا یہ حقیقت ہے؟" افشاں ہنستے ہوئے بولی۔
"ہاں۔ ایک دردناک حقیقت۔" میں نے ناک سے شوں شوں کرتے ہوئے کہا اور افشاں بھی بمشکل' شاید میری وجہ سے سنجیدہ ہوگئی۔
"اچھا۔ پھر کیا ہوا؟"
"چنانچہ ہم چل پڑے۔ طے یہ پایا ہے کہ عادل بھائی ہر ماہ خفیہ طور پر والد صاحب سے ملاقات کرتے رہیں گے۔ چنانچہ وہ ان سے ملنے جاتے ہیں۔"
"اوہ! تم نہیں جاتے؟"
"نہیں۔ میں سینئر ہوں اس لیے میری کوئی خواہش نہیں ہے۔"
"تمہاری ماں کا کیا حال ہے؟" افشاں نے پوچھا۔
"زندہ بھی ہے اور صحت مند بھی۔ اب تو والد صاحب بھی مایوس ہوگئے ہیں۔" میں نے مسکین سی صورت بنا کر کہا اور افشاں نے پھر قہقہہ لگایا۔
"گویا اس کا مرنے کا کوئی پروگرام نہیں ہے؟"
"شاید نہیں۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا اور افشاں میری غم زدہ شکل دیکھتی رہی۔ کبھی کبھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل جاتی اور کبھی وہ سنجیدہ بننے کی کوشش کرتی' پھر وہ جھنجلا کر بولی۔
"اللہ! اب بس بھی کریں' یہ اداکاری طویل ہوتی جارہی ہے۔ آپ نے مجھے نہایت خوب صورت طریقے سے بے وقوف بنایا ہے۔ قسم کھا کر بتائیں جو کچھ کہا ہے ٹھیک کہا ہے۔"
"افشاں! میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ حقیقت ہے' جو کچھ کہا گیا ہے' وہ اس انداز میں کہا گیا ہے کہ موسم اور ماحول خراب نہ ہونے پائے۔ تم ان لوگوں کو داد نہیں دو گی جو اپنا مذاق خود اڑانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔"
"سوری! اگر یہ بات ہے تو مجھے افسوس ہے۔" افشاں نے سنجیدگی سے کہا۔
"کس بات پر؟"
"آپ کے ساتھ واقعی زیادتی ہوئی ہے۔"
"ہم نے اسے زیادتی سمجھنا چھوڑ دیا ہے افشاں۔ تم نے دیکھا' ہم دونوں کس قدر خوش ہیں اور ہمیں افسوس کرنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہمارا باپ ہم سے مخلص ہے۔ اگر اس کی کچھ مجبوریاں ہیں تو ہم ان میں اضافہ کیوں کریں۔ ہمیں دنیا کے کسی بھی خطے میں کوئی تکلیف نہیں ہوسکتی۔ ساری دنیا کے بینکوں میں ہمارے اکاؤنٹ موجود ہیں۔ رہی حکومت کی بات' تو حکومت کرنے میں کیا رکھا ہے افشاں!"
"بے شک' لیکن کیا آپ لوگوں کو یہ بھی اجازت ہے کہ جہاں چاہیں' رہیں؟"
"ہاں۔ مکمل۔" میں نے جواب دیا۔
"میرا مطلب ہے' یعنی...؟" افشاں جھجکنے لگی۔
"ہاں' مکمل آزادی ہے۔" میں نے جواب دیا اور وہ شرما گئی۔

"واقعی' انوکھی داستان ہے۔ کسی حد تک افسوس ناک بھی لیکن آپ کے سنانے کے انداز نے اس کا تاثر بدل دیا ہے۔"
"لکیریں پیٹنے سے کیا ملتا ہے۔"
"ہاں واقعی' آپ کو خوش رہنا چاہیے۔" افشاں نے بڑی اپنائیت سے کہا اور پھر بولی "بس ایک بات اور ذہن میں الجھی رہ گئی ہے۔"
"کیا؟ وہ بھی پوچھ لیں۔"
"اس روز کیا ہوا تھا' میرا مطلب ہے جس دن شکیلہ نے افشاں ہونے کا دعویٰ کیا تھا؟"
"اوہ' وہ عادل بھائی کی شرارت تھی۔" میں نے بظاہر اس سوال کو زیادہ اہمیت نہ دیتے ہوئے کہا لیکن اگر غور کیا جائے تو خوفناک سوال تھا۔ گویا افشاں کے ذہن میں یہ سب کچھ تھا۔
"مگر یہ کیسی شرارت تھی؟"
"ویسی ہی' اس دن تم نے تیرا کی سلسلے میں دیکھی تھی۔ کیا پانی پر دوڑنا معمولی بات ہے؟"
"ہرگز نہیں۔ آپ لوگوں کی ان انوکھی قوتوں پر سب حیران ہیں' ورنہ وہ مریل گھوڑا بھلا ریس میں دوڑنے کے قابل تھا۔"
"دراصل ہماری ریاست کے ایک بزرگ بابا صادق شاہ بچپن سے اس پر مہربان تھے اور بابا صادق شاہ کے بارے میں مشہور تھا کہ جس پر ان کی نگاہ ہوجائے' وہ بہت کچھ بن جاتا ہے۔"
"اوہ' تو کیا تمہارے خیال میں؟"
"یہ خیال صرف میرا ہی نہیں' بلکہ بہت سے لوگوں کا ہے کہ بابا صادق شاہ نے عادل کو کچھ دیا ہے لیکن ایسی باتیں اپنے منہ سے بھی چھپائی جاتی ہیں۔ عادل خوش طبیعت ہیں اس لیے کبھی کبھی ایسی حرکتیں کرجاتے ہیں' ورنہ یہ باتیں تو کسی کے علم میں نہیں آنی چاہئیں۔"
"اوہ!" افشاں نے متحیرانہ انداز میں کہا "تو آپ بھی اس بات سے ناواقف ہیں؟"
"نہیں' ناواقف تو نہیں ہوں لیکن تفصیل بھی نہیں جانتا۔"
"آپ نے کبھی پوچھا بھی نہیں؟"
"ہاں' لیکن عادل نے کبھی کچھ نہیں بتایا۔"
"بہرحال حیرت انگیز بات ہے۔"
"میرے لیے اب نہیں رہی ہے۔"
"ظاہر ہے۔ آپ تو بے شمار انوکھی باتوں سے دو چار ہوتے ہیں۔"
"ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اچھا حضور! اب تو کافی باتیں ہوگئیں۔ اب بھی آپ کمرے میں جائیے' آرام سے سوئیے اور مجھے بھی اجازت دیجئے۔"
"میں تمہارا شکر گزار ہوں افشاں' اس وقت تم نے آکر مجھے روحانی سرور بخشا ہے۔"
"آپ اداس تھے' میں کیوں نہ آتی۔" افشاں پیار بھرے انداز میں بولی۔
"تم میری ساری زندگی کی اداسیاں سمیٹ لوگی افشاں۔"
"جی اور ان کی گٹھڑی باندھ کر کسی گہرے کنویں میں پھینک دوں گی' پھر آپ ساری زندگی اداس نہیں ہوں گے۔" افشاں نے کہا اور میں جذباتی انداز میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسے بازوؤں میں بھینچ کر سینے سے لگالوں گا۔ لیکن وہ عام لڑکی نہیں تھی اور میں کوئی ایسی حرکت کرکے خود کو ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا۔
ہم دونوں اٹھ گئے اور پھر تھوڑی دور پہنچ کر رک گئے۔ یہاں سے دونوں کو دو مختلف راستوں پر جانا تھا۔
"افشاں!" میں نے اسے مخاطب کیا۔
"ہوں۔" اس نے محبت پاش نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔
"اگر اس وقت کوئی ہمیں دیکھ لے؟"
"آپ نے یہ بات اب سوچی ہے؟" افشاں نے الٹا مجھ سے سوال کردیا۔
"کیا مطلب؟"
"میں نے اس وقت سوچی تھی جب آپ نظر آئے تھے۔"
"اوہ! تب تمہیں خوف نہیں محسوس ہوا؟"
"خوف؟ کس بات سے؟"
"اگر ہمیں کوئی اس وقت اس دیکھ لے؟"
"تو پھر کیا ہوگا؟"
"لوگ غلط بھی سوچ سکتے ہیں۔"
"نہیں صائم صاحب! اول تو کوئی غلط نہیں سوچے گا اور اگر سوچے گا بھی تو اس کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سب سے بڑا نگراں میرا ضمیر ہے اور اس نے اس وقت آپ کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات پر کوئی اعتراض نہ کیا ہے' پھر کسی اور

Uploaded By Muhammad Nadeem

کے اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔ دوسری بات یہ کہ بہرحال ہمارا آپ کا ذہنی رابطہ ہے۔ آپ کوئی راہ گیر نہیں ہیں۔ وہ ہیں جن کے ساتھ میں ان گزارنے کا فیصلہ کیا ہے اور میں بہر طور اس فیصلے پر عمل درآمد کراؤں گی۔ اس طرح خود آپ کی اپنی ایک شخصیت ہے اور جو مجھے اس وقت اس جگہ آپ کے ساتھ دیکھ کر اعتراض کرتا ہے' اس کا مطلب ہے وہ آپ کی شخصیت کو تسلیم نہیں کرتا اور ایسا شخص بہرحال میرے لیے قابل احترام نہ ہوگا' خواہ اس کا مجھ سے کوئی بھی رشتہ ہو۔" افشاں نے انتہائی مضبوط لہجے میں کہا۔

اور میں افشاں کی شکل دیکھنے لگا۔

"اچھا' خدا حافظ۔ شب بخیر!" افشاں نے کہا اور پھر وہ تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔ عمارت کے دروازے پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور اندر چلی گئی۔

میں بھی واپس اپنے کمرے میں آگیا اور پھر بستر پر لیٹ گیا۔ نیند اس بار بھی آنکھوں سے دور تھی لیکن اب ذہن میں کوئی الجھن نہیں تھی۔ افشاں کے پیار بھرے انداز نے' اس کے الفاظ نے زندگی میں ایک نیا رنگ بھر دیا تھا۔ بلاشبہ افشاں جیسا ساتھی تو زندگی کی ساری کلفتوں کو اپنی ایک مسکراہٹ میں سمیٹ سکتا ہے۔ اس پر مکمل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

○☆○

دوسرا دن حسب معمول تھا۔ افشاں پورے اعتماد سے میرے سامنے آئی تھی۔ ناشتے کی میز پر بھی اس نے اپنی عنایتوں کی بارش جاری رکھی۔ میں خجل ہو رہا تھا لیکن افشاں کی پیشانی پر کوئی نشان نہیں تھا۔ ہاں سیمیں اور احسان زیر لب مسکرا رہے تھے لیکن اس طرح کہ ان کی مسکراہٹ کوئی محسوس نہ کر سکے۔

"شہزادہ عادل کی غیر موجودگی بری طرح محسوس ہو رہی ہے۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"میرے منہ کی بات چھین لی۔ صائم میاں اور عادل میاں ہم شکل ہیں لیکن ان دونوں میں ایک فرق نمایاں ہے۔ عادل کی آنکھوں اور ہونٹوں پر ہمیشہ شرارت مسکراتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس صائم میاں کی آنکھوں میں سنجیدگی اور وقار ہے اور یہ دور ہی سے بڑے بھائی نظر آجاتے ہیں۔" نواب جلال الدین بولے۔

"واقعی۔ بڑا خوش مزاج بچہ ہے۔" بڑی ماں بھی بول پڑیں۔

"آپ کو پسند ہے بڑی ماں؟" سیمیں نے پوچھا۔

"مجھے تو دونوں پیارے لگتے ہیں۔" بڑی ماں نے جواب دیا۔

"نہیں۔ زیادہ کون اچھا لگتا ہے؟"

"کم زیادہ کی بات مت کرو۔ اب تو یہ بچے بھی کوئی الگ تھلگ ہیں۔ جیسی افشاں' ویسے تم لوگ' ویسے وہ۔ کسی ماں سے یہ سوال مت کرنا کہ اسے اپنا کون سا بچہ زیادہ پیارا لگتا ہے۔ اس کے لیے یہ سوال دنیا کا سب سے مشکل ہوگا' جس کا وہ کبھی جواب نہ دے سکے گی۔" بڑی ماں نے جواب دیا۔

سیمیں مسکرانے لگیں۔

"اچھا۔ بھئی تو صائم میاں آج کا کیا پروگرام ہے؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس عادل کا انتظار کروں گا۔" میں نے جواب دیا۔ اسی وقت تصدق ایک بار پھر میرے لیے اندر آیا اور اس نے لفافہ تنویر صاحب کو پیش کر دیا۔

"کیا ہے؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"نیلی گرام ہے صاحب!" تصدق نے احتراماً جواب دیا۔

تنویر صاحب نے لفافہ کھول لیا' پھر وہ ایک کاغذ نکال کر بولے۔

"جمشید آرہے ہیں۔"

"ارے ارے۔" بڑی ماں اچھل پڑیں "کب؟"

"آج ہی پہنچ جائیں گے۔"

"مگر کس وقت؟"

"ساڑھے گیارہ بجے۔"

"ارے واہ! اللہ تعالیٰ اس کی زندگی رکھے' اب تو وہ خوب بڑا ہو گیا ہوگا۔" بڑی ماں محبت بھرے انداز میں بولیں۔

"ہاں بھئی' افشاں سے پانچ سال بڑے ہیں جمشید میاں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"انکل یہ وہی جمشید ہیں نا' نسیم پور والے؟" سیمیں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں بیٹی' میرے بھائی کا بچہ ہے۔ بھائی جان تو ولایت جا کر سب کو بھول گئے۔ بھابی جان کا ڈر بہت تھا ان پر مگر یہ بچہ' اللہ رکھے ہمیشہ سے محبت کر رہا ہے۔ اس کے خط آتے ہی رہتے ہیں مگر اس نے اچانک آنے کا پروگرام کیسے بنا لیا؟" بڑی ماں کے لہجے سے پیار ٹپک رہا تھا۔ تنویر صاحب کا چہرہ کچھ سپاٹ سپاٹ سا تھا۔

"چلیے اچھا ہے' ہم لوگ بھی موجود ہیں ملاقات ہو جائے گی۔" سیمیں نے کہا۔

"ہاں یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"ارے تصدق' تیاریاں تو کر' ساڑھے گیارہ بجے اسے لینے بھی جانا ہے۔" بڑی ماں نے کہا "اور ہاں' اس کے لیے ایک کمرا ابھی درست کرنا ہے۔ بالکل ولایتی طرز پر۔ نہ جانے وہاں ان کا طرز رہائش کیا ہو۔ یہاں اسے کوئی کمی نہیں ہونی چاہیے۔ پھولی کے ہاں' اللہ رکھے بارہ سال بعد آرہا ہے۔" بڑی ماں پیار کے عالم میں بولتیں رہیں لیکن میں نے تنویر صاحب کے چہرے پر کوئی خاص تاثرات نہیں دیکھے پھر نواب جلال الدین' سیمیں' احسان اور بڑی ماں' جمشید اور اس کے والدین کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ میں بھی رسمی طور پر اس گفتگو میں شریک تھا۔ تنویر صاحب نے کسی مصروفیت کا ذکر نہیں کیا اور اٹھ گئے پھر میں نے بھی اجازت مانگی اور اپنے کمرے میں آگیا۔

شاید افشاں بھی میرے پیچھے ہی اٹھ گئی تھی کیونکہ چند ہی منٹ کے بعد وہ بے تکلفی سے میرے کمرے میں آگئی۔ افشاں کی اس بے تکلفی سے میں کسی حد تک خوف زدہ تھا لیکن اس سے کچھ کہنے کی ہمت بھی نہیں رکھتا تھا۔ وہ جس ٹائپ کی تھی' مجھے اندازہ ہو گیا تھا' چنانچہ اس کی خود اعتمادی کو توڑنے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔

"آپ بھی سوچ رہے ہوں گے کیسی کمبل قسم کی لڑکی ہے؟" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"اوہ! ان پر تکلف جملوں کی ضرورت کیوں پیش آگئی؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ بس ایسے ہی کہا تھا۔ ظاہر ہے آپ ابھی ناشتے کی میز سے اٹھ کر آئے ہیں اور پھر میں یہاں آگئی۔ دراصل میرے ذہن میں یہ احساس تھا کہ آپ تنہا ہیں' میرا مطلب ہے دل بھائی موجود نہیں ہیں۔"

ہاں تنہائی تو محسوس کر رہا تھا لیکن آپ کے قرب سے میں خوف زدہ ہوتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"کوئی بہت ہی عزیز شے ہوتی ہے افشاں! انسان اس بات سے خوف زدہ رہتا ہے کہ کہیں وہ چھن نہ جائے۔ میرے ذہن میں کئی وسوسے جاگنے لگتے ہیں۔ ممکن ہے وہ تمہارے ذہن تک نہ پہنچ سکیں۔"

"اوہ' آپ یہ خوف اپنے ذہن سے نکال دیں۔ اس کی پوری پوری ذمے دار میں ہوں گی۔ آئندہ آپ خوف کے عالم میں نہیں رہیں گے۔ میں اب اس سے زیادہ بے باک نہیں بن سکتی کہ آپ۔۔۔ آپ اپنی شخصیت پر اب صرف اپنا حق نہ سمجھیں' آپ اپنے لیے کبھی خوف زدہ نہ ہوں کیونکہ اب یہ ذمے داریاں میں نے سنبھال لی ہیں۔"

"افشاں! تمہاری اس اپنائیت نے زندگی بھر کی محرومیاں دھو دی ہیں۔"

"داخل در معقولات۔" دروازے سے شکیلہ کی آواز سنائی دی اور میں چونک پڑا لیکن افشاں کے چہرے پر کوئی تغیر نہیں پیدا ہوا۔

"اب تم یہ نامعقولیت کر ہی بیٹھی ہو تو آجاؤ۔" افشاں نے کہا۔

"معذرت خواہ ہوں لیکن اس خیال سے اندر آنے میں کوئی قباحت نہیں سمجھی کہ بہرحال آپ کی گفتگو پرائیویٹ نہیں ہوگی۔" شکیلہ نے کہا۔

"خیر خیر' اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ آؤ۔" افشاں مسکراتے ہوئے بولی اور شکیلہ اندر آگئی۔

"چونکہ میرا دل صاف ہے اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے اس لیے میں پوچھ سکتی ہوں کہ آپ دونوں کے درمیان کیا گفتگو ہو رہی تھی؟" شکیلہ نے کہا۔

"پھر عادل بھائی کہنے لگے۔ شکیلہ! یقین کرو' میری زندگی میں اس سے قبل کوئی لڑکی نہیں آئی۔ اب تم آہی گئی ہو تو اللہ مالک ہے۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" افشاں کہنے لگی۔ میں ہنس پڑا اور شکیلہ جھینپ گئی۔

"خوب! پھر کیا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"ارے' ارے۔ آپ بھی اس افشاں کی بچی کی باتوں میں آگئے۔" شکیلہ نے کہا۔

"افوہ۔ تم ہماری گفتگو میں دخل مت دو تو پھر۔۔۔" افشاں نے کہا اور شکیلہ جلدی سے واپس مڑی لیکن افشاں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"بیٹھو بھی شکیلہ بی بی۔ تمہارے دل میں تو کوئی چور نہیں ہے۔" افشاں ہنستے ہوئے بولی۔

"ہاں ہاں نہیں ہے لیکن تم بھگانا چاہتی ہو۔" شکیلہ نے کہا۔

"ارے نہیں۔ تم کہو تو میں یہ موضوع بدل دوں؟"

"چلو بدل دو افشاں' کوئی اور بات کرو۔" میں نے کہا۔

"اچھا' مان لیا۔"

"کیوں نہ مانو گی۔" شکیلہ نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا' اچھا' پھر شروع ہوتی ہوں۔"

"یہ جمشید صاحب کون ہیں افشاں' جن کے بارے میں کھانے کی میز پر تذکرہ ہوا تھا؟" میں نے شکیلہ کی مدد کرتے

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوئے موضوع بدل دیا۔
"میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔ امریکا میں رہتے ہیں۔ ماموں جان کا وہیں کاروبار ہے۔"
"اوہ!" میں نے گردن ہلائی "کتنا عرصہ قبل گئے تھے؟"
"طویل عرصہ ہوگیا۔ ماموں جان کافی مغرور انسان ہیں۔ ابو انہیں پسند نہیں کرتے۔"
"میں نے محسوس کیا تھا۔"
"بہرحال' امی جان کے تو بھائی ہیں۔ امی ان سے کافی محبت کرتی ہیں۔"
"کیسے انسان ہیں؟"
"کون' ماموں جان؟"
"نہیں' مجید صاحب!"
"اتنا عرصہ ہوگیا کہ اب تو میں شکل بھی بھول گئی ہوں۔ چھوٹے سے تھے جب دیکھا ہے۔ ویسے امریکا سے خط آتے ہیں وہ بھی اردو میں' لگتا ہے جیسے تیسری کلاس کے بچے نے لکھے ہوں۔"
"اوہ۔ ظاہر ہے وہاں اردو تو پڑھ نہیں رہے ہوں گے۔" میں نے کہا۔
"ہاں۔" افشاں بولی۔
"بہرحال' دیکھیں کس قسم کے آدمی ثابت ہوتے ہیں۔"
"اور ثابت بھی ہوتے ہیں یا نہیں۔" افشاں ہنس پڑی۔
"اوہ۔ تمہارے ماموں زاد بھائی ہیں۔" میں نے کہا۔
"لیکن ماموں جان کے بارے میں جو کچھ سنا ہے' اس کے تحت میں بھی ابو جان کی ہم خیال ہوں۔" افشاں نے کہا اور پھر شکیلہ کی طرف دیکھ کر بولی "ارے' تم بہت اداس ہو شکیلہ؟"
"ہائیں ہائیں۔ اچھی خاصی تھیں۔ پٹڑی سے کیوں اتر گئیں۔" شکیلہ نے کہا۔
"خوب' خوب تو یہ یہاں کانفرنس ہو رہی ہے۔ موضوع کیا ہے ہم بھی تو سنیں۔" دروازے سے سیمیں اور احسان اندر داخل ہوگئے اور ہم چونک پڑے۔
"سیمیں باجی! گستاخی نہ تصور کریں تو ایک بات بتائیں۔"
"پوچھو؟"
"دن یا رات کا کوئی لمحہ ایسا بھی ہوتا ہے جب آپ دونوں ساتھ نہ ہوں؟"
"ارے۔ واہ۔ میں شاید مخل ہوا ہوں۔" احسان جلدی سے بولا۔
"نہیں۔ احسان بھائی۔ پلیز۔ میں تو یہ پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ دونوں کونسا سریش استعمال کرتے ہیں؟"
"فکر مت کرو' ہم تمہارے لیے بھی منگوا دیں گے۔" سیمیں نے جلدی سے کہا۔
"لیکن یہ لگائیں گی کسے؟" شکیلہ کو موقع مل گیا۔
"جو بھی سامنے پڑ گیا۔" سیمیں نے شرارت سے کہا۔ میں افشاں کے بالکل سامنے تھا۔
"اللہ باجی! ایک شیشی فوری طور پر شکیلہ کے لیے بھی منگوا دیں۔ دیکھیں نہ بے چاری کتنی اداس ہے۔ اگر سریش ہوتا تو۔" افشاں بہت تیز تھی۔ سب ہنس پڑے۔ شکیلہ اور طالوت کی بات اب کسی سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ شکیلہ منہ کھول کر رہ گئی۔
"بس بس افشاں بی! میری شکیلہ کو زیادہ تنگ مت کرو۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ اس کا کوئی ہمدرد نہیں ہے؟" سیمیں نے معنی خیز انداز میں کہا۔
"یہ سنی دلچسپ گفتگو ہوتی رہی اور سب قہقہے لگاتے رہے۔
"صائم بھائی! میں خاص طور سے آپ کو ایک خوش خبری دینے آئی تھی۔"
"اوہو۔ پھر اتنی دیر تک آپ خاموش کیوں رہیں؟"
"بول تو رہی تھی' شکیلہ کی حفاظت کے خیال سے سب کچھ بھول گئی تھی۔"
"ہائے! شکیلہ کا محافظ بھی جلد آجائے گا۔" افشاں پھر بولی۔
"افشاں! تم خاموش نہیں رہو گی۔ صائم بھائی آپ ہی اسے خاموش کرائیں۔" سیمیں بہت تیز ہوگئی تھی۔
"وہ خوشخبری تو سناؤ سیمیں!"
"آج ماشاء اللہ مہمانوں کی آمد آمد ہے۔ بوا بھی دس بجے والی ٹرین سے پہنچ رہی ہیں۔ اکیلی گھبرا رہی تھیں بے چاری لیکن ان کا خط دیر سے ملا۔"
"ارے۔ ٹرین تو آ بھی چکی ہوگی۔ دس تو بج رہے ہیں۔"
"خط ابھی تھوڑی دیر پہلے ملا۔ تصدق کو روانہ کر دیا گیا ہے۔"
"ویری گڈ۔ طبیعت خوش ہوگئی۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کوٹھی میں ایک نئی زندگی دوڑنے والی ہے۔"
"یہ بوا کون ہیں؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"صائم بھائی کی محبوبہ!" سیمیں پھٹ سے بولی اور میں نے ٹھنڈی سانس لی۔ شکیلہ میری طرف دیکھنے لگی تھی۔
"عرصہ ہوگیا انہیں دیکھے ہوئے۔ کیسی ہوگئی ہوں گی وہ؟" میں نے کہا۔
"پہلے سے زیادہ حسین!" سیمیں نے کہا اور ہنس پڑی۔ احسان بھی ہنس رہا تھا۔
"عادل بھائی جلدی سے واپس آجائیں' لطف دوہرا رہ جائے گا۔" سیمیں ہنستے ہوئے بولی۔
"میرا خیال ہے کل تک عادل ضرور آجائیں گے۔" میں نے کہا۔
"چلئے' بوا کے استقبال کے لیے چلیں۔ اب کمرے سے نکلیے۔" سیمیں نے کہا اور ہم سب کمرے سے نکل آئے۔ بیرونی وراںڈے میں نواب جلال الدین بڑی ماں سے گفتگو کر رہے تھے' اس گروہ کو دیکھ کر خاموش ہوگئے اور ہم سب ان کے نزدیک پہنچ گئے۔
"ماشاء اللہ! واقعی لطف آرہا ہے یہاں۔ میں تو اپنا پروگرام کچھ اور طویل کر دوں گا۔"
"تو تمہیں جانے ہی کون دے رہا ہے۔ بس منہ دھو رکھو' تین چار مہینے سے پہلے نہیں جانے دوں گی۔" بڑی ماں نے کہا۔
"وہ' تین چار مہینے تو بہت ہوتے ہیں۔ بہرحال پھر بھی۔" نواب صاحب ہنستے ہوئے بولے اور اسی وقت تو یہ جناب کی کار مین گیٹ سے اندر داخل ہوتی نظر آئی۔ [illegible] گئی تھی۔ تصدق بوا کو لے کر آیا تھا اور پھر پورٹیکو میں بوا نے دروازے سے اتریں۔ وہی شباب تھا۔ آنکھوں میں [illegible] میں مسی' ہونٹوں پر باتوں کی دھڑی' زیورات سے لدی پھندی' چوڑی دار پاجامہ' باریک ریشمی کرتہ' جس میں سے [illegible] لگے ہوئے تھے۔ تندرستی بھی خوب تھی۔
اور پھر وہ تینوں دروازے کی طرف لپکیں "سلام بھو۔ سلام میاں۔" انہوں نے بڑی ماں اور نواب صاحب کو سلام کرتے ہوئے کہا اور پھر بڑھ کر دونوں کی بلائیں لیں اور انگلیاں چٹخانے لگیں۔
"اچھے ہو تو یہاں۔ مجھ نگوڑ ماری کو وہاں چھوڑ آئے۔ دن رات کاٹنے کو دوڑتے تھے۔ ایک پل دل نہیں لگ رہا تھا۔ ہائے میں تو ادھ موئی ہوگئی۔"
"چلئے آپ نے اچھا کیا بوا' یہاں آگئیں۔"
"اللہ خوش رکھے۔ سیمیں بیٹا کہاں ہے۔ ہائے میری تو آنکھیں ترس رہی ہیں اسے دیکھنے کو۔"
"یہ ہوں بوا۔ سلام!"
"آئے جیتی رہو۔ پھلو پھولو۔" بوا' سیمیں کی طرف لپکیں اور پھر احسان اور سیمیں دونوں کو گلے لگا لیا۔
"ہم بھی تو ہیں بوا۔" افشاں آگے بڑھ آئی۔
"آئے جیتی رہو میری بچی۔ کون ہے یہ بچی؟" بوا نے افشاں کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔
"آپ ہی کی بچی ہے بوا۔" بڑی ماں نے کہا۔
"ایں!" بوا چونک پڑی۔ پہلے حیرت سے بڑی ماں کو دیکھتی رہیں' پھر بولیں "آئے' مذاق کر رہی ہو۔ میری تو شادی بھی نہیں ہوئی۔" اور ان کی اس بات پر زوردار قہقہہ پڑا۔
"ان کا مطلب ہے' یہ تو میر بھائی کی بیٹی افشاں ہے۔" نواب صاحب جلدی سے بولے "کیا یہ آپ کی بچی نہیں ہوئی بوا۔"
"آئے۔ یہ مطلب ہے۔ کیوں نہیں' کیوں نہیں۔ خدا سلامت رکھے۔ ایں۔ یہ بھی ہے۔ ہائے۔ جڑواں معلوم ہوویں ہیں دونوں۔" بوا کی نگاہیں شکیلہ پر پڑ گئی تھیں لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے مجھے بھی دیکھ لیا اور ان کا منہ بھاڑ جیسا کھل گیا۔
"سلام بوا۔" میں نے کہا لیکن بوا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ سکتے کے عالم میں مجھے گھور رہی تھیں۔
نواب جلال الدین بھی خاموشی سے مسکراتے رہے پھر بوا سے آنکھیں ملیں اور ان کے منہ سے نکلا "یا الٰہی! کیا میں خواب دیکھ رہی ہوں۔"
"کیا ہوگیا بوا؟" سیمیں نے پوچھا۔
"آئے۔ یہ وہ نہیں ہیں۔ وہ؟"
"کون؟"
"آئے وہی۔ اے بی بی ذرا غور سے دیکھو۔"
"میں نے دیکھ لیا بوا۔" سیمیں نے کہا۔
"ان کی شکل نہیں ہیں۔"
"کس کی؟"
"آئے وہی اپنے صائم میاں اور عادل میاں۔"
"وہی ہیں۔" سیمیں نے ہنستے ہوئے کہا۔
"آئے میرے رب۔ یہ کہاں سے آگئے۔ ہاں تم تو سب کو تڑپا گئے بیٹا۔" بوا دوڑ کر مجھ سے لپٹ گئیں۔ بعد میں ہمارے تعلقات بوا سے بہت اچھے ہوگئے تھے۔ بوا محبت کی ماری رونے لگی تھیں۔
"بس بوا' آپ کی یاد دوبارہ کھینچ لائی۔"
"ہائے تمہیں تو گھوڑے لے گئے تھے۔" بوا روتے

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوئے بولیں۔
"ہاں۔ پھر وہ ہمیں یہاں چھوڑ گئے۔"
"وہ بھی آجائیں گے۔"
"آئے اللہ جوڑی سلامت رکھے۔ ہائے ان بچوں کے لیے کیسا کلیجہ کٹتا ہے میرا۔ روشنی بن گئے تھے آنکھوں کی۔ جی خوش ہوگیا ہے تمہیں دیکھ کر میرے بچے۔" بوا بھی رو رہی تھیں کبھی ہنس رہی تھیں اور جنہوں نے انہیں نہیں دیکھا تھا' وہ اس مجوبے کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ تصدق بھی برابر کھڑا ہوا تھا۔
کئی منٹ کے بعد بوا سنبھلیں' پیچھے ہٹیں تو تصدق سے ٹکرا گئیں۔ انہوں نے تصدق کی شکل دیکھی اور آگ بگولہ ہوگئیں "ہاں ہاں' آجاؤ' چڑھ جاؤ میرے اوپر۔ اے میں کہوں تیرا دماغ ٹھیک ہے۔"
"ارے ارے بوا' کیا ہوا؟" نواب صاحب جلدی سے بولے۔
"اے ہے یہ کون موا۔ بیلن کا بیلن۔ گاڑی میں بھی میرے پاس ہی آ بیٹھا۔ ڈرائیور کے برابر کی سیٹ خالی پڑی تھی مگر میرے پاس ہی گھس مرا تھا اور بار بار سرک رہا تھا میری طرف۔ ارے یہاں بھی آمرا کم بخت مارے۔" اور تصدق بوکھلا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔
"ارے' ارے' ان بڑی بی کو نہ جانے مجھ سے کیا دشمنی ہوگئی ہے۔" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں بولا۔
"تم نے کوئی بدتمیزی کی ہوگی تصدق۔" بڑی ماں بولیں۔
"ارے نہیں بڑی ماں۔ انہوں نے میرے بڑی زور سے ٹوکا تھا۔" تصدق ران سہارتے ہوئے بولا۔
"آئے ہائے ٹوکا تھا۔ تو بار بار مجھ سے کیوں چھپا رہا تھا؟" بوا بولیں۔
"میں چھپ رہا تھا؟" تصدق آنکھیں نکال کر بولا۔
"تو کیا میں چھپ رہی تھی تجھ سے مٹے صورت حرام۔ اری ایسی ویسی مت سمجھ لیجیو۔ ہاں۔ کچا چبا جاؤں گی۔" بوا مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئیں۔
"یہ زیادتی ہے بڑی ماں!" تصدق فریاد کرتے ہوئے بولا۔ لڑکیوں کے پیٹ میں درد ہوا جارہا تھا ہنستے ہنستے۔ یہاں تک کہ بڑی ماں بھی ہنس رہی تھیں۔
"ارے تو تو بیٹھا ہی کیوں تھا پیچھے۔ اب تیار ہو جلدی سے' ایئرپورٹ چلنا ہے۔"
"آئیے بوا' آپ اندر چلئے۔" نواب جلال الدین ہنستے ہوئے بولے اور بوا کا شانہ پکڑ کر اندر لے چلے۔ ہم سب بھی ان کے پیچھے ہی چل پڑے تھے۔
"غضب کی چیز ہیں یہ بوا تو۔" افشاں بولی۔
"تصدق کے نوچ لیا۔" شکیلہ پھر ہنس پڑی اور ہم سب ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے۔ نواب صاحب بوا کو لے کر اندر پہنچ گئے اور پھر انہوں نے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
"بی بوا کے قیام کے لیے بندوبست کرو' تھکی ہوئی آئی ہیں۔"
"آئیے بوا۔" افشاں نے منہ اور کچھ بورا گردہ افشاں اور بوا کے پیچھے چل پڑا "بڑا ہی کم بخت ہے۔" تصدق بھی۔ اب بتایئے بوا کے پیچھے ہی پڑ گیا۔"
"اسے دیکھنا ہیں' ٹھیک کروں گی۔ مارشل لا مگر یہ ہے کون؟"
"ملازم ہے بوا۔" افشاں نے جواب دیا۔
"بڑا سر چڑھا ہے مگر مجھ سے بھڑا تو ٹھیک نہ ہوگا۔ ہاں بتاؤ' پوری ہوائی گزار دی' کسی کو منہ نہ لگایا' اب یہ دو ٹکے کے ملازم چپک رہے ہیں۔ ارے ٹھیک کروں گی۔"
"مگر آپ بوڑھی کہاں ہوئی ہیں بوا۔" افشاں بولی۔
"ارے رہنے دو بیٹی۔ اب کیا رکھا ہے۔ کبھی دیکھیں۔" بوا نے شرما کر کہا۔
"اب بھی دیکھ رہے ہیں بوا۔" افشاں نے کہا اور پھر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے رک گئی "یہ کمرا کیسا ہے بوا۔ دیکھ لیں آپ کو پسند ہے؟"
"اے بس ٹھیک ہے۔ بیٹی۔ میرا کیا۔ غسل خانہ ہے اس میں؟" بوا نے پوچھا۔
"سنگھار میز بھی رکھی ہے۔" افشاں نے جواب دیا۔
"اللہ خوش رکھے۔ میں ذرا نماؤں گی۔ اب تم لوگ آرام کرو۔" بوا نے کہا۔
"ہاں ہاں بالکل۔ تصدق جو قریب بیٹھ گیا تھا۔" افشاں نے کہا اور پھر ہم واپس چل پڑے۔ لڑکیاں ہنستے ہنستے مری جارہی تھیں۔ سیمیں بھی ان میں شریک تھی۔
"ارے خدا کی قسم سیمیں باجی۔ اب تک کہاں تھیں۔ کہاں چھپا رکھا تھا اس نایاب شے کو؟"
"کمال کی ہیں بوا بھی۔ صائم بھی یاد ہے۔" سیمیں ہنستے ہوئے بولی۔
"ہاں بھئی یاد ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔
"کیا۔ کیا؟ ہمیں بھی تو بتایئے۔" شکیلہ نے کہا۔
"سب سے پہلی ملاقات ہم لوگوں کی ٹرین میں ہوئی تھی

اور بوا۔ بس بوا کو یقین ہوگیا کہ یہ دونوں بھائی ان پر مرمٹے ہیں اور عادل بھائی' خدا کی پناہ ان کا تو جواب نہیں۔ ہفتوں بوا کا نام لے کر آہیں بھرتے رہتے تھے اور بوا کی زندگی عذاب ہوگئی تھی اور صائم بھائی۔ جب عادل بھائی نے بوا کو شادی کا پیغام دیا۔"
"شادی کا پیغام بھی دیا۔" افشاں ہنس پڑی۔
"جوڑا بھی بنوایا تھا دلہن کا اور پنوا بھی دیا تھا بوا کو۔ بوا بھی بالآخر نیم راضی ہوگئی تھیں۔" سیمیں نے بتایا اور قہقہوں کا طوفان دیر تک امنڈتا رہا۔
"خدا کی قسم' آج کل جینے کا لطف آرہا ہے۔ جو کچھ آج اس کوٹھی میں ہورہا ہے' اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔" افشاں نے جھومتے ہوئے کہا۔
"اچھا! اب کچھ دیر کی چھٹی۔ دوپہر کو کھانے پر جمع ہونا ہے۔" سیمیں نے کہا۔
"بھئی بڑا عمدہ وقت گزرا ہے۔" شکیلہ نے کہا۔ اسی وقت ایک ملازمہ افشاں کے پاس آئی۔
"بی بی! بڑی ماں بلا رہی ہیں۔ کہہ رہی ہیں آپ ابھی پورٹ نہیں چل رہیں؟"
"اوہ۔ میں جاکر کیا کروں گی۔ امی جارہی ہیں؟"
"ہاں۔"
"ان سے کہہ دیں' وہ چلی جائیں۔ میں جمشید بھیا سے یہیں ملاقات کروں گی۔"
"جی بی بی۔" ملازمہ چلی گئی۔
"اچھا بھئی۔" افشاں نے کہا اور پھر میری طرف دیکھا "تھوڑی دیر کی اجازت۔" اور پھر سب منتشر ہوگئے۔ میں بھی اپنے کمرے میں آگیا تھا لیکن زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ افشاں پھر آگئی۔
"ایک اجازت لینے آئی ہوں۔" اس نے الجھے ہوئے [illegible] کہا۔
"[illegible] خیریت؟"
"[illegible] صبر ہیں کہ میں بھی ایئرپورٹ چلوں۔ میں نے بہت ٹالنا لیکن وہ کہہ رہی ہیں کہ جمشید کیا خیال کریں گے۔"
"تو آپ ضرور جائیں افشاں۔"
"آپ کی اجازت ہے۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"آپ نے مجھے اتنی عزت بخشی تو میں ہوش میں نہیں رہوں گا افشاں۔" میں نے دفور مسرت سے کہا۔
"ارے اب کائنات میں آپ کے علاوہ رکھا کیا ہے۔" افشاں نے ایک ادا سے گردن ٹیڑھی کرکے کہا اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔ میں دروازہ دیکھتا رہ گیا تھا۔
عجیب کیفیت ہوگئی تھی۔ اس افشاں نے تو ہم دل کی دنیا ہی بدل دی تھی اور پھر خیالات کا چکر جاری ہی ہوا تھا کہ کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اچھل پڑا۔ طالوت مسکرا رہا تھا۔
"ارے!" منہ حیرت سے کھل گیا۔
"جیتے رہو بیٹے' جیتے رہو۔ استاد کا نام روشن کررہے ہو۔ کیا جال مارا ہے۔ دشمن چاروں شانے چت!" طالوت نے میری کمر کو ٹھونکتے ہوئے کہا۔
"استاد کے بچے! اس طرح آنے کی کیا تک تھی۔" میں نے اسے سینے سے لپٹاتے ہوئے کہا۔
"میری مرضی۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ میرا ہونہار شاگرد کیا کررہا ہے۔"
"دیکھ لیا؟" میں نے ہونٹ بھینچ کر پوچھا۔
"اچھی طرح مگر خوب ہے بھائی۔ یہ تو الٹا چکر چل گیا ہے۔ زندہ باد افشاں بی۔ زندہ باد۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"اپنی دائی کی خبر تو لو۔ چھوا تر کیا ہے۔"
"ہائے میں مرجاؤں کہاں ہیں؟" طالوت مسخرے پن سے بولا۔
"اپنے کمرے میں ہوں گی۔"
"جارہا ہوں۔" طالوت مڑتے ہوئے بولا لیکن میں نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔
"بڑا بے مروت انسان ہے۔ ابو حضور اور امی کے بارے میں تو بتاؤ۔"
"ابو حضور کچھ بیمار ہیں۔ امی ٹھیک ہیں۔ تمہارے کہے بغیر تمہارا سلام ان دونوں تک پہنچا دیا ہے۔ دعا کی ہے انہوں نے اور کچھ؟"
"ہاں۔ شکیلہ کے بارے میں گفتگو ہوئی؟"
"یار کھل کر تو ہمت نہیں پڑ سکی' گول مول ہی باتیں کرلی ہیں۔"
"کیا مطلب؟" میں نے پوچھا۔
"پوچھنے لگیں آخر کب تک یونہی بھٹکتا پھروں گا۔ شادی وغیرہ بھی کروں گا یا نہیں۔ میں نے جواب دیا کیوں نہیں۔ خوش ہوگئیں' پوچھا کہ کوشش کی جائے تو میں نے کہا نہیں۔ کہنے لگیں کیا مطلب؟ تب میں نے کہا' ای حضور!

Uploaded By Muhammad Nadeem

آپ نے میری ساری خوشیاں پوری کردی ہیں ایک اور کردیں۔ کہنے لگیں 'کون سی تو میں نے جواب دیا کہ کسی ذہین لڑکی سے ہی شادی کی اجازت دے دیں۔ بس' دیکھتی رہ گئیں۔ اس کے بعد کسی گفتگو کا موقع ہی نہیں مل سکا اور بس۔ اب جانے دو۔"

"سنو تو یار!" میں نے کہا۔

"جھگڑا ہوجائے گا بس' اب جانے دو۔ صبر نہیں ہو رہا۔" طالوت نے کہا۔

"میں بلا کرلاتا ہوں' یہیں مل لو۔ ممکن ہے اس کے پاس کوئی آدمی موجود ہو۔"

"جی نہیں۔ میں بھگا دوں گا' آپ فکر نہ کریں۔" طالوت دانت نکال کر بولا اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں نے گہری سانس لی تھی۔ بہرحال طالوت کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی اسے بہت سی باتیں نہیں معلوم ہوئی لیکن بہرحال دلچسپی رہے گی۔ مجھے حضرت جمشید کی آمد کا بھی شدت سے انتظار تھا۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کیا چیز تھے ویسے بڑی ماں کے چہیتے تھے' کسی قسم کی الجھن بننے کی کوشش نہ کریں۔

لیکن اس بارے میں زیادہ فکر نہیں تھی۔ اپنا یار موجود ہے نھکانے لگا دے گا اچھی طرح اور پھر افشاں بھی خاصی بولڈ تھی' اسے زیر کرنا آسان کام نہیں ہوگا۔ مجھے رہ رہ کر شمشیر یاد آرہا تھا۔ یہاں بھی کچھ ایسی ہی سچویشن ہوگئی تھی لیکن آنے والے موصوف بھی اگر شمشیر ہی کی مانند ہوئے تو گویا ایک بار بازی پھر جم جائے گی۔

ساڑھے گیارہ بج چکے تھے۔ یقیناً طیارہ آگیا ہوگا۔ طالوت بھی شکیلہ کے پاس جا گھسا تھا۔ میرے پاس اس وقت کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ بہرحال میں باہر نکل آیا اور پھر یونہی آوارہ گردی کرتا رہا۔ شکیلہ کے کمرے کی طرف میں نے جانے کی کوشش نہیں کی تھی۔

اس وقت اتفاق سے میں بیرونی حصے کی طرف نکل آیا تھا۔ میں نے تنویر صاحب کی شاندار کار گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھی۔ دوسرے لوگ سب اندر تھے۔ کسی کو بھی بڑی ماں اور ان کے بھتیجے کے آنے کی خبر نہیں ہوئی تھی۔ کار پورچ میں رک گئی اور بڑی ماں جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل آئیں۔ یہی حرکت افشاں نے کی تھی۔ تصدق آگے ڈرائیور کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ وہ اطمینان سے نیچے اترا اور پھر اس نے پچھلے دروازے میں منہ ڈال کر کسی سے کچھ کہا۔

ویسے مجھے کوئی نظر تو آرہا تھا لیکن صاف نہیں اور پھر گاڑی سے ایک بھوبہ برآمد ہوا۔ سانولا رنگ' سر کے بال خشک اور نیگروز کی مانند گنجھریالے ایک خاص تراش کے ساتھ انہیں درمیان سے بلند کیا گیا تھا۔ سفید لمبا کوٹ جن کی آستینیں آگے سے کھلی ہوئی تھیں' کمر میں چاندی کی بیلٹ بندھی ہوئی اور غرارہ نما پتلون' جس کے دونوں سائڈ پر بڑا خوب صورت کام ہوا تھا۔ ماتھے پر پٹی بندھی ہوئی اور کانوں میں بڑے بڑے بالے پڑے ہوئے تھے۔ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں نرمی لیے وہ نیچے اترا۔

"بھتیجا!" میرے ذہن نے کہا اور میں جلدی سے آگے بڑھ آیا۔ افشاں منہ بنائے کھڑی تھی اور بڑی ماں کا چہرہ اترا ہوا تھا۔

افشاں مجھے دیکھ کر قریب آگئی "خدا کی پناہ!" اس نے کہا۔

"کیا ہوا؟"

"ایسا بدتمیز شخص میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔ راستے کرنا محال ہوگیا۔"

"سبحان اللہ! چلو' اب یہاں کیوں کھڑی ہو۔ آیئے بڑی ماں۔ مہمان کو اندر لے چلیں۔"

"آؤ جمشید میاں!" بڑی ماں نے کہا۔

"ہیک منٹ' ہیک منٹ۔ موٹا مین جلدی ڈکی کھولو۔ جلدی کاراؤ۔" جمشید نے چٹکی بجا کر تھرکتے ہوئے کہا۔ تخاطب تصدق سے کیا۔

"ارے سامان سب حفاظت سے پہنچ جائے گا' تم فکر مت کرو۔" بڑی ماں نے کہا۔

"اوہ' ناممکن' ناممکن ہائے۔ گاڑی میں تم نے ہمیں اس سے جدا کردیا۔ ہم تو چلمن میں بھی اسے ساتھ رکھا۔ گٹار سے ہمارا دوستی جانم جانم کا ہائے۔ اس کے بغیر ہمارا شخصیت ہاف ہائے۔" جمشید نے جواب دیا۔ اس دوران اس کے پاؤں' ہاتھ اور کولھے ہلتے رہے تھے۔ وہ ہمیشہ رقص کی کیفیت میں رہنے کا عادی تھا۔

"ارے نکالو تصدق! اس کی سارنگی نکال کر اسے دے دو۔" بڑی ماں نے کراہنے والے انداز میں کہا اور تصدق نے ڈکی کھول کر ایک لمبا سا گٹار نکال لیا۔ جونہی گٹار جمشید کو نظر آیا' وہ دیوانہ وار اس کی طرف لپکا اور اسے تصدق کے ہاتھوں سے لے لیا۔

"اوہ جان من' ہم کو معافی دینا' ہم سے ناراض مت ہونا۔" اس نے گٹار کو چومتے ہوئے کہا۔

"ای جان! اب چلیں بھی۔" افشاں نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"تصدق! تم اسے ساتھ لے کر آؤ۔" بڑی ماں نے کہا اور واپسی کے لیے مڑ گئیں۔

"آیئے صائم صاحب!" افشاں بولی اور میں بھی ان دونوں کے ساتھ چل پڑا۔

"اب کیا ہوگا ای جان!" افشاں نے مسخرے انداز میں کہا۔

"کیا ہوگا؟" بڑی ماں نے پوچھا۔

"ان حضرت کو کہاں رکھیں گی؟"

"مذاق مت اڑاؤ افشاں! یہ بھائی جان کی بگڑی ہوئی تقدیر ہے۔ بہرحال میرا خون ہے۔ آیا ہے تو یہیں رہے گا۔ میں جانتی ہوں مجھے کیسی کیسی نگاہیں برداشت کرنا پڑیں گی۔"

"اف اللہ! بدبو کتنی تھی گاڑی میں۔"

"نہ جانے کم بخت امریکا میں ایک آدھ بار نہایا بھی ہے یا نہیں۔"

"ای جان! معاف کریں۔ ان حضرت کو اس انداز میں تو ہم کمپنی نہیں دے سکیں گے۔ بتایئے کیسے برداشت کریں گے۔ لوگ میرا مذاق بھی اڑائیں گے کہ یہ افشاں کا ماموں زاد بھائی ہے۔"

"اس وقت بات مت کرو افشاں۔ میرا دماغ خود چکرا رہا ہے۔ اللہ کے واسطے۔" بڑی ماں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا اور میں نے افشاں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

مسٹر جمشید گٹار گردن میں ڈالے تیز تیز قدموں سے ہماری طرف آرہے تھے تاکہ ہم شامل ہوجائیں۔ تب بڑی ماں گھبرائے ہوئے انداز میں بولیں۔

"خدا کے لیے افشاں' اسے تم ہی سنبھالو' اس کے کمرے میں پہنچا دو اور کسی طرح اسے نہانے پر تیار کردو۔ میں تو ایک منٹ نہیں برداشت نہ کرسکوں گی۔"

"آپ جایئے بڑی ماں۔" افشاں کے بجائے میں بولا اور بڑی ماں نے شکر گزار نگاہوں سے میری طرف دیکھا پھر تیزی سے آگے بڑھ گئیں' حالانکہ عام حالات میں وہ اتنی تیز چلنے کی عادی نہیں تھیں۔ مسٹر جمشید مسکراتے ہوئے ہمارے قریب پہنچ گئے۔ ان کے چہرے پر کھلنڈرے پن کے سے آثار تھے لیکن حماقت لیے ہوئے گول گول آنکھوں میں عجیب سی شرارت ناچتی نظر آتی تھی۔

"ہیلو بوائے۔" اس نے پہلی بار مجھے مخاطب کیا اور میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا "ہام سے ملو۔ ہم۔ ہم اور تمہارا نام؟" اس نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا اور میں نے اس کا ہاتھ' ہاتھ میں لے لیا۔ یہ وہی ہاتھ تھا جسے بے پناہ طاقت دے دی گئی تھی۔ میں نے زور سے جمشید کا ہاتھ دبایا اور جمشید نے ایسی بھیانک چیخ ماری کہ میں خود ڈر گیا۔ میں نے جلدی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"ارے' ارے کیا ہوگیا؟"

"ہائے۔ مارا گیا۔ مارا گیا۔" وہ ہاتھ دبا کر دہرا ہوگیا اور پھر وہ زمین پر پالتی مار کر بیٹھ گیا اور انتہائی سریلے لہجے میں مارا گیا۔ مارا گیا کی گردان کرنے لگا۔

شامت کی ماری بوا نہ جانے کہاں سے نکل آئیں اور ہمارے پاس ہی پہنچ گئیں "آئے ہائے۔ میراثی ہے یہ۔ دل بہلانے کو بلوایا ہے وہاں سے۔" وہ دانت نکال کر بولیں اور جمشید ہاتھ کی تکلیف بھول گیا۔

"ہم میراثی کا مطلب سمجھتا ہائے۔ امریکا میں بہت سا بک بکھا ہائے۔ ہم مراثی نہیں' فنکار ہائے۔ بوڑھا عورت تم غلط سمجھا اور دیکھو۔" جمشید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ گٹار کھینچا اور پھر گٹار کی تاریں گونجنے لگیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ رقص بھی کررہا تھا۔ بوا نے پیچھے کھسکنے کی کوشش کی لیکن جمشید نے انہیں گھیر لیا اور ان کے چاروں طرف ناچ ناچ کر گٹار بجانے لگا۔ بوا بدحواس ہوگئی تھیں۔ وہ خود بھی اچھل اچھل کر اس کے دائرے سے نکلنے کی کوشش کررہی تھیں لیکن جمشید نے انہیں پوری طرح گھیر لیا تھا۔

"ائے۔ ائے۔ ائے۔" بوا بدحواسی میں کہہ رہی تھیں اور افشاں کا ہنسی کے مارے برا حال ہو رہا تھا "ائے ہٹے گا کہ نہیں مٹے مارے۔ اماں نہیں ہیں کیا۔ ائے دیکھو۔ ائے۔ ائے!" بوا احتجاج کررہی تھیں۔ کئی بار انہوں نے جمشید کے دو ہتھڑ مارنے کی کوشش کی لیکن بہرحال وہ پھرتیلا تھا۔

"ائے کوئی شرافت ہے۔ جسے دیکھو پرائی بہو بیٹیوں کے پیچھے لگ رہا ہے۔ عزت محفوظ ہی نہیں ہے۔ ائے ہٹ جا مونڈی کاٹے۔ تیرا ستیاناس!"

"تم نے دیکھا بوڑھا عورت' مراثی اور فنکار میں کیا فرق ہوتا ہے۔" جمشید نے کہا۔

"بھاڑ پھرے تیری شکل پر۔ مجھے جانے دے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" بوا نے کہا۔ اور بالآخر وہ جمشید کے نرغے سے نکل ہی گئیں لیکن گٹار کی آواز پر سب ہی نکل آئے تھے' یہاں تک کہ طالوت اور شکیلہ بھی۔ سب دلچسپی سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے۔

جمشید نے گردن جھکائی اور گٹار بند کردیا۔ بوا بھاگ کر

Uploaded By Muhammad Nadeem

ایک کمرے میں گھس گئیں۔ تب طالوت نے تالیاں بجائیں اور جمشید جیسے انہیں کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بڑے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے چاروں طرف گردن جھکائی لیکن طالوت کو دیکھ کر سیمیں، افشاں وغیرہ اچھل پڑی تھیں۔

"ارے۔ عادل بھائی۔ آپ آگئے۔ آپ آگئے۔" سب اس کے گرد جمع ہو گئے۔

"ہاں بھئی لیکن یہ دو دن میں کیا ماجرا ہو گیا؟" طالوت ہنستے ہوئے بولا۔

"ہائے عادل بھیا۔ بہت کچھ ہو گیا ہے۔" افشاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"وہ بوا تھیں نا؟" عادل نے سیمیں سے پوچھا۔

"ہاں۔ آج ہی آئی ہیں۔" سیمیں نے جواب دیا۔

"کیا بوا نے شادی کر لی ہے؟" طالوت نے بھٹ سے پوچھا۔

"ایں۔ کیوں؟" سیمیں نے ہنسی روک کر پوچھا۔

"پھر یہ کون تھا جو ان کے ساتھ رقص کر رہا تھا؟"

"آپ کے خیال میں یہ بوا کا شوہر ہے؟" سیمیں نے قہقہہ لگایا۔

"اوہ! دونوں اسی طرح محبت بھرے انداز میں رقص کر رہے تھے کہ میں یہی سمجھا اور بوا شرما کر بھاگ گئیں۔" طالوت نے سوکھے منہ سے کہا اور سیمیں ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

سب جمشید کے گرد جمع ہو گئے تھے اور وہ یونہی ہونقوں کی طرح مسکرا رہا تھا۔

"کون ہو بھائی؟" طالوت نے اس سے پوچھا۔

"ہم۔ آئی مین جی۔ میرا مطلب ہے فنکار۔" آخر میں جمشید نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"عادل بھیا! یہ جمشید ہیں۔ آج ہی امریکا سے آئے ہیں۔ امی کے بھتیجے ہیں۔" افشاں نے کہا۔

"آج ہی آئے ہیں؟" عادل نے مسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بلکہ ابھی ابھی۔"

"اوہ۔ آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی جمشید صاحب!" طالوت نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

"ہائے۔ اب نہیں پھنسیں گا۔ بائی گاڈ اب نہیں پھنسیں گا۔" جمشید نے ہاتھ کمر کے پیچھے کر لیا۔ اسے میرا مصافحہ یاد آگیا تھا۔

"پھنس ہی جاؤ یار۔" طالوت بولا۔

"بالکل نائیں۔ بالکل نائیں۔ پھر ہم گٹار کاہے سے بجائیں گا۔ بالکل نائیں۔"

"تمہاری مرضی۔" طالوت نے گہری سانس لی۔

"انہیں ان کے کمرے میں چھوڑ آؤ عادل بھیا۔ آیئے جمشید صاحب!"

"جی بولو۔ جی۔ جی ڈارلنگ!" جمشید نے کہا اور افشاں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

"بہت خوب! کیا میرے جانے کے بعد خاصی ترقی ہو گئی ہے، بہرحال خواتین و حضرات آپ کو بھی مبارک۔ واقعی اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص ہے۔"

"لیکن آپ اچانک کیسے آ گئے عادل بھائی؟"

"بس آ گئے۔ آنا ہی تھا۔"

"خدا کی قسم! بڑی کمی محسوس ہو رہی تھی آپ کی۔"

"ہائے۔ جی۔ جی ڈارلنگ!" طالوت چٹخارے بھرتے ہوئے بولا "لیکن ایک گڑبڑ ہے۔"

"کیا؟"

"بڑی ماں کے جذبات کیا ہیں ان حضرت کے بارے میں، انہیں دیکھنا ہو گا۔ اس کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے۔" طالوت نے کہا۔ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا منصوبہ پک رہے تھے۔

"آپ نے ناشتا تو نہیں کیا ہو گا؟" شکیلہ نے طالوت سے پوچھا۔

"ارے ہاں، اور شکریہ شکیلہ! کیا میں ناشتا کروا سکتا ہوں عادل بھیا؟" سیمیں جلدی سے بولی۔

"سیمیں۔ میں ناشتا کر چکا ہوں۔ ہاں، دو دن کے حالات معلوم کرنے کے لیے ایک نشست ہونی چاہیے جس میں کافی ضروری ہے۔" طالوت نے کہا۔

"میں کہتی ہوں کافی کے لیے۔ آپ لوگ ناشتے کے کمرے میں چلیے۔ میں افشاں کے ساتھ واپس آتی ہوں۔" سیمیں چلی گئی اور ہم سب ناشتے کے کمرے میں جا کر میز کے گرد بیٹھ گئے۔

سیمیں اور افشاں کے پہنچنے تک خاموشی رہی پھر دونوں بھی آ گئیں۔ اس دوران سب ہنستے رہے تھے۔ ہنسنے کے لیے بہت سے خیالات تھے۔

"کارروائی شروع کی جائے۔ مجھے ان دو دنوں کی رپورٹ چاہیے۔" طالوت نے کہا۔

"سب آپ کو یاد کرتے رہے عادل بھیا۔ بڑی شدت سے کمی محسوس ہوئی۔ آج اچانک بہت سے قہقہے بر

پڑے۔ جمشید صاحب اور بوا کی آمد کی اطلاع اچانک ملی۔ تصدق بوا کو لینے گیا تھا۔" افشاں نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"اس قہقہے کی وجہ؟"

"بوا کا خیال ہے کہ تصدق ان پر ڈورے ڈال رہا ہے۔"

"عمدہ!" طالوت ہنس پڑا "تفصیل؟" اور افشاں نے بے تکلفی سے تفصیل بتا دی۔ تصدق کے نوچنے والے واقعے پر طالوت بھی دل کھول کر ہنسا۔

"ان جمشید صاحب کی شان نزول کیا ہے؟"

"امی کے بھتیجے ہیں۔ بارہ سال کے بعد امریکا سے آئے ہیں۔ ماموں جان وہیں آباد ہیں۔"

"بہت خوب۔ بہت خوب! بہرحال اللہ کی دین ہے۔ آپ لوگوں کو خلوص دل سے اس کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔"

"آپ سنایئے بھیا۔"

"بس آپ لوگوں کے بغیر میں بھی اداس تھا۔ میرے والدین بھی بخیریت ہیں۔ جونہی اجازت ملی، میں واپس آ گیا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"لطف آ جائے گا بھئی۔" احسان نے کہا۔

"آج کل ہم مالا مال ہیں۔ شمشیر الدولہ بھی یہیں ہیں، بوا یہیں ہیں اور پھر اپنا جمی۔ مگر بڑی ماں کے جذبات کا خیال رکھنا ہے۔"

"ہاں تمہیں دیکھ کر خود بدحواس ہو گئی ہیں۔" افشاں نے بتایا۔

"اوہ! کچھ کہہ رہی تھیں؟"

"پریشان ہیں ہر طرح۔ ابو جان کے تعلقات ماموں جان سے بھی اچھے نہیں رہے لیکن امی بھتیجے کی آمد کی خبر سن کر باغ باغ ہو گئیں۔ اب وہ پریشان ہیں کہ ابو جان اسے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے۔"

"خوب!" طالوت نے گردن ہلائی۔

"اللہ! بدبودار اتنا ہے کہ تو بڑی مشکل سے ہم نے اس کے ساتھ ایئرپورٹ سے یہاں تک کا سفر طے کیا۔ امی کا تو سر چکرا گیا تھا۔" افشاں نے بتایا۔

طالوت گردن ہلانے لگا تھا۔

پھر اس نے کہا "بہرحال خواتین و حضرات! قدرت نے نعمتوں کے انبار ہمارے سامنے لگا دیے ہیں۔ اب فیصلہ ہو جائے۔ کیا پروگرام رکھا جائے۔ ویسے تصدق اور بوا کی جوڑی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ رہی یہ نایاب شے، تو اس کے بارے میں ابھی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس سلسلے میں بڑی ماں کے جذبات کا جائزہ لیا جائے گا۔"

"میرا خیال ہے امی جان کو بڑی مایوسی ہوئی ہے۔" افشاں نے کہا۔

"پھر بھی بہرحال خون ہے۔"

"ہاں۔ اندازہ کر لیں گے۔" افشاں نے کہا۔

"چنانچہ فی الحال یہ نشست برخاست۔ میرا خیال ہے تھوڑی دیر کے بعد کھانے پر ملاقات ہو گی۔" طالوت اٹھ گیا۔ باقی لوگ بھی اٹھ گئے تھے اور پھر طالوت میرے ساتھ کمرے میں آ گیا۔

"تو عیش ہو رہے ہیں؟" مسکراتے ہوئے بولا۔

"جی ہاں! اعتراض ہے آپ کو؟" میں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ ارے ہم کوئی جلنے والوں میں ہیں۔ ویسے کیسی چل رہی ہے؟"

"یار طالوت، قسم سے بہت عمدہ!"

"یار کو نہ بتاؤ گے؟"

"بس کیا بتاؤں، افشاں بہت ہی شاندار لڑکی ہے۔ انتہائی خود اعتماد قسم کی اور اب وہ بالکل کھل گئی ہے۔"

"سو فیصدی۔ یوں بھی سب بڑے چالاک ہیں۔" میں نے سیمیں اور احسان کی گفتگو سنا دی۔

"بس پیارے، حالات تمہارے حق میں ہی ہیں۔ ابھی ہمارا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہے۔ یار امی کے سامنے بھی مل کر کہنے کی ہمت نہیں پڑی اور پھر ابا جان بھی بیمار تھے۔"

"آیندہ ماہ سہی۔ اس وقت تک شہنشاہ حضور بھی ٹھیک ہو چکے ہوں گے۔"

"ویسے میرے وعدے کی پابندی پر سب خوش ہو گئے تھے۔ واپسی کی اجازت بھی خوشی سے مل گئی۔ خیر یہ تو سب کچھ ہے مگر یاران شمشیر الدولہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا۔"

"کیا یہ پروگرام ہے اس کے بارے میں؟"

"اس نے نواب جلال الدین کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم اس سے کاروباری مقابلہ کریں گے۔"

"اوہ! بس ایک قباحت ہے۔" میں نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"وہ اب تنہا نہیں ہے اور اس کے ساتھ جو عورت تھی، وہ اس کے برعکس نظر آتی تھی۔ بے چاری یونہی شمشیر

Uploaded By Muhammad Nadeem
Scanned By Muhammad Nadeem

الدولہ سے عاجز ہوگی اور پھر سے مالی مصیبتوں میں گرفتار ہوجائے گی۔"

"اگر وہ اچھی ہوئی تو ہم اسے مصیبت میں نہیں پھنسا رہنے دیں گے۔ اگر شمشیر ٹھیک ہوگیا ہوتا تو کوئی بات نہیں تھی۔ وہ اب بھی اتنا ہی ٹیڑھا ہے۔ بس اسے سیدھا کرلیں اور پھر عارف' میرے ذہن میں ایک اور خیال بھی ہے۔"

"کیا؟"

"میں چاہتا ہوں تم کوئی کاروبار جماؤ۔ اب حالات دوسرے ہوگئے ہیں۔ تنویر صاحب کی بیٹی سے شادی کرنے کے لیے ان کا ہم پلہ بلکہ ان سے کچھ آگے ہونا ضروری ہے۔"

"ارے ہاں طالوت! میں نے افشاں کو ایک کہانی سنائی تھی۔"

"براہ کرم سنجیدگی سے سنو۔ اس کے سوالات خاصے پریشان کرنے والے تھے۔ میں نے بڑی ذہانت سے ایک کہانی ترتیب دی ہے' تم بھی سن لو تاکہ اس کی روشنی میں بات کرسکو۔"

"سناؤ!" طالوت نے کہا اور میں نے اسے سوتیلی ماں کی کہانی کی تفصیل سنا دی۔ طالوت مسکراتے ہوئے گردن ہلانے لگا "درحقیقت تم نے بڑی ذہانت سے یہ کہانی ترتیب دی ہے۔ سارے تقاضے پورے کردیتی ہے۔ تم نے مجھے اس سے آگاہ کردیا' یہ اچھا ہوا۔ ہاں تو کاروبار کے سلسلے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"جب تم نے میری شخصیت ہی بدل دی ہے' تو میں اس بارے میں کیا تکلف کروں۔ جیسی تمہاری مرضی۔"

"ہم تنویر صاحب سے مدد لیں گے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم اس عمارت کو بھی دیکھنے چلیں گے۔ تنویر صاحب کچھ کاروباری ضروریات کو پورا کرنے میں ہماری مدد کریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے جواب دیا اور طالوت خاموش ہوگیا پھر ہم دونوں نے غسل کرکے تیاریاں کیں۔ عمدہ لباس پہنے اور دوپہر کے کھانے کے لیے تیار ہوگئے اور تھوڑی دیر کے بعد بلاوا آگیا۔ کمرے سے نکلے ہی تھے کہ بوا مل گئیں۔ طالوت کو دیکھ کر وہ خوشی سے اچھل پڑی تھیں۔

"ماشاء اللہ! جوڑی اکٹھی ہوگئی۔ اللہ سلامت رکھے۔ تم دونوں کو دوبارہ دیکھ کر کتنی خوشی ہے کیا کہوں۔" انہوں نے ہم دونوں کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔

"کیسی ہیں بوا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں میرے بچے۔ بس تمہیں دعائیں دیتی ہوں۔"

"سنا ہے آپ کے ساتھ یہاں بڑی زیادتی ہوئی ہے۔ آخر کیا سمجھ رکھا ہے ان لوگوں نے ہماری بوا کو۔"

"کس کی بات کررہے ہو میاں؟"

"ارے وہ کم بخت۔ قطب مینار۔ ذرا دیکھو بدنظرے کی باتیں۔ گاڑی میں مجھ سے چمٹا جارہا تھا۔"

"اور اس جوکر کے تو دیکھتے ہی ناچنا شروع کردیا تھا۔"

"بوا آدم ہی نرالا ہے یہاں کا بڑے گھرانوں کا۔ سنا ہے بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ پر میاں خدا جانے کم بخت نے کیسا بنایا تھا۔ ہم نے تو ایسے بڑے آدمی کا بیٹا ہوتے دیکھے ہیں۔ ہاں اللہ وسایا کے سرکس میں وہ موئے ہنسانے والے کپڑے جیسے بدلتے تھے۔ مجھے تو وہ دیکھ رہا تھا۔" بوا نے کہا اور ہم بھی ہنسنے لگیں۔

"بہرحال بوا' آپ کے آنے سے ہمیں بہت خوشی ہوئی ہے۔ اب اطمینان سے بیٹھیں گے تو باتیں کریں گے۔"

"اچھا میاں۔" بوا نے سر ہلایا اور ہم دونوں کھانے کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ کمرے میں کئی موجود تھے۔ حضرت جمی شاید ابھی داخل ہوئے تھے لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ ان کے ساتھ ان کا گٹار بھی تھا۔

تنویر صاحب بہت غور سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ مسکرائے اور بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"ماشاء اللہ! تم سے مل کر بڑی مسرت ہوئی جمشید میاں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"میں بھی آپ لوگوں سے ملنے کو بہت تڑپتا تھا انکل۔ کتنا ونڈر فل ہے آپ لوگ۔ اوہ' مجھے مشرق کلاسک بہت پسند ہائے۔ آپ دیکھا' میں آپ لوگ کو اردو میں خط لکھتا۔ میرا مادری تنگ۔ ہاؤ سوئٹ۔۔۔"

"بیٹھو اور اسے ایک طرف رکھ دو۔ کھانے کے کمرے میں اسے لانے کی کیا ضرورت تھی۔" تنویر صاحب نرمی سے بولے۔

"اوہ۔ میوزک سوئٹ انکل۔ موسیقی میری جان ہائے اور یہ گٹار' یہ مجھے سوئٹ سیلی نے دیا تھا۔ بلی کا مائک چمک دار آنکھوں والا سیلی۔ اوہ سیلی ڈارلنگ!"

"کیا تم اسے بھی نیچ کراتے ہو؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"کک۔۔۔" جمشید نے منہ پھاڑ کر پوچھا۔

"اپنے گٹار کو۔"

"اوہ۔ نہیں۔ نہیں انکل۔ آپ مذاق بولتا مگر یہ آل ٹائم ہمارے ساتھ رہتا۔ میوزک ہمارا جان ہائے۔ ہم اسے بیڈ پر ساتھ لے کر سوتا۔"

"ماشاء اللہ! مگر کرسی پر کیسے بیٹھو گے؟"

"بیٹھ جائیں گا۔ بیٹھ جائیں گا۔ ایسا مائک۔" جمشید کرسی پر بیٹھ گیا۔ گٹار اس کی گود میں تھا لیکن دونوں طرف بیٹھے ہوئے لوگوں کو کرسی چھوڑ دینی پڑی تھی۔ کیونکہ گٹار کی لمبائی متاثر ہورہی تھی۔

"دوسری کرسیاں ڈلواؤ۔" تنویر صاحب سنجیدگی سے بولے۔ بڑی ماں کے چہرے پر خجالت کے آثار تھے۔ ویسے شکر تھا کہ جمشید نہ مالیا تھا اور اب اس کے بدن سے وہ بدبو نہیں اٹھ رہی تھی۔ ورنہ کھانے کی میز پر کسی سے نہ بیٹھا جاتا لیکن اس کی کسر اس کے کھانے کے انداز نے پوری کردی۔

نہایت بدتمیزی سے کھا رہا تھا۔ اسے ہندوستانی کھانے' کھانے کا سلیقہ ہی نہیں آتا تھا۔ اس کی ہر ہر سی حرکتیں مسکراہٹوں کا سبب بنیں۔ اوپر سے تنویر صاحب کی سنجیدگی سونے پر سہاگہ تھی۔ وہ بغور اس لنگور کا جائزہ لے رہے تھے' جو دونوں ہاتھوں سے کھانا اس طرح سمیٹ رہا تھا جیسے آندھی آنے والی ہو۔

"ہمت مزے کا کھانا ہائے' ہمیں پسند آیا۔" اس نے سب سے آخر میں کھانا ختم کرتے ہوئے کہا۔

"ہماری خوش بختی ہے۔" تنویر صاحب بولے "اور سناؤ شاداب علی کیسے ہیں؟"

"کاکن شاداب۔ ام نہیں جانتا۔" جمشید بولا۔

"اوہ۔ میں تو سمجھا تھا ہائے مگر ڈیڈی کا دوست اس کو شیڈوب بولتا ہائے۔ مسٹر شیڈوب!"

"ماشاء اللہ! انگلش بہت اچھی ہوگئی ہے۔ کاروبار کیسا چل رہا ہے تمہارا؟"

"اوہ۔ میں نہیں جانتا انکل۔ یہ' پپ کا ورک ہے' وہی جانتا۔ میں تو بس میوزک جانتا۔ آپ بولو تو سناؤں۔" جمشید اچھل کر کھڑا ہوگیا۔

"ابھی نہیں' ابھی نہیں' ابھی کھانا کھایا ہے۔"

"ٹھیک ہائے' ٹھیک ہائے پھر سنائیں گا۔ جب آپ کا موڈ ہوئیں گا تب سنائیں گا۔ اوہ۔ انکل آپ نہیں جانتا' آپ کا جی نیویارک میں ہیرو ہائے۔ جدھر نکل جاتا لڑکی لوگ اسے کس مارتا۔ ایک دم دور سے آتا اور کس مارتا۔"

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔" تنویر صاحب نے کہا اور ہماری طرف دیکھ کر بولے "آپ لوگ ذرا احتیاط رکھیں۔" سب کی ہنسی نکل گئی تھی "اور مسٹر جی! آپ بھی ذرا خیال رکھیں' یہ نیویارک نہیں ہے۔"

"نظر آتا ہائے۔ ادھر تو کچھ نہیں ہائے۔ ہم ایئرپورٹ سے ادھر تک کا عمارت دیکھا۔"

"اچھا بھئی۔ آیئے جلال بھائی اور آپ بھی مسٹر عادل اور صائم۔" تنویر صاحب نے کہا اور ہم چاروں باہر نکل آئے۔

"یہ شاداب میاں کی اولاد ہے تنویر۔ کیا ہوگیا شاداب کو؟" باہر نکل کر۔ "جلال الدین نے کہا۔

"اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ شاداب میاں کے اعمال کون سے اچھے تھے۔ آپ کو تو معلوم ہے جلال بھائی اور اللہ تعالیٰ کسی کو چھٹی نہیں دیتا۔ شاداب کے اعمال کی سزا آپ کے سامنے ہے۔ کیا خوب جنا ہے۔ باپ کی ریڑھ کی ہڈی!"

"لیکن کیا کہا جاسکتا ہے تنویر۔ ممکن ہے شاداب اپنے اس جنے پر بیٹے کے جدید طریقے سے خوش ہو؟"

"ٹھیک ہے' اللہ بہتر جانتا ہے۔" تنویر صاحب بولے اور پھر ہماری طرف دیکھ کر کہنے لگے "آپ لوگ اس چڑیا گھر سے بددل نہ ہوں شہزادہ صائم اور شہزادہ عادل!"

"اوہ۔ نہیں جناب۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"ارے بھئی یہ عادل میاں تو بڑے ستم ظریف ہیں۔ شمشیر الدولہ جب انگلینڈ سے واپس آیا تھا تو وہ بھی پچہتر فی صد پاگل تھا لیکن عادل میاں نے اس کے دماغ درست کردیے تھے۔" جلال الدین نے کہا۔

"اوہو۔ لیکن بیگم کے اکلوتے بھائی کی اولاد ہے اس لیے ذرا احتیاط رکھنا ہوگی۔ میں اس مردود کو کھڑے کھڑے کھانے کے کمرے سے نکال دیتا جس کا گٹار ہر وقت اس کے ساتھ ہوتا ہو لیکن بیگم خود ہی شرمندہ نظر آرہی تھیں' ان کی غم انگیز خاموشی نے مجھے بھی خاموش کردیا۔ نہ جانے بے چاری کیا کیا خیالات باندھے بیٹھی تھیں۔ یہ لنگور تو ان کے تصور میں بھی نہ ہوگا۔"

"خیر چھوڑو۔ آیا کتنے دن کے لیے ہے۔ چلا جائے گا۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

"آؤ بھئی' کہیں بیٹھتے ہیں۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر وہ ہم سب کو لیے ہوئے نشست کے کمرے میں پہنچ گئے "آپ کے والدین کیسے ہیں عادل میاں؟"

"ٹھیک ہیں۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"کاروبار ریاست کیسا چل رہا ہے؟"

"بالکل ٹھیک۔" طالوت نے جواب دیا اور پھر بولا "مجھے آپ سے کچھ ضروری گفتگو کرنی ہے اکبل۔"

"ہاں ہاں بیٹے ضرور۔ کیا بات ہے؟"

"میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں نے ایک عمارت خریدی ہے۔ میں نے اسے تبدیل بھی کرایا ہے' دو ایک دن میں کام مکمل ہو جائے گا اس کے بعد میرا پروگرام ہے کہ میں یہاں کاروبار کروں۔"

"نہایت مناسب خیال ہے۔" تنویر صاحب خوش ہو کر بولے۔

"اس سلسلے میں مجھے آپ سے کچھ مدد چاہیے۔"

"ہر طرح سے حاضر ہوں بیٹے کہو؟"

"کاروباری امور میں گورنمنٹ کے جو کام ہوتے ہیں' وہ آپ کو کرانے ہوں گے۔ میرا مقصد ہے فرم کا رجسٹریشن وغیرہ' ایکسپورٹ لائسنس اور ایسے ہی دوسرے کام۔"

"سب ہو جائے گا مگر کاروبار کیا کرو گے؟"

"قالینوں کا۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اوہو۔" نواب جلال الدین مسکرا اٹھے "اور یہ کاروبار یقیناً شمشیر الدولہ کے مقابلے پر ہو گا؟" طالوت ہنسنے لگا۔

"بہرحال میری ساری خدمات حاضر ہیں۔" تنویر صاحب نے کہا "میں آج ہی اپنے کاروباری مشیر کو بلاتا ہوں اور اس سے فرم کے کاغذات تیار کرا لیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ!" طالوت نے جواب دیا۔ اس کے بعد کافی دیر تک ہم لوگ گفتگو کرتے رہے پھر نواب جلال الدین نے اجازت چاہی۔

"میں اپنے کچھ دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں۔ ممکن ہے شام کی چائے پر نہ ہوں' آپ لوگ خیال نہ کریں۔"

"ٹھیک ہے' آپ بھی آرام کریں۔" تنویر صاحب ہم دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے اور ہم دونوں ان دونوں بزرگوں سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں آ گئے۔ طالوت جوتے اتار کر بستر پر دراز ہو گیا تھا۔

"تو یہ ہیں حالات۔ ایک بات بتاؤ عارف۔ اب ہم اس کوٹھی میں کب تک رہیں گے؟"

"کیوں؟"

"بھئی یہاں رہنے کا کیا جواز ہے۔ مہمان داری کی ایک انتہا ہوتی ہے۔ کیوں تکلیف دی جائے ان لوگوں کو' میرا خیال ہے قرب و جوار میں کوئی خوب صورت سی کوٹھی تلاش کر لی جائے۔ پاس بھی ہوں گے اور الگ بھی۔"

"ہاں' خیال تو برا نہیں ہے۔ رات کو یہ تجویز تنویر صاحب کے سامنے رکھ دیں گے۔"

"یہ مخلص لوگ اجازت نہیں دیں گے لیکن بہرحال اب تو ہم کاروبار بھی کر رہے ہیں۔ میرا خیال ہے خاموشی سے کوٹھی خرید لی جائے اور پھر انہیں اطلاع دے دی جائے۔"

"ٹھیک ہے لیکن یہاں سے جانے کا فیصلہ کچھ لوگوں کے مشوروں سے کیا جائے گا۔"

"یعنی۔ یعنی؟" طالوت آنکھیں پھاڑ کر بولا۔

"افشاں سے اجازت لینا ضروری ہے۔"

"اللہ اکبر۔ اللہ اکبر!" طالوت نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"تمہارا کیا ہے استاد' تمہاری راج نیتی ہمارے ایک اشارے پر تمہارے ساتھ ہو گی لیکن میری پیاری افشاں' وہ تو ابھی فیروں کے بس میں ہے۔"

"حق اللہ!" طالوت نے زور سے نعرہ لگایا "لب پہ پیدائشی عاشق معلوم ہو رہا ہے۔"

"سب تمہاری حرکت ہے۔"

"جی ہاں۔ عشق آپ کر رہے ہیں' شادی آپ کریں گے اور حرکت میری ہے۔ ویسے میرا خیال ہے کچھ ہو ہی جانا چاہیے۔ کیوں نہ میں براہ راست نواب جلال الدین سے بات کروں۔"

"چند روز رک جاؤ یار۔ ذرا کاروبار شروع کر لیں اس کے بعد کچھ کریں گے۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔" طالوت گہری سانس لے کر بولا۔

تقریباً چار بجے تک ہم لوگ اپنے کمرے میں رہے۔ یہاں کے لوگ دوپہر کو سونے کے عادی نہیں تھے لیکن بہرحال ہر وقت تو سب ایک دوسرے میں نہیں گھسے رہتے تھے۔

سوا چار بجے کے قریب کسی نے دروازے پر دستک دی اور میں نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ شکیلہ' افشاں' سیمیں اور احسان کے علاوہ دو لڑکیاں اور تھیں۔

"سو رہے ہیں آپ لوگ؟" افشاں نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ ہم دن میں کبھی نہیں سوتے۔"

"پھر یہاں کیوں لیٹے ہوئے ہیں؟"

"بحالت مجبوری۔" طالوت نے جواب دیا۔

"کیوں' کیا مجبوری ہے؟"

"بھئی آپ لوگ نہ جانے کہاں تھے' کیا کر رہے تھے۔ ہم نے سوچا ہر وقت تو آپ کے سر پر سوار رہنا مناسب نہیں ہے۔"

"تکلف کی باتیں نہ کیا کریں۔ آیئے ذرا بھائی جمشید' میرا مطلب ہے جمی عرف جم کی خدمت میں چلیں۔ ان سے تفصیلی تعارف تو ہوا ہی نہیں۔" افشاں نے کہا۔

"جو حکم۔ ذرا لباس بدل لیں؟"

"ابھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ شام کی چائے پر دیکھا جائے گا۔" افشاں بولی اور طالوت نے شانے ہلا دیے پھر ہم دونوں بھی اس گروہ میں شامل ہو گئے اور یہ شیطانی ٹولی لاروڈ جم کی خواب گاہ کی طرف چل پڑی۔ دبے پاؤں سب لوگ دروازے پر پہنچے اور چابی کے سوراخ سے باری باری اندر جھانکنے لگے۔

"ارے خدا کی پناہ!" سیمیں بولی۔

"کیا ہوا۔ کیا ہوا۔" افشاں نے سیمیں کے شانے پکڑ کر اسے چابی کے سوراخ سے ہٹایا اور خود آنکھ اس پر لگا دی اور پھر اس نے بمشکل ہنسی روکی۔

"بات کیا ہے؟" شکیلہ نے کہا۔

"الٹا کھڑا ہے احمق کہیں کا۔" افشاں نے کہا "اور صرف زیر جامہ پہنے ہوئے ہے۔"

"ہائے مگر اسے ہوا کیا؟" افشاں کراہی۔

"تمہارا کزن ہے افشاں! کچھ تو خیال کرو۔" سیمیں مسکراتے ہوئے بولی۔

"اوہ' ہاں۔ چلو اسے سیدھا کریں۔" افشاں بولی۔

"ارے افشاں! کیوں نہ اچانک اندر گھس جائیں' لطف آ جائے گا۔" شکیلہ جیسی سنجیدہ لڑکی کے ذہن میں نہ جانے کہاں سے شرارت گھس آئی۔

"دروازہ تو اندر سے بند ہے۔"

"میں نے پورے چھ ماہ تک ایک نقب زن سے تجوری توڑنے کی تربیت لی ہے۔ دروازہ بے آواز کھل سکتا ہے۔" طالوت آگے بڑھ آیا۔

"تو کھولیے۔" افشاں نے سرگوشی کی اور طالوت نے دکھاوے کے لیے ایک نیل جیب سے نکالی۔ ورنہ یہ بات تو میں بھی جانتا تھا اور شکیلہ بھی کہ دروازہ ایک اشارے سے کھل سکتا تھا۔

بہرحال' کیل باہر نکل آئی اور دروازہ کھل گیا۔ تب اچانک ہم سب نے اسے زور سے دھکا دیا اور دونوں پٹ کھل گئے۔ جمشید بری طرح اچھل پڑا لیکن یہ بات صرف میں ہی دیکھ سکا تھا کہ طالوت نے اپنی ایک انگلی اوپر کر دی تھی۔ اب اس کا مقصد کیا تھا یہ ابھی میری سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

جمشید کی آنکھ کھلی ہوئی تھیں۔ اس نے ہمیں دیکھ کر بھی سیدھا ہونے کی کوشش نہیں کی۔ البتہ اس کے پاؤں' خلا میں سائیکل چلانے والے انداز میں حرکت کر رہے تھے۔

"ویل مسٹر جم! کیا ہو رہا ہے؟" افشاں نے پوچھا لیکن جمشید کے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ البتہ پاؤں کی حرکت تیز ہو گئی تھی۔

"میں نے کہا جمشید بھائی' آپ عالباً الٹے ہو گئے ہیں۔" افشاں پھر بولی۔

"مم۔ مم۔ مجھے سیدھا کرو۔" جمشید کی آواز ابھری۔ اس کے چہرے پر بہت زیادہ بوکھلاہٹ نظر آ رہی تھی۔

"الٹا کیا ہم نے کیا تھا؟"

"میں خود ہوا تھا۔"

"پھر سیدھے بھی خود ہو جایئے۔"

"نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں؟"

"نہیں جانتا' کیا ہو گیا ہے۔ بس سیدھا نہیں ہو سکتا۔"

"اللہ کی مرضی۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟" افشاں شانے اچکا کر بولی "مگر یہ آپ کیا کر رہے تھے؟"

"عبادت!" جمشید نے جواب دیا۔

"سبحان اللہ!" طالوت پیٹ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا اور میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ بات کسی حد تک سمجھ میں آ رہی تھی۔ جمشید الٹا اپنی مرضی سے ہوا تھا لیکن بدمعاش طالوت کی موجودگی میں اپنی مرضی سے سیدھا نہیں ہو سکتا تھا اور بے اختیار میری ہنسی نکل گئی۔

جمشید نے اب سائیکل چلانا بند کر دی تھی۔ وہ اب ساکت ہم سب کی شکلیں دیکھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر صبر کے آثار تھے۔ کئی منٹ گزر گئے تھے۔ میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح بے تعلق تھا۔

"جمشید بھائی!" سیمیں نے آواز دی۔

"آئی ایم سوری لیڈیز۔ میں آپ لوگ کو اچھا ریسپشن نہیں دے سکتا۔ آئی ایم سوری۔" وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"مگر آپ سیدھے تو ہوں۔" افشاں نے کہا۔

"نہیں۔ یونہی ٹھیک ہوں۔ آج عبادت میں گڑبڑ ہو گیا ہے۔ اب جب تک گوڈا کا مرضی ہو میں گا' الٹا رہیں گا۔" جمشید نے ایسی بے چارگی سے کہا کہ سب ہنس پڑے۔ میں

کتابیات پبلیکیشنز

Uploaded By Muhammad Nadeem

آہستہ آہستہ طالوت کے قریب پہنچ گیا تھا اور پھر میں نے سرگوشی کی۔

"بس طالوت "کافی ہے۔"

"واقعی؟" طالوت نے میری طرف رخ کیے بغیر کہا۔

"ہاں۔ اس کی بے چارگی پر ترس آگیا ہے۔"

"چلو ٹھیک ہے۔" طالوت نے کہا اور جمشید پٹ سے نیچے آپڑا لیکن اس کا چہرہ اب بھی پرسکون تھا۔ وہ اسی طرح نیچے پڑا رہا۔ لڑکیاں اب بھی ہنس رہی تھیں۔

"لیڈیز اینڈ جنٹلمین۔ آپ کو تکلیف تو ہوئیں گا' میرے کو اٹھا کر کرسی پر رکھ دیں۔ میرا نروس بریک ڈاؤن ہے۔ میں کھڑا نہیں ہو سکتا ہائے پلیز۔" جمشید لجاجت سے بولا۔

"افوہ۔ جمشید بھائی! کمال ہے۔ آخر آپ ہیں کیا چیز؟" افشاں پیر پٹخ کر بولی۔

"آرام آرام سے بچا کرو۔ جلدی مت کرو۔ ہم فنکار ہے' دیر سے سمجھ میں آئیں مگر کیا تم لوگ ہمارا ہیلپ نہیں کریں گا؟" جمشید مخصوص انداز میں بولا۔

"آؤ بھئی۔" طالوت بولا اور پھر میں نے اور طالوت نے جمشید کو اٹھا کر کرسی پر بٹھایا۔ اس کی آنکھیں بدستور پتھرائی ہوئی تھیں' بے تاثر آنکھیں پھر اس نے یاس بھری نگاہوں سے افشاں کو دیکھا۔

"کزن۔ ڈیر کزن! ہمارا پرسنالٹی خراب ہوگیا ہائے۔ کیا تم وہ چادر ہمیں نہیں دیں گا۔" اس نے بستر پر پڑی چادر کی طرف اشارہ کیا اور افشاں نے چادر اس کے بدن پر ڈال دی۔

"مگر یہ کون سی عبادت تھی مسٹر جمشید؟" میں نے پوچھا۔

"عبادت نمبر ایک سو گیارہ!"

"کیا مطلب؟" سب حیرت سے بولے۔

"سوری لیڈیز۔ ہم خود کسی بات کا مطلب سمجھنے کی کوشش نہیں کرتا تو آپ کیوں مغز خراب کرتا۔ آپ لوگ بیٹھو۔ ہم کو رنج سے ہم آپ کا خاطر کچھ نہیں کر سکتا۔"

"آپ ہمیں صرف اس عبادت کے بارے میں بتا دیں۔" شکیلہ بولی۔

"اوہ سیمی کزن! ہم کیا بولے۔ ہمارا بات تمہارا سمجھ میں نہیں آئیں گا۔ بس ہم جو کچھ کرتا خواب دیکھ کر کرتا۔ ایک رات ہم ڈنر میں گیا۔ ادھر چکن فرسٹ کلاس پکا۔ ہم اتنا کھایا کہ پیٹ خراب ہوگیا۔ تب ہم رات کو خواب دیکھا۔ ایک بوڑھا مین بولتا کہ عبادت کرو۔ ہم بولا کیسے' تو اس نے ایسا مانگ کیا۔ تب ہمارا پیٹ ٹھیک ہوگیا۔ ادھر رات کو ڈنر بہت اچھا تھا' ہم کھایا اور پھر خراب ہوگیا۔ تب ہم عبادت کیا۔ ابھی ٹھیک ہے۔" جمشید پیٹ ٹھیک کرنے کے لیے عبادت کر رہا تھا۔

"زندہ رہو یار' پیارے آدمی ہو۔" طالوت نے بڑے پیار سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور جمشید شرمائے ہوئے انداز میں مسکرانے لگا پھر چونک کر بولا۔

"لیکن مین' میں تمہارا خدمت کروں۔ ادھر تو کچھ نہیں ہے۔ ویری سوری۔ ابھی تم ہمارا کنٹری آؤ تو میں تمہارا خدمت کروں گا۔ اس ٹیم میرے کو معاف دو۔"

"دیا۔ بخدا دیا۔ بس اب تم جاؤ۔ باہر سب لوگ تمہارا انتظار کر رہے ہوں گے۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ' مگر کیسے تیار ہوں۔ اوہ گڈ! تم بھی ہم تیار ہوتا ہائے۔" جمشید نے کہا اور پھر وہ بدن پر چادر ڈال کر الماری کی طرف گیا۔ اس سے کپڑے نکالے اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا۔ لڑکیاں اب بھی ہنس رہی تھیں۔

"آپ نے ایک بات محسوس کی صائم بھائی؟" سیمی نے کہا۔

"کیا؟"

"جمشید کے اندر ایک عجیب بات ہے۔ یہ صورت حال پیش آئی لیکن انہوں نے ہمارے اس طرح گھس آنے کا برا نہیں منایا بلکہ اس بات پر افسوس کر رہے تھے کہ وہ ہماری خدمت نہیں کر سکتے۔"

"ہاں۔ یہ بات تو ہے۔" طالوت نے بھی اعتراف کیا۔

"ایک شمشیر الدولہ بھی ولایت پلٹ تھے۔"

"غیر ممالک میں سب برے نہیں ہوتے' جو کوئی جس شخصیت کو اپنا لے۔ بہرحال یہ شخص کافی دلچسپ ہے اور ہمارے شب و روز کو رنگین بنائے گا۔" میں نے کہا اور ہم سب جمشید کے کمرے کے مختلف حصوں میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ پانچ منٹ' دس منٹ اور پھر پندرہ منٹ گزر گئے لیکن جمشید باتھ روم سے نہ نکلا۔

"ارے کیا ہوگیا اسے؟" احسان نے باتھ روم کے دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور اسی وقت اندر سے گنار کی آواز پھوٹ پڑی۔ سب اچھل پڑے تھے۔

"کیا مطلب؟" سیمیں حیرت سے بولی۔

"یہ گنار باتھ روم میں کہاں سے پہنچ گیا؟" افشاں حیرانی سے بولی اور ہم سب گنار سننے لگے۔ اچھا خاصا نغمہ تھا لیکن

جس جگہ بجایا جا رہا تھا وہ بڑی مضحکہ خیز تھی۔

"اب کیا خیال ہے دوستو؟" طالوت ہنس کر بولا۔

"آواز تو دیں۔ نہ جانے کیا ہوگیا اس پاگل آدمی کو۔" افشاں نے کہا۔

"چل کر دیکھا جائے اندر۔" طالوت بولا اور سب ہنس پڑے۔

"نہیں عادل بھائی۔ نہ جانے کس حال میں ہو۔ کوئی صحیح الدماغ شخص تو ہے نہیں۔" افشاں نے کہا۔

"تو پھر اسے باہر بلانے کی کوئی ترکیب کرو' ورنہ وہ اندر بیٹھا گنار بجاتا رہے گا اور ہم سب یہاں احمق بنے بیٹھے رہیں گے۔" احسان نے کہا۔

لڑکیاں ہنستے ہنستے بے حال ہوگئی تھیں۔ درحقیقت یہ جمشید نایاب چیز تھی۔ اس کی حرکتوں میں ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوتا تھا۔ وہ ظریف نہیں بلکہ ستم ظریف تھا اور اب اس وقت کا ہی معاملہ لے لیا جائے' وہ ہم سب کو یہاں بٹھا کر باتھ روم میں گنار بجا رہا تھا۔ کوئی اندر جا بھی نہیں سکتا تھا۔

بالآخر میں' احسان اور شکیلہ آگے بڑھے۔ ہم نے زور زور سے باتھ روم کا دروازہ دھڑ دھڑایا اور گنار کی آواز بند ہوگئی۔ امید افزا بات تھی۔ دوسری اور تیسری بار دروازہ بجانے پر اندر سے جمشید کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"ارے کون آگیا صبح ہی صبح؟"

"کیا جمشید صاحب اندر موجود ہیں؟" طالوت نے آواز لگائی۔

"ہاں! کون صاحب ہیں؟" اندر سے جمشید کی آواز آئی۔

"آپ کے لیے ایک ضروری کام ہے۔" طالوت نے کہا اور چند لمحوں کے بعد اندر سے دروازہ کھل گیا۔ جمشید لباس پہن چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں گنار تھا اور آنکھوں میں عجیب سا کھویا کھویا سا تاثر تھا۔

"کیا بات ہے؟" اس نے خالص امریکن لہجے میں پوچھا۔

"کیا ہو رہا تھا اندر؟"

"ایں!" جمشید چونک پڑا "تم کون ہو؟ یہ میرا گھر ہے۔" پھر اس نے باقی لوگوں کی شکلیں دیکھیں اور کھڑے کھڑے جھومنے لگا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی جا رہی تھیں پھر وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی والا تھا کہ سیمیں' احسان اور طالوت نے اسے جلدی سے سنبھال لیا۔ گنار جمشید کے ہاتھ سے لے لیا گیا اور ہم سب اسے باہر لائے۔

"یہ کیا ہوگیا؟" افشاں کی سرسراتی آواز ابھری۔

"ابھی پتہ چل جاتا ہے۔" طالوت نے کہا اور پھر جمشید کی سفید پتلون پر ایک ننھا سا سرخ دھبہ ابھر آیا۔ طالوت نے اس کی ران میں پن گھسیڑ دی تھی لیکن جمشید کے جسم میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔ طالوت کی آنکھوں میں خجالت کے آثار ابھر آئے۔ جمشید کو تکلیف دے کر اسے افسوس ہوا تھا۔

بہرحال ہم سب نے اسے بستر پر لٹا دیا۔

"یہ سب کیا ہے عادل بھائی؟" افشاں نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"کوئی انوکھا کیس! یہ بے ہوش ہے۔" طالوت آہستہ سے بولا۔ سب ہی جمشید کے لیے دل میں ہمدردی محسوس کر رہے تھے۔ اچھا خاصا نوجوان تھا۔ بے چارہ ذہنی طور پر بھی کم تر تھا اور اس وقت کی بے ہوشی بہرحال قابل رحم تھی۔ اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی جانے لگی اور چند منٹ کے بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سہمی ہوئی نگاہوں سے ایک ایک کا جائزہ لینے لگا اور پھر بستر سے چھلانگ لگا دی۔ وہ اس طرح اپنا بدن چھپا رہا تھا جیسے برہنہ ہونے کا احساس ہو رہا ہو لیکن پھر اس نے بدن کے لباس کو دیکھا اور سکون کی گہری سانس لی پھر جھینپی جھینپی... نگاہوں سے ایک ایک کی شکل دیکھنے لگا۔

"اب کیا کروں؟" اس نے احمقانہ انداز میں پوچھا۔

"کیسی طبیعت ہے جمشید صاحب؟" طالوت ہمدردی سے بولا۔

"ٹھیک ہائے' ٹھیک ہائے مگر آپ لوگ کھڑا کیوں ہے؟"

"چلے جاتا نہیں کریں گے۔"

"اوہ۔ آئی ایم سوری۔ پلیز میرا گنار واپس رکھ دیں۔ میں اس کے معاملے میں بہت جذباتی ہوں۔ پلیز آپ لوگ مائنڈ نہیں کریں گا۔" اس نے گنار احسان کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑے پیار سے اس پر ہاتھ پھیرنے لگا پھر وہ گنار سمیت ہی ہمارے ساتھ باہر آیا تھا۔ ناشتے کے کمرے میں بھی وہ نیا گنار کے داخل ہوا تھا اور حسب معمول اس کے گنار کو باقاعدہ جگہ دی گئی لیکن نہ جانے کیوں ہم سب اس کے لیے سنجیدہ ہوگئے تھے۔ بزرگوں سے اس کی پراسرار بے ہوشی کا تذکرہ کیا گیا لیکن ناشتے کے بعد سب ہی سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔ جمشید کو اس کے کمرے میں چھوڑ دیا گیا تھا۔

"کیا خیال ہے؟ یہ جمشید کیا چیز ہے؟" احسان نے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

"خدا ہی بہتر جانے۔ ویسے کیا اس کی بے ہوشی مصنوعی تھی۔"

"ہرگز نہیں۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"آپ کہہ رہے ہیں عادل بھائی تو پھر ٹھیک ہی ہوگا لیکن آخر یہ ہے کیا کردار؟"

"میرے خیال میں کوئی ذہنی مرض۔" میں نے کہا۔

"اور پھر امریکا جیسا ملک' نت نئے امراض وہاں ایجاد کیے جاتے ہیں۔ کچے ذہن کا ایشیائی نوجوان جو اپنی شخصیت ان لوگوں میں کھو بیٹھا۔ شمشیرالدولہ دوسری قسم کا انسان تھا' چالاک اور بد فطرت لیکن جمشید اس سے مختلف فطرت کا مالک ہے۔"

"مگر ہے خوب۔" میں نے گردن ہلائی۔

"میرا خیال ہے اس کی حماقتوں پر گرفت نوٹس نہ لیا جائے۔"

"اور اس کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہ کیا جائے جو اسے تکلیف پہنچائے۔"

"طے رہی۔"

"لیکن وہ بے ہوش کیوں ہوگیا تھا؟"

"یہ تو کوئی ڈاکٹر ہی بتا سکے گا۔" طالوت نے شانے ہلاتے ہوئے کہا اور ہم کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے۔ ہاں جمشید نے ہماری ہمدردیاں حاصل کرلی تھیں۔ اس کے بعد سب منتشر ہوگئے۔ طالوت' شکیلہ کے کمرے میں گھس گیا تھا۔ اب وہ تکلف کا عادی نہیں رہا تھا۔ افشاں' تصدق کے ساتھ کہیں چلی گئی تھی۔ میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ کوئی خیال ذہن میں نہیں تھا' یونہی بے خیالی کے عالم میں بیٹھا ہوا تھا کہ دروازے پر آہٹ سنائی دی۔

"اے عادل بھیا' صائم میاں! کوئی ہے؟" آواز بوا کی تھی۔ میں جلدی سے سنبھل گیا۔

"آیئے بوا۔ آیئے۔" میں نے کہا اور بوا کمرے میں داخل ہوگئیں۔ ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں حیرت کے آثار "بیٹھیں بوا' کیسی ہیں؟" میں نے کہا اور بوا بیٹھ گئیں۔

"ٹھیک ہوں بیٹے۔ عادل میاں کہاں گئے؟"

"اوہ' بوا! عادل تو میں ہوں۔ آپ غالباً صائم کی بات کررہی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ایں!" بوا حیرت سے بولیں۔ مجھے گھورتی رہیں پھر کہنے لگیں "نہ بیٹا نہ' محبت کے ماروں سے مذاق نہیں کرتے۔ میا بوا کی آنکھیں کیسی ہی کمزور کیوں نہ ہوجائیں' اولاد کو پہچاننے میں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ میں تم لوگوں کی سگی نہیں ہوں لیکن تم دونوں ایسے پیارے بچے ہو کہ بس اپنے ہی لگتے ہو۔ بتا دے بیٹا' میں جھوٹ تو نہیں کہہ رہی؟"

"نہیں بوا۔ آپ بے حد مہربان ہیں۔ میں صائم ہی ہوں۔"

"اللہ زندہ سلامت رکھے۔" بوا نے دل سے دعائیں دیں اور پھر میں ان سے دوسری باتیں کرنے لگا۔ باتوں کے دوران بوا بولیں "لیکن بیٹا یہاں کا ماحول میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"کیوں بوا؟"

"بس اچھا نہیں لگے ہے۔ لڑکے اور لڑکیاں ہر وقت ایک دوسرے میں گھسے ہی ہی کرتے رہتے ہیں۔ ایک موا مراثی ہے جو امریکا سے آیا ہوا ہے۔ نوکریں تو ہوا میں اڑ رہے ہیں۔"

"ارے بوا۔ وہ تصدق بہت کمینہ انسان ہے۔"

"کون تصدق؟"

"وہی جو آپ کو لینے اسٹیشن گیا تھا۔"

"ارے اس جھاڑو پھرے کی بات مت کرو۔ بڑا ہی کمینہ ہے۔ لوگوں کی بہو بیٹیوں کے تو اسے قریب بھی نہ کھڑا کیا جائے۔"

"واقعی۔ اب دیکھو نا تمہارے بارے میں ہی کیا کہتا پھر رہا ہے۔ وہ تو مجھے احسان نے روک دیا' ورنہ اسے مار بیٹھتا۔"

"میرے بارے میں؟" بڑی بی چونک پڑیں۔

"ہاں بوا۔ جانے دو بے غیرت کو۔"

"ارے مگر کہہ کیا رہا تھا جھاڑو پھرا؟"

"بس بوا' الٹی سیدھی باتیں۔ لڑکیاں تو حیران رہ گئیں۔"

"بتا دے بیٹا۔ تجھے میری قسم' بتا دے۔" بوا ضد کرنے لگیں۔

"بس یہی اسٹیشن سے آنے کی باتیں کررہا تھا۔ کہنے لگا' خود تو بار بار میری ران میں نوچ نوچ کر مجھے متوجہ کررہی تھیں۔ میں نے توجہ نہیں دی تو بگڑنے لگیں۔"

"ہائے میں مرجاؤں۔" بڑی بی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کہہ رہا تھا مجھے دیکھ کر آنکھیں نشیلی بنالیتی ہیں۔" بڑی بی کا دماغ چل گیا ہے۔

"ارے بھوبھل پڑے منہ پر۔ کوڑھی ہو مرے کالیا۔ ہے کہاں ستیاناسی' مار مار کر حلیہ نہ بگاڑ دوں تو نام نہیں۔" بوا بری طرح بپھر گئی تھیں۔

"ارے ارے اس قدر ناراض نہ ہو بوا؟" میں نے ٹکڑا لگایا۔

"ارے ناراض نہ ہوں۔ کم بخت پرائی ہو بیٹیوں کو عیب لگاتا ہے۔ ارے آ تو جائے' گیا کہاں؟" بوا اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"بوا۔ بوا۔ وہ ہے نہیں۔ افشاں بی بی کے ساتھ کہیں گیا ہے آجائے تو اپنا غصہ نکال لیجیے گا۔" میں نے بوا کو روکتے ہوئے کہا "آیئے بیٹھیے۔"

"ارے نہیں بیٹا۔ اب نہیں بیٹھوں گی۔ کم بخت نے دو کوڑی کی عزت کردی۔ اب کس منہ سے تمہارے سامنے بیٹھوں۔ اب تو جب تک دل ٹھنڈا نہ ہوجائے گا میں نہیں بیٹھوں گی۔" بوا کمرے سے نکل گئیں اور میرے حلق میں سیکڑوں قہقہے مچل اٹھے۔ آخر شامت بے چارے تصدق کی۔

بہرحال بوا کے جانے کے بعد میں کمرے سے باہر نہیں نکلا۔ کسی کو اس شرارت کے بارے میں بتانا مناسب نہیں تھا لیکن تقریباً پونے گھنٹے کے بعد کا ہنگامہ ایسا نہیں تھا کہ میں کمرے میں گھسا رہتا۔ بوا کی تیز تیز آوازیں سن کر یہ اندازہ بھی ہوگیا تھا کہ بھائی تصدق مردہ باد!

باہر نکل کر دیکھا تو وہی صورتحال تھی جس کا میں منتظر تھا۔ نہ جانے کس طرح تصدق کی ٹائی پکڑی تھی اور اب تصدق ناچ رہا تھا اور بوا زری کے کام کی جوتی پٹاپٹ برسا رہی تھیں۔

"نیچ' ذلیل خاندان' آنکھیں بند ہوگئی ہیں کیا' عمر بھی نہیں دیکھی تیری ماں کے برابر ہوں۔ ہائے ہائے ان بچوں کے سامنے میری کیسی مٹی پلید کی ہے۔" پٹ پٹ بوا نے اپنے لیکچر کے ساتھ جوتیوں کا میوزک دیا اور پھر شروع ہوگئیں "ارے تو کیا سمجھتا ہے تو مجھے؟"

تصدق کی ایسی حالت بنی تھی کہ منہ سے آواز تک نہ نکل رہی تھی۔ اس کے تن و توش کے آگے بوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن اس وقت اس کی پوزیشن بڑی کمزور تھی۔ اچانک ٹائی کھینچنے سے گرہ تنگ ہوگئی تھی اور وہ کافی تکلیف میں مبتلا تھا۔

بوا کی جوتیوں کے رخ پر وہ ناچ رہا تھا۔ صورت حال تو کسی کو معلوم نہیں تھی' بس یہ بندر کا ناچ سب کے لیے دلکش تھا اور چاروں طرف سے قہقہے ابل رہے تھے۔

صورت حال اس قدر خطرناک ہوجائے گی مجھے اس کا احساس نہیں تھا لیکن اب کیا ہوسکتا تھا۔ بوا کو روکنے اور یہ تماشا ختم کرنے کے لیے کوئی تیار نہ تھا۔ پھر تصدق کی مشکل قدرتی طور پر حل ہوگئی۔ نواب جلال الدین کسی طرف سے آنکلے تھے۔

"ارے ارے بوا۔ ارے بوا۔ کیا ہوگیا؟ ارے یہ کیا کررہی ہو؟ چھوڑو اسے۔" نواب جلال الدین دوڑتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے۔ نواب صاحب کا حکم تھا اس لیے بوا نے ٹائی تو چھوڑ دی لیکن منافع کے طور پر دو چار جوتیاں اور برسادیں اور پھر دوپٹے سے منہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

"جان دے دوں گی یہاں' عزت نہیں گنواؤں گی۔ ہائے ہائے۔ ساری عمر تمہاری ڈیوڑھی میں گزار دی۔ آنکھ اٹھا کر کسی کو دیکھا؟ پہاڑ سی جوانی کاٹ دی' کبھی انگلی نہ اٹھی اور اب اس بڑھاپے میں' ہائے اس بڑھاپے میں۔" بڑی بی نے جھلاہٹ میں چپل اٹھائی اور تصدق نے چھلانگ لگا دی۔

"ارے رک تو سہی مردار۔ گنجا نہ کردوں تو نام نہیں۔" بوا کلکائیں۔

"میں منع کررہا ہوں بوا' آپ کی سمجھ میں نہیں آرہا۔" نواب صاحب غصیلے انداز میں بولے۔

"نکمے کردو میاں مگر عزت نہیں گنواؤں گی۔"

"ارے مگر ہوا کیا ہے؟" نواب صاحب جھلا کر بولے۔

"اسی سے پوچھو۔ اسی سے پوچھو میاں۔ ارے دو کوڑی کا کردیا ہے مجھے۔"

"تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے بوا۔ تصدق! تم میرے ساتھ آؤ۔" نواب صاحب بے چارے تصدق کو بازو سے تھام کر ایک طرف لے گئے اور بوا دوپٹے سے منہ ڈھانپے روتی رہیں۔ ہم سب بوا کو سمجھانے لگے۔ ویسے اصلی بات ابھی بوا کے اور میرے درمیان ہی رہی تھی لیکن ظاہر ہے اس کا بھانڈا پھوٹنے ہی والا تھا۔

سب لوگ بوا کو پکڑ کر ایک کمرے میں لے گئے۔ بوا اب بھی زار و قطار رو رہی تھیں۔

"اللہ کے واسطے بوا' اب چپ بھی ہوجایئے۔ بتایئے تو سہی آخر ہوا کیا؟" سیمیں نے عاجز آکر پوچھا۔

"نہیں بی بی۔ ہرگز نہیں۔ اللہ کے واسطے مجھے یہاں سے واپس بھجوا دو۔ میں اب یہاں نہیں رہ سکتی۔ اللہ مجھے ساتھ خیریت کے گھر بھجوا دو۔ ہائے اس دنیا کو کیا ہوگیا۔"

"اب آپ تصدق کو چھوڑ کر دنیا کی باتیں کرنے

Uploaded By Muhammad Nadeem

لگیں۔"

"ارے چھوڑوں گی تھوڑی اس مزار کو۔ لو اور سنو' کیا سمجھ رکھا ہے مجھے؟"

"اللہ تصدق کی جان پر رحم کرے۔" سیمیں نے ٹھنڈی سانس بھری۔

"ایں!" بوا چونک پڑیں۔ سیمیں کی شکل دیکھتی رہیں اور پھر جو انہوں نے آسمان سر پر اٹھایا توبہ ہی بھلی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھیں اور کہہ رہی تھیں "سیمیں بیٹا! تم سے یہ امید نہیں تھی۔ اللہ کی قسم تم سے یہ امید نہیں تھی۔ ہائے گودوں میں پروان کیا ہے' پوتڑے دھوئے ہیں تمہارے اور آج یہ دن ہے' تم میرے دشمنوں کی خیر مانگ رہی ہو۔ ہائے سیمیں بیٹا۔ تم سے یہ امید نہ تھی۔ تم سے۔"

"بوا۔ بوا۔ بوا۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ اب میری جان کو آگئیں۔" سیمیں بوکھلا کر بولی۔

"ارے اب کچھ ہی ہو جائے' جب اپنے ہی بیگانے ہو گئے' تو کسی سے کہنے سے کیا فائدہ۔" بوا روتی رہیں' پھر سب نے لاکھ پوچھا لیکن بوا نے کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ وہ صرف روتی رہیں اور سب تنگ آگئے۔ پھر کچھ اور لطف آگیا۔ جمشید صاحب کو نہ جانے کیا سوجھی تھی' گٹار لے کر آگیا۔ اس نے تاروں پر انگلیاں پھیریں اور بوا کی آواز کو بریک لگ گیا۔ وہ روتے روتے ایک دم چپ ہو گئیں اور پھر انہوں نے جلدی سے دوپٹہ سر پر لے لیا۔

ہم سب بھی ایک دم جمشید کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔

"اوہ۔ سیڈ سین ہے۔ کیا ہوا' پرانا عورت کیا ہوا؟" اس نے بوا سے پوچھا۔ بوا شاید اس کی اردو نہیں سمجھ سکی تھیں۔

وہ ایک دم واپسی کے لیے مڑیں اور افشاں بول پڑی "ارے' ارے بوا! کہاں چلیں؟"

"اے بٹی' میرا جانا ہی ٹھیک ہے۔ ایسی باتیں دیکھی نہ سنیں۔ اے ایک سے ایک بدحواس ہے اس گھر میں۔ یہ موا مراثی کیا کسی سے کم ہے۔"

"تم پھر ام کو مراثی بولا پرانا عورت۔" جمشید برا مان کر بولا۔

"کیا؟ کیا کہا تو نے مجھے؟ پرانی عورت!" بوا کو غصہ آگیا۔

"تم میرے کو مراثی بولتا؟" جمشید نے آنکھیں نکالیں۔

"ارے۔ مراثی بھاڑ اور نہ جانے کیا کیا۔" بوا نے بھی آنکھیں نکال کر کہا۔

"بوا۔ بوا۔ اب بھی آپ کو کچھ نہ کہوں' بڑی ماں سنیں گی تو کیا کہیں گی۔ جمشید صاحب ان کے بھتیجے ہیں۔" سیمیں نے کہا اور بوا کی آنکھیں ایک دم پھیل گئیں۔

"ایں۔ بھتیجے؟"

"تو اور کیا۔ آپ سمجھتی تو ہیں نہیں۔ جو دل چاہتا ہے بولتی چلی جاتی ہیں۔"

"اور لو' مجھے کیا معلوم تھا۔ اے بھین مگر یہ کیسے بھتیجے ہیں؟" بوا ناک پر انگلی رکھ کر بولیں۔

"لیں جمشید صاحب سے جڑے فنکار ہیں۔" سیمی نے کہا۔

"خدا لگتی کہوں بابا۔ برا مانو چاہے بھلا۔ آنکھیں اس لونڈے کی بھی اچھی نہیں ہیں۔" بوا نے کہا۔

"افشاں۔ مائی کزن۔ پلیز۔ میرے لیے جھینڈ کیا ہوتا؟"

"بہت برا ہوتا۔" طالوت ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

"اور پرانا عورت۔ تم میرے کو مراثی بولتا۔ ہیں؟" جمشید بولا۔ میں تمہارے کو مزار کریں گا' میں تمہارے کو ایک دن مزار کروں گا۔" جمشید نے جیب سے ایک بڑا چاقو نکال لیا اور بوا نے ایک بھیانک چیخ ماری۔ جمشید ان کی طرف لپکا اور بوا نے ایک لمبی چھلانگ لگائی۔ اس عمر میں اتنی پھرتی سے دوڑنا عجوبہ تھا۔ جمشید تو ایک جھٹکی دے کر رک گیا تھا۔

بوا اتنی تیزی سے دوڑی تھیں کہ آن کی آن میں نگاہوں سے غائب ہو گئیں۔ البتہ جب ہم جمشید کی طرف مڑے تو وہ احمقانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

"میرے کو بھاگتا ہوا بڈھا عورت بہت اچھا لگتا۔" وہ شرمائے ہوئے انداز میں بولا۔

"سبحان اللہ!" احسان نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہائی گوڈ۔ معلوم ہوتا' انڈوں پر بیٹھا مرغی بھاگ پڑا۔" جمشید نے پھر کہا۔

"اور حضور نے یہ چاقو کس خوشی میں نکالا تھا؟" طالوت نے پوچھا۔

"بس اس کو بھاگتے دیکھنا مانگتا تھا۔"

"لیکن جناب' یہ امریکا نہیں ہے۔"

"بالکل نہیں ہے۔ ہم جانتا ہے۔"

"اور اس سائز کا چاقو رکھنا یہاں جرم ہے۔"

"آئی نو۔ آئی نو۔ مگر یہ نقلی ہے۔ دیکھو' اصلی کا مالک مگر نقلی۔" جمشید نے چاقو ہمارے ہاتھ میں دے دیا۔ درحقیقت وہ ٹوائے نائف تھا۔ سب کی عجیب کیفیت تھی۔

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

ان لوگوں کے لیے جو خوبصورت کہانیاں پڑھنے کے شوقین ہیں

ہزاروں دلوں کی دھڑکن

محی الدین نواب

کی خوبصورت کہانیوں کے تین دلکش مجموعے

کچرا گھر
قیمت -/100 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
8 بہترین کہانیوں کا مجموعہ

ایمان کا سفر
قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
10 خوبصورت کہانیوں کا مجموعہ

آدھا چہرہ
قیمت -/250 روپے ڈاک خرچ -/25 روپے
پہلا طویل معاشرتی ناول

کمپیوٹرائزڈ کتابت | دلکش طباعت | مضبوط جلد

تینوں کتابوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں

تینوں کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف ۞ خالص قیمت مبلغ -/450 روپے بذریعہ منی آرڈر پیشگی ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

کبھی ہنس رہے تھے، کبھی سنجیدہ ہو جاتے تھے۔

"خوب چڑیا گھر بنایا ہے افشاں صاحبہ۔" احسان ہنستے ہوئے بولا۔

"ایمان سے بتائیے احسان بھائی مزہ نہیں آرہا۔" افشاں کی آنکھوں میں ہنستے ہنستے آنسو آگئے تھے۔

"بے حد۔"

"ارے آیئے اس بے چارے کی حالت تو دیکھیں۔"

"تصدق کی؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" افشاں نے جواب دیا اور ہم تصدق کی تلاش میں چل پڑے۔ تصدق، نواب جلال الدین کے کمرے میں ملا۔ عجیب سی شکل بنائے بیٹھا تھا اور نواب صاحب اسے سمجھا رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر وہ سنبھل گئے۔

"بھئی کیا قصہ تھا؟ تم ہی کچھ بتاؤ۔"

"پتہ نہیں ابو۔ تصدق صاحب کیا بتاتے ہیں؟" سیمیں نے کہا۔

"اس بے چارے کو کچھ نہیں معلوم۔ ہوا نے اسے کیوں مارا؟" نواب صاحب بولے۔

"کمال ہے۔ ادھر ہوا کچھ نہیں جانتیں۔"

"ہوا کافی ضعیف ہو گئی ہیں۔ مجھے ان کی دماغی صحت پر بھی شبہ ہونے لگا ہے۔ تم انہیں سمجھا دو سیمیں، ورنہ مجھے ان کے ساتھ سخت سلوک کرنا پڑے گا۔ آئی ایم سوری تصدق! تم اس بات کو ٹال دو۔"

"میں اب یہاں کس منہ سے رہوں گا جناب! میں شرمندہ ہوں۔ مجھے معاف کردیں۔ اب میں یہاں نہیں رہوں گا۔"

"بس ایک بار تصدق ڈیئر۔ میری وجہ سے معاف کردو۔ سیمیں! ہوا کو میرے پاس بھیج دو بلکہ اسی وقت بلاؤ۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میں بلا کر لاتی ہوں۔" سیمیں نے کہا۔

"نہیں۔ براہ کرم رہنے دیں۔ میں آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا۔" تصدق نے گھبرا کر اٹھتے ہوئے کہا اور پھر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ نواب صاحب نے اسے نہیں روکا تھا۔ پھر وہ آہستہ سے بولے۔

"کوئی گھپلا ضرور ہے۔ تصدق خود بھی ہوا کے سامنے نہیں رکنا چاہتا۔ بہرحال ہوا کو اس حد تک نہیں جانا چاہیے تھا۔ بھئی تم میں سے تو کسی نے شرارت نہیں کی ہے؟" نواب صاحب مسکرا کر بولے لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا پھر سب نواب صاحب کے کمرے سے نکل آئے۔ پورا دن دلچسپ ہنگاموں میں گزرا تھا۔

رات کو میں اور طالوت تنہا ہوئے تو طالوت نے پوچھ ہی ڈالا "یہ بڑی بی نے تصدق کی اس قدر پٹائی کیوں کروائی، سمجھ میں نہیں آیا؟"

"گڑبڑ ہو گئی تھی طالوت۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

اور میں نے طالوت کو تفصیل بتا دی۔ طالوت خوب ہنسا تھا "خیر کوئی بڑی بات نہیں تھی لیکن تم نے مجھے بھی نہیں بتایا تھا، جو کوئی کارروائی کرلیتا، بتا دیتیں تو؟"

"ہاں یار، میری تو روح فنا ہو گئی تھی۔" میں نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

"مگر عارف۔ یہ جمشید ذہن میں کلبلا رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اس آدمی کے بارے میں فیصلہ کرو۔"

"میں نہیں سمجھا طالوت؟"

"یہ کیا شے ہے؟"

"کوئی دماغی کیس۔" میں نے جواب دیا۔

"نہ جانے کیوں عارف۔ بعض اوقات یہ شخص کافی ذہین لگتا ہے۔" طالوت پر خیال انداز میں بولا۔

"ذہین!" میں ہنس پڑا۔

"ہنسو نہیں۔ کیا اس کی کیفیت میں ایک انوکھا پن نہیں محسوس ہوتا؟"

"مگر کیسا انوکھا پن میری جان۔ میں تو نہیں تلاش کرپایا۔"

"بس دل اندر سے کہتا ہے کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔ اس کی آنکھوں سے شوخی ٹپکتی ہے اور اس کی حرکتوں میں ایک باقاعدہ سی شرارت ہوتی ہے اگر وہ بے حد چالاک اور مضبوط اعصاب کا مالک نہیں ہے تو پھر میرے لیے بہت عجیب ہے۔"

"چالاک، مضبوط اعصاب کا مالک؟"

"ہاں۔ وہ الٹا کھڑا تھا، میں نے اسے معلق کردیا لیکن وہ صرف چند سیکنڈ اضطراب میں مبتلا رہا اور پھر پرسکون ہو گیا۔ معمولی بات نہیں تھی عارف! اس حیرت انگیز بات پر اسے پریشان ہو جانا چاہیے تھا۔"

"لیکن طالوت، اس طرح پرسکون ہو جانا اس کے ذہنی عدم توازن کی دلیل بھی ہو سکتی ہے۔ تم غسل خانے والا واقعہ بھول گئے ہو؟"

"نہیں۔ میں نہیں بھولا۔ میں نے اس کے پورا پن اتار

دیا تھا لیکن وہ بے ہوش ہی تھا اور اسی بات پر میں نے اسے معصوم قرار دے دیا تھا۔"

"پھر؟ اور کوئی بات ہوئی؟"

"ہاں!"

"کیا؟" میں نے تعجب سے پوچھا۔

"چاقو والی بات۔ تمہاری شرارت سے بڑی بی نے تصدق کی پٹائی کروادی اور تم یا اور کوئی جمشید کے سلسلے میں بھی کوئی شرارت کر سکتا تھا لیکن اب بڑی بی کی ہمت نہیں پڑ سکتی کہ وہ جمشید کے ساتھ کوئی برا سلوک کریں۔"

"اوہ! تم بہت گہرائی میں سوچ رہے ہو طالوت۔"

"ہاں۔ میرا خیال تھا۔"

"بظاہر ایسی بات نظر نہیں آتی لیکن اگر کوئی گڑبڑ ہے تو بہرحال ہم سے کہاں چھپ سکے گا وہ۔"

"ہاں۔ ٹھیک ہے۔ میں نے سوچا تھا لیکن پن والی بات مصنوعی نہیں تھی۔" طالوت نے کہا۔

"یقیناً۔ اس کے بدن میں جنبش بھی نہیں ہوئی تھی۔"

"بہرحال چھوڑو۔ ویسے تنویر صاحب کی کوٹھی ایک دم دلچسپ تفریحات کا مرکز بن گئی ہے لیکن اس کے باوجود بھائی شمشیر کو نظرانداز کرنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"اوہ! ہاں۔ اب کیا پروگرام ہے؟" میں نے کہا۔

"کاروبار۔ میں چاہتا ہوں کہ آئندہ چند روز میں کام شروع ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ عمارت میں کام مکمل ہو گیا؟"

"اس میں کون سی دیر لگے گی۔ میرا خیال ہے کام مکمل ہو جانا چاہیے۔" طالوت نے کہا اور میں گردن ہلانے لگا۔ دیر تک ہم بڑی بی اور تصدق کے معاملے پر ہنستے رہے پھر طالوت نے موضوع بدل دیا "اب تم افشاں کی بات سناؤ۔"

"افشاں!" میں نے گہری سانس لی۔

"ہاں۔ میری سمجھ میں نہیں ہے۔ بات بہت آگے ہو رہی ہے۔" طالوت شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میں اس سے انکار نہیں کروں گا طالوت! بات واقعی بہت آگے ہو گئی ہے۔ تم یقین کرو بعض اوقات تو میں پریشان ہونے لگتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟ پریشانی کی کیا بات ہے؟" طالوت نے چونک کر پوچھا۔

"بہت سی باتیں طالوت! تم نے حق دوستی کی انتہا کردی ہے، یعنی اپنے ہی شہر میں، میں سرخ رو ہو گیا ہوں۔ اب میرے وطن والوں کو مجھ پر شبہ نہیں رہا ہے اور میں باعزت لوگوں میں شمار ہونے لگا ہوں لیکن ضمیر کبھی کبھی حقیقت کا احساس دلاتا ہے۔ اس وقت سوچنے لگتا ہوں کہ اگر کبھی لوگوں کے سامنے حقیقت کھل گئی تو کیا ہوگا؟"

"خودکشی کرلینا، کون سی بڑی بات ہے۔" طالوت نے بڑے سکون سے کہا۔

"ایں!" میرے منہ سے حیرت زدہ آواز نکلی۔

"کیوں، مرنا نہیں ہے کبھی۔ بات کھل جائے تو کنپٹی پر پستول رکھ کر گولی مار لینا۔"

"طالوت! تم۔۔۔ تم مذاق کر رہے ہو لیکن۔۔۔"

"اجی لعنت ہے مذاق کرنے والے پر۔ عارف! تم درحقیقت ایک بزدل انسان ہو۔ مستقبل کے وسوسوں میں پھنسے رہنے والے اور ایسے لوگ زیادہ دانش مند نہیں ہوتے۔ مستقبل کی فکر میں ہم اپنا حال خراب کرتے رہتے ہیں۔ احمق انسان اس وقت تمہارے سر پر کون سوار ہے، چاروں طرف سے پرسکون ہو۔ اب اور کیا چاہتے ہو۔"

"اوہ۔ طالوت! میں ضمیر کی بات کر رہا ہوں۔ دیکھو نا، افشاں نے ہمارے والدین کے بارے میں سوال کرلیا اور لمبے چوڑے جھوٹ بولنے پڑے۔ نہ جانے آئندہ بھی کتنے جھوٹ بولنے پڑیں گے۔"

"اور جناب بس ولی ہو جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، کیوں؟" طالوت نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"ولی تو نہیں لیکن۔۔۔"

"آخری بار مشورہ دے رہا ہوں عارف! خدا کی قسم آئندہ اس بارے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ تم غور نہیں کرتے۔ تمہاری یہ باتیں میری براہ راست توہین کے مترادف ہوتی ہیں۔ گویا میں ایسا ہی بے وسیلہ انسان ہوں کہ ایک دنیاوی انسان کے لیے کوئی ٹھوس اور مضبوط کام نہیں کر سکتا اور رہی تمہارے ضمیر کی بات، تو تم مجھے بتاؤ، کسی دور میں تم نے کلرکی کرنے کے بارے میں کیوں سوچا تھا۔ کیسی زندگی گزار رہے تھے تم۔ آخر کیوں؟ تنہا ذات کے مالک تھے۔ زندگی کی ابتدا کسی عمدہ سے ڈاکے سے کیوں نہ کی۔ وہ ہی باتیں ہوتیں یا تو پکڑے جاتے اور ایک لمبی سزا ہوتی، یا پھر۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو طالوت۔۔۔" میں نے مضمحل سی آواز میں کہا۔

"حالات نے تمہیں اس طرف دھکیلا تھا اس لیے ضمیر کی تکلیف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"یار طالوت! تم درحقیقت عمدہ دوست ہو۔"

"جی نہیں احمق ہوں اور اپنی اس بکواس سے اگر آپ

Uploaded By Muhammad Nadeem

افشاں کا ذکر گول کرنا چاہتے ہیں تو اس میں کامیاب نہیں ہوں گے' بے فکر رہیں۔" طالوت نے کہا اور میں ہنس پڑا۔

"نہیں میری جان۔ میں اس کا ذکر گول نہیں کروں گا۔ تم سے نہیں کہوں گا تو کس سے کہوں گا دل کی بات۔"

"تو پھر کہہ ڈالیے نا۔" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔

"یار۔ یہ لڑکی بڑی پراسرار توتوں کی مالک ہے۔"

"ماشاءاللہ! عبرانہ ہے اس کا نام؟"

"نہیں طالوت! مذاق نہیں۔ بے حد باہمت ہے۔ انتہائی ٹھوس کردار کی مالک۔ یقین کرو ان حالات میں' میں بزدل انسان نہیں ہوں۔ شیکر کے ساتھ گزاری ہوئی زندگی تمہارے علم میں ہے۔ اس کے علاوہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ بہت سی عورتیں میری زندگی میں آچکی ہیں لیکن افشاں ان میں سب سے الگ ہے۔"

"اے سبحان اللہ! کیوں نہ ہو' میری راج ہنس کی ہم شکل ہے۔" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔

"وہ کھل کر میدان میں آگئی ہے۔" میں نے افشاں کی باغ والی ملاقات اور اس کی گفتگو کی تفصیل طالوت کو بتائی اور طالوت بڑی دلچسپی سے سنتا رہا۔ میرے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا۔

"میرا بھی اس لڑکی کے بارے میں یہی خیال تھا۔ وہ صاحب کردار ہے۔ بس عارف' کسی مناسب وقت' اس کے سلسلے میں کام ہو جانا چاہیے۔ میں اسے اپنی بھابی بنانے کے لیے بے چین ہوں۔"

"ہمیں مناسب وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"ہاں بھئی اور پھر تم اپنے پیروں پر تو کھڑے ہو جاؤ۔ چار پیسے تو کما لو۔ اس کے بعد ہی سارے کام ہو سکیں گے۔" طالوت نے بوڑھوں کے سے انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا "ہنسنے کی بات نہیں۔" طالوت بولا "ہمیں سنجیدگی سے جلد از جلد اپنا کام شروع کرنا چاہیے۔"

"تو میں نے کب منع کیا ہے۔"

"بس کل ضروری ہدایات جاری کر دیں گے۔"

"کام قانونیوں کا ہی ہوگا؟"

"سو فیصد۔ ویسے راسم نے پوری دنیا میں آرڈر دے ڈالے ہیں۔ مال پہنچنے والا ہوگا۔"

"شمشیر الدولہ کی چھٹی؟"

"ہاں۔ مقابلہ تو اسی سے ہے۔"

"بے چارہ۔" میں نے کہا۔

"بے چارہ۔" طالوت آنکھیں نکال کر بولا "ابے اسے تو ایسی جگہ مارا جائے جہاں پانی بھی نہ ہو۔ ہاں ایک خیال میرے ذہن میں آیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کیوں نہ ہم تویر صاحب سے کہہ کر تصدق کو مانگ لیں؟"

"کیا مطلب؟"

"کام کا آدمی ہے یار اور پھر اس کے ساتھ زیادتی بھی ہوئی ہے۔ اس کی تلافی اس کی حیثیت بدل کر کی جاسکتی ہے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"کل بات کر لیں گے۔" طالوت نے کہا اور سونے کے لیے کروٹ بدل لی۔

"اے مسٹر! ایسے نہیں سوئے دوں گا۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"جوابی کارروائی' مجھے شکیلہ کے بارے میں بتاؤ۔"

"ارے اپنے راج ہنس کی کیا بات ہے۔ ہم دونوں یک جان دو قالب ہو چکے ہیں۔ ذہنی طور پر ہم ایک دوسرے کو پوری طرح قبول کر لیا ہے' مذہبی طور پر بھی ہو جائیں گے۔ بس ذرا گھر والوں کو ہموار کر لوں۔"

"بڑی خوشی ہوتی ہے طالوت یہ سب کچھ سوچ کر۔"

"بس اب تم اپنی افشاں کو اور میں اپنی راج ہنس کو آنکھوں میں بسا کر' سو جائیں' صبح ملاقات ہوگی۔" طالوت نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے بھی مستقبل کے خواب آنکھوں میں سجائے اور سو گیا۔ دوسری صبح حسب معمول خوشگوار تھی۔ تویر صاحب کی عظیم الشان کوٹھی بنگلوں کا مرکز تھی۔ اتنے سارے لوگ جمع ہو گئے تھے جس قدر بھی دلچسپیاں ہو سکتی تھیں کم تھیں۔ خاص طور سے ہوا اور جمشید۔ جمشید آج نہایت سنجیدہ تھا اور لطف کی بات یہ کہ اس کا گٹار بھی آج ناشتے کے کمرے میں اس کے ساتھ نہیں تھا۔ اس بارے میں نواب جلال الدین نے پوچھ ہی لیا۔

"جمشید میاں! تمہارا گٹار کہاں ہے؟"

"کمرے میں چھوڑ آیا ہوں انکل۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ ادھر میرے گٹار کا کوئی کاور نہیں ہے۔ آپ لوگ میرے کو معاف بولو۔ میوزک سے بہت دور ہے۔"

"ہاں۔ یہ تو حقیقت ہے۔ ہم سُروں میں کھونے کے عادی نہیں ہیں۔" نواب صاحب بولے۔

"اوہ انکل۔ سُروں کا انسلٹ مت کرو۔ سُر آسمان سے اترتے ہیں۔ سُر کے رشتے کو بھول نہیں سکتے۔ تاروں کا

رشتہ براہ راست روح سے ہوتا ہے گٹار آپ چھوڑو۔"

"تم نے کسی دن گٹار سنایا بھی تو نہیں ہے۔" تویر صاحب بولے۔

"کیا سنائے انکل۔ جب تک کاور ڈان نہ ہو' کیا فائدہ؟"

"میرا خیال ہے آج شام کو جمشید بھائی سے گٹار سنا جائے۔" افشاں نے کہا۔

"ہاں بھئی دیکھیں تو' شاداب نے بیٹے کو کیا فن دیا ہے۔" تویر صاحب بولے اور بڑی ماں نے ناشتے سے ہاتھ روک لیا۔ انہوں نے خاموش نگاہوں سے شوہر کو دیکھا اور اچانک ہی تویر صاحب کو احساس ہو گیا۔ وہ بوکھلائے گئے لیکن براہ راست بیگم کو مخاطب کرنے کے بجائے انہوں نے دوسرے طریقے سے معاملہ ہموار کرنا چاہا۔

"جمشید میاں! تم نے پڑھا کہاں تک ہے بیٹے؟"

"جہاں تک پڑھا جا سکا انکل مگر مجھے میوزک سے عشق تھا۔"

"اچھی بات ہے بیٹے لیکن عملی زندگی بھی ضروری ہے۔ ابھی تک تم نے عملی زندگی کے لیے کیا کیا' مستقبل میں کیا کرنے کا ارادہ ہے؟" تویر صاحب گھبرا گئے تھے اور چور نگاہوں سے بیگم کو دیکھ رہے تھے۔

"زندگی کسی کے لیے کیا کرتا ہائے انکل' جو زندگی کے لیے کچھ کیا جائے۔ مجھے اس بے وفا چیز سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" جمشید نے جواب دیا اور اس انوکھے جواب پر سب چونک پڑے۔

"اوہ۔ کیا خوب! یعنی کیا مطلب ہے تمہارا؟" نواب جلال الدین دلچسپی سے بولے۔

"زندگی کسی کا بات نہیں مانتا۔ زندگی کسی کا تابع نہیں' پھر زندگی کیوں ہوا جائے۔ آپ میرا مطلب سمجھو انکل۔ جب یہ زندگی سے آتا ہائے' اپنی مرضی سے جاتا ہائے تو پھر ہم اس کو بندھن کیوں کرے؟"

"لیکن اس کے لیے بھی تم اس کے لیے اہتمام کرتے ہو۔" تویر صاحب بولے اور جلدی سے ایک پلیٹ بڑی ماں کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "بیگم آپ نے یہ تو لیا ہی نہیں۔" اور ان کی گفتگو نے بڑی ماں کو کسی قدر مطمئن کر دیا تھا اس لیے انہوں نے انکار نہ کیا۔

"اہتمام نہیں انکل' اس کا بے کڈری بولو۔ دیکھو۔ ہم اس کے لیے کچھ نہیں کیا' ہم پیٹ بھرتا ہے' گٹار بجاتا ہے اور مست ہو جاتا ہے۔"

"انوکھی منطق ہے' واللہ! ذہن کو الجھا دینے والی۔" نواب الدین بولے۔

"بہرحال بیٹے' تمہارا خیال درست ہے لیکن پھر بھی سانسوں کو خراج دینا ہوتا ہے۔ یورپ بلکہ مغرب زندگی سے بھٹک رہا ہے۔ وہ حقیقتوں کی تلاش میں گمراہی کی طرف جا رہا ہے۔ تم مشرق کے بیٹے ہو۔ وہاں رہ کر بھی اپنی تہذیب کا خیال رکھو۔" تویر صاحب بولے اور جمشید کھا تا رہا۔

ناشتا ختم ہو گیا اور سب ناشتے کے کمرے سے اٹھ گئے۔ تب میں نے تویر صاحب سے کہا "تویر صاحب! آج ہم لوگ اپنے شوروم کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے ہمارا کام مکمل ہو چکا ہے۔"

"اوہ۔ سائم میاں! واقعی آپ لوگ اس معاملے میں اس قدر سنجیدہ ہیں؟"

"ہاں انکل! ہم کام شروع کر چکے ہیں۔ بہت سے ممالک کو قالینوں کا آرڈر بھی دیا جا چکا ہے۔"

"کمال ہے اور یہ کام تم کس وقت کرتے ہو؟"

"فی الحال تو ہمارے چند کارندے یہ کام کر رہے ہیں' اب ہم بھی توجہ دیں گے لیکن آپ سے ایک درخواست ہے۔"

"ہاں' ہاں کہو۔ میں بھی پورے طور سے تمہارے کام آنا چاہتا ہوں۔ میرے سپرد بھی کوئی خدمت کرو۔"

"بس آپ کی سرپرستی کی ضرورت ہوگی۔ فی الحال اگر پسند کریں تو تصدق ہمیں دے دیں۔"

"تصدق!" تویر صاحب تعجب سے بولے۔

"ہاں۔ ہم اسے انتظامی امور سونپیں گے۔"

"اگر وہ تیار ہو تو ہمیں اعتراض نہیں ہے۔"

"میں بات کروں گا۔" میں نے کہا اور تویر صاحب نے گردن ہلا دی۔

پھر ہم نے تصدق کو پکڑ لیا۔ بے چارے کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ میں اور طالوت اسے اپنے کمرے میں لے گئے۔ "کیا بات ہے تصدق' کافی ست نظر آرہے ہو؟"

"پریشان ہوں صائم صاحب!"

"کیوں؟"

"بس یہ احساس ہونے لگا ہے کہ میں پیدا ہی دوسروں کے جوتے کھانے کے لیے ہوا ہوں۔"

"غلط احساسات کو ذہن میں کیوں جگہ دیتے ہو؟"

"اس لیے کہ عمل سامنے آتا رہتا ہے۔"

"ہوا یوں بھی بزرگ ہیں' چڑچڑی ہیں۔ تمہاری عزت

Uploaded By Muhammad Nadeem

کم نہیں ہوگی۔"

"بات صرف ان کی نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"آپ ہی بتائیں' میرا کیا مستقبل ہے؟"

"بتاؤ گے؟" میں نے پوچھا۔

"چاہتا تو یہی ہوں۔"

"کاروباری صلاحیتیں رکھتے ہو؟"

"پیدا کر سکتا ہوں۔ آج تک موقع ہی نہیں مل سکا۔"

"ہم ایک فرم کھول رہے ہیں' تم پسند کرو تو اس کے منتظم بن جاؤ۔ ابتدائی تنخواہ تین ہزار روپے ماہوار اور منافع بھی دو فیصد۔ میرا خیال ہے بھاری رقم بن جائے گی۔" طالوت نے کہا۔

"للہ' میری حسرتوں کو اجاگر نہ کریں۔" تصدق درد سے بولا۔

"پانچ سال کا معاہدہ۔ ایک کار اور رہائش مفت۔" طالوت بولا۔

"عادل صاحب! میں درخواست کرتا ہوں کہ۔۔۔"

"کمپنی کی طرف سے ڈرائیور بھی۔ شادی کرو گے تو ایک لاکھ روپیہ ملے گا اور تنخواہ میں دو ہزار کا اضافہ کر دیا جائے گا۔" طالوت پھر بولا اور تصدق ہاتھ مل کر رہ گیا۔

"بولو' منظور؟" میں نے کہا۔

"صائم بھائی! آپ بھی۔۔۔" تصدق نے پھیکی سی ہنسی سے کہا۔

"مسخرہ پن کر رہے ہیں تم سے کیوں؟" میں نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"کیا یہ حقیقت ہو سکتی ہے؟"

"تم اس کے لیے تیار ہو؟"

"مجھے اور کیا چاہیے۔" تصدق نے کہا۔

"گویا تم تیار ہو؟"

"جی ہاں!"

"تب تمہیں نئی ملازمت مبارک ہو۔ چلو تیار ہو جاؤ۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم چلیں گے۔"

"کہاں؟"

"ہمارا شوروم تیار ہو رہا ہے' اس کا جائزہ لیں گے۔ کام تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ بس کل سے باقاعدہ کام شروع کر دو۔"

تصدق کی آنکھوں میں کشمکش کے آثار تھے۔ بہرحال وہ گردن ہلا کر چلا گیا اور ہم دونوں پُرخیال انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"کاروبار شروع کرنے کے بعد ہمیں یہاں سے رہائش بھی بدلنا ہوگی' آخر تنویر صاحب کے مہمان کب تک رہیں گے۔" طالوت بولا۔

"ہاں۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔"

"کچھ متردد ہو؟" طالوت مسکرایا۔

"نہیں!"

"یاروں سے جھوٹ!" طالوت شرارت سے بولا۔

"نہیں طالوت! تم سے جھوٹ کیا بولوں گا۔ افشاں سے دور ہونے کا دکھ ہوگا۔"

"دن رات یہیں گزاریں گے' پھر اس میں بھی زیادہ وقت تو نہیں لگے گا۔ ویسے بھی بالآخر افشاں سے شادی سے پہلے تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔"

"ہاں۔ ظاہر ہے۔"

"ویسے اپن خوش نصیب ہیں۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا "اپنی راج ہنس کو ساتھ ہی لے جائیں گے اور اس کے بعد۔۔۔"

"تم تو ہر لحاظ سے ہی خوش نصیب ہو طالوت!"

"اور تم؟"

"ہاں تمہارے نصیبوں کے کچھ جراثیم اپنے نصیب میں بھی داخل ہو چکے ہیں۔ اب کیا پروگرام ہے؟"

"بس تصدق آ جائے' چلتے ہیں۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ تصدق تیار ہو کر آ گیا۔ اس کی نگاہوں میں اب بھی ایسے ہی تاثرات تھے جیسے ہم ایک زوردار قہقہہ لگائیں گے اور بات ختم کر دیں گے لیکن ہم نے اس بات پر کچھ نہ کہا اور خاموشی سے باہر نکل آئے اور پھر خاموشی سے ہی ہم نے شوروم تک کا سفر کیا۔

عظیم الشان عمارت تھی۔ ابھی تک ہم نے فرم کے نام کا بورڈ نہیں لگایا تھا لیکن عمارت پوری طرح مکمل ہو گئی تھی۔ عظیم الشان آئینے اور ان کے پیچھے ہاتھی دانت کے باریک کام کی دیواریں۔ ڈیکوریشن کی ایسی ایسی نایاب چیزیں کہ دیکھ کر آنکھیں کھل جائیں۔ پوری عمارت ایر کنڈیشنڈ تھی۔ کام کرنے والوں نے ہمارا استقبال کیا۔ ٹھیکے دار موجود تھا۔

"کیا کیفیت ہے؟"

"سارا کام مکمل ہے جناب۔ ابھی ابھی الیکٹریکل ڈیکوریشن والے آئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کام شروع کر دیں گے۔ صرف شیڈ فٹنگ رہ گئی ہے' وہ شام تک ہو جائے گی۔ میں نے پوری صفائی کرا دی ہے۔"

"آؤ۔" طالوت نے کہا اور ہم ٹھیکے دار کے ساتھ عمارت کے مختلف حصے دیکھنے لگے۔ کیا بات تھی اس عمارت کی۔ ڈائریکٹر کے لیے جو دفتر بنایا گیا تھا اس میں فرنیچر تک آ گیا تھا۔ بلاشبہ طالوت نے ایسی عمارت بنا دی تھی کہ پورے شہر میں اس کا ثانی ناممکن تھا۔ تصدق کی تو خیر بات ہی کیا تھی میں بھی ششدر رہ گیا۔

"اس کے بعد جو تبدیلیاں تم پسند کرو۔" طالوت نے کہا۔

"تبدیلیوں کی کیا گنجائش ہے طالوت!" میں نے آہستہ سے کہا اور طالوت کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارے شایانِ شان ہے میرے دوست؟" طالوت نے پیار سے پوچھا۔

"میں روپڑوں گا طالوت۔" میں نے جذباتی انداز میں کہا۔

"ارے میری جان۔ تیرے لیے تو میں نہ جانے کیا جذبات رکھتا ہوں۔ یہ تو تیری جوتیوں کی خاک کے برابر بھی نہیں ہے۔ بس مجھے پسند آ گیا میری محنت وصول ہو گئی۔"

"ٹھیک ہے ٹھیکیدار۔ تم اپنے حسابات بناؤ۔ ہم یہاں موجود ہیں' ادائیگی کر کے چلیں گے۔" طالوت نے کہا اور ہم پہلی بار اپنے شان دار آفس کی کرسیوں پر بیٹھے۔ طالوت نے خصوصی طور پر مجھے پروپرائٹر کی کرسی پیش کی تھی۔ تصدق ابھی تک حواس میں نہیں آیا تھا۔

تب ہم نے اسے مخاطب کیا "کیا خیال ہے تصدق! یہاں کہیں بھی خامی نظر آئے تو بتاؤ۔"

"میں۔ میں کیا عرض کروں جناب؟" تصدق پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

"اب تمہیں ذمے داری سمجھ لو تصدق! فرم کے پہلے کارکن کی حیثیت سے کہتے ہو۔ تمہارے کندھوں پر پوری پوری ذمے داری ہے۔"

"میں اتنی محنت کروں گا جناب' جو آپ کے تصور میں بھی نہیں ہوگی۔" تصدق لرزتی آواز میں بولا۔

"انسان کی حیثیت سے جتنا کام کر سکتے ہو کرو۔ ہمیں اسٹاف کی فہرست بنانا ہے اور اس کے بعد تم اسٹاف بھرتی کرو گے۔"

"جی بہتر!" تصدق نے جواب دیا اور پھر اسکے چہرے پر کسی قدر ہچکچاہٹ پھیل گئی۔

"کیوں تصدق! کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

"جی!"

"کیا بات ہے؟"

"تنویر صاحب اس سلسلے میں اجازت دے دیں گے؟"

"تمہارے بارے میں؟"

"ہاں۔"

"ان سے اجازت لے لی جائے گی تم فکر مت کرو۔ کاروبار کی نوعیت سمجھ لو۔ فی الحال ہم دنیا کے بہت سے ممالک سے قالین درآمد کر رہے ہیں لیکن بہت جلد ماہرین کی نگرانی میں اپنے کارخانے لگوائیں گے۔ سامنے ہی شمشیر لیمنڈ ہے۔ ہمارا مقابلہ اس سے ہے۔ ملک بھر کی کمپنیوں تجارتی فرموں' بینکوں' سفارت خانوں اور ایسی تمام جگہوں پر ہمارے ڈیزائنوں کی کتابیں پہنچ جانی چاہئیں جو قالین استعمال کرتی ہیں نمونیں کم سے کم رکھی جائیں اور ہر قیمت پر سپلائی قبول کر لی جائے۔ شمشیر لیمنڈ کو بالکل ڈاؤن کرنا ہے۔ نقصان کی فکر نہ کی جائے۔ اس کے علاوہ فرم کی پبلسٹی کے لیے ملک کی بہت بڑی ایڈورٹائزنگ کمپنی سے رابطہ قائم کرو۔ پبلسٹی کے سارے ذرائع پر اخراجات کیے جائیں۔ تم میرا مقصد سمجھ گئے ہو گے تصدق؟ کہیں کوئی فیلڈ ایسی نہ چھوڑی جائے جو اس کے لیے ضروری ہو اور اخراجات کی کوئی پروا نہ کی جائے۔"

"آپ دیکھیں گے جناب میں نہایت خوش اسلوبی سے یہ سارے کام انجام دوں گا۔" تصدق نے خوشی سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"بس ہم یہی چاہتے ہیں۔ کیا خیال ہے چلا جائے؟"

"چلو۔" طالوت نے کہا اور ہم لوگ عمارت سے نکل آئے۔ تصدق کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ جو ہم کہہ رہے ہیں وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔

"اس کے لیے ابھی بہت ساری چیزوں کی خریداری کرنا ہوگی۔ مثلاً تصدق کے لیے کار' اپنے لیے مکانات وغیرہ وغیرہ۔" راستے میں طالوت نے کہا۔

"میں دفتر کب سے آنا شروع کروں جناب؟" تصدق نے پوچھا۔

"بس تصدق۔ اب یہ سارے معاملات تمہارے ذمے ہیں۔ بہت جلد ہم افتتاح کریں گے۔ سارے کام جس قدر جلد مکمل کر سکتے ہو کر لو' کل تمہارے نام سے اکاؤنٹ کھل جائے گا' جہاں سے تم اخراجات پورے کر سکتے ہو۔"

"بہت بہتر جناب!" تصدق نے جواب دیا۔

"ویسے اس عمارت کے بارے میں تمہارا کیا خیال

Uploaded By Muhammad Nadeem
Muhammad Nadeem

ہے؟"

"میں کیا عرض کرسکتا ہوں جناب! میں نے تو تصور بھی نہیں کیا تھا۔"

"کوئی خامی ہو تصدق' تمہیں اسے درست کرنے کا اختیار ہے اور ہاں ابھی دوسرے لوگوں کو اس کے بارے میں تفصیلات نہیں معلوم ہونا چاہئیں۔"

"بہت بہتر!"

تھوڑی دیر کے بعد ہم گھر واپس آگئے۔ لنچ کا وقت ہوگیا۔ سب موجود تھے۔ ہماری غیر موجودگی میں اور کوئی دلچسپ واقعہ نہیں پیش آیا تھا۔ لنچ پر افشاں' شکیلہ' جمشید اور سیمیں وغیرہ موجود تھے۔ بزرگ بھی تھے اس لیے کسی قدر سنجیدگی برقرار رہی۔ ویسے جمشید کی بے تکی باتیں اور بے تکی حرکتیں بدستور جاری تھیں جس کی وجہ سے مسکراہٹیں جاگتی رہیں لیکن بڑی اماں کے جذبات کا خیال کرتے ہوئے کسی نے کوئی قہقہہ نہیں لگایا تھا۔

لنچ کے بعد سب باہر نکل آئے اور سب ہی ایک جگہ جمع ہوگئے۔

"کہئے حضرات' کوئی خاص مسئلہ درپیش ہے؟" احسان نے کہا۔

"ہاں احسان بھائی!" افشاں نے کہا۔

"کیا بات ہے؟"

"یوں لگتا ہے جیسے ذہن سنسان ہوگئے ہوں۔ معمولات میں کوئی تبدیلی ہی نہیں ہے۔"

"ہونی چاہیے۔ ہونی چاہیے۔" احسان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"لیکن کیا؟" افشاں بولی۔

"یہ فیصلہ سب کریں گے۔"

"میں نے مسئلہ درپیش کردیا ہے' اب فیصلہ کیا جائے۔"

"کوئی پکنک ہوجائے۔" شکیلہ بولی۔

"بالکل!" طالوت نے تائید کی۔

"اس کی نہیں ہورہی عادل بھائی' دوسرے بھی ہیں۔" افشاں شرارت سے بولی۔

"ارے ہاں۔ صائم بھیا! جلدی سے کوئی تجویز پیش کرو۔" طالوت نے برجستہ کہا اور سب ہنس پڑے۔ افشاں نے جھینپنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ بہرحال خاصی گرما گرم بحث کے بعد ایک پکنک طے ہوگئی' جس کے لیے تیسرا دن مقرر کیا گیا تھا۔ آج رات جمشید کے گٹار کا پروگرام رکھا گیا تھا۔

اور پھر سب دوپہر کے آرام کے لیے اپنے کمروں میں چل پڑے۔ ٹھنڈا کمرا بے حد پرسکون تھا۔ میں اور طالوت لباس تبدیل کرکے لیٹ گئے۔ دونوں ہی خاموش تھے' اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے لیکن دفعتاً خیالات کا طلسم ٹوٹ گیا۔ دروازے پر گٹار کی ترنگ ترنگ سنائی دی تھی۔

"خدا خیر کرے!" طالوت دروازے کی طرف دیکھ کر بولا۔

"میں حاضر ہوسکتا ہوں؟" آواز جمشید کے علاوہ اور کس کی ہوسکتی تھی۔ میں نے جلدی سے دروازے پر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔

"اوہ ڈیئر جمشید! شاید تم غلط آگئے۔" میں نے کہا۔

"غلط؟" جمشید نے پہلے زمین اور پھر اوپر چھت کی طرف دیکھا۔

"ہاں' کہاں جانا چاہتے تھے؟"

"یہاں!" جمشید نے میرے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ! خوش آمدید۔ خوش آمدید۔ تشریف لائیے۔" میں پیچھے ہٹ گیا اور جمشید مع گٹار کے اندر تشریف لے آئے۔

طالوت اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔

"سبحان اللہ! وہ آنکھیں ہمارے کمرے میں خدا کی قدرت۔ کبھی ہم ان کو اور کبھی ان کے گٹار کو دیکھتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ' ہاں۔ ہم۔ میں نے سوچا اکیلا کیا جاؤں۔" جمشید نے انکساری سے کہا۔

"بڑا اچھا کیا۔ دونوں آگئے' تشریف رکھیے۔" طالوت نے اشارہ کیا اور جمشید ہونقوں کی طرح ایک کرسی کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے بڑے احترام سے اپنا گٹار کرسی پر رکھ دیا اور خود اس کے نزدیک کھڑا ہوگیا۔

"اوہو۔ آپ بھی تشریف رکھیے۔"

"ایں۔ اوہ۔ اچھا۔ شکریہ۔ شکریہ!" وہ خود بھی کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہم دونوں ہی دلچسپی سے اس کی شکل دیکھ رہے تھے اور جمشید ہمارے یوں لگتا تھا جیسے وہ اپنی آمد کی وجہ بھول گیا ہو۔ کسی طور وہ کوئی چالاک شخص نہیں نظر آتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے بس خبط الحواس ہو۔

"اور سنائیے مسٹر جمشید' آپ تو طویل عرصے کے بعد امریکا سے وطن آئے ہیں۔"

"ہاں۔ بہت طویل عرصے کے بعد۔" جمشید نے کہا۔

"جب آپ یہاں سے گئے ہوں گے تو چھوٹے سے ہوں گے؟"

"ہی ہی بہت چھوٹے۔ بہت چھوٹے۔" جمشید نے ایک ہاتھ سے اشارہ کیا۔

"خیر اتنے چھوٹے بھی نہیں کچھ بڑا کریں۔" طالوت نے کہا اور جمشید کا ہاتھ کچھ اوپر اٹھ گیا۔

"اتنا ٹھیک ہائے؟"

"تھوڑا سا اور۔" طالوت بولا اور جمشید نے برا سا منہ بنا کر تھوڑا سا ہاتھ اور اوپر اٹھالیا۔

"جمشید ڈیئر!" طالوت بڑے پیار سے بولا۔

"بس!"

"تھوڑے سے اور بڑے نہیں ہوسکتے؟"

"آئی ایم سوری۔" جمشید نے ذرا سا ہاتھ اور اوپر اٹھالیا اور بولا "بس مسٹر اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا ہائے۔"

"چلے گا؟" طالوت نے رازدارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا اور مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی "چلیے ٹھیک ہے مسٹر جمشید! آپ کو اتنا بڑا تسلیم کرلیا گیا۔" طالوت نے مطمئن ہو کر گردن ہلادی۔

"شکریہ' شکریہ!" جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"یوں کہئے آپ نے امریکا میں ہوش سنبھالا؟"

"ایک دم۔ ایک دم!"

"وہاں کی زندگی تو بڑی رنگین ہوگی؟" طالوت بولا۔

"اوہ! بنڈریڈ پرسنٹ کلر فل لائف۔ ادھر لوگ کلر ڈریس پہنتا ہائے۔ پورا کنٹری میں کلرڈ مکان ہائے اور رات کو چاروں طرف رنگین روشنیاں بکھر جاتا ہائے۔" جمشید نے پرجوش لہجے میں کہا۔

"اس کے علاوہ؟"

"علاوہ۔ علاوہ ادھر ہائے بالکل نہیں ہوتا۔" جمشید نے کہا۔

"آپ اردو کہاں سیکھی؟" میں نے کہا۔

"اپنا گھر میں ہمیشہ اردو بولتا۔ ہمیں اپنا مدر لینگویج بہت اچھا لگتا ہائے۔"

"اور آپ نے؟"

"اوہ۔ مسٹر شیڈوب ہمیشہ انگلش بولتا۔ گھر میں ممی کے سامنے وہ اردو بولتا تب بھی انگلش میں۔ ہم تو بہت اچھا اردو بولتا ہے۔ اتنا اچھا مسٹر شیڈوب بھی نہیں بولتا۔"

"وہاں تو آپ کی لڑکیوں سے بھی دوستی ہوگی؟" طالوت نے پوچھ لیا اور جمشید کی حالت غیر ہوگئی۔ چہرے پر سرخی دوڑ گئی' آنکھوں میں شرم کے آثار ابھر آئے اور پھر اس نے نگاہیں نیچی کیے کیے گردن نفی میں ہلادی۔

"کیا مطلب؟ امریکا جیسے ملک میں آپ کی لڑکیوں سے دوستی نہیں تھی؟"

"ادھر لڑکی لوگ بہت کھراب ہوتا ہائے۔ لڑکا لوگ کو اپنی کار میں گھسیٹ کرلے جاتا ہائے۔ ممی بولتا' ہم لوگ مشرقی ہائے اور مشرقی شرم و حیا کا گہوارہ ہے۔ ہمیں اپنا کلچر نہیں چھوڑنا چاہیے۔ میں نے کسی لڑکی سے ادھر دوستی نہیں کیا مسٹر! ممی کو بھی شکایت نہیں ہوا۔"

"کمال ہے۔ واقعی کمال ہے۔ کبھی نشہ کیا آپ نے؟"

"ہاں۔ جدھر ہم نے گٹار سیکھا' ادھر لوگ چرس پیتا' افیون پیتا' بھنگ کھاتا' گانجا پیتا اور ایسا ہی دوسرا چیز۔ ہم نے بھی ٹیسٹ کیا مگر ممی بولا یہ ٹھیک نہیں' تب ہم چھوڑ دیا۔"

"ونڈر فل! اگر تم سچ بول رہے ہو میری جان۔ تو پسند آنے لگے ہو۔" طالوت نے کہا۔ جمشید شاید اس کے الفاظ نہیں سمجھ سکا تھا۔ وہ کسی فکر میں مبتلا تھا "تمہارا کیا خیال ہے مسٹر صائم؟" طالوت نے مجھ سے پوچھا۔

"شاید!" میں نے گردن ہلادی۔

"ہم تمہاری کیا خدمت کرسکتے ہیں جمشید؟" طالوت نے پوچھا۔

"آپ لوگ۔ آپ لوگ۔ بس میرے کو اچھا لگتا ہے۔ ادھر میرے کئی دوست تھے' ادھر کوئی نہیں ہے۔ میرا ایک پرابلم ہے مگر میں ادھر کے بولوں؟" جمشید نے کہا۔

"اوہ! ہمیں بتاؤ۔ ہم بھی تمہارے دوست ہیں۔" طالوت بولا۔

"سچ بولنا ہائے؟" جمشید خوش ہو کر بولا۔

"بالکل سچ! بتاؤ کیا پرابلم ہے؟"

"میں تمہارے کو اپنا ہارٹ کا بات بتائیں گا۔ پلیز تم ہمارا ہیلپ کرو۔"

"ضرور۔ ضرور بتاؤ۔"

"مسٹر شیڈوب' آئی مین مائی فادر۔ ایک دم جھوٹ ہے۔ پکا والا جھوٹ۔ ادھر امریکا میں رہ کر بھی وہ رسی والا چارپائی پر سوتا ہائے۔ گھر کا فرنیچر ہمیشہ پرانا خریدتا ہائے۔ اس کا بس نہیں چلتا ورنہ وہ کھانے کا واسطے بھی ہوٹلوں کا بچا ہوا کھانا اٹھالائے۔ وہ بہت لالچی ہائے۔"

"اوہ!" طالوت نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"ادھر امریکا میں بھی ہمارے ملک کا لوگ ہائے مگر ان کا فادر سے دوستی نہیں ہائے۔ وہ لوگ بھی اسے جھوٹ بولتا اور پھر ہمارا ممی بولا ہم ننگ ہوگیا ہائے ہمارا شادی بناؤ۔ بٹ' ادھر کا لوگ مسٹر شیڈوب کو اچھی طرح جانتا۔ ممی امریکن لڑکی لوگ سے شادی نہیں مانگتا۔ تب مسٹر شیڈوب ہمارے

Uploaded By Muhammad Nadeem

کو بولا کہ اپنا ملک جاؤ۔ ادھر ہمارا آنٹی ہائے' انکل ہائے اور ان کا لڑکی ہائے۔ اس کو "تو" بناؤ اور اگر وہ ہمارے کو "تو" نہیں کرے تو دو سرا کسی لڑکی سے لو بناؤ' میرج کرو اور بہت سا دولت لے کر ادھر آجاؤ۔ یہ ٹھیک ہائے۔"

"اوہ! تم اس لیے آئے ہو جمشید؟"

"ہاں مسٹر! آپ صائم۔ آپ عادل؟" اس نے ہم دونوں سے کہا۔

"ہوں۔" طالوت نے گردن ہلائی "پھر تم نے کیا فیصلہ کیا؟"

"میں نے کبھی لو نہیں بنایا مسٹر۔ میرا سمجھ میں نہیں آتا' کیا کروں؟"

"تم آنٹی کی لڑکی سے عشق کرنا چاہتے ہو؟"

"اوہ! شوکریہ۔ شوکریہ۔ میرے کو عشک نہیں آرہا تھا۔ بالکل ٹھیک مگر مسٹر صائم! ادھر تو کئی لڑکی لوگ ہے۔ میں کس سے عشک بناؤں؟"

"تمہیں کوئی پسند نہیں آئی؟"

"نئیں نئیں۔ یہ بات نئیں۔ ادھر تو سب پسند ہائے۔"

"ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلو۔"

"مگر کس کا؟"

"یہ فیصلہ تو تمہیں کرنا چاہیے۔"

"دیکھو مسٹر۔ ہم کرشل عشک کرے گا۔ ہمارا پرسنل بات نہیں ہے۔ پلیز تم ہمارے کو گائڈ کرو۔"

"اچھا۔ یعنی یہ مشورہ بھی ہم ہی دیں کہ تم کس سے عشق کرو۔"

"پلیز' میرا ہلپ کرو۔" جمشید گڑگڑایا۔

"ہوں۔" طالوت نے معنی خیز نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر جمشید سے بولا "یہ شخص چاہتا ہے اسے زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔ تمہارے والد صاحب نے قید تو نہیں لگائی کہ جس سے انہوں نے کہا اسی سے عشق اور شادی کرو؟"

"ایں۔ ایسا بات تو نہیں بولا۔" جمشید نے کہا۔

"تب پیارے جمشید۔ میں تمہیں ایک کام کی بات بتاؤں گا۔"

"اوہ! ایک دم شوکریہ!" جمشید خوش ہو کر بولا۔

"سیمیں کو دیکھا ہے؟"

"شی می! ہاں۔ شی می!"

"کیسی ہے؟"

"ایک دم بیوٹی فل!"

"جانتے ہو اس کا باپ کون ہے؟"

"ہاں' انکل جلال!" جمشید نے جواب دیا۔

"خوب! کافی سمجھ دار ہو۔ نواب جلال الدین' تنویر صاحب سے کہیں زیادہ مال دار ہیں۔ اگر تم سیمیں پر ٹرائی کرو تو کیا حرج ہے۔" طالوت نے کہا۔

"شی می!" جمشید نے جیسے منہ میں مٹھاس محسوس کی۔ میں گہری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ یقیناً جمشید کو اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ سیمیں' احسان کی بیوی ہے۔ دونوں میں سے کوئی بھی شادی شدہ نہیں لگتا تھا۔

"کیا خیال ہے پھر؟"

"وہ بھی کافی خوب صورت ہے۔ کیوں یہ دونوں ایک شکل کا لڑکی۔۔۔"

"دو میں نا۔ یہ مصیبت ہے۔" طالوت بولا۔

"ہاں مگر می بولا تنویر انکل کا ایک لڑکی ہے۔"

"پہلے ایک ہی تھی' اب دو ہو گئیں۔"

"اوکے۔ میں تمہارے مشورے پر عمل کریں گا۔"

"آج ہی سے!" طالوت نے کہا۔

"تھینک یو ویری مچ۔ تھینک یو ویری مچ۔" جمشید نے گٹار اٹھالیا۔ اور پھر وہ واپسی کے لیے مڑا۔ ہم دونوں نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وہ باہر نکل گیا۔

"کمال ہے یار۔ جمشید واقعی اونچی چیز ہے۔"

"واقعی بوم ہے مگر یار مزہ آگیا۔"

"لیکن تم نے غریب سیمیں کو مصیبت میں کیوں پھنسا دیا؟"

"اوہ' عارف! فکر مت کرو۔ تفریح عمدہ رہے گی۔ یہ سیمیں صاحبہ ہم لوگوں سے خوب لطف اندوز ہو رہی تھیں' اب خود بھی تو کسی جال میں پھنسیں۔" طالوت نے ہنستے ہوئے کہا اور میں بھی ہنسنے لگا۔ پھر ہم دونوں کسی تفریح کی تلاش میں باہر نکل آئے لیکن سب لوگ اس وقت اپنے اپنے کمرے میں تھے اس لیے شاید جمشید کی دال بھی نہیں گل سکی تھی اور فی الحال اس نے اپنے کمرے میں ہی چلے جانا مناسب سمجھا تھا۔ ہم بھی یہ صورت حال دیکھ کر اپنے کمرے میں واپس آگئے۔

لیکن شام قہقہہ انگیز تھی۔ جمشید مکمل طور پر عاشقانہ موڈ میں تھا۔ اس وقت لباس بھی اس نے قیامت کا پہنا ہوا تھا۔ سرخ رنگ کی جیکٹ' جس پر ایک انتہائی نفیس مخصوص انداز کی شال پڑی ہوئی تھی۔ سفید فرنچ اسٹائل پینٹ اور گہرے نیلے رنگ کا میکسیکو کے باشندوں کا سا چوڑا ہیٹ جس

کی سفید ڈوریاں گردن میں بندھی ہوئی تھیں۔ عمدہ شکل و صورت کا انسان تھا۔ خاصا متناسب تن و توش تھا۔ اگر چہرے پر حماقت نہ ہوتی اور حلیہ خراب نہ کیا ہوتا تو خاصا دلکش نوجوان تھا۔ اس وقت وہ واقعی جچ رہا تھا لیکن دوسرے لوگ اسے دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

"لو بھئی۔" طالوت نے میرا شانہ دبایا "مرد میداں تو تیار ہو کر آیا ہے۔" میں نے بھی جمشید کو دیکھا اور میرے ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ آگئی۔

"گٹار ساتھ نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"بچہ ذہین ہوتا جارہا ہے۔"

ہم سب لان پر جمع تھے۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ سب ہی عمدہ لباس میں تھے۔ نواب جلال الدین' تنویر صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

پھر ہمارے علاوہ دوسروں نے بھی جمشید کو دیکھ لیا اور سب ہی اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور جمشید حسب معمول تھرکتا ہوا لان پر پہنچ گیا۔

"ہیلو جم۔" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"ہیلو۔" اس نے خالص امریکن اسٹائل میں کہا اور ٹونسٹ کے انداز میں تھرکتا ہوا ہمارے قریب آگیا پھر اس نے سیمیں کو دیکھا اور ہیٹ سر سے اونچا کر کے گردن جھکا دی۔

"بہت اسمارٹ لگ رہے ہو جم!"

"ہاؤ۔ تھینک یو۔ تھینک یو۔ آپ کا کیا خیال ہے مس [illegible]؟"

"خود!" سیمیں سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"آپ کی رائے سننا چاہتا ہوں۔" جمشید نے کہا۔

"[illegible] لگ رہے ہیں جمشید صاحب!" سیمیں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یو۔ ہاں۔" جمشید نے حلق سے آواز نکالی اور پھر مسکرا کر بولا "تھینک یو۔" اور پھر دوسری طرف دیکھنے لگا۔ ہمارے عقب میں کھڑے نواب صاحب تشویش ناک آواز میں نواب جلال الدین سے کہہ رہے تھے۔

"اس شخص کی وجہ سے میں تھوڑی سی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔"

"کیوں؟" نواب جلال الدین نے کہا۔

"یوں تو اس کا وجود ہی قابل نفرت ہے۔ امریکن معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ وہاں کے نوجوان نیم دیوانے ہو گئے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ اس معاشرے کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' جبکہ ہماری نسل کے لوگ ان کے معاشرے کو اپنا کر سخت گھناؤنے ہو جاتے ہیں۔ ان کے ذہن تنگ ہوتے ہیں۔ ان کی نگاہ سطحی ہوتی ہے۔ وہ گہرائیوں میں تو جا نہیں سکتے اور سطحیت جس قدر تکلیف دہ ہو سکتی ہے' اس کی مثال یہ شخص موجود ہے۔"

"لیکن تنویر! اس کی حیثیت۔۔۔"

"اسی وجہ سے خاموش ہوں۔ اسی وجہ سے تو اسے گھر میں جگہ دے رکھی ہے۔ دراصل بیگم کے دوسرے عزیز بھی یہاں نہیں ہیں۔ شاداب نے زندگی میں کبھی کوئی خاص رابطہ نہیں رکھا لیکن اس کے باوجود ان کی بہن انہیں بری طرح چاہتی ہیں اور یہ صاحب زادے' میں نے محسوس کیا ہے جلال بھائی کہ بیگم اس کے حلیے اور انداز سے خوش نہیں ہیں لیکن خون ہے۔ کر بھی کیا سکتی ہیں اور میں صرف ان کے جذبات کا احترام کرتا ہوں ورنہ یہ میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔"

"اوہ' تنویر! احساس نہ ہونے دینا۔ یوں بھی وہ کون سے طویل عرصے کے لیے آیا ہے' واپس چلا جائے گا۔ بھگتیں گے تو اس کے والدین' ہمیں کیا۔" نواب جلال الدین بولے۔

"ٹھیک ہے۔" تنویر صاحب گہری سانس لے کر بولے۔

میں اور طالوت ان کی گفتگو سن رہے تھے۔ دوسری طرف جمشید عشق کے مراحل طے کر رہا تھا۔ ہماری نگاہ اور کان اس کی طرف بھی تھے اور ہم اس کی لن ترانیاں سن رہے تھے۔

"امریکا میں لڑکی لوگ آرٹسٹ پر جان دیتا۔ بہت لائیک کرتا وہ لوگ' صحیح ریسپیکٹ ملتا ہے ادھر آرٹسٹ کو۔ ادھر آرٹسٹ کا کیا پوزیشن ہائے؟"

"تمہارا مطلب ہے تمہارے جیسے آرٹسٹ کی؟" احسان نے پوچھا۔

"یس۔ یس۔۔۔"

"ان سب کے لیے ایک مناسب عمارت تجویز کردی گئی ہے' جو کانجی ہاؤس کہلاتی ہے۔" احسان نے جواب دیا۔

"کان۔ جی۔ ہاؤس۔ ویری گڈ۔ ادھر سارا آرٹسٹ ہوتا ہے؟"

"آرٹسٹوں کے علاوہ وہاں کوئی نہیں ہوتا۔"

"اوہ! تب پلیز' میرے کو ادھر کا پتہ بتاؤ۔ میں ادھر ضرور جاؤں گا۔"

"پتہ بتانے کی ضرورت نہیں ہوتی مسٹر جمشید۔ آپ کسی بھی سڑک پر جا کر گٹار بجانا شروع کردیں' لوگ خود آپ

Uploaded By Muhammad Nadeem

کو وہاں پہنچا دیں گے۔" احسان نے جواب دیا اور سب ہنس پڑے۔

"ونڈر فل۔ ونڈر فل۔ سچ مچ ادھر کا ماحول بہت اچھا ہے۔"

چائے لگ گئی اور سب کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ جمشید کی نگاہ خاص سیمیں پر تھی اور تھوڑی دیر کے بعد نوجوانوں میں اسے محسوس کرلیا گیا تھا لیکن سیمیں اب پہلے جیسی سیدھی سادی لڑکی نہیں تھی' اب وہ ایک جہاں دیدہ اور شادی شدہ عورت تھی۔ اس بات کو محسوس کرنے کے باوجود وہ گھبرائی نہیں تھی۔

پھر چائے کے بعد سب اٹھ گئے اور پھر اس گدھے نے براہ راست پیشکش کردی۔

"مس شی می! براہ کرم کیا آپ میرے ساتھ آئیں گی؟"

"کیا مطلب؟" سیمیں حیرت سے بولی۔

"میرے کو آپ سے کچھ ضروری بات کرنا ہائے۔"

سیمیں نے احسان کی طرف دیکھا اور احسان نے اسے آنکھ سے اشارہ کردیا۔ سیمیں نے گردن جھکا دی اور پھر آہستہ سے بولی "کہاں چلوں جوشید صاحب؟"

"اوہ! باغ کا پچھلا حصہ ٹھیک ہائے۔"

"چلئے۔" سیمیں نے کہا اور جمشید نے اسے ایک بازو کی پیشکش کی لیکن سیمیں ایک دم پیچھے ہٹ گئی تھی اور پھر وہ دونوں آگے بڑھ گئے۔

"یہ اچانک اسے کیا ہوگیا؟" احسان نے کہا۔

"اللہ سیمیں باجی پر رحم کرے۔" شکیلہ نے کہا۔

"مگر ہوا کیا ہے؟"

"تم نے سیمیں کو اشارہ کیا تھا نا؟" طالوت نے پوچھا۔

"ہاں۔ میں نے کہا تھا دیکھیے تو سہی کیا ہوا ہے اس امریکن بکرے کو۔" احسان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے تو آؤ' ہم بھی دیکھیں گے۔" طالوت بولا اور ہم سب ایک دوسرے راستے سے ان دونوں سے پہلے عقبی باغ میں پہنچ گئے۔

سیمیں اور جمشید باغ میں داخل ہو رہے تھے اور پھر جمشید نے ایک جگہ منتخب کرلی۔ ہم سب لوگ بھی اسی طرف کھسکنے لگے تھے اور پھر ہم سب نہایت خاموشی سے ان دونوں کی پشت پر پہنچ گئے۔

"جی فرمایئے جمشید صاحب؟" سیمیں نے کہا۔

"اوہ' مس شی می! کیا بولے آئی مین ہم کیا بولے۔ پلیز تم خود سمجھو' سمجھنے کا کوشش کرو۔"

"لیکن کیا سمجھوں جمشید صاحب؟"

"ہم اس ڈریس میں اسمارٹ لگتا؟"

"جی ہاں۔"

"تب ہم پورا لائف یہی ڈریس پہنے گا۔ بائی گاڈ! ہم ہول لائف۔"

"کپڑے پڑجائیں گے اس لباس میں اور آپ کے بدن میں بھی۔" سیمیں نے جواب دیا اور ہم نے بمشکل ہنسی روکی۔

"اوہ! تب چینج کرے گا' شور۔"

"ہاں' یہی مناسب ہے اور پھر۔" سیمیں نے کہا۔

"مس شی می! آپ کو بھی ہم سے اور کیا ہائے؟"

"جی؟" سیمیں نے منہ پھاڑتے ہوئے کہا۔

"یو سی۔ آئی مین' تم ہم سے میرج کرے گا۔ اوہ۔ مائی گاڈ۔ تمہارے ساتھ لائف کتنا بیوٹی فل گزریں گا۔" جمشید نے آنکھیں بند کرکے کہا۔

"تو آپ مجھ سے محبت کرنے لگے ہیں؟" سیمیں نے گردن ہلائی۔

"ایک دم۔ ایک دم۔" جمشید اچھل کر بولا۔

"اور آپ مجھ سے شادی کریں گے؟"

"شور۔ آف کورس!"

"لیکن میں تو شادی شدہ ہوں۔" سیمیں نے کہا۔

"ایں! کیا مطلب۔ شادی شدہ۔ یو مین میرڈ؟"

"آپ کو نہیں معلوم؟"

"تمہارا ہزبینڈ کدھر ہائے' ہم اس کو نہیں دیکھا؟"

"احسان صاحب کیا آپ کے شوہر ہیں؟" سیمیں نے کہا اور اس بار واقعی ہنسی روکنا سب سے مشکل ثابت ہوا تھا۔ جمشید منہ پھاڑے سیمیں کو دیکھتا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پہلے حیرت اور بے یقینی' پھر غم۔ اور تھوڑی دیر کے بعد ان سے غم جھانکنے لگا تھا۔

سیمیں بھی اس کی کیفیات سے بے خبر نہیں تھی' وہ غور سے جمشید کو دیکھ رہی تھی۔ تب جمشید نے بائیں پاؤں سے ٹھوکر کھاتے ہوئے کہا "کوئی بات نہیں شی می! جب ہم دونوں ایک دوسرے کو لو کرتا تو ان باتوں کا کیا اہمیت ہائے۔ تم اپنے شوہر سے علیحدہ ہوجاؤ۔ میں تم سے شادی کرلیں گا۔"

سیمیں کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لیے سخت غصے کے آثار نظر آئے لیکن نہ جانے کس طرح اس نے برداشت کیا اور پھر لہجے کو پرسکون بنا کر بولی۔

"میں آپ کی بات مان سکتی ہوں مسٹر جمشید! لیکن آپ

کو مختلف مراحل میں میری تین شرطیں پوری کرنا ہوں گی۔"

"اوہ۔ شرطیں۔ شہزادیوں کی طرح؟ ونڈر فل۔ میں نے مشرقی شہزادیوں کی کہانیاں پڑھی ہیں۔"

"یہی سمجھ لیں۔"

"میں تیار ہوں۔" جمشید نے کہا۔

"تب آپ یہاں اسی جگہ ایک گھنٹے تک الٹے کھڑے رہیں۔ کوئی آپ سے کچھ بھی کہے' آپ سیدھے نہ ہوں۔ یہ میری پہلی شرط ہے۔ اگر آپ ایک گھنٹے سے پہلے سیدھے ہوئے تو۔۔۔"

"اوہ۔ تو تو۔ شی می! میں وعدہ کرتا ہوں' ایک گھنٹے سے پہلے سیدھا نہیں ہوں گا۔" جمشید نے کہا اور پھر وہ الٹا کھڑا ہوگیا۔ تب سیمیں جھک کر بولی۔

"اسی طرح کھڑے رہو جم' میں ابھی آئی۔"

"اوکے۔ اوکے۔ تم بالکل فکر مت کرو۔" جمشید نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا اور سیمیں وہاں سے چل پڑی۔ جونہی وہ باغ کے احاطے سے نکلی' ہم لوگوں نے اسے گھیر لیا۔ احسان بھی ہنس رہا تھا۔

لیکن سیمیں کے چہرے پر سنجیدگی تھی "ارے' سیمیں! یہ تمہاری شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں؟" طالوت نے کہا۔

"تو آپ لوگ سن رہے تھے؟"

"ناراض ہو؟"

"کیا میری توہین نہیں ہوئی ہے؟" سیمیں نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا بے وقوفی ہے سیمیں۔ ایک اچھی خاصی تفریح پر سنجیدہ ہو رہی ہو۔ یعنی جو کچھ کرکے آئی ہو' اس کی تردید کررہی ہو۔"

"کاش میں اسے کوئی بڑی سزا دے سکتی۔ مجھے معاف کرنا افشاں!"

"دیکھیے جناب محترمہ سیمیں باجی! اگر آپ نے میرا نام لیا تو اچھا نہ ہوگا۔ میری جانب سے اس گدھے کو درخت سے الٹا لٹکا دیں۔ جلادی ہوں گی ان کے معاملے میں تو صرف امی۔ مجھے گدھوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے' خواہ وہ کوئی ہو۔" افشاں نے کہا۔

"سیمیں! پلیز سنجیدہ نہ ہو۔ تم کیوں حماقت کررہی ہو۔ اب دوسری اور تیسری شرط تم ہمارے مشورے سے پیش کرو گی۔" بہرحال بڑی مشکل سے سیمیں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آسکی۔

"حضرات! اگر آپ لوگ اجازت دیں تو ایک مزاحیہ پروگرام میں پیش کروں؟" طالوت نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"اس تفریح میں تھوڑا سا اضافہ!"

"ضرور عادل بھائی۔" افشاں نے کہا۔

"تب آپ لوگ خاموشی سے انتظار فرمایئے۔ ہم ابھی حاضر ہوئے۔" طالوت نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر بولا "آؤ صائم!" اور ہم دونوں چل پڑے۔

"کیا سوجھی؟" میں نے راستے میں کہا۔

"یار جمشید معصوم ضرور ہے لیکن تھوڑی سی تفریح میں کیا حرج ہے۔"

"ارے مارا جائے گا بے چارہ۔" میں نے ہمدردی سے کہا۔

"نہیں۔ کوئی زیادہ خطرناک بات نہیں ہے۔ آؤ یار۔ برداشت نہیں ہورہا۔" طالوت نے کہا۔

"مگر ارادہ کیا ہے؟"

"ہوا کو چڑھائیں گے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"جمشید کے خلاف؟"

"ہاں!"

"یار۔ مگر ہوا خطرناک خاتون ہیں۔"

"افوہ! اب زیادہ گڑبڑ مت کرو۔ انہیں تلاش کیا جائے۔" اور پھر ایک دو ملازموں کے پوچھنے سے ہوا کا پتہ چل گیا اور ہم دونوں پریشان سی شکلیں بنا کر ہوا کے قریب پہنچ گئے۔ ہم نے ایسا انداز اختیار کرلیا تھا جیسے انہیں دیکھا ہی نہیں ہے اور ان کے قریب سے گزرنے لگے۔ تب طالوت نے کہا۔

"ہوا بے حد نیک دل خاتون ہیں۔"

"یقیناً!" میں نے کہا۔

"کیا انہیں نہ بات نہ بتائی جائے؟"

"اوہ! ہوا اگر اس ریچھ کے چنگل میں پھنس گئیں تب بھی تو ہمیں ہی دکھ ہوگا۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ ہم نے محسوس کیا تھا کہ ہوا نے بخوبی ہماری گفتگو سنی ہے اور پھر دوسرے لمحے عقب سے ہوا کی آواز سنائی دی۔

"صائم میاں۔ اے عادل میاں!" اور ہم دونوں ایسے ٹھٹکے جیسے اب تک ہوا کو دیکھا ہی نہ ہو۔

"ارے۔ ہوا۔" طالوت نے کہا۔

"اے لو۔ میں تو تمہارے پیچھے پیچھے آرہی تھی' تمہیں پتہ بھی نہیں چلا۔" ہوا بولیں۔

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

"اتفاق سے اس وقت ہم آپ کے بارے میں ہی باتیں کر رہے تھے۔"

"میں نے سنی ہیں میاں مگر سمجھ میں نہیں آئیں۔"

"ہم تو بڑی الجھن میں پڑ گئے ہیں بوا۔"

"ہوا کیا میاں؟"

"بتا دوں صائم؟" طالوت نے پوچھا۔

"بتا دو۔"

"ہاں۔ بوا سے چھپانا بھی تو ٹھیک نہیں ہے۔ آخر ہمارے ان سے اتنے گہرے تعلقات ہیں وہ ہمیں اپنے بچوں کی طرح سمجھتی ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"ائے جلدی بتاؤ میرے بچو۔ مجھے ہول چڑھ رہا ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا بوا' آخر یہ سب کم بخت آپ کے پیچھے ہی کیوں پڑ گئے ہیں؟"

"ائے کون میاں؟"

"تصدق نے بھی آپ کے ساتھ ہی بدتمیزی کی تھی اور اب یہ۔"

"اب کون؟" بوا نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اوہ بوا! آپ نے کچھ نہ کیا تو کہیں گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"ائے بتاؤ تو سہی کیا کروں؟ کیا ہو گیا ہے؟"

"جمشید!" طالوت بھیگی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا ہوا اس مٹے مراثی کو؟" بڑی بی نے پوچھا۔

"ایک ایک کے سامنے آپ کو بدنام کرتا پھر رہا ہے۔ ہائے عشق' وائے عشق کے نعرے لگا رہا ہے۔"

"عشق؟"

"ہاں!"

"مگر کس سے؟"

"آپ سے بوا۔ اس نے تو صبح سے اودھم مچا رکھا ہے۔ کہتا ہے رات کو آپ کو خواب میں دیکھا تھا' اس وقت سے عاشق ہو گیا۔ سب نے سمجھایا مگر نہیں مانتا اور اس وقت تو اس نے غضب ہی ڈھا رکھا ہے۔"

"کیا؟" بوا پھنسی پھنسی آواز میں بولیں۔

"کہتا ہے کسی بہت ہی پہنچے ہوئے بزرگ کے پاس گیا تھا' انہوں نے ایک وظیفہ بتایا ہے معشوق کو قبضے میں کرنے کا۔ اب وہ باغ میں الٹا کھڑا وظیفہ پڑھ رہا ہے اور کہتا ہے رات بوا اس کے قدموں میں آ گریں گی۔"

"ارے میرے مولا!" بوا گھبرا کر بولیں۔

"اگر آپ نے اس کا وظیفہ ختم نہ کرایا بوا تو آپ اس کے چنگل میں پھنس ہی جائیں گی۔ یہ بہت برا ہو گا بوا۔ براہ کرم کچھ کریں۔"

"وہ باغ میں وظیفہ پڑھ رہا ہے؟"

"وہ بھی الٹا کھڑا ہو کر۔" طالوت نے ٹکڑا لگایا۔

"ہائے مالک۔ میں کیا کروں؟" بڑی بی پریشانی سے بولیں۔

"دماغ درست کر دیں اس کا۔ اچھی طرح دماغ درست کر دیں' تاکہ آئندہ کسی شریف عورت کو بدنام نہ کرے۔"

"ارے مگر وہ تو غنڈہ ہے موا۔ چاقو نکال لیتا ہے۔"

"آپ بھی بہت سیدھی ہیں بوا۔ ارے وہ تو کھلونے کا چاقو تھا۔ آپ نے غور ہی نہیں کیا۔ وہ تو بڑا بزدل انسان ہے۔ کبھی تک نہیں مار سکتا۔ ہوسٹ ہو کر عشق کرے گا۔" طالوت نے کہا اور نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ بوا تیار ہو گئیں لیکن پھر کچھ سوچ کر بولیں۔

"مگر وہ تو بڑی بی بی کا بھتیجا ہے۔"

"کوئی بھی ہو بوا۔ آخر عزت سب کی ہوتی ہے۔"

"بھاڑ و پھرے اس کے منہ پر ابھی بتاتی ہوں ماں زادے کو۔" بوا پاگل مختیار ہو گئیں اور تیزی سے بیرونی حصے کی طرف بڑھ گئے اور ان کے باہر نکلتے ہی ہم دونوں بھاگے اور بوا سے پہلے بقیہ لوگوں کے پاس پہنچ گئے جو ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ ہمیں دیکھ کر سب مسکرانے لگے۔

"مورچے سنبھال لیں۔ حضرات جلدی۔ بھائی کس پوزیشن میں ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔

"بے چارہ۔ اسی طرح کھڑا ہے۔" شکیلہ نے کہا۔

"جی؟" میں نے آنکھیں نکال کر اسے دیکھا "اچھا۔"

"ارے ارے۔ کیا ہوا صائم بھائی؟" شکیلہ گھبرا کر بولی۔

"وہ بے چارہ ہے۔ ہمدردی محسوس ہو رہی ہے اس سے؟" میں نے کہا۔

"تو اور کیا۔ کسی سیدھے سادے انسان کو مصیبت میں پھنسانے سے کیا فائدہ؟" شکیلہ نے کہا۔ اسی وقت بوا باغ میں داخل ہو گئیں۔ طالوت کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ جمشید صاحب الٹے کھڑے تھے اور بوا عزت خطرے میں دیکھ کر سب کچھ بھول گئیں۔ اتاری پاؤں سے جوتی اور جمشید کے پاس پہنچ گئیں۔

"سیدھا ہو۔ میں کہتی ہوں سیدھا کھڑا ہو جا ورنہ جوتیاں مار مار کر دماغ ٹھیک کر دوں گی۔"

"اوہ۔ بوا۔ میڈم بوا۔ پلیز۔ آپ واپس چلا جاؤ۔ میں ضروری کام کر رہا ہے۔" جمشید نے کہا۔

"ارے میاں بادا کے لیے کرنا یہ ضروری کام۔ سیدھا ہو۔ ہو سیدھا۔" بوا نے سچ مچ ایک جوتی جمشید کی کمر میں جڑ دی۔

"توبہ عادل بھائی! آپ بڑے ستم ظریف ہیں۔ اب میں سمجھ گئی۔" افشاں نے کہا۔

"کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"تصدق کی پٹائی بھی آپ نے ہی کرائی ہو گی۔" افشاں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے توبہ توبہ!" طالوت نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف کی پوزیشن بہت عمدہ تھی۔ بوا' جمشید کو سیدھا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھیں اور جمشید چیخ چلا رہا تھا مگر سیدھا نہیں ہو رہا تھا۔ بالآخر بوا نے ایک بار زور لگایا' تو جمشید گر پڑا اور پھر وہ اسی جگہ سر پکڑ کر رہ گیا۔

"شرم نہ آئی تجھے۔ بڑی ماں کے برابر ہوں۔" بوا نے کہا۔

"میں تمہیں ماں ہی سمجھتا ہائے پرانا عورت!" جمشید نے کہا۔

"ایں؟" بوا اب چونکیں۔ اسی وقت طالوت نے اشارہ کیا اور ہم سب بھاگ کر باغ میں گھس گئے۔ جمشید ہمیں دیکھ کر بھی اسی طرح بیٹھا رہا تھا' البتہ بوا چونک پڑی تھیں۔

"کیا ہوا بوا؟" افشاں نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مس افشاں! بوا کو میں نے ماں بنا لیا ہائے اور یہ ہیں بھی میری ماں کی برابر۔ بیٹا سمجھ کر ڈانٹ رہی تھیں۔"

"اوہ!" افشاں نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی "آپ بتائیں بوا؟"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے۔" بوا نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"جمشید صاحب!" سیمیں آہستہ سے بولی۔

"ہوں۔"

"آپ میری ایک شرط پوری نہ کر سکے' اب کیا ہو گا؟"

"سوری مس شی می! اب میں تمہارے کو کچھ نہیں بولیں گا۔" جمشید نے گہری سانس لے کر کہا۔

"تم میرے ساتھ آؤ جمشید!" میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور میں اسے دوسروں کے نرغے سے نکال لے گیا۔ دوسرے لوگ مجھے دیکھتے ہی رہ گئے تھے۔ جمشید نہایت سعادت مندی سے میرے ساتھ چل رہا تھا۔ میں اسے سیدھا اپنے کمرے میں لے آیا اور پھر میں نے بڑے احترام سے اسے بٹھا دیا۔

"بڑے کہنے لوگ ہیں۔ ایک نیک اور سیدھے سادے انسان کے ساتھ کتنا برا سلوک کیا جا رہا ہے۔" میں بولا لیکن جمشید احمقوں کی طرح بیٹھا رہا۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

"مگر تم الٹے کیوں کھڑے تھے؟"

"شرط پورا کر رہا تھا۔"

"کیسی شرط؟" میں نے پوچھا اور جمشید نے پوری تفصیل بتا دی۔ میں تو بہرحال اس تفصیل سے واقف تھا۔ چنانچہ میں نے نہایت افسوس کا اظہار کیا اور سیمیں کو برا بھلا کہنے لگا پھر میں نے کہا "بہرحال اس سے ایک بات معلوم ہو گئی جمشید!"

"کیا؟" جمشید نے پوچھا۔

"سیمیں' احسان سے شادی کرنا چاہتی ہے' وہ اسی سے محبت کرتی ہے۔"

"تو کیا۔ تو کیا اس کی شادی نہیں ہوئی؟"

"پتہ نہیں۔ ہم میں سے تو کسی نے اس کے بارے میں نہیں سنا۔ تمہاری زبانی معلوم ہوا ہے کہ احسان اس کا شوہر ہے لیکن وہ بے حد چالاک ہے۔ تمہیں الٹا کھڑا کر کے سیدھی بوا کے پاس گئی اور انہیں نہ جانے کیا کیا پڑھا کر لائی۔"

"شی می خود گئی تھی؟" جمشید نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں!"

"اوہ! تب تو۔ تب تو۔" جمشید گردن ہلانے لگا۔

"یہ لڑکیاں بہت چالاک ہوتی ہیں لیکن شکیلہ کا چہرہ دیکھا تھا تم نے؟"

"شاکی لا۔ نہیں۔ کیوں؟"

"تمہاری اس درگت پر وہ بہت غم زدہ نظر آ رہی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔"

"آنسو! بٹ وہائی؟ کیوں؟"

"مجھے یقین ہے جمشید' وہ تمہیں چاہنے لگی ہے۔"

"اوہ! سویٹ شاکی لا۔ میں نے کبھی اس کا طرف ایسے نہیں دیکھا مسٹر!"

"اس وقت سب خوش تھے سوائے اس کے۔ تمہارے ساتھ ہونے والے سلوک پر سب سے زیادہ رنج اسے ہوا ہے۔"

"تب تو ہم سے غلطی ہوا مسٹر صائم!"

"کیا ہو گیا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"ہم نے اس پر غور نہیں کیا۔ وہ تو بہت سویٹ ہے۔ بے حد چارمنگ!"

"اور تم سے پیار بھی کرتی ہے۔"

"اوہ! مائی گاڈ۔ ہم بہت بے وقوف ہے۔ ہم اس سے ایکسکیوز کرے گا۔" جمشید افسوس بھرے لہجے میں بولا "ہم اس کا محبت کا جواب محبت سے دے گا۔"

"تمہارے لیے یہی ٹھیک ہے جم! لیکن احتیاط سے۔"

"احتیاط کیا ہوتا ہے؟"

"مطلب یہ کہ تم فوراً اس سے اظہار عشق مت کرنا۔ جلد بازی سے کام بگڑ جاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ آپ ٹھیک بولتا ہائے مسٹر!" جمشید زور زور سے گردن ہلانے لگا۔ میں نے اسے پکا کرلیا تھا۔ بہرحال شکیلہ نے اس کے لیے ہمدردی کا اظہار کیا تھا۔

"اس کے علاوہ جمشید' اگر تمہیں نے تمہیں ٹھکرا دیا ہے تو تم بھی اس کی پروا مت کرو۔ ایسے بن جاؤ جیسے اس کے رویے سے تمہیں ذرا بھی دکھ نہ ہوا ہو۔ تم اس کی پروا ہی نہ کرتا ہو۔"

"بالکل ٹھیک۔ میں اس کا کوئی پروا نہیں کرتا۔" جمشید نے کہا۔

"رات کو پروگرام کرو گے؟"

"کیسا پروگرام؟"

"تم نے گٹار سنانے کا وعدہ کیا ہے نا؟"

"اوہ! ہاں۔ ضرور سنائیں گا۔ پکا وعدہ!" جمشید نے کہا اور میں نے اسے پکا کرلیا۔ بس جمشید بلاوجہ ہی پھنس گیا تھا۔ ابتدا میں تو ہم نے اسے معاف کردیا تھا لیکن بس' نہ جانے کیوں اس بے چارے کی شامت آگئی تھی۔ ویسے میرے ذہن میں ایک خیال اور بھی تھا۔ شکیلہ کے سلسلے میں کہیں طالوت سنجیدہ نہ ہوجائے۔ اگر وہ سنجیدہ ہوگیا تو جمشید اور مصیبت میں پھنس سکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد جمشید چلا گیا۔ رات ہوگئی تھی۔ روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ دوسرے لوگ نہ جانے کہاں چلے گئے تھے۔ طالوت بھی غائب تھا۔ میں اس کی تلاش میں کمرے سے نکل آیا۔ میں نے شکیلہ کے کمرے کا ہی رخ کیا تھا۔

لیکن راستے میں افشاں مل گئی "کہاں۔ کہاں جناب؟" اس نے پوچھا۔

"عادل کی تلاش میں نکلا ہوں۔"

"اوہ! اور شکیلہ کے کمرے کی طرف جارہے ہیں؟"

"وہ اور کہاں مل سکتا ہے۔"

"ہاں! شکیلہ خوش نصیب ہے۔"

"کیوں؟"

"بس۔ عادل بھائی کو اس کے کمرے میں تلاش کیا جاسکتا ہے۔ ایک ہمارا کمرا ہے' بدنصیب کہیں کا۔ کوئی اس کی طرف رخ ہی نہیں کرتا ہے۔" افشاں بولی۔

"شرمندہ کررہی ہو افشاں؟"

"ارے خدانخواستہ کیوں؟"

"آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کی طرف آنے میں احتیاط کیوں کرتا ہوں۔"

"کاش۔ جانتے۔" افشاں بولی۔

"مس افشاں! اگر آپ کی اجازت ہو تو آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔"

"شکایت کون کافر کررہا ہے' ہم تو نصیب کی بات کررہے تھے۔"

"پلیز افشاں۔ معاف کردو۔"

"کردیا۔" افشاں بڑے پیار سے گردن ہلا کر بولی۔

"رات کا کیا پروگرام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"کھانا بھی کھائیں گے' سوئیں گے بھی۔"

"اور جمشید سے گٹار نہیں سنیں گے؟"

"سنائے گا وہ؟"

"کیوں کیا ہوا؟" میں نے تعجب کا اظہار کیا اور افشاں ہنس پڑی۔

"اللہ! کبھی کبھی تو اس پر رحم آنے لگتا ہے۔ سچ بچپن میں اتنا برا نہیں تھا۔ میں نے دیکھا ہے۔"

"افشاں! تمہارے جذبات تبدیل نہیں ہوتے؟"

"نہیں۔ بس کمہ پگلی ہوں کہ رحم آتا ہے اور امی کا خیال رہتا ہے۔ ویسے ہوا والی بات عام نہیں ہوگی۔ میں نے کہہ دیا ہے۔"

"ہماری باتیں ہم تک ہی رہنا چاہئیں' بزرگوں تک پہنچنا مناسب نہیں ہوگا۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ امی اور ابو کا ذہن خراب نہ ہو۔ ویسے کیا وہ سچ مچ گٹار بجائے گا؟"

"یقیناً بجائے گا۔"

رات کے کھانے کی فضا پرسکون تھی۔ جمشید پوری طرح مطمئن تھا۔ اس شخص کا یہ انداز حیرت انگیز تھا۔ کوئی بھی واقعہ ہوجائے' تعلق اسی کی ذات سے ہو لیکن وہ پھر بھی پرسکون ہوتا تھا اور اس کے بعد باغ کی محفل جاری ہوگئی۔ جمشید نے رات کے لیے خاص لباس پہنا تھا اور پھر اس نے

گٹار پر کئی ملکوں کی موسیقی سنائی۔ اچھا خاصا بجالیتا تھا لیکن میرا کارنامہ سر ابھار رہا تھا اور شکیلہ کی طرف جمشید کا التفات زیادہ ہی تھا۔

"عارف!" طالوت آہستہ سے میرے کان میں غرایا۔

"ہوں۔" میں نے انجان بن کر کہا۔

"یہ کیا ہورہا ہے؟"

"کہاں؟"

"کیا تم اس گدھے کی حرکتیں دیکھ نہیں رہے؟"

"اوہو۔ کوئی خاص بات ہے؟" میں نے حیرت کا اظہار کیا۔

"ہوں تو یہ تمہاری شرارت ہے؟" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"ارے مگر کون سی شرارت؟"

"میں اسے کبڑا کردوں گا' ورنہ اسے سمجھا دو۔" طالوت نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"یار تفریح لینے دو۔ اور پھر آپ کی شکیلہ خانم اسے بے چارہ بھی تو کمہ رہی تھیں۔"

"یہ بات ہے۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا "اچھا تو پھر سنبھالو اپنی افشاں بیگم کو۔" اس نے کہا اور میں چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ طالوت کی آنکھوں میں سنجیدگی نظر آرہی تھی لیکن افشاں والی بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

○☆○

"پسند آیا؟" جمشید نے شکیلہ کی طرف جھک کر کہا اور شکیلہ نے چار انداز میں مسکرانے لگا۔ شکیلہ نے بوکھلائی ہوئی نگاہ سے چاروں طرف دیکھا لیکن کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ پاکر سکون کی سانس لی۔ میں چور نگاہوں سے شکیلہ اور جمشید کا جائزہ لے رہا تھا' اس انداز میں کہ دونوں کو احساس نہ ہو۔

"میں آپ سے بولتا ہوں مس شاکھی لا۔" جمشید نے جواب نہ پاکر پھر کہا۔

"ہاں' آپ بہت اچھا گٹار بجاتے ہیں۔" شکیلہ نے کہا اور اپنی جگہ سے کھسک کر اپنی طرف جانے لگی جو بظاہر خاص یہاں موجود تھیں اور انہیں رات کی یہ محفل زیادہ پسند نہیں آئی تھی۔

"گویا یہ حضرت اب شکیلہ کو تنگ کررہے ہیں۔" طالوت غرایا۔

"یار بس تھوڑی سی۔"

"جی نہیں۔ تم اس کے جذبات سے واقف نہیں ہو۔ وہ بہت نازک خیالات کی مالک ہے' آبگینے کی طرح۔ ٹوٹ گئی تو جوڑنا مشکل ہوگا۔" طالوت پھنکارا۔

"اوہ! تب پھر کیا کیا جائے؟"

"میں کرتا ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"یار کوئی ایسی بات نہیں' جس سے اسے تکلیف ہو۔" میں نے التجا کی۔

"بہت ہمدردی ہے اس سے؟"

"اب وہ غریب کیا کرے۔ اسے یہاں بھیجا ہی اس لیے گیا ہے کہ عشق کرے اور شادی کرے۔" میں نے کہا۔

"لیکن اسے سوچ سمجھ کر عشق کرنا چاہیے۔ دیکھو دیکھو' وہ پھر اسی طرف بڑھ رہا ہے۔" طالوت نے کہا اور میں نے جمشید کی طرف دیکھا پھر میں بھی آہستہ سے اس کی طرف چل پڑا۔ طالوت خطرناک آدمی تھا۔ جمشید کا کباڑا ہوسکتا تھا۔ ہم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے۔ جمشید چونک کر ہم دونوں کی طرف دیکھنے لگا اور پھر اس نے شکیلہ کی طرف دیکھا۔

"ایکسکیوزمی شاکھی لا! میں ذرا ان شریف لوگوں سے بات کرلوں۔" اس نے معذرت کے انداز میں کہا اور پھر ہم دونوں کی طرف متوجہ ہوگیا "یس پلیز؟"

"آپ سے ضروری کام ہے مسٹر جمشید!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ! اسی وقت؟"

"ہاں!"

"آئی ایم سوری۔ میں اس وقت ذرا مصروف ہوں۔ آپ لوگ پھر کسی وقت گفتگو کرلیں۔" وہ واپس شکیلہ کی طرف مڑ گیا اور طالوت کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ اس نے بے چینی سے پہلو بدلا اور میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ میں اسے کسی کارروائی سے روکنا چاہتا تھا۔

"جمشید!" میں نے پھر اسے مخاطب کیا۔

"اوہ۔ مسٹر صائم۔ میں۔ میں۔" جمشید نے کسی قدر جھلائے ہوئے انداز میں کہا لیکن میرا ہاتھ اس کے شانے پر جم گیا اور اس کی گرفت کافی مضبوط تھی۔ جمشید جوش میں آگیا۔ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں شانہ چھڑانے کی کوشش کی لیکن یہ میرا وہ ہاتھ تھا جس [illegible] قوت تھی۔ جمشید کے فرشتے بھی شانہ نہیں چھڑا سکتے تھے۔ جمشید کو احساس ہوگیا تھا۔ چنانچہ اس نے حالت مجبوری شکیلہ کی طرف رخ کرکے کہا۔

"معاف کرنا شاکھی لا۔ میں ابھی آیا۔" اس نے مردہ

Uploaded By Muhammad Nadeem

آواز میں کہا اور پھر وہ بھاری قدموں سے ہمارے ساتھ چل پڑا۔ طالوت ہم دونوں کے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ تھوڑی دور چل کر میں رک گیا۔ جمشید سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا۔

"تم غلط جارہے ہو جمشید!" میں آہستہ سے بولا۔

"کڈر۔ کیڈر۔ میں تو ادھر کھڑا مسٹر۔" جمشید نے حیرت سے کہا۔

"میری مراد شکیلہ سے ہے۔"

"شاکھی لا کو کیا ہوا؟" جمشید نے اسی انداز میں کہا۔

"شریف لڑکیوں کے پیچھے اس طرح نہیں پڑتے۔"

"میں نہیں سمجھتا' تم کیا بولتا مسٹر صائم؟"

"میں سمجھاتا ہوں میری جان!" طالوت قریب پہنچ گیا۔

"اوہ۔ یس یس۔ تھینک یو۔ تھینک یو۔" جمشید اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

"منہ کھولو۔" طالوت نے کہا اور جمشید نے متحیرانہ انداز میں منہ کھول دیا۔ "بس اب بند مت کرنا۔" طالوت بولا اور پھر وہ میرا ہاتھ پکڑ کر واپس چل پڑا۔ جمشید اسی طرح منہ کھولے کھڑا رہ گیا تھا۔

"ارے' ارے۔ مرجائے گا بے چارہ!" میں نے سفارش کی۔

"خاموش رہو۔ میں نے رعایت برتی ہے۔" طالوت نے غراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"تماشا بن جائے گا بے چارہ!"

"بن جانے دو۔ تمہیں معلوم نہیں وہ کس کی محبوبہ ہے۔ اس سے بدتمیزی کا نتیجہ تو وہ نکلے گا کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔ بس یار تم زیادہ نہ بولو ورنہ میں تم سے بھی ناراض ہوجاؤں گا۔" طالوت ہتھے سے اکھڑ گیا تھا اور اب اسے سنبھالنا بے حد مشکل تھا۔ میں بے چارے جمشید کی کوئی مدد نہیں کرسکتا تھا۔ نتیجے میں' میں واپس آگیا۔

یہاں کی محفل یونہی شباب پر تھی۔ قہقہے لگ رہے تھے۔ افشاں اور شکیلہ کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ بوا بھی درمیان میں تھیں۔ ہم دونوں بھی دوسرے لوگوں میں شامل ہوگئے۔

"اللہ صائم بھائی آپ ہی بوا سے سفارش کردیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"مسئلہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہم سب کی دلی خواہش ہے کہ بوا سے گانا سنیں۔" افشاں بولی۔

"اے دیوانی ہوئی ہو بی بی۔ میں بھلا گاؤں گی۔" بوا شرما کر بولی۔

"تو سمیں جھوٹ بول رہی ہیں کیا؟" افشاں نے کہا۔

"مذاق کررہی ہیں۔"

"بوا آپ مجھے جھوٹا کروا رہی ہیں۔" سمیں نے برا مانتے ہوئے کہا۔

"اے سمیں بی بی! اللہ کے واسطے میرا مذاق مت بنواؤ۔" بوا گڑگڑائیں۔

"گویا ہم لوگ آپ کے لیے اس قدر اجنبی ہیں۔ اتنے برے ہیں ہم لوگ' آپ ہمیں اس قابل بھی نہیں سمجھتیں۔ ٹھیک ہے بوا۔ ٹھیک ہے۔" افشاں نے منہ پھلاتے ہوئے کہا۔

"یا الٰہی! کیا کروں؟" بوا ہکلانے ہوتے ہوئے بولیں۔

"سنا بھی دیں بوا! کتنے لوگ کہہ رہے ہیں۔" میں نے کہا۔

"ہاں بوا۔ ہماری بھی خواہش ہے۔" طالوت نے بھی لگایا اور بوا سوچ میں ڈوب گئیں پھر خود بخود شرما گئیں۔

"مگر بھیا' مجھے نئے زمانے کے گانے کہاں آوے ہیں۔"

وہ نیم راضی ہوگئی تھیں۔

"لاحول ولا قوۃ نئے زمانے کے گانے بھی کوئی گانے ہوتے ہیں۔ جو آپ گائیں گی بوا' وہ کلاسک چیز ہوگی۔" میں نے کہا اور بوا کی ہمت بندھ گئی۔

"جیسی تم سب کی مرضی!" بوا نے کہا۔ ان کا چہرہ شرم سے سرخ ہوگیا تھا اور وہ کسی سوچ میں ڈوب گئی تھیں جیسے کوئی گانا یاد کررہی ہوں۔

"ہرا۔" سب نے نعرہ لگایا اور سب بوا کے گرد جمع ہوگئے "بلاؤ' جمشید بھائی کو۔ وہ گٹار بجائیں گے۔" افشاں نے کہا۔

"ارے ہاں جمشید صاحب۔ جمشید صاحب!" احسان نے آواز لگائی۔

"کیا بجائیں گے؟ بوا پھر بہک گئیں۔

"اپنا باجا بجائیں گے بوا۔ مزہ آجائے گا۔" سمیں نے کہا۔

"اسے نہ بلاؤ بھیا۔ بڑا بدنظرا ہے کم بخت کہیں کا۔ نہ بھیا۔ وہ آئے گا تو میں نہیں گاؤں گی۔" بوا نے کہا۔

"مجال ہے کسی کی جو ہماری بوا کی طرف بری نگاہ سے دیکھ جائے۔ آنکھیں نکال لیں گے۔" کمال نے کہا "جمشید صاحب۔ جمشید صاحب!" کمال نے زوردار آواز لگائی اور طالوت نے اور میں نے چور نگاہوں سے جمشید کی طرف

دیکھا۔ غریب منہ کھولے چلا آرہا تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ قریب پہنچ گیا۔ کسی نے اس کے کھلے ہوئے منہ کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

"جمشید بھائی! بوا گائیں گی۔ کیا آپ گٹار بجانا پسند کریں گے؟" کمال نے کہا اور جمشید نے یونہی منہ کھولے کھولے گردن ہلا دی اور پھر اس نے گٹار اٹھالیا۔ اب بھی کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔

میرے دل میں بے اختیار اس کے لیے ہمدردی پیدا ہوگئی۔ درحقیقت وہ غریب عقل سے پیدل تھا ورنہ ایسی عجیب وغریب پوزیشن پر بھلا کسی کے حواس قائم رہتے ہیں۔ میں جانتا تھا کھلے منہ سے اسے کس قدر تکلیف ہوگی لیکن وہ اس حالت میں بھی مگن تھا اور گٹار بجانے کے لیے تیار تھا۔

میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت بھی گہری نگاہوں سے جمشید کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے ٹھنڈی سانس لی اور اچانک بوا شروع ہوگئیں۔

"نمو نار نگی اور ہیرے کی کنی مرانیا۔" انتہائی بے سری اور بے تکی آواز اور نہ سمجھ میں آنے والا گانا اور پھر اوپر سے جمشید کا جھوم جھوم کر گٹار بجانا' جس کی وجہ سے بے چاری بوا تو چیخ چیخ کر گانا پڑھ رہا تھا۔ لوگوں کی ہنسی روکتے روکتے بری حالت ہوگئی لیکن بوا نے بھی فیصلہ کرلیا تھا کہ اب شروع کیا ہے تو ختم کرکے ہی دم لیں گی۔

"عارف!" طالوت نے آہستہ سے میرے کان میں سرگوشی کی۔

"ہوں!"

"دیکھ رہے ہو اس گدھے کو۔ اسے اپنے کھلے منہ کا کوئی احساس نہیں ہے۔"

"وہ تو طالوت! اس کی اس بات سے ہی اندازہ لگالو کہ وہ کیا ہے۔"

"بند کرو۔" طالوت نے کہا۔ میں نے چونک کر اس کی شکل دیکھی۔ "ابے مجھ سے نہیں کہے گئے تھے اس لیے میں نے جلدی سے جمشید کی طرف دیکھا اور پھر ایک گہری سانس لی۔ جمشید کا کھلا ہوا منہ بند ہوگیا تھا لیکن درحقیقت یا تو یہ شخص بے پناہ فولادی اعصاب کا مالک تھا یا پھر بالکل ہی پاگل۔ اس نے اب بھی کوئی پروا نہیں کی تھی۔ گٹار اسی طرح بج رہا تھا اور بوا اب تک گا رہی تھیں۔

"خدا کے لیے بوا' اب بس کریں ورنہ کوئی نہ کوئی ضرور مرجائے گا۔" سمیں نے کہا اور پھوٹ پڑی پھر کیا تھا' چاروں طرف سے ہنسی کا طوفان امڈ پڑا۔ سب ہی بری طرح ہنس رہے تھے اور ان کے ساتھ بوا کی بگڑی ہوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔

"اسی لیے انکار کررہی تھی۔ دیکھا نا۔ مذاق اڑا رہے ہو سب مل کر۔ تف ہے۔ میں نے تمہاری خاطر گایا اور تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔"

"اوہ یہ کلاسک نہیں سمجھتا پرانا عورت۔ بائی گاڈ۔ ہمارا روح خوش ہوگیا۔ تم گاتا تھا تو ایسا لگتا تھا جیسے آسمان سے شراب برس رہا ہو۔ چاروں طرف مٹی پھیل گیا تھا۔" جمشید نے ہمدردی سے کہا۔

"دیکھ تو نہ بولیو بس۔ کہے دے رہی ہوں ہاں' ورنہ اپنی اور تیری جان ایک کردوں گی۔" بوا آستین چڑھا کر بولیں اور جمشید خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔

"تو پھر کیا ہم بھی ہنستے؟" اس نے پوچھا۔

"ہنس لے۔ تو بھی ہنس لے۔ لو اور سنو۔ ان لڑکے لڑکیوں نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے۔ خدا کی مار۔" بوا تیزی سے آگے بڑھ گئیں۔ سب انہیں روکتے رہ گئے لیکن اب وہ کسی کی نہیں سن سکتی تھیں۔

رات خاصی گزر گئی تھی اس لیے تھوڑی دیر کے بعد نشست برخاست ہوگئی اور سب ایک دوسرے سے رخصت ہو کر اپنے اپنے کمروں میں آگئے۔ طالوت شکیلہ سے گفتگو کرتا ہوا آیا تھا پھر اس نے شکیلہ کو خدا حافظ کہا اور میرے پاس آگیا۔ میں نے اس دوران لباس وغیرہ تبدیل کرلیا تھا۔

طالوت نے بھی سونے کی تیاریاں کیں اور ہم دونوں اپنے اپنے بستروں پر لیٹ گئے۔ طالوت خاموش تھا پھر اچانک اس نے کہا "ویسے اس گدھے نے شکیلہ سے پینگیں بڑھانے کی کوشش کی تھی۔"

"کیا کہہ رہا تھا؟"

"کوئی خاص بات تو نہیں۔ بس شکیلہ نے محسوس کیا تھا۔"

"بڑا انوکھا انسان ہے۔"

"پاگل ہونے میں تھوڑی ہی کسر باقی ہے لیکن میں اس کا یہ پاگل پن بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ تم اسے سمجھا دینا۔ آئندہ اگر میں نے اسے شکیلہ کے گرد منڈلاتے دیکھا تو اس کے سر پر درخت اگادوں گا۔"

"وہ بے چارہ خاموشی سے سر جھکائے جھکائے پھرے گا اور زبان سے اف بھی نہیں کرے گا۔"

"ابے تو کیا شکیلہ ہی رہ گئی تھی' افشاں بھی تو ہے۔"

"اے مسٹر طالوت! عقل کی بات کریں ورنہ اچھا نہیں

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہوگا۔"

"میں تو صرف بات کہہ رہا ہوں مگر اس احمق کے لیے کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں۔ بات کی حد کوئی بات نہیں ہے۔" میں نے کہا۔ مجھے خطرہ ہو گیا تھا کہ طالوت' افشاں کے سلسلے میں کوئی حرکت نہ کر ڈالے۔ کافی دیر تک ہم اس دلچسپ نشست کے بارے میں گفتگو کرتے رہے' پھر سو گئے۔

دوسری صبح عام سی تھی۔ ناشتے پر وہی دلی دلی مسکراہٹیں' وہی لگاؤ کا اظہار۔ بزرگوں کے انداز میں بھی کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ناشتے کے بعد ہم نے افشاں اور شکیلہ سے گفتگو کی اور پھر ہم باہر جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ باہر نکلے ہی تھے کہ جمشید صاحب آڑے آ گئے۔ انہوں نے آتے ہی سلام کیا اور مسمسی شکل بنا کر کھڑے ہو گئے۔

"خیریت بھائی صاحب؟" طالوت نے پوچھا۔

"ٹھیک ہائے۔ بالکل ٹھیک ہائے۔" جمشید بھاری آواز میں بولا۔

"ہمارے لائق کوئی خدمت؟"

"شوکریہ۔ شوکریہ!" جمشید نے اسی طرح پھولے ہوئے منہ سے کہا۔

"کوئی خدمت نہیں ہے؟"

"جی نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"پھر جناب کا نزول کیوں ہوا؟ راستہ کیوں روک لیا ہے؟"

"میں بھی آپ کے ساتھ جائیں گا۔"

"ارے خدا کی پناہ۔ کہاں؟" طالوت چونک کر بولا۔

"جہاں آپ لوگ جائیں گا۔"

"مگر میرے بھائی' آخر کیوں؟ ہم نے کیا غلطی کی ہے؟" طالوت نے کہا۔

"یہ راستے میں بتائیں گا۔" جمشید بچوں کے سے انداز میں ضد کرتے ہوئے بولا۔

"سنبھالو۔" طالوت نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

"چلو یار۔ دیکھیں کیا نیا گل کھلا ہے۔" میں نے کہا۔ طالوت نے میری طرف دیکھا اور پھر گردن ہلا دی۔ ہم نے جمشید کو ساتھ آنے کی اجازت دے دی اور پھر ہم تینوں چل پڑے۔ ڈرائیونگ میں کر رہا تھا۔ طالوت از راہ اخلاق جمشید کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا تھا۔ جمشید بے حد رنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

"کیا بات ہے میری جان؟ کچھ منہ سے تو پھوٹو۔"

طالوت نے جمشید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا اور اچانک جمشید کی سسکیاں شروع ہو گئیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ میں اور طالوت بری طرح بوکھلا گئے۔ میں نے جلدی سے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی اور منہ پھاڑے جمشید کی طرف دیکھنے لگا۔

"ارے۔ ارے جمشید۔ ارے جمشید! ارے کیا ہو گیا۔ افوہ پاگل انسان۔" طالوت کے لہجے میں ہمدردی آ گئی۔ وہ عجیب سی نگاہوں سے جمشید کو دیکھ رہا تھا۔ جمشید چپ بھی اچانک ہی ہو گیا تھا۔ ہم دونوں ہمدردی سے اسے دیکھ رہے تھے۔ جمشید نے جیب سے رومال نکالا' آنکھیں اور چہرہ صاف کیا اور پھر اس طرح چونک کر ہماری طرف دیکھنے لگا جیسے ہمیں بھول ہی گیا ہو پھر اس نے ہونقوں کی طرح چاروں طرف دیکھا اور پھر اس کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ ہم دونوں گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہے تھے پھر طالوت نے مجھے اشارہ کیا "چلو عارف۔" اور میں نے ایک گہری سانس لے کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

"کہاں چلوں؟"

"کارپٹ سینٹر!" طالوت نے آہستہ سے کہا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ جمشید کے لیے اس کے دل میں ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔ راستے میں اس نے جمشید سے اور کوئی بات نہیں کی اور تھوڑی دیر کے بعد ہم کارپٹ سینٹر پہنچ گئے۔ دن رات کام ہو رہا تھا اور تصدق در حقیقت ایک عمدہ کارکن ثابت ہو رہا تھا۔ اس نے نہایت عاجزی سے ہمارا استقبال کیا اور پھر ہمیں اپنی کارکردگی کے بارے میں بتانے لگا۔ جمشید بالکل خاموش ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے کئی بار اس کے چہرے کی طرف دیکھا لیکن اس کے چہرے پر کوئی تاثرات نہیں نظر آ رہے تھے۔ بس سپاٹ سپاٹ سا چہرہ۔ نہ جانے اس بے چارے کی کھوپڑی کے اندر کیا چیز رکھی ہوئی تھی۔

پھر ہم اپنے شان دار دفتر میں آ بیٹھے۔ تصدق ہمارے ساتھ تھا۔ اس نے کئی بار عجیب سی نگاہوں سے جمشید کی طرف دیکھا تھا لیکن جمشید صاحب تو اس وقت دنیا سے ہی گئے ہوئے تھے۔

"ہاں تصدق! اب سناؤ۔" طالوت نے کہا۔

"آج دوپہر تک ایک ایک کام ختم ہو جائے گا جناب۔" تصدق نے کہا۔

"اسٹاف کے بارے میں کیا کیا؟"

"ایک فہرست بنائی ہے۔ اس کے بعد آپ جو حکم کر دیں گے۔" تصدق نے جواب دیا اور پھر اس نے ہمارے سامنے فہرست پیش کر دی۔ کافی لمبا چوڑا اسٹاف تھا۔ تصدق کی اس صلاحیت کا ہم نے دل سے اعتراف کیا۔ در حقیقت اسے اس معاملے میں خوب تجربہ تھا۔ ایک ایسی فرم کے لیے اس نے جیسے اسٹاف کا انتخاب کیا تھا اس سے ہم پوری طرح مطمئن تھے۔

"مناسب فہرست ہے۔" میں نے منظوری دے دی۔

طالوت نے اس معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی۔ وہ خاموشی سے یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔

"ان لوگوں کے اپائنٹ منٹ کے سلسلے میں کیا کرو گے تصدق؟"

"جو حکم فرمائیں جناب!"

"میرا خیال ہے یہ فہرست ایمپلائمنٹ ایکس چینج کو دے دو اور پھر ان لوگوں کے انٹرویو کر لو۔"

"جی۔ وہ۔ میں۔ میں کر لوں؟"

"ہاں تو کیا حرج ہے۔ بھئی تم اس فرم کے منیجر ہو۔" میں نے کہا اور تصدق نے گردن جھکائی پھر وہ آہستہ سے بولا۔

"آپ نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے صائم صاحب!"

"لیکن تمہاری صلاحیتیں دیکھ کر احساس ہوتا ہے کہ اس میں ہماری کوئی مہربانی شامل نہیں ہے۔ تم تو ہمارے لیے بہترین آدمی ہو۔"

"میں دل سے شکر گزار ہوں۔"

"ویسے انٹرویو کے دوران ہم بھی کبھی کبھی آتے رہیں گے۔ ایک ہفتے کے اندر اندر یہ پورا اسٹاف رکھ لو۔ اس کے بعد کارپٹ سینٹر کا افتتاح کر دیں گے۔"

"جو حکم۔" تصدق نے گردن ہلا دی۔

"اور وہ کل ذکر بات تو نہیں؟"

"جی کوئی خاص نہیں۔"

"شمشیر لیمیٹڈ سے کوئی رابطہ قائم نہیں ہوا؟"

"اوہ۔ جی نہیں۔ وہ میں کسی کو معلوم نہیں کہ اس عمارت میں کس چیز کی فرم قائم ہوگی۔" تصدق نے جواب دیا۔

"ابھی معلوم بھی نہیں ہونا چاہیے۔ ہاں کچھ کام اور باقی رہ جاتے ہیں۔"

"جی۔"

"بورڈ اور نیون سائن۔"

"میں نے یہاں کی تین بڑی پبلسٹی فرموں سے رابطہ قائم کیا ہے۔ ان سے یہ بات بھی ہو چکی ہے کہ کسی وقت بھی انہیں بورڈ اور نیون سائن کے لیے ارجنٹ آرڈر دیا جا سکتا ہے۔ کمپنی کا نمائندہ عمارت کا جائزہ لے گیا ہے۔"

"بہت خوب! کیا خیال ہے عادل؟"

"ارے ہاں' مسٹر تصدق! ان سے ملو۔ یہ جمشید عرف جم' عرف جمی ہیں۔" میں نے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کچھ خاطر مدارات کرو ان کی۔ تمہارے مہمان ہیں۔"

"ضرور۔ ضرور۔" تصدق جلدی سے باہر نکل گیا اور ہم دونوں نے بیک وقت جمشید کی طرف دیکھا۔

"آپ کہاں کھوئے ہوئے ہیں مسٹر جمشید؟"

"ادھر ہی ہائے۔ ادھر ہی ہائے۔" جمشید جلدی سے بولا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"مسٹر ٹوساڈک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کتنا لکی آدمی ہائے۔ کتنا رچ مین ہائے۔ میرے کو نہیں معلوم تھا کہ اس کا اتنا بڑا کمپنی ہائے۔" جمشید نے کہا۔

"اوہ' واقعی جو بات کہی لاجواب کہی۔" طالوت نے کہا اور پھر چونک کر بولا "تم رو کیوں رہے تھے؟"

"کب؟"

"گاڑی میں۔" طالوت اسے گھورنے لگا۔

"اوہ۔ مجھے یاد نہیں ہائے۔ کوئی بات یاد آ گیا ہوگا۔"

"لاحول ولا قوۃ۔" طالوت نے برا سا منہ بنایا اور میں بھی جمشید کو گھورنے لگا۔

"یاد کرنے کی کوشش کرو ورنہ تمہارا مستقبل خطرے میں پڑ جائے گا۔" میں نے کہا۔

"اوہ۔ آئی سی۔" جمشید نے ہونٹ سکوڑے' پھر چونک کر بولا "ہاں' یاد آ گیا۔ یاد آ گیا۔" اور پھر اس کے گھٹنے پھولنے پچکنے لگے۔

میرے بدن میں ہلکی سی سنسنی دوڑ گئی تھی۔ کہیں کم بخت شکیلہ کے بارے میں میرا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔ طالوت غور سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"اب اگل بھی دو۔ تم تو پیشہ ور رونے والے معلوم ہوتے ہو۔ سارے گر آتے ہیں۔"

"مسٹر صائم! مسٹر عادل! پلیز میرے کو بتاؤ' میں کیا کرے؟" جمشید گلوگیر آواز میں بولا۔

"ہوا کیا میری جان؟" طالوت نے پوچھا۔

"میرے کو لو کرنا مانگتا مگر ادھر لڑکی لوگ لفٹ نہیں دیتا۔ اب میں کدر جائے؟"

کتابیات پبلیکیشنز

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

"تم نے کہاں کہاں کوشش کی؟" طالوت نے پوچھا۔
"پہلے شی می ٹرائی کیا' بٹ اس کا معاملہ سمجھ میں نہیں آتا۔ کبھی لوگ بولتا وہ احسان کا واٹ ہے۔ میرے کو نہیں معلوم۔"
"دوسرے نمبر پر کون تھا؟"
"شاکھی لا' مگر وہ میرے کو دیکھ کر راستہ چھوڑ دیتا ہائے۔ میں اس کو بھی ٹرائی نہیں کر سکتا۔ تیسرے نمبر پر میری کزن افشاں ہے مگر میرے کو لگتا وہ بھی میرے کو لفٹ نہیں دیں گا۔"
"ٹھیک لگتا ہے۔" میں نے جلدی سے کہا اور طالوت بے اختیار ہنس پڑا۔
"پھر میں کیا کرے؟" جمشید نے درد بھرے انداز میں کہا۔
"عشق کرنا ضروری ہے؟" طالوت نے پوچھا۔
"ہاں!" وہ بے چارگی سے بولا۔
"ویری گڈ' لیکن آخر کیوں؟"
"مسٹر صائم! ہم آپ کو کیا بولے۔ بس آپ یوں سمجھو' ہمارا پپا مسٹر شیڈوب بے حد کنجوس آدمی ہائے۔ اس نے ادھر کوشش کیا کہ کسی رچ لڑکی سے ہمارا میرج ہو جائے مگر ادھر کسی نے ہمارے ساتھ میرج نہیں بنایا۔ ٹب اس نے ایک اسٹیمیٹ بنایا اور ہم کو ادھر بھیجا۔ اس نے بولا۔ ادھر کا لڑکی لوگ لو کرتا ہائے۔ ادھر کسی مالدار لڑکی سے لو کرو۔ شادی کرو۔ اوہ مسٹر عاذل' بائی گاڈ ہم لو کرنا نہیں مانگتا بٹ۔"
"تو مسٹر شاداب دولت حاصل کرنا چاہتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔
"ہاں۔"
"خود وہاں ان کی کیا پوزیشن ہے؟"
"بہت کھراب۔ ایک دم خراب۔ بہت سا قرض ہائے۔ وہ خود اچھا آدمی نہیں ہائے۔ ہم سب لوگ کو بھی خراب کیا مگر بولا' ادھر ہم کسی کو نہیں بنائیں گا۔"
"اس کے علاوہ دولت حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے؟" طالوت نے پوچھا۔
"ہمارا سمجھ میں نہیں آتا۔ ہم تو میوزیکل مین ہے۔ ہم یہ سب کچھ نہیں جانتا۔"
"آدمی برے نہیں ہو یار۔ مگر کوئی تمہارے لیے کیا کر سکتا ہے۔" طالوت نے کہا۔
"بس ہم اپنے پپا سے پریشان ہائے ورنہ کوئی بات نہیں۔"
"ہم تمہاری کیا مدد کر سکتے ہیں؟" طالوت نے پوچھا۔
"کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ بس آپ لوگ کا دوستی ٹھیک ہائے۔"
"دوست بناؤ گے؟" طالوت نے پوچھا۔
"اگر آپ میرے کو چانس دیں گے تو ضرور بنائیں گا۔" جمشید نے کہا۔
"کیا خیال ہے بھئی؟" طالوت نے پوچھا۔
"ٹھیک ہے۔ آدمی برے نہیں۔"
"لیکن کچھ شرائط ہوں گی مسٹر جمشید۔" طالوت نے کہا۔
"منظور ہائے۔ منظور ہائے۔"
"سنے بغیر؟"
"بالکل۔ بالکل' آپ لوگ بہت اچھا ہے۔ جو بولے گا اچھا بولے گا۔"
"پھر بھی سن لو۔ ساری لڑکیاں ایج میں ہیں۔ مطلب یہ کہ سیمیں' افشاں اور شکیلہ۔ تم ان میں سے کسی سے عشق لڑانے کی کوشش نہیں کرو گے۔"
"بالکل نہیں کریں گا۔"
"بس پہلی اور آخری شرط یہی ہے۔"
"میرے کو منظور ہائے۔"
"تب ہاتھ ملاؤ۔" پہلے میں نے جمشید سے ہاتھ ملایا اور پھر طالوت نے' جمشید بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بڑی معصومیت تھی اور ہم بھی اب اس کے لیے مخلص ہو چکے تھے۔
تصدق نے کافی تکلف کیا تھا۔ بہرحال ہم نے خوب کھایا پیا۔ جمشید بھی ہمارے ساتھ شریک تھا پھر ہم وہاں سے واپس چل پڑے۔ کچ کوٹھی میں ہی کیا۔ رات کے کھانے پر تنویر صاحب نے ہماری مصروفیات کے بارے میں پوچھا۔
"کارپٹ سینٹر تکمیل کے مراحل سے گزر چکا ہے۔ بہت جلد ہم اس کا افتتاح کرنے والے ہیں۔" میں نے کہا اور پھر طالوت بولا۔
"اس کے علاوہ تنویر صاحب' اب آپ ہمیں اجازت بھی دیں گے۔"
"کیا مطلب؟" سب چونک پڑے۔
"صائم بھائی یہاں مستقل رہائش چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ مہمان نوازی ختم کر دی جائے۔"
"تم یہاں مہمان تو نہیں ہو صائم!" تنویر صاحب مجھے

مخاطب کر کے بولے۔
"یقیناً۔ یہ درست ہے لیکن میں چاہتا ہوں ہم اپنی کوئی رہائش گاہ بھی بنا لیں۔"
"اس میں کوئی حرج نہیں ہے تنویر۔" نواب جلال الدین نے دخل دیا۔
"وہ تو ٹھیک ہے لیکن یہ کچھ بھی کریں' اگر قیام یہاں رہے تو کیا حرج ہے۔ ان لوگوں کی وجہ سے یہاں جو رونقیں سمٹ آئی ہیں' میں انہیں کھونا نہیں چاہتا۔"
"ہم یہاں سے دور نہیں جائیں گے تنویر صاحب! ہر لمحے آپ کے قریب ہوں گے۔"
"میں تمہیں روکنے کا کوئی جواز نہیں رکھتا سوائے اپنی محبت کے۔" تنویر صاحب سنجیدگی سے بولے اور پھر کافی دیر تک اس موضوع پر بحث ہوتی رہی۔ بالآخر تنویر صاحب کو بھی ماننا پڑا تھا۔
لیکن کھانے کے کمرے سے باہر نکلتے ہی افشاں نے میری ٹانگ پکڑ لی۔
"صائم صاحب!" وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔
"جی۔ کیا بات ہے افشاں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔
"ذرا تشریف لائیے۔" وہ سنجیدگی سے بولی اور میں اس کے ساتھ چل پڑا۔ باغ کے ایک سنسان گوشے میں پہنچ کر وہ رک گئی اور پھر مجھے گھاس پر بیٹھنے کے لیے کہہ کر خود بھی بیٹھ گئی۔
"کیا بات ہے افشاں! اتنی سنجیدگی۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔" میں نے بے چینی سے کہا۔
"یہ کیا گفتگو ہو رہی تھی؟"
"اوہ! یہاں سے جانے کے بارے میں؟"
"جی ہاں۔"
"تمہیں پسند نہیں آئی ہوگی؟"
"جی نہیں۔ بہت پسند آئی ہے۔ کب تشریف لے جا رہے ہیں آپ؟ اور یہ بھی اس کے بعد بھی آنا جانا رہے گا یا تعلقات بھی ختم کر لیں گے؟" افشاں نے کہا۔
"بہت خوب! اس ناراضگی میں چھپے پیار کو دل کی گہرائیوں میں محسوس کر رہا ہوں۔"
"اوہ۔ میں سمجھی شاید آپ کے ذہن سے یہ احساسات مٹ گئے۔" افشاں اسی سنجیدگی سے بولی۔
"اب خادم کو بھی بولنے کی اجازت ملے گی یا نہیں؟"
"بولیے۔ بولیے۔"
"کیا حضور مجھے گھر داماد بنا کر رکھیں گی؟"
"کیا مطلب؟"
"اگر حضور کی یہی خواہش ہے تب مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ میں تیار ہوں لیکن ہر لڑکی کے دل میں اپنے گھر کی آرزو ہوتی ہے اور میں آپ کے لیے ایک گھر بنانا چاہتا ہوں۔ اب بتائیے۔"
"لیکن ابھی کیا ضرورت ہے؟" افشاں نرم پڑ گئی۔
"کیوں۔ کیا حضور کی خواہش ہے کہ خادم بس تنہا تڑپتا رہے اور دور دور سے ہی حضور کی قربت کی آنچ محسوس کرتا رہے۔ افشاں بیگم' کیا یہ ظلم نہیں ہے؟"
اور افشاں مسکرا دی۔ "آپ۔ آپ۔"
"جی جی۔ فرمائیے۔"
"لیکن مکان کہاں خریدیں گے؟"
"ایک ہزار مکانات خرید لیں لیکن آپ کے قدموں سے دور جانا کون پسند کرے گا۔ ہاں کل لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ صاحب زادے کے پاس سر چھپانے کا ٹھکانہ تو ہے نہیں۔"
"بس خاموش ہو جائیے۔"
"آپ کی فرم شاید اسی ماہ سے کام شروع کر دے۔ اس کا افتتاح بھی آپ ہی فرمائیں گی۔"
"پلیز ایسا نہ کریں۔"
"کیا مطلب؟"
"مجھے شرم آئے گی۔ مگر آپ نے ابھی تک ہمیں تو اپنی فرم دکھائی ہی نہیں۔" افشاں کی پیشانی کی شکنیں مٹ گئی تھیں۔
"حضور کے شایانِ شان تیار تو ہو جانے دیں ورنہ پھر ناراضگی کون برداشت کرے گا۔" میں نے پیار بھرے انداز میں کہا اور افشاں نے گردن جھکا لی پھر کئی منٹ کی خاموشی کے بعد بولی۔
"بس آپ مکان خریدیں یا کچھ کریں' آپ کو رہنا یہیں ہوگا۔"
"شادی کے بعد بھی؟"
"نہیں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور میں سحر زدہ نگاہوں سے افشاں کو دیکھنے لگا۔ کیسی اچھی لگ رہی تھی وہ۔ میں نے جو کچھ اب تک کیا تھا' خواب محسوس ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے عورت' اپنی ساری حشر سامانیوں کے ساتھ زندگی میں پہلی بار میرے سامنے آئی ہو۔
افشاں منہ چھپائے کھڑی رہی اور میں کافی دیر تک مبہوت کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر افشاں کو ہی پراسرار خاموشی کا

Uploaded By Muhammad Nadeem

احساس ہوا اور اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے۔ تب میں بھی سنبھلا اور پھر میں نے ایک طویل سانس لی۔

"بہتر ہے۔ حضور کے حکم کی خلاف ورزی کی مجال کسے ہے۔" اور پھر افشاں اپنے کمرے کی طرف چلی گئی اور میں اپنے کمرے میں۔

شب و روز ہنگاموں سے تنویر صاحب کی کوٹھی میں بہار آگئی تھی۔ زبردست وسائل کے آدمی تھے۔ سو پچاس مہمان ان پر کیا بھاری پڑتے۔ ہمارا معاملہ عجیب بھی تھا اور تنویر صاحب فطرتاً نیک۔ وہ ہمیں بھی بہت چاہنے لگے تھے۔ دوسری طرف طالوت کا رپٹ سینٹر کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا تھا۔ اکثر وہ تنہا ہی چلا جاتا۔ مجھے اب اس سرپھرے جن کی کسی بات پر کوئی حیرت نہیں ہوتی تھی۔

بالآخر ساری تیاریاں مکمل ہو گئیں اور ایک رات میں اور طالوت اپنے کمرے میں کارپٹ سینٹر کے افتتاح کا پروگرام بنانے لگے۔

"یہ بات تو طے کہ یہ افتتاح نواب جلال الدین کریں گے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ تمہارے خیال میں ان سے اچھی شخصیت اور کس کی ہے؟" طالوت بولا۔

"نہیں۔ ٹھیک ہے۔"

"اس کے علاوہ ہمارے گھر کا افتتاح بھی ہو گا۔" طالوت نے کہا۔

"گھر؟ کون سا؟"

"ارے بھئی وہی، جہاں تم رہو گے۔" طالوت نے مسکرا کر کہا۔

"کیا مطلب؟" میں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"اوہو۔ یار معاف کرنا۔ دراصل تصدق کوئی اچھا مکان تلاش کرنے میں ناکام رہا تھا۔ بہرحال ہمیں مکان کی ضرورت تھی اس لیے میں نے راحم سے کہہ دیا۔"

"طالوت!" میں اچھل کر بیٹھ گیا۔

"ارے کیا غلطی ہو گئی؟" طالوت نے مسخرے لہجے میں پوچھا۔

"یہ بات نہیں ہے لیکن میں نے افشاں سے ابھی مکان کے بارے میں بات نہیں کی۔"

"کیا مطلب؟"

"دو باتیں ہیں یا تو وہ یہ سمجھے گی کہ میں نے اس سے بات چھپائی یا پھر مجھے یہ اعتراف کرنا پڑے گا کہ میں بے حقیقت انسان ہوں اور معاملات میرے علم میں ایک حد تک ہی

رہتے ہیں۔"

"بس بس۔ فضول بکواس سے پرہیز کرو۔ کوئی ترکیب کریں گے۔" طالوت نے منہ بنا کر کہا اور میں اسے کافی دیر تک خاموشی سے گھورتا رہا۔ تب طالوت مسکرا پڑا۔

"بس یار۔ خاموشی سے یہ کام کرنے کو جی چاہا تھا لیکن تو باقاعدہ ناراض ہو رہا ہے۔"

"ناراض نہیں ہو رہا۔ میں نے ایک بات کہی تھی۔"

"ایک آدھ غلطی معاف بھی کر دیا کر۔ اب تو ہو ہی گیا ہے۔ سنبھال لے۔" طالوت نے کہا اور میں خاموش ہو گیا۔ چند منٹ خاموشی رہی پھر طالوت ہی بولا "تیری خاموشی سے میں شرمندہ ہو رہا ہوں۔"

"نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔"

"خوش رہو میری جان۔ ہاں بابا افشاں اسٹاف چیک کریں گے۔ میں نے ابھی تک اسٹاف سے تعارف نہیں حاصل کیا۔"

"ضرور۔" میں نے کہا "لیکن ایک شرط پر۔"

"ہاں ہاں۔ بول جلدی سے۔" طالوت مودبانہ بولا۔

"افشاں بھی جائے گی۔"

"اور شکیلہ؟" طالوت نے آنکھیں نکالیں۔

"وہ بھی۔" میں مسکرا پڑا۔

"ٹھیک ہے لیکن ایک بات کا خیال رکھنا عارف!"

"کیا؟"

"مالک کی حیثیت سے تم سامنے آؤ گے۔"

"کیا مطلب؟"

"یہ مطلب اسٹاف سے تعارف کے سلسلے میں۔"

"اور تمہاری کیا حیثیت ہو گی؟"

"جو ہے۔"

"یعنی؟"

"مالک کا بھائی!"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔"

"سمجھنے کی کوشش کیا کرو۔ میں ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا اور پھر میں تمہاری دنیا کے کاروبار سے واقفیت حاصل کر کے کروں گا بھی کیا۔ مجھے میری قسم ہے میری جان، جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو۔"

"تم نے یہ سب کچھ میرے لیے کیا ہے؟"

"مجھے بنیاد بننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"لیکن طالوت۔"

"میرے اور تیرے درمیان "لیکن" کی گنجائش نہیں

خوبصورت کہانیوں کے شائقین کیلئے

- جادو
- آوا گون
- شیطان ازم
- خون آشامی
- ارواح، جرائم
- طنز و مزاح
- اور ایڈونچر جیسے موضوعات پر غیر متوقع انجام کی ۲۵

جانے پہچانے قلم کار

احمد صغیر صدیقی

کے زرخیز تخیل کی پیشکش

کالی کہانیاں

قیمت -/30 روپے

ڈاک خرچ -/23 روپے

کتاب کی قیمت بمعہ ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

خط و کتابت کا پتہ

مکتبہ نفسیات

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

kitabiat1970@yahoo.com

کتابوں کی قیمتیں اور ڈاک خرچ موجودہ ہیں۔ ان میں کسی بھی وقت تبدیلی ہو سکتی ہے

01-03-2006

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے عارف!" طالوت نے عجیب سے لہجے میں کہا اور میں خاموش ہوگیا۔ درحقیقت جو شخص کسی سڑک پر پڑے انسان کی ذرا سی بات سے متاثر ہو کر اس کی حیثیت بدل دے' اس سے یہ بات کہہ کر خود شرمندہ ہونا تھا۔ مجھ سے تو بہرحال اس کا ایک واسطہ تھا۔

کئی منٹ تک خاموشی رہی پھر میں نے کہا "تو میں افشاں کو تیار کرلوں؟"

"ہاں۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے طویل سانس لی۔

"ارے ہاں۔ یہ آج کل اپنا جمشید بھائی گھر سے غائب رہنے لگا ہے۔"

"ہاں۔ عام طور سے نظر نہیں آتا۔"

"ویسے اس نے معاہدے کی پابندی کی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"میرا خیال ہے اب اس نے گھر کی ساری لڑکیوں کو ماں بہن سمجھنا شروع کردیا ہے۔"

"اوہ' ہاں۔ آج کل وہ کسی کے پاس نہیں منڈلا رہا۔"

"یا پھر کچھ کرنے کی ہمت اس میں ہے نہیں۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"ویسے عارف! اس نے اپنے بارے میں تفصیل بھی تو بتا دی ہے۔ یعنی وہ خود عشق وغیرہ کا قائل نہیں ہے۔ بقول اس کے مسٹر شیڈوب اس کی جان کو آئے ہوئے ہیں۔"

"کیا وہ سچ بول رہا ہے؟"

"میرا خیال ہے اس میں جھوٹ بولنے کی صلاحیت نہیں ہے۔"

"ممکن ہے۔"

"بہرحال انوکھی شے ہے۔ ویسے اپنے جیسے دوسرے آوارہ گردوں کی مانند وہ نشے کا عادی نہیں معلوم ہوتا۔"

"ایں۔ ہاں۔ یہ بات بھی نہیں سوچی جاسکتی کہ نشے نے اس کا ذہن ماؤف کردیا ہے۔"

"بہرحال وہ بے چارہ قابل رحم ہے۔ سوچیں گے کچھ اس کے بارے میں بھی۔" طالوت نے لاپرواہی سے کہا اور پھر سونے کے لیے کروٹ بدل لی۔

دوسری صبح بے حد خوشگوار تھی۔ آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ گو بارش کا موسم نہیں تھا لیکن لگ ایسا ہی رہا تھا جیسے بارش ہوگی۔ ناشتے کے بعد ہی سب کے ذہن موسم میں کھو گئے۔ جمشید بھائی بھی ناشتے پر موجود تھے۔ ویسے بے چارہ اپنی شخصیت کی وجہ سے کوئی نمایاں حیثیت نہیں اختیار کرسکا تھا اس لیے کوئی اس کی طرف توجہ نہیں دیتا تھا۔

ناشتے کے کمرے سے سب ساتھ ہی نکلے تھے۔ تب سیمیں نے سب کو روک لیا۔

"کیا بات ہے' آج کل موسم کافی سرد ہے۔" وہ بولی۔

"اے لو ابھی تو سردی کا نام بھی نہیں ہے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ہوا نے جلدی سے سیمیں کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"خدا کے واسطے مجھے بخار نہ بتا دیں۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"اے بچی' ماتھا تو گرم ہے۔" افتاش سے بولیں۔

"اللہ کے واسطے ہوا۔ آپ خاموش رہیں۔ اگر ابو کے سامنے کہہ دیا تو خواہ مخواہ دواؤں کے چکر میں پھنس جاؤں گی۔" سیمیں دونوں ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"دواؤں کی تو تم ہمیشہ سے چور ہو بی بی۔"

"ٹھیک ہے ہوا۔ آپ اپنا فرض ضرور پورا کریں۔ یعنی کمال ہے۔ ذرا بھی سردی نہیں ہے اور انہیں سردی لگ رہی ہے۔" طالوت نے لقمہ دیا۔

"اللہ عادل بھائی! ہوا اتنی ہی دیوانی ہیں۔ پلیز آپ۔"

"نمک حلال ہیں۔ محبت کرتی ہیں تم سے۔ ایسی کیا بات ہے۔" طالوت بولا اور سب ہنس پڑے "جایئے ہوا' آپ نواب صاحب سے بات کریں۔"

"کمال!" سیمیں پیر پٹخ کر بولی۔

"جی سیمیں باجی!" کمال آگے بڑھ آیا۔

"تم ان ہوا کو زبردستی لے جاؤ اور کوٹھی کے ویران حصے کے کسی کمرے میں بند کردو۔ یہ اتنے اچھے موسم کا بیڑا غرق کرائیں گی۔" سیمیں غرائی۔

"بہت بہتر!" کمال آگے بڑھ آیا۔

"جمشید بھائی! آپ بھی کمال کی مدد کریں۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"اوہ۔ ضرور۔ ضرور۔"

"ارے۔ ارے۔ لو اور سنو۔ نیکی برباد گناہ لازم۔ اے بی بی تمہاری مرضی ہے۔ علاج کرو نہ کرو' بستر پر پڑ جاؤ گی تو ٹھیک ہے۔" ہوا بوکھلائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گئیں۔

سب قہقہے لگا رہے تھے۔ کمال تو رک گیا لیکن جمشید صاحب کے لیے یہی کافی تھا کہ کسی نے کوئی کام ان کے سپرد کردیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے آگے بڑھ کر ہوا کو پکڑنے کی کوشش کی۔

"پیچھے ہٹ۔ ہٹ پیچھے۔ خبردار جو میرے پنڈے کو

چھوا۔" ہوا غرائیں اور جمشید احمقانہ انداز میں سیمیں کی شکل دیکھنے لگا۔

سیمیں نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

"جمشید بہت طاقت ور ہے۔" طالوت جلدی سے بولا "اگر وہ چاہے تو ہوا کو اٹھا کر بھی لے جاسکتا ہے۔"

"اٹھا کر تو دیکھے۔ ہڈیاں توڑ دوں گی۔" ہوا نے آنکھیں نکالیں۔

"اب یہ جمشید جانے۔" طالوت بولا اور جمشید کے لیے یہی کافی تھا۔ دوسرے لمحے وہ جھکا اور ہوا کو اٹھا کر لے دوڑا۔ ہوا بھونچکی رہ گئی تھیں۔

اور لوگوں کے پیٹوں میں ہنستے ہنستے درد ہو گیا تھا۔

"ارے' ارے۔ یہ ہوا کو کہاں لے جا رہا ہے؟" طالوت سنجیدگی سے بولا۔

"اللہ عادل بھائی! اللہ بس۔" سیمیں نے پیٹ پکڑ کر ہنستے ہوئے کہا۔ افشاں اور شکیلہ کی آنکھوں میں ہنسنے کی وجہ سے آنسو نکل آئے تھے۔

"ہائے اب تو ہوا قیامت کردیں گی۔ ان کے ساتھ اتنی بری تو کبھی نہیں ہوئی تھی۔"

"آیئے' دیکھیں تو سہی۔ دیکھنے کے قابل منظر ہوگا۔" افشاں نے کہا۔

توبہ توبہ۔ کیسی ہوگئی ہیں یہ لڑکیاں۔ تمہیں شرم نہیں آئے گی ان دونوں کی خلوت میں جاتے ہوئے۔" طالوت نے شرارت سے کہا اور سیمیں نے شرم سے دوپٹہ منہ میں دبالیا۔

"توبہ کی پناہ! کیا بات کا بتنگڑ بنا ہے۔" احسان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہوئی کیا تھی؟"

"بس میں نے بات۔ میں نے موسم کی سردی کی بات کردی۔ میرا مطلب سچ مچ کے موسم سے تو نہیں تھا۔ میں تو کہہ رہی تھی کہ بہت دن سے کوئی تفریح نہیں ہوئی۔ سب لوگ سرد سے ہیں' تفریحی حالات میں کوئی پرجوش نہیں ہے۔" سیمیں بولی۔

"اوہ! یہ بات تھی۔"

"شامت کی ماری ہوا کی محبت جوش مارنے لگی۔ وہ سمجھیں کہ میں سردی کا شکار ہوگئی ہوں۔"

"ہاں۔ یہ بات سوچنے کی ہے۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"کیا؟"

"یہی کہ پچھلے کچھ عرصے سے موسم کافی سرد چل رہا ہے۔"

"اور پھر آج تو بادلوں نے اور ہلچل مچا دی ہے۔"

"کیا کہا جاسکتا ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہم گھر سے نکلیں اور دھوپ نکل آئے۔"

"آثار تو نہیں ہیں۔ بادل گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔" سیمیں نے کہا۔

"ہمیں مشکل پیش آئے گی۔" طالوت بولا۔

"کیسی مشکل؟"

"آپ سمجھتی نہیں ہیں سیمیں! انسان کو اتنا بے حس نہیں ہونا چاہیے۔" طالوت منہ بنا کر بولا۔

"ارے ارے۔ کیا شکایت پیدا ہوگئی میرے بھیا کو؟" سیمیں نے پیار سے کہا۔

"احسان اگر سیر کرنے نکلیں گے تو تم ان کے ساتھ ہوگی' باقی لوگ؟"

"خدا کی قسم حسرت میں نہ جتلا کیا کریں عادل بھائی۔" سیمیں جلدی سے بولی۔

"کیا مطلب؟"

"کتنی خواہش ہے اپنے بھیا کا سہرا دیکھنے کی۔"

"ارے باپ رے!" طالوت اچھل پڑا "سچ مانو تو سیمیں شادی کرنے میں جو چیز میرے لیے سب سے زیادہ مانع ہے وہ سہرا ہے۔ اگر سہرا نہ باندھنا پڑے تو میں دس شادیاں کرنے کو تیار ہوں۔ ویسے تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ میرے برادر محترم کو سہرا باندھنے میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔" طالوت کا اشارہ میری طرف تھا۔

"ایک کردوں گی۔ زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ ہائے اب یہ بھی لکھا تھا تقدیر میں۔" ہوا کی آواز سنائی دی۔ وہ بڑی تیزی سے آرہی تھیں۔ ہم سب الرٹ ہوگئے۔

"اور تم سب دیکھتے رہے۔ اے سیمیں بیٹی۔ ہائے اب کس پر ناز کروں گی۔ مجھے بھی خیال نہ آیا۔"

"ارے اس جمشید کی ایسی تیسی۔ گیا کہاں وہ۔ راسم! جمشید کی اینٹ سے اینٹ بجادو۔ آؤ میرے ساتھ۔ غضب خدا کا۔ اس سے مذاق میں یہ بات کہی تھی لیکن اس نے سچ مچ یہ حرکت کر ڈالی آؤ۔" طالوت نے میرا بازو پکڑا اور تیزی سے چل پڑا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ طالوت اس وقت وہاں سے چھوٹ جانا چاہتا ہے۔

ہم دونوں سیدھے اپنے کمرے میں آگئے اور طالوت

Uploaded By Muhammad Nadeem

مسکرانے لگا۔

"بدمعاشی کی انتہا کر ڈالی ہے تم نے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا اور طالوت چھت کی طرف دیکھنے لگا "اس وقت وہاں سے بھاگے کیوں؟"

"بات غلط رخ اختیار کر رہی تھی۔"

"کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"دماغ میں خرابی ہوئی ہے کچھ۔" طالوت نے آنکھیں نکالیں "آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ سیمیں صاحبہ کے ذہن میں کیڑے کلبلا رہے ہیں حالانکہ ہمارا پروگرام کچھ اور ہے۔"

"اوہو۔۔۔ تو۔۔۔ تمہارا مطلب ہے۔۔۔"

"جی ہاں۔ اگر سیمیں کا موڈ سب پر سوار ہو جاتا تو؟"

"لیکن اب کیا کرو گے؟"

"اپنی اپنی۔"

"کیا مطلب؟"

"یونہی دل۔ تم افشاں کو لے کر پہنچو اور میں شکیلہ کو لے کر۔"

"ہوں۔" میں نے گہری سانس لی "یار اس معاملے میں بھی تم مجھ سے زیادہ خوش نصیب ہو۔"

"کس معاملے میں؟"

"شکیلہ کو ساتھ لے جانے میں تمہیں قباحت نہیں ہے۔ اس کے برعکس میں سوچ رہا ہوں کہ افشاں نہ جانے کیا کہے۔ ممکن ہے وقت پیش آئے۔"

"اب یہ تیری اور افشاں کی صلاحیت کی بات ہے۔ بہرحال زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے۔ یہاں کی پبلک کو بادلوں کا بخار چڑھتا جا رہا ہے۔ اگر زور دار ہو گیا تو سارا پروگرام خاک میں مل جائے گا۔"

میں نے فکرمندی کی گہری سانس لی۔ افشاں کو لے جانا خاصا مشکل کام تھا۔ بہرحال کوشش کرنے میں حرج نہیں تھا۔ طالوت میری شکل دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچا؟"

"ٹھیک ہے یار۔ میں کوشش کروں گا۔"

"تب پھر جلدی سے ایک کام کرو۔" طالوت بولا۔

"ہوں' کہو۔" میں نے کہا۔

"خاموشی سے شکیلہ کے پاس جاؤ اور اسے میرے پاس بھیج دو۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی۔ میں باہر نکل آیا۔ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ بچھڑا ہوا گروہ مل گیا۔ مجھے دیکھ لیا گیا اور سب میرے پاس پہنچ گئے۔

"یہ آپ لوگ کیوں فرار ہو گئے؟" سیمی نے کہا۔

"اوہ' راستے میں ہم نے پروگرام کینسل کر دیا۔"

"اوہ' کیوں؟"

"دراصل ہمیں آج ایک مصروف دن گزارنا ہے۔" مجھ سے کوئی بہانہ نہیں بن پا رہا تھا۔

"گویا آج کے موسم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔" سیمیں نے مایوسی سے کہا۔

"ہاں' کچھ ایسی مجبوری ہے۔"

"اور یہ جمشید صاحب کیا چوہے کی طرح بھاگ گئے؟"

"کیوں؟"

"سب جگہ انہیں تلاش کیا گیا لیکن ان کا پتہ ہی نہیں چل رہا۔"

"ممکن ہے غریب باہر ہی چلا گیا ہو۔ اے ہے ہاں شکیلہ! ذرا بات سنو۔" میں نے کہا اور دوسرے لوگوں سے معذرت کر کے ذرا دور چلا گیا۔ شکیلہ میرے پاس آ گئی "جناب پناہ یاد فرما رہے ہیں۔"

"عادل صاحب؟"

"جی۔"

"اپنے کمرے میں ہیں؟"

"جی۔" میں نے جواب دیا اور شکیلہ میری شکل دیکھ کر جھینپ گئی۔

"لیکن۔۔۔ لیکن یہ لوگ؟"

"کانوں کان خبر نہ ہو ان لوگوں کو۔"

"اتنا آسان تو نہیں ہے۔ پلیز صائم بھائی۔ آپ ان لوگوں کو کسی طرح۔۔۔" شکیلہ نے درخواست کی۔

"شیطانی ٹولا ہے' بہرحال میں کوشش کرتا ہوں۔ تم پہلے اپنے کمرے کی طرف جاؤ' پھر پچھلے راستے سے۔۔۔"

"جاؤں؟"

"ہاں۔" میں نے کہا اور شکیلہ دوسرے لوگوں کی طرف دیکھے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اور میں واپس ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔

"کیوں۔ یہ مس شکیلہ کہاں چلی گئیں؟"

"آتی ہیں ابھی' ذرا کام سے گئی ہیں۔" میں نے کہا۔

"ویسے آج کا موسم جس طرح پٹ ہوا ہے' اس کا افسوس رہے گا۔"

"ہوا کہاں گئیں؟" میں نے پوچھا۔

"وہ بھی غائب ہو گئیں' نہ جانے کہاں چلی گئیں۔"

"چلو سیمیں! پھر ہم اپنے طور پر ہی کوئی پروگرام بنائیں۔"

یہ قوم آج نہ جانے کس موڈ میں ہے۔" احسان نے کہا۔

"پروگرام کیا خاک بنائیں؟" سیمیں بوریت سے بولی۔

"آؤ۔ یہاں میرے کچھ دوست ہیں' ان سے ملیں گے۔" احسان نے کہا۔

"آپ کیا کریں گی مس افشاں؟" میں نے پوچھا۔

"ابھی تک سوچا نہیں۔" افشاں نے کہا۔

"اچھا بھئی۔" میں نے طویل سانس لے کر کہا اور سب منتشر ہو گئے۔ میں نے افشاں کو اشارہ کر دیا تھا اور چند منٹ کے بعد میں اس کے کمرے پر پہنچ گیا۔ افشاں میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے دیکھ کر مسکرا دی۔

"میں نہیں سمجھ سکی' یہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر چونک کر بولی "ارے' اندر آیئے' دروازے پر کیوں کھڑے ہیں۔"

اور میں جھجکتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

"تشریف رکھیے۔" افشاں بولی۔

"میرا خیال ہے ہمیں یہاں نہیں بیٹھنا چاہیے۔"

"کیوں؟" افشاں نے آنکھیں نکالیں۔

"اوہو' کوئی خاص بات نہیں' کچھ پروگرام ہے۔"

"کیا؟"

"آپ کو بتانا ضروری ہے؟" میں نے اسے دیکھا۔

"کیا میں بھی اس پروگرام میں شریک ہوں؟" افشاں نے پوچھا۔

"شریک کیا' پروگرام ہی آپ کے لیے ہے۔"

"تب پھر میرے لیے کوئی حکم تو ہو گا۔" افشاں پیار بھرے لہجے میں بولی۔

"جی آپ تیار ہو جائیں۔" میں نے کہا اور افشاں کھڑی ہو گئی۔

"اس کے لئے کا حکم ہے؟" اس نے پوچھا۔

"بدل لیں۔"

"بہتر۔" افشاں نے گردن ہلائی اور الماری کی طرف بڑھ گئی پھر اس نے بڑی خوب صورت لباس نکالا اور ملحقہ باتھ روم کی طرف چل پڑی۔ اس کے انداز اپنائیت پر مبنی روح خوشی سے جھوم گئی تھی۔ درحقیقت افشاں جیسی لڑکیاں زندگی میں روشنیاں بکھیر دیتی ہیں۔ میں مستقبل کی روشنیوں میں جھانکنے لگا اور پھر روشنی کمرے میں در آئی۔

"ٹھیک ہے۔" روشنی کی آواز ابھری اور میں چونک گیا۔ افشاں بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔ میں نے تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اور یہ اس کے حسن کو خراج تھا۔ الفاظ میں وہ تاثر کہاں جس کا اظہار چہرے سے ہو۔

"چلیں؟"

"چلئے۔" افشاں نے سکون سے کہا اور میں بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ہم دونوں باہر نکل آئے۔ طالوت یا تو ابھی نکلا نہیں تھا یا پھر نکلا تھا تو اس نے کار ہمارے لیے چھوڑ دی تھی۔ ایک لمحے کے لیے میں نے سوچا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ طالوت خود کار لے جانا چاہتا ہو۔ میں کار لے جاؤں تو یہ خود غرضی نہ ہو لیکن چوکیدار نے میری یہ مشکل حل کر دی۔ وہ قریب سے ہی گزرا تھا۔

"سنو۔۔۔!" میں نے کہا اور وہ جلدی سے میرے پاس آ گیا "عادل صاحب باہر گئے ہیں یا اندر ہی ہیں؟"

"ابھی تو باہر گئے ہیں صاحب۔ ان کے ساتھ بی بی بھی تھیں۔"

"اوہ۔" میں نے گردن ہلائی اور پھر میں اطمینان سے کار میں آ بیٹھا۔ افشاں میرے برابر آ کر بیٹھ گئی اور میں نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ ہم خاموشی سے باہر نکل آئے۔ افشاں نہ جانے کس خیال سے مسکرا رہی تھی۔ میں نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور اسے مسکراتے دیکھ کر میرے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آ گئی۔

"خیریت۔ کون سا خیال ذہن میں رقصاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"یہ صاحب کون سی بی بی کے ساتھ باہر گئے ہیں؟" افشاں نے پوچھا۔

"شکیلہ بی بی کے علاوہ کون ہو سکتا ہے۔" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ آج پروگرام کیا بن گیا؟"

"بس' میں نے سوچا' کارپٹ سینٹر کے افتتاح کی منظوری لے لی جائے۔" میں نے جواب دیا۔

"اوہ' کس سے؟"

"اس کی اصل مالکہ سے۔"

"یعنی؟" افشاں کے چہرے پر سرخی پھیل گئی۔

"افشاں خاتون سے۔ ہمارا کیا ہے' ہم تو صرف ایک کارکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مالکہ اپنے کاروبار کا جائزہ لے لیں۔ اگر وہ انتظامات سے' آرائش سے مطمئن ہوں تو پھر اس کے افتتاح کی تاریخ مقرر فرما دیں۔ اس کے علاوہ مکان کا بھی جائزہ لے لیا جائے۔ ممکن ہے افشاں خاتون کو پسند نہ آئے۔"

"اوہ' تو مکان بھی خرید لیا؟" افشاں نے پوچھا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem
Muhammad Nadeem

"میرا خیال ہے تمہیں سوچنا ہوگا' سوچ بچار کا ہوگا۔ آپ نے کسی کے اندر کوئی تبدیلی محسوس کی؟"

"قطعی نہیں۔"

"سوچ سکتے ہیں تو صرف ابو یا امی جان۔ دونوں ٹھیک ہیں' سب کچھ ٹھیک ہے' ویسے ایک بات بتاؤں؟"

"بتاؤ۔" میں نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"خطرہ اگر ہو سکتا تھا تو صرف جمشید بھائی سے کیونکہ امی جان اپنے بھائی کو بہت چاہتی ہیں۔ ابو انہیں ہمیشہ سے ناپسند کرتے ہیں لیکن وہ کسی معاملے میں امی جان کا دل نہیں توڑ سکتے۔ لیکن خدا بھلا کرے جمشید بھائی کا کہ وہ قاعدے کے نہیں نکلے ورنہ کچھ دشواریاں پیش آسکتی تھیں۔"

"ہوں۔" میں نے کہا "ان حالات میں تو بڑی ماں سوچ بھی نہیں سکتیں۔"

"ہرگز نہیں' وہ تو جمشید بھائی کی مداح شرمندہ ہیں' میں نے کئی بار محسوس کیا ہے۔"

"خیر' انہیں شرمندہ ہونے کی کیا ضرورت ہے' وہ ان کے والدین شرمندہ نہیں ہیں۔ جانتی ہیں' مسٹر جمشید یہاں کیوں آئے ہیں؟"

"اوہو کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے آپ کو؟"

"جی۔" میں نے کہا اور جمشید کے بارے میں پوری تفصیل بتا دی۔ افشاں کبھی ہنس پڑتی' کبھی سنجیدہ ہو جاتی۔ پوری کہانی سننے کے بعد وہ افسوس بھرے لہجے میں بولی۔

"افسوس ہے ماموں جان پر۔ ابو ان سے نفرت کرتے ہیں تو ٹھیک ہی ہے' ان کی ذہنیت ہی خراب ہے۔" افشاں نے کہا۔

"لیکن افشاں۔ اس لحاظ سے جمشید قابل نفرت نہیں ہے۔"

"ان بے چارے کا خود کوئی کردار ہی نہیں ہے اور بہرحال یہ خوشی کی بات ہے کہ شاداب ماموں اپنے اس ناکارہ بیٹے کے ذریعے اپنی گندی خواہشات پوری نہیں کر سکتے۔"

"چھوڑو افشاں۔ بہرحال وہ بزرگ ہیں' خدا انہیں عقل دے۔" میں نے کہا۔ کار منزل پر پہنچ گئی تھی۔ میں نے اسے خوب صورت عمارت کے گیٹ سے اندر داخل کر دیا۔ چوکیدار جلدی سے آیا اور اس نے ادب سے سلام کر کے کار کا دروازہ کھول دیا۔

"عادل صاحب آگئے؟"

"جی صاحب' اندر موجود ہیں۔" چوکیدار نے جواب دیا اور میں اور افشاں آگے بڑھ گئے۔ افشاں بڑی متاثر نگاہوں

سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔

"بہت خوب۔" وہ شوہال کی چوڑی سیڑھیاں طے کرتے ہوئے بولی۔ وسیع ہال میں چاروں طرف قالینوں کے شعبے بنے ہوئے تھے جن میں روشنیاں جگمگا رہی تھیں۔ حسین ترین ڈرائنگ روم ترتیب دیے گئے تھے جن میں قالین بچھے ہوئے تھے۔ دراصل یہ جدید ترین شوروم تھا جس کا جواب پورے ملک میں ناممکن تھا۔

افشاں نے رک کر انہیں قریب سے دیکھا اور پھر تعریفی انداز میں گردن ہلائی۔

"کوئی ارشاد؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"صرف اتنا کہ۔۔۔ میں نے بہت سے ممالک دیکھے ہیں' بڑے بڑے ملکوں کے تجارتی مراکز دیکھے ہیں۔ اب تک جو کچھ دیکھا ہے وہ انتہائی معیاری ہے اور ہم اس شوروم کو بڑے بڑے سے بڑے غیر ملکی شوروم کے مقابلے میں پیش کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ نہیں ادا کروں گا' کیونکہ بس یہ کاوش سر ہی ہے۔"

"آئیے' اوپر چلیں۔" افشاں نے مسرت بھرے انداز میں کہا۔ اوپر کی منزل اسٹاک ہال تھی۔ چاروں طرف قالینوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ افشاں نے کافی دیر تک وہاں رک کر قالینوں کی کوالٹی دیکھی اور پھر ہم اوپری منزل کی طرف چل پڑے۔ یہ اسٹاف ہال تھا۔

اسٹاف نے باقاعدہ کام شروع کر دیا تھا۔ ابتدائی کام ختم ہو چکے تھے۔ کئی ممالک سے قالین درآمد کیے گئے تھے۔ ملکی طور پر بھی کافی اسٹاک خریدا گیا تھا۔ یہ سارے کام ہو رہے تھے۔ ہال میں طالوت اور شکیلہ ملے۔ ہمیں دیکھتے ہی سارا اسٹاف کرسیاں چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ تقریباً دس لڑکیاں تھیں اور سب کی سب قریب نوجوان اور درمیانی عمر کے لوگ۔ تصدق بھی تھا۔ سب سے زیادہ حیرت جمشید کو دیکھ کر ہوئی تھی۔ جمشید صاحب یہیں موجود تھے۔

بہرحال طالوت پہلے آکر یہاں کافی تیاریاں کر لی تھیں۔ اہم عہدوں کے لوگوں سے افشاں کا تعارف کرایا گیا اور پھر ہم اپنے آفس میں داخل ہو گئے۔ جمشید' تصدق وغیرہ ساتھ تھے۔

"خوب' جمشید صاحب! آپ کس وقت کھسک آئے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ مسٹر صائم! ادھر پرانا عورت بہت خراب ہو گیا تھا' وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑتا۔ مسٹر تاساؤک بہت اچھا انسان ہے' ہم اکثر ان کے پاس آجاتا ہے۔"

"بہت خوب' تو جب آپ گھر سے غائب ہوتے ہیں تو یہاں ہوتے ہیں؟"

"بالکل' بالکل' بٹ پلیز۔ آپ پرانا عورت کو یہ بات نہ بتاویں۔"

"جمشید صاحب بے حد دلچسپ انسان ہیں جناب! بعض معاملات میں یہ نہایت سلیقے کی اور مفید بات کہہ جاتے ہیں۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کمال ہے' بہرحال کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ آپ جب تک یہاں ہیں' جب دل چاہے یہاں آسکتے ہیں جمشید صاحب!" طالوت نے کہا۔

"بہت بہت شکریہ۔ ادھر آنٹی کا کوٹھی میں زیادہ اچھا نہیں لگتا۔" جمشید نے کہا اور پھر سہمے ہوئے انداز میں افشاں کی طرف دیکھنے لگا۔

"اوہ' میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی جمشید بھائی! آپ بے فکر رہیں۔" افشاں جلدی سے بولی۔

سب لوگ بیٹھ گئے تھے۔ تصدق نے خاطر مدارات شروع کر دی۔ طویل و عریض آفس سے ملحقہ آرام کا کمرا بھی تھا۔ وہیں پر ایک خوب صورت ڈائننگ ٹیبل بھی موجود تھی' دفتر میں لنچ وغیرہ کے لیے۔ بہرحال میز بھری گئی اور ہم سب کافی پینے لگے۔ جمشید تو بے تکلفی سے شریک ہو گئے تھے لیکن تصدق کو بھی خصوصی طور سے شریک کیا گیا۔ کھانے کے دوران قہقہے لگائے جاتے رہے پھر تصدق سے گفتگو شروع ہو گئی۔ میں نے اس سے معلومات حاصل کی تھیں پھر ہم اس کمرے سے نکل آئے۔

"اچھا مسٹر تصدق! اجازت دیں اور ہاں ٹیلی فونز کے بورڈ مکمل ہو گئے؟"

"جی ہاں۔ کل شام ہی کو کنکشن مل گئے تھے۔"

"ویری گڈ۔ تب پھر شام تک تمہیں اطلاع مل جائے گی۔ اطلاع ملتے ہی نیون سائن والوں کو اجازت دے دینا۔ کام نہایت پھرتی سے ہو۔"

"ایسا ہی ہو گا جناب!" تصدق نے جواب دیا۔

"ہاں بھئی عادل صاحب۔ دوسرے پروگرام کی کیا رہی؟"

"چلئے صائم بھائی۔" طالوت نہایت شرافت سے بولا۔

"میں۔ میں بھی چلوں؟" جمشید نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ بھلا اب اسے کون منع کر سکتا تھا۔ چنانچہ ہم نے اسے ساتھ لے لیا۔ طالوت ٹیکسی سے یہاں تک آیا تھا۔ کار اس

Uploaded By Muhammad Nadeem

نے ازراہ اخلاق میرے لیے چھوڑ دی تھی لیکن اس وقت ہم پانچوں ساتھ تھے۔

افشاں اور شکیلہ غیر معمولی طور پر خاموش تھیں اور ان کی خاموشی کو جلد ہی محسوس کرلیا گیا۔ ڈرائیونگ اس وقت طالوت کررہا تھا۔

"ارے' یہ خواتین مراقبے میں کیوں ہیں؟" میں نے کہا اور دونوں لڑکیاں چونک پڑیں۔ انہوں نے ہماری طرف دیکھا اور پھر شکیلہ بولی۔

"کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔"

"عام بات کیا ہے؟" طالوت نے کہا۔

"عام بات بھی نہیں ہے۔" شکیلہ ہنس پڑی۔

"تیسری قسم کون سی ہوتی ہے؟" طالوت نے جھک کر رازدارانہ انداز میں مجھ سے پوچھا۔ اور دونوں لڑکیاں ہنس پڑیں۔

بھائی جمشید اردو کے مذاق کو نہیں سمجھتے تھے اس لیے وہ صرف متعجبانہ انداز میں ہم لوگوں کو ہنستا ہوا دیکھتے رہے۔ خود انہوں نے اخلاقاً بھی ہنسنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"کیا بات ہے افشاں! یہ خاموشی کیوں ہے؟ کیا سوچ رہی ہیں آپ؟" اس بار میں نے افشاں کو براہ راست مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"شکیلہ باجی کے بارے میں تو میں کہہ نہیں سکتی لیکن میں آپ کی اس فرم کے بارے میں سوچ رہی تھی۔"

"کیا؟" طالوت نے دلچسپی سے پوچھا۔

"جتنی خوب صورت' جتنی شان دار فرم آپ نے بنائی ہے' ملک میں شاذ ہی ہوگی۔ یوں تو یہاں بے شمار بڑی بڑی فرمیں ہیں لیکن یہ اپنی طرز کی انوکھی فرم ہے۔ میں اسے دیکھ کر بے حد متاثر ہوئی ہوں۔" افشاں نے کہا۔

"شکریہ ادا کریں صائم صاحب!" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔

"بہت بہت شکریہ مس افشاں۔ اور شکیلہ خاتون! آپ بھی کچھ گل افشانی فرمائیں گی؟" میں نے پوچھا۔

"تعریف سننا چاہتے ہیں صائم صاحب؟" شکیلہ نے کہا۔

"جو کچھ آپ سنادیں۔"

"میں اس فرم کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی۔"

"خوب۔ پھر؟"

"بلکہ آپ دونوں پر غور کررہی تھی۔ آپ کو جاننے کے بعد ایسی چیزوں پر حیرت نہیں ہوتی۔ مجھے معاف کرنا افشاں! میرے ساتھ جو حالات پیش آئے ہیں' وہ ایسے ہی تھے کہ ان دونوں کو میں جو کچھ بھی سمجھوں' کم ہے۔"

"مجھے احساس ہے شکیلہ۔" افشاں نے کہا۔

"بس یوں کہنا چاہیے' بعض اوقات محرومیوں کے سمندر میں' طوفان میں گھرے ہوئے انسان کو ایسا سہارا مل جاتا ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کرپاتا۔ اور جوں جوں اسے اس سہارے کی مضبوطی کا احساس ہوتا ہے اس کی کیفیت انوکھی ہوتی جاتی ہے۔ اسے اپنے خواب میں کھوئے ہونے کا احساس ہوتا ہے اور پھر یہ خوف اس کے ذہن میں جاگزیں ہوجاتا ہے کہ کہیں اس کی آنکھ نہ کھل جائے۔" شکیلہ نے کہا۔

طالوت نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور پھر رخ بدل لیا۔ جمشید بھائی بدستور خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے پلے ہی کچھ نہیں پڑ رہا تھا۔

کار کافی دور نکل آئی تھی۔ اس وقت جس جگہ ہم جارہے تھے' اس کے بارے میں صرف طالوت ہی کو معلوم تھا۔ باقی لوگ بے خبر تھے' جن میں' میں بھی شامل تھا۔ بہرحال پھر ہم ایک نہایت ہی پرفضا علاقے میں نکل آئے۔ اچانک دور سے ایک انتہائی خوش نما محل نظر آیا۔ دور ہی سے عمارت کے حسن کا اندازہ ہورہا تھا۔ اور میں نے سمجھ لیا کہ یہی ہماری نئی رہائش گاہ ہے۔

کار طویل و عریض پھاٹک کے سامنے رک گئی اور پھاٹک خود بخود اس طرح سمٹ گیا جیسے ہمیں پہچان گیا ہو۔ کسی خاص ٹیکنیک کا پھاٹک تھا۔ طالوت کار اندر لے گیا۔ دو رویہ درخت لگائے گئے تھے' فرش ہفت رنگ ٹائل کا تھا۔ تا حد نگاہ رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ میں خود بھی دنگ رہ گیا تھا۔ طالوت نے یہاں کچھ زیادہ ہی رنگ دکھایا تھا۔ کوٹھی کی تعمیر میں راسم کا ہاتھ تھا اور راسم نے پرستان سے کوئی مکان لاکر یہاں نصب کردیا تھا۔ اتنی حسین عمارت تھی کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ اور پھر جدید طرز تعمیر کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ ایک ایک کونا اعلیٰ فرنیچر اور ضرورت کی نہایت قیمتی اشیا سے پر تھا' دیکھ کر آنکھیں پھیل جاتی تھیں۔

طالوت نے جلال آباد میں احسان کے لیے ایک عمارت تعمیر کرائی تھی' نہایت حسین عمارت تھی لیکن اس عمارت کے سامنے وہ کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ ہر گوشہ اپنی جگہ ایسا مکمل تھا کہ بس۔ تعریف کے لیے الفاظ کم ہوجاتے تھے۔ ہم سب سحرزدہ سے اس عمارت کو دیکھتے پھر رہے تھے۔

یہاں تک کہ دوپہر ہوگئی۔

"صائم بھائی!" طالوت نے مجھے آواز دی۔

"ہوں۔" میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

"لنچ نہیں کرائیں گے؟"

"یہیں کیا جائے گا؟" میں نے پوچھا۔

"اب کیا آپ اپنے مہمانوں کو باہر لے جائیں گے۔ میرا خیال ہے' اب ہمارا کچن اتنا مفلس بھی نہیں ہے۔"

"تب پھر تم ہی تکلیف کرو۔" میں نے کہا۔

"جو حکم۔" طالوت بولا اور میں دونوں لڑکیوں اور جمشید کو لے کر ڈائننگ ہال میں آگیا۔ طالوت کچن کی طرف چلا گیا تھا۔ دونوں لڑکیوں پر سحر طاری تھا۔

"بھئی' یہ خاموشی کچھ جچ نہیں رہی۔" میں نے کہا۔ افشاں اور شکیلہ صوفوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ جمشید دوسرے صوفے پر اور میں ان کے برابر بیٹھ گیا۔

"کیا بولا جائے؟" شکیلہ نے کہا۔

"کچھ تو بولیں۔"

"بس ہم خود کو اس مکان کی تعریف میں بے مایہ سمجھ رہے ہیں۔ الفاظ میں اس کی تعریف بیان نہیں کی جاسکتی۔"

"آپ کا کیا خیال ہے؟" میں نے پیار بھری نگاہوں سے افشاں کو دیکھا۔

"میں کچھ معلوم کرنا چاہوں گی۔"

"ضرور۔ ضرور۔ ارشاد؟"

"مکان کی آرائش کے لیے یہ سامان کہاں سے حاصل کیا گیا؟" افشاں نے پوچھا۔

"یہ شعبہ عادل کا ہے' ویسے اتنا میں بتا سکتا ہوں کہ جو سامان مل سکی' امپورٹ کرلی گئی۔"

"غیر ملکی سامان ہے نا؟"

"جی ہاں۔"

"اس کا مطلب ہے کافی دن سے اس شہر پر قبضہ جمانے کی کوششیں جاری تھیں۔" افشاں نے کہا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ میری جان میں جان آئی۔ افشاں کے ٹیڑھے سوالات نے مجھے کافی الجھا دیا تھا اور مجھے احساس ہورہا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی شک پیدا ہوگیا ہے۔ ان سوالات کے مناسب جوابات میرے لیے خاصے مشکل تھے لیکن شکر ہے' افشاں کے دل میں کوئی خاص بات پیدا نہیں ہوئی تھی۔

"ہاں یہ تو درست ہے۔"

"بہرحال میری طرف سے اس خوب صورت محل کی مبارک باد قبول فرمایئے۔" افشاں نے کہا اور میں نے ایسی نگاہوں سے اسے دیکھا کہ وہ جھینپ گئی۔ شکیلہ نے میری یہ شرارت دیکھ لی تھی اور وہ بھی زیرلب مسکرانے لگی۔

کھانے کا انتظام راسم نے کیا تھا' اس لیے حیرت کی گنجائش نہیں تھی عظیم الشان ڈائننگ ہال کی لمبی میز پر انواع واقسام کے لوازمات سے بھری پڑی تھی۔

"توبہ ہے۔ یہاں پوری بارات آرہی ہے کیا؟ کیا یہ کھانا ضائع نہیں ہوگا؟" شکیلہ نے کہا۔

"جب آپ خود یہ سارے انتظامات سنبھالیں تو جو کچھ خرابی ہے ٹھیک کرلیں۔ ہم مردوں کو اس بارے میں کیا معلوم۔" میں نے شکیلہ سے مسکرانے کا بدلہ لیا اور شکیلہ خاموش ہوگئی۔

کھانا گنجائش سے زیادہ ہی کھالیا گیا اور پھر تھوڑی دیر آرام کی ٹھہری۔ جمشید صاحب کباب میں ہڈی بن گئے تھے۔ چنانچہ ان کو ٹانگنے کی ترکیب کی جانے لگی۔

"سنائیے جمشید صاحب! اس دوران آپ نے کوئی گفتگو نہیں کی۔"

"ہم یہ سب دیکھ رہا ہے۔ ونڈرفل ہے۔" جمشید نے کہا۔

"شکریہ۔"

"آپ سب ونڈرفل ہے۔"

"اس کا بھی شکریہ۔ ویسے آپ نے کیا سوچا؟"

"ہمارا لائف بھی ونڈرفل ہے' ہم کیا سوچے۔" جمشید بولا۔

"اس کا بھی شکریہ۔" طالوت نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ "ویسے تصدق سے آپ کی کیسی چھن رہی ہے؟"

"اوہ' وہ اچھا آدمی ہے۔"

"کیا اس کی لائف بھی ونڈرفل ہے؟"

"میں نے اس کی لائف کے بارے میں نہیں پوچھا۔"

"اب آپ کا کیا خیال ہے؟"

"بس تھوڑے دن ادھر اور گزاریں گا اور پھر واپس چلا جائیں گا۔"

"مسٹر شیڈوب سے کیا بولیں گا؟" طالوت نے پوچھا۔

"بولیں گا' اب وہ خود ٹرائی کرے۔" جمشید نے برا سا منہ بنا کر کہا اور سب ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوگئے۔

"ویسے تصدق کو آپ سے کچھ کام تھا جمشید صاحب!"

"اوہ' کیا کام تھا؟" جمشید چونک کر بولا۔

"پتہ نہیں' جب ہم وہاں سے چلے تھے تو اس نے

Uploaded By Muhammad Nadeem

درخواست کی تھی کہ جمشید کو جلدی بھیج دیا جائے۔"

"اوہ' تب ہم جائے گا مسٹر صائم!"

"گاڑی اگر آپ چابیں تو لیتے جائیں۔" میں نے جلدی سے کہا۔

"اوہ' نو۔۔۔ نو۔ ادھر گاڑی چلانا آسان کام نہیں ہائے۔"

"اچھا۔ کیوں؟"

"بس۔ ادھر ٹریفک کا اصول ہمارا سمجھ میں نہیں آیا۔ جس کا جدھر دل چاہتا ہے' چلتا ہے' میں ٹیکسی سے چلا جائیں گا۔" جمشید نے کہا۔ وہ اس قدر آسانی سے ٹل جائے گا ہمیں یقین نہیں تھا۔ چنانچہ ہم اسے بڑے خلوص سے باہر تک چھوڑنے آئے اور جمشید کو ٹیکسی بھی مل گئی۔"

"میں ذرا شکیلہ کے ساتھ عتبی پارک میں جارہا ہوں' امید ہے تم محسوس نہ کرو گے صائم!" طالوت نے کہا۔

"ٹھیک ہے' آؤ افشاں! ہم بیرونی پارک کا نظارہ کریں۔" میں نے کہا اور طالوت مسکراتا ہوا شکیلہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گیا۔

میں افشاں کو لے کر خوب صورت کوٹھی کے ایک حصے کی طرف بڑھ گیا۔ اور پھر اسے بیڈ روم میں لے آیا۔ افشاں کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ بیڈ روم کی فضا انتہائی رومانی تھی۔ دیواروں پر حسین تصاویر آویزاں تھیں' کچھ خوب صورت مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ سارے کے سارے نوادرات میں شمار ہوتے تھے۔

میں نے دروازہ اندر سے بند کرلیا اور افشاں کی طرف دیکھا لیکن افشاں پرسکون تھی' اور یہ اس کے اعتماد کی اعلیٰ مثال تھی۔ میں مسکرانے لگا۔

"بیٹھو افشاں۔" میں نے کہا۔

"کہیں عادل' ہمیں تلاش نہ کریں۔" وہ شرمگیں انداز میں بولی۔

"نہیں کریں گے۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟ آپ اتنے یقین سے کیوں کہہ رہے ہیں؟"

"بھئی' وہ اپنے بیڈ روم میں ہوں گے اور شکیلہ ان سے یہی بات کہہ رہی ہوگی۔"

"اوہ۔" افشاں ہنس پڑی "بڑے شریر ہیں آپ لوگ۔"

"واقعی؟"

"ہاں۔ اور قابل رشک بھی۔"

"خوب' وہ کس لحاظ سے؟"

"میں نے دو بھائیوں میں ایسی بے تکلفی اور ایسی محبت نہیں دیکھی۔"

"اوہ' عادل بہت پیارا انسان ہے۔"

"اور آپ؟" افشاں مسکرا کر بولی۔

"اپنے بارے میں فیصلہ کرنے والا میں کون ہوں۔"

"کیوں؟" افشاں شرارت سے بولی۔

"میرے جملہ حقوق آپ کے نام محفوظ ہیں۔ کوئی برا کہے گا تو آپ کا مسئلہ ہے اور اچھا کہے گا تو آپ کو خوش کرلے گا۔" میں نے جواب دیا۔ افشاں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ وہ ان الفاظ کے تاثر میں ڈوبی رہی اور اس کے چہرے کا رنگ گلابی سے گلابی تر ہوتا گیا۔

"افشاں!" میں نے اسے مخاطب کیا۔

"جی۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیا سوچ رہی ہیں؟"

"آپ نے۔ آپ نے اس حد تک خود کو میرے سپرد کردیا ہے صائم صاحب!"

"ٹھیک ہے؟"

"نہیں۔"

"میں نے خود تو کچھ نہیں کیا۔ بس اچانک محسوس کیا کہ اب' اپنی زندگی کے کسی لمحے پر میرا اختیار نہیں ہے' میری سانسوں کا مالک کوئی اور بن گیا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ سب کچھ کیسے ہوجاتا ہے صائم صاحب!" افشاں کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

"عمل کی دنیا بے شک تلخ ہے افشاں۔ لیکن ہم انسان کمزور سے' نازک سے' مانندِ حباب' خود پر قید و بند کی لاکھوں پوشاکیں چڑھا لیتے ہیں۔ جب چہرہ کھول کر دیکھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ خود کو چھپانے سے دنیا کا رنگ نہیں بدلتا۔ ہمارے سانس اتنے ہی نازک ہوتے ہیں' اتنی ہی آزادی کے طالب ہوتے ہیں جو ان کے لیے ضروری ہو۔ میرا مقصد ہے ہم متاثر ہونے کے لیے ہیں اور متاثر ہوتے ہیں' یہی ہماری زندگی ہے اور یہی ہمارے لیے ضروری بھی ہے۔ ہاں' ہم زبان کو تابع کرنا تو دوسری بات ہے۔"

"ٹھیک کہا آپ نے۔" افشاں نے آہستہ سے کہا۔

"تم مجھے چاہتی ہو افشاں؟"

"ہاں۔" افشاں نے سادگی سے کہا۔

"کتنا؟"

"یوں سمجھیں کہ میں نے زندگی کے اس پہلو پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔ میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ آپ کو میری بات پر

اعتبار کرنا ہوگا۔ میں خود کو زندگی کی ضرورتوں سے الگ کا انسان ثابت نہیں کروں گی۔ ننھے ننھے جانوروں کو یا کسی محبت کرنے والے جوڑے کو دیکھ کر کبھی کبھی میرے ذہن میں بھی محبت کا تصور ابھرا میری خواہش بھی ہوئی کہ میں اس رمز کو جانوں۔ میں تعلیم یافتہ ہوں' میں نے زندگی کے ان لمحات کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ وہ افسانے ہی سہی لیکن میں نے ان کی حقیقت سے انکار نہیں کیا' نہ ہی الجھے ہوئے لوگوں کی مانند خود کو ان سے میرا سمجھا لیکن میرے جذبات' میرے یہ احساسات کبھی شدید طلب نہ بن سکے۔ یوں سمجھیں کہ میں نے جب بھی ان کے بارے میں سوچا تو اپنی پسند کی تلاش میں بھٹکنے کا تصور میرے ذہن میں نہیں آیا۔ بس ایک آرزو دل کے نہاں خانے میں پوشیدہ رہی کہ کوئی ہو' کچھ ہو' اور صائم صاحب! آپ بھروسا کریں' جب آپ پہلی بار نظر آئے تو میرے ذہن میں قطعی یہ تصور نہیں ابھرا کہ آپ وہ ہیں' جو میری چاہت بن سکتے ہیں' بہت سی بار آپ کو دیکھا' جھوٹ نہیں بولوں گی' بہت سی بار آپ کے بارے میں سوچا' کبھی ہمدردی محسوس ہوئی اور کبھی ہلکا سا تذبذ آپ کے احساس کے ساتھ وابستہ ہوگیا اور۔۔۔ اور نہیں کہہ سکتی کہ کب۔ ذہن کے گوشوں میں آپ جا چھپے۔ ہاں جب آپ کی طرف سے توجہ پائی تو اندر سے آواز ابھری کہ میں بھی تو آپ کو چاہتی ہوں اور پھر میں نے سوچا کہ اب اس چاہت کے درمیان ہوا کی دیوار بھی نہ رہے' تھوڑے سے اخلاق کا تصور ذہن میں تھا اس لیے اپنے جذبات کو عریاں نہ کرسکی' اور ایسے خیال میں یہ موزوں بھی نہ تھا۔"

افشاں کی اس گفتگو پر میں دنگ رہ گیا۔ وہ اتنے صاف ذہن کی مالک ہوگی یا اس انداز میں اپنے جذبات کا اظہار کرسکے گی' ایسے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

کافی دیر تک الفاظ کے سرور میں ڈوبا رہا۔ افشاں بھی گردن جھکائے بیٹھی تھی۔ کچھ لمحات کے بعد اس نے گردن اٹھائی۔

"کیا سوچنے لگے؟"

"خوش بختی پر نازاں ہوں۔" میں نے کہا۔

"اچھا اب بتائیں گے۔" وہ شرمگیں انداز میں بولی۔

"نہیں افشاں۔ حقیقت کہہ رہا ہوں۔"

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"ایک بات بتاؤ۔"

"جی۔"

"تمہارے ذہن میں کوئی تردد نہیں ہے؟"

"کس سلسلے میں؟"

"میرا مطلب ہے گھر سے اس طرح آنے پر۔"

"اور جب میں مستقل یہاں آجاؤں گی تب؟"

"اوہ۔ ہاں۔ لیکن اس وقت تو سب کے علم میں ہوگا۔"

"ابھی سے ابتدا ہوجانی چاہیے۔" افشاں نے لاپروائی سے کہا۔

"سچ افشاں۔ کبھی کبھی تو ایک خوف کا سا احساس ذہن میں ابھر آتا ہے۔"

"کیا؟"

"یہی کہ اگر کبھی کوئی بات ہم دونوں کی راہ میں رکاوٹ بن گئی؟"

"سنو' تمہیں اپنی ذات کی مضبوطی پر اعتماد نہیں؟"

"ہے۔ لیکن میں ان لوگوں کو کیسے دکھاؤں گا جن کا سلوک میرے ساتھ اس قدر اچھا رہا ہو۔"

"صائم۔ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ نہ ہم کچے ذہنوں کے لوگ ہیں۔ اول تو کوئی ایسا موقع ہی نہیں آئے گا' آیا بھی تو میرا خیال ہے ہم اسے با آسانی ہینڈل کرسکتے ہیں۔ ان خیالات کو تم ذہن میں جگہ نہ دیا کرو۔"

"بہت بہتر۔" میں نے پیار سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایک بات بتائیے؟"

"جی۔"

"عادل بھائی کو ہمارے معاملات کا علم ہے؟"

"اگر ہو تو۔۔۔؟" میں نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں' بس شرم آئی ہے۔" افشاں نے کہا۔

"اور عادل بھائی کے معاملات کا جو آپ کو علم ہے تو۔۔۔؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

افشاں آہستہ سے ہنس پڑی' پھر بولی "عادل بھائی' شکیلہ ہی سے شادی کریں گے؟"

"ظاہر ہے۔"

"آپ لوگوں کو اپنے والدین سے اجازت نہیں لینا ہوگی؟"

"میں تمہیں کس حد تک حالات سے آگاہ کرچکا ہوں افشاں' والد صاحب' والدہ صاحبہ کے چکر میں ایسے الجھے ہیں کہ ہم سب کو بھول چکے ہیں۔ ریاست کے معاملات' عادل بھائی سنبھالیں گے' میرے لیے مکمل آزادی ہے' اسی لیے میں مطمئن ہوں۔ یہ سارے معاملات' میرا مقصد کاروبار وغیرہ سے ہے' میرے لیے کیے گئے ہیں۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"آپ دونوں بھائی' واقعی قابل رشک ہیں۔" افشاں خاموش ہوگئی۔

آج کی یہ تنہائی درحقیقت یادگار تھی۔ جس سکون سے ہم دونوں نے بات چیت کی تھی' اس سے پہلے میسر نہیں ہوا تھا۔ افشاں بھی خوش تھی اور میں بھی مسرور تھا۔ یوں شام ہوگئی۔ اس دوران ایک بار بھی افشاں نے چلنے کے لیے نہیں کہا تھا۔ تب میں نے ہی گھڑی دیکھی اور چونک پڑا۔

"ارے' چار بج گئے؟"

"ہاں۔ کیوں؟" افشاں مسکرائی۔

"چلیں گے۔"

"چلئے۔ عادل بھائی کو آواز دیں گے۔"

"ٹیلی فون کیے دیتے ہیں۔" میں نے ریسیور اٹھایا اور دوسرے کمرے میں عادل کو رنگ کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم واپس چل پڑے۔ طالوت بھی بہت خوش تھا۔ شاید یہ لمحات اس کے لیے بھی بڑے پرسکون تھے۔ تنویر صاحب گھر پر موجود نہیں تھے۔ نواب جلال الدین اپنے کمرے میں تھے۔ سیمیں اور احسان اگر کہیں گئے تھے تو واپس آچکے تھے اور گھر میں داخل ہوتے ہی ہم پکڑے گئے۔

"ٹھیک ہے' ٹھیک ہے' اب یہ نوبت آگئی ہے۔" سیمیں نے منہ پھلاتے ہوئے کہا "دیکھا احسان۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ کہیں زیادہ قیام نہ کرو۔ ارے' اگر ہمیں بھی ساتھ لے لیا جاتا تو کیا ہم تنہائی میں مخل ہوتے؟"

"چلو سیمیں۔ اب معاف بھی کردو۔ نئے نئے جوڑے ہیں' ہمارا کیا ہے ہم لوگ تو پرانے ہوگئے۔" سیمیں اور احسان ہماری خوب کھنچائی کرتے لیکن اسی وقت بڑی ماں نکل آئیں۔ ہمیں دیکھ کر وہ ہماری طرف ہی بڑھ آئی تھیں۔ ان کے ہونٹوں پر رچی ہوئی پر خلوص مسکراہٹ باعث سکون تھی۔

"کیا اجتماع ہے بھئی۔" وہ مسکراتی ہوئی بولیں اور پھر چونک کر کہنے لگیں "ارے ہاں' آج تم دوپہر کے کھانے پر غائب تھے' جلال بھائی بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے۔ بڑی بدمزگی رہی۔ سیمیں اور احسان بھی موجود نہیں تھے۔"

"اوہ' امی۔ بس اچانک پروگرام بن گیا۔ ابو کہاں ہیں؟" افشاں نے پوچھا۔

"ٹیلی فون آیا تھا کہ پانچ بجے تک واپس پہنچ جائیں گے۔" بڑی ماں نے کہا اور پھر بولیں "ارے یہ جمشید تمہارے ساتھ نہیں ہے؟"

"وہ بھی آتے ہوں گے امی۔" افشاں نے کہا۔ بڑی ماں نے گردن ہلائی۔

"شام کی چائے کا وقت ہونے والا ہے' تیار ہو کر پہنچ جاؤ۔" بڑی ماں آگے بڑھ گئیں۔

"جی' اب بتائیے؟" سیمیں نے کہا۔

"اونہوں' سیمیں۔ کپڑے تو تبدیل کرلو' جلدی کرو' شام کی چائے کا وقت ہو رہا ہے۔" طالوت نے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر کمرے کی طرف مڑ گیا۔

"میں کہہ چکی ہوں' چھوڑوں گی نہیں۔" سیمیں نے ہانک لگائی لیکن ہم سنی ان سنی کر کے اپنے کمرے میں آگئے۔

"لطف آگیا' خدا کی قسم آج تو جی بھر کے باتیں ہوئیں۔" طالوت مسرور لہجے میں بولا اور پھر میری طرف دیکھ کر شرارت سے کہنے لگا "تمہارے چہرے پر بھی بے شمار چراغ جل رہے ہیں۔"

"جی ہاں' فانوس بنا ہوا ہوں۔"

"بی افشاں کو سسرال پسند آئی؟"

"یار طالوت! تم نے بہت کچھ کرڈالا ہے' میں تم سے کیا کہوں۔"

"بس فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ آج رات بیٹھ کر یہ طے کرنا ہے کہ اب کارپٹ سینٹر کا افتتاح کب کرنا ہے۔ اور ہاں' اس سلسلے میں خوب صورت سے کارڈ بھی چھپوانا ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" میں نے گہری سانس لی۔

اس شام کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا۔ سب لوگ نارمل تھے سوائے سیمیں کے' جو بار بار ہم لوگوں کو گھورنے لگتی تھی لیکن اس کے انداز میں پیار بھری خفگی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔

رات کو طالوت سے افتتاح کے سلسلے میں ضروری گفتگو ہوئی اور پھر ہم سب سوگئے۔ دوسرا دن چھٹی کا دن تھا۔ حالانکہ اس کوٹھی میں ملازم پیشہ کوئی بھی نہ تھا لیکن چھٹی کا دن باقاعدہ منایا جاتا تھا۔ تنویر صاحب' نواب جلال الدین اور دوسرے تمام لوگ ناشتے کے بعد اٹھ کر ایک کمرے میں آبیٹھے اور دلچسپ گفتگو ہونے لگی لیکن آج کے لیے کوئی دلچسپ پروگرام نہیں بن سکا۔ ہاں' سب ہم لوگ بزرگوں کو چھوڑ کر باہر آئے تو ایک عجیب و غریب منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

بوا اور جمشید کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔ تقریباً سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اونہوں' خدا کی قسم!" احسان منہ پھاڑ کر بولا۔

"ارے مگر دیکھیں تو سہی' یہ آگ اور پانی یک جا کیسے ہوگئے۔" طالوت نے کہا اور ہم سب بڑی بی اور جمشید کے گرد جمع ہوگئے۔

سب کے منہ کھلے ہوئے تھے۔ بوا ہمیں دیکھ کر جھینپے ہوئے انداز میں مسکرانے لگیں۔

"ہائے کیا ہوا تم سب کو۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیوں دیکھ رہے ہو؟" بوا جھینپے ہوئے انداز میں بولیں۔

"بوا۔ انہیں پہچانتی ہیں؟ یہ جمشید ہیں۔"

"ہاں ہاں' سب پہچانتا ہوں' تم سب ہی ایک جیسے ہو' مجھ بڑھیا کو تماشا بناتے ہو' مجھے بہکا کر اسے پڑوا دیا۔ میری شکل تو اس کی دادی سے ملتی ہے۔" بوا کہنے لگیں۔

"ارے واہ۔ تو گویا آپ جمشید کی دادی بن گئیں؟"

"ائے ہاں' ہاں' تو کیا حرج ہے' بچہ بلک بلک کر رو رہا تھا' اب میں ایسی پتھر دل تھوڑی ہوں۔" بوا ہمدردی سے بولیں اور ہم لوگوں نے گردن ہلائی۔ تو یہ بات تھی لیکن یہ جمشید اس نے پھر ایک ایسی حرکت کر ڈالی تھی جو اس کی اصلیت مشکوک کردیتی تھی' ورنہ بڑی بی کو رام کرنے کا کوئی اور طریقہ ہی نہیں تھا۔ بہرحال اس وقت اس پر تبصرہ نہیں ہوا۔ بس یونہی تفریحی باتیں ہوئیں اور اس کے بعد اپنے اپنے کمروں کا رخ کیا گیا۔

رات کے پروگرام کے مطابق دوسری صبح ناشتے کی میز پر [illegible] نے تنویر صاحب اور نواب جلال الدین سے اپنا ماضی [illegible] بیان کیا۔ ظاہر ہے' طالوت تو اس معاملے میں صفر (NIL) تھا۔

"میں چاہتا ہوں نواب صاحب! کہ اب اپنی فرم کا افتتاح کردوں۔ ساری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں۔"

"واقعی؟" نواب صاحب کے بجائے تنویر صاحب اچھل پڑے۔ انہوں نے اس انداز میں میری شکل دیکھی تھی جیسے یہ بھی مذاق ہی ہو۔

"ہاں۔ تنویر صاحب! آپ لوگوں کی دعاؤں سے اور آپ لوگوں کی اجازت سے میں نے یہ کاروبار پھیلایا ہے جیسا کہ ہمارا پروگرام تھا۔ میں [illegible] شہر میں قیام کا ارادہ رکھتا ہوں۔ اس لیے چھوٹا موٹا کاروبار بھی کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ عادل کے تعاون سے میں نے یہ ادارہ قائم کرلیا ہے اور اب مجھے آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔" میں نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"ارے میاں دعائیں ہی دعائیں' خدا کی قسم! بھرپور مبارک باد قبول کرو۔ میں تو خوشی سے پھولا نہیں سما رہا۔"

"خوش قسمت ہو تنویر کہ تمہیں ان لوگوں کا قرب حاصل رہے گا اور خوش نصیب ہے تمہارا شہر' جس نے ان کا دل موہ لیا۔ ورنہ اگر شہزادہ صائم قبول کرتے یا شہزادہ عادل قبول کریں تو میں آج بھی پورا جلال آباد ان کے حوالے کرنے کو تیار ہوں اور تم جانتے ہو تنویر میں جھوٹ نہیں بولتا۔"

"ہاں بھائی صاحب! بہرصورت واقعی مسرت کی بات ہے۔"

"ہم نے یہاں ایک مکان بھی تیار کرایا ہے۔" میں نے کہا۔

"تیار ہوگیا؟" تنویر صاحب مسرت سے بولے۔

"جی۔ بالکل مکمل۔"

"بھئی' میرا خیال ہے' اس سلسلے میں زیادتی ہوئی ہے۔"

"جی۔ کیوں؟"

"بھئی' مجھے تعمیرات وغیرہ کا بڑا تجربہ ہے لیکن خیر اب تو ہو ہی گیا۔ تم اس کا معائنہ کب کرا رہے ہو؟"

"آج۔" میں نے جواب دیا۔

"ارے۔ واقعی؟"

"جی۔ آج آپ سے بہت سے مشورے درکار ہیں۔ افتتاح کے لیے کارڈ چھپوا لیے گئے ہیں اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ آپ انہیں اپنے دوستوں میں تقسیم کرائیں گے' کیونکہ ہمارا یہاں آپ کے سوا کون ہے۔"

"یقیناً یقیناً۔ یہ کوئی کہنے کی بات ہے۔ میں مہمانوں کا انتخاب کروں گا۔ جلال بھائی کے بھی کچھ دوست یہاں موجود ہیں۔ ارے واہ' عرصہ دراز کے بعد ایک عمدہ تقریب ہو رہی ہے' لطف آئے گا۔ مگر صاحب زادے! اب تک کا پروگرام ہے؟"

"ہمارے سارے کام مکمل ہو چکے ہیں' بس کارڈز پر تاریخ درج کرنا ہے اور اس کا مشورہ آپ دیں گے۔"

"زیادہ سے زیادہ تین دن کا وقفہ رکھ لو۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"مناسب۔" میں نے جواب دیا اور پھر ضروری امور طے ہوگئے۔

شام کو تنویر صاحب سر ہوگئے کہ کم از کم مکان دکھا دیا جائے اور بالآخر ہمیں مجبور ہونا پڑا۔ گھر کے سارے لوگ گاڑی میں بھر کر چل پڑے۔ یہاں تک کہ بوا بھی ساتھ تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد ہم کوٹھی پر پہنچ گئے۔ خود کار

Uploaded By Muhammad Nadeem

دروازے سے اندر داخل ہوئے اور سب لوگوں کے چہروں سے وہی آثار ہویدا ہو گئے جن کی توقع تھی۔

"خدا کی پناہ۔ خدا کی پناہ۔" تنویر صاحب کے منہ سے نکلا "یہ کوٹھی ہے۔" اور پھر تو سب کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ بڑی ماں بھی دنگ رہ گئی۔ ایک ایک گوشے کو دیکھتے پھر رہے تھے۔ ساری کوٹھی دیکھنے کے بعد سب ہال میں جمع ہو گئے۔ سب سے زیادہ مسرت نواب جلال الدین کے چہرے سے عیاں تھی۔

"کیا خیال ہے تنویر؟"

"بھئی سچی بات تو یہ ہے کہ میں جل گیا۔" تنویر صاحب بولے۔

"ہا۔۔۔ہا۔ بڑا خود کو ماہر تعمیرات سمجھتے تھے۔" نواب صاحب نے قہقہہ لگایا۔

"ہاں' اب ان جملوں پر شرمندہ ہوں۔"

"اوہ' نہیں تنویر صاحب! خدا کی قسم! میں اب بھی آپ کے مشوروں کا طالب ہوں۔"

"میاں! تم نے ہمارے لیے رکھا ہی کیا ہے' اب اپنی فرم بھی دکھا دو۔ نہ جانے تم نے وہاں کیا گل کھلائے ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے' آج کا دن اسی کوٹھی کو رونق بخشیں۔ وہاں تو چلنا ہی ہے۔"

"لیکن یہاں ملازمین وغیرہ کا تو بندوبست ہے ہی نہیں۔"

"ابھی اس کو استعمال کرنے کا پروگرام نہیں ہے اس لیے ابھی ملازمین کا بندوبست نہیں کیا۔"

"ارے تو یہ لڑکیاں کس کام آئیں گی' چلو' لڑکیو! کچن سنبھالو۔" بڑی ماں نے کہا اور افشاں' شکیلہ اور سیمیں تیار ہو گئیں۔ میں انہیں اپنے ساتھ کچن میں لایا تھا۔ موقع پاتے ہی میں نے افشاں سے کہا۔

"مبارک۔ آپ تو وقت سے پہلے ہی۔۔۔" اور افشاں نے ادھر ادھر دیکھ کر میرے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا جسے میں نے آہستہ سے چوم لیا اور باورچی خانے سے نکل آیا۔

○☆○

شام تک گوناگوں دلچسپیوں میں وقت گزرا۔ سب بے حد خوش تھے۔ ہر ایک کوٹھی میں آزادانہ گھوم رہا تھا اور اس کی ایک ایک چیز کی تعریف کر رہا تھا اور پھر واپسی کی ٹھہری۔

"سچی بات تو یہ ہے کہ میں اب ان دونوں سے صحیح معنوں میں مرعوب ہوا ہوں۔" تنویر صاحب نے کوٹھی کے اندرونی دروازے سے نکلتے ہوئے کہا۔

"اچھا!" نواب جلال الدین تمسخرانہ انداز میں بولے "یعنی اس سے قبل ہماری باتیں بکواس تھیں؟"

"یہ بات نہیں جلال بھائی۔ ان کی شخصیت تو واقعی مرعوب کن تھی' جس کا میں نے ہمیشہ اعتراف کیا ہے لیکن ان نوجوانوں کے سلیقے نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ کوٹھی بے پناہ قیمتی' بے انداز خوب صورت ہے لیکن اسے جس انداز سے آراستہ کیا گیا ہے' وہ کمپنیوں کے اعلیٰ صلاحیت اور اچھے ذوق کی نشان دہی کرتا ہے۔ دولت تو بہت سے لوگوں کے پاس ہوتی ہے لیکن سلیقہ کس کا دولت مندی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ کو معلوم ہے مجھے تعمیرات سے کس قدر دلچسپی ہے لیکن ان لوگوں کے ذوق کے سامنے میں خاموش ہو گیا ہوں۔ بلا شک اس معاملے میں یہ مجھ سے زیادہ باصلاحیت ہیں۔"

"شکریہ۔ شکریہ!" نواب جلال الدین خوش ہو کر بولے۔

ہم یہ ساری گفتگو سن رہے تھے۔ ان لوگوں کو احساس نہیں تھا لیکن ان کی باتیں ہمارے کانوں تک پہنچ رہی تھیں۔ تنویر صاحب نے ابتدا میں ہمارے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ زیادہ اچھا نہیں تھا لیکن اس معاملے میں انہیں روز اول سے ہی بے گناہ سمجھتے تھے۔ ظاہر ہے ان حالات میں جو کچھ ہو سکتا تھا' وہی ہوا تھا لیکن بات نواب جلال الدین کی تھی۔ اس شخص کے ساتھ طالوت نے بے شک بہت کچھ کیا تھا لیکن جس انداز میں وہ احسان مند ہوئے تھے یہ ظرف کی بات تھی' ورنہ ایسے نام نکل جانے کے بعد بہت کم لوگ یاد رکھتے ہیں۔ تنویر صاحب کی بات پر انہوں نے جس انداز میں ان کا شکریہ ادا کیا تھا' اس میں بناوٹ نہیں تھی اور یہ نواب جلال الدین کی بے پناہ اپنائیت کا ثبوت تھا۔ طالوت نے بھی اس تاثر کو دل سے قبول کیا تھا۔

"عارف!" وہ آہستہ سے بولا۔

"ہوں!"

"سنا تم نے؟"

"نواب جلال الدین کی بات کر رہے ہو؟"

"ہاں!"

"بے حد نفیس انسان ہے طالوت۔ خدا کا شکر ہے ہم نے ایسے اعلیٰ ظرف انسان کو بروقت ڈوبنے سے بچا لیا۔"

"ہاں۔ میں بھی بہت خوش ہوں۔ درحقیقت ایسے لوگوں کے لیے کچھ کر کے خوشی ہوتی ہے۔" طالوت نے کہا۔

باہر آ کر ہم کاروں میں بیٹھ گئے اور کاریں چل پڑیں۔ راستے میں کوئی خاص گفتگو نہیں ہوئی اور ہم کوٹھی پہنچ گئے۔

سب لوگ بے حد خوش تھے۔ خاص طور سے بیگمات یعنی شکیلہ بیگم اور افشاں خانم۔ ان کے چہرے کھلے پڑ رہے تھے۔ افشاں نے پورا دن کوٹھی میں عجیب رنگ دکھایا تھا۔ وہ اس طرح ہر کام میں گھسی رہی تھی جیسے گھر کی مالکہ ہو اور دوسرے سارے لوگ اس کے ہاں مہمان آئے ہوں۔ سب نے یہ بات محسوس کی تھی لیکن افشاں دوسروں کی نگاہوں سے جان بوجھ کر انجان بنی رہی تھی۔

آج رات کے لیے کوئی پروگرام نہیں بنا اور سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں گھس گئے۔ طالوت نے اور میں نے بھی اپنے کمرے کا رخ کیا تھا۔ ہم دونوں ہی خاموش تھے اور دونوں کو ایک ساتھ ہی اس خاموشی کا احساس ہوا۔ ہم دونوں نے ایک ساتھ ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا دیے۔

"کیا سوچ رہے ہو بھئی؟" طالوت نے پوچھا۔

"یہی سوال میں تم سے کرتا ہوں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں تو آج کے دن کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ درحقیقت بہت اچھا دن گزرا۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"اور تمہاری افشاں بیگم نے تو اس گھر کو ابھی سے اپنا لیا ہے۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں یار۔ وہ لڑکی ضرورت سے زیادہ ہی دلیر ہے۔ بعض اوقات میں اس کی دلیری سے گھبرا جاتا ہوں۔"

"کیا مطلب کے تصور سے؟"

"اوہ نہیں میرے لیے تو وہ کبھی بری نہیں رہے گی۔"

"اس قدر پسند ہے؟"

"ہاں طالوت۔ میں تو میں تمہاری محبت کو ذہن کے گوشے گوشے میں محسوس کرتا ہوں۔ میری اس زندگی میں تمہاری موجودگی سے جو پھول کھلے ہیں' ان کی مہک نے میری زندگی بڑھا دی ہے۔ احسان اور شکریے کے الفاظ درحقیقت مجھے خود شرمندہ کر دیتے ہیں لیکن افشاں کے بارے میں تم نے جو کچھ کیا ہے اس کے لیے تو میں تمہارا حد سے زیادہ ہی ممنون ہوں۔"

"میاں ہمارے ساتھ رہو گے تو یہی مزے رہیں گے۔ آئندہ بھی ہمارے مشورے پر عمل کرتے رہنا۔"

"نہیں طالوت! افشاں میری زندگی کی انتہا ہے۔"

"بہت خوب۔ ماشاءاللہ!" طالوت نے مسخرے پن سے کہا۔

"مذاق مت اڑاؤ یار۔" میں نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"تم خوف زدہ کون سی دلیری سے ہو؟"

"بس یہی' وہ جس انداز میں دوسروں سے بے پروا ہو جاتی ہے' بعض اوقات وہ بے حد خوفناک ہو جاتی ہے۔ تم نے محسوس نہیں کیا تھا کہ بہت سی نگاہیں اس کی نگرانی کر رہی تھیں۔"

"واقعی؟" طالوت کسی خیال سے چونک پڑا۔

"ہاں۔ کیوں؟"

"تو اس میں برا کیا ہے؟" طالوت نے پرخیال انداز میں کہا۔

"بس خوف محسوس ہوتا ہے۔ حد سے آگے بڑھ جانا کسی طور مناسب نہیں ہوتا ہے۔ خدانا خواستہ اگر ان لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری تو بڑی مشکل پیش آ سکتی ہے۔"

"میرا خیال ہے یہ ناممکن ہے۔" طالوت بولا۔

"کیوں؟ ناممکن کیوں؟"

"بھئی تنویر صاحب تم سے بہت مرعوب ہیں اور پھر یہ حقیقت بھی ہے' انہیں تم سے بہتر داماد اور کون مل سکے گا؟"

"نہیں طالوت۔ بعض اوقات انسان معمولی بات کو بڑا مسئلہ بنا لیتا ہے۔"

"ارے تو طالوت مر تو نہیں گیا۔ بنا کر دیکھیں مسئلہ۔ ابھی انہوں نے صرف ہمارا پیار دیکھا ہے اور پھر یار' تمہاری افشاں بیگم اتنی بدھو بھی نہیں ہیں۔"

"وہ بے حد خود سر ہے لیکن بہرحال ان کی اولاد ہے۔ وہ اسے مجبور بھی کر سکتے ہیں۔" میں نے کہا۔

"انتہائی احمقانہ گفتگو فرما رہے ہیں آپ۔ اب یہ بتائیے کہ فی الحال میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں یا پھر' سنو۔" اچانک طالوت چونک پڑا۔

"ہوں؟" میں نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"افشاں سے ملاقات کرنا چاہتے ہو؟"

"اس وقت کیوں؟"

"یا پھر' تم دوسرے لوگوں کے خیالات بھی معلوم کر سکتے ہو۔"

"کس طرح طالوت؟"

"ان کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کر۔"

"اوہ' مگر؟"

"تمہارے لیے اس وقت یہی ۔۔۔" طالوت نے

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

کہا اور پھر اس نے راسم کو آواز دی اور راسم اس کے سامنے حاضر ہوگیا "راسم! ذرا اپنی انگوٹھی دے دو۔ تمہیں واپس کردی جائے گی۔" طالوت نے کہا اور راسم نے تعمیل کی۔ طالوت نے انگوٹھی میری طرف بڑھادی "لے بھائی' جا عیش کر۔"

"اوہ! تو کیا؟"

"ہاں۔ اسے پہننے کے بعد تمہارا کوئی وجود نہیں رہے گا۔ خود کو صرف ایک ہوا سمجھنا جس سوراخ سے چاہو گے اندر داخل ہوسکو گے۔ باہر نکلنے میں بھی کوئی دقت نہ ہوگی لیکن اسے صرف ایک رات کا ادھار سمجھو۔"

"بہت بہت شکریہ طالوت!" میں نے کہا اور انگوٹھی پہن لی اور اس کے بعد میں نے طالوت کی بات کا عملی تجربہ بھی کرلیا۔ میں دروازے سے باہر نہیں نکلا تھا بلکہ میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں روشن دان سے باہر نکل کر دیکھوں اور اچانک مجھے اپنا وجود ہلکا پھلکا محسوس ہوا۔ میں باریک ذرات کی مانند ہوا میں منتشر ہوگیا اور دوسرے لمحے میں نے خود کو روشن دان سے باہر پایا۔ دوسرے لمحے میں اسی طرح زمین پر اتر گیا تھا۔ میری خوشی کی انتہا نہیں تھی۔ سب سے پہلے میں نے تنویر صاحب کے کمرے کا رخ کیا تھا۔

تنویر صاحب خواب گاہ میں پہنچ گئے تھے اور دروازہ اندر سے بند تھا۔ یوں ان کی خواب گاہ میں داخل ہونا بد اخلاقی تھی لیکن اس وقت۔ اس وقت میں ہر بد اخلاقی کا مرتکب ہوسکتا تھا۔ چنانچہ ایک روشن دان کے ذریعے ہی میں اندر داخل ہوا۔ بڑی ماں اور تنویر صاحب جاگ رہے تھے۔ دونوں خاموش تھے۔ ٹیبل لیمپ جل رہا تھا۔

"ایک بات کہوں تنویر؟" بڑی ماں اچانک بولیں۔

"ہوں!"

"کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"پھر بھی؟"

"کہنا کوئی خاص نہیں۔"

"مجھ سے چھپاؤ گے؟" بڑی ماں پیار بھرے انداز میں بولیں۔

"کوئی چھپانے کی بات تو نہیں ہے۔"

"پھر کہہ کیوں نہیں دیتے؟"

"بس میں ان لوگوں کے مکان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔"

"اوہ! میں بھی اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔" بڑی ماں جلدی سے بولیں۔

"لیکن تمہاری اور میری سوچ میں فرق ہے۔" تنویر صاحب عجیب سے انداز میں بولے اور میرا دل دھڑک اٹھا۔ میں اس اتفاق پر متحیر رہ گیا کہ میرے سامنے ہی یہ گفتگو شروع ہوئی۔

"کیا فرق ہے؟ تم کیا سوچ رہے ہو؟"

"تم کیا سوچ رہی تھیں؟" تنویر صاحب نے پوچھا۔

"نہایت خوب صورت حویلی ہے۔ اس سے ان لوگوں کی مالی حالت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ماشاء اللہ! میرا خیال ہے پورے شہر میں اپنی مثال آپ ہیں۔"

"خیر مالی حالت کے بارے میں تو کچھ نہ کہو۔ جلال بھائی ان لوگوں سے اتنے متاثر ہیں کہ جلال آباد ان کے حوالے کرنے کو تیار ہیں اور بیگم صاحبہ اپنے دور کے حالات آپ خود سمجھتی ہیں۔ خدانخواستہ میں جلال بھائی کو لالچی یا خوشامد پسند انسان نہیں سمجھتا۔ اس کے علاوہ وہ جو بات منہ سے نکالتے ہیں اسے پورا بھی ضرور کرتے ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ کل اگر صائم' یا عادل ان سے جلال آباد طلب کریں تو وہ بلا چوں وچرا اسے ان کے حوالے کردیں گے۔ وہ اس کے آدمی ہیں لیکن بیگم یہ جذبہ بلاوجہ تو نہیں پیدا ہوتا۔"

"ہاں۔ یقیناً!"

"انہوں نے جلال بھائی کے لیے کوئی ایسا ہی کام کیا ہے کہ جلال بھائی اس حد تک آمادہ ہیں' ورنہ کوئی کسی غریب آدمی کو تو کچھ دے دے۔ یقیناً ایسی پیشکش اپنے سے بڑے انسان کو ہی کی جاسکتی ہے جس کی نگاہ میں ایسے چھوٹے موٹے جلال آبادوں کی کوئی وقعت نہ ہو اور پھر بہرحال انہیں کسی ریاست کا شہزادہ کہا جاتا ہے۔ مان لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ شہزادے وغیرہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"تم کہنا کیا چاہتے ہو تنویر؟" بڑی ماں نے الجھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ یہ تو تمہاری بات کا جواب تھا۔ بے شک وہ بے پناہ دولت کے مالک ہیں اور نہ جانے کیا کچھ حیثیت رکھتے ہیں۔ ریاستیں یونہی نہیں ہوتیں۔"

"افوہ! بات پھر وہیں آگئی۔ میں کہہ رہی ہوں تم کیا سوچ رہے تھے؟"

"بڑی نازک بات ہے بیگم۔ کہیں تم عورت پن کا ثبوت نہ دے جاؤ؟"

"ارے۔ یہ تم میری طرف سے اتنے بدظن کیسے ہوگئے؟" بڑی ماں نے چونک کر پوچھا۔

"تم جانتی ہو۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں نے ہمیشہ

تمہارے اوپر مکمل اعتماد کیا ہے لیکن تم بھی تو جہاں دیدہ ہو۔ تم نے خود کو اس طرح بے نیاز کیوں کرلیا ہے۔ کیا تم نے کچھ نہیں محسوس کیا؟"

"آخر کیا؟"

"مجھے بولنا ہی پڑے گا۔ میں ان لوگوں کی شرافت اور نجابت پر یقین رکھتا ہوں لیکن چند باتوں کا اعتراف بھی کرتا ہوں۔ وہ بے حد حسین اور پرکشش ہیں' ہر لحاظ سے۔ انتہائی شریف' ہنس مکھ اور دولت مند۔ کیا ان میں سے کوئی بھائی کسی لڑکی کی آنکھوں کا خواب نہیں بن سکتا؟"

"خدا کے واسطے جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کیوں نہیں کہہ دیتے؟"

"تم ایک ایسی بات میرے منہ سے کہلوانا چاہتی ہو جو ایک باپ کی زبان سے زیب نہیں دیتی لیکن کیا تم نے افشاں کا جھکاؤ صائم کی طرف نہیں دیکھا۔" تنویر صاحب نے کہا اور پھر بیگم صاحب اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"صائم بھی اس کی طرف مائل ہے۔" تنویر صاحب نے کہا اور میرا دل جیسے بند ہونے لگا۔ بیگم صاحبہ متحیرانہ نگاہوں سے تنویر صاحب کو دیکھ رہی تھیں۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ کافی دیر تک وہ بالکل خاموش رہیں اور پھر بولیں۔

"تم نے کیسے اندازہ لگایا تنویر؟"

"اس سے قبل کئی بار محسوس کیا تھا لیکن آج میں نے افشاں کے چہرے پر بہت سے رنگ دیکھے ہیں۔"

"مثلاً؟"

"اس مکان میں وہ اس قدر خوش رہی کہ سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ باقی لوگ بھی تھے لیکن افشاں جس طرح معاملے میں پیش پیش تھی' اسے تم نے محسوس نہیں کیا بیگم؟"

"خوش تو سبھی ہی تھے' کیا تم نہیں تھے؟"

"ہاں' لیکن۔۔۔"

"دونوں بچے اس قدر مخلص اور ہنس مکھ ہیں کہ سبھی ان سے محبت کرنے لگے ہیں۔ افشاں اندر باہر سے یکساں ہے' ایسا تو نہیں ہے یہ صرف اس کا خلوص ہو اور کوئی بات نہ ہو؟"

"ہم اپنی عمر اور اپنے تجربے کو نظرانداز نہیں کرسکتے بیگم۔" تنویر صاحب بولے اور بیگم پھر سوچ میں ڈوب گئیں پھر کافی دیر کے بعد جیسے کسی گہری فکر سے آزاد ہوگئیں۔

"سنو تنویر۔ ارے سنو۔ ہم نے اس سے پہلے تو اس انداز میں سوچا ہی نہیں۔"

"کس انداز میں؟" تنویر صاحب بولے۔

"افشاں کو پوری زندگی تو بٹھا نہیں رکھو گے۔ ٹھیک ہے وہ ہماری اکلوتی بیٹی ہے لیکن بہرحال اس کے لیے کوئی نہ کوئی انتخاب تو کرنا ہی ہوگا۔"

"پھر؟" تنویر صاحب کے لہجے میں کھردرا پن آگیا۔

"صائم برا لڑکا ہے کیا؟"

"سوچنے لگیں نا عورتوں کے سے انداز میں!" تنویر صاحب ناک سکوڑ کر بولے۔

"کیوں غلط سوچ ہے کیا؟"

"ہاں' غلط ہے۔" تنویر صاحب کا لہجہ پہلے سے زیادہ خشک ہوگیا۔

"کیوں؟ آخر کیوں؟"

"کیا ہوگیا ہے بیگم۔ یہ کسی طور مناسب نہیں ہوگا۔"

"میں پوچھتی ہوں آخر کیوں؟ کیا خرابی ہے صائم میں؟"

"کون نالائق کہتا ہے کہ وہ خراب ہے لیکن وہ لوگ کتنے عرصے سے ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں؟"

"تو پھر اس سے کیا؟"

"کیا ہم نے ان دولت مند نوجوانوں کو اسی لیے گھر میں رکھا تھا کہ بالآخر ان میں سے کسی کو داماد بنالیں اور اس طرح مزید دولت مند بن جائیں۔ کیا افشاں ایک ایسے باپ کی اولاد ہے جو مجبور' لاچار اور بے کس ہے۔ وہ اپنی اولاد کو اجازت دے سکتا ہے کہ وہ اپنے لیے کسی دولت مند شوہر کا بندوبست کرے۔ کیا تنویر اتنا ہی بے غیرت ہے۔ سنو بیگم! اگر صائم ایک غریب اور مفلوک الحال نوجوان ہوتا اور اتنا ہی شریف اور سعادت مند ہوتا' جتنا وہ ہے تو میں اسے بخوشی اپنا داماد بنا کر اپنا سب کچھ اس کے حوالے کردیتا۔ اس وقت مجھے زیادہ خوشی ہوتی لیکن شہزادہ صائم مجھے اس لیے قبول نہیں ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ صاحب حیثیت ہے۔ میں دنیا کے سامنے سر اٹھا کر رہنا چاہتا ہوں۔"

"سوچ لو تنویر۔ افشاں خود سر ہے۔" بیگم صاحبہ تشویش سے بولیں۔

"کتنی ہی خود سر کیوں نہ ہو۔ تم جانتی ہو کہ میں بہت کم معاملات میں بولتا ہوں لیکن اپنی آواز کی اہمیت سمجھتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔۔۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem
Powered By Muhammad Nadeem

"لیکن کچھ نہیں۔ کل سے آپ افشاں پر کچھ پابندیاں عائد کریں گی۔ میں نہیں چاہتا کہ ان دونوں کو احساس ہو سکے لیکن اپنے طور پر آپ افشاں کو اس طرف بڑھنے سے روکیں۔"

"میں کوشش کروں گی۔" بیگم صاحبہ نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔

میرا دل خون ہو گیا تھا۔ جو خدشہ تھا وہ سامنے آ گیا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں بے جان ہو گئے تھے' سر چکرا رہا تھا' آنکھوں کے نیچے تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ بمشکل تمام میں نے خود کو سنبھالا اور وہاں سے نکل آیا۔ قدم لڑکھڑا رہے تھے' زبان خشک ہو گئی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ مجھے احساس ہو رہا تھا جیسے افشاں مجھ سے چھن گئی۔ ایک بار پھر میں ویرانے میں جا کھڑا ہوا تھا۔

اسی حالت میں' میں اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ طالوت آرام سے لیٹا تھا۔ میں نے انگوٹھی اتاری اور مسہری پر گر پڑا۔ طالوت جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ تیزی سے میری طرف آیا تھا اور پھر میری شکل دیکھ کر وہ اچھل پڑا۔

"ارے۔ ارے۔ کیا ہوا عارف۔ کیا ہو گیا؟" اس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ٹھیک نہیں ہوا طالوت۔ بہت برا ہو گیا طالوت!" میں نے گہری سانسیں لیتے ہوئے کہا۔

"ابے کیا ہوا احمق بھائی' منہ سے تو پھوٹ۔"

"وہی جس کا خدشہ تھا۔" میں گھٹی گھٹی آواز میں بولا۔

"عارف!" طالوت غرایا "کیا میں اس پورے مکان کو آگ لگا دوں۔ اگر تم نے مجھے ایک منٹ میں سب کچھ نہ بتایا تو ابھی یہ پورا گھر شعلوں کی لپیٹ میں ہو گا۔ ایک ایک چیز خاکستر کر دوں گا۔ تنویر صاحب فقیروں کی صف میں کھڑے ہوں گے۔" طالوت کا لہجہ بے حد خوفناک تھا لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس لہجے سے بڑی تقویت ملی۔ ہاں۔ میرا ایک بہت بڑا ہمدرد موجود تھا' جو حالات بدلنے کی قوت رکھتا تھا۔ بہرحال میں نے رندھی آواز میں اسے پوری تفصیل بتا دی۔

"لعنت ہے تم پر۔" طالوت غرایا۔

"کیوں؟" میں نے احمقوں کی طرح منہ کھول دیا۔

"یہ اس قدر گھبرانے کی بات ہے؟"

"مگر تنویر صاحب کا لہجہ بے حد مضبوط تھا۔"

"ٹھیک ہے۔ کل سے وہ الوؤں کی طرح کوستے پھریں گے اور درختوں پر رہنے کی کوشش کریں گے۔" طالوت نے سفاک لہجے میں کہا اور مجھے تصدق کی دم یاد آ گئی۔ میں نے گھبرا کر اسے دیکھا "وہی ہو گا جو میں کہہ رہا ہوں۔"

"نہیں طالوت! ہم کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتے۔"

"اول نمبر کے گدھے ہیں آپ۔" طالوت برا سا منہ بنا کر بولا۔

"تم سنجیدگی سے سوچو طالوت!"

"فضول بکواس مت کرو عارف! دل چاہ رہا ہے یہ گلدان اٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں۔ ارے تم نے مجھے اتنا بے حیثیت اور مجبور سمجھا ہے کہ ایک بے وقوف انسان کو سیدھا نہ کر سکوں۔"

"مگر ہمارا ضمیر اس کی اجازت دے گا؟"

"میں بے بس نہیں ہوں۔ بے شمار طریقے ہو سکتے ہیں۔ مجھے تو تمہاری حالت پر غصہ آ رہا ہے۔"

"اوہ!" میں نے طالوت کی طرف دیکھا۔ طالوت کی باتوں نے مجھے کافی ڈھارس دی تھی۔ بہرحال اس وقت میں ایک زخمی فاختہ کی مانند تھا' جسے باز کا خطرہ ہو۔

"ہاں۔ کہہ چکا ہوں' وہی ہو گا جو ہم چاہیں گے۔ بتاؤ کون سے طریقے ہیں۔"

"مگر میں اب کیا کروں؟" میں نے پوچھا۔

"تم۔" طالوت پر خیال انداز میں بولا۔ چند ساعت خاموش رہا پھر کہنے لگا "ابھی اور اسی وقت افشاں کے پاس جاؤ۔"

"اوہ! اس وقت؟" میں نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں۔ اسی وقت۔ ڈرتے کیوں ہو' وہ اپنے کمرے میں تنہا ہو گی۔"

"لیکن۔۔۔"

"ابھی اور اسی وقت جاؤ گے تم اور افشاں سے یہ پوری گفتگو دہراؤ گے۔" طالوت نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"مگر اس سے فائدہ؟"

"اس سے پوچھو کہ اب اس کا کیا ارادہ ہے اور وہ اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہے؟"

"وہ بھی پریشان ہو جائے گی؟"

"آج نہیں تو کل ہو گی۔ اسے بے خبر کیوں رکھتے ہو اور پھر یہ ہر لحاظ سے ضروری ہے۔ اسے اپنے والدین کے خیالات سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے۔" طالوت کی دلیل وزن دار تھی۔ میں افشاں کی خواب گاہ میں پوشیدہ رہ کر بھی جا سکتا تھا لیکن اس وقت نہ جانے افشاں بھی کیا سوچے۔ بہرحال طالوت کا مشورہ بھی بے وزن نہیں تھا۔ چنانچہ میں

تیار ہو گیا اور پھر میں دوبارہ انگوٹھی پہن کر باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں افشاں کے کمرے کے دروازے پر تھا۔ میرا دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا۔ چاروں طرف سے اطمینان کرنے کے بعد میں نے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ دوسری اور پھر تیسری دستک دینے پر اندر روشنی ہو گئی۔ قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر افشاں کی آواز آئی۔

"کون؟"

"دروازہ کھولو افشاں! میں ہوں۔" میں نے سرگوشی کی اور افشاں نے میری سرگوشی پہچان لی۔ دوسرے لمحے دروازے کی چابی گھومنے کی آواز سنائی دی اور میں نے جلدی سے انگوٹھی اتار لی۔ دروازہ کھل گیا۔ میری آواز بھی تو افشاں شب خوابی کے لبادے میں تھی۔

"روشنی بجھاؤ افشاں۔ للہ روشنی بجھا دو۔" میں نے لرزتی آواز میں کہا۔

"اندر آ جایئے۔ کیا بات ہے؟" افشاں نے حیرت سے کہا اور میں اندر داخل ہو گیا۔ افشاں نے تیز روشنی گل کر دی تھی۔ البتہ اس نے دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔

"افشاں! اس وقت اس طرح آنے پر میں سخت شرمندہ ہوں۔ درحقیقت یہ بڑی غیر شریفانہ حرکت ہے۔ براہ کرم تم میری نیت پر کوئی شک نہ کرنا۔" میں نے لرزتی آواز پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"ارے' ارے۔ آپ مجھے ذلیل کر رہے ہیں۔" افشاں نے شرمندہ لہجے میں کہا اور پھر دوبارہ روشنی کر دی "آپ آرام سے بیٹھیے۔ ہم چوروں کی طرح باتیں نہیں کریں گے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

"خدا کے لیے افشاں! خدا کے لیے۔" میں گھگھیایا۔ "مجھے خود کو اس انداز میں پیش کر کے براہ کرم مجھے شرمندہ نہ کرو۔ آپ بیٹھیے تو سہی۔ میرا آپ کا رشتہ وقتی نہیں ہے اور نہ ہی کسی سے خوف زدہ ہوں۔"

"قیامت آ جائے گی افشاں! بہت برا ہو جائے گا اگر۔۔۔"

"نہیں آئے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔ میں آپ کے لیے کافی ہوں۔" افشاں دیوار کی طرف بڑھی۔ شاید وہ گھنٹی بجا کر ملازمہ کو بلانا چاہتی تھی لیکن میں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔

"افشاں پلیز۔ اس وقت کافی نہیں ہوں گا۔" میں درحقیقت خود کو احمق محسوس کر رہا تھا۔ میں مرد ہو کر اتنا خوف زدہ تھا لیکن افشاں کو کوئی پرواہ نہیں تھی۔

"آپ کی مرضی مگر پانی ضرور پئیں اور مجھے بتائیں اس قدر گھبرائے ہوئے کیوں ہیں؟" افشاں نے مجھے کولر سے پانی بھر دیا اور میں نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا "کمال ہے۔ میں نے آپ کو اس قدر پریشان کبھی نہیں دیکھا۔" افشاں نے اپنے رومال سے میری پیشانی کا پسینہ خشک کرتے ہوئے کہا۔ وہ میرے بالکل نزدیک کھڑی تھی اور پھر اس نے میرے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "براہ کرم اپنے ذہن سے سارے خدشے نکال دیں۔"

"افشاں!" میں نے گہری سانس لی۔

"آپ اپنا انداز بدل دیں ورنہ میں رو پڑوں گی۔ کس کی مجال ہے جو آپ کی یہ حالت بنا سکے۔ میں اسے شوٹ کر دوں گی اور خود کشی کر لوں گی۔" افشاں جذباتی لہجے میں بولی اور میں دیوانوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

"دراصل افشاں' مجھ سے کئی غیر اخلاقی حرکتیں سرزد ہو گئی ہیں۔"

"میں ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں اور اگر کچھ ہوا بھی ہے تو غلطی ہر انسان سے ہو سکتی ہے۔ مجھے آپ ہر طرح اعتماد ہے۔"

"خدا کی قسم افشاں! تم بے حد عظیم ہو۔"

"اب وہ بات بتایئے جناب' جس کی وجہ سے آپ اس قدر پریشان ہیں۔" افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آج کوٹھی میں تمہاری بے تکلفی سے مجھے خطرہ تھا۔ میں نے بہت سے لوگوں کے چہرے پر عجیب سے تاثرات دیکھے تھے۔ کسی اور کی تو مجھے پروا نہیں تھی لیکن تنویر صاحب اور بڑی ماں کی طرف سے میں فکر مند تھا اور میں نے چھپ کر ان کی گفتگو سننے کی کوشش کی۔"

"اوہ! اتنی بڑی بات نہیں ہے۔ پھر کیا ہوا؟"

"وہ لوگ ہمارے بارے میں ہی گفتگو کر رہے تھے۔"

"شریف لوگ ہیں' کیا کہہ رہے تھے؟" افشاں کے چہرے پر کوئی خاص تاثر نہیں پیدا ہوا اور میں نے اسے پوری گفتگو سنا دی۔ افشاں نہایت سکون سے سن رہی تھی۔ میں خاموش ہو گیا تو اس نے میری طرف دیکھا "جی۔ پھر کیا ہوا؟"

"بس' اس کے بعد میں وہاں سے چلا آیا۔" میں نے کہا۔

"اچھا۔ پھر کیا ہوا؟" افشاں شرارت آمیز لہجے میں بولی اور میں جل تھل نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا اور افشاں ہنس پڑی اور پہلی بار مجھے ہلکا سا غصہ آیا۔

"گویا آپ کی نگاہ میں ابھی تک کچھ نہیں ہوا؟" میں نے

Uploaded By Muhammad Nadeem

اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"میرے خیال میں تو نہیں۔" افشاں شانے ہلا کر بولی۔

"افشاں! براہ کرم سنجیدہ ہو جاؤ۔ تم میری حالت دیکھو۔ میں تو... میں تو..." میں جملہ پورا نہ کر سکا۔

"آپ کہہ رہے ہیں تو سنجیدہ ہوئی جاتی ہوں ورنہ اس میں سنجیدہ ہونے کی کوئی بات نہیں ہے۔" افشاں نے درحقیقت سنجیدگی سے کہا۔

"گویا۔ گویا تمہاری نگاہوں میں تنویر صاحب اور بڑی ماں کی اس گفتگو کی کوئی وقعت نہیں ہے؟"

"ان دونوں کی تو بے انتہا وقعت ہے۔ آخر وہ میرے والدین ہیں لیکن ہر انسان غلط سوچ سکتا ہے۔ اگر اس بارے میں وہ غلط انداز میں سوچنے لگے۔ تو انہیں معاف بھی کیا جاسکتا ہے' سمجھایا بھی جاسکتا ہے۔ یہ تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"افشاں! افشاں تم بے حد مضبوط اعصاب کی مالک ہو۔" میں نے سر پکڑتے ہوئے کہا۔

"پلیز صائم! آپ پریشان نہ ہوں۔ یہ بات کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔" اور میں نے سر اٹھا کر افشاں کو دیکھا "میرے اوپر بھروسا کرنا چھوڑ دیا؟" اس نے گردن جھکائی۔

"نہیں افشاں! یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟"

"اب تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں تنویر صاحب اور بڑی ماں کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔ اگر ان کی نگاہوں سے گر گیا تو... تو بے حد دکھ رہے گا۔" میں نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ خود ہی نادانی کریں تو کسی کا کیا قصور؟" افشاں سنجیدگی سے بولی۔

"شکریہ افشاں! اب مجھے اجازت دو۔"

"سکون سے سو جائیں۔ خوب گہری اور آرام کی نیند۔ دیکھیں تو آنکھیں کیسی سرخ ہو رہی ہیں۔" افشاں نے جرات کر کے میری آنکھوں کے پپوٹوں پر انگلیاں پھیریں۔ اس کی ہتھیلی میرے ہونٹوں سے ٹکرائی۔ شاید اسی لمس کی تلاش میں' جو ہماری نئی کوٹھی کے کچن میں اسے ملا تھا۔

لیکن اس وقت میری پوزیشن ٹھیک نہیں تھی۔ میں مکمل حواس میں بھی نہیں تھا اس لیے میرے سرد ہونٹ اس ہتھیلی کو بوسہ نہ دے سکے۔

"خدا حافظ!" میں نے آہستہ سے کہا۔

"خدا حافظ! وعدہ کریں سکون سے سوئیں گے۔" افشاں مجھے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

"ہاں وعدہ لیکن..."

"صبح کو چند ایکٹ کا ڈرامہ ہوگا۔ ناشتے پر میں نظر نہ آؤں تو زیادہ محسوس نہ کریں۔ میرا خیال ہے امی اور ابو کے لیے ایک ہلکا سا ڈوز ضروری ہے۔"

"اوہ!" میں نے گردن ہلائی اور پھر دوبارہ خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ تیز روشنی افشاں کے دروازے سے نکل رہی تھی اور دیکھ لیے جانے کا خطرہ زیادہ بڑھ گیا تھا۔ بہرحال فوری طور پر ایک ستون کی آڑ میں ہو کر میں نے انگوٹھی دوبارہ پہن لی اور پھر خدا خدا کر کے اپنے کمرے میں واپس پہنچ گیا۔

طالوت ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں دلچسپی کے تاثرات تھے۔ میری طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور پھر ایک گہری سانس لے کر بولا "خدا کا شکر ہے' تمہیں نحوست نہیں برس رہی۔ ملاقات ہوئی؟"

"ہاں!" میں نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا حالت ہے موصوفہ کی؟"

"یار' لگتا ہے میں ہی کچھ سنک گیا ہوں' باقی سب تو ٹھیک ہیں۔" میں نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایسے ویسے سنک گئے ہو۔ احمق ہو نرے۔" طالوت منہ بنا کر بولا۔

"مگر مجھے حیرت ہے طالوت!"

"کس بات پر؟"

"بہرحال تنویر صاحب اور بڑی ماں اتنے بے وقوف بھی نہیں ہیں' لیکن کوئی انہیں گردانتا ہی نہیں۔ افشاں سے کہا' اس نے اس بات کا تم سے بھی زیادہ مذاق اڑایا۔"

"خوب! وہ فکرمند نہیں ہوئی؟"

"بالکل نہیں۔ الٹا میرا مذاق اڑاتی رہی۔"

"تم ہو ہی اس قابل۔"

"فضول بکواس مت کرو۔ نہ جانے کیوں' افشاں انہیں گردانتی ہی نہیں۔"

"ہاں اب یہ بات تمہارے لیے باعث پریشانی ہوگی۔"

"کون سی بات؟" میں چونک پڑا۔

"یہی کہ افشاں اپنے والدین کو زیادہ اہمیت کیوں نہیں دیتی۔ کیوں؟"

"بس کرو یار۔ خدا کے لیے۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"اے جوتے اتارو اور سو جاؤ۔ الو کہیں کے۔" طالوت نے کہا اور خود بستر میں چھلانگ لگا دی۔ مجھے بھی ہنسی آنے لگی

روشنی کے مینار

ضیا تسنیم بلگرامی کے قلم سے

اسلام کے خاموش مبلغوں کی دلچسپ اور پراثر واقعات، کہانیوں سے زیادہ دلچسپ داستانوں سے زیادہ اثر انگیز

"عظمت کے مینار" مصنفہ کی ایک اور کتاب قیمت -/225 روپے بھی دستیاب ہے

ان دنوں جب ہر طرف حرص و طمع، عیش کوشی، خودغرضی اور نفسانفسی کا دور دورہ تھا، انسان دنیا داری، جاہ طلبی اور جاہ پرستی میں مبتلا تھا روشنی کے ان میناروں نے انسانیت کو نجات ابدی کی راہ دکھائی، دکھی انسانوں کی راہ نمائی کی، ان کے کام آئے۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت شاہ جلالؒ، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت شاہ جمعت الدینؒ، حضرت سیدی مولاؒ، حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ اور بہت سے دوسرے اولیائے کرام کے حالات و واقعات زندگی .....

ڈاک خرچ -/29 روپے

قیمت -/225 روپے

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون: 5802551-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے C-63 فیز II ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین روڈ کورنگی روڈ کراچی 75500

Uploaded By Muhammad Nadeem

تھی لیکن بستر میں گھسنے کے بعد بھی کافی دیر تک نیند نہیں آئی۔ حالات کا تجزیہ درست نہیں تھا۔ تنویر صاحب اور بڑی ماں کی بات بہرحال وزن رکھتی تھی سوائے اس کے کہ افشاں بے حد خودسر تھی اور طالوت چکر چلا کر حالات سنبھال سکتا تھا۔

اور جب ذہن تھک گیا تو نیند آگئی۔ دوسری صبح طالوت نے ہی جگایا تھا۔

"پیشہ ور عاشقوں کے سے انداز اختیار مت کرو۔" اس نے کہا۔

"کیا ہوگیا؟"

"رات کو جاگنا' تارے گننا اور دن بھر سونا۔ کافی وقت ہوگیا ہے۔ غسل وغیرہ کرلو۔ ناشتے کے لیے طلب ہی کیا جانے والا ہے۔" طالوت سپاٹ لہجے میں بولا۔ میں نے دیوار گیر گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر جلدی سے بستر سے نکل آیا۔

"جگا کیوں نہ دیا یار۔" میں نے باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"ابے میں کیا ٹھیکیدار ہوں تمہارے عشق کا۔ راتوں کو ستارہ گردی کرو اور دن میں منت سماجت کرکے جگایا جائے۔" طالوت برا سا منہ بنا کر بولا اور میں باتھ روم میں داخل ہوتے ہوتے رک گیا اور اسے دیکھنے لگا۔ طالوت کو بھی اس کا احساس ہوگیا اور اس نے غصیلے انداز میں میری طرف دیکھا۔

"ناراض ہو طالوت؟" میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"جی نہیں۔ آپ کی بزدلی سے بے حد خوش ہوں۔ تالیاں بجانے کو جی چاہ رہا ہے۔ ابے نہاؤ جلدی سے' پھر باہر آکر بکواس کرو۔" اس نے ڈانٹتے ہوئے کہا اور میں خاموشی سے باتھ روم میں داخل ہوگیا۔ ذہن میں اس ڈرامے کا تصور تھا جو ناشتے پر ہوگا اور جس کے بارے میں افشاں نے بتایا تھا لیکن رات کی سی کیفیت نہیں تھی۔ افشاں اور طالوت نے میرا کافی مذاق اڑایا تھا' حالانکہ جو بات تھی اس پر غور کرنے کے باوجود مجھے اپنی حماقت نظر نہ آئی۔ بات اپنی جگہ وزن دار تھی۔

بہرحال نہادھو کر نکل آیا۔ لباس بھی تبدیل کرلیا تھا اور پھر بیٹھے ہی تھے کہ ملازمہ آگئی۔ ناشتا تیار ہے۔" اس نے آکر اطلاع دی اور ہم اٹھ گئے۔

ناشتے کے کمرے میں زیادہ تر لوگ پہنچ گئے تھے۔ تنویر صاحب' بڑی ماں' نواب صاحب' سمیں اور احسان۔ شکیلہ ابھی نہیں آئی تھی' نہ ہی افشاں۔ ان کے انداز میں کوئی

تبدیلی نہیں تھی۔ انتہائی غور سے دیکھنے پر احساس ہوتا تھا کہ تنویر صاحب اور بڑی ماں کے چہروں پر کچھ نئی شکنیں نمودار ہوگئی ہیں لیکن ممکن ہے یہ بھی صرف میرا احساس ہو۔

ہمارے بیٹھنے کے بعد شکیلہ بھی آگئی اور افشاں کے بارے میں نواب صاحب نے آکر کہا "کیا بات ہے افشاں بیٹی نہیں پہنچی؟"

"جاؤ دیکھو۔" بڑی ماں نے کہا "آپ شروع کریں بھائی صاحب۔"

"واہ! یہ کیسے ممکن ہے۔ آجائے بیٹی۔" نواب صاحب بولے لیکن ملازمہ چند ساعت کے بعد واپس آگئی۔

"بی بی نے کہا ہے کہ آپ لوگ ناشتا کریں۔ انہیں ابھی کافی دیر لگ جائے گی۔"

"ارے۔ کیوں۔ ٹھیک تو ہے وہ؟"

"جی۔ کوئی کتاب پڑھ رہی ہیں۔"

"ممکن ہے ہاضمہ خراب ہوگیا ہو۔ چلیں ناشتا کریں۔" تنویر صاحب نے کہا اور سب نے ناشتا شروع کردیا۔ میں بھی خاموشی سے ناشتا کررہا تھا لیکن دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ حضرات' ہاضمہ تو اب آپ سب کا خراب ہونے والا ہے۔ عام طور سے ناشتے پر خاموشی ہی رہتی تھی۔ بشرطیکہ کوئی خاص گفتگو نہ چھڑ جائے۔ لیکن آج کی خاموشی کچھ زیادہ ہی محسوس ہوئی۔ صرف میری یہ کیفیت تھی کہ ایک ایک بات نوٹ کررہا تھا ورنہ باقی سب لوگ تو نارمل تھے۔

ناشتے سے فارغ ہوکر نواب صاحب بولے "ہاں بھئی۔ آج کیا پروگرام ہے؟"

"کوئی خاص نہیں۔" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"تو پھر سوں تمہاری فرم کا افتتاح ہے صائم میاں؟"

"جی!" میں نے جواب دیا۔

"تنویر! ایک دن میں کارڈ تقسیم ہوجائیں گے؟"

"جی بھائی صاحب! کچھ خاص لوگوں کو میں کارڈ پہنچادوں گا' باقی کام تصدق اور کمال وغیرہ کرلیں گے۔"

"مناسب' مگر عادل میاں! ذرا ہمیں کارپٹ سینٹر کی زیارت تو کرادو۔"

"ضرور' لیکن مناسب یہی ہوتا کہ افتتاح کے وقت ہی اس کی نقاب کشائی کی جاتی۔"

"ہاں۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ بس کوٹھی دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوا ہے کہ وہ بھی دیکھنے کی چیز ہوگی۔ سچ تمہاری کوٹھی بے حد خوب صورت ہے۔ یوں سمجھ لو' اسے دیکھنے کے بعد' ایک بار دیکھا ہے' دوبارہ دیکھنے کی ہوس

Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے۔"

"آپ کی ہے نواب صاحب۔ ہمارے وہاں جانے کے بعد آپ چند روز ہمارے ہاں قیام کریں گے۔" طالوت نے کہا۔

"ضرور۔ ضرور۔ اب تو انتظار رہے گا کہ تم کب وہاں جاتے ہو۔"

"تنویر صاحب اور بڑی ماں سے اجازت دلا دیں۔ جب یہ دونوں بزرگ اجازت دے دیں گے' ہم چلے جائیں گے۔" طالوت نے کہا اور تنویر صاحب رسمی طور پر ہنسنے لگے۔

یہ نمایاں تبدیلی تھی ورنہ ایسے موقعوں پر تنویر صاحب عموماً ناراض ہوجاتے تھے۔ بڑی ماں نے بھی خاموشی اختیار کرلی تھی پھر اچانک کسی خیال کے تحت میں نے اجازت طلب کرلی۔ طالوت بھی میرے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔

"خیریت؟" اس نے پوچھا۔

"کچھ محسوس کیا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں!" طالوت نے جواب دیا۔

"واقعی۔ میرا خیال تھا تم نے غور نہیں کیا ہوگا؟"

"کیا تھا لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ لوگ بہرحال اتنا جانتے ہیں کہ ہم کسی طور پر بے بس نہیں ہیں۔"

"یار۔ رام کی اکوٹھی تھوڑی دیر اور استعمال کرلوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہاں۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ کیا کرو گے؟"

"میرا خیال ہے افشاں کی خبر گیری ضرور کی جائے گی۔"

"اوہ! اور تم اس وقت وہاں ہوگے؟"

"کیا یار سنوں تو۔ دیکھو ماما باخبر رہنا ضروری ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے جواب دیا۔

"میں ہوں۔ سمیں اور احسان بھی آنے والے ہوں گے' کسی طرف آئیں گے اور ان جنجالیوں سے جان چھڑانا خاصا مشکل کام ہے۔" میں نے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ اب میرا رخ افشاں کے کمرے کی طرف تھا لیکن تھوڑی دور جاکر میں نے اکوٹھی پن لی۔ میں اس وقت افشاں پر بھی اپنی موجودگی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

افشاں کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اس لیے میں اطمینان سے اندر داخل ہوگیا۔ افشاں سکون سے ایک کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب کھلی ہوئی تھی۔ میں اس سے کافی فاصلے پر کونے کی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ افشاں خود بھی کسی کی آمد کی منتظر تھی۔ اس کی نگاہیں گاہے گاہے دروازے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔

اور اسے بھی زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ بڑی ماں ناشتے کے کمرے سے اٹھ کر شاید سیدھی اسی طرف آئی تھیں۔ کمرے کے کھلے دروازے سے انہوں نے اندر جھانکا پھر آواز دی "افشاں!"

"جی اماں جی۔ آیئے۔" افشاں نے کتاب رکھتے ہوئے کہا اور بڑی ماں اندر آگئیں۔ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کرلیا تھا۔

"کیا بات ہے افشاں' طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"جی اماں جی۔ ٹھیک ہوں۔"

"ناشتے پر کیوں نہیں آئیں؟" بڑی ماں اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھتی ہوئی بولیں۔

"میرا ذہن ٹھیک نہیں ہے۔ میں آپ سے یہیں کچھ گفتگو کرنا چاہتی تھی۔"

"کیا بات ہے؟" بڑی ماں کی آنکھوں میں سیکڑوں وسوسے جاگ اٹھے۔

"اتفاق سے رات کو میں نے آپ کی اور ابو جان کی گفتگو سن لی تھی۔" افشاں نے کہا اور بڑی ماں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ وہ سناٹے میں آگئی تھیں۔ کئی منٹ تک وہ کچھ نہیں بول سکیں پھر کافی دیر کے بعد بمشکل بولیں۔

"کیسے؟"

"معذرت خواہ ہوں۔ نہیں بتا سکوں گی۔"

"تو بیٹی کیا ہمارا خیال غلط ہے؟" بڑی ماں نے کہا۔

"کون سا خیال؟"

"عادل اور صائم کی کوٹھی میں' تم جس دلچسپی سے پیش پیش تھیں' وہ صرف ایک اخلاقی جذبہ ہے یا اس کے پیچھے کچھ اور ذہنی جذبات وابستہ ہیں؟" بڑی ماں نے پوچھا۔

"آپ جہاں دیدہ ہیں ماں جی۔ آپ خود غور فرمائیں۔" افشاں نے کہا۔

"کیا تمہارے ابو کا خیال غلط ہے؟"

"براہ کرم صاف گفتگو کریں۔ آپ جس بات کو کہتے ہوئے جھجک رہی ہیں' وہ انسان کی زندگی میں سب سے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ میں اس بارے میں آپ سے صاف گفتگو کروں گی۔"

"تم ان دونوں میں سے کسی سے۔ کسی سے پوشیدہ دلچسپی رکھتی ہو؟"

"آپ نے غلط لفظ استعمال کیا ہے۔ میں اسے پوشیدہ تو نہیں کہوں گی۔ اگر یہ دلچسپی پوشیدہ ہوتی تو آپ لوگوں کو

ساری زندگی احساس نہیں ہوتا۔ میں نے جان بوجھ کر آپ کو یہ احساس دلایا ہے۔" افشاں نے کہا اور بڑی ماں کسی حد تک نروس ہو گئیں۔ ان کا خیال تھا کہ چوری پکڑے جانے پر افشاں شرمندہ ہوگی' آنکھیں چرائے گی لیکن یہاں تو معاملہ الٹا ہو رہا تھا۔ کئی منٹ تک وہ سن بیٹھی رہیں' پھر اپنے رتبے کا احساس جاگا اور ان کی آواز بھی کرخت ہو گئی۔

"گویا تم ہمارے شبے کی تصدیق کر رہی ہو؟"

"آپ صرف شبے میں کیوں جکڑا ہیں ابھی تک' یقین کی منزل تک کیوں نہیں پہنچ رہیں؟" افشاں تیکھے انداز میں بولی۔

"کیا تمہاری گفتگو مناسب ہے؟"

"ہاں۔ میں خود کو اس انداز میں پیش کرنے میں حق بجانب ہوں کیونکہ عرض کر چکی ہوں یہ میری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ میں اس میں تکلف نہیں کروں گی۔"

"گویا تم ان میں سے کسی کو۔۔۔ کسی کو پسند کرتی ہو؟"

"ہاں!" افشاں نے جواب دیا۔

"کسے؟" بڑی ماں کی آواز میں ٹھہراؤ تھا۔

"ان دونوں میں سے کون آپ کے لیے ناپسندیدہ حیثیت رکھتا ہے؟"

"افشاں! تمہاری پوری گفتگو گستاخی پر مشتمل ہے۔"

"ساری زندگی آپ سے ناک رگڑ کر معافی مانگتی رہوں گی اماں جی لیکن اس وقت جو گفتگو کر رہی ہوں' وہ مجھے زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے۔" افشاں لاجواب جا رہی تھی اور میں دل ہی دل میں اس پر نثار ہو رہا تھا۔ درحقیقت میرے ذہن سے ساری الجھن نکل چکی تھی۔ یہ لڑکی جس قدر مجھے چاہتی ہے اس کے عوض تو زمانے بھر کی مخالفت مول لی جا سکتی ہے۔ میں بلاوجہ خوف زدہ ہوں۔

"اگر تم نے ہماری گفتگو سن لی ہے تو پھر اپنے ابو کے خیالات سے بھی واقف ہو چکی ہوگی؟" بڑی ماں نے کہا۔

"ہاں۔ اچھی طرح!"

"پھر کیا خیال ہے؟"

"ابو غلطی پر ہیں' جھوٹی انا برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ انہیں اپنی سوچ بدل دینی چاہیے۔"

"تم ان کے لیے اپنے خیالات نہیں بدل سکتیں؟"

"یہ تصور بھی ذہن سے نکال دیں۔" افشاں نے سخت لہجے میں کہا۔

"تم گھر والوں کی مخالفت مول لو گی؟"

"ایک انکشاف کرنا چاہتی ہوں۔" افشاں زہریلے لہجے میں بولی اور بڑی ماں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔ ان کا چہرہ دہشت سے پیلا پڑ گیا تھا۔

"کیا؟" وہ سرسراتی آواز میں بولیں۔

"میں غیر ممالک کی سیر کو جانا چاہتی تھی' آپ لوگ نہ مانے لیکن۔۔۔"

"اوہ! افشاں تمہاری وہ ضد پوری کر دی جائے گی۔ میں وعدہ۔۔۔"

"پوری بات سن لیں اماں جی۔ میں اپنی ضدیں خود پوری کرتی ہوں۔ اغوا کے بارے میں میں نے جو کچھ کہا تھا غلط کہا تھا۔ میں پاسپورٹ بنوا کر بہت سے ملکوں کی سیر کو گئی تھی۔ یقین نہ آئے تو سیکڑوں ثبوت پیش کر سکتی ہوں۔ تصدیق بھی اس بات کا گواہ ہے۔"

"کیا؟ کیا؟" بیگم صاحبہ حیران رہ گئیں۔

"بتانا صرف یہ تھا کہ آپ لوگ خود ہی اپنے فیصلوں میں تبدیلیاں کر لیں ورنہ مجھے میدان عمل میں آنا ہوگا۔ آپ کے احترام اپنی جگہ لیکن جو کچھ عرض کر رہی ہوں۔ اس کے بارے میں کہہ چکی ہوں کہ اس کا میری زندگی سے گہرا تعلق ہے۔"

بڑی ماں پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسے گھورتی رہیں اور پھر اٹھ گئیں "کیا میں تمہارے ابو کو تمہاری گفتگو کے بارے میں بتا دوں؟"

"اگر آپ نے اس میں ایک لفظ کی بھی تحریف کی تو ساری ذمے داری آپ کی ہوگی۔ میں اس میں سے کوئی ذمے داری قبول نہیں کروں گی۔" افشاں نے جواب دیا۔

بڑی ماں خاموشی سے اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ افشاں نے دوبارہ کتاب اٹھا لی تھی۔ میرا بھی اس وقت وہاں رکنا مناسب نہیں تھا اس لیے میں خاموشی سے باہر نکل آیا اور اب میں بڑی ماں کے پیچھے جا رہا تھا۔ میرا خیال تھا بڑی ماں سیدھی تنویر صاحب کے پاس جائیں گی لیکن وہ اپنے کمرے کی طرف گئیں اور انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ وہ گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ اس وقت وہ تنویر صاحب سے کوئی گفتگو نہیں کریں گی۔ بہرحال میں وہاں سے چلا آیا۔

طبیعت پر ایک بوجھ سا طاری تھا۔ تنویر صاحب کو دیکھا' وہ تیار ہو کر کہیں جا رہے تھے۔ میں نے کوئی مداخلت نہیں کی اور واپس طالوت کے پاس پہنچ گیا۔

طالوت ایک آرام کرسی میں دراز مسکرا رہا تھا۔ میں نے انگوٹھی اتار دی اور وہ شرارت آمیز انداز میں مجھے دیکھنے

لگا۔

"مذاق اڑا رہے ہو یار۔" میں نے پھیکے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا اور ایک آرام کرسی میں گر پڑا۔

"مذاق اڑا سکتا ہوں۔" طالوت بولا۔

"بڑی گرما گرم گفتگو رہی۔"

"سن چکا ہوں۔" طالوت ہاتھ اٹھا کر بولا۔

"کیا مطلب؟" میں اچھل پڑا۔

"ہاں یار۔ اس میں کوئی حرج نہیں تھا۔ دراصل میں بھی حالات سے واقف ہونا چاہتا تھا۔"

"تو تم وہاں موجود تھے؟"

"ہاں۔"

"اوہ!" میں نے گہری سانس لی "پھر اب کیا خیال ہے؟"

"دلیری میں تم اس کے عشر عشیر بھی نہیں ہو۔"

"مجھے اعتراف ہے۔" میں نے کہا۔

"اور مجھے یقین ہے کہ وہ حالات سنبھال لے گی۔"

"بڑی مضبوط لڑکی ہے۔"

"ہاں۔ خدا کی قسم اس سے عقیدت ہو گئی۔" طالوت نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مگر حضرت' اب پروگرام کیا ہے؟"

"تنویر صاحب کی بے رخی کا یہ ہلکا سا انداز قابل قبول نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اب بھی یہاں رہو گے؟"

"میں تو چاہتا لیکن افشاں؟"

"اس سے بات کر لینا۔ بہرحال وہ کمزور لڑکی نہیں ہے۔ ہم اس کی طرف سے مطمئن ہیں۔"

"اس میں دو رائے نہیں ہے۔"

"موقع ملے تو اس سے گفتگو کر لو اور اس سے کہہ دو کہ ایسی صورت میں ہمارے ٹھکانے میں چلے جانا ہی بہتر ہے۔ ظاہر ہے ہم کسی طور اس سے دور نہیں رہیں گے لیکن یہاں رہنے سے کچھ تکلیفیں بھی پیدا ہو سکتی ہیں اور وہ خطرناک ہو سکتی ہیں۔"

"بالکل ٹھیک!"

"بس تو طے ہے' پرسوں ہم اچانک افتتاح کے بعد اعلان کر دیں گے اور وہاں سے سیدھے اپنی کوٹھی پر جائیں گے۔ ہاں کل تک کاروں کی خریداری اور کر لی جائے۔"

"او کے باس! لیکن یار' اگر افشاں نے اجازت نہ دی؟"

"اس بات کا امکان تو ہے لیکن وہ سمجھ دار لڑکی ہے' اس موقع پر منع نہیں کرے گی اور ہاں نواب جلال الدین کو ضرور ساتھ لے چلو' کام آئیں گے۔" طالوت نے کہا اور میں اس کی بات پر غور کرنے لگا۔

کافی دیر تک ہم دونوں کمرے میں بیٹھے گفتگو کرتے رہے اور پھر سیمیں اور احسان کی مداخلت پر ہی چونکے۔ دونوں اندر گھس آئے تھے۔ ان کے پیچھے افشاں اور شکیلہ تھیں۔

"یہ ہو کیا رہا ہے آخر۔ آج جواب مل جانا چاہیے۔" سیمیں نے ہتھیلی پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔ وہ مصنوعی غصے کا اظہار کر رہی تھی۔

"ارے ارے۔ خیریت؟ ناشتے میں گرم اشیاء کا استعمال کچھ زیادہ کر لیا تھا کیا؟" طالوت نے مسکرا کر سنبھلتے ہوئے کہا۔ میں نے احسان کی شکل دیکھی' اس کا چہرہ بالکل نارمل تھا۔ کوئی تردد یا کوئی شکن نہیں تھی اس پر۔

"ہرگز نہیں۔ میں پوچھ کر رہوں گی۔" سیمیں نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔

"لیکن آخر کیا سیمیں بیگم؟" میں نے پوچھا۔

"ہم لوگوں کو نظرانداز کیوں کیا جا رہا ہے؟ یہ اچانک بدروتی سی کیوں پھیل گئی ہے؟"

"ارے توبہ توبہ۔ یہ نظرانداز کرنے کی بات کیا کہی سیمیں بیگم۔ کسی کی مجال ہے؟" طالوت جلدی سے بولا۔

"خدا کی قسم برداشت کی بھی حد ہوتی ہے۔ بس اب میں واپسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" سیمیں نے کہا۔

"کہاں؟" طالوت نے آنکھیں نکالیں۔

"جلال آباد!"

"ناممکن۔ ابھی تو آپ تنویر صاحب کی مہمان ہیں۔ وہ کوٹھی جو خریدی ہے اس کا کیا ہوگا؟" طالوت نے کہا۔

"یہی طور رہے تو میں ضرور جاؤں گی آپ کی کوٹھی میں۔"

"حضور۔ سرکار ہمارا قصور؟" طالوت نے گڑگڑا کر کہا۔

"اس دن بھی آپ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

"ہاں۔ اس دن تو غلطی ہو گئی تھی لیکن اس کے علاوہ؟"

"اور آج کل آپ لوگ اپنے کمرے میں گھسے بیٹھے رہتے ہیں۔"

"دراصل سیمیں' صرف چند روز کے لیے معاف کر دو۔ پرسوں کارپٹ سینٹر کا افتتاح ہو جائے' اس کے بعد فرصت ہی فرصت ہے۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded by Muhammad Nadeem

"تو یہ اس وقت کمرے میں گھس کر افتتاح ہو رہا تھا؟"

"ہاں۔ یقین کرو ہم پلاننگ کر رہے تھے۔"

"آپ لوگوں پر یہ بات عجیب محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال اگر یہ بات ہے تو معاف بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیوں افشاں' کیوں شکیلہ؟" سیمیں نے کہا اور دونوں ہنستے ہوئے گردن ہلانے لگیں۔

"آپ کو تو کوئی شکایت نہیں ہے احسان صاحب؟"

"جی میں کیا' میری حیثیت کیا۔" احسان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ حیثیت کیوں نہیں ہے۔" سیمیں تڑپ کر بولی۔

"دراصل احسان بہت چالاک ہے۔ جانتا ہے کہ اس کے بدلے آپ ہی نمٹ لیں گی اس لیے خود برا کیوں بنے۔" طالوت بولا۔

"گویا میں بری بن گئی ہوں۔" سیمیں نے آنکھیں نکالیں۔

"اے میں سارے میں تلاش کر کر کے مر گئی۔ یہاں گھسے بیٹھے ہیں میرے بچے۔" بوا کی آواز دروازے سے سنائی دی اور ہم سب ان کی طرف متوجہ ہو گئے۔

"آیئے بوا آیئے۔ آپ ہی کا ذکر کر رہے تھے ہم لوگ۔" طالوت نے کہا اور بوا مسکراتی ہوئی اندر آ گئیں۔

"کیا مسکوٹ ہو رہی ہے' سب کے سب جمع ہیں ماشاء اللہ!" بوا نے اپنی جگہ سنبھالتے ہوئے کہا اور اچانک طالوت کے چہرے پر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔

"صائم!" اس نے میری طرف جھک کر کہا۔

"ہوں!"

"یار' اچانک میرے ذہن میں بڑا خوب صورت پروگرام آیا ہے۔"

"کیا؟"

"کیوں نہ کارپٹ سینٹر کا افتتاح بوا سے کرایا جائے؟"

"پاس۔ بس خاموش ہو جاؤ۔ ابھی ہم دوسروں کو ہوا نہیں لگنے دیں گے۔" میں نے کہا اور طالوت گردن ہلا کر خاموش ہو گیا۔

"میرا کیا ذکر ہو رہا تھا؟ اور ہاں یہ جمشید کہاں گیا' گھوڑ مارا نظر ہی نہیں آتا آج کل؟"

"کیا بات ہے بوا' آج کل جمشید کے ستارے بہت اچھے جا رہے ہیں؟" سیمیں نے مسکراتی ہوئے کہا۔

"ائی سیمیں بیٹا' بڑا اچھا لونڈا ہے۔ دل کا برا نہیں ہے۔ تم لوگوں نے کیا درگت بنوائی ہے بے چارے کی میرے ہاتھوں' مجھے بڑا ہی افسوس ہے۔"

"واقعی؟" طالوت دلچسپی سے بولا۔

"تو اور کیا' میری شکل اس کی دادی اماں سے ملتی ہے۔ مامتا کا تڑپا ہوا ہے بے چارہ۔" بوا کے لہجے سے شدید تپک رہا تھا۔ درحقیقت بڑی سادہ لوح خاتون تھی۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔

"اور تصدق کے بارے میں کیا خیال ہے بوا؟"

"اس کی بات چھوڑو' وہ بد نظر ہے بیٹا۔ اس میں اور جمشید میں بڑا فرق ہے مگر آج کل وہ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"آپ بھی خوب ہیں بوا' باتیں بھی کرتی ہیں اور یاد بھی کرتی ہیں۔" سیمیں بولی۔

"اے اب دل سے کسی سے خفا تو نہیں رہوں ہوں۔ میرے بڑھاپے میں کالک لگاؤ گے تو دل جل جاوے ہے۔ اب بتاؤ' تم میری اولادوں کے برابر مجھ پر نظر رکھو تو ٹھیک ہے؟"

اور بوا کی اس "بری نگاہ" پر ہم سب ہنس پڑے۔

"اور بوا کسی کی نگاہ ہی خراب ہو تو؟" طالوت ہنس کر بولا۔

"ارے رہنے دو عادل میاں' تم تو بڑے ہی شریر ہو۔"

"سچ بوا! تصدق کی آنکھیں خراب ہیں۔ وہ آپ کو بری نگاہ سے نہیں دیکھتا بلکہ آنکھوں کی خرابی کی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوا ہوگا۔"

"چلو ہٹو بس رہنے دو اور ہاں جمشید کے لیے نہیں بتایا' صبح بھی نہیں ملا۔"

"معذور ہے بے چارہ!" طالوت نے کہا اور پھر گھڑی دیکھ کر بولا "ارے صائم میاں چلیں گے نہیں؟"

"وقت ہو گیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں! ساڑھے دس بج رہے ہیں۔"

"تب پھر خواتین و حضرات اجازت دیجیے اور یہ بد اخلاقی صرف کل تک کے لیے اور اس کے بعد انشاء اللہ تفریحی پروگرام رہیں گے۔"

"کوئی خاص کام ہے صائم بھائی؟"

"ہاں۔ بس افتتاح کے پروگرام کو فائنل کر رہے ہیں۔ برسوں انشاء اللہ تعالیٰ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اور سب کمرے سے نکل آئے۔ افشاں کے ہونٹوں کی پرسکون مسکراہٹ نے مجھے بھی سکون بخشا تھا۔ جب وہ مطمئن تھی تو میں تردد کیوں کروں۔ تمام لوگوں سے اجازت لے کر ہم باہر نکل آئے اور پھر کار لے کر چل پڑے۔

کارپٹ سینٹر میں باقاعدہ کام ہو رہا تھا۔ تصدق اور جمشید کسی گفتگو میں الجھے ہوئے تھے' ہمیں دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے اور اپنی کرسیوں سے اٹھ گئے کیونکہ ہم اچانک ہی پہنچے تھے۔

"اوہو' آیئے۔" تصدق نے مجوب انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم کام کرو تصدق!"

"جی کوئی خاص کام نہیں تھا' ہم لوگ ایک فائل دیکھ رہے تھے۔"

"کیسی فائل؟"

"ایک لڑکی ملازمت کے لیے آئی ہے۔ حالانکہ جگہیں تقریباً سب پر ہو گئی ہیں لیکن جمشید صاحب کی خواہش ہے کہ اسے ملازم رکھ لیا جائے۔"

"جمشید صاحب کی خواہش ہے؟" طالوت نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"یس مسٹر عادل! لڑکی بہت سیڈ ہائے۔ اس کا آنکھ سے آنسو نکلتا۔ میں اس کو بولا' میں سفارش کریں گا۔" جمشید نے کہا۔

"جمشید صاحب جس کی سفارش کریں اسے تو ضرور رکھنا چاہیے مسٹر تصدق!"

"ضرور جناب! میں نے جمشید صاحب سے اختلاف نہیں کیا۔ صرف جگہوں کی فائل ان کے سامنے رکھ دی ہے کہ اس میں سے جو چاہیں انتخاب کر لیں۔" تصدق نے کہا۔

"ہمارا سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"لڑکی کہاں ہے؟" میں نے پوچھا۔

"باہر ویٹنگ روم میں بیٹھا ہائے۔"

"بلاؤ!" میں نے تصدق سے کہا اور جمشید جلدی سے اٹھ گیا۔

"ارے ارے جمشید تم کہاں' بیٹھو۔ تصدق بیل بجا کر چپراسی کو بلا لے گا اور وہ اس لڑکی کو۔" طالوت نے کہا اور جمشید گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔

تصدق نے بیل بجائی اور چپراسی اندر آ گیا "ویٹنگ ہال میں مس عذرا بیٹھی ہیں' انہیں اندر بلا لو۔" تصدق نے کہا اور چپراسی ادب سے گردن جھکا کر چلا گیا۔

اور پھر چند ساعت کے بعد اس نے وزنی دروازہ دوبارہ کھولا اور دبلی پتلی سہمی ہوئی لڑکی اندر آ گئی۔ رنگ پیلا پڑا ہوا تھا۔ آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات دبے ہوئے تھے۔ اندر داخل ہوئی تو کاغذات قالین پر گر پڑے اور اس کا بدن ہولے ہولے کانپنے لگا۔ اس نے ہراساں نگاہوں سے ہمیں دیکھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے پھر وہ زمین پر بیٹھ گئی اور پھر اٹھ کھڑی ہوئی۔ بری طرح بدحواس ہو گئی تھی۔

اس کی یہ حالت دل لرزا دینے والی تھی۔ میں اور طالوت لرز اٹھے۔ بھلا ایسی بے بسی کا انداز ہم دیکھ سکتے تھے اور پھر ہم دونوں ہی تیزی سے اس کی طرف لپکے۔

"آیئے عذرا بی بی۔ آپ فکر نہ کریں' یہ کاغذات چپراسی اٹھا لے گا۔" طالوت نے محبت بھرے انداز میں اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ عذرا کا بدن اب بھی کانپ رہا تھا۔

"آؤ عذرا بہن۔ تم تکلف کر رہی ہو۔" میں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اس نے ایسی نگاہوں سے ہمیں دیکھا جیسے اندازہ لگا رہی ہو کہ ہم کتنی سنجیدگی سے اس کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن ہمارے چہروں پر ایسا کوئی تاثر نہیں تھا۔ جمشید نے اس کے لیے کرسی کا انتخاب کیا اور میں نے عذرا کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھا دیا۔

وہ بیٹھنے کے بعد گہری گہری سانس لینے لگی۔

"ارے تصدق! بڑے بد اخلاق ہو گئے ہو۔ کچھ کھلاؤ پلاؤ گے نہیں؟" طالوت بولا۔

"ہاں جناب' ابھی پیش کرتا ہوں۔" تصدق جلدی سے اٹھ گیا۔

"عذرا بی بی' آپ چائے پئیں گی یا کافی؟" میں نے پوچھا۔

"جی۔ میں۔ میں نے بی اے کیا ہے۔ میں۔ میں دراصل ملازمت کے لیے آئی تھی۔" اس نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اوہو بھئی ملازمت کی تو طے ہو گئی۔ یہ جو اپنے جمشید صاحب ہیں نا' بس یہ جسے چاہیں جو جگہ دے سکتے ہیں۔ ہم ان کے معاملے میں مداخلت کرنے والے کون۔ آپ کی ملازمت کا تو فیصلہ کر لیا گیا' اب ذرا کچھ کھانے پینے کی باتیں بھی تو ہو جائیں۔ ہاں تو آپ چائے پئیں گی یا کافی؟"

لڑکی نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن آواز نہ نکل سکی۔

"چلو بھئی تصدق سب کے لیے چائے ہی منگوا دو۔" اتنی دیر میں تصدق چپراسی کو بلا چکا تھا اور پھر اسے ہدایات کر کے واپسی پر وہ لڑکی کے کاغذات بھی اٹھا تا لایا۔

لڑکی نے جلدی سے کاغذات لپک لیے تھے "یہ میرے سرٹیفکیٹس۔ وغیرہ ہیں۔"

"بھئی عذرا! ان بور باتوں کو چھوڑو' کچھ اور باتیں کرو۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

سرٹیفکیٹ وغیرہ بھی کوئی دیکھنے کی چیزیں ہیں۔ اب تو تم ہماری اس چھوٹی سی فرم کی اہم کارکن ہو۔ یہ فائل بند کرلو' اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے بی بی۔"

"تو۔ تو آپ نے مجھے ملازمت دے دی۔" اس کے چہرے پر پہلی بار خوشی کے ہلکے سے تاثرات نظر آئے۔

"بھئی اس میں کیا شک ہے۔ ہماری مجال ہے کہ نہ دیں۔"

"مجھے کام کیا کرنا ہوگا؟"

"ابھی کام شروع ہی کہاں ہوا ہے بی بی' آپ تو بلاوجہ ابھی سے فکر مند ہوگئیں۔ وہی کام ہوگا جو آپ آرام سے کرسکیں گی' البتہ یقین کریں آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" طالوت نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں جناب کہ جو کوئی خدمت میرے سپرد کی گئی میں پوری جان فشانی سے اسے انجام دوں گی۔" عذرا نے کہا۔

"چلو یہ بات بھی طے ہوگئی' اب تو اس موضوع کو چھوڑ دو۔" طالوت بولا اور وہ خاموش ہوگئی۔

لیکن اس کی نگاہوں میں شدید حیرت تھی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ہم لوگوں کو دیکھنے لگی تھی اور اس کی یہ حیرت درحقیقت بجا تھی۔ اب فرشتے تو زمین پر آتے نہیں ہیں' وہ ہمارے بارے میں جو کچھ بھی سوچتی ٹھیک تھا۔

"اور عذرا بی بی' آپ اپنا مکمل تعارف نہیں کرائیں گی؟"

"جی۔ بس' میں نے بی اے کیا ہے۔ ایک چھوٹی سی بستی کے چھوٹے سے مکان میں رہتی ہوں۔"

"والدین ہیں؟"

"جی ہاں!"

"اور دوسرے بہن بھائی؟"

"دو بہنیں اور ہیں۔"

"بھائی؟"

"جی بھائی نہیں ہے۔"

"ہوں!" میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا "اچھا عذرا بیگم' ٹھیک ہے اگر آپ مجھے بھائی بنانے کو تیار نہیں ہیں تو میں بھی آپ سے ضد نہیں کروں گا' حالانکہ ابھی ابھی میں نے آپ کو عذرا بہن کہا تھا۔"

عذرا نے آنکھیں اٹھا کر مجھے دیکھا' دیکھتی رہی اور پھر اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ اس نے آنکھیں جھکالی تھیں۔

"اب بتایئے' بھائی کتنے ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"دو!" طالوت غرایا "اگر تم نے صرف اسے بھائی کہا تو اچھا نہیں ہوگا۔ میں اس سے بڑا ہوں۔ دیکھ لو ہم دونوں کی صورت ایک جیسی ہے۔" اور عذرا نے نگاہیں اٹھا کر ہم دونوں کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر ہلکی سی حیرت نمودار ہوگئی۔

"ٹھیک ہے نا۔ دو بھائی ہیں نا؟" طالوت نے پھر پوچھا اور عذرا رو پڑی۔ اس نے سسکتے ہوئے گردن اثبات میں ہلا دی۔

"واہ! ابے یار تصدق' تمہارا چہرا اسی کہاں مرگیا۔ چائے پلاؤ ذرا دیکھو ہماری بہن آئی ہے۔" اور تصدق بے چارہ بار بار بیل بجانے لگا۔

جمشید صاحب بدستور خاموش تھے' لوؤں کی مانند پلکیں جھپکا رہے تھے جیسے اب سب کچھ ان کی سمجھ سے نکل گیا ہو۔

چپراسی چائے لے آیا اور ہم نے عذرا کو کچھ کھانے اور چائے پینے کے لیے مجبور کردیا۔ عجیب دکان داری ہورہی تھی۔ عذرا کے ذہن میں یہ ساری باتیں فٹ ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ جو کچھ ہوا تھا بے حد انوکھا تھا۔ بہرحال اس نے ہمارے ساتھ چائے پی اور خاصی حد تک پرسکون نظر آنے لگی۔

"بھئی تصدق! تم عذرا کا اپائنٹمنٹ لیٹر بنوا دو اور حسب روایت ایک ماہ کی تنخواہ بھی انہیں دے دی جائے۔ دراصل عذرا' ہماری فرم نے ابھی کام شروع نہیں کیا ہے۔ نیا نیا سلسلہ ہے اس لیے فرم کے افتتاح کی خوشی میں طے کیا گیا ہے کہ سارے ملازموں کو ایک ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی دے دی جائے۔ ایک طرح سے یہ فرم کی طرف سے انعام سمجھا جائے۔"

عذرا خاموشی سے گہری گہری سانسیں لیتی رہی۔ تصدق باہر چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آیا اور اس نے ایک کاغذ میری طرف بڑھا دیا۔ یہ اپائنٹمنٹ لیٹر تھا۔ اس میں تنخواہ کا خانہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ طالوت نے کاغذ میرے ہاتھ سے لے لیا اور پھر اسے اپنے پاس رکھ لیا۔

عذرا خاموشی سے چائے پیتی رہی اور پھر اس نے پیالی رکھی اور سوالیہ انداز میں ہماری طرف دیکھنے لگی۔

"مس عذرا! آپ نے اپنا لیٹر دیکھ لیا۔ اس میں آپ صائم بھائی کی سیکریٹری ہیں۔ اپائنٹمنٹ لیٹر میں آپ کی تنخواہ دو ہزار روپے ماہوار مقرر کی گئی ہے۔ فی الحال آپ اسے قبول کرلیں' بعد میں ہم اور بڑھا دیں گے۔" طالوت نے کہا۔

"جی؟" عذرا پھر چونک پڑی۔ اس نے متحیرانہ نگاہوں

سے ہماری شکلیں دیکھیں۔ اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔

"آپ فکر نہ کریں مس عذرا! اس فرم کو آپ کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ ابتدا میں یہ تنخواہ قبول کریں' ہم ایک ماہ آپ کا کام دیکھ کر مزید بڑھا دیں گے۔ فی الحال آپ اس کے کم ہونے کا خیال نہ کریں۔"

عذرا کے حواس ایک بار پھر جواب دینے لگے تھے۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے پروانۂ تقرری کو دیکھا۔ یہ مذاق نہیں ہو سکتا تھا۔ خوب صورت لیٹر ہیڈ پر باقاعدہ ٹائپ شدہ تحریر تھی جس پر میرے دستخط بھی تھے لیکن اتنی تنخواہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ اس بے چاری کو کیا معلوم تھا کہ وہ کن سرپھروں میں آپھنسی ہے۔

"اب میں جاؤں؟" اس نے پھنسی پھنسی آواز میں پوچھا۔

"ضرور۔ خدا حافظ۔ ہاں تصدق براہ کرم تم مس عذرا کو کیشیئر کے پاس لے جاؤ اور انہیں کمپنی کے اصول کے مطابق ایک ماہ کی تنخواہ ایڈوانس دلا دو۔"

"میں بھی ان کا ساتھ چلا جاؤں؟" جمشید نے پوچھا۔

"ضرور چلا جائے۔" طالوت بھی اسی کی مانند منہ ٹیڑھا کرکے بولا۔ اور جمشید بھی اٹھ گیا۔ عذرا نے ہمیں سلام کیا اور پھر وہ جمشید اور تصدق کے ساتھ باہر نکل گئی۔

میں نے ایک گہری سانس لی تھی۔

"یہ جمشید بھائی کو کیا ہوا؟" طالوت متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ہاں۔ یہ لڑکی تو ان کے پروگرام میں کسی طور شامل نہیں ہوسکتی۔" میں نے کہا۔

"ظاہر ہے اسے دیکھ کر صرف ہمدردی جاگ اٹھی ہو۔"

"ہاں۔ ایسا ہی ہے۔"

"ویسے لڑکی واقعی قابل رحم ہے۔"

"لیکن تقدیر کی سکندر ہے۔"

"کیوں؟"

"ظاہر ہے یہاں آگئی اور ایسے وقت جب جہاں پناہ موجود تھے۔"

"اوہ' عارف ایسی بات مت کہو۔ میں کیا حیثیت رکھتا ہوں' صرف اللہ کا کرم ہے۔ اس کے بندوں کی خدمت تو سب پر فرض ہے' جو جس حد تک یہ فرض پورا کردے۔"

میں نے طالوت کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تصدق واپس آگیا اور ہم نے سوالیہ انداز میں اسے دیکھا "جی' ادائیگی کردی گئی ہے۔"

"گئی' ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی ہاں!" تصدق نے جواب دیا۔

"جمشید بھائی کہاں ہیں؟"

"اسے بس میں بٹھانے گئے ہیں۔" تصدق نے جواب دیا اور ہم دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر ہمارے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر ہم سنجیدہ ہوگئے۔

"دعوت نامے تقسیم کردیے گئے تصدق؟"

"جی ہاں۔ جو فہرست آپ نے عنایت کی تھی اس کے مطابق۔"

"ویری گڈ! شمشیر کو کارڈ بھجوایا؟"

"جی ہاں۔"

"کون لے گیا تھا؟"

"میں نے اپنے اسسٹنٹ شوکت کو بھیجا تھا۔"

"اس نے کچھ بتایا۔"

"جی ہاں۔ شمشیر نے کافی کرید کی لیکن میں نے اسے ہدایت کردی تھی۔ اس نے سارے جواب گول مول دیے۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہم نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔

صرف شمشیر کی وجہ سے کارڈ ایسے چھپوائے گئے تھے کہ ان سے ہم لوگوں کی حقیقت نہ کھل سکے اور جب شمشیر آجائے تب اسے پتہ چل سکے۔ بہرحال خوب عمدہ تفریح شروع ہونے والی تھی۔ بہت سی ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد ہم واپس چل پڑے۔ افتتاح کی تیاریاں مکمل تھیں اور اب کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔

راستے میں' میں نے طالوت سے اپنے مطلب کی باتیں شروع کردیں "بہرحال افشاں کے معاملے میں جو کچھ ہوا ہے' میں اس سے خوش نہیں ہوں طالوت۔"

"خوش تو میں بھی نہیں ہوں لیکن ہمیں تنویر صاحب کو ایک چانس دینا چاہیے۔ ممکن ہے وہ اپنی اصلاح کرلیں ورنہ اس کے بعد ان کی ساری سابقہ حرکتوں کا بدلہ لے لیا جائے گا۔"

"ویسے وہ ہمارے چلے آنے کو محسوس تو کریں گے؟"

"ممکن ہے۔ ویسے اس وقت ان کی خاموشی مجرمانہ تھی۔"

"ابھی تو رات باقی ہے۔" میں نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بیگم صاحبہ افشاں کی گفتگو کے بارے میں انہیں ضرور

Uploaded By Muhammad Nadeem

بتائیں گی۔"

"ہاں۔ چھپانا تو خطرناک ہوگا۔"

"دیکھ لیں گے یار۔" طالوت لاپرواہی سے بولا اور پھر چونک کر بولا "ارے سنو!"

"ہوں؟" میں نے پوچھا۔

"دوپہر کا کھانا کھا کر چلیں گے۔ شام کی چائے اور رات کا کھانا بھی گول کریں گے۔"

"اوہ! دوپہر کا کھانا گول کردیں گے طالوت! لیکن۔۔۔"

"ہاں۔ لیکن کیا؟" طالوت نے پوچھا۔

"کل تو ہم وہاں سے چلے ہی جائیں گے۔ کوئی ایسا اظہار کرنے سے کیا فائدہ جس سے تعلقات میں براہ راست تلخی پیدا ہو۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے۔" طالوت نے سنجیدگی سے کہا "تب پھر چھوڑو یار کوئی خاص اظہار نہ کرو۔ بس کل ہم کسی قیمت پر نہیں رکیں گے۔" اور ہم دونوں متفق ہوگئے۔

کوٹھی پہنچے اور دوپہر کے کھانے میں بھی شریک ہوئے۔ تنویر صاحب تو اس وقت بھی موجود نہیں تھے' نہ ہی ان سے شام کی چائے پر ملاقات ہوئی۔ موسم بے حد خوشگوار تھا۔ چائے کے بعد ہم باغ میں کھیلنے لگے۔ سب لوگ ساتھ تھے اور خوش گپیاں ہو رہی تھیں کہ دور سے جمشید آتا نظر آیا اور سب خوش ہوگئے۔

"یہ جمشید بھائی آج کل مستقل غائب رہنے لگے ہیں۔" سیمیں نے کہا۔

"کوئی پوچھتا بھی تو نہیں ہے بے چارے کو۔" افشاں نے کہا۔

"نہیں۔ یہ بات نہیں۔ بڑی ماں نے دوپہر کے کھانے پر بھی تشویش ظاہر کی تھی اور شام کی چائے پر بھی اسے خاص طور سے پوچھا تھا۔"

"بس وہی پوچھ لیتی ہیں۔"

"اتنا برا آدمی بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"طلیے سے آدمی لگتے ہی کہاں ہیں۔" افشاں ناک سکوڑ کر بولی اور جمشید قریب آگیا۔ وہ حسب عادت احمقانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا اور سب خاموشی سے اسے دیکھ رہے تھے اور پھر جمشید احمقانہ انداز میں ہنسنے لگا۔ اس کی اس حرکت پر نسبتی ہنسی پر سب کو ہنسی آگئی اور جمشید ایک دم اس انداز میں سنجیدہ ہوگیا جیسے اسے کسی غلطی کا احساس ہوگیا ہو۔

"کیا حال ہیں جمشید بھائی؟" افشاں نے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہائے۔ بٹ تم لوگ۔ تم لوگ اتنا سید کیوں ہائے؟" جمشید نے پوچھا۔

"بس ہائے۔" سیمیں نے کہا۔

"کیوں ہائے؟"

"ہائے۔" سیمیں اسی مسخرے پن سی بولی اور پھر ہنسی چھوٹ گئی۔

"آپ غائب کہاں رہنے لگے ہیں جمشید بھائی؟" شکیلہ نے پوچھا۔

"ہائے بے چارے جمشید کو کچھ ہو گیا ہے۔" سیمیں نے کہا۔

"ارے کیا ہوگیا ہے؟" افشاں تشویش زدہ ہوئی۔

"سر کھو گئے ہیں۔" کمال نے لقمہ دیا۔

"کہاں کھو گئے؟" احسان بھی خاموش نہ رہ سکا۔

"گر پڑے ہوں گے کہیں۔ یہ لاپرواہ جو ہیں۔" شکیلہ نے کہا۔

"سنبھال کر رکھنے چاہیے تھے۔ سروں کے علاوہ اور تھا کیا ان کے پاس۔" افشاں نے کہا۔

"دیکھئے نا' آج کل یہ آدھے رہ گئے ہیں' کبھی مکمل ہی نظر نہیں آتے۔ جمشید بھائی! آپ نے کنارکہاں بیچ کھایا؟" کمال بولا اور جمشید کے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بے چارہ خاموشی سے ہدف بنا ہوا تھا۔ پھر اس نے اسی پھیکی سی مسکراہٹ سے کہا۔

"آپ سب لوگ اپنا اپنا بولی بولا مگر افشاں نے جو بات کیا وہ سب سے ٹاپ تھا۔" وہ بولا "سنبھال کر رکھنا چاہیے تھا۔ سروں کے علاوہ اور کیا تھا ہمارے پاس۔ آل رائٹ۔" اور پھر وہ مڑ کر واپس چلا گیا۔

"ارے' ارے۔ جمشید بھائی!" سیمیں اور افشاں چیخیں لیکن جمشید رکے بغیر اندر چلا گیا۔ ہم لوگ بھی ششدر رہ گئے تھے جمشید کی تھوڑی بہت کہانی معلوم ہی تھی۔ بڑی عمدہ بات ہوگئی تھی لیکن اس احمق کے دل پر چوٹ لگی۔ کچھ بھی ہو' بہرحال انسان تھا۔

"حضرات! میں اعلان کرتا ہوں' جمشید بھائی کو کچھ ہوگیا۔" کمال نے کہا۔

"واقعی۔ حیرت ناک بات ہے۔ ان کی سمجھ میں بھی کچھ آسکتا ہے۔" افشاں بولی۔

"لیکن انہیں ہوگیا سکتا ہے' عشق؟" سیمیں نے پوچھا۔

"ممکن ہے۔"

"لیکن اب ان کے عشق کا ٹوٹس کس طرف دوڑا ہے۔

کس کی شامت آئی ہے؟"

"آئی ہوگی کسی نصیبوں ماری کی۔" شکیلہ نے کہا اور ہم اس نصیبوں والی کے بارے میں سوچنے لگے' جس کی سفارش جمشید نے کی تھی۔ پیاری سی' معصوم سی لڑکی!

کافی دیر تک باغ میں چہل قدمی ہوتی رہی' پھر موقع پاتے ہی افشاں نے کہا "صائم صاحب!"

"ہوں!"

"رات کے کھانے کے بعد آئیں گے؟"

"تمہارے پاس؟"

"ہاں۔"

"آجاؤں گا یا پھر کیوں نہ یہاں باغ میں آجائیں؟"

"باغ میں آجائیے۔ اس فوارے کے پاس۔"

"اوکے!" میں نے کہا اور افشاں مطمئن ہوگئی۔ رات کے کھانے کے بعد میں نے کچھ وقت سب کے ساتھ گزارا اور پھر جب سب اپنے اپنے کمروں کی طرف گئے تو میں طالوت کو پوزیشن بتا کر باغ کی طرف چل پڑا۔

میرے پہنچنے کے چند ہی منٹ کے بعد افشاں پہنچ گئی۔ اس کے ہونٹوں پر دل آویز مسکراہٹ تھی۔

"آپ کو انتظار تو نہیں کرنا پڑا؟"

"نہیں۔ صرف چند منٹ گزرے ہیں۔"

"ایک بات کہوں۔ کیا اچانک ہمارے دلوں میں ایک دوسرے کی تڑپ بڑھ نہیں گئی ہے۔ آپ کے بارے میں سوچتے ہوئے تو میں یہی محسوس کرتی ہوں۔ یوں کہئے' اماں جی اور ابا جی کی اس ہلکی سی مخالفت نے ہماری محبت اور بڑھا دی ہے۔ ہم ایک دوسرے کے بارے میں زیادہ محبت سے سوچنے لگے ہیں۔" افشاں شرمگیں انداز میں بولی۔

میں خاموشی سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

"غلط کہا ہے میں نے؟" وہ مجھے خاموش پا کر بولی۔

"نہیں افشاں۔ یہ بھی محبت کی کوئی اہم طلب ہے۔" میں آہستہ سے بولا۔

"اب آپ کا کیا حال ہے؟" افشاں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"انتہائی پرسکون اور مطمئن ہوں۔" میں نے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا آپ کو ہمیشہ مطمئن اور مسرور رکھے۔" افشاں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ مجھے خدا پر۔۔۔ اور افشاں پر پورا پورا بھروسہ ہے۔"

"میں کبھی آپ کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچاؤں گی۔"

"مجھے یقین ہے افشاں!"

"صبح کو امی سے بات ہوئی تھی۔"

"اوہ!" میں نے اس بات سے اجنبیت ہی مناسب سمجھی۔

"ہاں! میں نے ان سے کافی کھل کر بات کی ہے۔ میرا خیال ہے انہیں صورت حال کا اندازہ تو ہو چکا ہے۔ اب یہ بات ان پر منحصر ہے کہ وہ کتنی سمجھ داری سے کام لیتے ہیں۔"

"خدا کرے وہ ہمارے درمیان کوئی دیوار نہ کھڑی کریں۔"

"اونہہ۔ ساری دیواریں گر جاتی ہیں صائم صاحب! آپ پرواہ نہ کریں۔"

"خدا کی قسم' اب کوئی پرواہ نہیں ہے لیکن افشاں اگر آپ اجازت دیں تو ایک درخواست کروں؟"

"ضرور!"

"آپ محسوس تو نہیں کریں گی؟"

"نہیں۔ آپ کہیں۔" افشاں نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ فرم کے افتتاح کے بعد ہم اپنے مکان میں منتقل ہوجائیں۔"

"اوہ! دوبارہ یہ خیال کیوں آیا؟ اس کا جواز کیا ہے؟"

"صبح کو آپ ناشتے پر موجود نہیں تھیں۔ نواب جلال الدین کے سامنے یونہی تذکرہ ہوا۔ تنویر صاحب بھی موجود تھے۔ انہوں نے اس بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ گویا ایک طرح سے وہ راضی تھے جبکہ اس سے قبل وہ اس بات کی شدید مخالفت کرتے تھے۔ خدانخواستہ اس بات سے تنویر صاحب کی کوئی شکایت مقصود نہیں ہے بلکہ میں سوچ رہا ہوں کہ یوں بھی اب ہمارے یہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور پھر ان دونوں حضرات کے رویے میں کوئی تبدیلی ہوئی تو خواہ مخواہ رنج ہوگا۔"

افشاں سر جھکا کر کچھ سوچنے لگی' پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا "ٹھیک ہے صائم صاحب! لیکن اپنے اس رویے پر انہیں خود ہی شرمندگی ہوگی۔" اس کے لہجے میں ترشی آگئی۔

"نہیں افشاں! اس موضوع پر آپ کوئی سختی نہیں کریں گی۔ یہ ضروری بھی ہے۔ بعد کے معاملات کے لیے ہمارا کچھ فاصلہ ضروری ہے اور پھر میرا خیال ہے یہ مخالفت کسی عداوت کی مظہر نہیں ہے۔ تنویر صاحب بھی اسی رسمی دنیا کے انسان ہیں' جو جھوٹی انا کی خاطر غلط فہمیوں کو ضروری سمجھتی ہے۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں آپ سے اتفاق کرتی ہوں اور آپ دیکھیں گے کہ ان لوگوں کو اس بات کی کیا قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔"

"تو تمہاری طرف سے اجازت ہے؟"

"ہاں۔ اجازت کیا' بلکہ اب تو میں بھی یہی چاہتی ہوں۔" افشاں کی آنکھوں سے کوئی خیال جھلک رہا تھا۔ نہ جانے وہ اس بارے میں کیا سوچ رہی تھی۔ بہرحال کافی دیر تک ہم مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ افشاں کے انداز میں ذرا بھی تشویش نہیں تھی۔ وہ پورے یقین سے کہہ رہی تھی کہ وہی ہوگا جو ہم دونوں چاہتے ہیں۔ پھر ہم واپس چل پڑے۔

کمرے میں طالوت میرا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے اسے افشاں سے گفتگو کی تفصیل بتائی اور اس نے بھی مطمئن انداز میں گردن ہلائی "ٹھیک ہے عارف' یہی مناسب ہے۔ ویسے اچھا ہے معمولات میں کچھ تبدیلیاں ہی آئیں۔" اور میں جلنے لگا پھر ہم سو گئے اور دوسرا دن حسب معمول تھا۔ دن کے گیارہ بجے تک ہم کوٹھی میں رہے اور پھر اجازت لے کر نکل آئے۔ کارپٹ سینٹر پہنچے تو جمشید صاحب موجود تھے۔

"میری مانیں جمشید بھائی تو آپ امریکا کی سکونت ترک کر کے واپس اپنے وطن آجائیں۔ یہاں ہم کاروبار میں آپ کی مدد کریں گے اور وقتی طور پر تو یہ فرم حاضر ہی ہے۔"

"میرا دلی خواہش یہی ہے۔ بٹ' ان لوگوں کو چھوڑنا بھی ممکن نہیں ہے ورنہ۔۔۔"

"اور سنائیں کیا حال ہے؟"

"ٹھیک ہائے۔"

"کل آپ نے افشاں کی بات کا برا مانا تھا؟"

"اوہ نہیں۔ افشاں ٹھیک بولا تھا۔ ہم ایک دم قلاش انسان ہائے کیا ہے ہمارے پاس۔ امریکن لوگ ہمیں بلیک انڈین بولتا ہائے اور ہمارے ملک کا لوگ ہمیں امریکن الو۔ نہ ہمارا وطن وہ ہے نہ یہ۔ ایسا نوش لوگ کون ہوگا' جو اپنے وطن میں گھر اور عزت حاصل کرنے کی بجائے اپنا وطن ہی کھو بیٹھے۔ بس ایک گنوار ہائے جس کے مرغے سڑے ہوئے ہیں۔ ہم نے اسے رات کو توڑ دیا۔"

"ارے!" ہم دونوں چونک پڑے۔

"ہاں۔ اب ہم گنوار نہیں بجائے گا۔" جمشید نے کہا۔ اس کی آواز سپاٹ تھی لیکن چہرے کے تاثرات گمبھیر تھے۔ ہمیں اس کی کیفیت سے بہت دکھ ہوا تھا۔

"ان لوگوں نے واقعی بدتمیزی کی تھی جمشید بھائی۔ ہم انہیں ڈانٹیں گے۔"

"ارے نہیں نہیں۔ ٹھیک بات پر کسی کو ڈانٹنا مناسب نہیں ہائے۔ پلیز آپ ان لوگوں کو کچھ نہیں بولیں گا۔"

جمشید نے کہا۔

"تصدق!" میں نے تصدق کو آواز دی۔

"جناب!"

"وہ عذرا آئی ہے؟"

"جی۔ وہ وقت پر آگئیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"کاؤنٹر آفس میں بیٹھی ہیں جناب۔ میں نے سیکریٹری کی حیثیت سے ان کی سیٹ لگوا دی ہے اور ان کے طلب کرنے پر کچھ کام ان کے سپرد کر دیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ اسے احساس نہیں ہونا چاہئے۔ ہم نے اسے خصوصی مراعات دی ہیں۔ ویسے جمشید بھائی آپ اس کو ساتھ کہاں گئے تھے؟"

"بس اسٹاپ پر۔ اسے بس پر چھوڑنے۔"

"کیسی ہے آپ کی جان پہچان کہاں ہوگئی؟"

"ڈینگ پال میں۔ وہ خود ہم سے بولا کہ اسے نوکری کا ضرورت ہے۔ ہمیں اس پر ترس آگیا۔"

"ترس' یا کچھ اور؟"

"اوہ۔ سوری۔ کیا ہم غلط بول گیا۔ اسے ترس نہیں بولتا؟" جمشید نے کہا۔

"بولتا تو ہے لیکن بہرحال آپ اتنے اچھے انسان ہیں کہ آپ پر شک کرنے کو دل نہیں چاہتا۔" میں نے کہا اور جمشید خاموش ہوگیا پھر میں نے تصدق سے کہا "تصدق! تم جمشید صاحب سے ضروری امور میں مشورے لیتے رہا کرو۔ بہرحال ان کا تعلق امریکا سے ہے۔ ایک جدید ترین ملک سے۔ بعض امور میں یہ مفید مشورے دیتے رہیں گے اور جمشید بھائی! براہ کرم آپ جب تک یہاں ہیں ہماری مدد کریں۔ آپ باقاعدہ دفتر آیا کریں۔ ہم آپ کو حقیر سا نذرانہ بھی پیش کر دیا کریں گے۔"

جمشید نے احسان مندی سے گردن جھکا دی تھی۔

"بعض اوقات تم ایسی پیاری باتیں کرتے ہو کہ روح خوش ہو جاتی ہے۔" دوپہر کو اپنی نئی کوٹھی جاتے ہوئے طالوت نے کہا۔

"مثلاً؟"

"اب جمشید کے بارے میں میرے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ اس بے چارے کو کوئی گھاس نہیں ڈالتا' یہاں تک کہ بڑی ماں بھی اس کی طرف توجہ نہیں دیتیں۔ نہ

جانے اس کے پاس کچھ رقم بھی ہے یا نہیں۔ بظاہر تو اس کا کوئی خرچ نہیں ہے لیکن پھر بھی۔"

"ہاں یار۔ بہرحال وہ بھی ان لوگوں کی فہرست میں شامل ہوگیا ہے جو ہمارے پسندیدہ ہیں اور جنہیں ہماری مدد کی ضرورت ہے۔"

"بے شک!" طالوت نے جواب دیا۔ ان معاملات میں وہ بے حد سنجیدہ ہو جاتا تھا۔

کوٹھی کے گیٹ پر نئے چوکیدار نے ہمیں سلام کیا۔ گو دروازہ خود کار تھا لیکن بہرحال چوکیدار کی ضرورت تو تھی۔ اس کے علاوہ تصدق کو دفتر ملازمت روانہ کر دیا گیا تھا جہاں سے اسے کوٹھی کے لیے ملازموں کا بندوبست کرنا تھا۔ ہم اندر داخل ہوگئے اور عمارت کا آخری جائزہ لینے لگے۔ ہر طرح سے مکمل عمارت تھی' بس ملازموں کی کمی تھی۔

لیکن یہ کمی ٹھیک تین بجے پوری ہوگئی۔ تصدق ملازموں کی پوری فوج لے آیا تھا۔ ان میں خانساماں بھی تھے' بیرے بھی۔ گھر کی صفائی کرنے والی خادمائیں تھیں اور مالی بھی۔ تقریباً اکیس افراد تھے۔ طالوت کے سامنے ضرورت مند آجائیں اور وہ کسی کو مایوس کر دے ناممکن بات تھی۔ چنانچہ سارے ملازم رکھ لیے گئے۔ اس کے علاوہ دو خوب صورت کاریں بھی آج ہی خریدلی گئیں جن کے لیے ڈرائیوروں کا بندوبست بھی دفتر روزگار سے ہی کیا گیا۔ یوں آج سارے کام مکمل ہوگئے۔ ملازموں کے لباس کے لیے طالوت نے خصوصی ہدایات جاری کر دی تھیں۔

اور اس دولت کے اس کھیل کو دیکھ رہا تھا۔ جو کام منہ سے نکلتا چٹکی بجاتے پورا ہو جاتا۔ کہاں ایسی زندگی گزاری تھی' کہاں ایسا محل دیکھا تھا۔ میں دیکھ رہا تھا اور خود کو اس کھیل میں شامل پا کر عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ یہاں کے سارے کاموں سے فراغت پا کر ہم واپس چل پڑے اور تنویر صاحب کے مکان پر پہنچے۔

کوٹھی میں چہل پہل تھی اور اس کی ریح رواں افشاں تھی۔ اس نے کل کی تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ لباسوں کا انتخاب ہو رہا تھا اور نہ جانے کیا کیا۔ ہمیں روحانی مسرت ہو رہی تھی۔ طالوت بھی خوش تھا۔ رات کے کھانے پر تنویر صاحب نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے اپنے کچھ دوستوں کو بھی مدعو کیا ہے۔

"اگر آپ نہ کرتے تو مجھے دکھ ہوتا۔" طالوت نے کہا۔

"کارڈ کم تو نہیں پڑے؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں بھئی۔ وہ تو ضرورت سے بھی زیادہ چھپ گئے تھے۔" تنویر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اب کل کا کیا پروگرام ہے بھئی؟ یقین کرو بڑی بے چینی سے وقت گزر رہا ہے۔ بڑے بڑے خیالی بت بنائے ہیں تمہاری اس فرم کے۔" نواب جلال الدین نے کہا۔

"ساری تیاریاں مکمل ہیں نواب صاحب۔ کوئی کام باقی نہیں رہ گیا ہے۔ درحقیقت تنویر صاحب نے ہمیں تصدق کی شکل میں ایک زبردست تحفہ دے دیا ہے۔ چراغ کے جن کی طرح ہر کام چٹکی بجاتے میں کر دیتا ہے۔"

"آدمی کچھ خوبیوں کا ضرور تھا لیکن میں نے اس کی اس صلاحیت کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا تھا۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ وہ تمہارے کام آسکا۔"

"کل کے پروگراموں کے بارے میں چند اہم باتوں کی اجازت چاہتا ہوں۔" میں نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ اجازت اجازت۔" نواب جلال الدین جلدی سے بولے۔

"جیسا کہ عرض کر چکا ہوں کہ کل ہی ہم اپنے مکان میں منتقل ہو جائیں گے۔ فرم کے افتتاح سے فراغت کے بعد ہم سب سیدھے وہیں چلیں گے اور میری مودبانہ درخواست ہے کہ نواب جلال الدین اور تنویر صاحب چند روز ہم غریب الوطنوں کے ساتھ گزاریں۔ آپ کو علم ہے کہ ہمارا یہاں آپ لوگوں کے سوا کوئی نہیں ہے۔ اس مکان میں جا کر ہم خود کو تنہا محسوس کریں گے لیکن ہمارے بزرگ ہمیں وہاں کی عادت ڈال دیں گے تو ہم ممنون کرم ہوں گے۔"

تنویر صاحب کے چہرے پر الجھن نظر آئی۔ وہ کسی کشمکش کا شکار ہوگئے تھے۔ نہ جانے ان کی جذباتی کیفیت کیا تھی لیکن نواب صاحب سادہ لوحی سے بول پڑے۔

"اماں یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ حد ہوگئی۔ چند روز نہیں صاحب زادے' چند ہفتے کہو۔ بھئی میں تو اب باقی وقت تمہارے گھر پر ہی گزاروں گا اور یہ تنویر۔ اس کی مجال ہے کہ۔۔۔"

"لیکن سوال یہ ہے جلال بھائی کہ انہیں وہاں جانے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" تنویر صاحب الجھے ہوئے انداز میں بولے۔

"کیا مطلب۔ یعنی اپنے گھر نہ جائیں۔ ساری زندگی تمہارے در پر پڑے رہیں۔"

"یہ کوئی غیر جگہ تو ہے نہیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے لیکن بھئی بچوں نے گھر بنایا ہے' اسے آباد کرنا بھی ضروری ہے۔ آج تنہا ہیں' کل تنہا نہ ہوں گے۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

اسے آباد کرنے کے لیے تمہیں پوری پوری مدد کرنا ہوگی۔"

"زندگی میں ایک دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ گھر آتے ہوئے ان لوگوں کا تصور آتا تھا تو ایک دلچسپی' ایک خوشی کا احساس ہوتا تھا لیکن نہ جانے کیوں۔ نہ جانے کیوں۔" تنویر صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے پھر گردن ہلاتے ہوئے بولے "حالانکہ یہ سب کچھ کہنے کا حق نہیں رکھتا۔ یہاں ان کے ساتھ برا سلوک بھی ہوا ہے لیکن غلط فہمیاں بعض اوقات نہ جانے کیا کیا گل کھلاتی ہیں۔"

"اوہ! وہ ہماری زندگی کا ایڈونچر تھا تنویر صاحب۔ براہ کرم اسے بالکل بھول جائیں۔" طالوت جلدی سے بولا۔

"لیکن۔۔۔ لیکن تمہیں ابھی مکان کی کیا ضرورت تھی۔ قصور تمہارا تو نہیں ہے۔" تنویر صاحب نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"قصور۔ کیسا قصور؟" نواب جلال الدین بولے اور تنویر صاحب چونک پڑے۔

"ہاں' میں یہی کہہ رہا تھا۔" وہ گھبرا گئے "بہرحال خدا تمہیں مبارک کرے مجھے جو حکم دو گے اس سے انکار نہیں ہوگا۔" تنویر صاحب بولے۔ ان کے چہرے پر اداسی پھیل گئی تھی۔

اور رات کو طالوت نے اس بارے میں خاص طور سے تذکرہ کیا "تم نے تنویر صاحب کی کیفیت دیکھی؟"

"ہاں۔ دل کا برا انسان نہیں ہے۔"

"فخور کیا۔ اس کے منہ سے کیا نکل گیا تھا؟"

"قصور والی بات کر رہے ہو؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں!"

"ویسے یہ بات ٹھیک ہی ہے۔ آخر اس میں میرا کیا قصور ہے؟"

"جی ہاں۔ کسی کے گھر میں زبردستی آگھسے' اس کی بیٹی کو شیشے میں اتار لیا اور اب کہہ رہے ہو قصور تمہارا نہیں ہے۔"

"اس میں بھی تمہاری حرکتیں مددگار تھیں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اچھا۔ بس اب سو جاؤ۔ کل کا دن مصروف ترین دن ہے۔" طالوت نے کروٹ بدل کر کہا اور میں نے فوراً اس کے حکم کی تعمیل کی۔ میری آنکھوں میں مستقبل کے خواب جاگ اٹھے۔ وہ حسین مستقبل جس میں افشاں جیسی شریک حیات' قدم قدم کی ہم سفر ہوگی۔ گو وہ منزل دور تھی اور اس کی راہ میں کچھ دیواریں تھیں لیکن افشاں کی ثابت قدمی نے اور طالوت کی دوستی نے یہ یقین دلا دیا تھا کہ دیواریں کتنی بھی ہوں' کیسی بھی ہوں اگر ضرور جائیں گی۔

دوسرے دن خاصی چہل پہل تھی۔ میرے ذہن میں ایک کھلبلی تھی۔ بڑی ماں نے تنویر صاحب کو افشاں سے ہونے والی گفتگو بتائی یا نہیں اور اگر بتا دی ہے تو تنویر صاحب کا ردعمل کیا ہے لیکن ناشتے پر تنویر صاحب اور دوسرے سبھی لوگ نارمل تھے۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس تھا۔ راسم کی انگوٹھی ابھی تک میری پاس تھی۔ مجھے ایک رات اور بڑی ماں اور تنویر صاحب کے کمرے میں گزارنی تھی۔ پوزیشن تو معلوم ہو جاتی۔ بہرحال اب تو وقت گزرنا تھا۔ ممکن ہے افشاں کوئی انکشاف کرے۔

ناشتے کے وقت تنویر صاحب کچھ اداس ہو گئے۔ اس بات کو سب نے ہی محسوس کر لیا "کیا بات ہے تنویر' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟" نواب جلال الدین نے پوچھا۔

"ہاں بھائی صاحب۔ کیوں؟"

"بس یونہی کچھ تھکے تھکے سے محسوس ہو رہے ہو۔"

"ان لوگوں کے جانے کے تصور سے اداس ہو گیا ہوں۔ درحقیقت ان سے بڑی چہل پہل تھی۔"

"اوہ! تنویر! اس کی بات مت کرو۔ جس وقت یہ جلال آباد میں تھے اس وقت ہماری حالت اس سے زیادہ خراب تھی۔ شکر کرو' یہ اس شہر سے نہیں جا رہے۔ بھئی تم تو واقعی خوش نصیب ہو۔ چند میل کے فاصلے پر رہو گے۔ میں تو جلال آباد جا کر یہاں کی تفریحات کو زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا۔ عین ممکن ہے مجھے بھی یہاں ہی بندوبست کرنا پڑے۔"

"سچ ابا جان۔ یہاں ایک مکان خرید لیں۔ جلال آباد کارندوں کے حوالے کر دیں۔ بس کبھی کبھی جا کر دیکھ بھال کر لی جائے گی۔ کبھی آپ کبھی احسان۔ ہم سب یہیں رہیں گے۔ یہاں زندگی ہے۔" سیمیں نے کہا اور نواب صاحب پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔

"پھر جب یہ اچانک چلے آئے تو ہنستوں پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا کسی نے۔ ایمان سے پورے جلال آباد پر سوگ طاری رہا تھا۔" سیمیں نے کہا۔

"اچانک چلے آئے تھے یہ لوگ؟"

"ارے بس نہ پوچھو۔ تڑپتا چھوڑ آئے تھے سب کو۔ میں نے سیکڑوں میل کھنگال ڈالے۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر دوسرے لوگوں کو ہمارے گھوڑوں پر فرار ہو جانے کا قصہ سنانے لگے۔

"اللہ! مگر انہوں نے ایسا کیوں کیا؟" بڑی ماں بولیں۔

مکتبہ پاک پبلیکیشنز

"کوئی بری نیت نہیں تھی۔ بس نہیں چاہتے تھے کہ ہم لوگوں کا رونا دھونا دیکھیں۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر بولے "ہاں تو حضرات! ہمارے لائق کوئی خدمت ہے؟"

"بس دعاؤں کی ضرورت ہے۔ کارکن سارے کام مکمل کر لیں گے۔ ہم یہاں سے چار بجے چلیں گے۔"

"اوہ' گویا مدعی سست اور گواہ چست والی بات ہے۔ تمہاری مرضی بھئی۔"

"یہ بات نہیں ہے جناب۔ سارے معاملات اطمینان بخش ہیں۔ دراصل عین وقت پر چل کر ہم آپ سے اپنے انتظام کی داد وصول کرنا چاہتے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"بھئی تم لوگ کیا کر سکتے ہو' اس کا فیصلہ تو کوٹھی دیکھ کر ہی ہوگا۔" تنویر صاحب مسکراتے ہوئے بولے اور نواب صاحب کا سینہ فخر سے پھول گیا۔ دوپہر کا کھانا' الوداعی کھانا تھا اس لیے خصوصی اہتمام کیا گیا تھا۔ اس کے بعد رات کو تو ہماری کوٹھی میں دعوت تھی۔ یہاں بھی ایک اداس کیفیت تھی۔ ہاں دوپہر کے کھانے کے بعد افشاں ہمارے کمرے میں آگئی۔

وہ مسکراتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور ہم دونوں نے اس کا خیر مقدم کیا "ارے عادل بھائی! وہ بے چاری شکیلہ آپ کو تلاش کرتی پھر رہی ہے۔" افشاں نے کہا۔

"اے کل کی لڑکی' سیدھی بات کر۔ درخواست کر تو چلے جائیں گے۔" طالوت اکڑ کر بولا اور افشاں ہنس پڑی۔

"حضور۔ سرکار مائی باپ۔ بندی التجا کرتی ہے۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"ہوں۔ اچھا۔ کیا یاد کرو گی۔" طالوت نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ میں اور افشاں ہنس پڑے تھے اور پھر افشاں پیار بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ کر بولی۔

"حضور! کنیز کے لیے کوئی کام تجویز کیا ہوتا؟"

"کیا ہے۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"حکم۔"

"میرے لیے لباس کا انتخاب کریں۔" میں نے کہا اور افشاں کھو سی گئی۔ وہ ایک لمحے کے لیے مجھے دیکھتی رہ گئی "کیوں' زیادہ مشکل کام ہے؟"

"ایسی بات نہ کہیں۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر جائیں گے تو میں آپ کا لباس نکال دوں گی۔"

"بہتر ہے۔" میں نے آنکھیں بند کر کے گردن جھکا دی۔

"اور کوئی کام بتائیں؟"

"بتاؤں؟" میں نے اسے شرارت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔ ضرور۔"

"دوسرا کام افتتاح کے بعد۔ جس وقت بھی موقع ملے آپ انجام دیں گی۔"

"ہاں ہاں' حکم دیں۔" افشاں نے کہا۔

"آپ میری دونوں آنکھوں کو بوسہ دیں گی۔ میری ساری کاوشوں کا ماحاصل ہوگا۔" میں نے دوسری طرف رخ کر کے کہا۔ افشاں کا چہرہ میری نگاہوں سے پوشیدہ تھا اس لیے اس کے تاثرات نہ پڑھ سکا لیکن اس کی خاموشی بہت سی کہانیاں سنا رہی تھی۔

"اور بتائیے۔" بالآخر اس کی آواز ابھری لیکن اس میں ایک شرگیں کپکپاہٹ تھی۔

"اوہ' باقی یہ کہ آپ آج کے انتظامات کے بارے میں صحیح رائے سے نوازیں گی۔"

"مجھے یقین ہے آپ نے سب کچھ ٹھیک ہی کیا ہوگا۔" افشاں پیار بھرے انداز میں بولی۔

"نوازش۔ مہربانی۔ ارے ہاں۔ اس بارے میں اور کوئی خاص بات؟"

"کس بارے میں؟"

"آپ نے بڑی ماں سے جو کچھ کہا تھا انہوں نے تنویر صاحب سے اس کا تذکرہ کیا ہوگا یا نہیں؟"

"آپ ابھی تک اسی معاملے میں الجھے ہوئے ہیں؟"

"ہاں افشاں! پلیز' مجھے بتاؤ۔"

"میرا خیال ہے کہ اماں جی گول کر گئیں۔ ان کی ہمت نہیں پڑی ہوگی۔" افشاں نے کہا۔

"ہاں۔ تنویر صاحب کے رویے میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔"

"ہوگی بھی نہیں۔ ویسے میں عرض کروں' گھر میں سب آپ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ جو بات ہوئی ہے صرف ایک ایسے تصور سے ہوئی ہے جو برائے والدین کے ذہنوں میں ہوتا ہے۔ صرف دنیا کا خوف لیکن کوئی بات نہیں۔ بچے ہیں' آہستہ آہستہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" افشاں نے آخر میں مسخرے انداز میں کہا۔

"جی ہاں' جی ہاں!" میں نے پرزور تائید کی اور افشاں ہنس پڑی اور پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔

"ارے ہاں افتتاح کون کرے گا؟"

"آپ تیار نہیں ہیں؟"

"نہیں پلیز۔ تماشا نہ بنوائیں۔" افشاں نے عاجزی سے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"ٹھیک ہے۔ پھر آپ فیصلہ فرمادیں۔" میں نے کہا۔
"نہیں۔ اس بارے میں آپ کے ذہن میں کوئی تصور تو ہوگا؟"
"ہاں ہے تو سہی لیکن اگر آپ متفق نہ ہوئیں؟"
"تو آپ کو منع کردوں گی۔" افشاں نے کہا۔
"واقعی؟"
"کیوں؟ کیا میں منع نہیں کرسکتی؟"
"یہ بات آپ بخوبی جانتی ہیں۔" میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
"سمجھی تو کہہ رہی ہوں۔" افشاں نے جواب دیا۔
"تب سنئے۔ ابھی یہ بات میرے' عادل اور تصدق کے درمیان ہے۔ ہم بوا سے افتتاح کرائیں گے۔"
"بوا سے؟" افشاں ہنس پڑی۔
"ہاں اور اس کے بعد انہیں تحائف پیش کیے جائیں گے۔"
"ایمان سے بہت شریر ہیں آپ دونوں۔" افشاں ہنستی ہوئی بولی۔
"آپ کی منظوری چاہیے؟"
"خوشی سے منظور۔ دل سے منظور' بلکہ بہت عمدہ۔" افشاں نے کہا۔
"خدا کا شکر ہے۔" میں نے گہری سانس لے کر کہا۔
"اب چلتی ہوں۔ ممکن ہے عادل بھائی موجود ہوں اور دروازے کے پاس سے ہماری باتیں سن رہے ہوں۔" افشاں ہنستی ہوئی بولی اور میں نے اسے خدا حافظ کہہ کر رخصت کردیا۔
شام کو ٹھیک پونے چار بجے ہماری تمام کاریں تنویر صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گئیں۔ ان میں دو قیمتی کاریں ہمارے استعمال کی تھیں۔ باقی اسٹاف وین' اسٹاف کاریں تھیں جن پر کارپٹ سینٹر کے مونوگرام تھے۔ باوردی ڈرائیور گاڑیوں کو قطار میں کھڑا کرکے ان کے نزدیک مودب کھڑے ہوگئے۔ ملازموں نے اندر آکر اطلاع دی تھی۔ سب تیار تھے اور ہال میں بیٹھے خوش گپیاں کررہے تھے۔
"چلئے حضرات!" میں نے کھڑے ہوکر درخواست کی اور سب کھڑے ہوگئے لیکن کوٹھی کے بیرونی دروازے کے باہر کا منظر دیکھ کر ایک لمحے کے لیے سب ٹھٹک گئے۔
"ماشاء اللہ۔ ماشاء اللہ!" نواب جلال الدین کے منہ سے نکلا۔ ڈرائیوروں نے جھک کر گاڑیوں کے دروازے کھول دیے۔ میں نے پیار بھری نگاہوں سے افشاں کی طرف دیکھا۔
"حضور کے لیے سفید رنگ کی کار ہے۔" میں نے آہستہ سے کہا۔
"نوازش!" افشاں کا چہرہ فرط مسرت سے سرخ ہورہا تھا پھر گاڑیوں کی ترتیب یوں رہی۔ سفید رنگ کی عظیم الشان کار میں نواب جلال الدین' میں' افشاں' سیمیں اور کمال تھے۔ سرمئی رنگ کی کار طالوت کی تھی۔ اس میں تنویر صاحب' بڑی ماں' شکیلہ' طالوت اور عمران تھے۔ دوسرے لوگ بھی تھے جیسے بوا اور کچھ دوسرے افراد۔ بہرحال گاڑیاں کافی تھیں۔ میں چور نگاہوں سے افشاں کو دیکھ لیتا تھا۔ اس کا چہرہ گلنار ہورہا تھا۔ آنکھیں مسرت سے چمک رہی تھیں۔
راستے میں مکمل خاموشی رہی۔ اس شان و شوکت کی نواب جلال الدین کو بھی امید نہیں تھی حالانکہ ہمارے بارے میں وہ بہت کچھ جانتے تھے لیکن پھر بھی کوئی حد ضرور ہوتی ہے۔ کوئی کھیل کہیں جاکر ختم ہوتا ہے۔ نواب جلال آباد خرید کر نواب جلال الدین کو دے دیا تھا۔ ممکن ہے بات نہیں تھی اور اب یہ سب کچھ۔ کوٹھی دیکھ کر ہی ان کی آنکھیں کھل گئی تھیں اور ابھی تو ایک معمولی سی جھلک انہوں نے۔ ابھی تو بہت کچھ باقی تھا۔
تھوڑی دیر کے بعد ہم کارپٹ سینٹر کی شاندار عمارت میں داخل ہوئے۔ بینڈ بج رہے تھے۔ تصدق نے خوب بندوبست کیے تھے۔ بے شمار مہمان آچکے تھے۔ دلچسپ بات جو ہم نے دیکھی وہ یہ تھی کہ شمشیر' تصدق کے پاس کھڑا تھا۔ عقب میں جمشید بھائی موجود تھے۔
تصدق نے آگے بڑھ کر ہمارا استقبال کیا۔ یہ انوکھی بات تھی حالانکہ ہمیں مہمانوں کا استقبال کرنا چاہیے تھا لیکن مہمان ہمارا استقبال کررہے تھے۔ ویسے روح رواں تصدق تھا اور اس وقت وہ ایک قیمتی سوٹ میں خوب جچ رہا تھا۔ بے شمار لوگوں نے ہم سب کو پھولوں میں لاد دیا۔ عظیم الشان ہال میں ایک اسٹیج بنایا گیا تھا جس پر مائیک وغیرہ لگے ہوئے تھے۔
نواب جلال الدین بھی اس وقت کھوئے ہوئے تھے۔ ایک ایک چیز دیکھ رہے تھے۔ ہال کی ڈیکوریشن اور دوسرے کام پھر مہمانوں سے تعارف ہوا۔ بڑے بڑے لوگ تھے۔ شہر کے سربرآوردہ' جن کا تعلق ہر محکمے سے تھا۔ یہ تنویر صاحب کی کارروائی تھی۔ انہوں نے جان بوجھ کر ایسے لوگوں کو مدعو کیا تھا جن سے مستقبل میں ہمارا واسطہ پڑسکتا تھا۔
بہرحال اس کے بعد کارروائی شروع ہوگئی۔ عمارت

اتنی بڑی تھی کہ یہ بے شمار مہمان ایک ہال میں ہی سما گئے تھے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات کا ٹھیکہ ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل کو دے دیا گیا تھا۔ سرخ سفید وردی میں ملبوس بیرے ٹرالیاں لیے پھر رہے تھے' جن میں شراب کے علاوہ ہر چیز موجود تھی۔
اس کے بعد افتتاح کا وقت آیا۔ شوروم کے دروازے پر فیتہ لگا ہوا تھا' جس کو کاٹنے والے کے نام کا ابھی اعلان نہیں ہوا تھا۔ بالآخر اس کا اعلان بھی تصدق نے کیا۔ بوا اس وقت اس کے قریب ہی کھڑی ہوئی تھیں۔ تصدق نے کہا۔
"معزز مہمانوں سے درخواست ہے کہ متوجہ ہوں۔ آج کا مہمان خصوصی جس ہستی کو منتخب کیا گیا ہے' اس سے ہمارے کچھ جذبات وابستہ ہیں۔ بزرگ ہی ہمارے رہنما اور راہبر ہوتے ہیں۔ پہلے وہ ہماری پرورش کرتے ہیں اس کے بعد ہمیں زندگی کے راستوں پر گامزن کرتے ہیں۔ ابتدا میں ان کا عمل ہمارے جسم اور ذہن کی نشوونما کرتا ہے اور بعد میں ان کی دعائیں راہبر ہوتی ہیں۔ چنانچہ کارپٹ سینٹر کے افتتاح کے لیے جناب عادل و جناب صائم نے بوا یقین کو منتخب کیا ہے۔"
تصدق نے بوا کا ہاتھ اونچا کردیا۔
"اے ہٹ۔ یہاں بھی باز نہیں آتا کم بخت۔" بوا نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑالیا اور دانت پیس کر بولیں۔ کچھ مہمانوں نے قہقہے لگائے تھے اور تصدق گھبرائے ہوئے انداز میں پیچھے ہٹ گیا۔ بوا تو وہاں بھی دو چار جڑ سکتی تھیں۔ نواب صاحب اور تنویر صاحب نے پرجوش تالیاں بجائی تھیں۔ [illegible] آگے بڑھا۔
"تشریف لے چلیں بوا!"
"اے ہمان بھیا۔ ہائے اتنے سارے مردوں میں میری جان تو ویسے ہی نکلی جارہی ہے۔"
"ہمارے [illegible] سے کاروبار کا افتتاح آپ کریں گی۔"
"مجھ سے کرا [illegible] ہے بھیا۔ کسی اور سے کرالو۔" لجاجت سے بولیں۔
"اوہ' بوا! ہم آپ کو بتادیں گے۔ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہم آپ کے ہاتھوں کی برکت چاہتے ہیں۔"
"اے میرے مولا۔ میں کیا کروں!" بوا بری طرح گھبرا رہی تھیں۔
"مری کیوں جارہی ہیں بوا۔ سب کے سامنے مذاق بنوا رہی ہیں۔ کوئی مل تو نہیں چلانا پڑے گا آپ کو۔" سیمیں نے کہا۔ افشاں اور شکیلہ ہنس رہی تھیں۔
"چلو۔ اللہ تمہیں سلامت رکھے۔" بوا آگے بڑھیں۔ مہمان پیچھے پیچھے چل رہے تھے "ائے یہ موئے کیوں پیچھے لگ گئے ہیں۔ دیکھو تو سب کے سب چلے آرہے ہیں۔"
"ارے ارے بوا یہ ہمارے مہمان ہیں۔" افشاں آواز دبا کر بولی۔
"توبہ بھی آئیں گے؟" بوا بولیں۔
"ہاں۔ ظاہر ہے۔ آپ نے انہیں بلایا ہے۔"
"ارے لو۔ قسم لے لو' ایک سے بھی کہا ہو۔ میں کیوں بلاتی ان مٹ گیوں کو۔" بوا اپنی پوزیشن صاف کرنے لگیں۔
"اچھا اچھا ٹھیک ہے چلتی رہیں۔"
"اب یہ سب میرا تماشا دیکھیں گے۔" بوا ہلکان ہوئی جارہی تھیں۔ انہیں گمان بھی نہیں تھا کہ ان کے اوپر ایسی بیتے گی۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا ہورہا ہے۔
"اے جمشید!" بوا نے رازدارانہ انداز میں جمشید سے کہا۔
"یس یس۔ کیا بولتا پڑتا بوا؟" جمشید جھک گیا۔
"کیا ہوگا بیٹا اور کیا کریں گے اب یہ سب؟"
"اوہ! اب یہ قینچی لائیں گا اور سب کا سامنے تمہارا چوٹی کاٹیں گا۔" جمشید نے آہستہ سے کہا لیکن میں نے سن لیا تھا۔ بلاشبہ اس نے بدمعاشی کی تھی۔ بوا سہم کر رک گئیں۔ دوسرے لوگوں نے جمشید کی بات نہیں سنی تھی۔ سب بوا کو پیچھے سے دھکیل رہے تھے اور بوا کا رنگ زرد ہوگیا تھا۔ ان کی کوئی سن تو رہا نہیں تھا' بس انہیں سولی پر لٹکانے لے جایا جارہا تھا۔ اتنے لوگوں کے سامنے زیادہ بول بھی تو نہیں سکتی تھیں۔ اچھی تقریب میں آئی تھیں۔ بالآخر انہیں فیتے کے قریب لاکر کھڑا کردیا پھر ایک ملازم ہاتھوں میں چوڑی کترنی لے کر قریب پہنچ گیا جس میں قینچی رکھی ہوئی تھی۔
بوا نے قینچی دیکھی تو ان کے رہے سہے اوسان خطا ہوگئے۔ چکر آگیا' کرنے لگیں اور سنبھلنے کے لیے تنویر صاحب کا سہارا لیا پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولیں "ائے بچے۔ اس آخری عمر میں مجھے بے عزت ہونے سے بچالو۔ ہائے چوٹی کٹ گئی تو لوگ کیا کہیں گے۔ کہاں منہ کالا کیا تھا۔"
"ارے تو اور کیا کررہے تم سب مل کر۔ کیا مجھے صرف ذلیل کرنے کے لیے یہ دھوم دھام نہیں کی گئی تھی؟"
"براہ کرم بوا۔ کوئی ایسی ویسی بات نہ کریں۔ اس وقت تمام لوگوں کی نگاہیں آپ پر ہیں۔ آپ کو صرف اتنا کام کرنا

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے کہ اس قینچی سے فیتہ کاٹ دیں۔"

"کیا کاٹ دیں؟" بوا چونک کر بولیں۔

"یہ رنگین فیتہ۔" تنویر صاحب نے فیتے کی طرف اشارہ کیا۔

"اسے کاٹنے سے کیا ہو جائے گا؟"

"بس صرف یہی کام ہے آپ کا۔"

"اے لو۔ کہاں گیا یہ جمشید۔ کہہ رہا تھا میری چوٹی کٹے گی۔" بوا کے چہرے کی رونق واپس آگئی "اے بھیا' تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو گے۔ ائے کہاں گیا یہ جمشید؟" لیکن جمشید اب لوگوں کے ہجوم میں کھسک گیا تھا۔

ضروری کارروائیاں ہو چکی تھیں اور اب فیتہ کٹنے کا وقت قریب گیا تھا۔ چنانچہ بوا سے درخواست کی گئی۔ طالوت نے جھک کر ان سے یہ فیتہ کاٹنے کے لیے کہا۔

"ائے کیوں کٹوا رہے ہو۔ اتنا خوب صورت تو ہے۔ میں گانٹھ کھول دوں گی۔ اسے کٹوا مت۔" بوا نے کہا۔

"اوہو۔ بوا۔ یہ ضروری ہے۔" طالوت بولا۔

"تمہاری مرضی۔ تمہاری چیز ہے مجھے کیا۔" بوا نے قینچی اٹھائی اور پھر فیتہ کاٹ دیا۔ چاروں طرف سے تالیاں گونج اٹھی تھیں اور پھر مبارک بادیں برسنے لگیں۔ پھر تمام معزز مہمانوں کو فرم کے مختلف شعبے دکھائے جانے لگے۔ شوروم دکھایا گیا۔ پوری عمارت کی سیر کرائی گئی۔ لوگوں کی آنکھوں میں تحسین کے آثار تھے اور پھر سب واپس ہال میں آگئے' جہاں چند دعائیہ تقریریں ہوئیں جن میں نواب جلال الدین اور تنویر صاحب کی تقریر بھی شامل تھی۔ انہوں نے اپنے پر خلوص جذبات کا اظہار کیا تھا پھر اخباری نمائندوں نے ہمارے کاروبار کے بارے میں کچھ سوالات کیے اور میں نے انہیں بتایا کہ فی الحال ہم دنیا کے مختلف ممالک کو قالین ایکسپورٹ کریں گے اور پھر اپنی فیکٹری میں بھی لگانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

بہرحال انتہائی شان دار رہی تھی یہ تقریب پھر اس کا اختتام ہو گیا۔ مہمان رخصت ہونے لگے۔ بے شمار لوگ چلے گئے اور جو باقی بچے تھے' جا رہے تھے۔ شمشیر اور اس کی بیوی رقیہ بھی دوسرے مہمانوں کے ساتھ شریک رہے تھے۔ بالکل الگ تھلگ' اجنبی اجنبی سے اور پھر اس وقت وہ بھی دوسروں کے ساتھ جانے لگا تو میں نے طالوت کو اشارہ کیا۔ طالوت نے شمشیر کو لپک لیا۔ نواب صاحب' تنویر صاحب اور دوسرے افراد بھی یہاں موجود تھے۔

"ارے ارے شمشیر صاحب! یعنی آپ مسلسل زیادتی پر آمادہ ہیں۔" طالوت نے اسے روکتے ہوئے کہا اور وہ چونک کر رک گیا۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے ہم سب کو دیکھا۔ اس کی بیوی کے چہرے کے تاثرات اب بھی مخلصانہ تھے اور وہ مسکرا رہی تھی۔

"خیریت؟ کیا زیادتی ہو گئی میری جانب سے؟" اس نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یعنی یوں لگتا ہے جیسے آپ سے کوئی قرابت داری ہی نہیں ہے۔ عام مہمانوں کی طرح آئے ہیں اور عام مہمانوں کے سے انداز میں واپس جا رہے ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"اوہ! مجھے کوئی فوقیت حاصل ہے؟"

"یقیناً۔ نواب صاحب سے آپ کے جو بھی تعلقات ہوں' تھوڑی سی قربت تو ہم سے بھی ہے۔"

"سمجھی نہیں ہو گی ہے۔ ویسے میں آپ کی اس کاوش کی داد ضرور دوں گا جو آپ نے خود کو چھپانے کے لیے کی۔"

"اوہ۔ شکریہ' لیکن میں سمجھا نہیں؟" طالوت نے کہا۔

"مجھے آخر وقت تک ہوا نہیں لگنے دی کہ سازش کی نوعیت کس کی ہے اور اس میں کیا ہو رہا ہے؟"

"اوہ! ہم نے کئی بار سوچا کہ آپ سے اس بارے میں مشورہ کریں لیکن فرصت ہی نہیں مل سکی۔"

"خیر' کچھ نہ کچھ تو آپ کو کہنا ہی ہے۔" شمشیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہرحال اب تو ہم لوگ ہم پیشہ بھی ہو گئے اور پھر دیرینہ تعلقات۔ مجھے مسرت ہو گی اگر آپ دونوں یعنی خاتون اور آپ' رات کا کھانا بھی ہمارے ساتھ ہی کھائیں۔"

"معاف کیجئے گا جناب' ویسے میں یہ نہیں پہچان سکا کہ آپ عادل ہیں یا صائم؟"

"عادل!" طالوت نے جواب دیا۔

"جی عادل صاحب! تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ ممکن نہیں ہے اور نہ ہی مناسب۔ ہم ایک دوسرے کے کاروباری حریف ہوں گے اور مستقبل میں بڑے بڑے معرکے بھی ہوں گے اس لیے ہمیں ابھی سے تیاری کر لینا چاہیے۔ یہ دوستانہ فضا ہم میں سے کسی کو راس نہیں آئے گی۔" شمشیر نے عجیب سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا اور پھر ہم دوسروں کی طرف دیکھتے ہوئے بولے "اجازت حضرات؟"

"آپ کی مرضی شمشیر صاحب! ویسے آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے گھوڑے ہمارے معمولی سے ٹٹو کے مقابلے میں بھی پٹ جاتے ہیں۔" طالوت بھی کم نہیں تھا۔

"ٹھیک ہے۔ اس ریس کورس میں بھی قسمت آزمائی

کر لیں گے۔ ممکن ہے اس بار آپ کا ٹٹو نہ دوڑ سکے۔" شمشیر نے کہا اور اپنی بیوی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھ گیا۔

طالوت نے قہقہہ لگایا تھا "شمشیر تو ٹٹو بن کر رہ گیا ہے نواب صاحب!"

"کمینے باپ کا کمینہ بیٹا۔ اس کی فطرت ہی خراب ہے۔" نواب صاحب ہونٹ چبا کر بولے۔

"لیکن یہ شمشیر کو عادل اور صائم سے کیا پرخاش ہے؟ میں نے ریس کورس میں بھی محسوس کیا تھا۔"

"بس یہ خدا واسطے کے بیریوں میں سے ہے۔ جہنم میں جائے۔" نواب صاحب بولے۔ مہمان رخصت ہوتے رہے اور پھر سارے مہمان چلے گئے۔ تصدق' جمشید اور کمال ایک جگہ کھڑے تھے۔ سارا اسٹاف دست بستہ تھا۔ تب طالوت نے سب کو اشارہ کیا اور واپس ہال میں آگیا پھر اس نے تصدق سے کہا کہ پورے اسٹاف کا تعارف کرایا جائے اور سب کی حیثیت بتا دی جائے۔ چنانچہ فرم کے یکہ و تنہا مالک کی حیثیت سے میرا نام بتایا گیا۔ تصدق کو منیجر کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ خود طالوت نے کوئی حیثیت قبول نہیں کی تھی۔ تمام لوگوں نے مجھے مخلصانہ مبارک باد دی اور پھر ایک مختصر سی تقریر میں نواب جلال الدین نے' تنویر صاحب نے اپنے خلوص کا اظہار کیا اور ملازموں سے کہا کہ وہ دیانت داری سے اپنے فرائض انجام دیں۔

اس کے بعد میں نے بھی کچھ جملے کہے اور طالوت کی ہدایت کے مطابق اعلان کیا کہ افتتاح کی خوشی میں مزید ایک ماہ کی تنخواہ ملازموں کو بطور انعام ادا کی جائے گی۔ اس کے علاوہ میں نے اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ میرے ساتھ بھرپور تعاون کریں اور یہ تصور لے کر یہاں سے اپنی زندگی کی ایک اہم ذمے داری پوری کرنے جا رہے ہیں۔ یہ ان کا کام ہو گا اور میرا کام یہ ہو گا کہ اس کاروبار میں جان ڈالنے کے علاوہ اپنے ایک ایک کارکن کا خیال رکھوں۔ اب سے کوئی شخص خواہ وہ کسی عہدے پر فائز ہو' ہر وقت میرے پاس آکر کاروباری اور ذاتی گفتگو کر سکتا ہے۔ اپنی کسی تکلیف' اپنے کسی مسئلے کو فوراً میرے سامنے پیش کر سکتا ہے۔

کارکنوں نے اس تقریر کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اس کے بعد بوا کو تحائف پیش کیے گئے اور پھر کارکنوں کو رخصت کی اجازت دے دی گئی۔ پھر ہم کوٹھی چل پڑے۔

کہیں بھی' کسی بھی انتظام میں جھول نہیں تھا۔ صرف ان شان دار انتظامات پر ہی تصدق کی تنخواہ دگنی کر دی گئی۔ کوٹھی جگمگ نور بنی ہوئی تھی۔ اسے دلہن کی طرح سجا دیا گیا تھا۔ میرا دل مسرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس وقت ذہن و دل پر کوئی بار نہیں تھا۔ بہرحال دوسرے تکلفات شروع ہو گئے۔ رات کی پہلی دعوت کھائی گئی جس کے بارے میں کوئی تذکرہ فضول ہے۔ بس وہ سب کچھ تھا جو ہو سکتا تھا۔ نواب جلال الدین اور تنویر صاحب کی آنکھیں کھل گئی تھیں۔

پھر لان کی نشست میں انہوں نے یہ سوال کر ہی ڈالا "میرا تو خیال ہے صائم میاں! تم نے یہاں بھی اپنی ایک ریاست کی چھوٹی سی برانچ ہی بنا ڈالی۔"

"اوہ جناب! یہ ممکن نہیں تھا۔ میری ریاست تو خوابوں کی ایک دنیا ہے۔ وہاں جو کچھ ہے اس کا تصور بھی یہاں نہیں کیا جا سکتا۔"

"بھئی ہم تو احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔" تنویر صاحب بولے۔

"آپ ہمیں شرمندہ کر رہے ہیں۔ آپ بزرگوں کی محبت ان ساری چیزوں سے زیادہ قیمتی ہے۔" میں نے کہا۔

"خدا تمہیں خوش رکھے۔" نواب جلال الدین بولے۔

"ہاں بھئی' یہ احمق انسان کیا بکواس کر رہا تھا؟" تنویر صاحب بولے۔

"کون؟" نواب صاحب نے چونک کر کہا۔

"یہی شمشیر!"

"اوہ! وہ کچھ نہیں۔ حشمت بذات خود بھی اچھا انسان نہیں تھا' اس کی اولاد بھی اس جیسی ہے۔"

"لیکن یہ کہہ کیا رہا تھا؟"

"ظاہر ہے ان دونوں کا ایک ہی کاروبار ہے۔"

"میرا تو خیال ہے عادل اور صائم میاں نے یہ کاروبار اسی کے لیے کیا ہے؟" تنویر صاحب بولے۔

"ہاں۔ بات کچھ ایسی ہی ہے۔ کیوں صائم میاں! چھپاؤ گے؟"

"نہیں جناب! آپ سے چھپانے کی کیا ضرورت ہے۔ شمشیر کی فرم کے سامنے یہ جگہ صرف اسی خیال سے خریدی گئی تھی۔ ہم اس شخص کو انسان بنانا چاہتے ہیں اور بن جائے گا۔ مشکل نہیں ہو گی۔" طالوت نے جواب دیا۔

"اور اس چھوٹی سی بات کے لیے تم نے یہ سب کچھ کر ڈالا؟"

"نہیں۔ یہ بات نہیں نواب صاحب۔ دراصل صائم میاں کو یہ علاقہ' یہ لوگ پسند آگئے انہوں نے یہاں قیام کا فیصلہ کر ڈالا۔ اب یہاں ان کے لیے کوئی مشغلہ بھی ضروری

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا۔ چنانچہ کچھ کرنا ہی تھا' سو یہ کر ڈالا تاکہ تھوڑی سی تفریح بھی رہے۔"

"خوب تفریح ہے بھائی' لیکن اس احمق نے تمہیں چیلنج کیا ہے؟"

"پہلے بھی کیا تھا ایک بار۔" نواب صاحب نے حقارت سے کہا۔

"ہم اسے جواب دیں گے۔"

"زندگی خراب کر بیٹھا ہے احمق کہیں کا۔ کیا مقابلہ کرے گا۔" نواب صاحب منہ بنا کر بولے۔

"لطف رہے گا نواب صاحب! میں تو ایک اور درخواست کروں گا۔" میں نے کہا۔

"کیا؟" نواب جلال الدین بولے۔

"آپ واقعی جلال آباد سے یہاں آجائیں۔ اس عمارت میں تنہا زندگی تو مشکل سے گزر سکے گی۔ جلال آباد آپ کارندوں کے حوالے کردیں اور یہاں ہی کوئی کاروبار کر ڈالیں۔"

"بھئی میں تو سادہ دل انسان ہوں۔ درحقیقت یہی کر بیٹھوں گا۔" نواب جلال الدین بولے۔

"اور آپ جانتے ہیں نواب صاحب' ہم بھی مصلحت آمیز گفتگو کے قائل نہیں ہیں۔" طالوت نے کہا۔

"ہاں جانتا ہوں۔"

"بس تو یہ مبارک فیصلہ آج ہی ہوجائے۔" میں نے کہا۔

"مشورے کے لیے وقت نہیں ملے گا؟"

"ابھی وو ننگ ہوجاتی ہے۔" طالوت بولا۔

"میں اس قرارداد کی پرزور حمایت کرتا ہوں۔"

"ہم بھی۔ ہم بھی۔ ہم بھی۔" چاروں طرف سے آوازیں ابھریں اور سب نے ہاتھ اٹھا دیے۔ ان میں سیمیں اور احسان بھی تھے۔

"میں بھی اپنے بچوں ہی میں خوش رہ سکوں گا۔ میری زندگی ہی کتنی ہے لیکن صائم میاں میری کچھ شرائط ہوں گی۔"

"سب منظور۔" میں نے کہا۔

"بس تو اپنی کوٹھی کے قریب ہی میرے لیے بھی ایک عمارت تعمیر کراؤ اور کاروبار کا انتخاب کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے کہا۔

"بس پھر میرے یہاں آنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔" نواب صاحب نے کہا اور پرجوش تالیاں بجا بجا کر ان کے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا۔ سب بے حد خوش و خرم نظر آرہے تھے۔ پھر فرم کے بارے میں گفتگو شروع ہوگئی۔ اس کے بارے میں ان لوگوں کا خیال تھا کہ پورے ملک میں اس کی ٹکر کی کوئی فرم نہیں ہوگی۔ غرض خاصی رات گئے تک ہنگامے جاری رہے اور پھر سونے کی ٹھہری۔ ملازموں نے سارے کمرے تیار کردیے تھے۔ مہمانوں کو ان کے کمروں میں پہنچا دیا گیا۔ میں اور طالوت بھی اپنے اپنے کمروں کی طرف چل پڑے۔

"آج سے ہم تم علیحدہ ہوگئے۔" طالوت نے کہا۔

"خدا نہ کرے۔ کیوں؟"

"میرا مطلب ہے رات کو۔ ظاہر ہے اپنے اپنے کمروں میں سوئیں گے۔"

"جی ہاں۔ آپ تو خدا سے یہی چاہتے ہوں گے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟"

"میں دیکھ چکا ہوں' آپ کی راج ہنس کا کمرا آپ کے کمرے سے کتنی دور ہے۔"

"تیرا ابھی فیصلہ جلد ہوجائے گا یار۔" طالوت ہنستے ہوئے بولا پھر چونک کر کہنے لگا "ایک بات تو بتا عارف!"

"ہوں!"

"ہم دونوں کے تعلقات کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

"ہم دونوں سے مراد؟"

"شکیلہ اور میں!"

"کسی خیال کی گنجائش ہے؟" میں نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ صرف ایک خیال کی۔"

"وہ کیا؟"

"ہم دونوں ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ اکثر رات کو بھی یک جا ہوتے ہیں لیکن ایک بات ذہن میں رکھنا۔ ہم دونوں پاکیزگی کی حدود میں ہیں اور اس وقت تک پاکیزگی کی حدود میں رہیں گے جب تک اخلاقی اور مذہبی طور پر ایک دوسرے کے نہ ہوجائیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھنا اور کبھی غلط نہ سوچنا۔"

"احمق ہو پورے۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں کوئی غلط تصور نہیں ہے۔" میں نے کہا۔

"شکریہ!" طالوت نے کہا اور مسکراتا ہوا اپنے کمرے

میں چلا گیا۔ میں بھی اپنے کمرے میں واپس آگیا۔ مسرت و شادمانی بدن کے روئیں روئیں میں سرایت کرگئی تھی۔ بہت ہی خوش تھا لیکن کمرے کی تنہائی پسند نہیں آئی۔ دل میں آرزو ابھری۔ کاش! افشاں یہاں ہوتی' کاش! اس کمرے میں تنہائی نہ ہوتی۔

لیکن انتظار کرنا تھا۔ انتظار۔ ابھی کچھ وقت لگے گا۔

میں نے مسہری پر لیٹ کر سوچا اور سونے کی کوشش کرنے لگا ورنہ خیالات کے ہجوم میں سونے کی گنجائش ہی کہاں تھی۔ کروٹ بدل لینے سے نیند تھوڑی آجاتی ہے۔ یہ جب سب کچھ ہوا تھا' یہ جو کچھ تھا' سونے کہاں دیتا تھا۔ خیالات چپکے سے ذہن کے گوشوں میں در آتے اور نہ جانے کہاں کہاں بھٹکانے لگتے۔

رات گزرتی رہی اور پھر آہستہ سے کمرے کے دروازے پر دھکا لگا۔ میں نے دروازہ بند نہیں کیا تھا' کھل گیا اور افشاں مسکراتی ہوئی اندر آگئی۔

میں جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ افشاں مسکرا رہی تھی۔

"کیا اجازت لینی چاہیے تھی؟" اس نے پوچھا۔

"شرمندہ کررہی ہیں افشاں!"

"ہرگز نہیں' اور للہ آپ یہ بالکل نہ کہیں کہ مجھے اس طرح نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"نہیں کہوں گا' یقین۔"

"شکریہ! دراصل ذاتی مبارک باد دینا تھی نا۔"

"ہاں۔ میں اسے وصول کرنے کے لیے بے چین تھا۔"

"یہی تھی آپ جاگ رہے ہوں گے۔"

"واقعی۔" میں نے مسرور نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"کیوں مورے بھی پوچھنے کی بات ہے؟" افشاں نے مسکرا کر کہا اور میں بے اختیار ہوگیا۔ میں نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے اور افشاں آہستہ آہستہ میرے قریب پہنچ گئی۔ اس نے میرے سینے پر سر رکھ دیا۔ میرا سینہ فرط مسرت سے پھٹنے لگا۔ ہم دونوں پہلی بار بے قابو ہوئے تھے۔ میرے ہاتھ افشاں سے لپٹ گئے تھے۔ افشاں کے ہاتھوں کی لرزش بھی نمایاں تھی۔ اس نے میرے کندھوں پر دونوں ہاتھ رکھ دیے تھے۔ کئی منٹ تک ہم اسی طرح رہے۔ ہم ساری دنیا کو بھول گئے تھے۔

پھر میں نے آہستہ سے افشاں کو علیحدہ کردیا۔ افشاں کی پلکیں بوجھل تھیں۔ اس کے چہرے پر ایک شرمگیں مسکراہٹ تھی۔

"میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کریں۔" بالآخر اس نے لرزتی آواز میں کہا۔

"آپ بھی افشاں بیگم! ظاہر ہے میں تو آپ کے غلام کی حیثیت رکھتا ہوں۔" میں نے کہا اور افشاں نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ایسا نہ کہیں۔ کنیز تو میں ہوں' ہمیشہ کے لیے۔" اس نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

"آنے والا وقت بتائے گا افشاں کہ آپ کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔" میں نے کہا اور افشاں بیٹھ گئی پھر کئی منٹ تک خاموشی زبان بنی رہی اور پھر اس نے کہا۔

"واقعی آپ نے بڑا طلسمی ماحول پیدا کردیا ہے۔ یہ سب جادو نگری کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اتنی خوب صورت کوٹھی اور ایسا عظیم الشان شوروم بنایا ہے آپ نے کہ بس۔"

"مہربانی۔ نوازش!" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ شمشیر کیا لاف و گزاف کررہا تھا؟"

"احمق ہے بے چارہ۔ بہرحال دلچسپی رہے گی۔"

"اس کی بیوی اس سے مختلف ہے۔ آج بھی اس نے ہم سے گھلنے ملنے کی کوشش کی لیکن میرا خیال ہے شمشیر نے اس کو تاکید کردی ہے کہ ایسا نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی چھاپہ مار دیا اور اسے ساتھ لے گیا۔"

"ٹھیک ہے۔ اس کا خیال رکھا جائے گا۔"

افشاں کافی دیر تک مجھ سے بات چیت کرتی رہی اور پھر اجازت لے کر اٹھ گئی۔ اس کے جانے کے بعد بڑی پرسکون نیند آئی اور صبح کو ہی آنکھ کھلی۔ میں سب سے بعد میں جاگا تھا۔ تمام لوگ نشست کے ہال میں موجود تھے۔ ایک ملازم نے اطلاع دی۔ چنانچہ سارے کام نہایت پھرتی سے کیے اور تیار ہو کر وہاں پہنچ گیا۔

سب اخبارات دیکھ رہے تھے۔ بہت سے اخبارات نے ہماری فرم کے بارے میں تفصیلات چھاپی تھیں۔ بے شمار تصاویر موجود تھیں لیکن شمشیر نے انتہائی جلد بازی میں ایک دلچسپ حرکت کی تھی۔ تقریباً سارے ہی اخبارات میں اس کی فرم کے بڑے بڑے اشتہارات تھے۔ اسے شاید گمان بھی نہ ہوگا کہ اخبارات ہمارے بارے میں اس قدر دلچسپی لیں گے۔ اس نے تو بڑی رقم خرچ کی تھی لیکن اس کے اشتہارات ہماری فرم کی خبروں میں دب گئے تھے۔

اسی بات پر دلچسپ تبصرے ہورہے تھے۔ میں بھی ان میں شامل ہوگیا۔

"بھئی کاروباری مقابلہ تو بری چیز نہیں ہے۔ ہاں اس میں جنون کا انداز احمقانہ ضرور ہوجاتا ہے۔" تنویر صاحب

Uploaded By Muhammad Nadeem

نے کہا۔

"شمشیر کے ارادے ان اشتہارات سے پتہ چلتے ہیں۔ اس نے معمولی تگ و دو نہ کی ہوگی۔" نواب جلال الدین بولے۔

"ہاں' یہ حقیقت ہے۔"

"بہرحال اب کیا پروگرام ہے؟"

"کس بارے میں نواب صاحب؟" میں نے پوچھا۔

"بس فرم آج سے کام شروع کردے گی۔ ویسے سارے شعبے تصدق کے پاس ہیں اور اسے اجازت مل گئی ہے کہ جو مناسب سمجھے کرے اور تصدق کی انتظامی صلاحیتیں آپ دیکھ ہی چکے ہیں۔"

"ہوں!" نواب صاحب گردن ہلانے لگے۔ اس کے بعد ناشتے کا وقت ہوگیا اور ہم سب ڈائننگ ہال میں پہنچ گئے۔ ناشتا ہوا اور پھر ہم نے دفتر جانے کی تیاری شروع کردی۔ ہم نے سب لوگوں سے اجازت لی اور اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر چل پڑے۔ جمشید ہمارے ساتھ تھا۔ یہ شخص بھی خوب تھا' ہماری سمجھ میں تو نہیں آیا۔

دفتر کا پہلا دن کافی دلچسپ تھا۔ طالوت تو پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس نے کسی معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کی تھی۔ میرے کمرے میں صرف میری سیکریٹری عذرا تھی اور میں۔ عذرا ایک مستعد لڑکی تھی۔ دوپہر کا کھانا ہم نے آفس میں ہی کھایا اور اس کے بعد تصدق فرم کے پبلسٹی منیجر کے ساتھ حاضر ہوگیا۔ اور پبلسٹی کی اجازت دے دی پھر مارکیٹنگ منیجر سے میٹنگ ہوئی اور بہت سے امور طے کیے گئے۔ مثلاً چند ایجنٹ اس سلسلے میں منتخب کیے گئے کہ وہ بڑی بڑی کمپنیوں' بینکوں اور دوسری فرموں سے رابطہ قائم کریں اور ان سے مستقل ٹھیکے لیں ایسے ہی بہت سے امور۔

خواب کے دن' خواب کی راتیں گزرنے لگیں۔ تنویر صاحب نے بھرپور تعاون کیا۔ پورے ایک ہفتے وہ ہمارے ساتھ رہے اور پھر اجازت لے کر چلے گئے۔ البتہ نواب جلال الدین ایک طویل عرصے کے لیے آئے تھے۔ چنانچہ گھر کے امور نواب صاحب نے سنبھال لیے۔ سیمیں' احسان اور شکیلہ گھر میں رہتے تھے۔

شمشیر سے معرکہ آرائی شروع ہوچکی تھی' جس کی ابتدا پبلسٹی سے ہوئی۔ اخبارات بھی پوری طرح متوجہ ہوگئے تھے۔ شمشیر برابر مقابلہ کررہا تھا۔ اس کا اشتہار ہمارے اشتہار سے چھوٹا نہیں ہوتا تھا لیکن احمق ہمیشہ کا تھا۔ ف اخباری اشتہارات پر اکتفا کررہا تھا جبکہ ہمارے ایجنٹوں نے چھ سفارت خانوں' تین بینکوں اور بیس بڑی بڑی فرموں اور کمپنیوں سے ٹھیکے لے لیے تھے اور چند روز کے اندر اندر سپلائی شروع ہونے والی تھی۔ تصدق اس کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ بھیا جمشید کا بھی کوئی جواب نہیں تھا۔ صبح کو بڑی باقاعدگی سے آفس آتے۔ تھوڑی دیر میرے کمرے میں بیٹھتے اور پھر نہ جانے کہاں مارے مارے پھرتے۔ کبھی ہمارے ساتھ ہمارے ہاں رہتے اور کبھی تنویر صاحب کے ہاں چلے جاتے۔ تصدق نے انہیں اچھی خاصی رقم دی تھی جسے تھوڑی سی ردوکد کے بعد انہوں نے قبول کرلیا تھا اور پھر ایک دن انہوں نے ایک ایسی تجویز پیش کی کہ ہم دنگ رہ گئے۔

شمشیر کے مسئلے سے وہ بھی دلچسپی لے رہے تھے اور اپنی احمقانہ باتوں سے نوازتے رہتے تھے۔ اس وقت طالوت بھی میرے پاس ہی بیٹھا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر عذرا کچھ کاغذات درست کررہی تھی۔

"میرے ذہن میں ایک خیال آیا ہے صائم بھائی۔" جمشید کی بات پر ہم چونک پڑے۔

"ارشاد' ارشاد!" طالوت بولا۔

"ہماری سپلائی شروع ہونے والی ہے' کیوں نہ ہم نقلی گاہک کے ذریعے شمشیر کا سارا اسٹاک بھی خرید لیں۔ ذریعہ اشتہار ہی بنائیں اور پھر اس کی ورائٹی ہم سپلائی کریں۔ شمشیر کی تو دکان ہی خالی ہوجائے گی۔ وہ فوری طور پر کہیں سے مال بھی نہ حاصل کرسکے گا۔ پھر خالی اشتہارات دینے سے فائدہ!" اور اس تجویز پر ہم دنگ رہ گئے۔ نہایت ہی عمدہ تجویز تھی۔

○ہڈ○

جمشید نے جو تجویز پیش کی وہ اتنی شاندار تھی کہ ہم متحیر رہ گئے تھے۔ کم از کم سادہ لوح جمشید سے اس عمدہ تجویز کی توقع نہیں تھی۔ کئی منٹ تک خاموشی چھائی رہی اور جمشید ہمارے اچانک اس طرح خاموش رہ جانے سے کچھ بوکھلا گیا تھا۔ وہ احمقانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا۔

جب کوئی کچھ نہ بولا تو خود اس نے بھنچی بھنچی آواز میں کہا "میرے سے کوئی غلطی ہوگیا کیا؟"

"اوہ۔ نہیں جمشید صاحب۔ فیصلہ کررہے ہیں کہ اس تجویز پر آپ کے لیے کون سا پرائز مقرر کیا جائے۔ آپ نے اتنی لاجواب بات کہی ہے کہ ہم حیران رہ گئے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ جمشید صاحب کی تجویز پر عملی کارروائی فوراً شروع ہوجانی چاہیے۔" طالوت نے کہا۔

"یقیناً!"

"اور اسے نہایت خفیہ رکھا جائے۔ صائم' تصدق کو طلب کریں۔" طالوت بولا اور چند منٹ کے بعد تصدق موجود تھا۔ طالوت نے جمشید کی تجویز تصدق کے سامنے پیش کردی اور تصدق بھی خوش ہوگیا تھا۔

"نہایت عمدہ خیال ہے جناب۔ ہم بروکرز کے ذریعے بات چیت کرسکتے ہیں۔" تصدق نے کہا۔

"اوہ' نئیں مسٹر ٹاساڈوک! بروکر لوگ کسی کا نہیں ہوتا۔ بات ان سے آؤٹ بھی ہو سکتا ہے۔" جمشید نے پھر دخل دیا۔

"پھر آپ کے ذہن میں کوئی اور تجویز ہے؟"

"ہاں۔ آسانی سے کام ہو سکتا ہے۔ ہم کسی بھی آدمی کو اس پر تیار کر سکتا ہائے۔ وہ مڈل ایسٹ کے کسی شیخ کا نمائندہ بن کر جائے اور ایک بڑا ڈیمانڈ کرے یہیں کیش پر خریدنے کا پیشکش کردے۔ مال اگر شمشیر کے اسٹاک سے بھی زیادہ مانگا جائے اور قیمت اچھا لگایا جائے تو شمشیر اپنا سارا کوشش کرے گا اور جہاں جہاں سے مال لے سکتا ہے لے لے گا اور پھر اس کے بعد اس کے پاس کیا رہ جائے گا۔"

"یار جمشید! خدا کی قسم اب ہم مرنے کی بولی بولنا شروع کردیں گے۔ بھائی صبح ہی صبح کوئی غلط چیز کھائی تھی۔ میرا مطلب ہے عقل آور۔ کیا غضب کی چل رہی ہے تمہاری کھوپڑی۔" میں سچ مچ متحیر ہوگیا تھا۔

"صائم بھائی!" طالوت چیخا۔

"کیوں؟" میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"جمشید کی تنخواہ میں دو ہزار روپے کا اضافہ۔"

"منظور۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تصدق کو پوری تجویز بتادی گئی۔ کسی مقامی آدمی کو کچھ لے دے کر عرب بنا دینا مشکل کام نہیں تھا۔ اس تجویز کے تیسرے دن ہی ہمارا نمائندہ شمشیر کے ہاں پہنچ گیا اور شام کو اس نے اطلاع دی کہ شمشیر دل و جان سے تیار ہوگیا ہے۔ اس نے ایک ہفتے کے اندر اندر مال کی سپلائی کرنے کا وعدہ کرلیا ہے۔ اسے ایک بڑا ایڈوانس دے دیا گیا اور جس شخص کو معاوضے پر ہم نے اپنا نمائندہ بنایا تھا اس کے عیش ہوگئے۔ شمشیر نے اسے اپنی کوٹھی میں قیام کی پیشکش کی تھی لیکن ہماری ہدایت پر اس سے معذرت کرلی تھی پھر بھی شمشیر اس کی خدمت پر لگا رہا۔ اس کے سارے نمائندے کام کررہے تھے اور وہ چاروں طرف سے مال اکٹھا کررہے تھے۔

پھر ایک دن جمشید نے تصدق سے گفتگو کرکے ایک بڑا اسٹاک طلب کیا اور تصدق نے اس کی ڈیمانڈ میرے سامنے پیش کردی۔

"اوہ۔ جمشید ٹھیک ہے لیکن یہ آرڈر تم کہاں سپلائی کروگے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہ۔ میں اپنے طور پر بھی کام کرتا مسٹر صائم۔ اگر آپ اجازت دیں تو۔ ویسے میں نے ریٹ بہت اچھا دیا ہے۔ آپ دیکھو۔"

"ہاں ریٹ بہت عمدہ ہے۔ ٹھیک ہے تصدق۔ جمشید کو مال سپلائی کردو۔"

"بہت بہتر جناب!" تصدق نے جواب دیا اور جمشید نے فوراً ایڈوانس پیش کردیا۔ مال کی ڈلیوری ملتے ہی اس نے پوری قیمت بھی ادا کردی۔ درحقیقت یہ جمشید بہت عمدہ جارہا تھا۔ طالوت بھی اس سے بہت خوش تھا۔

"میرا خیال ہے صائم' ہمیں جمشید کے مہیا کیے ہوئے آرڈر سے تقریباً دو لاکھ کا فائدہ ہوا ہے۔"

"ہاں!" میں نے جواب دیا۔

"اس کا کمیشن ہونا چاہیے۔"

"ضرور۔ ظاہر ہے دوسرے لوگ بھی یہی کام کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ منافع سے پانچ فی صد اسے دے دو۔"

"شمشیر کا مسئلہ نمٹ جائے' اس کے بعد اسے ادائیگی کردیں گے۔" میں نے جواب دیا۔

"ہاں۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔" طالوت نے میری بات سے اتفاق کیا۔

بہرحال ٹھیک ایک ہفتے کے بعد شمشیر نے آرڈر کی تعمیل کردی اور اس کے سارے گودام خالی ہوگئے۔ عظیم الشان اسٹاک ہمارے گوداموں میں آگیا لیکن اس اسٹاک میں وہ مال دیکھ کر ہم حیران رہ گئے جو جمشید نے سپلائی کیا تھا۔ فوری طور پر جمشید سے رابطہ قائم کیا گیا اور وہ مسکراتا ہوا ہمارے پاس پہنچ گیا۔

"تم سے وہ مال کس نے خریدا تھا جمشید' جو تم نے سپلائی کیا تھا؟"

"شمشیر نے۔" جمشید شرماتا ہوا بولا۔

"کیا مطلب؟"

"ہم نے بروکر کے ذریعے اپنے آدمی کو وہ مال بھی دکھایا اور اس نے ہمارے پروگرام کا مائنڈ اسے بہت پسند کیا اور کہا کہ جتنا مال ہو شامل کردیا جائے۔ شمشیر دوسرے مال کی ساکھ کے لیے اسے خریدنے پر مجبور ہوگیا۔ بڑے آرڈر کو سر

Uploaded By Muhammad Nadeem

کرنے کے لیے اسے یہ نقصان اٹھانا پڑا اور اس نے بروکر سے اسٹاک مانگ لیا۔ اس طرح ہمیں تھوڑا فائدہ اور ہوگیا۔" جمشید نے شرماتے ہوئے بتایا اور ہمارے منہ حیرت سے کھل گئے۔

یہ ایسی زبردست کاروباری چال تھی جسے ایک خطرناک کاروباری ذہن ہی سوچ سکتا تھا لیکن یہ کام اس احمق جمشید نے کیا تھا۔ ہم سناٹے میں رہ گئے تھے اور ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ جمشید کیا چیز ہے۔

"کیا یہ بات تصدق کے علم میں تھی؟"

"نہیں مسٹر صائم! یہ کام ہم پر سنٹی کیا۔ اس سے نقصان میں تھوڑا کمی ہوگیا اور شمشیر کا منافع تقسیم ہو کر کم ہوگیا۔" جمشید نے جواب دیا۔

"اب تم ہمیں پاگل کردو گے جمشید۔"

"اوہ۔ کیا غلطی ہوگیا؟" جمشید بوکھلا کر بولا۔

"یار جمشید! خدا کی قسم کھل جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" طالوت نے کہا۔

"کیسے کھل جائے؟" جمشید نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"صائم! صائم! اس شخص سے کہو اپنی اصلیت اگل دے ورنہ خدا کی قسم مجھے غصہ آجائے گا۔" طالوت پیشانی مسلتے ہوئے بولا۔ میں نے جمشید کی طرف دیکھا۔ وہ ہونقوں کی طرح منہ پھاڑے بیٹھا تھا اور میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیسے کھولوں۔ وہ تو کھلا بیٹھا تھا۔

"اس کے علاوہ ہم ایک کام اور کیا۔" جمشید نے کہا۔

"وہ کیا؟ وہ بھی فرما دیجئے۔" طالوت نے گہری سانس لے کر کہا۔

"ہم نے شمشیر کے ان ٹھکانوں کا پتہ لگایا جدھر سے وہ مال لیتا ہے۔ ان دنوں وہ مال حاصل کرنے کے لیے دوڑ رہا تھا اور ہم اس کے پیچھے تھا۔" جمشید نے کہا۔

"سبحان اللہ! دیکھا آپ نے؟ طالوت نے میری طرف اشارہ کیا۔

"میرا خیال ہے عادل، جمشید کو آج پکڑ کر لے چلیں گے، بند کرلیں گے اور اس وقت تک ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے جب تک یہ حضرت اپنی اصلیت نہیں اگل دیں گے۔"

"کیا خیال ہے جمشید؟" میں نے پوچھا اور جمشید چونک پڑا۔

"کیا بولا صائم بھائی؟"

"کہاں کھو گئے تھے؟"

"ایک اور آئیڈیا کھوپڑی میں اتر رہا تھا۔" جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ابھی تھوڑے دن شمشیر کو آرام کرنے دیا جائے۔ اسکے بعد اسے دوسرا ڈوز دیا جائے۔"

"وہ کیا پیارے جمشید؟" میں نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہمارے جس نمائندے نے شمشیر سے اتنا بڑا ذخیرہ خریدا ہے، وہ دوبارہ بھی گاہک بن کر اس کے سامنے جاسکتا ہے اور اس بار وہ پہلے سی بھی بڑی کھیپ مانگ لے گا۔"

"اچھا۔ پھر؟"

"وہ ریٹ اتنا ہائی مان لے گا کہ شمشیر حاصل کرنے کے لیے پاگل ہوجائے اور پھر ہمارا بروکر شمشیر سے بات کرکے ہمارا مال اسے سپلائی کردے گا، ہماری منہ مانگی قیمت پر، جو بہرحال اس قیمت سے کافی کم ہوگی، جس پر شمشیر کا گاہک اس سے مال طلب کرے گا۔ شمشیر کا گاہک وہ مال پسند کرے گا، جو ہمارے لیے ناکارہ ہوچکا ہوگا۔ اس طرح ہمارے پاس ان ورائٹی رہ جائے گی اور خراب مال اچھی قیمت پر فروخت ہوجائے گا۔ گاہک پھر آئندہ کبھی شمشیر کے پاس نہیں جائے گا۔ اس طرح شمشیر کے پاس جو مال اسٹاک ہوگا، وہ کسی قیمت پر نہیں بکے گا کیونکہ اس سے اچھی ورائٹی ہمارے پاس اس سے کم قیمت پر موجود ہوگی اور ہماری پبلسٹی۔"

دفعتاً طالوت اپنی جگہ سے کھڑا ہوگیا۔ وہ آگے بڑھا اور اس نے آفس کا دروازہ اندر سے بند کرکے اسے لاک کردیا۔ میرے چہرے پر بھی سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔ جمشید نے جو کچھ بتایا تھا وہ کسی معمولی دماغ کا کارنامہ نہیں ہوسکتا تھا۔ بڑی خوفناک بات تھی۔ درحقیقت شمشیر کی موت کا پورا پورا سامان تھا اور اس سے عمدہ کوئی ترکیب نہیں ہوسکتی تھی۔

طالوت جمشید کے پاس پہنچ گیا۔ وہ غور سے جمشید کی شکل دیکھ رہا تھا اور جمشید بوکھلائے ہوئے انداز میں پہلو بدل رہا تھا۔ طالوت چاروں طرف سے گھوم گھوم کر جمشید کو دیکھ رہا تھا اور جمشید اب اس کے ساتھ ساتھ گھوم رہا تھا۔ پھر اس کے منہ سے بوکھلائی ہوئی آواز نکلی۔

"لک۔ کچھ گڑبڑ ہوگئی ہے عادل بھائی؟"

"ہونے والی ہے۔" طالوت ہونٹ بھینچ کر بولا۔

"لک۔ کیا مطلب؟" جمشید نے اسی انداز میں کہا۔

"کھل جاؤ جمشید ورنہ خدا کی قسم اچھا نہیں ہوگا۔ بس بہت ہوگئی۔ کیا تم ہمیں بے وقوف سمجھتے ہو؟" طالوت نے

Uploaded By Muhammad Nadeem
Uploaded By Muhammad Nadeem

معیاری نفسیاتی اور علمی کتابیں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23
کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکسٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

کہا۔

"کک۔ کیسے کھل جاؤں؟"

"صائم!" طالوت نے میری طرف دیکھا "جمشید ہمارے دوستوں میں شامل ہونا نہیں چاہتا۔ میں چاہوں تو اس کی زبان اس کے بارے میں سب کچھ بتا دے لیکن اس کے بارے میں معلوم کرنے کا شوق اس کی دوستی کی بنا پر ہے۔ اگر دوسرے ذرائع اختیار کیے گئے تو دوستی کیا رہے گی۔"

اور اچانک جمشید کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ کسی قدر بدلے ہوئے انداز میں بولا "نہیں نہیں عادل بھائی! کوئی ایسا کام نہ کریں۔ مجھے یاد ہے جب میں الٹا کھڑا تھا اور اپنی مرضی سے سیدھا نہیں ہو سکتا تھا۔" اس بدلی ہوئی آواز اور بدلے ہوئے لہجے پر ہم چونک پڑے۔

"تب پھر تم۔" طالوت نے کہا۔

"خدا کی قسم۔ اس ملک کے بارے میں اچھے تاثرات لے کر نہیں آیا تھا۔ صرف اس لیے کہ میرے والدین نے مجھے یہاں کمانے کے لیے بھیجا تھا۔ آپ لوگوں کو دیکھ کر رائے بدل گئی۔"

"ارے۔ تمہاری اردو تو بالکل صاف ہو گئی۔" میں نے چونک کر کہا۔

"اب تو سب کچھ صاف ہو گیا صائم بھائی۔ کل یہ جھاڑ جھنکار بھی صاف کرا دوں گا۔ اب اس کا فائدہ۔" جمشید نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"بس اب جمشید نہیں' آپ کا دوست آپ کی خدمت میں ہو گا۔"

"مگر یہ روپ کیوں دھارا گیا تھا؟"

"مختصراً بتا چکا ہوں' تفصیل یوں عرض ہے کہ والدین بے حد لالچی ہیں۔ پہلے انہوں نے ایک جرمن بیوہ سے شادی کا مشورہ دیا جو کافی دولت مند تھی۔ نہ جانے کس طرح اس سے جان بچائی۔ جو کاروبار وہ وہاں کر رہے ہیں اس سے مجھے قطعی اتفاق نہیں ہے۔ وہ مجھے دولت بنانے کی مشین بنانا چاہتے ہیں۔ میں نے اسے قبول نہیں کیا لیکن انہیں خدا نے بہت بڑا دماغ دیا ہے۔ ان کے ذہن میں ایک اور ترکیب آئی۔ تنویر پھوپا کی امارت ان کے علم میں تھی۔ ان کی بچی افشاں بھی انہیں یاد تھی۔ اکلوتی لڑکی کی بے پناہ دولت ان کے لیے بہت پرکشش تھی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے کو اس طرف بڑھایا۔ ان کا خیال تھا کہ ان کا بیٹا ان کا وجیہہ بیٹا جاتے ہی اس لڑکی کو اپنے عشق کے جال میں پھانس لے گا اور پھر یہ بے پناہ دولت ان کی ہو جائے گی۔ بہرحال میں انکار کی جرات نہیں کر سکا۔ ہاں میں نے دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ ابا جان کی ایسی کوئی چال قیامت تک کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔ چنانچہ ان سے جدا ہو کر میں نے یہ حلیہ بنا لیا۔ صرف اس لیے کہ خدانخواستہ کسی طور افشاں مجھ سے متاثر نہ ہو جائے۔ میں اپنی شخصیت کو اس قدر مضحکہ خیز بنا لینا چاہتا تھا کہ کوئی لڑکی میرے قریب کھڑا ہونا بھی پسند نہ کرے اور مجھے خوشی ہے کہ میں اس میں کامیاب رہا۔"

ہم دونوں آنکھیں پھاڑے جمشید کی گفتگو سن رہے تھے۔

"تمہیں خطرہ تھا کہ کہیں افشاں تم سے متاثر نہ ہو جائے؟"

"پھوپی جان اپنے بھائی پر بہت جان دیتی تھیں' ان کی ذات سے بھی خطرہ تھا لیکن اب سب ٹھیک ہے۔ مجھے خطرہ تھا کہ مجھے دیکھ کر ان کی محبت جوش نہ مارے اور۔۔۔"

"اور وہ تمہارے اور افشاں کے گٹھ جوڑ کے بارے میں سوچنے لگیں۔" طالوت مسکرا کر بولا۔

"ہمارے اس مشرقی ماحول میں یہ بات ناممکن نہیں ہے جناب!"

"ہاں۔ میرے خیال میں جمشید ٹھیک کہتے ہیں۔" میں نے تائید کی اور طالوت گردن ہلانے لگا۔

"تو یہ سب کچھ صرف اس لیے تھا؟"

"ہاں جناب! میں اپنے باپ کی ہوس پوری کرنے میں ان کا آلہ کار نہیں بن سکتا۔"

"عمدہ انسان ہو جمشید! بے حد ذہین اور بہت ہی بدمعاش۔" طالوت مسکراتا ہوا بولا اور پھر بے تحاشا ہنسنے لگا "ہے اس شخص کا جواب صائم۔ اس کا کوئی جواب ہے۔ اس نے کس طرح سب کو احمق بنایا ہے۔"

"آپ کو نہیں بنا سکا جناب!" جمشید مسکرایا۔

"ارے بس جاؤ۔ کسر چھوڑی بھی تم نے۔" طالوت نے کہا۔

"معذرت خواہ ہوں۔ اس وقت تک آپ کی اس حسین شخصیت سے متعارف نہ تھا۔"

"مذاق اڑا رہے ہو۔" طالوت نے کہا۔

"خدا کی قسم نہیں۔ خود ہی دل چاہا تھا کہ آپ پر کھل جاؤں۔ آپ کے سامنے بنتے ہوئے شرم آتی تھی۔ آپ لوگ جس قدر نیک دل انسان ہیں' میں آپ سے بے حد متاثر ہوں۔"

"خیر جمشید! اچھا ہوا تم نے حال دل ہمیں بتا دیا۔ ہم بھی شروع سے ہی تمہیں ناپسند نہیں کرتے۔ اب بتاؤ تمہارا پروگرام کیا ہے؟"

"کچھ عرصہ یہاں گزاروں گا' اس کے بعد واپس چلا جاؤں گا۔"

"ناکام و نامراد؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔ ان کے لیے مایوسی کا پیغام لے کر۔"

"اور عذرا کا کیا ہو گا؟" طالوت نے مسکراتے ہوئے پوچھا لیکن جمشید کے چہرے پر سنجیدگی چھا گئی۔ چند منٹ وہ سوچتا رہا' پھر بولا۔

"وہ معصوم لڑکی خود اپنے مصائب کا شکار ہے۔ آپ نے اس کی زندگی بدل دی ہے۔ وہ خود کو خواب کی سی کیفیت میں محسوس کر رہی ہے۔ اسے لگ رہا ہے جیسے اسے جو کچھ مل گیا ہے' آنکھ کھلنے پر چھن جائے گا۔ پہلے کچھ نہیں تھا تو اسے اپنے گھر کا احساس تھا' اپنی بہنوں کے مستقبل کا خیال تھا۔ پہلے وہ اس لیے پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھاتی تھی کہ ہوتی نہیں تھی۔ اب وہ پیٹ بھر کر روٹی اس لیے نہیں کھاتی کہ جب آنکھ کھلے گی تو اس سے مایوسیاں برداشت نہ ہوں گی۔ مایوسی کا وقت آنے سے پہلے وہ اپنی بہنوں کے مستقبل کو محفوظ کر لینا چاہتی ہے۔"

"ارے۔" طالوت چونک پڑا "اس نے یہ کیوں سمجھ لیا کہ یہ سب کچھ اس سے چھن جائے گا۔"

"میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی ہے لیکن آپ اس کی ذہنی کیفیت کا اندازہ نہیں لگا سکتے صائم بھائی۔ وہ سحر زدہ ہے' خوف زدہ ہے اور یہ خوف بڑی مشکل سے اس کے ذہن سے نکلے گا۔"

"نکل جائے گا۔" طالوت نے کہا اور پھر چونک کر بولا "لیکن اپنی بہنوں۔۔۔"

"اپنی کیا کروں۔" جمشید نے گردن جھکا لی۔

"یار جمشید! آج اپنی شخصیت پر کوئی خول نہ رکھو' سب کچھ عریاں کر دو۔"

"اب کچھ نہیں رہا ہے عادل بھائی!" جمشید نے افسردگی سے کہا۔

"عذرا کے بارے میں تمہارے کیا خیالات ہیں؟"

"اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔" جمشید نے جواب دیا۔

"اسے اپنا کیوں نہیں لیتے؟"

"نہ خود اس قابل ہوں' نہ اسے اس قابل پاتا ہوں۔"

"کیا وہ بھی تم سے متاثر ہے؟"

"ہاں۔ اعتراف کر چکی ہے۔"

"ابے جمشید بھائی' تم تو بہت بڑے استاد نکلے مگر فکر مند کیوں ہوتے ہو میری جان' ہم نے تو پورے ملک کے عاشقوں کا ٹھیکہ لے لیا ہے۔ عنقریب ہم اعلان کرنے والے ہیں کہ پورے ملک کے عاشقان ہم سے رجوع کریں۔ ہم ان کے مسائل حل کرنے میں ان کی بھرپور مدد کریں گے۔" طالوت نے کہا۔ جمشید اسی طرح گردن جھکائے رہا تھا۔

"تم نے تھوڑی دیر کے لیے شمشیر کو بھی بھلا دیا جمشید۔ بہرحال اس وقت تک شمشیر کا مسئلہ ملتوی جب تک تمہارے مسئلے کا حل نہ نکل آئے۔"

"میں نے آپ لوگوں کے ذہن پر بوجھ ڈال دیا عادل بھائی!"

"ہمیں ایسے بوجھ سے سرور آتا ہے' اس کی پرواہ مت کرو۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ تمہارے مسئلے کو کس طرح حل کیا جائے؟"

"مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں عادل بھائی!"

"نہیں بھائی۔ ہم مستقبل میں لے جا کر چھوڑتے ہیں۔ اب تم ان باتوں کو چھوڑو۔ اپنے اور عذرا کے مستقبل کے بارے میں ہمیں مشورے دو۔"

"آپ لوگ۔۔۔ آپ لوگ بے حد نیک طینت انسان ہیں۔" جمشید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"شمشیر سے لکھوا کر لا دو تو مان لیں گے۔" میں نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ کافی حد تک ماحول بدل گیا۔ ہم نے دل کھول کر جمشید کو اس کی تجاویز کی داد دی۔

"یار جمشید' تمہارا ذہن بزنس کے معاملے میں بہت شان دار ہے۔ تم نے وہاں کوئی بزنس کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" تھوڑی دیر کے بعد طالوت نے پوچھا۔

"اس کی وجہ عرض کر چکا ہوں۔"

"کیا؟"

"کوئی بھی بزنس کرتا' اس پر والد صاحب کا اثر ہوتا اور وہ اسے میرے طور پر نہ کرنے دیتے۔ بس میں کیا عرض کروں عادل بھائی' مجھے اپنے ماحول سے چڑ ہے۔ میرا وطن سکون کی سرزمین ہے۔ مسائل یہاں بھی ہیں لیکن۔۔۔ لیکن نہ جانے کیوں بے چینی نہیں ہے۔"

"امریکا چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"بس' اس طرح بھٹک گیا ہوں کہ اپنی شخصیت بے معنی ہو کر رہ گئی ہے۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"کون سا مشکل کام ہے جمشید یار۔ ارے ہم ہیں تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس ان معاملات کو چھوڑو اور شمشیر کی فکر کرو۔"

"میری تجویز مناسب نہیں ہے؟"

"مناسب کہہ رہے ہو' بے حد شان دار ہے۔ بس تم اس پروگرام کے انچارج ہو اور تصدق کو ہدایت کر دی جائے گی کہ تمہارے احکامات کی تعمیل کرے۔"

"بہت بہتر۔ اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات پوچھنے کی گستاخی کر لوں؟"

"چلو کر لو۔"

"شمشیر ذات خود گھٹیا آدمی معلوم ہوتا ہے لیکن اس پر عتاب کیوں ہے؟"

"صائم تمہیں شمشیر کی مختصر کہانی سنائیں گے۔" طالوت نے کہا اور میں نے مختصراً شمشیر سے اختلاف کی بنیاد بتائی۔

"بہت خوب!" جمشید گہری سانس لے کر بولا "بہرحال اب میں اور زیادہ دل جمعی سے اس کے ساتھ کام کر سکوں گا۔"

دن رات ہنگاموں میں گزر رہے تھے لیکن ان ہنگاموں میں بھی سکون تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو ذہن کو پریشان کرتی۔ جمشید نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

پھر ایک دن تقریباً بارہ بجے جب میں اور طالوت کارپٹ سینٹر پہنچے تو اپنے آفس میں ایک خوب صورت نوجوان کو بیٹھے دیکھ کر ہم چونک پڑے۔ نوجوان جس بے تکلفی سے بیٹھا تھا وہ تعجب خیز تھا۔ اس کے بدن پر خوب صورت سوٹ تھا جسے نہایت سلیقے سے پہنا گیا تھا۔ بال گھنگھریالے اور سلیقے سے سنورے ہوئے تھے۔

نہ جانے کیوں اس کے چہرے پر ایک جانی پہچانی سی کیفیت محسوس ہوئی تھی۔ غالباً اس کی آنکھیں اور ہونٹوں کی بناوٹ شناسا لگتی تھی۔

ہمیں دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"جی۔ فرمایئے؟" طالوت نے کہا اور نوجوان مسکرا پڑا اور اس کی یہ مسکراہٹ۔۔۔ یہ مسکراہٹ' ہم دونوں ہی چونک پڑے۔

"میں نے چہرے کا جنگل صاف کرا دیا ہے۔" اس نے کہا اور اس کی آواز سن کر ہم دونوں اچھل پڑے۔ وہ تو۔۔۔ وہ تو جمشید تھا۔

"جمشید! یہ تم ہو؟"

"جی۔ میں نے عرض کیا تھا نا کہ اب یہ جھاڑیاں بھی کٹوا دوں گا۔ مقصد پورا ہو گیا۔"

"یار تیری شخصیت ہی بدل گئی ہے۔ دیکھو صائم' خاصا خوب صورت بچہ ہے۔" طالوت خوش ہوتے ہوئے بولا۔

جمشید ہنسنے لگا تھا۔

"تصدق نے تمہیں پہچان لیا؟" میں نے پوچھا۔

"بڑی مشکل سے یقین دلا سکا ہوں۔" جمشید مسکرا دیا۔

"اور عذرا نے؟"

"جی نہیں۔ اس نے سرسری نگاہ سے مجھے دیکھا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔"

"ہم خود نہیں پہچانے تھے۔ بہرحال مزہ آ گیا۔ اب تنویر صاحب کے ہاں بھی چلیں گے۔ وہاں بھی مزہ آئے گا۔ ارے ہاں' عذرا کو بلاؤ۔" طالوت نے کہا اور میں نے ملازم کو بلانے کے لیے گھنٹی بجا دی پھر عذرا کو طلب کرایا گیا اور عذرا مسکراتی ہوئی اندر آ گئی۔ اس نے ہم لوگوں کو سلام کیا اور ہم نے جواب دیا۔

"بیٹھو عذرا! ان سے ملو۔ یہ ہمارے نئے بزنس مینیجر ہیں۔"

"جی!" عذرا نے جمشید کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی۔

"یوں سمجھو داڑھی کٹا کر اسٹاف میں شامل ہو گئے ہیں۔ ویسے ان کا نام جمشید ہے۔" طالوت نے کہا اور عذرا کے چہرے پر حیرت پھیل گئی' پھر تعجب اور پھر وہ ہنس پڑی۔ پہلی بار وہ اس قدر کھل کر ہنسی تھی۔

"ارے واقعی۔ ارے۔ یہ تو واقعی جمشید صاحب ہیں۔ کمال ہے۔" وہ بے ساختہ بولی اور پھر جیسے خود پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرنے لگی پھر وہ زبردستی سنجیدہ ہو گئی۔

"اوہو جمشید! دیکھو' شاید عذرا کو تمہاری داڑھی کا افسوس ہو رہا ہے۔ وہ کس قدر سنجیدہ ہو گئی ہے۔"

"نن۔ نہیں۔ ہرگز نہیں۔" عذرا جلدی سے بولی۔

"بغیر داڑھی کے یہ زیادہ اچھے لگ رہے ہیں نا؟" طالوت جلدی سے بولا۔

"ہاں۔ یقیناً!" عذرا بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"جمشید! عذرا کا شکریہ ادا کرو!"

"شکریہ مس عذرا!" جمشید نے مسکرا کر کہا اور عذرا کسی حد تک نروس ہو گئی پھر خاموشی چھا گئی لیکن ہم لوگ رہ رہ کر جمشید کی شکل دیکھ رہے تھے۔ جمشید نے یہ سوٹ بھی شاید نیا سلوایا تھا۔ عمدہ لباس اس پر خوب جچ رہا تھا اور درحقیقت اس کی شخصیت شان دار نظر آ رہی تھی۔

"بہرحال' خوب رہے جمشید' لیکن بھئی' آج عذرا سے

کچھ گفتگو کرنا تھی۔ عذرا! کچھ نجی قسم کی گفتگو کرنے کی اجازت دو گی؟" طالوت نے کہا۔

"جی۔ نن۔ نجی؟"

"ہاں معاف کرنا۔ ہم نے تمہیں بہن کہا تھا لیکن شاید تم نے ہمیں بحیثیت بھائی قبول نہیں کیا' اس کا افسوس رہے گا کیوں صائم؟" طالوت نے میری طرف دیکھا۔

"ہو سکتا ہے ہم اس قابل ہی نہ ہوں۔" میں نے کہا۔

"صائم صاحب!" عذرا تڑپ کر بولی۔

"دیکھا۔ دیکھا۔ صائم صاحب کہا ہے' صائم بھائی نہیں۔ سن لیا تم نے صائم' اب کسی غلط فہمی میں نہیں رہنا۔ ہونہہ آئینہ کبھی دیکھتے نہیں اور ہر لڑکی کو بہن بنانے پر تل جاتے ہیں۔"

"عادل بھائی! خدا کے لیے ایسی باتیں نہ کریں۔ ہم غریبوں کے دل چھوٹے ہوتے ہیں۔ ان میں نہ زیادہ خوشیاں سمائی ہیں نہ غم۔ پھٹ جاتے ہیں کبھی کبھی اور ہم مر جاتے ہیں۔" عذرا نے آنسوؤں میں ڈوبی آواز میں کہا۔

"سنا بھئی۔ امیر بھائیوں کی بہنیں بھی غریب ہوتی ہیں مگر وہ انہیں بھائی سمجھیں تب نا۔"

"چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی۔" عذرا نے کہا۔

"ہاں' ہاں۔ بالکل بالکل۔ اسی طرح نظر انداز کیا جاتا ہے' ایسی ہی باتیں کی جاتی ہیں۔" طالوت شرارت سے بولا اور عذرا زچ ہو گئی۔

"اللہ۔ میں کیا کروں۔"

"مجبوری ہے بی عذرا۔ شرافت سے بھائی بنا لو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔"

"آپ لوگ۔ آپ لوگ میرے بھائی ہیں۔"

"ہرگز نہیں۔ اس طرح کام نہیں چلے گا۔ اگر بہن ہو تو ایک اچھی سی دعوت بھی کرو۔"

"جی؟"

"جی ہاں۔ دعوت اپنے گھر پر۔" طالوت بولا "کیوں صائم؟"

"بالکل اور پہلے سے تین کر لو کہ کھانے کو کیا ملے گا؟" میں نے کہا اور عجیب سی کیفیت کے باوجود عذرا مسکرا پڑی۔

"مجھے کوئی عذر نہیں ہے بھیا۔"

"تو پھر دن طے کرو۔"

"جب آپ حکم کریں۔"

"کیا خوب! دعوت کے لیے مہمان حکم کریں۔"

"مہمان نہیں' بھیا!" عذرا تھوڑی سی کھل گئی۔ آنسوؤں میں ڈوبی آنکھوں میں مسکراہٹ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ہاں۔ یہ تو مسئلہ ہے تو ٹھیک۔ تو صائم' پھر کون سا دن ٹھیک ہے؟"

"جتنی جلدی ممکن ہو۔"

"کل شام عذرا بی۔ اور آپ اہتمام میں مصروف رہیں گی اس لیے کل کی چھٹی۔"

"ٹھیک ہے بھیا۔ اب آپ نے اتنا کیا ہے تو میں اس میں عار نہیں سمجھتی کہ آپ کو اپنے گھر بلاؤں۔ جیسا بھی ہے آپ کی بہن کا گھر ہے۔"

"اس میں کہنے کی کیا بات ہے۔"

"بس تو ٹھیک ہے۔ کل میں آپ کا انتظار کروں گی۔"

"کس وقت؟" طالوت بے تابی سے بولا۔

"خدا کی قسم' صبح سے ہی آ جائیں لیکن جناب کھانا شام کو ملے گا۔"

"ٹھیک ہے شام کو آئیں گے۔" طالوت نے کہا اور پھر جمشید کی طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھر کر بولا "ہائے بے چارہ جمشید۔ جنگل نہ صاف کراتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔"

"کیسی نوبت؟" میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"ارے اس بے چارے کو بھی دعوت مل جاتی۔" طالوت نے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔ جمشید صاحب تو کل میری مدد کریں گے۔ میرے والد صاحب بے حد ضعیف ہیں۔ چھوٹی بہنیں ہی گھر کا سامان وغیرہ لے آتی ہیں۔ کل جمشید صاحب کو تکلیف دوں گی۔"

"ہاں۔ اسے بھی بہت سے کھانے پکانے آتے ہیں۔ ایک دن بتا رہا تھا۔" طالوت نے کہا۔ جمشید مسکراتا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد عذرا چلی گئی اور میں نے طویل سانس لی۔ جمشید نیازمندی سے ہمیں دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں مسٹر جمشید؟"

"بس آپ لوگوں کے بارے میں۔"

"خوب! کیا سوچ رہے ہو؟"

"یہی کہ قدرت نے آپ کو اس قدر دولت اور عزت بخشی ہے تو اس کی کوئی وجہ بھی ہے۔ آپ بے حد نیک دل انسان ہیں۔"

"بس بس مولانا۔ جب داڑھی تھی تو وعظ تو نہیں فرماتے تھے آپ۔ اب بغیر داڑھی کے وعظ کرتے اچھے نہیں لگتے۔ چھوڑیئے ان باتوں کو' شمشیر کی رپورٹ دو۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"میں نے ایک تیر سے دو شکار کیے ہیں۔" جمشید مسکرایا۔

"یعنی؟"

"مال فروخت کرنے والا نمائندہ میں خود ہی بن گیا ہوں۔ شمشیر سے کل رات ملا تھا' اس کے فرشتے بھی مجھے نہیں پہچان سکے۔"

"اوہ۔ ویری گڈ۔ یعنی کام شروع ہو چکا ہے؟" میں نے چونک کر کہا۔

"ختم ہونے والا ہے جناب!"

"کیا مطلب؟"

"کل اسٹاک نکلوانا ہے اور کل ہی اس کی ادائیگی بھی ہو جائے گی۔ میں نے کیش کی بات کی ہے۔"

"کتنے کی سپلائی ہے؟"

"تقریباً ساٹھ لاکھ کی۔"

"ہوں!" میں نے ایک طویل سانس لے کر طالوت کی طرف دیکھا۔

"رقم کیش ملے گی یا چیک؟"

"چیک تو آج بھی مل سکتا تھا جناب لیکن میں بھی ایک سنکی آدمی ہوں۔ جوان ہوں تو کیا ہوا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ کیش سودا کرتا ہوں۔ ویسے ہمارے نمائندے نے یعنی خریدار نے پورا ایک لاکھ ایڈوانس دیا ہے۔"

"اوہ۔ جو مال سپلائی ہو رہا ہے میرا خیال ہے اس میں ہمیں پچیس لاکھ کا تو نقد منافع ہے۔"

"اس سے کچھ زیادہ۔" جمشید نے کہا۔

"تب ایک دو لاکھ اور بھی خرچ ہو جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ بہرحال شمشیر کو قبر میں اتارنے کا پورا بندوبست ہو چکا ہے۔"

"مکمل!" جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مگر ایک گڑبڑ ہو جائے گی۔" میں نے پُرخیال انداز میں کہا۔

"کیا؟"

"کل تو تمہیں عذرا کے ساتھ کھانا پکوانا ہے۔"

"اوہ۔ جی ہاں۔ دوپہر کے بعد یہ کام ہو جائے گا۔" جمشید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ طالوت بھی مسکرا رہا تھا۔

"اور ہاں جمشید' مہمانوں میں صرف ہم نہیں ہوں گے۔ تمہیں انتظامات کرنے میں خیال رکھنا ہوگا۔"

"کون کون آئے گا؟"

"افشاں اور شکیلہ بھی ساتھ ہوں گی۔" طالوت نے کہا۔

"بہتر ہے۔" جمشید نے کہا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ شام کو پہلے ہم نے تنویر صاحب کی کوٹھی کا رخ کیا تھا۔ جمشید ہمارے ساتھ تھا۔ کوٹھی میں داخل ہوئے تو چائے کا وقت تھا اور ہم نے سیدھے لان کا رخ کیا' جہاں چائے کے لیے اجتماع ہو چکا تھا۔ ہماری کاریں دیکھ کر سب خوش ہو گئے۔

ہمارے علم میں نہیں تھا لیکن تنویر صاحب کے ہاں نواب جلال الدین اور سیمیں وغیرہ بھی آئے تھے۔ یہ اور دلچسپ بات ہوئی تھی۔ نواب جلال الدین' تنویر صاحب اور دیگر تمام لوگوں نے ہمارا استقبال کیا تھا۔

"خدا کی قسم' تمہاری عمریں بے حد لمبی ہیں۔ جلال بھائی سے میں یہی کہہ رہا تھا کہ اگر تم دونوں کو فون کر دیا جاتا کہ چائے یہیں پیئیں تو اچھا تھا۔ چائے اسی سے آ جاتی۔ خوشی تھی کہ احسان تمہیں فون کر دیں۔ وہ فون کرنے والے ہیں۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"چلیے' آپ نے یاد کیا ہم حاضر ہو گئے۔" میں نے کہا۔

"خوش آمدید۔ آؤ۔ آپ کی تعریف؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"ہمارے بزنس منیجر اور آئندہ غیر ممالک میں ہمارے نمائندے مسٹر۔" طالوت رک گیا۔ نواب جلال الدین بڑے غور سے جمشید کی شکل دیکھ رہے تھے۔

"کیوں؟ نام نہیں بتایا ان کا؟" تنویر صاحب نے کہا۔

"میں نے سوچا نام آپ میں سے کوئی بتا دے گا" طالوت مسکرا کر بولا۔

"اوہ۔ میں بتاؤں۔" نواب جلال الدین عجیب سے لہجے میں بولے۔

"جی؟" میں نے سوالیہ انداز میں انہیں دیکھا۔

"غالباً۔ جمشید۔" نواب صاحب بولے۔

"جی نہیں۔ صرف جمشید۔" میں نے کہا اور بڑی ماں آگے بڑھ آئیں۔

"اپنا جمشید؟"

"جی بڑی ماں۔ آپ کا جمشید۔" اور بڑی ماں جمشید کو غور سے دیکھنے لگیں پھر ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ انہوں نے جمشید کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"اب بھی تو انسان لگ رہا ہے۔"

اور پھر خوب ہنگامہ ہوا۔ جمشید دیکھنے کی چیز تھا جسے بار بار دیکھا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ بوا نے بھی خوب فقرے کسے۔ کہنے لگیں "اے لگتا ہے جیسے مولی پتوں کی آڑ سے

نکل آئی ہو۔ کیسی چندا کی سی شکل ہے۔ موئی جھاڑیوں میں چھپی ہوئی تھی۔" خوب قہقہے لگے۔ خوب چہرے ہوئے۔ پرخلوص بصرہ نواب صاحب نے کیا۔ انہوں نے تنویر صاحب سے کہا۔

"تنویر! شاید تم میری بات پر یقین نہ کرو لیکن جب میں نے جمشید کو ان لوگوں کی توجہ کا مرکز پایا تھا تو سوچ رہا تھا کہ اس کی تقدیر بہت اچھی ہے اور بالآخر اسے فیض ملے گا۔ خدا کی قسم' یہ میرے خیال کی تصدیق ہے۔ تم سوچو جو صحت صالح بھی تقدیر سے ملتی ہے۔"

"واقعی اس کی شخصیت تو قطعی بدل گئی۔" تنویر صاحب نے کہا۔

"ذہن بھی بدل گیا ہوگا اور اگر کوئی کسر رہ گئی ہے تو وہ پوری ہو جائے گی۔" بہرحال جمشید پر خوب بصرے ہوئے پھر چائے کے بعد ہم نے واپسی کی اجازت چاہی تو بہ اصرار روک لیا گیا اور رات کے کھانے کے بعد جانے کے لیے کہا گیا۔ کوئی خاص مصروفیت تو تھی نہیں رک گئے اور تفریحات میں وقت گزرنے لگے۔

بالآخر موقع پا کر میں نے افشاں کو تنہائی میں جا لیا۔

"کیسے مزاج ہیں؟"

"نوازش۔ دعائیں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہاں۔ ہماری دعائیں سب تمہیں لگتی ہیں' ہمیں نہیں۔"

"کیوں؟"

"بس زبان گھس گئی ہے تمہیں مانگتے ہوئے۔ نہ جانے کیوں دعا قبول نہیں ہو رہی۔"

"دعا کے ساتھ دوا بھی ضروری ہوتی ہے۔" افشاں نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا اور پھر اس کے بعد وہ کچھ نہ بول سکی۔ میں نے بہت سی باتیں کیں لیکن اس سے کوئی جواب ہی نہیں بن پڑا۔

"اچھا افشاں! ایک ضروری اطلاع ہے۔"

"جی۔" وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

"کل آپ دفتر تشریف لے آئیں۔"

"حاضر ہو جاؤں گی۔"

"کس وقت؟"

"جب آپ حکم دیں۔"

"تو آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ کل ٹھیک چار بجے دفتر پہنچ جائیں اور اگر گھر میں کہنا ہو تو رات تک کے لیے کہیں۔ رات کے نو بجے تک۔ آپ کو بقیناً واپس پہنچا دیا جائے گا۔"

"تعمیل ہو گی!" افشاں نے کہا۔

"شکریہ! لیکن تم نے یہ نہیں پوچھا کہ کیوں' کیا کرنا ہے' کہاں جانا ہے؟"

"ہرگز نہیں پوچھوں گی۔" افشاں نے کہا۔

"کیوں؟"

"بس نہیں پوچھوں گی۔ خود شرمندہ نہیں ہو جاؤں گی۔ حکم آپ دے رہے ہیں' اس کے بعد پوچھنے کی کیا گنجائش ہے۔ بس ٹھیک ہے۔ جو آپ کا حکم!"

"میں تمہارے خلوص' تمہارے یقین کا تمہیں کوئی صلہ نہیں دے سکتا افشاں۔" میں نے اچانک سنجیدہ ہو کر کہا۔ درحقیقت اس کے بے پناہ اعتماد پر میرا دل بھر آیا تھا۔

"دے سکتے ہیں۔" افشاں کے انداز میں شرارت ابھر آئی۔

"کس طرح؟"

"اپنا بھرپور اعتماد دے کر۔" اس نے جواب دیا۔

"خدا کی قسم افشاں۔ میں۔ میں۔" مجھ سے جملہ پورا نہ ہو سکا۔

"مجھے یقین ہے صائم صاحب!" افشاں نے میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "آیئے بیٹھیں۔" اور ہم باغ کے ایک گوشے میں بیٹھ گئے "آپ ایسے کیوں ہو گئے؟" افشاں نے پیار سے پوچھا۔

"بس اب ٹھیک ہوں۔"

"خدا کا شکر ہے۔" افشاں نے کہا۔ میں تھوڑی دیر تک خود کو سنبھالتا رہا' پھر بولا۔

"تم نے عذرا کو دیکھا ہے افشاں؟"

"عذرا! کون؟"

"میرا خیال ہے میں نے اس کے بارے میں بتایا تھا' ملاقات بھی کرائی تھی۔ وہ لڑکی جو میری پرسنل اسسٹنٹ ہے۔"

"ہاں۔ یاد آ گئی۔ پیاری سی لڑکی ہے۔"

"اس کی سفارش جمشید نے کی تھی۔"

"اوہ۔ یہ نئی اطلاع ہے۔"

"ایک اور بھی اطلاع ہے۔"

"وہ کیا؟"

"جمشید وہ نہیں ہے جو خود کو ظاہر کرتا تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ ایک ذہین ترین نوجوان ہے۔ مجھے معاف کرنا' دراصل تمہارے ماموں غلط آدمی ہیں۔ وہ اسے ہمیشہ غلط

Uploaded By Muhammad Naeem

لائنوں پر ڈالنے کی کوشش کرتے رہے اور ضد میں جمشید وہ بن گیا جو نظر آتا تھا۔"

"خدا کی پناہ۔ تو کیا وہ اس قدر احمق نہیں ہیں جتنا خود کو ظاہر کرتے تھے؟"

"بالکل احمق نہیں ہے' بلکہ ایک اعلیٰ ذہانت کا مالک نوجوان ہے۔"

"ان کی بدلی ہوئی شکل دیکھ کر میں تو حیران رہ گئی ہوں۔"

"اسے یہاں اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ بی افشاں کو شیشے میں اتار کر ان سے شادی کرے اور اس طرح تنویر صاحب کی بے پناہ دولت کا مالک بن جائے۔ اسے افشاں سے کوئی کد نہیں تھی لیکن وہ اپنے باپ کی ہوس پوری نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسکا خیال تھا کہ ممکن ہے پھوپی جان کی محبت عود آئے اس لیے اس نے ایسا حلیہ بنایا اور ایسے حالات پیدا کردیے کہ اسے کسی شریف آدمی کو قبول کرنا ناممکن ہوجائے اور وہی ہوا۔"

"اوہ!" افشاں نے حیرت سے کہا "یہ ساری باتیں آپ کو جمشید بھائی نے بتائی ہیں؟"

"خود سے نہیں بتائیں' پوچھی گئی ہیں۔" میں نے جواب دیا۔

"تب تو وہ اچھے انسان ہیں۔ میرے دل میں ان کی عزت بڑھ گئی۔" افشاں نے کہا۔

"ہاں افشاں! واقعی وہ عمدہ انسان ہے۔ خیر تو بات ان عذرا کی ہورہی تھی۔"

"ہاں!"

"جمشید میں اور ان میں کچھ گڑبڑ پائی جاتی ہے۔"

"ایمان سے!" افشاں بڑے پیارے انداز میں بولی۔

"ہاں۔ مجھے یقین ہے۔"

"اوہ! میں نے غور سے اس بے چاری لڑکی کو دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب دیکھوں گی لیکن صائم صاحب! اگر ایسی کوئی بات ہے بھی تو۔۔۔ میرا خیال ہے یہ بیل مشکل سے منڈھے چڑھے گی۔"

"کیوں؟"

"ماموں جان کا لالچ۔ وہ بے چاری ملازم پیشہ لڑکی ہے۔"

"تھی' اب نہیں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"اب وہ دو بھائیوں کی بہن ہے۔ ایک کا نام صائم ہے اور دوسرے کا عادل اور یہ دونوں کافی مال دار ہیں۔" میں نے کہا اور افشاں عقیدت سے مجھے دیکھنے لگی پھر متاثر لہجے میں بولی۔

"ہاں۔ خدا کا احسان ہے وہ بے حد مال دار ہیں۔ قدرت نے انہیں وسیع دلوں کی دولت سے نوازا ہے۔ سچ مجھے تو بہت خوشی ہورہی ہے۔ دو ہری خوشی سمجھ لیں۔ اول تو یہ کہ جمشید بھائی بہرحال میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔ تھوڑی سی محبت تو مجھے ان سے اس حیثیت سے تھی۔ ان کی شخصیت میں کوئی دلکشی نہیں تھی اس لیے زیادہ نہ جا سکی لیکن اب ان کی شخصیت بھی بدل گئی ہے اور ان کی ذہنی کیفیت بھی سامنے آگئی ہے۔"

"بہرحال آخری بات یہ کہ کل میں نے تمہیں کسی کے لیے بلایا ہے' وہ سن لو۔ عذرا کے یہاں ہماری دعوت ہے۔ چنانچہ میں' عادل' شکیلہ اور تم چلیں گے۔"

"اوہ' ضرور اور جمشید بھائی؟"

"سمجھا کرو۔ وہ تو میزبانوں میں شمار ہوتے ہیں۔"

"ارے۔ اوہ۔" افشاں ہنس پڑی "تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے۔"

"ابھی تو بہت آگے تک پہنچے گی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہرحال دوسرے دن وقت مقررہ پر ہم چل پڑے۔ جمشید نے عذرا کے گھر کا پتہ بخوبی سمجھا دیا تھا۔ علاقہ غریب لوگوں کا تھا۔ ہماری کاریں عذرا کے مکان کے سامنے پہنچ گئیں۔ جمشید دروازے پر استقبال کے لیے موجود تھا اور اندر عذرا' اس کی بہنیں اور اس کی ماں موجود تھیں۔ ان سب کے چہروں سے مسرت پھوٹی پڑ رہی تھی۔

چھوٹا سا صاف ستھرا گھر تھا' جہاں ہمارا شاندار استقبال کیا گیا۔ کھانے نہایت لذیذ تھے اور اس سے اچھی عذرا کی امی کی باتیں تھیں۔ محبت کے شہد میں ڈوبی ہوئی' سوندھی سوندھی۔ بہرحال نہ صرف ہمیں بلکہ افشاں اور شکیلہ کو بھی بہت لطف آیا۔ عذرا سے ان کی اچھی خاصی دوستی ہوگئی اور انہوں نے اسے دعوت دے دی کہ وہ اکثر ان سے ملتی رہا کرے۔ عذرا کے انبساط کی انتہا نہیں تھی۔ اسے اتنے اچھے ساتھی مل گئے تھے' ایسے کرم فرما مل گئے تھے' جن کی محکوم ہونے کے باوجود وہ ان کی محکوم نہیں' بلکہ دوست تھی۔ خاصی دیر سے واپسی ہوئی۔ شکیلہ کو اس کے گھر چھوڑ کر ہم واپس آگئے۔ گھر آکر ہم کافی دیر تک عذرا کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ ہمیں وہ بہت پسند آئی تھی۔ طالوت نے

کہا۔

"بہن کو جہیز میں گھر تو دینا ہی پڑے گا اس لیے تصدق سے کہا جائے کہ وہ ایک عمدہ سے مکان کا بندوبست کرے۔"

"یقیناً!" میں نے کہا۔

"لیکن ہم پہلے سے اسے مکان پیش تو نہیں کرسکتے۔"

"ہاں۔ بہرحال سوچیں گے اس بارے میں۔"

"ایک اور خیال میرے ذہن میں کلبلا رہا ہے۔"

"کیا؟"

"چاند کی آخری رات قریب آتی جارہی ہے۔"

"اوہ!" میں بھی سنجیدہ ہوگیا۔

"باقی پروگرام واپسی پر رہیں گے۔"

"ہاں۔ ہاں تو ٹھیک ہے۔ جلدی کیا ہے۔" میں نے کہا۔

دوسرے دن جمشید نے شمشیر والے کام کے مکمل ہوجانے کی اطلاع دی۔ خریدار نمائندے کا کام ختم ہوگیا تھا۔ شمشیر کو اسٹاک اٹھوا کر رقم وصول کرلی گئی۔ حساب سے چھ لاکھ روپے جمشید کے نام مخصوص کردیے گئے جس کی اسے کوئی اطلاع نہیں دی گئی تھی۔

معاملات چلتے رہے اور پھر نواب صاحب جلال الدین نے واپسی کے بارے میں تذکرہ کیا "بھئی اب جب مجھے یہاں آنا ہی ہے تو کچھ انتظامات کرنے کے لیے جلد جانا چاہیے۔"

"آپ کی یہاں رہائش گاہ کے لیے انتظامات ہورہے ہیں نواب صاحب!"

"ہاں بھئی یہ تمہاری ذمے داری ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"ایک اور بات کرنی تھی نواب صاحب!" طالوت نے کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ضرور۔ کیا بات ہے؟"

"یہاں سے باہر جاؤ۔" طالوت نے کہا اور میرے کان کھڑے ہوگئے "جاؤ!" طالوت نے ڈانٹنے والے انداز میں کہا اور میں ہنس پڑا۔ میں باہر نکل آیا لیکن بھلا میں ٹلنے والا تھا۔ راسم کی آنکھ میں نے قبضہ جما رکھا تھا چنانچہ دوسرے لمحے میں نے آنکھ مچی پہنی اور الٹے قدموں میں اندر چلا گیا۔ طالوت نے دروازہ بند کرلیا تھا۔

"خیریت؟ بڑی رازداری برتی جارہی ہے؟" نواب صاحب مسکرا کر بولے۔

"بات ہی ایسی ہے۔"

"کہو!"

"نواب صاحب! میں چاہتا ہوں افشاں کی شادی صائم سے ہوجائے۔"

"اوہ!" نواب صاحب سنجیدگی سے بولے۔

"کیا آپ نے کبھی اس سلسلے میں سوچا ہے؟" طالوت نے پوچھا۔

"جو کچھ کہوں گا اس پر سنجیدگی سے یقین کرلو گے؟" نواب صاحب بولے۔

"یقیناً!"

"خود میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا تھا لیکن ہمت نہیں پڑ سکی۔ بہرحال تمہاری حیثیت تنویر سے بہت بڑی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے نواب صاحب!" طالوت نے کہا "بہرحال جب آپ اس بارے میں کوشش کریں۔ میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں۔ یہ کام ضرور ہونا چاہیے۔"

"اوہ۔ میرا خیال ہے مشکل تو نہیں ہوگا۔ تنویر کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات کون سی ہوسکتی ہے؟"

"تو پھر کب ابتدا کررہے ہیں؟"

"میرا خیال ہے اس میں دیر مناسب نہیں ہے۔"

"یقیناً!"

"پھر کل شام کو میں تمہارے ساتھ ہی چلوں گا۔ یوں تو تنویر کو بھی طلب کیا جاسکتا تھا لیکن میرا خیال ہے یہ بات اس کے گھر پر ہی مناسب رہے گی۔"

"بالکل ٹھیک۔" طالوت نے جواب دیا اور وہ دوسری گفتگو کرنے لگے۔ میں نے خاموشی سے کھسک آنے میں عافیت سمجھی۔ طالوت کو شبہ بھی ہوسکتا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد طالوت میرے کمرے میں آگیا۔ میں ایک آرام کرسی میں دراز تھا۔

"بات ہوگئی شریف آدمی!"

"کیا ہوئی؟" میں نے دبے دبے اشتیاق کا اظہار کیا۔

"بس کل تنویر صاحب سے گفتگو ہوگی۔"

"اوہ۔ خود نواب صاحب کا خیال کیا ہے؟"

"بس وہی۔ چاہتے تو وہ بھی یہی تھے لیکن ہمت نہیں پڑ سکی۔"

"ہوں۔ شکریہ طالوت۔ میرے خیال میں یہ مناسب قدم ہے۔"

"خوش ہو؟"

"ہاں۔ لیکن ایک درخواست ہے۔"

"عرض کرو!" طالوت شاعرانہ انداز سے بولا۔

"کل میں بھی ساتھ چلوں گا۔ میرا مطلب ہے راسم کی

Uploaded By Muhammad Nadeem

انگوٹھی پہن کر۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا حرج ہے؟" طالوت شریفانہ انداز میں بولا اور میں نے اسے بھینچ لیا۔

دوسرا دن نئی دلچسپیوں کا حامل تھا۔ ہم دفتر پہنچے تو تصدق نے بتایا کہ دوبار شمشیر کا فون آچکا ہے۔ اس نے دونوں بار آپ کے بارے میں پوچھا تھا۔

"ویری گڈ۔ اسے احساس ہو گیا؟"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"اور کچھ کہا تھا؟"

"بس آخر میں کہا تھا کہ جب ہم آجائیں تو اسے اطلاع کر دی جائے۔ اس نے اپنا فون نمبر دے دیا ہے۔"

طالوت نے میری طرف رخ کر کے آنکھ دبا دی "اب گھنگلو کرو جنگل کے شیر سے۔"

"واقعی خوف محسوس ہو رہا ہے۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر میں نے تصدق سے کہا "ٹھیک ہے تصدق' شمشیر کو اطلاع دو کہ ہم آگئے ہیں۔"

"بہتر جناب!" تصدق نے کہا اور چلا گیا۔ تقریباً تین چار منٹ کے بعد اس نے ہم سے رابطہ قائم کیا۔ انٹر کام پر اس نے کہا "میں نے شمشیر کو رنگ کر کے اطلاع دے دی جناب!"

"ہوں۔ کیا کہا؟"

"کچھ نہیں' فون رکھ دیا۔"

"اوہ' ٹھیک ہے تصدق! وہ آئے تو اسے احترام سے ہمارے پاس لے آیا جائے۔" میں نے کہا اور انٹر کام کی بیل آف کر دی۔ طالوت دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیا اس کے آنے کے امکانات ہیں؟"

"بہت جلد۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا' اور میرا خیال بہرحال غلط نہیں تھا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد شمشیر کی آمد کی اطلاع ملی اور ہم نے اسے اندر بلا لیا۔ شمشیر ایک قیمتی سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے چہرے پر دہشت چھائی ہوئی تھی' ہونٹ بھنچے ہوئے تھے۔

"ہیلو' شمشیر۔ آؤ بھئی۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا' لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہ آئی بلکہ آنکھوں میں ایک خوں خوار چمک پیدا ہو گئی۔

"میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے کہا۔

"ضرور۔ بیٹھو۔ ویسے تم نے مصافحے کی کوشش نہیں کی اور یہ بات اس کا اظہار ہے کہ تم دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے نہیں آئے ہو۔"

"دوستانہ!" وہ زہر خند سے بولا "حالات دوستانہ ہی تو ہیں۔"

"خیر' پھر بھی بیٹھو۔ ہمارے دروازے پر آئے ہو۔" میں نے بھی حقارت سے کہا۔

"شکریہ!" شمشیر بیٹھ گیا۔

"ہاں۔ شروع ہو جاؤ۔ کیا بات ہے؟" میں نے بھنویں اٹھا کر پوچھا اور شمشیر تلملا کر رہ گیا۔ طالوت کے چہرے پر البتہ بڑی پرسکون کیفیت طاری ہو گئی' جیسے میرے انداز سے وہ مطمئن ہو۔

"یہ اب کیا ہو رہا ہے؟" شمشیر غرایا۔

"کہاں؟"

"کارپٹ سینٹر کیا ہے؟"

"تمہاری عقل میں کچھ نہیں آتا؟"

"کیا مطلب؟"

"یہ قالینوں کا بہت بڑا مرکز ہے اور بین الاقوامی پیمانے پر قالینوں کی تجارت کرتا ہے۔ آگے بڑھو۔"

"لیکن میں سمجھتا ہوں یہ سب۔۔۔ یہ سب میرے مقابلے پر کیا گیا ہے۔" شمشیر نے کہا۔

"تمہارے مقابلے پر؟" میں ہنس پڑا "خوب! بہرحال خوش فہمیاں زندہ رکھتی ہیں۔ ورنہ تمہاری ننھی سی دکان کا کارپٹ سینٹر سے کیا مقابلہ۔ پھر بھی اگر تم یہ سمجھتے ہو تو مقابلہ کرو۔ مردوں کو ہمت نہیں چھوڑنی چاہیے۔"

"جو کچھ ہو رہا ہے' وہ ناقابل برداشت ہے اور۔۔۔ اب جو ہوگا اس کی ذمے داری مجھ پر نہیں ہوگی۔" شمشیر نے اسی انداز میں کہا۔

"اس کی وضاحت بھی کر دو۔ دراصل تمہاری گفتگو ارر تھیٹک میں ہوتی ہے۔" میں نے کہا۔

"بس میں یہی اطلاع دینے آیا تھا۔" شمشیر نے کرسی سرکائی۔

"اوہ' بیٹھو میری جان۔ میرا خیال ہے تم سادہ پانی پینا پسند کرو گے۔ ویسے اطلاع کا شکریہ اور اس کے عوض ایک ہمدردانہ مشورہ نوٹ کرتے جاؤ۔"

"وہ کیا۔۔۔؟" شمشیر نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بیوی بچوں اور دنیا سے اکتا گئے ہو تو دوسری بات ہے ورنہ ایک مخلصانہ مشورہ ہے کہ اپنی معمولی سی ریاست فروخت کر کے کوئی چھوٹی موٹی پرچون کی دکان کھول لو۔ پیٹ بھرتا رہے گا۔ کارپٹ سینٹر سے مقابلے کا اور ہمارے خلاف کچھ کرنے کا فتور ذہن سے نکال دو' اور کوئی ایسی کوشش کی تو

جوابی کارروائی جیسی ہوگی' اسے دیکھ لینا۔"

"تم بھی لکھ لو۔۔۔! تمہیں کتوں کی طرح سڑکوں پر بھونکنے پر مجبور نہ کر دیا تو شمشیر نام نہیں۔" شمشیر نے خوفناک انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"نام تو اب بھی تمہارا غلط ہے میری جان۔ ایک مشورہ میرا بھی ہے۔ تم اپنا نام شمشیر سے بدل کر کل اندام رکھ لو اور کہیں گانے بجانے کا کاروبار کرو۔ شمشیر جیسا نام تمہارے ساتھ ایسا ہی لگتا ہے جیسے کسی مداری نے بندر کے ہاتھ میں بندوق دے کر اسے سیدھا کھڑا ہونے پر مجبور کر دیا۔ لیکن۔ لیکن دم لگتی رہتی ہے۔ ارے ہاں۔ دم تو لگتی ہی رہتی ہے۔" طالوت قہقہے لگانے لگا اور شمشیر جھلاہٹ میں پیر پٹختا ہوا باہر نکل گیا۔ ہم کافی دیر تک قہقہے لگاتے رہے۔

پھر جمشید کی آمد پر یہ سلسلہ ختم ہوا۔ جمشید مسکراتا ہوا اندر آیا۔

"آؤ بھئی جمی ڈارلنگ! کیا حال ہے تمہارے کشتہ مستم کا؟"

"جی؟" جمشید بوکھلا کر بولا۔

"میری مراد شمشیر سے ہے۔"

"اوہ' آج ابھی تک اس کے بارے میں رپورٹ نہیں موصول ہوئی۔"

"کیا مطلب؟"

"مجھے اس کی روزانہ رپورٹ ملتی ہے۔ میرا ایک آدمی اس کے بالکل قریب ہے۔"

"ارے؟" ہم دونوں چونک پڑے۔

"ہاں' یہ ضروری تھا۔"

"یار تو قیامت کا انسان ہے جمشید! کون ہے وہ؟"

"ایل بارنش۔ اس کی پرسنل سیکریٹری۔ موسیقی کی رسیا ہیں۔ اس کا جم کھو گیا۔ وہ میری ڈاڑھی سے پیار کرتی تھی' آج کل صرف فون سے کام چلا رہا ہوں۔"

"خدا کی پناہ۔ دیکھا ہمارے اس امریکن بدمعاش کو؟ کیا کیا چکر چلائے ہوئے ہیں اس نے ہمارے شمشیر کے خلاف۔ اب تو اس بے چارے پر ترس آنے لگا ہے۔"

جمشید ہنستا رہا پھر اس نے کہا "بہرحال اسے یہ اطلاع تو مل چکی ہے کہ اس کا سودا کینسل ہو گیا ہے۔"

"جبھی آیا تھا۔"

"آیا تھا؟" جمشید چونک کر بولا۔

"ہاں ابھی اٹھ کر گیا ہے۔"

"ویری گڈ۔ کیا کہہ رہا تھا؟" جمشید نے دلچسپی سے پوچھا اور ہم نے اسے تفصیل بتا دی۔ جمشید بھی اس کی گفتگو سے کافی محظوظ ہوا۔ کافی دیر تک ہم اس پر تبصرہ کرتے رہے اور پھر جمشید اجازت لے کر چلا گیا۔ ہم لوگ دوسرے موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ مجھے شام ہونے کا بے چینی سے انتظار تھا۔

بالآخر خدا خدا کر کے وقت گزرا۔ واپسی میں ہم ایک ہی کار میں آئے تھے "میرا خیال ہے نواب جلال الدین کو بھی اندازہ نہیں' ہونا چاہیے کہ تم ساتھ ہو۔"

"ارے انہیں کیسے ہوگا؟ ظاہر ہے۔"

"گھر چل کر پہلے تنویر صاحب کو فون کریں گے۔"

"میں بھی یہی کہنے والا تھا۔" میں نے کہا اور خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر ہم کوٹھی پہنچ گئے۔ نواب جلال الدین سنجیدہ انسان تھے۔ حالات نارمل تھے لیکن وہ چلنے کے لیے تیار تھے اور پھر انہوں نے تنویر صاحب کو فون کر کے ان کی موجودگی کے بارے میں معلوم کیا اور ان سے کہہ دیا کہ انتظار کریں' وہ آرہے ہیں۔

اور پھر وہ اور طالوت چل پڑے۔ ڈرائیونگ خود طالوت کر رہا تھا' اور نواب صاحب اس کے برابر بیٹھے تھے۔ چنانچہ پچھلی سیٹ میرے لیے خالی تھی اور میں اس پر اپنا سانس روکے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم تنویر صاحب کی کوٹھی میں پہنچ گئے۔ تنویر صاحب ہی ہمارے منتظر تھے۔ انہوں نے پورچ میں ہی ہمارا استقبال کیا۔

"ارے خیریت؟ باہر کیسے نکل رہے ہو؟" نواب صاحب نے پوچھا۔

"نہ جانے کیوں آپ کے فون کے بعد میں خفقان میں مبتلا ہو گیا؟"

"کیوں' ایسی کیا خاص بات تھی میرے فون میں؟"

"بس کچھ اجنبیت تھی' کچھ انوکھا پن تھا۔"

"بہت خوب!" نواب صاحب مسکراتے ہوئے بولے "بہرحال انوکھا پن ضرور ہے مگر ناخوشگوار نہیں۔ آؤ۔ بیٹھیں گے لیکن ایسی جگہ جہاں دوسرے مداخلت نہ کریں۔"

"اوہ' ہے نا خاص بات!" تنویر صاحب پہلے انداز میں مسکرائے۔

"ہاں خاص بات تو ضرور ہے۔" نواب صاحب نے بھی مسکراتے ہوئے کہا اور ہم ایک طرف چل پڑے۔ میں خود کو اس لیے شامل کر رہا ہوں کہ میں ان لوگوں سے دور نہیں تھا اور بے آواز ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ بالآخر تنویر صاحب ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ یہ ان کی مخصوص نشست

Uploaded By Muhammad Nadeem

کمرا تھا۔ خوب صورت کرسیوں پر سب بیٹھ گئے۔ میں ان کے نزدیک بیٹھنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا۔

"کیا پئیں گے جلال بھائی؟"

"ابھی کچھ نہیں۔ کیوں عادل؟" نواب صاحب نے پوچھا۔

"ہاں' ابھی تو ضرورت نہیں محسوس ہو رہی۔" طالوت نے جواب دیا۔

"للہ' اب جلدی بول پڑیں جلال بھائی۔ ایسی کیا بات ہے' میرے لیے ناقابل برداشت ہو رہی ہے۔" تنویر صاحب بولے۔

"اوہ تنویر' میں کہہ چکا ہوں کوئی پریشان کن بات نہیں بلکہ مسرت خیز ہے۔ رسمی سا سوال ہے لیکن بہرحال جواب ضروری ہے۔ ان بچوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کن بچوں کے بارے میں؟"

"میری مراد صائم اور عادل سے ہے۔"

"میرے خیال سے کیا مراد ہے؟"

"کیسے ہیں یہ دونوں؟"

"مثالی۔ قابل فخر!" تنویر صاحب نے جواب دیا۔

"سنو تنویر۔ اگر ان میں سے کسی کو خواہش ہوتی۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو میں اپنی سیمیں کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں بخوشی دے دیتا۔ خدا کا احسان ہے کہ وہ احسان کے ساتھ خوش ہے۔ میں ایک بیٹی کا باپ ہو کر اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا میری مراد ہے کہ میں انہیں اتنا عزیز رکھتا ہوں۔ اب۔ عادل کی رائے ہے بلکہ عادل کی خواہش ہے کہ صائم کو تم اپنی فرزندگی میں قبول کر لو اور افشاں کا عقد صائم سے کر دو۔ اگر تمہارے ذہن میں دوسرا کوئی احساس ہو تو یوں سمجھو میں صائم کے باپ کی حیثیت سے تم سے یہ بات کہہ رہا ہوں۔"

تنویر صاحب کا چہرہ خشک ہو گیا۔ وہ بہت زیادہ پریشان نظر آنے لگے۔ کئی منٹ تک وہ خاموش اور پریشان بیٹھے رہے پھر بولے۔

"جلال بھائی۔ خدا کی قسم۔ جو کچھ کہہ رہا ہوں' دل کی گہرائیوں اور خلوص سے کہہ رہا ہوں۔ آپ کو خدا کی قسم اس میں کوئی فریب تلاش نہ کریں' نہ کوئی تجاہل عارفانہ۔ میرے لیے بھی یہ دونوں وہی حیثیت رکھتے ہیں جو آپ کے لیے۔ بس ایک پیچ ہے۔"

"وہ کیا؟"

"کاش یہ ان حالات میں یہ بات کہہ دیتے جب یہ کھل کر سامنے نہیں آئے تھے۔ اب دنیا سوچے گی کہ تنویر ان کی حیثیت پر رشک کیا۔"

"احمقانہ خیال ہے۔ ہم اپنی افشاں کو کسی فقیر سے کیسے بیاہ سکتے ہیں۔" ہمیں ہم پلہ داماد کی ضرورت تو ہوتی ہی سو ہمیں مل گیا۔"

"لیکن ان لوگوں کی حیثیت گھر کے افراد کی سی رہی ہے اب۔"

"یہ اور اچھی بات ہے۔ گھر کا لڑکا ہی اچھا ہو تو باہر جھانکنے کی کیا ضرورت ہے؟" نواب جلال الدین نے تنویر صاحب کی ایک نہ چلنے دی۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ میرا خیال ہے آپ میری ذہنی رو کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہے۔" تنویر صاحب بے بسی سے بولے۔

"دیکھو تنویر۔ کوئی اور معاملہ ہوتا۔ تو شاید میں تم پر اظہار حق رکھتا ہوں کہ تم سے پوچھے بغیر بھی کوئی بات کر سکتا ہوں لیکن اس بارے میں تمہیں پورا پورا حق ہے' جو فیصلہ بھی کرو لیکن ایسی بات کا سہارا مت لو جس کی کوئی حیثیت' کوئی حقیقت نہ ہو۔ ہاں تم صائم کو افشاں کے لیے ناموزوں' قرار دے سکتے ہو۔ اس کی ذات' اس کی شخصیت پر تنقید کر کے اس رشتے کو نامنظور کر سکتے ہو۔ یہ تمہارا حق ہے۔" نواب صاحب سنجیدگی سے بولے اور میں دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا۔ بلاشبہ نواب جلال الدین اس کام کے لیے موزوں ترین انسان تھے۔

"خدا کی قسم۔ یہ دونوں نوجوان میری نگاہ میں عظیم ہیں۔ نیک طینت' عالی نسب لیکن آپ مجھے مشورہ دیں جلال بھائی' میں ان سے کم تر ہوں۔ اس احساس کو کہاں لے جاؤں۔"

"مجھے کچھ بولنے کی اجازت ملے گی نواب صاحب؟" طالوت نے مداخت کی۔

"ہاں۔ ضرور۔"

"مجھے تنویر صاحب کے ان الفاظ سے اختلاف ہے۔ ایک شخص کی اولاد اگر ترقی کر کے کچھ سے کچھ بن جائے تو کیا باپ اس کے سامنے احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے؟ ہاں' یہ دوسری بات ہے کہ کسی اچھی کو اپنی اولاد سمجھنے میں خاصی مشکلات پیش آتی ہیں۔"

"اوہو۔ اوہو۔ یہ بات نہیں ہے عادل میاں۔" تنویر صاحب تڑپ کر بولے۔

"تنویر صاحب کو میرے بھائی کے رشتے پر اعتراض ہے۔ وہ اسے قبول نہیں کر سکتے' ٹھیک ہے نواب صاحب! ہم انہیں احساس کمتری کا شکار نہ ہونے دیں گے۔ آپ لوگوں کی محبت کے سہارے ہم لوگوں نے یہاں ایک گھر بنا لیا تھا۔ ہم نے آپ ہی کے پیار کے سہارے یہاں اپنی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ جب ہمیں پیار کی اس روشنی میں کچھ تاریک دھبے نظر آ رہے ہیں تو پھر یہ شہر ہی ہمارے لیے اجنبی ہو گیا۔ ہم ایک ہفتے کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ دیں گے نواب صاحب۔" طالوت اٹھ کھڑا ہوا۔

نواب صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ تنویر صاحب تڑپ کر کھڑے ہو گئے تھے۔

"عادل' عادل بیٹے۔ شاید مجھ سے حماقت ہو گئی۔ مجھے معاف کر دو۔ بخدا' اب تمہارے بغیر اس شہر میں دل بھی نہیں لگے گا۔ خود کو ہم سے اس قدر دور کیوں سمجھ رہے ہو؟"

"اس دوری کا احساس دلایا جا رہا ہے۔" طالوت نے کہا۔

"اور عادل کی بات پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔"

"میں افشاں کو ان کی کنیز بنانے کو تیار ہوں۔ اس کے بعد انہیں اختیار ہو گا۔"

"وہ میری بہن ہے اور بہنیں بھائیوں کی کنیزیں نہیں ہوتیں۔ میں اس سے ایک اور رشتہ قائم کرنا چاہتا ہوں۔ ہو سکے تو اس میں میری مدد کریں۔"

"پھر بیٹے' تمہیں اختیار ہے۔" تنویر صاحب نے ہتھیار ڈال دیے اور نواب صاحب خوشی سے کھڑے ہو گئے۔

"تمہیں یہ رشتہ منظور ہے؟"

"نکال دی اس الجھن کو ذہن سے نکال دو۔" نواب صاحب ہوا میں بے قابو ہوئے جا رہے تھے۔

"نکال دی۔" تنویر صاحب پھیکے انداز میں بولے۔

"چلو بھئی عادل کو لے آؤ۔" نواب صاحب نے کہا اور میں خوشی سے بے قابو ہو گیا اور پھر میں وہاں رکنے والا کہاں تھا۔ افشاں کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی۔ اپنے کمرے میں موجود تھی۔ میں نے انگوٹھی اتار کر جیب میں ڈال لی۔ اور اس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

"آجاؤ۔ دروازہ کھلا ہی ہے۔" افشاں کی آواز سنائی دی اور میں اندر داخل ہو گیا۔ مجھے دیکھ کر افشاں اچھل پڑی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات پھیل گئے "ارے آپ۔ اچانک؟"

"جی ہاں۔"

"آیئے!" افشاں کھڑی ہو گئی۔ اس نے میرے لیے کرسی کھسکائی اور میں بیٹھ گیا۔

"تنہا ہیں؟" افشاں نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔" میں نے جواب دیا "تم میرے ساتھ ہو۔"

"یقیناً! مگر کیا عادل بھائی نہیں آئے؟"

"نواب صاحب بھی آئے ہیں۔"

"کہاں ہیں؟"

"تنویر صاحب کے کمرے میں۔"

"اوہو' اچانک آئے آپ لوگ۔ فون ہی کر لیا ہوتا۔"

"کیا کرتیں آپ؟"

"انتظار!" افشاں دل آویز انداز میں مسکرائی۔

"دونوں حضرات ہمارے درمیان سے یہی الجھن دور کرنے آئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" افشاں کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی۔

"اور میرا خیال ہے اس میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"صائم۔ پلیز۔ میرے ہاتھ پاؤں پھول رہے ہیں پلیز۔" افشاں نڈھال سی ہو گئی۔ اس کی کیفیت عجیب ہو گئی تھی۔ میں نے اسے تنگ کرنا مناسب نہ سمجھا اور ان لوگوں کی آمد کا مقصد اور تنویر صاحب سے گفتگو کی تفصیل بتا دی۔ افشاں کا چہرہ گلابی ہو گیا تھا۔ اس کی گردن جھک گئی تھی اور وہ گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔

"کیا بات ہے افشاں؟" میں اس کے قریب پہنچ گیا۔

"کچھ نہیں' کچھ نہیں صائم!"

"خوش ہو؟"

"یہ کیوں پوچھ رہے ہیں؟ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں؟" افشاں آہستہ سے بولی۔

"پھر کس سے پوچھوں؟"

"خود سے۔" افشاں نے آنکھیں بند کر لیں پھر کافی دیر تک ہم تاثر میں ڈوبے رہے پھر افشاں چونکی اور حیرانی سے میری طرف دیکھنے لگی۔

"کیوں؟" میں نے اس کے بدلے ہوئے انداز پر چونک کر پوچھا۔

"آپ اس گفتگو میں کہاں سے شریک ہو گئے؟"

"چھپ کر سنی تھی۔ کسی کو میرے آنے کی اطلاع نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"اوہ۔۔۔ تو پھر۔۔۔ تو پھر اب آپ جائیں۔ دیکھیے برا نہ مانیں۔ پہلے دوسری بات تھی۔ پہلے میں دوسروں پر ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ وہ آپ کے بارے میں سوچ لیں' میرے لیے آپ کی حیثیت سمجھ لیں۔ اب انہوں نے سمجھ لیا ہے۔ اب۔۔۔ اب مجھے شرم آئے گی۔"

"یہ گڑبڑ ٹھیک نہیں ہے افشاں۔ میں تم سے ملوں گا ضرور۔" میں نے کہا۔

"ہاں' ہاں۔ اس کے لیے کون منع کررہا ہے لیکن۔۔۔ اب۔ چھپ چھپ کر۔" افشاں نے شرمگیں انداز میں کہا۔

"پھر کل کب؟ کس وقت؟"

"دفتر آؤں گی۔" افشاں نے جواب دیا۔

"کس وقت؟"

"دو بجے۔ بہانہ کرکے۔ پلیز۔ اب جایئے۔" افشاں نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا اور پھر اس نے میری انگلیاں چوم لیں اور میں خوش و خرم باہر نکل آیا' لیکن باہر آتے ہی میں نے انگوٹھی پہن لی تھی۔

جمشید نے اپنی کارروائیاں تیز کردی تھیں۔ تصدق اور وہ مل کر قیامت ڈھا رہے تھے۔ دنیا کے بہت سے ممالک سے قالین درآمد کیے جارہے تھے اور دنیا کے بہت سے ممالک کو برآمد کیے جارہے تھے۔ اس کے علاوہ ملک بھر میں خریداروں کا جال پھیلا دیا گیا تھا جو ہر اس جگہ سے رابطہ قائم کیے ہوئے تھے' جہاں قالین تیار ہورہے تھے اور عمدہ قیمت پر فوراً مال خرید لیتے۔ شمشیر کی طرف سے ابھی تک کوئی کارروائی نہیں ہوئی تھی لیکن جمشید کا جاسوس کام کررہا تھا اور صرف یہ اطلاع تھی کہ شمشیر ذہنی طور پر دیوالیہ ہوتا جارہا ہے۔

طالوت وقت مقررہ پر چلا گیا تھا لیکن واپس آیا تو کسی قدر پریشان تھا۔ میں نے اس کی شکل دیکھ کر اس سے خیریت پوچھی۔

"خیریت نہیں ہے یار۔" اس نے کہا۔

"کیا بات ہے طالوت' مجھے نہیں بتاؤ گے؟"

"نہ بتانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میرا خیال ہے مجھے پھر اوپر سے رابطہ توڑنا پڑے گا۔"

"کیوں؟"

"آج کل والد صاحب پر میری شادی کی فکر سوار ہے۔ اس بار ان سے خاصی گرما گرمی ہوئی ہے۔ کسی زمنی لڑکی کے بارے میں وہ غور کرنے کو تیار نہیں ہیں۔"

"اوہ!" میں نے بھی فکرمندی سے کہا "پھر کیا کرو گے؟"

"اسی سوچ میں ہوں۔"

"اگر تم۔ اگر تم ان کی مرضی کے بغیر یہاں شادی کرلو طالوت' تو اس کے بعد کیا ردعمل ہوگا؟" میں نے پوچھا۔

"اُیں!" طالوت چونک پڑا۔ وہ پُرخیال انداز میں مجھے دیکھ رہا تھا پھر اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ آنکھوں میں کسی قدر مسکراہٹ نظر آئی اور پھر وہ بولا "یار۔ میرا خیال ہے پوری زندگی میں تم نے ایک نہایت قیمتی بات کہی ہے وہ بھی اتفاقاً۔"

"یعنی؟"

"دراصل میں اس بات سے فکرمند تھا۔ اب ان کی نگاہوں سے چھپنا مشکل تھا۔ پہلے تو ہم چھپتے پھرتے رہتے تھے' اب یہاں سے کہیں جانا مشکل ہے۔"

"یقیناً! پھر اب؟"

"تمہارے اس خیال نے میرے ذہن میں ایک اور خیال پیدا کردیا ہے اور یہ خیال نہایت شان دار ہے۔ میں شکیلہ کو اپنالوں اور آئندہ ماہ جاؤں تو شکیلہ کو بیوی کی حیثیت سے اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اگر اس حیثیت سے وہ لوگ اسے قبول کرلیں تو ٹھیک ہے ورنہ پھر ان سے علیحدگی اختیار کرلی جائے۔"

"اوہ! یہ خیال آیا ہے تمہارے ذہن میں؟"

"ہاں!"

"سوچ لو طالوت' اگر ان کا ردعمل سخت ہوا تو؟"

"جو کچھ بھی ہو یار' راج ہنس کو چھوڑنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔"

"ٹھیک ہے میری جان۔ پھر بسم اللہ کرو۔"

"کیوں نہ ہماری اور تمہاری شادیاں ساتھ ہی ہوں۔" طالوت نے کہا۔

"اب تم نہیں شرما رہے ہو تو میں کیا شرماؤں۔ ٹھیک ہے۔"

"تب پھر یار' اس سلسلے میں بھی نواب صاحب سے ہی بات کرو۔" طالوت نے کہا اور میں نے گردن ہلا دی لیکن میں نے نواب صاحب سے گفتگو کرتے ہوئے کچھ اور بھی کارنامے انجام دیے۔ ایک رات میں نے انہیں ان کے کمرے میں جالیا۔

"آج پھر آپ کو زحمت دینے حاضر ہوا ہوں۔"

"ہاں ہاں بیٹے' کیا بات ہے کہو۔ ویسے میں بھی تم لوگوں سے گفتگو کرنے والا تھا۔"

"جی پہلے آپ فرمادیں۔"

"بس کوئی خاص بات نہیں تھی۔ میں جاننا چاہتا تھا۔ میں چاہتا ہوں' تمہاری شادی سے پہلے فارغ ہولوں آباؤں تاکہ یہاں اپنا گھر بنا کر دل جمعی سے تمہاری خوشی میں حصہ لے سکوں۔"

"یہ تو کسی طور ممکن نہیں نواب صاحب۔"

"اوہو۔ کیوں؟"

"ہمارے سرپرست تو آپ ہی ہیں اور سرپرست کا یہاں ہونا ضروری ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں کہیں بھی رہوں' ہر جگہ تمہارا سرپرست ہوں۔"

"میری یہی خواہش تھی۔" میں نے کہا۔

"سر آنکھوں پر۔ میں کب انکار کرسکتا ہوں۔" نواب صاحب شفقت سے بولے۔

"میں آپ کی شفقت پر ناز کرتا ہوں نواب صاحب۔۔۔ ایک اور مسئلہ درپیش ہے۔"

"ہاں ہاں' کہو۔ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟"

"شکیلہ عادل کی پسند ہے' وہ اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ' خدا کی قسم! کتنی خوشیاں سمیٹوں۔ بے حد دلچسپ' نہایت حیرت انگیز۔ دو بیویاں ہم شکل' دو شوہر ہم شکل' ایک مجوبہ نہیں ہے لوگوں کے لیے۔" نواب صاحب مسرت سے بولے۔

"یہ بھی آپ ہی کو کرنا ہے۔"

"تو میاں! کوئی کہنے کی بات ہے یہ۔ بلکہ میرا خیال ہے' دونوں شادیاں بیک وقت ہوں اور تنویر کے ہاں سے ہوں۔"

"تین۔ تین۔" میں نے اضافہ کیا۔

"واقعی۔ تیسرا جوڑا کون ہے؟"

"جمشید اور عذرا۔"

"ارے! نواب صاحب اچھل پڑے۔

"جی۔"

"مگر یہ عذرا کون ہے؟" انہوں نے متحیرانہ انداز میں پوچھا اور میں نے پوری تفصیل سے عذرا کے بارے میں نواب صاحب کو بتا دیا۔ نواب صاحب حیرت اور دلچسپی سے سن رہے تھے پھر وہ ایک طویل سانس لے کر بولے۔

"لیکن جمشید کا مسئلہ الجھا ہوا ہے' اس کا باپ اسے کس طرح قبول کرے گا۔ تنویر بھی رشتے داری کی وجہ سے یہ ذمے داری شاید قبول نہ کرے۔"

"وہ دیگر بات ہے' لیکن آپ ان سے گفتگو تو ضرور کریں۔ باقی ذمے داری ہم خود قبول کرلیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں بات کروں گا۔"

"تو آج آپ کے لیے یہی دردِ سر لایا تھا۔"

"اسے دردِ سر کہتے ہو بیٹے! میری زندگی تو تم لوگوں میں شامل ہو کر اور خوشگوار ہوگئی ہے۔ تم جتنے نیک دل انسان ہو' اس کی مثال جمشید اور عذرا کے سلسلے میں بھی ملتی ہے۔ تھوڑی سی نیکی مجھے بھی کرنے دو۔ وہ یہ کہ عذرا کو میں اپنی بیٹی کی حیثیت سے بیاہوں گا۔"

"ہم آپ کو نہیں روکیں گے نواب صاحب۔ ویسے ہم بھی اس کے لیے کچھ طے کرچکے ہیں۔ شادی کے بعد جمشید امریکا ضرور جائے گا لیکن واپس یہیں آجائے گا۔"

"بہت خوب۔ یقیناً تم نے کوئی گہری بات سوچی ہوگی۔ اب ایک بات اور بتا دو' اس سلسلے میں کب تک خیال ہے؟"

"براہِ کرم اسے صرف ضرورت خیال فرمائیں۔ میں اس لیے شرمندہ ہوں کہ اس میں میرا معاملہ بھی شامل ہے۔ یہ کام دس پندرہ دن میں ہوجانا چاہیے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے میاں! عذرا کے معاملے میں تھوڑی سی الجھن ہے۔ بہرحال اس کے گھر چل کر اس کے والدین کو راضی کریں گے۔ بلکہ ایک تجویز کیوں نہ کی جائے۔"

"جی؟"

"تمہارے مشورے سے۔ اس طرح تھوڑی سی تفریح بھی بڑھ جائے گی۔ دو شادیاں یوں ہوں کہ لڑکوں کی بارات تنویر کے مکان پر جائے اور دوسرے دن جمشید کی بارات تنویر کے مکان سے یہاں آجائے اور ہم یہاں سے عذرا کو رخصت کریں۔ جمشید بہرحال تنویر کا عزیز ہے' اس کا حق بھی ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے' یہ بات آپ تنویر صاحب سے کرلیں۔"

"تم لوگ بھی ساتھ ہوگے۔" نواب جلال الدین بولے اور میں نے گردن ہلا دی۔

دوسرے دن میں اور طالوت نواب جلال الدین کے ساتھ تنویر صاحب کے ہاں پہنچ گئے۔ تنویر صاحب نے بڑا پرجوش استقبال کیا۔ ان کے چہرے کی ساری شکنیں مٹ گئی تھیں اور وہ بہت بشاش نظر آرہے تھے۔

"بھئی' مجھے یہ بات بہت پسند آئی۔ کوئی بھی روایتی انداز نہ اختیار کیا جائے۔ جب تک شادی نہ ہوجائے صائم میاں اسی بے تکلفی سے آتے جاتے رہیں۔"

Uploaded By Muhammad Nadeem

"تو تمہارا خیال تھا' کوئی تکلف کیا جائے گا؟" نواب صاحب بولے۔

"ہرگز نہیں۔ کیا جاتا تو مجھے افسوس ہوتا۔" تنویر صاحب بولے۔

"کچھ ضروری امور تھے۔" نواب صاحب بولے۔

"ارشاد؟"

"شادی کی تاریخ طے کرنی ہے۔"

"یہ آپ پر منحصر ہے۔" تنویر صاحب بولے۔

"بات تین تین شادیوں کی ہے' سوچ لو۔ اگر میں پندرہ دن کا وقت رکھ دوں تو۔۔۔؟"

"پندرہ دن میں تو پندرہ شادیاں ہو سکتی ہیں جلال بھائی۔ مگر یہ تین شادیاں۔۔۔؟"

"ہاں بھئی۔ تو کیا تمہاری دوسری بیٹی شکیلہ یونہی بیٹھی رہے گی؟"

"ہرگز نہیں۔" تنویر صاحب خلوص سے بولے۔

"میں بھی اپنے دونوں بچوں صائم اور عادل کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری ایک بچی بھی ہے' اس کی شادی بھی تم سے طے کرنا ہے۔"

"بچی؟" تنویر صاحب حیرانی سے بولے۔

"ہاں۔ تم اس کے لیے جمشید کا رشتہ لے کر آجاؤ۔ اب باپ ایسی باتیں نہیں کرتے لیکن خیر۔ تم بھی کیا یاد کرو گے۔"

"جلال بھائی! واللہ۔ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جمشید تمہاری بیوی کا بھتیجا ہے' اس کے بارے میں کون سوچے گا؟"

"لیکن لڑکی۔۔۔؟"

"میری بیٹی ہے' رشتہ لے کر آؤ۔ تو دیکھ بھی لینا۔" نواب صاحب نے کہا۔

"میری تو عقل چکرا کر رہ گئی ہے۔"

"تب پھر اپنی بیوی سے رجوع کرو۔ بلکہ تم سے بات کرنا ہی فضول ہے۔ بلاؤ بھابی جان کو۔" نواب صاحب نے کہا اور تنویر صاحب جلدی سے اٹھ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد بڑی ماں کمرے میں پہنچ گئیں اور نواب صاحب نے بغیر کسی تمہید کے سلسلہ شروع کر دیا۔

"بات یہ ہے بھابی جان! کہ جمشید کی بدلی ہوئی شخصیت کے تحت اس کی حیثیت ہی بدل گئی ہے' میں کچھ ناگوار باتوں کا انکشاف کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ گو اس کے لیے میں نے اجازت نہیں لی ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بغیر بات آگے بڑھانا ناممکن ہوگا۔ آپ کے بھائی صاحب نے جمشید کو امریکا سے اس لیے بھیجا تھا کہ وہ آپ کی بچی کو شیشے میں اتارے' اس سے شادی کرے اور اس طرح آپ کی دولت کا مالک بن جائے۔ لیکن جمشید خصلت میں باپ سے مختلف نکلا اور ایسی شکل بنا کر یہاں آیا کہ آپ اسے قبول نہ کریں اور وہ اس میں کامیاب رہا لیکن یہ صرف اس کی نیک دلی تھی۔ وہ اس طرح اپنے باپ کی ہوس پوری کرنا نہیں چاہتا تھا اور اس وقت تک' جب تک اسے اچھا ساتھ نہ ملا' وہ اپنی کوششوں میں مصروف رہا۔"

نواب صاحب طویل سانس لے کر رکے اور پھر بولے "عادل اور صائم نے اس کی ذہنی الجھنوں کو دور کرنے میں مدد دی اور وہ پھر انسان بن گیا۔ اور اب اس میں اتنی شکل کے تحت اس نے اپنے کچھ حقوق بھی پیدا کر لیے۔ اس نے اس کے لیے ایک لڑکی کا انتخاب کیا ہے اور اب میری خواہش ہے کہ آپ پھوپی ہونے کے ناطے سے اس کی سرپرست بن کر اس کی شادی کر دیں۔"

بڑی ماں حیرت سے منہ پھاڑے یہ سب کچھ سن رہی تھیں' کئی لمحوں تک وہ سکتے کے عالم میں رہیں پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولیں "لیکن آپ کو یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا بھائی صاحب؟"

"جمشید کی زبانی۔"

"اوہ۔۔۔" بڑی ماں افسردگی سے بولیں "بھائی جان نے کبھی میرا اچھا نہ سوچا۔ کاش میرا کوئی بھائی نہیں ہوتا' حسرت تو نہ ہوتی۔ میں اس جمشید کے لیے ہی کچھ کیوں کروں' میرا اس سے کیا رشتہ؟"

"نہیں بھابی جان! اس انداز میں نہ سوچیے' بہرحال وہ آپ کا بھتیجا ہے۔۔۔"

"ارے تو بھائی جان کیوں خوش ہوں گے اس بات سے۔"

"ہم یہ ان کے لیے نہیں کر رہے ہیں' یہ صرف جمشید کے لیے کیا جا رہا ہے اور وہ اسی قابل ہے۔ وہ خود بھی اپنے باپ کی حرکتوں سے نالاں ہے۔"

"سوچ لیں بھائی صاحب! بھائی جان میری جان کو نہ آجائیں۔"

"یہ سب کچھ بعد میں دیکھا جائے گا۔ ان سے بھی نمٹ لیں گے۔"

"جیسی آپ سب کی مرضی۔ لڑکی کون ہے؟"

"میری بیٹی۔"

"آپ کی۔۔۔؟"

"ہاں۔"

"مگر کون سی؟"

"یہ تو آپ رشتہ لے کر آئیں گی تب پتہ چلے گا۔"

"کہاں آؤں گی؟" بڑی ماں تعجب سے بولیں۔

"بھئی' میرے بچوں کے گھر' میرے گھر۔"

"اوہ آپ شکیلہ کی بات کر رہے ہیں کیا؟"

"ارے توبہ توبہ۔ وہ میری کہاں' وہ تو آپ کی بیٹی ہے اور اس کی شادی تو عادل میاں کے ساتھ ہوگی۔ آپ نے دراصل میری دوسری بیٹی کو دیکھا ہی نہیں ہے۔"

"ایمان سے' میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آیا۔"

"آپ کو تو اللہ سمجھائے گا یا پھر تنویر۔ بہرحال آپ کل رشتہ لے کر آرہی ہیں؟"

"جو حکم بھائی صاحب۔" بڑی ماں نے کہا۔ وہ نواب جلال الدین کا بے حد احترام کرتی تھیں۔

"چلو بھئی' یہ مسئلہ بھی طے ہوگیا' تو کل شام چار بجے آپ ہمارے ہاں آرہی ہیں بمعہ مٹھائی کے؟"

"جی' حاضر ہو جاؤں گی۔" بڑی ماں نے کہا۔

"چلیں بھئی' یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا۔" نواب جلال الدین نے کہا اور پھر انہوں نے تنویر صاحب سے اجازت طلب کی۔

"ایسی کیا جلدی ہے بھائی صاحب۔ بیٹھیں ابھی۔"

"جلدی تو ہے بھئی۔ تم نہیں سمجھو گے' اجازت دو۔" نواب صاحب نے کہا اور پھر وہ تنویر صاحب سے اجازت لے کر اپنے لوگوں کے ساتھ وہاں سے چل پڑے۔

"جلد بازی تو نہیں ہوگئی؟" انہوں نے کہا۔

"کیا مطلب؟" طالوت بولا۔

"لڑکی انہیں بلا لیا ہے' جبکہ لڑکی کو ابھی تک میں نے دیکھا بھی نہیں ہے' میرا مطلب ہے عذرا کی والدہ وغیرہ تیار ہو جائیں گی؟"

"میں نے پوری طرح غور کیا ہے جناب۔" طالوت نے کہا "آپ کی دنیا کے غریب لوگ عموماً خوددار ہوتے ہیں۔ وہ اپنے ماحول میں ہی زندگی سے جنگ کرتے ہیں۔ جبکہ بعض دولت مند مزید دولت مند بننے کے لیے اپنا سب کچھ بیچ دیتے ہیں۔ میرا خیال ہے یہ لوگ بھی مشکل ہی سے راضی ہوں گے۔"

"تمہارا خیال درست ہے بیٹے!" نواب جلال الدین نے کہا "لیکن یہ آپ کی دنیا' کیا معنی رکھتی ہے؟"

"دراصل ہماری ریاست میں دو سرے اصول ہیں۔ ہمارے ہاں غریب اور امیر نہیں ہوتے۔"

"تمہاری ریاست۔ نہ جانے اسے دیکھنے کی خواہش بھی کبھی پوری ہوگی یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے' نہیں نواب صاحب۔"

"ہاں شاید۔"

"اور اس کی وجہ آپ سمجھتے ہیں۔ وہاں کے بعض اصول بے حد احمقانہ ہیں۔ میں اس کے بارے میں آپ کو تفصیلات بتا چکا ہوں۔" طالوت نے بات بنائی۔

"خیر اب یہ بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"میرا خیال ہے عذرا کے گھر چلیں۔"

"کیوں نہ سمیں اور شکیلہ کو بھی ساتھ لے لیا جائے۔"

"مناسب خیال ہے۔" طالوت جھٹ سے بول پڑا اور نواب صاحب مسکرانے لگے۔ بہرحال ہم گھر واپس گئے۔ سمیں' احسان اور شکیلہ کو تیار کرایا گیا اور پھر ہم عذرا کے گھر پہنچ گئے۔

دن میں عذرا سے ملاقات ہوئی تھی۔ ہم نے اس کے گھر جانے کا کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس لیے ہمیں اچانک دیکھ کر وہ بھونچکی رہ گئی اور پھر خوشی سے اس کا چہرہ گلنار ہوگیا۔ گھر کے بچے بچے نے مسرت بھرے انداز میں استقبال کیا تھا۔ عذرا کی والدہ بھی بے حد خوش تھیں۔

"کیا نام ہے عذرا بیٹی آپ کی امی کا؟"

"جی۔ شاہدہ۔" عذرا نے جواب دیا۔

"شاہدہ بہن! میں ان بچوں کا بزرگ ہوں۔ میری ایک چھوٹی سی ریاست ہے جلال آباد۔ اور میرا نام جلال الدین ہے۔ بات یہ ہے بہن کہ ان لڑکوں نے جگہ جگہ مجھے چوٹ دی ہے۔ یعنی انہوں نے عذرا جیسی پیاری بیٹی کو بہن بنا لیا ہے اور میں بوڑھا ہوگیا لیکن آج تک میری کوئی بہن نہیں بن سکی۔" نواب صاحب نے سلسلہ گفتگو شروع کیا۔

"میں تو حیران ہوں بھائی صاحب! اور یقین کریں اکثر سوچنے لگتی ہوں کہ فرشتے صرف آسمان پر نہیں رہتے۔ کبھی کبھی وہ زمین کی سیر کرنے بھی آجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کی زندگی اور بلندی میں ترقی فرمائے۔ بہت کچھ ہوتے ہوئے انہوں نے ہم ناچیزوں پر توجہ دی۔ انہوں نے تو ہماری تقدیر ہی بدل دی۔"

"نہیں نہیں۔ خدا سے توبہ کریں۔ تقدیر بدلنا صرف اس کا کام ہے۔ خوش بختی تو ہماری ہے کہ اس نے ہم گنہگاروں کو اس کا ذریعہ بنایا۔"

"درست فرمایا بھائی صاحب۔" شاہدہ نے کہا۔

Uploaded By Muhammad Nadeem

"دیکھیے آپ بار بار مجھے بھائی صاحب کہہ کر میرے محرومی کے زخم کو تازہ کررہی ہیں۔ یہ لوگ میرے اوپر مسکرائیں گے۔" نواب صاحب بولے۔

"میں نہیں سمجھی۔ بھائی صاحب۔"

"بھئی میں ان کا چیلنج قبول کرکے ہی یہاں آیا ہوں۔ اگر یہ لوگ عذرا بیٹی کو بہن بنا سکتے ہیں تو کیا شاہدہ میری بہن نہیں ہوسکتی۔"

اور اندر خاموشی چھاگئی۔ شاہدہ' نواب صاحب کے سامنے نہیں آئی تھیں اور پردے کے پیچھے سے گفتگو کررہی تھیں۔ کئی منٹ خاموشی چھائی رہی پھر شاہدہ کی سسکیاں سنائی دیں۔

"آپ غلط رو رہی ہیں بہن۔ اور میں آپ کے سر پر ہاتھ بھی نہیں پھیر سکتا۔ آپ کو اپنے بوڑھے سینے سے بھی نہیں لگا سکتا۔"

"بھائی جان!" شاہدہ پردے کے پیچھے سے نکل آئیں اور نواب صاحب ایک قدم آگے بڑھے' پھر جھک کر رک گئے۔

"میں ابھی آپ کے سر پر ہاتھ نہیں رکھوں گا بہن۔ اگر آپ خلوص دل سے مجھے بھائی تسلیم کرکے' خدا کو حاضر و ناظر جان کر اس کا اعلان کریں تب ہی میرے دل کی پیاس بجھے گی۔"

"اللہ آپ کو اس کا اجر دے۔ آپ نے ہم غریبوں کے سر پر ہاتھ رکھا ہے' رب العزت آپ کے سر پر رحمت کا سایہ رکھے۔"

"آپ نے مجھے بھائی جان کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا ہے۔"

"نہیں بھائی جان۔ خدا کی قسم! میرا دل کئی ہاتھ بڑھ گیا ہے۔ میں خدا کے حضور پیش ہو کر آپ کو خلوص دل سے بھائی تسلیم کرتی ہوں۔" شاہدہ بولیں۔

"ارے تو بھائی کے سینے سے کیوں نہیں لگ جاتیں' پگلی کہیں کی۔" نواب صاحب دونوں ہاتھ پھیلا کر بولے اور عذرا کی والدہ نواب صاحب کے سینے سے لگ گئیں۔

"سمجھے لڑکو۔ اب میں بھی بہن والا ہوں۔" نواب صاحب کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے تھے۔ ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ بڑا رقت انگیز منظر تھا۔ سیمیں پھوپی جان کہہ کر ان سے لپٹ گئی۔

"یہ تمہاری بھتیجی ہے شاہدہ۔۔۔ اور یہ اس کا دولہا' یہ شکیلہ ہے اور یہ۔۔۔"

"ان بچوں سے تو میں مل چکی ہوں۔" شاہدہ نے کہا۔

"ارے عذرا بیٹے۔ چلو بھئی' چائے بنواؤ۔ ہم اندر بیٹھتے ہیں۔ آؤ شاہدہ!" اور نواب صاحب نہایت اپنائیت سے اندر داخل ہوگئے۔ انہوں نے عذرا کی ساری بہنوں کو سینے سے لگایا تھا "پھول سی بچیاں ہیں میری۔ شاہدہ بہن۔ اب کسی سلسلے میں بھائی کا دل تو نہ توڑو گی؟"

"میں آپ کی خادمہ ہوں بھائی جان!"

"جو کہوں گا' مان لوگی؟"

"حکم دیں بھائی جان۔"

"میں نے تمہیں دل و جان بہن کہا ہے شاہدہ۔ میرے پیار میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔ ایک بھائی ہونے کے رشتے سے میں یہ کیسے برداشت کروں کہ تم یہاں رہو اور میں کہیں اور۔"

"میں نہیں سمجھی بھائی جان۔" شاہدہ حیرت سے بولیں۔

"میں تمہیں آج۔ اور ابھی یہاں سے لے جاؤں گا۔"

"کہاں؟"

"جہاں میں چاہوں۔ حق رکھتا ہوں۔"

"سر آنکھوں پر بھائی جان۔ لیکن۔ لیکن۔۔۔"

"لیکن کی گنجائش ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ بس دنیا والے۔۔۔ آپ کی عنایت۔ کیا کہوں' میں کیا کروں؟" شاہدہ بھی پریشانی سے بولیں۔

"زندگی میں پہلی بار کسی کو دل سے بہن بنایا ہے۔ دل نہ توڑو شاہدہ! خدا کی قسم! دل نہ توڑو۔" اور پھر اس کے بعد خوب ڈراما ہوا۔ نواب صاحب بھی بے حد کائیاں تھے۔ ہمارے ساتھ مل کر خوب استاد ہوگئے تھے۔ شاہدہ بھی بادل ناخواستہ تیار ہوگئیں اور پھر انتظامات ہونے میں دیر کتنی لگتی۔ راسم جیسا جتھم موجود تھا۔

چنانچہ رات تک عذرا اور اس کی فیملی ہماری کوٹھی میں منتقل ہوگئی۔ سب کی سب حیران اور پریشان تھیں۔ خدا نے ایک دم وقت بدل دیا تھا۔ عذرا کے تو آنسو نہیں تھمتے تھے۔ چھوٹی بچیاں سراسیمہ تھیں۔ ایک ایک چیز سے سہمی سہمی۔ خوف زدہ۔ کہیں خراب نہ ہوجائے۔ گندی گلیوں سے اٹھ کر جنت میں آگئی تھیں لیکن سب ان کی دل جوئی میں مصروف تھے۔ نواب صاحب بچے بن گئے تھے' خوش خوش چاروں طرف پھر رہے تھے۔ بڑی گہما گہمی ہوگئی تھی۔ اور تو اور احسان لوگوں سے بہت خوش تھا۔ کہہ رہا تھا میں نے اتنی ساری سالیوں کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ کوٹھی کی رونق دوبالا ہوگئی تھی۔ رات کے کھانے کے بعد بڑے ہال میں محفل جمی۔ اس میں صرف بڑے بڑے شریک تھے۔ عذرا' سیمیں یا

شکیلہ وغیرہ نہیں تھیں۔ ہاں احسان شامل تھا۔ تب نواب صاحب نے شادیوں کے ذکر چھیڑ دیئے' کہنے لگے "میں بڑا پریشان تھا۔ اتنی اہم ذمے داریوں میں کوئی بزرگ خاتون نہیں تھیں۔ خدا نے بڑا کرم کیا کہ میری بہن یہاں آگئی۔"

"کیسی ذمے داریاں بھائی جان؟" شاہدہ بولیں۔

"آپ دیکھ رہی ہیں بہن! دو دو بیٹے ہیں' ان کی شادیاں کرنی ہیں۔ رشتے طے ہوچکے ہیں اب بھلا میں تنہا کیا کرسکتا تھا؟"

"اوہ' خدا مبارک کرے۔" شاہدہ بیگم نے کہا۔

"صرف مبارک باد سے کام نہیں چلے گا۔ آپ سے تو بہت ضروری گفتگو کرنی ہے۔ کیا آپ کو احساس ہے کہ ماشاء اللہ عذرا ابھی شادی کے قابل ہے۔"

"ہاں بھائی صاحب! احساس تو سارے زندہ ہیں' لیکن جو حالات تھے آپ کے علم میں ہیں۔"

"اجی پرانی باتیں چھوڑو۔ آج کی بات کرو۔"

"ہاں' اللہ نے آپ کا سہارا دلا دیا ہے۔"

"چنانچہ اب عذرا کی شادی پندرہ دن کے اندر اندر ہوجانی چاہیے۔"

"جی۔۔۔؟" شاہدہ بیگم حیرت سے بولیں۔

"پندرہ دن کے اندر اندر۔ سمجھیں آپ؟"

"بھائی جان کا حکم سر آنکھوں پر۔ لیکن کیا یہ ممکن ہے' آپ ہی بتائیں۔"

"ارے ناممکن ہوتا تو بتاتے ہی کیوں۔ بس اتنا ہی وقت لگے گا' ان دونوں' یعنی صائم اور عادل کی شادیوں میں۔ یوں سمجھ لیں آپ' پہلے دو براتیں جائیں گی اور دو دلہنیں یہاں آئیں گی' پھر ایک برات آئے گی اور بیٹی رخصت ہوجائے گی۔"

"میری خود بھی یہی آرزو ہے بھائی صاحب۔ بن باپ کی بچیوں کو اللہ تعالیٰ عزت سے اپنے گھر پہنچا دے تو اس کا بڑا احسان ہوگا لیکن اتنی جلدی۔ لڑکے۔۔۔ رے میں بھی تو نہیں سوچا۔"

"دیکھو بھئی شاہدہ بیگم۔ ہم تو ہتھیلی پر سرسوں جماتے ہیں۔ تم صرف ایک بات کہو۔ ہمارے اوپر اعتماد ہے؟"

"کیسی باتیں کررہے ہیں بھائی صاحب! اب تو خدا کے بعد آپ پر ہی سب سے زیادہ اعتبار ہے۔"

"بس تو بات ختم ہوئی۔ ہم جانیں اور ہمارا کام۔ آپ صرف دیکھتی رہیں۔"

"جو آپ کا حکم بھائی صاحب۔" شاہدہ بیگم نے کہا اور ہم نے سکون کی سانس لی۔ نواب صاحب نے واقعی ہتھیلی پر سرسوں جمالی تھی۔

○☆○

دوسرے دن ناشتے کی میز پر بھی ناشتے کے بعد محفل جمی رہی۔ نواب صاحب نے شاہدہ بیگم کو بقیہ کوائف بھی بتا دیئے۔ انہوں نے اس مسئلے پر پوری تفصیل شاہدہ بیگم کو بتا دی تھی کہ کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے۔ انہوں نے جمشید کے بارے میں بھی تفصیل بتائی اور کہا۔

"دوپہر کے کھانے پر میں اسے بلا رہا ہوں۔ آپ اپنی رائے سے نوازدیں' اس کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔ اگر لڑکا آپ کو پسند آجائے تو مجھ سے کہہ دیں۔ شام کو اس کے ماموں ممانی آجائیں گے۔"

"بس مجھے تو اب صرف حکم دیا کریں بھائی صاحب۔ باقی آپ جو کچھ کریں وہ ٹھیک ہے۔" شاہدہ بیگم آبدیدہ ہوکر بولیں "میری کیفیت تو کسی ویرانے میں تنہا کھڑے اس درخت کی مانند ہے جو صدیوں سے تیز آندھیوں کی زد میں اکیلا کھڑا تھا۔ ہوا کے جھکڑ اسے جھنجھوڑتے تو وہ امداد طلب نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا۔ لیکن دور دور تک کسی کو نہ پاکر سر جھکا لیتا اور ہواؤں کے زخم سہتا رہتا۔ اس کی آنکھیں بے خوابی کا شکار تھیں۔ رفتہ رفتہ اس نے مصائب کو بھی زندگی کا ایک حصہ سمجھ لیا تھا پھر اسے آندھیوں میں بھی نیند آنے لگی۔ وہ ان آندھیوں کا عادی ہوگیا تھا۔ ایک رات وہ سویا اور خوب گہری نیند سویا۔ جب آنکھ کھلی تو اسے پتہ چلا کہ آندھیاں آئی تھیں لیکن اب اس کے گرد مضبوط اور تناور درختوں کا ایک جنگل موجود ہے۔ ان سب نے ہواؤں کو اس تک پہنچنے سے روک دیا ہے۔ درخت کو اب تو گہری نیند سونے کی آرزو ہے بھائی صاحب۔ تاکہ زندگی بھر کی تھکن دور ہوجائے۔" شاہدہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔

نواب صاحب بھی آبدیدہ ہوگئے تھے "تھکن سونے سے دور نہیں ہوگی شاہدہ بہن! اب تو یوں سمجھو۔ اس درخت کے اردگرد پنچھی چہک رہے ہیں' بہار آرہی ہے' تمہاری دور ہورہی ہے۔ جاگو۔ جاگتی رہو۔ زندگی کی مسرتوں سے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرو۔ نیند بھاگ جائے گی جاگنے کی آرزو پیدا ہوگی۔" کافی دیر تک یہ ماحول اداس رہا۔

عذرا بی کو بھی آج دفتر جانے سے روک دیا گیا تھا۔ میں اور طالوت البتہ تھوڑی دیر کے لیے گئے۔ جمشید بھی موجود تھا۔ وہ اور تصدق کسی موضوع پر گفتگو کررہے تھے۔ میں نے دونوں کو طلب کرلیا۔

"خیریت بھئی!"

"اگر ماکرم خبریں ہیں۔" جمشید مسکراتا ہوا بولا۔

"خیریت۔"

"میرے جاسوس نے بتایا ہے کہ آج رات۔ چند افراد کارپٹ سینٹر کے گوداموں کو آگ لگانے کی کوشش کریں گے' ان کا باقاعدہ تقرر کیا گیا ہے۔"

"اوہ۔" میں نے دلچسپی سے کہا "تو شمشیر اب یہ کر رہا ہے۔"

"اس کی ایسی تیسی۔" طالوت بولا۔

"ہم آپ کا انتظار کر رہے تھے۔ میرا خیال ہے پولیس کو خاموشی سے گوداموں پر تعینات کر دیا جائے اور رنگے ہاتھوں ان کو پکڑوا دیا جائے۔ شمشیر خود بخود روشنی میں آجائے گا۔"

"ابھی نہیں۔ ہم مشورہ کر لیں۔" میں نے کہا اور پھر میں اور طالوت اس بارے میں گفتگو کرنے لگے۔

"میرا خیال ہے شمشیر کو بالکل تباہ کرنا مناسب نہیں ہے' البتہ اس کی ساری کوششوں کو ناکام بنا دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ لوگ جو آگ لگانے آئیں گے' کل سے گانے بجانے کا کاروبار کریں گے اور شمشیر کے دفتر کے سامنے ڈیرہ ڈال دیں گے۔ وہ گا گا کر اسے اس کے کرتوت بتائیں گے اور کسی طور وہاں سے نہیں ہٹیں گے۔ کیوں راسم! کیا یہ ناممکن ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ یوسف عمران۔" راسم نے نمودار ہو کر کہا۔

"بس تم پوری ہوشیاری سے شمشیر کے معاملات کی نگرانی کرو۔ ہم اسے کوئی جسمانی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہونی چاہیے۔"

"جو حکم آقا!" راسم نے کہا اور غائب ہو گیا۔

"یہی ٹھیک ہے' مجھے تم سے اتفاق ہے۔" طالوت نے کہا۔

دوپہر کے کھانے پر ہم نے جمشید کو تیار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ بلاشبہ اعلیٰ تراش کے سوٹ میں ملبوس جمشید بے حد حسین نظر آرہا تھا۔ شاہدہ بیگم اسے دیکھ کر حیران رہ گئی تھیں اور پھر وہ پیار سے بولیں "ارے اپنا ہی ہے۔ یہ تو۔ یہ تو۔" اور پھر وہ خاموش ہو گئیں۔ جمشید کے باہر چلے جانے کے بعد انہوں نے متاثر لہجے میں کہا۔

"آپ نے تو زمانے بھر کی خوشیاں میری جھولی میں ڈال دیں بھائی صاحب! یقین کریں۔ میں نے کئی بار اس بچے کے بارے میں سوچا تھا۔ میں مجھے یہ اپنی عذرا کے لیے بہت پسند تھا۔"

"بس اب آپ ان لوگوں کے استقبال کی تیاریاں کریں۔" نواب صاحب نے کہا۔

وقت مقررہ پر تنویر صاحب' بڑی ماں' کمال اور افشاں کے ساتھ آگئے۔ شاہدہ بیگم بہرحال کسی حد تک تعلیم یافتہ خاتون تھیں۔ انہوں نے نہایت پر تپاک خیر مقدم کیا تھا اور پھر نہایت سلیقے کی گفتگو ہوئی اور معاملات طے ہو گئے۔

گہما گہمی کے اس وقت میں شمشیر ذہن سے نکل گیا تھا لیکن دوسرے دن اس کی فرم کے سامنے مجمع لگا ہوا تھا۔ چار خطرناک قسم کے ہیجڑے اس کے آفس کی عمارت کے سامنے تھرک رہے تھے۔ وہ بے تکے انداز میں الٹے سیدھے گانے گا رہے تھے۔ شمشیر کے آدمیوں نے انہیں بھگانے کی کافی کوشش کی مگر وہ بے تکے انداز میں گاتے رہے۔ وہ اپنا بقیہ معاوضہ مانگ رہے تھے جو آگ لگانے کے سلسلے میں ان سے طے کیا گیا تھا۔

"اوہو۔" طالوت نے گردن ہلائی اور ہم لوگ دیکھتے ہوئے اندر چلے گئے۔

اور پھر بڑے زبردست دن گزرے۔ تینوں شادیوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ شکیلہ بھی اب تنویر صاحب کی کوٹھی میں چلی گئی تھی اور طالوت کسی قدر اداس ہو گیا تھا۔ میں اکثر اس کا مذاق اڑاتا رہتا تھا اور وہ پھیکے انداز میں مسکرا دیتا تھا۔

ویسے ہم نے سارے پروگرام طے کر لیے تھے۔ افشاں سے بھی تم ملاقات ہوئی تھی۔ ہماری کوٹھی میں اب سیمیں' بوا' شاہدہ بیگم' عذرا اور اس کی بہنیں قیام پذیر تھیں۔ اور دن رات انتظامات میں مصروف رہتی تھیں۔ باقی سب لوگ آتے جاتے رہتے تھے۔

اور یہ شادی سے صرف چھ دن قبل کی بات ہے۔ میں اور طالوت کسی کام سے باہر گئے تھے اور ابھی واپس آئے تھے کہ تصدق اندر آگیا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"ہیلو تصدق!"

"مبارک ہو جناب!" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیریت؟"

"شمشیر کے دفتر میں تالا پڑ گیا۔ اس نے کاروبار بند کر دیا۔" تصدق نے مسکراتے ہوئے کہا لیکن نہ جانے کیوں ہمارے دلوں پر گھونسے سے پڑے۔ ہمارے چہرے اتر گئے۔ ہم نے عجیب سی نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا

اور پھر میں نے تصدق سے کہا۔

"ٹھیک ہے تصدق۔ جاؤ۔ ہمیں ذرا بات کرنی ہے۔"

اور تصدق چلا گیا۔ اب ہم دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ طالوت کے چہرے پر بھی تاسف تھا۔

"یہ کیا ہو گیا؟" وہ پھنسی پھنسی آواز میں بولا۔

"ہاں یار۔ اس وقت عجیب سا لگ رہا ہے حالانکہ یہی ہونا تھا۔"

"یہ صورت حال تو پسند نہیں آئی۔" طالوت پشیمان لہجے میں بولا۔

"پھر اب کیا کیا جائے؟"

"سوچو۔" طالوت نے کہا۔ اسی وقت انٹر کام پر تصدق کی آواز سنائی دی۔

"ایک خاتون ملاقات کرنا چاہتی ہیں جناب۔ برقعہ پوش ہیں' انہوں نے اور کچھ نہیں بتایا۔ بس ملنے کے لیے اصرار کر رہی ہیں۔"

"کون ہو سکتا ہے؟" طالوت پر خیال انداز میں بولا "بھیج دو تصدق۔" اس نے کہا اور ہم انتظار کرنے لگے۔ برقعہ پوش خاتون اندر آگئیں اور پھر اس نے نقاب اٹھایا تو ہم ششدر رہ گئے۔ اسے پہچاننے میں دقت نہیں پیش آئی۔ شمشیر کی بیوی کو افتتاح کے موقع پر بھی دیکھا تھا لیکن اس وقت سوجی ہوئی آنکھیں' اترا ہوا چہرہ' بکھرے بال۔ ہمارے دل لرز گئے۔

"صرف ایک بات پوچھنے آئی ہوں بھیا!" اس نے آہستہ سے کہا "بھائی اگر بہنوں سے اس طرح ناراض ہو جایا کریں تو بہنیں کہاں فریاد کریں؟ بھائی ناراض ضرور ہوتے مگر بہنوں کے گھر تو نہیں اجاڑتے۔"

"بیٹھو بہن!" طالوت نے کہا۔

"میں اس قابل نہیں ہوں بھیا کہ اب اس قیمتی کرسی پر بیٹھ سکوں۔"

"بیٹھو۔" طالوت نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

"میرا شوہر سخت بیمار ہے۔ ہم مصائب میں گھر چکے ہیں۔ بہرحال بہن کی طرف سے کامیابی کی مبارک باد قبول کریں۔ ہم اب اس گھر میں بھی نہیں رہ سکیں گے' ہمارا بال بال قرض میں بندھ گیا ہے۔" وہ واپس مڑی۔ ہم اسے روک بھی نہیں سکے تھے پھر جونہی اس نے دروازے کے باہر قدم رکھا' طالوت چیخ پڑا۔

"ابے عارف۔ کچھ کرو یار۔ چوٹ ہو گئی۔"

"کیا کروں؟"

"بلاؤ اس قلاباز کو۔ موجود ہے یا شادی کے سرور میں غرق پڑا ہے۔"

"جمشید؟"

"ہاں۔" طالوت بولا اور میں نے انٹر کام پر تصدق سے جمشید کے بارے میں پوچھا۔

"ابھی ابھی آئے ہیں جناب۔"

"بھیجو۔ جلدی۔" میں نے کہا اور چند لمحات کے بعد جمشید ہمارے سامنے موجود تھا۔ اسے ساری صورت حال بتائی گئی اور جمشید بھی سوچ میں ڈوب گیا۔

"اب سوچ بوجھ جھکڑ بی۔ کیا ہونا چاہیے۔"

"وہ اسٹاک اس نے نہ جانے کیا کیا؟ جو ہم نے اسے فروخت کیا تھا۔"

"کیوں۔ اس کا کیا کرو گے؟" میں نے پوچھا۔

"اوہو۔ وہ تو بڑی نایاب چیز ہے' ہم اسے منہ مانگی قیمت پر خرید سکتے ہیں' اور نئے سال کے لیے اس سے آرڈر بک کر کے اسے ایک سال کی پوری رقم ایڈوانس دے سکتے ہیں۔" جمشید نے کہا اور میں اس کی شکل دیکھنے لگا۔

"خدا کی قسم۔ یہ کاروباری شیطان ہے۔ جا بھائی! کہیں اپنا یار چل نہ بسے۔ یہ کام مجھے کرنا ہے۔ جلدی کر۔"

"کل پرسوں تک ہو جائے گا جناب۔" جمشید نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا اور پھر وہ چلا گیا۔

"دماغ گھما کر رکھ دیا ہے اس شخص نے۔ جو کم بخت گٹار بجاتا آیا تھا۔" طالوت بولا اور میں ہنسنے لگا اور درحقیقت جمشید کا اس مسئلے میں کوئی جواب نہیں تھا۔

دوسرے ہی دن ہم نے شمشیر کی فرم کھلتے دیکھی۔ پرانے اور آؤٹ آف فیشن اسٹاک نکل رہے تھے اور ٹرکوں پر بار ہو رہے تھے۔ تیسرے دن شمشیر بھی نظر آیا۔ کافی لاغر ہو گیا تھا۔ بہرحال کسی حد تک سکون کی سانس لی گئی اور پھر شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اب صرف تین دن باقی رہ گئے تھے اور سخت بھاگ دوڑ کرنی پڑ رہی تھی۔

پھر وہ دن بھی آگیا جب ہم دونوں احمق۔ پھولوں سے لدے تنویر صاحب کی کوٹھی پہنچ گئے۔ قاضی صاحب نے مقدس آیات پڑھ کر ہماری زندگی کو دائمی سکون بخش دیا۔ افشاں اور شکیلہ ہماری کوٹھی میں آگئیں اور پھر وہ راتیں۔ چھیانے کی راتیں ہیں۔ ہم آپ کو جلد عروسی میں کیوں لے جائیں۔ ساری باتیں بتانے کی تو نہیں ہوتیں۔ بس ہو گا کچھ۔ خوب لطف اٹھا چکے ہیں ہماری حرکتوں سے آپ۔

ہاں دوسرے دن جمشید بھائی کی شادی تھی۔ قہقہے برس

رہے تھے' خوشیاں بکھری پڑی تھیں۔ اپنی شادی میں شمشیر کو بھی مدعو کیا گیا تھا لیکن وہ نہیں آیا تھا۔ لیکن دوسرے دن جمشید کی بارات آنے کے بعد وہ آیا۔ اس کی بیوی بھی ساتھ تھی۔

اور جب اس نے نواب صاحب اور تنویر صاحب سے سلام کر کے ہاتھ ملایا تو ہم حیران رہ گئے۔ ایک بدلا ہوا انسان نظر آرہا تھا پھر وہ ہماری طرف بھی آیا۔

"ایک ہارے ہوئے انسان کا سلام قبول کریں شہزادگان!" اس نے کہا۔

ہم نے بڑے تپاک سے اس سے مصافحہ کیا تھا "شرمندہ ہوں' کل حاضر نہ ہو سکا تھا۔ میری طرف سے دلی مبارک باد قبول کریں۔"

"بہت بہت شکریہ شمشیر۔ لیکن ہمیں تمہارے پہلے الفاظ پر اعتراض ہے۔"

"جس بات پر بھی اعتراض ہے اس کے لیے معافی چاہتا ہوں' سمجھا ہوا ہوں۔" شمشیر بولا۔

"ایسے معاف نہیں کیا جائے گا۔" طالوت بولا۔

"پھر حکم دیں۔"

"حکم نہیں۔ التجا۔ ایک بازو میں مجھے لیں' دوسرے میں عارف کو۔ اور بڑے بھائی کی حیثیت سے پیشانی چوم کر مبارک باد دیں' تب قبول کی جا سکتی ہے۔" طالوت بولا اور شمشیر کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"ایک شرط پر؟" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ارشاد!"

"اسے ایک ناکام کاروباری کی خوشامد نہیں سمجھا جائے گا' بلکہ ایک ایسے انسان کا خلوص سمجھا جائے گا جسے ماضی کی حماقتوں کا احساس ہو گیا ہو۔"

"بڑے بھائی چھوٹے بھائیوں کے لیے ہمیشہ فراخ دل ہوتے ہیں۔ یہ کہہ کر ہمیں شرمندہ نہ کیا جائے۔" اور شمشیر ہم دونوں سے لپٹ گیا۔

"خدا کی قسم۔ خدا کی قسم! مجھے اپنی حماقتوں کا احساس ہے' بس اور کچھ نہ کہوں گا۔"

"ہماری طرف سے جو گستاخیاں ہوئی ہیں انہیں معاف کر دیں شمشیر بھائی۔"

"نہیں۔ قصوروار میں ہی ہوں۔" شمشیر کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ تبھی قاضی صاحب آ گئے اور جمشید کی ناک میں رسی ڈال دی گئی۔

شمشیر اور اس کی بیوی کو کسی طور جانے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اس سے نواب صاحب نے درخواست کی تھی کہ تین دن تک یہیں رہے۔ یوں یہ مرحلہ بھی طے ہو گیا۔

اور پھر دن عید تھے اور راتیں بقرعید والی شب برات۔ ایسے حسین دن اور راتوں کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا۔ یہ سب کچھ ہو گیا تھا لیکن بڑی ماں کسی قدر پریشان تھیں۔ انہیں اپنے بھائی کا خیال تھا۔ ظاہر ہے وہ بے حد ناراض ہوں گے۔

پروگرام طے ہونے لگے اور پھر ایک بات پر اتفاق ہو گیا۔ طے کیا گیا کہ جمشید ہماری فرم کے نمائندے کی حیثیت سے امریکا جائے۔ اس کے ساتھ اس کی 'غریب' بیوی عذرا بھی ہو۔ وہ بالکل قلاش انسان کی حیثیت سے جائے اور اس کے بعد اپنے والدین کا ردعمل دیکھے۔

یہ بات طے ہو گئی اور شادی کے ٹھیک دس دن کے بعد جمشید اور عذرا امریکا روانہ ہو گئے۔ نواب صاحب بھی جانے کے لیے پر تول رہے تھے' چنانچہ انہیں بھی اجازت مل گئی۔ شمشیر نے دوبارہ اپنا کاروبار شروع کر دیا لیکن اب اسے ہماری فرم کا پورا تعاون حاصل تھا۔ ہم نے کئی بڑے بڑے ٹھیکے اس کے سپرد کر دیے اور اسے مال بھی سپلائی کیا لیکن یہ سب کچھ اس انداز میں کیا گیا کہ اسے ہمارے کسی احسان کا احساس نہ ہو۔

طالوت بھی بہت خوش تھا۔ بس کبھی کبھی وہ آنے والے چاند کی باتیں کرتا تھا۔ اس بار وہ شکیلہ کو ساتھ لے جانے کا ارادہ رکھتا تھا۔ نواب صاحب بھی چلے گئے البتہ سمیں یہیں رہ گئی تھی۔ نواب صاحب کے ساتھ صرف احسان گیا تھا لیکن کوٹھی کی رونقیں عروج پر تھیں۔ افشاں اور شکیلہ' ان دونوں نے اسے نہ جانے کیا بتا دیا تھا۔

اور پھر چاند ڈوبنے کی رات آئی۔ سرسری طور پر ذکر کر دیا گیا تھا کہ عادل بھائی اپنی دلہن کو لے کر اپنے گھر جائیں گے لیکن اسے رخصت کرنے کے لیے کسی اہتمام کو منع کر دیا گیا تھا۔

"اچھا دوست! میری کامیابی کی دعا کرنا۔" طالوت نے مجھ سے کہا اور میں نے بڑے خلوص سے اسے رخصت کیا۔ اب کوٹھی میں افشاں تھی اور میں۔ سمیں بھی یہاں بہت خوش تھی۔ عذرا کی بہنیں بھی کوٹھی کی رونق تھیں۔ شاہدہ بیگم ایک بزرگ کی حیثیت سے کوٹھی کا پورا نظام سنبھالے ہوئے تھیں اور دن رات ہمیں دعائیں دیتی رہتی تھیں۔

یوں حشمت برادرز کا ایک کلرک' نہ جانے کہاں سے

کہاں پہنچ گیا تھا۔ زرینہ کی بے وفائی نے اس کی تقدیر بدل دی تھی۔ آج بھی جب میں اپنے بارے میں سوچتا ہوں تو خود کو ایک افسانہ نظر آتا ہوں۔ طالوت کی واپسی کا وقت آ رہا تھا اور میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ نہ جانے اس بے چارے کے ساتھ کیا بیتی۔ اور پھر چاند نکل آیا لیکن طالوت واپس نہ آیا۔

اپنی بے چینی کو افشاں پر بھی ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ افشاں کو میں نے دل کا ہر راز سونپ دیا تھا لیکن طالوت کے بارے میں کچھ بتانا ناممکن تھا۔ اس کے لیے میں نے خود کو معاف کر دیا تھا اور اس بات کو ہمیشہ ذہن میں رکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ طالوت کو گئے ہوئے پانچواں دن تھا اور اب کہیں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ یہاں تک کہ افشاں کی گود میں بھی اکثر طالوت کے بارے میں سوچنے لگتا تھا لیکن کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ بہت سی پریشانیاں منہ کھول کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

چھٹا' ساتواں اور آٹھواں دن بھی گزر گیا۔ افشاں بھی اب میری پریشانیاں بھانپ رہی تھی۔ بہرحال وہ خود بھی طالوت کے لیے فکرمند تھی۔

اور نویں دن میں آفس میں تھا کہ اچانک طالوت دروازے سے اندر داخل ہوا۔ میں دوڑ کر اس سے لپٹ گیا تھا۔ طالوت میری پشت تھپکنے لگا لیکن اس کے چہرے پر پھیکا پن نظر آ رہا تھا۔

"خوب ہنی مون منایا بے ایمان۔ یہاں میں پاگل ہو گیا تھا۔"

"نہیں یار۔ گڑبڑ ہو گئی ہے۔" طالوت سنجیدہ لہجے میں بولا۔

"کیا ہوا طالوت؟ شکیلہ کہاں ہے؟"

"اسے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔"

"ارے۔ خیریت؟"

"والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔" طالوت نے بتایا اور میں سکتے میں رہ گیا۔ کئی منٹ تک میرے منہ سے آواز نہ نکل سکی۔ بمشکل حواس قائم ہوئے اور میں نے تاسف سے پوچھا۔

"کب؟ کیسے؟"

"بیمار تو پہلے بھی تھے لیکن اس حد تک احساس نہیں تھا۔ جس دن میں وہاں پہنچا اسی دن صبح کو انتقال ہوا تھا۔"

"میں تمہارے دکھ میں برابر کا شریک ہوں طالوت! اور کیا کہوں؟"

"یار بڑی الجھنیں پیش آ گئیں۔ یوں تو ہر زندگی کی انتہا موت ہے لیکن بہرحال وہ میرے باپ تھے اور ان کی موجودگی میں' میں نے کوئی ذمے داری کبھی نہیں محسوس کی۔"

"یقیناً طالوت! میں جانتا ہوں۔"

"اب میرے قبیل کے لوگ مجھے بادشاہ بنانا چاہتے ہیں۔ ان کی بات نہیں مانوں گا تو بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔"

"اوہ!" میں نے پریشانی سے کہا۔

"سنجیدگی سے تمہارے مشورے کی ضرورت ہے عارف۔ یہ حالات کبھی پیش نہیں آئے تھے' جو اس وقت ہیں اور تمہارا مشورہ ہی میرے لیے راستے کا تعین کرے گا۔"

"ایک بات بتاؤ طالوت۔ اگر تم وہاں جا کر ذمے داریاں سنبھال لو گے تو کیا تمہارا رابطہ ہم سے بالکل ختم ہو جائے گا؟"

"نہیں میرے دوست۔ ہرگز نہیں۔ میں نے بھی اس موضوع پر بہت کچھ سوچا ہے۔ میں وہاں ایک ایسا علاقہ تعمیر کروں گا جو ہماری بیان کردہ پہاڑی ریاست کا نمونہ ہو گا اور وہاں پر میں تم لوگوں کو بھی دعوت دیا کروں گا۔"

"ہمارے بغیر وہاں تمہارا دل لگ جائے گا؟"

"یہی تو سب سے مشکل کام ہو گا۔"

"لیکن ذمے داریاں طالوت؟"

"ہاں۔" طالوت نے ٹھنڈی سانس لی "ان کا احساس ضروری ہے۔"

"تب طالوت' تمہیں خود میں تھوڑی سی تبدیلیاں کرنا ہوں گی۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اپنے خاندان اپنے قبیل کی ذمے داریاں ضرور پوری کرو۔"

"یہی مناسب ہے عارف!"

"میں خود کو یہاں تنہا محسوس کروں گا طالوت۔"

"میں خود بھی' لیکن یہ کیسی انوکھی بات ہے کہ اس وقت ہم بھٹکنے والوں میں نہیں ہیں' بلکہ یوں لگتا ہے جیسے ایک جانے بوجھے پروگرام کے تحت یہ سب کچھ ہوا ہو۔ اب تم بھی سیٹ ہو اور میں بھی اور ہمارے ساتھی بھی موجود ہیں۔"

"ہاں!"

"ویسے جب بھی مجھے طلب کرو گے' چشم زدن میں موجود ہوں گا۔"

"یہی اچھی بات ہے۔"

"اس کے علاوہ میں چند لوگوں کو تمہاری خدمت کے لیے مامور کر دوں گا۔ وہ میرے لوگ ہوں گے اور وہ سب کچھ ہو جائے گا جو تم چاہو گے۔"

"میں تمہاری محبت سے سرشار ہوں طالوت!"
"تو پھر یہ بات طے ہو گئی؟"
"ہاں!"
"اب مسئلہ دوسرے لوگوں کا ہے۔"
"وہ بھی مشکل نہیں ہو گا۔"
"یعنی؟"
"ہم انہیں حقیقت بتا دیں گے۔"
"اوہ! لیکن۔۔۔"
"سیدھی بات ہے طالوت۔ اب تم اپنی ریاست کا نظام سنبھالو گے، میں یہیں رہوں گا۔"
"ہاں۔ باقی تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہے۔"
"جا بھی نہیں سکتے۔"
"پھر یار، بلاوجہ فکر مند تھے ہم لوگ، سوائے اس کے کہ تھوڑی سی جدائی برداشت کرنا پڑے گی اور کیا تبدیلی ہو گی۔"
"کچھ نہیں۔"
"بس اب میں مطمئن ہو گیا۔" طالوت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

سب سے پہلی اطلاع تنویر صاحب کو دی گئی تھی اور تھوڑی دیر میں سب کوٹھی پہنچ گئے۔ ہم بھی کوٹھی ہی چلے گئے تھے۔ تنویر صاحب نے تعزیت کی اور اس بات پر مجبوری ظاہر کی کہ وہ نہ پہنچ سکیں گے۔

"ایک اور بری اطلاع بھی ہے تنویر صاحب!" میں نے کہا۔

"اوہ! خدا کے لیے ساری بری اطلاعات ایک ساتھ نہ دو۔"

"سننا ضروری ہے۔ عادل اب ہمارے ساتھ نہیں رہیں گے۔"

"کیا مطلب؟"

"ریاست کے امور اب انہیں سنبھالنا ہوں گے۔"

"ارے۔" تنویر صاحب افسوس ناک انداز میں بولے۔

"مجبوری ہے لیکن بہرحال مقررہ دن عادل ہمارے ساتھ گزارا کریں گے۔" میں نے کہا اور تنویر صاحب ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گئے۔

"انتظامات سنبھالنے کے بعد میں بہت جلد آپ لوگوں کو ریاست کی سیر کی دعوت دوں گا۔ بہرحال ان کی دلچسپیوں کو، آپ کی عنایات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔" طالوت نے کہا۔

شام تک وہ ہمارے ساتھ رہا اور پھر اس نے واپسی کی اجازت مانگی۔ میرے دل میں خلا سا محسوس ہو رہا تھا لیکن بہرحال طالوت کی علیحدگی کسی شدید انداز میں نہیں ہوئی تھی۔ میں اس سے دور رہ کر بھی دور نہیں تھا۔ طالوت چلا گیا اور پھر وہ ہر جمعرات کی رات کو آنے لگا۔ کبھی کبھی وہ دن میں بھی آجاتا اور شکیلہ اس کے ساتھ ہوتی۔ وہ ہمارے لیے بے شمار انوکھے انوکھے تحائف لاتا جن کا دنیا میں کوئی وجود نہیں تھا۔

تین ماہ کے اندر کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ مثلاً جمشید بھیا واپس آگئے تھے۔ ان کے والد نے انہیں اپنی منقولہ و غیر منقولہ جائداد سے عاق کر دیا تھا۔ اپنی قلاش، بیوی کو لے کر وہ سیدھے گھر واپس آگئے تھے لیکن امریکا سے ایک بہت بڑا بزنس لائے تھے۔

اس کے علاوہ نواب جلال الدین کی کوٹھی اب ہماری کوٹھی کے بالکل برابر ہے اور رات کا کھانا انہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ہم سب شدت سے جمعرات کا انتظار کرتے رہتے ہیں جب طالوت آتا ہے اور ہمارے اس گل کدے میں قہقہے بکھر جاتے ہیں۔

(ختم شد)

www.urdukorner.com